

کارگل کے شاہین

اے حمید

خفیہ آبدوز بحیرہ عرب کے سمندر میں پانچ سو فٹ کی گہرائی پر پچیس سمندری میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پانی کے اندر ہی اندر سفر کرتے ہوئے بھارت کے رن کچھ والے ساحل کے قریب پہنچ گئی تھی۔ اس وقت آبدوز کے ایک مربع انچ رقبے پر سمندر کا پانی تین ٹن کا دباؤ ڈال رہا تھا۔ یہ جدید ترین آبدوز جس کے ملک کا نام میں یہاں ظاہر نہیں کروں گا، کھلے سمندر کے نیچے ایک ہزار فٹ کی گہرائی تک سفر کرتے ہوئے جب بھارت کے رن کچھ والے مغربی ساحل کے نزدیک پہنچی تو پانچ سو فٹ اوپر آ گئی تھی۔ آبدوز کے اندر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صرف انجنوں کے چلنے کی معمولی سی گونج اور کسی آلے کی ٹک ٹک کی دھیمی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ ساحل کے زیادہ قریب آجانے پر آبدوز مزید اوپر ہو گئی۔ آبدوز کا کمانڈر پیری سکوپ کے ساتھ آنکھیں لگائے سمندر کے باہر کا منظر دیکھنے لگا۔

پیری سکوپ ایک ایسی دوربین ہوتی ہے جس کے اوپر ایک لمبا پائپ لگا ہوتا ہے۔ یہ پائپ سطح سمندر سے تھوڑا سا باہر نکلا ہوتا ہے۔ اس دوربین کی مدد سے آبدوز کا کپتان زیر آب رہ کر بھی سمندر کے باہر کا منظر دیکھ سکتا ہے۔ یہ آبدوز بھارت کے مغربی ساحل پر کسی بھارتی جہاز کو تارپیڈو کا نشانہ بنانے نہیں آئی تھی بلکہ اس کا ایک خفیہ مشن تھا۔ اس نے دو پاکستانی کمانڈوز کو رات کی تاریکی میں بھارت کے مغربی

ساحل کے ایک ویران ٹاپو پر اتارنا تھا۔ یہ ٹاپو ایک ویران اور گمنام چھوٹا سا جزیرہ تھا جس کے آگے چند میل کے فاصلے پر پوربند کی بندرگاہ تھی۔ اس بندرگاہ کے شمال میں سمندر کا ریتلا ساحل تھا جو بھاؤنگر کی اہم ترین اور حساس ترین بندرگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ دس میل کا سفر تھا۔

دونوں پاکستانی کمانڈوز کو آبدوز کے کمانڈر کی طرف سے گرین سگنل مل چکا تھا اور وہ اپنے چھوٹے سے کیبن سے نکل کر کمانڈر کے پاس آگئے تھے جو پیری سکوپ دوربین سے سطح سمندر کے باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اگرچہ سمندر کے اوپر رات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی، مگر پیری سکوپ میں ایسے لینز لگے ہوئے تھے جو رات کی تاریکی میں بھی دیکھ سکتے تھے۔ گرین سگنل کا مطلب تھا کہ کمانڈر کو ٹارگٹ نظر آگیا ہے۔ آبدوز کے عملے کا ہر کارکن اپنی اپنی جگہ پر پوری مستعدی کے ساتھ بیٹھا کمانڈر کے سرخ سگنل کا انتظار کر رہا تھا۔ سرخ سگنل کے ملتے ہی آبدوز کو سمندر کی سطح پر آجانا تھا۔ دو ڈھائی منٹ کے بعد کمانڈر نے سرخ سگنل دے دیا۔ اس کے ساتھ ہی آبدوز کے بڑے ٹینک میں سے ایک ہزار ٹن پانی، ہوا کے دباؤ سے چلنے والے پمپوں کے ذریعے تیس ٹن فی سیکنڈ کی رفتار سے خارج ہونا شروع ہو گیا اور آبدوز آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھتی چلی گئی۔ اس وقت آبدوز کے انجن بند کر دیئے گئے تھے۔

دونوں کمانڈو اوپر آبدوز کے گول ڈھکنے کی طرف جانے والے آہنی زینے کے پاس آگئے۔ دونوں نے غوطہ خوری کے سوٹ پہن رکھے تھے جو ان کے جسم کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ نائیلون کے بڑے تھیلے ان کے قریب ہی رکھے ہوئے تھے۔ آبدوز کو سمندر کی سطح پر ابھرتے ہوئے پندرہ بیس سیکنڈ لگ گئے۔ جیسے ہی آبدوز سطح سمندر پر ابھری اس کا گول بڑا ڈھکن کھل گیا۔ دونوں کمانڈوز نے تھیلے کاندھوں پر ڈالے اور آہنی زینہ چڑھ کر آبدوز کے باہر آگئے۔ اس وقت رات کا سوا ایک بجا تھا۔ یہ دشمن کا ساحلی اور حساس ترین علاقہ تھا۔ سمندر پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ آبدوز وہاں

زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ آبدوز کے سطح سمندر پر آتے ہی دونوں کمانڈوز نے نائیلون کے تھیلے اپنی کمر پر باندھے، آکسیجن ماسک چہروں پر چڑھائے اور سمندر میں کود گئے۔ نقشے کی مدد سے انہیں ویران جزیرے کی سمت پوری طرح سے ذہن نشین کرادی گئی تھی۔ وہ سمندر کے اندر غوطہ لگانے کے بعد ٹھیک سمت کو تیرتے چلے گئے۔ ان کے پیچھے آبدوز سمندر میں غوطہ لگا گئی تھی۔ ان کمانڈوز کا مشن کیا تھا؟ یہ آپ کو آگے چل کر معلوم ہو جائے گا۔ جو چیز میں آپ کو نہیں بتاؤں گا وہ ان کمانڈوز کے نام اور حلیئے ہیں۔ نام میں فرضی رکھوں گا اور حلیہ بتانے کی ضرورت نہیں...... یوں سمجھ لیں کہ دونوں کی عمریں پچیس اور چھبیس سال کے درمیان تھیں...... پورے جوان تھے۔ جسم کسرتی اور صحت مند تھے، مکمل طور پر تربیت یافتہ کمانڈوز تھے اور مارشل آرٹ کے ماہر تھے۔

سمندر کے اندر ہی اندر ڈھائی تین میل تک تیرنے کے بعد وہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے سطح سمندر پر ابھر آئے۔ آگے سینئر کمانڈو عمران تھا اور اس کے پیچھے کمانڈو جبران تھا۔ ان کی دائیں جانب دور سمندر میں کھڑے جہازوں اور بندرگاہ پوربندر کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں جن کا عکس سمندر میں جھلملا رہا تھا۔ وہ ان روشنیوں کی مخالف سمت میں تیرتے ہوئے ویران ٹاپو کے ساحل پر نکل آئے۔ ساحل پر نکلنے کے فوراً بعد انہوں نے اپنے اپنے پاؤں سے تیرنے والے فلیپر اتار کر ہاتھوں میں پکڑ لئے۔ وہ انہیں وہاں پھینک نہیں سکتے تھے کیونکہ یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ یہاں کمانڈو اترے ہیں اور دشمن ہوشیار ہو جاتا ہے اور حساس ترین علاقے میں تو فوری طور پر بڑی سرگرمی سے کمانڈوز کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ یہ ٹاپو زیادہ چوڑا نہیں تھا...... اندھیرے میں دور کچھ فاصلے پر ٹاپو کا دوسرا ساحل تھا جہاں تاریکی چھائی تھی۔ دونوں کمانڈو دوسرے ساحل کی طرف چاروں طرف سے ہوشیار ہو کر چلے جا رہے تھے...... پھر وہ ایک جگہ خشک سرکنڈوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے۔ ان کی نظریں دور دوسرے

ساحل کے اندھیروں پر جمی ہوئی تھیں...... جب انہیں بیٹھے بیٹھے ایک منٹ گزر گیا تو کمانڈو جبران نے آہستہ سے کہا۔

"کہیں اپنا آدمی پکڑا تو نہیں گیا؟"۔

اس کے لہجے میں تشویش تھی...... کمانڈو عمران دور اندھیرے پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔

"کچھ بھی ہو سکتا ہے...... ویسے ہمیں خفیہ سگنل کا انتظار کرنا ہوگا"۔

اتنے میں دور اندھیرے میں روشنی کا ایک نقطہ تین بار ٹمٹمایا...... کمانڈو عمران کے ہاتھ میں چھوٹی پنسل ٹارچ تھی...... اس نے ٹارچ کا رخ دوسرے ساحل کی طرف کر کے اسے تین بار روشن کیا...... اس کے بعد اندھیرے میں دور صرف ایک بار روشنی چمکی...... یہ اس بات کا سگنل تھا کہ سب ٹھیک ہے...... ان کا اپنا آدمی جزیرے پر پہنچ چکا تھا اور ان کا انتظار کر رہا تھا۔ دونوں کمانڈوز نے جلدی جلدی اپنا اپنا تھیلا کھول کر مچھیروں کے کپڑے نکالے...... غوطہ خوری کا سوٹ اتار کر فلیپروں اور آکسیجن ماسک کے ساتھ ایک طرف رکھ کر مچھیروں کے کپڑے پہنے اور تھیلے میں سے ہی چھوٹا بیلچہ نکال کر وہاں گڑھا کھود کر غوطہ خوری کے سوٹ، فلیپر آکسیجن ماسک اس میں دبا کر اوپر جھاڑیوں کی شاخیں توڑ کر ڈال دیں...... اپنے اپنے پستول چیک کئے...... دونوں کے پاس خاص کمانڈو گلاک۔17 کا 9 ایم ایم آٹو میٹک پستول تھا جس کے میگزین میں سے 17 راؤنڈ فائر ہوتے تھے...... یہ خاص کمانڈوز کا پستول تھا جس کا وزن ہلکا تھا اور جس کی گولی جسم کے اندر جا کر ہینڈ گرنیڈ کی طرح پھٹتی تھی۔

دونوں کمانڈوز یعنی کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران وہیں ایک جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ کر اس طرف دیکھنے لگے جدھر سے انہیں آل کلیئر کا سگنل ملا تھا...... پستول ابھی تک ان کے ہاتھوں میں ہی تھے کیونکہ یہ دشمن کا سگنل بھی ہو سکتا تھا جس نے اپنی انٹیلی جنس کے ذریعے ہمارے سگنل پکڑ لئے ہوں...... چند لمحوں کے بعد دور اندھیرے میں

تین بار روشنی کا نقطہ روشن ہو کر بجھ گیا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ ہم تمہاری طرف آ رہے ہیں۔ کمانڈو عمران نے تین بار ٹارچ روشن کر کے جوابی سگنل دیا کہ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں...... ساتھ ہی اپنے ساتھی کمانڈو جبران کو اشارہ کیا۔ کمانڈو جبران دوڑ کر پندرہ گز کے فاصلے پر گیا اور پستول دونوں ہاتھوں میں تھام کر اوندھے منہ ریت پر لیٹ گیا...... ایسا اس لئے کیا گیا کہ اگر اپنے آدمی کی جگہ دشمن آ رہا ہے تو اسے وہیں ڈھیر کر دیا جائے...... تھوڑی دیر بعد ایک انسانی سایہ رات کی تاریکی میں کمانڈو عمران کے سامنے آ کر رک گیا...... اس نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

"میری بچی کو پیاس لگی ہے۔ کیا پینے کو پانی مل جائے گا؟"۔

یہ کوئی کوڈ خفیہ فقرہ تھا...... اس کے جواب میں کمانڈو عمران نے کوڈ جملہ بولا۔

"کیا راون کی لنکا جل رہی ہے؟"۔

انسانی سائے نے مزید کوڈ الفاظ میں کہا۔

"بیار بھینٹ کے پنچھی اڑ گئے ہیں"۔

ان خفیہ اشاراتی جملوں کے بعد جب دونوں طرف سے ایک دوسرے کی شناخت ہو گئی تو کمانڈو عمران نے کمانڈو جبران کو ہلکی سی سیٹی بجا کر واپس بلا لیا...... اندھیرے میں آنے والے اجنبی نے عمران اور جبران سے ہاتھ ملایا اور پوچھا۔

"سمندر میں کسی نے پیچھا تو نہیں کیا؟"۔

کمانڈو عمران نے جواب دیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہوئی...... ویسے بھی ہم سمندر کے اندر تیر رہے تھے"۔

"تمہارے اپنے کپڑے کہاں ہیں؟" اجنبی نے پوچھا۔

عمران نے کہا...... وہ ہم نے زمین میں دبا دیئے ہیں۔

"میرے ساتھ آ جاؤ"۔

یہ کہہ کر اجنبی نے دونوں کمانڈوز کو ساتھ لیا اور ریت پر سمندر کی مخالف سمت

کو چل پڑا...... تاریک رات میں سمندر کے کنارے کی ریت دور تک پھیلی ہوئی دھند کی طرح نظر آرہی تھی۔ اجنبی گائیڈ نے بھی ساحلی مچھیروں کا لباس پہن رکھا تھا۔

یہ علاقہ، جہاں دونوں کمانڈوز عمران اور جبران اپنے گائیڈ کی راہ نمائی میں ریت کے میدان میں اندر کی طرف چلے جا رہے تھے...... خلیج کچھ کے دائیں بازو کا علاقہ بڑا حساس تھا...... خلیج کچھ میں انڈین نیوی کا اہم ترین خفیہ اور سب سے بڑا فوجی بحری اڈہ تھا جہاں بھارت کے بڑے جنگی بحری جہاز "میسور" اور "رنجیت" کے علاوہ بھارت کا سب سے بڑا اور خطرناک طیارہ بردار بحری جہاز "وکرانت" بھی لنگر انداز تھا...... اس جہاز کے عرشے پر اسی لڑاکا بمبار طیارے تھے۔ ان کے علاوہ اسی خلیج میں انڈین نیوی کے فریگیٹ یعنی آبدوز شکن جنگی جہاز بھی گشت کرتے رہتے تھے...... اس اہم ترین بحری فوجی اڈے کی حفاظت کے لئے کاٹھیاواڑ سے لے کر سورت کے ساحل تک ساحلی توپ خانے کی بے شمار توپیں نصب تھیں...... اس بحری فوجی اڈے کی حفاظت کے لئے جام نگر اور راج کوٹ کے ارد گرد چھ ہوائی اڈوں پر انڈین ایئر فورس کے لڑاکا اور بمبار طیارے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ خلیج کچھ کے اس حساس ترین بحری فوجی اڈے سے شمال کی جانب دوارکا کے مقام پر حملہ آور طیاروں کو قبل از وقت خبر دینے کے لئے ایک بے حد طاقتور ریڈار نصب تھا...... یہ ریڈار پاکستان پر ہوائی حملے کی صورت میں کراچی، حیدر آباد اور رحیم یار خاں تک بھارتی بمبار طیاروں کی بخوبی راہ نمائی کر سکتا تھا...... اس کے علاوہ پوربندر کے مقام پر گولہ بارود اور اہم جنگی ساز و سامان کا بہت ذخیرہ بھی ڈمپ تھا۔

اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہمارے دونوں جانباز کمانڈو اپنی جان کا کتنا خطرہ مول لے کر دشمن کی سرزمین پر اترے تھے...... یہ وہ مشن تھا کہ جس پر جانے والے محب وطن کمانڈوز میں سے کوئی کوئی ہی واپس آتا تھا۔ ریت کے میدان میں ایک گھنٹہ پیدل چلنے کے بعد ایک جگہ پر سمندر اندر کی جانب آگیا ہوا تھا اور وہاں کھاڑی بن

گئی تھی...... یہاں ان کے اجنبی گائیڈ نے ٹیلے کے پیچھے ایک چھوٹی کشتی چھپا رکھی تھی۔ وہ کشتی پر بیٹھ گئے اور کھاڑی میں اوپر کی طرف کشتی کھینے لگے...... اندھیرے میں ان کا گائیڈ انہیں سمت اور راستہ دکھاتا چلا جا رہا تھا۔ وہ کمانڈو عمران سے کہہ رہا تھا۔

"یہاں ہم اپنے کمانڈوز کی مدد کے لئے مقامی مچھیروں میں سے ایک آدھ کو بھاری معاوضہ دے کر چند گھنٹوں کے لئے خرید لیا کرتے ہیں...... لیکن تمہارا مشن اتنا اہم اور نازک تھا کہ ہمیں کسی بھی مسلمان یا غیر مسلمان مچھیرے کو اعتماد میں لینے کو سختی سے منع کر دیا گیا تھا...... اسی لئے تم لوگوں کو بھاؤنگر تک پہنچانے کی میری ڈیوٹی لگائی گئی۔

کمانڈو جبران نے پوچھا۔

"یہاں سے بھاؤنگر کتنے فاصلے پر ہے؟"۔

گائیڈ بولا۔

"دو گھنٹے میں پہنچ جائیں گے"۔

گائیڈ مچھیرے نے کشتی میں پہلے سے مچھلیوں کے دو بھرے ہوئے ٹوکرے رکھ دیئے تھے تاکہ اگر راستے میں انڈین نیوی کی کوئی گشتی موٹر بوٹ روک لے تو انہیں یہی کہا جائے کہ ہم مچھیرے ہیں، رات کو مچھلیاں پکڑنے کے لئے کھاڑی میں نکلے ہیں...... یہ بات گائیڈ مچھیرے نے کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران کو بھی سمجھا دی تھی...... ان دونوں کمانڈوز کو اس علاقے کی گجراتی کاٹھیاواڑی زبان کی بھی اچھی طرح سے ٹریننگ دی گئی تھی اور وہ دونوں گجراتی زبان روانی سے بول اور سمجھ لیتے تھے۔ ان کو ہر طرح سے مکمل تربیت دے کر اس مشن پر روانہ کیا گیا تھا۔ یہ بات گائیڈ مچھیرے کو بھی معلوم تھی کہ دونوں کمانڈو گجراتی زبان بول اور سمجھ لیتے ہیں۔ باقی دو چار ضروری باتیں اس نے عمران اور جبران کو زبانی سمجھا دی تھیں...... گائیڈ مچھیرا اور کمانڈو عمران کشتی کے چپو چلا رہے تھے...... کچھ دیر کے بعد جبران چپو سنبھال لیتا تھا اور گائیڈ مچھیرا مہار تھام لیتا تھا تاکہ کشتی کو صحیح سمت پر چلائے رکھے۔

اندھیری رات میں ڈیڑھ گھنٹے کے سمندری سفر کے بعد انہیں دور سے ساحل پر روشنیاں نظر آنے لگیں...... گائیڈ نے بتایا کہ ہم بھاؤنگر کی خلیج کی اہم اور حساس بندرگاہ کے قریب پہنچ گئے ہیں...... خلیج کچھ کا یہ علاقہ آبنائے کی طرح تھا جہاں سمندر ایک دریا کی طرح اندر کو دور تک چلا گیا تھا...... بھاؤنگر آبنائے کا آخری کنارا تھا...... بھاؤنگر پہنچ کر سمندر ختم ہو جاتا تھا۔ یہاں سمندری آبنائے کا راستہ اتنا تنگ ہو جاتا تھا کہ اس میں سے صرف ایک بڑا جنگی یا طیارہ بردار جہاز ہی گزر سکتا تھا...... اس آبنائے میں انڈین نیوی کے آبدوز شکن فریگیٹ چھوٹے جہاز دن رات گشت لگاتے رہتے تھے۔ گائیڈ نے کشتی کے آگے کی جانب کے چپو خود سنبھال لئے تھے...... اس نے بتایا کہ ہم کشتی کو بھاؤنگر کی بندرگاہ کے سمندر کی جانب نہیں لے جا سکتے...... وہاں جانے کی کسی مچھیرے کو اجازت نہیں ہے۔ ہم بندرگاہ سے بہت پیچھے ایک چھوٹی سی کھاڑی میں سے گزر کر ساحل پر اتریں گے

اور وہاں سے ہمیں اندھیرے میں چھپ کر بھاؤنگر تک پیدل جانا ہو گا۔

گائیڈ نے کشتی کو بندرگاہ کی سمت سے ہٹا کر چھوٹی کھاڑی کی طرف ڈال دیا......
عین اس وقت سمندر میں ایک گشتی موٹر بوٹ نمودار ہوئی...... اس کی تیز روشنی ان کی کشتی پر پڑ رہی تھی...... گائیڈ مچھیرے نے فوراً ہم سے پستول لے کر کشتی کے ایک خفیہ خانے میں چھپا دیئے اور کہا۔

"یہ انڈین نیوی کی پٹرولنگ موٹر بوٹ ہے، تمہیں کیا کہنا ہے؟ میں نے تمہیں بتا دیا ہوا ہے...... یاد رکھنا گجراتی کے سوا کسی اور زبان میں بات نہ کرنا"۔

عمران اور جبران گائیڈ کی ہدایات کے مطابق ٹوکروں میں سے مچھلیاں نکال نکال کر پلاسٹک کے تھیلوں میں ڈالنے لگے...... انہوں نے گشتی موٹر بوٹ کی طرف بالکل توجہ نہ دی۔ یہ ظاہر کیا کہ یہ تو ہمارا روز کا معمول ہے اور ہم اس چیکنگ کے عادی ہیں۔

اتنے میں موٹر بوٹ ان کے قریب آ گئی۔ موٹر بوٹ پر نیوی کا جھنڈا لہرا رہا

تھا...... ڈیک کی روشنی میں انہیں چھ سات بحریہ کے فوجی سٹین گنیں پکڑے کھڑے نظر آئے...... موٹر بوٹ نے کشتی کے گرد ایک چکر لگایا اور کشتی کے عین قریب آ کر رک گئی...... ایک بحری افسر نے گجراتی زبان میں گرج کر پوچھا۔

"ادھر کیا کر رہے ہو؟"۔

گائیڈ نے گجراتی زبان میں کہا۔

"مہاراج! غریب مچھیرے ہیں، رات کو مچھلیاں پکڑنے نکلے تھے...... اب گھروں کو واپس جا رہے ہیں"۔

ایک بحری فوجی کشتی میں آ گیا...... اس نے مچھلیوں کے ٹوکروں کو اِدھر اُدھر کر کے دیکھا...... پھر عمران اور کمانڈو جبران کو سرچ لائٹ کی روشنی میں غور سے دیکھا اور ان سے گجراتی میں پوچھا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو؟"۔

کمانڈو عمران کو جیسا کہ سمجھایا گیا تھا اس نے گجراتی میں جواب دیا۔

"پٹ فیدر کے مچھیرے ہیں مارا! کھاڑی میں رات کو ہی شکار پر نکلتے ہیں...... ہماری باری رات کو ہی آتی ہے سرکار...... ہم غریب مچھیروں کو دن کے وقت کوئی بھی مچھلیاں نہیں پکڑنے دیتا"۔

اسی دوران ایک اور فوجی کشتی میں اتر آیا تھا اور وہ کشتی کی اچھی طرح سے تلاشی لے رہے تھے...... ہم کو پکڑوانے والی کشتی میں ایک ہی چیز تھی...... یعنی ہمارے گلاک 17 کمانڈو پستول، لیکن وہ کشتی کے ایک ایسے خفیہ خانے میں چھپائے ہوئے تھے کہ بحری سپاہیوں کی ان تک نظر نہیں جا سکتی تھی۔ موٹر بوٹ کے اوپر سے کسی افسر نے چلا کر اپنے فوجیوں سے انگریزی میں پوچھا۔

"یہ لوگ کون ہیں؟"۔

کشتی میں کھڑے بحری فوجی نے کہا۔

"سر! مچھیرے ہیں"۔

افسر نے تیز لہجے میں انگریزی میں کہا۔

"تو پھر وقت ضائع کیوں کرتے ہو......اوپر آجاؤ"۔

دونوں بحری فوجی جلدی سے موٹر بوٹ کی سیڑھی چڑھ کر اوپر ڈیک پر چلے گئے...... موٹر بوٹ نے دوبارہ ہارن دیا اور انجن سٹارٹ ہونے کے بعد وہ گھوم کر آبنائے کے دہانے کے سمندر کی طرف چل دی...... عمران اور جبران نے اطمینان کا سانس لیا...... گائیڈ نے چپو سنبھال لئے اور وہاں کی اردو میں بولا۔

"خدا نے مصیبت کو ٹال دیا"۔

یہ گائیڈ مسلمان مچھیرا تھا...... اسے معلوم تھا کہ دونوں کمانڈو بھی مسلمان ہیں...... مگر ہندو بن کر آئے ہیں اور بہاؤنگر اپنے خاص آدمی کے پاس ہندو بن کر ہی جائیں گے...... اس کا اصلی نام مسلمانوں والا تھا جو میں یہاں نہیں بتاؤں گا اور یہ بھی نہیں بتاؤں گا کہ وہ بہاؤنگر میں کیا کاروبار کرتا تھا اور اس کا دفتر کہاں پر تھا...... میں اسے دکاندار ظاہر کروں گا اور اس کا ہندوانہ نام بھی آپ کو فرضی بتاؤں گا...... اس کا وہ ہندوانہ نام نہیں بتاؤں گا جس نام سے وہ آج بھی بہاؤنگر میں بیٹھا یعنی دشمن کے پیٹ میں بیٹھا اس کے پاکستان دشمن عزائم کی ایک ایک لمحے کی رپورٹ پاکستان تک پہنچا رہا ہے اور یوں موت کے منہ میں بیٹھا وطن عزیز کی خدمات سرانجام دے رہا ہے...... اس محب وطن کے اصلی مسلمانوں والے نام بتانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، میں اس کا وہ ہندوانہ نام بھی نہیں بتاؤں گا جس نام سے وہ وہاں پچیس سال سے بیٹھا کاروبار کر رہا ہے...... میں اس کا فرضی ہندوانہ نام چندر کانت رکھ لیتا ہوں...... عمران اور جبران دونوں کمانڈوز نے گائیڈ کو بتادیا تھا کہ انہوں نے دھرم داس اور دیوی رت اپنے نام رکھے ہیں...... کمانڈو عمران نے کہا۔

"میں نے اپنا نام دھرم داس رکھا ہے"۔

اور جبران نے کہا۔

"میں نے اپنا نام دیوی رت رکھا ہے"۔

گائیڈ نے کہا تھا۔

"ان ناموں کو اچھی طرح سے ذہن میں بٹھالو اور زبان پر چڑھالو...... اگر کہیں ذراسی بھول چوک ہوگئی تو مارے جاؤ گے"۔

بلکہ تم ایک دوسرے کو اسی ہندوانہ ناموں سے بلایا کرو۔

اپنا آدمی جو پچیس سال سے بھارت کے ساحلی شہر بہاؤنگر میں دشمن کے پیٹ میں بیٹھ کر کاروبار کر رہا تھا اور اس نے اپنا نام چندر کانت گجراتی مشہور کر رکھا تھا، اس کے بارے میں عمران اور جبران کو بھی پورے طور پر بریف کر دیا گیا تھا، یعنی اس کی فوٹو بھی پاکستان میں انہیں دکھادی گئی تھی اور اس کا اصلی اسلامی نام بھی بتادیا گیا تھا اور یہ بھی بتادیا گیا تھا کہ وہ صوبہ پنجاب کے دارالحکومت لاہور کا باشندہ ہے اور اس کا کوئی نام شاہ جی رکھا گیا ہے...... لیکن عمران اور جبران کو سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ زیادہ تر اسے چندر کانت یا مہاشہ جی کے نام سے ہی بلائیں...... پاکستان کا یہ گمنام محب وطن جانباز جس کا کوڈ نام شاہ جی اور بھارت میں جس کا نام چندر کانت تھا 1971ء کی جنگ کے فوراً بعد گجرات کاٹھیاواڑ کے مشہور شہر احمد آباد سمگل کر دیا گیا تھا۔ وہاں اس نے گجراتی زبان پر عبور حاصل کیا اور چار پانچ سال وہاں رہا...... اس کے بعد ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت بہاؤنگر کے بندرگاہی شہر میں آگیا اور عین اس مقام پر جہاں اندر کی طرف آیا ہوا سمندر ختم ہوتا تھا اور جہاں کھاڑی کے ایک ممنوعہ علاقے میں انڈین نیوی کے جنگی اور طیارہ بردار جہاز "وکرانت" اور "میسور" اور "رنجیت" آبدوز شکن فریگیٹ جہازوں کی حفاظت میں لنگر انداز ہوتے تھے...... بندرگاہ کے عقب کی ایک مارکیٹ میں اپنا چھوٹا سا کاروبار شروع کر دیا...... ہم اس کاروبار کی نوعیت آپ کو نہیں بتائیں گے...... یوں سمجھ لیں کہ یہ ایک عام قسم کا کاروبار تھا جس کی شاہ جی عرف چندر

کانت گجراتی کو خاصی طور پر ٹریننگ دی گئی تھی...... ایک دکان میں اس نے اپنا چھوٹا سا دفتر بنالیا۔ دکان کے اوپر ایک چوبارہ تھا جس میں رہائش اختیار کرلی...... اس نے یہ ظاہر کیا کہ اس کے ماتا پتا بمبئی میں رہتے تھے...... وہ گجراتی تھے اور سورت کے رہنے والے تھے۔ وہ بمبئی میں پیدا ہوا...... پھر ماتا پتا کے ساتھ سورت آگیا۔ ابھی دس برس کا تھا کہ ماتا پتا سورگباش ہوگئے۔ یعنی مر گئے...... ایک رشتے دار نے اسے پڑھایا لکھایا...... وہ بڑا ہوا تو بمبئی واپس چلا گیا اور اپنا آبائی کام کرنے لگا...... وہاں کاروبار نہ چلا تو بھاؤنگر میں آگیا جہاں اس کا کاروبار تھوڑا جم گیا۔ وہ ایک خاص مشن لے کر بھاؤنگر آیا تھا۔ اس کا کام آبنائے کی کھاڑی میں انڈین نیوی کے طیارہ بردار اور جنگی جہازوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنی اور ان کے خفیہ اڈوں کا سراغ لگانا تھا۔ جب وہ بھاؤنگر میں آیا تھا تو انڈیا کے پاس کوئی طیارہ بردار جہاز نہیں تھا۔ صرف جنگی جہاز تھے...... پھر انڈیا نے ایک طیارہ بردار جہاز تیار کرلیا جس پر اسی (۸۰) طیارے اترتے اور چڑھتے تھے۔ انڈین نیوی نے سن 65ء کی جنگ میں ناکامی کے بعد اپنے جنگی جہازوں اور آبدوز شکن تباہ کن جہازوں میں بہت اضافہ کرلیا تھا۔ اسی وقت انڈین نیوی کے پاس ایک طیارہ بردار بحری جہاز سات بارودی سرنگیں صاف کرنے والے جہاز پچاس آبدوز شکن فریگیٹ اور تقریباً نصف درجن بڑے جنگی جہاز تھے جن کی نمائش جنگی مشقوں میں انڈین نیوی کی طرف سے ہوتی رہتی تھی۔ متفرق جنگی جہاز بیس تھے اور تین فلیٹ ٹینکر تھے۔ مارچ 1975ء میں انڈین نیوی نے پاکستان کو فرضی نشانہ بنا کر بمبئی اور کوچین کے ساحلوں سے دور جنگی مشقیں بھی کی تھیں...... شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی انڈین نیوی کی بحری قوت اور اس کے جنگی جہازوں کی نقل و حرکت کی پوری رپورٹ تیار کر کے خفیہ نقطوں کی زبان میں لکھ کر پاکستان برابر بھیجتا رہتا تھا۔ یہ کام اسے انتہائی خفیہ طریقے اور بڑی احتیاط سے کرنا پڑتا تھا۔ یہ اس قدر خطرناک کام تھا کہ ذرا سی غفلت اسے انڈین نیوی کے فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کر سکتی تھی اور اس کا جسم گولیوں سے چھلنی

ہو سکتا تھا، لیکن وہ یہ کام رضاکارانہ طور پر وطن پاک کی محبت، اس کی سالمیت اور اس کے استحکام کے لئے کر رہا تھا، کیونکہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ بھارت کی ہندو حکومت نے پاکستان کے وجود کو ابھی تک دل سے تسلیم نہیں کیا اور وہ اسے ختم کرنے کے ناپاک عزائم رکھتی ہے۔ شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی کا اپنے حلقے میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ اس نے اپنے آپ کو جین مت کا پیروکار ظاہر کیا ہوا تھا اور جانوروں کے ہسپتال کے لئے ہر ماہ ایک خاص رقم بطور چندہ دیتا تھا۔ جین مندر میں جا کر پوجا پاٹھ بھی کرتا تھا...... ماتھے پر جینوں کا سفید تلک ہر وقت لگائے رکھتا تھا...... کسی نشے کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ اسے خطرہ تھا کہ اگر اس نے شادی کی تو ظاہر ہے کسی ہندو عورت سے ہی شادی کرے گا اور یوں اس کے مسلمان ہونے کا راز فاش ہو جائے گا۔ اس نے مشہور کر رکھا تھا کہ میں جینی مہاتما وردھنا جی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ساری عمر برہمچاری رہوں گا اور شادی نہیں کروں گا۔ محلے میں لوگ اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ہندوؤں میں بیٹھ کر وہ اکثر پاکستان کے خلاف بولا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ہمیں بھارت ماتا کے اس ٹکڑے کو جو اس سے جدا کر دیا گیا ہے، پھر سے جوڑنا ہے۔ سیاست میں وہ صرف دیش بھگت تھا اور کسی خاص سیاسی جماعت سے منسلک نہیں تھا، نہ وہ گوشت کھاتا تھا...... نہ سگریٹ شراب پیتا تھا۔ اس طرح اس نے سرکاری حلقوں میں بھی ایک خاص سطح پر کافی اثر و رسوخ پیدا کر لیا ہوا تھا۔

شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی کا یہ تعارف بڑا ضروری تھا، کیونکہ ہمارے دونوں کمانڈوز عمران اور جبران اسی کے پاس جا رہے تھے اور اسی نے انہیں آگے ان کے مشن کے سلسلے میں گائیڈ کرنا تھا...... اب ہم واپس اپنے جانبازوں کے پاس آتے ہیں جو اپنے گائیڈ کی راہ نمائی میں بھاؤنگر کی کھاڑی سے کافی پیچھے رات کی تاریکی میں ساحل پر اتر چکے ہیں...... ساحل پر اترنے سے پہلے انہوں نے کشتی کے خفیہ خانے میں سے اپنے اپنے آٹومیٹک پستول نکال کر لباس کے اندر چھپا لئے تھے۔ ہندوستان

میں ابھی برسات کا سیزن شروع نہیں ہوا تھا۔ پاکستان میں سردیوں کا موسم تھا لیکن گجرات کا ٹھیاواڑ کے علاقے میں صرف رات کو ٹھنڈ ہو جاتی تھی۔ گائیڈ نے بتایا کہ دن کے وقت یہاں گرمی ہوتی ہے اور سمندر کے قریب جو علاقے ہیں وہاں حبس بھی ہو جاتا ہے۔ گائیڈ دو قدم آگے چل رہا تھا...... اندھیرے میں ایک طرف کئی جھونپڑیاں تھیں...... یہ ماہی گیروں کی جھونپڑیاں تھیں...... یہ لوگ ان جھونپڑیوں سے کچھ فاصلے پر ہو کر گزر گئے۔ کھاڑی والی بندرگاہ اور کھاڑی کے سمندر میں کھڑے ایک دو جہازوں کی روشنیاں نظروں سے اوجھل ہو گئی تھیں اور اب بھاؤنگر شہر کی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں...... یہ روشنیاں کافی دوری پر دائیں جانب تھیں...... گائیڈ ان روشنیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

تاڑی کے ستونوں ایسے اونچے درختوں کے درمیان ایک جھونپڑے کے پاس آ کر ہمارا گائیڈ رک گیا۔ کہنے لگا۔

"آدھی رات کے بعد شہر میں جانا ٹھیک نہیں"۔

یہ حساس علاقہ ہے...... رات کے وقت پولیس گشت پر ہوتی ہے...... تھوڑی سی رات رہ گئی ہے۔ یہاں آرام کرتے ہیں...... دن چڑھے گا تو شہر کا رخ کریں گے۔

جھونپڑے میں بانس کی تین چارپائیں بچھی ہوئی تھیں...... دونوں تھکے ہوئے تھے...... چارپائیوں پر لیٹتے ہی گہری نیند میں کھو گئے۔ صبح کے وقت گائیڈ نے انہیں جگا دیا...... یہاں سے وہ بھاؤنگر شہر کی طرف چل پڑے...... یہ اتنا بڑا شہر نہیں تھا، دن کافی نکل آیا تھا...... بازاروں میں دکانیں کھلی تھیں...... ہر قسم کا ٹریفک رواں تھا۔

دونوں کمانڈو عمران اور جبران اپنے گائیڈ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے...... وہ مچھیروں کے لباس میں تھے...... کسی کو ان پر شک نہیں ہو سکتا تھا...... مچھیرے شہر میں آتے جاتے رہتے تھے۔ چلتے چلتے وہ ایک بازار میں آ گئے جہاں سے کافی فاصلے پر بندرگاہ میں کھڑے دو ایک جہازوں کے مستول نظر آ رہے تھے۔

گائیڈ کہنے لگا۔

"یہی وہ کھاڑی ہے جہاں انڈین نیوی کے بحری جنگی جہاز ایک خفیہ مقام پر کھڑے کئے جاتے ہیں جس جہاز کے مستول تمہیں دکھائی دے رہے ہیں، یہ مرچنٹ نیوی کا مال بردار جہاز ہے۔ جنگی جہاز یہاں سے نظر نہیں آ سکتے"۔

جس سڑک پر وہ چلے جا رہے تھے وہ ایک چوک میں جا کر بائیں جانب ایک چھوٹی سڑک کی طرف مڑ گئی جس کی دونوں جانب ڈھلواں چھتوں والے مکان کھڑے تھے۔ اس سڑک پر دکانیں نہیں تھیں...... دفتر بنے ہوئے تھے جن کے باہر کہیں چھوٹی کاریں اور کہیں سکوٹر اور موٹر سائیکل کھڑے تھے۔ ایک دو منزلہ بس ان کے قریب سے ہو کر گزر گئی۔ اسی سڑک پر ہمارے آدمی شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی نے ایک آفس کھول رکھا تھا۔ یہ آفس ایک لمبی دکان کی شکل میں تھا۔ پیچھے ہارڈ بورڈ کی دیواریں کھڑی کر کے پارٹیشن کی ہوئی تھیں۔ آگے آمنے سامنے چھ سات بید کی پرانی کرسیاں اور ایک چھوٹی میز پڑی تھی۔ دیوار پر جین مت کے بانی وردھنا کی فریم کی ہوئی تصویر لگی تھی جس کے نیچے کارنس پر پھول پڑے تھے اور لوبان سلگ رہا تھا۔ شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی پارٹیشن کے اندر میز کرسی لگائے بیٹھا ایک رجسٹر دیکھ رہا تھا۔ اس کے پاس ایک ادھیڑ عمر کانگریسی ٹوپی والا منشی جھک کر کھڑا تھا۔ گائیڈ دونوں کو لے کر کمرے میں داخل ہوا تو گائیڈ کے ساتھ ساتھ دونوں کمانڈو عمران اور جبران نے بھی ہاتھ جوڑ کر گجراتی زبان میں پرنام کیا۔ چندر کانت گجراتی نے گائیڈ کی طرف دیکھ کر گجراتی میں کہا۔

"اس دفعہ تمہاری مچھلیوں کی سپلائی ٹھیک نہیں تھی...... اگر اس طرح کا مال سپلائی کرو گے تو مجھے تمہارا ٹھیکہ کینسل کرنا پڑے گا"۔

عمران اور جبران غور سے شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی کو دیکھ رہے تھے...... ان کی عمر پچاس کے قریب ہو گی۔ سر درمیان سے گنجا تھا۔ چھوٹی چھوٹی مونچھوں اور

سر کے بال سفید ہونا شروع ہو گئے تھے...... اس نے کھدر کا کرتا پاجامہ پہن رکھا تھا۔ سر پر شتری رنگ کی میلی سی گاندھی کیپ تھی اور آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگا رکھا تھا......
گائیڈ نے معذرت پیش کرتے ہوئے گجراتی زبان میں ہی کہا۔

"آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا...... میں خود موقع پر پہنچ کر مال چیک کیا کروں گا"۔

"بیٹھ جاؤ" چندر کانت نے کہا...... "یہ مچھیرے کون ہیں؟"۔

چندر کانت کو معلوم ہو گیا تھا کہ گائیڈ اپنے ساتھ وہی دو پاکستانی کمانڈو لایا ہے جس کے بارے میں اسے پیشگی اطلاع مل چکی تھی، لیکن دفتر کے ہندو منشی کے سامنے اسی قسم کی باتیں کرنی ضروری تھیں...... گائیڈ نے عمران اور جبران کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ ہم نے نئے مچھیرے بھرتی کیے ہیں...... میں انہیں کھاڑی والے گودام میں لے جا رہا تھا...... سوچا آپ سے بھی ملاتا جاؤں"۔

چندر کانت گجراتی نے منشی سے گجراتی زبان میں ہی کہا۔

"ورما جی آپ ڈیسائی سیٹھ کے پاس جائیں اور خود چیک لے کر آئیں۔ یہ لوگ اپنے طور پر کبھی ادائیگی نہیں کریں گے"۔

"ٹھیک ہے ماراج"۔

یہ کہہ کر منشی چندر کانت گجراتی کے کمرے سے نکل گیا...... پارٹیشن کی دیوار میں چھوٹی سی کھڑکی پر شیشہ لگا ہوا تھا...... اس شیشے میں سے دفتر کا منشی کاغذ پر کچھ لکھتا نظر آ رہا تھا...... منشی نے لکھا ہوا کاغذ اپنی واسکٹ کی جیب میں ڈالا اور دکان سے اتر کر ڈیسائی سیٹھ کی دکان کی طرف چل پڑا۔

منشی کے جانے کے بعد چندر کانت کا چھوٹا سا دفتر خالی ہو گیا۔ تب اس نے عمران اور جبران کی طرف مخاطب ہو کر گجراتی زبان میں ہی پوچھا۔

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تم دونوں وہی پاکستانی کمانڈو ہو جن کی مجھے اطلاع دی گئی ہے...... تمہیں اپنی شناخت کے لئے کوڈ جملوں کو دہرانا ہو گا"۔

عمران نے کہا۔

"میں اس کے لئے تیار ہوں"۔

چندر کانت گجراتی نے خفیہ زبان میں ایک جملہ بولا...... اس کے جواب میں عمران نے بھی خفیہ زبان کا ایک جملہ بول دیا...... چندر کانت نے دوسرا جملہ جبران کو مخاطب کر کے بولا...... جبران کو بھی خفیہ کوڈ بتا دیا گیا تھا، چنانچہ اس نے بھی خفیہ زبان میں ٹھیک جملہ دہرایا...... چندر کانت نے گائیڈ کی طرف دیکھا اور بولا۔

"تم اپنے کام پر واپس جاؤ...... مجھے پاکستان سے جن دو کمانڈوز کے بارے میں اطلاع دی گئی تھی یہ وہی ہیں...... اس کی تصدیق ہو گئی ہے"۔

عمران اور جبران نے بھی تصدیق کر لی تھی کہ یہ وہی چندر کانت گجراتی ہے جو حقیقت میں مسلمان پاکستانی جاسوس ہے اور عرصہ پچیس برس سے دشمن کے مورچے میں بیٹھا اپنی ڈیوٹی ادا کر رہا ہے اور جس کی فوٹو پاکستان سے روانہ ہوتے وقت ان دونوں کو دکھا دی گئی تھی۔

گائیڈ نے کمانڈو عمران اور جبران سے ہاتھ ملائے اور وہاں سے رخصت ہو گیا......
اس کے جانے کے بعد لمبی دکان میں بنا ہوا شاہ جی عرف چندر کانت کا دفتر بالکل خالی ہو گیا...... اب وہاں ان تینوں کے سوا چوتھا کوئی نہیں تھا...... چندر کانت نے پنجابی میں دونوں سے پوچھا۔

"راستے میں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی؟"۔

عمران نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے پنجابی زبان میں ہی جواب دیا۔

"جب آبدوز ہمیں سمندر پر نکالنے کے لئے پانی سے باہر آئی تھی تو اس وقت ضرور خطرہ تھا کہ کہیں دشمن کا دوار کا ریڈار سٹیشن ہمیں دیکھ نہ لے، لیکن ہمیں کسی نے

نہیں دیکھا"۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے پنجابی میں عمران سے کہا۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"ہمارے بارے میں تمہیں رپورٹ مل چکی ہوگی کہ ہمارا کیا پروگرام ہے"۔

چندر کانت کہنے لگا۔

"میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں"۔

کمانڈو عمران بولا۔

"ہمارے مشن کا خفیہ نام مشن یو بوٹ-29 رکھا گیا ہے، یعنی مشن آبدوز-29"

"یہ مجھے معلوم ہے" چندر کانت یعنی شاہ نے اپنی عینک کے شیشے رومال سے صاف کرتے ہوئے کہا...... "میں تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم میں سے آگے کون جائے گا اور یہاں کون رہے گا"۔

عمران نے کمانڈو جبران کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔

"کمانڈو جبران یہاں پیچھے رہے گا...... میں یعنی کمانڈو عمران آگے جاؤں گا"۔

شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی نے عینک آنکھوں پر لگائی...... میلا سا رومال واسکٹ کی جیب میں ڈالا اور کہا۔

"کیا تمہیں اس حقیقت کا احساس ہے کہ تمہیں کس قدر اہم اور کس قدر خطرناک مشن پر بھیجا گیا ہے؟"۔

کمانڈو جبران نے پنجابی زبان میں ہی جواب دیا۔

"شاہ جی! ہم اپنے وطن پاکستان کی عزت و ناموس اور استحکام کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا کر دشمن کے ملک میں آئے ہیں۔ موت ہماری جیب میں ہے...... وہ کسی بھی جگہ، کسی بھی موڑ پر ہمیں دبوچ سکتی ہے، لیکن ہم یہ عہد کر کے آئے ہیں کہ اپنا مشن

مکمل کیے بغیر نہیں مریں گے"۔

شاہ جی عرف چندر کانت کا چہرہ سنجیدہ تھا...... عمران نے کمانڈو جبران کے حب الوطنی کے جذبے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ہم طارق بن زیاد کی طرح اپنی ساری کشتیاں جلا کر دشمن کے مورچوں میں آئے ہیں...... ہم اس وقت تک پیچھے نہیں جائیں گے جب تک کہ ہمارا مشن کامیابی سے مکمل نہیں ہو جاتا"۔

شاہ جی عرف چندر کانت کے چہرے پر بدستور سنجیدگی چھائی رہی۔ عمران سوچنے لگا کہ یہ شخص واقعی بڑا متحمل مزاج آدمی ہے۔ یونہی پچیس سال سے دشمن کے پیٹ میں بیٹھا وطن پاک کے لئے خطرناک ترین جاسوسی نہیں کر رہا۔ اس آدمی کو ایسا ہی ٹھنڈے مزاج کا سنجیدہ آدمی ہونا چاہئے تھا...... اب چندر کانت عمران کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔

"تم جب یہاں سے آگے اپنے مشن پر روانہ ہو جاؤ گے تو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ تمہارا میرے ساتھ کسی قسم کا خفیہ پیغام رسانی کا کوئی رابطہ نہیں رہے گا۔ میں اپنے پاس خفیہ پیغام رسانی کے لئے وائرلیس یا ریڈیو ٹرانسمیٹر رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ یاد رکھو ایک کمانڈو جاسوس کی سب سے بڑی کمزوری اس کا خفیہ ٹرانسمیٹر ہوتا ہے جس پر وہ خفیہ کوڈ زبان میں اپنے ملک کو ریڈیو سگنل بھیجتا ہے۔ یہ غلطی کبھی نہ کرنا۔ بھارت کا ملک کوئی دقیانوسی غیر ترقی یافتہ ملک نہیں ہے...... یہ ایک جدید اور اعلیٰ ٹیکنالوجی والا ملک ہے اور اب وہ ایٹمی طاقت بھی بن چکا ہے...... اس کے لئے خاص طور پر حساس علاقے میں اجنبی سگنل پکڑنا اور یہ معلوم کرنا کہ یہ ریڈیائی سگنل کہاں سے نشر ہو رہے ہیں کوئی مشکل کام نہیں ہے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"میں اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں، لیکن آپ کو جب کوئی رپورٹ یا پیغام

پاکستان بھیجنا ہوتا ہے تو آپ کون سا ذریعہ اور کون سا طریقہ استعمال کرتے ہیں؟“۔

شاہ جی عرف چندر کانت ایک دو لمحے عمران کی طرف دیکھتا رہا...... پھر اپنے سامنے رکھا ہوا رجسٹر بند کرتے ہوئے بولا۔

”یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا اور آئندہ اس قسم کا احمقانہ سوال مجھ سے کرنا بھی نہیں“۔

”آئی ایم سوری“ عمران نے فوراً معذرت پیش کر دی۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے کمانڈو جبران سے مخاطب ہو کر کہا۔

”تم میرے پاس رہو گے، لیکن میں تمہیں اپنے مکان پر نہیں رکھ سکتا...... شہر سے باہر میرا ایک چھوٹا سا سٹور ہے جہاں میرا سپلائی کا مال پڑا ہوتا ہے...... اس سٹور کے ساتھ ہی چوکیدار کے لئے ایک کوٹھڑی بنی ہوئی ہے۔ اتفاق سے میرا پرانا چوکیدار شدید بیماری کی وجہ سے کام چھوڑ کر اپنے گاؤں جا چکا ہے، تم وہاں بطور نئے چوکیدار کے سٹور کی حفاظت کرو گے اور رات کو کوٹھڑی میں رہو گے...... قریب ہی ایک کالونی ہے، وہاں چھوٹے چھوٹے ہوٹل بھی ہیں...... وہاں تمہیں کھانے پینے کی ہر شے مل جائے گی“۔

پھر وہ عمران سے مخاطب ہو کر کچھ کہنے لگا تو پارٹیشن کی شیشے کی کھڑکی میں سے دیکھ کر بولا۔

”کوئی بات نہ کرنا“۔

وہ اٹھ کر باہر چلا گیا...... عمران اور جبران نے شیشے کی کھڑکی پر نگاہ ڈالی۔ ایک گیروے کپڑوں والا سادھو ٹائپ کا آدمی دکان میں داخل ہوا تھا...... چندر کانت نے ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام کیا اور گجراتی میں بولا۔

”مہاراج! میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا“۔

اور اس نے جیب سے کچھ سکے نکال کر سادھو کے ہاتھ میں تانبے کا جو پیالہ پکڑا

ہوا تھا اس میں ڈالے اور ہاتھ باندھ کر کہا۔

”مہاراج! اسے سویکار کریں“۔

سادھو نے ہاتھ اٹھا کر شاہ جی عرف چندر کانت کو اشیر باد دیا اور دکان سے نکل گیا...... چندر کانت واپس آ کر بولا۔

”آج منگل وار ہے...... یہ لوگ تانبے کے پیالے میں تیل ڈال کر دکھشنا لینے آتے ہیں“۔

اس نے ایک نظر کھڑکی کے شیشے پر ڈالی، وہاں سے بازار میں گزرتے لوگ نظر آرہے تھے...... چندر کانت نے عمران کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

”تم آج کی رات میرے آفس کے اوپر جو چھوٹا سا کمرہ ہے وہاں سوؤ گے...... کل صبح صبح تم اپنے مشن پر روانہ ہو جاؤ گے“۔

عمران نے پوچھا۔

”مجھے بھارت کے کون سے شہر جانا ہوگا؟“۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے کہا۔

”یہ کل تمہیں معلوم ہو جائے گا...... لیکن اس سے پہلے تمہیں یہ حلیہ بدلنا ہوگا۔ شام کو میں تمہارے لئے کچھ کپڑے لاؤں گا...... تم وہ پہن لینا“۔

پھر اس نے کمانڈو جبران سے کہا۔

”تم یہیں بیٹھو...... میں عمران کو اوپر چھوڑ آتا ہوں...... اس کے بعد تمہیں سٹور میں لے جاؤں گا...... ناشتہ تم وہیں کرو گے“۔

کمانڈو جبران دفتر میں ہی بیٹھا رہا...... شاہ جی عرف چندر کانت عمران کو دفتر کے اوپر والے کمرے میں لے آیا...... چھوٹا سا کمرہ کباڑ خانہ بنا ہوا تھا، کونے میں ایک چارپائی بچھی تھی...... اس نے عمران سے کہا۔

”میں خود تمہارے لئے ناشتہ لاتا ہوں...... تم نیچے مت آنا“۔

کمانڈو عمران چارپائی پر بیٹھ گیا...... زینے کے پاس آکر اس نے پلٹ کر عمران کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"تم لوگوں کے پاس کوئی اسلحہ وغیرہ بھی ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"ایک ایک آٹومیٹک پستول ہے اور فالتو میگزین بھی ہے"۔

شاہ جی نے کہا۔

"اسے سنبھال کر رکھنا۔ اگر میرے دفتر میں ہنگامی صورت حال پیدا ہو جائے تو اسے سامنے والی کھڑکی میں سے باہر بدرو میں پھینک دینا"۔

"کیا اس سے پہلے بھی اس قسم کی صورت حال پیدا ہوئی ہے؟" کمانڈو عمران نے پوچھا۔

شاہ جی عرف چندر کانت کہنے لگا۔

"کبھی نہیں...... لیکن تم آئے ہو تو ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں...... یہاں قدم قدم پر سی آئی ڈی کے آدمی پھر رہے ہیں"۔

وہ چلا گیا...... کمانڈو عمران نے اٹھ کر کھڑکی کا پٹ کھول کر باہر دیکھا...... نیچے ایک گندا نالہ بہہ رہا تھا...... اس نے سامنے کی جانب نگاہ اٹھائی تو اسے کچھ فاصلے پر انڈین نیوی کا ایک آبدوز شکن جہاز (فریگٹ) آہستہ آہستہ خلیج کھمبات میں داخل ہوتا نظر آیا...... اس نے جلدی سے کھڑکی بند کر دی...... میرے خدا...... وہ سوچنے لگا...... اپنا یہ آدمی شاہ جی عرف چندر کانت تو بالکل دشمن کے سر کے اوپر اور موت کے منہ میں بیٹھا ہے...... انڈین نیوی کے جہازوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے کے لئے اس سے موزوں جگہ شاید اور کوئی نہیں تھی۔ کھڑکی اس نے اس لئے فوراً بند کر دی تھی کہ یہ انتہائی سیکورٹی کا زون تھا اور عین ممکن ہے کہ خلیج یعنی آبنائے میں سیکورٹی والے دوربینوں سے اس علاقے پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔

شاہ جی عمران کے لئے چائے اور ڈبل روٹی لے آیا...... کہنے لگا۔

"میں دفتر کو تالا لگا کر جبران کو سٹور پر لے جا رہا ہوں...... تم یہیں خاموشی سے بیٹھے رہنا۔ مجھے ایک گھنٹہ لگ جائے گا"۔

اس نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔

"اس کھڑکی کو کھولنے کی غلطی مت کرنا...... یہ سارے مکان خلیج کی سیکورٹی والوں کی نگاہوں میں ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے اس کو کھولنے کی ضرورت نہیں ہے تم فکر نہ کرو"۔

عمران نے دشمن کی سرزمین میں قدم رکھنے کے بعد یہ پہلا جھوٹ بولا تھا...... اتنا جھوٹ اس کی کمانڈو ٹریننگ کا حصہ تھا اور اسے اس کی خاص تربیت دی گئی تھی۔ شاہ جی عرف چندر کانت دفتر کو تالا لگا کر جبران کو ساتھ لے کر چلا گیا۔ کمانڈو عمران بند کمرے میں بڑے صبر اور استقامت سے بیٹھا رہا، حالانکہ وہاں گرمی تھی اور کھڑکی کھولنے سے اندر سمندر کی جانب سے ٹھنڈی ہوا آسکتی تھی، مگر دوسری بار وہ یہ حماقت نہیں کر سکتا تھا۔

ایک گھنٹے کے بعد شاہ جی عرف چندر کانت واپس آیا، کہنے لگا۔

"جبران کو میں نے ناشتہ بھی کرا دیا ہے اور سٹور کی چابی بھی دے دی ہے۔ جب تک تم اپنے مشن سے واپس نہیں آؤ گے وہ اسی جگہ رہے گا"۔

وہ کمرے کو باہر سے تالا لگا کر نیچے دفتر میں جا کر بیٹھ گیا۔ لوگ اس سے ملنے آتے رہے۔ کبھی کبھی ٹیلی فون کی گھنٹی بھی بج اٹھتی۔ شاہ جی عرف چندر کانت فون پر گجراتی زبان میں بالکل ہندوؤں کی طرح بڑی لجاجت کے ساتھ کوئی بات کرتا اور پھر فون بند ہو جاتا۔ دوپہر کے وقت دفتر میں ذرا خاموشی ہوئی تو چندر کانت مجھے خود اوپر آکر کھانا دے گیا، کہنے لگا۔

"اب میں شام کو آؤں گا...... تھوڑی دیر کے لئے مجھے دفتر کو تالا لگا کر مارکیٹ میں جانا ہو گا، تمہارے لئے نئے کپڑے لانے ہیں...... تم کمرے سے باہر قدم مت نکالنا"۔

عمران کھانا کھا کر چارپائی پر لیٹ گیا۔ رات بھر کا جاگا ہوا تھا اسے بہت جلد نیند نے آلیا...... اسے شاہ جی عرف چندر کانت نے آکر جگایا۔ وہ کمانڈو عمران کے لئے میل خوری رنگ کی پتلون قمیض اور ٹھنڈی جیکٹ لایا تھا۔ ایک جوڑا جوتوں کا بھی تھا کہنے لگا۔

"تمہیں اپنا ہندوانہ نام یاد ہے نا؟"۔

عمران بولا۔

"مجھے زبانی یاد ہو گیا ہے...... میرا نام دیوی دت ہے اور جبران کا نام دھرم دار ہے"۔

چندر کانت نے کہا۔

"تمہیں انڈیا میں رہ کر گاندھی کیپ اور کانگریسی کھدر کا لباس پہننے کی ضرورت نہیں۔ آج کل یہاں زمانہ بہت بدل چکا ہے۔ ہندو سکھ لڑکیاں نیکریں پہن کر کالج جاتی ہیں۔ کھدر کے کرتے پاجامے ماضی کا قصہ بن چکے ہیں۔ یہ لباس صرف کانگریس کے لیڈر اور ورکر ہی پہنتے ہیں۔ میں اس لئے یہ لباس پہنتا ہوں کہ میں نے شروع ہی سے یہی پہناوا کیا ہوا ہے۔ میں اسے بدلنا نہیں چاہتا...... پہناوا بدلنے سے میں خواہ مخواہ لوگوں کی نظروں میں آجاؤں گا"۔

دفتر اس نے بند کر دیا ہوا تھا۔ رات کا کھانا چندر کانت نے عمران کے ساتھ دفتر کے اوپر والے کمرے میں ہی بیٹھ کر کھایا...... کہنے لگا۔

"میں ایک لمبے عرصے سے یہاں رہ کر انڈین نیوی کے جہازوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا ہوں...... اب تو میں جہاز کی سیٹی کی آواز سے پہچان لیتا ہوں کہ یہ

فریگیٹ کی آواز ہے...... یہ بڑے جنگی جہاز کی آواز ہے اور یہ طیارہ بردار بحری جہاز کی آواز ہے اور یہ عام پٹرولنگ موٹر بوٹ کی آواز ہے۔ جب اس کھڑکی میں سے ایک خاص وقت پر کسی جنگی جہاز کو خلیج میں سے داخل ہوتے دیکھتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلیج کے اندر جا کر کون سے خفیہ مقام پر لنگر انداز ہو گا۔ اسی طرح مجھے انڈین نیوی کے سب سے بڑے طیارہ بردار جنگی جہاز کا بھی علم ہے کہ وہ خلیج میں سے کن خفیہ راستوں سے گزر کر کس جگہ جا کر لنگر انداز ہوتا ہے۔ یہ معلومات میں ہر ماہ ایک سروے رپورٹ کی شکل میں پاکستان پہنچا دیتا ہوں۔ میری یہ معلومات تمہارے مشن یو بوٹ-29 میں بھی بہت کام آئیں گی"۔

کمانڈو عمران نے شاہ جی عرف چندر کانت سے پوچھا۔

"آپ نے ابھی تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ مجھے کون سے شہر جانا ہے اور وہاں اپنے کس آدمی سے ملاقات کرنی ہے...... میرا خیال ہے کہ اب وقت آگیا ہے کیونکہ بقول آپ کے میں صبح منہ اندھیرے یہاں سے روانہ ہونے والا ہوں"۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے عمران کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ میں تمہیں یہ سب کچھ بتا دوں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم پہلے کبھی انڈیا آئے ہو؟ اگر آئے ہو تو کیا دلی شہر تم نے دیکھا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"ایک دینی جماعت کے ساتھ میں نظام الدین اولیاؒ کے مزار پر حاضری دینے گئی بار دلی آیا ہوں اور اس شہر کی میں نے خوب سیر کی ہے۔ اس کے علاوہ ویزا لے کر دوستوں کے ساتھ امرتسر اور چندی گڑھ کرکٹ میچ دیکھنے بھی آتا رہا ہوں...... اس کے سوا میں انڈیا میں کہیں نہیں گیا...... اب اس علاقے کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے"۔

شاہ جی عرف چندر کانت بولا۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم دلی شہر سے واقف ہو......اب میری بات غور سے سنو......کیا تمہیں کبھی دلی کی جامع مسجد دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے؟"۔

عمران بولا......"ہم اپنی دینی جماعت کے ارکان کے ساتھ جب بھی دلی آتے تھے تو جمعہ کی نماز دلی کی جامع مسجد میں ہی پڑھتے تھے"۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے کہا۔

"پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ جامع مسجد کے اردگرد کئی ہوٹل اور ریستوران ہیں اور یہاں مسلمانوں کی آبادی بہت زیادہ ہے"۔

عمران نے کہا......"جی ہاں...... مجھے معلوم ہے...... ہم لوگ وہیں چوک کے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر دوپہر کا کھانا بھی کھاتے تھے"۔

چندر کانت کہنے لگا۔

"بس اب تم وہاں پہنچ گئے ہو جہاں میں تمہیں پہنچانا چاہتا ہوں...... جامع مسجد کے عقب میں جو چوک ہے وہاں ایک درمیانے درجے کا ہوٹل ہے جس کا نام...... ہے"۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے کمانڈو عمران کو اس ہوٹل کا صحیح نام بتا دیا تھا جسے ہم مصلحتاً یہاں ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ ہم اس کا فرضی نام نگینہ ہوٹل رکھ لیتے ہیں اور چندر کانت نے اس ہوٹل کے مالک کا نام جو بتایا تھا وہ بھی ہم پوشیدہ رکھ رہے ہیں...... اس کا بھی فرضی نام حاجی جمال الدین رکھ لیتے ہیں...... دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہم نے علاقے کا حدود اربع بھی بدل دیا ہے، کیونکہ یہ لوگ آج بھی وہاں پر موجود ہیں اور وطن عزیز کے لئے اپنی جان اور اپنے بچوں کا مستقبل خطرے میں ڈال کر کام کر رہے ہیں۔ صرف اس لئے کہ وہ مسلمان ہیں اور انہیں پاکستان سے محبت ہے اور وہ پاکستان کو طاقتور اور دشمنوں کے ہتھکنڈوں سے محفوظ دیکھنا چاہتے ہیں...... یہ تبدیلیاں بہت ضروری ہیں، لیکن اس سے جرات و شجاعت کی اس داستان میں کوئی تبدیلی نہیں کی

گئی۔ تمام سنسنی خیز اور حب الوطنی میں سرشار واقعات اسی طرح پیش کئے جا رہے ہیں جس طرح وہ وقوع پذیر ہوئے تھے۔ ہم چاہیں گے کہ آپ یہاں سے یہ بات اپنے ذہن میں رکھیں کہ ہم دشمن کے ملک بھارت میں اور بھارت کے ہر شہر میں اپنے جن آدمیوں کا ذکر کریں گے اس کا نام فرضی ہوگا...... حلیہ فرضی ہوگا اور حدود اربع بھی تبدیل کیا ہوگا لیکن واقعات حرف بہ حرف سچے ہوں گے۔ اب ہم حریت و شجاعت کی اس حب الوطنی اور اسلام کے جذبے میں ڈوبی ہوئی مجاہدانہ کمانڈو داستان کو لے کر آگے چلتے ہیں۔

شاہ جی عرف چندر کانت عمران کو کہہ رہا تھا۔

"چوک جامع مسجد میں نگینہ ہوٹل ہے جس کے مالک کا نام جمال الدین ہے، مگر لوگ انہیں حاجی صاحب کہہ کر بلاتے ہیں۔ تم دلی پہنچ کر حاجی صاحب سے جا کر ملو گے...... میں تمہیں خفیہ زبان میں لکھا ہوا ایک خط دوں گا۔ وہ خط تم حاجی صاحب کو دو گے، وہ سب سمجھ جائیں گے کہ تم کون ہو اور کس مشن پر بھارت آئے ہو۔ اس کے بعد تمہیں کیا کرنا ہوگا؟ یہ تمہیں حاجی صاحب ہی بتائیں گے...... تمہاری گاڑی بہاؤنگر سے صبح منہ اندھیرے چلتی ہے۔ یہ گاڑی تمہیں احمد آباد تک لے جائے گی۔ احمد آباد سے تم دلی جانے والی ٹرین پکڑو گے جو تمہیں اودھے پور، اجمیر شریف، جے پور، الور اور علی گڑھ سے ہوتی ہوئی دلی پہنچا دے گی۔ تمہارا دلی تک کا ٹکٹ اور راستے کا خرچہ یہاں سے روانہ ہوتے وقت تمہیں مل جائے گا...... حاجی صاحب کے پاس دلی پہنچنے کے بعد تمہیں روپے پیسے کی کمی محسوس نہیں ہوگی...... اب تم آرام کرو...... میں صبح 4 بجے آ کر تمہیں جگا دوں گا"۔

شاہ جی یعنی چندر کانت عمران کو شب بخیر کہہ کر چلا گیا...... عمران کچھ دیر بستر پر لیٹا بہت سی باتوں پر غور کرتا رہا...... پھر سو گیا، صبح ٹھیک چار بجے شاہ جی نے آ کر اسے جگا دیا اور کہا۔

"جلدی سے تیار ہو جاؤ...... ناشتہ تم راستے میں کرو گے"۔

عمران نے جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر پتلون قمیض اور جیکٹ پہنی۔ شاہ جی عرف چندر کانت نے کچھ روپے اور بہاؤ نگر سے دلی تک کا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ اس کے حوالے کیا اور کہا۔

"پستول اچھی طرح سے چھپا کر رکھنا۔ اگر راستے میں کوئی خطرہ دیکھو تو اس کو کسی جگہ پھینک دیا، ابھی تمہیں اسلحہ وغیرہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ جب ضرورت پڑے گی تو تمہیں ہر قسم کا اسلحہ مل جائے گا...... تمہارا ساتھی کمانڈو جبران میرے پاس ہی رہے گا اور ہم تمہاری واپسی کا انتظار کریں گے" اب خاموشی کے ساتھ دفتر کا دروازہ تھوڑا سا کھول کر باہر نکل جاؤ۔ آگے ایک چوک آئے گا، اس چوک میں تمہیں کوئی رکشا ٹیکسی مل جائے گی۔

خدا حافظ! اللہ! تمہیں اپنے مشن میں کامیاب کرے...... آمین!۔

عمران شاہ جی سے ہاتھ ملا کر کمرے کی سیڑھیاں اتر کر نیچے دفتر میں آ گیا۔ دفتر کا دروازہ تھوڑا سا کھول کر بازار میں نکل آیا...... پو پھٹ رہی تھی، ابھی اندھیرا تھا۔ بازار میں بجلی کے لیمپ روشن تھے، جس طرف جانے کو شاہ جی نے بتایا تھا وہ اسی طرف چل پڑا۔ بازار بالکل خالی پڑا تھا...... دور کسی مندر سے گھنٹیوں کی دبی دبی آواز آ رہی تھی۔ چوک میں آیا تو وہاں صرف ایک موٹر رکشا کھڑا تھا جو خالی تھا۔ اس کا ڈرائیور جاگ رہا تھا۔ عمران نے گجراتی زبان میں کہا۔

"ریلوے سٹیشن لے چلو"۔

وہ رکشے میں بیٹھ گیا اور رکشا بہاؤ نگر کے ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ سٹیشن پر زیادہ رونق نہیں تھی۔ وہ پلیٹ فارم پر آ گیا...... پلیٹ فارم پر احمد آباد جانے والی گاڑی ابھی نہیں لگی تھی۔ تھوڑے سے مسافر بیٹھے گاڑی کا انتظار کر رہے تھے۔ چائے کی کینٹین کھلی ہوئی تھی، دو تین مسافر کاؤنٹر کے پاس کھڑے ناشتہ وغیرہ کر رہے

تھے۔ عمران نے بھی وہیں کھڑے کھڑے ناشتہ کیا اور چائے پیتے ہوئے مسافروں کا جائزہ لینے لگا۔ کمزور چہروں والے مفلوک الحال قسم کے مسافر تھے۔ پولیس کا ایک سپاہی چھوٹا سا ڈنڈا گھماتا پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا۔ عمران کو اپنے پستول کا خیال آ گیا جو اس نے اپنی پتلون کے اندر جانگیے کی جیب میں چھپایا ہوا تھا۔ تشویش کی بظاہر کوئی بات نہیں تھی۔ پولیس کے سپاہی نے عمران کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ عمران کو ہنگامہ خیز حالات میں بھی پر سکون رہنے کی خاص تربیت ملی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی اور سکون کے ساتھ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے چائے پیتا رہا۔

پلیٹ فارم کے تمام پنکھے چل رہے تھے، بتیاں جل رہی تھیں۔ جہاں پلیٹ فارم کی چھت ختم ہوتی تھی وہاں صبح کی ہلکی ہلکی نیلگوں روشنی نمودار ہونے لگی تھی...... اتنے میں ٹرین آ کر پلیٹ فارم پر لگ گئی۔ دوسرے مسافروں کے ساتھ عمران بھی تھرڈ کلاس کے ایک ڈبے میں بیٹھ گیا۔ ڈبے میں پہلے سے مسافر لمبی تان کر سو رہے تھے۔ یہ ٹرین صرف احمد آباد تک جا رہی تھی۔ ٹرین کچھ دیر کے بعد چل پڑی۔ شہر سے نکلنے کے بعد دونوں جانب ہرے ہرے کھیت شروع ہو گئے۔ جب احمد آباد قریب آیا تو پہلے دونوں طرف بڑے بڑے کتنے ہی کارخانے گزرے۔ یہ سب کپڑے کے کارخانے تھے۔ احمد آباد پر ٹرین رکی تو سارے مسافر اتر گئے...... معلوم ہوا کہ دلی جانے والی ٹرین ایک گھنٹے بعد چلے گی۔ عمران نے پستول کے ساتھ پلیٹ فارم پر بیٹھنا مناسب نہ سمجھا اور تھرڈ کلاس کے مسافر خانے میں آ کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ احمد آباد کا سٹیشن کافی بڑا اسٹیشن تھا۔ اس وقت تک دن کے نو بجے کا ٹائم ہو چکا تھا۔ آخر دلی جانے والی گاڑی آ گئی...... دلی کے مسافر پلیٹ فارم کی طرف دوڑ پڑے۔ ان کے پیچھے پیچھے عمران بھی پلیٹ فارم پر آ گیا...... اس نے گہری نظر سے پلیٹ فارم کا جائزہ لیا...... اسے کوئی خاص بات نظر نہ آئی...... وہ صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کسی کی نگاہ میں تو نہیں آ گیا...... ایسی کوئی بات نہیں تھی...... وہ تھرڈ کلاس کے ڈبے میں سوار ہو گیا۔ آدھے

گھنٹے کے بعد ٹرین دلی کی طرف چل پڑی۔

یہ کافی لمبا سفر تھا...... ٹرین ایکسپریس تھی...... احمد آباد سے نکلتے ہی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ چھوٹے چھوٹے سٹیشن چھوڑتی چلی جا رہی تھی...... عمران کو خوشی ہوئی کہ وہ اپنی منزل پر جلدی پہنچ جائے گا...... شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی نے دلی کے نگینہ ہوٹل والے حاجی صاحب کے نام جو کوڈ الفاظ میں خط لکھ کر دیا تھا وہ لفافے میں بند عمران کی جیب میں محفوظ تھا۔ سارا دن سفر میں گزر گیا...... شام بھی گزر گئی...... ٹرین علی گڑھ پہنچی تو رات ہو چکی تھی...... یہ علاقے کمانڈو عمران پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ ٹرین رات کے گیارہ بجے کے قریب دلی پہنچی۔ عمران نے رکشا پکڑا اور جامع مسجد آ گیا...... چوک میں نگینہ ہوٹل تلاش کرنے میں اسے کوئی دقت نہ ہوئی۔ درمیانے درجے کا تین منزلہ ہوٹل تھا۔ ہوٹل میں کچھ لوگ بیٹھے چائے وغیرہ پی رہے تھے۔ دلی میں گجرات کاٹھیاواڑ کے مقابلے میں موسم کافی ٹھنڈا تھا۔ کمانڈو عمران بھرپور جوان آدمی تھا۔ کمانڈو کی تربیت نے اس کے جسم کو کسرتی اور لوہے کی طرح مضبوط بنا دیا تھا...... اسے سردی کا زیادہ احساس نہیں ہو رہا تھا...... دلی میں لوگوں نے خوب گرم کپڑے پہن رکھے تھے۔

عمران نے ہوٹل کے ایک لڑکے سے حاجی صاحب کے بارے میں پوچھا...... اس نے ہوٹل کے کاؤنٹر کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔

"حاجی صاحب وہ سامنے آرام کرسی پر بیٹھے ہیں"۔

"کاؤنٹر کے پاس کرسی پر جو شخص بیٹھا تھا...... اس کا رنگ گندمی تھا...... عمر پچاس سے ایک دو سال اوپر ہی ہو گی...... چھوٹی چھوٹی شرعی داڑھی تھی جس کے بال سفید ہونا شروع ہو گئے تھے۔ سر پر گرم اونی ٹوپی تھی...... سفید کرتے پاجامے کے اوپر پشمینے کی گرم چادر اوڑھ رکھی تھی اور بڑے آرام سے کرسی پر نیم دراز حقہ پی رہے تھے۔ عمران ہوٹل کے دروازے کی ایک طرف کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ حاجی صاحب اسی لائن کے آدمی تھے،

دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یا تو یہ شخص سی آئی ڈی کا آدمی ہے یا اپنی انٹیلی جنس کے کسی آدمی نے اسے ان کے پاس بھیجا ہے۔ ایک بار نظر بھر کے عمران کو دیکھا اور پھر کاؤنٹر پر جو منشی حساب کتاب کر رہا تھا اس سے باتیں کرنے لگے، لیکن کنکھیوں سے عمران کو بھی دیکھ لیتے تھے۔ عمران آگے بڑھ کے ان کے پاس گیا...... سلام علیک کیا...... انہوں نے وعلیکم السلام کہہ کر حقے کی لے ایک طرف کر دی اور پوچھا۔

"میاں تمہیں پہلی بار دیکھا ہے...... کہاں سے آ رہے ہو؟"۔

عمران نے شاہ جی عرف چندر کانت کا خط جیب سے نکال کر انہیں دیا اور کہا۔

"آپ کے نام یہ خط لایا ہوں"۔

حاجی صاحب نے لفافہ کھولا اور عبارت کو دیکھتے ہی بولے۔

"میاں! تشریف رکھیں"۔

عمران ان کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گیا...... خط پڑھ کر حاجی صاحب بولے۔

"بہن بھائی سب خیریت سے ہیں نا؟"۔

عمران نے کہا...... "جی ہاں...... اللہ کا بڑا فضل ہے"۔

کرسی سے اٹھتے ہوئے بولے۔

"آپ نے کھانا کھایا ہے یا نہیں؟"۔

عمران نے کہا...... "جی سٹیشن پر کھا لیا تھا۔ شکریہ!"۔

"رات کافی گزر چکی ہے...... میرا خیال ہے آپ آرام کریں...... صبح باتیں ہوں گی، آیئے میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں"۔

وہ عمران کو ہوٹل کی دوسری منزل پر ایک کمرے میں لے آئے جہاں پلنگ پر بستر لگا تھا۔ کمبل تہہ کر کے رکھا ہوا تھا...... دروازہ بند کرنے کے بعد عمران کے قریب ہو کر بولے۔

"تمہارا کوئی پیچھا تو نہیں کر رہا تھا؟"۔

عمران نے کہا۔

”جہاں تک میں سمجھتا ہوں کوئی میرا پیچھا نہیں کر رہا تھا“۔

کہنے لگے...... ”بیٹھ جاؤ“۔

پھر انہوں نے انٹر کام فون پر کسی سے کہا کہ کمرہ نمبر ۳ میں چائے لے آؤ...... فون بند کر کے بولے۔

”میں نے شاہ جی کا خط پڑھ لیا ہے...... تمہارے بارے میں انہوں نے سب کچھ بڑی تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ یہ بتاؤ کیا تم شوقیہ کمانڈو ہو یا تم نے باقاعدہ کمانڈو ٹریننگ حاصل کی تھی“۔

عمران نے کہا۔

”جی میں فوج کی کمانڈو بٹالین کا کمانڈنگ آفیسر رہ چکا ہوں...... فوج سے سبکدوش ہونے کے بعد مجھے جہاد کشمیر میں شرکت اور وطن پاک کے استحکام کے لئے کچھ کرنے کا جذبہ یہاں لے آیا ہے“۔

”بڑی مبارک بات ہے“ حاجی صاحب صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

”تم لوگ خوش قسمت ہو کہ پاکستان میں رہ رہے ہو، جو ایک آزاد اسلامی ملک ہے۔ پاکستان کے ایٹمی طاقت بن جانے سے بھارت کے مسلمانوں کو بڑی تقویت ملی ہے...... انشاءاللہ پاکستان اب ہمیشہ سلامت اور مستحکم رہے گا، لیکن ہندو پاکستان کا دشمن ہے۔ وہ پاکستان کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھنا چاہتا“۔

عمران نے کہا۔

”ہندوؤں کے ان ہی ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے اور کشمیری مسلمانوں کے حق خود ارادیت کی خاطر کٹ مرنے کا جذبہ مجھے دشمن کے گھر میں کھینچ لایا ہے“۔

حاجی صاحب بولے۔

”شاہ جی نے تمہارا اسلامی نام عمران لکھا ہے...... یہی نام ہے نا تمہارا؟“۔

”جی ہاں“ عمران نے جواب دیا۔

حاجی صاحب نے کہا۔

”میاں عمران! ابھی تم آرام کرو...... کل تم سے باقی باتیں ہوں گی اور ہاں تمہارا پستول کہاں ہے؟“۔

عمران نے کہا۔

”میں نے اسے اپنے انڈر ویئر میں چھپا رکھا ہے“۔

”وہ نکال کر مجھے دے دو...... اس کا تمہارے پاس رہنا ٹھیک نہیں“۔

کمانڈو کبھی اپنا اسلحہ کسی اجنبی کو نہیں دیتا...... لیکن شاہ جی نے حاجی صاحب کا جو حلیہ بتایا تھا حاجی صاحب کا وہی حلیہ تھا اور انہوں نے مرموز زبان میں لکھے ہوئے خط کی تحریر بھی پڑھ لی تھی۔ یہ حاجی صاحب کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ عمران کو ہچکچاتے دیکھ کر حاجی صاحب بولے۔

”میاں! یہ تمہاری امانت میرے پاس رہے گی...... جب اس کی ضرورت سمجھو مجھ سے لے لینا“۔

اس نے کہا...... ”جیسے آپ کی مرضی“۔

اور عمران نے پستول نکال کر مع میگزین ان کے حوالے کر دیا...... پستول کو رومال میں لپیٹ کر انہوں نے چادر کے اندر چھپا لیا...... اتنے میں لڑکا چائے لے کر آگیا...... وہ چائے پینے لگے۔ لڑکے کو باہر بھیج کر حاجی صاحب نے اٹھ کر دروازے کے باہر جھانک کر دیکھا...... جب انہیں یقین ہو گیا کہ باہر کوئی نہیں ہے تو دروازہ کھلا ہی رہنے دیا اور آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے۔

”عمران میاں! تم جس مشن پر آئے ہو وہ اس اعتبار سے بے حد خطرناک ہے کہ یہ سانپ کے منہ سے ہیرا نکال کر لانے والی بات ہے...... اس میں ہر قدم پر جان کا خطرہ ہے...... ذرا سی غفلت، ذرا سا غلط اٹھا ہوا قدم تمہارے ساتھ ہمیں بھی پھانسی کے تختے پر

"پہنچا سکتا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"حاجی صاحب! یہ ساری باتیں میرے ذہن میں ہیں...... مجھے پورا یقین ہے کہ اس مہم میں میرا کوئی قدم غلط نہیں اٹھے گا اور اگر کسی وجہ سے ایسا ہو گیا تو میں اکیلا ہی پھانسی چڑھوں گا...... میری زبان سے ہرگز ہرگز کسی دوسرے کا نام نہیں نکلے گا"۔

حاجی صاحب خاموشی سے عمران کی باتیں سن رہے تھے اور چائے بھی پی رہے تھے۔ پیالی میز پر رکھ کر دروازے کے پاس گئے...... باہر جھانک کر دیکھا اور عمران کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

"شاہ جی گجراتی نے خفیہ زبان میں لکھے گئے خط میں لکھا ہے کہ تم لوگوں کو اس بحری جہاز کے بارے میں معلومات چاہئیں جو بھاری مقدار اور بھاری تعداد میں گولہ بارود اور جدید ترین اسلحہ لے کر یورپ کی کسی بندرگاہ سے چل پڑا ہے اور جسے گجرات کاٹھیاواڑ کی کسی بندرگاہ پر آ کر لگنا ہے...... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"۔

"بالکل صحیح فرما رہے ہیں آپ...... اس وقت ہمارے سامنے یہی مشن ہے کہ کسی طریقے سے ہمیں اس جہاز کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ جہاز کا نام کیا ہے۔ جہاز کا نام معلوم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ یہ اسلحہ کسی خاص جنگی جہاز میں نہیں لایا جا رہا بلکہ مرچنٹ نیوی کے ایک عام باربردار جہاز میں لایا جا رہا ہے جس پر انڈیا کا جھنڈا بھی نہیں ہوگا...... یہ اس وجہ سے کیا جا رہا ہے کہ اسلحہ بردار جہاز کی شناخت کو خفیہ رکھا جائے...... گجرات کاٹھیاواڑ کے ساحل پر باربردار جہاز آتے ہی رہتے ہیں...... ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ اپنے طور پر یہ معلوم کر سکیں کہ وہ باربردار جہاز کون سا ہے جس میں بھاری مقدار میں گولہ بارود اور اسلحہ لدا ہوا ہے...... اگر ہمیں جہاز کا نام اور نمبر معلوم ہو جائے تو اس خاص جہاز کی نشان دہی ہو جائے گی...... بس ہمیں صرف اتنی ہی معلومات درکار ہیں جو ہمیں انڈین گورنمنٹ کے محکمہ دفاع کے سیکرٹ

کاغذات میں سے ہی مل سکتی ہیں جو دلی کے سیکرٹریٹ میں ہے اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ اسلحہ کشمیر کے محاذ پر کشمیری حریت پرستوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا...... یہ فرمائیے کہ آپ اس سلسلے میں ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"۔

حاجی صاحب بولے۔

"اس وقت تو آپ آرام کریں...... انشاءاللہ اس موضوع پر کل تفصیل سے گفتگو ہوگی...... کل تک میں یہ بھی معلوم کر لوں گا کہ میں آپ کی کس حد تک اس بارے میں مدد کر سکتا ہوں"۔

اتنا کہہ کر حاجی صاحب شب بخیر کہہ کر کمرے سے نکل گئے...... عمران نے اٹھ کر دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگائی اور بستر پر لیٹ کر کمبل اوپر کر لیا اور سوچنے لگا...... کیا حاجی صاحب ہماری مدد کر سکیں گے؟



دوسرے دن عمران نے حاجی صاحب کی ہدایت کے مطابق اپنے کمرے میں ناشتہ کیا...... اپنے کمرے میں ہی دوپہر کا کھانا کھایا...... دوپہر کے کھانے کے بعد حا صاحب اوپر میرے کمرے میں آگئے، کہنے لگے۔

"میاں کوئی تکلیف تو نہیں؟ کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتادو"۔

عمران نے کہا۔

"حاجی صاحب اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ آپ کو معلوم ہی ہے"۔

حاجی صاحب کھڑے کھڑے باتیں کر رہے تھے...... ذرا مسکرائے، کہنے لگے۔

"انشاءاللہ وہ چیز آپ کو شام کو مل جائے گی فکر نہ کرو"۔

اور حاجی صاحب چلے گئے...... ان کی ہدایت تھی کہ عمران دن کے وقت ز وقت کمرے میں ہی رہے تو بہتر ہے۔ عمران کو کوئی اعتراض نہیں تھا...... شام ہو پھر رات ہوگئی...... حاجی صاحب نے کمرے میں کھانا پہنچادیا...... عمران کھانا کھ کے بعد بستر پر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ شاید حاجی صاحب کو اپنے ذرائع سے ابھی خاص معلومات حاصل نہیں ہوئیں، ورنہ وہ ضرور آکر اس سے بات کرتے...... وہ جاکر ذرا ٹہلنا چاہتا تھا...... وہ نیچے جانے ہی والا تھا کہ حاجی صاحب آگئے۔ ان کے س پتلون کوٹ والا ایک نوجوان تھا جس نے گلے میں مفلر لپیٹ رکھا تھا...... شکل صو سے ذہین اور سنجیدہ مزاج پڑھا لکھا نوجوان لگتا تھا...... حاجی صاحب نے نوجوان

تعارف کرایا، کہنے لگے۔

"میاں عمران! یہ جمیل مہدی صاحب ہیں، باقی اپنا تعارف یہ خود کرائیں گے...... تم لوگ باتیں کرو...... میں تمہارے لئے چائے بھجوا رہا ہوں"۔

یہ نوجوان سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا...... وہ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کا نام تو مجھے معلوم ہوگیا ہے...... باقی تعارف اگر آپ خود ہی کرادیں تو میں بڑا ممنون ہوں گا"۔

وہ نوجوان جس کا نام جمیل مہدی بتایا گیا تھا بولا۔

"لڑکا چائے لے کر آجائے...... پھر بات ہوگی"۔

اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر عمران کی طرف بڑھایا۔

"آپ سگریٹ کا شوق کریں گے؟"۔

عمران نے شکریئے کے ساتھ کہا کہ میں سگریٹ نہیں پیتا...... جمیل مہدی نے پوچھا۔

"آپ کو اس کا دھواں اگر ناگوار گزرتا ہے تو میں سگریٹ نہیں سلگاؤں گا"۔

عمران نے کہا۔

"نہیں نہیں مہدی بھائی...... بلکہ الٹا مجھے سگریٹ کی خوشبو اچھی لگتی ہے"۔

"اچھی بات کہی ہے آپ نے"۔

اور مہدی صاحب نے سگریٹ سلگالیا...... وہ دلی کے موسم کی باتیں کرنے لگے...... اتنے میں ہوٹل کا ملازم لڑکا چائے لے کر آگیا...... جب وہ چائے کے برتن میز پر لگا چکا تو مہدی نے اسے کہا۔

"ٹھیک ہے بھائی...... اب تم بے شک چلے جاؤ...... ہم خود ہی چائے بنالیں گے"۔

لڑکا چلا گیا۔

جمیل مہدی صاحب نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا اور چائے بنانے لگے۔
اس بار دلی میں اتنی سردی نہیں پڑی......پاکستان میں موسم کیسا تھا“۔
عمران نے کہا۔
”بس ٹھیک تھا“۔
جمیل مہدی ایک بار پھر اٹھ کر بند دروازے کے پاس گئے...... دروازے کے ساتھ کان لگادیا...... پھر واپس آکر عمران کے بالکل سامنے بیٹھ گئے اور سگریٹ کا ہلکا سا کش لگاکر سگریٹ کو ایش ٹرے میں دبا کر بجھادیا۔ ایک دو سیکنڈ تک عمران کو خاموشی اور تجسس بھری نظروں سے دیکھتا رہا...... پھر دھیمی آواز میں ذرا آگے کی طرف ہو کر بولا۔
”جو انفارمیشن آپ کو چاہئے وہ ٹاپ سیکرٹ انفارمیشن ہے اور وہاں تک میری پہنچ نہیں ہے...... اتنا مجھے معلوم ہے کہ ایک اسرائیلی بندرگاہ سے مرچنٹ نیوی کا ایک باربردار عام قسم کا بحری جہاز کشمیر کے محاذ پر کشمیریوں کے خلاف استعمال ہونے والا اسلحہ اور گولہ بارود لے کر روانہ ہونے والا ہے...... اس جہاز کا نام کیا ہے...... نمبر کیا ہے؟ یہ ایک ٹاپ سیکرٹ فائل میں درج ہے اور یہ فائل محکمہ دفاع کے ٹاپ سیکرٹ سیکشن کی ایک الماری میں بند ہے...... اس الماری کو کھولنے کی سوائے سیکشن آفیسر کے اور کسی کو اجازت نہیں ہے۔ سیکشن آفیسر بھی جب اشد ضرورت کے وقت اس الماری کو کھولتا ہے تو انٹیلی جینس کے دو اعلیٰ آفیسر اس کے دائیں بائیں کھڑے ہوتے ہیں...... ان کی نگرانی میں سیکشن آفیسر الماری میں سے فائل نکال کر ضروری معلومات حاصل کرتا ہے اور فائل دوبارہ الماری میں رکھ کر الماری کو تالا لگادیا جاتا ہے۔ الماری کی چابی سیکشن آفیسر کے پاس بھی نہیں ہوتی...... یہ چابی انٹیلی جینس کے ایک آفیسر کی تحویل میں ہوتی ہے اور کسی کو معلوم نہیں کہ وہ چابی کہاں رکھتا ہے۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمارے لئے گولہ بارود اور اسلحہ لانے والے جہاز کا نام اور نمبر معلوم کرنا کس قدر مشکل بلکہ ناممکن ہے“۔

عمران بڑی توجہ سے جمیل مہدی کی بات سن رہا تھا...... جب مہدی نے اپنی بات ختم کی تو اس نے کہا۔
”مہدی بھائی! آپ بھارت کے محکمہ دفاع میں کام کرتے ہیں...... کیا آپ کے ذہن میں کوئی ایسی ترکیب ہے جس پر عمل کرتے ہوئے میں اس ٹاپ سیکرٹ فائل تک پہنچ سکتا ہوں؟ آپ معاملے کی سنگینی کو ضرور سمجھ رہے ہوں گے۔ اگر ہم نے اس جہاز کو تباہ نہ کیا تو اس میں لدا ہوا اسلحہ اور گولہ بارود سینکڑوں بے گناہ کشمیریوں کی جان لے لے گا اور ان کے گھروں اور عبادت گاہوں کو نذر آتش کر دے گا“۔
جمیل مہدی سوچ میں پڑ گیا...... چند لمحے وہ گہری سوچ میں گم رہا...... پھر نظر اٹھا کر اس نے عمران کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔
”میں اس سلسلے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا...... مجھے کل کا دن دے دیجئے...... میں حالات اور محل وقوع کا پورا جائزہ لینے کے بعد کل رات کو اسی وقت آپ کے پاس آؤں گا اور بتا سکوں گا کہ اس سلسلے میں کیا ہو سکتا ہے...... اب مجھے اجازت دیجئے“۔
جمیل مہدی کے جانے کے دو تین منٹ بعد حاجی صاحب عمران کے کمرے میں آگئے...... بڑی رازداری سے پوچھا۔
”کوئی تسلی بخش بات ہوئی؟“۔
عمران بولا۔
”آدھی بات ہوئی ہے...... مہدی صاحب نے کل اسی وقت آنے کا وعدہ کیا ہے“۔
حاجی صاحب عمران کے پاس بیٹھ گئے اور بولے۔
”یہ شخص بھارت کے محکمہ دفاع میں خاص پوسٹ پر تعینات ہے...... مسلمانوں کو بھارتی سرکار ایسی کلیدی آسامیوں پر کبھی نہیں لگاتی، لیکن جمیل مہدی کی سیکرٹری دفاع نے سفارش کی تھی...... اس کی وجہ جمیل مہدی کی سیاسی دانشمندی ہے...... اس

نے بھارت کی دفاعی پوزیشن کے راز معلوم کرنے کی خاطر اپنے آپ کو پاکستان کا دشمن اور بھارت کا زبردست دیش بھگت مشہور کر رکھا ہے...... یہ راز ہم اپنے ذرائع سے کشمیر کے محاذ پر حریت پرست مجاہدین تک پہنچا دیتے ہیں...... یہ ہمارا ٹاپ سیکرٹ معاملہ ہے......اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"جی ہاں...... میں پوری طرح سمجھ گیا ہوں"۔

اور اس کے بعد عمران نے حاجی صاحب کو وہ ساری باتیں بیان کر دیں جو جمیل مہدی اسے بتا گیا تھا...... حاجی صاحب بولے۔

"فکر کرنے کی کوئی بات نہیں...... مجھے یقین ہے جمیل مہدی کوئی نہ کوئی راستہ نکال لے گا"۔

جمیل مہدی نے جو راستہ نکالا وہ موت کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا......

دوسرے دن رات کو ٹھیک وقت پر وہ آ گیا۔ عمران اس کا انتظار کر رہا تھا...... حاجی صاحب نے اسے اوپر عمران کے پاس بھیج دیا کہنے لگا۔

"عمران بھائی! اس مسئلے کا صرف ایک ہی حل ہے مگر اس میں کامیابی کی امید دس فی صدی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"مہدی صاحب! کامیابی اور ناکامیابی تو اللہ کے اختیار میں ہے...... آپ یہ بتائیں کہ مجھے کرنا کیا ہو گا"۔

جمیل مہدی بولا۔

"کیا آپ کو کبھی ایک فٹ قطر یعنی ڈایا میٹر کے پائپ میں سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے"۔

عمران جمیل مہدی کا منہ تکنے لگا کہ یہ شخص کیا کہنا چاہتا ہے...... اس نے نفی میں

سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے مجھے ایسا کبھی اتفاق نہیں ہوا...... آپ کی اس سے کیا مراد ہے؟"۔

جمیل مہدی کہنے لگا۔

"میرا مطلب بالکل واضح ہے...... اب آپ میری بات پوری توجہ سے سنیں...... میں نے اپنے تمام ذرائع بروئے کار لاتے ہوئے حالات کا پورا تجزیہ کیا تو میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میں اگر اپنے تمام ظاہری اور خفیہ ذرائع کو استعمال میں لاتے ہوئے اگر ایک ہزار سال تک بھی کوشش کرتا رہوں تو بھارتی محکمہ دفاع کے ٹاپ سیکرٹ سیکشن میں داخل ہو کر ٹاپ سیکرٹ فائل تک نہیں پہنچ سکتا، لیکن اگر آپ موت کے منہ میں سے گزرنے کے لئے تیار ہیں تو میں آپ کی مدد ضرور کر سکتا ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"مہدی بھائی! پلیز ان باتوں کو چھوڑیں اور مجھے یہ بتائیں کہ مجھے کرنا کیا ہو گا...... زندگی موت، کامیابی، ناکامیابی کو آپ بھول جائیں"۔

جمیل مہدی اس دوران سگریٹ سلگا رہا تھا...... سگریٹ کا ہلکا سا کش لے کر بولا۔

"تو پھر سنئے...... یہ جو محکمہ دفاع کا ہمارا ٹاپ سیکرٹ سیکشن ہے یہ محکمہ دفاع کے سرکاری کمپلیکس کے تیسرے بلاک میں ہے...... اس کی ساخت یعنی اس کو اس طریقے سے تعمیر کیا گیا ہے جس طریقے سے بنکوں کے لاکرز روم بنائے جاتے ہیں...... اس میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی راستہ ہے جس کے دو گیٹ ہیں...... پہلا گیٹ لکڑی کے مضبوط کیواڑوں کا ہے...... اس کو کھول کر آگے جائیں تو دوسرا گیٹ لوہے کی موٹی سلاخوں کا دروازہ ہے...... ان دونوں دروازوں پر ہر وقت ایک ایک سنتری لائٹ مشین گن لئے پہرے پر موجود رہتا ہے...... سلاخوں کے دروازے کے آگے پھر ٹاپ

سیکرٹ سیکشن کے کمرے کا اپنا دروازہ ہے جو ہر وقت بند رہتا ہے...... اس دروازے نمبروں والا کمپیوٹرائزڈ تالہ لگا ہوا ہے جو صرف کوڈ نمبر ملانے سے ہی کھلتا ہے...... ا نمبروں کا علم سیکرٹری دفاع سیکشن آفیسر اور بھارت کے پردھان منتری کے سوا کسی کو معلوم نہیں"۔

جمیل مہدی سگریٹ کا کش لگانے کے لئے رک گیا...... عمران سوچ رہا تھا دیکھیں اس تھیلے میں سے کیا نکلتا ہے...... سگریٹ کا ایک کش لگانے کے بعد جمیل مہدی بولا۔

"میں نے اس مسئلے پر کافی غور کیا اور مجھے صرف ایک ہی صورت اس ٹاپ سیکر سیکشن میں داخل ہونے کی نظر آئی ہے مگر اس میں تھوڑے دل گردہ قائم رکھنے ضرورت ہے۔ مطلب میرے کہنے کا یہ ہے کہ اس ٹاپ سیکرٹ سیکشن میں داخل ہو کا اور کوئی راستہ نہیں ہے...... صرف ایک راستہ ہے جس کی طرف شاید سیکورٹی والو دھیان نہیں گیا"۔

"وہ کون سا راستہ ہے؟" عمران نے بے چین سا ہو کر پوچھا...... جمیل مہدی ک لگا۔

"ٹاپ سیکرٹ سیکشن کے کمرے میں، جہاں تمام ٹاپ سیکرٹ کاغذات ا فائیلیں وغیرہ رکھی جاتی ہیں ایک آتش دان بھی ہے...... شاید یہ غیر ضروری انتہائی خطرناک معلومات بہم پہنچانے والے کاغذات کو نذر آتش کرنے کے لئے بنایا تھا...... مجھے سیکرٹری دفاع کے ساتھ صرف دو بار اس کمرے میں جانے کا اتفاق ہوا اور میں نے دونوں دفعہ دیکھا تھا کہ آتش دان میں کچھ پرانی فائیلیں اور کاغذات ج رہے تھے...... بہر حال اسی آتش دان کی ایک تیس پینتیس فٹ اونچی چمنی ہے جو آتش دان کی دیوار کے اندر سے گزرتی اوپر چھت پر جا کر کھلتی ہے...... اس چمنی کا قطر میر اندازے کے مطابق زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ فٹ ہے...... اگر آپ اس کمرے میں داخل

ہونا چاہتے ہیں تو صرف اس چمنی کے اندر سے گزر کر ہی کمرے میں داخل ہو سکتے ہیں، دوسرا کوئی ذریعہ آپ کے لئے اس ٹاپ سیکرٹ سیکشن میں داخل ہونے کا نہیں ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میں ڈیڑھ فٹ قطر کی چمنی میں سے اتر بھی جاؤں گا اور واپس بھی آ جاؤں گا...... لیکن سوال یہ ہے کہ وہاں رات کے وقت سیکورٹی کا کیا انتظام ہوتا ہے۔ محکمہ دفاع کے کمپلیکس میں رات کے وقت داخل ہونا اور پھر ٹاپ سیکرٹ سیکشن کی چھت پر چڑھنا اتنا آسان نہیں ہوگا...... وہاں تو سیکورٹی کا زبردست بندوبست کیا گیا ہوگا...... آپ مجھے صرف یہ بتا دیں کہ یہ بندوبست کس قسم کا ہے"۔

جمیل مہدی نے کہا۔

"ظاہر ہے اس قسم کی انتہائی حساس نوعیت کی عمارتوں میں رات کے وقت سیکورٹی بڑی سخت کر دی جاتی ہے۔ یہاں بھی رات کے وقت مسلح پولیس کی دو پٹرول پارٹیاں گشت کرتی رہتی ہیں...... سیکشن کے کمرے کے دروازے کے سامنے دو گارڈ رات کے وقت موجود رہتے ہیں...... اس کو چھوڑیں...... میں آپ کو چھت پر جانے کا راستہ بتا دوں گا، لیکن اصل سوال ٹاپ سیکرٹ سیکشن میں ان الماریوں کے میگنائزڈ نمبروں والے میکنیٹک تالے کھولنے کا ہے جن میں آپ کی مطلوبہ فائل رکھی جاتی ہے۔ آپ الماری کا تالا کس طرح کھولیں گے...... یہ کوئی عام قسم کا تالا نہیں ہے...... وہ خاص نمبروں کو جوڑ کر کھولا جاتا ہے اور ان نمبروں کا علم یا سیکشن آفیسر کو ہے یا سیکرٹری دفاع کو ہے اور یا بھارت کے پردھان منتری کو ہے"۔

عمران نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں...... میں اس قسم کے تالے کھولنے کا گر جانتا ہوں...... یوں سمجھ لیں کہ ہمیں ان تالوں کو کھولنے کی خاص تربیت دی جاتی ہے۔ آپ مجھے چھت پر جانے کا راستہ بتائیں"۔

جمیل مہدی نے بڑی تعجب خیز نگاہوں سے عمران کی طرف دیکھا اور سگر ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے بولا۔

"چلئے ٹھیک ہے...... سیکرٹ سیکشن کی چھت پر چڑھنے کا بھی صرف ایک ذریعہ ہے...... اس ایک منزلہ عمارت کی عقبی دیوار محکمہ دفاع کے احاطے کی دیوار صرف دو فٹ کے فاصلے پر ہے...... احاطے کی دیوار اور سیکشن کے کمرے کی عقبی کے درمیان جو خالی جگہ ہے وہاں ردی کاغذ اور کوڑا کرکٹ بھرا رہتا ہے...... احا دیوار دس فٹ اونچی ہے...... دیوار کی منڈھیر پر شیشے کے ٹکڑے سیمنٹ میں ہوئے ہیں...... سب سے اہم بات یہ ہے کہ جہاں سیکشن کے بلاک کی عقبی دیوا ہے وہاں احاطے کی دیوار کے باہر سڑک پر ایک موٹر سائیکل مرمت کرنے و مکینک کا عارضی کھوکھا ہے...... تم اس کھوکھے کی مدد سے احاطے کی دیوار پر چڑھ ہو۔ آگے تمہیں اپنی عقل اور حوصلے سے کام لینے کی ضرورت ہوگی"۔

"دیوار کے اس جانب سیکورٹی کا کوئی انتظام نہیں ہے؟"۔

عمران نے پوچھا۔

جمیل مہدی کہنے لگا۔

"بیس پچیس فٹ اونچی احاطے کی دیوار ہے اور دیوار کے اوپر شیشے کے ٹکڑے لگے ہوئے ہیں...... باقی سیکشن روم کے سامنے کی طرف دو مسلح سپاہی کے وقت پہرے پر ضرور موجود ہوتے ہیں"۔

"اور چھت کے اوپر کوئی سنتری نہیں ہوتا؟"۔

عمران نے سوال کیا...... جمیل مہدی بولا۔

"چھت پر جانے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے"۔

اوپر کوئی کیسے جائے گا...... اب یہ سوچنا تمہارا کام ہے کہ تم سیکرٹ سیکشن چھت پر کیسے چڑھو گے...... آخر میں تمہیں اتنا ضرور بتادینا چاہتا ہوں کہ اگر تم

گئے تو تمہاری موت اتنی اذیت ناک ہوگی کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے...... اب میں تم سے ایک بات کی یقین دہانی چاہتا ہوں"۔

"کس بات کی یقین دہانی؟" عمران نے پوچھا۔

جمیل مہدی نے کہا۔

"اس سے پہلے کہ تم اس خطرناک مشن پر نکلو...... تمہیں مجھے یقین دلانا ہوگا کہ پکڑے جانے کی صورت میں تمہاری زبان پر میرا اور حاجی صاحب کا نام نہیں آئے گا...... اگر تمہاری زبان پر ہم دونوں میں سے کسی کا نام آگیا تو نہ صرف یہ کہ ہم دونوں کو فائرنگ سکوئیڈ کے سامنے کھڑا کر کے شوٹ کر دیا جائے گا بلکہ بھارتی سرکار ہمارے خاندانوں کا نام ونشان تک مٹادے گی"۔

عمران نے جمیل مہدی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور کہا۔

"مہدی بھائی! پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں کمانڈو ٹریننگ کے دوران ناقابل برداشت حد تک اذیتیں برداشت کرنے کی تربیت دی گئی ہے...... ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ جب اذیت ناقابل برداشت حد تک پہنچ جائے تو کس طرح اپنے اوپر غشی طاری کی جاتی ہے...... دوسری بات یہ ہے کہ میں موت کو ہنسی خوشی سینے سے لگالوں گا لیکن میری زبان پر تمہارا یا حاجی صاحب کا نام کبھی نہیں آئے گا...... اس سے زیادہ یقین دلانے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں"۔

جمیل مہدی نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"میں تم پر یقین کرتا ہوں...... ایک اور بات یہ ہے کہ تمہیں دن کی روشنی میں سیکرٹ سیکشن کے بلاک کے عقب میں جو سڑک گزرتی ہے وہاں جاکر اپنا ٹارگٹ کا سروے یعنی مشاہدہ کرنا ہوگا...... یہ کام تمہیں اکیلا کرنا ہوگا، میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا...... حاجی صاحب بھی تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے...... میں تمہیں اس بازار کا نام اور محل وقوع بتائے دیتا ہوں...... باقی تمہیں اپنے اس مشن کے لئے جن

جن چیزوں کی ضرورت ہوگی حاجی صاحب تمہیں مہیا کردیں گے"۔

اس کے بعد جمیل مہدی نے عمران کو سڑک کا نام اور اس علاقے کے بارے میں پوری تفصیل کاغذ پر لکھوادی جہاں انڈین ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ کے ٹاپ سیکرٹ سیکشن والے بلاک کی عقبی دیوار لگتی تھی اور جہاں سڑک پر باہر کی جانب موٹر مکینک کا کھوکھا تھا...... عمران نے یہ سب کچھ لکھ کر سنبھال کر رکھ لیا...... جمیل مہدی بولا۔

"ایک اور ضروری بات میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا...... وہ یہ بات ہے کہ اگر تم آتش دان کی چمنی کے ذریعے زندہ حالت میں سیکرٹ سیکشن میں اترنے میں کامیاب ہوگئے تو وہاں تمہیں آتش دان کے بالکل سامنے والی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی لوہے کی تین الماریاں نظر آئیں گی...... ان میں جو درمیان والی الماری ہوگی تمہاری ٹاپ سیکرٹ فائل جس میں اس بار بردار جہاز کا نام اور نمبر لکھا ہے جو بھاری مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود لے کر بھارت آنے والا ہے اور سب سے ضروری بات میں نے ابھی تک نہیں کی...... وہ یہ ہے کہ تم اپنے دشمنوں کے ملک میں ہو...... تمہارے پاس کوئی پاسپورٹ، ویزا نہیں ہے...... تمہیں بے حد محتاط رہنا ہوگا...... یہ دلی ہے اور بھارت کی راجدھانی ہے...... یہاں سول اور ملٹری انٹیلی جنس والوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ اگر کسی نے تم سے پوچھا تو اپنے آپ کو یہاں ہرگز ہندو ظاہر نہ کرنا...... مسلمان ہی ظاہر کرنا اور یہی کہنا کہ تم بہار کے رہنے والے ہو اور دلی میں کام کی تلاش میں آئے ہو اور رات کو سٹیشن پر سوتے ہو...... یہاں بہاری خاصی تعداد میں کام کی تلاش میں آئے ہوئے ہیں۔ اب میں چلتا ہوں...... تم کل کسی وقت ٹارگٹ کا مشاہدے کے لئے نکل جانا۔ میں کل رات کو نہیں تو پرسوں رات کو تمہیں اسی کمرے میں ملوں گا؟"۔

جمیل مہدی نے عمران سے ہاتھ ملایا اور کمرے سے نکل گیا...... عمران نے کمرے کا دروازہ بند کر کے چٹخنی لگائی اور صوفے پر بیٹھ کر اپنے ذہن میں ٹاپ سیکرٹ سیکشن کی منصوبہ بندی کے بارے میں غور و فکر کرنے لگا...... اس مشن کے لئے

عقلمندی کے ساتھ ساتھ بے حد محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ معمولی سی غفلت نہ صرف یہ کہ اس کے مشن کو تہس نہس کر سکتی تھی بلکہ خود اسے بھی پھانسی کے تختے پر پہنچا سکتی تھی...... اسے جو کچھ بھی کرنا تھا اکیلے ہی کرنا تھا...... یہ اکیلے کمانڈو کا ہی کام تھا...... دو کمانڈوز میں اختلاف رائے کا امکان تھا اور یکسوئی کے ساتھ عمران کام نہیں کر سکتا تھا۔

اپنے مشن کا پورا منصوبہ کمانڈو عمران کے ذہن میں آچکا تھا...... سب سے پہلے ٹارگٹ کا مشاہدہ ضروری تھا۔ جمیل مہدی نے اسے سیکرٹ سیکشن کے بلاک کی بیرونی ساخت تفصیل سے بتادی تھی...... اس کی سب سے بڑی نشانی بلاک کے اوپر لگا ہوا بھارت کا ترنگا جھنڈا تھا۔ عمران سو گیا۔

صبح حاجی صاحب کمرے میں آگئے...... کہنے لگے۔

"میاں ناشتہ اوپر ہی کرنا...... رات جمیل مہدی صاحب کی تمہارے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی وہ انہوں نے مجھے بتادی تھی...... تمہیں اس مشن کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے مجھے ان کی لسٹ بنا کر دے دو...... تمہیں ہر شے مل جائے گی"۔

عمران نے کہا۔

"سب سے پہلے میں آج رات کو ٹارگٹ کا محل وقوع دیکھنے جاؤں گا"۔

حاجی صاحب بولے۔

"تمہیں معلوم ہے نا بھارت کا محکمہ دفاع کون سی سڑک پر ہے؟"۔

"مہدی صاحب نے مجھے بہت کچھ بتادیا ہے" عمران نے کہا۔

"ٹھیک ہے" حاجی صاحب بولے...... زیادہ رات گئے مت جانا اور وہاں سڑک پر زیادہ چکر بھی نہ لگانا...... وہاں انٹیلی جنس والے پھر رہے ہوتے ہیں۔

عمران بولا۔

"میں اس کا خیال رکھوں گا...... ٹارگٹ کا مشاہدہ کرنے کے بعد ہی میں بتا سکوں گا کہ مجھے کن کن چیزوں کی ضرورت ہے"۔

"کوئی بات نہیں" حاجی صاحب بولے...... تم سروے کر لو۔

مگر میں پھر کہوں گا کہ بہت محتاط ہو کر رہنا۔

عمران نے سارا دن ہوٹل کے کمرے میں ہی گزار دیا...... جب رات کا پہلا پہر شروع ہوا تو وہ خاموشی سے ہوٹل سے نکل گیا، جس علاقے میں بھارت کے محکمہ دفاع کے دفاتر تھے وہ علاقہ عمران کا دیکھا بھالا تھا...... وہ رکشے میں بیٹھ کر محکمہ دفاع کے کمپلیکس سے کچھ دور پیچھے ہی اتر گیا...... وہاں سے پیدل فٹ پاتھ پر چلنے لگا...... کمپلیکس کے صدر دروازے کی طرف جانے کی بجائے اس کے عقب میں جا رہا تھا۔ سارا علاقہ جدید ترین علاقہ تھا...... سڑکیں کشادہ اور روشن تھیں...... سڑک پر ہر قسم کا ٹریفک گزر رہا تھا...... جمیل مہدی نے اسے جس طرح بتایا تھا وہ اسی طرح چل رہا تھا...... آخر ایک جگہ اسے محکمہ دفاع کے احاطے کی اونچی دیوار کے دوسری جانب ایک بلاک نظر پڑا جس کے درمیان والے کمرے کی چھت پر بھارت کا ترنگا جھنڈا لہرا رہا تھا...... ٹارگٹ کی سب سے اہم نشانی کسی موٹر مکینک کا کھوکھا یا چھوٹا سا گیراج تھا۔ آخر عمران کو یہ گیراج ہی نظر آ گیا...... گیراج ایک کھوکھے کی شکل میں تھا اور بلاک کے درمیانی کمرے کی عقبی دیوار کے آگے احاطے کی دیوار کے ساتھ ہی باہر کی جانب ہوا تھا...... ایک سردار جی بجلی کی روشنی میں ایک سکوٹر کی مرمت میں لگے ہوئے تھے

عمران سڑک کراس کر کے سردار جی کے پاس آ گیا...... کہنے لگا۔

"سردار جی! میرے سکوٹر میں کوئی نقص پیدا ہو گیا ہے...... کل سے بند پڑا۔ سٹارٹ کر کر کے تنگ آ گیا ہوں...... سٹارٹ ہی نہیں ہوتا"۔

سردار جی نے ایک نظر عمران کو دیکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا کہنے لگا۔

"پٹرول اور فلو ہو رہا ہو گا"۔

عمران بولا۔

"میں نے چیک کیا ہے...... ایسی بات نہیں ہے"۔

سردار جی عمران کی طرف دیکھے بغیر بولے۔

"کل کسی وقت یہاں لے آنا...... میں دیکھ لوں گا...... کہاں رہتے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"نہرو کالونی میں رہتا ہوں مہاراج"۔

دلی کی تین چار کالونیوں کے نام عمران کو اچھی طرح یاد تھے...... سردار جی نے کہا۔

"کل کسی وقت سکوٹر لا کر چھوڑ جانا"۔

اس دوران عمران نے کھوکھے کی چھت اور احاطے کی دیوار کا پوری طرح سے جائزہ لے لیا تھا...... کھوکھے کی چھت سے احاطے کی دیوار چار پانچ فٹ ہی اونچی تھی...... دیوار کے اوپر سیمنٹ میں لگے ہوئے ٹوٹی ہوئی شیشے کی بوتلوں کے ٹکڑے بجلی کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ بجلی کی روشنی سردار جی کے کھوکھے کے اوپر لگے ہوئے بلب کی تھی۔ سڑک پر جو بجلی کے کھمبے پر مرکری لائٹ جل رہی تھی، وہ وہاں سے پندرہ بیس قدموں کے فاصلے پر تھی۔ ظاہر ہے رات کو جب سردار جی گیراج بند کر کے چلے جاتے ہوں گے تو بجلی کی روشنی بھی بجھ جاتی ہو گی...... دیوار کی دوسری جانب بلاک کے اوپر ترنگا جھنڈا اس بات کی نشانی تھی کہ یہی محکمہ دفاع کے سیکرٹ سیکشن کا کمرہ ہے...... وہاں سے آتش دان کی چمنی نظر نہیں آ رہی تھی۔ شاید وہ چھت کی دوسری جانب تھی۔

عمران نے سردار جی سے کہا۔

"میں کل کسی وقت سکوٹر تانگے پر رکھوا کر لے آؤں گا"۔

سردار جی نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے کام میں لگے رہے۔

عمران واپس آ گیا...... حاجی صاحب نے اسے ہوٹل میں اوپر جاتے دیکھا تو کچھ دیر بعد وہ بھی کسی بہانے اوپر آ گئے...... عمران نے دروازہ بند کر رکھا تھا۔ حاجی صاحب نے آہستہ سے دستک دی...... عمران نے دروازہ کھول دیا...... حاجی صاحب اندر آ گئے اور دروازہ بند کر دیا...... عمران کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور پوچھا۔

"دیکھ آئے ہو؟"۔

عمران بولا۔

"جی ہاں"۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"تمہیں جس جس چیز کی ضرورت ہے مجھے لکھ کر دے دو...... تمہارا ارادہ مشن پر کس وقت جانے کا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"کل رات کو جاؤں گا"۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"ایسا ہے کہ تمہارا اس ہوٹل سے آدھی رات کو اپنے مشن پر جانا اور پھر اس ہوٹل میں واپس آنا کسی خطرے کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے"۔

عمران بولا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا...... آپ کے پاس کوئی ایسی جگہ ہے جو قدرے غیر آباد علاقے میں ہو؟"۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"ایک جگہ ہے...... میں یہی سوچ کر تمہارے پاس آیا ہوں...... وہاں تمہیں آتے جاتے کوئی نہیں دیکھ سکے گا...... بس صرف تمہیں اتنا خیال رکھنا پڑے گا کہ تمہارے پیچھے کوئی انٹیلی جنس والا نہ لگ جائے، کیونکہ تمہارا ٹارگٹ انتہائی حساس علاقے میں ہے"۔

عمران نے کہا۔

"اس کی آپ فکر نہ کریں...... میں پوری احتیاط سے کام لوں گا...... اگر کوئی میرے پیچھے لگ گیا تو مجھے پتہ چل جائے گا...... پھر میں آپ کی بتائی ہوئی جگہ پر نہیں آؤں گا...... کسی دوسری طرف نکل جاؤں گا...... اس کے بعد میں جانوں اور انٹیلی جنس کا جو آدمی میرے پیچھے لگا ہو گا وہ جانے"۔

حاجی صاحب متفکر ہو کر بولے۔

"لیکن انٹیلی جنس کا آدمی تو تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گا"۔

عمران نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"وہ زندہ رہے گا تو میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا...... میں اسے کیسے زندہ چھوڑ سکتا ہوں"۔

حاجی صاحب خاموش ہو گئے...... اگرچہ وہ خود کمانڈو نہیں تھے، مگر اس سے پہلے کئی کمانڈو جانبازوں کو بھگتا چکے تھے...... انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ جب خفیہ پولیس والا آدمی کسی کمانڈو کے پیچھے لگ جاتا ہے تو پھر وہ کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ایسے حالات میں کمانڈو اس خفیہ پولیس والے کو کبھی زندہ نہیں چھوڑتے اور کمانڈو کے لئے اس قسم کے کسی آدمی کو ہلاک کر ڈالنا کوئی مشکل نہیں ہوتا...... انہوں نے عمران سے کہا۔

"کل میں تمہیں اپنے ساتھ لے جا کر جگہ دکھا دوں گا...... یہ جگہ غیر آباد علاقے میں ہے...... دو تین سال پہلے میں نے یہ ایک کینال کا پلاٹ خرید کر چار دیواری بنائی ہوئی ہے...... میرا بوڑھا ملازم وہاں چوکیداری کرتا ہے...... دو کمرے ڈال رکھے ہیں...... ایک کمرہ چوکیدار کے پاس ہے، ایک میں نے بند کیا ہوا ہے...... اس کی چابی

میں تمہیں دے دوں گا...... علاقہ شہر سے زیادہ دور بھی نہیں ہے...... باقی تمہیں جس جس چیز کی ضرورت ہے وہ کاغذ پر لکھ کر مجھے دے دو“۔

عمران بولا۔

”میں ابھی لکھ دیتا ہوں“۔

عمران نے کاغذ پنسل نکال لیا اور بولا۔

”سب سے پہلے تو مجھے ایک انتہائی حساس اور چھوٹے سے چھوٹے فوٹو کیمرے کی ضرورت ہے۔ کیا آپ اس کا انتظام کر دیں گے؟“۔

حاجی صاحب مسکرائے...... کہنے لگے۔

”میاں! تم سے پہلے میں کئی جانباز کمانڈو کو بھگتا چکا ہوں...... پاکستان اور کشمیر کے جہاد کی خاطر تو میں اپنی جان بھی دینے کو تیار ہوں...... تم فکر نہ کرو سمجھ لو کہ تمہارے مطلوبہ کیمرے کا انتظام ہو گیا ہے آگے لکھو...... کس چیز کی مزید ضرورت ہو گی“۔

عمران نے لکھتے ہوئے کہا۔

”میرا آٹومیٹک پستول تو آپ کے پاس ہی ہے وہ بھی مجھے دے دیجئے گا“۔

حاجی صاحب بولے۔

”ضرور لے لینا...... وہ تمہاری امانت ہے اور کچھ؟“۔

عمران لکھ بھی رہا تھا اور بولے بھی جا رہا تھا۔

”کم از کم پچیس گز لمبی نائیلون کی مضبوط اور باریک سے باریک رسی کی ضرورت ہو گی“۔

”اس کا انتظام بھی ہو جائے گا“ حاجی صاحب نے کہا۔

عمران بولا۔

”اس کے علاوہ ایک اور چیز ہے جس کے بغیر میرا مشن مکمل نہیں ہو سکتا...... خدا کرے کہ وہ مل جائے“۔

”تم اس چیز کا نام لو میاں...... میں اگرچہ خود کمانڈو نہیں رہا لیکن اتنے کمانڈوز کے لئے کام کر چکا ہوں کہ مجھے ان کی ایک ایک ضروری چیز کا علم بھی ہے اور میں نے اس کا پہلے سے انتظام کر رکھا ہے“۔

عمران کو قدرے اطمینان ہو گیا...... کہنے لگا۔

”یہ ایک بہت چھوٹا اور باریک الیکٹرانک پیچ کس ہوتا ہے جس کو بیٹری کے ذریعے چارج کیا ہوتا ہے...... اس میں معمولی سا کرنٹ ہوتا ہے...... وہ“۔

حاجی صاحب نے عمران کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”سیدھا کہو کہ تمہیں ایک الیکٹرانکس راڈ چاہئے...... میں جانتا ہوں یہ کس کام آتا ہے...... اس کی مدد سے کسی بھی کنڈکٹر کو شارٹ سرکٹ کیا جا سکتا ہے“۔

عمران حیران ہو کر حاجی صاحب کو تکنے لگے...... اس شخص کو کمانڈوز کے کام آنے والے جدید ترین آلات کا بھی علم تھا، اس نے کہا۔

”حاجی صاحب! آپ نے بالکل صحیح کہا...... مجھے الیکٹرانک راڈ ہی چاہئے، لیکن یہ سب سے چھوٹے سائز کا ہونا چاہئے“۔

حاجی صاحب مسکرا رہے تھے...... کہنے لگے۔

”فکر نہ کرو...... یہ سب سے چھوٹے سائز کا ہو گا اور لکھو کیا کیا چاہئے“۔

عمران بولا۔

”اس کے علاوہ صرف ایک کمانڈو چاقو کی ضرورت ہو گی“۔

”اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا“۔

”بس اور کچھ نہیں چاہئے“ عمران نے کاغذ حاجی صاحب کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ حاجی صاحب نے کاغذ تہہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا اور بولے۔

”صبح میں تمہیں کچھ نقد رقم بھی دے دوں گا...... تمہیں ٹیکسی رکشا کے لئے اس کی ضرورت پڑے گی“۔

عمران نے کہا۔

”حاجی صاحب! میرے پاس آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں“۔

حاجی صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”بھائی میاں شکریہ کیسا؟ یہ تو میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں، بلکہ یوں سمجھ لو کہ ایک طرح سے کشمیر کے جہاد میں شریک ہو رہا ہوں...... اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے بس مجھے اور کچھ نہیں چاہئے“۔

”جزاک اللہ“ عمران بے اختیار پکار اٹھا۔

حاجی صاحب کے جانے کے بعد عمران نے ہوٹل کے اپنے کمرے میں ہی کھا منگوا کر کھایا...... کچھ دیر بیٹھا اخبار پڑھتا رہا...... پھر بتی بجھا کر سو گیا...... دوسرے رو صبح صبح حاجی صاحب نے عمران کو ساتھ لیا اور اسے وہ جگہ دکھانے چل دیئے جہاں عمران نے رات کو اپنے کمانڈو مشن پر روانہ ہونا تھا...... اس جگہ کا صحیح حدود اربعہ مے بیان نہیں کروں گا...... یوں سمجھ لیں کہ یہ جگہ شہر سے تھوڑے فاصلے پر تھی۔ گورنمنٹ کا منصوبہ یہاں ایک نئی کالونی بنانے کا تھا، ابھی ایک ایک دو دو کنال پلاٹ کچھ فروخت ہو چکے تھے...... کچھ خالی پڑے تھے...... کسی جگہ بھی تعمیر کا شروع نہیں ہوا تھا۔ حاجی صاحب نے اپنے پلاٹ کے گرد چار دیواری بنا رکھی تھی۔ اندر الگ الگ دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ ایک کمرے میں بوڑھا چوکیدار ر کو سوتا تھا...... دوسرا کمرہ خالی پڑا تھا۔ حاجی صاحب نے وہ کمرہ کھول کر چابی کمانڈو عم کو دے دی اور چوکیدار سے کہا کہ یہ میرے دوست ہیں...... آج کی رات ٹھہ گے...... کمرے کے پیچھے باتھ روم بنا ہوا تھا...... عمران حاجی صاحب کے ساتھ واپس اپنے ہوٹل میں آ گیا...... اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ٹیکسی وغیرہ اسے وہاں طرف سے ملے گی...... دوپہر کے بعد حاجی صاحب عمران کے مشن میں کام آ۔ چیزیں لے کر آ گئے...... انہوں نے پلاسٹک کے لفافے میں سے الیکٹرانک راڈ،

کیمرہ اور کمانڈو چاقو نکال کر عمران کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ عمران نے سب سے پہلے الیکٹرانکس راڈ کو چیک کیا...... اس کی بیٹری چارج تھی...... یہ بہت باریک سلاخ کی طرح کا پیچ کس تھا...... عمران کو اس کی ضرورت تھی۔ کیمرہ بھی سگریٹ لائٹر سائز کا تھا...... عمران نے پوری طرح کیمرے کو چیک کیا...... حاجی صاحب نے کہا۔

”اس میں فلم ڈالی ہوئی ہے...... ایک فلم میں یہ ایک سو بیس تصویریں لیتا ہے“۔

عمران نے کہا۔

”مجھے اسی کیمرے کی ضرورت تھی“۔

ان چیزوں کے علاوہ نائیلون کی سیاہ رنگ کی رسی کا گچھا بھی تھا...... حاجی صاحب نے کہا۔

”میں نے اسے چیک کیا تھا...... تم بھی چیک کر لینا، یہ بہت مضبوط رسی ہے...... اس کے ٹوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... تم سے پہلے کئی جانباز حریت پسند اسے آزما چکے ہیں“۔

باقی تمہارا پستول بھی میری جیب میں ہے۔

عمران بولا۔

”میرا خیال ہے اس مشن میں یہ پستول میرے کام نہیں آئے گا، اس کی وجہ ظاہر ہے...... اس کے آگے سائی لینسر نہیں لگا ہوا...... یہ پستول آپ اپنے پاس ہی رکھیں...... ہنگامی صورت میں میرا کمانڈو چاقو ہی کافی ہوگا“۔

عمران نے حاجی صاحب کو بتایا کہ وہ شام ہونے سے ذرا پہلے ہوٹل سے نکل جائے گا اور اگر پکڑا نہ گیا تو دوسرے روز منہ اندھیرے واپس آ جائے گا...... حاجی صاحب بولے۔

”آج تک میرے ہاں سے نکل کر اپنے مشن پر گیا ہوا کمانڈو ہمیشہ کامیاب ہی واپس لوٹا ہے...... تم بھی انشاء اللہ کامیاب و کامران واپس آؤ گے...... میں نیچے کاؤنٹر پر

جارہا ہوں...... انشاء اللہ کل ملاقات ہو گی"۔

عمران تیسرے پہر تک آرام کرتا رہا...... سورج ڈھلنے لگا تو وہ اٹھ کر تیار ہونا شروع ہو گیا...... اس نے مٹیالے رنگ کی پتلون اور اسی رنگ کی قمیض پہنی اور تمام ضروری چیزیں اپنی جیبوں میں رکھ لیں...... ضروری چیزیں دو ہی تھیں...... ایک الیکٹرانک راڈ، دوسرے چھوٹے سائز کا انتہائی طاقتور کیمرہ، نائیلون کی رسی اس نے پتلون کی پچھلی جیب میں ٹھونس لی...... کمانڈو چاقو بھی پتلون کی دوسری پچھلی جیب میں رکھا...... ایک کھیس جسم کے گرد لپیٹا اور اللہ کا نام لے کر کمرے کو تالا لگا کر ہوٹل سے باہر آگیا...... چوک میں رکشا پکڑا اور حاجی صاحب کے خالی پلاٹ سے تھوڑے فاصلے پر رکشے کو چھوڑ دیا اور وہاں سے پیدل آیا۔

اس وقت تک سورج غروب ہو چکا تھا اور شام کے سائے پھیلنے لگے تھے......

بوڑھے چوکیدار نے سلام کیا اور چائے کا پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"میں کھانا وغیرہ کھا کر چائے پی کر آیا ہوں...... اب میں صبح تک آرام کروں گا...... مجھے بے آرام نہ کیا جائے"۔

چوکیدار اپنی کوٹھڑی کی طرف چل دیا...... عمران نے چابی لگا کر کمرے کا دروازہ کھولا اور کمرے میں آتے ہی دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا دی...... وہ عام طور پر رات کو کسی مشن پر جاتے ہوئے کھانا وغیرہ بالکل نہیں کھاتا تھا...... صرف اس خیال سے کہ کہیں نیند غالب نہ آجائے...... گھڑی پر اس نے وقت دیکھا...... ابھی بہت وقت تھا...... کمرے میں ٹی وی تو نہیں تھا ایک چھوٹا ریڈیو کارنس پر پڑا تھا، اسی نے ریڈیو لگا کر سوئی گھمانی شروع کر دی...... ایک جگہ انگریزی میوزک ہو رہا تھا...... اس نے آواز دھیمی کر کے وہی سٹیشن رہنے دیا...... کمرے میں ہلکی ہلکی انگریزی میوزک کی دھنیں بکھرنے لگیں...... اسے یہ میوزک بڑا اچھا لگا...... وقت گزارنا اسے آتا تھا...... اس کی

ہی اسے ٹریننگ ملی ہوئی تھی۔ وہ جوتوں سمیت پلنگ پر کھیس تھوڑا اوپر کر کے لیٹ گیا ر بہت کچھ سوچنے لگا۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ اپنی گھڑی پر وقت دیکھ لیتا تھا...... وقت گزرتا جارہا فا...... کمرے کی بتی روشن تھی...... جب رات کے بارہ بج گئے تو وہ کھیس الگ کر کے ٹھ کھڑا ہوا...... اس نے باتھ روم میں جا کر منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے...... ضو کیا...... دو نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنے مشن کی کامیابی کی دعا مانگی۔ جیب سے یک ایک چیز نکال کر اسے اچھی طرح سے چیک کیا...... کمانڈو چاقو قمیض کے اندر دھا پتلون کے اندر آدھا باہر اس طرح سے رکھا کہ وقت آنے پر وہ ہاتھ ڈال کر سانی سے اسے نکال سکتا تھا...... کمرے کی بتی بجھائی...... آہستہ سے چٹخنی اتار کر دروازہ ھولا...... دروازے کو بند کر کے تالا لگایا...... چابی وہیں ایک جگہ چھپائی، کھیس کی بکل ری اور پلاٹ کے احاطے کے گیٹ میں سے رات کے اندھیرے میں باہر نکل گیا۔

سڑک اس نے دن کے وقت دیکھ رکھی تھی...... وہ ایک طرف ہو کر چپ چاپ ہل پڑا...... رات سرد تھی...... سارا علاقہ سنسان پڑا تھا...... دور دور راجدھانی دلی کی وشنیاں جھلملا رہی تھیں...... وہ ایک چوک میں سے دائیں جانب مڑ گیا...... یہ سڑک یدھی شہر کی طرف جاتی تھی...... اگلے چوک میں اسے ایک خالی رکشا مل گیا...... اس نے ہاتھ دے کر رکشا کھڑا کیا اور اندر گھس کر انڈین ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ والی سڑک کا ام لے کر ڈرائیور کو وہاں چلنے کے لئے کہا...... یہ جگہ وہاں سے کافی دور تھی...... رکشا رات کی خاموشی میں خالی سڑک پر دوڑنے لگا۔

اسے اپنی منزل پر پہنچتے پہنچتے آدھ گھنٹہ لگ گیا۔

حسب عادت یہاں بھی اس نے رکشا پیچھے ہی رکوالیا...... اسے پیسے دیئے اور ٹ پاتھ پر چلنے لگا...... اس سڑک پر سے کبھی کبھی کوئی کار یا ٹرک وغیرہ گزر جاتا تھا...... عمران کھیس کی بکل مارے اپنے آپ کو سمیٹ کر چلا جارہا تھا...... آخر اسے کچھ

فاصلے پر محکمہ ڈیفنس کے بہت بڑے کمپلیکس کی روشنیاں دکھائی دینے لگیں...... وہ بائیں طرف ان روشنیوں سے ہٹ کر سڑک پر سے اتر کر ایک گراؤنڈ میں سے گزرتا ہوا کمپلیکس کے عقب والی سڑک پر آگیا...... یہ سڑک تقریباً خالی پڑی تھی...... وہ کمپلیکس کی چار دیواری کو چھوڑ کر سامنے والے فٹ پاتھ پر بظاہر اس طرح چلا جا رہا تھا جیسے اپنی دھن میں مست ہو اور اسے دنیا کی کوئی خبر نہ ہو، لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ چاروں طرف سے باخبر تھا اور نیچی نگاہوں سے کچھ اندھیرے اور کچھ روشنی میں ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لے رہا تھا...... آخر وہ سردار جی موٹر مکینک کے کھوکھے کے پاس پہنچ گیا...... سردار جی کا کھوکھا بند تھا...... کھوکھے کے اوپر جو بتی لگی تھی وہ بجھی ہوئی تھی...... صرف کمپلیکس کے احاطے کے اندر ہلکی روشنی ہو رہی تھی...... اس روشنی میں اسے سیکرٹ سیکشن کے بلاک کے اوپر لگا ہوا ترنگا جھنڈا نظر آگیا...... وہ بالکل نہ رکا...... چھ سات قدم بڑی بے نیازی سے چلتا گیا...... پھر ایک دم رکا اور بیٹھ گیا۔

بیٹھتے ہی اس نے گردن موڑ کر موٹر مکینک سردار جی کے کھوکھے کی طرف دیکھا...... سامنے سے کسی گاڑی کی روشنی سڑک پر پڑی...... عمران سڑک کی طرف پیٹھ کر کے اس طرح بیٹھ گیا جیسے پیشاب کر رہا ہو...... جب گاڑی گزر کر کافی دور چلی گئی تو وہ ایک دم سے اٹھا...... دوڑ کر سڑک پار کی اور کھوکھے کے پیچھے اندھیرے میں کھوکھے کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ عقابی نظروں سے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا...... اس وقت اتفاق سے سڑک بالکل خالی پڑی تھی...... یہ ایک سنہری موقع تھا...... وہ کھوکھے کے عقب میں کھوکھے اور احاطے کی دیوار کے درمیان آگیا...... یہاں دو تین پرانے ٹائر پڑے تھے...... ان پر پاؤں رکھ کر وہ کھوکھے کی چھت پر چڑھ گیا...... یہاں سے احاطے کی دیوار کا فاصلہ بمشکل چار فٹ ہو گا اور بلندی بھی اتنی ہی تھی...... یہ انتہا کے محکمہ دفاع والوں کی نالائقی تھی کہ انہوں نے اتنے حساس ادارے کے باہر احاطے کی دیوار کے ساتھ ایک موٹر مکینک کو کھوکھا بنانے کی اجازت دے دی۔ حقیقت یہ

کہ اگر وہاں یہ کھوکھا نہ ہوتا تو عمران کے لئے تین مرد اونچی دیوار کو پار کرنا اچھا خاصا ایک مسئلہ بن سکتا تھا...... اس نے کھیس اتار کر اس کو تہہ کیا اور احاطے کی دیوار کے اوپر جو ٹوٹی ہوئی بوتلوں کے ٹکڑے لگے تھے ان کے اوپر پھینک دیا...... اس کے ساتھ ہی اچھل کر دیوار کی منڈیر کو پکڑ لیا...... تہہ کئے ہوئے کھیس نے گدیوں کا کام دیا اور ہاتھوں کو شیشے کے ٹکڑوں سے زخمی ہونے سے محفوظ رکھا، لیکن اس کے ہاتھ ہلکی ہلکی چبھن ضرور محسوس کر رہے تھے۔

اس قسم کی دیواروں پر چڑھنے اترنے کی اسے کافی ٹریننگ ملی ہوئی تھی...... اس نے منڈیر پر چڑھ کر دوسری طرف دیکھا...... دیوار پر کھڑے ہو کر سیکرٹ سیکشن کی منڈیر پر کمند ڈالنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا...... کسی طرف سے بھی وہ کسی گارڈ یا گشت کرتی پٹرول پارٹی کو نظر آسکتا تھا...... سیکرٹ سیکشن کی دیوار اور احاطے کی دیوار کے درمیان چھ سات فٹ کا خلا تھا...... نیچے کاٹھ کباڑ سا نظر آرہا تھا...... اس نے اللہ کا نام لیا اور منڈیر پر ہاتھ جما کر نیچے لٹک گیا...... اس طرح دیوار کا ایک مرد اونچائی کا فاصلہ کم ہو گیا تھا...... اس نے ہاتھ چھوڑ دیئے اور ردی کاغذوں کے انبار کے اوپر گرا اور وہیں سانس روک کر بیٹھا رہا...... وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کسی نے اسے دیکھا تو نہیں...... کسی طرف سے کوئی آواز تو نہیں آئی؟ احاطے کے اندر کمپلیکس میں خاموشی چھائی ہوئی تھی مگر بلاکوں کے آگے روشنی ہو رہی تھی...... اسے معلوم تھا کہ سیکرٹ سیکشن کے بلاک کے سامنے دو سپاہی پہرے پر کھڑے ہوں گے...... جمیل مہدی نے یہی بتایا تھا کہ وہاں دو سپاہی ہر وقت پہرے پر موجود ہوتے ہیں۔ اسے یہ خیال رکھنا پڑ رہا تھا کہ کہیں وہ اس کی آہٹ سن کر چوکنے نہ ہو جائیں، جہاں وہ ردی کاغذوں کے ڈھیر پر پڑا تھا وہاں اندھیرا تھا...... اس نے بیٹھے بیٹھے پتلون کی جیب سے نائیلون کی باریک رسی کا گچھا نکال کر کھولا اور رسی کے سرے کو رسی کے ساتھ جوڑ کر آگے تین فٹ قطر کا ایک گول حلقہ بنا دیا...... پھر اٹھ کر سیکرٹ سیکشن کی دیوار کا جائزہ لیا...... اوپر چھت پر اندھیرا

تھا، مگر اسے معلوم تھا کہ کس جگہ پر ترنگا جھنڈا لگا ہوا ہے...... جیسی کہ انہیں تربیت دی گئی تھی...... اس پر عمل کرتے ہوئے عمران نے رسی کے گول حلقے کو چھ سات مرتبہ زور سے گھمایا اور پھر اوپر چھت کی طرف اچھال دیا...... اس کا خیال تھا کہ وہ رسی کے حلقے کو جھنڈے کے پائپ میں ڈالنے میں کامیاب ہو جائے گا اور اگر اس میں کامیاب نہ بھی ہوا تو رسی کا حلقہ اوپر کسی نہ کسی جگہ ضرور اٹک جائے گا۔ پہلی بار ایسا نہ ہوا اور رسی کھنچنے سے نیچے آ گئی...... دوسری بار بھی اسے کوئی کامیابی نہ ہوئی...... اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ عمران اندھیرے میں تیر چلا رہا تھا...... جھنڈے کا پائپ اسے نظر نہیں آر تھا...... اگر نظر آ رہا ہوتا تو پہلی بار ہی کمند پھینکنے سے رسی کا حلقہ پائپ کے اندر جاتا...... تیسری بار کمند کا حلقہ اوپر اچھال کر عمران نے رسی کو کھینچا تو وہ چھت پر کس جگہ اٹک گئی تھی...... عمران نے زور سے رسی کو کھینچا...... رسی کسی جگہ بڑی سختی سے اٹ ہوئی تھی...... اس نے رسی کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر دونوں پاؤں دیوار کے سات لگائے اور دیکھتے دیکھتے بڑی پھرتی سے دیوار پر چڑھ گیا۔

دیوار پر چڑھنے کے بعد وہ وہیں اندھیرے میں بیٹھ گیا...... چھت پر اتنا اندھ نہیں تھا...... کمپلیکس کی دوسری عمارتوں اور دوسرے بلاکوں کی روشنیوں کے عکس پڑ رہے تھے اور پھیکی چاندنی ایسی روشنی پھیلی ہوئی تھی...... عمران نے سب سے پ نائیلون کی باریک رسی کو سمیٹا...... اس کا حلقہ چھت کی منڈھیر کی باہر نکلی ہوئی اینٹو میں اٹکا ہوا تھا۔ رسی سمیٹ کر وہ اسی طرح چھت پر بیٹھا رہا...... وہ تیز نگاہوں سے چھت کا جائزہ لے رہا تھا...... اس کی آنکھیں آتش دان کی چمنی کو تلاش کر ر تھیں...... آخر چمنی اسے نظر آ گئی...... یہ چمنی دائیں جانب والی دیوار میں بنی ہ تھی...... عمران بیٹھے بیٹھے پاؤں کے بل کھسکتا ہوا چمنی کے پاس آ گیا...... جمیل مہا نے بتایا تھا کہ چمنی کے اندر پونے دو فٹ کا خلا ہے...... عمران نے گھٹنوں کے کھڑے ہو کر چمنی کے اندر نگاہ ڈالی...... نیچے سیکرٹ سیکشن کے کمرے میں جو بتی

رہی تھی اس کی ہلکی روشنی پڑ رہی تھی...... عمران کو ٹریننگ کے دوران دو ڈھائی فٹ قطر کے پائپ میں سے کئی بار گزارا گیا تھا...... چمنی اور پائپ میں چند انچوں کا ہی فرق تھا۔

عمران نے جلدی سے رسی کا حلقہ چمنی کے گرد ڈال دیا اور رسی چمنی کے اندر لٹکا دی...... اب اسے چمنی کے اندر اترنا تھا...... عمران نے چمنی کے اندر ہاتھ ڈال کر اس کی دیوار پر رگڑا اور باہر نکال کر غور سے دیکھا...... اس کا ہاتھ کالک سے کالا نہیں ہوا تھا...... اس کا مطلب تھا کہ نیچے آتش دان میں لکڑیوں کی بجائے گیس وغیرہ کا ہیٹر سردیوں میں لگایا جاتا تھا...... چمنی کی دیوار کے ساتھ مٹی گرد اور جالے لگے ہوئے تھے...... اب یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا کہ نیچے کمرے میں اس وقت کوئی آدمی تو نہیں بیٹھا ہوا...... یہ اس بات سے بے نیاز ہو کر عملی قدم اٹھانے کا وقت تھا اور عمران اسی لئے وہاں اتنا بڑا خطرہ مول لے کر آیا تھا...... اس نے رسی چمنی کے اندر پھینک دی اور جھک کر نیچے دیکھا...... وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر کمرے میں کوئی شخص موجود ہوا تو چمنی میں رسی گرتے دیکھ کر وہ ضرور رسی کو پکڑ کر چمنی میں سے اوپر دیکھے گا، مگر ایسا نہ ہوا...... رسی چمنی میں لٹکتی رہی...... عمران نے رسی کو دونوں ہاتھوں سے تھاما اور چمنی میں اتر گیا...... اس کے کندھے چمنی کی دیواروں سے ٹکرا رہے تھے۔

وہ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا...... اس کا سارا بوجھ اس کے ہاتھوں نے اٹھا رکھا تھا...... نائیلون کی رسی اس کے ہاتھوں میں دھنسنے لگی...... عمران نے جلدی سے اپنے گھٹنے چمنی کی دیوار سے پھنسا دیئے...... اس طرح سے اس کے ہاتھوں پر جو بوجھ پڑا ہوا تھا وہ تھوڑا ہلکا ہو گیا...... اصولی طور پر عمران کو رسی اپنی کمر کے گرد اس طرح باندھنی چاہئے تھی کہ جیسے جیسے وہ نیچے اترتا جائے رسی کو چھوڑتا جائے، مگر اس کے لئے وہاں چمنی کے اندر جگہ تنگ تھی اور وہ ہاتھوں کی مدد سے رسی کو کمر کے گرد آہستہ آہستہ کھول نہیں سکتا تھا...... بہرحال وہ کسی نہ کسی طرح گھسٹتا ہوا چمنی کے پائپ میں سے نیچے اتر گیا...... جیسے ہی اس

کے پاؤں آتش دان کی زمین پر لگے وہ بیٹھ گیا...... اس کے آگے آتش دان میں گیس کا ہیٹر لگا ہوا تھا جو بند تھا...... کمرے میں روشنی ہو رہی تھی...... اس نے سر آگے کر کے کمرے کا بغور جائزہ لیا...... کمرہ بالکل خالی تھا...... جمیل مہدی کے کہنے کے مطابق بالکل سامنے دیوار کے ساتھ لوہے کی تین اونچی الماریاں لگی ہوئی تھیں...... اس نے درمیان والی الماری کا تالا کھولنا تھا، کیونکہ جمیل مہدی نے بتایا تھا کہ جنگی جہازوں کی آمد و رفت کے اندراج والی ٹاپ سیکرٹ فائل درمیان والی الماری کے خانے میں ہی ہے...... گیس کے ہیٹر کو ایک طرف ہٹا کر عمران آتش دان سے باہر نکل آیا۔

آتش دان کی چمنی کی رگڑ سے اس کی قمیض کے بازو اور پتلون اور سر پر چمنی کے اندر لگے ہوئے جالے چمٹ گئے تھے...... اس نے کمرے کا جائزہ لیا...... کمرے میں ایک بلب روشن تھا سامنے تین لوہے کی الماریاں دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھیں...... دوسر دیواروں کے ساتھ ایک لمبی میز اور لکڑی کی الماریاں لگی تھیں...... اس نے کان لگا سنا...... باہر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی...... اس نے جیب سے الیکٹرانک راڈ نکالا ا درمیان والی الماری کی طرف بڑھا...... وقت ضائع کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا... اسے یہ بھی ڈر تھا کہ ہو سکتا ہے الماری کو ہاتھ لگانے سے باہر کسی جگہ خطرے کا الار بج اٹھے اور اس الارم کے بارے میں جمیل مہدی کو بھی علم نہ ہو...... بہر حال اب ز سوچنے کا وقت نہیں تھا...... اس نے الماری کے کیواڑ میں اندر کی جانب لگے ہو تالے کو غور سے دیکھا...... یہ ڈیجیٹل میگنیٹک تالا تھا...... صحیح خفیہ نمبر ملانے سے ا کی میگنیٹک لہر اپنے آپ موقوف ہو جاتی تھی اور تالا کھل جاتا تھا...... عمران کو ا نمبروں کا علم نہیں تھا...... ان نمبروں کا جمیل مہدی کو بھی علم نہیں تھا...... اس اپنے حساب سے الیکٹرانک راڈ کی باریک سلاخ تالے کے ایک خاص سوراخ میں ڈ کر اسے دائیں جانب تھوڑا سا گھمایا اور راڈ کے سرے کے قریب لگا ہوا بٹن دبا دیا کھٹک کی آواز کے ساتھ تالے میں ایک معمولی سا دھماکہ ہوا جس کی آواز بڑی

تھی...... شارٹ سرکٹ کی وجہ سے کھل گیا...... عمران نے الماری کے دونوں پٹ کھول دیئے...... الماری میں ہر قسم کی فائیلیں اور کاغذات پڑے تھے...... مہدی صاحب نے کہا تھا کہ ٹاپ سیکرٹ فائل درمیانی خانے میں رکھی ہوتی ہے...... درمیانی خانے میں چار فائلیں پڑی تھیں...... عمران نے جلدی جلدی چاروں فائلیں دیکھیں...... ان میں سے ایک فائل پر اوپر انگریزی کے موٹے سرخ حروف میں کلاسی فائیڈ اور نیچے سیاہ لفظوں میں ٹاپ سیکرٹ لکھا ہوا تھا...... عمران فائل کھول کر دیکھنے لگا...... اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا...... یہی وہ فائل تھی جس کی اسے تلاش تھی...... اس کے دوسرے صفحے پر اس جہاز کا نام اور نمبر درج تھا جو بھاری مقدار میں گولہ بارود اور اسلحہ لے کر ہندوستان آنے والا تھا...... فائل میں اسرائیلی بندرگاہ کا نام بھی لکھا ہوا تھا جہاں سے جہاز کو بھارت کی طرف روانہ ہونا تھا...... دوسرے صفحے پر اس جدید ترین ہلاکت خیز اسلحہ کی پوری فہرست درج تھی جو جہاز میں کشمیریوں پر استعمال ہونے کے لئے لایا جا رہا تھا۔

عمران نے جیب سے سگریٹ لائٹر کے سائز کا طاقتور کیمرہ نکالا اور جلدی جلدی فائل کے مطلوبہ صفحات کی تصویریں لینے لگا...... اس کے بعد اس نے فائل کو بند کر کے دوسری فائلوں میں اسی طرح لگا دیا جس طرح سے وہ پہلے لگی ہوئی تھیں...... اب تالے کو پہلے کی طرح لاک کرنا اور اس میں برقی رو کو بحال کرنا تھا...... عمران نے الماری کو بند کیا...... تالا لگایا اور الیکٹرانک راڈ سے سب سے پہلے اس کی بیٹری کی برقی رو کو بحال کیا...... اس کے بعد راڈ کی سوئی کو ڈیجیٹل کے دو سوراخوں میں باری باری ڈالا اور ان پر ہلکا ہلکا دباؤ ڈال کر جلدی سے راڈ کی سوئی باہر کھینچ لی...... سرکٹ پورا ہونے پر کلک کی آواز آئی اور تالا پھر سے بند ہو گیا...... عمران نے جیب سے رومال نکال کر الماری اور تالے پر لگے ہوئے اپنی انگلیوں کے نشان اچھی طرح صاف کئے اور آتش دان کی طرف آ کر گیس کے ہیٹر کے پیچھے بیٹھ گیا...... نائیلون کی رسی اوپر تک جا رہی تھی......

اس نے رسی کو دو تین بار آہستہ آہستہ کھینچا...... جب اس کی تسلی ہو گئی تو چمنی کے پائپ میں دونوں گھٹنے پھسائے اور رسی کو پکڑ کر آہستہ آہستہ اوپر چڑھنا شروع کر دیا...... اُ وقت عمران کو احساس ہوا کہ دستانے لانے کتنے ضروری تھے۔

جیسے ہی اس کے ہاتھ چمنی سے باہر آئے اس نے رسی کو چھوڑ کر چمنی کی منڈیر پکڑ لیا اور پوری طاقت سے جسم کو اوپر اٹھا کر بازوؤں سے منڈیر کو پکڑ کر اپنے جسم کو ک تک باہر نکالا اور پھر باری باری دونوں ٹانگیں باہر نکال لیں...... چھت پر آنے کے بع وہ وہیں بیٹھ گیا...... اس کا سانس پھول گیا تھا...... چمنی کے پائپ میں اوپر چڑھتے ہو۔ اسے کافی مشقت کرنا پڑی تھی...... اس نے جلدی جلدی نائیلون کی رسی کو او کھینچا...... اس کا حلقہ چمنی سے اتارا...... اس کا گچھا بنا کر اسے پتلون کی جیب میں ٹھو دیا...... الیکٹرانک راڈ اور کیمرے کو اس نے پہلے ہی پتلون کی محفوظ جیب میں سنبھال رکھ لیا تھا...... جب وہ چھت کی عقبی سڑک والی منڈیر پر آیا تو اپنی حماقت پر وہ خود شرمسار ہو گیا...... ایسا ہونا نہیں چاہئے تھا مگر ہو گیا تھا۔

اسے یاد آ گیا کہ اسی رسی کی مدد سے اسے چھت سے نیچے اترنا تھا، جس کا اس گچھا بنا کر جیب میں ڈال لیا تھا...... اس نے جلدی سے دوبارہ رسی جیب سے باہر نکال اس دفعہ منڈیر کی ایک ایسی باہر نکلی ہوئی پختہ اینٹ میں رسی کا حلقہ ڈالا جس کو نیچے اچھال کر وہ باہر بھی نکال سکتا تھا...... رسی اس نے نیچے لٹکا دی...... یہ جگہ وہی تھی ج احاطے کی سڑک والی دیوار اور سیکرٹ سیکشن کے کمرے کی دیوار کے درمیان ایک جگہ تھی، جہاں ردی کاغذات کے ڈھیر لگے ہوئے تھے...... وہ تیزی سے نیچے اتر گ رسی کو دو تین بار اوپر کو اچھالا...... رسی اینٹ کے حلقے میں سے نکل کر عمران کے آ کر گری...... اس کے بعد اس نے رسی کا گچھا بنا کر پتلون کی جیب میں ٹھونس د احاطے کی دیوار کے پاس اس جگہ آ گیا جہاں اس نے دیوار کی منڈیر پر لگے ہوئے شیش کے ٹکڑوں پر اپنا کھیس تہہ کر کے ڈال رکھا تھا۔

ردی کاغذوں کے ڈھیروں پر پاؤں رکھ کر کسی نہ کسی طرح وہ دیوار کی منڈیر پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا اور دوسری جانب سردار جی موٹر مکینک کے کھوکھے کی چھت پر کودنے کی بجائے منڈیر کے ساتھ چھپکلی کی طرح چمٹا رہا...... اسے موٹر کے انجن کی آواز آئی تھی...... تھوڑی دیر بعد اس پر موٹر کی ہیڈ لائٹس کی روشنی پڑی، وہ بے حس و حرکت ساکت ہو کر دیوار کی منڈیر سے چمٹا رہا...... یہ کوئی ٹرک تھا...... ٹرک گزر گیا، سڑک جب خالی اور سنسان ہو گئی تو وہ کھوکھے کی چھت پر کود گیا...... کودنے کے بعد بھی وہ چند سیکنڈ تک وہیں بیٹھا رہا...... پھر اس نے کھیس کے لٹکتے ہوئے کنارے کو پکڑ کر اسے اوپر کو اچھالا...... دو تین بار ایسا کرنے سے کھیس منڈیر کے شیشے کے ٹکڑوں پر سے نکل کر اس کے اوپر آ کر گرا...... اس نے کھیس اپنے جسم کے گرد لپیٹ لیا اور کھوکھے کی چھت سے نیچے سڑک پر چھلانگ لگا دی...... اسے توقع نہیں تھی کہ اس کا یہ مشکل کام اتنی جلدی اور آسانی سے ہو جائے گا...... اس کی کمانڈو کی زندگی کے تجربے نے بتایا تھا کہ کبھی کبھی مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ کام بڑی آسانی اور روانی سے ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی آسان اور سہل ترین کام میں ایسی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے کہ ہزار کوشش کے باوجود اس میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ جاتا ہے۔

عمران سردار جی کے کھوکھے کی دیوار کے پاس ہی بیٹھا تھا...... اس نے احتیاط کے طور پر بیٹھے بیٹھے جیب میں سے سگریٹ لائٹر کے سائز والا کیمرہ نکال کر ایک پاؤں کی جراب کے اندر اس طرح ٹھونس دیا کہ کیمرہ اس کے بوٹ کے اندر پڑے ہوئے پاؤں کے تلوے کے نیچے آ گیا...... ایسا اس نے اس لئے کیا تھا کہ اگر راستے میں گشتی پولیس پارٹی اسے روک کر تلاشی لے تو کم از کم کیمرہ اس کی جیبوں میں سے برآمد نہ ہو...... نائیلون کی رسی کا گچھا اس نے وہیں ایک طرف پھینک دیا۔

اب اس کے پاس ایک ہی قابل اعتراض شے تھی یعنی کمانڈو چاقو...... عام پولیس والوں کو کمانڈو چاقو کی پہچان نہیں ہوتی، لیکن اتنا بڑا چاقو تلاشی میں برآمد ہو جائے تو

پولیس کو شک پڑ سکتا ہے کہ یہ شخص کسی کو قتل کرنے تو نہیں جارہا...... یا کسی کا خون کر کے تو نہیں آرہا...... پہلے اس کو خیال آیا کہ وہ چاقو بھی وہیں کسی جگہ پھینک دے...... پھر یہ سوچ کر اس نے چاقو رہنے دیا کہ اگر کوئی ہنگامی صورت پیدا ہوگئی تو یہ چاقو اس کی بڑی مدد کر سکتا ہے...... باقی الیکٹرانک راڈ ایک پیچ کس کی طرح تھا...... اس پر کسی کو کیا شک ہو سکتا تھا...... سڑک کو خالی دیکھ کر وہ اٹھا اور اس نے بڑے آرام سے چلتے ہوئے سڑک پار کی اور دوسری طرف فٹ پاتھ پر چل پڑا...... اس نے بیٹھے بیٹھے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر وقت دیکھ لیا تھا...... اس کی گھڑی کی چمکیلی سوئیاں رات کے پونے دو بجا رہی تھیں...... اسے کسی ٹیکسی رکشا کی شدت سے تلاش تھی، لیکن سڑک پر کوئی ٹیکسی یا رکشا نہیں تھا...... یہ سارا علاقہ بھارت کے محکمہ دفاع کے کمپلیکس کے عقب کا تھا اور بہت ممکن تھا کہ اس طرف بھی رات کے وقت کو پٹرول پارٹی سیکورٹی کی خاطر گشت لگا رہی ہو...... یہ سوچ کر عمران سڑک پر تھوڑ دور چلنے کے بعد اپنی بائیں جانب ایک چھوٹی سڑک پر مڑ گیا۔

اس سڑک کی دونوں جانب کوٹھیاں تھیں جن پر گہری خاموشی طاری تھی...... ہر کوٹھی کے برآمدے کے اوپر بتی روشن تھی لیکن کوئی چوکیدار وغیرہ نظر نہیں تھا...... عمران شہر کے گنجان علاقے کی طرف نکل جانا چاہتا تھا...... وہ سرکاری عمارتو سے زیادہ سے زیادہ دور ہو جانا چاہتا تھا...... یہ علاقہ اس کے لئے اجنبی تھا...... وہ ا طرف پہلے کبھی نہیں آیا تھا...... رات کے وقت اس علاقے میں پولیس کی گشت لا تھی...... اسے یہی ڈر تھا کہ کسی سپاہی سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے...... آمنے سامنے کوٹھیو والی سڑک ختم ہوگئی، اب اس کے سامنے ایک چھوٹا سا پارک تھا...... پارک کا گیٹ تھا...... پارک کے گرد جنگلا لگا ہوا تھا...... عمران جنگلے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا...... نے اپنا رخ مشرق کی سمت ہی رکھا ہوا تھا، کیونکہ اس سمت اسے جانا تھا...... جیسے پارک کا جنگلا ختم ہوا اچانک دو آدمی ایک طرف سے نکل کر اس کے سامنے آگئے

انہوں نے گردن تک چڑھے ہوئے کالے سویٹر پہن رکھے تھے...... ایک نے سر پر مفلر لپیٹ رکھا تھا...... دوسرے کے سر پر اونی ٹوپی تھی جو اس نے کانوں کے اوپر تک کھینچ رکھی تھی...... پہلے تو عمران ذرا سا ٹھٹکا، لیکن یہ دیکھ کر وہ پولیس والے نہیں ہیں ان کے قریب سے گزرنے لگا تو ایک آدمی نے اس کا راستہ روک لیا۔



عمران رُک گیا...... دونوں اسے گھور کر دیکھ رہے تھے۔

یہ آدمی جرائم پیشہ لگ رہے تھے...... ان میں سے جس نے عمران کا راستہ روکا تھا عمران سے بڑی رعب دار آواز میں پوچھا۔

"کون ہو؟ اس وقت کہاں سے آرہے ہو؟"۔

عمران ان سے الجھنا نہیں چاہتا تھا...... اس نے بڑے انکسار سے کہا۔

"بہاری ہوں...... کام کی تلاش میں دلی آیا تھا...... کام نہیں ملا...... اب ریلوے سٹیشن جارہا ہوں...... تین بجے والی گاڑی سے اپنے شہر واپس چلا جاؤں گا"۔

دوسرے آدمی نے کہا۔

"اس کی تلاشی لو...... یہ بہاری نہیں لگتا"۔

پہلے آدمی نے عمران کا کھیس کھینچ کر اتار دیا۔

"نکالو تمہارے پاس کیا ہے؟"۔

اس دوران عمران کو تھوڑی تھوڑی دیر بعد دبی دبی گھٹی گھٹی سی ایک آواز سنائی دے جاتی تھی...... آواز سے لگتا تھا کہ یہ کسی عورت کی آواز ہے...... ایک آدمی عمران کی تلاشی لینے لگا...... دوسرے نے کہا۔

"ابے سالی ہوش میں آگئی ہے"۔

یہ کہہ کر وہ جھاڑیوں کی طرف دوڑا...... عمران نے کہا۔

"بھائی میرے پاس ریل کا کرایہ ہی ہے اور کچھ نہیں ہے"۔

دونوں دبلے پتلے سے آدمی تھے...... ان کو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کس آدمی کو روک کر اس کی تلاشی لے رہے ہیں...... عمران کے لئے ان دونوں کی ایک ایک سیکنڈ میں گردن توڑنا کوئی مشکل کام ہی نہیں تھا، مگر وہ خواہ مخواہ کسی کی جان نہیں لینا چاہتا تھا...... اس آدمی نے عمران کی جیب سے پچیس تیس روپے نکال لئے...... پتلون کی پچھلی جیب میں ہاتھ ڈالا تو چاقو نکل آیا۔

"ابے گوپالے! اس آدمی کے پاس اتنا بڑا چاقو ہے"۔

اس نے چاقو اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"کیوں بے بتا...... اس چاقو سے کسی کو قتل کرنے جا رہے ہو یا قتل کر کے آ رہے ہو؟"۔

اتنے میں جھاڑیوں کے پیچھے جس طرف دوسرا آدمی دوڑ کر گیا تھا اچانک ایک عورت کی فریاد سنائی دی۔

"اللہ رسول کے لئے مجھے چھوڑ دو...... میری شادی ہونے والی ہے...... خدا کے لئے میری عزت برباد نہ کرو"۔

یہ کوئی مسلمان عورت تھی جس کو یہ لوگ اٹھا کر لے آئے تھے اور اس کی مشکیں کس کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اس سے زیادتی کرنے والے تھے کہ عمران وہاں سے گزرا اور انہوں نے عمران کو بھی پکڑ لیا...... اس وقت دوسرا آدمی جو عورت کے پاس دوڑ کر گیا تھا عورت کو ننگی گالیاں دے رہا تھا...... پہلے والا آدمی جو عمران کے پاس اس کا کمانڈو چاقو ہاتھ میں پکڑے کھڑا تھا اس نے غصے میں کہا۔

"ابے گوپال! اس سالی کا منہ بند کر"۔

اس کے بعد خدا جانے گوپال نے عورت کے منہ میں کپڑا ٹھونسا یا کیا کیا عورت کی پہلے کی طرح سے گھٹی گھٹی دبی دبی آوازیں نکلنے لگیں...... گوپال دوڑ کر ا

تھی کے پاس آ گیا...... اس کے ہاتھ میں چاقو دیکھ کر بولا۔

"ابے دھرمو! یہ چکو تم نے کہاں سے لیا؟"۔

اس آدمی کا نام دھرمو تھا...... وہ بولا۔

"پہلے یہ بتا سالی کو اچھی طرح سے باندھ دیا ہے؟"۔

گوپال نے کہا۔

"میں نے باندھ کر منہ میں دوپٹہ ٹھونس دیا ہے...... اب اس آدمی سے جان ڑاؤ اور چلو...... اپنا کام جلدی سے ختم کرتے ہیں"۔

دھرمو بولا۔

"ابے اب تو پہلے اس کا کام ختم کرنا ہوگا...... اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے...... یہ تو قع کا گواہ بن گیا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"بھائیو میں تو پردیسی ہوں...... میں صبح کی گاڑی سے اپنے ملک چلا جاؤں گا...... را تم لوگوں کو دیکھنا نہ دیکھنا ایک برابر ہے...... مجھے جانے دو...... تمہاری مہربانی گی"۔

عورت مسلمان تھی جس کے ساتھ یہ ہندو بدمعاش زیادتی کرنے والے ے...... آپ خود ہی سوچیں کہ عمران ایسا باغیرت مسلمان کمانڈو ایک مسلمان عورت ہندو بدمعاشوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر وہاں سے کیسے جا سکتا تھا...... عورت کی گھٹی ں آوازیں برابر آ رہی تھیں۔

گوپال نے کہا۔

"تو پھر سوچتا کیا ہے...... یہ چکو اس کے پیٹ میں گھونپ دے...... جہاں پہلے دو نا کئے ہیں ایک خون اور سہی"۔

عمران سمجھ گیا کہ ان دونوں بد کردار اور بدمعاش ہندوؤں کی موت کا وقت آن

پہنچا ہے، بلکہ انہوں نے خود اپنی موت کو آواز دے کر بلایا ہے۔

اس کے بعد جیسے ایک بجلی سی چمکی...... چاقو دھرمو بدمعاش کے ہاتھ میں ہی پکڑا رہ گیا اور دوسرے لمحے اس کی گردن عمران کے بازو کے فولادی شکنجے میں تھی...... صرف ایک جھٹکا ہی کافی تھا...... عمران نے دھرمو کی گردن بازو سے نکال دی اور موت نے اس بدمعاش کو بے حس و حرکت کر کے نیچے گرا دیا...... دوسرا بدمعاش جس کا نا گوپال تھا پھٹی پھٹی آنکھوں سے بس دیکھتا ہی رہ گیا...... اس کی موت ابھی نہیں لکھ ہوئی تھی...... وہ ایک دم ایک طرف کو بھاگ اٹھا۔

عمران نے دھرمو کے ہاتھ سے گرا ہوا کمانڈو چاقو اٹھا کر جیب میں رکھا اور جلد سے جھاڑیوں کے پیچھے گیا...... اس نے دیکھا کہ ایک عورت کے ہاتھ پیر بند ہیں...... منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا ہے...... اس کا دم گھٹ رہا ہے اور حلق سے دبی د غراہٹ کی آوازیں نکل رہی ہیں...... عمران نے سب سے پہلے عورت کے منہ سے ک نکال دیا...... عورت کا حلق خشک ہو چکا تھا...... اس سے بات نہیں ہو رہی تھی۔

عمران نے اس کے ہاتھ پاؤں کی رسیاں بھی کھول دیں اور کہا۔

"فکر نہ کرو بہن! وہ لوگ بھاگ گئے ہیں...... اب تم اپنے گھر جا سکتی ہو؟"۔

عورت اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور رات کے ہلکے ہلکے اندھیرے میں عمران کی طر دیکھ رہی تھی۔

"تم نے مجھے بہن کہا...... تم ضرور کوئی فرشتہ ہو...... خدا کے واسطے مجھے ا سے لے چلو...... یہ لوگ میرے گھر آ کر مجھے مار ڈالیں گے"۔

عورت لڑکی تھی...... عمر انیس بیس سال کی ہو گی...... دبلی پتلی تھی...... اس شلوار قمیض پہن رکھی تھی...... عمران نے پوچھا۔

"تم مسلمان ہو؟"۔

لڑکی نے بڑی مشکل سے اپنا سانس درست کیا تھا...... کہنے لگی۔

"میں مسلمان ہوں...... شکیلہ بانو میرا نام ہے...... میرا باپ میرا چھوٹا بھائی یکٹری میں کام کرتے ہیں...... ہم دو بہنیں ہیں...... میری اگلے مہینے شادی ہونے والی ہے...... ہم بڑے غریب لوگ ہیں...... ہندو ہمیں بڑا تنگ کرتے ہیں...... پولیس بھی ہاری نہیں سنتی"۔

عمران اس کے لئے جو کچھ کر سکتا وہ اس نے کر دیا تھا...... اس کے علاوہ وہ جو کچھ ر رہا تھا بطور ایک مجاہد کمانڈو کے کر رہا تھا...... اس نے لڑکی سے کہا۔

"چلو میں تمہیں گھر چھوڑ آتا ہوں...... تمہارا گھر کہاں ہے؟"۔

لڑکی نے کہا۔

"بازار سیتا رام میں ہے"۔

وہ لڑکی کو لے کر واپس آیا تو اسے خیال آ گیا کہ اس کے پاس جو رقم تھی وہ تو اس بدمعاش نے لے کر اپنی جیب میں رکھ لی تھی جس کی لاش قریب ہی جھاڑیوں کی دوسری طرف پڑی ہوئی تھی...... عمران نے لڑکی کو وہیں کھڑا کیا اور خود دھرمو کی لاش کے پاس آ کر اس کی جیب سے پیسے نکالے اور لڑکی کے پاس آ گیا...... لڑکی نے پوچھا۔

یہ تو وہی بدمعاش تھا...... کیا تم نے اسے مار ڈالا ہے؟

عمران نے کہا۔

"نہیں...... میں نے اس کے سر میں مکا مارا تھا وہ بے ہوش ہو گیا ہے۔

لڑکی نے اسے بتایا کہ اگلے چوک میں رکشا مل جائے گا...... چوک میں کوئی رکشا تو نہ ملا...... البتہ ایک ٹیکسی مل گئی...... اس نے لڑکی کو اپنے ساتھ بٹھایا اور ٹیکسی بازار سیتا رام کی طرف چل پڑی...... یہ جگہ وہاں سے کافی دور اور شہر کے گنجان علاقے میں تھی...... ایک جگہ کچھ فاصلے پر عمران نے پولیس کے چند ایک سپاہی دیکھے...... لڑکی نے کہا۔

"وہ ہمارا گھر ہے"۔

عمران نے کہا۔

"وہاں تو پولیس کھڑی ہے"۔

لڑکی بولی۔

"ابا نے پولیس میں میرے اغوا کی رپورٹ درج کرادی ہو گی"۔

عمران نے ٹیکسی وہیں رکوادی اور لڑکی سے کہا۔

"بس اب تم اپنے گھر جاؤ"۔

لڑکی نے کہا۔

"بھائی تم بھی میرے ساتھ آؤ...... ابا اور بھائی تم سے مل کر خوش ہوں گے"۔

عمران نے لڑکی کو ٹیکسی سے اتارا اور ڈرائیور سے کہا۔

"واپس چلو"۔

ٹیکسی وہیں سے واپس ہو گئی...... راستے میں عمران نے اسے ایک خاص جگہ کا نام بتایا کہ وہاں چلو اور بہت جلدی چلو...... میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے...... میں تمہیں انعام دوں گا...... رات کا پچھلا پہر تھا...... دلی کے اس علاقے کی سڑکیں خالی پڑی تھیں...... انعام کے لالچ میں ڈرائیور نے ٹیکسی کو فل سپیڈ پر چھوڑ دیا...... اصل میں عمران کو کوئی جلدی نہیں تھی...... وہ پولیس کی زد سے نکل جانا چاہتا تھا...... لڑکی نے اپنے ماں باپ اور پولیس کو ضرور بتادیا ہو گا کہ ایک مسلمان اسے چھوڑ گیا ہے جس نے ایک بد معاش کو مار مار کر بے ہوش کر دیا تھا اور پولیس ہو سکتا ہے اس کی تلاش میں نکل کھڑی ہو۔

رات کے چار بج رہے تھے...... جب وہ حاجی صاحب کے پلاٹ والی کوٹھڑی میں پہنچا...... ٹیکسی اس نے راستے میں ہی چھوڑ دی تھی تا کہ ڈرائیور کو اس کی جگہ کا علم نہ ہو سکے...... کیونکہ آخر عمران ایک خبیث اور بد کردار ہندو کا خون کر چکا تھا...... چوکیدار بوڑھا بھی سو رہا تھا...... عمران نے بوٹ اتار کر جراب کے نیچے سے کیمرہ نکال

کر سرہانے کے نیچے رکھ دیا اور بستر پر گر کر دہرا کمبل اوڑھتے ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا...... جب بوڑھے چوکیدار نے اسے جگایا تو دن کے دس بج چکے تھے...... وہ اس کے لئے چائے بنا کر لایا تھا...... عمران نے سب سے پہلے تکیئے کے نیچے ہاتھ ڈال کر کیمرہ نکالا اور اسے اپنی گرم جیکٹ کی جیب میں سنبھال کر رکھ دیا...... کمانڈو چاقو اور الیکٹرانک راڈ بھی سنبھال کر رکھ لیا...... منہ ہاتھ دھویا...... اس کا کھیس وہیں پارک میں جھاڑیوں کے پاس ہی رہ گیا تھا...... رکشا لے کر وہ سیدھا جامع مسجد کے چوک والے نگینہ ہوٹل میں آ گیا۔

حاجی صاحب کسی کام سے گئے ہوئے تھے...... عمران نے کمرے میں آ کر غسل کیا...... پھر ناشتہ منگوا کر کیا اور دوسرے کپڑے پہن لئے...... دوپہر کے بعد حاجی صاحب اس کے کمرے میں آئے اور خیر خیریت دریافت کی۔

"رات کیسے گزری؟ سب کام ٹھیک سے ہو گیا تھا؟"۔

عمران نے جیب سے کیمرہ نکال کر انہیں دیا اور کہا۔

"بالکل ٹھیک سے سب کام ہو گیا تھا...... اس کیمرے میں میں نے سیکرٹ فائل کی ضروری اور مطلوبہ تصویریں کھینچی ہیں...... انہیں ڈیویلپ کروا دیجئے گا...... خدا کرے کہ ٹھیک سے تصویریں آ گئی ہوں"۔

حاجی صاحب نے کیمرہ لے کر اپنی صدری کی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"میاں! یہ کیمرہ تو اندھیرے میں بھی تصویر بنا لیتا ہے اور وہاں تو روشنی ہو گی" کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی تھی"۔

عمران نے کہا۔

"بس قسمت اچھی تھی...... کہیں بھی کوئی دقت پیش نہیں آئی"۔

عمران نے لڑکی شکیلہ والا قصہ حاجی صاحب کو سنانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی...... انہیں سنانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا...... پولیس کو دوسرے دن پارک

میں بد معاش دھرمو کی لاش مل گئی ہو گی...... دلی ایسے بڑے اور جرائم سے بھرے ہوئے شہر میں روز ایک آدھ لاوارث لاش کہیں نہ کہیں سے ملتی ہی رہتی تھی...... اخبار میں کبھی خبر چھپتی تھی...... کبھی نہیں چھپتی تھی...... کچھ نہیں ہوتا تھا۔

اگلے روز فلم ڈیویلپ ہو کر آگئی...... بڑا اچھا رزلٹ آیا تھا...... پاکٹ بک سائیز کے صفحوں پر فائیل کے فل سکیپ کاغذ کی ایک ایک سطر صاف آئی تھی...... حاجی صاحب کہنے لگے۔

"فوٹو تم اپنے ساتھ لے جاؤ...... اس کا نیگیٹو میرے پاس ہی رہنے دو...... تمہارا سفر لمبا ہے...... راستے میں کسی قسم کے بھی حالات پیش آسکتے ہیں...... فوٹو اگر ضائع ہو گئی تو نیگیٹو تو محفوظ رہے گا"۔

حاجی صاحب نے بڑا اچھا مشورہ دیا تھا...... ویسے عمران نے فائیل کے ایک اہم صفحے کے عکس پر اس جہاز کا نام اور نمبر پڑھ کر اپنی پاکٹ بک پر نوٹ بھی کر لیا تھا اور اسے زبانی بھی یاد کر لیا تھا...... عمران نے نیگیٹو حاجی صاحب کے پاس ہی رہنے دیا اور سیکرٹ فائل کے چاروں صفحے جو چھوٹے سائز کے تھے حاجی صاحب کے مشورے سے ان کو تہہ کر کے ان کے گرد چمڑا مڑھ کر انہیں ایک تعویذ بنا کر اپنے بازو پر باندھ لیا...... اس طرح سے اسے یقین تھا کہ حالات چاہے راستے میں کیسی ہی صورت کیوں نہ اختیار کر لیں اس تعویذ کو کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا...... اب عمران نے واپسی کی تیاری شروع کر دی...... دلی میں اس کا مشن مکمل ہو چکا تھا...... حاجی صاحب نے دلی سے احمد آباد تک تھرڈ کلاس کا ایک ٹکٹ منگوا لیا تھا...... دوسرے روز رات کی گاڑی سے عمران نے روانہ ہو جانا تھا۔

اس نے کمانڈو چاقو تو حاجی صاحب کو واپس کر دیا لیکن الیکٹرانک راڈ اپنے پاس ہی رکھا...... یہ چیز اس کے اگلے اہم مگر بڑے ہی خطرناک مشن میں کام آسکتی تھی...... رات کے دس بجے وہ حاجی صاحب سے اجازت لے کر رخصت ہوا اور اکیلا ہی رکشے میں

بیٹھ کر دلی کے ریلوے سٹیشن پر آگیا...... کمانڈو جہاں ضروری ہو وہاں سیکنڈ اور فسٹ کلاس میں سفر کرتے وگرنہ عام طور پر وہ ریل کے تھرڈ کلاس میں ہی سفر کرتے ہیں...... اس کی وجہ یہ ہے کہ تھرڈ کلاس میں مسافروں کے رش کی وجہ سے دوسرے کی نظر میں آنے کا امکان کم ہوتا تھا اور اگر پولیس کی نگاہ میں آ بھی جائے تو کمانڈو کو مسافروں کے ہجوم میں اپنے آپ کو چھپانے اور فرار کے مواقع آسانی سے مل جاتے تھے۔

واپسی کا سفر بھی کافی طویل اور تھکا دینے والا تھا، مگر کمانڈو کے بدن فولاد کے ہوتے ہیں...... وہ بڑے سخت جان ہوتے ہیں...... سفر چاہے دس دن کا ہو...... وہ تھکتے نہیں...... ہاں کسی کسی وقت بور ضرور ہو جاتے ہیں...... عمران خیریت سے احمد آباد پہنچ گیا...... راستے میں کسی کو اس پر پاکستانی ہونے کا شک نہیں پڑا تھا...... ہر سٹیشن پر مسافروں کا ایک ہجوم اترتا تھا تو دوسرا ہجوم ڈبے میں گھس آتا تھا...... کمانڈو ٹرین کے سفر میں بھی صرف مطلب کے وقت کسی مسافر کو دوست بناتا ہے، ورنہ وہ کسی مسافر سے کبھی بے تکلف نہیں ہوتا...... ہوں ہاں کر کے مسافر سے پیچھا چھڑا لیتا ہے...... احمد آباد سے عمران نے بہاؤ نگر جانے والی ٹرین پکڑ لی...... اس ٹرین نے اسے رات کے سوا نو بجے بہاؤ نگر پہنچایا...... شاہ جی عرف چندر کانت اپنے آفس میں بیٹھے کام کر رہے تھے...... سب کو معلوم تھا کہ ان کا آفس رات کے دس بجے تک کھلا ہوتا ہے...... عمران کو دیکھ کر سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا...... پہلی بات یہ پوچھی کہ کسی نے تمہارا پیچھا تو نہیں کیا...... جب عمران نے کہا کہ میرا خیال ہے میں صاف نکل آیا ہوں تو بولے۔

"تمہارا کام کس حد تک ہوا؟"۔

عمران بولا۔

"جس چیز کی ضرورت تھی وہ مجھے مل گئی ہے"۔

"اچھی بات ہے...... تم اوپر کمرے میں چلے جاؤ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں"۔

عمران اوپر کمرے میں جاکر پلنگ پر لیٹ گیا...... تھوڑی دیر میں شاہ جی بھی آگئے...... کہنے لگے۔

"اب پوری بات تفصیل سے بتاؤ"۔

عمران نے کہا۔

"حاجی صاحب بڑے کام کے آدمی ہیں...... ان کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو اس مشن کی کامیابی مشکل تھی"۔

شاہ جی بولے۔

"مطلوبہ جہاز کا نام اور نمبر معلوم ہوا کیا؟"۔

عمران نے بازو کا تعویذ اتار کر اس کا چمڑا الگ کیا اور سیکرٹ فائل کے صفحات کی فوٹو کاپیاں ان کے سامنے رکھ دیں۔

"یہ بھارت کے محکمہ دفاع کی ٹاپ سیکرٹ فائل کے اہم ترین صفحات کی فوٹو کاپیاں ہیں"۔

پھر عمران نے ایک چھوٹا صفحہ شاہ جی کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہے اس جہاز کا سیکرٹ نام اور نمبر جو مرچنٹ نیوی کا عام باربردار جہاز ہے، لیکن جس پر کشمیر میں استعمال ہونے والے گولہ بارود اور اسلحہ کی بھاری مقدار بھارت لائی جارہی ہے"۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے جیب سے عینک نکال کر آنکھوں پر لگائی اور بڑے غور سے اس صفحے کو دیکھنے لگے...... عمران بولا۔

"اس میں لکھا ہے کہ یہ جہاز خلیج کامبے کے اندر خلیج کی آخری بندرگاہ کامبے کی گودی پر آکر لگے گا اور وہاں سے گولہ بارود اور اسلحہ سے لدے ہوئے فوجی ٹرک مسلح گارڈز کی حفاظت میں آدھی رات کو احمد آباد جایا کریں گے جہاں سے آگے وہ جموں ملٹری ہیڈ کوارٹر جائیں گے"۔

شاہ جی کی نگاہیں سیکرٹ فائل کے صفحے پر جمی ہوئی تھیں...... کہنے لگے۔

"عمران! تم نے بڑا کام کیا ہے...... یہ انفارمیشن ملنی بڑی مشکل تھی...... مجھے بھی پنے ذرائع سے یہی خبر ملی تھی کہ اسلحہ سے لدا ہوا مرچنٹ نیوی کا جہاز بہاؤ نگر بندرگاہ لی گودی پر آکر لگے گا جو انفارمیشن غلط ثابت ہوئی ہے...... یہاں گلف آف کامبے کی خری بندرگاہ کامبے کا نام لکھا ہے...... جہاز کا نام بھی اور نمبر بھی لکھا"۔

عمران نے کہا۔

"لیکن اس ٹاپ سیکرٹ فائل میں بھی یہ نہیں لکھا کہ یہ جہاز کس روز گودی پر آکر لگے گا"۔

شاہ جی عرف چندر کانت بولے۔

"اس کی تم فکر نہ کرو...... یہ جہاز جس روز کامبے کی بندرگاہ پر آکر لگنے والا ہوگا مجھے اس کی ایک روز پہلے اطلاع مل جائے گی...... اب تمہارا کام یہ کہ اپنے اگلے مشن کی منصوبہ بندی شروع کردو"۔

عمران نے کہا۔

"یہ کام میں اپنے ساتھی کمانڈو جبران سے مل کر ہی کرسکتا ہوں...... جب ہم پوری پلاننگ کرلیں گے تو آپ کو بتادیں گے اور پھر آپ کا مشورہ بھی لیں گے"۔

شاہ جی نے کہا۔

"جبران کو میں صبح یہاں بلوالوں گا...... وہ اس دوران میرے سٹور میں ہی رہا ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگوں کے اگلے مشن کا تقاضا ہے کہ تم بھی جبران کے ساتھ سٹور میں ہی ڈیرہ لگالو...... تم میں سے کسی ایک کا بھی میرے ہاں رہنا اور میرے آفس میں زیادہ آنا جانا مناسب نہیں"۔

شاہ جی کا مشورہ موقع کی مناسبت سے بالکل درست تھا...... چنانچہ عمران نے اسی لمحے اس مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا اور کہا۔

"ہمیں آپ کے مشورے کے مطابق عمل کرنا چاہئے...... اب جبران کو یہاں بلوانے کی ضرورت نہیں...... میں خود اس کے پاس سٹور میں چلا جاؤں گا...... مجھے صرف سٹور کا راستہ بتادیں"۔

شاہ جی عرف چندر کانت بولے۔

"صرف راستہ بتادینے سے تم وہاں نہیں پہنچ سکو گے...... میں منہ اندھیرے آؤں گا اور تمہیں خود وہاں لے کر جاؤں گا...... اب تم سو جاؤ"۔

کئی قسم کے خیالات عمران کے ذہن میں آرہے تھے...... کیا ہم اپنے مشن میں کامیاب ہو جائیں گے؟ دشمن کے گھر میں جاکر انتہائی زبردست سیکورٹی میں اس کے بہت بڑے اور بے حد اہم جہاز کو اڑا دینا کوئی معمولی کام نہیں تھا...... اس کے لئے مضبوط منصوبہ بندی اور عقل کی ضرورت تھی...... یہ ایسا خطرناک مشن تھا کہ مکمل منصوبہ بندی کرنے اور عقل سے کام لینے کے باوجود کچھ معلوم نہیں تھا کہ نتیجہ کیا نکلے گا...... ابھی دن نہیں نکلا تھا...... رات کا اندھیرا ہی تھا کہ شاہ جی نے آکر عمران کو جگا

"میرے ساتھ آجاؤ...... ناشتہ وہیں جاکر کر لینا"۔

شاہ جی کے پاس ایک پرانی کھٹارا جیپ تھی...... دونوں جیپ میں سوار ہو گئے... شاہ جی خود جیپ چلا رہے تھے...... بھاؤ نگر کے بازار پچھلے پہر کے اندھیرے میں سنسان پڑے تھے...... شاہ جی کے سٹور تک پہنچتے پہنچتے آدھا گھنٹہ لگ گیا...... جبران عمران سے گلے لگ کر ملا...... پوچھنے لگا...... کیا ہوا؟"۔

عمران نے کہا۔

"جو کچھ ہوا بالکل درست ہوا ہے...... میں دلی سے کامیاب لوٹا ہوں"۔

جبران کو عمران نے ٹاپ سیکرٹ فائل کے فوٹو عکس دکھائے اور کہا۔

"جہاز کا نام یہ ہے اور یہ ہے اس کا نمبر...... یہ مرچنٹ نیوی کا ہی جہاز ہے اور یہ سامان لانے لے جانے کے کام آتا ہے...... فائل کے مطابق ظاہر یہ کیا جائے گا کہ اس

جہاز میں گندم اور دوسری اشیائے خورد و نوش منگوائی گئی ہیں...... لیکن حقیقت میں یہ جہاز اسلحہ اور گولہ بارود سے بھرا ہوا ہوگا"۔

جبران نے کہا۔

"اس کی خلیج کامبے میں داخل ہونے کی تاریخ اور وقت نہیں لکھا ہوا"۔

شاہ جی نے کہا۔

"اس بارے میں تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں" آخر میں اتنے برسوں سے یہاں کس لئے دھونی رما کر بیٹھا ہوا ہوں...... جس دن جہاز خلیج کی اوپر کی جانب آخری بندرگاہ کامبے کی گودی میں آکر لگے گا اسی دن میرے آدمی مجھے جہاز کا نام اور نمبر بتادیں گے...... میرا خیال ہے کہ انڈین نیوی بڑی ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اس روز تین چار مال بردار جہاز خلیج میں لائے گی...... اسلحہ بارود والا جہاز جس کا نام فائل میں 'شیوا' بتایا گیا ہے ان جہازوں کے ساتھ ہی خلیج میں ایک عام مال بردار جہاز کی حیثیت سے گودی کے ساتھ آکر لگ جائے گا...... اس کے بارے بڑی رازداری سے کام لیا جارہا ہے...... لوگ اسے بھی مرچنٹ نیوی کا ایک تجارتی باربردار جہاز ہی سمجھیں گے"۔

مگر میرے آدمی ان جہازوں میں سے اس جہاز کی اطلاع مجھے کر دیں گے...... جس میں اسلحہ وغیرہ لدا ہوا ہوگا۔

جبران نے عمران سے سوال کیا جو بڑا اہم سوال تھا، بلکہ اس مشن کا کلیدی سوال تھا...... اس نے پوچھا۔

"اس جہاز" تک پہنچنے کے لئے بھی تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ ہے"۔

عمران نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس وقت حتمی شکل میں کوئی منصوبہ نہیں ہے...... اس بارے میں ہمیں شاہ جی سے بھی مشورہ کرنا ہوگا"۔

شاہ جی قریب ہی بیٹھے ان کی باتیں بڑے غور سے سن رہے تھے، کہنے لگے۔

”اس جہاز تک پہنچنے کے دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں...... یا تو سمندر کے نیچے غوطہ لگا کر اس تک پہنچا جائے اور یا کوئی بھیس بدل کر جہاز میں براہ راست داخل ہوا جائے مگر اس بات کا فیصلہ جہاز کے گودی میں لگنے کے بعد اس کے ارد گرد سیکورٹی کا انتظام دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے“۔

عمران بولا۔

”لیکن شاہ جی...... ہمیں دونوں صورتوں پر غور ضرور کر لینا چاہئے...... سب سے پہلے تو میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ اگر جہاز کے ارد گرد سیکورٹی کا زبردست انتظام ہوا جو کہ ظاہر ہے ہو گا اور ہم بھیس بدل کر بھی جہاز میں داخل نہ ہو سکے تو سمندر میں غوطہ لگا کر ہمیں جہاز کے نیچے پہنچ کر اپنا کام مکمل کرنا ہو گا...... اس صورت حال میں ہمیں آپ کی مدد کی اشد ضرورت ہو گی، بلکہ آپ کے تعاون کے بغیر ہم ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے“۔

شاہ جی ان دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے اور زیر لب مسکرا بھی رہے تھے...... کہنے لگا۔

”تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو گی تمہیں مہیا کر دی جائے گی...... میں نے ا... خفیہ ذرائع کے متعلق تمہیں کچھ نہیں بتایا اور بتانے کی ضرورت بھی نہیں ہے...... سب سے پہلے جہاز کو گودی پر لگنے دو...... اس کے بعد اس بات کا فیصلہ ہو گا کہ تمہیں جہاز کو تباہ کرنے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے“۔

جبران اور عمران خاموشی سے شاہ جی کی ایک ایک بات غور سے سن رہے تھے...... شاہ جی عرف چندر کانت نے کہا۔

”لیکن اس معاملے میں تمہیں جس چیز کا بہت زیادہ خیال رکھنا پڑے گا وہ رازداری اور احتیاط ہے...... رازداری اور احتیاط...... ہر قدم پر...... ہر سانس پر...... جس روز ج

گودی پر آ کر لگے گا اس دن سے تم میرے آفس اور دکان پر نہیں آؤ گے...... میں خود رات کے اندھیرے میں کسی نہ کسی وقت آ کر تم سے مل جایا کروں گا...... میں ایک مدت سے یہاں بیٹھ کر پاکستان اور کشمیر کے جہاد کے لئے کام کر رہا ہوں...... آج تک کسی کو مجھ پر شک تک نہیں پڑا...... اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ میں انتہائی رازداری اور انتہائی احتیاط سے کام لیتا رہا ہوں...... تم نئے نئے یہاں آئے ہو...... تمہیں بالکل نہیں پتہ کہ انٹیلی جنس والے کس کس حلیئے میں اس سارے نازک اور حساس علاقے میں چل پھر رہے ہیں...... مجھے سب کے بارے میں معلوم ہے...... میں ایک میل سے انٹیلی جنس والوں کی بو سونگھ لیتا ہوں اور جس روز اسلحہ اور گولہ بارود سے بھرا ہوا جہاز بندرگاہ پر آ کر لگا اس کے بعد تو سیکورٹی اور انٹیلی جنس کا تو اس سارے علاقے میں جال بچھا دیا جائے گا“۔

جبران بولا۔

”شاہ جی ہم آپ کے اشاروں پر چلیں گے...... آپ کے اشارے کے بغیر ہم اپنے مشن کے سلسلے میں ایک قدم بھی نہیں اٹھائیں گے“۔

شاہ جی کہنے لگے۔

”اگر واقعی تم ایسا کرو گے تو یاد رکھو کہ نہ صرف یہ کہ اللہ کے حکم سے تم اپنے مشن میں کامیاب ہو گے بلکہ تم پر انٹیلی جنس والوں کی نگاہ تک نہ پڑ سکے گی...... اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں دشمن کے پیٹ میں بیٹھ کر یہاں پچیس سال نہیں گزار سکتا تھا، بلکہ اب تک میری ہڈیاں بھی زمین کے نیچے گل سڑ چکی ہوتیں...... اب میں چلتا ہوں...... دن نکلنے والا ہے...... میں صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے اپنے اڈے پر پہنچ جانا چاہتا ہوں“۔

شاہ جی چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد جبران نے عمران سے کہا۔

”اگر ہم سمندر میں رات کے اندھیرے میں غوطہ لگا کر جہاز تک پہنچتے ہیں یا کوئی

بھیس بدل کر جہاز میں داخل ہونے میں کامیاب ہوتے ہیں ان دونوں صورتوں میں ہمیں جس چیز کی سب سے پہلے ضرورت پڑے گی وہ انتہائی طاقتور مگر مختصر سائز کے بم ہوں گے...... یہ بم ریموٹ کنٹرول بم بھی ہو سکتے ہیں اور ٹائم بم بھی ہو سکتے ہیں...... کیا شاہ جی اس قسم کے جدید ترین اور انتہائی دھماکہ خیز بم ہمیں مہیا کر سکیں گے؟"۔

عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے شاہ جی اس کا انتظام ضرور کر دیں گے...... انہوں نے تو ہمیں یہ یقین دلایا ہے کہ وہ ہمارے مشن میں کام آنے والی ہر ضروری شے ہمیں سپلائی کر دیں گے...... باقی یہ تو وقت آنے پر ہی پتہ چلے گا کہ وہ کیا چیز مہیا کر سکتے ہیں اور کیا چیز نہیں کر سکتے"۔

اسی طرح باتیں کرتے کرتے باہر سویرا ہو گیا...... بوڑھے چوکیدار نے آ کر ناشتہ کا پوچھا...... عمران بولا۔

"ناشتہ اگر تیار ہے تو لے آئیں میاں جی"۔

چوکیدار جی اچھا کہہ کر چلا گیا...... جبران کہنے لگا۔

"یہ چوکیدار بزرگ مجھے یہاں کے نہیں لگتے...... ان کا اردو بولنے کا لہجہ دلی والوں کا ہے"۔

عمران بولا۔

"بابا ہمارے شاہ جی کا کوئی انتہائی بھروسے کا آدمی لگتا ہے...... وہ ہم سے زیادہ چیت نہیں کرتا اور یہ بڑی اچھی بات ہے"۔

تھوڑی دیر بعد چوکیدار بابا ناشتہ لے آیا...... دونوں خاموشی سے ناشتہ کرنے لگے...... ناشتہ کے بعد چائے پیتے ہوئے جبران نے کہا۔

"انڈین نیوی نے محض سیکورٹی کی خاطر اسلحہ اور گولہ بارود ایک عام مال جہاز میں منگوایا ہے...... اب خدا کرے کہ یہ ایمونیشن اسی جہاز میں آ رہا ہو جس

سیکرٹ فائل میں درج ہے"۔

عمران چائے کا گھونٹ نگلنے کے بعد کہنے لگا۔

"سیکرٹ فائل میں محکمہ دفاع کو جہاز کا غلط نام لکھنے کی کیا ضرورت تھی...... کہیں نہ کہیں تو جہاز کا صحیح نام لکھنا ہی تھا اور وہ ٹاپ سیکرٹ فائل ہی ہو سکتی ہے...... ویسے بھی جب جہاز بندرگاہ پر پہنچ جائے گا تو شاہ جی کے اتنے ذرائع ہیں اور وہ یہ معلوم کروا لیں گے کہ اس خاص جہاز میں ایمونیشن لدا ہوا ہے یا نہیں"۔

جبران کچھ زیادہ حقیقت پسند واقع ہوا تھا...... کہنے لگا۔

"عمران بھائی! میں یہ ضرور کہوں گا کہ ابھی صورت حال واضح نہیں ہے...... یہ مشن اتنا پیچیدہ اور نازک ہے کہ کسی وقت مجھے اس کی کامیابی پر شبہ ہونے لگتا ہے"۔

عمران نے چائے کی پیالی تپائی پر رکھ دی اور کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اب موضوع تبدیل کر دینا چاہئے...... یہ بتاؤ کہ یہاں دوسری چارپائی کا کیا بندوبست ہو گا...... آخر مجھے بھی اب یہیں رہنا ہے"۔

جبران ہنس کر کہنے لگا۔

"بھائی تم میری چارپائی پر سو جانا...... میں زمین پر سو جاؤں گا...... ویسے فکر نہ کرو...... چوکیدار بابا اس کا انتظام کر دے گا"۔

عمران اور جبران نے اس کے بعد شاہ جی عرف چندر کانت کے آفس اور مکان پر جانا بند کر دیا...... شاہ جی بھی ایک دن چھوڑ کر رات کے اندھیرے میں کسی وقت اچانک آ کر انہیں مل جاتے اور حالات سے باخبر کر جاتے تھے...... یہ جگہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے...... گجرات کے اس ساحلی شہر کے باہر کچھ فاصلے پر تھی...... اردگرد کوئی آبادی نہیں تھی...... جنوب کی جانب دلدلی زمین شروع ہو جاتی تھی...... اس طرف آگے جا کر سمندر کی چھوٹی کھاڑی آ جاتی تھی جہاں ماہی گیروں کی کشتیاں چلتی پھرتی رہتی تھیں...... ساری زمین شور زدہ تھی جس کی وجہ سے اس طرف کسی نے مکان

وغیرہ نہیں بنایا تھا...... شاہ جی نے مصلحتاً یہاں اپنا سٹور بنا رکھا تھا...... سٹور کی دیواروں کا سیمنٹ جگہ جگہ سے شور کی وجہ سے پھولا ہوا تھا...... رات کو مچھر بہت حملے کرتے تھے...... ان سے بچنے کے لئے عمران اور جبران مچھر دانیاں لگا کر سوتے تھے...... ان مچھروں سے انہیں صرف ایک ہی خطرہ تھا کہ ان کے کاٹنے سے کہیں انہیں ملیریا بخار نہ چڑھ جائے...... بیمار ہونے کی صورت میں ان کا مشن دھرے کا دھرا رہ جاتا...... چنانچہ وہ اپنی صحت کو ہر قیمت پر بحال رکھنا چاہتے تھے...... وہ مختصر اور سادہ غذا کھاتے تھے اور دن کے وقت کچھ فاصلے پر جا کر تاڑ اور ناریل کے درختوں میں ہلکی پھلکی ورزش بھی کر لیا کرتے تھے۔

شاہ جی ایک دن چھوڑ کر کبھی رات کے دو بجے، کبھی رات کے پچھلے پہر اچانک آ جاتے اور انہیں بتا جاتے کہ جہاز ابھی تک بندرگاہ پر آ کر نہیں لگا...... اسی طرح د بارہ دن گزر گئے...... ایک دن رات کو بارش ہو رہی تھی...... موسم بڑا حبس آلود کیونکہ ہوا بند تھی...... عمران اور جبران مچھر دانیاں لگا کر اپنی چارپائیوں پر جاگ رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے...... ایک ٹیبل فین کونے کی میز پر رکھا ہو سپیڈ کے ساتھ چل رہا تھا مگر اس کی ہوا مچھر دانیوں کی جالیوں میں سے بہت کم رہی تھی...... بارش کی آواز میں انہیں جیپ کے انجن کی آواز سنائی دی۔

عمران چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"جبران! میرا خیال ہے شاہ جی آئے ہیں"۔

"آواز تو ان کی کھٹارا جیپ کی ہی ہے"۔

یہ کہہ کر جبران بھی اٹھ بیٹھا...... جیپ کی آواز سٹور کے دروازے کے پا رک گئی...... عمران اور جبران دونوں مچھر دانیاں ہٹا کر باہر نکل آئے...... درواز شاہ جی نے مخصوص انداز میں دستک دی...... عمران یہ کہہ کر اٹھا۔

"شاہ جی ہی ہیں"۔

اس نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا...... شاہ جی اندر آ گئے...... انہوں نے بارش والی ساتی پہن رکھی تھی...... اندر آتے ہی انہوں نے برساتی اتار کر ایک طرف رکھ دی ر بولے۔

"تم ابھی تک جاگ رہے تھے کیا؟"۔

جبران بولا۔

"جی ہاں...... ویسے بھی ہمیں غیر شعوری طور پر آپ کا انتظار تھا کیونکہ آج آپ کے آنے کی باری تھی"۔

یہ لوگ مچھر دانیاں ہٹا کر چارپائیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے...... ٹیبل فین کی وا بالکل سیدھی ان پر آ رہی تھی...... دیوار والا کمزور بلب روشن تھا...... یہ بلب ساری ات جلتا رہتا تھا...... عمران نے پوچھا۔

"میرا دل کہتا ہے کہ آج آپ کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہیں"۔

شاہ جی عرف چندر کانت مسکرا رہے تھے...... کہنے لگے۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے کیسے اندازہ لگایا کہ میں کوئی خوش خبری لے کر آیا ہوں، یونکہ میرے دل میں خوشی یا غم کے جو بھی تاثرات ہوں وہ کبھی میرے چہرے پر ہیں آتے...... ایک کامیاب جاسوس یا کمانڈو کی یہی سب سے اہم خصوصیت ہوتی ہے"۔

عمران بولا۔

"یقین کریں آپ کے چہرے سے مجھے یہی معلوم ہوا تھا کہ آپ آج بھی کوئی بر نہیں لائے...... یہ تو محض میرے دل نے یا میری چھٹی حس نے مجھے بتا دیا تھا کہ شاہ کوئی اچھی خبر لائے ہیں"۔

شاہ جی بولے۔

تمہاری چھٹی حس نے بالکل صحیح بتایا ہے...... خوشی کی خبر یہ ہے کہ جس جہاز کا

تمہیں انتظار تھا وہ آج شام کے وقت خلیج کامبے میں داخل ہو کر کامبے (Cambay) کی بندرگاہ پر آکر لنگر انداز ہو گیا ہے...... اس جہاز کا وہی نام ہے اور اس کا وہی نمبر ہے جو محکمہ دفاع کی سیکرٹ فائل میں لکھا ہوا ہے"۔

عمران اور جبران کو یہ سن کر اطمینان نصیب ہوا...... ان کی انتظار کی کٹھن گھڑیاں ختم ہو گئی تھیں...... جبران نے پوچھا۔

"شاہ جی! آپ نے اس بات کی تصدیق کر لی ہے کہ یہ وہی جہاز ہے جس کا ہمیں انتظار تھا اور جس پر ایمونیشن اور جدید ترین بھاری اسلحہ لدا ہوا ہے؟"۔

شاہ جی نے گہری نگاہوں سے جبران کی طرف دیکھا اور کہا۔

"برخوردار جتنی تمہاری عمر ہے اتنی عمر مجھے یہاں دشمن کے گھر میں بیٹھ جاسوسی کرتے گزر گئی ہے...... میری اطلاع کبھی غلط نہیں ہوتی"۔

جبران نے فوراً معذرت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"شاہ جی! یقین کریں میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا...... اگر آپ نے ایسا سمجھا تو میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں"۔

عمران بولا۔

"میں بھی جبران کی طرف سے معذرت پیش کرتا ہوں"۔

شاہ جی نے عمران کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے برخوردار...... بہرحال ہمیں اصل موضوع پر چاہئے...... بات یہ ہے کہ جہاز مرچنٹ نیوی کا مال بردار ہے...... اس کا نام بھی وہ اور نمبر بھی وہی ہے جو سیکرٹ فائل میں دیا گیا ہے...... اس کے باوجود کل دوپہر میں معلوم کر لوں گا کہ اس میں گولہ بارود لدا ہوا ہے کہ نہیں...... اتنی رپورٹ گئی ہے کہ جہاز کے گودی پر لگتے ہی وہاں خفیہ طور پر سیکورٹی بڑی سخت کر دی اور نیوی، آرمی اور پولیس کے انٹیلی جنس والے سویلین کپڑوں میں جگہ جگہ

ہیں...... آج تک کبھی کسی مال بردار جہاز کے لئے سیکورٹی کا اتنا سخت انتظام نہیں دیکھا گیا...... اس کے باوجود ایمونیشن کے بارے میں مجھے تصدیق شدہ رپورٹ کل دوپہر یا شام تک مل جائے گی...... اگر یہ رپورٹ مجھے مل گئی تو میں کل رات کو کسی وقت آؤں گا"۔

شاہ جی جاتے وقت ایک بار پھر تاکید کر گئے کہ دن کے وقت زیادہ ادھر ادھر مت پھرنا...... ان کے جانے کے بعد وہ دیر تک یہی باتیں کرتے رہے کہ اگر یہی وہ جہاز نکلا جس کے پیچھے وہ یہاں تک آئے ہیں اور اتنی دربدری کی ہے تو کیا شاہ جی ان کی مطلوبہ ضرورتیں پوری کر سکیں گے...... اپنے ہیڈ کوارٹر سے چلتے وقت انہیں شاہ جی کے بارے میں یقین سے کہا گیا تھا کہ وہ ان کی ہر ضرورت پوری کر سکتے ہیں...... ان کے ہوتے ہوئے کسی دوسری جگہ نہیں جانا پڑے گا۔

دوسرے دن شام تک بارش ہوتی رہی۔

بھارت کے اس علاقے میں بارشیں سردیوں کے موسم میں بھی کافی ہوتی ہیں...... سردیوں کا موسم تو اس طرف آتا ہی نہیں...... صرف اتنا ہوتا ہے دسمبر جنوری میں راتیں تھوڑی ٹھنڈی ہو جاتی ہیں...... بارش موسلادھار ہو تو حبس ہو جاتا ہے...... شام کو بارش تھم گئی...... عمران اور جبران دونوں کمانڈو جانبازوں نے کمرے میں ہی کھانا کھایا اور مچھردانیاں لگا کر لیٹ گئے...... جبران بولا۔

"میرا دل کہتا ہے شاہ جی کو رپورٹ مل گئی ہے اور آج رات وہ کسی بھی وقت ضرور آئیں گے"۔

اور ایسا ہی ہوا...... جس وقت دروازے پر دستک ہوئی عمران جاگ رہا تھا...... یہ دستک شاہ جی کی تھی...... عمران نے سرہانے کے نیچے سے گھڑی نکال کر دیکھی...... رات کا ایک بج رہا تھا...... اس نے جبران کو اٹھا دیا اور کہا۔

"میرا خیال ہے شاہ جی آئے ہیں"۔

جبران بولا۔

"دھیان سے جانا...... کوئی اور بھی ہو سکتا ہے"۔

عمران نے دروازہ کھولا تو شاہ جی اندر آ گئے...... آتے ہی بولے۔

"بھائی صاحب مبارک ہو...... یہ وہی جہاز ہے جو آپ کا ٹارگٹ ہے...... اس کی نچلی دو منزلیں ہر قسم کے اسلحہ اور گولہ بارود سے بھری ہوئی ہیں...... اس کا کپتان گوا کا رہنے والا ہندوستانی ہے...... جہاز کے عملے میں پارسی، عیسائی اور مدراسی اور دو تین پنجابی بھی شامل ہیں...... یہ جہاز بظاہر جنوبی افریقہ سے پیاز اور سویا بین لے کر آیا ہے...... جہاز کی تیسری منزل والے گودام میں محض دکھاوے کے لئے پیاز اور سویا بین کے چار پانچ ہزار بورے بھی لدے ہوئے ہیں"۔

عمران نے پوچھا۔

"یہ جہاز خلیج کامبے کی بندرگاہ کی کونسی گودی پر آ کر لگا ہے؟"۔

شاہ جی بولے۔

"تم دونوں میں سے کسی نے کامبے کی بندرگاہ نہیں دیکھی...... میں نے دیکھی ہوئی ہے...... یہ بندرگاہ جہاں پر واقع ہے وہاں آ کر خلیج کامبے کا سمندر ختم ہو ہے...... کامبے بندرگاہ کی تین گودیاں ہیں، چونکہ یہاں زیادہ تر مال بردار جہاز آ کر ہیں اس لئے یہاں تین الگ الگ گودیاں بنائی گئی ہیں...... اس مقصد کے لئے دو جگہ سے سمندر کا پانی نہر کی شکل میں کاٹ کر اندر تک لے جایا گیا ہے...... یہ جہاز جس "شیوا" ہے...... یہ بندرگاہ کی تیسری اور آخری گودی پر لگایا گیا ہے...... وہاں سمندر ایک بڑی اور گہرے پانی والی نہر کی شکل میں جاتا ہے...... اس گودی کے طرف خشکی ہے...... صرف ایک طرف سمندر کی نہر یا کھاڑی ہے...... خشکی جانب جو گودام بنے ہوئے ہیں ان کی چھتوں پر نیوی اور آرمی کی فوج مشین گنوں مورچے بنا کر بیٹھ گئی ہے...... اس طرف کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے......

تک کہ بندرگاہ کے عملے کے لوگ بھی گودی کے چیف آفیسر کی طرف سے جاری کئے گئے شناختی اجازت نامے کے بغیر اس طرف نہیں جا سکتے...... دن کے وقت اور رات کے وقت بھی کھاڑی کے سمندر میں نیوی کے سپاہی چھوٹی موٹر بوٹوں میں گشت لگاتے رہتے ہیں...... بتانے والے نے یہ بھی بتایا ہے کہ کھلے سمندر کی جانب کھاڑی میں آہنی جال کی ایک دیوار سمندر کے اندر کھڑی کر دی گئی ہے...... یہ لوہے کے مضبوط اور موٹے تاروں والی جالی دار دیوار ہے...... یہ بھی سنا گیا ہے کہ اس آہنی دیوار کے پیچھے کچھ دور تک سمندر میں بارودی سرنگیں بھی بچھا دی گئی ہیں تاکہ کسی دہشت گرد کے سمندر کے نیچے سے اندر آ کر جہاز کو تباہ کرنے کا امکان ہی باقی نہ رہے" "اگر تم لوگ سمندر کے اندر سے غوطہ لگا کر جہاز تک پہنچنا چاہو گے تو تمہیں سب سے پہلے سمندر میں بچھی ہوئی بارودی سرنگوں سے اپنے آپ کو بچانا ہوگا...... اس کے بعد آہنی جال کے موٹے تاروں کو کاٹنا ہوگا...... اس کے بعد کہیں تم جہاز کے پیندے تک پہنچ سکو گے...... وہاں بھی جہاز کے عقب میں سمندر میں گشتی پٹرول پارٹیاں موٹر بوٹوں میں گشت لگا رہی ہوں گی اور ان کی سرچ لائٹوں کی تیز روشنی سمندر کی سطح کو دن کی طرح روشن کر رہی ہوں گی...... تم میں سے کسی نے ذرا سا سر باہر نکالا نہیں کہ تم پر مشین گنوں کے فائر بارش کی طرح برسنا شروع ہو جائیں گے"۔

جبران نے پوچھا۔

"اگر ہم سمندر کے نیچے سے نہ جائیں تو جہاز پر اوپر سے یعنی باہر سے پہنچنے کے کیا امکانات ہیں؟"۔

شاہ جی نے فوراً اس سوال کا جواب نہ دیا...... کچھ دیر غور کرتے رہے...... پھر بولے۔

"اس کام میں سمندر کے نیچے سے بھی زیادہ خطرہ ہے...... لیکن اس کے لئے بہت زیادہ اور بڑی احتیاط کے ساتھ حالات کو دیکھ کر منصوبہ بندی کرنی پڑے گی...... یہ بات

ظاہر ہے کہ جہاز کے اوپر سوائے عملے کے آدمیوں کے اور کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہو گی...... تم لوگ بالکل اجنبی ہو...... تم جہاز پر کیسے جاسکو گے؟ کون سا بھیس بدل کر جاؤ گے؟ یہ بات غور طلب ہے"۔

عمران اس دوران ایسا لگتا تھا کہ کسی گہری سوچ میں گم ہے...... اس نے سر اٹھا کر شاہ جی کی طرف دیکھا اور بولا۔

"میرے خیال میں ہمارا جہاز کے اندر اوپر سے جانا ہی ٹھیک رہے گا...... اس میں صرف ایک کمزوری ہے کہ ہم کہیں پہچانے نہ جائیں...... اس کے واسطے ہمیں وہاں کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد سوچنا ہو گا کہ ہم کون سا بھیس بدل کر جہاز میں داخل ہوں...... یہ کوئی ایسا بھیس اور ایسا حلیہ ہونا چاہئے کہ کسی کو ہم پر شک نہ پڑے...... اس سلسلے میں شاہ جی آپ ہی ہمیں جہاز کے حالات کا جائزہ لے کر بتا سکتے ہیں کہ ہمیں کس بھیس میں جہاز پر جانا چاہئے"۔

شاہ جی بولے۔

"اس کے لئے مجھے تھوڑا وقت چاہئے، لیکن وقت ہمارے پاس زیادہ نہیں ہے...... جہاز پر سے گولہ بارود کسی بھی وقت رات کی تاریکی میں اتارنا شروع ہو سکتا ہے...... یہ ایمونیشن فوجی ٹرکوں میں کانوائے کی صورت میں احمد آباد اور وہاں سے آگے جموں لے جایا جائے گا...... اگر تم لوگ یہ سوچتے ہو کہ تم جہاز کی بجائے کانوائے کو تباہ کر کے ایمونیشن اڑا دو گے تو تم زیادہ سے زیادہ ایک فوجی ٹرک یا تین چار فوجی ٹرکوں کا ایمونیشن اڑا سکو گے اور یہ گولہ بارود اور اسلحہ صرف ایک کانوائے میں نہیں بلکہ دس بارہ کانوائیوں میں وقفے وقفے سے لے جایا جائے گا...... تم کس کس ٹرک کو تباہ کرو گے...... تمہارے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں...... یا تو سمندر کی تہہ میں غوطہ لگا کر سمندر کے اندر ہی اندر بارودی سرنگوں سے اپنے آپ کو بچاتے فولادی جال کے تاروں کو کاٹ کر جہاز کے پیندے تک پہنچ کر وہاں بم لگا دو اور یا جہاز کے اوپر کسی

طریقے سے داخل ہو کر جہاز کی دوسری اور تیسری منزل تک پہنچو جہاں اسلحہ اور گولہ بارود بھرا ہوا ہے اور ٹائم بم لگا کر واپس نکل آؤ...... مگر یہ اتنا آسان کام نہیں ہے...... بھنیر سانپ کے منہ سے منکا نکالنا زیادہ آسان ہے مگر اس جہاز کے اندر جا کر ٹائم بم لگانا اس سے زیادہ مشکل کام ہے...... وہاں تو قدم قدم پر فوجی پہرہ لگا ہو گا، اس کے علاوہ انٹیلی جنس والوں کی تیز نگاہیں بھی تمہارا پیچھا کر رہی ہوں گی...... تم کس کس سے دامن بچاؤ گے"۔

جبران نے کہا۔

"شاہ جی! میرا خیال ہے ہمیں سب سے پہلے تو یہ معلوم کرنا ہو گا کہ جہاز سے ایمونیشن کس دن سے اتارنا شروع ہو جائے گا"۔

شاہ جی بولے۔

"یہ میں معلوم کر لوں گا...... بہر حال تم لوگوں کو دونوں طریقوں پر عمل کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھنا ہو گا...... اپنی طرف سے میں تمہیں اتنا بتائے دیتا ہوں کہ اگر تم نے سمندر کے نیچے سے کمانڈو ایکشن کا فیصلہ کیا تو تمہیں غوطہ خوری کے سوٹ اور طاقتور سے طاقتور ریموٹ کنٹرول اور ٹائم کلاک والے بم مہیا کر دیئے جائیں گے...... اس طرف سے تمہیں بے فکر ہو جانا چاہئے...... میں حالات کا پورا جائزہ لینے اور پوری پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی آؤں گا، ہو سکتا ہے مجھے ایک دو دن لگ جائیں...... تم یہیں رہنا...... باہر کسی طرف کو مت نکل جانا...... تم خلیج کامبے کے بندرگاہ والے ساحل سے زیادہ دور نہیں ہو اور یہ سارا علاقہ انٹیلی جنس والوں کی زد میں ہے"۔

شاہ جی چلے گئے...... دوسرے دن بھی نہ آئے...... تیسرے دن رات کے وقت آگئے...... اس رات بارش تو نہیں ہو رہی تھی مگر آسمان پر بادل ہی بادل تھے اور سمندر کی طرف سے بڑی خوشگوار ہوا چل رہی تھی...... ہم شاہ جی کے پاس بیٹھ گئے اور بڑے

تجسس کے ساتھ انتظار کرنے لگے کہ وہ کیا کہتے ہیں...... شاہ جی نے پہلی بات یہ کہی۔

" پہلے تو یہ سن لو کہ جہاز پر سے گولہ بارود ابھی نہیں اتارا جارہا...... اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے یہاں اتنے فوجی ٹرک فارغ نہیں ہیں...... انبالہ چھاؤنی سے پچاس ساٹھ ٹرکوں کا کانوائے چل پڑا ہے...... اسے دو ایک دن یہاں پہنچتے پہنچتے لگ جائیں گے...... اس کے بعد ساٹھ خالی ٹرکوں کا ایک کانوائے میرٹھ چھاؤنی سے چل کر یہاں پہنچے گا...... اسے بھی دو تین دن لگ جائیں گے...... اس کے بعد انڈین نیوی اور آرمی آرڈیننس کے چیف ایگزیکٹو آفیسرز آکر رات کے وقت ایمونیشن کی چیکنگ کریں گے...... یہ آفیسرز بمبئی اور حیدر آباد کی آرمی چھاؤنی سے آئیں گے...... اس طرح سے کم از کم سات آٹھ دن لگ جائیں گے...... اس کے بعد جہاز پر سے ایمونیشن اتارا جانا اور فوجی ٹرکوں پر لوڈ کرنا شروع ہو جائے گا...... یہ کام بھی بڑی احتیاط کے ساتھ رات کے وقت ہوتا رہے گا"۔

عمران نے سوال کیا۔

" شاہ جی! سمندر کے اندر سے غوطہ لگا کر جانے کا معاملہ تو بالکل واضح ہو کر ہمارے سامنے آچکا ہے...... اس ایکشن میں جو خطرات ہیں وہ بھی ہمیں معلوم ہو چکے ہیں...... آپ یہ فرمائیں کہ جہاز کے اوپر سے اس کے اندر جانے کے کیا امکانات ہیں"۔

شاہ جی کہنے لگے۔

" میں یہی بتانے آیا ہوں...... بات یہ ہے کہ جہاز کے عملے کو جہاز کے کپتان کے علاوہ خلاص اور ملاح تک جانتے ہیں اور ان کی شکل و صورت سے واقف ہیں...... میں سے کسی کو اغوا کر کے یرغمال بنا کے تم میں سے کوئی اس کا حلیہ بنا کر جہاز پر نہ جاسکتا...... یہ اپنے آپ کو خود گرفتاری کے لئے پیش کرنے والی بات ہوگی"۔

دونوں سوچ میں پڑ گئے...... دونوں کمانڈوز خاموش تھے...... شاہ جی بھی کچھ

ہے تھے...... کہنے لگے۔

" مجھے کل کے دن کی مہلت دے دو...... میں جہاز کے عملے کے بارے میں ایک بار پھر پوری رپورٹ منگواتا ہوں...... مجھے یقین ہے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا...... سمندر کے نیچے غوطہ لگا کر جہاز تک پہنچنا میرے خیال میں مناسب نہیں رہے گا...... ہمارے پاس جو آکسیجن ماسک ہیں ان کا پانی میں ڈوبنے کے بعد دورانیہ اتنا زیادہ نہیں ہے کہ تم لوگ سمندر کے اندر ہی اندر تقریباً ایک کلومیٹر کا فاصلہ بھی طے کرو اور فولادی جالی بھی کاٹو...... تمہیں لامحالہ چھ سات منٹ کے بعد سمندر کی سطح پر آنا پڑے گا...... وہاں سرچ لائٹ کی روشنیاں ہوں گی اور تم پکڑے جاؤ گے...... اس طریق کار کو بھول جاؤ...... میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا راستہ نکل آئے کہ تم جہاز کے عرشے پر سے داخل ہو کر اپنا مشن پورا کر سکو...... بہر حال کل اسی سلسلے میں فائنل بات ہو جائے گی"۔

شاہ جی کے جانے کے بعد جبران اور عمران بھی غور و فکر کرتے رہے...... جہاز کے اوپر سے جہاز میں داخل ہونا اور پھر سارے عملے اور سیکورٹی سٹاف کی موجودگی میں جہاز کی نچلی منزل میں جا کر بم لگانا اتنی آسان بات نہیں تھی...... وقت بھی کم تھا...... دو تین روز کے اندر اندر انبالہ چھاؤنی اور میرٹھ چھاؤنی سے چلے ہوئے فوجی ٹرکوں کا پہلا کانوائے پہنچنے والا تھا اور اس وقت اسلحہ اور گولہ بارود جہاد سے نکلنا شروع ہو جائے گا...... وقت گزرتا جارہا تھا اور ابھی تک وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچے تھے۔

دوسرے دن شام ہوتے ہی شاہ جی عرف چندر کانت آگئے...... ان کا چہرہ بتارہا تھا کہ کچھ امید پیدا ہو گئی ہے، کہنے لگے۔

" قدرت نے ایک سبب بنا دیا ہے...... آج ہی دوپہر کو انبالے چھاؤنی کے کمانڈنگ آفیسر کا ایک ٹیلکس جہاز کے کپتان کو ملا ہے کہ توپ خانہ رجمنٹ کے دو افسر کرنل ایم کے ترپاٹھی اور کیپٹن دیوندر سیٹھی ایمونیشن کی چیکنگ کے لئے آرہے

ہیں...... انہیں ہر طرح کی سہولت ملنی چاہئے"۔

جبران اور عمران نے تجسس آمیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

عمران نے شاہ جی سے پوچھا۔

"اس سے ہمارے مشن کا کیا تعلق ہے؟"۔

شاہ جی بولے۔

"تعلق ہے اور بڑا گہرا تعلق ہے...... اس لئے میں شام کا اندھیرا ہوتے ہی تمہارے پاس آگیا ہوں...... کرنل ایم کے تریاٹھی اور کیپٹن دیوندر سیٹھی کو پہنچتے پہنچتے دو روز لگ جائیں گے...... اس سے پہلے یعنی کل ہی تم دونوں کرنل ایم کے تریاٹھی اور کیپٹن دیوندر سیٹھی بن کر ایمونیشن کی چیکنگ کرنے جہاز پر پہنچ جاؤ گے کیا خیال ہے؟"۔

جبران اور عمران جیسے چونک سے گئے تھے...... یہ منصوبہ ایسا تھا کہ اگر وہ بھرپور اعتماد سے کام لیں تو صرف ایک گھنٹے میں وہ اپنے مشن کو کامیابی سے مکمل کر سکتے تھے...... عمران بولا۔

"ہم اسی منصوبے پر عمل کریں گے"۔

شاہ جی نے کہا۔

"یہ موقع قدرت کی طرف سے تمہیں مہیا ہوا ہے...... اس سے تم پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہو...... کسی لمبی چوڑی منصوبہ بندی کی ضرورت نہیں ہے...... کرنل اور کیپٹن کی فوجی وردیاں تمہیں مل جائیں گی...... یہ کوئی جنگی جہاز نہیں ہے کہ تمہیں آئی ڈی کارڈ دکھانے کی ضرورت پیش آئے...... سویلین جہاز ہے...... سویلین ہی جہاز کا کیپٹن ہے...... بس صرف بھرپور اعتماد کی ضرورت ہو گی...... فوجی انداز میں چلتے ہوئے جہاز پر چڑھ جاؤ اور پورے اعتماد اور رعب کے ساتھ کیپٹن سے اپنا تعارف کراؤ اور کہو کہ تم انبالہ چھاؤنی سے آئے ہو اور اسی وقت ایمونیشن کی چیکنگ کرنی ہے...... جہاز کے

تان کو تمہاری آمد کا پیغام مل چکا ہے...... اسے کوئی اعتراض نہیں ہو گا...... ایک بات خیال رکھنا...... گفتگو انگریزی میں کرنا اور بڑے اکھڑ طریقے سے آواز میں رعب پیدا ر کے بولنا...... میں سمجھتا ہوں کہ تم ایک گھنٹے میں اپنا مشن کامیابی سے مکمل کر لو ے...... کیا خیال ہے"۔

عمران بولا۔

"بڑا اچھا خیال ہے...... ہم اس سنہری موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی شش کریں گے"۔

جبران نے کہا۔

"فوجی وردیاں تو ہمیں مل جائیں گی لیکن اصل شے یعنی ریموٹ کنٹرول یا ٹائم ک والا چھوٹے سے چھوٹے سائز کا میگناٹک بم کہاں سے اور کب ملے گا؟"۔

شاہ جی بولے۔

"وہ بھی تمہیں آج رات کے تین بجے تک مل جائے گا...... میں اب جا رہا ں...... اس وقت شام کے سوا سات بجے ہیں...... میں رات کے تین بجے آؤں گا اور ہارے کام آنے والی ہر شے لیتا آؤں گا...... تم ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار کر نا"۔

شاہ جی فوراً اٹھ کر چلے گئے۔

اچانک ایک منصوبہ عمران اور جبران کے سامنے آگیا تھا، لیکن وہ ایک سیکنڈ کے ے بھی نہ تو پریشان ہوئے تھے اور نہ ان پر ہیجانی کیفیت طاری ہوئی تھی...... انگریزی نا اور سمجھنا ان کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا...... انہیں تربیت کے دوران بھارت کی ن ہندی اور انگریزی اچھی طرح سے پڑھائی گئی تھی...... وہ بڑی روانی کے ساتھ زی اور ہندی بول سکتے تھے اور لکھ بھی سکتے تھے...... ان میں اعتماد بھی بہت تھا...... ر ایک خطرہ دونوں کو محسوس ہو رہا تھا کہ جہاز میں ایمونیشن کے معائنے کے

دوران کہیں اصلی ہندو کرنل اور کیپٹن وہاں وارد نہ ہو جائیں...... عمران نے اس
خدشے کا اظہار کیا تو جبران بولا۔

"اتنا خطرہ تو ہمیں مول لینا ہی پڑے گا...... اگر اصلی کرنل اور کیپٹن آ بھی گئے تو
ہم سارا اسلحہ وہیں پھونک ڈالیں گے...... اگر جہاز کے ایمونیشن کے دھماکے سے
ہمارے جسم کے ٹکڑے بھی ساتھ ہی اڑ جاتے ہیں تو اڑ جائیں...... ہم تو اپنی زندگیاں
پہلے ہی اپنے وطن پاکستان کی حرمت و وقار کے نام کر چکے ہیں"
عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے شاہ جی انتہائی طاقتور ریموٹ بم کا بھی انتظام کر دیں گے"۔

"بھائی وہ عرصہ پچیس برس سے یہاں رہ کر وطن پاک کے لئے کام کر رہے
ہیں...... انہوں نے یہاں کے پاکستان اور اسلام دوست مسلمانوں سے مل کر اپنا ایک خاص
حلقہ اثر بنایا ہوا ہے...... مجھے یقین ہے کہ ان کی مدد سے سارا بندوبست ہو جائے گا"۔

دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے...... اس کے بعد گھڑی کو الارم لگا کر
سو گئے...... رات کے ٹھیک ساڑھے مین بجے ٹائم پیس کے الارم نے دونوں
جگا دیا...... دو منٹ بعد باہر جیپ کے رکنے کی آواز آئی...... عمران اور جبران جلدی سے
مچھر دانیوں میں سے نکل آئے...... عمران نے کہا۔

"شاہ جی ٹھیک وقت پر آئے ہیں...... میں دروازہ کھولتا ہوں"۔

اس نے دروازہ کھولا تو شاہ جی تیزی سے کمرے میں داخل ہو گئے...... ان
ہاتھ میں ایک بڑا لفافہ تھا...... لفافہ انہوں نے چارپائی پر رکھ دیا اور بولے۔

"ذرا وردیاں پہن کر ٹرائی کرو...... میرا خیال ہے تمہارے سائز ہی کی ہیں"۔

عمران نے کرنل کی اور جبران نے کیپٹن کی وردی پہننی شروع کر دی۔



اتفاق سے وردیاں ان کے جسموں پر بالکل فٹ تھیں۔
شاہ جی نے کھڑے ہو کر ان کا جائزہ لیا اور بولے۔

"تمہارے براؤن شوز ٹھیک رہیں گے...... انہیں تبدیل کرنے کی ضرورت
نہیں ہے...... ہر وردی کی جیب میں ایک ایک نوٹ بک اور فوجی بال پوائنٹ اور بٹوے
میں کچھ نقدی موجود ہے"۔

اس کے بعد شاہ جی نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا لفافہ نکال کر کھولا اور اس میں
سے سٹین لیس سٹیل کی ایک چھوٹی نلکی نکال کر عمران کو دی...... عمران نے کرنل ایم
کے تریاٹھی کی وردی پہنی تھی اور جبران نے کیپٹن دیوندر سیٹھی کی وردی پہنی
تھی...... وردی کے کاندھوں پر کرنل اور کیپٹن کے نشان چمک رہے تھے...... شاہ جی
نے سٹیل کی نلکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ انتہائی طاقتور ٹائم بم ہے...... ریموٹ کنٹرول بم اس وقت نہیں مل سکا......
اس کا دورانیہ بٹن دبانے کے بعد پچیس منٹ کا ہے...... بٹن دبانے کے بعد تم دونوں کو
جہاز سے جتنی جلدی ہو سکے اور جتنی دور ہو سکے نکل جانا ہو گا...... جہاز سے نکلنے کے بعد
تم میرے دفتر کی طرف نہیں بلکہ اسی سٹور کی طرف آؤ گے اور پہلا کام یہ کرو گے کہ
وردیاں اتار کر اپنے معمول کے کپڑے پہن لو گے اور وردیاں لفافے میں ڈال کر
لفافے کو یہاں سے شمال کی جانب دلدل میں دبا دو گے...... اگر حالات خراب نہ ہوئے

تو تم اسی کوٹھڑی میں چھپے رہو گے...... اگر صورت حال خطرے والی پیدا ہو گئی تو تم یہاں سے مشرق کی طرف جنگل میں چلے جانا اور وہاں کسی جگہ چھپے رہنا...... میں خود کسی وقت تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا...... اس ٹائم بم کو اپنی جیب میں بڑی حفاظت سے رکھنا...... اب میرے ساتھ آجاؤ"۔

باتیں کرتے اور عمران اور جبران کو ضروری ہدایات دیتے ہوئے کافی وقت گزر گیا تھا اور دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا...... جبران اور عمران دونوں انڈین آرمی کے افسروں کی وردیوں میں ملبوس ہاتھوں میں بید لئے شاہ جی کی جیپ میں بیٹھ گئے اور جیپ اس علاقے سے نکل کر ایک ویران سے راستے پر دوڑنے لگی۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہے تھے دن کی روشنی زیادہ ہوتی جارہی تھی...... پھر سورج طلوع ہو گیا...... شاہ جی عرف چندر کانت انتہائی ہوشیاری کے ساتھ دونوں کو ایک ایسے مقام کی طرف لے جارہے تھے جہاں سے وہ پیدل بھی کامبے کی بندرگاہ پر پہنچ سکتے تھے...... وہ جیپ کو کافی تیز چلارہے تھے...... ایک جگہ پہنچ کر انہوں نے جیپ کچی سڑک کے ایک جانب کھڑی کر دی اور کہنے لگے۔

"یہاں تم اترو گے اور سامنے والی چھوٹی سڑک پر چلنا شروع کرو گے...... یہ راستہ شارٹ کٹ بھی ہے اور بندرگاہ کے سیکورٹی زون میں آتا ہے...... میں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا...... اب جو کچھ کرنا ہے تم دونوں کو ہی کرنا ہے...... میں نے تمہیں سب کچھ سمجھا دیا ہے...... ڈیڑھ دو سو قدم چلنے کے بعد تمہیں اپنی دائیں جانب بندرگاہ کی گودی کا بڑا گیٹ نظر آئے گا...... تم اسی گیٹ میں سے گزر کر گودی تک پہنچو گے جہاں تمہیں سامنے مرچنٹ نیوی کا مال بردار جہاز کھڑا نظر آئے گا...... یہی وہ جہاز ہے جس کو تم نے تباہ کرنا ہے...... ایک بات یاد رکھنا...... اگرچہ تم ایسے تربیت یافتہ محب وطن کمانڈوز کو یاد دہانی کرانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن پھر بھی میں تمہیں کہنا چاہوں گا کہ اگر پانسہ الٹا پڑ گیا اور تم پکڑے گئے تو تمہاری زبان سے میرا یا دلی والے

اپنے مجاہد حاجی صاحب کا نام نہیں نکلنا چاہئے۔

عمران بولا۔

"آپ خاطر جمع رکھیں...... ہم موت کو ہنسی خوشی سینے سے لگالیں گے لیکن ہماری زبان پر آپ کا یا دلی والے حاجی صاحب کا نام نہیں آئے گا"۔

"شاباش" شاہ جی نے کہا...... "جاتے ہی اکھڑ فوجی افسروں کی طرح رعب دار لہجے میں انگریزی بولنی شروع کر دینا اور ان کے سیکورٹی کے نظام پر بھی سخت تنقید کرنا اور جتنی جلدی ہو سکے جہاز کی نچلی منزل میں جا کر ایمونیشن کا معائنہ شروع کر دینا اور موقع نکال کر ٹائم بم کسی مناسب جگہ پر چپکا دینا...... خدا حافظ!"

شاہ جی نے بڑی تیزی سے جیپ کو واپس موڑا اور فل ریس دے کر جیپ کو اڑاتے ہوئے لے گئے۔

سڑک پر جبران اور عمران اکیلے تھے...... عمران نے کہا۔

"کیپٹن سیٹھی!"

جبران نے سلیوٹ کرتے ہوئے کہا۔

"یس کرنل ترپاٹھی"۔

عمران نے گونج دار آواز میں کہا۔

"ایڈوانس"۔

اور دونوں فوجی وردیوں میں تیز تیز چل پڑے...... جیسا کہ شاہ جی عرف چندر کانت نے کہا تھا...... ڈیڑھ دو سو قدم چلنے کے بعد دائیں جانب انہیں کامبے بندرگاہ کا گیٹ دکھائی دیا...... جیسے ہی وہ گیٹ کی طرف مڑے...... ایک طرف درختوں کے پیچھے سے دو سویلین لباس والے آدمی نکل کر سامنے آگئے...... یہ دونوں انٹیلی جنس کے آدمی تھے...... دونوں فوجی افسروں کو دیکھ کر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر سویلین طریقے سے سلیوٹ کیا...... عمران نے تیز آواز میں کہا۔

"تم سویلین ادھر کیا کرتا پھرتا ہے...... تمہیں معلوم نہیں یہ سیکورٹی زون ہے؟"۔

دونوں میں سے ایک انٹیلی جنس والے نے کہا۔

"سر! ہمارا تعلق انٹیلی جنس سے ہی ہے...... آپ کو دیکھ کر صرف اپنی ڈیوٹی پوری کرنے آئے ہیں...... آپ بے فکر رہیں...... اس طرف کوئی سویلین نہیں آسکتا"۔

"ٹھیک ہے......اپنی ڈیوٹی پوری طرح سے کرو"۔

کم اون کیپٹن سیٹھی۔

اور دونوں فوجی انداز میں چلتے گیٹ کی طرف بڑھے...... گیٹ پر آمنے سامنے مسلح فوجی پہرہ دے رہے تھے......انہوں نے دو فوجی افسروں کو اپنی طرف آتے د تو ایک دم سے اٹن شن ہو گئے اور صرف زور سے ایڑیاں بجا کر تعظیم بجالائے، کیو فوجی جب ڈیوٹی دے رہا ہو تو اسے سلیوٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی......وہ ص ایڑیاں بجا کر تعظیم بجالاتا ہے...... عمران نے رعب دار آواز میں فوجیوں سے پوچھا

"جوان!سب ٹھیک ہے؟"۔

دونوں سپاہیوں نے بیک زبان کہا۔

"سب ٹھیک ہے صاب!"۔

عمران یعنی کرنل تریاٹھی نے ایک سپاہی کو حکم دیا۔

"جہاز کے کپتان کو جا کر رپورٹ کرو کہ انبالہ چھاؤنی سے کرنل تریاٹھی او سیٹھی سات آرٹلری رجمنٹ جہاز کے معائنے کو آیا ہے......ڈبل سے"۔

سپاہی ٹیک مارچ کرتا جہاز کی طرف بڑھا جو سامنے گودی کے ساتھ لگا ہوا بہت بڑا جہاز تھا...... ایک طرف ریمپ لگا تھا جہاں سے گودی کے قلی کچھ سا رہے تھے اور کچھ سامان جہاز پر چڑھا رہے تھے...... جہاز کے عملے کے دو آد

وردیوں میں ملبوس عرشے کے جنگلے پر جھک کر کھڑے نیچے دیکھ رہے تھے...... دو فوجی افسروں کو جہاز کی طرف آتا دیکھ کر وہ جلدی سے سیدھے ہو کر کھڑے ہو گئے...... جہاز کے درمیان میں گولڈن ریلنگ والی سیڑھی لگی تھی...... فوجی جوان جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھ کر جہاز کی تیسری منزل والے عرشے پر چلا گیا...... جبران نے آہستہ سے کہا۔

"اوپر ایک دو فوجی افسر ضرور ہوں گے"۔

"اب جو ہوگا دیکھا جائے گا"۔

عمران یہ کہہ کر جہاز کی سیڑھیوں کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور بید کو بڑی شان سے آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ پر بجاتے ہوئے اوپر دیکھنے لگا......دوسرے لمحے ایک بھاری بھرکم آدمی کپتان کی سفید وردی پہنے سر پر کیپٹن کی ٹوپی جمائے فوجی جوان کے ساتھ نمودار ہوا...... اس نے زینے کے پاس دو فوجی افسروں کو دیکھا تو جلدی سے اپنے آپ کو سنبھالتا نیچے اترا اور عمران اور جبران کو سلیوٹ کر کے بولا۔

"سر!"

عمران نے بارعب آواز میں انگریزی میں کہا۔

"میں کرنل ایم کے تریاٹھی ہوں...... سات آرٹلری رجمنٹ اور یہ کیپٹن دیوندر سیٹھی ہے"۔

کیا جہاز پر سب ٹھیک ہے؟

جہاز کے کپتان نے دونوں سے باری باری ہاتھ ملاتے ہوئے انگریزی میں کہا۔

"سب ٹھیک ہے سر! اوپر آجائیں پلیز ہمیں کل ہی آپ کے آنے کا ٹیلیکس ملا تھا......میں جہاز کا کیپٹن گومیز ہوں"۔

جو فوجی سپاہی کپتان کو بلا کر لایا تھا اس نے ایڑیاں جوڑ کر سلیوٹ کیا اور گیٹ پر ڈیوٹی دینے چلا گیا...... اس وقت وہ اپنی ڈیوٹی کی جگہ پر نہیں تھا اس لئے اس نے کرنل

اور کیپٹن کو سلیوٹ کیا تھا...... اس دوران جہاز کا کپتان گومیز کرنل تریاٹھی اور کیپٹن دیوندر سیٹھی یعنی عمران اور جبران کو ساتھ لے کر سیڑھیاں چڑھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتا جاتا تھا...... جیسا کہ شاہ جی عرف چندر کانت نے بتایا تھا جہاز کا کپتان گوانی تھا اور اس کا رنگ گہرا سانولا تھا اور توند سفید نیکر میں سے باہر نکلی ہوئی تھی...... وہ بے تکان انگریزی بول رہا تھا۔

وہ عمران اور جبران کو اپنے کپتان کے کیبن میں لے جانے لگا تو عمران نے کہا۔

"پہلے ہم ایمونیشن کا معائنہ کریں گے جس کے لئے ہمیں آرمی ہیڈ کوارٹر کے جنرل سندر جی نے بھیجا ہے"۔

کپتان گومیز نے بڑے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"سر! ایک دو پیگ ہی پی لیجئے...... آپ تھکے ہوئے ہیں"۔

عمران نے تنی ہوئی گردن کے ساتھ تیز لہجے میں کہا۔

"نو کیپٹن! ہم ڈیوٹی پر ڈرنک کو ہاتھ نہیں لگاتے"۔

جہاز کے گوانی کپتان نے فوراً معذرت پیش کر دی۔

"سوری کرنل! سوری"۔

کیپٹن سیٹھی یعنی جبران نے کپتان سے انگریزی میں کہا۔

"ہمیں نچلی منزل میں لے چلو...... جہاں ایمونیشن ہے...... ہمیں ایک گھنٹے کے اندر اندر اس کی چیکنگ کر کے ہیڈ کوارٹر کو رپورٹ بھیجنی ہے"۔

"او کے سر" جہاز کے کپتان نے کہا...... "پلیز میرے ساتھ آیئے"۔

جہاز کے کپتان کو ان دونوں پر کیسے شک پڑ سکتا تھا...... شاہ جی کی رپورٹ کے مطابق کپتان گومیز کو کل ہی ایک فوجی ٹیلکس ملا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ دو اعلیٰ رینک کے افسر جہاز کے معائنے کو آ رہے ہیں...... ان کو ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائی جائے...... شاہ جی کی رپورٹ بالکل صحیح تھی...... عمران اور جبران فل فوجی افسروں کی

وردیوں میں تھے...... کپتان گومیز نچلے ڈیک کی سیڑھیاں اترنے لگا...... عمران نے کپتان گومیز کو رازداری میں لیتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں سوائے سٹاف کے اور کسی کو معلوم تو نہیں ہوا کہ جہاز پر ایمونیشن آیا ہے؟"۔

کپتان گومیز نے عمران کے قریب ہو کر اس سے زیادہ رازداری کے ساتھ کہا۔

"نو سر نو...... اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... ہم نے ایمونیشن کی کسی کو ہوا تک نہیں لگنے دی"۔

اسی وقت عمران نے اپنے دل میں کہا...... اب دیکھنا تھوڑی دیر بعد اس کو کتنی ہوا لگتی ہے...... جبران نے جہاز کی تنگ راہداری میں سے گزرتے ہوئے کپتان کو مخاطب کر کے تلخ لہجے میں کہا۔

"تم لوگوں کا یہاں سیکورٹی کا انتظام بڑا ناقص ہے"۔

کپتان گومیز معذرت خواہ انداز میں بولا۔

"سر! گودی کے چاروں طرف ہماری نیوی کی اور آرمی کی انٹیلی جنس پھیلی ہوئی ہے"۔

کرنل تریاٹھی یعنی عمران نے بلند آواز میں کہا۔

"یہ سب گدھے ہیں انٹیلی جنس والے...... ہمیں راستے میں کسی نے چیک نہیں کیا...... ہم ہائی کمان کو اس کی رپورٹ کرے گا"۔

جہاز کا کپتان کھسیانا ہو کر ٹوپی اتار کر سر کھجانے لگا...... پھر سر پر دوبارہ ٹوپی جمائی اور تیسری منزل کی سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ ایک سٹور روم کی طرف بڑھا جہاں ایک فوجی جوان لائٹ مشین گن ہاتھ میں لئے اٹن شن کھڑا پہرہ دے رہا تھا...... دو فوجی افسروں کو کپتان کے ساتھ آتا دیکھ کر اس نے زور سے اپنی ایڑیاں بجائیں اور زیادہ اٹن شن ہو کر کھڑا ہو گیا...... جہاز کے کپتان نے اپنے کیبن سے چابیوں کا چمکیلا گچھا لے لیا

تھا...... اس میں ایمونیشن سٹور کے تالے کی چابی بھی تھی...... عمران کو اس بات کا پوری شدت سے احساس تھا کہ وہ شیر کے ہلاکت خیز نوکیلے دانتوں والے جبڑے کے اندر چل پھر رہا ہے...... یہاں کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا اور ان کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا اور وہ پکڑے جا سکتے تھے...... انبالہ چھاؤنی میرٹھ یا دلی کی ہائی کمان سے اس قسم کا ٹیلیکس بھی آسکتا تھا کہ ایمونیشن کی چیکنگ کرنے والے فوجی افسر آج نہیں پہنچیں گے...... وہ کل جہاز پر پہنچ جائیں گے...... یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اصلی فوجی افسر اچانک پہنچ جائیں...... اس لئے شاہ جی نے دونوں کو سخت تاکید کی تھی کہ ہر کام تیزی سے کرنا ایک سیکنڈ بھی ضائع نہ کرنا اور ایک گھنٹے کے اندر اندر جب لوہا گرم ہو تو اس پر چوٹ لگا دینا اور ایمونیشن سٹور میں بم پلانٹ کر کے فوراً وہاں سے نکلنے کی کوشش کرنا۔ عمران ایسا ہی کر رہا تھا...... جیسے ہی ایمونیشن سٹور یا گودام کا دروازہ کھلا کرنل ترپاٹھی یعنی عمران نے کپتان گومیز سے کہا۔

"اپنا ایمونیشن ہماری رپورٹ کے مطابق جہاز کی دو منزلوں میں رکھا گیا ہے"۔

جہاز کا کپتان فوراً بولا۔

"سر! اس کے اوپر بھی ایک منزل میں ایمونیشن سٹور کیا ہوا ہے...... اس کے بعد آپ اوپر گودام کی چیکنگ کیجئے گا"۔

"او کے...... تم یہاں باہر ہی ٹھہرو...... ہم کسی سویلین کو ایمونیشن سٹور میں جانے کی اجازت نہیں دے سکتے"۔

عمران نے جہاز کے کپتان کو باہر رکنے کا آرڈر دیا...... کپتان نے بڑی برخورداری سے کہا۔

"او کے سر! نو پرابلم سر!"۔

اس کے بعد عمران نے اس فوجی جوان کو جو پہرہ دے رہا تھا فوجی انداز میں دیا۔

"تم جوان ادھر اٹین شن ہو کر کھڑا رہے گا...... کسی کو اندر نہیں آنے دے گا"۔

"یس سر!" فوجی جوان نے ایڑیاں بجا کر کہا۔

عمران نے جبران کو ساتھ لیا اور گودام میں داخل ہو گیا...... باہر پہرہ دیتے فوجی جوان نے دروازہ آہستہ سے بند کر دیا...... گودام میں بجلی کے دو بلب جل رہے تھے...... ان کی روشنی میں عمران اور جبران نے دیکھا کہ سارا گودام مختلف قسم کے فوجی اسلحہ اور میزائلوں اور بموں اور ہینڈ گرنیڈوں اور گولہ بارود کے ڈرموں سے بھرا ہوا تھا...... انہوں نے چل پھر کر یونہی ان چیزوں کی چیکنگ شروع کر دی۔

اس دوران میں عمران نے اپنی فوجی بش شرٹ کی جیب میں سے انتہائی طاقتور سٹین لیس سٹیل کی نلکی والا ٹائم بم نکال کر ہاتھ میں چھپا لیا تھا...... ایک جگہ دستی بموں اور میزائلوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے...... جبران نے ان کی طرف اشارہ کیا...... عمران نے ہینڈ گرنیڈوں کے ڈھیر کے اندر بڑے آرام سے بم رکھ دیا...... اس نے اس کا بٹن نہیں دبایا تھا...... وہ اتنی جلدی باہر نہیں نکلنا چاہتے تھے...... کچھ نہیں تو چیکنگ کے بہانے انہیں وہاں دس منٹ ضرور لگانے چاہئیں تھے...... عمران چاہتا تھا کہ یہ دس منٹ گزرنے کے بعد وہ ٹائم بم کا بٹن دبائے...... تاکہ انہیں جہاز سے نکلنے اور جہاز سے زیادہ سے زیادہ دور ہونے کے لئے مزید دس منٹ مل جائیں...... جبران نے آہستہ سے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اب نکل جانا چاہئے...... ہمارا یہاں زیادہ دیر ٹھہرے رہنا ہمیں کسی مصیبت میں پھنسا سکتا ہے"۔

عمران نے دھیمی آواز میں کہا۔

"صرف پانچ منٹ اور ٹھہریں گے"۔

یہ پانچ منٹ انہوں نے گودام میں اسلحہ اور گولہ بارود کے ذخیروں کے درمیان گھوم پھر کر گزار دیئے...... عمران نے جبران سے کہا۔

"اوپر والے گودام میں کچھ لگانے کی ضرورت نہیں ہے...... نیچے والا گودام اوپر والے گودام کو بھی اڑا دے گا......اب نکل چلو"۔

وہ فوجی انداز میں تیز تیز چلتے سٹور سے باہر آگئے...... باہر آتے ہی عمران نے کپتان گومیز سے کہا۔

"او کے کیپٹن...... ہر شے ٹھیک حالت میں ہے"۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ باہر نکلتے وقت عمران نے دستی بموں کے ڈھیر میں چھپائے ہوئے ٹائم بم کا ننھا سا نقطہ دبا دیا تھا......اور ٹائم بم کے اندر لگا ہوا چھوٹا سا کلاک چل پڑا تھا...... ٹھیک پچیس منٹ کے بعد بم نے پھٹ کر جہاز کو دھماکے سے اڑا دینا تھا......کپتان گومیز نے کہا۔

"سر! اب اوپر والے سٹور کی بھی چیکنگ کرلیں"۔

عمران نے کپتان کی طرف مسکرا کر دیکھا اور انگریزی میں کہا۔

"ویل کیپٹن گومیز! ہمیں تم پر پورا بھروسہ ہے...... تم بہت ڈیوٹی فل آفیسر ہے......اب اوپر والے سٹور کو چیک کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... ہم ابھی جاکر ہائی کمانڈ کو رپورٹ بھجوا دے گا......اب ہم جائے گا"۔

اس خیال سے کہ جہاز پر کسی کو شک نہ پڑے وہ زیادہ تیز بھی واپس نہیں جا سکتے تھے...... بس جس رفتار سے آئے تھے اسی رفتار سے چلتے ہوئے وہ درمیانے عرشے کے زینے کے پاس آگئے...... عمران اور جبران نے ٹائم بم کا بٹن دبانے کے ساتھ ہی اپنی اپنی گھڑیوں کو چیک کر لیا تھا اور اب ایک ایک منٹ کا حساب کر رہے تھے......ان کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا...... پھر بھی وہ زیادہ تیزی دکھا کر جہاز کے کپتان کو خواہ مخواہ شک میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے...... جہاز کا کپتان انہیں گودی کے گیٹ تک چھوڑنے آیا...... گیٹ کے باہر اس نے کوئی فوجی جیپ وغیرہ نہ دیکھی تو عمران سے کہا۔

"سر! آپ کی گاڑی اگر ابھی تک نہیں آئی تو میں اپنی گاڑی منگوا دیتا ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"سیکورٹی ریزنز کی وجہ سے ہم اس طرف آرمی کی گاڑی دن کے وقت نہیں لانا چاہتے تھے......ہاں آپ اپنی گاڑی بھجوا دیں"۔

کپتان کی چھوٹی ماروتی گاڑی گودی پر ہی ایک طرف کھڑی تھی......اس نے پیچھے مڑ کر کچھ فاصلے پر کھڑے سفید وردی والے پیٹی آفیسر کو اشارہ کیا...... اس نے فوراً گاڑی بھجوا دی...... عمران نے اور جبران نے جہاز کے کپتان سے ہاتھ ملایا اور گاڑی میں بیٹھ گئے...... گاڑی فوراً چل پڑی...... عمران نے ڈرائیور سے کہا۔

"جوان گاڑی تیز چلاؤ ہمیں جلدی ہیڈ کوارٹر پہنچنا ہے"۔

مرچنٹ نیوی کے وردی پوش ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی...... عمران نے ڈرائیور کی طرف دیکھ کر سوچا قدرت اس ڈرائیور پر مہربان ہو گئی ہے جو اسے جہنم میں سے نکال کر لے آئی تھی...... وہاں تھوڑی دیر بعد جہنم کے شعلے بلند ہونے والے تھے......اب یہ نیوی کے اس ڈرائیور کی قسمت تھی کہ یہ ابھی دس بارہ منٹ تک گودی پر واپس نہ جائے...... عمران ڈرائیور کو زیادہ دیر تک اپنے ساتھ بھی نہیں رکھ سکتا تھا، کیونکہ کچھ دیر بعد گودی میں قیامت خیز دھماکے ہونے والے تھے......وہ گودی سے زیادہ سے زیادہ دور ہوتے جا رہے تھے...... آخر ایک جگہ پہنچ کر عمران نے ڈرائیور سے کہا۔

"جوان گاڑی روکو......ہم ادھر اترے گا"۔

ڈرائیور نے سڑک کے ایک طرف اتار کر گاڑی روک دی...... عمران اور جبران اتر گئے...... انہوں نے اپنی اپنی گھڑی پر وقت دیکھا...... بم کے پھٹنے اور اس کے بعد سارے جہاز کے پھٹنے میں صرف سات منٹ رہ گئے تھے......نیوی کے ڈرائیور نے کہا۔

"سر! میں جاؤں یا ادھر آپ کا انتظار کروں"۔

عمران کے دل میں ایک خیال آیا......اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔

جوان! تمہارا نام کیا ہے؟

اس نے بڑے ادب سے کہا۔

"سر! میرا نام غلام قادر ہے...... میں اڑی ضلع جموں کا رہنے والا ہوں"۔

عمران نے اس کو ایک بوگس یعنی فرضی ٹیلی فون نمبر کاغذ پر لکھ کر دیا اور حکم دینے کے انداز میں کہا۔

"غلام قادر! ادھر سے تم واپس گودی پر نہیں جائے گا...... تم ادھر سے سیدھا شہر کے بڑے ڈاک خانے میں جائے گا...... وہاں سے اس نمبر پر فون کرے گا...... ادھر سے کیپٹن تیواڑی بولے گا تم اسے بتائے گا کہ کرنل صاحب نے جہاز کا معائنہ کر لیا ہے اور ہیڈ کوارٹر واپس آ رہا ہے...... اگر نمبر انگیج ملا تو اس وقت تک تم فون کرتا رہے گا جب تک دوسری طرف سے کیپٹن تیواڑی نہیں بولے گا...... یہ آرڈر ہے...... او کے؟"۔

"او کے سر!"۔

ڈرائیور نے فرضی ٹیلی فون نمبر والا کاغذ جیب میں رکھ لیا اور سلیوٹ کر کے گاڑی کو جہاز کی گودی کی طرف لے جانے کی بجائے شہر کو جانے والی سڑک پر ڈال دیا۔

جبران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عمران! میں سمجھ گیا ہوں کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے"۔

عمران بولا۔

"میں نہیں چاہتا تھا کہ جہاز کے ساتھ اس مسلمان ڈرائیور کے بھی پرخچے اڑیں...... وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے...... ہمیں اب دوسری طرف سے ہو کر سمندر کے دلدلی علاقے کی طرف جانا ہو گا...... یہاں زیادہ دیر رہنا درست نہیں"۔

دونوں بندرگاہ کی مخالف سمت کو چل پڑے۔

چلتے چلتے وہ تھوڑی دیر بعد گھڑیوں پر نگاہ ڈال لیتے تھے...... جب پچیس منٹ گزرنے میں صرف دو منٹ باقی رہ گئے تو عمران بولا۔

"اس چٹان کے پیچھے آ جاؤ...... اگر ٹائم بم نے دھوکا نہ دیا تو دو منٹ بعد وہ پھٹ جائے گا"۔

سمندر کا شمال مشرقی دلدلی علاقہ شروع ہو چکا تھا...... یہاں کہیں کہیں چٹانیں زمین سے باہر نکلی ہوئی تھیں...... وہ ایک چٹان کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گئے...... دونوں کے دلوں کی دھڑکن معمول سے زیادہ تیز ہو گئی تھی...... بم پھٹنے میں صرف پندرہ سیکنڈ رہ گئے تھے...... عمران سیکنڈ گننے لگا...... پندرہ سیکنڈ پورے ہو گئے مگر کوئی دھماکہ نہ ہوا...... پھر اچانک زمین ہلنے لگی...... جبران بولا۔

"زلزلہ آ رہا ہے"۔

یہ جملہ ابھی جبران کے منہ میں ہی تھا کہ ایک ایسا دھماکہ ہوا کہ جیسے دس بارہ آتش فشاں پہاڑ ایک ساتھ پھٹ پڑے ہوں...... اس کے بعد دوسرا دھماکہ ہوا...... یہ پہلے دھماکے سے زیادہ دہشت ناک اور قیامت خیز تھا...... زمین کو جھٹکے لگ رہے تھے...... دونوں زمین پر اوندھے لیٹ گئے تھے...... ان کے اوپر سے پھٹتے بموں اور میزائلوں اور جہاز کے ٹکڑے چیختے شور مچاتے گزر رہے تھے...... بندرگاہ کی طرف آسمان آگ اور دھوئیں میں سرخ اور سیاہ ہو رہا تھا...... عمران نے کہا۔

"یہ دوسرا دھماکہ جہاز کی اوپر والی منزل کے ایمونیشن کا تھا"۔

جبران نے منہ میں رومال ٹھونس لیا تھا...... زمین تھوڑی تھوڑی دیر بعد ایسے لرز رہی تھی جیسے قریب ہی بمبار طیارے مسلسل بم گرا رہے ہوں...... چھوٹے بڑے دھماکے ہو رہے تھے...... عمران نے کہا۔

"اٹھو اور یہاں سے نکل چلو"۔

دونوں اٹھے اور انہوں نے بندرگاہ سے ہٹ کر شمال کی طرف چلنا شروع کر دیا...... جبران بولا۔

"ہمیں شاہ جی کے گودام کی طرف جانا چاہئے تھا...... وہ جگہ بندرگاہ سے کافی

فاصلے پر ہے اور محفوظ بھی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"ہم ادھر ہی جا رہے ہیں لیکن ہم ایک لمبا چکر کاٹ کر جائیں گے...... یہ سارا راستہ میری نظروں میں ہے"۔

دھماکوں کی شدت کم ہو گئی تھی...... بندرگاہ کی سمت آسمان آگ کے شعلوں میں سرخ ہو رہا تھا...... جبران کہنے لگا۔

"شاہ جی نے بڑا کارگر بم ہمیں دیا تھا...... ہم نے بڑی جلدی ٹارگٹ مار لیا ہے...... مجھے اس کی امید نہیں تھی"۔

عمران بولا۔

"اگر جہاز کے کپتان کو انبالہ چھاؤنی سے ٹیلیکس نہ ملا ہوتا تو معاملہ دوسرا ہوتا...... پھر اتنی آسانی سے اور اتنی جلدی ہم اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے"۔

جبران نے کہا۔

"شاہ جی نے کہا تھا کہ ہم اپنی وردیاں دلدل میں دبا دیں گے مگر ہمارے پاس دوسرے کپڑے نہیں ہیں...... وردیاں دلدل میں دبا دیں تو کیا ہم شاہ جی کے گودام تک ننگے جائیں گے"۔

عمران بولا۔

"اس وقت ایسا نہ تو مجھے خیال آیا اور نہ شاہ جی نے کہا کہ دوسرے کپڑے ساتھ لے جانا اور انہیں کسی جگہ چھپا دینا"۔

"پھر اب کیا کریں؟" جبران نے پوچھا۔

عمران بولا۔

"اب گودام میں جا کر ہی دوسرے کپڑے پہن سکتے ہیں"۔

"چوکیدار ہمیں فوجی وردی میں دیکھ کر کیا سوچے گا؟"۔

جبران کے اس خدشے کے اظہار پر عمران نے کہا۔

"بوڑھا چوکیدار شاہ جی کے بھروسے کا آدمی ہے...... مسلمان ہے اور ایک مدت سے شاہ جی کی خدمت کر رہا ہے...... ہو سکتا ہے اسے تمام حالات کا علم ہو...... علم نہ بھی ہو جب بھی وہ کسی کے آگے زبان نہیں کھولے گا"۔

ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ شاہ جی عرف چندر کانت کے گودام میں پہنچے تو چوکیدار وہاں پر موجود نہیں تھا...... چابی وہ ایک جگہ چھپا کر رکھ دیتے تھے...... عمران نے خفیہ جگہ سے چابی نکال کر کوٹھڑی نما کمرے کا تالا کھولا اور کمرے میں آتے ہی عمران نے کہا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے...... تو نے ہمیں سرخرو کیا"۔

جلدی جلدی انہوں نے انڈین آرمی کی وردیاں اتار کر اپنے کپڑے پہنے اور وردیوں کو ایک پلاسٹک کے لفافے میں ٹھونس کر لفافہ ایک طرف رکھ دیا...... جبران نے کہا۔

"اسے ابھی لے جا کر دلدلی علاقے میں دبا آتے ہیں"۔

عمران بولا۔

"اس وقت باہر جانا مناسب نہیں...... یہ کام رات کے اندھیرے میں کریں گے"۔

کچھ دیر بعد بوڑھا چوکیدار آ گیا...... اس نے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھا تو آکر کہنے لگا۔

"صاب! میں آج بھنڈیاں پکا رہا ہوں...... آپ کو بھنڈیاں پسند ہیں؟ اگر نہیں تو کچھ اور پکا لیتا ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"بابا! تم جو پکاؤ گے ہم کھا لیں گے"۔

بوڑھا چوکیدار چلا گیا...... اس نے بالکل نہ پوچھا کہ آپ صبح کہاں چلے گئے

تھے...... سارا دن عمران اور جبران نے کمرے میں بیٹھے باتیں کرتے گزار دیا...... دوپہر گزر گئی...... شام آ گئی...... پھر رات پڑ گئی...... اب انہیں شاہ جی کا انتظار تھا...... وہ جانتے تھے کہ شاہ جی کو بھی جہاز کی تباہی کا علم ہو گیا ہو گا...... عمران نے کہا۔

"یہ تو اب شاہ جی کی زبانی معلوم ہو گا کہ جہاز کتنا تباہ ہوا ہے"۔

رات کو تھوڑا بہت کھانا کھا کر وہ لیٹ گئے...... دونوں میں سے کسی کو بھی نیند نہیں آ رہی تھی...... وہ شاہ جی سے اپنے مشن کی کامیابی کا نتیجہ معلوم کرنا چاہتے تھے...... جب رات کے پونے بارہ بجے تو انہیں باہر جیپ کے آنے اور باہر ایک طرف رکنے کی آواز آئی...... دونوں بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئے۔

جبران بولا۔

"شاہ جی آ گئے ہیں؟"۔

تھوڑی دیر میں شاہ جی بھی آ گئے...... بہت خوش تھے...... آتے ہی انہوں نے عمران اور جبران کو گلے لگا لیا اور بولے۔

"تمہیں بہت بہت مبارک ہو کہ اللہ نے تمہیں کامیاب کیا"۔

عمران نے کہا۔

"شاہ جی! یہ کامیابی آپ کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں تھی"۔

شاہ جی عمران کے پاس چارپائی پر بیٹھ گئے...... کہنے لگے۔

"بندرگاہ پر اس قدر تباہی ہوئی ہے کہ گودی پوری کی پوری اڑ گئی ہے...... اپنے آدمیوں نے بتایا ہے کہ جہاز کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا...... اس کے ٹکڑے اڑ کر بہاؤنگر کے بازاروں میں گرے ہیں اور کئی لوگ زخمی ہوئے ہیں"۔

مجھے یقین تھا کہ تم اس مشن میں کامیاب ہو گے اور اپنی ڈیوٹی پوری ذمے داری سے نبھاؤ گے...... اب تمہیں ایک اور ذمے داری سونپی گئی ہے۔

جبران اور عمران شاہ جی کو تکنے لگے...... عمران نے پوچھا۔

"یہ ذمے داری کس کی طرف سے سونپی جا رہی ہے؟"۔

شاہ جی بولے۔

"یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہندوؤں نے پاکستان کے وجود کو دل سے کبھی تسلیم نہیں کیا اور انڈیا کی ہر حکومت کی یہ اولین پالیسی رہی ہے کہ پاکستان کے وجود کو کسی نہ کسی طرح ختم کیا جائے...... اس ناپاک ارادے کو عملی شکل دینے کے واسطے بھارت کی ہر حکومت دوسرے ملکوں خاص طور پر روس سے اسلحہ کے ڈھیر جمع کرتی رہی ہے...... بھارت اپنی خفیہ تنظیم "را" (Raw) کی مدد سے نہ صرف پاکستان میں دہشت گردی کروا رہا ہے اور مختلف صوبوں میں جھوٹا پراپیگنڈہ کر کے انہیں پاکستان کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی ناپاک کوششیں جاری رکھے ہوئے ہے بلکہ بھارت نے روس کے ساتھ فوجی معاہدہ بھی کر رکھا ہے جس کی رو سے بھارت کو روس زبردست جنگی امداد دے رہا ہے...... یہ سارا جنگی ساز و سامان اور گولہ بارود انڈیا صرف پاکستان کے خلاف جنگ کی صورت میں استعمال کرنے کے لئے ذخیرہ کر رہا ہے...... اب بھارت کو ایٹمی قوت بھی حاصل ہو گئی ہے اور وہ روس کے سائنس دانوں کی مدد سے میزائلوں اور ٹینک شکن راکٹوں اور توپوں کے گولوں کے آگے چھوٹے چھوٹے ایٹمی وار ہیڈ بھی لگا رہا ہے۔ جنگ کی صورت میں وہ یہی کہے گا کہ ہم ایک دوسرے کے خلاف ایٹم بم استعمال نہیں کریں گے اور وہ اس ڈر سے واقعی ایٹم بم استعمال نہیں کرے گا کہ اگر اس نے ایٹم بم پاکستان کے کسی شہر پر گرایا تو پاکستان بھی اس کے بمبئی، مدراس اور دلی ایسے بڑے شہروں پر ایٹم بم گرانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ یہی پیکٹ کرے گا کہ ہم روایتی اسلحے سے جنگ لڑیں گے لیکن اس کے میزائلوں، ٹینک شکن راکٹوں اور توپوں کے گولوں کے آگے نیوکلیر وار ہیڈ لگے ہوئے ہوں گے۔ یہ جب پھٹیں گے تو ان کا دائرہ اثر ایٹم بم کی طرح وسیع نہیں ہو گا نہ اس میں سے اتنی زیادہ تابکاری خارج ہو گی، لیکن اس سے اتنی زبردست حرارت پیدا ہو گی کہ ٹینک پگھل جائیں گے اور مورچے زمین میں دھنس

جائیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"اگر بھارت نے جنگ کی صورت میں ایسا کیا تو پاکستان خاموش تماشائی نہیں ب رہے گا۔ وہ بھی نیوکلر وار ہیڈ استعمال کر کے اینٹ کا جواب پتھر سے دے گا"۔

شاہ جی نے کہا۔

"لیکن بھارت پہل کر چکا ہوگا اور جنگ میں جو پہل کرتا ہے وہ بہت سے جنگی مفا حاصل کر لیتا ہے۔ خیر یہ تو ضمنی باتیں تھیں۔ اب میں اصل موضوع پر آتا ہوں۔۔۔ بات یہ ہے کہ آج شام کو مجھے پاکستان کے خفیہ ذرائع سے ایک پیغام موصول ہوا ہے تمہارے نام ہے"۔

عمران اور جبران ایک دم خاموش ہو گئے۔۔۔۔۔ شاہ جی بولے۔

"تمہاری ڈیوٹی لگائی گئی ہے کہ بھارت کی جنگی قوت اور اس کے پاکستان ک خلاف جمع کیے گئے آرمی، نیوی اور ایئر فورس کے اسلحہ کی پوری رپورٹ مہیا کرو اس مہم میں میں جس قدر تمہاری مدد کر سکتا ہوں کروں گا۔

جبران بولا۔

"لیکن یہ تو انتہائی ٹاپ سیکرٹ دستاویزات ہوں گی"۔

"ضرور ہوں گی" شاہ جی بولے۔ "یہ ٹاپ سیکرٹ دستاویزات کی نقل یا اس درج بھارت کی آرمی، نیوی اور ایئر فورس کی پوری قوت کے مندرجات معلوم کر ہوں گے۔۔۔۔۔ یہ کام تم دلی جا کر حاجی صاحب کے تعاون سے ہی سرانجام دے سکو گے

عمران نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ میں تیار ہوں۔۔۔۔۔ آپ دلی میں حاجی صاحب کو ب کر دیں۔۔۔۔۔ نہیں تو میں خود وہاں پہنچ کر انہیں اس مشن کے بارے میں بتا دوں گا"

شاہ جی نے کہا۔

"تم کیا سمجھتے ہو ہم یونہی غافل ہو کر یہاں بیٹھے ہوئے ہیں؟ برخوردار! ہم دشمن ے مورچوں کے عین سامنے بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔ ہمیں دشمن کی ایک ایک نقل و حرکت کی لحہ خبر رکھنی پڑتی ہے۔۔۔۔۔ پاکستان سے جس ذرائع سے ہمیں یہ خفیہ پیغام ملا ہے، انہی رائع نے دلی میں حاجی صاحب کو بھی اطلاع دے دی ہے۔۔۔۔۔ انہیں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اس سلسلے میں کمانڈو عمران آپ سے رابطہ کرے گا۔۔۔۔۔ چنانچہ تمہیں پہلی رصت میں دلی پہنچ کر حاجی صاحب کو رپورٹ کرنی ہوگی"۔

یہاں اس بات کی وضاحت میں ضروری سمجھتا ہوں کہ دلی میں ہم اپنے جس دمی کو حاجی صاحب کے نام سے پکارتے ہیں ان کا یہ نام بالکل فرضی ہے اور دلی میں ن کے ہوٹل کا نام بھی نگینہ ہوٹل نہیں ہے۔۔۔۔۔ ہمارے اصل آدمی کا نام بھی کچھ اور ہے اور وہ دلی میں کسی دوسری جگہ پر رہ رہا ہے جس کو ہم ظاہر نہیں کر سکتے۔۔۔۔۔ صرف ب الوطنی کی یہ داستان حریت بیان کرنے اور پاکستان کی نئی نسل کو ہندو کے پاکستان ثمن ناپاک عزائم سے روشناس کروانے اور موت کے منہ میں بیٹھ کر اپنے جانباز انڈو وطن کے استحکام اور وقار کی خاطر جو قربانیاں دے رہے ہیں ان کو اجاگر کرنے ے لئے اپنے تمام آدمیوں کے نام اور مقام فرضی لکھے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ نام مقام ضرور ضی ہیں، لیکن جرات و بہادری کی یہ داستان سچی ہے۔

جبران بولا۔

"میں بھی عمران کے ساتھ اس جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں"۔

شاہ جی نے کہا۔

"اوپر سے صرف کمانڈو عمران کا نام دیا گیا ہے۔۔۔۔۔ جب تمہاری باری آئے گی س وقت تمہیں بھی جہاد میں شریک ہونے کا موقع مل جائے گا۔۔۔۔۔ اس دوران تم ے پاس ہی رہو گے"۔

شاہ جی کی نظر کونے میں رکھے پلاسٹک کے بڑے لفافے پر پڑ گئی جس میں عمران

نے بھارتی فوجی وردیاں ٹھونس رکھی تھیں...... شاہ جی نے پوچھا۔

"اس تھیلے میں کیا ہے؟"۔

جب جبران نے بتایا کہ یہ کرنل اور بھارتی کپتان کی فوجی وردیاں ہیں تو شاہ جی دونوں کو ڈانٹتے ہوئے بولے۔

"یہ کیا حماقت کی تم لوگوں نے؟ اتنا بڑا ثبوت تم نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے...... اس کو دلدل میں دبایا کیوں نہیں؟"۔

عمران بولا۔

"میں کوئی وضاحت نہیں کروں گا...... بس غلطی ہو گئی ہے...... میں آپ کے جانے کے بعد اسے دلدل میں دبا آؤں گا"۔

شاہ جی نے کہا۔

"یاد رکھو...... میں نے تو تمہیں معاف کر دیا ہے لیکن آئندہ تم لوگوں سے ا غلطی ہوئی تو پھر غلطی ہمیں معاف نہیں کرے گی...... لاؤ یہ تھیلا مجھے دے دو...... خود اسے ضائع کر دوں گا...... اس وقت تمہارا باہر نکلنا ٹھیک نہیں ہے"۔

شاہ جی نے بھارتی فوجی وردیوں والا پلاسٹک کا بڑا لفافہ اپنے پاس رکھ لیا اور بو

"میں جاتا ہوں...... کل رات کو کسی وقت آؤں گا اور تمہارے نئے مشن بارے ضروری کچھ ہدایات دوں گا"۔

شاہ جی تھیلا اٹھا کر کمرے سے نکل گئے...... عمران اور جبران اندر بیٹھے رہے باہر جیپ سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی...... پھر یہ آواز دور ہوتے ہوتے را خاموشی میں گم ہو گئی۔

دوسری رات وہ آئے تو ان کے پاس عمران کے لئے دلی تک کا ریلوے تھا...... انہوں نے ٹکٹ کے ساتھ عمران کو کچھ روپے بھی دیئے جو سفر خرچ کیلئے تھے...... عمران کے لئے نئی پتلون قمیض اور گرم جیکٹ بھی تھی، کہنے لگے۔

"دلی میں سردی ہو گی...... یہ تمہارے والی جیکٹ وہاں نہیں چلے گی...... تم یہیں سیدھا بہاؤ نگر ریلوے سٹیشن کی طرف نکل جانا...... تمہیں صبح منہ اندھیرے کی ی پکڑنی ہو گی۔ چھ بجے صبح تک تمہیں ریلوے سٹیشن پہنچ جانا ہو گا...... اپنے پاس ہ اور کمانڈو چاقو رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دلی میں اگر ضرورت پڑی تو حاجی حب تمہیں سب کچھ مہیا کر دیں گے...... جبران میرے پاس ہی رہے گا"۔

جبران کہنے لگا۔

"میں بھی اس کمانڈو مشن میں شامل ہونا چاہتا تھا مگر اوپر سے میرے لئے آرڈر ں آئے...... شاید اس لئے کہ میں عمران سے جونیئر ہوں اور ابھی مجھے بہت کچھ منا ہے"۔

عمران بولا۔

"ہو سکتا ہے ایسی ہی بات ہو لیکن ہمیں اوپر کا حکم تسلیم کرنا ہو گا...... خدا نے چاہا تمہارے لئے اور بہت سے موقعے آ جائیں گے"۔

شاہ جی نے عمران کو ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

"اسلحہ کا جہاز تباہ ہونے کے بعد سارے علاقے میں سیکورٹی سخت کر دی گئی ہ...... تمہیں ہوشیار رہ کر اور آنکھیں کھلی رکھ کر یہ سفر طے کرنا ہو گا...... باقی تم خود نتے ہو کہ ان حالات میں تمہیں کیا کیا احتیاط کرنی ہو گی۔ تمہارے دلی پہنچنے کی مجھے پنے خفیہ ذرائع سے اطلاع مل جائے گی۔ باقی اگر کوئی ضروری بات ہوئی تو حاجی احب خود تمہیں بتا دیں گے"۔

شاہ جی رات کے اندھیرے میں خاموشی سے واپس چلے گئے۔ عمران اور جبران دیر آپس میں باتیں کرتے رہے...... پھر وہ سو گیا...... اس نے اپنے دل میں کہا کہ ے ٹھیک پانچ بجے جگا دینا اور جب اس کی آنکھ کھلی اور اس نے ٹائم دیکھا تو ٹھیک پانچ بج ہے تھے...... یہ بات عمران نے ہمیشہ نوٹ کی تھی کہ جب بھی رات کو اس نے اپنے

دل میں کہا کہ بھائی مجھے اتنے بجے جگادینا تو ٹھیک اتنے ہی بجے اس کی آنکھ کھل جا
تھی...... شاید یہ اس کی چھٹی حس کا کرشمہ تھا...... اس نے جبران کو بھی جگادیا......
جلدی جلدی شیو بنائی، منہ ہاتھ دھویا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔

پو پھٹ رہی تھی...... آسمان پر دن کا اجالا پھیل رہا تھا۔ ایک جگہ پر اسے خالی رک
مل گیا اور وہ ریلوے سٹیشن پہنچ گیا۔ ٹکٹ اس کے پاس تھا...... وہ سیدھا اس پلیٹ فار
پر آگیا جہاں سے احمد آباد والی گاڑی روانہ ہونے والی تھی۔ گاڑی آدھ گھنٹے بعد آ
لگی...... پہلے ہی سے وہ مسافروں سے بھری ہوئی تھی۔ عمران بھی ایک ڈبے میں گھ
کر بیٹھ گیا...... ٹرین چل پڑی...... احمد آباد پہنچ کر وہ دلی جانے والی گاڑی میں بیٹھ گیا......
سارا دن گاڑی چلتی رہی، شام ہو گئی...... پھر رات ہو گئی...... کافی رات گئے ٹرین د
پہنچی...... سٹیشن سے جامع مسجد کے چوک میں حاجی صاحب کے ہوٹل میں جانے
بجائے وہ سیدھا رکشا پکڑ کر حاجی صاحب کے پلاٹ والے کمرے میں آگیا۔ چوکیدا
جگا کر دروازہ کھلوایا، چابی لے کر اپنے پاس رکھ لی اور سو گیا۔

دوسرے روز اس نے چوکیدار ہی کے ذریعے حاجی صاحب کو اپنی آمد کی
پہنچادی...... حاجی صاحب دوپہر کے وقت پہنچ گئے، کہنے لگے۔

"خلیج کامبے والے بھارتی اسلحہ والے جہاز کی تباہی کی خبر ہمیں مل گئی تھی۔
اخباروں نے اسے مختصر کر کے چھاپا تھا، کیونکہ اس میں انڈین انٹیلی جنس کی بے عز
پہلو نکلتا تھا، لیکن اصل بات کبھی نہیں چھپتی...... یہاں ہر شخص کی زبان پر یہی ت
پاکستان نے ہمارے اسلحہ گولہ بارود سے بھرے ہوئے جہاز کو تباہ کر دیا ہے اور جہا
آگ دو دن تک نہیں بجھائی جا سکی...... لیکن اب تم کو جو مشن سونپا گیا ہے وہ اس
زیادہ اہم، پیچیدہ اور مشکل ہے"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے اس مشن کی اہمیت کا احساس ہے"۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"بھارت کا روس کے ساتھ خفیہ گٹھ جوڑ ہو چکا ہے...... روس شروع ہی سے
ستان کا دشمن رہا ہے...... صرف اس لئے کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور روس
ے دین ملک ہے...... بھارت کے ساتھ روس کے تعلقات اس رابطے سے اچھے رہے
ں کہ بھارت بھی بے دین بت پرستوں کا ملک ہے اور اسلام کا دشمن ہے۔ روس نے
194ء سے لے کر آج تک بھارت کی فوجی مدد کی ہے اور اسے بے پناہ اسلحہ دیتا رہا
ہے اور دے رہا ہے، بلکہ بھارت نے ایٹمی صلاحیت بھی روس کی ہی مدد سے حاصل کی
ہے اور اسی کے تعاون سے ایٹم بم تیار کیا ہے اور ایٹمی وار ہیڈ والے اگنی میزائل تیار کئے
یں اور کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ بھارت نے امریکہ سے بھی اسے چین کا ہوا دکھا کر
بے پناہ اسلحہ بٹورا ہے اور اپنے گولہ بارود کے ذخیرے اسلحہ اور ہر قسم کے مہلک
ہتھیاروں سے بھر لئے ہیں...... 1965ء کی جنگ میں ایک طرح سے بھارت کو
کستان سے ذلت آمیز شکست ہوئی تھی...... یہ بھارت کی جنگی ہائی کمان کو اچھی طرح
ے معلوم ہو چکا تھا اور غیر ملکی اخباروں نے بھی یہی لکھا تھا کہ بھارت اتنی بڑی فوجی
طاقت ہونے اور تین ڈویژن فوج سے لاہور پر حملہ کرنے کے باوجود لاہور کی ایک
ڑک پر بھی قبضہ نہیں کر سکا بلکہ الٹا اسے کھیم کرن پاکستان کو دینا پڑا تھا۔ ایٹمی طاقت
بننے کے بعد بھارت کی جنگی حکمت عملی بالکل تبدیل ہو گئی ہے۔ اس نے روس کی مدد
ے ایسے میزائل بنا لئے ہیں کہ جن کے آگے نیوکلر وار ہیڈ لگے ہوئے ہیں۔ ہمیں
فیہ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بھارت چھ ایٹم بم تیار کر چکا ہے اور روس کی مدد سے
اب اس کے سائنس دان ہائیڈروجن بم پر کام کر رہے ہیں...... یہ ساری تیاری صرف
پاکستان کے خلاف جاری ہے...... بھارت چاہتا ہے کہ اس دفعہ اپنی پوری طاقت اور
جنگی سازوسامان کی برتری اور لاکھوں کی نفری کے ساتھ پاکستان پر بھرپور حملہ کر کے
ایک ہی حملے میں اس پر قبضہ کر لیا جائے...... پاکستان کی ملٹری انٹیلی جنس کے پاس

بھارت کی جنگی تیاریوں کی ایک ایک منٹ کی رپورٹ موجود ہے، لیکن ہمارے ذریعے پاکستان کو بھارت کی آرمی، نیوی اور ایئر فورس کی پوری جنگی طاقت اور ایٹمی اسلحہ کی مکمل رپورٹ چاہئے...... جو ہمیں حاصل کر کے اسے پہنچانی ہو گی۔ یہ کام صرف ہم ہی کر سکتے ہیں کیونکہ ہم دشمن یعنی بھارت کے پیٹ کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں“۔

عمران نے کہا۔

”مجھے شاہ جی نے بھی یہی بتایا تھا، لیکن اس دستاویز کے حصول کی کیا صورت ہو سکتی ہے“۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

”ہمارے آدمی جمیل مہدی نے مجھے بتایا ہے کہ یہ دستاویزات اور جنگی طاقت اسلحہ کی تعداد اور ایٹمی ہتھیاروں کی اصل تعداد والی فہرست صرف نئی دلی کے وار آفس یعنی محکمہ جنگ کے پاس ہی ہیں...... اس محکمے کے چیف ایگزیکٹو اور وزیر دفاع اور پرائم منسٹر یعنی پردھان منتری کے سوا اور کسی کو اس کی صحیح معلومات نہیں ہیں اور ب بھی کسی کو معلوم نہیں کہ یہ دستاویزات حکومت نے کس جگہ پر رکھی ہوئی ہیں...... ایک ایسا سیکرٹ ہے، ایک ایسا راز ہے جو کسی حد تک محکمہ دفاع کی جانب سے بھارت کے وزیر اعظم سے بھی پوشیدہ رکھا گیا ہے، کیونکہ وزیر اعظم بدلتے رہتے ہیں“۔

عمران کہنے لگا۔

”تو پھر ہم ان جنگی دستاویزات تک کیسے پہنچ سکتے ہیں اور ہماری حکومت بھارت کی خفیہ جنگی تیاریوں کی شدت اور نوعیت کا کیسے پتہ چل سکے گا؟“۔

حاجی صاحب بولے۔

”اتنی جلدی مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے بھائی...... آخر ہم یہاں کس۔ بیٹھے ہیں؟ انشاء اللہ ہم پاکستان کو بھارت کی جنگی تیاریوں اور اس کے مہلک ہتھیار اور جنگی ساز و سامان کی مکمل رپورٹ مہیا کریں گے تاکہ دشمن بے خبری میں کوئی وار

رسکے“۔

عمران نے پوچھا۔

”کیا آپ کے حلقہ اثر میں کوئی ایسا آدمی ہے جن کی پہنچ بھارت کے محکمہ دفاع تک ہو؟“۔

حاجی صاحب بولے۔

”ہمارے حلقہ اثر میں ہر قسم کے لوگ ہیں اور یہ سب کے سب مسلمان ہیں...... پاکستان اور اسلام کی خاطر اپنی جان بھی قربان کرنے کو تیار ہیں اور ان میں چند ایک ایسے بھی ہیں جن کی پہنچ بھارت کے انتہائی خفیہ محکموں تک ہے...... انہی ذرائع میں سے کسی کو کام میں لایا جائے گا...... فی الحال مجھے دو ایک دن کی مہلت دو...... انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا...... ایک اور ضروری بات تم سے کرنی ہے...... پچھلی دفعہ بھی تم اسی جگہ آ کر ٹھہرے تھے...... میں چاہتا ہوں کہ تم اس دفعہ جگہ تبدیل کر لو“۔

”آپ جہاں کہتے ہیں میں چلا جاتا ہوں“ عمران نے کہا۔

حاجی صاحب بولے۔

”میں تمہارے لئے ایک محفوظ جگہ کا سوچ کا آیا ہوں...... چاندنی چوک میں اپنا ایک آدمی رام پرشاد کے نام سے ایک ہوٹل چلاتا ہے...... وہ پندرہ سال پہلے بمبئی سے دلی آیا تھا...... یہاں اس نے ایک درمیانے درجے کا ہوٹل خریدا اور اسے اب تک چلا رہا ہے...... وہ مسلمان ہے اور پندرہ سال پہلے راجستھان کی سرحد عبور کر کے بھارت میں داخل ہوا تھا...... بمبئی میں وہ رام پرشاد کے نام سے کانگریس کے ایک دفتر میں بطور کلرک ملازم ہو گیا...... یہاں دو سال تک کام کرتا رہا اور کانگریسی حکومت کے اہم راز وطن بھیجتا رہا...... پھر اوپر کے حکم سے وہ دلی چلا آیا اور یہاں چاندنی چوک میں ہوٹل چلانے لگا...... وہ پندرہ برس سے یہ ہوٹل چلا رہا ہے...... اس نے اپنے آپ کو کٹر کانگریسی اور متعصب ہندو اور پاکستان اور مسلمانوں کا دشمن مشہور کر رکھا ہے۔ میں نے

اپنے خفیہ ذرائع سے اس سے تمہاری بابت بات کرلی ہے۔

تم اس کے پاس چلے جاؤ اور اس کے ہوٹل میں ٹھہرو۔

واضح رہے کہ اپنے جس آدمی کا نام میں نے بقول حاجی صاحب کے رام پرشاد لکھا ہے اور اس کے ہوٹل کا محل وقوع چاندنی چوک بتایا ہے...... یہ نام اور جگہ سب فرضی ہے...... اپنا یہ آدمی نہ تو چاندنی چوک میں رہتا ہے اور نہ اس کا ہندو نام رام پرشاد ہے...... یہ سب میں نے اپنی طرف سے فرضی نام رکھے ہیں...... حقیقت یہ ہے کہ یہ آدمی دلی میں ہی ہے مگر کسی دوسری جگہ پر رہ رہا ہے...... اس طرح کے انٹیلی جنس کے آدمی دونوں ملکوں میں بیٹھ کر اپنے اپنے ملک کے لئے جاسوسی کرتے ہیں...... یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے...... یہ ہر ملک اپنے ہمسایہ اور خاص طور پر اپنے دشمن ملک کے ساتھ کرتا ہے...... میں نے اپنے آدمی کا نام اور اس کی رہائش کا علاقہ اس لئے نہیں بتایا کہ یہ کتاب بھارت میں بھی پڑھی جائے گی اور بھارت کی انٹیلی جنس اس آدمی کو گرفتار کر سکتی ہے...... فرضی نام اور فرضی محل وقوع بتانے سے اپنا آدمی پولیس کی زد سے محفوظ ہو جائے گا...... پولیس اور بھارت کی انٹیلی جنس لاکھ تلاش کرتی پھرے وہ اپنے آدمی کی گردن تک نہیں پہنچ سکے گی...... چنانچہ اسی روز شام کو عمران رام پرشاد کے ہوٹل میں پہنچ گیا۔ اسے اس کی آمد کی خبر حاجی صاحب نے کر دی تھی اور اس کی ایک فوٹو بھی اس کے پاس پہنچا دی گئی تھی...... رام پرشاد (جس کا اسلامی نام میں یہاں نہیں لکھوں گا) کو جا کر عمران نے پرنام کیا تو اس نے عمران کو گھور کر دیکھا اور اسے پہچان گیا...... اس وقت اس کے پاس ایک سکھ اور ایک ہندو لالہ بیٹھا تھا جس کے ماتھے پر تلک لگا تھا...... تلک رام پرشاد نے بھی ماتھے پر لگا رکھا تھا اور اس کا لباس کھدر کا تھا...... جب اس نے عمران کو پہچان لیا کہ یہی وہ آدمی ہے جسے حاجی صاحب نے بھیجا ہے تو بڑے تپاک سے ملا...... کہنے لگا۔

تمہارا نام موہن داس ہے نا؟"۔

عمران بولا۔

"جی ہاں مہاراج!"۔

یہ بات عمران کو حاجی صاحب نے بھی بتا دی تھی کہ تم وہاں ہندو بن کر جاؤ گے اور رام پرشاد نے بھی عمران کا ہندوانہ نام بول کر اسے خبردار کر دیا تھا کہ یہاں ہندو بن کر رہنا ہوگا...... رام پرشاد بولا۔

"تمہیں امرتسر کے لالہ جگل پرشاد نے بھیجا ہے؟"۔

"جی ہاں مہاراج! لالہ جی میرے چچا جی ہوتے ہیں"۔

رام پرشاد کہنے لگا۔

"حساب کتاب لکھ لیتے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"جی میں دس جماعتیں پاس ہوں"۔

رام پرشاد بولا۔

"یہ اچھی بات ہے...... یہاں ہوٹل میں زیادہ کام نہیں ہے...... کاؤنٹر پر بیٹھ کر بل بنانے ہوں گے اور رات کو بکری کا حساب کھاتے میں درج کرنا ہوگا"۔

عمران نے کہا۔

"آپ جو کہیں گے میں کروں گا"۔

"تو ٹھیک ہے ابھی سے بیٹھ کر کام شروع کرو"۔

عمران کاؤنٹر کے پیچھے رام پرشاد کے پاس ہی بیٹھ گیا اور اسے بل بناتے دیکھنے لگا...... اپنا آدمی جس نے اپنا ہندوانہ نام دلی میں رام پرشاد رکھا ہوا تھا اپنے قریب بیٹھے ہوئے سکھ اور ہندو پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ عمران امرتسر سے آیا ہے اور اس نے اسے آزمائشی مدت کے لئے اپنے ہوٹل میں ملازم رکھ لیا ہے...... رام پرشاد کو معلوم تھا کہ جس ہندو لالے نے تلک لگا رکھا تھا اور جس کا نام بھی تلک چند ہی تھا، اس کا تعلق دلی کی

سی آئی ڈی سے تھا...... میرے بارے میں رام پرشاد کو بخوبی علم تھا کہ عمران پاکستانی کمانڈو ہے اور ایک نہایت اہم مشن پر دلی آیا ہے اور کچھ عرصہ اس کے ہوٹل میں ہی قیام کرے گا، چنانچہ رام پرشاد خاص طور پر سی آئی ڈی والے ہندو کا ذہن صاف کرنا چاہتا تھا کہ عمران کے بارے میں اس کو کوئی شک وشبہ نہ پڑے۔

وہ سی آئی ڈی والے ہندو سے کہہ رہا تھا۔

”یہ لڑکا میرے بڑے پیارے اور دیش بھگت دوست لالہ جگل پرشاد کا بھتیجا ہے...... اس کے پتاجی سورگباش ہوگئے ہیں...... لالہ جی نے مجھے خط لکھ کر کہا تھا کہ میں اس لڑکے موہن داس کو اپنے پاس رکھ کر ہوٹل کا کام وغیرہ سکھادوں امرتسر میں یہ آوارہ نہ ہو جائے۔

سی آئی ڈی والے ہندو کو رام پرشاد مہرہ جی کہہ کر بلاتا تھا...... سی آئی ڈی والے مہرہ نے کہا۔

”پتا کا سایہ اٹھ جائے تو سنتان (اولاد) بگڑ جاتی ہے...... تم اسے اپنے پاس رکھو گے تو اس کی زندگی بن جائے گی“۔

رام پرشاد بولا۔

”مہرہ جی...... میں تو یہی چاہتا ہوں کہ ہندو جاتی کے نوجوان ترقی کریں اور دیش بھگت بنیں...... اپنے دیش بھارت سے محبت کریں اور گاندھی جی کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں“۔

عمران کھاتے میں بل کی رقم درج کرتے ہوئے اپنے آدمی رام پرشاد کے بارے میں سوچنے لگا کہ یہ شخص واقعی بڑا ہوشیار اور زیرک ہے...... پاکستان کو دشمن کے ملک میں کام کرنے کے لئے ایسے ہی چالاک اور ہوشیار لوگوں کی ضرورت ہے...... بہتر یہ ہے کہ ہم اپنے مسلمان پاکستانی جاسوس کا کوئی فرضی اسلامی نام رکھ لیتے ہیں...... رام پرشاد تو اس نے وہاں اپنا ہندوانہ نام رکھا ہوا تھا...... اس کا اسلامی نام یا لقب ہم گل خان

رکھ لیتے ہیں، چنانچہ اب ہم رام پرشاد کو گل خان کہیں گے اور لکھیں گے۔

گل خان عرف رام پرشاد کو ہوٹل کا ایک ملازم چائے کی پیالی دینے آیا تو اس نے ملازم سے کہا۔

”میرا بھتیجا موہن داس امرتسر سے آیا ہے...... اسے اوپر پندرہ نمبر والا کمرہ کھول دو“۔

پھر عمران سے مخاطب ہو کر بولا۔

”موہن داس! اس کے ساتھ اوپر جاؤ اور اپنا کمرہ دیکھ لو...... دن کے وقت تم کاؤنٹر پر کام کرو گے اور رات کے وقت اپنے کمرے میں رہو گے“۔

عمران بولا۔

”ٹھیک ہے لالہ جی!“

اور وہ ہوٹل کے ملازم کے ساتھ اوپر چلا گیا۔

گل خان یعنی رام پرشاد نے عمران کو دوسری منزل کا کونے والا چھوٹا سا کمرہ دیا تھا جس میں ایک چارپائی بچھی تھی اور دو کرسیاں ایک چھوٹی تپائی پڑی تھی...... کارنس پر گاندھی کی تصویر لگی تھی...... عمران کے پاس کوئی سامان وغیرہ تو تھا نہیں...... صرف ایک تھیلا تھا جس میں اس کے کپڑے اور بعض ضروری چیزیں تھیں۔

رات کے دس بجے تک عمران ہوٹل کے کاؤنٹر پر بیٹھا کام کرتا رہا...... اس کے بعد گل خان عرف رام پرشاد نے اسے کہا۔

”موہن داس! کھانا کھا کر اوپر جا کر سو جاؤ...... اب تمہاری چھٹی ہے“۔

عمران نے ہوٹل کے چھوٹے سے ہال کمرے میں ہی بیٹھ کر کھانا کھایا...... جب وہ اوپر جانے لگا تو رام پرشاد یعنی گل خان اس کے قریب سے گزرتے ہوئے آہستہ سے بولا۔

”میں بارہ بجے رات آؤں گا“۔

عمران اپنے کمرے میں آ گیا اور رات کے بارہ بجنے کا انتظار کرنے لگا...... ٹھیک بارہ بجے دروازے پر دستک ہوئی...... عمران نے دروازہ کھولا...... گل خان عرف رام پرشاد جلدی سے اندر آ گیا۔

"دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دو"۔

عمران نے ایسا ہی کیا...... گل خان یعنی رام پرشاد اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"جو دستاویز پاکستان کو اشد ضروری چاہئیں ان کا تعلق بھارت کے محکمہ جنگ سے ہے...... یہ شاہ جی بھی جانتے ہیں کہ اس قسم کے ٹاپ سیکرٹ کاغذات کا علم یا تو پردھان منتری کو ہوتا ہے یا وزیر دفاع یا سیکرٹری دفاع کو معلوم ہوتا ہے...... ان دستاویزات کو بڑی حفاظت اور رازداری سے رکھا جاتا ہے، کیونکہ ان میں ملک کی تینوں مسلح افواج یعنی آرمی، نیوی اور ایئر فورس کی پوری جنگی قوت اور جنگی ساز و سامان کا ذکر ہوتا ہے...... پھر بھی میں اپنے ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ کیا ان دستاویزات کی کوئی فوٹو کاپی بنوائی جا سکتی ہے...... تمہیں معلوم ہونا چاہئے اور شاید شاہ جی نے بھی تمہیں بتایا ہو گا کہ میں یہاں پکا دیش بھگت اور کٹر ہندو اور پاکستان کا دشمن بن کر رہ رہا ہوں...... کانگریس کے علاوہ میں نے بھارت کی پاکستان دشمن اور متعصب ہندو جماعت بھارتی جنتا پارٹی سے بھی اپنے آپ کو جوڑ رکھا ہے...... میرے پاس ایک سکھ سردار جی اور ایک ہندو بیٹھا تھا جس کو میں مہرہ صاحب کہہ کر بلا رہا تھا...... یہ مہرہ بڑا زہریلا ہندو ہے اور دن میں پاکستان کو پاکستان کے مسلمانوں کو چار پانچ گالیاں نہ دے لے اسے چین نہیں آتا...... میں تمہارے ذکر سے اس کے دماغ میں یہ بات ڈالنا چاہتا تھا کہ یہ لڑکا مشکوک نہیں ہے اور اسے تمہارے پیچھے لگنے کی ضرورت نہیں ہے...... تم بھی اپنے رویئے سے یہی ظاہر کرنا کہ تم کٹر اور متعصب ہندو ہو اور پاکستان کے اور مسلمانوں کے دشمن ہو اور بھارت میں رام راج

کے حامی ہو اور پاکستان اور بنگلہ دیش کو ایک بار پھر بھارت ماتا کے ساتھ ملانے کا خواب دیکھ رہے ہو"۔

عمران بڑے غور سے گل خان عرف رام پرشاد کی باتیں سن رہا تھا، کہنے لگا۔

"میں آپ کی ایک ایک ہدایت پر عمل کروں گا...... لیکن بھارت کی تینوں مسلح افواج کی جنگی قوت اور فوجی ساز و سامان کے بارے میں دستاویزات کی فوٹو کاپی کی ہمیں اشد ضرورت ہے۔

"میں ان دستاویزات کی فوٹو کاپی حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کروں گا...... میں بھارتی جنتا پارٹی کے ہفتہ وار سماگم یعنی اجلاس میں ضرور شرکت کرتا ہوں...... جنتا پارٹی کے ممبر اور لیڈر وہاں پاکستان کو ختم کرنے کے منصوبے بناتے ہیں اور پارٹی کا جو صدر ایڈوانی ہے وہ تو پاکستان اور اسلام کا جانی دشمن ہے...... تمہیں شاید معلوم نہ ہو بابری مسجد اس شخص نے اپنی نگرانی میں مسمار کرائی تھی اور اب بھی وہ ہندوؤں کو یہ کہہ کر انتخاب لڑ رہے ہیں کہ حکومت ہمارے پاس آ گئی تو ہم چھ ماہ کے اندر اندر ہندوستان کی ساری مسجدوں کو مندر بنا ڈالیں گے اور ایک سال کے اندر اندر پاکستان اور بنگلہ دیش کو ختم کر کے انہیں دوبارہ بھارت میں شامل کر دیں گے...... اس میٹنگ میں میں بھی پاکستان کے خلاف تقریریں کرتا ہوں لیکن اوپر اوپر سے پاکستان کے خلاف بولتا ہوں...... یہ میری مجبوری ہے...... اس ہفتہ وار خفیہ اجلاس میں جنتا پارٹی کی ایڈوائزری کونسل کے سبھی متعصب ہندو ممبر شریک ہوتے ہیں۔ مجھے پارٹی کے صدر ایڈوانی اور اٹل بہاری باجپائی نے اعزازی ممبر بنا دیا ہے، کیونکہ میں پارٹی کو ہر سال بھاری رقم چندے کے طور پر دیتا ہوں...... اس اجلاس میں ایک دبلا پتلا آدمی ہر ہفتے شریک ہوتا ہے اور ایڈوانی اور باجپائی اس کے ساتھ بڑی راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں...... مجھے پارٹی کے ایک ممبر نے بتایا تھا کہ یہ دبلا پتلا آدمی جس کو باجپائی اور ایڈوانی پتا جی کہہ کر بلاتے ہیں اس کا تعلق محکمہ دفاع سے یا کسی دوسرے انتہائی حساس ادارے

سے ہے۔ میں اس سے تعلقات بڑھانے کی کوشش کروں گا...... یہ شخص گپتا جی ہمارا
مسئلہ حل کر سکتے ہیں...... اب تم سو جاؤ...... صبح دس بجے کاؤنٹر پر آ کر کاؤنٹر پر بیٹھ جانا
اور کل سے ماتھے پر رام نام کا تلک ضرور لگانا اور کاؤنٹر پر جہاں لکشمی دیوی کی تصویر
رکھی ہے وہاں لوبان ضرور لگا دینا...... دوسری ضروری بات یہ ہے کہ کچھ دنوں کے
لئے تم ہوٹل میں ہی رہو گے اور کسی دوسری جگہ نہیں جاؤ گے...... سیر سپاٹا کرنے سے
بھی گریز کرو گے...... اگر چہ میں نے تمہارے بارے میں سی آئی ڈی والے مہرہ جی کا
ذہن کافی صاف کر دیا ہے لیکن وہ کچھ دن تمہاری نگرانی ضرور کرے گا...... اس لئے
اسے کسی قسم کا کوئی ایسا موقع نہ دینا کہ وہ تم پر شک کرنے لگے کہ تم پاکستان کے
جاسوس ہو"۔

عمران بولا۔

میں اپنے کام سے غرض رکھوں گا اور ہوٹل میں ہی زیادہ وقت گزاروں گا۔

عمران نے فیصلہ کر لیا کہ وہ گل خان عرف رام پرشاد کی ہدایات پر پورا عمل
کرے گا...... یہ اس کے مشن کا تقاضا بھی تھا اور عمران نے اپنے آپ کو اس قسم کی
پابندیوں کا عادی بنا لیا تھا، چنانچہ صبح وہ جلدی اٹھا...... نہانے کے بعد نیچے ہوٹل کے
کاؤنٹر پر آ گیا...... ابھی رام پرشاد نہیں آیا تھا...... ہوٹل کے دو ہندو ملازم صفائی وغیرہ
کر رہے تھے...... عمران نے کاؤنٹر پر بیٹھتے ہی اس کا دروازہ کھول کر تلک والی ڈبیا
سے ماتھے پر تلک لگایا اور رام رام کرتے ہوئے لکشمی دیوی کی تصویر کے آگے پیتل
تھالی میں رکھا ہوا لوبان سلگا دیا اور اپنے آپ کو بڑا ذمے دار ملازم ظاہر کرتے ہوئے
رجسٹر کھول کر حساب کتاب چیک کرنے لگا...... اتنے میں رام پرشاد بھی آ گیا...... لکشمی
دیوی کی تصویر کو اس نے پرنام کیا اور جے جے رام سیتا رام، جے جے رام سیتا رام کا
کرتا کاؤنٹر کے پاس بچھی ہوئی آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور نوکروں کو ضروری ہدایات
دینے لگا...... عمران بھی کسی کسی وقت منہ سے جے رام رمیہ کے الفاظ بول لیتا تھا

ہوٹل کے ملازم جب ذرا ادھر ادھر ہو گئے تو گل خان یعنی رام پرشاد نے عمران کی
طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔

"شاباش! تم بالکل درست اداکاری کر رہے ہو...... بس ایسے ہی رہنا"۔

اسی طرح عمران کو ہوٹل میں خاموشی سے اپنا کام کرتے لکشمی دیوی کی تصویر کو
پرنام کرتے اور لوبان سلگاتے ایک ہفتہ گزر گیا...... اس دوران گل خان یعنی رام پرشاد
نے اس سے مطلب کی کوئی بات نہ کی...... سی آئی ڈی والے مہرہ جی اور سکھ سردار جی
شام کو ہوٹل میں آ جاتے اور رام پرشاد ان سے سیاست کی باتیں کرتا اور بڑے اعتماد
سے کہتا کہ اس دفعہ بھارتی جنتا پارٹی بھاری اکثریت سے جیت جائے گی اور اس کی
حکومت بنے گی۔ کبھی کبھی دو تین اور متعصب قسم کے ہندو بھی رام پرشاد کے پاس
آ کر بحث میں شریک ہو جاتے تھے...... عمران نے محسوس کیا تھا کہ ان کا تعلق بھی
بھارتی جنتا پارٹی سے ہے اور وہ کانگریس کی پاکستان کے ساتھ رواداری کی پالیسی کے
سخت خلاف ہیں اور بھارتی جنتا پارٹی کی کٹر اور پاکستان دشمن پالیسی کے حق میں ہیں اور
پاکستان کو پھر سے بھارت میں شامل کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں...... اسی دلی شہر
میں حاجی صاحب بھی ہوٹل چلا رہے تھے مگر عمران اس طرف کبھی نہیں گیا تھا۔ حاجی
صاحب نے بھی اسے اپنی طرف آنے سے سختی سے منع کیا ہوا تھا۔

ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد ایک دن رات کے وقت گل خان عرف رام پرشاد
اس کے کمرے میں آ گیا، کہنے لگا۔

"تم بڑی صحیح پالیسی پر چل رہے ہو...... سی آئی ڈی والے مہرہ جی نے تین چار روز
تمہاری نگرانی کی ہے لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ اب تمہاری طرف سے انتہائی
اطمینان ہو گیا ہے اور اس نے تمہاری طرف توجہ دینی چھوڑ دی ہے...... یہ تمہاری
بہت بڑی فتح ہے...... باقی میں نے گپتا جی سے راہ و رسم کافی بڑھا لی ہے...... میں نے یہ
معلوم کر لیا ہے کہ اس کا تعلق محکمہ دفاع سے نہیں بلکہ محکمہ جنگ یعنی بھارت کے وار

آفس سے ہے...... وہ بہت کم بولتا ہے اور اپنے بارے میں زیادہ بات نہیں کرتا، لیکن میں بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا ہوا ہوں...... مجھے معلوم ہے کہ اس کے منہ سے اپ مطلب کی بات کیسے نکلوانی ہے...... جنتا پارٹی کے اس ہفتے کے اجلاس میں پارٹی کے صدر ایڈوانی نے گپتا جی کو مخاطب کرتے ہوئے ان سے پوچھا تھا کہ اب تو بھارت ایٹ قوت بن گیا ہے...... یہ بتائیں کہ بھارت کے پاس کتنے ایٹم بم ہیں؟ ایڈوانی نے یہ را کی بات گپتا سے اس لئے بے خطر ہو کر پوچھ لی تھی کہ اسے معلوم تھا کہ وہاں اجلاس میں جتنے آدمی بیٹھے ہیں سب کے سب کٹر اور فرقہ پرست، دیش بھگت اور پاکستان کے دشمن ہندو ہیں...... اس کے خیال کے مطابق میں بھی ایک کٹر اور پاکستان دشمن فر پرست ہندو تھا...... دبلے پتلے اور کم بات کرنے والے گپتا جی نے کہا کہ بس یوں لیں کہ بھارت کے پاس اتنے ایٹم بم تیار ہیں کہ جو پاکستان کے ہر بڑے شہر میں گرا جا سکتے ہیں...... اس پر ایڈوانی نے کہا تھا...... بس...... ہم بھی یہی چاہتے ہیں...... پاکستا کو اسی طرح ہم برباد کر کے بھارت میں دوبارہ شامل کر سکتے ہیں...... میں نے ابھی جی سے اپنے مطلب کی بات نہیں کی، لیکن میں نے گپتا سے دوستی کی بنیاد رکھ ہے...... مجھے یقین ہے کہ اس ہفتے میں گپتا جی کو شیشے میں اتار لوں گا۔ مجھے گونگے سے بھی بات کروانے کا گر آتا ہے اور گپتا جی گونگے نہیں ہیں...... بس میں تمہیں بتانے آیا تھا"۔

ان باتوں کو سن کر عمران کو امید پیدا ہو گئی تھی کہ گل خان یعنی رام پرشاد بھ کے تینوں مسلح افواج کی فوجی قوت کے بارے میں صحیح صحیح اعداد و شمار کا ضرور لگا لے گا۔



اس واقعے کو چار پانچ دن ہی گزرے تھے کہ ایک دن شام کے وقت عمران نے ا کہ گل خان یعنی رام پرشاد ایک ٹیکسی سے اترا...... اس کے ساتھ ایک پختہ عمر کا پتلا آدمی بھی تھا جس نے نظر کی عینک لگا رکھی تھی...... کھدر کا کانگریسی کرتا پاجامہ ر کھا تھا...... سر کے بال کہیں کہیں سے سفید ہو رہے تھے...... رام پرشاد اسے ہ لے کر ہوٹل میں آ گیا اور سب سے پہلے اس نے نووارد سے عمران کا تعارف ان ا میں کرایا۔

"گپتا جی! یہ میرا بھتیجا موہن داس ہے۔ اس کے پتا جی کے ماتا پتا اور پریوار کے ے آدمی فسادات میں مسلمانوں نے قتل کر دیئے تھے...... اس کے پتا جی بڑی ا سے جان بچا کر امرتسر پہنچے تھے...... یہ نوجوان موہن داس یعنی میرا بھتیجا ان کا جانی دشمن ہے اور اس دفعہ الیکشن میں میرے ساتھ یہ بھی بھارتی جنتا پارٹی کو ٹ دے گا"۔

دراصل گل خان یعنی رام پرشاد اس تعارف سے عمران کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ یہی ں ہیں جن کا تعلق دلی گورنمنٹ کے محکمہ جنگ سے ہے...... گپتا جی نے عمران سے ملایا...... عمران نے انہیں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا...... انہوں نے عمران سے کوئی بات اور رام پرشاد انہیں لے کر اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا...... عمران دیر تک کاؤنٹر پر ے کام میں مصروف رہا...... گاہکوں کے بل بناتا...... باہر سے آئے ہوئے ٹیلی فون

وصول کرتا...... بل پیش کرتا...... اتنے میں رام پرشاد کا اپنے کمرے سے انٹرکام پر فون آیا...... کہنے لگا۔

"سٹور کی الماری میں سے بلیک لیبل وسکی کی بوتل نکال کر اوپر دے جاؤ"۔

عمران سمجھ گیا کہ رام پرشاد جان بوجھ کر گپتاجی کو شراب پلا رہا ہے تا کہ جو باتیں گپتا جی ہوش مندی میں نہیں کہہ رہے وہ شراب کے نشے میں اگل دیں، کیونکہ جب آدمی پر شراب کا نشہ چڑھتا ہے تو اسے برے بھلے کی تمیز نہیں رہتی، بعد میں پتہ چلا کہ شراب اور خاص طور پر سکاچ وسکی اور وہ بھی بلیک لیبل سکاچ وسکی گپتاجی کی کمزوری تھی...... ہر کسی کے ساتھ بیٹھ کر شراب نہیں پیتے تھے، لیکن اگر ان کے سامنے بلیک لیبل سکاچ وسکی آجاتی تھی تو پھر بے تاب ہو جاتے تھے اور بھول جاتے تھے کہ وہ کس کے پاس بیٹھے ہیں اور انہیں کون شراب پلا رہا ہے...... اسی لئے کہا جاتا ہے شراب خانہ خراب ہوتی ہے۔ اور اس نے بادشاہوں کو ذلیل کیا ہے اور لاکھوں ہنستے بستے گھر اجاڑے ہیں۔

عمران نے سٹور میں جا کر الماری میں سے بلیک لیبل کی سکاچ کی بوتل نکال اخبار میں لپیٹی اور اوپر گل خان عرف رام پرشاد کے کمرے میں لے گیا...... اس دیکھا کہ گل خان یعنی رام پرشاد اور گپتاجی آمنے سامنے بیٹھے تھے...... درمیان چھوٹی میز پر بلیک لیبل سکاچ وسکی کا ایک کوارٹر جس میں چار پیگ ہوتے ہیں خالی ہے...... دونوں کے گلاسوں میں شراب پڑی ہوئی ہے...... رام پرشاد کا گلاس تقریباً بھرا ہوا ہے اور گپتاجی کا گلاس تقریباً خالی ہو چکا ہے...... اس سے صاف ظاہر تھا کہ پرشاد خود محض ساتھ دینے کے لئے پی رہا ہے...... اصل میں وہ گپتاجی کو پلا رہا ہے اس نے سکاچ کی بوتل اخبار میں سے نکال کر میز پر رکھ دی...... گپتاجی نے بلیک کی پوری بوتل دیکھی تو ان کی باچھیں کھل گئیں...... بوتل کو اٹھا کر چوم لیا اور بو

"رام پرشاد جی! جے ہند!"۔

گپتاجی کو نشہ چڑھنا شروع ہو گیا تھا...... رام پرشاد نے بھی کہا۔

"جے ہند گپتاجی...... یہ آپ کی بھینٹ ہے...... اس میں سے بے شک تھوڑی پی لیں...... میرے پاس بلیک لیبل کی ایک اور بوتل ہے"۔

گپتاجی کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا...... انگریزی میں کہا۔

"رام پرشاد جی! مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے...... ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا؟"۔

گل خان عرف رام پرشاد نے بوتل کھول کر گپتاجی کے گلاس میں وسکی ڈالی...... تھالی میں سے برف کے ٹکڑے نکال کر ڈالے اور تھوڑا سا سوڈا ڈالتے ہوئے کہا۔

"گپتاجی آپ پاکستان پر حملہ کرنے کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے"۔

"ہاں...... ہاں...... یاد آ گیا" گپتاجی نے اونچی آواز میں کہا۔

رام پرشاد نے مجھے قریب ہی بیٹھ جانے کا اشارہ کیا...... میں رام پرشاد سے ذرا پیچھے ہٹ کر کرسی پر بڑے ادب سے بیٹھ گیا...... گپتاجی نے گلاس منہ کے ساتھ لگا کر آدھے سے زیادہ گلاس چڑھا لیا اور بڑی جوشیلی آواز میں بولے۔

"میں نے ایڈوانی جی اور باجپائی جی کو کہہ دیا ہے کہ سیکرٹری دفاع، مشیر دفاع اور بھارت کے صدر کی باتوں پر نہ جائیں...... اس بار آپ کی پارٹی الیکشن جیت جائے گی اور پردھان منتری بننے کے بعد موقع ملتے ہی پاکستان پر پوری قوت سے حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیں...... ایک دم سے بارہ ڈویژن فوج، دو ہزار ٹینکوں اور سات آٹھ سو بمبار طیاروں اور آرٹلری ڈویژنوں کی توپوں کی پوری بیڑی سے جب آپ پاکستان پر حملہ کریں گے تو ایک ہی ہلے میں آپ لاہور میں داخل ہو جائیں گے...... ایک دفعہ لاہور ہاتھ آ گیا تو پھر سمجھیں کہ سارے پاکستان پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا...... بھارت کی تاریخ میں آپ کے نام سنہری حروف میں لکھے جائیں گے کہ کانگریس کے ایک پٹھو لیڈر نہرو نے بھارت ماتا کے ٹکڑے کئے تھے اور جنتا پارٹی کے وزیراعظم نے بھارت کو پھر سے پورا بھارت بنا دیا...... اس کے بعد آپ بنگلہ دیش اور نیپال پر ہلہ بول دیں اور ان دونوں ملکوں کو بھی بھارت میں شامل کر لیں جو پہلے بھارت کا حصہ تھے۔

گل خان یعنی رام پرشاد نے کہا۔

"لیکن گپتا جی آپ شاید بھول گئے ہیں کہ پاکستان ایٹمی طاقت بن چکا ہے...... اس کے پاس ایٹم بم ضرور ہوں گے...... ایسی صورت میں آپ کیا کہیں گے...... پاکستان تو ایٹم بم چلادے گا اور ہمارے شہروں دلی، بمبئی اور مدراس کو راکھ کے ڈھیر بنادے گا"۔

گپتا جی بولے۔

"اگر پاکستان کے پاس ایٹم بم ہے تو ہمارے پاس بھی ایٹم بم موجود ہیں...... ہمارے پاس ایٹمی وار ہیڈ والے اگنی میزائل ہیں جو آٹھ ہزار سے لے کر دس ہزار میل کی دوری تک مار کر سکتے ہیں"۔

رام پرشاد نے اعتراض کیا۔

"لیکن گپتا جی پاکستان کے پاس بھی ایسے میزائل ہیں جو ایٹم بم کو مدراس تک لے جاسکتے ہیں اور اسے تباہ کر سکتے ہیں"۔

گپتا جی نے کہا۔

"میں نہیں مانتا کہ پاکستان کے پاس کوئی ایسا ایٹمی وار ہیڈ والا میزائل ہے جو مدراس تک وار کر سکتا ہو...... رام پرشاد جی! پاکستان کے پاس لے دے کے تین بڑے شہر ہیں...... ایک اسلام آباد، لاہور اور ایک کراچی...... ہم ایک ہی ایٹمی حملے میں ان تینوں شہروں پر ایٹم بم گرا کر سارے پاکستان کو تباہ کر سکتے ہیں، جبکہ بھارت بہت بڑا ملک ہے...... اگر پاکستان دلی اور بمبئی میں ایٹم بم گرا بھی دیتا ہے تو باقی سارا ہندوستان محفوظ رہتا ہے اور یہ یاد رکھیں کہ کوئی بھی ملک دوسری بار ایٹمی حملہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہتا...... پہلے ہی حملے میں جس قدر ایٹمی حملہ کسی ملک نے کرنا ہوتا ہے کر دیتا ہے اور اس کے جواب میں اگر دوسرے ملک کے پاس بھی ایٹم بم موجود ہوں گے تو سارے کے سارے اس ملک پر جوابی حملے میں گرا دے گا...... میں نے تو اٹل بہاری باجپائی جی سے کہہ دیا ہے کہ آپ ہندوستان کے کمزور اور بزدل لیڈروں والا کردار

نہ کریں...... اگر آپ چاہتے ہیں کہ بھارت کی تاریخ میں آپ کا نام زندہ رہے تو ایک ہی وقت میں اسلام آباد، کہوٹہ، لاہور اور کراچی پر ایٹم بم گرا کر انہیں راکھ کا ڈھیر بنادیں...... اس کے بعد پاکستان اس قابل نہیں رہے گا کہ آپ پر ایٹم بم گرا سکے...... اگر اس نے مرتے مرتے دلی اور بمبئی پر ایٹم بم گرا بھی دیا تو زیادہ سے زیادہ دونوں شہروں میں بارہ چودہ لاکھ آدمی مریں گے...... اتنی قربانی دے کر اگر سارا پاکستان بھارت کو ملتا ہے...... سارا بنگلہ دیش بھارت کو مل جاتا ہے تو یہ مہنگا سودا نہیں ہے...... بارہ چودہ لاکھ لوگوں کو آج نہیں تو کل مرنا ہی ہے۔

رام پرشاد نے گپتا جی کو واپس پٹڑی پر لاتے ہوئے کہا۔

"لیکن میرا نہیں خیال کہ جنتا پارٹی کے لیڈر ایسا خطرناک قدم اٹھائیں گے...... میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں ایٹم بم نہ گرانے کا معاہدہ کر لینا چاہئے پاکستان سے اور روایتی ہتھیاروں کے ساتھ پاکستان پر لاکھوں کی نفری والی فوج اور ہزاروں ٹینکوں اور ہزاروں کی تعداد میں ہر قسم کے طیاروں سے پاکستان پر حملہ کر دینا چاہئے...... ہم اس طرح بھی پاکستان پر قبضہ کر سکتے ہیں...... اگر ہم نے ایٹم بم استعمال نہ کیا تو پاکستان بھی نہیں کرے گا"۔

گپتا جی کے گلاس کو رام پرشاد نے ایک بار پھر بھر دیا...... گپتا جی کافی سرور میں تھے...... ہاتھ کے اشارے سے رام پرشاد کو اپنے گلاس میں مزید شراب ڈالنے سے منع کیا اور شراب کے دو تین گھونٹ نگلنے کے بعد کہا۔

"ہمارے پاس پاکستان کے مقابلے میں چار گنا زیادہ فوج ہے...... دس گناہ زیادہ ٹینک، ہوائی جہاز اور ہر قسم کی جنگی توپیں ہیں...... اگر ہم پوری نفری، پوری طاقت کے ساتھ پاکستان پر حملہ کر دیں تو پہلے ہی ہلے میں پاکستان پر قبضہ کر سکتے ہیں"۔

اب رام پرشاد نے اپنے مطلب کی بات کی، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ نہ پاکستان بھارت پر ایٹم بم گرائے گا اور نہ بھارت پاکستان پر ایٹم بم گرانے کی حماقت کرے گا......

اگر دونوں ملکوں میں جنگ ہوئی تو روایتی ہتھیاروں کے ساتھ ہی ہو گی اور رام پرشاد گپتا جی سے یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس وقت بھارت کی تینوں فوجوں کی کتنی فوجی طاقت ہے اور ان کے پاس روس اور امریکہ کا دیا ہوا کتنا سامان جنگ ہے...... رام پرشاد نے کہا۔

"مگر گپتا جی یہی مشکل بات ہے کہ پاکستان کے پاس چین کا دیا ہوا بے پناہ جنگی سازوسامان موجود ہے، جبکہ ہمارے بھارت کے پاس فوجی اسلحے اور ہتھیاروں کی ایک مخصوص مقدار ہی ہے"۔

یہاں گپتا جی کے منہ سے وہ بات نکل گئی جس کے لئے رام پرشاد نے یہ سارا ڈرامہ رچایا تھا...... گپتا جی کہنے لگے۔

"رام پرشاد! تم نہیں جانتے...... میں جانتا ہوں...... تم صرف دیش بھگت ہو... میں دیش بھگت بھی ہوں اور منسٹری آف وار افیئرز کا ذمے دار افسر بھی ہوں...... جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے...... ہمارے پاس اس وقت اتنی فوجی طاقت ہے کہ دنیا کا کوئی ملک ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا...... ہم اگر چاہیں تو ایک ہی ہلے میں نیپال، بنگلہ دیش بھوٹان، سکم اور پاکستان پر قبضہ کر سکتے ہیں"۔

رام پرشاد نے گپتا کی زبان سے مزید باتیں نکلوانے کے لئے انہیں تاؤ دلاتے ہوئے کہا۔

"گپتا جی! مجھے تو کبھی کبھی اس خیال سے ڈر آنے لگتا ہے کہ کہیں ہماری بھارتی سرکار ہمیں فوجی برتری کے بارے میں اندھیرے میں تو نہیں رکھ رہی، کیونکہ میں نے سنا ہے کہ پاکستان روایتی ہتھیاروں میں بھی ہم سے دس قدم آگے نکل چکا ہے اور اس نے مسلمان ملکوں خاص طور پر مسلمان عرب ملکوں کی بے پناہ امداد اور چین، انڈونیشیا کے تعاون سے اسلحے اور ہتھیاروں کے انبار جمع کر رکھے ہیں...... میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ پاکستان کے پاس اب بمبار لڑاکا طیارے اور ٹینک بھی ہم سے دگنی تعداد

میں ہیں اور اس کے پاس آبدوزیں بھی ہیں جو بھارت کے پاس نہیں ہیں"۔

گپتا جی جذباتی ہو گئے...... یہی گل خان عرف رام پرشاد چاہتا تھا...... اس نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

"رام پرشاد جی اگر میں آپ کو محکمہ جنگ کی طرف سے خفیہ فائل میں درج کئے ہوئے اپنی تینوں فوجوں کی جنگی طاقت اور ان کے ہر قسم کے اسلحہ اور جہازوں، ٹینکوں اور توپوں کی صحیح تعداد دکھادوں تو کیا پھر آپ مان جائیں گے کہ ہم روایتی ہتھیاروں میں بھی پاکستان سے دس گنا زیادہ طاقت رکھتے ہیں؟"۔

رام پرشاد نے فوراً جواب دیا۔

"پھر میں کیسے انکار کر سکتا ہوں بھلا...... جو آنکڑے (اعداد و شمار) آپ لائیں گے وہ تو سرکاری ہوں گے اور اس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی"۔

گپتا جی بولے۔

"میں وہ سرکاری خفیہ فائل تو نہیں لا سکتا جس پر بھارت کی تینوں فوجوں کے اسلحہ کی پوری تفصیل لکھی ہے، لیکن میں خفیہ فائل سے یہ اعداد و شمار یعنی آنکڑے نوٹ کر کے ضرور لے آؤں گا"۔

رام پرشاد یعنی ہمارے گل خان نے فوراً کہا۔

"اگر آپ مجھے صحیح اعداد و شمار دکھادیں گے تو میری تسلی ہو جائے گی اور میں آپ کو بلیک لیبل سکاچ وسکی کی دو بوتلیں خاص طور پر پیش کروں گا"۔

شراب نے بڑے بڑوں کو زمین پر الٹایا ہے...... گپتا جی بھی اپنی شراب کی کمزوری کے ہاتھوں مار کھا گئے...... بلیک لیبل سکاچ وسکی کافی مہنگی وسکی ہوتی تھی اور بھارت کے بڑے بڑے افسر بھی اسے خریدنے سے گریز کرتے تھے اور ان کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ یہ وسکی انہیں تحفے کے طور پر ہی مل جائے...... گپتا جی نے بلیک لیبل وسکی کی دو بوتلوں کا سنا تو بولے۔

"رام پرشاد...... بس میں کل اسی وقت آؤں گا...... تم بلیک لیبل کی دو بوتلیں منگوا کر رکھنا...... میں سارے فوجی اعداد و شمار نوٹ کر کے لیتا آؤں گا...... تمہیں بتاؤں گا تو تم خوش ہو جاؤ گے"۔

اس کے بعد انہوں نے کھانا کھایا اور رام پرشاد نے بلیک لیبل وسکی بوتل میں جتنی بچ گئی تھی وہ بھی اسے دے دی...... گپتا جی کافی سرور میں تھے...... رام پرشاد خود ٹیکسی میں انہیں ان کے گھر چھوڑ کر آیا...... رام پرشاد نے بمشکل وسکی کا ایک پیگ پیا تھا...... اسے کوئی نشہ وغیرہ نہیں تھا...... رات کو اس نے عمران کے کمرے میں آکر کہا۔

"مجھے امید نہیں تھی کہ میں اتنے بڑے پہلوان گپتا جی کو اتنی جلدی چاروں شانے چت گرا دوں گا"۔

عمران نے کہا۔

"آپ جس حکمت عملی سے کام لے رہے تھے گپتا جی نے تو آپ کے جال میں پھنسنا ہی تھا"۔

گل خان عرف رام پرشاد نے کہا۔

"اس کامیابی میں میری حکمت عملی کا اتنا دخل نہیں جتنا شراب کا دخل ہے...... میں سمجھتا ہوں کہ گپتا جی کو ان کی شراب کی کمزوری نے چاروں شانے چت گرایا ہے...... شراب واقعی خانہ خراب ہوتی ہے...... شراب نے بڑی بڑی سلطنتوں کو خاک میں ملا دیا...... گپتا جی تو کوئی چیز ہی نہیں تھے...... مجھے یقین ہے اگر شراب گپتا جی کی کمزوری نہ ہوتی تو ان سے یہ ٹاپ سیکرٹ راز اگلوانا ناممکن تھا"۔

عمران کہنے لگا۔

"کہیں ایسا تو نہیں ہو گا کہ صبح گپتا جی کا نشہ جب اتر جائے گا تو وہ اپنی زبان سے پھر جائیں؟"

رام پرشاد نے کہا۔

"گپتا جی کی پسندیدہ شراب بلیک لیبل کی دو بوتلیں ان کی آنکھوں کے سامنے آ جائیں گی...... وہ اپنے آپ کو یہ کہہ کر راضی کر لیں گے کہ میں کون سا رام پرشاد کو سیکرٹ فائل کی فوٹو کاپی دے رہا ہوں...... تھوڑے سے اعداد و شمار ہی بتانے ہیں اور پھر رام پرشاد دیش بھگت ہیں...... وہ کوئی دشمن کے جاسوس تو نہیں ہیں...... شراب آدمی کو برے سے برے کام کا جواز مہیا کر دیتی ہے، اسی لئے ہمارے دین اسلام میں شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے...... میں نے صرف مصلحت کی خاطر ایک ہلکا سا پیگ پیا تھا...... ایسا نہ کرتا تو گپتا جی کو شاید آمادہ کرنا مشکل ہوتا...... بہر حال اس ڈرامے کا ڈراپ سین بلکہ کلائمیکس کا سین کل یہیں اسی کمرے میں کھیلا جائے گا"۔

عمران بولا۔

"گپتا جی بھارت کی تینوں افواج کے جنگی ساز و سامان کی جو فہرست نوٹ کر کے لائیں گے وہ ہم کیسے حاصل کریں گے...... گپتا جی تو ہرگز ہمیں اس کی کاپی نہیں کرنے دیں گے...... اگر ہم نے اس خواہش کا اظہار کیا تو ہو سکتا ہے انہیں شک پڑ جائے کہ ہم اعداد و شمار کی فوٹو کاپی کیوں مانگ رہے ہیں؟"۔

رام پرشاد نے کہا۔

"اس کا حل بھی میں نے تلاش کر لیا ہے۔ میرے پاس ایک ماچس کی ڈبیا سے بھی چھوٹے سائز کا بڑا طاقتور ٹیپ ریکارڈر ہے...... یہ ٹیپ ریکارڈر دور کی آوازیں بھی بڑی آسانی سے ریکارڈ کر لیتا ہے...... میں یہ ٹیپ ریکارڈر جہاں گپتا جی کو بٹھانا ہے اس میز کے نیچے لگا دوں گا اور گپتا جی سے کہوں گا کہ وہ اعداد و شمار بول کر مجھے سنا دیں...... بہانہ یہ بناؤں گا کہ میری قریب کی نظر کمزور ہو گئی ہے...... میں پڑھ نہیں سکتا...... یوں جب گپتا جی اسلحہ اور ہتھیاروں کی فہرست پڑھ کر سنائیں گے تو ان کی آواز ٹیپ ریکارڈر پر ٹیپ ہو جائے گی...... بعد میں ہم ٹیپ ریکارڈر سے ان کی آواز کی مدد سے تمام کے تمام اعداد و شمار کاپی پر نوٹ کر لیں گے...... کیا خیال ہے"۔

سکیم اچھی تھی...... بس اس میں یہی ایک قباحت تھی کہ اگر گپتاجی زبانی اعداد و شمار پڑھنے پر راضی نہ ہوئے تو پھر کیا ہو گا...... جب عمران نے رام پرشاد سے اس خدشے کا اظہار کیا تو وہ بولے۔

"تم فکر نہ کرو...... سکاچ وسکی کا ایک پیگ یہ سارا کام آسان کر دے گا"۔

دوسرے دن عمران اور رام پرشاد بے چینی سے شام ہونے کا انتظار کرنے لگے...... بڑی مشکل سے شام ہوئی...... رام پرشاد ہوٹل کے کاؤنٹر کے پاس اپنی آرام کرسی پر بیٹھ گئے...... بار باران کی نظریں بازار کی طرف اٹھ جاتی تھیں...... آخر ایک ٹیکسی ہوٹل کے سامنے آکر کھڑی ہوئی...... رام پرشاد نے دیکھ لیا تھا کہ ٹیکسی میں گپتا جی بیٹھے ہیں...... وہ جلدی سے اٹھ کر گپتاجی کے استقبال کو بڑھے...... گپتاجی نے کھدر کی واسکٹ ہی پہنی ہوئی تھی...... عمران کاؤنٹر پر اپنے کام میں مصروف رہا، لیکن حقیقت میں وہ گپتاجی کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا...... رام پرشاد گپتاجی کو جلدی سے اوپر اپنے کمرے میں لے گئے...... ہوٹل میں زیادہ دیر رکنے سے اس بات کا خدشہ تھا کہ سی آئی ڈی والے مہرہ صاحب وہاں نہ آجائیں...... اس طرح مہرہ صاحب کو شک پڑ سکتا تھا کہ یہ محکمہ جنگ کے گپتاجی ہوٹل میں کیا کرنے آئے ہیں۔

عمران نے رام پرشاد کی دانشمندی اور موقع شناسی کی دل میں تعریف کی...... انہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا...... ٹیپ ریکارڈر رام پرشاد نے اپنے کمرے میں صوفوں کے درمیان والی گول تپائی کے نیچے دوپہر کو ہی سکاچ ٹیپ سے چپکا دیا تھا...... اس کے ایک بٹن کو ذرا دبانا ہی تھا...... اس کے بعد ٹیپ ریکارڈر اون ہو جاتا اور ان کی گفتگو ریکارڈ کرنے لگ جاتا...... اپنے کمرے میں جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی انٹرکوم پر رام پرشاد نے عمران کو ہدایت کی کہ سٹور والی الماری سے بلیک لیبل کی تینوں بوتلیں نکال کر اوپر لے آئے۔

یہ بوتلیں رام پرشاد نے گپتاجی کو ساتھ دینے کے لئے منگوا رکھی تھیں اور ایک بوتل وہاں بیٹھ کر پینے کے لئے تھی...... اس روز عمران کے سامنے رام پرشاد نے دو ایسی گولیاں

پانی کے ساتھ نگل لی تھیں کہ جن کے کھانے سے اگر آدمی شراب کے دو تین پیگ پی لے تو ان کا نشہ نہیں ہوتا تھا...... عمران نے سٹور روم کی الماری میں سے شراب کی تینوں بوتلیں نکال کر انہیں ایک بڑے لفافے میں ڈالا اور اوپر رام پرشاد کے کمرے میں لے گیا...... کمرے میں جا کر دیکھا کہ رام پرشاد نے گپتاجی کو اسی جگہ صوفے پر بٹھایا تھا جس کے سامنے میز کے نیچے ٹیپ ریکارڈر چپکا ہوا تھا...... یقینی طور پر رام پرشاد نے ٹیپ ریکارڈ چلا دیا ہو گا...... عمران کو دیکھ کر رام پرشاد نے کہا۔

"لاؤ موہن جی لاؤ"۔

اس نے ایک بوتل نکال کر میز پر رکھ دی اور باقی دو لفافے میں ہی پڑی رہنے دیں...... لفافہ گپتاجی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"گپتاجی! یہ دو بوتلیں بلیک لیبل کی آپ کو بھینٹ کرتا ہوں...... میں نے اس کا آپ سے وعدہ کیا تھا"۔

گپتاجی نے ابھی وسکی پینی شروع نہیں کی تھی اس لئے وہ زیادہ نہیں بول رہے تھے...... انہوں نے شراب کی بوتلوں والا لفافہ لے کر اپنے قریب ہی رکھ لیا اور بولے۔

"میں نے بھی اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے اور اپنی تینوں افواج کے جنگی سازوسامان کی پوری فہرست نوٹ کر کے لے آیا ہوں...... اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا...... روایتی اسلحہ اور روایتی فوجی جنگی سامان میں بھارت کتنا طاقتور ملک ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے روایتی میدان جنگ میں بھی شکست نہیں دے سکتی...... پاکستان تو ہمارے سامنے کوئی چیز ہی نہیں ہے"۔

اور گپتاجی نے واسکٹ کی اندر والی جیب سے دو تہہ کئے ہوئے کاغذ نکال کر رام پرشاد کی طرف بڑھائے...... رام پرشاد نے دونوں کاغذ لے لئے اور اسے کھول کر آنکھوں کے قریب لا کر پڑھنے کی کوشش کرنے لگا...... یہ سب ایک بہانہ تھا......

عمران رام پرشاد کے پاس ہی بیٹھا ان دونوں کے لئے وسکی کی بوتل کھول کر گلاسوں میں برف کی ڈلیاں رکھ رہا تھا...... رام پرشاد نے ایسے ظاہر کیا جیسے وہ بلب کی روشنی میں ٹھیک طرح سے پڑھ نہیں سکتا...... اس نے کاغذ گپتا جی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"گپتا جی میری قریب کی نظر بہت کمزور ہو گئی ہے"۔

اس دوران عمران نے گپتا جی کا ایک ڈبل پیگ بنا کر ان کے آگے رکھ دیا تھا جس میں سے انہوں نے آدھا گلاس چڑھا لیا تھا...... رام پرشاد کے گلاس میں عمران نے تھوڑی سی شراب ڈال کر باقی گلاس پانی سے بھر دیا تھا...... رام پرشاد نے اسے یہی ہدایت کی تھی...... گپتا جی نے رام پرشاد سے دونوں فل سکیپ کاغذ لیتے ہوئے کہا۔

"رام پرشاد جی" ذرا غور سے سنیں...... آپ کو ابھی پتہ چل جائے گا کہ بھارت کی تینوں فوجوں کی قوت کس قدر زبردست ہے"۔

اور گپتا جی نے کاغذ پر لکھے ہوئے مندرجات پڑھنے شروع کر دیئے...... کہنے لگے۔

"سب سے پہلے بھارتی فوج کی نفری کی طاقت بتاتا ہوں...... ذرا سنیں۔

بکتر بند ڈویژن	سات	7 ڈویژن
مشینی ڈویژن	پانچ	5 ڈویژن
ٹیکنیکل مشینی ڈویژن	چھ	6 ڈویژن
پہاڑی ڈویژن	چودہ	14 ڈویژن
انفنٹری ڈویژن	بیس	20 ڈویژن
بکتر بند بریگیڈیئر	سات	7 ڈویژن
چھاتہ بردار بریگیڈیئر	پانچ	5 ڈویژن
پیدل بریگیڈیئر جن میں دو پہاڑی بریگیڈیئر بھی شامل ہیں۔	دس	10 ڈویژن

ی ڈیپلائے فورس...... کور ہیڈ کواٹرز

نگ فورس...... میرٹھ ہیڈ کوارٹرز	چار	4 ڈویژن
نگ فورس...... انبالہ ہیڈ کوارٹرز	دو	2 ڈویژن
رتی کمان...... دھیمال پور ہیڈ کواٹرز	چار	4 ڈویژن
ربی کمان...... بٹھنڈہ ہیڈ کوارٹرز	چار	4 ڈویژن
ربی کمان...... جالندھر ہیڈ کواٹرز	تین	3 ڈویژن
بی کمان...... بودھپور ہیڈ کواٹرز	چار	4 ڈویژن
لی کمان...... سرینگر ہیڈ کواٹرز	چھ	6 ڈویژن
لی کمان...... ناگ روما۔ جموں ہیڈ کواٹرز	پانچ	5 ڈویژن
رتی کمان...... ہیڈ کواٹرز سیلی گوری	تین	3 ڈویژن

ہر :۔ 15 ویں کور کے ساتھ 3` 9` 15` 14` 7 اور دسواں ڈویژن اور دس بلیڈی ڈیسپلائے پوزیشن میں۔

ل :۔ 16 ویں کور کے ساتھ 10` 25` 21` 29` 30` 32 اور 39 واں یژن بمعہ 16` 3 بکتر بند بریگیڈ، ایک عارضی بکتر بند ڈویژن اور ریزرو اور سپاہیوں ، فالتو بریگیڈ۔

ب :۔ 11 ویں کور کے ساتھ 7` 9` 15 واں ڈویژن ساتھ ہی 33 واں آرمر بلیڈ اور ایک انفنٹری بریگیڈ۔

ویں کور کے ساتھ 16` 18` 24 واں ڈویژن بمعہ 6 آرمرڈ بریگیڈ۔

ات :۔ 12 ویں کور کے ساتھ 11` 12 ڈویژن مع انفنٹری بریگیڈ۔

ا :۔ 33 ویں کور کے ساتھ 12` 10` 5 اور 27 واں ڈویژن۔

ناچل :۔ چوتھی کور کے ساتھ 1` 3 اور 31 واں عارضی بکتر بند ڈویژن۔

لی ریاستیں :۔ تیسری کور کے ساتھ 8 واں اور 5 واں ڈویژن۔

شیر اک کور :۔1 `2` 3` اور 5ویں ڈویژن کے ساتھ ایک عارضی بکتر بند ڈویژن،
33 مشینی ڈویژن......ایک انفنٹری ڈویژن۔

بھارت کے لئے ٹاسک فورس 6` 12` 14`اور 23واں ڈویژن۔

آرمی ہیڈ کوارٹرز......ریزرو

54واں حملہ آور ڈویژن۔

بٹالین وار تعداد

ٹینک رجمنٹیں	ساٹھ	60
مشینی بٹالین	پچیس	25
پیدل بٹالین	چارسو	400
علاقائی پیدل بٹالین	تیس	30
میدانی توپ خانہ رجمنٹیں	دوسوساٹھ	260
A.D/ توپ خانہ و میزائل رجمنٹیں	ساٹھ	60

بکتر بند، مشینی پیدل اور ایس پی توپ خانہ

T-72......بیس 20 رجمنٹیں

T-55......بیس 20 رجمنٹیں

BMP-1......سکاٹ (Skot) مشینی پیدل بٹالین 25

SP......130 ملی میٹر دہانے کی درمیانی بٹالین......4

SP......105 ملی میٹر دہانے کی رجمنٹیں......15

SP......سام، اگنی، شیوا میزائل......10 رجمنٹیں

SP......سام اور اگنی، گیارہ رجمنٹیں......11

SP......کیو وائے ڈی 23 ملی میٹر اے ڈی رجمنٹیں...... آٹھ......8،

توپ خانہ

توپ خانہ میں 155 دہانے کی بوفر توپوں کی سات رجمنٹیں 200/60 پہاڑی توپیں، 88 ملی میٹر دہانے کی یعنی 25 پونڈ گولہ پھینکنے والی۔

100 ملی میٹر دہانے کی میدانی توپیں جن کو 105 ملی میٹر دہانے کی بھاری توپوں سے تبدیل کیا جارہا ہے۔

13 ملی میٹر دہانے کی درمیانی توپیں......55 درمیانی توپیں جن کو بوفر 155 ملی میٹر دہانے کی توپوں سے تبدیل کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ AOP کے گیارہ سکواڈرن جو چیتا ہیلی کاپٹروں سے لیس ہیں۔

فضائی دفاعی توپ خانے میں زیادہ تر 40 ملی میٹر دہانے کی ایل 6 اور ایل 7 توپیں شامل ہیں...... اب فضائیہ کو ایک سو پانچ سام میزائل، بارہ اگنی میزائل بھی دیئے جارہے ہیں۔

طیارہ بردار بحری جہاز	2
طیارہ بردار جہاز پر لڑاکا طیارے	150
بارودی سرنگیں صاف کرنے والے	120 جہاز
تباہ کن جہاز اور آبدوز شکن جہاز	70
بڑے جنگی جہاز	16
متفرق جنگی جہاز	22
فلیٹ ٹینکر	7
آبدوز	2

یہاں پہنچ کر گپتا جی نے دونوں فل سکیپ کاغذ تہہ کر کے اپنی واسکٹ کی جیب میں رکھ لئے...... درمیان میں گپتا جی نے اپنا گلاس خالی کر دیا تھا...... عمران نے گلاس میں ان کے لئے ایک اور ڈبل پیگ بنا دیا تھا...... گپتا جی گردن تان کر بولے۔

"اب بتاؤ رام پرشاد جی! اتنی بڑی فوجی طاقت کے سامنے پاکستان کتنی دیر لڑ سکے

گا“۔

رام پرشاد یعنی گل خان نے بے اختیار واہ واہ اور جے ہند، جے ہنومان جی کا ہلکا سا نعرہ لگاتے ہوئے کہا۔

”گپتا جی جو کچھ آپ نے سنایا ہے...... اگر ہماری سینا کے پاس اتنی قوت ہے تو ہم تو پاکستان کیا ایک ہی ہلے میں برما، نیپال اور تھائی لینڈ پر بھی قبضہ کر سکتے ہیں“۔

گپتا جی بولے۔

”کیوں نہیں؟ ایک زمانہ تھا کہ تھائی لینڈ سے لے کر انڈونیشیا اور کمبوڈیا تک ویدک کال کے ہمارے راجاؤں کی حکومت تھی۔ ہمارا اصل مشن ان ملکوں پر دوبارہ قبضہ کرنے کا ہے۔ پاکستان، نیپال اور بھوٹان سکم تو ہم روایتی ہتھیاروں کی جنگ میں ایک گھنٹے میں لے لیں گے“۔

رام پرشاد نے کہا۔

”جنگ اگر اتنی پھیل گئی تو گپتا جی میرے خیال میں پاکستان ضرور ایٹم بم چلا دے گا“۔

گپتا جی نے شراب کا آدھا گلاس چڑھانے کے بعد کہا۔

”اگر پاکستان نے ایٹم بم چلایا تو ہم بھی پیچھے نہیں رہیں گے۔ ہم بھی ایٹم بم چلا دیں گے...... کیا آپ کو یاد نہیں...... جب باجپائی جی بھارت کے پردھان منتری تھے اور انہوں نے ایٹمی دھماکہ کر دیا تھا تو انہوں نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ اگر ہمارے کسی ہمسایہ ملک نے اب شرارت کی تو ہم اس کے شہروں پر ایٹم بم گرا دیں گے...... ہمسایہ ملک سے باجپائی جی کی مراد پاکستان سے تھی“۔

رام پرشاد نے کمال کی اداکاری کرتے ہوئے گپتا جی کا ہاتھ پکڑ کر بے اختیار چوم لیا اور بولے۔

”جے ہند...... جے ہند...... گپتا جی آپ نے ہماری فوجی طاقت کے جو آنکڑے

(اعداد وشمار) بتائے ہیں اس نے میرے اس وشواش کو پھر سے زندہ کر دیا ہے کہ بھارت بہت جلد سارے ساؤتھ ایسٹ ایشیا کی سب سے بڑی طاقت بن کر ابھرے گا“۔

گپتا جی نے تیسرا پیگ چڑھاتے ہوئے کہا۔

”رام پرشاد جی بھارت ساؤتھ ایسٹ ایشیا کی سب سے بڑی طاقت بن چکا ہے۔ اب صرف اس علاقے کے ملکوں پر قبضہ کرنا باقی ہے...... اس بار بھارتی جنتا پارٹی نے حکومت بنالی تو یہ کام بھی ہو جائے گا...... کانگریس بزدل ہے وہ کچھ نہیں کر سکتی“۔

عمران یہ سوچ رہا تھا کہ ٹیپ ریکارڈر کی ٹیپ کی ڈیوریشن پون گھنٹہ ہے کہیں وہ ختم نہ ہو گئی ہو...... اسے یقین تھا کہ اگر ٹیپ ختم بھی ہو گئی ہو تو گپتا جی نے بھارت کی فوجی قوت کے جو اعداد و شمار بتائے ہیں وہ ضرور ریکارڈ ہو گئے ہوں اور انہیں اس کی ہی ضرورت تھی...... عمران نے محسوس کیا کہ رام پرشاد یعنی گل خان بھی یہی چاہتا تھا کہ گپتا جی وہاں سے نو دو گیارہ ہوں اور وہ ٹیپ چیک کرے...... خطرہ یہی تھا کہ اگر ٹیپ کسی وجہ سے رک گئی ہو گی تو یہ اعداد و شمار دوبارہ ملنے مشکل ہوں گے...... اس دفعہ شراب نے وہ کام کر دکھایا تھا جو عمران کا کوئی بھی کمانڈو آپریشن سرانجام نہیں دے سکتا تھا۔

رام پرشاد نے گپتا جی کو وہاں سے چلتا کرنے کے لئے یہ کہا کہ اپنا گلاس میز پر الٹا دیا اور کہا۔

”بس گپتا جی! میں اور نہیں پیوں گا...... باقی کی بوتل بھی آپ اپنے ساتھ ہی لے جائیے گا“۔

گپتا جی نے اس کے بعد رام پرشاد کو مزید پینے کے لئے بالکل نہ کہا اور بوتل میں آدھی سے زیادہ شراب بچ گئی تھی اسے اپنے قبضے میں کرتے ہوئے بوتل پہلی دو نوٹوں والے لفافے میں ڈالی اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولے۔

”موہن داس جی! میرے لئے کوئی ٹیکسی پکڑو...... اب میں گھر جاؤں گا“۔

رام پرشاد نے یونہی منہ رکھنے کے لئے کہہ دیا۔

"گپتا جی کچھ جل پانی نہیں کریں گے؟"۔

گپتا جی نے کہا۔

"نہیں رام پرشاد جی...... یہ کام گھر پہنچ کر ہی کروں گا"۔

اصل میں گپتا جی اعلیٰ ترین ولایتی شراب کی ڈھائی پونے تین بوتلوں پر قبہ جمانے کے بعد انہیں جلدی سے جلدی اپنے گھر لے جانا چاہتے تھے۔ عمران نیچے گیا...... اس نے ایک خالی ٹیکسی رکوالی اور کمرے میں آکر کہا۔

"ٹیکسی آگئی ہے ماراج!"۔

رام پرشاد گپتا جی کو سہارا دے کر نیچے اتر گیا...... رام پرشاد نے کہا بھی کہ بوتلو کا لفافہ مجھے پکڑا دیجئے مگر گپتا جی نے سنی ان سنی کر دی اور لفافہ اپنی بغل میں ہی دبا رکھا۔ رام پرشاد نے انہیں ٹیکسی میں بیٹھا کر رخصت کر دیا اور عمران کو اوپر کمرے آنے کا اشارہ کیا...... وہ کمرے میں چلا گیا...... تھوڑی دیر بعد رام پرشاد یعنی گل خ بھی آگیا...... عمران نے ابھی تک میز کے نیچے چپکے ہوئے چھوٹے سے ٹیپ ریکارڈ ہاتھ نہیں لگایا تھا...... گل خان یعنی رام پرشاد نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی اور کے نیچے سے ٹیپ ریکارڈر نکال کر اسے ریوائنڈ کیا اور شروع سے لگا دیا...... گپتا جی رام پرشاد کی باتوں کی آوازیں بڑی صاف ریکارڈ ہوئی تھیں...... رام پرشاد کہنے لگا۔

"خدا کا شکر ہے ٹیپ ریکارڈر نے دھوکا نہیں دیا ورنہ دوبارہ گپتا جی سے اعداد والا کاغذ حاصل کرنا ناممکن تھا"۔

رام پرشاد نے ٹیپ کو فارورڈ کر کے وہاں سے اون کیا جہاں گپتا جی نے بھارت فوجی قوت اور جنگی ساز و سامان کے اعداد و شمار پڑھنے شروع کئے تھے...... ایک ایک پوری طرح سے سنی جا رہی تھی...... رام پرشاد نے عمران سے کہا۔

"تمہارا کام یہ ہے کہ نیچے سے کاغذ پنسل لے آؤ اور گپتا جی کے بتائے ہو سارے اعداد و شمار بڑی توجہ سے ایک ایک کر کے کاغذ پر لکھتے جاؤ...... بے شک دو

لگ جائیں لیکن کوئی آئٹم رہ نہ جائے...... اندر سے چٹخنی لگا لینا"۔

یہ کہہ کر رام پرشاد نیچے چلا گیا...... عمران نیچے سے کاغذ اور بڑا رجسٹر اٹھا کر لے آیا...... ہلکی آواز میں ٹیپ کو اون کیا اور ایک ایک آئٹم کو لکھتا چلا گیا، جہاں لکھتے لکھتے پیچھے رہ جاتا وہیں ٹیپ کو ریوائنڈ کر کے پھر سے لکھنے لگتا...... اس طرح کوئی دو ڈھائی گھنٹے لگ گئے مگر بھارتی بحری بری اور فضائی افواج کی جنگی قوت اور فوجی ساز و سامان کے وہ تمام خفیہ اعداد و شمار دو فل سکیپ کاغذوں پر منتقل ہو گئے جس کی عمران کے ملک کو اشد ضرورت تھی...... ہماری ملٹری انٹیلی جنس کو بھارت کی فوجی طاقت کا کافی علم تھا مگر اتنی تفصیل کے ساتھ اعداد و شمار شاید ان کے پاس بھی نہیں تھے۔

گل خان عرف رام پرشاد کوئی تین چار گھنٹے بعد اوپر آیا اور عمران سے پوچھا۔

"سب کام ٹھیک ہو گیا ہے"۔

عمران نے فوجی ساز و سامان کے اعداد و شمار والے دونوں کاغذ اس کے سامنے رکھ دیئے...... رام پرشاد بولا۔

"میں سمجھتا ہوں اللہ کی ہم پر خاص مہربانی ہوئی ہے ورنہ یہ دستاویز حاصل کرنا اتنا آسان نہیں تھا"۔

گل خان یعنی رام پرشاد نے دونوں کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھے اور کہا۔

"میں اس کی دو تین فوٹو کاپیاں نکالنا چاہتا ہوں تاکہ اگر کہیں اصل کاپی گم ہو جائے تو اس کی کاپیاں ہمارے پاس موجود ہو...... تمہارا ایک مشن ختم ہو گیا ہے...... اب تم صبح حاجی صاحب کے پاس چلے جانا اور دونوں کاغذ انہیں دکھا دینا...... اس کی دونوں کاپیاں میں اپنے پاس رکھوں گا"۔

رات ہی کو گل خان عرف رام پرشاد نے دونوں فل سکیپ صفحات کی فوٹو کاپیاں کروالیں اور اصل کاپی اس نے عمران کو دے دی...... رات عمران رام پرشاد کے ہوٹل میں ہی رہا...... اگلے روز سورج نکلنے سے ذرا پہلے اس نے ٹیکسی پکڑی اور حاجی صاحب

کے ہوٹل میں پہنچ گیا..... حاجی صاحب اپنے ہوٹل والے کمرے میں جاگ رہے تھے..... اس نے جاتے ہی جنگی ساز و سامان کی پوری فہرست کے دونوں کاغذ ان کے حوالے کر دیئے..... حاجی صاحب انہیں غور سے پڑھنے لگے..... جب دونوں کاغذوں پر لکھے ہوئے سارے اندراج پڑھ چکے تو عمران کی طرف تجسس آمیز نظروں سے دیکھ کر بولے۔

"یہ تم نے بڑا کمال کر دکھایا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"کمال تو آپ کے رستم پرشاد یعنی گل خان نے دکھایا ہے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"بس ٹھیک ہے..... اب فوراً یہ دونوں کاغذ لے کر سیدھے گجرات کاٹھیاواڑ اپنے شاہ جی کے پاس پہنچو، مگر ان کاغذات کی سخت حفاظت کرنی ہو گی"۔

عمران نے کہا۔

"اگر یہ گم بھی ہو گئے تو ایسی کوئی بات نہیں ہے..... اپنے گل خان کے پاس ان کی دو فوٹو کاپیاں موجود ہیں"۔

حاجی صاحب بولے۔

"تم یہی سمجھو کہ یہ فائنل کاپی ہے اور تم اسی طرح اس کی حفاظت کرو گے جیسے اگر یہ گم ہو گئی تو تمہیں یہ اعداد و شمار دوبارہ کہیں سے نہ مل سکیں گے"۔

عمران نے حاجی صاحب سے کہا کہ وہ سٹیشن پر کسی آدمی کو بھیج کر یا انکوائری ٹیلی فون کر کے معلوم کروا دیں کہ احمد آباد کی گاڑی کس وقت چھوٹتی ہے.....

"میرا خیال ہے کہ مجھے رات کا انتظار نہیں کرنا چاہئے اور دن کے وقت ہی آباد کی طرف نکل جانا چاہئے..... احمد آباد سے مجھے بہادر نگر جانے والی کوئی نہ کوئی گاڑی

ں مل جائے گی"۔

حاجی صاحب نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"میاں! دن کی روشنی میں تمہارا سفر کرنا مناسب نہیں..... صبح دن نکلنے سے پہلے یک گاڑی احمد آباد کی طرف جاتی ہے..... میں اس کا ایک ٹکٹ منگوا کر رکھ لوں گا..... م دلی سے منہ اندھیرے نکلو تو زیادہ بہتر ہے"۔

عمران بولا۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔

حاجی صاحب نے عمران کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ ان کے ہوٹل میں رات بسر رنے کی بجائے شہر سے باہر ان کے پلاٹ والی کوٹھڑی میں چلا جائے اور وہیں رات بر کر کے وہیں سے سٹیشن کی طرف چل دے..... چنانچہ عمران کچھ دیر کے بعد حاجی احب سے اجازت لے کر رکشے میں سوار ہو کر ان کے پلاٹ میں جو نوکر پیشے کے لئے دو کوٹھڑیاں بنائی تھیں اس طرف روانہ ہو گیا۔

سارا دن اس نے وہیں گزارا..... رات کو کھانا کھا کر وہیں سو گیا..... بوڑھے چوکیدار کو اس نے کہہ دیا تھا کہ اسے صبح صبح جگا دیا جائے..... عمران چھوٹے سے کوٹھڑی نما کمرے میں بتی گل کر کے دو کمبل اوڑھ کر سو رہا تھا کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی..... وہ آنکھیں کھول کر اندھیرے میں دیکھنے لگا..... اسے محسوس ہوا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی ہے..... وہ سوچ ہی رہا تھا کہ دروازے پر پھر کسی نے دستک دی..... عمران نے جلدی سے کمبل ایک طرف کئے اور اٹھ کر دروازے کے پاس جا کر دھیمی آواز میں پوچھا۔

"کون ہے؟"۔

"میں ہوں..... دروازہ کھولو"۔

یہ حاجی صاحب کی آواز تھی..... عمران سوچنے لگا..... خدا خیر کرے..... حاجی

صاحب رات کے وقت کیسے آگئے ہیں...... اس نے دروازہ کھول دیا...... حاجی صاحب اندر آگئے اور بولے۔

"دروازہ بند کر کے بتی جلاؤ"۔

عمران نے دروازے کی چٹخنی لگا کر بتی روشن کر دی...... حاجی صاحب کمبل کی بکل مار کر آئے تھے......اس رات دلی میں کافی سردی تھی...... حاجی صاحب کرسی پر بیٹھ گئے۔

"حاجی صاحب! خیریت تو ہے نا؟"۔

عمران نے پوچھا...... حاجی صاحب نے کہا۔

"میرے سامنے چارپائی پر بیٹھ جاؤ...... خیریت ہی ہے"۔

عمران چارپائی پر بیٹھ گیا۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"اب تمہیں احمد آباد اور پھر اس کے آگے بہاؤنگر جانے کی ضرورت نہیں ہے"۔

کیونکہ بہاؤنگر والے شاہ جی کل رات کو خود ہی یہاں دلی پہنچ رہے ہیں"۔

"وہ کس سلسلے میں آرہے ہیں؟" عمران نے تجسس سے پوچھا۔ حاجی صاحب بولے۔

"مجھے انہوں نے ٹیلی فون پر کہا ہے کہ عمران کو وہیں روک لو...... میں خود ایک ضروری پیغام اس کے لئے لے کر آرہا ہوں"۔

عمران خاموش ہو گیا...... حاجی صاحب کہنے لگے۔

"میرا اندازہ ہے کہ وہ تم سے کوئی بڑی اہم بات کرنے والے ہیں...... یہ بات وہ ٹیلی فون پر نہیں بتا سکتے تھے...... ورنہ مجھے ضرور بتا دیتے...... بہر حال تم اس کوٹھڑی میں رہنا...... رات کو وہ جس وقت بھی آئے...... میں انہیں لے کر تمہارے پاس آؤں

جاؤں گا...... ریل کا ٹکٹ مجھے دے دو اور آرام کرو"۔

عمران نے جیکٹ کی جیب سے ٹکٹ نکال کر حاجی صاحب کو دے دیا اور وہ کمبل کی بکل مار کر وہاں سے نکل گئے......ان کے جانے کے بعد عمران سوچ میں پڑ گیا کہ ایسا کون سا ضروری کام آن پڑا ہے کہ جس کے لئے شاہ جی عرف چندر کانت جی کو خود اس کے پاس دلی آنا پڑ رہا ہے...... ان لوگوں کا کام ہی ایسا تھا کہ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا...... ابھی کسی فائیو سٹار ہوٹل کے آرام دہ بستر پر سو رہے ہیں اور فوراً ایک ٹیلی فون آتا ہے اور وہ ہوٹل سے فرار ہو کر تھرڈ کلاس مسافر خانے کے ننگے بنچ پر صرف ایک چادر اوڑھے سردی میں پڑے ہیں...... ہو سکتا ہے کہ شاہ جی نے دلی والے حاجی صاحب کو خفیہ الفاظ میں ٹیلی فون پر بتا دیا ہو کہ وہ کس لئے خود دلی آرہے ہیں، مگر حاجی صاحب نے اس راز کو چھپائے رکھا ہو...... جاسوسی کے کام میں رازداری کو ریڑھ کی ہڈی کا درجہ حاصل ہے......اگر ریڑھ کی ہڈی کا ایک بھی مہرہ ذرا سا کھسک جائے تو جاسوسی کا سارا بدن بیکار ہو سکتا ہے...... عمران نے سارا دن ذہنی کش مکش میں گزارا...... شام ہوئی تو اس نے چوکیدار کی کوٹھڑی میں ہی بیٹھ کر کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں آکر حاجی صاحب اور شاہ جی کا انتظار شروع کر دیا...... حاجی صاحب تو دلی ہی کے رہنے والے ایک مرد مومن قسم کے مسلمان تھے......پاکستان اور اسلام پر ان کی جان فدا تھی...... کشمیر میں ہندو فوج نہتے کشمیری مسلمانوں پر جو ظلم اور بربریت کر رہی تھی اس کے خیال ہی سے حاجی صاحب کا خون کھول اٹھتا تھا...... یہی جذبہ انہیں بھارت کی راجدھانی دلی میں بیٹھ کر کشمیری مسلمانوں پاکستان اور اسلام کے لئے کام کرنے کے واسطے ایک ایسے مقام پر لے آیا تھا کہ جہاں کسی بھی وقت بھارتی حکومت حاجی صاحب اور ان کے تمام اہل خانہ اور بال بچوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتی تھی...... اپنے ملک میں بیٹھ کر دوسرے ملکوں کے سفارت خانوں کی جاسوسی کرنے میں اپنی جان جانے کا خطرہ نہیں ہوتا...... اپنے ملک میں آدمی محفوظ ہوتا ہے...... لیکن دشمن کے ملک میں بیٹھ کر اپنے وطن، اپنے ملک

کے لئے جاسوسی کرنا ایسے ہی ہوتا ہے جیسے آدمی زہریلے سانپوں کے غار میں داخل ہو جائے اور پھر یہ بھی سوچے کہ وہ خیریت سے واپس آجائے گا...... حاجی صاحب اور ہمارے شاہ جی عرف چندر کانت زہریلے سانپوں کے غار میں بیٹھے تھے اور کوئی نہ کوئی سانپ کسی بھی وقت ڈس کر انہیں موت کی نیند سلا سکتا تھا...... یہ بڑی بہادری، بلند حوصلے، حب الوطنی اور اسلام سے محبت کے اعلیٰ ترین جذبے اور بڑے دل گردے کا کام تھا...... دلی والے حاجی صاحب اور بھاؤنگر گجرات کاٹھیاواڑ کے شاہ جی یہی کام کر رہے تھے...... اس لئے میں نے ان کے اصل نام نہیں لکھے...... فرضی نام لکھے ہیں...... حقیقت یہ ہے کہ ہو سکتا ہے بتانے والے نے مجھے بھی ان کے نام اور رہنے کی جگہ کا محل وقوع فرضی ہی بتایا ہو...... اصلی نام اور اصلی جگہ نہ بتائی ہو۔

رات کے گیارہ سوا گیارہ بجے کا ٹائم تھا کہ حاجی صاحب اور بھاؤنگر والے شاہ جی عرف چندر کانت آگئے...... ان کے ساتھ عمران کا ساتھی کمانڈو جبران بھی تھا...... جبران کو دیکھ کر اسے بڑی خوشی ہوئی اور حوصلہ بھی ہوا...... شاہ جی جیسا کہ آپ کو ان کے مزاج کا علم ہو چکا ہوگا، بڑے حقیقت پسند واقع ہوئے تھے اور مطلب کی بات کے سوا دوسری کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے تھے...... آتے ہی عمران سے کہنے لگے۔

"اپنے آدمی گل خان کے ساتھ مل کر تم نے انڈین آرمی، ایئر فورس اور نیوی کی جنگی طاقت اور جنگی ساز و سامان کی جو فہرست حاصل کی ہے اس کی ایک کاپی مجھے حاجی صاحب سے مل گئی ہے...... تم نے اپنا فرض بڑی ذمے داری سے نبھایا ہے...... اب تمہیں ایک اور فرض پورا کرنا ہے"۔

سنو......

دلی والے حاجی صاحب بولے۔

"ایک منٹ"۔

اور وہ اٹھ کر دروازے تک گئے جو بند تھا...... آہستہ سے چٹخنی اتار کر جلدی سے

دروازہ کھول کر باہر جھانک کر دیکھا...... جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ باہر کوئی شخص ان کی باتیں نہیں سن رہا تو بڑے آرام سے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا کر کمانڈو جبران کے پاس آکر بیٹھ گئے اور شاہ جی سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اب بات کیجئے...... ہماری باتیں کوئی دوسرا نہیں سن رہا"۔

شاہ جی عمران کی طرف دوبارہ متوجہ ہوئے اور کہا۔

"اگلے مہینے کے پہلے ہفتے میں روس کا ایک تجارتی وفد بھارت کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ کرنے بھارت آرہا ہے...... یہ وفد بمبئی کے ایئرپورٹ پر اترے گا اور بمبئی کے تاج محل ہوٹل میں ٹھہرے گا اور اسی ہوٹل میں اس تجارتی معاہدے پر دستخط بھی ہوں گے...... بھارت کا ایک وفد جس میں وزیر تجارت، سیکرٹری فنانس اور سیکرٹری امور خارجہ شامل ہیں بمبئی کے تاج محل ہوٹل میں آکر ٹھہریں گے...... ظاہری طور پر روس کا یہ تجارتی وفد ہوگا اور اخبارات کو بھی یہی بیان دیا جائے گا کہ روس کا ایک تجارتی وفد بھارت کے ساتھ چاول اور گیہوں اور دوسری خوردنی اجناس کی برآمد کا معاہدہ کرنے بھارت آیا ہے، لیکن حقیقت میں روس کا یہ ایک انتہائی اہم فوجی وفد ہے جو بھارت کے ساتھ پاکستان سے جنگ کی صورت میں روس کی فوجی امداد کے سلسلے میں ایک ڈیفنس پیکٹ یعنی فوجی معاہدے پر دستخط کرنے بھارت آئے گا...... بھارت کی طرف سے سیکرٹری فنانس اور وزیر تجارت کے علاوہ بھارت کے محکمہ دفاع کے اعلیٰ عہدے دار اور فوجی افسر عام لباس میں بھارتی وفد میں شامل ہوں گے...... یہ راز داری اس لئے برتی جا رہی ہے کہ دلی میں موجود دوسرے سفارت خانوں کو خاص طور پر پاکستان اور پاکستان کے دوست ممالک ایران، ترکی، سعودی عرب اور چین کے سفارت خانے کو پتہ نہ چل سکے کہ بھارت نے روس کے ساتھ کوئی خفیہ فوجی معاہدہ بھی کیا ہے جس میں روس نے بھارت کو لکھ کر دیا ہے کہ وہ جنگ کی صورت میں بھارت کو پاکستان کے خلاف جو فوجی امداد دے گا اس میں اتنے بمبار اور لڑاکا طیارے

فلاں ایئرپورٹ پر مہیا کرے گا...... اتنے میزائل، آبدوز شکن فریگیٹ وغیرہ دے گا...... ہمیں معلوم ہوا ہے کہ پاکستان سے جنگ کی صورت میں روس بھارت کو دو ایٹمی آبدوزیں بھی دے گا جو پاکستان کے جنگی جہازوں کو ان کے اڈوں پر کھڑے کھڑے تباہ کرنے کی طاقت رکھتی ہے...... ہماری انٹیلی جنس نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ روس پاکستان کے ساتھ جنگ کی صورت میں بھارت کو ایسے ٹینک شکن راکٹ بھی ہزاروں کی تعداد میں دے گا جس کے آگے بہت چھوٹے چھوٹے ایٹمی وار ہیڈ لگے ہوں گے، لیکن جن میں اتنی طاقت ہوگی کہ وہ ٹینک میں لگتے ہی اسے پگھلا دیں گے...... کیا تم سن رہے ہو میں تمہیں کیا کہہ رہا ہوں؟"۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے عمران کی طرف ذرا سا جھک کر کہا...... عمران کی آنکھیں کھلی تھیں اور ذہن پوری طرح بیدار تھا...... کہنے لگا۔

"شاہ جی! آپ نے جو کچھ کہا ہے میں نے اس کا ایک ایک لفظ غور سے سنا ہے...... آپ کہیں تو دہرا دوں؟"۔

شاہ جی بولے۔

"اس کی ضرورت نہیں...... وقت ضائع ہوگا...... سنو۔ اصل بات میں اب کرنے لگا ہوں...... ہمارے ملک یعنی پاکستان کو رُوس کے ساتھ بھارت کے فوجی معاہدے میں جو امدادی سامان درج ہے اس کے اعداد و شمار کی ایک کاپی کی ضرورت ہے...... تاکہ دشمن کے ہتھیاروں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کیا جائے اور اپنے دفاع کو دشمن کے حملے کے خلاف ناقابل شکست بنایا جاسکے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ دشمن نے رُوس سے کون کون سے مہلک ہتھیار ہمارے خلاف استعمال کرنے کے لئے حاصل کئے ہیں اور وہ کون سا ایئرپورٹ ہے ...ب پاکستان سے جنگ کی صورت میں رُوس سے بمبار اور لڑاکا طیارے آکر اتریں ـــ یہ کام تمہارے اور کمانڈو جبران یعنی تم دونوں کے سپرد کیا جارہا ہے...... لیکن

...ین یہ ڈیوٹی سونپنے سے پہلے تم سے پوچھنا ضروری ہے کہ کیا تم یہ کام کر سکو گے؟"۔

عمران نے کہا۔

"کیوں نہیں کر سکوں گا سر؟ میں اپنی جان دے کر بھی یہ کام کروں گا...... یہ ...ے ملک کی سالمیت اور اسلام کے ناموس کا سوال ہے"۔

...دو اور دو چار کے اصول پر عمل کرنے والے حقیقت پسند شاہ جی نے کہا۔

"ہمیں تمہاری جان کی قربانی کی ضرورت نہیں ہے...... ہمیں بھارت اور رُوس ...جنگی معاہدے کی نقل کی ضرورت ہے اور یہ کام تمہیں اور جبران کو زندہ رہ کر کرنا ...گا"۔

جبران بولا۔

"سر! اس سلسلے میں ہمیں چند ایک ابتدائی معلومات کی ضرورت ہوگی"۔

"مثلاً کس قسم کی معلومات؟" شاہ جی نے پوچھا۔

کمانڈو جبران نے عمران کے دل کی بات پوچھی تھی...... عمران نے کہا۔

"مثلاً یہ کہ اگر بھارت اور رُوس کے درمیان جنگی معاہدہ دلی کی بجائے بمبئی میں ...رہا ہے تو کیا اس کے دستاویزات صوبہ مہاراشٹر کی حکومت کی تحویل میں رہیں گے یا ...رکزی حکومت کے پاس رہیں گے"۔

شاہ جی نے حاجی صاحب کی طرف دیکھا...... اور کہا۔

"اس کا جواب تم مجھ سے بہتر دے سکتے ہو؟"۔

"اس سلسلے میں ہمارا خاص آدمی گل خان، جو رام پرشاد کے نام سے اسی دلی شہر ...ں ہوٹل چلا رہا ہے اور جس نے بھارتی فوجی ساز و سامان کے اعداد و شمار تمہیں مہیا ...رکے دیئے ہیں، وہی تمہاری راہ نمائی کرے گا...... اس کو معاملے کی تمام تفصیلات ...ے آگاہ کر دیا جائے گا...... تم دونوں رام پرشاد یعنی گل خان سے ملو گے"۔

شاہ جی نے پوچھا۔

"کوئی اور بات پوچھنی ہو تو وہ بھی بتادو"۔

عمران بولا۔

"اور کوئی خاص بات پوچھنے والی نہیں ہے"۔

شاہ جی نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... باقی سب کچھ تمہیں خود کرنا ہوگا...... ایک بات یاد رکھنا...... یہ بڑا حساس نازک اور خطرناک ترین مشن ہے"۔

ہر قدم پر تمہارے پکڑے جانے کا امکان ہوگا...... اگر پکڑے گئے تو کیا کرو گے؟"۔

عمران نے فوراً جواب دیا۔

"اگر پکڑے گئے تو اپنے فرضی نام کے سوا اور کچھ نہیں بتائیں گے"۔

شاہ جی نے بھی فوراً کہا۔

"چاہے تمہارے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ دیا جائے"۔

"جی ہاں" عمران نے تائید کرتے ہوئے کہا...... "چاہے ہماری بوٹی بوٹی کردی جائے...... ہم اپنا فرضی نام بتانے کے سوا کچھ نہیں کہیں گے"۔

شاہ جی نے کہا۔

"ہمیں تم دونوں سے یہی توقع ہے...... ہم تمہیں زہریلی ٹیوب بھی دے رہے ہیں جسے تم عقل داڑھ کے اندر چھپا کر رکھو گے اور مشکل کے وقت اسے دانتوں سے توڑ کر خودکشی کر سکتے ہو، لیکن خودکشی ہمارے دین میں حرام ہے...... تم کسی حالت میں بھی خودکشی نہیں کرو گے"۔

"ہم خودکشی ہرگز نہیں کریں گے"۔

"شاباش" شاہ جی عرف چندر کانت نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا...... "تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو وہ تم گل خان یعنی رام پرشاد سے کہہ کر حاصل کر

گے...... رام پرشاد بڑے کام کا اور بڑے اثر ورسوخ والا آدمی ہے...... اس سلسلے میں وہ تم دونوں کی ٹھیک ٹھیک راہ نمائی کرے گا...... کوئی اور بات پوچھنی ہو تو پوچھ سکتے ہو...... کیونکہ مجھے آج ہی رات واپس بھی جانا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں کچھ نہیں پوچھنا"۔

"اوکے" شاہ جی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

شاہ جی کے اٹھتے ہی حاجی صاحب بھی اٹھ کھڑے ہوئے...... کہنے لگے۔

"تم دونوں یہیں بیٹھو...... میں شاہ جی کو چھوڑ کر ابھی واپس آتا ہوں"۔

حاجی صاحب شاہ جی یعنی چندر کانت کے ساتھ ہی کمرے سے باہر چلے گئے...... اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج چکے تھے...... ان لوگوں کے جانے کے بعد کمانڈو جبران اور کمانڈو عمران حاجی صاحب کے خالی پلاٹ والے چھوٹے سے عارضی کمرے میں اکیلے رہ گئے اور اپنے نئے مشن کے بارے میں کچھ سوچنے اور باتیں کرنے لگے...... کمانڈو جبران نے عمران سے پوچھا۔

"میرا مشورہ یہ ہے کہ جس روز بمبئی کے تاج محل ہوٹل میں بھارت اور روس کے وفد کے درمیان فوجی معاہدے پر دستخط ہوں گے ہم میں سے کسی ایک کو وہاں موجود ہونا چاہئے"۔

عمران نے کہا۔

"یہ تم نے بڑی صحیح بات کی ہے...... اس سے پہلے کہ ہم گل خان یعنی رام پرشاد سے فوجی معاہدے کے بارے میں معلومات حاصل کریں، ہمیں اپنے طور پر یہ سوچنا چاہئے کہ ہم فوجی معاہدے کے روز تاج محل ہوٹل میں کس حیثیت سے داخل ہوں گے، کیونکہ ظاہر ہے اس روز وہاں سیکورٹی کا زبردست انتظام ہوگا اور انٹیلی جنس والے جگہ جگہ بیٹھے آنے جانے والوں کی نگرانی کر رہے ہوں گے"۔

کمانڈر جبران نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمارا معاہدے سے پہلے ایک دفعہ تاج محل ہوٹل میں جا کر وہاں کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے......اس کے بعد ہی کچھ سوچا جا سکتا ہے"۔

عمران کو جبران کی یہ تجویز اچھی لگی......اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے......اس بارے میں کل گل خان یعنی رام پرشاد سے ملاقات کرتے ہیں......اس کا مشورہ بھی ضروری ہے"۔

جب یہ طے پا گیا تو دونوں اپنی اپنی چارپائیوں پر لیٹ گئے...... تھوڑی دیر بعد وہ سو رہے تھے، لیکن گہری نیند نہیں سوئے تھے...... کمانڈو کبھی گہری نیند نہیں سوتا۔



شاہ جی یعنی چندر کانت اسی رات بھاؤنگر واپس روانہ ہو گئے تھے...... دوسری ف اپنے دلی والے حاجی صاحب نے کسی خفیہ ذرائع سے گل خان یعنی رام پرشاد جی ران اور کمانڈو جبران کے نئے مشن کے بارے میں تمام تفصیلات سے آگاہ کر دیا ...... یہ سب کچھ راتوں رات ہی ہو گیا تھا، چنانچہ صبح جب کمانڈو عمران چاندنی چوک لے اپنے خاص جاسوس گل خان عرف رام پرشاد جی کے ہوٹل میں امرتسر والے جگل پرشاد کے بھتیجے موہن داس کے روپ میں پہنچا تو اس کے ماتھے پر ہندوانہ لگا ہوا تھا اور لباس کھدر کا کرتہ اور تنگ موری والے پاجامے اور واسکٹ پر مشتمل گل خان عرف رام پرشاد کو عمران کے نئے مشن کے بارے میں تمام تفصیلات کا ت کو ہی علم ہو چکا تھا...... اس نے ہوٹل میں یہ مشہور کر دیا تھا کہ عمران یعنی موہن ں امرتسر اپنے چچا لالہ جگل پرشاد کو ملنے گیا ہوا ہے، چنانچہ عمران کو دیکھتے ہی گل ن عرف رام پرشاد جی بولے۔

موہن داس! امرتسر سے کب آئے؟۔

کمانڈو عمران نے بڑی انکساری کے ساتھ کہا۔

"مہاراج! ابھی سیدھا سٹیشن سے آ رہا ہوں"۔

"اچھا اچھا" گل خان عرف رام پرشاد جی نے کہا......"کل شام کی گاڑی میں ر سے بیٹھے ہو گے"۔

"جی ہاں لالہ جی" عمران نے بڑے ادب سے کہا۔

"ہمارے دوست اور تمہارے چچا لالہ جگل پرشاد جی کا کیا حال ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہیں جی...... آپ کو پرنام کہہ رہے تھے"۔

"چلو اچھا ہوا تم اپنے رشتے داروں سے مل آئے جاؤ اپنے کمرہ نمبر پندرہ میں جا
کچھ دیر آرام کرو"۔

یہ ساری باتیں رام پرشاد جی نے دلی کے سی آئی ڈی والے تلک چند مہرہ صاح
کو سنانے کے لئے کہی تھیں جو اس وقت رام پرشاد جی کے پاس ہی بیٹھا سگریٹ
ہوئے عمران کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا...... عمران اوپر اپنے کمرے میں آگیا...... یہ
ایک ٹرنک میں اس کے ہندوانہ کپڑے وغیرہ اسی طرح پڑے تھے...... رام پرشاد جی
اوپر اس کے لئے چائے بھجوادی تھی۔ عمران بوسیدہ سی چارپائی پر بیٹھ کر چائے پینے
سوچنے لگا کہ رام پرشاد یعنی گل خان سے کس وقت اپنے مشن کے بارے میں
ہو سکے گی...... یہ طے کرنا رام پرشاد کا کام تھا۔

چائے پی کر عمران نیچے آکر کاؤنٹر پر بیٹھ گیا اور بل وغیرہ بنانے کے کام
مصروف ہو گیا...... اس وقت سی آئی ڈی والے مہرہ صاحب جا چکے تھے اور رام پرش
ایک سردار جی کے پاس آرام کرسی پر بیٹھے بھارت کے انتخابات کے بارے میں
کر رہے تھے اور بڑے پرجوش انداز میں باجپائی کی حمایت کرتے ہوئے کہہ رہے۔

"سردار جی! میری بات آج نوٹ کر لو...... اس دفعہ بھارت کے چناؤ میں
بھارتی جنتا پارٹی بھاری بہومت (اکثریت) سے جیتے گی"۔

رام پرشاد جی نے کنکھیوں سے کمانڈو عمران کو دیکھ لیا تھا کہ وہ اوپر سے آکر
پر بیٹھ کر کام کرنے لگا ہے...... وہ بھی یہی چاہتے تھے، یہ تو آپ اپنے خاص جاسو
خان عرف رام پرشاد جی کے بارے میں پڑھ چکے ہیں کہ وہ ایک لمبی مدت سے

راجدھانی دلی میں رام پرشاد کے نام سے جاسوسی کر رہے تھے اور انہوں نے اپنے
پ کو زبردست دیش بھگت یعنی بھارت دیش سے محبت کرنے والا مشہور کر رکھا تھا
اس کی ملاقاتیں بھارتی جنتا پارٹی کے لیڈر ایڈوانی اور باجپائی سے بی جے پی کے دلی
آفس میں ہوتی رہتی تھیں...... یہیں رام پرشاد نے محکمہ ڈیفنس کی سیکرٹ سروس
عہدے دار گپتا جی سے تعلقات بڑھائے تھے...... گپتا جی کم گو آدمی تھے مگر شراب
کی زبردست کمزوری تھی اور شراب میں وہ بلیک لیبل سکاچ وسکی کے دیوانے تھے،
نچہ اپنے جاسوس رام پرشاد (گل خان) نے گپتا جی کو بلیک لیبل سکاچ وسکی کی تین
تلیں تحفے کے طور پر دے کر اس سے بھارت کی آرمی، نیوی اور ایئر فورس کی جنگی
ت اور جنگی ساز و سامان کی دو صفحات پر مشتمل فہرست حاصل کی تھی اور یہ فہرست
کے حاجی صاحب اور بہاؤ نگر کے اپنے تجربہ کار جاسوس شاہ جی کی وساطت سے
تان پہنچ چکی تھی۔

اب عمران اور کمانڈو جبران کے سامنے اس سے بھی زیادہ اہم اور پیچیدہ مشن
...... انہیں تاج محل ہوٹل بمبئی میں روس اور بھارت کے درمیان طے پانے والے
ا معاہدے کی ایک نقل کسی طرح سے حاصل کر کے پاکستان بھجوانی تھی...... یہ
شن سے بھی زیادہ نازک، دشوار اور پیچیدہ اور اہم مشن تھا...... اس فوجی معاہدے
یک نقل کی ہمارے ملک پاکستان کو بے حد ضرورت تھی تا کہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ
ک ہمارے خلاف جو محاذ آرائی کر رہا ہے اس کی نوعیت کیا ہے اور روس اسے کتنا فوجی
ن اور لڑاکا طیارے، نیوکلر وار ہیڈ والے ٹینک شکن میزائل اور ٹینک وغیرہ دے رہا
ر اگر روس بھارت کو آبدوز بھی دے رہا ہے تو کتنی آبدوزیں دے رہا ہے تا کہ
کے مقابلے کے لئے اپنے آپ کو تیار کیا جا سکے۔

سارا دن اپنے جاسوس رام پرشاد جی نے عمران سے مطلب کی کوئی بات نہ کی......
سے متعلق کوئی بات آتے جاتے کر لیتے...... دوپہر کا کھانا بھی عمران نے کاؤنٹر

پر بیٹھے بیٹھے ہی کھایا...... دوپہر کے بعد رام پرشاد یہ کہہ کر باہر چلے گئے کہ ایک پا
کوئی فنکشن کر رہی ہے جہاں ہمیں چائے پیسٹری سپلائی کرنے کا کنٹریکٹ مل
ہے...... میں ان سے بات کرنے جا رہا ہوں...... دوپہر کے گئے وہ شام کو وا
آئے...... آتے ہی عمران سے کہا۔

"موہن داس! بہت کام کر چکے ہو...... اوپر جا کر کچھ دیر آرام کرو"۔

عمران اپنے کمرے میں آ گیا...... اس کا خیال تھا کہ شاید رام پرشاد جی اس
اپنے مشن کے بارے میں کوئی بات کرنے آئیں مگر وہ نہ آئے...... عمران اپنے کمر
میں ہی لیٹا دلی کے انگریزی اور ایک دو اردو کے اخبار پڑھتا رہا......

......رات کو اس نے کھانا بھی اپنے کمرے میں
منگوا کر کھایا...... اس کے بعد وہ نیچے ہوٹل میں آ گیا...... رام پرشاد جی کاؤنٹر پر
روزانہ کی بکری کا حساب کتاب کر رہے تھے۔ عمران اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ
چائے پینے لگا...... رام پرشاد جی نے کام سے فارغ ہونے کے بعد عمران سے کہا۔

"موہن داس! یہ ذرا حساب تو چیک کرنا"۔

اور انہوں نے ایک رجسٹر عمران کی طرف بڑھا دیا...... عمران رجسٹر پر لکھی
رقم کو جوڑنے لگا تو رام پرشاد بولے۔

"بھائی اوپر کمرے میں جا کر آرام سے چیک کرو...... میں اوپر آ کر رجسٹر
جاؤں گا"۔

عمران سمجھ گیا کہ رام پرشاد کمرے میں آ کر اس سے ضروری بات چیت
والے ہیں...... حساب کتاب چیک کرنے کا محض ایک بہانہ ہے...... وہ رجسٹر
اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گیا اور حساب کتاب چیک کرنے کی بجائے رام پرشا
انتظار کرنے لگا...... کوئی ایک گھنٹے کے بعد رام پرشاد جی اوپر آئے اور آتے ہی پو

"کیوں بھئی موہن داس حساب کتاب چیک کر لیا؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں نے دو تین بار رقمیں چیک کی ہیں سب حساب ٹھیک ہے"۔

اس وقت رات کے نو بجے کا وقت تھا...... رام پرشاد جی نے دروازے کے باہر
جانک کر دیکھا...... جب ان کی تسلی ہو گئی کہ باہر کوئی آدمی نہیں ہے تو دروازہ آہستہ
ے بند کر دیا اور چٹخنی نہ لگائی...... پھر عمران کے سامنے رجسٹر لے کر اس طرح بیٹھ گئے
یسے رجسٹر میں لکھی ہوئی رقمیں چیک کر رہے ہیں...... ان کی نگاہیں رجسٹر پر تھیں......
ھیمی آواز میں کہنے لگے۔

"حاجی صاحب نے مجھے خفیہ ذریعے سے سب کچھ بتا دیا ہے...... یوں سمجھو کہ
ھے فل رپورٹ مل گئی ہے"۔

رام پرشاد جی رجسٹر کے ورق الٹنے لگے...... عمران نے پوچھا۔

"تو پھر کیا خیال ہے آپ کا؟"۔

انہوں نے رجسٹر ایک طرف رکھ دیا...... خاموشی سے اٹھ کر دروازے کے پاس
ئے...... دروازہ ایک دم کھول کر باہر دیکھا...... باہر کوئی نہیں تھا...... دروازہ بند کیا اور
ران سے کہنے لگے۔

"معاملہ کافی مشکل لگتا ہے...... لیکن جتنا یہ مشکل ہے اتنا ہی اہم بھی ہے......
ارت اور روس کے درمیان جنگی معاہدے کی اڑتی اڑتی خبر میں نے سنی ہے...... پچھلے
نوں بھارتی جنتا پارٹی کے آفس میں کوئی اس معاہدے کی بات کر رہا تھا جس پر ایڈوانی
نے کہا تھا کہ اس کی شروعات ہم نے شروع کی تھیں...... ہم نے جنتا سے اپنے پارٹی
نشور میں وعدہ کیا تھا کہ ہم بابری مسجد کو ڈھا کر وہاں رام مندر بنائیں گے اور اس
ے بعد روس کی فوجی مدد سے پاکستان پر حملہ کر کے اسے پھر سے بھارت ورش میں
امل کر دیں گے...... کانگریس کی حکومت ہماری پالیسی کی بھونڈی نقل کر رہی ہے"۔

عمران نے کہا۔

”یہ تو ایڈوانی نے ہر ہندو کے دل کی بات کہی ہے...... کوئی بھی ہندو پاکستان کو ترقی کرتا نہیں دیکھ سکتا...... وہ پاکستان کو ختم کرنا چاہتا ہے، لیکن اب جبکہ پاکستان ایٹمی قوت بن چکا ہے...... ہندو کا یہ ناپاک خواب ہمیشہ کے لئے خاک میں مل گیا ہے“۔

رام پرشاد جی بولے۔

”اس کے باوجود ہندو کی حکومت اندر ہی اندر پاکستان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے...... روس کے ساتھ ہونے والا فوجی معاہدہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہندو نے پاکستان کو ختم کرنے کا خیال ابھی تک دل سے نہیں نکالا...... اللہ ہی جانے بھارت اس معاہدے کے ذریعے روس سے کس قسم کی فوجی امداد لے رہا ہے...... اگر اس امداد میں ہائیڈروجن بم کا فارمولا بھی ہوا تو وہ بڑی تیزی سے ہائیڈروجن بم بنا کر پاکستان کو دبانے کی کوشش کر سکتا ہے“۔

عمران نے کہا۔

”میرا تو خیال ہے گل خان جی پاکستان ایٹمی ٹیکنالوجی کے میدان میں بھارت سے بہت آگے ہے...... یہ میرا نہیں بلکہ مغربی تبصرہ نگاروں کا بھی خیال ہے“۔

”بھائی کچھ بھی ہو رام پرشاد جی بولے ”تم ہندو پر اعتبار نہیں کر سکتے...... ہر ہندو کو اس بات کی گڑتی دی جاتی ہے کہ پاکستان اس کے جسم کو کاٹ کر بنایا گیا ہے...... اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ روس بھارت معاہدے کے مضمرات کی فل رپورٹ حاصل کر کے پاکستان کو بھیجنی بہت ضروری ہے...... یہ پاکستان کی، ہمارے وطن پاک کی بقا کا معاملہ ہے“۔

عمران بولا۔

”پھر آپ کے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے، ظاہر ہے تاج محل ہوٹل میں معاہدے کے لئے روسی وفد کے آنے سے ایک ہفتہ پہلے ہی سیکورٹی سخت کر دی

جائے گی اور سفید کپڑوں میں اور خدا جانے کس کس بھیس میں انٹیلی جنس والے جگہ جگہ تعینات کر دیئے جائیں گے...... اس وقت ہمارے لئے تاج محل ہوٹل میں داخل ہونا مشکل ہو جائے گا...... اسی لئے میں نے سوچا ہے کہ ہمیں کوئی ایسا منصوبہ بنانا چاہئے جس پر ابھی سے ہوٹل میں داخل ہو کر عمل کرنا شروع کر دیا جائے“۔

رام پرشاد نے کہا۔

”میں خود اسی لائن پر سوچ رہا ہوں...... ایسا کرو...... تم مجھے ایک دن یعنی کل کے دن کی مہلت دے دو...... پرسوں اسی وقت میں تمہارے کمرے میں آؤں گا...... اس دوران میں بمبئی میں اپنے ایک بڑے اہم آدمی سے بات کرتا ہوں...... اس سے مشورہ بہت ضروری ہے“۔

عمران نے پوچھا۔

”کیا یہ آدمی بمبئی میں اتنا اثر ورسوخ رکھتا ہے کہ اس سلسلے میں ہماری مدد کر سکے؟“۔

رام پرشاد نے عمران کا کندھا دبایا اور اٹھتے ہوئے کہا۔

”ہمارا کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جس کا شہر میں اثر ورسوخ نہ ہو، ورنہ اس کی موجودگی کا فائدہ ہی کیا ہے“ باقی باتیں کل ہوں گی۔

رام پرشاد جی چلے گئے۔

دوسرا سارا دن کمانڈو عمران نے بڑی بے چینی سے گزارا، کیونکہ اس کے سامنے انتہائی اہم اور پیچیدہ مشن تھا اس کی کامیابی کی کوئی واضح صورت نظر نہیں آ رہی تھی...... دوسرے دن رات کو وہ اپنے کمرے میں آکر رام پرشاد جی کا بے تابی سے انتظار کرنے لگا...... کوئی بارہ بجے کے قریب رام پرشاد جی اس کے کمرے میں آئے...... خاموشی سے دروازہ بند کر کے عمران کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئے...... کہنے

"بات یہ ہے کہ میں کل بھی اسی سلسلے میں ایک جگہ گیا تھا، مگر جس آدمی سے م
ضروری تھا اس سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا...... آج اس سے رابطہ ہو گیا ہے اور ا
سے ساری بات ہو گئی ہے...... یہ مت سمجھنا کہ میں نے صاف اردو یا انگریزی زبان میں
ہندی زبان میں اس سے گفتگو کی ہے، نہیں...... ہماری بات کرنے کی ایک خفیہ یعنی ک
زبان ہوتی ہے...... ہم اس زبان میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں...... یہ باتیں عا
ٹیلی فون پر بھی نہیں ہوتیں...... ہمارا ایک دوسرے سے اسی شہر اور دوسرے شہروا
میں بات کرنے کا اپنا ایک خفیہ ذریعہ ہے جو ہم نے ابھی تک تمہیں بھی نہیں بتایا، کیونک
اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی"۔

رام پرشاد جی نے کمبل کے اندر ہاتھ ڈال کر واسکٹ میں سے ایک پاسپور
سائز کی بلیک اینڈ وائٹ فوٹو نکال کر عمران کے سامنے رکھ دی اور بولے۔

"اس آدمی کی شکل اپنے ذہن میں بھی بٹھالو اور یہ تصویر بھی اپنے پاس
رکھو"۔

عمران نے فوٹو دیکھی...... یہ ایک درمیانی عمر کے آدمی کی فوٹو تھی جس
کانگریسی کھدر کی ٹوپی پہنی ہوئی تھی، گلے میں کھدر کا کرتہ تھا...... ٹوپی کے کناروں
کچھ کچھ سفید بال جھلک رہے تھے...... نقش عام قسم کے تھے مگر آنکھوں میں ایک خا
چمک اور ذہانت نظر آ رہی تھی...... رام پرشاد جی کہنے لگے۔

"یہ اپنے ستار سیٹھ کی فوٹو ہے...... کانگریس کے موتنگا حلقے کی ورکنگ کمیٹی
ممبر بھی ہے...... کانگریس پارٹی کا زبردست ورکر ہے...... کانگریس کی مختلف شاخو
ہر سال ہزاروں روپے کا چندہ دیتا ہے...... بمبئی میں اس کا پارٹی ڈیکوریشن کا بہت
کاروبار ہے...... بمبئی میں کانگریس پارٹی کے جتنے جلسے ہوتے ہیں ان کا سارا انتظام
سیٹھ ہی کرتا ہے اور کانگریس سے ایک پیسے کا بل بھی نہیں لیتا...... سارے اخراجا
خود اٹھاتا ہے...... اس وجہ سے یہ کانگریس کی سنٹرل کمیٹی اور اس کے لیڈروں میں

حد جانا پہچانا جاتا ہے...... اس کا بمبئی کے علاقے موتنگا میں کالج روڈ پر بہت بڑا آفس
ہے...... ایک دو بار سونیا گاندھی بھی اس کے دفتر میں آچکی ہیں...... ستار سیٹھ بمبئی کی
سوسائٹی خاص طور پر فلمی حلقوں میں اپنے کھلے خرچ اور پارٹیوں کی وجہ سے بڑا مقبول
ہے...... بڑے بڑے ہوٹلوں میں غیر ملکیوں کی پارٹیوں کے بھی ٹھیکے اسے ہی ملتے ہیں،
کیونکہ اس کا پارٹی ڈیکوریشن کا انتظام سب سے اعلیٰ اور جدید لائٹوں پر ہوتا ہے...... یہ
سارا ڈرامہ ستار سیٹھ نے اس لئے رچایا ہوا ہے کہ وہ ہندو حکومت کے پاکستان کے
خلاف عزائم اور ارادوں کا سراغ لگا سکے اور پھر یہ رپورٹ پاکستان سے متعلق اداروں
تک پہنچا سکے"۔ رام پرشاد جی نے تاکید کرتے ہوئے عمران سے کہا۔

"اس تصویر کو سنبھال کر رکھنا اور ستار سیٹھ سے ملنے کے بعد اسے پھاڑ کر پھینک
دینا"۔

عمران نے ایک بار پھر تصدیق کی خاطر پوچھا کہ کیا ستار سیٹھ کو ان کے مشن کے
بارے میں آگاہ کر دیا گیا ہے...... اس کے جواب میں رام پرشاد بولا۔

"تم ایک سوال بار بار پوچھ کر اپنا اور دوسرے کا وقت ضائع کیوں کرتے ہو......
میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ ستار سیٹھ کو تمہارے مشن کے بارے میں پوری تفصیلات
سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اب تم اور جبران دونوں بمبئی جا کر ستار سیٹھ سے دلی کی کانگریسی
شاخ کے ورکرز کی حیثیت سے ملو گے...... اس کے بعد تمہیں کیا کرنا ہوگا...... یہ
تمہیں ستار سیٹھ بتا دیں گے...... یہاں میں یہی بتاؤں گا کہ موہن داس کی ماسی کی
حالت خراب ہو گئی ہے، اسے اچانک امرتسر جانا پڑ گیا ہے...... جب تم واپس آؤ گے تو
یہی کہو گے کہ تمہاری ماسی سکتے کی حالت میں ہے اور کوئی پتا نہیں کب سورگباش
ہو جائے...... صبح سورج نکلنے سے پہلے تم یہاں سے سیدھے حاجی صاحب کے ہوٹل
میں پہنچو گے جو تمہارے اور جبران کے بمبئی جانے کا انتظام کریں گے"۔

بات ختم کرنے کے بعد رام پرشاد اٹھ کر چلے گئے...... عمران کچھ دیر تک چارپائی

پر بیٹھا بمبئی والے ستار سیٹھ کی پاسپورٹ سائز کی فوٹو کو غور سے دیکھتا رہا...... پھر اسے اپنے کرتے کی اندر والی جیب میں رکھ کر سو گیا...... اس نے صبح چار بجے کا الارم لگا دیا تھا...... ٹھیک چار بجے کلاک کے الارم نے اسے جگا دیا...... اس نے جلدی جلدی گرم پانی سے منہ ہاتھ دھویا...... کمرے سے نکلا اور بازار میں آ کر پیدل ہی حاجی صاحب کے ہوٹل کی طرف چل پڑا...... سردیوں کی صبح کو بازار تقریباً سنسان پڑے تھے...... ابھی اندھیرا تھا...... سردیوں میں رات کے چار پانچ بجے تک اندھیرا ہوتا ہے...... ایک جگہ سے اسے ٹیکسی مل گئی...... وہ ٹیکسی لے کر حاجی صاحب کے ہوٹل آ گیا...... ہوٹل بند تھا...... چوکیدار ہوٹل کے دروازے پر منہ سر لپیٹے بیٹھا جاگ رہا تھا...... حاجی صاحب نے اسے بتا دیا تھا کہ عمران بریلی سے صبح چار بجے کی گاڑی سے آ رہا ہے...... چوکیدار نے دروازہ کھول دیا...... عمران اوپر اپنے خاص کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا...... دن نکلتے ہی حاجی صاحب بھی آ گئے، عمران کو دیکھ کر بولے۔

"تمہارے فرنٹیر میل کے دلی سے بمبئی تک کے دو ٹکٹ میں نے منگوا رکھے ہیں...... ایک تمہارا اور دوسرا ٹکٹ جبران کا ہے...... جبران تمہیں سٹیشن پر ہی ملے گا۔ فرنٹیر میل امرتسر سے چل کر ٹھیک سوا سات بجے دلی پہنچتی ہے...... تم ساڑھے چھ بجے تک سٹیشن پر پہنچ جانا...... بمبئی پہنچنے کے بعد تم بمبئی کے علاقے موتنگا میں کالج روڈ پر ستار سیٹھ پارٹی ڈیکوریٹرز اینڈ کنٹریکٹرز کے آفس جاؤ گے...... سیٹھ ستار کو تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا گیا ہے...... میں جا رہا ہوں، تم یہاں سے ٹھیک چھ بجے ٹیکسی پکڑ کر سٹیشن روانہ ہو جانا...... یہ لفافہ اپنے پاس رکھو"۔

لفافہ عمران کے حوالے کر کے حاجی صاحب واپس چلے گئے...... ان کے جانے کے بعد عمران نے لفافہ کھولا...... اس میں پانچ سو روپے کے کرنسی نوٹ تھے۔ عمران نے لفافہ واسکٹ کی جیب میں رکھ لیا اور صبح کے چھ بجنے کا انتظار کرنے لگا۔

پورے چھ بجے عمران سٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا...... ٹکٹ اس کے پاس تھا۔ وہ

پلیٹ فارم پر ایک کونے میں ہو کر بنچ پر بیٹھ گیا...... اس کی نگاہیں پلیٹ فارم پر کمانڈو جبران کو تلاش کر رہی تھیں...... آخر وہ اسے نظر آ گیا...... اس نے عمران کو دور ہی سے دیکھ لیا تھا...... وہ خاموشی سے اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا...... دونوں اس طرح بیٹھے تھے کہ اگر کوئی دیکھے تو یہی سمجھے کہ دونوں اجنبی مسافر ہیں اور ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں...... ان کے قریب ایک بوڑھے سردار جی بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے، مگر وہ بنچ کے دوسرے کونے پر بیٹھے تھے...... کمانڈو عمران نے بڑی دھیمی آواز میں جبران کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"تم الگ ڈبے میں بیٹھو گے...... ہماری ملاقات بمبئی سٹیشن پر ہو گی"۔

یہ کہہ کر کمانڈو عمران اٹھ کر کتابوں، رسالوں کے سٹال پر چلا گیا...... ویسے تو وہ ایک رسالے کو دیکھ رہا تھا مگر حقیقت میں وہ سٹال پر سامنے لگے آئینے میں سے اپنے عقب میں دیکھ رہا تھا...... ان دونوں کو انٹیلی جنس والوں سے چوکنا ہو کر رہنا پڑتا تھا...... اس وقت تک ان کے پیچھے کوئی نہیں لگا تھا...... اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ دونوں ہندوانہ لباس میں تھے اور پیشانی پر تلک بھی لگا ہوا تھا...... جبران کے سر پر گاندھی کیپ بھی تھی۔

گاڑی ایک گھنٹہ لیٹ تھی اور سوا سات بجے کی بجائے سوا آٹھ بجے کے قریب دلی سٹیشن میں داخل ہوئی...... فرنٹیر میل کا نام ابھی تک فرنٹیر میل ہی تھا...... باقی تقریباً تمام گاڑیوں کے نام تبدیل کر دیئے گئے تھے...... کوئی جنتا ایکسپریس تھی کوئی پوجا ایکسپریس اور کسی کا نام راجدھانی ایکسپریس رکھ دیا گیا تھا...... جبران اور عمران الگ الگ ڈبوں میں سوار ہو گئے، لیکن انہوں نے ایک دوسرے کے ڈبوں کو دیکھ لیا تھا...... دلی بہت بڑا جنکشن تھا...... بڑا سٹیشن تھا...... ٹرین تقریباً نصف گھنٹہ ٹھہری رہی...... اس کے بعد بمبئی کی جانب روانہ ہو گئی۔ یہ کافی لمبا سفر تھا...... راستے میں بھارت کے بڑے بڑے شہر آتے تھے...... سارا دن اور ساری رات ٹرین کا سفر جاری رہا...... دوسرے

دن دو پہر کے بعد ٹرین بمبئی سنٹرل کے سٹیشن پر آکر رک گئی...... جبران اور کمانڈو عمران ایک دوسرے سے الگ الگ اترے اور سٹیشن سے باہر آ گئے۔

سٹیشن سے باہر آنے کے بعد دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہو گئے...... اگرچہ بمبئی کے علاقے موتنگا کے لئے لوکل ٹرینیں بھی چلتی تھیں، مگر انہوں نے لوکل ٹرین کی بھیڑ بھاڑ میں سفر کرنے سے گریز کیا اور ایک ٹیکسی لے لی...... موتنگا بمبے سنٹرل کے سٹیشن سے کافی فاصلے پر ہے، انہیں کافی وقت لگ گیا کالج روڈ موتنگا ریلوے سٹیشن کی دوسری جانب ہے یہ اس اعتبار سے بھی مشہور سڑک ہے کہ راج کپور فیملی کی پرانی کوٹھی اسی سڑک پر تھی اور ادم پرکاش وغیرہ بھی اسی سڑک پر رہتے تھے...... شروع شروع میں اس سڑک پر صرف بنگلے اور کوٹھیاں ہی تھیں...... اب یہاں شاپنگ پلازا اور کاروباری دفاتر بھی قائم ہو گئے ہیں...... جبران کہنے لگا۔

"ستار سیٹھ پارٹی ڈیکوریٹرز اینڈ کنٹریکٹرز کا بورڈ یہیں کہیں ہونا چاہئے"۔

انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی تھی اور کالج روڈ پر پیدل چلے جا رہے تھے...... آخر ایک بزنس کمپلیکس کی پہلی منزل پر انہیں یہ بورڈ نظر آ گیا...... وہ دفتر میں داخل ہو گئے...... کافی بڑا دفتر تھا...... ریسپشن پر بیٹھی لڑکی نے ان سے پوچھا کہ انہیں کس سے ملنا ہے...... عمران نے کہا۔

"ہمیں سیٹھ صاحب سے ملنا ہے...... کیا وہ آفس میں ہی ہیں؟"۔

لڑکی نے انٹرکام فون کا نمبر گھماتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کا نام؟"

عمران نے کہا۔

"عبدالغفار...... میں دلی سے آیا ہوں"۔

ستار سیٹھ کو عمران اور جبران کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی اور اسے یہ بھی بتادیا گیا تھا کہ وہ عبدالغفار کے فرضی نام سے ملیں گے...... لڑکی نے انٹرکام پر ستار سیٹھ

ے کہا کہ دلی سے مسٹر عبدالغفار آئے ہیں...... اس کے بعد لڑکی نے عمران سے کہا۔

"تشریف لے چلیں...... سامنے والا کمرہ سیٹھ صاحب کا ہے"۔

ستار سیٹھ کی فوٹو عمران اور جبران دونوں نے اچھی طرح سے دیکھ رکھی تھی، یں سیٹھ کو پہچاننے میں دیر نہ لگی...... ستار سیٹھ کو بھی عمران اور جبران دونوں کی ویریں بذریعہ رجسٹری ڈاک مل چکی تھیں...... اس نے بھی دونوں کو پہچان لیا...... ر بھی ستار سیٹھ نے خاص کوڈ الفاظ میں عمران کو ایک جملہ بولا جس کے جواب میں ان نے بھی صحیح خفیہ جملہ بول دیا...... ستار سیٹھ اس وقت اپنے سجے ہوئے کمرے ں اکیلا تھا...... اس نے عمران اور جبران کو باری باری بڑے غور سے دیکھا...... ستار ٹھ کا وہی حلیہ تھا جو اس کی پاسپورٹ سائز کی فوٹو میں تھا...... چہرے کے نقوش میں ئی خاص بات نہیں تھی...... بڑا نارمل چہرہ تھا...... صرف آنکھوں میں ایک خاص ت تھی، جس سے پتہ چلتا تھا کہ یہ شخص بڑا ذہین اور گہرا ہے...... ستار سیٹھ نے ان سے کہا۔

"تم لوگ میرے ریسٹ ہاؤس میں جا کر تھوڑا آرام کرو...... میں وہاں فون کر دیتا ں...... اگر کھانا نہیں کھایا تو وہیں کھانا بھی کھانا...... میں تمہیں شام کو آ کر ملوں گا"۔

اس کے بعد اس نے ریسٹ ہاؤس فون کر کے اپنے ملازم عبدل چاچا کو کہا۔

"عبدل چاچا! دلی سے میرے خاص مہمان آئے ہیں"۔

وہ کچھ دن ریسٹ ہاؤس میں قیام کریں گے...... ان کا خاص خیال رکھنا...... وہ ڑی دیر میں پہنچ جائیں گے۔

اس کے بعد ستار سیٹھ نے اپنے ڈرائیور کو بلا کر کہا۔

"یہ میرے مہمان ہیں...... انہیں ریسٹ ہاؤس پہنچا دو"۔

عمران اور جبران اٹھ کھڑے ہوئے اور ستار سیٹھ کا شکریہ ادا کر کے اس سے ہاتھ ر ڈرائیور کے ساتھ دفتر سے باہر آ کر ستار سیٹھ کی قیمتی اور آرام دہ کار میں بیٹھ کر

اس کے ریسٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئے۔

ستار سیٹھ نے شہر سے کچھ فاصلے پر سمندر کے کنارے یہ ریسٹ ہاؤس بنایا ہوا تھا...... یہ دو منزلہ بنگلہ نما عمارت تھی...... عبدل چاچا نے ان کا خیر مقدم کیا اور پہلی منزل کا کونے والا پورشن کھول دیا...... بیڈ روم میں دو بستر الگ الگ لگے تھے۔ ڈرائینگ روم کی آرائش بڑی پرکشش تھی...... ٹی وی وغیرہ موجود تھا...... سمندر کی طرف سے بڑی خوشگوار ہوا آرہی تھی...... عبدل چاچا نے پوچھا۔

"صاحب! کھانا لگادوں"۔

"ہاں لگادو"۔

کھانا بھی بڑا پر تکلف تھا...... بہر حال کھانا وغیرہ کھا کر عمران اور جبران باہر برآمدے میں آرام کرسیوں پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

جبران بولا۔

"ہمیں سب سے پہلے تاج محل ہوٹل کا جائزہ لینا چاہئے اور کسی طریقے سے یہ پتہ کرنا چاہئے کہ روسی وفد کس ونگ میں آکر ٹھہرے گا"۔

عمران نے کہا۔

"یہ شاید ہوٹل کی انتظامیہ کو ابھی خود بھی معلوم نہیں ہوگا اور اگر معلوم بھی ہوگا تو وہ نہیں بتائیں گے...... انٹیلی جنس والوں نے انہیں منع کر رکھا ہوگا...... اس سے خواہ مخواہ ہم انٹیلی جنس کی نگاہوں میں آجائیں گے"۔

"ٹھیک ہے ہم نہیں پوچھتے...... لیکن ہمارا اپنے طور پر وہاں جاکر ہوٹل کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے"۔

عمران بولا۔

"اس سلسلے میں ستار سیٹھ سے مشورہ ضروری ہے...... ہو سکتا ہے اس کے ذہن میں کوئی دوسرا منصوبہ ہو...... اسے ہمارے مشن کے بارے میں سب کچھ بتادیا گیا

ہے"۔

بمبئی کا موسم خوشگوار تھا...... دلی والی سردی نہیں تھی...... دیر تک دونوں کمانڈو دوست برآمدے میں بیٹھے اپنے مشن کے نشیب و فراز پر گفتگو کرتے رہے۔ شام کے وقت دونوں اٹھ کر ڈرائینگ روم میں آکر بیٹھ گئے...... کچھ دیر بعد ستار سیٹھ بھی آگیا...... اس نے عبدل کو چائے لانے کے لئے کہا۔

کچھ دیر وہ عمران اور جبران کے ساتھ بمبئی کے موسم وغیرہ کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ عبدل چائے رکھ کر چلا گیا تو ستار سیٹھ نے کہا۔

"اتنی اطلاع یہاں مجھے بھی اپنے ذرائع سے مل چکی ہے کہ اگلے ماہ کے پہلے ہفتے میں روس کا ایک تجارتی وفد آرہا ہے اور بظاہر یہ تجارتی وفد ہے لیکن معاہدہ کرنے کے لئے آیا ہے...... یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وفد تاج محل ہوٹل میں ٹھہرے گا...... ابھی اس وفد کی آمد میں پورے دس دن رہتے ہیں...... تمہارے ذہن میں اگر کوئی منصوبہ ہے تو مجھے بتاؤ تاکہ مجھے اندازہ ہو سکے کہ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"ابھی تک تو ہم نے کوئی منصوبہ نہیں بنایا...... اس کے لئے سب سے پہلے ہمیں تاج محل ہوٹل میں جہاں یہ وفد ٹھہرے گا اور جہاں معاہدے پر دونوں ملکوں کے درمیان دستخط کئے جائیں گے اس کا علم بڑا ضروری ہے...... اس کے بعد ہی کسی منصوبے پر غور کیا جا سکتا ہے"۔

ستار سیٹھ نے چائے کا گھونٹ بھرنے کے بعد سگریٹ سلگا لیا اور بولا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو...... یہ میں اپنے خفیہ ذرائع سے معلوم کر لوں گا، لیکن سوال یہ ہے کہ فوجی پیکٹ کی نقل تم لوگ کیسے حاصل کر سکو گے، جہاں تک میرا خیال ہے معاہدے کی فائل کی دو کاپیاں ہوں گی...... ایک کاپی بھارتی وفد کے پاس رہے گی اور دوسری روسی وفد کے پاس ہوگی...... دونوں معاہدے کی فائل کو انتہائی رازداری اور

حفاظت کے ساتھ رکھیں گے...... وہاں سیکورٹی کا بھی زبردست انتظام ہوگا..... انٹیلی جنس نے سارے ہوٹل کو گھیرے میں لے رکھا ہوگا...... یہ پتہ کرنا میرے لئے بھی بہت مشکل ہوگا کہ روسی وفد اور بھارتی وفد نے معاہدے کی دستاویز کس جگہ رکھی ہوئی ہے...... وہ تو اس کی ہوا تک نہیں لگنے دیں گے"۔

عمران اور جبران خاموش رہے...... انہوں نے کوئی تبصرہ نہ کیا...... ستار سیٹھ بھی خاموش ہو گیا...... لگتا تھا کہ اس کا ذہن بڑی تیزی سے کچھ سوچ رہا ہے...... کہنے لگا۔

"لیکن ہمیں ناامید بھی نہیں ہونا چاہئے...... میرے پاس یہاں اور تاج محل ہوٹل میں بھی ایسے ذرائع ہیں کہ کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی...... تم لوگ ابھی کچھ دیر صبر کرو اور یہاں آرام کرو...... میں نے تمہارے آنے سے پہلے کچھ آدمیوں کی ڈیوٹی لگادی تھی کہ وہ یہ معلوم کریں کہ روس کا تجارتی وفد ہوٹل کے کون سے ونگ میں ٹھہرے گا اور معاہدے پر دستخط کون سے ہال میں ہوں گے...... تاج محل ہوٹل کے چھ سات ہال ہیں...... ایک ان کا خاص وی آئی پی میٹنگ روم ہے...... بہر حال دو ایک دن میں کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہو جائے گا"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"ہمارا خیال ہے کہ ہمیں تاج محل ہوٹل کا ایک نظر جائزہ لے لینا چاہئے"۔

اس پر ستار سیٹھ نے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تمہارا ہوٹل میں جانا ٹھیک نہیں، کیونکہ میری اطلاع کے مطابق انٹیلی جنس والوں کی ایک پارٹی اس وقت ہوٹل میں موجود ہے اور کوئی پتہ نہیں یہ لوگ کس بھیس میں ہوٹل کی نگرانی کر رہے ہیں...... اس طرح تم خو مخواہ انٹیلی جنس کی نگاہوں میں آجاؤ گے"۔

ستار سیٹھ کا مشورہ بڑا صحیح تھا...... عمران اور جبران نے اس کا مشورہ قبول کر لیا...... دونوں کمانڈو دن کا وقت ریسٹ ہاؤس میں ہی گزارتے، کسی دن صرف شام

ہرا ہو جانے کے بعد گاڑی لے کر بمبئی کے ساحل سمندر کی طرف نکل جاتے...... وقت وہاں ٹہلتے اور اپنے مشن کے بارے میں گفتگو کرتے اور گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد ریسٹ ہاؤس آجاتے...... اسی طرح چھ سات دن گزر گئے...... ان کی اطلاع کے بق روسی وفد کے آنے میں تین دن باقی رہ گئے تھے...... ستار سیٹھ پل پل کی خبر رکھ تا...... وہ رات کو تھوڑی دیر کے لئے عمران اور جبران سے ملنے ریسٹ ہاؤس ضرور تا اور تازہ صورت حال بتا دیتا تھا۔

ایک رات آیا تو لگتا تھا کہ وہ کوئی نئی خبر لایا ہے...... وہ عمران اور جبران کو لے کر میں آکر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"نئی اطلاع یہ ملی ہے کہ روس کا وفد تو اپنے خاص طیارے میں آرہا ہے لیکن اس ان روس کا ایک تجارتی جہاز بھی بمبئی کی بندرگاہ پر پہنچ گیا ہے...... اس کی سمجھ نہیں کہ یہ تجارتی جہاز کس لئے آیا ہے اور عین اسی وقت کیوں آیا ہے جبکہ دونوں کے درمیان ایک خفیہ جنگی معاہدہ ہونے والا ہے"۔

کمانڈو جبرن نے کہا۔

"ہو سکتا ہے روس کا تجارتی جہاز تجارت کا مال لے کر آیا ہو"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"روس کے تجارتی جہاز تو سامان تجارت لے کر بھارت آتے ہی رہتے ہیں، ن اس جہاز کا عین اس وقت آنا جب بھارت اور روس کے مابین جنگی معاہدہ ہونے اہے، بڑا معنی خیز ہے...... بہر حال میرے آدمی کھوج لگا رہے ہیں...... کل تک کچھ کچھ معلوم ہو جائے گا کہ اصل بات کیا ہے"۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"کیا اس سلسلے میں کچھ معلوم ہوا ہے کہ روسی وفد تاج محل ہوٹل کے کس ونگ ٹھہرے گا اور معاہدے پر دستخط کون سے کمرے میں ہوں گے؟"۔

ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے اس کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں ہے، معلوم کرنے والی اصل بات ہے کہ معاہدے کے بعد دونوں ملکوں کے وفد معاہدے کی دستاویز کس جگہ ر ہیں"۔

کمانڈو جبران بولا۔

"بھارتی وفد کے ارکان تو میرا خیال ہے معاہدے کی دستاویز کڑی حفاظت اپنے ساتھ ہی دلی لے جائیں گے اور اسی روز خاص طیارے کے ذریعے واپس چلے جا گے، جبکہ روسی وفد اس دستاویز کو اپنی تحویل میں رکھے گا اور جہاں وہ ٹھہرے ہو ہوں گے یہ دستاویز بھی ان کے پاس ہی ہوں گے...... اس طرح اگر ہم اس دستاو حاصل کرنے کے واسطے دلی کا رخ کریں گے تو اس میں کامیابی کا امکان ایک فی صد کیونکہ یہ بھارت سرکار کے وار آفس کی ٹاپ سیکرٹ دستاویز ہو گی جو انتہائی خفیہ طر سے ایک ہزار ایک تالوں کے اندر رکھی جائے گی جبکہ روسی وفد اس دستاویز کے سا تاج محل ہوٹل میں ہی ہو گا اور ان کے کمرے سے اس دستاویز کے اڑانے یا اس کی اتارنے کے امکانات زیادہ ہوں گے"۔

ستار سیٹھ بڑے غور سے جبران کا بیان سن رہا تھا...... جب اس نے بات ختم وہ بولا۔

"تمہارے خیال میں روسی اس دستاویز کی حفاظت سے غافل ہوں گے؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"غافل تو ہرگز نہیں ہوں گے لیکن روسیوں کو اس دستاویز کو زیادہ سے خفیہ رکھنے کی اتنی ضرورت نہیں ہو گی جتنی ضرورت بھارت سرکار کو ہو گی...... ر تو اندر سے چاہتا ہو گا کہ دوسرے ممالک کے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ ر نے بھارت کے ساتھ دوستی کا حق ادا کیا ہے اور مصیبت کے وقت روس اپنے د

کو کبھی فراموش نہیں کرتا...... روس کو اس سے نقصان کم اور فائدہ زیادہ ہو گا، اس کے خلاف پہلے ہی یہ پراپیگنڈہ ہو رہا ہے کہ مشکل کے وقت روس ساتھ دیتا ہے اور یہ کہ روس خود ایک کمزور اور اقتصادی اعتبار سے غریب ملک ہے، وہ دستوں کی کیا مدد کرے گا"۔

عمران کی یہ دلیل کسی حد تک وزن رکھتی تھی...... ستار سیٹھ بھی کچھ کچھ قائل کہنے لگا۔

"میں سمجھتا ہوں اگر تمہاری یہ دلیل غلط بھی ہو تب بھی دلی وار آفس سے اس یکرٹ دستاویز کو چرانا زیادہ مشکل ہے جبکہ روسی وفد کے قبضے سے یہ دستاویز کی کوشش کی جا سکتی ہے...... یہ میں اس لئے بھی کہہ رہا ہوں کہ میرے کچھ مختلف بھیس میں تاج محل ہوٹل میں کام کرتے ہیں اور ہوٹل کی انتظامیہ میں ال ہیں، کیونکہ اس ہوٹل میں بھارت سرکار کی اعلیٰ سرکاری تقریبات ہوتی یں اور ان تقریبات سے ہمیں بھارتی حکومت کے بعض بڑے اہم اندرونی راز ہوتے ہیں"۔

جبران نے کہا۔

کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں...... اگر بفرض محال ہم روسی وفد سے خفیہ حاصل کرنے میں ناکام ہو گئے، ہم دلی دفتر جنگ کا رخ کر سکتے ہیں...... پھر ہم جہ اور اس جذبے کے ساتھ یہ کمانڈو ایکشن کریں گے کہ ہمارے سامنے دوسرا تہ نہیں ہے اور جو کچھ کرنا ہے اسی کمانڈو ایکشن میں کرنا ہے"۔

ر یہی طے پایا کہ ساری توجہ روسی وفد پر مرکوز کی جائے اور اپنے تمام خفیہ ام میں لاتے ہوئے یہ معلوم کیا جائے کہ روسی وفد کے ارکان ہوٹل کے کون میں کس سویٹ میں ٹھہریں گے...... ان کمروں کا محل وقوع کیا ہو گا اور ان کی کس طرف کھلتی ہوں گی...... غرض کہ تمام تفصیلات پہلے سے ہی معلوم کر لی

جائیں تاکہ ان کی روشنی میں کمانڈو ایکشن کا منصوبہ تیار کیا جائے، کیونکہ یہ طے ش
بات تھی کہ روسی وفد معاہدے کی دستاویز کو نہ تو بمبئی کے کسی بنک کے لاکر میں
کرائے گا اور نہ اسے کسی کے ہاتھ ماسکو بھجوائے گا...... دستاویز وفد کے قبضے میں
ہوگی اور وفد کا سربراہ جس کمرے میں ہوگا اسی کمرے میں یہ دستاویز بھی
ہوگی...... یہاں اگر ضرورت ہوئی تو بڑے زبردست اور طوفانی کمانڈو ایکشن
ضرورت ہوگی۔

ستار سیٹھ نے اپنے ان تمام خفیہ ذرائع کو خبردار کر دیا جن کا تعلق تاج محل ہو
سے تھا...... روسی وفد کی بکنگ ایک ہفتہ پہلے ہو چکی تھی لیکن وفد کے ارکان کو جو کمر
الاٹ کئے گئے تھے ان کا اعلان نہیں کیا گیا تھا اور انہیں خفیہ رکھا گیا تھا، لیکن ہوٹل
ستار سیٹھ کے جو آدمی مختلف کام کرتے تھے...... انہوں نے جس روز روسی وفد
کمروں کی بکنگ ہوئی اسی روز شام کو آکر ستار سیٹھ کو ان کمروں کے نمبر بتا دیئے اور
کمرے کی نشاندہی بھی کر دی جو روسی وفد کے سربراہ کو الاٹ کیا گیا تھا...... ستار
نے اسی رات ریسٹ ہاؤس میں آکر عمران اور جبران کو تمام کمروں کے نمبر بتا دیئے۔

روسی وفد کے سربراہ کو تین کمروں پر مشتمل جو سویٹ الاٹ کیا گیا تھا وہ تاج
ہوٹل کی تیسری منزل پر ہوٹل کے جنوبی حصے میں تھا اور اس کے ٹی وی لاؤنج کی
کھڑکیاں نیچے عقبی لان کی طرف کھلتی تھیں...... ستار سیٹھ نے کہا۔

"لیکن یہ کھڑکیاں اتنی بلندی پر ہیں کہ باہر سے کھڑکی تک پہنچنا بہت مشکل
اور اس کے علاوہ وہاں دیوار کے ساتھ بتیاں ساری رات روشن رہتی ہیں...... اگر
بھی دیوار پر چڑھے تو نظر آجاتی ہے"۔

عمران نے ستار سیٹھ سے پوچھا۔

"پارٹی ڈیکوریشن کے سلسلے میں آپ کا تاج محل ہوٹل سے اکثر رابطہ
ہوگا...... یہ بتائیے کہ ہوٹل میں آپ کے جاسوس کس کس پوزیشن پر کام کر

ں"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"اس کو چھوڑیں...... آپ یہ بتائیں کہ آپ کو کس قسم کے آدمی کی مدد کی
ورت ہوگی؟"۔

عمران بولا۔

"کیا اس عملے میں آپ کا کوئی اپنا آدمی شامل ہے جو اعلیٰ سرکاری دعوتوں میں
نے کی سروس وغیرہ کرتا ہو؟"۔

ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"میرے آدمی زیادہ تر وہاں یہی خدمات انجام دیتے ہیں...... ایک ہیڈ باورچی بھی
رے لئے کام کرتا ہے...... بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ لوگ میرے لئے یا پیسوں کے
لچ میں یہ کام نہیں کرتے بلکہ صرف جہاد کشمیر اور پاکستان کے لئے انہوں نے اپنے
پ کو خطرے میں ڈال رکھا ہے، کیونکہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ لوگ وہاں پاکستان
لئے جاسوسی کرتے ہیں تو پھر ان کی خیر نہیں...... پولیس انہیں اسی وقت پکڑ کر
جائے گی اور پھر ان کی لاش بھی کسی کو نہیں ملے گی"۔

جبران نے بے ساختہ کہا۔

"جزاک اللہ! یہ لوگ اسلام کے مجاہد ہیں"۔

عمران نے ستار سیٹھ سے کہا۔

"کیا ان میں ایک دو ایسے آدمی بھی ہیں جن پر ہوٹل کی انتظامیہ پورا اعتماد کرتی
، اور جو ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے وی آئی پی لوگوں کے کمرے میں سروس کرنے
تے ہوں؟"۔

"کیوں نہیں؟" ستار سیٹھ نے کہا...... "ایسے تین آدمی ہیں...... تینوں جوان آدمی
...... پڑھے لکھے ہیں اور وی آئی پی لوگوں کے کمروں کی صفائی اور بستروں کی چادریں

بدلنے اور رات کے وقت کافی اور دیگر مشروبات لانے لے جانے کی سروس انہی کے ذمے ہے“۔

عمران نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”بس...... مجھے ان میں سے اس نوجوان کو ملوا دیجئے جو کمروں کی سروس کرتا ہو“۔

ستار سیٹھ بولا۔

”میں کل شام کو اسے بلوا لیتا ہوں“۔

اگلے روز شام کو ستار سیٹھ اس نوجوان کو لے آیا جو وی آئی پی لوگوں کے کمروں کی سروس پر متعین تھا...... اس کا نام غلام احمد تھا...... نوجوان تھا مگر چہرے پر پختہ عمر کے لوگوں والی سنجیدگی تھی...... اس وقت کمرے میں جبران بھی عمران کے ساتھ ہی بیٹھا تھا...... ستار سیٹھ نے بات شروع کرتے ہوئے کہا۔

”یہ منصوبہ کامیاب ہوتے نظر نہیں آتا“۔

عمران اور جبران ستار سیٹھ کو تکنے لگے کہ اچانک اس نے یہ رائے کیسے قائم کر لی...... جب عمران نے اس کی وجہ پوچھی تو ستار سیٹھ بولا۔

”غلام احمد نے مجھے کچھ اور ہی بات بتائی ہے...... احمد! تم خود ہی عمران کو بتادو“۔

غلام احمد کہنے لگا۔

”روس کا ایک تجارتی ڈیلی گیشن عنقریب آ رہا ہے اور وہ ہمارے ہوٹل میں ہی آ کر ٹھہرے گا...... اس سے پہلے بھارتی وفد ہوٹل میں پہنچ چکا ہوگا، لیکن ایک نئی بات یہ ہوئی ہے کہ روسی وفد نے اپنے سفارت خانے کے ذریعے ہوٹل کی انتظامیہ کو مطلع کر دیا ہے کہ جس ہال میں بھارت اور روس کے مابین تجارتی سمجھوتے پر دستخط ہوں گے اور جن کمروں میں روسی وفد کے ارکان ٹھہریں گے وہاں ہوٹل کے کسی ملازم کو جانے کی اجازت نہیں ہوگی...... وفد اپنے روسی سروس بوائے ساتھ لا رہا ہے...... ایسا

ں سیکورٹی کی خاطر کیا گیا ہے، چنانچہ جتنے روز روسی وفد تاج محل ہوٹل میں رہے گا ۂ دن کی ہمیں چھٹی دے دی جائے گی۔

اس انکشاف نے عمران جبران کی ساری سکیم پر پانی پھیر دیا...... عمران نے غلام ے پوچھا۔

”کیا تمہاری اطلاع بالکل صحیح ہے“۔

غلام احمد بولا۔

”آپ خود جا کر معلوم کر سکتے ہیں...... میں نے حقیقت آپ کو بیان کر دی “۔

ستار سیٹھ نے اپنے جاسوس غلام احمد کو واپس بھیج دیا...... عمران نے کمانڈو جبران طرف دیکھا۔

”اب کیا صورت ہو سکتی ہے؟“۔

جبران بولا۔

”کوئی اور منصوبہ تیار کرنا پڑے گا، کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ بھارت اور ں کے درمیان تجارتی معاہدہ نہیں بلکہ جنگی معاہدہ ہو رہا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ہدہ پاکستان کو روس کے جدید اسلحہ کی مدد سے شدید نقصان پہنچانے کے لئے طے ہے...... اس میں درج اسلحہ کی نوعیت اور تعداد کا معلوم ہونا پاکستان کی سالمیت کے انتہائی ضروری ہے“۔

ستار سیٹھ کچھ سوچ رہا تھا...... اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے کہا۔

”میرے ذہن میں ایک دوسرا منصوبہ ہے“۔

کمانڈو جبران اور کمانڈو عمران ستار سیٹھ کے سنجیدہ چہرے کو دیکھنے لگے۔

”وہ کیا ہے؟“ کمانڈو جبران نے پوچھا۔

ستار سیٹھ بولا۔

"مارگریٹا نام کی ایک اینگلو انڈین عورت ہماری کوسموپولیٹن کلب میں شام کو دو گھنٹے جز وقتی کام کرنے آتی ہے...... وہ بمبئی کے روسی کونصلیٹ میں ایک عرصے سے جاب کرتی ہے...... یہ عورت بیوہ ہے اور اپنے چار بچوں کی بڑی مشکل سے پرورش کر رہی ہے...... یہ بات میرے علم میں ہے کہ مارگریٹا کے روسی کونصلیٹ کے روسی فوجی معاملات کے مشیر مسٹر گریگوری سے ناجائز تعلقات ہیں...... یہ اینگلو انڈین عورت ماگریٹا پرکشش عورت ہے اور اس کا گزارہ بڑی مشکل سے ہو رہا ہے...... اسے پیسوں کی ضرورت رہتی ہے اور کلب کے آفس سے اکثر پیشگی رقم لیتی رہتی ہے"۔

"ستار صاحب آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" عمران نے براہ راست سوال کیا......

ستار سیٹھ نے عمران کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ عورت مارگریٹا روسی کونصلیٹ کے فوجی امور کے مشیر گریگوری کو بہت پسند ہے...... روسی کونصلیٹ والوں کی تنخواہیں زیادہ نہیں ہوتیں...... پھر بھی مسٹر گریگوری اس عورت مارگریٹا کو ہر ماہ کچھ رقم دے دیتا ہے...... اس کے باوجود مارگریٹا کو اپنے بچوں کی اعلیٰ تعلیم پر اتنا زیادہ خرچ اخراجات کرنے پڑتے ہیں کہ وہ اکثر کلب کے لوگوں سے ادھار مانگتی رہتی ہے...... میری اس تمہید کا مطلب یہ ہے کہ اس عورت کو خریدا جا سکتا ہے"۔

کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران سمجھ گئے تھے کہ ستار سیٹھ کیا کہنا چاہتا ہے، مگر زبان سے کچھ نہ بولے اور ستار سیٹھ کو تکتے رہے...... ستار سیٹھ بولا۔

"یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ بھارت اور روس کے درمیان جنگی معاہدہ طے پائے اور اس کے مندرجات کا کونصلیٹ کے فوجی امور کے مشیر مسٹر گریگوری کو علم نہ ہو، بلکہ عین ممکن ہے کہ روسی وفد معاہدے کی اصل کاپی ہوٹل میں اپنے پاس رکھنے کی بجائے اپنی کونصلیٹ میں فوجی مشیر گریگوری کی تحویل میں دے دے، کیونکہ سفارت خانہ اس قسم کی سیکرٹ دستاویزات کے لئے محفوظ ترین جگہ ہوتی ہے...... وہاں تو کوئی باہر

اجنبی داخل ہی نہیں ہو سکتا...... یہ عورت مارگریٹا پر میرے بڑے احسان ہیں...... وہ دس ہزار روپوں کی میری مقروض بھی ہے...... میں اسے معاہدے کے خفیہ مندرجات کی ایک نقل مہیا کرنے کے عوض تیس ہزار روپے کی پیشکش کروں گا...... مارگریٹا کے لئے یہ بہت بڑی رقم ہے...... وہ کچھ ہچکچائی تو میں رقم بڑھا کر پچاس ہزار بھی کر دوں گا...... مجھے یقین ہے وہ میرے جال میں بڑی آسانی سے پھنس جائے گی اور چاہے اسے کچھ بھی کرنا پڑے وہ ہمیں معاہدے کے خفیہ مندرجات کی نقل ضرور فراہم کر دے گی"۔

عمران نے کہا۔

"اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو مارگریٹا سے بات کر کے دیکھ لیں...... اس طرح ہمارا کام بڑی آسانی سے نکل آئے گا، لیکن آپ اتنی رقم"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"یہ کوئی بڑی رقم نہیں ہے...... پاکستان کے لئے تو میری جان بھی حاضر ہے...... روسی وفد کو بمبئی پہنچ لینے دو...... اس کے بعد میں مارگریٹا سے بات کروں گا"۔

اس گفتگو کے تین دن بعد روسی وفد بمبئی پہنچ گیا...... بھارتی وفد پہلے ہی بمبئی پہنچ چکا تھا...... روسی وفد کی آمد کی خبر اخباروں میں اس طرح چھپی کہ روس کا ایک تجارتی وفد بھارت آیا ہے جو بھارت میں ایک ہفتہ قیام کرے گا اور اسی دوران یہ وفد بھارت سے بعض تجارتی امور سے متعلق بات چیت بھی کرے گا اور خیال ہے کہ بھارت اور روس کے مابین ایک معاہدے پر دستخط ہوں گے جس کے تحت بھارت روس کو خوردنی تیل، گندم اور کپڑا ایکسپورٹ کرے گا۔

اس خبر کے چھپتے ہی ستار سیٹھ نے مارگریٹا کو اتوار کی رات ایک مقامی ہوٹل میں کھانے پر بلایا اور اس کے آگے ایک بند لفافہ رکھتے ہوئے کہا۔

"اس لفافے میں پچاس ہزار کے نوٹ ہیں"۔

"یہ رقم اب تمہاری ملکیت ہے...... اس کے عوض تمہیں میرا ایک چھوٹا سا کام کرنا ہو گا"۔

اور ستار سیٹھ نے صاف لفظوں میں مارگریٹا کو اپنا مدعا بیان کر دیا اور آخر میں کہا۔

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ راز صرف تمہارے اور میرے درمیان ہی رہے گا...... اس کی کسی تیسرے شخص کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی"۔

پچاس ہزار روپوں کی رقم اس اقتصادی طور پر زبوں حال اینگلو انڈین بیوہ عورت مارگریٹا کے لئے بہت بڑی رقم تھی...... اس رقم سے اس کے بے شمار مسائل حل ہو سکتے تھے...... ستار سیٹھ سے اس کی کوئی نئی نئی واقفیت نہیں تھی...... وہ اسے دس بارہ سال سے جانتی تھی...... ستار سیٹھ نے مزید کہا۔

"اس پیشکش کے ساتھ ہی تمہارے ذمے میرا دس ہزار روپے کا قرضہ بھی بے باق ہو جائے گا...... یہ بھی میرا تم سے وعدہ ہے"۔

مارگریٹا نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ کیا وہ یہ کام اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے کر سکے گی؟ وہ ایسا کر سکتی تھی...... یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا، اس کا دوست اور روسی کونصلیٹ کے فوجی امور کا مشیر گریگوری اس پر اعتماد کرتا تھا...... اس نے ستار سیٹھ کے آگے حامی بھری اور کہا۔

"اگر تم وعدہ کرتے ہو کہ یہ بات صرف تمہارے اور میرے درمیان ہی رہے گی اور مجھے کسی دوسرے شخص سے نہ تو کوئی بات کرنی پڑے گی اور نہ مجھے کسی کے سامنے جانا پڑے گا تو میں یہ راز اگر گریگوری کے پاس ہوا تو اس کی نقل تمہیں ضرور لا کر دے دوں گی"۔

ستار سیٹھ نے پچاس ہزار روپے کے کرنسی نوٹوں کا لفافہ مارگریٹا کی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔

"اسے اپنے پرس میں رکھ لو...... تاج محل ہوٹل میں بھارت اور روسی وفد کے

درمیان معاہدے کی دستاویز پر دستخط ہو جائیں گے، ہو سکتا ہے اس تجارتی معاہدے میں کچھ اسلحہ وغیرہ کے مندرجات بھی درج کر دیئے جائیں جو روس بھارت کو پاکستان یا چین سے جنگ کی صورت میں مہیا کرے گا، جو پارٹی تمہیں میری وساطت سے یہ رقم دے رہی ہے اس کو ان مندرجات سے بھی دلچسپی ہے...... تم میرا مطلب سمجھ گئی ہو گی"۔

مارگریٹا کو اس سے کوئی قباحت نظر نہیں آتی تھی کہ معاہدے میں کس کس آئٹم کا ذکر ہو گا...... اسے صرف پچاس ہزار روپے کی رقم سے دلچسپی تھی جس نے اس کے بے شمار مسائل کو حل کرنا تھا، اس نے کہا۔

"اس معاہدے میں جو کچھ بھی ہو گا میں اس کی نقل تمہیں لا کر دے دوں گی، لیکن اس کے بعد میں اس قسم کے کاموں میں حصہ نہیں لوں گی اور تم مجھے مجبور بھی نہ کرنا"۔

ستار سیٹھ جانتا تھا کہ اتنی بڑی رقم اس عورت کو ہر کام کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے...... اپنی جاسوسی کی طویل زندگی میں کبھی کبھی ان لوگوں کو دشمن کے کچھ اپنے حالات کے ہاتھوں مجبور انسانوں کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں بھاری رقوم دے کر خریدنا پڑ جاتا ہے...... یہ ان جاسوسوں کی اپنی مجبوری ہوتی ہے...... اس میں انہیں یہ خطرہ مول لینا پڑتا ہے کہ کہیں یہ آدمی جاسوس بن کر دشمن کے آگے ان کا پول نہ کھول دے...... اس کا ان جاسوسوں کے پاس یہی ایک علاج ہوتا ہے کہ ایسے آدمی کو اور اس آدمی کو جس کے آگے اس نے زبان کھولی ہوتی ہے...... دونوں کو قتل کروا دیا جائے...... ستار سیٹھ اپنے آدمیوں سے اس قسم کے دو ڈبل ایجنٹوں کا ان کی پارٹی سمیت قتل کروا چکا تھا، چنانچہ مارگریٹا کے ساتھ بات کرنے اور اس پر اپنے غیر ملکی ایجنٹ ہونے کا راز کھولنے سے پیشتر اپنے ایک آدمی کو تیار کر چکا تھا کہ اگر مارگریٹا نے ڈر کر یہ راز کسی کے آگے کھول دیا تو ان دونوں کو قتل کر دیا جائے...... رات کو ستار

سیٹھ نے ریسٹ ہاؤس میں آکر کمانڈو جبران اور کمانڈو عمران کو یہ خوشخبری سنائی کہ مارگریٹا پچاس ہزار روپے کی رشوت کے بعد جنگی پیکٹ کی دستاویز کی نقل فراہم کرنے پر تیار ہو گئی ہے...... عمران نے فوراً پوچھا۔

"کیا آپ کو اس عورت پر اعتماد ہے کہ وہ آپ کا راز فاش نہیں کرے گی؟ آپ نے تو اسے اپنی چال کے پتے دکھا دیئے ہیں"۔

ستار سیٹھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کا علاج بھی ہمارے پاس ہے اور میں نے اس کا پہلے سے بندوبست کر لیا ہے...... تم اس کی فکر نہ کرو...... اتنا مجھے یقین ہے کہ مارگریٹا یہ کام دیانت داری سے کرے گی اور اپنے دوست گریگوری کے کندھوں پر پاؤں رکھ کر روسی قونصل خانے سے معاہدے کی دستاویز کی نقل ضرور لے آئے گی...... اگر ایسا نہ کر سکی تو پچاس ہزار کی رقم مجھے واپس کر دے گی، کیونکہ وہ مجھے اور میرے پالے ہوئے، میرے پروردہ قاتل قسم کے بدمعاشوں سے خوب واقف ہے۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"اور اس بات کی یقین دہانی کون کرائے گا کہ مارگریٹا آپ کے بارے میں سی آئی ڈی کو رپورٹ نہیں کرے گی؟"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"مارگریٹا جانتی ہے کہ اگر اس نے ایسی کوئی حرکت کی تو میرے آدمی سب سے پہلے اس کے بچوں کو قتل کریں گے اور پھر اسے بھی زندہ نہ چھوڑیں گے"۔

جبران نے اس کے بعد کوئی سوال نہ پوچھا...... اب وہ بڑی بے چینی سے اس دن کا انتظار کرنے لگے جس روز روس اور بھارت کے درمیان جنگی معاہدے پر دستخط ہونے تھے۔



آخر وہ دن آ گیا جس دن کا ان لوگوں کو شدت سے انتظار تھا۔

اس دن روس اور بھارت کے وفود کے درمیان بظاہر دونوں ممالک کے درمیان ارت اور حقیقت میں دونوں ملکوں کے درمیان جنگی معاہدہ طے پا گیا اور دستاویز پر تخط ہو گئے، اسی دن شام کو ستار سیٹھ کاسموپولیٹن کلب میں خاص طور پر مارگریٹا سے قات کی غرض سے گیا...... مارگریٹا وہاں پارٹ ٹائم ڈیوٹی دینے آئی ہوئی تھی...... قع پا کر ستار سیٹھ نے اس سے کہا کہ جس دستاویز کی ہمیں نقل چاہئے اس پر تاج محل ٹل میں دونوں ممالک کے وفود کے سربراہوں کے دستخط ہو گئے ہیں...... مارگریٹا نے بڑی رازداری سے کہا۔

"ابھی تک وہ دستاویز روسی قونصلیٹ میں گریگوری کے پاس نہیں پہنچیں...... ں نے آج پتہ کر لیا تھا۔ میرا خیال ہے کل تک پہنچ جائے گی...... اس کے بعد میں کسی کسی طرح اس کی ایک نقل حاصل کرنے کی کوشش کروں گی"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"کوشش نہیں مارگریٹا میری جان...... تمہیں یہ کام ہر حالت میں کرنا ہوگا"۔

مارگریٹا نے ستار سیٹھ کی طرف نظریں اٹھا کر کہا۔

"یہ میں اچھی طرح سے جانتی ہوں ستار...... تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے"۔

ستار سیٹھ نے سگریٹ سلگایا اور کلب کے بار روم کی طرف چل دیا۔

مارگریٹا کو معاہدے کی دستاویز کی نقل حاصل کرنے میں تین دن لگ گئے...... اس دوران روسی وفد انڈیا کے تاریخی مقامات دیکھنے کی غرض سے آگرہ اور فتح پور سیکری کی طرف جاچکا تھا...... مارگریٹا نے ستار سیٹھ کو فون پر کہا۔

"سیٹھ آج شام کلب ضرور آنا...... میں اپنی سالگرہ کی پارٹی دے رہی ہوں"۔

ستار سیٹھ سمجھ گیا کہ مارگریٹا نے کام دکھا دیا ہے، ورنہ مارگریٹا نے آج تک کبھی اپنی سالگرہ نہیں منائی تھی...... ستار سیٹھ نے یہ بات کمانڈو جبران اور عمران کو بھی بتادی کہ مارگریٹا نے دستاویز کی نقل حاصل کرلی ہے اور وہ آج شام کلب میں لے کر آرہی ہے...... ستار سیٹھ شام کو خود ہی گاڑی چلاتا کلب پہنچ گیا...... مارگریٹا کلب کے کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی ٹائپ کر رہی تھی...... اس نے ستار سیٹھ کو دیکھا تو میز کے دراز کے ایک خانے میں سے انگریزی کی ایک کتاب نکال کر ستار کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ ستار سیٹھ...... میں نے یہ ناول پڑھ لیا ہے...... بڑا دلچسپ ناول تھا...... اب کوئی اور کتاب اسی مصنف کی لکھی ہوئی ضرور لاکر دینا...... مجھے اس آدمی کا سٹائل بہت اچھا لگتا ہے"۔

ستار سیٹھ نے دیکھ لیا تھا کہ انگریزی کے موٹے ناول کے اندر ایک لفافہ موجود تھا جس کے کنارے ذرا ذرا باہر نکلے ہوئے تھے...... ستار سیٹھ نے انگریزی کا ضخیم ناول بغل میں دبایا اور مارگریٹا کے ساتھ یونہی دو تین باتیں کر کے کلب سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھا اور سیدھا ریسٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہوگیا...... ذرا آگے جاکر اس نے گاڑی ایک طرف اندھیرے میں کھڑی کی...... انگریزی کا ناول کھول کر اندر سے خاکی رنگ کا لفافہ نکال کر کھولا...... اس میں ایک فل سکیپ کاغذ تہہ کر کے رکھا ہوا تھا...... یہ معاہدے کی دستاویز کی فوٹو کاپی تھی...... ستار سیٹھ ڈیش بورڈ کی بتی روشن کر کے دستاویز کی فوٹو کاپی پڑھنے لگا...... اس نے دو تین بار دستاویز کے انگریزی کے متن تجارتی شرائط

مندرجات کو پڑھا...... نیچے بھارت کے سیکرٹری فنانس اور سیکرٹری ڈیفنس کے دستخطوں کے ساتھ روسی وفد کے سربراہ کے دستخط بھی تھے مگر جس چیز کی اسے تلاش تھی وہ وہاں نہیں تھی...... ستار سیٹھ نے گاڑی آگے بڑھائی اور ایک چوک میں لگے ہوئے پبلک ٹیلی فون بوتھ سے مارگریٹا کو کلب میں فون کیا اور کہا۔

"اس کتاب میں جو تم نے مجھ دی ہے بعض چیزیں جن کی مجھے ضرورت تھی درج نہیں ہیں"۔

مارگریٹا نے کہا۔

"میں نے کتاب اسی حالت میں خریدی تھی...... میں کلب سے نکل کر تمہاری طرف سے ہوتی آؤں گی...... ساری بات زبانی کروں گی"۔

ستار نے کہا۔

"میں ریسٹ ہاؤس میں ہی ہوں گا"۔

مارگریٹا نے ٹیلی فون بند کر دیا...... ریسٹ ہاؤس میں کمانڈو عمران اور جبران ستار سیٹھ کے انتظار میں بیٹھے تھے...... ستار نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کتاب میں سے معاہدے کی دستاویز کی فوٹو کاپی عمران کو دیتے ہوئے کہا۔

"مارگریٹا نے معاہدے کی فوٹو کاپی دے دی ہے، مگر اس میں تجارتی آئٹمیں درج ہیں، جنگی ساز و سامان کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے"۔

عمران بولا۔

"پھر تو یہ دستاویز ہمارے لئے بیکار ہے...... مارگریٹا سے پوچھنا تھا کہ اس میں اسلحہ اور دیگر فوجی سامان کا ذکر کیوں نہیں ہے، جبکہ یہ تصدیق شدہ بات ہے کہ یہ تجارتی معاہدہ نہیں ہے بلکہ جنگی معاہدہ ہے"۔

ستار بولا۔

"میں نے گاڑی میں یہ دستاویز پڑھی تھی اور ایک جگہ سے مارگریٹا کو فون کر کے

پوچھا تھا...... اس نے کہا ہے کہ وہ خود یہاں آ کر بات کرے گی...... اس وقت آٹھ بجے ہیں وہ نو بجے رات کو کلب سے نکلتی ہے"۔

یہ لمحے بھی ایک تکلیف دہ انتظار کی گھڑیاں تھیں...... ٹھیک نو بجے ستار سیٹھ نے مارگریٹا کو کلب فون کیا...... معلوم ہوا کہ وہ ابھی نکل کر گئی ہے...... کچھ دیر بعد مارگریٹا کے پرانے ماڈل کی بوسیدہ گاڑی لان میں داخل ہوئی...... کمانڈو جبران اور عمران کو دیکھ کر مارگریٹ تھوڑا ہچکچائی...... ستار سیٹھ نے کہا۔

"یہ میرے ساتھی ہیں...... ان کی فکر نہ کرو...... جو بات کہنا چاہتی ہو کھل کر بیان کرو"۔

مارگریٹا ستار سیٹھ کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی...... ستار سیٹھ نے دستاویز کی فوٹو کاپی نکال کر سامنے رکھ دی اور کہا۔

"اس میں وارپیکٹ کے سلسلے میں بھارت کو ملنے والی روسی فوجی امداد کا کہیں ذکر نہیں ہے...... ہمیں تو ان کی ضرورت تھی...... یہ دستاویز تو ہمارے لئے بیکار ہیں"۔

مارگریٹا بولی۔

"ستار! یہی وہ اصل معاہدے کی فوٹو کاپی ہے جو دو روز پہلے تاج محل ہوٹل میں روس اور بھارت کے درمیان طے پایا ہے...... اس پر دونوں وفود کے لیڈروں کے دستخط ہیں اور سرکاری مہریں بھی لگی ہیں...... میں نے اس دستاویز کی فوٹو کاپی اپنی جان کی بازی لگا کر کس طرح حاصل کی ہے یہ میں ہی جانتی ہوں...... اب اگر اس میں آپ لوگوں کی پسند کی کچھ آئٹمیں درج نہیں ہیں تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے"۔

ستار سیٹھ کو تھوڑا غصہ آ گیا...... اس نے جیب سے بھرا ہوا جرمن پستول نکال کر میز پر رکھ دیا اور مارگریٹا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"مارگریٹا! تم دیکھ رہی ہو کہ اس وقت پستول کا رخ تمہاری طرف ہے...... یہ لوڈ ہے اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں اسے چلانا اور اس کی گولیاں دشمن کے سینے میں اتارنا

جانتا ہوں"۔

مارگریٹا کا رنگ خوف کے مارے سفید پڑ گیا...... ستار سیٹھ نے پستول اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور مارگریٹا کے ہاتھ کو ہلاتے ہوئے کہا۔

"گھبرانے کی بات نہیں ہے...... تم میری دوست ہو...... میں نہیں سمجھتا کہ کبھی اس پستول کی گولیاں تمہارے جسم میں اتارنی پڑیں گی...... مجھے یقین ہے کہ ایسی نوبت نہیں آئے گی...... یہ ہو نہیں سکتا کہ اس میٹنگ میں روس اور بھارت کے مابین کوئی معاہدہ نہ ہوا ہو اور کسی نہ کسی جگہ اس معاہدے کی رو سے بھارت کو سپلائی کئے جانے والے فوجی ساز و سامان کی تفصیل نہ لکھی گئی ہو...... مجھے یقین ہے کہ یہ دستاویز ے خفیہ رکھا گیا ہے ضرور روسی قونصل خانے میں موجود ہو گی۔ تمہیں ہر حالت میں ن کا کھوج لگا کر اس کی ایک کاپی ہمیں مہیا کرنی ہے...... میرا خیال ہے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کا مطلب سمجھ رہی ہو"۔

مارگریٹا نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا...... وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے ان لوگوں کی تسلی نہ کی تو اسے نہ صرف یہ کہ پچاس ہزار روپے واپس دینے پڑیں گے بلکہ ممکن ہے اس کے ساتھ ستار سیٹھ کے آدمی کچھ ا... بھی کریں، چنانچہ وہ ہر حالت میں ان کی تسلی کرنا چاہتی تھی، اس نے کہا۔

"ستار سیٹھ! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے...... اگر تمہاری مطلوبہ دستاویز روسی قونصلیٹ میں موجود ہے تو یقین کرو میں اس کی فوٹو کاپی لانے کی سر توڑ کوشش کروں گی...... مجھے صرف دو دن کی مہلت دے دو"۔

ستار سیٹھ نے بڑے پیار سے مارگریٹا کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"ضرور مہلت لے لو، مگر دو دن کی، اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے"۔

"ٹھیک ہے" مارگریٹا نے کہا اور جانے کے لئے اجازت طلب کی...... ستار سیٹھ اسے چھوڑنے اس کی گاڑی تک گیا...... جب مارگریٹا کی گاڑی ریسٹ ہاؤس سے باہر نکل

گئی تو ستار سیٹھ نے عمران اور جبران کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اب یہ ہمارا کام ضرور کرے گی چاہے اسے کچھ ہی کیوں نہ کرنا پڑا...... میں بھی نہیں چاہتا کہ وہ پچاس ہزار کی رقم واپس کر دے"۔

مزید دو دن پہاڑ کی طرح کاٹنے پڑے۔

تیسرے دن مارگریٹا کا ستار سیٹھ کو فون آیا کہ وہ آج رات سوا نو بجے ریسٹ ہاؤ پہنچ رہی ہے...... اس کے سوا اس نے فون پر کوئی بات نہ کی اور فون بند کر دیا...... را کو کلب کی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر مارگریٹا ٹھیک سوا نو بجے ریسٹ ہاؤس پہنچ گئی...... کما عمران، جبران اور ستار سیٹھ اس کے انتظار میں بیٹھے تھے...... ریسٹ ہاؤس میں سوا بوڑھے ملازم کے اور کوئی نوکر نہیں ہوتا تھا...... جب مارگریٹا آتی تھی یا جبران ا عمران کے ساتھ ستار سیٹھ گفتگو کر رہا ہوتا تھا تو بوڑھے ملازم کو بھی بغیر پوچھے کمر میں آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی...... ستار سیٹھ نے مارگریٹا سے پوچھا کہ وہ کیا خو خبری لائی ہے، وہ بولی۔

"یہ نہ تو خوش خبری ہے اور نہ کوئی بری خبر ہے...... بلکہ بالکل صحیح خبر ہے روس اور بھارت کے مابین طے پانے والے جنگی معاہدے کی اصل کاپی ایک بری کیس میں بند کر کے بمبئی کی گودی میں جو روس کا تجارتی جہاز لنگر انداز ہے اس کیپٹن کے حوالے کر دی گئی ہے تاکہ اس کے چرائے جانے کا کوئی امکان ہی نہ ر کیونکہ تاج محل ہوٹل میں یا بھارت میں اس کے چرائے جانے کا خطرہ موجود تھا روسی جہاز پر تو کسی بھارتی یا غیر ملک کے باشندے کو جانے کی اجازت ہی نہیں ہے یہ بالکل پکی اطلاع ہے...... بریف کیس کا رنگ سیاہ ہے اور اس پر سرخ رومن حر میں C.C.P لکھا ہوا ہے...... بریف کیس کو جو تالا لگا ہوا ہے وہ کمپیوٹر کے ہندسوں ہے"۔

"یہ ہندسے کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں؟"۔

عمران نے پوچھا...... مارگریٹا نے کہا۔

"یہ مجھے ابھی معلوم نہیں ہو سکا...... میں اس کا سراغ لگانے میں لگی ہوئی ...... کل رات میں نے اسی مقصد کے لئے روسی قونصل خانے کے فوجی مشیر گریگوری کو اپنے گھر رات کو کھانے پر بلایا ہے...... کل رات کھانے کے بعد ب کا دور بھی چلے گا...... اسی دوران میں کسی نہ کسی طرح کرنل گریگوری سے یہ م کر لوں گی کہ بریف کیس کے تالے کے حروف یا ہندسے کون کون سے ہیں جن کر بریف کیس کھل جاتا ہے...... یہ میں نے پتہ کر لیا ہے کہ ان خفیہ حروف یا وں کا جوڑ گریگوری کو معلوم ہے"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"یہ بڑا نازک کام ہے مارگریٹا...... کرنل گریگوری سفارت کار ہے اور یہ لوگ ھاگ ہوتے ہیں...... اسے ذرا سا بھی شک پڑ گیا تو وہ نہ صرف یہ کہ تمہیں کچھ گا نہیں بلکہ ممکن ہے تمہیں بھی روسی قونصل خانے کی ملازمت سے جواب مل "۔

مارگریٹا نے سانس بھر کر کہا۔

"ستار سیٹھ! یہ خطرہ مجھے مول لینا ہی ہو گا اور جہاں تک کام کی نزاکت کا تعلق ہے تم فکر نہ کرو...... مجھے سفارت خانے کی نوکری کرتے کئی سال بیت گئے ہیں...... فارت کاروں کی تمام کمزوریوں سے واقف ہو چکی ہوں اور مجھے انہیں چاروں چت گرانے کا ڈھنگ آتا ہے...... میں بس یہی کہنے آئی تھی...... اب میں اسی وقت تمہارے پاس آؤں گی...... اب میں چلتی ہوں"۔

ب مارگریٹا چلی گئی تو ستار سیٹھ بولا۔

اس نے ایک نئی کہانی سنا دی ہے، لیکن میں اس عورت کو جانتا ہوں...... اس ٹ نہیں بولا...... یہ جو کچھ کہہ رہی تھی سچ کہہ رہی تھی اور مجھے یقین ہے کہ یہ

کمپیوٹر تالے کا خفیہ کوڈ حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کرے گی"۔

کمانڈو عمران کہنے لگا۔

"اگر یہ سب کچھ حقیقت پر مبنی ہے تو صورت حال بالکل بدل گئی ہے...... ہمیں کوئی اور لائن آف ایکشن اختیار کرنی پڑے گی"۔

جبران نے کہا۔

"لائن آف ایکشن کا فیصلہ پرسوں مارگریٹا کے آنے کے بعد ہوگا...... اگر بریف کیس کے تالے کا کوڈ لے آتی ہے تو ٹھیک ہے اگر نہیں لاتی تو پھر سوچیں گے اس بریف کیس کو روس کے تجارتی جہاز سے اڑانے کے لئے کیا کیا جائے"۔

ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"یہ کم بخت روس کا تجارتی جہاز لگتا ہے اسی مقصد کے لئے آیا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"اس مقصد کے لئے نہ بھی آیا ہو جب بھی اپنے ملک کی کوئی خفیہ دستاویز م رکھنے کے لئے بحری جہاز سب سے زیادہ قابل اعتبار ہوتا ہے، کیونکہ وہ تو ایک ط سے دوسرے ملک کا چھوٹا سا ٹکڑا سمندر میں آکر کھڑا ہو جاتا ہے...... روسی جہاز روس کی حکومت ہی ہوگی...... یہی بات میرے لئے ایک معمہ بنی ہوئی ہے کہ اگر بریف کیس کے تالے کا کوڈ معلوم ہو بھی گیا تو روسی جہاز پر کس بھیس میں جائیں اور جہاز پر جائے بغیر ہم جنگی معاہدے کی اصل کاپی کبھی حاصل نہیں کر سکتے"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"اسے پرسوں آنے دو...... دیکھتے ہیں وہ تھیلے میں سے کیا نکالتی ہے"۔

وہ رات کے دس سوا دس بجے تک باتیں کرتے رہے...... پھر ستار س گیا...... دوسرا دن بھی امید و ناامیدی کی حالت میں گزر گیا...... تیسرے دن عمران نے ستار سیٹھ کو اس کے آفس فون کیا اور کہا کہ مارگریٹا کو فون کر کے

ے کہ رات اس نے کرنل گریگوری کی جو خاص دعوت کی تھی اس کا کیا نتیجہ نکلا؟...... ستار سیٹھ بولا۔

"قونصلیٹ میں جہاں مارگریٹا کام کرتی ہے اس قسم کا فون کرنا نہ صرف مارگریٹا ہ خود ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے...... ویسے بھی میں نے مارگریٹا سے کوئی ت کرنی ہوتی ہے تو رات کو اسے کلب میں ہی فون کرتا ہوں...... قونصلیٹ میں کبھی ن نہیں کیا، فکر نہ کرو...... مارگریٹا اس قسم کے معاملات کو عیاری کے ساتھ سلجھانا اتی ہے...... مجھے یقین ہے کہ اس نے میدان مار لیا ہوگا۔ میں رات کو جلدی آجاؤں گا۔

اور ستار سیٹھ نے فون بند کر دیا...... رات کو ستار سیٹھ آٹھ بجے ہی ریسٹ ہاؤس گیا...... انہوں نے ساڑھے آٹھ بجے کھانا کھایا اور لان میں بیٹھ کر کافی پینے لگے...... لی فون ستار سیٹھ نے وہیں منگوا لیا تھا...... ٹھیک نو بجے رات اس نے مارگریٹا کو کلب ں فون کیا اور کہا۔

"میں ستار سیٹھ بول رہا ہوں"۔

مارگریٹا نے کہا۔

"میرا انتظار کرو...... میں آدھ گھنٹے تک پہنچ جاؤں گی...... معاملہ ٹھیک ہی ہو گیا ہے"۔

اور مارگریٹا نے فون بند کر دیا۔

ستار سیٹھ عمران اور جبران سے کہنے لگا۔

"میں نہ کہتا تھا کہ یہ بڑی ہوشیار عورت ہے اسے سفارت کاروں تک کو الو بنانا تا ہے...... کہہ رہی تھی کہ معاملہ ٹھیک ہی ہو گیا ہے"۔

کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران کے چہروں سے کسی قسم کے رد عمل کا اظہار نہ ا...... دراصل ان کا ذہن اسی روز سے یہ سوچ رہا تھا کہ روسی جہاز پر کس طرح داخل

ہو اجاسکتا ہے...... یہ وہ سمجھ چکے تھے کہ جہاز پر چڑھے بغیر بریف کیس حاصل نہیں کیا جاسکتا اور بریف کیس کو وہیں کھول کر جنگی معاہدے کی فوٹو کاپی حاصل کرنا اس سے زیادہ ضروری تھا...... وہ بریف کیس اڑا کر بھی نہیں لانا چاہتے تھے، کیونکہ بریف کیس چوری ہو جانے کی صورت میں بھارتی حکومت معاہدے کی شقوں یعنی آئٹموں میں تبدیلی کر سکتی تھی...... عمران اور جبران چاہتے تھے کہ بریف کیس جہاز کے کپتان کے پاس ہی رہے اور معاہدے کی فوٹو کاپی ان کے پاس آجائے اور نہ روسی گورنمنٹ اور نہ انڈین گورنمنٹ کو پتہ چل سکے کہ معاہدے کی کاپی حکومت پاکستان کے پاس پہنچ گئی ہے۔

مارگریٹا ٹھیک سوا نو بجے ان کے پاس پہنچ گئی۔

اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ کل کی ساری رات جاگتی رہی ہے...... کہنے لگی۔

"ستار سیٹھ! کوڈ مجھے مل گئی ہے...... یہ میں نے کرنل گریگوری سے کس طریقے سے حاصل کی ہے؟ یہ میں ہی جانتی ہوں اور میں بتانا بھی نہیں چاہتی"۔

اس کے بعد مارگریٹا نے پرس میں سے اپنی چھوٹی سی نوٹ بک نکالی...... اس کے ایک سادہ صفحے پر کچھ حروف لکھے ہوئے تھے...... مارگریٹا نے وہ صفحہ پھاڑ کر ستار سیٹھ کے حوالے کر کے کہا۔

"یہ وہ ہندسے ہیں جن کو بریف کیس کے تالے پر دبانے سے مجھے یقین ہے کہ بریف کیس کھل جائے گا"۔

ستار سیٹھ نے کاغذ پر لکھے ہوئے ہندسوں کو غور سے دیکھا اور کاغذ کمانڈو عمران کو دے دیا...... یہ کل سات ہندسے تھے جن میں زیرو کا ہندسہ تین بار آتا تھا...... ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"ہو سکتا ہے کرنل گریگوری نے تم سے اپنا مطلب نکالنے کے لئے بلف چال چلی ہو اور تمہیں غلط کوڈ دے دیا ہو"۔

مارگریٹا بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے مجھے اس بات کا خدشہ نہیں تھا؟ میں نے ان عیار لوگوں میں سال گزارے ہیں...... میں ان کی رگ رگ سے واقف ہوں...... میں یہ حماقت ے کر سکتی تھی کہ گریگوری سے خود پوچھتی کہ اتنے سیکرٹ اور اہم بریف کیس کے لے کا کوڈ کیا ہے؟ یہ مجھے معلوم تھا کہ گریگوری اس قسم کی انتہائی خفیہ اور ٹاپ رٹ چیزیں کہاں نوٹ کر کے رکھتا ہے...... اس کے پاس سرخ رنگ کی ایک چھوٹی پاکٹ بک ہے...... ایسی چیزیں اور بعض ٹیلی فون کے خفیہ نمبر وہ اسی پاکٹ بک میں ہ کر رکھتا ہے اور یہ پاکٹ بک ہر وقت گریگوری کے انڈرویئر کی ایک خفیہ جیب میں تی ہے...... وہاں تک سوائے میرے اور کسی کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا...... میرا خیال ے اب تم لوگ سمجھ گئے ہو گے کہ میں نے کیا کیا ہو گا...... بہرحال اتنا ضرور بتا دینا تی ہوں کہ جب میں نے گریگوری کی سرخ پاکٹ بک سے یہ نمبر نوٹ کیا تھا اس ت وہ اپنے ہوش میں نہیں تھا...... رات میں نے جان بوجھ کر اسے شراب زیادہ دی تھی"۔

کمانڈو عمران اور جبران کوڈ کے خفیہ ہندسوں کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے...... رگریٹا نے سگریٹ سلگاتے ہوئے ستار سیٹھ سے کہا۔

"سیٹھ! تمہارے اور میرے تعلقات اتنے پرانے ہیں کہ میں نے تم سے کبھی ئی چیز نہیں چھپائی...... میں جانتی ہوں کہ تم نے مجھے جس کام کے لئے اتنی بڑی رقم ی تھی وہ کام میں نے پورا نہیں کیا، ادھورا کیا ہے...... اس طرح پوری رقم پر میرا حق ہیں بنتا، چنانچہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں آدھی رقم تمہیں واپس کر دوں گی...... ہ پچیس ہزار روپے پرس میں اپنے ساتھ لائی ہوں"۔

مارگریٹا اپنا پرس کھولنے لگی تو ستار سیٹھ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور

"میری جان! مجھے تمہاری دوستی ان پیسوں سے زیادہ عزیز ہے...... میں یہ رقم

واپس نہیں لوں گا"۔

عمران اور جبران نے ستار سیٹھ کے اس جذبے یا حکمت عملی کو پسند کیا...... وہ بمبئی میں بیٹھ کر کشمیری حریت پسندوں اور پاکستان کے لئے جو کام کر رہا تھا اس کے لئے مارگریٹا ایسی عورت سے تعلقات بنا کر رکھنا بہت ضروری تھا...... ویسے بھی پچاس ہزار روپے کی رقم ستار سیٹھ کے لئے کوئی بڑی رقم نہیں تھی...... وہ تاج محل ہوٹل کی ایک پارٹی کے ٹھیکے سے اس سے دس گناہ زیادہ کما لیتا تھا۔

مارگریٹا کے چہرے پر ایک عجیب سی چمک آگئی...... اس نے ستار سیٹھ کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور بڑے جذباتی انداز میں بولی۔

"ستار جی! اب واقعی تم نے مجھے خرید لیا ہے"۔

ستار سیٹھ نے بڑی بے باکی سے مارگریٹا کا گال چوم کر کہا۔

"نہیں میری جان! تمہاری قیمت میری نظروں میں اس سے کہیں زیادہ ہے...... تم تو انمول ہو"۔

مارگریٹا نے آنکھیں بند کر لیں اور سر صوفے کی پشت سے لگا دیا...... عمران نے ستار سیٹھ کی طرف دیکھا...... وہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے آہستہ آہستہ سر ہلا رہا تھا۔ عمران اور جبران سیٹھ ستار کی سیاست کاری اور سیاسی دانشمندی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے، جس پر خطر منصب پر بیٹھا وہ جس نوعیت کا کام کر رہا تھا اس کے لئے ان اوصاف کا ہونا بہت ضروری تھا...... مارگریٹا جانے لگی تو وہ ستار سیٹھ کے گلے لگ کر ملی۔ ستار سیٹھ اسے چھوڑنے اس کی گاڑی تک گیا۔

کمانڈو جبران نے عمران سے کہا۔

"عمران بھائی! یہ عورت دل کی بہت اچھی ہے...... مجھے ڈر ہے اگر یہ پکڑی گئی تو سب کے نام بتا دے گی...... ستار سیٹھ نے اسے خرید کر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے"۔

کمانڈو عمران نوٹ بک کے کاغذ پر لکھے ہوئے بریف کیس کے کوڈ نمبر کو دیکھتے

ہوئے کچھ سوچ رہا تھا...... کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔

"ستار سیٹھ احمق نہیں ہے...... وہ ایک تجربہ کار ایجنٹ ہے اور اس نے بڑی دور دور تک جال پھیلایا ہوا ہے...... اس کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں...... اگر یہ پکڑی گئی تو پیشتر اس کے کہ یہ زبان کھولے یہ قتل ہو چکی ہو گی"۔

ستار سیٹھ مارگریٹا کو رخصت کر کے آہستہ آہستہ سر ہلاتے ہوئے ان کی طرف آ رہا تھا...... کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"خفیہ کوڈ تو یہ عورت لے آئی ہے لیکن اب سوال یہ ہے کہ روسی جہاز سے معاہدے کی نقل کیسے لائی جائے گی...... میرا خیال ہے کہ ہمارے مشن کا سب سے اہم اور خطرناک مرحلہ اب شروع ہونے والا ہے"۔

کمانڈو عمران نے ہلکی سی جمائی لے کر کہا۔

"میرا خیال ہے اس پر کل غور کریں گے...... مجھے نیند آ رہی ہے"۔

"یہ خیال رہے کہ تمہارے پاس زیادہ سوچنے کا وقت نہیں ہے...... روس کا جہاز کسی وقت بھی روانہ ہو سکتا ہے"۔

عمران بولا۔

"اللہ مالک ہے...... آپ کل دوپہر کو ضرور آئیں...... پھر بات کریں گے...... اگر آپ جہاز کی روانگی کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات حاصل کر سکیں تو وہ ہمارے لئے بڑی مفید ہوں گی"۔

"کوشش کروں گا"۔

یہ کہہ کر ستار سیٹھ اپنی گاڑی کی طرف چلا گیا۔

عمران اور کمانڈو جبران بیڈ روم میں آ گئے...... عمران نے خفیہ کوڈ والا تہہ کیا ہوا کاغذ کونے میں باتھ روم کے باہر کھڑی وزن کرنے والی مشین کے نیچے چھپا دیا...... بیڈ روم کی دونوں بتیاں بجھا کر عمران نے باتھ روم کے دروازے کے اوپر لگی دس واٹ کی

نیلے رنگ کی بتی جلائی اور پلنگ پر لیٹ کر اس کی پشت سے ٹیک لگا دی...... جبران ساتھ والے پلنگ پر نیم دراز ہو گیا، کہنے لگا۔

"روسی جہاز میں داخل ہونے کا کوئی طریقہ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا"۔

عمران بولا۔

"اس وقت مجھے بھی کچھ نہیں سوجھ رہا...... سو جاتے ہیں...... صبح تازہ دم ہو کر بات کریں گے"۔

دونوں کمانڈو صبح دیر تک سوئے رہے...... بوڑھے ملازم نے انہیں آ کر جگایا...... وہ چائے لے کر آیا تھا...... اس وقت کافی دن چڑھ آیا تھا...... ناشتے کے تھوڑی دیر بعد ستار سیٹھ کا فون آ گیا کہ وہ ایک گھنٹے تک پہنچ رہا ہے...... ستار سیٹھ کے آنے تک عمران اور کمانڈو جبران اپنے کمانڈو آپریشن کے بارے میں کافی غور و فکر کرتے رہے...... صرف ایک بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ وہ جہاز میں، جہاں صرف روسی عملہ ہی ہو گا اور سیکورٹی بھی بڑی سخت ہو گی داخل کیسے ہوں گے؟ کس حیثیت سے داخل ہوں گے اور کس حلیئے میں داخل ہوں گے...... اگر یہ کوئی بھارتی جہاز ہوتا تو ظاہر ہے اس کا سارا عملہ ہندوستانی لوگوں پر مشتمل ہوتا اور ایسے جہاز پر ان دونوں کا کسی بھی بھیس میں داخل ہونا کوئی خاص مشکل نہیں تھا، لیکن یہ جہاز بھارت کا نہیں تھا...... یہ روس کا جہاز تھا اور وہاں کسی ہندوستانی کو جہاز کے نزدیک پھٹکنے کی بھی اجازت نہیں تھی...... روسی حکام ویسے بھی بہت شکی مزاج کے ہوتے ہیں اور اس جہاز پر تو ان کی حکومت کی ایک بڑی قیمتی اور ٹاپ سیکرٹ دستاویز روس جا رہی تھی۔

ستار سیٹھ بھی آ گیا...... آج اس نے شارک سلک کا سفید سوٹ پہن رکھا تھا جو اس کے بھرے بھرے جسم پر خوب سج رہا تھا...... اس روز بمبئی کے آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور لگتا تھا کہ بارش ہو گی...... لان میں بانس کی کرسیاں پڑی تھیں

ن وہ ٹی وی لانج میں ہی بیٹھ گئے...... ستار سیٹھ نے ملازم سے کہا کہ کافی لے
ئے...... جب تک کافی نہیں آئی ستار سیٹھ بمبئی کے موسم کی باتیں کرتے رہے......
زم کافی کی ٹرے رکھ کر چلا گیا تو ستار سیٹھ نے کہا۔

"روسی جہاز کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ آج سے ٹھیک تین دن بعد روس
انہ ہو گا...... اس کی وجہ یہ ہے کہ روسی بحریہ کا ایک ٹاپ انٹیلی جنس آفیسر جس کا نام
رگ ہے روسی وفد کے ساتھ بھارت کے تاریخی مقامات کی سیر کرنے گیا ہوا ہے،
ے اس بحری جہاز کے ساتھ اپنے وطن جانا ہے...... وہ اترسوں بمبئی پہنچے گا"۔

کمانڈو عمران کافی بنانے لگا...... جبران خاموش بیٹھا بڑی توجہ کے ساتھ عمران کو
ی بناتے دیکھ رہا تھا...... ستار سیٹھ نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

"بھئی تم لوگوں نے آخر کچھ سوچا بھی ہے کہ نہیں؟"۔

عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دادا! باقی سب باتیں سمجھ میں آ گئی ہیں...... صرف ایک مسئلہ ہے جس کا کوئی
ل دکھائی نہیں دے رہا...... مسئلہ یہ ہے کہ جہاز پر داخل کیسے ہوا جائے؟ ایک تو جہاز
ر ملکی ہے اور جہاز کا سارا عملہ گوری رنگت والے بلکہ سرخ رنگت والے روسیوں پر
تمل ہے...... ہم لوگ تو فوراً پہچانے جائیں گے...... دوسرے ہمارے لئے بمبئی کی
ررگاہ اور وہاں کے سارے لوگ اجنبی ہیں"۔

ستار سیٹھ نے سگریٹ کا کش لگا کر دھواں اڑاتے ہوئے کہا۔

"ارے بھائی! آپ کے لئے لوگ اجنبی ہیں میرے لئے تو نہیں ہیں"۔

جبران بولا۔

"دادا! ہمارے پاس زیادہ لمبے منصوبے بنانے کا وقت نہیں ہے...... جہاز تین
ن بعد بمبئی سے روانہ ہو جائے گا اور ہمیں اس دوران اس طریقے سے جہاز پر چڑھنا
ہے کہ ہم پر کسی کو شک شبہ نہ ہو اور بریف کیس تک پہنچ کر معاہدے کی فوٹو

کا پی لے کر جہاز سے اترنا بھی ہے...... اگر جہاز چل پڑا اور ہم جہاز پر ہی ہوئے تو پھر ہ
ہم اتر نہیں سکیں گے...... سمندر میں چھلانگیں ہی لگانی پڑیں گی جس کے فوراً بعد ہ
پکڑ لئے جائیں گے...... اگر ہم پکڑے نہیں جاتے تو خدا جانے ہمیں کہاں سمندر میں
چھلانگیں لگانی پڑیں اور پھر وہاں سے ہم تیر کر بمبئی کے ساحل پر پہنچ بھی سکیں یا نہ
پہنچ سکیں"۔

ستار سیٹھ نے دونوں کی طرف ذرا سا جھک کر بڑی رازداری سے کہا۔

"میں نے اس کا ایک حل تلاش کر لیا ہے...... تم شاید سوچتے ہو گے کہ میں
آرام سے بیٹھ گیا ہوں...... نہیں، یہ میرے آرام سے بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔ میں
بیدار تھا اور میں نے اپنے ان تمام خفیہ ذرائع کو بھی ہوشیار کر دیا تھا جو اس مہم میں
میرے کام آ سکتے تھے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مرحلہ کافی مشکل ہے...... اگر
یہ کوئی بھارتی جہاز ہوتا تو اب تک تم لوگ بھارتی ملاحوں کے بھیس میں جہاز پر پہنچ
چکے ہوتے...... یہ روسی جہاز ہے جس کی انٹیلی جنس کے جی بی لومڑی سے زیادہ مکا
اور بھیڑیئے سے زیادہ خونخوار ہے...... ایک بار پیچھے پڑ جائے تو اس سے بچنا ناممکن
ہو جاتا ہے...... کافی دماغ سوزی اور غور و فکر کے بعد اس مسئلے کا ایک ہی حل میری
سمجھ میں آیا ہے...... اس میں ذرا تھوڑی ہنر مندی سے کام لینا پڑے گا، لیکن تم لوگ
جہاز پر پہنچ جاؤ گے"۔

عمران نے کہا۔

"پہلی بات یہ ہے کہ ہم دونوں یعنی میں اور جبران جہاز پر نہیں جائیں گے۔
جہاز پر صرف میں جاؤں گا...... اب آپ بتائیں کہ آپ نے کیا حل نکالا ہے"۔

ستار سیٹھ نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا دیا...... کہنے لگا۔

"پھر تو سمجھو کہ سارا کام ہو گیا...... میری طرف سے بھی جہاز پر صرف ایک
آدمی کے جانے کا انتظام ہوا تھا"۔

کمانڈو عمران اور جبران خاموش بیٹھے ستار سیٹھ کی طرف دیکھ رہے تھے کہ
ھیں اس نے کیا طریقہ سوچا ہے...... ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"تمہارے سب سے بڑے مسئلے کا حل قدرت نے خود نکال دیا ہے...... یہ تو
ب کو معلوم ہے کہ بھارت کے روس کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہیں اور دونوں
ں کے لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا لگا ہی رہتا ہے...... اسی طرح روس
ے تجارتی جہاز بھی بھارت آتے جاتے رہتے ہیں...... روس کے اس تجارتی جہاز کا
ان بھی جو روسی ہے اکثر جہاز لے کر بھارت کی بندرگاہ میں آتا رہتا ہے...... اس
ان کو بھارت کے چٹ پٹے کھانے بہت پسند ہیں...... خاص طور پر وہ بھارت کے
لئی پلاؤ کا بہت ہی شیدائی ہے...... وہ جب بھی جہاز لے کر بھارت آتا ہے تو یہاں
زانہ دن میں دو بار مغلئی پلاؤ ہی کسی بڑے ہوٹل سے منگوا کر کھاتا ہے اور جاتے
ئے تین چار دن کا کھانا فریزر میں رکھوا کر ساتھ لے جاتا ہے، لیکن اس بار تمہاری
ہ ہماری خوش قسمتی سے اس روسی کپتان نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ یہاں سے مغلئی پلاؤ
انے والا ایک باورچی جہاز میں اپنے ساتھ لے جائے گا، کیونکہ تجارتی جہاز راستے میں
تین جگہوں پر مال اتارنے کے لئے ٹھہرتا بھی ہے اور اسے اپنی منزل پر پہنچتے
نچتے ایک مہینہ لگ جاتا ہے جس کی وجہ سے فریزر میں رکھے ہوئے مغلئی پلاؤ کا ذائقہ
ل جاتا ہے، چنانچہ اس دفعہ وہ اپنے ساتھ بمبئی سے ایک بھارتی باورچی ساتھ لے
رہا ہے جو اسے سفر میں تازہ مغلئی پلاؤ بنا کر کھلاتا رہے گا...... اس مقصد کے لئے جہاز
ے کپتان نے روسی قونصل خانے کے پریس اتاشی کے ذریعے ایک فائیو سٹار ہوٹل
ے جس ہیڈ شیف کو باورچی کا انتظام کرنے کے لئے کہا ہے وہ حسن اتفاق سے اپنا ہی
ی ہے...... میں نے اس سے ساری بات کر لی ہے...... وہ تمہیں مغلئی پلاؤ بنانے کے
ر بھارتی باورچی کی حیثیت سے روسی کپتان کے آگے پیش کرے گا اور یقینی بات ہے
تمہیں باورچی رکھ لیا جائے گا...... اس باورچی کو روس کی سرزمین پر اترنے کی

اجازت نہیں ہو گی...... وہ جہاز جب روس کی کسی بندرگاہ پر لگے گا تو تم جہاز پر ہی رہو گے...... روسی کپتان کسی دوسرے تجارتی جہاز میں جو بھارت مال لے کر بھارت آرہا ہو گا سوار کرا دے گا اور تم دو مہینے بعد بمبئی واپس آجاؤ گے...... اس کے لئے تمہیں بڑے شیف یعنی فائیو سٹار ہوٹل کے ہیڈ باورچی سے ایک دو دن مغلئی پلاؤ تیار کرنے کی ٹریننگ لینی ہو گی...... کیا خیال ہے؟"۔

عمران کو یہ تجویز ان حالات میں غنیمت محسوس ہوئی تھی...... اس طرح سے اسے جہاز کے کپتان کے کیبن میں جانے کا بھی موقع مل جائے گا اور خفیہ معاہدے والا بریف کیس کپتان کے کیبن میں ہی کسی محفوظ جگہ رکھا ہو گا...... وہاں نہ بھی ہوا تو جہاز میں سفر کے دوران وہ اس کا سراغ لگا لے گا...... اس نے ستار سیٹھ سے کہا۔

"میں پہلے ہی کھانا پکانے میں بڑا ماہر ہوں اور عام پلاؤ بڑی مہارت سے بنالیتا ہوں...... باقی مغلئی پلاؤ کا نسخہ میں ہیڈ باورچی سے سیکھ لوں گا...... تمہارا کیا خیال ہے جبران؟"۔

جبران بولا۔

"اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے...... اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ بھی نظر نہیں آتا...... اس سے یہ بھی ہو گا کہ تمہیں جہاز کے کپتان کے کیبن میں چلنے پھرنے کا موقع مل جائے گا، کیونکہ کپتان کی پسند کا مغلئی پلاؤ لے کر تم ہی جہاز کے کیبن میں جاؤ گے"۔

ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"بس اس میں صرف ایک احتیاط کی ضرورت ہے کہ کیبن میں بریف کیس تلاش کرنے میں جلدی نہ کی جائے...... تمہارے پاس پورا ایک مہینہ ہو گا...... تم بڑے ٹھنڈے دل سے یہ آپریشن کر سکو گے...... اس میں ایک قباحت بھی ہے وہ یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ تم عین موقع پر پکڑے گئے تو تمہارا زندہ بچنا تو ناممکن ہو گا لیکن سوال

ہے کہ تم وہ راز ہم تک کیسے پہنچا سکو گے جس کی خاطر تم یہ سارا کمانڈو آپریشن کر رہے ہو، کیونکہ جنگی معاہدے کی فوٹو کاپی تو تمہارے پاس ہی ہو گی اور وہ تمہارے ساتھ ہی ضائع ہو جائے گی...... تم اسے سمندر میں بھی پھینک دو گے تو اس کا ہمیں اور پاکستان کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا"۔

کمانڈو عمران بولا۔

"میں فوٹو کاپی کے ساتھ ہی سمندر میں چھلانگ لگانے کی کوشش کروں گا...... اس میں اس بات کا امکان ہو گا کہ میں ٹاپ سیکرٹ معاہدے کی نقل لے کر فرار ہو جانے میں کامیاب ہو جاؤں گا"۔

"اور اگر تم ایسا نہ کر سکے تو؟" کمانڈو جبران نے سوال کیا...... کمانڈو عمران نے کہا۔

"تو پھر جیسے حالات ہوئے اسی کے مطابق عمل کروں گا، لیکن یقین کرو میں اتنی جلدی مرنے والا کمانڈو نہیں ہوں"۔

جبران کہنے لگا۔

"جنگی معاہدے کی دستاویز کم از کم دو فل سکیپ کاغذوں پر ضرور مشتمل ہو گی...... اس کی اتنی بڑی فوٹو کاپی تم کہاں چھپا سکو گے؟"۔

یہاں ستار سیٹھ نے جبران کی بات کاٹ کر کہا۔

"معاہدے کی دستاویز چاہے چار صفحات پر کیوں نہ لکھی ہوئی ہو اس کی فوٹو کاپی آدھے انچ سائز کے کاغذ پر اتر آئے گی...... میں اس پوائنٹ کو کھول کر بتاتا ہوں...... کیا تم نے ڈاٹ سپائنگ کاپی کا کبھی نام سنا ہے؟"۔

کمانڈو عمران نے دوسری جنگ عظیم کے بعد کی ایک جاسوسی کی سچی کہانی میں ڈاٹ سپائنگ کے بارے میں پڑھا تھا...... اس کو کچھ کچھ یاد آنے لگا...... اس نے کہا۔

"میں نے اس کے بارے میں پڑھا ضرور ہے"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"سنو! کیمرے کا ایک عدسہ ایسا ہوتا ہے کہ جو چیزوں کو سوگنا بڑا کر کے دکھاتا ہے اور اس کی سوگنا بڑی فوٹو کاپی تیار کر لیتا ہے، یعنی اسے انلارج کر دیتا ہے...... ایک عدسہ یعنی لینز ایسا ہے جو کسی چیز کو سکیڑ کر سمیٹ کر سو گنا بلکہ ہزار گنا چھوٹا کر کے اس کی فوٹو اتار لیتا ہے" اس میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک فل اسکیپ صفحے کی تحریر سمٹ سمٹ کر چھوٹی ہوتی ہوتی ساری کی ساری ایک ڈاٹ یعنی فل سٹاپ کے نقطے میں تبدیل ہو جاتی ہے...... یہ لینز ایک انگوٹھے کے سائز کے کیمرے میں لگا ہوتا ہے...... بعد میں اس نقطے کو ڈیویلپ کرتے وقت آہستہ آہستہ بڑا کیا جاتا ہے، یعنی انلارج کیا جاتا ہے تو وہ نقطہ آہستہ آہستہ پھیل کر فل اسکیپ صفحے کی تحریر میں تبدیل ہو جاتا ہے...... میں تمہیں یہی ڈاٹ کیمرہ دوں گا جس میں تحریر کو ایک نقطے میں تبدیل کرنے والا عدسہ یعنی لینز لگا ہوا ہو گا...... تم اس کیمرے سے معاہدے کی کاپی کی فوٹو اتارو گے اور کیمرے میں سے آدھے انچ کی فلم جو ایک چھوٹی سی سٹین لیس سٹیل کی ٹیوب میں بند ہو گی نکال کر کسی جگہ چھپا لو گے اور کیمرے کو سمندر میں پھینک دو گے...... کیمرے کی فلم کی یہ ٹیوب اتنی چھوٹی ہو گی کہ تم اسے منہ میں بھی چھپا سکو گے، چنانچہ اس کے بعد اگر تم پکڑے بھی جاتے ہو تو روسی چاہے تمہیں ننگا کر کے الٹا لٹکا دیں وہ تم سے جنگی معاہدے کی فوٹو کاپی برآمد نہیں کر سکیں گے...... وہ مرتے دم تک بلکہ اس کے بعد بھی تمہارے پاس ہی رہے گی"۔

عمران نے ستار سیٹھ کو بتایا کہ اس نے کمانڈو ٹریننگ کے دوران انتہائی تکلیف دہ مراحل میں سے گزرنے کے بعد اپنے گلے کے اندر ایک چھوٹی سی اس قسم کی پاکٹ بنا رکھی ہے جس میں وہ اگر کوئی چاندی کے روپے کے سائز کی کوئی چیز چھپا لے تو پانی پینے اور روٹی کھاتے وقت وہ اس کے پیٹ میں نہیں جاتی بلکہ گلے کے اندر پاکٹ میں ہی رہتی ہے...... عمران نے کہا۔

"ہمارے جس کرنل کمانڈو نے ہمیں کمانڈو ٹریننگ دی تھی گلے کے اندر کی لٹ کا فارمولا اس نے بتایا تھا...... اس کے لئے گلے کے اندر چھوٹا سا آپریشن کرنا تا تھا...... ہمارے انسٹرکٹر کرنل کمانڈو کا کہنا ہے کہ گلے کی ایک خفیہ پاکٹ کا راز ے ایک جیب کترے نے بتایا تھا...... اس جیب کترے نے اپنے گلے کے اندر ایک لٹ بنوا رکھی تھی جس میں وہ کسی آدمی کی جیب کاٹ کر روپے یا ہزار پانچ سو کا نوٹ ندر چھپا لیتا تھا تاکہ اگر اسے پولیس پکڑ لے تو مال برآمد نہ کر سکے...... کرنل کمانڈو کا ہنا تھا کہ اس جیب کترے نے اس کا عملی مظاہرہ کر کے دکھایا تھا...... اس نے و روپے کا نوٹ تہہ کر کے اپنے منہ میں ڈال کر جبڑے پر ایک طرف سے دو تین کے آہستہ آہستہ مارے اور کرنل کے سامنے پانی کا گلاس بھی پیا...... سنگترہ بھی کھایا ر نوٹ گلے کے اندر پاکٹ میں ہی رہا...... پانی اور سنگترے کے ساتھ معدے میں ہیں گیا...... تھوڑی دیر بعد جیب کترے نے دوسرے جبڑے پر زور زور سے دو مکے ارے ذرا سا کھانسا اور تہہ کیا ہوا سو کا نوٹ منہ سے باہر نکال لیا...... کرنل کمانڈو کا کہنا ہے کہ یہاں سے اسے خیال آیا کہ ایک جاسوس دشمن کا راز گلے کی پاکٹ میں چھپا کر بڑی آسانی سے اور حفاظت کے ساتھ اپنے ملک میں لایا جا سکتا ہے، چنانچہ اس نے جیب کترے سے پوچھا کہ اس نے گلے میں پاکٹ کیسے بنائی تھی...... اس نے کہا کہ اس کے لئے گلے میں تھوڑا سا آپریشن کروانا پڑتا ہے، چنانچہ کرنل کمانڈو نے اس سے آپریشن کروانے کا طریقہ بھی معلوم کر لیا...... اس کے بعد جب کرنل کمانڈو پڑھ لکھ کر بڑا ہوا اور فوج کی کمانڈو بٹالین میں آیا اور پھر کمانڈو انسٹرکٹر بنا تو اس نے یہ راز ہمیں بتا دیا اور خاص طور پر میرے گلے میں فوجی سرجن ڈاکٹر کی مدد سے چھوٹا سا آپریشن کروا کر یہ پاکٹ بنوا دی"۔

کمانڈو عمران نے بتایا کہ وہ جنگی معاہدے کی فوٹو فلم کی چھوٹی سی ٹیوب اپنے گلے کی پاکٹ میں چھپا لے گا جہاں سے روسیوں کا بڑے سے بڑا انٹیلی جنس آفیسر بھی اسے

برآمد نہیں کر سکے گا...... اسے کیا معلوم کہ ہندوستان کے پرانے جیب کتروں نے مال چھپانے کے کیسے کیسے انوکھے طریقے ایجاد کر رکھے تھے۔

ستار سیٹھ نے کمانڈو عمران کا ہاتھ پکڑ کر بے اختیار چوم لیا...... کہنے لگا۔

"عمران! تم واقعی پورے اور ٹاپ کے کمانڈو ہو...... کیا ایسی پاکٹ جبران نے بھی اپنے گلے کے اندر بنوائی ہوئی ہے؟"۔

کمانڈو جبران مسکرا رہا تھا...... کہنے لگا۔

"نہیں...... کمانڈو بٹالین میں صرف چند ایک سینئر کمانڈوز کو ہی یہ اعزاز میسر آتا ہے...... عمران چونکہ ہم میں سینئر تھا اس لئے ہمارے چیف نے اس کے گلے میں پاکٹ بنوادی تھی"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"عمران بھائی! اب میں اس معاملے میں مطمئن ہو گیا ہوں کہ جس راز کو حاصل کرنے کے لئے تم اپنی جان کی بازی لگا رہے ہو وہ راز تمہارے پاس آخری دم تک محفوظ رہے گا...... کل تمہیں یہ ڈاٹ فوٹوگرافی کا کیمرہ مل جائے گا اور کل صبح ہی تم میرے ساتھ ہیڈ باورچی کے پاس جاؤ گے جو تمہیں مغلئی پلاؤ کے مصالحوں کا خاص نسخہ بتائے گا اور تمہیں مغلئی پلاؤ بنانے کی مختصر ٹریننگ دے گا...... یہی باورچی تمہیں روسی قونصل خانے کے پریس اتاشی کے حوالے کرے گا جو تمہیں مغلئی پلاؤ کے ماہر باورچی کی حیثیت سے روسی جہاز کے روسی کپتان کے پاس لے جائے گا"۔

عمران نے دوسرے روز اپنا حلیہ دلی کے مسلمان باورچیوں والا بنایا اور ستار سیٹھ اسے بمبئی کے ایک فائیو سٹار ہوٹل کے ادھیڑ عمر ہیڈ باورچی کے پاس لے گیا جو اپنا خاص خفیہ ایجنٹ تھا۔ ستار سیٹھ نے اسے کمانڈو عمران کے بارے میں پہلے ہی سے سب کچھ بتادیا ہوا تھا...... ہیڈ باورچی نے ڈیڑھ دن کی ٹریننگ کے بعد اس قابل بنادیا کہ وہ مغلئی پلاؤ بنا سکتا تھا اور پورے مصالحوں کے ساتھ بنا سکتا تھا...... اسی دوران کمانڈو

عمران نے ٹاپ سیکرٹ بریف کیس کے کمپیوٹرائزڈ تالے کے خفیہ کوڈ کے نمبر زبانی یاد کر لئے تھے...... احتیاط کے طور پر اس نے خفیہ کوڈ کے ہندسوں والا چھوٹا سا کاغذ تہہ کر کے اپنے جوتے کے تلوے میں بھی چھپا لیا تھا...... ستار سیٹھ نے اسے ڈاٹ فوٹوگرافی والا طاقتور اور انگوٹھے سے بھی چھوٹے سائز کا کیمرہ لا کر دے دیا جسے کمانڈو عمران نے ستار سیٹھ اور کمانڈو جبران کے سامنے اپنے منہ میں ڈال کر گلے کی پاکٹ میں چھپا کر رکھ لیا۔

تیسرے دن صبح کے آٹھ بجے روسی قونصل خانے کے روسی پریس اتاشی نے باورچی کو لینے ہیڈ باورچی کے پاس آنا تھا...... عمران دن کے سات بجے ہی فائیو سٹار ہوٹل میں ہیڈ باورچی کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا...... اس نے تنگ پاجامہ، گول بغیر کالر کا کرتہ اور کالی پرانی واسکٹ پہن رکھی تھی...... سر پر بادامی رنگ کی گاندھی کیپ تھی...... جیب میں کچھ پیسے تھے...... ایک بوسیدہ سی پاکٹ بک تھی جس پر مختلف کھانوں کے مصالحہ جات کے فارمولے لکھے ہوئے تھے...... ٹھیک آٹھ بجے فائیو سٹار ہوٹل کے پورچ میں روسی قونصل خانے کی گاڑی آ کر رکی...... اس میں سے سرخی مائل بھورے رنگ کا روسی نوجوان باہر نکلا اور سیدھا ہیڈ باورچی کے پاس آ گیا۔

ہیڈ باورچی نے بڑے تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا اور کہا۔

"صاحب! آپ کا آدمی بالکل تیار ہے...... اس کا نام کبیر الدین ہے...... اس کے دادا پردادا بہادر شاہ ظفر ہندوستان کے بادشاہ کے خاص باورچی تھے اور مغلئی پلاؤ بنانے میں ان کا جواب نہیں تھا...... وہی نسخہ ان کے پاس سینہ بہ سینہ چلا آ رہا ہے...... سنبھالئے اپنا آدمی"۔

روسی پریس اتاشی بڑی اچھی اردو بول لیتا تھا، کہنے لگا۔

"سردار علی خان! آدمی تمہارے بھروسے کا ہے نا؟"۔

ہیڈ باورچی کا نام سردار علی تھا...... ہیڈ باورچی نے کہا۔

"صاحب! یہ دو سال سے میری شاگردی میں کام کر رہا ہے...... بڑا کم بولنے والا اور اپنے کام سے کام رکھنے والا نوجوان ہے...... مغلئی پلاؤ بنانے والا اس سے بہتر پورے بھارت میں آپ کو کوئی نہیں ملے گا"۔

روسی پریس اتاشی بولا۔

"اچھی بات ہے...... اس کو سب کچھ بتا دیا ہے ناں کہ اسے سمندری جہاز میں ہ رہنا ہو گا اور جہاز کے کپتان کے لئے روزانہ مغلئی پلاؤ بنانا ہو گا اور جب جہاز روس پہنچے گ تو اسے جہاز سے نیچے اترنے کی بالکل اجازت نہیں ہو گی...... وہی جہاز یا کوئی دوسر تجارتی جہاز جب مال لے کر بھارت روانہ ہو گا تو اسے اس میں سوار کروا کر واپس بمبئ بھیج دیا جائے گا"۔

ہیڈ باورچی نے کہا۔

"اسے سب کچھ بتا دیا گیا ہے صاحب! تم بے فکر ہو کر اسے جہاز پر لے جاؤ"۔

اس دوران کمانڈو عمران تھوڑے پڑھے لکھے باورچی کی طرح سٹول پر بیٹھا مسکرا مسکرا کر کبھی ہیڈ باورچی کو اور کبھی روسی پریس اتاشی کو دیکھتا رہا...... روسی پریس اتاشی نے کمانڈو عمران سے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"۔

کمانڈو عمران نے جلدی سے کہا۔

"سر! میرا نام کبیر الدین ہے صاحب!"۔

"کتنی جماعتیں پڑھے ہوئے ہو؟"۔

عمران نے احمقوں والا چہرہ بنا کر ہنستے ہوئے کہا۔

"صاحب! چوتھی جماعت فیل ہوں"۔

ہیڈ باورچی بولا۔

"زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہے مگر اپنے کام کا استاد ہے"۔

روسی پریس اتاشی نے کمانڈو عمران کو بڑی تیز نگاہوں سے سر سے لے کر پاؤں ک دیکھا اور کہا۔

"تمہیں پانچ ہزار روپے انڈین کرنسی میں تنخواہ ملے گی اور کھانا پینا جہاز کے ذمے و گا۔ اس کے علاوہ تمہیں تین جوڑے جہاز کے باورچیوں کی وردی کے بھی ملیں گے...... کیا تمہیں منظور ہے؟"۔

کمانڈو عمران نے ہلکا سا سلیوٹ کر کے کہا۔

"صاحب بڑی مہربانی...... منظور ہے صاحب!"۔

"آ جاؤ میرے ساتھ"۔

ہیڈ باورچی نے عمران سے کہا۔

"جاؤ کبیر الدین...... کپتان صاحب کو ایسا کھانا کھلانا وہ جب بھی بھارت آئے ہیں ہی ساتھ لے کر جائے"۔

"جو حکم استاد جی"۔

اور کمانڈو عمران روسی پریس اتارشی کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو گیا اور روسی نصل خانے کی گاڑی بمبئی کی بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گئی...... تجارتی جہاز کا روسی تان بالکل سرخ رنگ کا گٹھے ہوئے جسم والا گول مٹول آدمی تھا...... عمر پچاس اور اٹھ کے درمیان ہو گی...... گردن، چہرے اور کہنیوں تک بازو کا رنگ سمندری واؤں یا بارشوں اور تیز سمندری دھوپ کی مار کھا کھا کر ہلکا نسواری ہو رہا ا...... آنکھیں زردی مائل سبز تھیں، جیسی بھیڑیئے کی ہوتی ہیں...... جب پریس شی نے عمران کو پیش کیا تو کپتان نے گھور کر اس کا جائزہ لیا اور رعب دار آواز میں و میں پوچھا۔

"تمہارا نام؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"کبیر الدین کچن ماسٹر سر!"۔

"انگریزی پڑھ لکھ سکتے ہو؟" کپتان نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"چار جماعتیں پڑھا ہوں صاحب...... انگریزی پڑھ لکھ نہیں سکتا"۔

کپتان روسی زبان میں پریس اتاشی سے باتیں کرنے لگا...... یہی پوچھ رہا ہوگا کہ اس آدمی کی اچھی طرح سے جانچ پڑتال کرلی ہے اور کیا یہ بھروسے کا آدمی ہے وغیرہ وغیرہ۔ پریس اتاشی نے کپتان کی تسلی کرادی تھی...... اس نے عمران سے کہا۔

"مغلئی پلاؤ بنالیتے ہو؟"۔

عمران بولا۔

"سر! مغلئی پلاؤ کی ڈش تو میں ایسی سپیشل بناتا ہوں کہ کوئی کیا بنائے گا"۔

جہاز کے کپتان نے جہاز کے ایک ماتحت آفیسر کو بلا کر روسی زبان میں کچھ کہا...... پھر عمران سے مخاطب ہو کر بولا۔

"تم ہمارے افسر کے ساتھ کچن میں جائے گا اور دوپہر کے لنچ کے واسطے ہمارے لئے مغلئی پلاؤ تیار کرے گا...... جاؤ"۔

جہاز کا آفیسر عمران کو لے کر جہاز کے کچن روم کی طرف چل دیا...... کچن میں تمام روسی عملہ کام کر رہا تھا...... عمران کو دیکھ کر وہ اپنی زبان میں ہنس ہنس کر ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے...... کچن کے ہیڈ نے عمران سے اردو میں کہا۔

"کپتان کے لئے تم لنچ میں مغل پلاؤ کی ڈش بنائے گا...... جو کچھ چاہئے تمہیں مل جائے گا"۔

عمران نے دیکھا کہ جہاز کے خاص خاص آدمی اردو زبان بڑی اچھی طرح سے بولنا جانتے تھے...... کچن کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا کیبن عمران کو رہنے کے واسطے دے دیا گیا...... جہاز کا کچن اور کیبن وغیرہ بڑے صاف ستھرے تھے...... جہاز کا سارا

ملہ روسی تھا...... عمران کو سفید اور سرخ وردی کے دو جوڑے مل گئے...... اس نے بن میں جاکر وردی پہن لی...... اس کے بائیں پاؤں کے جوتے کے اندر تلوے کے نیچے وہ چھوٹا سا تہہ کیا ہوا کاغذ محفوظ پڑا تھا جس پر سیکرٹ بریف کیس کے تالے کا خفیہ ڈ نمبر لکھا ہوا تھا...... یہ نمبر عمران کو زبانی بھی یاد تھا مگر احتیاط کے طور پر اس نے کاغذ پنے جوتے کے اندر ہی رکھا ہوا تھا...... دن کے بارہ بجے جہاز نے لنگر اٹھادیا اور بمبئی کی ندرگاہ سے روس یعنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔

ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد جہاز کھلے سمندر میں سفر کر رہا تھا...... سمندر پرسکون ھا...... جہاز ایک نپی تلی رفتار سے چلا جا رہا تھا...... یہ بحیرہ عرب کا سمندر تھا...... ابھی مران کو معلوم نہیں تھا کہ جہاز راستے میں کون کون سے ملک کی بندرگاہ پر ٹھہرے ...... اسے یہ بھی پوری طرح سے علم نہیں تھا کہ جہاز کا سمندری روٹ کون سا ہے...... اسے یہ معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی...... اس کی ساری توجہ یکرٹ بریف کیس کی طرف تھی...... سب سے پہلے اسے یہ سراغ لگانا تھا کہ اگر رگریٹا کی اطلاع درست ہے کہ بریف کیس جہاز کے کپتان نے اپنے کیبن میں رکھا ہے تو کپتان نے اسے کیبن میں کس جگہ رکھا ہوا تھا...... ظاہر ہے یہ بریف کیس ایک ہم دستاویز کا حامل تھا اور کپتان نے اسے کیبن میں کسی خفیہ جگہ پر ہی چھپا کر رکھا وگا...... جہاز پر ابھی کمانڈو عمران کا پہلا دن تھا...... دوپہر دو بجے اس نے لنچ کے لئے غلئی پلاؤ تیار کرلیا تھا...... کچن کے دوسرے ملازم بڑے غور سے عمران کو پلاؤ تیار رتے دیکھتے رہے تھے۔

کپتان دوپہر کے ڈھائی بجے لنچ کرتا تھا...... ٹھیک ڈھائی بجے جہاز کا سیکنڈ میٹ ن میں آیا اور اس نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں عمران سے پوچھا کہ کیا کپتان کا لنچ تیار ہے؟

مران نے کہا۔

"یس سر! بالکل تیار ہے"۔

عمران سیکنڈ میٹ کے ساتھ مغلئی پلاؤ کا ڈھکا ہوا خوان خود اٹھا کر کپتان کے کیبن میں گیا...... کپتان عام طور پر اپنے کیبن میں ہی لنچ اور ڈنر کرتا تھا...... کیبن کافی بڑا اور سلیقے سے سجا ہوا تھا...... چھوٹی ڈائننگ ٹیبل لگی تھی...... ایک طرف کپتان کا بیڈ لگا تھا جس پر سرخ کمبل تہہ کر کے رکھا ہوا تھا...... کپتان اپنے فسٹ آفیسر کے ساتھ ڈنر ٹیبل پر بیٹھا روسی شراب وڈکا سے دل بہلا رہا تھا بلکہ اپنی بھوک تیز کر رہا تھا...... عمران نے خوان میز پر رکھ کر اسکا سرپوش یعنی ڈھکن اٹھایا اور تیز گرم مصالحوں کی خوشبو اڑنے لگی۔

کپتان نے لمبا سانس لے کر خوش ہو کر روسی زبان میں اپنے فسٹ آفیسر سے کچھ کہا...... پھر اس نے عمران کی طرف متوجہ ہو کر اردو میں کہا۔

”کبیر الدین! پلاؤ کی خوشبو بہت اچھی ہے“۔

پلاؤ کے ساتھ مرغ کا شوربہ بھی تھا...... اس میں بھی خوب مصالحے پڑے ہوئے تھے...... کپتان بڑے شوق سے کھا رہا تھا اور پلاؤ کی بار بار تعریف کر رہا تھا...... عمران بڑے ادب سے ایک طرف کھڑا تھا...... کپتان نے عمران سے کہا۔

”کبیر الدین! ڈنر پر بھی تم یہی ڈش بنائے گا“۔

”یس سر!“ عمران نے سر جھکا کر کہا۔

اس دوران کمانڈو عمران کی تیز نگاہیں کیبن کا جائزہ لے رہی تھیں...... کیبن کے دو پورشن تھے...... ایک پورشن میں ایک طرف ڈائننگ ٹیبل لگی تھی اور دوسری طرف کیبن کی گول شیشے والی کھڑکی کے ساتھ کیپٹن کی لکھنے لکھانے والی ٹیبل لگی تھی جس پر کمپاس، دنیا کے نقشے والا گلوب اور بڑی سی لاگ بک پڑی تھی...... اس لاگ بک میں جہاز کے کپتان روزنامہ درج کیا کرتے ہیں...... میز کے اوپر دیوار پر روس کے صدر بورس یلسن کی بڑی تصویر لگی ہوئی تھی اور میز کے کونے میں روس کا جھنڈا ایک لمبی سلاخ کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

دوسرے پورشن میں کپتان کا بستر لگا تھا...... درمیان میں راڈ لگا کر پردہ کھینچا ہوا تھا...... پردہ سرخ رنگ کا تھا اور آدھا اکٹھا کیا ہوا تھا...... بستر کے سرہانے تپائی پر ٹیبل لیمپ تھا...... ٹیبل لیمپ کے پاس ہی سٹینڈ والے فریم میں لگی ہوئی کسی عورت کی رنگین فوٹو تھی جو مسکرا رہی تھی اور جس نے گود میں ایک بچہ اٹھا رکھا تھا...... یہ کپتان کی بیوی کی فوٹو ہی ہو سکتی تھی...... بستر کے نیچے چمڑے کا ایک بڑا سوٹ کیس تھوڑا سا نظر آ رہا تھا...... چھوٹے شیلف میں کچھ کتابیں سجی ہوئی تھیں...... بستر کے نیچے والے سوٹ کیس کے سوا کیبن میں اور کہیں کوئی سوٹ کیس یا بریف کیس نظر نہیں آ رہا تھا، لکھنے والی میز کے پہلو میں ایک درمیانے سائز کی لکڑی کی چمکیلی الماری دیوار کے ساتھ ضرور لگی ہوئی تھی جو بند تھی، ہو سکتا تھا کپتان نے بریف کیس اسی الماری میں رکھا ہو...... بہر حال یہ عمران نے ابھی معلوم کرنا تھا۔

رات کو ڈنر پر بھی عمران نے کپتان کا پسندیدہ مغلئی پلاؤ ہی بنایا...... وہ سیکنڈ میٹ کے ساتھ خود کھانا لے کر کیبن میں گیا...... کپتان عمران کی کارکردگی سے بہت خوش تھا اور ایک طرح سے اس نے عمران کو پاس کر دیا تھا...... رات کو عمران تھوڑی دیر کھانا کھانے کے بعد جہاز کے ڈیک پر آ کر ستاروں کی دھندلی روشنی میں سمندر کی بڑی بڑی موجوں کا نظارہ کرتا...... سمندر میں کوئی طوفان وغیرہ نہیں تھا...... وہ نارمل انداز میں ڈول رہا تھا اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا...... کچھ دیر ڈیک کے جنگلے کے پاس ٹہلنے کے بعد عمران اپنے چھوٹے سے کیبن میں آ کر سو جاتا...... اسی طرح ایک ہفتہ گزر گیا...... ابھی تک عمران کو بریف کیس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا...... وہ اپنے محدود وسائل کے اندر رہ کر بڑی سرگرمی سے اس کا کھوج لگانے میں لگا ہوا تھا...... ایک روز جبکہ رات کو ڈنر کھانے کے بعد کپتان فسٹ آفیسر کے ساتھ کیبن سے نکل کر باہر ڈیک پر رکھی آرام کرسیوں پر بیٹھ کر تمباکو نوشی کر رہا تھا اور تھوڑی وڈکا روسی شراب سے دل بہلا رہا تھا تو عمران نے بڑی جرات سے کام لے کر کپتان کے بستر کے نیچے

رکھے ہوئے بڑے سوٹ کیس کو باہر کھینچ لیا...... سوٹ کیس کو تالا نہیں لگا ہوا تھا...... اس نے جلدی جلدی سوٹ کیس کی تلاشی لی...... اس میں سوائے کپتان کے گرم کپڑوں، ایک دو فحش تصویروں والے رسالوں کے اور کچھ نہ تھا...... عمران نے جلدی سے سوٹ کیس بند کر کے دوبارہ پلنگ کے نیچے دھکیل دیا اور تیزی سے اٹھ کر ڈائننگ ٹیبل پر پڑے ہوئے خالی برتن ایک طرف ٹرے میں رکھنے لگا...... دوسرا ہفتہ بھی گزر گیا...... کمانڈو عمران نے کیبن کی ایک ایک چیز کی جتنی تلاشی لے سکتا تھا تلاشی لے لی تھی......اب صرف لکھنے والی میز کے ساتھ لگی الماری ہی رہ گئی تھی۔



الماری میں تالہ کیواڑ کے اندر لگا ہوا تھا۔

باہر صرف تالے کا کنجی لگانے والا سوراخ ہی نظر آرہا تھا...... عمران کے لئے اس قسم کا تالا کھولنا کوئی مشکل کام نہیں تھا...... سوائے نمبروں والے کمپیوٹرائزڈ اور میکنیٹک تالے کے اسے ہر قسم کے تالا کھولنے کی باقاعدہ تربیت دی گئی تھی، لیکن الماری کو کھول کر اس کی تلاشی لینا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا...... یہ کام عمران صرف اس وقت ہی کر سکتا تھا جب اسے یقین ہو کہ کپتان کم از کم ایک گھنٹے تک کیبن میں نہیں آئے گا اور وہ جہاز کے برج یا انجن روم میں گیا ہوا ہو گا...... کپتان جہاز پر گھومتا پھرتا رہتا تھا...... جہاز کے برج پر جہاں بہت بڑے بیضوی کمرے میں مختلف قسم کے کمپیوٹروں والے کاؤنٹروں کے پیچھے دیوار پر ڈائیل اور گلوب وغیرہ لگے تھے اور سمندروں کے نقشے لٹک رہے تھے...... کپتان کے اسسٹنٹ اور فسٹ میٹ اور فسٹ آفیسر اس برج روم میں ہر وقت موجود رہتے تھے...... وہ جہاز کو اسی کمرے سے کنٹرول کئے ہوئے تھے...... کپتان کسی کسی وقت آتا تھا اور ایک ایک آلہ چیک کر کے کچھ دیر دوربین سے سامنے سمندر کی موجوں کو دیکھتا اور پھر دوسری طرف نکل جاتا تھا۔

ان دو ہفتوں میں عمران نے نوٹ کیا کہ رات کے کھانے سے پہلے کپتان جہاز کے بڑے ڈائننگ ہال میں دوسرے آفیسرز کے ساتھ اس میز پر بیٹھ کر وائن وغیرہ سے اپنی بھوک تیز کرتا تھا جو ہر تجارتی اور مسافر بردار جہاز میں لگی ہوتی ہے اور جسے

انگریزی میں کیپٹنز ٹیبل یعنی کپتان کی میز کے نام سے پکارا جاتا ہے...... تقریبات کے موقع پر کپتان اس میز پر منتخب مہمانوں اور جہاز کے افسروں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے اور اس ٹیبل پر کپتان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کو بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے...... اس وقت کپتان کا کیبن بالکل خالی ہوتا تھا اور کمانڈو عمران تقریباً اکیلا ہی کیبن کی چھوٹی ڈائننگ ٹیبل پر ڈنر کے لوازمات وغیرہ رکھتا تھا، کیونکہ کپتان ڈنر اپنے کیبن میں آکر اپنے فسٹ آفیسر کے ساتھ کرتا تھا۔

عمران نے سوچ لیا کہ صرف یہی وہ وقت ہے جس وقت وہ کیبن میں رکھی بند الماری کو کھول کر دیکھ سکتا ہے کہ بریف کیس اس میں تو نہیں ہے...... عمران کو یقین تھا کہ بریف کیس اسی الماری میں ہی ہو سکتا ہے...... اس دوران جہاز سری لنکا کا چکر کاٹ کر بحر ہند کے پانیوں میں داخل ہو چکا تھا اور اب اسے تھائی لینڈ کی بندرگاہ بنکاک میں دو دن کے لئے رکنا تھا...... تھائی لینڈ قریب آرہا تھا...... عمران نے فیصلہ کیا کہ جب جہاز بنکاک سے روانہ ہوگا تو وہ الماری کی تلاشی لے گا...... تھائی لینڈ کے بعد جہاز کا اگلا پڑاؤ سنگاپور تھا اور وہاں سے جہاز کو جنوبی چین کے سمندر میں سے گزرتے ہوئے، بحر جاپان میں سے ہو کر شمالی جنوب میں براعظم روس کی بندرگاہ ولاڈی واسٹک میں جاکر لنگر انداز ہونا تھا...... یہ ساری معلومات عمران نے جہاز میں ہی حاصل کر لی تھیں...... روس کی بندرگاہ ولاڈی واسٹک اس جہاز کی منزل تھی...... یہاں جہاز کو ایک مہینے کے بعد مال لے کر آسٹریلیا جانا تھا۔

جہاز بنکاک پہنچ گیا۔

بنکاک میں کچھ مال اتارا گیا...... کچھ مال جہاز پر لادا گیا...... دو دن کے بعد جہاز سنگاپور کی طرف چل پڑا...... جب جہاز میں امن و امان ہو گیا اور جہاز پر معمول کی زندگی شروع ہو گئی تو ایک روز عمران نے الماری کی تلاشی لینے کا پروگرام طے کر لیا...... الماری کا تالا کھولنے کے لئے اس نے لوہے کی باریک مگر مضبوط تار جہاز کے

ورروم سے کسی طرح حاصل کر لی تھی...... یہ پانچ چھ انچ لمبی تار تھی جسے عمران نے ہرا کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا تھا...... تلاشی لینے کا کام شروع کرنے سے پہلے عمران نے باتھ روم میں جاکر اپنے جوتے کے تلوے میں سے وہ کاغذ نکالا جس پر بریف کیس ے تالے کا کوڈ نمبر لکھا ہوا تھا...... اس نے اس نمبر کو بار بار پڑھ کر اچھی طرح سے یاد لیا اور کاغذ کو پرزے پرزے کر کے کموڈ میں بہا دیا...... یہ کام بڑا ضروری تھا...... یہ ں نے اس لئے کیا تھا کہ اگر وہ الماری کی تلاشی لیتے ہوئے پکڑا جائے تو پوچھ گچھ کے ران تلاشی لیتے وقت اس کے جوتے کے تلوے میں سے یہ کاغذ برآمد نہ جائے...... اس کاغذ کا برآمد ہونا اس بات کا حتمی ثبوت تھا کہ وہ غیر ملکی ایجنٹ ہے اور رچی کے بھیس میں معاہدے کی دستاویز کو اڑانے کے لئے جہاز پر آیا ہے۔

خفیہ کوڈ کے نمبر کے ہندسوں کو اس نے خاص طریقے سے یاد کیا تھا، جس طرح ٹیلی فون کے بعض نمبروں کو یاد کر لیتے ہیں اسی طرح سے ایک خاص ٹیکنیک پر عمل تے ہوئے ایجنٹ لوگ بڑے بڑے کوڈ نمبروں کو یاد کر لیتے ہیں اور موقع پر صرف بلا اور آخری ہندسہ یاد آنے پر پورے کا پورا نمبر ذہن میں ابھر آتا ہے، چنانچہ عمرا بھی یہ کوڈ نمبر اچھی طرح بلکہ پانی کی طرح یاد ہو گیا تھا، ورنہ وہ کاغذ کبھی پھاڑ کر کمو ں نہ بہاتا...... جب سورج غروب ہو گیا اور جنوب مشرقی ایشیا کے سمندر پر اندھیرا ا گیا تو کپتان اپنے کیبن سے نکل کر نیچے بڑے ڈائننگ ہال میں پہنچ گیا...... جہاز کے دو ن آفیسر اس کا انتظار ہی کر رہے تھے اور کپتان کے خاص ٹیبل پر بیٹھے تھے...... کپتان آتا دیکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کپتان کی تعظیم بجا لاتے ہوئے بیٹھ گئے اور وائن کی تل کھل گئی...... یہ سب کمانڈو عمران کسی بہانے ڈائننگ روم میں آکر دیکھ گیا تھا...... ب اس نے دیکھا کہ کپتان اپنے آفیسرز کے ساتھ بیٹھا تاؤ نوش میں مصروف ہو گیا ہے اور اب کم از کم وہاں ڈیڑھ گھنٹے تک ضرور بیٹھے گا اور اس کے بعد مغلئی پلاؤ کھانے پنے کیبن میں آئے گا تو عمران خاموشی سے اوپر جاکر کپتان کے کیبن میں داخل ہو گیا

اور کیبن کا دروازہ بند کر دیا۔

وہ کھانے کی میز پر ڈنر کے کچھ خالی برتن لگانے میں مصروف ہو گیا...... شیشے کے نازک فرانسیسی گلاسوں کو سفید رومال سے رگڑ رگڑ کر چمکانے لگا...... دو ایک بار اس نے کیبن کے دروازے کی طرف دیکھا...... دروازہ بند تھا...... وہ اندر سے چٹخنی نہیں لگا سکتا تھا...... اس طرح اس پر شک پڑ سکتا تھا کہ وہ کیبن کی چٹخنی لگا کر اندر کیا کر رہا تھا...... کم بخت الماری کا رخ کیبن کے دروازے کے عین سامنے تھا...... اگر باہر سے کوئی اچانک دروازہ کھول کر کیبن میں داخل ہوتا ہے تو وہ عمران کو الماری کی تلاشی لیتے دیکھ سکتا تھا...... اس کام میں ہر قسم کا اور ہر طرح سے خطرہ ہی خطرہ تھا مگر خطروں سے کھیلنا اور خطروں کو مول لینا ایک محبّ الوطن کمانڈو کے فرائض میں شامل ہوتا ہے...... اسے اپنی جان کی پروا نہیں ہوتی، صرف یہی خیال ہوتا ہے کہ اس کا مشن کامیابی سے مکمل ہو جائے...... مشن کو مکمل کیے بغیر مر جانا اس کے نزدیک زندگی کو ضائع کرنے کے برابر ہوتا ہے اور یہ کسی بھی مجاہد کمانڈر کو گوارا نہیں ہوتا۔

اگرچہ کمانڈو عمران اس وقت پوری طرح سے چاروں طرف سے چوکنا اور چوکس تھا لیکن اس وقت اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا کہ کسی طرح روس اور بھارت کے درمیان ہونے والے فوجی معاہدے کی نقل اس کے پاس آ جائے تاکہ وہ اپنے وطن پاک کو دشمن کے ناپاک اور خطرناک عزائم سے خبردار کر سکے...... تالا کھولنے والی تار عمران نے جیب سے نکال کر اپنے ہاتھ کی مٹھی میں چھپالی تھی...... اس کے اور کپتان کی الماری کے درمیان صرف تین قدم کا فاصلہ تھا مگر یہ تین قدم اسے اپنی زندگی کی عظیم کامیابی بھی عطاء کر سکتے تھے اور اسے فائرنگ سکویڈ کے سامنے کھڑا کر کے بے فائدہ موت کے منہ میں بھی دھکیل سکتے تھے...... جب وہ کوڈ نمبروں والا کاغذ ضائع کرنے باتھ روم میں گیا تھا تو وہیں اس نے اپنے بائیں جبڑے پر ہلکا سا مکا مار کر اپنے گلے کی پاکٹ میں چھپایا ہوا انتہائی طاقتور اور انگوٹھے کے سائز کا ڈاٹ کیمرہ بھی نکال کر جیب میں ڈال لیا تھا......

ب کیس الماری میں سے برآمد ہونے کی صورت میں اسے اس کیمرے کی مدد سے ن معاہدے کی دستاویز کی فوٹو کاپی اتارنی تھی۔

یہ چھوٹا سا مگر انتہائی اہم کیمرہ اس وقت بھی اس کی واسکٹ میں تھا...... وہ کمانڈو ن کے لئے بالکل تیار تھا...... اس کے پاس زیادہ وقت بھی نہیں تھا...... اس نے ن کے بند دروازے پر ایک نگاہ ڈالی اور بڑے اطمینان کے ساتھ کیپٹن کی بند الماری طرف بڑھا...... تالا کھولنے والا تار اس کے سیدھے ہاتھ میں تھا...... اب اسے بجلی یزی اور مشین کے پرزے کی طرح کام کرنا تھا...... الماری کے پاس جاتے ہی اس تار چابی کے سوراخ میں ڈال کر اسے پہلے دائیں جانب گھمایا...... پھر تار کو ذرا نیچے کے ایکدم اوپر کو اٹھایا تو ٹک کی آواز کے ساتھ تالا کھل گیا...... سوال ہی پیدا نہیں تھا کہ اس قسم کے تالے کے اندر کمانڈو عمران تار ڈالے اور وہ نہ کھلے...... عمران جلدی سے الماری کے پٹ کھول کر دیکھا...... الماری کے اندر تین خانے تھے...... ن پر نظر ڈالتے ہی عمران کو گوہر مراد مل گیا...... اوپر والے خانے میں سیاہ رنگ کا چھوٹے سائز کا بریف کیس پڑا تھا...... اس نے بریف کیس کو باہر نکال کر دیکھا...... پر سرخ حروف میں C.C.P لکھا ہوا تھا...... عمران نے جلدی سے الماری بند کی اور کیس لے کر باتھ روم میں گھس گیا...... اندر جاتے ہی اس نے کوڈ نمبروں کو بایا...... ٹک کی آواز آئی اور بریف کیس کھل گیا...... بریف کیس میں ایک سرخ کی جلد والی فائل پڑی تھی...... اس نے فائل کھولی...... یہ روس اور بھارت کے ن طے پائے جانے والے فوجی معاہدے کی وہ اصل کاپی تھی جس پر تمام فوجی سامان کی فہرست پورے صفحے پر ٹائپ کی ہوئی تھی جو روس نے بھارت کو سپلائی ا اور جسے بھارت نے پاکستان کے خلاف استعمال کرنا تھا۔

کمانڈو عمران نے ڈاٹ کیمرہ نکال کر فہرست والے صفحے کو فوکس کیا اور بٹن ...... کیمرے کے اندر کسی گراری کے چلنے کی آواز آنے لگی...... کیمرے کے اندر

طویل فہرست کو ایک نقطے میں مرکوز کرنے اور اس کا فوٹو اتارنے کا عمل جاری تھا...... اس عمل کو ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت لگا اور آواز بند ہو گئی...... عمران نے جلدی جلدی کیمرے کے نچلے حصے کو کھول کر انگلی کے ناخن سے بھی چھوٹے سائز کی سٹین لیس سٹیل کی ٹیوب باہر نکال لی...... یہ دستاویز کی فلم تھی...... اس نے ٹیوب کو فوراً منہ میں ڈال کر زبان کی مدد سے اسے اپنے گلے کی خفیہ پاکٹ میں ڈالا...... بریف کیس بند کر کے کوڈ نمبروں کو الٹا دبا کر تالا لگایا...... ڈاٹ کیمرے کو کموڈ میں ڈال کر ٹینکی کا پانی چھوڑ دیا...... جب اسے یقین ہو گیا کہ ڈاٹ کیمرہ نیچے سمندر میں بہہ گیا ہو گا تو باتھ روم کا دروازہ ذرا سا کھول کر کیبن میں دیکھا...... کیبن اسی طرح خالی تھا...... اس نے قمیض کے دامن سے بریف کیس کے اوپر لگے ہوئے اپنے انگلیوں کے نشانات کو زور زور سے رگڑ کر صاف کیا...... قمیض کے دامن سے بریف کیس کو ہینڈل سے پکڑ لیا دوڑ کر باتھ روم میں سے نکلا اور بریف کیس الماری کے اوپر والے خانے میں رکھ دیا اور الماری کا دروازہ بند کر کے تالا لگا ہی رہا تھا کہ اچانک جہاز کے کپتان کے قہقہہ لگانے اور کسی سے بات کرنے کی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی کیبن کا دروازہ کھول کر جہاز کا کپتان اپنے فسٹ آفیسر کے ساتھ اندر آ گیا۔

اس وقت کمانڈو عمران الماری کی طرف منہ کر کے کھڑا تھا...... اس نے وہیں زمین پڑے ہوئے کپڑے سے الماری کو صاف کرنا شروع کر دیا...... وہ یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ الماری صاف کر رہا تھا، لیکن روسی کپتان کو معلوم تھا کہ الماری کے اندر کس قدر اہم اور خفیہ دستاویز رکھی ہوئی ہے...... اس نے وہیں کھڑے کھڑے گرج دار آواز میں پوچھا۔

"کبیر الدین! یہ کیا کر رہے ہو؟"۔

لوہے کی مڑی ہوئی تار ابھی تک کمانڈو عمران کے ہاتھ میں تھی، مگر افسوس کہ اسے اتنی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ وہ الماری کو دوبارہ تالا لگا سکتا...... اس نے تار

نیچے گرا دی اور مڑ کر بڑی حلیمی کے ساتھ کہا۔

"صاحب الماری پر گرد جمی ہوئی تھی...... اسے صاف کر رہا تھا"۔

جہاز کے روسی کپتان نے جیسے کمانڈو عمران کی بات سنی ہی نہیں تھی...... وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا الماری کے قریب گیا اور اس کے ہینڈل کو پیچھے کیا...... الماری کھل ئی...... اسے تالا ہی نہیں لگا تھا...... اسے تو کھلنا ہی تھا...... عمران کے بدن میں ایک لہر ں دوڑ گئی...... وہ سمجھ گیا کہ معاملہ الٹ گیا ہے...... کپتان نے عمران کو قہر بھری ظروں سے دیکھا اور پوچھا۔

"یہ الماری تم نے کھولی تھی؟"۔

عمران نے بڑے بھولپن سے کہا۔

"نہیں صاحب...... میں تو صرف الماری کو کپڑے سے صاف کر رہا تھا"۔

جہاز کا فسٹ آفیسر بھی قریب آ گیا تھا...... روسی کپتان نے جلدی سے بریف بس کے نمبر ملا کر اسے کھول کر دیکھا...... خفیہ دستاویز اندر موجود تھیں...... فائل ول کر دیکھی...... فائل کے اندر معاہدے کے کاغذات بھی موجود تھے...... کپتان نے جلدی سے بریف کیس خانے میں رکھ کر الماری بند کی اور جیب سے چھوٹا سا پستول ال کر اس کا رخ عمران کی طرف کر دیا اور روسی زبان میں اپنے فسٹ آفیسر کو کوئی لم دیا...... فسٹ آفیسر نے اسی وقت عمران کو دبوچ کر فرش پر بٹھا دیا اور اونچی آواز ں کسی کو بلایا...... دوسرے لمحے دو مسلح ملاح دوڑ کر اندر آ گئے...... کپتان نے انہیں ی کوئی حکم دیا...... مسلح ملاحوں میں سے ایک نے سٹین گن کی نالی عمران کی گردن سے ادی...... دوسرے نے عمران کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور کیبن سے باہر کھینچ کر لے گیا۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد کپتان نے پستول جیب میں رکھی اور الماری کے ں جھک کر وہ تار اٹھا لی جس سے عمران نے الماری کا تالا کھولا تھا...... اس نے وہ تار ٹ آفیسر کو دکھائی اور بریف کیس کو دوبارہ الماری سے نکالا اور اسے میز پر رکھ کر

دستاویز کو کھول کر خفیہ کاغذات کو غور سے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا...... ساتھ ساتھ وہ روسی زبان میں اپنے فسٹ آفیسر سے باتیں بھی کرتا رہا تھا...... فسٹ آفیسر نے بھی خفیہ کاغذوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا...... کپتان کو فل سکیپ کاغذ کا ایک کونا دکھایا جو ایک طرف سے ذرا سا مڑا ہوا تھا...... کپتان نے اسے ایک نظر دیکھا اور بریف کیس کو بند کر کے تالا لگایا اور اسے اوپر والے خانے میں رکھ کر الماری بند کر کے جیب سے چابی نکالی...... تالے کے سوراخ میں ڈال کر تالا دوبارہ لگایا اور فسٹ آفیسر کو ساتھ لے کر کیبن سے باہر نکل گیا۔

اسے ڈنر پر کھایا جانے والا مغلئی پلاؤ بھول گیا تھا...... وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اگر اس فوجی معاہدے کا راز کسی دوسرے ملک میں پہنچ گیا تو روس کی خفیہ ایجنسی کے جی بی اس کے ساتھ اس کے خاندان کو بھی نیست و نابود کر دے گی...... مسلح روسی ملاحوں نے عمران کو ایک کیبن میں بند کر کے باہر سخت پہرہ بٹھا دیا تھا...... جہاز کا کپتان فسٹ آفیسر کے ساتھ کیبن میں داخل ہوا...... عمران فرش پر سر جھکائے بیٹھا تھا...... کپتان نے عمران کو اردو میں اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"کبیر الدین! یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ تم غیر ملکی ایجنٹ ہو...... تم بھارت کے ایجنٹ نہیں ہو سکتے...... بھارت کے ایجنٹ کو اس فوجی معاہدے کے راز چرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہو سکتی...... تم ضرور پاکستان کے ایجنٹ ہو اور اس فوجی معاہدے کے راز چرا کر اپنے ملک پہنچانے کے ارادے سے باورچی کے بھیس میں جہاز پر آ گئے ہو...... اگر تم ہمیں سچ سچ بتا دو کہ بمبئی میں تمہارا ماسٹر سپائی کون ہے جس نے تمہیں یہاں تک پہنچانے کی سکیم تیار کی تھی اور اگر یہ آدمی روسی قونصل خانے کا بھی کوئی آفیسر ہے تو اس کا نام بتا دو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے...... میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں دوسرے جہاز میں خود سوار کروا کر واپس بمبئی بھجوا دوں گا"۔

عمران صاف مکر گیا...... وہ اعتراف کر ہی نہیں سکتا تھا...... وہ جانتا تھا کہ یہ روسی

نخوار ریچھ اسے کسی حالت میں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا...... اسے اگر کوئی پریشانی ی تو صرف اس بات کی تھی کہ فوجی معاہدے کی فوٹو فلم اس کے حلق کی پاکٹ میں فوظ پڑی تھی...... وہاں تک روسیوں کے ہاتھ نہیں پہنچ سکتے تھے، لیکن اگر جہاز کے ان نے اسے گولی سے اڑا کر سمندر میں پھینک دیا تو جس قیمتی راز کو حاصل کرنے کی طرح وہ اپنی زندگی قربان کرے گا وہ راز اس کی لاش کے ساتھ ہی سمندر کی گہرائیوں گم ہو جائے گی اور پاکستان نہیں پہنچ سکے گا۔

عمران روسی کپتان کے ہر سوال کے جواب میں ایک ہی بات دہراتا کہ وہ بے رہے...... اس کا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے...... وہ الماری صاف کر رہا تھا...... ے نہیں معلوم کہ یہ تار کہاں سے آ گئی تھی اور کس نے الماری کھولنے کی کوشش تھی۔

کپتان نے دو ہٹے کٹے ملاح بلا لئے جنہوں نے عمران کو پیٹنا شروع کر دیا...... ن جان بوجھ کر بے ہوش ہو گیا...... جہاز کے فسٹ آفیسر نے کپتان کو اپنی زبان سمجھایا کہ اس کی یعنی کپتان کی جان اسی طریقے سے بچ سکتی ہے کہ وہ اس پاکستانی کو روس لے جا کر خفیہ ایجنسی کے جی بی کے حوالے کر دے اور انہیں صاف بتا دے کہ اس پاکستانی ایجنٹ نے خفیہ معاہدے کی دستاویز چرانے کی کوشش کی یکن اس نے یعنی کپتان نے اسے عین موقع پر پکڑ لیا...... روس کی خفیہ ایجنسی کے خود ہی اس سے سب کچھ معلوم کر لے گی...... اگر مار نے پیٹنے سے یہ شخص یعنی ن مر گیا تو وہ کے جی بی کو کیسے یقین دلائے گا کہ اس شخص نے معاہدے کی خفیہ یز چرانے کی کوشش کی تھی اور مجھے یعنی کپتان کو لگتا ہے کہ اس منر پر بھی ے کے خاص خاص پوائنٹ یاد کرنے کے بعد کسی خفیہ وائرلیس سگنا تھوڑی دیر کے کر دیئے ہیں...... یوں اگر اس ایجنٹ نے معاہدے کے مندرجا دہ دیر ٹھہرنے کی ل سسٹم کی مدد سے بذریعہ سگنلز کراچی یا کسی دوسری جگہ بھیجے کے باہر کھڑا رہتا تھا

میں اس کا علم روس کی حکومت کو ہو بھی جائے گا تو کپتان کی کھال بچ جائے گی...... وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے تو پاکستانی ایجنٹ کو موقع پر پکڑ کر کے جی بی کے حوالے کر دیا تھا...... یہ کے جی بی کی انٹیلی جنس ایجنسی کا کام تھا کہ پاکستانی ایجنٹ سے یہ راز اگلواتی کہ اس نے خفیہ دستاویز سے جو راز چرائے تھے وہ پاکستان کیسے منتقل کئے ہیں۔

روسی کپتان کی عقل نے فسٹ آفیسر کی تجویز فوراً قبول کر لی...... وہ اپنی روسی حکومت کی طوطا چشمی کو بھی جانتا تھا اور خفیہ ایجنسی کے جی بی کے عقوبت خانوں میں جس بربریت کا مظاہرہ ہوتا تھا اس سے بھی واقف تھا...... اس کی یعنی کپتان کی جان اسی طرح بچ سکتی تھی کہ پاکستانی ایجنٹ کم از کم روس پہنچنے تک اور اسے کے جی بی کے افسروں کے حوالے کرنے تک زندہ رہے...... کپتان نے اسی وقت دونوں ہٹے کٹے ملاحوں کو واپس بھیج دیا اور عمران کو فوراً جہاز کے ہسپتال میں پہنچا دیا اور فسٹ آفیسر کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ پاکستانی ایجنٹ کی چوٹوں کا اپنی نگرانی میں علاج کروائے اور اسے ہسپتال میں ہی قید کر کے اس کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھے تاکہ وہ روس پہنچنے تک صحت مند اور زندہ رہے۔

عمران کو اسی وقت جہاز کے چھوٹے سے ہسپتال میں داخل کر دیا گیا...... ایک مسلح سپاہی اس کے پاس اس کی نگرانی کرنے کے لئے بیٹھ گیا...... اس کے سارے کپڑے اتار کر تلاشی لی گئی، تاکہ اگر اس کے پاس کوئی خفیہ کیمرہ وغیرہ ہو تو وہ برآمد ہو لیا جائے مگر عمران نے کیمرہ تو اسی وقت سمندر کی گہرائیوں میں پہنچا دیا تھا۔ یہ بھ یہاں شی لی گئی کہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز تو نہیں جس سے وہ خودکشی کر لے...... کپتان آفیسر ہے تو یہ تلاشی لی گئی...... عمران کا منہ کھلوا کر اس کے دانتوں کو خاص طور کہ میں تمہیں دو جگہ اس نے زہر کی ٹیوب تو نہیں چھپائی ہوئی، مگر اس کے حلق میں عمران صاف میں جو خفیہ معاہدے کی فلم کی ننھی سی ٹیوب تھی اس پر کسی کی نظر ...... مار پیٹ سے عمران کی ایک آنکھ سوج کر نیلی ہو گئی تھی...... اس

کر ڈاکٹر نے دوائی لگا دی اور پٹی باندھ دی...... اسے کھانے کے لئے اچھی خوراک لگی...... عمران یہی سمجھا کہ محبت پیار کا یہ سلوک اس کے ساتھ اس لئے کیا جا رہا کہ شاید اسی طریقے سے وہ جہاز کے کپتان کو بتا دے کہ بمبئی کے روسی قونصل نے کا کون سا روسی افسر اس سازش میں اس کا شریک تھا...... اصل میں جہاز کا کپتان سازش کا سارا الزام بمبئی کے روسی قونصل خانے پر تھوپنا چاہتا تھا جس کے نیول ر کے روسی افسر سے کپتان کی شروع ہی سے لگتی تھی...... اسے پھنسانے کا کپتان پاس یہ نادر موقع تھا۔

عمران بھی سمجھ گیا تھا کہ کپتان اب خود اس سے پوچھ گچھ نہیں کرے گا بلکہ روس کر اسے وہاں کی انٹیلی جنس کے حوالے کر دے گا تاکہ وہ خود ہی پوچھ گچھ کرے...... عمران کو اس امر کا اطمینان ہو گیا کہ جب تک جہاز سمندر میں سفر کر رہا ہے روسی ن اس کی جان کی حفاظت کرے گا کیونکہ عمران کو جہاز سے فرار ہونے کا موقع ملنا لن تھا...... زیادہ سے زیادہ وہ سمندر میں چھلانگ لگا کر فرار ہو سکتا تھا، لیکن سمندر جنوبی بحر الکاہل تھا جو دنیا کا سب سے گہرا اور سب سے بڑا سمندر تھا اور اس میں نگ لگانے کے بعد اس کے زندہ رہنے کے امکانات ایک فی صد بھی بڑی مشکل تھے...... اس طرح جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا...... بنکاک کے بعد وہ سنگاپور میں دو ٹھہرا، اس کے بعد اس کی منزل جنوب مشرقی روس کی بندرگاہ ولاڈی واسٹک ہی ...... راستے میں اسے کسی جگہ نہیں ٹھہرنا تھا...... یہ سفر کافی طویل تھا، اسی دوران و عمران جہاز کے ہسپتال میں ہی بند رہا...... دوسرے تیسرے دن جہاز کا کپتان اپنے ٹ آفیسر کے ساتھ آکر اسے دیکھ جاتا تھا...... عمران کو ہسپتال کے بستر پر بھی ڑی لگی رہتی تھی اور یہ ہتھکڑی صرف باتھ روم میں جاتے وقت تھوڑی دیر کے کھولی جاتی تھی...... اسے باتھ روم میں تین چار منٹ سے زیادہ دیر ٹھہرنے کی ت نہیں تھی...... مسلح ملاح باتھ روم کے ادھ کھلے دروازے کے باہر کھڑا رہتا تھا

تاکہ عمران خودکشی کی کوشش نہ کر سکے۔

آخر جہاز ولاڈی واسٹک پہنچ گیا۔

جہاز بندرگاہ پر لنگر انداز ہو گیا تھا...... عمران پر پہرہ سخت کر دیا گیا...... اسے جہاز کے ہسپتال میں ہی رکھا گیا...... جہاز کے کپتان نے ولاڈی واسٹک کے سرکاری حکام کے توسط سے ماسکو میں روس کی بدنام زمانہ انٹیلی جنس ایجنسی کے جی بی کے چیف سے ٹیلی فون پر بات کر کے اسے رپورٹ کر دی کہ اس نے جہاز پر ایک خطرناک پاکستانی ایجنٹ کو گرفتار کیا ہے جو روس اور بھارت کے درمیان ہوئے فوجی معاہدے کے مندرجات چرانے کی غرض سے ایک باورچی کے بھیس میں جہاز میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر اس نے اس سے پہلے کہ وہ یہ راز چراتا اسے گرفتار کر کے لاک اپ میں بند کر دیا ہے...... کے جی بی کے چیف یوری کرانن نے کہا کہ اس پاکستانی ایجنٹ کو فوراً ماسکو کے جی بی کے دفاتر میں پہنچا دیا جائے...... کپتان نے سوچا کہ پاکستانی ایجنٹ کی مصیبت کو جتنی جلدی کے جی بی کے حوالے کر دیا جائے بہتر ہو گا او اس کے اپنے سر سے بلا ٹل جائے گی۔ چنانچہ اس نے مقامی پولیس کی مدد طلب کر لی...... ایک مسلح پولیس سکوڈ اسے مہیا کر دیا گیا...... جہاز کے کپتان نے اپنے فسٹ آفیسر کو ساتھ لیا اور کمانڈو عمران کو روسی پولیس کے حوالے کر کے اسے ساتھ لے کر ماسکو کی طرف روانہ ہو گیا۔

روسی پولیس نے کمانڈو عمران کو ہتھکڑی لگا دی تھی اور اپنی تحویل میں لے لیا تھا...... یہ بڑا لمبا سفر تھا...... دو دن تک وہ ایک مال گاڑی کی طرح کی ریلوے ٹرین میں سفر کرتے رہے...... اس کے بعد انہیں ایک تیز رفتار پسنجر ٹرین مل گئی...... یہ ٹرین بھی روس کے دور افتادہ ویران بیابانی علاقوں میں چار روز تک سفر کرتی رہی...... اس کے بعد وہ ایک بھدے قسم کے ہوائی جہاز میں سوار ہو گئے...... اس جہاز نے آٹھ گھنٹے کے سفر کے بعد انہیں لینن گراڈ پہنچایا جہاں سے ایک نسبتاً بہتر حالت والی ٹرین میں بیٹھ کر

یہ لوگ ماسکو پہنچے...... ماسکو میں برف باری ہو رہی تھی...... عمران کے سخت سردی کی وجہ سے دانت بجنے لگے...... اتنی سردی اس نے پہلے کبھی نہیں، کہیں نہیں دیکھی تھی...... سردی اس کی ہڈیوں میں گھس رہی تھی...... اس وقت انڈیا میں سردیوں کا موسم ختم ہو رہا تھا مگر روس میں سردی اپنے عروج پر تھی...... درجہ حرارت نقطہ انجماد سے کئی ڈگری نیچے تک پہنچا ہوا تھا۔

سب سے پہلے عمران کو ماسکو کے پولیس ہیڈ کوارٹر میں لایا گیا...... یہاں اسے ایک بھورے رنگ کا بھاری کمبل دے دیا گیا جس کو اپنے جسم کے گرد لپیٹ کر بھی عمران کو سردی لگتی رہی...... پولیس ہیڈ کوارٹر میں روس کی انٹیلی جنس ایجنسی کا نمائندہ آفیسر پہلے سے پہنچا ہوا تھا...... اس نے عمران کو اپنی تحویل میں لے کر روسی جہاز کے پتان کو فارغ کر دیا...... وہاں سے جہاز کا کپتان اپنے فسٹ آفیسر کے ساتھ واپس چلا یا...... ایک رات کمانڈو عمران ماسکو پولیس ہیڈ کوارٹر کی حوالات میں رہا...... عمران ٹ مند اور سخت جان نوجوان تھا اور جہاز کے ہسپتال میں جو اس کی دیکھ بھال ہوتی ی تھی، اس نے اس کی صحت کو مزید اچھا کر دیا تھا...... اس کے علاوہ عمران کو کمانڈو ینگ نے بے حد سخت جان اور فولاد کی طرح سخت بنا دیا تھا...... اس کے باوجود ماسکو سارے روس کی سردی اس کے جسم کے اندر تک گھس رہی تھی...... ٹھنڈی لات میں رات عمران نے بڑی مشکل سے گزاری...... دوسرے روز کے جی بی کا عمران کو مسلح پولیس کی حفاظت میں لے کر ماسکو سے پچاس ساٹھ میل کے فاصلے ے جی بی کی دو منزلہ عمارت یعنی ٹارچر ہاؤس کی طرف روانہ ہوا۔

روس کی خفیہ ایجنسی کے جی بی ہٹلر کی گسٹاپو سے بھی زیادہ بدنام زمانہ تھی اور اس ی کے خفیہ آدمیوں سے روس کے سرکاری افسر سیاسی لیڈر اور عوام تک ڈرتے ...... کمانڈو ٹریننگ کے دوران عمران کو جہاں دنیا کے دوسرے ممالک کی خفیہ یوں کے بارے میں بریف کیا گیا تھا وہاں روس کی اس خفیہ انٹیلی جنس ایجنسی کے

جی بی کے بارے میں بڑی وضاحت سے بتایا گیا تھا کہ اس کے عقوبت خانوں یعنی ٹارچر سیل میں لے جائے گئے آدمی کی لاش کا بھی پتہ نہیں چلتا...... ٹریننگ کے علاوہ بھی عمران نے کتابوں اور انگریزی کے رسالوں میں کے جی بی کے بارے میں اور ان کے طریقہ تفتیش کے بارے میں بڑی ہولناک اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی سچی کہانیاں پڑھ رکھی تھیں، لیکن کمانڈو عمران کو اس ٹارچر اور اذیت کا جو کے جی بی والے پکڑے ہوئے غیر ملکی ایجنٹ کو دیتے تھے اس کا ایک ہلکا سا نمونہ ٹریننگ کے دوران چکھا دیا گیا تھا...... کمانڈو عمران کو ٹریننگ کے دوران جو ٹارچر برداشت کرنے کا سب سے قیمتی گر بتایا گیا تھا وہ اس سے پہلے عمران نے نہ کسی کتاب میں پڑھا تھا اور نہ ٹریننگ کی کسی فلم میں ہی دیکھا تھا...... یہ طریقہ دشمن کے شدید ٹارچر اور اس کی طرف سے شدید اذیت دیتے وقت اپنے اوپر بے ہوشی طاری کرنے کا گر یا طریقہ تھا...... اگرچہ یہ بھی جسمانی طور پر ایک اذیت دہ مرحلہ تھا مگر اس سے یہ فائدہ ہوتا تھا کہ ایک بار جب جسم پر نیم بے ہوشی طاری کر لی جاتی تھی تو اذیت کی شدت آدھی سے بھی کم رہ جاتی تھی...... کے جی بی کے ٹارچر ہاؤس کی ایک کوٹھڑی میں کمانڈو عمران کو بند کر دیا گیا...... یہاں کے جی بی کے چیف کرانن نے اپنی نگرانی میں عمران سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کر دیا...... دنیا کی شاید کوئی اذیت ہو گی جو عمران کو نہ دی گئی ہو...... اسے برہنہ کر کے ٹھنڈے فرش پر لٹا کر باندھ دیا گیا اور اس کے منہ میں پائپ سے زبردستی اتنا پانی داخل کیا گیا کہ عمران کا پیٹ جب غبارے کی طرح پھول گیا تو اس پر ٹھڈے مارے گئے...... عمران ساری اذیتیں برداشت کرتا گیا مگر اس نے یہ اعتراف نہ کیا کہ وہ پاکستانی ایجنٹ ہے...... عمران کو یقین تھا کہ روس جدید ترین سائنسی ٹیکنالوجی کا حامل ملک ہے اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اس نے اپنے جسم کے اندر تو کوئی خاصی چیز نہیں چھپا رکھی، اس کے جسم کی سکریننگ ضرور ہو گی...... اسے ڈر تھا کہ اگر اس کے جسم کی سکریننگ کی گئی تو اس کے حلق کی پاکٹ میں چھپائی ہوئی کیمرہ فلم کی ٹیوب کا راز ضرور کھل جائے

گا، مگر ایسی کوئی بات نہ ہوئی...... اس کے جسم کو داغا گیا...... اس کو الٹا لٹکا کر اس کے جسم کے نازک اعضاء پر ٹھوکریں ماری گئیں...... اس کو بجلی کے جھٹکے دیئے گئے...... اسے ہر قسم کی اذیت کے عمل سے گزارا گیا مگر اس کے حلق کے اندر گلے کی پاکٹ میں چھپی ہوئی مائیکرو فلم کی چھوٹی سی ٹیوب کا کسی کو علم نہ ہو سکا...... یہ بات عمران کے لئے بڑی اطمینان بخش تھی کہ پاکستان کا ایک قیمتی راز جس کی پاکستان کو اشد ضرورت تھی اس کے پاس محفوظ پڑا تھا بس اسے کسی طریقے سے پاکستان پہنچانا باقی رہ گیا تھا۔

عمران کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا تو وہ کسی نہ کسی طرح ماسکو میں پاکستانی سفارت خانے پہنچنے کی کوشش کرے گا تاکہ یہ قیمتی فلم پاکستانی سفیر کے حوالے کر دی جائے، لیکن اس کے گرد سیکورٹی اس قدر سخت تھی کہ اس کا کے جی بی کے عقوبت خانے سے فرار ہونا ناممکن نظر آ رہا تھا...... اس عقوبت خانے یعنی ٹارچر سیل میں عمران کو پندرہ دن تک بند رکھا گیا...... جب کے جی بی کے ٹارچر سیل کا چیف کرانن بھی کمانڈو عمران کو اذیت دے دے کر تنگ آ گیا اور اس کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ اسے گولی مار دے تو اس نے عمران کو کے جی بی کی سپیشل کورٹ میں پیش کر دیا، کیونکہ کسی ایسے غیر ملکی ایجنٹ کو جان سے مار دینے کا اسے اختیار نہیں تھا جس سے اقبال جرم نہ کرایا گیا ہو...... کے جی بی چیف نے اپنی بلا سپیشل کورٹ کے جج کے سر پر تھوپ دی کہ وہ خود ہی اس سے اقبال جرم کرائے پھر جو سزا دینی ہے دے دے...... سپیشل کورٹ کے جج نے کمانڈو عمران کو عدالتی پولیس کے حوالے کر دیا کہ وہ ملزم سے اقبال جرائم کرائے۔

عدالتی پولیس کا سکواڈ جو عمران کو ہتھکڑی لگا کر لے گیا تھا دس بارہ قاتل قسم کے جرائم پیشہ افراد پر مشتمل تھا...... انہوں نے عمران کو عدالت کی عمارت کے ایک کمرے میں بند کر کے اس پر وحشیانہ اذیت اور بربریت کی انتہا کر دی...... کمانڈو عمران کی سخت جان ٹریننگ نے اس کی جان بچالی ورنہ اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو شاید پہلے روز ہی

مر جاتا...... تین دن تک عمران پر وحشیانہ تشدد کا سلسلہ جاری رہا...... اس کے بعد وہ لوگ اسے کمرے میں کراہتا ہوا چھوڑ کر چلے گئے...... یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی یہ لوگ اسے مارنا نہیں چاہتے تھے...... وہ لکڑی کے ایک تختے پر نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑا تھا کہ دو تین آدمی اندر آئے اور اٹھا کر ایک کمرے میں لے گئے جہاں دوائیوں کی بو پھیلی ہوئی تھی...... انہوں نے اسے ایک سٹریچر پر ڈال دیا...... اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا...... یہ ٹارچر سیل کی کوئی ڈسپنسری تھی۔

یہاں اس کے زخموں کی معمولی سی مرہم پٹی کی گئی...... ایک ٹیکہ بھی لگایا گیا...... پھر وہیں ایک کونے میں بیڈ پر لٹا کر اوپر بھاری کمبل ڈال دیا...... اسے کسی قدر سکون کا احساس ہوا...... کچھ دیر بعد کسی چیز کا گرم شوربہ پینے کو دیا گیا...... شام تک عمران کی حالت کافی سنبھل گئی...... اس کا خیال تھا کہ اب یہ لوگ اسے واپس ٹارچر چیمبر میں لے جائیں گے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا...... اسے وہیں رکھا گیا...... ڈسپنسری کے کمرے میں ایک کھڑکی تھی جس کے شیشے کے پٹ بند تھے اور باہر دن کی دھندلی سی روشنی نظر آ رہی تھی...... پھر یہ روشنی غائب ہو گئی...... کمرے میں ایک بتی روشن کر دی گئی...... شام ہو گئی تھی، رات کو اسے ایک آدمی سہارا دے کر باتھ روم تک لے گیا...... عمران نے باتھ روم کا جائزہ لیا...... وہاں کوئی روشن دان یا کھڑکی وغیرہ نہیں تھی...... تین منٹ بعد اسے باہر نکال کر واپس بستر پر لٹا دیا گیا...... رات کو کھانے کو سوکھی ڈبل روٹی اور کافی کا ڈونگا دیا گیا...... عمران نے کافی میں سوکھی روٹی ڈبو کر کھائی...... پھر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں...... خوراک ملنے سے ذہن نے کام کرنا شروع کر دیا تھا...... وہ سوچنے لگا کہ میں کہاں سے کہاں آ گیا ہوں۔

پیچھے ستار سیٹھ اور کمانڈو جبران اس کے بارے میں یہی سوچ رہے ہوں گے کہ وہ روسی جہاز پر ہی ہوگا اور اپنے مشن میں کامیاب ہونے کے بعد ایک مہینے تک کسی دوسرے تجارتی جہاز میں بمبئی واپس آ جائے گا...... انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ اس پر کیا

گزر رہی تھی...... رات کو ڈسپنسری کے کمرے میں کوئی نہیں تھا...... انہوں نے نہ عمران کو ہتھکڑی لگائی تھی اور نہ کوئی پہریدار پاس بٹھایا تھا...... انہیں یہی خیال ہوگا کہ اس کال کوٹھڑی سے وہ زخمی حالت میں نکل کر کہاں جائے گا، لیکن اس کا ذہن بڑی تیزی سے فرار کے بارے میں سوچنے لگا تھا...... اگرچہ وہاں سے نکلنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے اور اسے یقین تھا کہ ڈسپنسری کے بند دروازہ کے باہر کوئی پہریدار ضرور بیٹھا ہوا ہوگا...... اس کے علاوہ یہ کوئی الگ کمرہ نہیں تھا...... ٹارچر سیل کی عمارت کے اندر ہی ایک کمرہ تھا...... وہاں سے اگر وہ نکل بھی جائے تو عمارت میں کسی بھی جگہ پکڑا جا سکتا تھا...... اس عمارت میں سپاہیوں کی پوری فوج موجود تھی۔

کئی دنوں سے اس کی یہ عادت بن گئی تھی کہ جب وہ ذرا ہوش میں ہوتا تو کلمہ پاک کا ورد شروع کر دیتا تھا...... وہ دھیمی آواز میں کلمہ پاک پڑھتا رہتا تھا...... اس طرح اسے بڑا روحانی سکون اور روحانی طاقت کا احساس ہوتا تھا، جس وقت ڈسپنسری کا دروازہ کھول کر ایک میلے کچیلے لمبے گرم لبادے والا اونچا لمبا داڑھی والا آدمی ہاتھ میں لمبا جھاڑو پکڑے داخل ہوا تو اس وقت بھی عمران مدھم آواز میں کلمہ شریف کا ورد کر رہا تھا...... یہ آدمی فرش کی صفائی کرنے والا خاکروب تھا...... اس کی لمبی داڑھی سینے تک آئی ہوئی تھی...... سر پر کھال کی ٹوپی تھی جس میں سے اس کے بالوں کے پٹے باہر نکلے ہوئے تھے...... آنکھیں منگولوں کی طرح ترچھی تھیں...... وہ اپنی دھن میں عمران کی طرف دیکھے بغیر فرش پر لمبا جھاڑو آہستہ آہستہ چلانے لگا...... جب وہ فرش صاف کرتا میرے عمران کے قریب آیا تو رک کر عمران کی طرف غور سے دیکھنے لگا...... اس نے عمران کے منہ سے کلمہ پاک کا ورد سن لیا تھا...... اس نے ذرا جھک کر سرگوشی ایسی آواز میں پوچھا۔

"مسلمان؟ اسلام؟"۔

عمران سمجھ گیا کہ یہ تاتاری مسلمان ہے...... اس نے آہستہ سے کہا۔

"اسلام...... مسلمان"۔

اور پورا کلمہ پڑھ کر سنا دیا...... تاتاری مسلمان نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"مسلمان...... اسلام"۔

اور اس نے بھی کلمہ شریف پڑھ کر سنا دیا...... عمران اس تاتاری کو دیکھنے لگا۔

بند دروازے کے باہر کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی...... تاتاری مسلمان نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر عمران کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور فرش کی صفائی میں مصروف ہو گیا...... کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا...... اس کے گلے میں نبض دیکھنے والی سٹیتھو سکوپ لٹک رہی تھی...... اس نے عمران کی نبض چیک کی اور چلا گیا...... اس کے جانے کے بعد تاتاری مسلمان عمران کے قریب آ گیا اور اپنی زبان میں اسے کچھ کہا اور ساتھ ہی ہاتھ سے ایسا اشارہ کیا جیسے کہہ رہا ہو کہ فکر نہ کرو...... صبر کرو...... اس کے بعد وہ دروازہ کھول کر چلا گیا۔

عمران سوچنے لگا کہ تاتاری مسلمان نے اسے مطمئن رہنے کا جو اشارہ کیا تھا اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے...... کیا وہ اسے روسیوں کی قید سے آزاد کروانا چاہتا ہے؟ مگر ایک معمولی تاتاری اس کی کیا اور کیسے مدد کر سکتا ہے...... عمران کے دل میں امید کی ایک کرن چمکی لیکن تھوڑی دیر بعد یہ کرن بجھ سی گئی...... دنیا کے اتنے بڑے ملک کی اتنی زبردست اور بدنام زمانہ انٹیلی جنس کی قید سے فرار کروانے میں یہ غریب تاتاری اس کی کیا مدد کر سکے گا؟ عمران کے ذہن پر ایک بار پھر اداسی چھا گئی اور وہ آنکھیں بند کر کے دل ہی دل میں کلمہ پاک کا ورد کرنے لگا۔ رات گزر گئی ٹارچر سیل والوں کے وحشیانہ تشدد کے باعث عمران کا سارا بدن درد کر رہا تھا...... دو تین دن کی دیکھ بھال اور علاج معالجے سے کافی فرق پڑ گیا اور عمران کا چہرہ جو ایک طرف سے سوج گیا تھا ٹھیک ہو گیا...... اس کا خیال تھا کہ یہ لوگ اسے ایک بار پھر تشدد کی چکی میں ڈالنے کے لئے ٹارچر چیمبر میں لے جائیں گے لیکن اسے ڈسپنسری میں ہی رہنے دیا گیا اور دوائیں اور قدرے صاف ستھری خوراک ملتی

رہی...... تاتاری مسلمان روزانہ رات کو کمرے کی صفائی کرنے آتا اور اشاروں اشاروں میں اسے تسلی دے کر چلا جاتا...... عمران نے یہی نتیجہ نکالا کہ یہ تاتاری مسلمان اسے صبر سے تشدد برداشت کرتے رہنے کی تلقین کر رہا ہے اور اس کے ذہن میں اسے فرار کروانے کا کوئی خیال نہیں ہے۔

چوتھے دن شام کو ڈسپنسری کی کھڑکی کے باہر برف باری شروع ہو گئی...... غروب ہوتے سورج کی دھندلی سی روشنی میں کھڑکی میں سے برف کے گالے گرتے نظر آ رہے تھے...... اس روز تاتاری مسلمان تین بار ڈسپنسری میں صفائی کرنے آیا...... دوپہر کو آیا تو کمرے کی کھڑکی کے پاس پلاسٹک کی بالٹی رکھ کر چلا گیا...... دوسری بار شام کے وقت آیا اور کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور بالٹی میں ردی کاغذ وغیرہ ڈالنے لگا...... اس وقت نبض دیکھنے والا روسی کمپوڈر یا ڈاکٹر اپنے اسسٹنٹ کے ساتھ اس کے گال کے ایک زخم پر دوائی لگا رہا تھا...... تاتاری مسلمان اتنی دیر تک فرش کی صفائی میں لگا رہا...... صاف لگ رہا تھا کہ وہ صفائی کے بہانے وہاں کچھ دیر کے لئے رکے رہنا چاہتا ہے...... جب ڈاکٹر اور اس کا کمپوڈر چلے گئے تو تاتاری مسلمان عمران کے پاس آیا اور جھک کر اسے اپنی زبان میں کچھ بول کر اور کچھ اشارے کر کے اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ بار بار کھڑکی کی طرف اشارہ کر رہا تھا...... پھر وہ تیز تیز چل کر کھڑکی کے پاس گیا اور اسے ذرا سا دھکیلا تو کھڑکی کھل گئی، حالانکہ اس سے پہلے کھڑکی بند رہا کرتی تھی...... شاید باہر سے کھڑکی کی چٹخنی لگائی ہوئی تھی، لیکن اب کسی نے اسے باہر سے اتار دیا تھا...... تاتاری مسلمان نے جلدی سے کھڑکی بند کر دی اور وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ سے کھڑکی کے نیچے کی جانب اشارے کرنے لگا...... پھر عمران کے پاس آ کر سرگوشی کی آواز میں بولا۔

"الحمدللہ! الحمدللہ!"۔

اور چلا گیا...... عمران کو وہ ایک مخمصے میں ڈال گیا...... عمران کی کچھ سمجھ میں نہیں

آرہا تھا کہ تاتاری مسلمان نے کیا پروگرام بنایا ہوا ہے...... اتنا وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اسے کھڑکی کھول کر دکھا رہا تھا کہ کھڑکی کھلی ہوئی ہے اور ہاتھ کا اشارہ نیچے کی طرف کر کے یہ بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے کھڑکی سے نیچے اترنا ہوگا...... یااللہ! یہ اس تاتاری مسلمان نے کس قسم کا خطرناک منصوبہ بنایا ہے...... ایک بات کا اسے یقین تھا کہ یہ شخص اس ساری عمارت کے اندر اور باہر کے چپے چپے سے واقف ہے، اس نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی کوئی سکیم تیار کی ہوگی...... عمران نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر وہاں سے بھاگنے کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا...... اس نے موٹے کمبل کی گرم قمیض اور اسی کمبل سے بنایا ہوا گرم پاجامہ پہن رکھا تھا...... پاؤں میں موٹے کھردرے اون کی گرم جرابیں تھیں...... سر پر گرم اون کی ٹوپی تھی...... خدا کا شکر تھا کہ فوجی معاہدے کی فوٹو فلم کے نیگیٹو کی ٹیوب اس کے گلے کے اندر پاکٹ میں محفوظ پڑی تھی...... یہی اس کی سب سے قیمتی متاع تھی جو اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی اور جسے وہ ہر حالت میں پاکستان پہنچانا چاہتا تھا۔

عمران کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی کہ تاتاری مسلمان آج رات اسے کھڑکی کے ذریعے فرار کروانے کی سکیم بنا چکا ہے...... شاید اس لئے بھی اس نے وہ رات منتخب کی تھی کہ اس رات برف باری ہو رہی تھی اور اس برف باری میں باہر کسی کی موجودگی کا امکان نہیں تھا، مگر عمران کو یہ سوال پریشان کر رہا تھا کہ اگر یہ درست ہے تو تاتاری مسلمان اسے وہاں سے بھگائے گا کیسے؟ اس منحوس ٹارچر ہاؤس کی عمارت سے جہاں قدم قدم پر پہرہ لگا تھا اور روسی گشتی پولیس خونخوار کتوں کے ساتھ ساری رات گشت کرتی رہتی تھی اسے باہر کس طریقے سے نکالے گا۔

رات کو عمران کو شوربے کے ساتھ ڈبل روٹی دی گئی...... ڈسپنسری کا آدمی اسے یہ چیزیں دے کر چلا گیا...... عمران نے گرم شوربے میں ڈبل روٹی ڈبو کر کھائی اور روز کی طرح برتن پلنگ کے نیچے رکھ دیئے...... روز کی طرح دو مسلح سپاہی کمرے میں آ کر عمران کے بستر وغیرہ کو چیک کرنے کے بعد چلے گئے...... کمرے میں خاموشی چھائی...... کھڑکی

باہر اندھیرا تھا اور گرتی برف نظر نہیں آ رہی تھی...... تاتاری مسلمان کے آنے کا ہو گیا تھا مگر وہ ابھی تک نہیں آیا تھا...... عمران کا دل کہہ رہا تھا کہ آج کی رات کچھ نے والا ہے...... وہ ایک ایک لمحے کو گن رہا تھا...... اس کی طبیعت پہلے سے کافی بہتر تھی...... کمرے کی بتی جل رہی تھی...... عمران ڈسپنسری کا نسواری رنگ کا کمبل اوپر لئے پلنگ سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔

اچانک دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز آئی اور تاتاری مسلمان بڑا سا جھاڑو لے کر کمرے داخل ہوا...... اس نے دروازہ بند کر دیا اور فرش کی صفائی کرنے کی بجائے سیدھا کے پاس گیا...... اس کا ایک پٹ تھوڑا سا کھول دیا اور واپس عمران کے پاس آ کر اس کا پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے اپنی زبان میں کچھ کہا اور کھڑکی کی طرف اشارہ کیا...... عمران اسا جھجکا، تاتاری مسلمان نے اسے بازو سے کھینچ کر کمبل سے باہر نکالا اور کمبل اس کندھوں پر ڈال کر غصے میں کچھ کہا اور اسے کھینچتا ہوا کھڑکی کے پاس لے گیا...... میں سے برفیلی ہوا کے جھونکے اندر آ رہے تھے...... اب عمران بھی تیار ہو گیا اس نے کمبل کو اپنے جسم کے گرد اچھی طرح سے لپیٹا اور کھڑکی میں سے نیچے کر دیکھا...... اسے اندھیرے میں سوائے برف کے گرتے ہوئے گالوں کے اور کچھ آیا...... تاتاری مسلمان نے ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر ایک رسی پکڑ کر عمران کے میں دے دی اور نیچے کی طرف اشارہ کیا اور اسے دھکیلنے لگا...... دراصل وہ چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے باہر کود جائے...... عمران نے رسی کو پکڑا اور کھڑکی میں بیٹھ گیا کو اپنی کمر کے گرد لپیٹ کر آہستہ سے نیچے اتر گیا...... تاتاری مسلمان نے اس کے ہی کھڑکی بند کر دی۔

کمانڈو عمران کو کمند کی مدد سے عمارتوں سے اترنے اور چڑھنے کی خاص مشق کرائی ...... اس نے دونوں پاؤں دیوار کے ساتھ لگا دیئے اور ہاتھوں سے رسی کو تھوڑا چھوڑ کر نیچے اترنے لگا...... وہ تیسری منزل پر تھا۔ تاتاری مسلمان نے اسی حساب

سے رسی باہر لٹکائی ہوئی تھی...... آخر اس کے پاؤں زمین پر لگ گئے...... اس نے جلدی سے رسی اپنی کمر سے گرد کھولی اور دیوار کے ساتھ لگ کر اندھیرے میں غور سے دیکھنے لگا کہ وہ کس جگہ پر ہے...... اتنے میں ایک برف پوش انسانی ہیولا برف باری اور اندھیرے میں اس کی طرف بڑھا اور اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ جلدی جلدی چلاتا سامنے کی طرف لے گیا...... آگے ڈھلان تھی...... گرتی برف میں زمین رات کے اندھیرے میں بھی دکھائی دے رہی تھی...... آگے ایک اونچی دیوار تھی...... دیوار کی دوسری طرف دو بڑے بڑے چوکور ڈرم پڑے تھے...... یہ کوڑے کرکٹ کے ڈرم تھے...... برف پوش آدمی نے ایک ڈرم کا ڈھکنا ایک طرف ہٹایا اور عمران کو ڈرم کے اندر جانے کے لئے کہا۔

عمران ڈرم میں اتر گیا...... وہ گتے کے ڈبوں، خالی بوتلوں اور ٹین کے خالی ڈبوں اور کپڑوں اور چیتھڑوں کے اوپر گرا...... ڈرم کافی بڑا تھا اور آدھے سے زیادہ کوڑے کرکٹ وغیرہ سے بھرا ہوا تھا...... برف پوش ملبوس پراسرار آدمی نے ڈرم کا ڈھکنا بند کر دیا...... ڈھکنے کے سوراخ میں سے سرد برفیلی ہوا ڈرم میں آ رہی تھی...... یہ پراسرار برف پوش آدمی تاتاری مسلمان کا آدمی ہی ہو سکتا تھا...... عمران سمجھ گیا کہ تاتاری مسلمان کی سکیم کیا ہے...... کوڑے کرکٹ کا یہ ڈرم جب کسی ٹرک میں دوسرے ڈرموں کے ساتھ لاد کر باہر لے جایا جائے گا تو عمران بھی اس کے ساتھ ہی اس عقوبت خانے سے باہر نکل جائے گا۔

ڈرم کے اندر کی فضا باہر کی نسبت کم سرد تھی...... عمران نے اپنے آپ کو ہسپتال کے کھردرے کمبل میں لپیٹا ہوا تھا...... وہ ڈرم کے کونے میں گتے کے ڈبوں اور پرانے چیتھڑوں میں گھس کر بیٹھ گیا اور اپنے آپ کو مزید چھپانے کے لئے اپنے اوپر کچھ اور چیتھڑے ڈال لئے...... ڈرم کے اندر گھپ اندھیرا تھا اور قسم قسم کی دوائیوں کی بو سے ڈرم کی فضا بوجھل ہو رہی تھی...... یہ بو بڑی ناگوار تھی، مگر عمران کو وہیں پڑے رہنا تھا...... اس کا اندازہ تھا کہ کوڑا لے جانے والا ٹرک صبح سویرے ہی آئے گا...... برف گرنے سے ڈرم

کے ڈھکن کے سوراخ بند ہو گئے تھے مگر اندر ادھر ادھر کے سوراخوں سے تازہ ہوا آ رہی تھی جس کی وجہ سے سانس لینے میں دشواری نہیں ہو رہی تھی...... عمران کو یقین تھا کہ تاتاری مسلمان نے جس طرح یہاں برف باری میں اپنے ایک آدمی کو کھڑا کر رکھا تھا اور اس نے اسے ڈرم تک لے جانے میں اس کی مدد کی تھی اسی طرح جہاں کوڑا کرکٹ گرایا جاتا ہے وہاں بھی اس کا کوئی نہ کوئی آدمی ضرور موجود ہو گا جو یا تو اسے یہ بتائے گا کہ اسے کس طرف کو فرار ہونا چاہئے یا اسے کچھ وقت کے لئے کسی محفوظ جگہ پر چھپا دے گا۔

کمانڈو عمران ابھی کے جی بی کی عمارت ٹارچر ہاؤس کے اندر ہی تھا اور خطرے سے باہر نہیں ہوا تھا...... کوڑے کے ڈرم کے اندر سردی اور اندھیرے میں عمران کے لئے وقت کا احساس ختم ہو گیا تھا...... ایسے لگتا تھا کہ وقت ڈرم کے باہر گزر رہا ہے...... وہ کب تک ڈرم کے اندر سمٹ کر بیٹھا رہا؟ عمران کو کوئی اندازہ نہیں تھا...... اتنا اسے اطمینان تھا کہ رات کے وقت کوئی ڈاکٹر یا کمپوڈر ڈسپنسری میں نہیں آتا تھا، چنانچہ اس کے فرار کا کم از کم صبح تک کسی کو علم نہیں ہو گا، لیکن اچانک کسی کام سے کوئی ڈسپنسری میں آ بھی سکتا تھا اور قیدی کا بستر خالی دیکھ کر خطرے کے الارم کا بٹن دبا کر سب کو بیدار کر سکتا تھا...... پھر کے جی بی کی عمارت کو گشتی پولیس گھیرے میں لے کر خونخوار کتے چھوڑ دیتی اور یہ کتے عمران کی بو پا کر اسے ڈرم کے اندر سے بھی پکڑ سکتے تھے...... وہ خدا سے یہی دعا مانگ رہا تھا کہ رات کو کوئی آدمی ڈسپنسری والے کمرے میں داخل نہ ہو اور اس کا محسن تاتاری مسلمان اسے صبح ہونے سے پہلے پہلے وہاں سے نکال کر لے جائے۔

وہ جانتا تھا کہ کوڑے کے ڈرم لے جانے والا ٹرک صبح صبح ہی آتا ہے...... اس نے اپنے کان اس ٹرک کی آواز پر لگا رکھے تھے...... یہ بھی ہو سکتا تھا کہ تاتاری مسلمان کا ساتھی اسے ٹرک کے آنے سے پہلے ہی وہاں سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دے، مگر کے جی بی کی قتل گاہ میں کوڑے کا ڈرم ہی ایک محفوظ جگہ نظر آتی تھی...... وہ بھی صبح ہونے سے پہلے تک...... باہر ضرور برف باری جاری تھی جس کی وجہ سے ڈرم کے ڈھکنے

پر برف کی تہہ جم جانے سے اندر کی فضا یخ ہوگئی تھی...... عمران کو دوایک بار کپکپی سی محسوس ہوئی اور اس نے اپنے اوپر مزید پرانے چیتھڑے ڈال لئے، مگر سردی کا احساس کم نہیں ہوا تھا۔

اتنے میں عمران کو ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی ٹرک چلا آرہا ہے...... اس نے سانس روک کر کان اس آواز پر لگا دیئے...... آواز دور سے آہستہ آہستہ قریب آرہی تھی...... یہ بھاری ٹرک کی آواز تھی اور کوڑے کے ڈرم لے جانے والا ٹرک ہی ہو سکتا تھا...... عمران نے خدا کا شکر ادا کیا...... اب وہ اس قتل گاہ سے باہر نکل سکتا تھا...... ٹرک کوڑے کے ڈرموں کے پاس آکر رک گیا مگر اس کا پریشر انجن چل رہا تھا...... یہ ٹرک اپنے آگے کو بڑھے ہوئے شکنجے سے ڈرم کو دونوں طرف سے جکڑ کر اوپر اٹھاتا تھا اور ڈرم کا سارا کوڑا کرکٹ ٹرک کے پیچھے الٹ دیتا تھا...... کسی نے ڈرم کا ڈھکنا الٹا دیا...... عمران نے کمبل اپنے اوپر کیا اور کوڑے میں گھس گیا تاکہ باہر سے اسے کوئی دیکھ نہ لے...... لیکن کوڑا کرکٹ لے جانے والوں نے ڈرم کے اندر جھانک کر کبھی نہیں دیکھا تھا...... تھوڑی ہی دیر بعد ٹرک کے شکنجے نے ڈرم کو دونوں طرف سے جکڑ لیا اور آہستہ آہستہ اسے اوپر اٹھانے لگا...... عمران کو خطرہ تھا کہ کہیں وہ باہر نہ لڑھک جائے، لیکن شکنجہ ڈرم کو بالکل سیدھا اوپر اٹھا رہا تھا...... تھوڑا اوپر لے جا کر شکنجے نے ڈرم کو ٹرک کے پچھلے حصے میں الٹا دیا جہاں پہلے ہی کافی کوڑا کرکٹ بھرا ہوا تھا...... عمران کوڑے کے ساتھ ہی گتے کے خالی ڈبوں، خالی بوتلوں اور سارے کباڑ کے ہمراہ ٹرک میں لڑھک گیا...... اس کے اوپر کوڑے کا ایک ڈھیر گرا پڑا اور دوائیوں وغیرہ کی بدبو سے اس کا دم گھٹنے لگا...... اس نے کوڑے کو ادھر ادھر ہٹا کر سر باہر نکالا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا...... اس کے فوراً بعد دوسرے اور پھر تیسرے ڈرم کا کوڑا کرکٹ اس کے اوپر گر پڑا...... عمران نے تیزی سے ہاتھ پاؤں چلا کر بڑی مشکل سے اپنی گردن کو کوڑے کے ڈھیر سے باہر نکالا...... وہاں صرف تین ہی ڈرم تھے...... یہ آخری تین ڈرم تھے جو ٹرک نے اٹھانے تھے...... اس کے بعد ٹرک پیچھے

گھوما اور آہستہ آہستہ چلنے لگا...... ٹرک اوپر سے خالی تھا...... عمران کو تازہ ہوا نے تازہ دم ردیا...... اس کے اوپر برف بھی گر رہی تھی...... اس نے سر پر کمبل ڈال رکھا تھا...... باہر ات تاریک تھی...... کے جی بی کے اس ٹارچر ہاؤس کی عمارت کے گیٹ میں سے گزرتے وئے ٹرک کے ڈرائیور نے گیٹ پر کھڑے سپاہی سے اونچی آواز میں کوئی بات کی جس کے جواب میں سپاہی نے بھی کچھ کہا اور گیٹ کھلنے کی آواز آئی...... دوسرے لمحے ٹرک مارت سے باہر کھلی سڑک پر آگیا تھا اور گرتی برف میں اس ویران سڑک پر درمیانی رفتار ے چل رہا تھا۔

کمانڈو عمران کو یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ کے جی بی کی قتل گاہ سے فرار ہونے میں میاب ہو گیا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر تاتاری مسلمان اس کی مدد نہ کرتا تو اس کا وہاں ے فرار ہونا ناممکنات میں سے تھا، لیکن خطرہ اب بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ا...... روس کا سارا ملک عمران کے لئے کے جی بی کی قتل گاہ سے کم نہیں تھا اور ابھی تنے وسیع و عریض ملک سے نکلنے کا فیصلہ کن مرحلہ باقی تھا...... ٹرک کی رفتار تھوڑی تیز گئی تھی، کھلے ٹرک کے اندر سرد برفیلی ہوا بھی آرہی تھی اور برف بھی گر رہی ی...... عمران نے کمبل میں منہ سر چھپا لیا...... ٹرک کسی بڑی سڑک پر جا رہا تھا...... ران کے اوپر سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد بجلی کے کھمبوں پر لگی ہوئی مرکری لائٹ کی شنی گزر جاتی تھی...... ٹرک دیر تک چلتا رہا...... پھر وہ ایک طرف کو گھوم کر کسی ری سڑک پر آگیا...... اس سڑک پر بھی وہ کافی دیر تک چلتا رہا...... اس کے بعد اس رفتار ہلکی ہونے لگی اور گھوم کر کسی ایسے میدان میں آگیا جہاں ٹرک تھوڑا تھوڑا اچھل تھا...... اس کی رفتار بہت ہلکی ہو گئی تھی...... آخر وہ ایک جگہ رک گیا...... رکنے کے ڈرائیور نے ٹرک کو آہستہ آہستہ پیچھے لے جانا شروع کر دیا...... ٹرک کا طاقتور انجن شور مچا رہا تھا...... یہ وہ جگہ تھی جہاں ٹرک نے اپنا کوڑا الٹ دینا تھا۔

ٹرک بہت ہی آہستہ آہستہ پیچھے کو چلتے ہوئے ایک جگہ آکر رک گیا...... اب اس

کی پریشر مشین چلنے لگی اور ٹرک کا پچھلا حصہ اوپر کو اٹھنے لگا...... عمران نے ادھر ادھر ہاتھ چلائے مگر وہاں کوئی ایسی ہک وغیرہ نہیں تھی جس کو وہ پکڑ لیتا...... ٹرک کا پچھلا حصہ ایک خاص بلندی پر جا کر رک گیا...... پھر وہ پیچھے کی طرف جھکنے لگا اور ایک د جھک گیا، سارا کوڑا کرکٹ لڑھک کر ایک گڑھے میں گرا...... کوڑے کے ساتھ ہ عمران بھی لڑھکتا ہوا کوڑے کے گڑھے میں گر پڑا اور اس کے اوپر کوڑے کا انبار گر پڑا...... اس کا دم گھٹنے لگا...... اس نے جلدی جلدی ہاتھ پاؤں چلا کر اپنے چہرے کو کوڑے سے باہر نکالا...... ابھی تک رات کا اندھیرا ہی تھا اور برف مسلسل گر رہی تھی...... ٹرک نے دوسرا اور پھر تیسرے ڈرم کا کوڑا بھی گڑھے میں الٹ دیا...... یہ کوڑا عمران کی ایک سائیڈ پر گرا اور اس کی ایک جانب کوڑے کی دیوار سی کھڑی ہو گئی...... وہ وہیں دبک کر بیٹھا رہا...... ٹرک کی پریشر مشین خالی ڈرم کو پیچھے لے جا رہی تھی...... جب مشین نے تینوں خالی ڈرم ٹرک کے پیچھے رکھ دیئے تو ٹرک کا پچھلا حصہ بھی اپنی جگہ پر واپس چلا گیا...... اس کے بعد ٹرک پیچھے ہٹتے ہٹتے ایک جگہ رکا اور پھر آگے چل پڑا...... عمران کوڑے کے گڑھے میں اسی طرح بیٹھا رہا...... اسے ٹرک نظر نہیں آ رہا تھا مگر ٹرک کی آواز سنائی دے رہی تھی جو آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی تھی۔

جب ٹرک کی آواز گم ہو گئی تو عمران نے اپنے آپ کو کوڑے کے ڈھیر میں سے نکالا اور گڑھے سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگا...... اتنے میں اسے گڑھے کے باہر سے کسی کی آواز سنائی دی...... اس نے اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھا...... گڑھے کے کنارے پر دو انسانی ہیولے کھڑے تھے...... عمران ایک طرف ہٹ گیا...... ایک آدمی نے اوپر سے دوسری بار آواز دے کر عمران کو پکارا...... وہ اپنی زبان میں اسے کچھ کہہ رہا تھا جو عمران کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا...... اس کے بعد اسی آدمی نے پہلے بسم اللہ کہا...... پھر دوبار الحمد للہ کہا...... عمران سمجھ گیا کہ یہ تاتاری مسلمان کے ساتھی ہی ہو سکتے ہیں...... د گڑھے میں اس طرف آ گیا جہاں دونوں آدمی کھڑے تھے...... گرتی برف او

ھیرے میں ان کے سفید ہیولے سے نظر آ رہے تھے...... دونوں آدمی گڑھے کے رے پر بیٹھ گئے اور انہوں نے عمران کے ہاتھ پکڑ کر اسے گڑھے سے باہر کھینچ ...... عمران کا کمبل گڑھے میں ہی رہ گیا تھا...... اس کے بدن پر صرف ایک گرم قمیض تھی۔

دونوں آدمی اونچے قد کے تھے اور دونوں کی لمبی داڑھیاں تھیں جن پر برف کی ار کی ہوئی تھیں...... انہوں نے پوستین کے لمبے کوٹ پہن رکھے تھے اور سروں پر سمور کی روسی ٹائپ کی ٹوپیاں تھیں...... ان میں سے ایک آدمی نے اپنا پوستین کا ٹ اتار کر عمران کو پہنایا اور کچھ کہہ کر اس کا بازو پکڑا اور دونوں ایک طرف کو دوڑ ے اور اپنے ساتھ عمران کو بھی دوڑانے لگے...... وہ ایک غیر ہموار کھلے میدان میں ڑ رہے تھے جو نرم نرم برف سے ڈھکا ہوا تھا...... جب برف گر رہی ہو تو وہ نرم ہوتی ، اور اس پر آدمی تیز تیز بھی دوڑ سکتا ہے، لیکن جب برف گرنے کے بعد ہوا چلتی ، اور برف شیشے کی طرح سخت اور پھسلنی ہو جاتی ہے تو اس پر دوڑنا تو کیا چلنا بھی کل ہو جاتا ہے...... پہاڑوں کے لوگ کہتے ہیں کہ اس قسم کی شیشہ برف پر گرنے ، آدمی کو جو چوٹ لگتی ہے تو وہ مشکل ہی سے ٹھیک ہوتی ہے...... دوڑتے دوڑتے وہ ان سے باہر نکل آئے...... آگے اونچے اونچے برف پوش درخت کھڑے تھے...... ان درختوں میں گھس گئے اور دوڑنے کی بجائے تیز تیز چلنے لگے...... آخر درختوں کا چھوٹا سا جنگل بھی ختم ہو گیا...... جنگل کی دوسری جانب ایک جگہ ویگن کا ایک چھوٹا ا بند ڈبہ کھڑا تھا...... یہ ویگن برف میں ڈھکی ہوئی تھی۔

ایک آدمی ڈبے کے پاس پہنچ کر جلدی سے ڈرائیور کی سیٹ کی کھڑکی کھول کر ر بیٹھ گیا...... دوسرا تاتاری عمران کے ساتھ ڈبے کے پیچھے گھس گیا اور ویگن دو ن بار سیلف دبانے کے بعد سٹارٹ ہو کر تیزی سے چل پڑی...... ویگن کا ڈبہ چاروں ف سے بند تھا...... ڈھیل تاتاری اس کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھا تھا...... اندر

اندھیرا تھا...... آہستہ آہستہ عمران کو اندھیرے میں بھی تاتاری کی شکل دکھائی دینے لگی...... وہ اپنی داڑھی اور پوستین کے کندھوں پر سے برف جھاڑ رہا تھا...... عمران اس تاتاری مسلمان سے بات کرنا چاہتا تھا مگر وہ ان کی زبان نہیں جانتا تھا...... وہ لوگ بھی عمران کی زبان نہیں سمجھتے تھے...... وہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں بھی بات نہیں کر سکتے تھے۔

عمران کو یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ روسیوں کی ایک بہت بڑی قتل گاہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے...... ویگن کا ڈبہ ہچکولے کھاتا چلا جا رہا تھا...... یہ سفر کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے تک جاری رہا...... اسی دوران ویگن ایک جگہ تھوڑی دیر کے لئے رکی۔ صرف ڈرائیور نیچے اتر کر انجن کو کچھ کرتا رہا...... دوسرا تاتاری مسلمان عمران کے پاس ہی بیٹھا رہا...... اس کے بعد ویگن دوبارہ چل پڑی...... آخر یہ طویل سفر ختم ہو گیا اور ویگن ایک دو موڑ مڑنے کے بعد سڑک کے پتھروں پر چلتی ہوئی ایک جگہ رک گئی......

عمران تاتاری کے ساتھ ویگن کے بند ڈبے سے باہر نکل آیا...... برف باری رک چکی تھی...... آسمان سرمئی رنگ کے بادلوں اور دھند میں چھپا ہوا تھا...... زمین برف سے سفید تھی...... درخت بھی سفید تھے...... صبح کے اجالے کی پھیکی پھیکی روشنی سی پھیلنے لگی تھی...... سامنے سفیدے کے برف سے ڈھکے درختوں کی ایک قطار کے پیچھے ڈھلواں چھتوں والے کچھ مکان ایک طرف کو جھکے جھکے سے دکھائی دے رہے تھے...... ایک مکان کی اوپر کو اٹھی ہوئی چمنی میں سے دھوئیں کی لکیر اوپر کو اٹھ رہی تھی۔

تاتاری ڈرائیور بھی ویگن بند کر کے آگیا تھا...... دونوں تاتاری مسلمان عمران کو ساتھ لے کر ایک مکان پر آئے اور دروازے پر دستک دی...... ایک سفید ریش بھاری بھرکم منگول چہرے والے سرخ و سفید بوڑھے نے دروازہ کھولا اور عمران کو غور سے دیکھا...... دونوں تاتاری مسلمانوں نے السلام علیکم کہا...... عمران نے بھی بوڑھے کو السلام علیکم کہا۔

"وعلیکم السلام"۔

منگول چہرے والے مسلمان نے جواب دیا اور مسکرا کر عمران سے ہاتھ ملایا...... مسکراتے وقت منگول بزرگ کی ترچھی آنکھیں اور چھوٹی ہو گئیں...... وہ کمرے میں داخل ہو گئے...... چھوٹا سا کمرہ تھا جو مشرقی انداز کا آئینہ دار تھا...... زمین پر پرانا سا قالین بچھا ہوا تھا...... ایک طرف قالین کے اوپر گدیلے والا بستر لگا تھا اور بستر پر پھولدار لحاف کے علاوہ تین چار اونی کمبل بھی پڑے تھے...... کمرے کے آتش دان میں لکڑی جل چکی تھیں اور اس کے سرخ کوئلوں پر سفید راکھ جم رہی تھی...... کمرے کی فضا اتنی ہی گرم تھی کہ سردی کا احساس بہت کم ہو رہا تھا...... کمرے کے وسط میں ایک طشت میں روسی سماوار رکھا ہوا تھا جس کے ارد گرد چھ سات فنجان یعنی بغیر کنڈے کے چھوٹی پیالیاں پڑی تھیں...... کمرے میں چائے کی دھیمی دھیمی خوشبو پھیلی ہوئی تھی...... ایک بھاری بدن کی ادھیڑ عمر سرخ و سفید خاتون روسی سماوار کے پاس بیٹھی تھی...... جس کا سر نیلے اور سفید پھولدار رومال سے ڈھکا ہوا تھا...... عمران نے اس خاتون کو بھی السلام علیکم کہا...... خاتون نے جواب میں وعلیکم السلام کہا اور روسی سماوار کی ٹونٹی میں سے پیالیوں میں چائے ڈالنے لگی۔

سفید ریش منگول مسلمان بزرگ نے عمران کو اپنے پاس بٹھا لیا اور اردو زبان میں پوچھا۔

عزیزم...... پاکستانیہ؟

عمران نے کہا۔

"پاکستان...... الباکستان"۔

سفید ریش منگول نے اردو میں کہا۔

"پاکستان...... مسلمان کی جان ایمان"۔

عمران کا چہرہ خوشی اور فخر سے سرخ ہو گیا...... یہ تاتاری اور منگول مسلمان پاکستان سے اور پاکستان میں رہنے والے مسلمانوں سے دلی پیار کرتے تھے...... عمران کی

بائیں جانب بیٹھے ہوئے تاتاری مسلمان نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"الحمداللہ! تاتارستان...... مسلمان"۔

سفید ریش بزرگ مسکرا رہے تھے...... کہنے لگے۔

"ہم تاتاری مسلمان ہیں...... ہمارا بھی اسلامی ملک تاتارستان بن گیا ہے...... ماسکو میں ہم لوگ لومڑی کی کھالوں کا چھوٹا موٹا کاروبار کرتے ہیں...... تمہارا نام کیا ہے؟"۔

عمران بولا۔

"عمران بیگ!"۔

دوسرے تاتاری مسلمان نے مسکراتے ہوئے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"طغرل بیگ"۔

اور پھر سب خوشی سے ہنسنے لگے...... اس مسلمان تاتاری کا نام طغرل بیگ تھا اور وہ بھی ایک مسلمان تھا...... کمرے میں بجلی کا بلب روشن تھا جس کی روشنی میں ادھیڑ عمر خاتون کے دونوں کانوں کے قریب لٹکتی ہوئی چوٹیوں کے سفید بال چمک رہے تھے اتنے میں دروازہ کھلا اور ایک اونچا لمبا داڑھی والا تاتاری لمبے کوٹ کی برف جھاڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا...... عمران نے اسے فوراً پہچان لیا وہ ڈسپنسری والا تاتاری مسلمان تھا جس نے اسے کے جی بی کے عقوبت خانے سے فرار کرایا تھا...... عمران اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا...... تاتاری مسلمان نے اسے اپنے سینے سے لگالیا اور سب کو السلام علیکم کہہ کر تاتاری یا روسی زبان میں بزرگ مسلمان منگول سے کوئی بات کی...... سب بیک زبان ہو کر بولے۔

مرحبا! جزاک اللہ!۔

دوسرے کمرے کے دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک نوجوان لڑکی ہاتھوں میں طشت تھامے داخل ہوئی...... اس کے سیاہ بالوں کی دونوں چوٹیاں کانوں کے پاس لٹک رہی

تھیں اور اس نے اپنے سر پر پھولدار کڑھائی کی نیلی چوگوشہ ٹوپی پہنی ہوئی تھی...... طشت اس نے بزرگ خاتون کے سامنے لاکر قالین پر رکھ دیا...... طشت میں چار چار ٹکڑوں میں کٹے ہوئے سرخ قلچے، ایک شہد اور ایک بالائی کا پیالہ رکھا ہوا تھا...... لڑکی نے عمران کو السلام علیکم کہا...... جواب میں عمران نے بھی بڑے احترام کے ساتھ وعلیکم السلام کہا...... لڑکی قالین پر دوزانوں ہو کر بیٹھ گئی اور چھوٹی چھوٹی خالی پیالیوں میں شہد اور بالائی ڈال کر سب کے آگے رکھنے لگی...... پھر اس نے قلچوں کی پلیٹ اٹھائی اور سب کو پیش کی، سب نے قلچے کا ایک ایک ٹکڑا اٹھالیا۔

بزرگ منگول نے جو اردو زبان جانتا تھا عمران سے کہا۔

"یہ میری پوتی ہے......اس کی منگنی کر دی گئی ہے"۔

اس کا نام فاطمہ ہے۔

لڑکی شرما کر طشت ایک طرف کر کے بزرگ خاتون کے پاس بیٹھ گئی...... عمران اب صرف اس منگول بزرگ ہی سے بات کر سکتا تھا...... باقی تاتاریوں میں سے کسی کو اردو بولنی نہیں آتی تھی...... اس نے بزرگ منگول کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"محترم! میں آپ لوگوں کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ لوگوں کی مدد سے مجھے کے جی بی کے عقوبت خانے سے رہائی نصیب ہوئی اور آپ نے مجھے اپنے ہاں پناہ دی"۔

بزرگ منگول نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"الحمداللہ! مسلمان کا فرض ہے کہ وہ مصیبت میں دوسرے مسلمان بھائی کی مدد کرے...... تم مملکت اسلامی پاکستان کے مسلمان ہو...... پاکستان اسلام کا قلعہ ہے۔ ہمیں پاکستان پر فخر ہے کہ وہ دنیا میں پہلا اسلامی ایٹمی طاقت والا ملک بن گیا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"لیکن میں نہیں چاہتا کہ آپ میری وجہ سے کسی مصیبت میں پھنس جائیں......

میرا یہاں آپ کے پاس زیادہ دیر رہنا ٹھیک نہیں...... اس وقت تک کے جی بی کو میرے فرار کا علم ہو چکا ہو گا اور اس کے جاسوس اور روسی پولیس اور ان کے خونی کتے میری تلاش میں نکل آئے ہوں گے“۔

یہاں ڈسپنسری والے تاتاری مسلمان نے منگول بزرگ کو مخاطب کر کے کچھ باتیں کیں...... منگول بزرگ نے مجھ سے کہا۔

”یہ کہتا ہے کہ تم ہمارے پاکستانی مسلمان بھائی ہو...... ہم تمہارے لئے اپنی جان بھی قربان کر سکتے ہیں...... تم جتنی دیر چاہے ہمارے پاس رہ سکتے ہو...... روسی پولیس کے آدمی اس طرف نہیں آئیں گے...... یہ جگہ محفوظ ہے“۔

عمران سوچنے لگا...... یہ بھولے بھالے تاتاری مسلمان نہیں جانتے کہ کے جی بی اور روسی پولیس کتنی خونخوار ہے اور اسے اگر پتہ چل گیا تو اس چھوٹے سے پر امن مسلمان گھرانے پر قیامت ٹوٹ پڑے گی...... وہ خاموشی سے سب کے ساتھ مل کر ناشتہ کرنے لگا۔



ناشتے کے بعد عمران نے گرم پانی سے غسل کیا۔

اس نے صرف گرم پتلون پہنے رکھی...... باقی سارے کپڑے تبدیل کر لئے...... سے ایک روئی دار بنڈی بنیان کی جگہ پہننے کو اور ایک گرم لمبی قمیض ایک بند گلے والا گھر میں بنا ہوا لمبا اونی سویٹر اور ایک چمڑے کی جیکٹ اور لومڑی کی کھال کی بنی ہوئی نسواری رنگ کی ٹوپی اور لمبی پوستین پہننے کو دی گئی...... گرم پانی میں نہانے اور نئے گرم کپڑے پہننے کے بعد عمران کو محسوس ہوا کہ وہ پھر سے زندہ ہو گیا ہے...... اس کے جسم پر چوٹوں کے زخم ڈسپنسری میں ہی کافی ٹھیک ہو گئے تھے...... ان تاتاری مسلمانوں کی مہمان نوازی نے اسے پھر سے تازہ دم کر دیا تھا...... اس کے بعد اسے ایک چھوٹے سے علیحدہ کمرے میں قالین پر دو کمبل ڈال کر سلا دیا گیا...... گرم پانی میں غسل کرنے سے عمران کا جسم ہلکا پھلکا ہو گیا تھا...... کئی دنوں کے بعد اسے کسی حد تک آرام کی نیند نصیب ہوئی تھی...... وہ صبح کا سویا دوپہر کے بعد تک سوتا رہا۔

ڈسپنسری والے تاتاری مسلمان کی ڈیوٹی شام کو شروع ہوتی تھی...... اس نے بزرگ منگول کی مدد سے عمران کو سمجھایا کہ اسے فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... وہ یعنی تاتاری مسلمان طغرل بیگ آج ڈیوٹی پر جائے گا تو اس کے فرار کے بعد کی ساری رپورٹ لا کر دے گا کہ روسی پولیس اسے کہاں کہاں تلاش کرتی پھر رہی ہے...... دوپہر کو سب نے مل کر ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھایا اور فنجانوں میں

قہوہ پیا...... شام سے ذرا پہلے طغرل بیگ ڈیوٹی دینے ڈسپنسری چلا گیا...... اسے رات کے دو بجے ڈیوٹی ختم کر کے آنا تھا...... رات کا کھانا بھی سب کے ساتھ عمران نے ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھایا اور قہوہ پیا...... رات کو سونے سے پہلے عمران کو پینے کے لئے بکری کا دودھ دیا گیا...... عمران نے بزرگ منگول سے کہا کہ جب رات کو طغرل بیگ ڈسپنسری سے واپس آئے تو اسے اٹھا دیا جائے تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ روس کی انٹیلی جنس اور روس کی پولیس اس کی تلاش میں کہاں کہاں چھاپے مار رہی ہے اور کس قسم کے اقدامات کر رہی ہے...... شروع رات ہی عمران سو گیا...... جب آدھی رات کے بعد طغرل بیگ ڈیوٹی سے واپس آیا تو بزرگ منگول نے عمران کو جگا دیا...... طغرل بیگ اس سے پہلے منگول بزرگ کو سب کچھ بتا چکا تھا، چنانچہ اس نے عمران کو جگا کر کہا۔

"طغرل بیگ نے بتایا ہے کہ کے جی بی کے جاسوس اور روسی پولیس سارے ماسکو شہر کو گھیرے میں لے کر جگہ جگہ چھاپے مار رہی ہے اور اسے تلاش کر رہی ہے"۔

عمران نے فکر مندی کے ساتھ پوچھا۔

"ڈسپنسری میں کسی کو طغرل بیگ پر تو شک نہیں پڑا؟"۔

اس کے جواب میں منگول بزرگ نے کہا۔

"یہ سوال میں نے بھی طغرل سے کیا تھا..... اس کا کہنا ہے کہ اس نے تمہیں اس طریقے سے فرار کرایا ہے کہ وہاں پیچھے کوئی نشان وغیرہ نہیں رہا...... طغرل بیگ نے تمہارے فرار کے بعد کھڑکی کے ساتھ بندھی ہوئی رسی اوپر اٹھالی تھی اور کھڑکی کو بند کرنے کے بعد اس پر سے تمہارے اور اپنے ہاتھوں کے نشان کپڑے سے رگڑ کر صاف کر دیئے تھے...... برف باری کی وجہ سے کھڑکی کے نیچے تمہارے اور ہمارے آدمیوں کے پاؤں کے نشان بھی برف تلے دب گئے تھے...... برف کی تہہ میں دبے ہوئے پاؤں کے نشانوں کی بو کے جی بی کے سدھائے ہوئے کتے بھی نہیں سونگھ سکتے تھے...... اس

کے بعد تمہیں کوڑے کے ڈرم میں بٹھا دیا گیا تھا اور ہمارے آدمی وہاں سے نکل کر یدھے اس جگہ آگئے تھے جہاں تمہیں کوڑے کے ڈھیر میں سے نکالنا تھا...... طغرل بگ نے برف باری کی رات تمہارے فرار کے لئے اس لئے منتخب کی تھی کہ برف اری میں زمین پر پاؤں کے نشان برف میں دب جاتے ہیں...... کے جی بی صرف پنسری کے باہر پہرہ دینے والے دونوں سپاہیوں کو گرفتار کر کے لے گئی ہے...... نہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں"۔

طغرل بیگ نے بھی سر ہلا کر بزرگ منگول کی تائید کی...... عمران کو یہ جان کر شی ہوئی کہ اس کے محسن طغرل بیگ پر کوئی آفت نازل نہیں ہوئی...... تاتاری سلمان بزرگ نے عمران سے ایک بار ضرور پوچھا تھا کہ وہ کیا مشن لے کر روس میں اخل ہوا تھا جس کے جواب میں عمران نے اسے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ اس کا کوئی مشن ہیں تھا اور وہ پاکستان کا ایجنٹ وغیرہ بالکل نہیں ہے...... روس کا تجارتی جہاز بمبئی کی درگاہ پر جہاں لنگر انداز تھا وہ غلطی سے اس طرف نکل گیا اور روسی جہاز کے قریب ڑے ہو کر اس کا جائزہ لے رہا تھا کہ یہ کتنا بڑا جہاز ہے کہ روسی انٹیلی جنس والے اسے ڑ کر جہاز پر لے گئے اور ایک کیبن میں بند کر دیا...... وہ اسے پاکستانی جاسوس سمجھ بیٹھے تھے...... عمران بولا۔

"جب کہ میں پاکستانی جاسوس نہیں تھا...... روسی کپتان مجھے روس لے آیا اور لاڈی واسٹک کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوتے ہی کے جی بی کے حوالے کر دیا گیا...... اس کے بعد مجھ پر وحشیانہ تشدد کا سلسلہ شروع ہو گیا"۔

عمران ان لوگوں کو بھی اپنے مشن کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا...... خفیہ ماہدے کی فلم کی ٹیوب اس وقت سے اس کے گلے کے اندر والی پاکٹ میں محفوظ پڑی ی...... صبح باتھ روم جا کر منہ ہاتھ دھوتے وقت عمران چھوٹی سی فلم کی ٹیوب کو نکال صاف کر لیا کرتا تھا...... جب عمران کو ان نیک دل تاتاری مسلمانوں کے گھر میں

رہتے ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا تو اس نے بزرگ تاتاری سے کہا۔

"محترم! اس سے زیادہ دیر میرا آپ کے ہاں رہنا مناسب نہیں...... میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے کسی ایسی جگہ چھوڑ آئیں جہاں سے میں کسی مسلمان ملک یعنی تاتارستان یا تاجکستان کی طرف فرار ہو سکوں"۔

بزرگ تاتاری نے کہا۔

"برخوردار! ابھی تمہارا یہاں سے نکلنا ٹھیک نہیں...... کچھ دن اور رک جاؤ...... اس کے بعد ہمارے آدمی تمہیں خود کسی نہ کسی مسلمان ملک چھوڑ آئیں گے"۔

ایک ہفتہ مزید گزر گیا...... عمران وہاں بیٹھے بیٹھے اکتا گیا تھا...... دوسری بات یہ تھی کہ وہ ان غریب تاتاری مسلمانوں پر جو محنت کش تھے، بوجھ نہیں بننا چاہتا تھا...... عمران کی موجودگی سے ان پر کوئی بھاری آفت نازل ہو سکتی تھی، لیکن ان بہادر اور دلیر تاتاری مسلمانوں نے عمران کو اپنے ہاں پناہ دے کر بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا اور اسلام اور پاکستان کی محبت میں انہوں نے اس خطرے کی کوئی پروا نہیں کی تھی، مگر عمران اس سے زیادہ ان سادہ لوح تاتاری مسلمانوں کو امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا...... اس کے اصرار کے باوجود یہ لوگ عمران کو ابھی کچھ روز اپنے پاس ہی رکھنا چاہتے تھے...... شاید انہیں احساس تھا کہ اگر وہ وہاں سے نکلا تو پکڑا جائے گا، کیونکہ اس علاقے کے حالات سے وہ زیادہ واقف تھے۔

آخر ایک روز انہوں نے عمران کو وہاں سے جانے کی اجازت دے دی...... بزرگ تاتاری نے عمران سے کہا۔

"کل رات کو طغرل بیگ تمہیں یہاں سے نکال کر اپنے ساتھ لے جائے گا...... تم اس کے ساتھ دو روز ایک جنگل میں سفر کرو گے...... اس کے بعد ویران علاقہ شروع ہو جائے گا...... وہاں سے تم نقشے اور سورج کے طلوع و غروب کو دیکھ کر شمال مغرب کی طرف سفر کرو گے...... اگر تم دن میں چار گھنٹے بھی پیدل چلو تو تیسرے دن

استراخان کے چھوٹے سے شہر میں پہنچ جاؤ گے...... وہاں سے تمہیں ایک ریل گاڑی مل جائے گی جو تاتارستان کے اسلامی ملک کے سرحدی سٹیشن تک جاتی ہے...... یہ چار دن کا سفر ہو گا...... تاتارستان کا بارڈر کراس کرنا تمہارا کام ہو گا...... یہ بارڈر تم رات کی تاریکی میں عبور کر سکو گے...... ایک بار تم تاتارستان کے دارالحکومت میں پہنچ گئے تو پھر روسی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے...... وہاں کی جامع مسجد کے امام مصطفیٰ بخاری صاحب کو ملنا اور میرا انہیں سلام کہنا...... وہ تاتارستان سے تمہارا پاکستان جانے کا انتظام کر دیں گے"۔

اس کے بعد تاتاری بزرگ نے عمران کو گھٹنوں تک اونچے چمڑے کے بوٹ دیئے...... لومڑی کی کھال کا ایک لمبا گرم کوٹ دیا...... ایک لمبا اونی گلوبند دیا...... لومڑی کی کھال کی بنی ہوئی نسواری رنگ کی ٹوپی پہلے سے اس کے پاس موجود تھی...... اس ٹوپی میں کان بھی چھپ جاتے تھے...... بزرگ تاتاری مسلمان کہنے لگا۔

"روس میں برف باری کا موسم شروع ہو چکا ہے، دن میں چار گھنٹے سے زیادہ پیدل سفر نہ کرنا"۔

جس رات عمران کو ان نیک دل تاتاری مسلمانوں کے گھر سے روانہ ہونا تھا انہوں نے ایک تھیلے میں چھ سات دن کی خشک خوراک ڈال کر اس کے ساتھ کر دی...... دو ماچس کی ڈبیاں اور دو تام چینی کے مگ اور چائے کی پتی کا ایک پیکٹ بھی دیا۔

"راستے میں جس جگہ درختوں کی گری پڑی سوکھی شاخیں دیکھو...... آگ جلا کر مگ میں برف ڈال کر چائے بنا لینا اور برف کو پگھلا کر پانی بھی پی لیا کرنا"۔

انہوں نے عمران کو ایک چھوٹا سا نقشہ بھی دیا جس میں سمتیں اور شہر کے نام انگریزی میں لکھے ہوئے تھے...... یہ ساری چیزیں اس نے سنبھال کر اپنے پاس رکھ لیں...... تاتاری بزرگ نے طغرل بیگ کو سب کچھ سمجھا دیا تھا...... وہ سب کو بڑے

ادب سے سلام کر کے اور مردوں کے گلے مل کر رخصت ہوا...... تاتاری بزرگ عمران اور طغرل بیگ کو الوداع کہنے ویگن کے ڈبے تک آئے جو ان کے مکان سے کچھ دور کھڑا تھا...... اس رات برف نہیں گر رہی تھی مگر چاروں طرف زمین اور درخت سفید برف سے ڈھکے ہوئے تھے اور سرد برفیلی ہوا چل رہی تھی...... عمران طغرل بیگ کے ساتھ ہی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا...... اپنا تھیلا اس نے ویگن میں پیچھے رکھ دیا تھا...... تاتاری بزرگ نے عمران کو ایک بار پھر گلے لگایا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ کر اسے رخصت کیا۔

ویگن رات کے اندھیرے میں سفید برفانی راستوں پر چل پڑی...... یہ دو دن کا سفر تھا...... ساری رات ویگن کبھی برف پوش میدانوں اور کبھی چھوٹے چھوٹے جنگلوں اور ویرانوں میں سفر کرتی رہی...... عمران آدھی رات کے بعد ویگن کے پیچھے جا کر سو گیا...... صبح صبح طغرل بیگ نے اسے جگا دیا...... دن کی روشنی پھیل چکی تھی...... وہ ایک اونچے برف پوش درختوں کے جنگل کے کنارے پہنچ گئے تھے...... طغرل بیگ اردو نہیں بول سکتا تھا...... عمران نے اس دوران روسی زبان کے کچھ الفاظ سیکھ لئے تھے، چنانچہ طغرل بیگ کو کچھ اشاروں میں اور کچھ روسی الفاظ بول کر اپنا مطلب سمجھا دیتا تھا...... جنگل میں انہوں نے ایک جگہ آگ روشن کر کے چائے بنائی جو انہوں نے گھی میں پکائی ہوئی خشک میٹھی روٹی کے ساتھ پی...... برف پگھلا کر انہوں نے پینے کا پانی بھی بنا لیا...... تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد ان کی ویگن پھر چل پڑی...... طغرل بیگ نے اشاروں سے اسے سمجھایا کہ وہ لوگ ماسکو شہر سے ایک میل دور نکل آئے ہیں...... اس وقت عمران کو احساس ہوا کہ روس کس قدر وسیع و عریض ملک ہے...... جدھر دیکھو برف ہی برف تھی...... برف کے میدان تھے...... برف سے ڈھکے ہوئے چھوٹے چھوٹے جنگل تھے اور ویرانے تھے...... کہیں کوئی کھیت نہیں تھا...... کہیں کوئی آبادی نظر نہیں آتی تھی...... کچھ طغرل بیگ بھی ویگن کو ویران

علاقے سے گزار کر لا رہا تھا۔

یہ سفر دو دن تک جاری رہا...... تیسرے روز دوپہر کے وقت جنگلات کا سلسلہ ختم ہو گیا...... سامنے ویران میدان تھا جو برف سے ڈھکا ہوا تھا...... یہاں سے آگے کوئی ایسا راستہ نہیں تھا جس پر ویگن اپنا سفر جاری رکھ سکتی...... یہاں سے عمران کو استراخان کے چھوٹے سے شہر تک پیدل سفر کرنا تھا...... طغرل بیگ نے نقشہ سامنے رکھ کر اشاروں کنایوں میں عمران کو پورا راستہ سمجھا دیا...... آسمان سرمئی دھند میں چھپا ہوا تھا...... دور ایک ٹیلے کا ہیولا دکھائی دے رہا تھا...... طغرل بیگ نے اس ٹیلے کی طرف اشارہ کر کے عمران کو سمجھایا کہ اسے اس ٹیلے کی جانب سفر کرنا ہے اور آگے میدانوں میں شمال مغرب کی طرف چلتے جانا ہے...... عمران خود بھی سمجھدار تھا اور نقشہ بھی اس کے پاس تھا...... وہاں انہوں نے آگ جلا کر میٹھی روٹی چائے کے ساتھ کھائی...... اس کے بعد طغرل بیگ عمران سے گلے لگ کر ملا اور فی امان اللہ، فی امان اللہ کہہ کر ویگن میں بیٹھ کر واپس چلا گیا...... عمران کچھ دیر وہیں بجھی ہوئی آگ کے پاس بیٹھا چائے کے گھونٹ بھرتا رہا...... اس نے پورا گرم لباس پہن رکھا تھا...... پاؤں میں چمڑے کے لمبے بوٹ تھے...... اسے صرف اپنے ہاتھوں اور چہرے پر شدید سردی کا احساس ہو رہا تھا...... باقی جسم کو گرم کپڑوں نے ڈھانپ رکھا تھا...... اس نے تھیلا کاندھے پر ڈالا اور اللہ کا نام لے کر دور نظر آنے والے ٹیلے کی جانب سفر شروع کر دیا۔

تاتاری بزرگ نے اسے ہدایت کی تھی کہ صرف چار گھنٹے روز پیدل سفر کرے...... برف میں زیادہ دیر تک سفر کرنے سے آدمی کی آدھی طاقت ختم ہو جاتی ہے...... عمران نے اپنی رفتار بہت آہستہ رکھی...... ایک درخت کی شاخ توڑ کر اس نے چھڑی بنالی تھی جس کو ٹیک کر وہ قدم قدم برف میں چل رہا تھا...... چار گھنٹے کے سفر کے بعد وہ ٹیلے تک پہنچ گیا...... اس کے پاس کوئی گھڑی نہیں تھی...... وہ اندازے سے

چل رہا تھا...... ٹیلے تک پہنچتے پہنچتے وہ کافی تھک گیا تھا...... وہ ٹیلے کی اوٹ میں ایک جگہ برف صاف کر کے بیٹھ گیا...... اس کا ارادہ وہیں رات بسر کرنے کا تھا...... شام ہو رہی تھی، برفیلی ہوا چلنی بند ہو گئی تھی...... جب چاروں طرف رات کا اندھیرا چھا گیا تو عمران نے ادھر ادھر سے برف کھود کر سوکھی شاخیں تلاش کر کے آگ جلائی، مگ میں برف ڈال کر پانی بنا کر پیا...... پھر چائے بنائی اور خشک گھی والی روٹی گرم کر کے چائے کے ساتھ کھائی...... اس روٹی سے اسے کافی طاقت مل جاتی تھی...... بزرگ تاتاری نے اسے کہا تھا کہ برف میں جگہ بنا کر سو جانا...... برف تمہیں گرم رکھے گی...... اس نے ایسا ہی کیا...... ٹیلے کی دیوار کے پاس اس نے برف ہٹا کر ایک شگاف سا بنا لیا اور اس میں سمٹ کر لیٹ گیا...... اس کے نیچے بھی برف تھی اور اوپر بھی برف تھی مگر اسے سردی نہیں لگ رہی تھی...... ساری رات وہ آرام سے نہ سو سکا...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھ کھل جاتی تھی...... اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ پولیس کی کوئی گشتی پارٹی اسے گرفتار نہ کر لے...... کسی نہ کسی طرح رات گزر گئی...... دوسرے دن صبح اٹھ کر اس نے آگ جلائی...... چائے بنا کر خشک روٹی کے ساتھ ایک ایک گھونٹ کر کے پی۔

کچھ دیر آرام کیا اور اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

اسی طرح سفر کرتے کرتے چار دن گزر گئے...... چوتھے روز شام کے وقت اسے برفانی میدان میں دور کچھ روشنیاں جھلملاتی دکھائی دیں...... یقیناً یہ استراخان کا شہر ہی تھا...... دن کے وقت وہ سورج کے طلوع کا حساب رکھ کر شمال مغرب کی جانب ہی سفر کرتا رہا تھا۔ وہ ان روشنیوں کی طرف چل پڑا...... ماسکو سے چلتے وقت تاتاری بزرگ نے اسے ڈیڑھ سو روبل دیئے تھے اور کہا تھا کہ استراخان سے تاتارستان کے سرحدی شہر تک تمہارا ریل کا کرایہ ساٹھ ستر روبل لگے گا...... باقی آگے تمہارے کام آئیں گے...... یہ روبل عمران نے اپنی جیب میں رکھے ہوئے تھے...... شام کا اندھیرا پوری

طرح نہیں چھایا تھا کہ عمران روشنیوں والے شہر میں پہنچ گیا۔

یہ استراخان کا شہر ہی تھا...... بڑا مختصر اور خاموش شہر تھا...... سڑکیں ور دکانوں، مکانوں کے چھجے برف سے ڈھکے ہوئے تھے...... عمران نے ایک چھوٹے سے دکان نما ریستوران میں بیٹھ کر کھانا کھایا اور قہوہ پیا...... ریستوران کے مالک سے ں نے استراخان سے تاتارستان جانے والی ریل گاڑی کے بارے میں پوچھا...... یستوران کا مالک ازبک یا تاجیک تھا اور فارسی بولتا تھا...... عمران فارسی تو بول نہیں تا تھا مگر اس کو اپنا مطلب سمجھانا زیادہ مشکل نہیں تھا...... ریستوران کے مالک کی انی پتہ چلا کہ استراخان سے ایک گاڑی پانچ بجے روزانہ جاتی ہے...... معلوم ہوا کہ روز والی گاڑی جا چکی تھی اور اب دوسرے دن تیسرے پہر پانچ بجے گاڑی جائے ...... استراخان میں ایک گھٹیا درجے کا سرائے نما ہوٹل تھا...... عمران نے یہاں کوٹھڑی نما کمرہ کرائے پر لے کر غسل کیا اور رات کا کھانا کھانے ازبک یا تاجیک ریستوران میں آ گیا...... گرم پانی سے نہانے کے بعد اس کی تھکان بہت حد تک اتر گئی تھی اور وہ کچھ تازہ دم ہو گیا تھا...... وہ ریستوران میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ کسی کی نظروں میں آ چکا ہے۔

ایک گھنی مونچھوں والا تنومند آدمی پوستین کا لمبا کوٹ پہنے سر پر سموری ٹوپی کھے ریستوران میں ایک طرف بیٹھا قہوہ پی رہا تھا...... ایک دو بار عمران نے اس کی رف دیکھا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ پہلے ہی سے اسے دیکھ رہا تھا...... عمران خبردار گیا...... پہلے تو اس نے زیادہ خیال نہ کیا لیکن جب اس کے ریستوران سے باہر نکلنے بعد وہ سموری ٹوپی اور گھنی مونچھوں والا آدمی بھی قہوے کی پیالی میز پر رکھ کر اس پیچھے پیچھے ریستوران سے باہر نکل آیا تو عمران سمجھ گیا کہ یہ انٹیلی جنس کا آدمی ہے سے عمران پر شک پڑ گیا ہے...... عمران ویسے بھی اس شہر میں اجنبی تھا اور شکل سے یا تاجیک یا ازبک قوم کا آدمی نہیں لگتا تھا، چنانچہ وہ انٹیلی جنس والوں کی نظروں

میں آسکتا تھا اور روس کے ہر شہر میں انٹیلی جنس والے مکھیوں کی طرح بھنبھناتے پھرتے تھے۔

عمران نے سوچ لیا کہ اگر اس نے اردو یا انگریزی میں اس سے کچھ پوچھا تو وہ کیا جواب دے گا...... وہ برف پوش سڑک پر خاموشی سے اپنے ہوٹل کی طرف چلا جا رہا تھا...... ہوٹل کے پاس آکر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا...... اسے سموری ٹوپی والا کہیں دکھائی نہ دیا...... عمران سوچنے لگا کہ ہو سکتا ہے یہ اس کا اپنا وہم ہو اور وہ شخص ویسے ہی اس کو تک رہا ہو کہ یہ آدمی استراخان کا نہیں لگتا، پھر کس شہر، کس ملک کا رہنے والا ہے۔

عمران کی پریشانی کسی حد تک دور ہو گئی۔

ہوٹل کے کوٹھڑی نما کمرے میں آکر وہ فرشی بستر پر پرانا اور بھاری لحاف اوڑھ کر بیٹھ گیا...... اس نے بیٹھنے سے پہلے یہ کام کیا کہ اس کی جیب میں جو تاتاری بزرگ کا دیا ہوا نقشہ تھا وہ اس نے جیب سے نکال کر فرش پر جو گھسا پٹا قالین بچھا ہوا تھا اس کا کونہ اٹھا کر اندر چھپا دیا...... نقشے سے اس پر شک پڑ سکتا تھا...... کوٹھڑی نما کمرے میں بلب جل رہا تھا...... عمران نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی تھی...... اس نے سوچا کہ اب سو جانا چاہئے...... اس پر چار گھنٹے روزانہ چلنے کے بعد تھکان کی وجہ سے غنودگی سی طاری ہونے لگی تھی...... عمران نے لحاف کے اندر ٹانگیں پھیلا دیں اور آنکھیں بند کر لیں...... اسے خیال آیا کہ اس نے کمرے کی بتی نہیں بجھائی، اس کا اٹھنے کو دل نہیں چاہتا تھا...... سوچا بتی جلتی ہی رہنے دی جائے...... عمران نے آنکھیں بند کر لیں...... نیند کی پہلی غنودگی اس پر طاری ہو چکی تھی کہ اسے محسوس ہوا کہ کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے...... پہلے اس نے اسے خواب کی آواز سمجھا، لیکن جب باہر سے کسی نے زور سے دروازے پر دو چار ہاتھ مارے تو عمران دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا...... سمجھ گیا کہ باہر سوائے سموری ٹوپی والے کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

اس کوٹھڑی نما کمرے میں کوئی کھڑکی نہیں تھی، ورنہ وہ اس میں سے باہر کود گیا ہوتا...... دروازے کو اب زیادہ زور سے کھٹکھٹایا جا رہا تھا...... عمران نے اٹھ کر کنڈی اتاری تو باہر سے دروازے کو دھکا دے کر کھول دیا گیا...... کمرے کے بلب کی روشنی باہر پڑی تو عمران نے دیکھا کہ وہی سموری ٹوپی والا آدمی کھڑا تھا...... اس کی دائیں بائیں دو سپاہی بھی کھڑے تھے جن کے ہاتھوں میں سٹین گنیں تھیں اور گنوں کا رخ عمران کی طرف تھا...... سموری ٹوپی والا آدمی دھکا دے کر کمرے میں لے گیا اور اردو میں پوچھا۔

”تم پاکستان سے آئے ہو یا انڈیا کے ہو؟“۔

عمران کے منہ سے یونہی نکل گیا...... ”میں انڈیا سے آیا ہوں...... میں ٹورسٹ ہوں“ حالانکہ اس کے پاس کوئی پاسپورٹ ویزا وغیرہ نہیں تھا...... سموری ٹوپی والے نے کہا۔

”پاسپورٹ دکھاؤ“۔

عمران نے کہا۔

”میرا پاسپورٹ میرے ساتھی ٹورسٹ کے پاس ہے وہ پیچھے رہ گیا ہے...... کل تک یہاں پہنچ جائے گا“۔

سموری ٹوپی والے نے دونوں سپاہیوں کی طرف دیکھ کر روسی زبان میں کچھ کہا، جس پر دونوں سپاہی آگے بڑھے اور عمران کے ہاتھ زبردستی پیچھے کر کے ہتھکڑی لگا دی...... پھر انہوں نے کمرے کی تلاشی لینی شروع کر دی...... ایک سپاہی نے قالین کے کونے کو اوپر اٹھایا تو نیچے سے نقشہ نکل آیا...... اس نے نقشہ سموری ٹوپی والے کو دے کر اپنی زبان میں کچھ کہا...... سموری ٹوپی والے نے غور سے نقشے کو دیکھا اور پھر چیخ کر کچھ کہا اور عمران کے منہ پر زور سے تھپڑ مار کر سپاہیوں کو کچھ آرڈر دیا...... سپاہی عمران کو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے ہوٹل سے باہر لے آئے...... باہر ایک خستہ حال جیپ کھڑی تھی...... اسے جیپ میں دھکیل دیا گیا...... دونوں سپاہی عمران کے دائیں بائیں

بیٹھ گئے...... سموری ٹوپی والا اس کے بالکل سامنے بیٹھ گیا اور مسلسل اسے گھور کر دیکھتا رہا...... جیپ استراخان کے نیم روشن بازاروں میں سے گزرتی ہوئی ایک پولیس سٹیشن کے احاطے میں جا کر رک گئی۔

یہاں ایک خونخوار سفید ریچھ کی شکل والا تھانیدار بیٹھا سگار پی رہا تھا...... سپاہیوں نے سلیوٹ کر کے عمران کو اس کے آگے پیش کر دیا...... سموری ٹوپی والے نے نقشہ تھانیدار کے سامنے میز پر رکھ کر اس سے اپنی زبان میں گفتگو کرنے لگا...... گفتگو کے دوران وہ بار بار عمران کی طرف اشارہ کر دیتا تھا...... تھانیدار اٹھ کر عمران کے سامنے آ گیا...... عمران کو فرش پر بٹھایا گیا تھا...... تھانیدار نے عمران کو اٹھنے کا اشارہ کیا...... عمران اٹھ کھڑا ہوا...... اس نے سپاہی کو کچھ کہا...... سپاہی عمران کی تلاشی لینے لگا...... اس کی جیب سے روسی کرنسی کے ایک سو بیس روبل نکلے...... دس روبل کا اس نے ریستوران سے کھانا کھایا تھا اور بیس روبل اس نے ہوٹل والے کو کمرے کا کرایہ ادا کیا تھا...... انہوں نے سارے روبل نکال لئے...... یہ سفید ریچھ کی شکل والا تھانیدار اردو نہیں جانتا تھا...... سموری ٹوپی والا آدمی جس نے اسے گرفتار کرایا تھا انٹیلی جنس کا آدمی تھا اور فارسی اور اردو بول لیتا تھا...... اس نے تھانیدار کے سامنے اس سے پوچھ گچھ شروع کر دی...... انہوں نے اس کی پتلون اتروا کر یہ دیکھ لیا تھا یہ مسلمان ہے...... روسی مسلمانوں کے ویسے ہی سخت دشمن ہوتے ہیں...... اس نے کہا۔

"ہمیں معلوم ہے تم پاکستانی ایجنٹ ہو...... یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھی کہاں کہاں پر ہیں اور تم کس مشن پر روس آئے تھے"۔

اس کے تمام سوالوں کے جواب میں عمران نے یہی کہا۔

"میں پاکستانی نہیں ہوں...... انڈین مسلمان ہوں...... ٹورسٹ ہوں...... میرے ساتھی میرے پیچھے آ رہے ہیں"۔

ساری رات عمران کو تھانے میں رکھا گیا...... اس پر تشدد بھی کیا گیا، لیکن عمران نے اپنا بیان نہ بدلا...... صبح صبح اسے ہتھکڑی لگا کر ایک بڑے ٹرک میں ڈالا...... سموری ٹوپی والا انٹیلی جنس افسر اور چھ سات مسلح سپاہی بیٹھ گئے اور ٹرک ایک طرف چل پڑا...... یہ ٹرک تین دن تک چلتا رہا...... اس کے بعد کسی شہر کا نواحی علاقہ شروع ہو گیا...... اس دوران عمران کو ہتھکڑی سمیت ٹرک کی سیٹ سے باندھے رکھا...... راستے میں صرف اشد ضرورت کے وقت دو سپاہی اس کو کھول کر اپنے ساتھ باہر لے جاتے اور واپس لا کر پھر سیٹ کے ساتھ جکڑ دیتے...... فرار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... سپاہی سٹین گنیں تانے ہر وقت اس کے سر پر موجود رہتے تھے...... عمران نے باہر دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ کوئی بڑا شہر ہے اور بڑا شہر ماسکو ہی ہو سکتا تھا۔

یہ ماسکو کا شہر ہی تھا...... سپاہی عمران کو کے جی بی کی اسی قتل گاہ میں لے آئے جہاں سے وہ فرار ہوا تھا...... کے جی بی کے بھیڑیئے کے چہرے والے افسر نے عمران کو قہر بھری نگاہوں سے دیکھا اور اس پر مکوں اور ٹھڈوں کی بارش کر دی...... عمران گر پڑا اور اس کے منہ سے خون نکلنے لگا...... اسے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا...... ساری رات عمران لکڑی کے تختے پر پڑا کراہتا رہا...... دوسرے روز اسے کے جی بی کی اس عمارت یعنی ٹارچر ہاؤس کے اندر ہی ایک عدالت کے سامنے پیش کر دیا گیا...... ایک میز کے پیچھے بڑی بڑی مونچھوں اور اونچی سموری ٹوپی والا افسر بیٹھا تھا...... کے جی بی کے بھیڑیئے کی شکل والے افسر نے روسی زبان میں عمران پر لگائی گئی فرد جرم پڑھ کر سنائی...... عدالت کا جج بڑے غور سے سنتا رہا...... جب فرد جرم پڑھی جا چکی تو جج نے ایک کاغذ سامنے رکھا جس پر عمران کی قسمت کا فیصلہ پہلے ہی سے لکھ کر رکھا ہوا تھا...... یہ فیصلہ غلط ملط انگریزی میں تھا...... جس کا مطلب تھا کہ تمہیں روس میں پاکستانی ایجنٹ کی حیثیت سے داخل ہونے کے جرم میں عمر قید کی سزا دی جاتی ہے...... یہ سزا تمہیں سائبیریا کے مشقتی کیمپ میں کاٹنی ہو گی اور اس فیصلے کے خلاف کوئی اپیل نہیں کی

جا سکے گی۔

اور جج نے کاغذ پر زور سے مہر لگائی اور اٹھ کر پچھلے کمرے میں چلا گیا...... فیصلے کا اعلان ہوتے ہی عمران کو ہتھکڑی لگا کر پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور اسے چلاتے ہوئے لے جا کر حوالات میں بند کر دیا گیا جس کے آہنی سلاخوں والے دروازے کے باہر دو مسلح سپاہی پہرہ دے رہے تھے...... عمران کا چہرہ اتر گیا تھا...... وہ سمجھ گیا کہ اسے جس جگہ بھیجا جا رہا ہے وہاں سے فرار ہونا ناممکن ہے...... سائبیریا کے مشقتی کیمپوں کے بارے میں عمران نے بڑی ہولناک کہانیاں پڑھ رکھی تھیں...... سائبیریا روس کے شمال کا برف پوش ویران علاقہ ہے جو ہزاروں مربع میل میں پھیلا ہوا ہے اور جو اوپر قطب شمالی سے جا کر مل جاتا ہے اور جو سارا سال برف میں دبا رہتا ہے...... سائبیریا کو روس کا کھلا قید خانہ بھی کہا جاتا ہے...... روس کے زار اپنے مخالفوں کو سائبیریا بھیج دیا کرتے تھے جہاں ان کی لاشوں کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا تھا...... اب بھی روس کی حکومت اپنے سیاسی مخالفین کو اور جرائم پیشہ افراد کو سائبیریا بھیج دیتی ہے...... روس کی حکومت دعویٰ سے کہتی ہے کہ سائبیریا سے کبھی کوئی قیدی بھاگ کر زندہ نہیں بچا...... برف اسے راستے میں ہی ختم کر دیتی ہے...... سائبیریا کے برف پوش جنگل اور ویرانے اور چٹانیں بھاگنے والے کو آہستہ آہستہ موت کی نیند سلا دیتی ہیں...... مفرور قیدی یا تو بھوک کی وجہ سے دم توڑ دیتا ہے اور یا اسے سائبیریا کے برف پوش علاقے کے سفید ریچھ چیر پھاڑ دیتے ہیں...... اس خطے میں ہر وقت برف کے طوفان چلتے رہتے ہیں اور سردی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ پارہ نقطہ انجماد سے چالیس ڈگری تک گر جاتا ہے۔

کے جی بی کی خود ساختہ عدالت کے فیصلے کے دوسرے ہی دن عمران کو دوسرے قیدیوں کے ساتھ ایک مال گاڑی کے بند ڈبے میں ٹھونس دیا گیا اور گاڑی سائبیریا کی طرف روانہ ہو گئی...... ایک لمحے کے لئے عمران کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے ملک پاکستان،

اپنے گھر والوں، اپنے دوستوں اور اپنے ماضی سے ہمیشہ کے لئے الگ ہو گیا ہے۔ وہاں کوئی پوچھنے والا نہیں تھا...... اس فیصلے کے خلاف کوئی اپیل دائر نہیں کی جا سکتی تھی...... وہ مال گاڑی کے بند ڈبے میں گائے بھینسوں کی طرح دوسرے قیدیوں کے درمیان ایسے بیٹھا تھا جیسے اسے پھانسی گھر کی طرف لے جایا جا رہا ہو۔

قیدیوں میں جرمن اور روسی قیدی بھی تھے...... ان قیدیوں نے تین ہزار میل کا فاصلہ مال گاڑی کے بند ڈبے میں مال مویشیوں کی طرح طے کیا...... جب ٹرین تین ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے آرکٹک پہنچی تو سینکڑوں قیدی حبس اور بھوک پیاس سے مر چکے تھے...... ان کی لاشوں کو وہیں ٹرین سے اتار کر ایک گڑھے میں دفن کر دیا گیا...... یہاں سے قیدیوں کا پیدل سفر شروع ہوا...... چار دن تک قیدیوں کو برف پوش ویرانے میں پیدل چلایا گیا...... پولیس کے سپاہی گھوڑوں پر سوار قیدیوں کی نگرانی کرتے رہے...... قیدیوں کے پیروں میں زنجیریں بندھی ہوئی تھیں...... اس سفر میں بھی کئی قیدی راستے میں ہی مر گئے...... پانچویں روز یہ بدحال قافلہ بورگ کے مشقتی کیمپ میں پہنچ گیا...... دوسرے قیدیوں کے ساتھ عمران کے بھی چیتھڑے لٹکنے لگے تھے اور چہرے ایسے ہو گئے تھے جیسے کئی روز سے انہیں کھانے کو کچھ نہ ملا ہو...... کیمپ کے چاروں طرف اونچی دیوار کا احاطہ تھا...... ہر کونے میں ایک واچ ٹاور جس میں بہت بڑی سرخ لائٹ لگی تھی اور سپاہی مشین گن کا مورچہ جمائے بیٹھے تھے...... کیمپ کے بڑے پھاٹک کے قریب چاروں جانب قیدیوں کی لمبی لمبی بارکیں بنی ہوئی تھیں جن کی چھتیں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں...... وسط میں ایک کھلا میدان تھا...... پھاٹک کے دائیں جانب پولیس والوں کے کوارٹرز، کچن، سٹور اور مشقتی کیمپ کے عملے کے دفاتر بنے ہوئے تھے...... کیمپ سے کچھ فاصلے پر ایک جنگل تھا...... کیمپ کی چار دیواری کے باہر پندرہ بیس فٹ کے فاصلے پر خاردار تاروں کی ایک چار دیواری بنی ہوئی تھی...... یہاں دن رات پولیس کے سپاہی سدھائے ہوئے خون آشام کتوں کے ساتھ گشت

لگاتے رہتے تھے...... کیمپ کے چیف کا نام شاکوف تھا جو شکل ہی سے جلاد لگتا تھا۔

قیدیوں کو صبح سویرے سپاہیوں کے پہرے میں تین میل پیدل چلا کر جنگل میں لے جایا جاتا جہاں وہ سارا دن بڑے بڑے پرانے اور تناور درختوں کو کاٹتے رہتے...... شام کو چھ بجے قیدیوں کو مسلح پہرے میں واپس کیمپ میں لایا جاتا...... قیدیوں کی بارکوں میں آہنی چولہے بنے ہوئے تھے جن میں صرف رات کو آگ جلائی جاتی تھی تاکہ خون کو منجمد کرنے والی سردی سے کسی حد تک نجات مل سکے۔

دن کے وقت قیدیوں کو ایک روٹی ملتی جسے وہ قہوے کے ساتھ کھاتے...... دوپہر کو پتلے شوربے کے ساتھ کھانے کو ایک ایک روٹی ملتی...... رات کو بھی قہوے کے ساتھ ایک روٹی دی جاتی...... ہر قیدی کو تھوڑی سی رقم شام کو معاوضے کے طور پر مل جاتی، جس سے قیدی سٹور میں سے سگریٹ وغیرہ خریدتے...... سگریٹ کو کیمپ میں بڑی اہمیت حاصل تھی...... عمران چونکہ سگریٹ نہیں پیتا تھا اس لئے اسے اس کی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

اس مشقتی کیمپ کے ساتھ ہی ایک اور کیمپ تھا جس کی بارکیں اپنے قیدیوں کے انتظار میں خالی پڑی تھیں...... عمران کو مشقتی کیمپ میں قید ہوئے دوسرا مہینہ جارہا تھا کہ ساتھ والے خالی کیمپ میں قیدی عورتوں کو لایا گیا...... ان عورتوں کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب تھی...... ان عورتوں میں زیادہ تر روسی عورتیں تھیں...... ان عورتوں کو دو حلقوں میں بانٹ دیا گیا تھا...... ایک حصے میں عام قسم کی جرائم پیشہ عورتیں تھیں...... ان جرائم پیشہ عورتوں میں زیادہ تر طوائفیں، چوری کرنے والی، نشہ کرنے والی عورتیں تھیں...... وہ منہ پھاڑ کر بولتی تھیں اور مرد قیدیوں کو اشارے کر کے اپنی طرف بلاتیں اور فحش حرکتیں کرتی تھیں...... قیدی عورتوں کے دوسرے حلقے میں وہ عورتیں تھیں جنہیں سیاسی اور نظریاتی اختلاف کی وجہ سے جلاوطن کر دیا گیا تھا...... ان میں اچھے گھرانوں کی پڑھی لکھی عورتیں بھی تھیں...... صحافی اور دانشور عورتیں بھی

تھیں...... یہ کوئی غیر شائستہ حرکات نہیں کرتی تھیں...... ہفتے کی شام کو دونوں کیمپوں کے درمیان کا دروازہ کھول دیا جاتا تھا...... مرد قیدیوں اور قیدی عورتوں کو اجازت ہوتی تھی کہ وہ ایک دوسرے سے آزادانہ میل جول کر سکتی ہیں...... جرائم پیشہ عورتیں مرد قیدیوں کی بارکوں میں آکر اپنی اپنی پسند کے قیدی چن لیتیں اور پھر ان کے ساتھ کونے کھدروں میں بیٹھ کر پیار محبت کی باتیں کرتیں...... سیاسی قیدی عورتیں اپنی بارک میں ہی رہتیں اور بہت کم باہر نکلتیں...... مرد قیدی ان کی بارک میں جا کر ان سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتے مگر وہ ان سے سرد مہری سے پیش آتی تھیں...... ساری رات قیدی مرد اور عورتیں ایک دوسرے سے پیار محبت کرتیں...... صبح صبح عورتیں اور مرد اپنے اپنے کیمپوں میں واپس آجاتے اور درمیان والا دروازہ مقفل کر دیا جاتا۔

کبھی کبھی عمران بھی ہفتے کی شام کو قیدی عورتوں کے کیمپ میں جاتا مگر وہ دور بیٹھا سیاسی قیدی عورتوں کو دور سے دیکھتا رہتا اور سوچتا کہ نہ جانے یہ پڑھی لکھی شائستہ عورتیں اس کیمپ میں ساری زندگی کیسے گزاریں گی اور جرائم پیشہ عورتوں کے ساتھ رہتے ہوئے اپنی شائستگی اور شرافت کب تک برقرار رکھ سکیں گی...... ان لمحات میں سیاسی قیدی عورتیں زیادہ تر اپنی بارک کے اندر ہی رہتی تھیں...... کبھی کبھی کوئی عورت بارک سے نکل کر بارک کی دیوار کے آگے ٹہلنے لگتی تھی...... لباس ان کا بھی قیدی عورتوں والا تھا...... یعنی پرانے بند گلے والے سویٹر کے اوپر روئی دار گرم جیکٹ، سر پر کانوں کو ڈھانپنے والی کسی جانور کی کھال کی ٹوپی اور پاؤں میں گھٹنوں تک چمڑے کے پھٹے پرانے بوٹ...... ایسی ہی وردی مرد قیدیوں نے بھی پہن رکھی تھی۔

ایک روز ہفتے کی شام کو عمران نے دیکھا کہ ایک سیاسی قیدی عورت اپنی بارک کے باہر ایک شکستہ سٹول پر چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی تھی...... کسی کسی وقت وہ سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیتی تھی اور پھر سر جھکا کر گہری سوچ میں گم ہو جاتی تھی......

مرد قیدی جرائم پیشہ قیدی عورتوں کے پاس بیٹھے آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے..... سیاسی قیدی عورت نے ایک دوبار نگاہیں اٹھا کر عمران کو بھی دیکھا تھا، کیونکہ عمران بھی باقی تمام قیدیوں سے الگ تھلگ بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ کوئی واہیات قسم کی عورت نہیں تھی..... عمران کو یہ عورت اچھی لگی..... اس کا جی چاہا کہ وہ اس عورت کے پاس جا کر اس سے کوئی بات کرے..... عمران نے روسی مصنف اور افسانہ نگار چیخوف کے افسانوں میں اس قسم کی اداسی اور خاموش طبع پڑھی لکھی عورتوں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا تھا اور اس قسم کی عورتوں کے کردار نے عمران کو ہمیشہ متاثر کیا تھا..... وہاں کسی عورت سے بات کرنے کی پوری پوری اجازت تھی..... عمران اٹھ کر اس عورت کے پاس چلا گیا..... عورت نے ایک سرسری سی نگاہ ڈال کر عمران کو دیکھا اور پھر اپنے خیالات میں گم ہو گئی..... عمران سوچنے لگا کہ اس عورت سے کس زبان میں بات کرے..... ظاہر ہے وہ اردو نہیں جانتی ہو گی اور عمران کو روسی زبان نہیں آتی تھی..... یہ عورت نہیں بلکہ بیس اکیس برس کی دبلی پتلی لڑکی تھی جس کی آنکھیں مشرقی عورتوں کی طرح سیاہ تھیں۔

عمران نے بے جھجک انگریزی میں پوچھا۔

"میڈم! تمہارا نام کیا ہے؟ میرا نام عمران ہے اور میں پاکستان کا رہنے والا ہوں..... میں بطور ٹورسٹ روس کی سیاحت کرنے آیا تھا کہ کے جی بی والوں نے مجھے جاسوس ہونے کے شبے میں پکڑ لیا اور ساری عمر کے لئے سائبیریا بھیج دیا..... میں پاکستان کے ایک کالج میں پروفیسر تھا"۔

عمران کی گفتگو نے لڑکی کو کسی حد تک متاثر کیا تھا..... لڑکی کو محسوس ہوا کہ اس کے سامنے ایک پڑھا لکھا اور شائستہ نوجوان کھڑا ہے..... اس کے چہرے پر ایک اداس تبسم کی لہر ابھر کر غائب ہو گئی..... اس نے انگریزی میں جواب دیا۔

"میرا نام پولینا ہے..... میں لینن گراڈ یونیورسٹی میں اردو کی لیکچرار تھی..... مجھے

میرے سیاسی نظریات کی بناء پر گرفتار کر کے سائبیریا بھیج دیا گیا"۔

عمران نے بے اختیار ہاتھ آگے بڑھا کر پولینا کا نرم و نازک ہاتھ تھام لیا اور اردو میں کہا۔

"محترمہ! میں بھی پاکستان کے ایک کالج میں اردو ہی کا پروفیسر تھا..... آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی"۔

پولینا تھوڑا سا مسکرائی اور اردو میں کہا۔

"مسٹر عمران! تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی..... میں نے اردو زبان ماسکو یونیورسٹی کے ایک انڈین پروفیسر سے سیکھی تھی..... لینن گراڈ یونیورسٹی میں میری کلاس میں بارہ روسی سٹوڈنٹ مجھ سے اردو سیکھ رہے تھے"۔

پولینا سٹول سے اٹھ کر عمران کے ساتھ بارک کے برآمدے میں ٹہلنے لگی..... چونکہ دونوں اردو میں بات چیت کر سکتے تھے اس لئے دونوں بہت جلد ایک دوسرے کے مزاج اور ایک دوسرے کی پسند ناپسند سے واقف ہو گئے..... عمران نے اسے بتایا کہ میں غیر شادی شدہ ہوں..... پولینا نے مسکرا کر کہا۔

"میں نے بھی شادی نہیں کی..... میں نے اپنی زندگی پڑھنے لکھنے کے لئے وقف کر رکھی تھی لیکن میری بدقسمتی کہ میرے سیاسی نظریات یلسن حکومت کو پسند نہیں تھے..... میں نے یونیورسٹی کے میگزین میں دو تین مضمون روسی زبان میں لکھے تھے جن میں یلسن حکومت اور خود صدر یلسن کی آمریت پسندانہ پالیسی پر سخت تنقید کی تھی..... چنانچہ ایک روز مجھے کے جی بی والوں نے گرفتار کر لیا..... یہ تو تم بھی جانتے ہو گے کہ روس میں آزادی فکر نہ ہونے کے برابر ہیں..... لوگ یا تو حکومت کی تعریف کرتے ہیں اور یا پھر خاموش رہتے ہیں..... میرا قصور یہ تھا کہ میں خاموش نہیں رہ سکتی تھی"۔

پولینا سے مل کر اور اس سے باتیں کر کے عمران جس ذہنی دباؤ کا شکار تھا وہ کافی حد

تک دور ہو گیا...... پولینا سے رخصت ہوتے وقت عمران نے بڑی گرم جوشی سے پولینا سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

"اگلے ہفتے کی شام کو میں پھر آؤں گا...... تم مجھے ملو گی ناں؟"۔

پولینا نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گی"۔

سارا ہفتہ عمران نے بڑا ہلکا پھلکا ہو کر گزارا...... اب اسے جنگل کے درختوں کو کاٹنے سے اتنی تھکان اور بوریت محسوس نہیں ہوتی تھی...... اسے پولینا سے عشق ہو گیا تھا یا محبت ہو گئی تھی؟ یہ عمران کے لئے دوراز کار قسم کی باتیں تھیں...... اتنا ضرور تھا کہ پولینا سے دوستی کرنے کے بعد اس کے ذہن کو ایک قسم کا سکون سا مل گیا تھا...... وہ ساری عمر سائبیریا کے مشقتی کیمپ میں نہیں گزار سکتا تھا...... یہ تو اس نے دل میں فیصلہ کر لیا ہوا تھا کہ وہ موقع ملتے ہی وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرے گا...... وہ صرف ماحول کا جائزہ لے رہا تھا، لیکن پولینا سے ملنے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ کیمپ سے فرار ہونے تک وہ جتنی دیر کیمپ میں رہے گا اسے خانکاہ مشقت کے ساتھ ساتھ خوشی اور مسرت کا احساس بھی ہوتا رہے گا اور یہ بڑی غنیمت تھی۔

دوسرے ہفتے شام سے ذرا پہلے مردوں اور عورتوں کے کیمپ کے درمیان والا دروازہ کھلتے ہی عمران عورتوں کے کیمپ میں چلا گیا...... پولینا بارک کے برآمدے کے باہر پچھلے ہفتے کی طرح سٹول پر بیٹھی عمران کا انتظار کر رہی تھی...... عمران کو دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی...... دونوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا اور برآمدے میں ٹہلنے اور باتیں کرنے لگے...... اسی طرح دونوں کو ایک دوسرے سے ملتے جب تین ہفتے گزر گئے تو ایک روز شام کے وقت جب عمران اور پولینا بارک کے برآمدے میں ٹہل رہے تھے تو پولینا نے اچانک عمران سے پوچھا۔

"کیا تمہارے دل میں کبھی یہاں سے فرار ہونے کا خیال آیا ہے؟"۔

اس سوال پر عمران ٹھٹھک سا گیا...... اس نے فوری طور پر پولینا کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور سوچنے لگا کہ کہیں یہ عورت کیمپ والوں کی ایجنٹ تو نہیں ہے جسے کیمپ کی انتظامیہ نے قیدیوں کی مخبری کرنے کے لئے کیمپ میں ڈال دیا ہو؟ اس سے پہلے ران کو ایک تجربہ ہو چکا تھا...... جیلوں میں جہاں باغی قسم کے خطرناک سیاسی قیدی بند وں وہاں جیل کے حکام قیدیوں کے دل کا حال معلوم کرنے کے لئے اپنے کسی ایجنٹ قیدی بنا کر قیدیوں میں چھوڑ دیتے ہیں جو یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ن کون سے قیدی جیل توڑ کر فرار ہونے کی سکیم بنا رہے ہیں...... پولینا نے جب وسری بار اپنا سوال دہرایا تو عمران بولا۔

"فرار کے بارے میں سوچنا بیکار ہے، کیونکہ سائبیریا کے کسی مشقتی کیمپ سے رار ناممکن ہے اور پھر اگر کوئی قیدی فرار ہوا بھی ہے تو وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ کا...... راستے میں ہی سائبیریا کے برف پوش وسیع و عریض میدانوں میں ٹھٹھر کر ر گیا ہے"۔

پولینا نے کہا۔

"سائبیریا کے برف پوش میدانوں میں وہ مفرور قیدی سردی میں ٹھٹھر کر ر جاتے ہیں جو اناڑی ہوتے ہیں، جو سائبیریا کے برف پوش علاقے سے واقف نہیں ہوتے اور غلط راستے پر چل کر برف کے صحرا میں بھٹک جاتے ہیں، لیکن جو اس علاقے کے جغرافیئے کو بخوبی جانتے ہیں وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتے ہیں...... مجھے سائبیریا کے تمام راستوں کا علم ہے اور میرے ذہن میں فرار کی ایک سکیم بھی ہے، یونکہ میں اپنی قیمتی زندگی اس پاگل خانے میں بسر نہیں کر سکتی"۔

"کیا مجھے بتاؤ گی کہ فرار کی سکیم جو تمہارے ذہن میں ہے کیا ہے؟"۔

پولینا نے پوچھا۔

"کیا تم میرے ساتھ فرار ہونے کے لئے تیار ہو؟"۔

عمران کو کہنا ہی پڑا۔

"ہاں..... میں تیار ہوں"۔

"تو پھر..... " پولینا بولی..... "جس روز فرار ہونا ہوگا اس سے ایک دن پہلے بتاؤں گی..... معاف کرنا عمران..... دو تین ہفتوں کی دوستی میں میں تم پر اتنا اعتماد نہیں کر سکتی..... ابھی تمہیں کچھ اور آزمالوں"۔

عمران نے دل میں کہا کہ یہ عورت اتنی بھولی بھالی بھی نہیں ہے جتنی میں اسے سمجھ رہا تھا، لیکن ایسی کوئی حیرانی کی بات بھی نہیں تھی، وہ جس قسم کے حالات کا شکار تھی اسے ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔

عمران کو پولینا کی دوستی کا ایک فائدہ ضرور ہوا تھا کہ اس کی مشقت کی کلفت کم ہو گئی تھی..... یہ خیال کہ ہفتے کے دن اس کی ملاقات ایک پڑھی لکھی خاتون سے ہوگی جس کے پاس بیٹھ کر وہ اردو اور روسی لٹریچر کی بات چیت کر سکتا ہے..... اس کو خوشی عطاء کرتا تھا..... عمران نے پولینا کے فرار کی سکیم کو زیادہ اہمیت نہ دی اور اپنے طور پر فرار کے طریقوں پر غور کرنے لگا۔

ایک بات واضح طور پر عیاں تھی کہ اسے سائبیریا کے اس مشقتی کیمپ سے پیدل ہی فرار ہونا پڑے گا، کیونکہ وہاں سواری کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، نہ کوئی ٹرین چلتی تھی..... نہ کوئی ویگن چلتی تھی..... کیمپ کے عملے کی ہر پندرہ دن کے بعد سپلائی لے کر ایک ٹرک آتا تھا جو راتوں رات سپلائی دے کر واپس چلا جاتا تھا..... اس دوران ٹرک کیمپ کے آفس کے سامنے کھڑا رہتا تھا جہاں پولیس کا چوبیس گھنٹے پہرہ لگا ہوا تھا..... سائبیریا کے برفانی علاقے میں ایسی پھسلنی گاڑیاں چلتی تھیں جنہیں یا تو رینڈیئر اور دس بارہ کتے مل کر کھینچتے تھے..... ایسی ایک کتا گاڑی مہینے کی پہلی دوسری تاریخ کو سرکاری ڈاک لے کر آتی تھی..... ان کے علاوہ کیمپ کے آس پاس کبھی کوئی ٹرین

ری یا کتا گاڑی دیکھنے میں نہیں آتی تھی..... عمران نے سب معلوم کر لیا تھا کہ فرار ونے کے بعد اسے وہاں سے کس سمت کو جانا ہوگا اور کس طرف کا رخ نہیں کرنا دگا..... سائبیریا کے جس علاقے میں ان کا مشقتی کیمپ یا جیل خانہ تھا وہاں سے قریبی ک ایران ہی تھا جس کی سرحد وہاں سے تین ہزار میل کے فاصلے پر تھی اور یہ سارا سفر سے پیدل طے کرنا تھا..... قیدیوں میں یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ سائبیریا کے س لیبر کیمپ سے آج تک کبھی کوئی فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوا..... اگر فرار ہوا ھی ہے تو وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکا اور راستے میں ہی برفانی ہواؤں نے اسے منجمد ردیا ہے۔

لیکن عمران کو یقین تھا کہ اگر ایک بار وہ اس کیمپ سے فرار ہونے میں کامیاب وگیا تو ملک ایران ضرور پہنچ جائے گا..... مزید ایک مہینہ سوچ بچار میں گزر گیا اور ران کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا کہ اسے کس روز وہاں سے فرار ہونا چاہئے..... فرار ہونے کے لئے کچھ چیزوں کی فراہمی لازمی تھی..... ان میں ایک کمانڈو چاقو اور سموری ٹوپی ور سمور کا کوٹ ضروری تھا..... چاقو اس لئے کہ راستے میں برفانی ریچھ کسی بھی جگہ ملہ آور ہو سکتا تھا..... یا برفانی گیدڑ اس پر حملہ کر سکتے تھے اور خالی ہاتھوں سے وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا..... سمور کی ٹوپی اور سمور کا لمبا کوٹ اس لئے ضروری تھا کہ طب شمالی کی تیز برفانی ہواؤں اور برف کے طوفانوں کا صرف یہی دو چیزیں مقابلہ ر سکتی ہیں..... ان کا مقابلہ صرف عام گرم کوٹ یا چمڑے کی ٹوپی پہن کر نہیں کیا جا سکتا ھا..... اس کے علاوہ خشک خوراک ساتھ لے جانے کی بھی ضرورت تھی..... یہ یزیں کیمپ میں پیدا کرنا ناممکن سی نظر آتی تھیں..... اس کے باوجود عمران اس وشش میں لگا ہوا تھا کہ کسی طرح سے ان چیزوں کا بندوبست ہو جائے اور وہ وہاں سے رار ہو جائے، کیونکہ وہ ایک عام قیدی نہیں تھا کہ جس کی زندگی کا کوئی مقصد نہ ہو..... ں کی زندگی کا ایک نصب العین تھا..... ایک مقصد تھا اور وہ اس مقصد کو لے کر روس

کے تجارتی جہاز میں سوار ہوا تھا...... اپنے مقصد میں وہ کامیاب ضرور ہو گیا تھا مگر یہ کامیابی اس وقت تک ادھوری تھی جب تک کہ وہ راز جو اس نے روس اور ہندوستان کے درمیان طے پائے جانے والے معاہدے کی خفیہ فائل سے اڑایا تھا اور جو اس کے پاس ابھی تک محفوظ تھا...... پاکستان نہیں پہنچایا جاتا...... یہ کام عمران کو اپنی جان دے کر بھی پورا کرنا تھا۔

اس دوران ہر ہفتے اس کی ملاقات پولینا سے ہوتی رہتی تھی...... دونوں کچھ دیر بیٹھ کر باتیں کرتے...... کچھ اپنی زندگی کی جھوٹی سچی باتیں عمران اسے سناتا...... کچھ اپنی زندگی کی باتیں پولینا اسے سناتی...... پولینا نے بتایا کہ اس کے ماں باپ مر چکے ہیں...... وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی اور یونیورسٹی کے ہوسٹل میں رہتی تھی...... جب عمران نے اس سے پوچھا کہ تم فرار ہونے کے بعد کہاں جاؤ گی تو وہ بولی۔

"جب تک روس میں بورس یلسن کی حکومت قائم ہے میں روس واپس نہیں آ سکتی...... اگر واپس آئی تو کے جی بی مجھے دوبارہ پکڑ لے گی اور اس بار میں جانتی ہوں وہ مجھے سائبیریا نہیں بھیجیں گے بلکہ قید خانے میں ہی مجھے ہلاک کر کے لاش کسی گڑھے میں دفن کر دیں گے...... کے جی بی کے لوگ اس کام کے بڑے ماہر ہیں"۔

"تو پھر تم کہاں جاؤ گی؟" عمران نے پوچھا۔

اس نے ٹہلتے ٹہلتے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"ابھی تک میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکی کہ اگر روس کے جہنم سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تو کس ملک میں رہوں گی، لیکن خیال ہے کہ لندن چلی جاؤں گی...... انگلستان میں مجھے سیاسی پناہ مل جائے گی...... نہیں تو امریکہ مجھے سیاسی پناہ دے ہی دے گا"۔

عمران نے اس سے یہ نہ پوچھا کہ وہ کیمپ سے کب فرار ہو گی، نہ ہی پولینا نے فرار کے بارے میں مزید کچھ کہا...... اس بات کو دو ہفتے گزر چکے تھے کہ تیسرے ہفتے کی شام

ران عورتوں کے کیمپ میں پولینا سے ملنے گیا تو وہ کچھ دیر اس سے ادھر ادھر کی باتیں رتی رہی...... پھر بڑی رازداری سے کہنے لگی۔

"پرسوں رات کو میں کیمپ سے فرار ہو رہی ہوں...... کیا تم میرے ساتھ چلو گے؟ اگر تم نہیں جاؤ گے تو میں اکیلی ہی چلی جاؤں گی"۔

عمران کے لئے یہ ایک بہت بڑی خوش خبری تھی...... اس نے پوچھا۔

"مگر کیسے فرار ہو گی؟"۔

پولینا نے کہا۔

"تمہیں یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے...... تم میرے سوال کا جواب دو...... کیا م میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو؟"۔

عمران نے بے اختیار کہہ دیا۔

"ہاں...... میں تیار ہوں...... لیکن پولینا تمہیں معلوم ہے کہ ہمیں سائبیریا کا کتنا سیع و عریض برفانی صحرا پیدل عبور کرنا ہو گا؟"۔

اس نے کہا۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو...... میں تم سے زیادہ جانتی ہوں کہ سائبیریا کے برفانی را اعظم کو کیسے عبور کیا جاتا ہے...... میں اس ملک کی رہنے والی ہوں...... اگر تم میرے ساتھ بھاگنے کے لئے تیار ہو تو پھر پرسوں رات کے دو بجے عورتوں اور مرد قیدیوں کا و درمیانی دروازہ ہے وہاں آ جانا اور دروازے کو تھوڑا سا دبانا...... دروازہ کھلا ہو گا...... س کے بعد میں تمہیں اسی جگہ ملوں گی جہاں تم مجھے پہلی بار ملے تھے، جب میں رآمدے کے باہر سٹول پر بیٹھی تھی"۔

عمران نے کہا۔

"میں ضرور آ جاؤں گا"۔

اس روز پولینا نے عمران سے زیادہ بات چیت نہ کی اور عمران واپس اپنی بارک میں

آگیا...... اسے طرح طرح کے خدشات نے گھیر لیا...... پولینا نے اکیلی کیسے اتنا بڑ پروگرام بنالیا؟ اس کے ذرائع کیا ہو سکتے ہیں؟ اگر وہ پکڑے گئے تو کیمپ کا ریچھ کی خصلت والا چیف دونوں کو سب قیدیوں کے سامنے گولی مار دے گا...... عمران نے سُ رکھا تھا کہ اس کے آنے سے ایک ہفتہ پہلے دو قیدیوں نے فرار کی کوشش کی تھی مگر پکڑے گئے اور کیمپ کے چیف نے خود سٹین گن کا برسٹ مار کر اڑا دیا تھا...... کبھی و سوچتا کہ اسے پولینا کے ساتھ فرار ہونے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہئے...... یہ بے وسیل سی لڑکی ہے...... عمران نے اسے کبھی کیمپ کے عملے کے کسی آدمی سے بات کرتے نہیں دیکھا...... پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے لئے کیمپ کا دروازہ اپنے آپ کھل جائے گا...... دو دن اسی کش مکش میں گزر گئے...... تیسرے دن بھی عمران اسی ذہنی کش مکش کا شکار رہا، مگر غیر ارادی طور پر ساتھ ساتھ فرار کی چھوٹی چھوٹی تیاری بھی کرتا رہا...... اس کے چمڑے کے لانگ بوٹ پھٹ گئے تھے...... اس نے کیمپ کے سٹو روم میں جا کر کسی نہ کسی طرح دوسرے لانگ بوٹ حاصل کر لئے...... مشقت کے عوض اسے جو تھوڑے بہت پیسے ملتے تھے ان پیسوں سے اس نے سٹور روم میں سے ہی ایک فالتو ڈبل روٹی، چائے کا ایک پیکٹ اور بسکٹوں کا ایک ڈبہ خرید کر چمڑے کے تھیلے میں ڈال کر رکھ لیا۔

جیسے جیسے رات قریب آ رہی تھی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی...... کیا وہ اس ناتجربہ کار دانشور ٹائپ کی کم سخن لڑکی کے ساتھ فرار ہونے میں کامیاب ہو جائے گا؟ اس سوال کا اس کے پاس کوئی تسلی بخش جواب نہیں تھا۔

رات کو اس نے دوسرے قیدیوں کے ساتھ مل کر خشک روٹی پتلے شوربے کے ساتھ کھائی اور ذرا الگ ہو کر دروازے کے پاس لیٹ گیا...... اسے نیند نہیں آ رہی تھی...... کیمپ میں رات کو ہر ایک گھنٹے کے بعد گھنٹہ بجا کر وقت کا اعلان کیا جاتا تھا، اسی وجہ سے پولینا نے اسے پورے دو بجے رات کو بارک سے نکل پڑنے کے لئے کہا تھا......

عمران کو بالکل نیند نہیں آ رہی تھی...... رات کے دس بج گئے...... پھر گیارہ، بارہ بج گئے...... عمران کی آنکھوں میں نیند غائب تھی...... کیمپ کے گھنٹے نے ایک بجایا...... ایک سے دو بجے تک عمران کا دل برابر تیز تیز دھڑکتا رہا...... اگر اسے اکیلے فرار ہونا ہوتا تو اس کے دل کو تیز تیز دھڑکنے کی ضرورت نہیں تھی...... وہ پولینا کے ساتھ جاتے ہوئے ڈر رہا تھا...... اسے پکڑے جانے کی صورت میں موت کا خوف نہیں تھا...... کمانڈو کا کام ہی موت سے کھیلنا ہوتا ہے...... ڈر اسے صرف اس بات کا تھا کہ جس راز کو اس نے پاکستان کی حکومت کے حوالے کرنا ہے، وہ اس کے حلق کی پاکٹ میں نیگیٹو فلم ٹیوب کی صورت میں اس کے ساتھ ہی زمین میں دفن ہو جائے گا۔

آخری لمحات میں اس نے سوچا کہ اسے پولینا کے ساتھ فرار ہونے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہئے، لیکن جب کیمپ کے گھڑیال نے دو گھنٹے بجا کر رات کے دو بجنے کا اعلان کیا تو عمران غیر شعوری طور پر اٹھ کر بیٹھ گیا...... دن بھر کی مشقت کے بعد بارک کے سارے قیدی بے سدھ ہو کر سو رہے تھے اور خراٹے لے رہے تھے...... بارک کے اندر اور باہر کوئی پہریدار نہیں ہوتا تھا...... وہ دبے پاؤں چلتا بارک سے باہر آ گیا...... باہر سرد برفانی ہوا نے اس کا استقبال کیا...... کیمپ کا احاطہ برفانی سرد رات کے اندھیرے میں ویران پڑا تھا...... چمڑے کا چھوٹا تھیلا جس میں ڈبل روٹی، چائے اور بسکٹ کا چھوٹا ڈبہ تھا اس نے ہاتھ میں تھام رکھا تھا...... وہ بارک کی دیوار کے ساتھ ساتھ دبے پاؤں چلتا اس دروازے کی طرف بڑھا جو دوسری طرف عورتوں کے کیمپ میں کھلتا تھا...... وہاں اندھیرا تھا...... اس نے آہستہ سے دروازے کو دھکیلا...... دروازہ کھل گیا...... پولینا نے دروازے کی کنڈی پہلے سے اتار دی ہوئی تھی...... عمران خاموشی کے ساتھ عورتوں کے کیمپ میں داخل ہو گیا...... بارکوں کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں...... صحن میں کہیں کہیں برف جمی ہوئی تھی...... اسے برآمدے میں ایک انسانی سایہ دکھائی دیا۔

یہ پولینا ہی ہو سکتی تھی...... انسانی سایہ اس کی طرف بڑھا...... یہ پولینا ہی تھی...... اس نے سمور کی ٹوپی پہن رکھی تھی جس نے اس کے کان، سر کے بال، گردن تک ڈھانپ رکھے تھے...... گلے میں اونی گلوبند تھا...... پولینا نے اسے اپنے پیچھے آنے کو کہا اور کیمپ کے عقبی دروازے کی طرف بڑھی...... یہ دروازہ بارکوں کے پیچھے احاطے کی دیوار میں بنا ہوا تھا...... یہ دروازہ بھی پہلے سے کھلا تھا...... وہ دروازے سے نکل کر احاطے کی دیوار کے ساتھ ایک طرف دو تین قدم جانے کے بعد ایک جگہ خاردار تاروں کی دیوار کے پاس جا کر بیٹھ گئی...... یہاں خاردار تاروں میں پہلے ہی سے کسی نے گزر جانے کے لئے راستہ بنایا ہوا تھا...... عمران حیران ہو رہا تھا کہ اس کیمپ میں جہاں پر سپاہی ایک جلاد کی طرح سنگدل اور ظالم ہے وہ کون تھا جو پولینا کی مدد کر رہا تھا...... عمران نے پولینا کو کیمپ کے عملے میں سے کسی سے کبھی بات کرتے نہیں دیکھا تھا...... دونوں لیٹ کر خاردار تاروں میں سے نکل گئے۔

اب وہ مشقتی کیمپ کے جیل خانے سے باہر تھے۔

آسمان پر دھند سی پھیلی ہوئی تھی...... کوئی ستارہ نظر نہیں آ رہا تھا...... سامنے برف کا میدان تھا...... پولینا نے عمران کو سرگوشی میں اپنے پیچھے دوڑنے کو کہا اور وہ ایک طرف دوڑ پڑی...... عمران اس کے پیچھے دوڑنے لگا...... عمران اس بات پر بھی حیران تھا کہ رات کو گشت لگانے والے سپاہی کہاں سو گئے تھے؟ ہو سکتا تھا کہ اس گشتی پارٹی کا کوئی آدمی پولینا کے ساتھ ملا ہوا ہو...... کسی طرف سے سدھائے ہوئے کتوں کے بھی بھونکنے کی آواز نہیں آ رہی تھی...... جمی ہوئی برف پر دوڑنے میں بڑی دقت پیش آ رہی تھی مگر وہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ایک دوسرے کو سہارا دیئے جتنا تیز دوڑ سکتے تھے دوڑے جا رہے تھے...... قیدی کیمپ کی روشنیاں پیچھے رہ گئی تھیں اور کہرے میں ڈوبتی جا رہی تھیں...... وہ کوئی ایک میل تک دوڑتے چلے گئے...... آخر تھک گئے اور بیٹھ گئے...... ان کے سانس دھونکنی کی طرح چل رہے تھے...... جب

سانس ذرا درست ہوئے تو پولینا نے ایک طرف اشارہ کیا...... ادھر اندھیرے میں ایک جھونپڑا سا نظر آ رہا تھا...... پولینا نے لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ہمیں اس جھونپڑے تک جانا ہے"۔

اور انہوں نے دوبارہ دوڑنا شروع کر دیا...... جھونپڑا قریب آتا جا رہا تھا...... آخر وہ جھونپڑے کے پاس پہنچ گئے...... جیسے ہی وہ جھونپڑے کے قریب پہنچے عمران نے جھونپڑے کے باہر برف پر پھسلنے والی گاڑی دیکھی جس کے آگے چھ سات رینڈیئر جتے ہوئے تھے...... ایک اونچا لمبا آدمی، لمبے کوٹ اور سمور کی ٹوپی پہنے جھونپڑی سے باہر نکل آیا...... اس نے پولینا کو روسی زبان میں کچھ کہا اور پولینا عمران کا ہاتھ پکڑ کر پھسلنی گاڑی پر بیٹھ گئی...... گاڑی کی نہ کوئی چھت تھی نہ کوئی دیوار تھی...... تین فٹ کے قریب چوڑا اور پانچ فٹ لمبا ایک تختہ تھا جس پر ایک تھیلا رکھا ہوا تھا...... وہ آدمی بھی گاڑی پر جو چھوٹی سی سیٹ بنی ہوئی تھی اس پر بیٹھ گیا اور رینڈیئر برف پر دوڑنے لگے۔

وہ آدمی پھسلنی گاڑی کو جمی ہوئی برف پر جتنی تیز دوڑا سکتا تھا دوڑا رہا تھا...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ گاڑی کا رخ بدل لیتا تھا...... کبھی گاڑی کو دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف کر دیتا...... عمران اور پولینا دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لگ کر سمٹ سمٹا کر بیٹھے ہوئے تھے...... ایسے لگتا تھا کہ اس راستے کا صرف اس آدمی کو ہی علم ہے...... وہ شخص گاڑی کو دائیں بائیں موڑتا ہوا جا رہا تھا...... رینڈیئر ایک خاص رفتار سے بھاگ رہے تھے...... ان کی باگیں اسی آدمی کے ہاتھوں میں تھیں...... ایک جگہ درختوں کا ذخیرہ سا آ گیا...... درخت برف پوش تھے اور رات کے اندھیرے میں سفید ستونوں کی طرح چپ چاپ کھڑے تھے...... گاڑی بان روسی نے گاڑی کو درختوں کے ذخیرے میں ڈال دیا...... یہاں بھی راستہ بڑا پیچیدہ تھا، مگر وہ بڑی مہارت سے گاڑی کو درختوں کے درمیان سے نکال کر لئے جا رہا تھا۔

درختوں کے اس ذخیرے میں سے نکلتے ہوئے انہیں کافی وقت لگ گیا...... جب

پھسلتی گاڑی ذخیرے میں سے باہر نکلی تو اس آدمی نے منہ سے ایک لمبی آواز نکال کر آگے جتے ہوئے رینڈیروں کی باگیں کھینچ لیں...... رینڈیر رک گئے...... گاڑی بھی رک گئی...... اب وہ آدمی گاڑی سے اتر گیا اور پولینا کے قریب آکر اس سے روسی زبان میں گفتگو کرنے لگا...... وہ بار بار ہاتھ سے سامنے برف کے صحرا کی طرف اشارہ کر رہا تھا...... پھر اس نے پولینا سے اور عمران سے ہاتھ ملایا اور درختوں کے ذخیرے میں واپس چلا گیا...... پولینا گاڑی کی سیٹ پر بیٹھ گئی اور اس نے باگیں سنبھال لیں...... عمران سمجھ گیا کہ آگے ان دونوں کو اکیلے ہی سفر کرنا ہوگا...... پولینا نے باگیں کھینچ کر انہیں ہلکا سا جھٹکا دیا اور منہ سے ایک آواز نکالی...... چھ کے چھ رینڈیئر گاڑی کو لے کر برف کے میدان میں چل پڑے۔

عمران نے پولینا سے پوچھا۔

"یہ فرشتہ صفت آدمی کون تھا پولینا؟"۔

پولینا نے اردو میں کہا۔

"یہ ایک الگ کہانی ہے...... اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں...... اس بڑے تھیلے میں ہمارے لئے خشک خوراک موجود ہے...... ایک چھوٹی کلہاڑی ہے جس سے ہم درختوں کی شاخیں کاٹ کر آگ جلا سکتے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"ہم کس طرف جا رہے ہیں؟"۔

پولینا نے کہا۔

"یہ ہماری زندگیوں کا سب سے لمبا اور تکلیف دہ سفر ہے...... ابھی میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی کہ ہم کہاں جا رہے ہیں...... بس اتنا ہی کافی ہے کہ ہم روس کے شہروں سے دور ہوتے جا رہے ہیں"۔

ساری رات گاڑی برف پر چلتی رہی۔

آسمان پر صبح کا اجالا پھیلنے لگا...... میں درمیان میں دو تین بار سو بھی گیا تھا...... برف کا میدان ختم ہو گیا اور دن کے اجالے میں بڑی بڑی چٹانیں اور جنگل نظر آ رہے تھے...... پولینا نے جنگل میں ایک جگہ گاڑی کھڑی کر دی...... ہم نے تھیلے میں سے خشک روٹی اور خشک گوشت نکالا...... میں نے کلہاڑی کی مدد سے درختوں کی شاخیں کاٹ کر آگ روشن کر دی...... پولینا نے ایک کیتلی میں برف ڈال کر اسے پگھلایا...... ہم نے پانی پیا...... رینڈیروں کے آگے خشک جھاڑیوں اور بعض درختوں کی پتوں والی جھاڑیاں کاٹ کر ڈال دیں...... رینڈیئر مزے سے یہ چارہ کھانے لگے...... ہم نے خشک گوشت کو گرم کیا اور خشک روٹی کے ساتھ کھانے لگے...... پھر چائے بنا کر پی۔



پولینا نے کہا۔

"ہم یہاں کچھ دیر آرام کریں گے...... جانوروں کو بھی آرام کی ضرورت ہے...... میں پہلے سوؤں گی"۔

اور وہ وہیں اپنے لمبے کوٹ میں سمٹ سمٹا کر لیٹ گئی...... تھوڑی دیر بعد عمران کو اس کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آنے لگی...... عمران دوسری طرف منہ کر کے بیٹھ گیا...... اس نے اپنے بائیں جبڑے کے نیچے آہستہ آہستہ دو تین مکے مارے...... گلے کو دبا کر نیچے سے اوپر کیا اور دوسرے لمحے منہ سے وہ چھوٹی سی سٹین لیس سٹیل کی ٹیوب نکال کر اسے دیکھنے لگا...... اس ننھی سی ٹیوب کے اندر بھارت اور روس کے درمیان ہونے والے فوجی معاہدے کی نیگیٹو فلم تھی جس میں اسلحہ اور اس جنگی سازوسامان کے پورے اعداد و شمار تھے جو روس بھارت کو فراہم کرنے والا تھا اور جو بھارت کشمیر میں اور پاکستان کے خلاف استعمال کرنے والا تھا...... اس فلم کو عمران نے اپنی جان سے لگا کر رکھا ہوا تھا اور اس وقت اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اس فلم کو پاکستان کی حکومت کے حوالے کرنا تھا تاکہ پاکستان اپنے دشمن نمبر ایک بھارت کے جنگی عزائم سے باخبر ہو سکے۔

عمران نے فلم کی ٹیوب واپس اپنے گلے کی پاکٹ میں چھپا دی...... پولینا گہری نیند سو رہی تھی...... اسی روز آسمان پر بادل گہرے ہو رہے تھے...... لگتا تھا کہ برف باری ہو گی...... پولینا دو گھنٹے سونے کے بعد اٹھ بیٹھی...... عمران نے کہا۔

"بادل گہرے ہو گئے ہیں...... برف گرنی شروع ہو گئی تو مشکل پیش آئے گی...... بہتر ہے کہ یہاں سے نکل چلیں"۔

انہوں نے جانوروں کو دوبارہ گاڑی کے آگے باندھا...... چیزیں سنبھال کر تھیلے میں بند کیں اور آگے چل پڑے...... آگے برف سے ڈھکے ہوئے چٹیل میدان نہیں تھے بلکہ زمین اونچی نیچی تھی...... بڑے بڑے پتھر اور برف سے ڈھکی ہوئی چٹانیں بھی تھیں اور جگہ جگہ برچ کے برف پوش درخت بھی تھے جن کی وجہ سے جانوروں کو اور گاڑی کو چلنے میں دقت پیش آ رہی تھی...... پولینا کہنے لگی۔

"معلوم ہوتا ہے ہمیں گاڑی کو یہیں کہیں چھوڑنا پڑے گا...... لیکن خیر ابھی تو چل رہے ہیں"۔

کچھ دور جانے کے بعد دوبارہ برف کے میدان شروع ہو گئے...... دوپہر کو انہوں نے ایک جگہ چند لمحوں کے لئے ٹھہر کر برف پگھلا کر چائے بنائی اور ایک خشک روٹی اس کے ساتھ کھائی اور پھر آگے چل پڑے...... پولینا نے نقشہ دیکھ کر معلوم کر لیا تھا کہ وہ صحیح راستے پر جا رہے ہیں...... جیسے ہی شام ہوئی برف گرنی شروع ہو گئی...... ساتھ ہی تیز ہوا بھی چلنے لگی...... پولینا اس ملک کی رہنے والی تھی، کہنے لگی۔

"لگتا ہے برفانی طوفان آ رہا ہے...... ہمیں ابھی سے رات گزارنے کے لئے کوئی محفوظ جگہ بنا لینی چاہئے"۔

کچھ سیاہ بادلوں اور کچھ شام کا اندھیرا چھانے کے باعث راستے کی سمت صحیح رکھنا بھی مشکل ہو رہا تھا...... ایک جگہ دو تین چٹانیں زمین سے باہر کو نکلی ہوئی تھیں...... برف زیادہ گرنے لگی تھی اور ہوا بھی طوفان کی شکل اختیار کر رہی تھی اور اس کا شور بلند ہو رہا تھا...... پولینا نے چٹان کی اوٹ میں گاڑی روک کر جانوروں کو کھول کر دوسری چٹان کی اوٹ میں بٹھا دیا...... دونوں رات بسر کرنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کرنے لگے۔ جس چٹان کی اوٹ میں انہوں نے گاڑی روکی تھی اس کی دوسری جانب چٹان کی

دیوار کے ساتھ ایک گڑھا سا بنا ہوا تھا...... گڑھے کے اندر برف جمی ہوئی تھی...... عمران نے کلہاڑی کی مدد سے برف کو کھرچ کر اتنی جگہ بنالی کہ اس میں دونوں گھس کر لیٹ سکتے تھے...... چٹان کی اوٹ کی وجہ سے اس طرف برف کے طوفان کو چٹان نے روک رکھا تھا...... پولینا نے کہا۔

"چلو کہیں سے گری پڑی شاخیں وغیرہ لا کر آگ جلا کر تھوڑا کھا پی لیتے ہیں...... برف زیادہ گری تو کچھ نہیں ملے گا"۔

کلہاڑی لے کر ادھر ادھر جھاڑیاں تلاش کرنے لگے...... ایک جگہ دو جھاڑیاں مل گئیں...... عمران نے کلہاڑی چلانی شروع کر دی...... پولینا شاخیں اکٹھی کرتی جاتی تھی...... نرم شاخیں انہوں نے جانوروں کے آگے ڈال دیں اور سخت شاخیں جلا کر انہوں نے آگ روشن کر کے چائے بنائی...... تھوڑا تھوڑا خشک گوشت تھیلے سے نکال کر کھایا اور سوکھی روٹی کے تین تین ٹکڑے چائے میں ڈبو کر کھا لئے......اس کے بعد وہ گڑھے میں گھس کر بیٹھ گئے...... گڑھا چٹان کے تھوڑا اندر تک چلا گیا تھا جس کے باعث برف ان کے اوپر نہیں گر رہی تھی...... جھاڑی کی چند ایک شاخیں لا کر عمران نے گڑھے کے اوپر بھی ڈال دی تھیں...... دونوں ساتھی اندھیرے میں بیٹھے تھے اور باتیں کرنے کی کوشش کر رہے تھے کیونکہ باہر برف کے طوفان نے شور مچا رکھا تھا...... سائبیریا کی یخ بستہ ہوائیں چیخیں مارتی ہوئی چل رہی تھیں...... ساری رات برف کا طوفان جاری رہا۔

دونوں کسی وقت سو جاتے اور کسی وقت طوفان کا شور انہیں جگا دیتا......اس طرح ساری رات گزر گئی...... دن چڑھا تو طوفان گزر چکا تھا...... عمران نے گڑھے کے اوپر پڑی ہوئی جھاڑیوں کو ایک طرف ہٹایا تو بہت سی برف اس کے اوپر گڑھے میں آ کر گری...... وہ منہ سر لپیٹ کر گڑھے سے باہر نکل آئے...... ہر طرف برف کی سفید چادر بچھی ہوئی تھی...... ہلکی ہلکی برف ابھی تک گر رہی تھی...... وہ برف میں سے گزرتے

رینڈیروں کے پاس گئے۔ رینڈیروں میں سے دو غائب تھے...... صرف چار باقی رہ گئے تھے۔

پولینا نے کہا۔

"رات کو برف کے شور میں میں نے بھیڑیوں کی چیخ و پکار سنی تھی...... دونوں جانوروں کو بھیڑیئے اٹھا کر لے گئے ہوں گے"۔

باقی جو جانور بچ گئے تھے وہ بھی اپنی اصلی جگہ پر نہیں تھے بلکہ وہاں سے کچھ فاصلے پر چٹان کے اوپر بیٹھے تھے...... انہوں نے یہی چار رینڈیئر غنیمت جانے اور انہیں گاڑی کے آگے لا کر جوت دیا...... پولینا نے نقشہ نکال کر دیکھا...... کہنے لگی۔

"ہمیں اب مغرب کی سمت ذرا اور بائیں جانب ہو کر سفر کرنا ہو گا...... یہ دیکھو...... نقشے پر جو یہ نشان لگے ہیں یہ ملک ایران اور روس کی سرحد کا پہاڑی سلسلہ ہے...... ہمیں ان پہاڑوں کی دوسری طرف جانا ہے اور ہم ایران کی سرحد میں داخل ہو جائیں گے"۔

عمران نے پولینا سے کوئی سوال نہ کیا کہ ان پہاڑوں میں ہم کب پہنچیں گے اور ایران کی سرحدی پولیس ہمیں پکڑ لے گی تو ہم کیا کہیں گے کہ ہم کہاں سے آ رہے ہیں...... وہ جانتا تھا کہ ایران کا سرحدی پہاڑی سلسلہ وہاں سے بہت دور واقع ہے۔

وہ دن بھی ان کا سفر میں گزر گیا...... رات انہوں نے ایک جگہ برف کے اندر گھس کر گزاری...... برف کے اندر بالکل سردی نہیں تھی اور وہ بڑے آرام سے سوتے رہے...... اگلا دن طلوع ہوا تو وہ پھر چل پڑے...... برف باری رک چکی تھی اور برف کے میدان بھی جیسے ختم ہو رہے تھے......ایک جگہ انہوں نے اونچی جگہ سے جھانک کر دوسری طرف دیکھا...... نیچے نشیب میں کچھ کھیت دکھائی دیئے۔

پولینا نے کسی قدر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"خدا کا شکر ہے ہم راستے سے بھٹکے نہیں...... دوسرے یہ کہ برفانی میدان ختم

ہو گئے ہیں...... مجھے یہ قزاخ کا علاقہ لگتا ہے...... اگر یہ قزاخ ہی ہے تو ہمیں یہاں سے ریل گاڑی مل سکتی ہے...... اس کے آگے اماؤ کی سطح مرتفع ہو گی اور پھر ایران، روس کا پہاڑی سلسلہ شروع ہو جائے گا"۔

انہوں نے پھسلنی گاڑی یعنی سلیج اور رینڈ یئر وہیں چھوڑ دیئے اور پیدل سفر شروع کر دیا...... وہ نشیب میں اتر کر کھیتوں میں آ گئے...... یہ جوار کے کھیت تھے تین چار چھوٹے سے کھیت تھے...... پولینا نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ نزدیک ہی کوئی گاؤں ضرور ہو گا"۔

وہ دوپہر تک چلتے رہے...... کہیں برف کے ٹکڑے آ جاتے...... کہیں گھاس کے چھوٹے چھوٹے میدان آ جاتے...... آخر انہیں ایک گاؤں نظر آیا...... یہ دس بارہ جھونپڑے نما مکان تھے...... پولینا نے ایک عورت سے روسی زبان میں گاؤں کا نام پوچھا...... اس نے کوئی نام بتایا...... دونوں نے کچھ دیر باتیں کیں...... اس عورت کا آدمی بھی آ گیا...... پولینا نے میاں بیوی کو اپنے بارے میں کچھ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا...... انہوں نے دودھ کے ساتھ جوار کے آٹے کی پکی ہوئی روٹیاں کھانے کو دیں...... پولینا نے ان سے بہت سی معلومات حاصل کر لی تھیں...... ایک گھنٹہ وہاں آرام کرنے کے بعد دونوں ایک بار پھر آگے چل پڑے۔

دیہاتی میاں بیوی سے انہیں جو معلومات حاصل ہوئی تھیں وہ یہ تھیں کہ آگے پچاس میل کے سفر کے بعد اشکایا کا قصبہ آئے گا جہاں سے انہیں قزاخ کوف تک ریل گاڑی مل جائے گی...... پولینا نے کہا۔

"ہم سائبیریا کے جہنم سے نکل آئے ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ زندہ سلامت نکل آئے ہیں...... اب ہم جنوب مغرب کی طرف سفر کر رہے ہیں"۔

اگرچہ اس علاقے میں بھی کہیں کہیں جمی ہوئی برف کے ٹکڑے نظر آ رہے تھے، مگر یہاں سائبیریا والی قاتل سردی نہیں تھی...... انہوں نے بمشکل چند میل کا فاصلہ

طے کیا تھا کہ رات ہو گئی...... رات انہوں نے وہیں میدان میں جگہ بنا کر گزار دی...... دیہاتی خاتون نے انہیں جوار کی کچھ روٹیاں دے دی تھیں...... انہوں نے سونے سے پہلے آگ جلا کر چائے بنائی اور جوار کی روٹی اس کے ساتھ کھائی...... وہ اپنے گرم لبادوں میں ہی گھس کر سوئے رہے...... رات کسی نہ کسی طرح گزر گئی۔

اگلے دن پھر پیدل سفر شروع ہو گیا۔

پولینا کی وجہ سے وہ زیادہ پیدل سفر نہیں کر سکتے تھے...... دن میں بمشکل تین چار گھنٹے سفر کرتے...... اب کہیں کہیں راستے میں آبادی آ جاتی تھی جہاں انہیں کھانے پینے کو مل جاتا تھا...... چوتھے روز دوپہر کے بعد وہ اشکایا کے قصبے میں پہنچ گئے...... یہاں سے انہیں قزاخ کوف تک ٹرین پکڑنی تھی...... وہ ریلوے سٹیشن پر آ کر بیٹھ گئے...... ریلوے سٹیشن پر انہوں نے گاڑی کا پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہاں سے شام کے بعد ایک ٹرین قزاخ کوف کے بڑے قصبے تک چلتی ہے...... اس کے آگے کوئی ریلوے ٹریک نہیں ہے...... شام کو انہوں نے اشکایا کے سٹیشن پر ہی کھانا کھایا...... پولینا کے جس دوست نے پولینا کے فرار کا بندوبست کیا تھا اسی نے اسے کچھ روبل بھی دیئے تھے جو راستے میں ان کے کام آ رہے تھے...... شام ہو گئی تو پلیٹ فارم پر ایک ٹرین آ کر لگی...... اس میں کچھ دیہاتی مسافر پہلے سے بیٹھے تھے...... پولینا کا روسی ہونا عمران کے بہت کام آ رہا تھا...... اسی نے ریل کے ٹکٹ خریدے...... اس کے لئے روسی زبان کوئی مسئلہ نہ تھا...... وہ انہی لوگوں میں سے تھی اور کسی کو اس پر شک بھی نہیں پڑ سکتا تھا۔

وہ دونوں بھی ٹرین میں سوار ہو گئے...... عمران نے دیکھا کہ دیہاتی مسافروں میں کچھ مسافر ایک دوسرے سے فارسی بھی بول رہے تھے...... یہ مسلمان تھے اور انہوں نے یا تو تاجکستانی چوگوشہ ٹوپیاں پہن رکھی تھیں یا بڑی خوبصورت پگڑیاں باندھی ہوئی تھیں...... یہ سرخ و سفید صحت مند لوگ تھے...... سٹیشن پر اس نے کچھ مسافروں کو نماز پڑھتے بھی دیکھا...... ریل گاڑی کے ڈبے خستہ حال تھے...... ٹرین روانہ ہو گئی......

وہ ایک خاص رفتار سے چل رہی تھی...... دونوں جانب رات کا اندھیرا گہرا ہو رہا تھا...... سفر بڑا لمبا تھا...... یہ سفر تین دن تک جاری رہا...... چوتھے روز ٹرین قزاخ کوف کے سٹیشن پر جا کر رک گئی...... ٹرین سے اتر کر پولینا اور عمران ریلوے سٹیشن کے احاطے میں ایک جگہ بنچ پر بیٹھ گئے...... دن کا وقت تھا، ناشتہ انہوں نے راستے میں ہی ایک سٹیشن پر اتر کر کر لیا تھا...... پولینا نے سب سے پہلے نقشہ دیکھا اور کہنے لگی۔

"یہاں سے اماؤ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے...... ہمیں اس میدان کو عبور کرنا ہے......اس کے آگے روس اور ایران کا درمیانی سرحدی پہاڑی سلسلہ شروع ہو جائے گا......ان پہاڑوں کی دوسری طرف ایران کا ملک ہے۔

عمران نے پوچھا کہ اماؤ کا میدانی یا پہاڑی علاقہ ہمیں کس طرح عبور کرنا ہو گا...... کیا وہاں سے کوئی سواری وغیرہ مل جائے گی؟ اس کے جواب میں پولینا نے کہا۔

"جہاں تک مجھے علم ہے اس نیم پہاڑی علاقے میں روس کی سرحد تک اونٹوں کے قافلے آتے جاتے ہیں...... ہم بھی کسی قافلے میں شامل ہو جائیں گے...... تم یہیں بیٹھو میں پتہ کر کے آتی ہوں کہ یہاں قافلے کہاں سے جاتے ہیں"۔

عمران کو سٹیشن پر چھوڑ کر پولینا قافلے کا پتہ کرنے چل دی...... پولینا کو یہ بڑی سہولت تھی کہ وہ روس کی باشندہ تھی اور روسی زبان بولتی تھی...... کچھ دیر کے بعد واپس آئی تو کہنے لگی۔

"یہاں قریب ہی ایک سرائے ہے، وہاں سے قافلے ایران کی سرحد کی طرف جاتے ہیں...... ایک قافلہ کل منہ اندھیرے روانہ ہو گا...... میرا خیال ہے ہمیں آج رات کارواں سرائے میں ہی گزارنی چاہیے...... چلو آؤ"۔

کارواں سرائے وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی...... کارواں سرائے کا ایک بڑا او محرابی دروازہ تھا جس کے اندر بڑا وسیع احاطہ تھا...... دونوں جانب مسافروں کی رہائش کے واسطے چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں...... احاطے میں ایک جانب بہت۔

اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے...... کچھ اونٹوں پر سامان لادا جا رہا تھا...... پولینا نے ایک کوٹھڑی کرائے پر لے لی...... کوٹھڑی میں پرانا قالین بچھا تھا...... میلے میلے گاؤ تکیے پڑے تھے کچھ پرانے کمبل بھی پڑے تھے...... پولینا نے قافلے کے لیڈر کو روسی سرحد تک دو آدمیوں کا کرایہ ادا کر دیا تھا...... رات گزر گئی...... دس بارہ اونٹوں پر مشتمل ایک قافلہ منہ اندھیرے روانہ ہو گیا...... پولینا اور عمران ایک ہی اونٹ پر سوار تھے...... قافلہ اماؤ کے سطح مرتفع پر دن کے بارہ بجے تک آہستہ آہستہ سفر طے کرتا رہا...... دوپہر کو ایک جگہ پڑاؤ کیا گیا...... یہاں مسافروں نے کھانا وغیرہ کھایا اور قافلہ پھر آگے روانہ ہو گیا۔

اسی طرح قافلہ تین دن تک سفر کرتا رہا...... چوتھے روز قافلہ روس کے سرحدی قصبے اماؤ پہنچ گیا...... یہاں سے پولینا اور عمران کو ایک پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے ایران پہنچنا تھا...... یہ بڑا کٹھن سفر تھا، لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا...... اماؤ کی کارواں سرائے میں کچھ دن آرام کرنے اور پہاڑی سفر میں کام آنے والا کچھ سامان خریدنے کے بعد پولینا اور عمران پہاڑوں کی طرف روانہ ہو گئے...... خشک خوراک اور پانی کا کافی ذخیرہ پلاسٹک کی بوتلوں کی شکل میں انہوں نے اپنے پاس رکھ لیا تھا...... پہاڑی سفر بڑا جان جوکھوں کا کام تھا...... دن میں وہ بڑی مشکل سے تین چار گھنٹے کی مسافت طے کرتے...... پولینا کے پاس جو چھوٹا سا نقشہ تھا وہ ان کی راہ نمائی کر رہا تھا...... ایک پہاڑ سے اترتے تو دوسرے پہاڑ کی چڑھائی شروع ہو جاتی...... اسی طرح سفر کرتے کرتے انہیں دو ہفتے گزر گئے...... آخر پہاڑوں کا دشوار گزار سلسلہ ختم ہو گیا اور سامنے میدان نظر آنے لگا...... وہ ایک جگہ کمر کے ساتھ بندھا ہوا سامان اتار کر بیٹھ گئے...... ان کے پاس خوراک اور پانی کا ذخیرہ تقریباً ختم ہو گیا تھا...... سارا دن اور ساری رات انہوں نے اسی جگہ آرام کیا۔

دوسرے دن وہ جنوب مغرب کی سمت چل پڑے۔

یہاں بڑی خشک سردی پڑ رہی تھی...... شمال کی جانب کوہ البرز کی چوٹیاں برف

سے ڈھکی ہوئی تھیں...... انہیں ایک چھوٹا سا گاؤں نظر آیا...... یہ تاجیک مسلمانوں کا گاؤں تھا...... ابھی تک وہ روس کے علاقے میں ہی تھے...... انہوں نے گاؤں کی مسجد کے امام سے ملاقات کی اور انہیں اپنی ساری سرگزشت سنادی...... امام مسجد نے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا...... امام مسجد فارسی زبان بولتا تھا مگر تھوڑی تھوڑی اردو بھی بول لیتا تھا...... امام مسجد کی زبانی انہیں معلوم ہوا کہ وہاں سے ایران کی سرحد دس پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر تھی اور وہاں روسی سرحد پر روس کی بارڈر پولیس اور ایرانی سرحد پر ایران کی بارڈر پولیس تعینات تھی...... اس کے علاوہ دونوں جانب دونوں ملکوں کی گشتی پولیس پارٹیاں بھی جیپوں پر گشت لگاتی رہتی تھیں...... امام مسجد نے کہا۔

"کوئی چڑیا بھی سرحد پار کرے تو دونوں طرف کی بارڈر پولیس کو خبر ہو جاتی ہے"۔

عمران نے امام صاحب سے پوچھا۔

"ان حالات میں آپ ہمیں کیا مشورہ دیتے ہیں؟"۔

امام مسجد کہنے لگا۔

"میں آپ کو ایک آدمی سے ملائے دیتا ہوں...... وہ غیر قانونی طور پر ایران آتا جاتا رہتا ہے...... وہ بڑے بھروسے کا آدمی ہے...... اگر وہ راضی ہو گیا تو تمہیں اپنی حفاظت میں ایران پہنچادے گا"۔

یہ بڑی معقول تجویز تھی...... اسی رات امام صاحب نے پولینا اور عمران کو اس خاص آدمی سے ملوادیا...... اس کا نام شہریار تھا...... شکل ہی سے سمگلر لگتا تھا...... اس نے دوسری رات پولینا اور عمران کو روس اور ایران کی سرحد پار کرادی...... وہ ایران کی ایک کارواں سرائے میں آکر ٹھہرے...... کارواں سرائے میں امام خمینی کی دیوار پر لگی تصویر کو دیکھ کر دونوں نے اطمینان کا سانس لیا کہ وہ روس کے ملک سے نکل آئے تھے...... ان کے پاس کوئی پاسپورٹ وغیرہ نہیں تھا...... وہ ایران میں پکڑے جا سکتے تھے، لیکن

پولینا نے بڑی عقلمندی کا مشورہ دیا...... اس نے عمران سے کہا۔

"بہتر یہی ہے کہ ہم کسی قریبی قصبے یا شہر کے پولیس سٹیشن پر جاکر پولیس کو صاف صاف سارے حالات بیان کردیں...... میں اس کے ساتھ ہی ایران میں سیاسی پناہ حاصل کرنے کی درخواست دے دوں گی...... تم پاکستانی ہو...... تم بھی یہی کہنا کہ تم روس کی ساحت کو آئے تھے کہ روسی پولیس نے پکڑ کر سائبیریا بھیج دیا...... ایران اور پاکستان کے بڑے اچھے تعلقات ہیں مجھے یقین ہے کہ ایرانی حکام تمہیں پاکستانی سفارت خانے کے حوالے کردیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"اور اگر انہوں نے تمہیں بھی روسی سفارت خانے کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرلیا تو کیا کرو گی"۔

پولینا نے کہا۔

"میں تو روسی حکومت کے ظلم و ستم سے تنگ آکر ایران سے سیاسی پناہ کی خواست کروں گی...... وہ مجھے روسی سفارت کاروں کے کیسے حوالے کردیں گے...... سی سفارت کار تو مجھے اسی وقت گرفتار کرلیں گے...... مجھے یقین ہے کہ ایرانی حکام رے ساتھ بھی ہمدردی سے پیش آئیں گے"۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ ایرانی سرحد کے کسی قریبی شہر کی طرف چل ے...... شہر میں پہنچنے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کردیا اور نوں نے وہی بیان دیئے جو حقیقت پر مبنی تھے...... بہرحال پولیس نے انہیں حراست ں لے کر تہران کے پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچادیا...... ایرانی انٹیلی جنس اور ایرانی پولیس ے دو افسروں نے پولینا اور عمران سے پوچھ گچھ شروع کردی...... پولینا اور عمران نے صحیح صورت حال تھی وہی بیان دہرادیا اور کہا کہ ہم لوگ روس کی جیل سے فرار ئے ہیں اور سائبیریا کے برفانی صحرا عبور کرکے ایران پہنچے ہیں...... پولینا نے کہا۔

"میں لینن گراڈ یونیورسٹی میں اردو کی پروفیسر تھی اور مجھے صدر ریلسن کی حکومت نے نظریاتی اختلاف کے باعث گرفتار کر کے سائبیریا کے مشقتی کیمپ میں بھیج دیا تھا..... آپ لوگ اس کی تصدیق کر سکتے ہیں"۔

عمران نے کہا کہ وہ روس کی سیاحت کرنے آیا تھا کہ غلطی سے ایک حساس ادارے کے آفس کے قریب چلا گیا جس کی بناء پر اسے جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا گیا اور اسے سخت اذیت دی گئی اور پھر سائبیریا کے لیبر کیمپ میں بھیج دیا۔

پولیس افسروں کو ان کے بیان پر یقین ہو گیا تو پولینا نے کہا۔

"میں ایران کی حکومت سے سیاسی پناہ کی درخواست کرنا چاہتی ہوں..... کیونکہ صدر ریلسن کی حکومت سے میرا نظریاتی اختلاف ہے..... اگر آپ نے مجھے روسی سفارت خانے کے حوالے کیا تو وہ مجھے واپس روس میں کے جی بی کے حوالے کر دیں گے جو مجھے ہلاک کر ڈالے گی"۔

عمران نے کہا۔

"آپ مجھے پاکستانی سفارت خانے کے حوالے کر سکتے ہیں، کیونکہ میری ساری فیملی پاکستان میں رہتی ہے اور میں پاکستانی ہوں"۔

ایرانی پولیس چیف نے پولینا سے کہا۔

"ہم تمہیں روسی سفارت خانے کے حوالے نہیں کریں گے..... ہم تمہارے بیان پر یقین کر لیتے ہیں، لیکن تمہیں ایران میں سیاسی پناہ بھی نہیں دے سکتے، کیونکہ اس طرح سے روس اور ایران کے درمیان جو دوستانہ تعلقات ہیں ان پر منفی اثر پڑ سکتا ہے"۔

پولینا نے کہا۔

"تو پھر مجھے بھی عمران کے ساتھ ہی پاکستانی سفارت خانے کے حوالے کر دیں..... میں اس کے ساتھ ہی پاکستان چلی جاؤں گی"۔

پولیس چیف نے کہا۔

"ہم ایسا کر سکتے ہیں مگر پاکستانی سفارت خانہ تمہیں قبول نہیں کرے گا اور نہ ہی تمہیں اپنے ملک میں سیاسی پناہ دے گا..... ہاں اگر تم چاہو تو ہم تمہیں یہاں سے فرانس یا انگلستان جانے کی اجازت دے سکتے ہیں، لیکن اس کے لئے بھی تمہیں روسی سفارت خانے والوں سے اپنا پاسپورٹ وغیرہ بنوانا پڑے گا"۔

پولینا نے کہا۔

"یہ تو وہی بات ہوئی..... روسی سفارت کار تو مجھے فوراً پکڑ لیں گے..... وہ کبھی مجھے پاسپورٹ بنا کر نہیں دیں گے"۔

پولیس چیف نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"پھر ہم مجبور ہیں کہ تمہیں یہی کہیں کہ واپس روس چلی جاؤ اور ان کے آگے اپنے مقدمے کی وکالت کرو"۔

پولینا نے کہا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ مجھے تہران میں کچھ روز قیام کرنے کی اجازت دے دیں..... اس دوران میں سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کر سکوں گی کہ مجھے کیا کرنا چاہئے"۔

پولیس چیف بولا۔

"عمران کو تو ہم پاکستانی سفارت خانے پہنچا دیں گے لیکن تمہیں تہران میں پولیس کی نگرانی میں رہنا ہو گا اور تم اپنی رہائش گاہ سے باہر نہیں نکل سکو گی"۔

پولینا پریشان ہو گئی..... عمران بھی فکر مند ہوا کہ پولینا کس مصیبت میں پھنس گئی ہے..... اس سے تو بہتر تھا کہ وہ لوگ پولیس سٹیشن جانے کی بجائے اپنے طور پر پاکستان کی سرحد پار کرنے کی کوشش کرتے اور کوئٹہ پہنچ جاتے، مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا.....

عمران پولینا کو اس حالت میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑنا چاہتا تھا لیکن وہ ایرانی پولیس کو دھوکا دے کر پولینا کے ساتھ سرحد کی طرف فرار بھی نہیں ہونا چاہتا تھا..... اس کی وجہ یہ تھی کہ ایران کے پاکستان کے ساتھ بڑے برادرانہ تعلقات تھے..... وہ اپنی کسی

حرکت سے ان تعلقات پر برا اثر نہیں ڈالنا چاہتا تھا...... اس مسئلے کو پولینا نے خود ہی حل کر دیا...... اس نے عمران سے کہا۔

"عمران! لگتا ہے یہاں سے تمہارے اور میرے راستے جدا ہو رہے ہیں...... تم پاکستانی سفارت خانے چلے جاؤ...... مجھے میرے حال پر چھوڑ دو...... میں اپنا کچھ نہ کچھ ایسا انتظام کر لوں گی کہ مجھے واپس روس نہ جانا پڑے"۔

عمران نے کہا۔

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے پولینا؟ تم یہاں کیا کر سکو گی"۔

پولینا نے سختی سے کہا۔

"میں نے تمہیں اپنا فیصلہ سنا دیا ہے...... تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم میرے فیصلے کو بدلنے کی کوشش کرو"۔

عمران آگے سے کوئی جواب نہ دے سکا۔

چنانچہ اسی روز دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے...... پولینا پولیس کی حراست میں ہی رہی اور عمران کو ایرانی پولیس چیف نے پاکستانی سفارت خانے کے حوالے کر دیا...... پاکستانی سفارت خانے کے افسر خاص نے عمران کو اپنے ہاں پناہ تو دے دی مگر ایرانی حکام کے جانے کے بعد وہ عمران پر برس پڑا کہ تم لوگ سمگلنگ کرتے پھرتے ہو...... جب دوسرے ملک کی پولیس تمہیں پکڑ کر قید کر لیتی ہے تو جیل توڑ کر بھاگ جاتے ہو اور ہمیں بدنام کرنے کے لئے ہمارے پاس آ جاتے ہو...... عمران سفارت کار کی سرزنش کو خاموشی سے سنتا رہا...... جب سفارت کار اس پر کافی برس چکا تو عمران نے کہا۔

"برائے مہربانی مجھے پاکستانی سفیر سے ملا دیا جائے...... میں ان سے ایک اہم معاملے پر زبانی گفتگو کرنا چاہتا ہوں"۔

سفارت کار نے سختی سے جواب دیا۔

"سفیر صاحب سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے...... آپ وہاں بیٹھ

جائیں...... آپ لوگوں کی وجہ سے ہماری بدنامی ہوتی ہے...... آپ اپنی مصیبت لے کر ہمارے پاس آ گئے ہیں...... ہم آپ کو پاکستانی پولیس کے حوالے کر دیں گے...... پھر وہ جانیں اور آپ جانیں"۔

عمران نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔

"میں آپ کو ایک ٹیلی فون نمبر دیتا ہوں...... اس نمبر پر میری بات کرا دیں...... آپ کی عنایت ہو گی"۔

سفارت کار افسر کا پارہ ایک بار پھر چڑھ گیا...... کہنے لگا۔

"ہم ٹیلی فون پر آپ کی کسی سے بات نہیں کرا سکتے...... آپ تشریف رکھیں...... آپ کو پاکستان پہنچا دیا جائے گا"۔

اسی دوران عمران نے میز پر پڑی ہوئی پنسل اٹھا کر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر ایک نمبر لکھا اور سفارت کار کے سامنے رکھ دیا...... یہ اسلام آباد میں دفتر خارجہ کے ایک اہم ترین عہدیدار کا نمبر تھا۔

"برائے مہربانی اس نمبر پر میری بات کرا دیں"۔

سفارت کار نے کاغذ پر لکھے ہوئے نمبر کو نگاہ غلط انداز سے دیکھا اور کاغذ کو ردی کی ٹوکری میں پھینکنا چاہتا تھا کہ نمبر پڑھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹھک گئے...... ٹیلی فون نمبر کو غور سے پڑھا...... پھر عمران کی طرف دیکھا اور قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"جانتے ہو یہ نمبر کس کا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں تو جانتا ہوں کہ یہ نمبر کس کا ہے...... آپ میری ان سے بات کرا دیجئے...... پھر آپ کو بھی پتہ چل جائے گا کہ میں نے یہ نمبر آپ کو کس لئے دیا ہے"۔

ٹیلی فون نمبر کو پڑھنے کے بعد قدرتی طور پر سفارت کار کا لہجہ ایک دم نرم پڑ گیا

تھا، لیکن اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ شخص میلے کچیلے کپڑوں میں اس کے سامنے کھڑا ہے اور جس کے پاس نہ پاسپورٹ ہے نہ ویزا ہے...... اس نمبر پر بات کر سکتا ہے، مگر نمبر حکومت کی ایک ایسی شخصیت کا تھا کہ سفارت کار بھی ایک دفعہ اندر سے ہل گیا تھا...... عمران نے کہا۔

"پلیز! یہ نمبر ملا دیجئے...... یہ بہت ارجنٹ ہے"۔

سفارت کار نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرتے ہوئے عمران سے پوچھا۔

"میں کیا کہوں کہ کون بات کرنا چاہتا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"کہہ دیجئے نمبر ٹوز یرووِن آپ سے بات کرنا چاہتا ہے"۔

سفارت کار کڑوا گھونٹ پی کر رہ گیا...... اسلام آباد کا نمبر لگ گیا...... دوسری طرف سے سیکرٹری نے پوچھا۔

"یس؟ کون صاحب؟"۔

سفارت کار نے کہا۔

"میں تہران کے پاکستانی سفارت خانے سے سیکرٹری بول رہا ہوں...... مجھے صاحب سے بات کرنی ہے"۔

"ایک سیکنڈ ہولڈ کیجئے" دوسری طرف سے آواز آئی۔

سفارت کار نے ریسیور تھامے رکھا اور مشکوک نظروں سے عمران کو دیکھنے لگے...... عمران کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا...... سفارت کار نے عمران کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا تھا جیسا کہ ایک سفارت کار کو اپنے وطن کے باشندے کے ساتھ کرنا چاہئے، جبکہ اس کے پاس عمران کے سمگلر ہونے کا کوئی ثبوت بھی نہیں تھا...... ایک دو سیکنڈ کے بعد سفارت کار کے چہرے پر خوشامدانہ مسکراہٹ آ گئی...... بولا۔

"سر! السلام علیکم! سر! میں...... تہران کے سفارت خانے سے بول رہا ہوں...... سر...... ایک صاحب میرے سامنے بیٹھے ہیں...... وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں"۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔

"یہ کون صاحب ہیں؟ ان کا نام کیا ہے؟"۔

سفارت کار نے کہا۔

"سر! وہ اپنا نام ٹوز یرووِن بتاتے ہیں"۔

دوسری جانب سے آواز آئی۔

"ان سے فوراً بات کرائیں"۔

سفارت کار نے بادل نخواستہ ریسیور عمران کے حوالے کر دیا...... عمران نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

"السلام علیکم سر! ...... میں اس وقت تہران میں ہوں سر...... بس پہنچ گیا ہوں...... جی ہاں وہ خاص چیز جس کی میرے ملک کو ضرورت تھی میرے پاس ہی ہے...... تھینک یو سر!"۔

اور عمران نے ریسیور سفارت کار کی طرف بڑھا دیا۔

"صاحب! آپ سے بات کریں گے"۔

"یس سر!" سفارت کار نے جلدی سے کہا...... "جی...... جی...... میں سمجھ گیا سر...... جی...... او کے سر! بے فکر رہئے"۔

"تھینک یو سر!"۔

سفارت کار نے ریسیور ٹیلی فون پر رکھ دیا اور عمران کی طرف معذرت طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے پہلے ہی بتا دیا ہوتا...... بہر حال میں معذرت چاہوں گا...... میرے ساتھ تشریف لائیے...... میں آپ کو سفیر صاحب سے ملواتا ہوں"۔

سفارت کار عمران کو سفیر صاحب کے کمرے کے پاس لے آیا...... پہلے وہ خود اندر گیا اور سفیر صاحب کو وہ ساری بات بتادی جوان کے اور اسلام آباد کے دفتر خارجہ کے درمیان ہوئی تھی...... سفیر صاحب نے کہا۔

"انہیں اندر لے آئیں...... باہر کیوں کھڑا کیا ہے"۔

اصل میں یہ عمران کو نہیں بلکہ عمران کے وطن پاکستان کو عزت واحترام دیا جارہا تھا...... سفارت کار جلدی سے باہر آکر عمران کو اپنے ساتھ اندر لے گیا...... سفیر صاحب عمران کو اٹھ کر ملے...... کہنے لگے۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے...... آپ کب پاکستان تشریف لے جانا چاہتے ہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"میری طرف سے مجھے آج ہی بھجوا دیجئے"۔

سفیر صاحب نے فرمایا۔

"اگر آپ کا ارادہ ابھی جانے کا ہے تو میں ابھی فسٹ سیکرٹری صاحب کے ساتھ سفارتی گاڑی میں آپ کو اسلام آباد بھجوائے دیتا ہوں، لیکن میرا خیال ہے آپ بہت تھکے ہوئے ہیں...... آپ آج رات سفارت خانے میں آرام فرمائیں...... کل صبح ہمارے سیکرٹری صاحب آپ کو اسلام آباد لے جائیں گے...... جیسے آپ کی مرضی ہو ہم ویسے ہی کریں گے"۔

عمران ویسے بھی بہت تھکا ہوا تھا...... اس کے کپڑے بھی میلے ہو چکے تھے اور اسلام آباد کے سرد موسم کے مقابلے میں بہت زیادہ گرم تھے...... اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... میں آج رات ٹھہر جاتا ہوں...... میں اپنا لباس بھی تبدیل کرنا چاہوں گا"۔

سفیر صاحب نے کہا۔

"اس کی فکر نہ کریں...... سیکرٹری صاحب آپ کو تہران مارکیٹ میں ریڈی میڈ کپڑوں کی دکان پر لے جائیں گے...... آپ اپنی پسند کے کپڑے خرید لیجئے گا"۔

شام کے وقت سیکرٹری صاحب عمران کو ساتھ لے کر تہران کی خاص مارکیٹ میں چلے گئے...... عمران نے ریڈی میڈ کپڑوں کی دکان سے اپنے لئے ایک گرم پتلون، ایک قمیض اور چمڑے کی جیکٹ اور جوتے خریدے اور واپس سفارت خانے آگیا...... رات کا کھانا اس نے سفارت خانے میں ہی سفیر صاحب اور سیکرٹری صاحب کے ساتھ کھایا...... دوسرے دن علی الصبح وہ سفارت خانے کی سفارتی گاڑی میں سیکرٹری صاحب کے ساتھ بیٹھ کر اسلام آباد روانہ ہو گیا...... راستے میں سیکرٹری صاحب نے عمران کے ساتھ بے تکلفی سے بات کرنے کی ایک دو بار کوشش کی مگر عمران نے زیادہ تر خاموشی اختیار کئے رکھی۔

اسلام آباد پہنچنے کے بعد عمران سیدھا اس شخصیت کے پاس گیا جس نے سفارت خانے میں فون کیا تھا...... میں یہاں ان کا نام اور عہدہ نہیں لکھوں گا...... آپ انہیں مسٹر زیڈ کہہ لیجئے...... مسٹر زیڈ کے ساتھ فوٹوگرافی اور الیکٹرانکس کا ایک ماہر بھی تھا جس کا تعلق سیکرٹ سروس سے تھا...... عمران نے مسٹر زیڈ کو فلم کی ٹیوب دی جو اس نے پہلے ہی سے نکال کر اپنی جیب میں رکھ لی تھی...... مسٹر زیڈ نے وہ ٹیوب الیکٹرانکس کے ماہر کے حوالے کر دی...... اس نے وہیں ساتھ والے کمرے میں جا کر فلم کو ڈیویلپ کرنا شروع کر دیا...... مسٹر زیڈ اور عمران اس کے ساتھ ہی موجود تھا...... سفید روغنی کاغذ پر ایک نقطے کی تصویر آگئی...... یہ فلم کے نیگیٹو کا عکس تھا...... آہستہ آہستہ نقطہ پھیلنے لگا اور پھیلتے پھیلتے ایک فل سکیپ کاغذ کی تحریر میں تبدیل ہو گیا...... فوٹو گرافر نے نیگیٹو کو کیمیکلز میں ڈال کر ڈیویلپ کیا اور فوٹو کاپی نکال کر مسٹر زیڈ کے حوالے کر دی...... مسٹر زیڈ عمران کے ساتھ اپنے کمرے میں آگئے اور بڑے تجسس اور اشتیاق کے ساتھ فوٹو کاپی پر تحریر اعداد و شمار پڑھنے لگے...... عمران نے کہا۔

"سر! یہ بمبئی میں بھارت اور روس کے مابین ہونے والے جنگی معاہدے کے وہ صحیح اعداد و شمار ہیں جو روس بھارت کو جنگی ساز و سامان کی صورت میں سپلائی کرنے والا ہے"۔

مسٹر زیڈ نے عمران سے ہاتھ ملا کر کہا۔

"کمانڈو عمران! تم نے بلاشبہ ملک کی بہت بڑی خدمت کی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"سر! میں نے اپنی ڈیوٹی ادا کی ہے...... میں نے وہ فرض ادا کیا ہے جو میرے وطن پاکستان نے مجھ پر عائد کیا تھا اور پاکستان کے لئے تو ہم پاکستان کے کمانڈو اپنی جان بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کریں گے"۔

"جزاک اللہ! جزاک اللہ!"۔

مسٹر زیڈ بے اختیار پکار اٹھے۔

عمران نے کہا۔

"سر! میرا ساتھی کمانڈو جبران بمبئی میں میرا انتظار کر رہا ہے...... اس کو کچھ معلوم نہیں کہ مجھ پر کیا گزری ہے اور میں کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہوں...... میری درخواست ہے کہ مجھے اب اجازت دیجئے میں جتنی جلدی ہو سکے بمبئی اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچنا اور انہیں اپنے مشن کی کامیابی کی خوشخبری سنانا چاہتا ہوں"۔

مسٹر زیڈ نے کہا۔

"اس سلسلے میں ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں...... ہمیں بتاؤ"۔

عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شیر اور پاکستانی کمانڈو جہاں جاتے ہیں اپنی خوراک اور وسیلے خود ہی پیدا کر لیتے ہیں...... شکریہ...... اب مجھے اجازت دیجئے"۔

مسٹر زیڈ نے کہا۔

"اگر تمہیں پیسوں کی ضرورت ہو تو تم جتنی رقم چاہو ہم سے لے سکتے ہو؟"۔

عمران بولا۔

"سر! یہ رقم جو آپ کے پاس ہے وہ میرے غریب عوام کی امانت ہے...... اسے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کیجئے...... میں اپنے وطن میں ہوں، یہاں میرا گھر ہے...... میرے دوست ہیں اور میرے اپنے پیسے بھی بنک میں جمع ہیں...... خدا حافظ"۔

عمران نے مسٹر زیڈ سے ہاتھ ملایا اور آفس سے نکل گیا...... اسی روز رات کی گاڑی سے عمران لاہور چلا گیا...... لاہور میں اس نے رات اپنے گھر والوں کے ساتھ گزاری...... اس کے گھر والوں نے عمران سے کچھ نہ پوچھا کہ وہ اتنے دن کہاں رہا...... نہ ہی عمران نے انہیں اپنے ایڈونچر اور اپنی ڈیوٹی کے بارے میں کچھ بتایا...... عمران کے گھر والوں کو معلوم تھا کہ اس کی ڈیوٹی کی نوعیت اس قسم کی ہے کہ اسے کچھ معلوم نہیں کہاں کہاں جانا پڑتا ہے...... اگلے دن عمران نے بنک میں اپنی جمع شدہ محدود سی رقم میں سے کچھ پیسے نکلوائے اور گھر میں کسی کو اطلاع دیئے بغیر سیدھا ریلوے سٹیشن پہنچا اور ٹرین میں سوار ہو گیا...... اسے معلوم تھا کہ یہ ٹرین کس وقت لاہور کے سٹیشن سے چلتی ہے...... یہ ٹرین جس شہر کو جا رہی تھی ہم اس شہر کا نام یہاں مصلحت کی بناء پر نہیں لکھ رہے، کیونکہ اس شہر سے پچاس میل شمال کی جانب کمانڈو عمران نے بھارت کا بارڈر کراس کرنا تھا...... ہم یہ بھی نہیں لکھیں گے کہ عمران نے کیسے اور کس جگہ سے بارڈر کراس کیا اور وہ کون لوگ تھے جنہوں نے عمران کو بارڈر کراس کرایا۔

کمانڈو عمران بھارت کی سرزمین میں پہنچ گیا، جہاں سے اس نے بارڈر پار کیا تھا وہاں سے وہ ایک لاری میں بیٹھا اور پورا ایک دن اور ایک رات کا سفر طے کر کے مقبوضہ کشمیر پہنچ گیا...... یہاں اس نے پہلی فرصت میں کشمیری مجاہدین سے ملاقات کی...... ان کی زبانی عمران کو معلوم ہوا کہ بھارت کارگل سیکٹر میں کسی بڑے حملے کی

تیاریاں کر رہا ہے...... کشمیری مجاہدین غفار بٹ نے اسے بتایا کہ بھارت اس دفعہ مجاہدین کے خلاف اپنی ایئر فورس استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہے...... اس نے کہا۔

”سری نگر ایئر پورٹ پر بھارت کے روسی ساخت کے ستر 70 بمبار طیارے اور اتنی ہی تعداد میں لڑاکا مگ طیارے بالکل تیار کھڑے ہیں...... کارگل سیکٹر میں بھارت نے اپنی ایک ڈویژن فوج کے علاوہ بو فورس توپوں پر مشتمل اپنا توپ خانہ بھی لے آیا ہے...... ان میں فیلڈ گنیں بھی ہیں اور میڈیم توپیں بھی ہیں...... اس کی وجہ یہ ہے کہ مجاہدین نے کارگل سیکٹر میں بھارتی فوج کی تین اہم چوکیوں پر قبضہ کر لیا ہے جس سے بھارتی سنیا کی سیاہ چین کی سپلائی کا راستہ بند ہو گیا ہے“۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

”اگر بھارت نے ایئر فورس استعمال کی تو ہمارے مجاہدین کو بھاری نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے، کیونکہ ان کے پہاڑی کی ڈھلانوں پر مورچے ہیں“۔

مجاہد غفار بٹ بولا۔

”اس طرح بھارت کو بھی شدید خطرہ ہے کہ مجاہدین اس کے بمبار اور لڑاکا طیاروں کو بڑی آسانی سے گرا سکیں گے، کیونکہ بھارت کے جہاز مجاہدین کے مورچوں کے سامنے سے ہو کر گزریں گے اور وہ مجاہدین کی زد میں ہوں گے“ اس کے باوجود خطرہ ہے کہ کہیں مجاہدین کو بھاری جانی نقصان نہ اٹھانا پڑے، کیونکہ مجاہدین کے پاس اتنا اسلحہ نہیں ہے کہ وہ آمنے سامنے کی جنگ میں اسلحہ اور جنگی ساز و سامان کے اعتبار سے بھارتی فوج کا زیادہ دیر تک مقابلہ کر سکیں“۔

”تمہارے خیال میں مجاہدین کو کیا کرنا چاہئے؟“ عمران نے پوچھا...... غفار بٹ بولا۔

”مجھے ملنے والی رپورٹ کے مطابق کارگل سیکٹر میں تعینات بھارتی فوج کو بہت بڑی مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود سپلائی کیا جا رہا ہے...... بھارت یہاں ٹینک بھی لا رہا

ہے...... ہمیں بھارت کی فوجی طاقت کی مکمل رپورٹ چاہئے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ بھارت کارگل سیکٹر میں کس پہاڑی پر توپوں کے مورچے تیار کر رہا ہے...... ہمارے مجاہدین نے یہ اطلاعات حاصل کرنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن ہم ناکام رہے ہیں...... بھارتی فوج نے کارگل کی پہاڑیوں کے بالکل سامنے والی پہاڑی پر مورچے قائم کئے ہوئے ہیں...... اس پہاڑی اور اس کے ساتھ والی پہاڑی پر بھارتی توپ خانے نے خفیہ جگہوں پر توپیں نصب کر دی ہیں، مگر ان توپوں کو اسی طرح کیموفلاج کیا گیا ہے کہ لاکھ کوشش کے باوجود ہمارے مجاہدین توپوں کے مورچوں کا کھوج نہیں لگا سکے۔

عمران نے کہا۔

”میں نے راستے میں جموں کشمیر روڈ پر بھارتی فوج کانوائیوں کی غیر معمولی نقل و حرکت نوٹ کی تھی...... میرا خیال تھا کہ یہ کانوائے معمول کے مطابق مقبوضہ کشمیر میں سپلائی وغیرہ لے کر جا رہے ہیں، لیکن اگر بھارتی سینا نے کارگل پر قبضہ کر لیا تو مجاہدین کی سپلائی لائن کٹ جائے گی...... مجھے تم صرف دو دن کی مہلت دے دو...... اس دوران میں کارگل سیکٹر میں بھارت کی فوجی نفری اور توپ خانے کی صحیح صورت حال بھی معلوم کرتا ہوں“۔

اصل میں عمران کو واپس بمبئی جانا تھا جہاں اس کا ساتھی کمانڈو جبران اور ستار سیٹھ اس کی راہ دیکھ رہے تھے، چنانچہ عمران اسی روز بمبئی روانہ ہو گیا...... بمبئی پہنچ کر وہ ستار سیٹھ کو ان کے آفس میں ملا...... ستار سیٹھ نے کمانڈو عمران کو گلے لگا لیا...... کہنے لگے۔

”سچی بات تو یہ ہے کہ ہم تمہاری طرف سے صبر کر کے بیٹھ گئے تھے...... ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ روسی جہاز میں تم پکڑے گئے ہو اور زندہ نہیں بچے...... تمہیں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے...... یہ بتاؤ کہ جس مشن کو لے کر تم گئے تھے اس میں کامیاب

ہوئے ہو کہ نہیں؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا مشن کامیاب رہا ہے اور میں نے فوجی معاہدے کی فوٹو کاپی پاکستان کے حوالے کر دی ہے جس میں روس کی طرف سے بھارت کو پاکستان کے خلاف سپلائی ہونے والے فوجی سازوسامان کی پوری فہرست درج تھی"۔

"الحمد اللہ!" ستار سیٹھ بے اختیار پکار اٹھے...... عمران نے کمانڈو جبران کا پوچھا...... ستار سیٹھ بولے۔

"وہ خیریت سے ہے...... تمہاری طرف سے بڑا پریشان تھا...... میں ابھی اسے بلواتا ہوں...... تم میرے ریسٹ ہاؤس میں جا کر اس کا انتظار کرو"۔

ایک گھنٹے بعد کمانڈو جبران عمران کے پاس بیٹھا تھا اور عمران اسے مختصراً اپنی کہانی بیان کر رہا تھا...... اس کے بعد عمران نے کارگل سیکٹر میں بھارت کی فوجوں کے اجتماع اور وہاں پہنچائی جانے والی بوفورس توپوں اور سرینگر ایئرپورٹ پر بھارت کے بمبار اور لڑاکا طیاروں کی موجودگی کا ذکر کیا تو جبران نے کہا۔

"کارگل سیکٹر میں کشمیری مجاہدین نے تین چار بڑی اہم چوکیوں پر قبضہ کر لیا ہے جس کی وجہ سے سیاچن کی بھارتی فوجوں کی سپلائی لائن کٹ گئی ہے...... بھارت یقیناً بہت بڑا حملہ کرنے والا ہے"۔

عمران بولا۔

"میرا خیال ہے کہ بھارت سرکار نے اپنی فوجوں کو کارگل پر مکمل قبضہ کرنے کا حکم دے دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑے پیمانے پر پاک بھارت چھڑ سکتی ہے"۔

جبران نے کہا۔

"میرا خیال ہے بھارت یہ خطرہ مول نہیں لے گا...... اسے معلوم ہے کہ اگر بھارت کے پاس ایٹمی اسلحہ ہے تو پاکستان کے پاس بھی غوری اور شاہین میزائل موجود ہیں جو نیوکلر وار ہیڈ لے کر بھارت کے شہروں پر ایٹم بم گرا سکتے ہیں"۔

عمران بولا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا...... میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں ہمیں دلی کے حاجی صاحب کے توسط سے جمیل مہدی صاحب سے ملنا چاہئے...... جمیل صاحب محکمہ جنگ میں ہوتے ہیں...... بھارتی ہائی کمانڈ کا کیا منصوبہ ہے، اس بارے میں مہدی صاحب ہی ہمیں کچھ خبر دے سکتے ہیں؟"۔

جبران نے کہا۔

"تو پھر دیر نہیں کرنی چاہئے...... ہمیں آج ہی دلی روانہ ہو جانا چاہئے"۔

دوپہر کے وقت ستار سیٹھ ریسٹ ہاؤس آئے تو عمران نے انہیں تمام حالات بتائے اور کہا کہ وہ دلی جا رہے ہیں...... ستار سیٹھ نے بھی انہیں دلی حاجی صاحب کے پاس جانے کا مشورہ دیا...... رات کی گاڑی سے کمانڈو عمران اور جبران دلی روانہ ہو گئے۔

اگلے روز وہ حاجی صاحب کے ہوٹل میں ان کے کمرے میں بیٹھے انہیں تمام حالات سے آگاہ کر رہے تھے...... حاجی صاحب کہنے لگا۔

"دلی میں یہ افواہ بڑی گرم ہے کہ بھارت نے آزاد کشمیر پر حملہ کر کے ایک ہی ہلے میں اس پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے...... بہر حال میں آج ہی رات جمیل صاحب کو بلا کر ان سے تمہاری ملاقات کرواتا ہوں...... اس وقت صرف یہی ایک شخص ہمیں صحیح صورت حال بتا سکتا ہے"۔

چنانچہ اسی رات حاجی صاحب نے جمیل مہدی کو اپنے ہاں بلوالیا...... عمران اور کمانڈو جبران بھی وہاں موجود تھے...... جمیل مہدی صاحب نے کہا۔

"بھارت نے کارگل پر قبضہ کرنے کے لئے پوری تیاری سے حملے کا آپریشنل

پلان تیار کر لیا ہے...... بھارت کی پندرہویں کور اور جموں میں ایئر ڈیفنس یونٹوں کی ساری اعلیٰ کمان اس وقت کارگل میں موجود ہے۔

جموں گیریژن اور کپواڑہ سے بھاری اسلحہ، بفورس توپیں اور فوجی یونٹ ٹرانسپورٹ طیاروں کے ذریعے کارگل پہنچائے جارہے ہیں...... یہ بہت زبردست ملٹری آپریشن ہے...... بہت ممکن ہے کہ اس کے ساتھ ہی دونوں ملکوں میں روایتی ہتھیاروں کی جنگ چھڑ جائے اور یہ جنگ روایتی ہتھیاروں کے بعد ایٹمی جنگ میں بھی تبدیل ہوسکتی ہے، کیونکہ دونوں ملکوں کے پاس ایٹمی میزائل موجود ہیں"۔

کمانڈو عمران، جبران اور حاجی صاحب بڑے غور سے مہدی صاحب کی باتیں سن رہے تھے...... مہدی صاحب نے کہا۔

"واجپائی صاحب اس جنگ سے اپنی ہاری ہوئی سیاسی بازی جیتنا چاہتے ہیں اور کارگل کے پہاڑی دروں اور جموں سیاچن ہائی وے کو ہر حالت میں کشمیری مجاہدین سے واپس لینا چاہتے ہیں...... اس ہائی وے پر مجاہدین کے قبضے کے بعد سیاچن میں مقیم بھارتی فوج کی سپلائی لائن کٹ کر رہ گئی ہے"۔

کمانڈو عمران نے سوال کیا۔

"اتنے زبردست فوجی اجتماع کے لئے ایمونیشن کی سپلائی کا کیا انتظام کیا گیا ہے؟"۔

مہدی صاحب کہنے لگے۔

"میری اطلاع کے مطابق جموں سیاچن شاہراہ کے پچاسویں سنگ میل پر بائیں جانب پہاڑی دروں میں ایک پہاڑی درہ آگے جاکر سیاچن شاہراہ کے بالکل قریب جانکلتا ہے...... میں آپریشنل پلان کی جس فائل کو ایک نظر دیکھنے میں کامیاب ہوا ہوں اس کے مطابق اسی پہاڑی درے کی ایک قدرتی غار میں اس آپریشن کا سب سے بڑا ایمونیشن ذخیرہ جمع کیا گیا ہے یہاں سے کشمیر کے تمام محاذوں کے علاوہ سیاچن اور

کارگل فرنٹ پر ایمونیشن سپلائی ہوتا ہے"۔

کمانڈو جبران نے پوچھا۔

"اس پہاڑی درے کی کوئی خاص نشانی آپ بتا سکتے ہیں؟"۔

مہدی صاحب خاموش ہوگئے...... کچھ سوچ کر کہنے لگے۔

"اس کے لئے مجھے آپریشنل پلان کی اس آفس کاپی کو کسی طرح ایک نظر دیکھنا ہوگا جو اس وقت ہمارے دفتر جنگ میں موجود ہے...... میں کل اس کو دیکھنے کی کوشش کروں گا...... اگر اس میں کامیاب ہوگیا تو کل رات کو اسی وقت آجاؤں گا"۔

اس کے بعد جمیل مہدی صاحب چلے گئے، ان کے جانے کے بعد حاجی صاحب بولے۔

"بھارت آگ سے کھیل رہا ہے...... یہ واجپائی سیاسی بازی جیتنے کی کوشش میں کہیں دلی، بمبئی، مدراس کو راکھ کا ڈھیر نہ بنادے"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں...... یہ جنگ صرف کارگل تک ہی محدود نہیں رہے گی...... یہ آگ تمام محاذوں پر پھیل جائے گی اور اگر بھارت نے کسی محاذ پر ایٹمی ہتھیار استعمال کئے تو پاکستان ہرگز پیچھے نہ رہے گا...... وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے گا اور یوں دونوں ملکوں میں تباہی پھیل جائے گی"۔

عمران بولا۔

"ہم اس جنگ کو روک تو نہیں سکتے، لیکن کم از کم کارگل کے محاذ پر بھارت کی بڑھتی ہوئی جارحانہ سرگرمیوں کو کچھ عرصے کے لئے روک ضرور سکتے ہیں...... ہو سکتا ہے اس عرصے میں بھارت کو عقل آجائے اور وہ کشمیر کے مسئلے کو بات چیت سے حل کرنے پر مجبور ہو جائے"۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"اگر تم ایسا کر سکو تو یہ مجاہدین کی بہت بڑی کامیابی ہو گی اور ایک طرف کشمیر کا پچاس سالہ پرانا مسئلہ گفتگو کی میز پر آ جائے گا اور دوسری طرف دونوں ملک ایٹمی جنگ کی آگ سے بچ جائیں گے، کیونکہ بقول مہدی صاحب یہ بہت بڑا ایمونیشن کا ذخیرہ ہے اور کارگل اور کشمیر کے تمام محاذوں کو اسی ایمونیشن کے ذخیرے سے ایمونیشن سپلائی ہوتا ہے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"اس کے لئے کوشش کی جاسکتی ہے"۔

کمانڈو جبران بولا۔

"خدا کرے کہ مہدی صاحب کو کارگل سیکٹر کے اس درے کی کوئی خاص نشانی مل جائے جہاں بھارت کا یہ ایمونیشن ڈمپ ہے"۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"مہدی صاحب بڑے اہم پوسٹ پر کام کر رہے ہیں اور محکمہ جنگ میں انہوں نے اپنا بہت اثر ورسوخ بنایا ہوا ہے، جو اطلاعات انہوں نے ہمیں فراہم کی ہیں وہ ایک عام آدمی خواہ وہ کتنا بڑا افسر ہی کیوں نہ ہو حاصل نہیں کر سکتا...... میں سمجھتا ہوں کہ یہ ٹاپ سیکرٹ انفارمیشن ہے جو انہوں نے بھارت کے کارگل آپریشنل پلان کے بارے میں ہمیں دی ہیں...... انشاء اللہ وہ ایمونیشن ڈمپ کے بارے میں بھی پوری تفصیل فراہم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔

دوسرے دن مہدی صاحب کا کوئی پیغام نہ آیا...... شام بھی گزر گئی اور رات آ گئی...... کمانڈو جبران مایوس ہو گیا، کہنے لگا۔

"معلوم ہوتا ہے مہدی صاحب مطلوبہ انفارمیشن حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"کچھ کہا نہیں جاسکتا...... وہ رات کے بارہ بجے بھی آ سکتے ہیں"۔

یہ لوگ حاجی صاحب کے کمرے میں بیٹھے تھے...... عین اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی...... حاجی صاحب نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا اور دوسرے لمحے ان کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی، کہنے لگے۔

"ہم آپ ہی کا انتظار کر رہے ہیں"۔

"بس آ جائیے...... خدا حافظ!"۔

اور انہوں نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔

"مہدی صاحب آ رہے ہیں...... خدا کی قسم بڑا مرد غازی آدمی ہے"۔

آدھ گھنٹے بعد مہدی صاحب پہنچ گئے...... آتے ہی انہوں نے نفی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"وہ بات نہیں بن سکی جس کی مجھے توقع تھی"۔

سب ایک دم خاموش سے ہو کر رہ گئے...... مہدی صاحب بولے۔

"تازہ ترین اطلاعات کے مطابق سیلورٹی کے پیش نظر بھارت کی اعلیٰ فوجی کمان نے ایمونیشن کو بھاری ذخیرے کے طور پر کسی ایک جگہ ڈمپ نہیں کیا بلکہ کارگل اور کپواڑہ کے درمیان فرنٹ لائن میں کئی جگہوں پر ایمونیشن سٹور قائم کئے ہیں تاکہ اگر کشمیری مجاہدین یا کشمیری کمانڈو کسی ایک ذخیرے کو اڑانے میں کامیاب ہو جائیں تو دوسرے ایمونیشن ڈمپ سے افواج کو سپلائی ملتی رہے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمارا ایمونیشن ذخیرے کو تباہ کرنے کا پلان تو شروع ہونے سے پہلے ہی ناکام ہو گیا"۔

مہدی صاحب بولے۔

"بھارت کارگل کی چوکیوں پر دوبارہ قبضہ کرنے اور اس علاقے سے کشمیری

مجاہدین کو نکالنے کے لئے بفورس توپوں کے علاوہ ہیلی کاپٹروں کی کھیپ بھی دھڑا دھڑ پہنچا رہا ہے، لیکن اپنے فوجی پلان کے مطابق بھارت کی فوجی ہائی کمان سب سے زیادہ بفورس توپوں پر بھروسہ کئے ہوئے ہے...... یہ توپیں راجیو گاندھی کے دور میں یورپ کے کسی ملک غالباً سویڈن سے خریدی گئی تھیں اور پہاڑی جنگ میں یہ بڑی کار آمد ثابت ہوئی ہیں...... ان توپوں کی مار بہت دور تک ہے اور اس کے گولے کا ڈھائی من بارود پھٹنے کے بعد بے پناہ تباہی مچاتا ہے...... یہ بھاری توپیں کارگل سیکٹر کی پہاڑیوں میں ان جگہوں پر نصب کی گئی ہیں جہاں سے ان کے گولے کارگل کی ان پہاڑیوں کو اڑا سکتے ہیں جہاں کشمیری مجاہدین کے مورچے ہیں...... اگر کسی طرح تم ان توپوں کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تم آدھی جنگ جیت جاؤ گے“۔

مہدی صاحب کی خفیہ رپورٹ ہمارے لئے بڑی قیمتی تھی...... کارگل سیکٹر میں بھارت کی ہیوی آرٹلری کی بفورس توپوں کی تعیناتی کا علم انہیں کشمیر فرنٹ پر جانے کے بعد بھی شاید نہیں ہو سکتا تھا...... مہدی صاحب بھارتی ہائی کمان کے اندر کی خبریں لائے تھے...... جیسے کہ مہدی صاحب کی شروع سے عادت تھی، جب انہوں نے تمام ضروری باتیں ہمیں بتا دیں تو اٹھ کر چلے گئے...... ان کے جانے کے بعد عمران نے حاجی صاحب سے کہا۔

”حاجی صاحب اب ہمارا اسی وقت کشمیر فرنٹ کی طرف روانہ ہونا ضروری ہو گیا ہے...... کوئی پتہ نہیں ہمارے وہاں پہنچنے تک بھارت نے کارگل سیکٹر کی پہاڑیوں پر گولہ باری شروع کر دی ہو“۔

حاجی صاحب بولے۔

”میں خود بھی یہی چاہتا ہوں“۔

عمران نے جبران سے کہا۔

”تم میرے ساتھ جاؤ گے...... لگتا ہے ہمارا اصل مشن اب شروع ہو رہا ہے“۔

دونوں کمانڈو دوستوں نے باقی رات حاجی صاحب کے ہاں بسر کی اور ابھی رات کا اندھیرا ہی تھا کہ وہ دلی کے ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑے...... ایک ٹرین صبح جموں کی طرف جاتی تھی...... جموں کشمیر کے محاذ پر فوجی نقل و حرکت کے پیش نظر ریلوے نے یہ ٹرین حال ہی میں چلائی تھی اور اس کا نام پوجا ایکسپریس رکھا گیا تھا...... معمول کے مطابق دونوں دوست کمانڈو ٹرین کے الگ الگ ڈبوں میں سوار ہوئے...... راستے میں وہ بہت کم اپنے ڈبوں سے باہر نکلتے...... کسی کسی وقت صرف ایک دوسرے کو اپنی شکل دکھانے کے لئے ڈبے سے نکل کر تھوڑی دیر کے لئے پلیٹ فارم پر اترتے اور واپس اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ جاتے۔

مشرقی پنجاب کا علاقہ شروع ہوا تو دونوں محتاط ہو گئے، کیونکہ یہاں سے بے حد حساس علاقے کا آغاز ہوتا تھا اور انٹیلی جنس کے آدمی ہر سٹیشن پر موجود ہوتے تھے...... عمران اور جبران بھی کوئی اناڑی نہیں تھے...... انہیں انٹیلی جنس والوں سے اپنے آپ کو چھپانے کا گر معلوم تھا...... ٹرین جموں توی کے سٹیشن پر پہنچ گئی...... یہاں سی آئی ڈی والے ہر بھیس میں موجود رہتے تھے اور ٹرین سے اترنے والوں کا پورا پورا جائزہ لیتے تھے...... ان لوگوں کو بڑے اختیارات حاصل تھے...... وہ کسی بھی آدمی کو روک کر اس سے پوچھ گچھ کر سکتے تھے اور ذرا سا شک پڑنے پر انہیں پولیس کے حوالے کر سکتے تھے...... جب سے کارگل فرنٹ پر مجاہدین کی سرگرمیاں تیز ہوئی تھیں ریلوے والوں نے سٹیشن پر زیادہ سختی کرنی شروع کر دی تھی...... جن مسافروں کے ساتھ بال بچے ہوتے تھے انہیں صرف جائزہ لے کر گیٹ سے گزر جانے دیا جاتا تھا، لیکن اکیلے مسافر کی باقاعدہ چیکنگ ہوتی تھی۔

ان حالات کے پیش نظر کمانڈو عمران اور جبران جموں توی سے دو سٹیشن پیچھے ہی ٹرین پر سے اتر گئے تھے اور وہاں سے انہوں نے جموں جانے والی لاری پکڑ لی تھی لاری کے اڈے پر آ کر وہ سرینگر جانے والی لاری پر سوار ہو گئے...... یہ لاری پوجا ایکسپریس

کے مسافروں کا انتظار کر کے سرینگر روانہ ہوتی تھی...... اس طرح کمانڈو عمران اور جبران محفوظ رہ کر سرینگر پہنچ گئے...... سرینگر کے لاری اڈے پر وہ دو منٹ چائے کی ایک پیالی پینے کے لئے بھی نہ رکے اور باہر نکل کر پیدل ہی ایک طرف چل پڑے...... وہ جانتے تھے کہ انہیں کشمیری مجاہدین کے خفیہ ٹھکانے پر کیسے اور کس طرف سے پہنچنا ہے...... وہ ایک بڑی سڑک پر آگئے جو آگے...... کی طرف جا رہی تھی...... ہم نے مصلحتاً اس جگہ کا نام نہیں لکھا جس طرف یہ سڑک جا رہی تھی یہاں انہیں پیچھے سے آتی ایک بس مل گئی جس نے انہیں...... شہر میں پہنچا دیا...... اس شہر کے آس پاس پہاڑی علاقہ تھا...... یہاں وہ ایک تانگے میں سوار ہو کر دس پندرہ میل آگے ایک اور جگہ پہنچ کر تانگے سے اتر گئے...... اب ان کا پہاڑیوں میں پیدل سفر شروع ہو گیا...... سارا دن وہ پہاڑی گھاٹیوں، کھڈوں اور خشک برساتی نالوں میں پیدل چلتے رہے...... سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے کشمیری مجاہدین کے خفیہ ٹھکانے پر آگئے۔

کشمیری مجاہدین کے لیڈر کا نام کچھ اور تھا مگر ہم اسے غازی کے نام سے پکاریں گے...... غازی نے بتایا کہ بھارتی فوج نے کارگل سیکٹر میں مجاہدین کے خفیہ ٹھکانوں پر توپوں سے گولہ باری اور گن شپ ہیلی کاپٹروں سے راکٹ برسانے شروع کر دیئے ہیں۔

"ہمیں جو اطلاعات ملی ہیں...... ان کے مطابق بھارتی فوجی بھی بہت مارے گئے ہیں، لیکن ہمارے مجاہد بھی کافی تعداد میں شہید ہوئے ہیں...... پہاڑی ڈھلانوں کے نیچے سیاچن کارگل کی سڑک پر لاشیں ہی لاشیں پڑی ہیں...... یہ سب بھارتی توپوں کی وجہ سے ہوا ہے...... بھارت نے کارگل کی پہاڑیوں کے سامنے بلندی پر جو توپیں نصب کی ہیں ان کے گولے بہت تباہی پھیلا رہے ہیں"۔

کمانڈو عمران نے جبران کی طرف دیکھا...... وہ جانتے تھے کہ یہ سارا نقصان بھارتی توپ خانے کی بفورس توپوں کی وجہ سے ہو رہا ہے جن کو تباہ کرنا اب بہت

ضروری ہو گیا تھا۔ عمران نے غازی سے کہا! "مجھے دو مجاہد کمانڈو چاہئیں جو تربیت یافتہ اور تجربہ کار ہوں۔ ہم ان توپوں کو تباہ کرنے کے مشن پر جائیں گے"۔ تب غازی بولا۔

"اس وقت ایسے چھ سات مجاہد کمانڈو ہمارے ٹھکانے پر موجود ہیں...... تم جتنے چاہو ساتھ لے جا سکتے ہو"۔

عمران نے کہا۔

"زیادہ کی ضرورت نہیں ہے...... ہمیں صرف دو کمانڈو چاہئیں"۔

غازی نے کہا۔

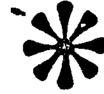
"ایک کشمیری کمانڈو شاہ رخ ہے اور دوسرا کمانڈو فیروز بٹ ہے...... فیروز بٹ کارگل کی پہاڑیوں اور اس کے دروں اور گھاٹیوں کی پوری پوری واقفیت رکھتا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"یہ اور بھی اچھی بات ہے...... ہمیں اس مشن میں ایسے کمانڈو کی ضرورت تھی"۔

وہ کل چار کمانڈو تھے...... عمران، جبران، شاہ رخ اور کمانڈو فیروز بٹ، انہیں راتوں رات کارگل سیکٹر میں پہنچا دیا گیا...... وہ پہاڑیوں میں ایسی جگہ پر تھے جہاں سے انہیں بھارتی توپ خانے کی گولہ باری کے دھماکے سنائی دے رہے تھے...... میراج بمبار طیارے بھی پہاڑیوں کے اوپر سے گزر جاتے تھے...... دن کے وقت انہوں نے گن شپ ہیلی کاپٹر بھی کارگل کی ان پہاڑیوں کی طرف جاتے دیکھے جہاں مجاہدین کے خفیہ مورچے تھے...... بھارتی توپ خانے کے دھماکے اگرچہ کافی دور ہو رہے تھے مگر ان کی گونج اور دھماکے سے کمانڈو عمران اور جبران سمجھ گئے تھے کہ یہ دھماکے بفورس توپوں ہی کے ہو سکتے ہیں جنہیں وہ توپوں کے مورچے سمیت اڑانے کے مشن پر روانہ ہونے والے تھے۔

جب کمانڈو اس قسم کے مشن پر جاتے ہیں تو وہ واپس آنے کے لئے نہیں جاتے...... وہ اس امید کو دل سے نکال دیتے ہیں کہ وہ واپس بھی آجائیں گے...... وہ شہید ہونے جاتے ہیں، لیکن یہ عہد کر کے جاتے ہیں کہ شہید ہونے سے پہلے وہ اپنے مشن میں کامیاب ہوں گے اور اپنا ٹارگٹ ماریں گے...... یہ چاروں کمانڈو بھی یہی عہد کر کے جا رہے تھے...... سارا دن انہوں نے پہاڑی کے ایک غار میں گزارا...... جیسے ہی سورج کارگل کی پہاڑیوں کی اوٹ میں گیا اور وادیوں پر اندھیرے کا سایہ پھیل گیا چاروں کمانڈو اللہ کا نام لے کر اپنے مشن پر چل پڑے...... ہر کمانڈو کے پاس ایک راکٹ لانچر، ایک کمانڈو چاقو، ایک سٹین گن اور آٹھ ہینڈ گرنیڈ تھے...... رات ہونے سے پہلے پہلے وہ اپنی پہاڑیوں کے علاقے سے نکل گئے...... آگے وہ علاقہ شروع ہو رہا تھا جس کی پہاڑیوں پر دشمن کا قبضہ تھا اور نیچے دروں اور پہاڑیوں کی ڈھلانوں پر دشمن کی انفنٹری کے مشین گنوں کے مورچے موجود تھے...... یہاں کمانڈو عمران نے فیروز بٹ مجاہد کو اپنے ساتھ کر لیا اور جبران اور شاہ رخ کو کہا کہ چھ چھ قدم کے فاصلے پر بکھر کر ہمارے ساتھ چلو...... دشمن بھاری توپوں سے مجاہدین کے ٹھکانوں پر گولہ باری کر رہا تھا...... پھٹتے گولوں کے دھاکوں سے پہاڑیاں لرز رہی تھیں اور یہ چاروں مجاہد کمانڈو جذبہ شہادت سے سرشار دشمن کے مورچوں کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔



آگے کے ایمان افروز اور جرائت آموز واقعات آپ کتاب

جہاد مشن

میں پڑھئے گا۔



جہاد مشن

اے حمید

جیسے جیسے چاروں کمانڈوز کارگل کی پہاڑیوں میں آگے بڑھ رہے تھے شام کا دھندلکا رات کے اندھیرے میں تبدیل ہو رہا تھا...... پہاڑی علاقوں میں سورج کسی پہاڑی کی اوٹ میں چلا جائے تو بڑی جلدی اندھیرا چھا جاتا ہے...... چاروں کمانڈوز کی فارمیشن ایسی تھی کہ کمانڈو عمران اور کشمیری مجاہد کمانڈو فیروز بٹ دونوں آگے آگے تھے اور کمانڈو جبران اور کشمیری مجاہد شاہ رخ پیچھے چھ قدم کے فاصلے پر ذرا بکھر کر چلے آ رہے تھے...... انہوں نے بھارتی سپاہیوں والی سبز رنگ کی فوجی وردیاں پہن رکھی تھیں تاکہ دشمن کے مورچوں کے علاقے میں اگر کوئی بھارتی فوجی دیکھ بھی لے تو یہی سمجھے کہ اپنے فوجی جا رہے ہیں...... آٹھ آٹھ دستی بم انہوں نے پتلون کی جیبوں میں ڈال رکھے تھے اور ایک ایک سٹین گن اور راکٹ لانچر کندھوں سے لٹک رہے تھے...... اس کے علاوہ ان میں سے ہر ایک کے پاس تیز دھار والا کمانڈو چاقو بھی تھا...... مجاہد فیروز بٹ انہیں گائیڈ کر رہا تھا...... وہ اس پہاڑی علاقے کے نشیب و فراز سے واقف تھا۔

وہ کشمیری مجاہدین کی پوزیشنوں سے دور ہوتے جا رہے تھے...... مجاہد فیروز بٹ نے ایک جگہ پہنچ کر کمانڈو عمران کو بتایا کہ یہاں سے دو سو گز کے بعد دشمن کے مورچوں کا علاقہ شروع ہو جائے گا...... وہاں اردگرد کی پہاڑیوں پر دشمن کے مورچے

ہیں اور انہیں بے حد محتاط ہو کر چلنا ہو گا...... جب انہوں نے دو سو گز کا فاصلہ طے کر لیا تو آگے دو پہاڑیوں کے درمیان ایک درہ آ گیا...... انہیں یہاں سے گزر کر اگلی پہاڑی کی طرف جانا تھا...... عمران وہاں رک گیا...... اس نے اپنے پیچھے آنے والے ساتھیوں کا انتظار کیا...... جب دونوں کمانڈو یعنی جبران اور شاہ رخ قریب آ گئے تو عمران نے کہا۔

”ہمیں آگے جن پہاڑیوں کے درمیان سے گزرنا ہے ان پر دشمن مشین گن کے مورچے سنبھالے بیٹھا ہے...... ہو سکتا ہے پہاڑی درّے میں بھی رات کے وقت فوج کی پٹرولنگ پارٹی گشت لگاتی ہو، اس لئے یہاں پوری احتیاط کی ضرورت ہے...... کسی نے کھانسنا ہے تو یہاں کھانس لے...... کوئی بات کرنی ہے تو بات کر لے...... اگر پہاڑیوں کے درمیان درّے میں سے گزرتے ہوئے کسی کو چھینک آ گئی یا کسی نے کوئی بات کی تو دشمن ہوشیار ہو جائے گا اور اوپر سے مشین گنوں کی فائرنگ شروع کر دے گا...... کمانڈو جبران ہلکا سا کھانس کر خاموش ہو گیا“۔

یہ ایک نفسیاتی بات ہے کہ اگر آپ کو کہا جائے کہ یہاں کھانسنے کی بالکل اجازت نہیں ہے تو انسان کو تھوڑی سی کھانسی ضرور آ جاتی ہے...... یہ بڑی غنیمت تھی کہ جبران یا کسی دوسرے کمانڈو کو چھینک نہیں آئی تھی، کیونکہ چھینک کی آواز اوپر دشمن تک پہنچ سکتی تھی...... پتہ نہیں کیوں اس وقت دشمن کی توپیں بھی خاموش ہو گئی تھیں...... صرف دور پہاڑیوں کی جانب سے مشین گن فائرنگ کی آواز آ جاتی تھی اور پہاڑوں میں ہلکی سی گونج پیدا ہو جاتی تھی۔

عمران نے کہا۔

”فیروز بٹ میرے ساتھ رہے گا...... باقی لوگ پیچھے تین تین قدم کا فاصلہ ڈال کر چلیں گے...... او کے...... گو!“۔

فوراً کمانڈو جبران اور شاہ رخ تین قدم پیچھے ہٹ گئے...... پھر شاہ رخ مزید تین قدم پیچھے ہٹ گیا اور یہ لوگ چند لمحوں کے بعد بڑی احتیاط سے قدم رکھتے پہاڑیوں

کے درمیان والے درّے میں داخل ہو گئے...... یہاں بہت جھاڑیاں تھیں، لیکن سب ہری بھری جھاڑیاں تھیں اور گرتی اوس میں بھیگی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے ان میں چلنے سے آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی...... وہ سکیٹر سکیٹر کر قدم رکھ رہے تھے...... ان کے جوگر شوز تھے جن سے پتھروں پر چلنا مشکل ہو رہا تھا اور پاؤں پھسل جاتے تھے...... رات کا اندھیرا ہوتے ہی پہاڑیوں کے دامن میں سردی زیادہ ہو گئی تھی۔

وہ پہاڑی کی ڈھلان کے بالکل ساتھ لگ کر جا رہے تھے جہاں اندھیرا تھا...... وہ پہاڑی درّے سے نکل گئے...... سامنے کھلی جگہ تھی جہاں چٹانیں اور جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں...... ایک پہاڑی دائیں جانب کچھ فاصلے پر تھی اور ایک پہاڑی کی ڈھلان بائیں جانب کچھ فاصلے پر تھی...... مجاہد فیروز بٹ نے عمران کو سرگوشی میں کہا۔

”یہاں سے دشمن کے مورچوں کا علاقہ شروع ہو رہا ہے“۔

کمانڈو عمران نے زبان دانتوں کے ساتھ لگا کر منہ سے دوبارہ ہلکی سی سس سس کی آواز نکالی اور فیروز بٹ کو لے کر وہیں بیٹھ گیا...... دونوں کمانڈو یہ آواز سن کر جلدی سے قریب آ گئے اور وہ بھی عمران اور فیروز بٹ کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

”ہم دشمن کے گھر میں پہنچ گئے ہیں...... ہماری ذرا سی آہٹ پر دشمن ہوشیار ہو کر چاروں طرف سے ہم پر مشین گن فائر کی بوچھاڑیں برسا سکتا ہے“۔

وہ بغیر آواز کے سرگوشی میں بول رہا تھا...... مجاہد فیروز بٹ نے سرگوشی میں کہا۔

”ہمیں دشمن کے مورچوں سے نکل کر اس کے عقبی علاقے میں جانا ہے...... ہمارا اصل ٹارگٹ دشمن کے مورچوں کے پیچھے اونچی پہاڑی ہے...... ہمارے مخبروں کی اطلاع کے مطابق دشمن کے بھاری توپ خانے کی بفورس توپیں اسی پہاڑی میں نصب ہیں...... خدا کرے کہ ہمارے وہاں پہنچنے تک دشمن کی توپیں گولے فائر کرنے لگیں...... اس سے توپوں کی بڑی آسانی سے نشان دہی ہو جائے گی...... اب ایک لائن

میں ہمارے پیچھے ہو کر چلو"۔

فیروز بٹ کے اٹھنے کے ساتھ ہی کمانڈو عمران اور دوسرے ساتھی بھی اٹھ کھڑے ہوئے...... وہ ایک لائن میں ہوگئے...... آگے آگے مجاہد فیروز بٹ گائیڈ کر رہا تھا...... اس کے پیچھے ایک قدم چھوڑ کر عمران اور اس کے پیچھے کمانڈو جبران اور مجاہد شاہ رخ آرہے تھے...... ایک جگہ پہنچ کر مجاہد فیروز بٹ ایک دم رکا اور سب کو ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ گیا...... وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھے تھے...... اندھیرے میں صرف ان کی چمکتی ہوئی آنکھیں ہی نظر آرہی تھیں...... مجاہد فیروز بٹ نے اندھیرے میں کسی کو اپنی طرف آتے دیکھا تھا...... یہ ایک نہیں دو فوجی تھے...... لائٹ مشین گنیں کندھے سے لٹکائے وہ بڑے آرام آرام سے چلے آرہے تھے...... وہ آپس میں دھیمی آواز میں کچھ باتیں بھی کر رہے تھے جو سمجھ میں نہیں آرہی تھیں...... جب وہ قریب سے گزرے تو عمران نے سگریٹ کے تمباکو کی بو محسوس کی...... دونوں بھارتی فوجی تھے جوان کے بالکل قریب سے ہو کر گزر گئے۔

جب وہ دور چلے گئے تو فیروز بٹ نے سروں کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھے بیٹھے سرگوشیوں میں کہا۔

"یہ دشمن کی کوئی گشتی پارٹی تھی...... ہمیں یہاں سے ذرا بائیں طرف ہو کر چلنا ہوگا...... میں گائیڈ کروں گا...... چلو"۔

وہ اٹھے اور انہوں نے پھر چلنا شروع کر دیا...... چھ سات قدم جانے کے بعد مجاہد فیروز بٹ بائیں جانب ہو گیا...... یہ لوگ بھی بائیں جانب ہوگئے، جس پہاڑی پر فیروز بٹ کی اطلاع کے مطابق دشمن کا توپ خانہ تھا وہ ابھی کچھ فاصلے پر تھی اور رات کے اندھیرے میں کسی بہت بڑے سیاہ بادل کی طرح نظر آرہی تھی جو چلتے چلتے اچانک رک گیا ہو...... ان کا رخ اس پہاڑی کی طرف تھا...... دشمن کا توپ خانہ سارا دن گولہ باری کرتا رہا تھا مگر اب سرِ شام ہی خاموش ہو گیا تھا جس کی وجہ سے توپوں کی نشان دہی

مشکل ہو رہی تھی...... اب وہ جھک کر چل رہے تھے، کیونکہ وہ کھلی جگہ پر تھے اور وہاں ستاروں کی روشنی خوب پڑ رہی تھی اور وہ دور سے نظر آسکتے تھے...... اسی طرح جھکے جھکے چلتے وہ کھلی جگہ عبور کر گئے...... آگے ایک خشک برساتی نالہ آگیا...... وہ نالے میں اتر گئے اور دو دو کر کے نالے کی آمنے سامنے کی دیواروں کے بالکل ساتھ لگ کر آگے بڑھنے لگے...... نالے کی دیواروں پر اوپر سے جنگلی بیلیں لٹک رہی تھیں اور بڑی گھنی جنگلی جھاڑیاں بھی اگی ہوئی تھیں۔

وہ چند قدم ہی آگے چلے تھے کہ انہیں گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی...... یہ آواز نالے کے پیچھے سے آرہی تھی...... مجاہد فیروز نے کہا۔

"کوئی ٹینک آرہا ہے"۔

پہاڑی علاقے میں ٹینک نہیں لے جائے جاتے اور اگر کسی مجبوری کے تحت لائے بھی جائیں تو انہیں رات کے وقت کسی محفوظ جگہ چھپا دیا جاتا ہے تاکہ رات کے وقت جو ٹینک شکار پارٹی نکلتی ہے وہ انہیں تباہ نہ کر دیں، لیکن کارگل سیکٹر میں کشمیری مجاہدین کی پے در پے کامیابیوں نے دشمن کو اس قدر بوکھلا دیا تھا کہ وہ یہاں رات کے وقت بھی ٹینک لے آیا تھا اور ان ٹینکوں کی توپیں بھی فائرنگ کرتی تھیں۔

کمانڈو عمران نے فوراً منہ سے ایک خاص سیٹی کی آواز نکال کر سگنل دیا کہ جہاں جہاں کوئی ہے وہیں دم سادھ کر چھپ جائے...... عمران اور فیروز بٹ بھی دیوار کے ساتھ جنگلی بیلوں اور جھاڑیوں کی آڑ لے کر بیٹھ گئے...... خوش قسمتی سے جو ٹینک خشک نالے میں چلا آرہا تھا اس کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں...... صرف سائیڈ کی ہلکی بتیاں جل رہی تھیں، ورنہ ٹینک کی بڑی بتیوں کی روشنی میں یہ لوگ ٹینک سواروں کو نظر آسکتے تھے...... ٹینک کی گڑگڑاہٹ قریب ہوتی جا رہی تھی...... چاروں مجاہد نالے کی دیواروں کے ساتھ لگے اور جھاڑیوں کی آڑ لئے بالکل ساکت ہو کر بیٹھے تھے...... یہ ایک ہی ٹینک تھا...... ٹینک گڑگڑاتا ہوا ان کے قریب سے گزر گیا...... جب ٹینک دور چلا گیا تو

فیروز بٹ کہنے لگا۔

”ضرور آگے کچھ اور ٹینک بھی ہوں گے...... ہمیں نالے سے باہر نکل جانا چاہئے...... ممکن ہے پیچھے سے مزید ٹینک آ رہے ہوں“۔

کمانڈو عمران نے زبان سے ہلکی سی سیٹی کی آواز نکال کر سگنل دیا اور چاروں مجاہد نالے کی دیوار پر لٹکتی ہوئی بیلوں کو پکڑ کر نالے سے باہر آگئے...... باہر آتے ہی وہ زمین پر اوندھے لیٹ گئے...... فیروز بٹ نے سرگوشیوں میں کہا۔

”دشمن نے کشمیری کمانڈوز اور ٹینک شکار پارٹیوں کے ڈر سے یہاں بلیک آؤٹ کیا ہوا ہے...... مجھے شبہ ہے کہ یہاں دشمن نے کسی جگہ چھپاؤ میں ٹینک اور توپیں ڈیپلائے کی ہوئی ہیں“۔

کمانڈو عمران نے سرگوشی سے پوچھا۔

”تمہارے خیال میں یہاں سے مجاہدین کے مورچے کس طرف ہیں؟“۔

چاروں مجاہدوں نے زمین پر اوندھے لیٹے لیٹے ایک دوسرے کے ساتھ سر جوڑ لئے تھے...... فیروز بٹ نے سرگوشی میں کہا۔

”ہمارے دائیں جانب دو چھوٹی پہاڑیاں ہیں...... ان سے کچھ فاصلے پر جو پہاڑ ہے مجاہدین کے مورچے اس پہاڑ پر ہیں...... اس پہاڑ پر مجاہدین کا قبضہ ہے اور نیچے سے گزرنے والی سڑک مجاہدین کی مشین گنوں اور راکٹوں کی زد میں ہے...... اس سڑک پر سے دن اور رات کسی بھی وقت دشمن کی سپلائی نہیں گزر سکتی...... اس پہاڑی پر قبضہ کرنے کے لئے دشمن نے ہماری اطلاع کے مطابق بائیں جانب والی پہاڑی پر توپیں لگائی ہوئی ہیں اور یہیں سے توپیں مجاہدین کے پہاڑی ٹھکانوں پر گولہ باری کرتی ہیں“۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

”مگر اس وقت توپیں خاموش ہیں“۔

فیروز بٹ بولا۔

”سمجھ نہیں آتی کہ دشمن کا توپ خانہ اس وقت خاموش کیوں ہے جبکہ کل رات کو اور آج دن کے وقت بھی وقفے وقفے سے دشمن کی توپیں فائرنگ کرتی رہی ہیں“۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

”ہمیں اسی جگہ آڑ لے کر انتظار کرنا چاہئے...... شاید توپیں فائرنگ شروع کردیں...... اس طرح فائرنگ کے شعلوں سے دشمن کی توپوں کی نشان دہی ہو جائے گی“۔

مجاہد فیروز بٹ نے کہا۔

”ہم یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے...... اگر دشمن کو ذرا سا بھی شک پڑ گیا تو وہ روشنی کے راؤنڈ فائر کر کے یہاں دن کی روشنی کر دے گا اور ہم اسے نظر آجائیں گے...... میرے حساب سے ہمیں یہاں سے بائیں جانب پہاڑی کے دامن میں نکل جانا چاہئے...... وہاں کسی جگہ چھپاؤ بنا کر ہم کچھ دیر انتظار کر سکتے ہیں“۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک دوسرے کے پیچھے کہنیوں کے بل بائیں جانب رینگنا شروع کر دیا...... وہ اس قدر محتاط ہو کر رینگ رہے تھے کہ ذرا سی آواز بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی...... رینگتے رینگتے آخر وہ بائیں جانب والے پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے...... فیروز بٹ آگے آگے تھا...... وہ انہیں پہاڑ کی ڈھلواں دیوار کے ساتھ ساتھ چلاتا پہاڑ کے پہلو کی طرف لے گیا...... یہاں سے پہاڑ کی چڑھائی شروع ہوتی تھی...... جہاں چڑھائی شروع ہوتی تھی وہاں پہاڑ کا کچھ حصہ اونٹ کے کوہان کی طرح باہر کو نکلا ہوا تھا...... فیروز بٹ نے رینگتے رینگتے اس طرف اشارہ کیا اور وہ پہاڑ کے آگے کو بڑھی ہوئی کوہان نما دیوار کے پیچھے جا کر بیٹھ گئے...... یہاں سے سامنے والی پہاڑی اور اس کے عقب میں جو بہت اونچا پہاڑ تھا جس پر مجاہدین کا قبضہ تھا وہ صاف نظر آرہا تھا۔

اچانک ہیلی کاپٹر کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔

اور تھوڑی دیر بعد ایک ہیلی کاپٹر دور سامنے والے پہاڑ پر نمودار ہوا...... اس نے پہاڑ کا ایک چکر لگانے کے بعد روشنی راؤنڈ کے دو گولے پھینکے...... یہ پیراشوٹ والے گولے تھے جو روشن ہو کر آہستہ آہستہ نیچے جا رہے تھے اور سامنے والے پہاڑ کے دامن اور اس کی ڈھلان پر جیسے دن کی روشنی پھیل گئی تھی...... پہاڑ پر مجاہدین کے مورچوں میں سے یکے بعد دیگرے دو راکٹ فائر ہوئے مگر ہیلی کاپٹر بچ گیا اور وہ ایک طرف غوطہ لگا کر اوپر کو اٹھا اور مشرق کی طرف رات کے اندھیرے میں غائب ہو گیا...... روشنی راؤنڈ کے فائر کئے جانے کے ایک منٹ بعد جبکہ پہاڑ کی ڈھلان پر تیز روشنی ہو رہی تھی دشمن کی توپوں نے فائرنگ شروع کر دی...... فائرنگ کی آواز سے پہاڑیاں گونجنے لگیں...... فیروز بٹ نے کہا۔

"یہ ٹینکوں کی توپیں فائر کر رہی ہیں...... بڑی توپیں خاموش ہیں"۔

ٹینکوں کی توپوں کی روشنی فائرنگ کے وقت چمک کر بجھ جاتی تھی۔

یہ ٹینک وہاں سے چھ سات سو گز کی دوری پر چھوٹی پہاڑی کی اوٹ میں تھے...... جب روشنی کے گولوں کی روشنی بجھ گئی اور اندھیرا چھا گیا تو ٹینکوں کی فائرنگ بھی بند ہو گئی۔

کمانڈو عمران فکر مند سا تھا...... کہنے لگا۔

"فیروز بٹ! آج توپیں کیوں خاموش ہیں...... یہ فائرنگ کریں تو ہمیں ان کی پوزیشنیں معلوم ہوں"۔

فیروز بٹ بولا۔

"ہو سکتا ہے بھارتی توپ خانہ مجاہدوں کے ٹھکانے کے قریب دوسری پہاڑی کی طرف لے جا رہے ہوں...... کچھ نہیں کہا جا سکتا"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

ہمیں دشمن کی ہر چال سے خبردار رہنے کی ضرورت ہے...... میرا خیال ہے کہ

بھارتی توپ خانہ اسی پہاڑی کے اوپر ہے...... توپیں کسی فوجی مصلحت کی وجہ سے خاموش ہیں"۔

عمران نے پوچھا۔

"جبران! تم ہمیں کیا مشورہ دیتے ہو! جبران نے سرگوشی میں کہا۔

"ہمیں دو دو کی جوڑی میں بٹ کر اپنے طور پر پہاڑی پر توپوں کو تلاش کرنا چاہئے...... ایک توپ کی تلاشی میں چار آدمیوں کا جانا ٹھیک نہیں"۔

کمانڈو عمران بولا۔

"ٹھیک ہے...... دو جوڑیاں بنالو...... میرے ساتھ فیروز بٹ رہے گا...... جبران کے ساتھ شاہ رخ رہے گا...... اپنا اپنا ٹارگٹ خود تلاش کرو...... ٹارگٹ مار لیا تو اپنے ٹھکانے پر ملیں گے...... اور شہید ہو گئے تو اگلے جہان میں ملیں گے...... گو...... گو"۔

اسی وقت وہ جوڑی جوڑی ہو گئے اور پہاڑی کی دونوں جانب سے چڑھائی چڑھنے لگے...... وہ فیروز بٹ کی یقین دہانی پر جا رہے تھے...... اس نے یقین دلایا تھا کہ مخبر کبھی غلط اطلاع نہیں دے سکتا...... توپوں کے مورچے اسی پہاڑی پر ہیں...... وہ جھاڑیوں کو پکڑ پکڑ کر چڑھائی چڑھ رہے تھے...... کمانڈو عمران آگے تھا...... فیروز بٹ اس کے پیچھے آ رہا تھا...... وہ پہاڑ کی نصف ڈھلان پر پہنچے تھے کہ اچانک دھماکے سے پہاڑ لرز اٹھا...... اوپر ایک توپ نے فائر کیا تھا...... پھر دوسری توپ نے فائر کیا...... پھر تیسری توپ نے فائر کیا اور اس کے بعد توپوں کی وقفے وقفے سے فائرنگ شروع ہو گئی...... فیروز بٹ نے کمانڈو عمران سے کہا۔

"اس پہاڑی پر صرف تین توپیں ہیں"۔

عمران بولا۔

"فائرنگ سے جبران اور شاہ رخ کو توپوں کی پوزیشنیں معلوم ہو گئی ہوں گی...... ہمیں اس طرف والی توپوں تک پہنچنا ہے"۔

توپوں کا گولہ فائر ہوتا تو توپ میں سے شعلہ نکلتا...... یہ شعلہ عمران اور فیروز بٹ کی راہ نمائی کر رہا تھا...... وہ پہلی توپ کے مورچے کی طرف جا رہے تھے جو اوپر بائیں جانب بلندی پر تھا...... توپیں برابر فائر کر رہی تھیں...... ان کے دھماکوں سے پہاڑ لرز رہا تھا اور پہاڑیاں گونجنے لگی تھیں...... پہاڑیوں میں آدمی پستول کا فائر کرے تو اس کے دھماکے کی دو تین آوازیں سنائی دیتی ہیں اور یہ بفورس توپیں تھیں جن کے دھماکوں سے کانوں کے پردے پھٹ رہے تھے...... دونوں مجاہد پہلی توپ کے مورچے کی طرف بڑھ رہے تھے...... مورچہ کافی اوپر جا کر تھا...... چڑھائی دشوار تھی...... وہ جھاڑیوں کو پکڑ کر چڑھ رہے تھے...... جب وہ پہلی توپ کے مورچے کے قریب پہنچے تو توپیں خاموش ہو گئیں...... دھماکوں کی گونج کچھ دیر پہاڑیوں میں سنائی دیتی رہی...... پھر خاموشی چھا گئی...... توپوں کے گولے سامنے والے پہاڑ پر گر رہے تھے جہاں کشمیری مجاہدین کے مورچے تھے۔

عمران اور فیروز وہیں دبک گئے...... گولوں کے مسلسل دھماکوں کی آواز میں وہ بے فکر ہو کر چڑھائی چڑھ رہے تھے...... اگر کوئی پتھر ان کے پاؤں سے ٹکرا کر نیچے لڑھکتا تھا تو اس کی آواز دھماکوں کے شور میں گم ہو جاتی تھی، لیکن اب توپ خانہ خاموش تھا...... وہ رات کی تاریکی میں اوپر سے دیکھے نہیں جا سکتے تھے لیکن کسی پتھر کے لڑھکنے کی آواز دشمن سن سکتا تھا، چنانچہ وہ بے حد احتیاط سے چڑھائی چڑھنے لگے...... انہیں اندھیرے میں توپ کی نالی مورچے سے باہر نکلی ہوئی صاف نظر آنے لگی۔

اب وہ اشاروں میں ایک دوسرے سے بات کرتے تھے...... عمران نے فیروز بٹ کو اشارہ کیا کہ وہ مورچے کی دوسری طرف سے آئے...... فیروز بٹ جلدی سے دوسری طرف ہو گیا...... عمران لیٹ کر چڑھائی چڑھ رہا تھا...... اسے مورچے کے اندر سے فوجیوں کی باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں...... اندازے سے لگتا تھا کہ مورچے میں تین بھارتی فوجی ہیں۔

عمران سانپ کی طرح آہستہ آہستہ رینگ رینگ کر چڑھائی طے کرتا گن نالی کے بالکل نیچے آ گیا...... مورچہ اوپر سے چھت ڈال کر بند کیا گیا تھا...... توپ کی بہت بڑی نالی اوپر کو اٹھی ہوئی تھی...... وہ اس میں گرنیڈ نہیں ڈال سکتا تھا...... وہ رینگ رینگ کر اس چوکور سوراخ کے پاس پہنچ گیا جس میں سے توپ کی نالی باہر نکلی ہوئی تھی...... مورچے میں آنے جانے کا راستہ دوسری طرف تھا...... عمران نے راکٹ لانچر کندھے پر رکھ لیا...... لانچر میں راکٹ پڑا ہوا تھا...... اس نے لانچر کی نالی مورچے کے سوراخ کے اندر ڈالی اور راکٹ فائر کر دیا...... راکٹ فائر ہو کر مورچے کے اندر گر کر پھٹا...... راکٹ ایمونیشن کے اوپر گر کر پھٹا تھا...... ایک قیامت خیز دھماکہ ہوا اور مورچہ توپ اور توپچیوں کے ساتھ ہی اڑ گیا...... اگر عمران پہاڑی کے ساتھ نہ چمٹ گیا ہوتا تو وہ بھی اڑ گیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی تیسری توپ کے مورچے کی جانب ایک دھماکہ ہوا اور تیسری توپ کے مورچے میں سے شعلے بلند ہونے لگے...... جبران اور شاہ رخ نے تیسری توپ کا مورچہ اڑا دیا تھا...... عمران کو فیروز بٹ کی فکر تھی...... وہ دوسری طرف سے مورچے کی جانب گیا تھا اور کہیں نظر نہیں آ رہا تھا...... توپوں کے مورچوں کے ہولناک دھماکوں کے ساتھ ہی پہاڑوں میں روشنی راؤنڈ فائر ہونے لگے اور مشین گنوں کی فائرنگ شروع ہو گئی...... روشنی راؤنڈ کے گولوں نے وہاں دن کا منظر پیدا کر دیا...... اس روشنی میں عمران تباہ شدہ مورچے کی دوسری طرف گیا...... اس کو فیروز بٹ نظر آ گیا...... وہ پہاڑ کی ڈھلان پر اوندھے منہ پڑا تھا...... عمران تیزی سے رینگتا ہوا اس کے پاس گیا...... وہ یہی سمجھا کہ فیروز کو پھٹے گولوں کا کوئی ٹکڑا لگا ہے اور وہ شہید ہو گیا ہے، لیکن فیروز بٹ زندہ تھا...... اس نے عمران کو قریب پا کر کہا۔

”جبران شاہ رخ نے تیسری توپ اڑا دی ہے...... ہمیں دوسرے مورچے کو بھی اڑانا ہے“۔

دوسرے مورچے میں سے مسلسل مشین گن فائر کر رہی تھی...... عمران نے کہا۔

"مورچے کی طرف چلو"۔

دونوں جھک کر تیز تیز دوڑتے دوسری توپ کے مورچے کے پیچھے نکل آئے...... مورچے کے دونوں جانب سے مشین گنیں اندھا دھند فائر کر رہی تھیں...... عمران نے فیروز بٹ سے کہا۔

"گرنیڈ مارو"۔

اور عمران کے ساتھ ہی فیروز بٹ نے بھی دو دو گرنیڈ مورچے کی طرف اچھال دیئے...... چاروں گرنیڈ مورچے کے پاس جاکر پھٹے، مگر مورچے کا کچھ نہ بگڑا...... فیروز نے اپنے لانچر کا رخ مورچے کی طرف کر کے آناً فاناً راکٹ فائر کر دیا...... راکٹ سیدھا مورچے کے اندر جاکر پھٹا...... ایک اور قیامت خیز دھماکہ ہوا اور مورچے کے اینٹ پتھر اوپر کو اڑے اور ایمونیشن پھٹ گیا...... مورچے میں گولوں کا بہت بڑا اسٹاک تھا...... اس نے پھٹ کر مورچے کو بنیادوں سے اکھیڑ کر ہوا میں اڑا دیا تھا...... پہاڑی کی تینوں توپیں خاموش کر دی گئی تھیں، مگر وہاں تو پورا توپ خانہ ڈیپلائے تھا۔

کمانڈو عمران نے فیروز بٹ سے کہا۔

"یہاں سے نکل چلو"۔

دونوں مجاہد پہاڑی کی دوسری طرف جاکر ڈھلان اترنے لگے...... سامنے والی پہاڑیوں کے مورچوں سے مسلسل مشین گنیں فائر ہو رہی تھیں...... بار بار روشنی راؤنڈ فائر ہو رہے تھے...... ایک ہیلی کاپٹر بھی توپوں والی پہاڑی کے اوپر آکر سرچ لائٹ کی روشنی میں فائرنگ کرنے لگا...... عمران اور فیروز بٹ تیزی سے ڈھلان اتر گئے تھے اور ایک گھاٹی میں دوڑتے جا رہے تھے...... آگے ایک خشک نالہ آگیا...... فیروز بٹ نے کہا۔

"ہمیں اس کے اندر سے ہو کر سامنے والے ٹیلے کی طرف جانا ہے"۔

اور وہ نالے میں اتر کر تیز تیز چلنے لگے...... فیروز بٹ عمران کی راہ نمائی کر رہا تھا...... وہ ان پہاڑی راستوں سے واقف تھا...... پیچھے ایک پہاڑی پر سے مارٹر گنیں فائر ہونے لگیں...... مارٹر کے گولے نالے کے آگے اور پیچھے گر کر پھٹنے لگے...... فیروز بٹ نے کہا۔

"نالے کے اوپر چڑھ کر دائیں ہو جاؤ"۔

اور وہ نالے کے اوپر آکر دائیں طرف کو دوڑے...... مارٹر گن کے گولے ان کے دائیں بائیں پھٹ رہے تھے، مگر وہ وہاں سے دور نکل چکے تھے اور ایک چھوٹے ٹیلے کے پیچھے آگئے تھے...... عمران نے کہا۔

"پتہ نہیں جبران اور شاہ رخ کہاں ہوں گے"۔

فیروز بٹ نے کہا۔

"شاہ رخ اس علاقے سے واقف ہے، اگر دونوں زندہ ہیں تو شاہ رخ جبران کو نکال کر لے آئے گا"۔

اندھیرے میں وہ پہاڑی راستے پر چلتے جا رہے تھے...... مارٹر گنوں کے دھماکے بہت پیچھے رہ گئے تھے...... انہوں نے اپنے اپنے راکٹ لانچر نالے میں ہی پھینک دیئے تھے، کیونکہ ان میں ایک ہی راکٹ لوڈ تھا جو انہوں نے فائر کر دیا تھا...... خالی لانچر اٹھا کر دوڑنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا...... وہ پہاڑی گھاٹیوں اور کھڈوں میں سے گزرتے اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچ گئے...... وہاں غازی اور دوسرے مجاہدوں نے انہیں گلے لگا لیا...... غازی کہنے لگا۔

"ہم نے دھماکوں کی آوازیں سن لی تھیں...... کتنی توپیں اڑائی ہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"پہاڑی پر صرف تین توپیں ہی تھیں...... وہ ہم نے اڑا دی ہیں...... جبران اور شاہ رخ ابھی تک کیوں نہیں پہنچے؟ ایک توپ انہوں نے اڑائی تھی"۔

غازی بولا۔

"اگر وہ شہید نہیں ہوئے تو پہنچ جائیں گے"۔

ایک گھنٹے بعد شاہ رخ اور جبران بھی آگئے...... جبران کہنے لگا۔

"افسوس کہ پہاڑی پر صرف تین ہی توپیں تھیں...... اگر زیادہ ہوتیں تو ہم انہیں بھی تباہ کر کے آتے"۔

غازی نے کہا۔

"جس پہاڑی کی توپیں تم نے تباہ کی ہیں وہ مسلسل تین دن سے مجاہدین کے ٹھکانوں پر ڈائریکٹ فائر کر رہی تھیں...... یہ بڑی اہم توپیں تھیں جو تم نے تباہ کی ہیں...... باقی توپوں کا بھی سراغ مل جائے گا...... ہم کمانڈو آپریشن ہی سے دشمن کی توپیں اڑا سکتے ہیں...... یہ ہماری مجبوری ہے...... دشمن پورا کا پورا توپ خانہ لے آیا ہے، لیکن ہم اپنے کمانڈو آپریشن جاری رکھیں گے"۔

دوسرے دن ایک خاص مجاہد نے اطلاع دی کہ بھارتیوں کے پہاڑی والے تینوں مورچے تباہ ہو چکے ہیں، لیکن دشمن نے مزید چار توپیں پہاڑی پر چڑھا دی ہیں...... غازی نے کہا۔

"ہم انہیں بھی تباہ کر دیں گے...... دشمن کی توپیں اور خود دشمن ہمارے جذبوں کے آگے نہیں ٹھہر سکتا...... اس لئے کہ ہم سر پر کفن باندھ کر یہاں بیٹھے ہیں...... ہم مرنا چاہتے ہیں...... دشمن مرنا نہیں چاہتا...... جب اسے موت کا یقین ہو جاتا ہے تو اس کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں...... ہم دشمن کو مکمل شکست نہیں دے سکتے، کیونکہ ہماری کوئی فوج نہیں ہے لیکن ہم دشمن کو اتنا نقصان پہنچائیں گے کہ وہ بوکھلا کر حواس کھو بیٹھے گا...... جیسا کہ اس وقت کشمیر فرنٹ پر ہو رہا ہے...... بھارتی سپاہی مجاہدوں کی معرکہ آرائیوں سے خوف زدہ ہو کر خودکشیاں کر رہے ہیں جو سپاہی چھٹی پر جاتا ہے وہ ہر ممکن ذرائع سے کوشش کرتا ہے کہ اسے واپس کشمیر فرنٹ پر نہ بھیجا جائے" یہ

ہماری بہت بڑی فتح اور دشمن کے مورال کی بہت شرمناک شکست ہے۔

اس کے بعد سب مجاہد آرام کرنے چلے گئے۔

دوسرے دن کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران دوسرے پہاڑ پر ڈیپلائے بھارتی بفورس توپوں اور نیچے پہاڑی کے دامن میں محفوظ مقام پر چھپائے ہوئے گن شپ ہیلی کاپٹر تباہ کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے کہ مجاہدین کا کمانڈر جس کا فرضی نام ہم نے غازی رکھا ہے ان کے پاس آگیا...... اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی نوٹ بک تھی...... وہ عمران اور جبران کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"کمانڈو عمران! تمہیں اور جبران کو ایک اور مشن پر جانا ہے جو بفورس توپوں کی تباہی کے مشن سے زیادہ اہم اور ضروری مشن ہے...... بفورس توپوں کو ہمارے مجاہد بہت جلد ٹھکانے لگا دیں گے، مگر جو مشن تمہارے لئے منتخب کیا گیا ہے اسے تمہارے سوا اور کوئی پورا نہیں کر سکتا"۔

کمانڈو عمران اور جبران کمانڈو غازی کی طرف متوجہ ہو گئے...... عمران نے کہا۔

"ہم اس اہم اور ضروری مشن کے بارے میں آپ کی زبان سے سننے کے منتظر ہیں"۔

کمانڈو غازی کہنے لگا۔

"یہ بات اب سب پر ظاہر ہو چکی ہے کہ کارگل سیکٹر میں بھارت کی فوجی ہائی کمان نے جو جنگ شروع کی تھی اس میں اسے قدم قدم پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے...... اس کی بہت سی وجوہات ہیں...... سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ جیسے جیسے بھارتی فوج توپوں کی گولہ باری تیز کر رہی ہے...... کشمیری مجاہدین کے ایمانی جذبے میں اور زیادہ جوش پیدا ہو رہا ہے...... اگر دس مجاہد شہید ہوتے ہیں تو اس کی جگہ لینے بیس مجاہد سر پر کفن باندھ کر پہنچ جاتے ہیں...... ہمارے سراغ رسانوں اور ہماری انٹیلی جنس کی اطلاع کے مطابق کارگل میں بھارت کا گولہ بارود ختم ہو رہا ہے، اس کے سپاہیوں کے

حوصلے اور مورال پست ہو رہا ہے...... بھارتی اوپی محض خانہ پری کرنے اور اپنی جان بچانے کی خاطر ٹارگٹ کی غلط سلط رپورٹ کرتے ہیں جس پر بھارتی توپچی بوکھلا کر اندھا دھند گولے برسانے لگ جاتے ہیں، جس کی وجہ سے بھارتی فوج کا گولہ بارود کم پڑتا جا رہا ہے...... امریکہ نے بھارت پر ایٹمی دھماکے کے بعد جو پابندیاں لگائی ہیں اس کے تحت اڑیسہ میں بھارت کی سب سے بڑی ایمونیشن فیکٹری بند پڑی ہے...... بھارت نے جنوبی افریقہ اور اسرائیل سے 160 ایم ایم توپوں کے ایک لاکھ گولے اور جنوبی افریقہ سے بفورس توپوں کے ستر ہزار گولے (شیل) اور ایک لاکھ نیپام بم جنوبی افریقہ کی حکومت کی وساطت سے امریکہ سے خرید لئے ہیں۔

سارے بموں کا ذخیرہ اسرائیلی مرچنٹ نیوی یعنی اسرائیل کے ایک تجارتی جہاز میں لوڈ کر دیا گیا ہے جو اس وقت مُدغاسکر کی ایک بندرگاہ سے چل پڑا ہے اور جسے ایک ہفتے کے بعد بھارت کی جنوبی تکون میں تریونڈرم کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہونا ہے...... وہاں سے یہ گولا بارود ایک سپیشل فوجی ٹرین کے ذریعے جموں کے آرمی ایمونیشن ڈپو میں لے جایا جائے گا"۔

کمانڈر غازی نے نوٹ بک کھول کر ایک صفحہ پڑھتے ہوئے کہا۔

"اسرائیل کے اس مرچنٹ نیوی شپ کا نام سینٹ جوزف ہے...... یہ جہاز ہماری اطلاع کے مطابق آج صبح مدغاسکر کی بندرگاہ سے روانہ ہو گیا ہے...... اسے بھارت کی بندرگاہ ٹریونڈرم پہنچنے میں ایک ہفتہ لگ جائے گا...... بھارت کی حکومت جتنی جلدی ہو سکے یہ گولہ بارود کارگل فرنٹ پر پہنچانا چاہتی ہے...... اسرائیلی بحری جہاز سینٹ جوزف اسرائیل کے تجارتی بیڑے کا سب سے بڑا اور سب سے تیز رفتار جہاز ہے"۔

اس انکشاف کے بعد کمانڈر غازی نے نوٹ بک اپنی جیب میں ڈالی اور کمانڈو عمران سے کہا۔

"یہ گولہ بارود کا بہت بڑا ذخیرہ ہے"۔

اگر یہ ایمونیشن کارگل سیکٹر میں پہنچ گیا تو کارگل سیکٹر کی جنگ جیتنا ہمارے لئے تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔ اس لئے کہ مجاہدین گولہ باری کے اتنے شدید دباؤ کو برداشت نہیں کر سکیں گے...... اس گولہ بارود کے ذخیرے کا ٹریونڈرم کی بندرگاہ پر یا ٹریونڈرم سے جموں تک راستے میں کسی جگہ تباہ کیا جانا اشد ضروری ہے...... یوں سمجھ لو کہ یہ کشمیری مجاہدین کی جو اس وقت کارگل سیکٹر پر لڑ رہے ہیں زندگی اور موت کا معاملہ ہے"۔

کمانڈو عمران نے جبران کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"جبران تمہارا اس سلسلے میں کیا مشورہ ہے؟"۔

کمانڈو جبران بولا۔

"میرے خیال میں جس وقت یہ گولہ بارود سپیشل فوجی ٹرین پر لوڈ کر دیا جائے گا اور ٹرین جموں توی کی طرف روانہ ہو جائے گی تو اس کا تباہ کرنا بہت مشکل کام ہو گا اور اس میں ہمیں ناکامی بھی ہو سکتی ہے، کیونکہ اتنے اہم ایمونیشن کے ذخیرے والی فوجی ٹرین کی حفاظت کے لئے فوج اور انٹیلی جنس کی طرف سے زبردست انتظام کیا جائے گا...... ساری ٹرین فوج سے بھری ہوئی ہو گی...... چار ڈبوں میں اگر ایمونیشن لدا ہوا ہو گا تو آگے پیچھے کے چھ سات ڈبوں میں اس کی حفاظت کے لئے پوری فوج بیٹھی ہو گی جس کے پاس ہر قسم کا آتشیں اسلحہ ہو گا...... راستے میں ہم کسی بھی جگہ کوئی پل بھی نہیں اڑا سکیں گے...... قدرتی بات ہے کہ اس ٹرین کے سارے روٹ کو فوج نے اپنی نگرانی میں لے لیا ہو گا اور دریا کے پلوں پر تو خاص فوجی بٹالینیں تعینات کر دی جائیں گی جو دن رات پلوں کی حفاظت کریں گی"۔

"تو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟" عمران نے سوال کیا۔

جبران بولا۔

"بہر حال ایمونیشن کو تباہ کرنے کی کوشش ٹریونڈرم بندرگاہ پر ہی کی جاسکتی ہے"۔

جبران بولا۔

"میرا خیال ہے اگر ہم نے اس منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے...... ہمیں آج ہی یہاں سے اپنے ہیڈ کوارٹر روانہ ہو جانا چاہئے"۔

عمران سمجھ گیا کہ ہیڈ کوارٹر سے جبران کی مراد گجرات کاٹھیاواڑ کے ساحلی شہر بھاؤنگر کے شاہ جی سے ہے جو چندر کانت کے نام سے وہاں بیس پچیس سال سے جاسوسی کر رہے تھے...... اس سلسلے میں وہی ان کی مدد کر سکتے تھے...... اور دوست ملک کی خفیہ آبدوز سے بھی شاہ جی عرف چندر کانت ہی رابطہ قائم کر سکتے تھے...... کمانڈو عمران نے کشمیری مجاہدین کے کمانڈر غازی سے کہا کہ وہ آج ہی وہاں سے روانہ ہو جانا چاہتے ہیں...... کمانڈر غازی نے کہا۔

"آپ جس وقت بھی جانا چاہیں گے آپ کو یہاں سے بحفاظت نکالنے کا انتظام ہو جائے گا"۔

انہوں نے کشمیر سے نکلنے کے لئے رات کا وقت منتخب کیا...... رات کے دس اور گیارہ بجے کے درمیان کمانڈو عمران اور جبران ایک گائیڈ کے ساتھ خفیہ ٹھکانے سے نکل پڑے...... گائیڈ انہیں چھوڑنے جموں تک آیا...... جموں سے وہ ٹرین میں سوار ہو کر دلی آگئے...... دلی سے حاجی صاحب کی مدد سے احمد آباد تک ہوائی جہاز میں ان کی سیٹیں بک ہو گئیں اور وہ طیارے میں سوار ہو کر احمد آباد پرواز کر گئے۔

یہ سب کچھ انہوں نے وقت بچانے کے لئے کیا تھا اور اس لئے بھی کہ کہیں راستے میں وہ سی آئی ڈی کی نظروں میں آ گئے تو خواہ مخواہ ان کا وقت برباد ہو گا اور سی آئی ڈی کے ایک آدھ آدمی کو قتل کرنا پڑے گا...... وہ ں دن احمد آباد پہنچ گئے جہاں سے

"میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اس وقت جہاز کو ڈبونے کی کوشش کرنی چاہئے جس وقت یہ ٹریونڈرم کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہو"۔

کمانڈو غازی نے کہا۔

"مگر اس وقت بھی جہاز پر فوج کا زبردست پہرہ ہو گا"۔

"ہو گا...... ضرور ہو گا" جبران نے کہا...... "لیکن جس جہاز پر ایمونیشن لدا ہوا ہے وہ فوجی جہاز نہیں ہے...... ایک تجارتی جہاز ہے...... فوج کا پہرہ بندرگاہ پر ہو گا، مگر ہم سمندر کے نیچے سے جہاز تک پہنچنے کی کوشش کریں گے"۔

کمانڈو عمران سمجھ گیا کہ جبران کا اشارہ کس طرف ہے...... اس کے ذہن میں وہی خیال تھا جو عمران کے ذہن میں تھا، یعنی گولہ بارود کے اس جہاز کو تباہ کرنے کے لئے ہمیں ایک دوست ملک کی اسی آبدوز سے مدد لینی ہو گی جس نے انہیں بحیرہ عرب میں رات کے اندھیرے میں گجرات کاٹھیاواڑ کے بھارتی ساحل پر پہنچایا تھا۔

اس خیال نے کمانڈو عمران کے ذہن میں امید کی ایک کرن روشن کر دی...... اس مشن میں دوست ملک کی آبدوز ان کی بڑی مدد کر سکتی تھی...... کمانڈو غازی کو اس آبدوز کا علم نہیں تھا اور کمانڈو عمران اسے بتانا بھی نہیں چاہتا تھا...... یہ ایک ایسا سربستہ راز تھا جو صرف دوست ملک اور اس کی خفیہ آبدوز کے عملے اور عمران اور جبران تک ہی محدود تھا...... کمانڈو غازی کہنے لگا۔

"سمندر کے ذریعے جہاز تک پہنچنا اتنا آسان نہیں ہو گا...... جہاز کی حفاظت کے واسطے نہ صرف یہ ٹریونڈرم کی اس گودی پر کسی سویلین کو جانے کی اجازت نہیں ہو گی جہاں جہاز لنگر انداز ہو گا بلکہ جہاز کے تین جانب سمندر کو انڈین نیوی کے تباہ کن سٹیمروں نے گھیرے میں لے رکھا ہو گا"۔

چونکہ عمران اور جبران کمانڈو غازی کو آبدوز کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتے تھے اس لئے عمران نے کہا۔

ایک بس میں سوار ہو کر بہاؤ نگر شاہ جی عرف چندر کانت کے دفتر میں آ گئے...... آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ہمارا ایک خاص جاسوس عرصہ پچیس برس سے رن کچھ کے ڈیلٹا والے علاقے میں خلیج کامبے کے چھوٹے سے ساحلی شہر بہاؤ نگر میں چندر کانت کے ہندوانہ نام سے کاروبار کر رہا تھا...... اس کا اصلی مشن گجرات کاٹھیا واڑ کے ساحلی علاقے میں بھارتی جہازوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کرنا تھا، کیونکہ خلیج رن کچھ میں اسی جگہ بھارت کی بحریہ کا نیول بیس یعنی بحری اڈہ تھا جہاں انڈین نیوی کے طیارہ بردار اور دوسرے جنگی جہاز لنگر انداز ہوتے تھے۔

ہمارے اس جاسوس کا اصلی نام ہم نے پہلے بھی نہیں بتایا تھا اور اب بھی نہیں بتائیں گے...... اس کا فرضی نام ہم نے شاہ جی اور ہندوانہ فرضی نام چندر کانت رکھا تھا اور چندر کانت سے پہلے ہم شاہ جی اس لئے لکھتے ہیں کہ قارئین کو پتہ چل جائے کہ یہ چندر کانت کوئی ہندو نہیں ہے بلکہ اپنا مسلمان جاسوس ہے جو ہندو بن کر وہاں رہ رہا ہے...... شاہ جی عرف چندر کانت نے اس علاقے میں اپنی زبردست سوشل اور سیاسی ساکھ بنائی ہوئی تھی اور سرکاری اور فوجی محکموں میں اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور اپنے کام میں وہ اس قدر احتیاط سے کام لیتا تھا کہ پچیس سال ہو گئے تھے مگر آج تک کسی کو اس پر ذرا سا بھی شک نہیں گزرا تھا۔

شاہ جی عرف چندر کانت انہیں اپنے چھوٹے سے درمیانے قسم کے دفتر میں ہی مل گیا...... چندر کانت مزاج کا ذرا اکڑا ہوا تھا...... اس نے اپنا ایسا مزاج بنا لیا ہوا تھا...... اس کے مشن میں اس قسم کے مزاج کی بڑی ضرورت تھی...... اس نے کمانڈو عمران اور جبران کو دیکھتے ہی کہا۔

"تم لوگ سیدھے یہاں کیوں آ گئے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"سر! ہم نے سوچا کہ آپ اکیلے ہوں گے"۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے زیادہ ترش ہو کر کہا۔

"تم لوگوں کو تمہارے فرشتوں نے بتایا تھا کہ میں اس وقت اکیلا ہوں گا"۔

عمران نے آگے سے کوئی جواب نہ دیا...... کہنے لگا۔

"جس مشن پر تم کشمیر فرنٹ پر گئے تھے کیا اس میں کوئی کامیابی ہوئی؟"۔

عمران نے کہا۔

"کافی کامیابی ہوئی ہے"۔

شاہ جی بولے۔

"کافی کامیابی کوئی کامیابی نہیں ہوتی...... کامیابی پوری ہونی چاہئے یا نہیں ہونی چاہئے"۔

جبران بولا۔

"یہی سمجھ لیجئے کہ ہمیں اپنے مشن میں پوری پوری کامیابی ہوئی ہے"۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" شاہ جی عرف چندر کانت نے ایک فائل پر گجراتی رسم الخط میں کچھ لکھتے ہوئے پوچھا...... عمران نے کہا۔

"گھر چل کر بتائیں گے...... مشن انتہائی خفیہ ہے"۔

شاہ جی بولے۔

"تم دونوں میرے شہر سے باہر والے سٹور میں پہنچو...... میں تمہیں وہیں ملوں گا" جاؤ۔

دونوں چندر کانت کے آفس سے نکل آئے...... انہوں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور شہر سے باہر شاہ جی عرف چندر کانت کے سٹور یا مال گودام میں آ گئے...... چوکیدار انہیں جانتا تھا...... اس نے کمرہ کھول دیا...... شام ہو رہی تھی کہ شاہ جی عرف چندر کانت آ گئے...... جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں...... شاہ جی بڑے حقیقت پسند واقع ہوئے تھے...... مطلب کی بات کے سوا کوئی جملہ زبان سے نہیں نکالتے تھے......

موضوع کے مطابق بات کرتے تھے اور مبالغہ آرائی کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے...... گودام کے کمرے میں داخل ہوتے ہی انہوں نے دروازے کے کواڑ بند کر کے کنڈی لگادی اور بولے۔

"اب بتاؤ تمہاری خفیہ سکیم کیا ہے"۔

عمران نے مختصر لفظوں میں سب کچھ بیان کردیا کہ کشمیر میں کارگل فرنٹ پر بھارتی فوج نے بڑا حملہ شروع کیا ہوا ہے اور اپنی ساری آرٹلری رجمنٹیں کارگل سیکٹر میں بٹالک اور دراس کے ارد گرد لے آیا ہے اور اب وہاں اس کا گولہ بارود ختم ہو رہا ہے اور وہ باہر سے یعنی جنوبی افریقہ اور اسرائیل کے ممالک سے کئی ٹن گولہ بارود منگوا رہا ہے اور اسرائیلی مرچنٹ نیوی کا ایک جہاز جس کا نام سینٹ جوزف ہے، یہ تمام گولہ بارود لے کر بھارت کے لئے روانہ ہو چکا ہے...... یہ جہاز مڈغاسکر سے چلا ہے اور جنوبی بھارت کے مغربی ساحل کی بندرگاہ ٹریونڈرم کی گودی کے ساتھ آکر لگ جائے گا...... وہاں سے گولہ بارود ایک سپیشل فوجی گاڑی کے ذریعے کارگل کے محاذ پر پہنچا دیا جائے گا...... ہمارا منصوبہ یہ ہے کہ اس جہاز کو اس وقت سمندر میں غرق کردیا جائے...... جب یہ ٹریونڈرم کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو، کیونکہ اگر یہ گولہ بارود بھارتی فوج کے پاس پہنچ گیا تو کشمیری مجاہدین کے مشن کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے"۔

شاہ جی نے پوچھا۔

"جہاز کو ڈبونے کی بجائے تم گولہ بارود والی ٹرین کو کیوں نہیں اڑا دیتے؟"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"ٹرین کو اڑانا مشکل نظر آتا ہے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹرین پر پوری پوری فوجی بٹالینیں سوار ہوں گی اور حفاظتی انتظامات بہت سخت ہوں گے...... اس سے پہلے ہم کو ایسی ہی ایک فوجی ٹرین کو اڑانے کے لئے بڑی تگ و دو کرنی پڑی تھی، جبکہ جہاز کو غرق کرنا اتنا مشکل نہیں ہوگا، کیونکہ ہم سطح سمندر سے نیچے سے ہو کر جہاز تک پہنچنے

کی کوشش کریں گے...... اس مشن کے لئے ہمیں کچھ چیزوں کی ضرورت ہوگی...... کیا آپ ان چیزوں کا انتظام کر سکیں گے جس کی اس مشن میں ہمیں ضرورت ہے؟"۔

چندر کانت بڑے غور سے عمران کی باتیں سن رہا تھا، کہنے لگا۔

"پہلے اپنی سکیم بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"۔

کمانڈو عمران نے چندر کانت کو اپنا پورا منصوبہ جو اس نے جبران کے ساتھ مل کر تیار کیا تھا بتا دیا...... منصوبہ چندر کانت کے دل کو لگا، کہنے لگا۔

"منصوبہ بہت کارآمد ہے، لیکن کامیابی کے امکانات صرف پانچ فیصد ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"فوجی سپیشل ٹرین کو اڑانے میں کامیابی کے امکانات اس سے بھی کم ہیں اور پھر اگر ہم جہاز کو غرق کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اس کے ساتھ جہاز کا سارا گولہ بارود بھی غرق ہو جائے گا"۔

چندر کانت نے کہا۔

"یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... لیکن ایسے جہاز کو غرق کرنا جس میں بھارت کے فوجی یونٹوں اور توپوں کے لئے کئی ٹن گولہ بارود لدا ہوا ہو...... اتنا آسان کام نہیں ہے"۔

عمران بولا۔

"میں نے کب کہا کہ یہ کوئی آسان کام ہے...... ہم تو اس مشن پر خودکشی کی مہم سمجھ کر نکلیں گے، لیکن آپ کے تعاون کے بغیر ہم کچھ نہیں کر سکیں گے"۔

چندر کانت خاموش ہو گیا...... جبران نے کہا۔

"سر! اس مشن کے لئے ہمیں بہت سے لوازمات کی ضرورت ہوگی...... سب سے پہلے ہمیں انتہائی طاقتور اور انتہائی دھماکہ خیز ٹائم بموں کی ضرورت ہوگی، اس کے علاوہ ہمیں غوطہ خوری کے سوٹ بھی چاہئیں"۔

چندر کانت یعنی شاہ جی نے پوچھا۔

"مجھے بات مختصر کر کے بتاؤ کہ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں"۔

کمانڈو عمران کہنے لگا۔

"ہمارا یہ مشن دوست ملک کی خفیہ آبدوز کی مدد کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا اور خفیہ آبدوزوں سے آپ ہی رابطہ پیدا کر سکتے ہیں...... یہ وہی آبدوز ہے جس نے ہمیں ایک اندھیری رات میں گجرات کاٹھیاواڑ کے ساحل پر پہنچایا تھا تاکہ ہم آپ کے پاس پہنچ سکیں"۔

چندر کانت یعنی شاہ جی سوچ میں پڑ گئے...... تھوڑی دیر بعد بولے۔

"یہ جہاز جو جنوبی افریقہ سے گولہ بارود کی بھاری مقدار لے کر بھارت آرہا ہے...... ٹریونڈرم کب پہنچے گا؟ کیا اس بارے میں تم لوگوں کو کچھ علم ہے؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"حتمی تاریخ کا کسی کو علم نہیں...... ہمارا اندازہ ہے کہ یہ جہاز جس کا نام سینٹ جوزف ہے اسی ہفتے کے اندر اندر بھارت کے مغربی ساحل کی بندرگاہ ٹریونڈرم پہنچ جائے گا"۔

چندر کانت یعنی شاہ جی بولے۔

"اچھی بات ہے...... میں خفیہ آبدوز والوں سے آج رات ہی رابطہ پیدا کرتا ہوں...... پھر ان کی طرف سے جو جواب ملے گا وہ میں تم لوگوں کو بتا دوں گا"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"سر! آپ انہیں پوری بات سمجھا دیجئے؟" کہ یہ مشن کس قدر اہمیت کا حامل ہے...... اور اس کی کامیابی پر کارگل سیکٹر میں کشمیری مجاہدین کی کامیابی کا انحصار ہے"۔

چندر کانت یعنی شاہ جی نے قدرے تلخی سے کہا۔

"تم کیا سمجھتے ہو کہ میں کوئی بچہ ہوں؟ کوئی اناڑی ہوں؟ مجھے نہیں معلوم کہ

مشن کشمیری مجاہدین اور خود ہمارے لئے کس قدر اہمیت کا حامل ہے؟"۔

کمانڈو عمران نے جبران کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا...... چندر کانت یعنی شاہ جی اٹھے اور کہنے لگے۔

"تم دونوں اسی جگہ پر انتظار کرو گے"۔

یہاں سے کہیں ادھر ادھر نہیں جاؤ گے: اگر میں خفیہ آبدوز والوں سے رابطہ قائم کر سکا تو کل اسی وقت تمہارے پاس آجاؤں گا"۔

چندر کانت یعنی شاہ جی چلے گئے تو جبران کہنے لگا۔

"ہمارے شاہ جی کی طبیعت گرم ہے"۔

عمران نے کہا۔

"یہ شخص پچیس برس سے دشمن کے گھر میں اور موت کے منہ میں بیٹھا پاکستان کی خدمت کر رہا ہے...... اسے جو کچھ معلوم ہے اور اسے جتنا کچھ تجربہ ہے...... یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی ہم میں سے کوئی ان کے علم اور تجربے کو چیلنج کرتا ہے تو وہ غصے میں آجاتے ہیں...... بہر حال مجھے یقین ہے کہ شاہ جی خفیہ آبدوز والوں سے رابطہ بھی قائم کر لیں گے اور انہیں اس مشن کے لئے ہماری مدد کرنے پر بھی آمادہ کر لیں گے۔

اگلے دن سورج غروب ہونے کے بعد چندر کانت یعنی شاہ جی عمران اور جبران کے پاس پہنچ گئے...... کہنے لگے۔

"دوست ملک کی خفیہ آبدوز والوں سے میری بات ہو گئی ہے...... وہ ہماری مدد کرنے پر تیار ہیں...... یہ اطلاع انہیں بھی مل چکی ہے کہ اسرائیل کا ایک مرچنٹ جہاز بھارت کے لئے گولہ بارود کی بھاری مقدار لے کر آرہا ہے اور وہ چھ دن کے بعد بھارت کی مغربی بندرگاہ ٹریونڈرم پر لنگر انداز ہوگا...... میں نے آبدوز کے کپتان کو تمہاری ضرورت سے آگاہ کر دیا ہے...... ان کا کہنا ہے کہ تم لوگوں کو آبدوز میں ہر شے مل جائے گی...... ٹریونڈرم کی بندرگاہ سے تین سمندری کلو میٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹا

سا ویران جزیرہ یا ٹاپو ہے جہاں جھاڑیوں اور تاڑ کے درختوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے...... یہ ٹاپو بمشکل ڈیڑھ مربع میل ہے...... تم لوگوں کو تین دن بعد رات کے ایک بجے اس ویران ٹاپو میں خفیہ آبدوز کا انتظار کرنا ہوگا...... خفیہ آبدوز رات کے ٹھیک دو بجے ویران ٹاپو سے ایک میل دور سمندر میں ابھرے گی اور آبدوز کے عملے کا ایک آدمی چھوٹی کشتی لے کر آئے گا اور تمہیں اپنے ساتھ آبدوز میں لے جائے گا...... اس کے بعد تمہیں جو کچھ کرنا ہے تم آبدوز کے کپتان کو سمجھا دینا اور آبدوز کا کپتان تمہارے لئے جو کچھ کر سکتا ہے تمہیں بتا دے گا...... تم میری بات سمجھ گئے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"یس سر! آپ کا ایک ایک لفظ ہم پوری طرح سمجھ گئے ہیں...... اب سوال آج سے تین دن بعد یہاں سے ٹریونڈرم کی بندرگاہ سے تین سمندری میل دور ویران ٹاپو پر پہنچنے کا ہے...... ہم نے یہ ٹاپو نہیں دیکھا ہوا...... کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی گائیڈ ہماری وہاں تک راہ نمائی کر سکے؟"۔

چندر کانت یعنی شاہ جی نے بڑے روکھے پن سے کہا۔

"میرے پاس ایسا کوئی گائیڈ نہیں ہے جو تمہاری راہ نمائی کر سکے...... یہ کام تمہیں خود ہی کرنا ہوگا اور خود ہی خطرہ مول لے کر اور اپنی عقل سے کام لے کر ویران ٹاپو تک پہنچنا ہوگا...... میں تمہیں نقشے پر ویران ٹاپو دکھا دوں گا...... ٹریونڈرم تک تم خود ہی جاؤ گے اور آگے ویران ٹاپو پر بھی تم خود ہی اپنی عقل سے کام لے کر پہنچو گے...... تم یہاں سے چلنے کی تیاری شروع کر دو...... ٹریونڈرم یہاں سے کافی دور ہے...... میں تمہارے ٹکٹ بھی خرید لوں گا اور تمہیں ٹرین کی روانگی کا وقت بھی بتا دوں گا...... یہاں بہاؤ نگر سے تمہیں احمد آباد جانا ہوگا...... احمد آباد سے تمہیں ٹریونڈرم جانے والی ٹرین ملے گی...... تم سمجھ گئے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"یس سر! میں سمجھ گیا ہوں"۔

"اور تم بھی سمجھ گئے ہو؟" چندر کانت عرف شاہ جی نے جبران کی طرف دیکھ کر پوچھا...... جبران نے فوراً کہا۔

"یس سر! میں بھی سمجھ گیا ہوں"۔

"ٹھیک ہے اب میں چلتا ہوں...... میں کل نہیں آؤں گا...... پرسوں شام کو آؤں گا اور تمہارے لئے ٹکٹ لیتا آؤں گا...... خدا حافظ!"۔

چندر کانت عرف شاہ جی اٹھے اور کمرے سے نکل گئے...... دو دن کمانڈو عمران اور جبران نے اسی شہر بہاؤ نگر سے دور تنہا جگہ پر گزارے...... دونوں صبر اور تحمل کے ساتھ صبر کرنا اور انتظار کرنا جانتے تھے...... تیسرے دن شام کو وعدے کے مطابق چندر کانت یعنی شاہ جی آ گئے...... احمد آباد سے ٹریونڈرم تک کے تھرڈ کلاس کے دو ٹکٹ انہوں نے عمران کے حوالے کئے اور کہنے لگے۔

"یہاں سے تم صبح چھ بجے کی ٹرین سے احمد آباد روانہ ہو گے...... احمد آباد سے دن کے گیارہ بجے تم لوگ کوچین ٹریونڈرم ایکسپریس پکڑو گے جو تمہیں رات کو ٹریونڈرم پہنچا دے گی...... تم ٹریونڈرم کے کسی معمولی سے ہوٹل میں ٹھہرو گے اور اپنے آپ کو کسی کمپنی کا ایجنٹ ظاہر کرو گے...... اگلا دن تم ہوٹل میں گزارو گے...... اس دن کی شام کو تم ٹریونڈرم کی بندرگاہ کے جنوب کی جانب ماہی گیروں کی ایک بستی سے کشتی لے کر تین کلومیٹر کے فاصلے پر سمندر کے ویران ٹاپو میں جاؤ گے اور اس کے بعد وہیں رہو گے...... رات کے ایک بجے کے بعد کسی بھی وقت تمہیں مغرب کی طرف سمندر میں ایک سرخ بتی جلتی بجھتی نظر آئے گی...... یہ ہمارے دوست ملک کی خفیہ آبدوز ہو گی جس کی پیری سکوپ کے اوپر لگی ہوئی چھوٹی سی سرخ بتی تمہیں اپنی آمد کا سگنل دے دے گی...... پانچ پانچ منٹ کے وقفے کے بعد یہ سرخ بتی تین بار تمہیں سگنل دے گی...... اس کے جواب میں تم بھی آبدوز کی طرف ٹارچ کی روشنی تین بار ڈالو گے، اس

کے فوراً بعد تمہیں بھی ٹارچ کی روشنی بند کر دینی ہو گی اور تمہاری ٹارچ کا سگنل ملنے کے بعد آبدوز کی سرخ بتی بھی بجھ جائے گی..... پھر آبدوز کی سمت سے آبدوز کے عملے کا ایک آدمی ربڑ کی کشتی لئے ٹاپو کے ساحل پر آئے گا اور تم دونوں کو ساتھ لے کر واپس آبدوز پر لے جائے گا..... جو کچھ میں نے کہا ہے تم اچھی طرح سمجھ گئے ہو؟"۔

عمران نے اور جبران نے بیک زبان ہو کر کہا۔

"جی..... پوری طرح سمجھ گئے ہیں"۔

"ٹھیک ہے" چندر کانت عرف شاہ جی نے کہا..... "اب جو کچھ کرنا ہے آبدوز کے کپتان کی راہ نمائی میں تم دونوں کو خود ہی کرنا ہو گا..... اگر تم اس کمانڈو آپریشن میں زندہ بچ گئے تو مجھے آ کر رپورٹ دو گے کہ تمہارا مشن کامیاب رہا ہے یا نہیں"۔

اس کے بعد شاہ جی نے کوئی بات نہ کی اور صرف اتنا کہہ کر چلے گئے کہ "اب میں جاتا ہوں..... جاؤ اور اپنی ڈیوٹی پوری کرو"۔

شاہ جی اپنی ڈیوٹی پوری کر کے چلے گئے اور اب کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران کی ڈیوٹی شروع ہو گئی تھی..... انہوں نے رات کا کھانا کھایا اور اپنے اپنے دماغ کو یہ حکم دے کر کہ ہمیں صبح چار بجے جگا دینا، سو گئے۔

انہیں تربیت کے دوران اس کی بڑی مشق کرائی گئی تھی..... وہ اپنے دماغ کو رات کو سونے سے پہلے جس وقت جگانے کا کہتے وہ اسے جگا دیتا تھا..... کبھی کبھی انہیں محسوس ہوتا کہ ان کے اندر کوئی اور آدمی بیٹھا ہے جو رات کو بھی جاگتا رہتا ہے..... یا کم از کم اس وقت جاگ رہا ہوتا ہے جب وہ سو رہے ہوتے ہیں..... ٹھیک چار بجے صبح دونوں کی اپنے آپ آنکھ کھل گئی۔

انہوں نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا..... رات کے کھانے کے ساتھ جو شہد انہیں دیا گیا تھا وہ تھوڑا سا بچ گیا تھا..... انہوں نے اسے پانی میں گھول کر ایک ایک گلاس پیا اور بہادر نگر کے ریلوے سٹیشن پر پہنچ گئے..... احمد آباد جانے والی ٹرین وقت پر انہیں

لے کر احمد آباد روانہ ہو گئی..... احمد آباد سے انہیں کوچین ٹریونڈرم ایکسپریس ٹرین مل گئی..... وہ اس کے الگ الگ کمپارٹمنٹ میں سوار ہو گئے اور ٹرین ٹریونڈرم کی طرف روانہ ہو گئی..... کافی لمبا سفر تھا..... اس سفر کا شاہ جی یعنی چندر کانت کا اندازہ بھی صحیح نہیں تھا..... انہوں نے کہا تھا کہ تم شروع رات ٹریونڈرم پہنچ جاؤ گے، مگر ٹرین نے سارا دن اور ساری رات لے لی اور دوسرے دن دوپہر کے بعد ٹریونڈرم پہنچی..... فروری مارچ کے دن تھے، مگر بھارت کے جنوب میں گرمی تھی اور سٹیشن کے سارے پنکھے چل رہے تھے۔

انہوں نے وہیں سٹیشن کے قریب ایک معمولی سے ہوٹل میں ایک کمرہ کرائے پر لے لیا اور آدھا دن وہیں گزار دیا..... سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے وہ ہوٹل سے نکل کر شہر کے جنوب کی طرف ساحل سمندر کے ساتھ چل پڑے..... کافی دور چلنے کے بعد شاہ جی کے کہنے کے مطابق ایک جگہ ماہی گیروں کی جھونپڑیاں دکھائی دیں..... انہوں نے ایک کشتی کرائے پر لے کر ماہی گیر ملاح کو ساتھ لیا اور ویران ٹاپو کی طرف سفر شروع کر دیا..... سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھکتا چلا جا رہا تھا کہ وہ سمندر کے بیچ میں ایک چھوٹے سے جزیرے پر اتر گئے..... ملاح کشتی لے کر واپس چلا گیا..... جزیرہ چھوٹا سا تھا..... دوسرا کنارہ صاف نظر آ رہا تھا..... یہ بیضوی جزیرہ تھا..... اس کے ارد گرد سمندر تھا..... تاڑ کے درخت کہیں کہیں کھڑے تھے..... تاڑ کے درخت بالکل بجلی کے کھمبوں کی طرح ہوتے ہیں اور تنے بالکل صاف ہوتے ہیں..... صرف اوپر جا کر درخت کی ناریل کی شاخوں ایسی دس بارہ شاخیں باہر کو نکلی ہوتی ہیں..... اس درخت کی ٹہنی کاٹ کر اس کے آگے مٹی کی ہانڈی باندھ کر دیہاتی لوگ تاڑی بھی تیار کرتے ہیں..... صبح ہانڈی اتار لیتے ہیں..... اس میں دہی کی لسی کی طرح گاڑھی تاڑی جمع ہوتی ہے..... ہم نے یہ تاڑی مدراس کے ارد گرد کے ایک جنگل میں پی تھی..... تازہ تاڑی کی تاثیر ٹھنڈی ہوتی ہے..... اس میں نشہ بالکل نہیں ہوتا.....

اس میں پانی ڈال کر اس کو عمل تبخیر میں سے گزار کر اس کی تاڑی بنائی جاتی ہے...... پھر اس میں بڑا سخت نشہ ہو جاتا ہے اور پینے والے کے طور بطور گھوم جاتے ہیں...... جنوبی ہند برما اور سری لنکا کے دیہاتی اور شہروں کے رکشا چلانے والے محنتی مزدور لوگ تاڑی بڑے شوق سے پیتے ہیں...... رنگون کی ایک سٹریٹ میں ایک دکان ہوا کرتی تھی...... ہم نے (کتاب کے مصنف نے) وہاں برمی اور مدراسی عورتوں کو بھی گلی میں بیٹھ کر مٹی کے پیالوں میں نمکین چنوں کے ساتھ تاڑی پیتے دیکھا ہے۔

عمران اور جبران دونوں کمانڈو دوست اس مختصر سے ویران ٹاپو میں سمندر کے ساحل کے پاس مغرب کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئے...... اسی روز آدھی رات کے بعد یعنی ایک بجے کے بعد وہاں سے کچھ فاصلے پر دوست ملک کی آبدوز نے سرخ بتی روشن کر کے سگنل دینا تھا...... ایک چھوٹی ٹارچ کمانڈو عمران نے اپنے پاس رکھ لی تھی...... اس ٹارچ کو روشن کر کے کمانڈو عمران نے آبدوز کے کپتان کو جوابی سگنل دینا تھا۔

سورج غروب ہو گیا...... سمندر پر شفق کی سرخ روشنی پھیل گئی...... پھر یہ روشنی آہستہ آہستہ سیاہ ہوتی گئی اور رات پڑ گئی...... آسمان پر ستارے نکل آئے...... ویران ٹاپوں کی جھاڑیوں میں جھینگر اور دوسرے عجیب و غریب سیٹیوں کی آوازوں والے کیڑے مکوڑے بولنے لگے...... سمندر کی لہروں کے سوا وہاں کوئی آواز نہیں تھی...... لہریں سمندر میں دور دور سے آکر ساحل پر چڑھ کر کچھ دور تک ریت پر جاتیں اور سفید جھاگ اور گھونگے سیپیاں وغیرہ چھوڑ کر واپس چلی جاتیں...... سمندر سے ساحل کی طرف تیز ہوا چل رہی تھی...... چندر کانت عرف شاہ جی کے مخبر کی اطلاع کے مطابق دو روز بعد گولہ بارود والے بحری جہاز کو ٹریونڈرم کی گودی پر آکر لگنا تھا...... یہ دو دن ان دونوں کمانڈو دوستوں کو آبدوز کے آجانے کی صورت میں آبدوز کے اندر ہی گزارنے تھے...... آبدوز کے کپتان کے ساتھ رابطہ کر کے شاہ جی نے ان کے مشن کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور آبدوز کے کپتان سے کہہ دیا تھا کہ وہ

دونوں کمانڈوز کو ان کی ضرورت کا سامان مہیا کر دے...... کپتان نے دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے وعدہ کر لیا تھا کہ کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران کو ان کی ضرورت کی ہر شے سپلائی کر دی جائے گی۔

دونوں کمانڈو دوست سمندر کے کنارے ایک جگہ جھاڑیوں کے پاس سمندر کی طرف ایک خاص سمت کو منہ کر کے بیٹھے تھے...... جب ان کی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑیوں نے رات کے دس بجائے تو انہوں نے اپنے ساتھ کیلوں کے پتوں میں لپیٹ کر لائے ہوئے چاول کھائے...... تھرمس میں سے پانی پیا اور رات کے ایک بجے کا انتظار کرنے لگے...... ویران ٹاپو رات کی تاریکی میں سنسان تھا...... رات گہری ہوئی تو جھینگروں وغیرہ کی آوازیں بالکل بند ہو گئیں...... یہ چیز ان کی سمجھ میں نہیں آئی کہ جھینگروں اور دوسرے کیڑے مکوڑوں نے بولنا کیوں بند کر دیا ہے...... رات گزرتی چلی گئی...... گیارہ بجے پھر بارہ بج گئے...... دونوں اپنے مشن کے بارے میں باتیں کرتے رہے...... جب رات کا ایک بج گیا تو دونوں ہوشیار ہو کر بیٹھ گئے...... اب کسی بھی وقت دور سے آبدوز کی سرخ بتی سگنل دے سکتی تھی...... آبدوز نے پانچ پانچ منٹ کے وقفے سے تین بار سرخ بتی کا سگنل دینا تھا...... یہی ان دونوں کا خفیہ کوڈ اور پاس ورڈ تھا۔

ٹھیک رات کے سوا ایک بجے سمندر میں کچھ فاصلے پر سطح سمندر سے دو تین گز کی بلندی پر ایک دم سرخ بتی دو بار روشن ہو کر بجھ گئی...... ٹارچ کمانڈو عمران کے ہاتھ میں تھی...... اس نے فوراً ٹارچ کو اوپر کر کے اور اس کا رخ آبدوز کی طرف کر کے دوبارہ ٹارچ روشن کر کے جوابی سگنل دیا...... سرخ بتی بجھ گئی...... پورے پانچ منٹ کے بعد آبدوز کی جانب سے دوبارہ سرخ بتی کا سگنل دیا گیا...... عمران نے اس بار بھی ٹارچ دوبارہ روشن کر کے سگنل کا جواب دے دیا...... پانچ منٹ کے وقفے سے آبدوز کی جانب سے تیسری بار سرخ بتی کا سگنل دیا گیا...... عمران نے بھی تیسری بار ٹارچ کی روشنی کا سگنل دے دیا...... اس کے بعد سمندر پر اندھیرا چھا گیا...... کمانڈو جبران نے کہا۔

"میرا خیال ہے دس پندرہ منٹ میں کشتی ساحل پر آجائے گی"۔

ان دونوں کی آنکھیں سمندر میں اس جگہ پر جمی ہوئی تھیں جہاں سرخ بتی نے تین بار سگنل دیا تھا...... ستاروں کی دھیمی دھیمی روشنی میں انہیں سطح سمندر پر ایک سایہ سا دکھائی دیا...... عمران نے کہا۔

"آبدوز کا آدمی ہمیں لینے کے لئے آرہا ہے؟"۔

"خدا کرے کہ وہی ہو" جبران نے جواب دیا۔

"وہی ہوگا" کمانڈو عمران نے کہا اور جھاڑیوں میں سے اٹھ کر ریت پر اس جگہ آگیا جہاں سمندر کی لہریں آکر واپس چلی جاتی تھیں...... کمانڈو جبران بھی اس کے ساتھ ہی تھا...... انسانی سایہ آہستہ آہستہ قریب آرہا تھا...... وہ چھوٹی سی کشتی میں بیٹھا چپو چلا رہا تھا...... عمران نے ٹارچ اس کی طرف کر کے دوبارہ روشن کی...... یہ آبدوز کے عملے کا سیلر تھا...... اس نے ٹارچ کی روشنی دیکھی اور کشتی کو اسی طرف لے آیا......

چند لمحوں کے بعد وہ ربڑ کی کشتی میں سے اتر کر اسے کھینچتا ہوا عمران اور جبران کے پاس لے آیا...... آبدوز کے اس ملاح یعنی سیلر کی ہم قومیت نہیں بتائیں گے کہ اس کا تعلق کس ملک سے تھا...... اس آدمی نے انگریزی میں عمران اور جبران سے ان کے نام پوچھے۔

عمران اور جبران نے باری باری اپنے نام بتائے...... یہ وہی نام تھے جو ملاح کو آبدوز کے کپتان نے بتائے تھے...... اس نے انگریزی میں کہا۔

"میری کشتی میں بیٹھ جاؤ"۔

دونوں کمانڈو دوست ربڑ کی کشتی میں بیٹھ گئے اور کشتی ساحل سے کھلے سمندر کی طرف چل پڑی...... سمندر میں دو کوس تک سفر کرنے کے بعد کمانڈو عمران اور جبران نے کچھ دوری پر آبدوز کو دیکھا جو سمندر سے باہر نکلی ہوئی تھی...... اس کے عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگ کر دو آدمی کھڑے تھے...... جیسے ہی کشتی آبدوز کے پاس پہنچی

اوپر سے رسے کی سیڑھی نیچے پھینک دی گئی...... کشتی کا کارک کھول کر اس کی ہوا نکال دی گئی اور تینوں آدمی یعنی کمانڈو عمران، جبران اور آبدوز کا ملاح سیڑھی چڑھ کر آبدوز کے اوپر آگئے...... وہ دونوں آدمی کھلے ڈھکنے کے اندر اتر گئے...... اس کے پیچھے عمران، جبران اور جو آدمی انہیں کشتی میں بٹھا کر لایا تھا وہ بھی آبدوز میں اتر گیا۔



آبدوز کے کپتان نے انگریزی میں کمانڈو عمران اور جبران کو خوش آمدید کہا......

وہ ان دونوں کو بخوبی جانتا تھا...... اس کپتان نے دونوں کمانڈو دوستوں کو ایک اندھیری رات میں گجرات کاٹھیاواڑ کے رن کچھ والے ساحل پر اتارا تھا...... دونوں کمانڈو کے آبدوز میں داخل ہونے کے فوراً بعد آبدوز پانی میں غوطہ لگا کر سمندر کی گہرائی میں اتر گئی۔

آبدوز کے کپتان کو بعض خفیہ ذرائع سے دونوں دوستوں کے کمانڈو مشن سے آگاہ کر دیا گیا تھا...... آبدوز کے سمندر میں غوطہ لگانے کے بعد کپتان کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران کو اپنے خاص کیبن میں لے گیا اور کہنے لگا۔

”ہم نے اپنے ذرائع سے معلوم کیا ہے کہ بھارت کا جہاز گولہ بارود کی بھاری کھیپ لے کر پرسوں شام کے وقت ٹریونڈرم کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہونے والا ہے...... یہ کافی بڑا تجارتی جہاز ہے...... اس جہاز کو گودی سے لگانے کے لئے وہاں سے تقریباً تین جہازوں کو نکال کر دوسری جگہ پہنچا دیا گیا ہے...... گودی کے ارد گرد حفاظتی انتظامات ابھی سے نہایت سخت کر دیئے گئے ہیں...... اس گودی پر کسی شہری کو جانے کی اجازت نہیں ہے...... اب آپ بتائیں کہ آپ کے ذہن میں اس جہاز کو تباہ کرنے کا کون سا منصوبہ ہے“۔

عمران نے کپتان کو بتایا کہ ان کی سکیم یہ ہے کہ رات کے پچھلے پہر جب جہاز

بندرگاہ میں لنگر انداز ہو چکا ہو گا تو جہاز کے نیچے بڑے زبردست اور طاقتور ٹائم بم لگا کر جہاز کو گولہ بارود سمیت غرق کر دیا جائے۔

”آپ یہ بتائیے کہ اس سلسلے میں ہمیں جن اشیاء کی ضرورت ہے کیا وہ آپ ہمیں سپلائی کر سکیں گے؟ مثلاً غوطہ خوری کے سوٹ، انتہائی طاقتور مگر چھوٹے سائز کے ٹائم بم اور آکسیجن کے سلنڈر وغیرہ اور کوئی ایسی کشتی جو ہمیں ہمارے ٹارگٹ یعنی جہاز کے قریب پہنچا دے؟“۔

کپتان کہنے لگا۔

”اس کی آپ فکر چھوڑ دیں...... یہ تمام چیزیں آپ کو بالکل تیاری کی حالت میں ملیں گی...... ہمارے پاس ایک ایسی سگار نما کشتی ہے جس پر آپ ایسے بیٹھ جائیں گے جیسے کسی گھوڑے پر بیٹھا جاتا ہے...... یہ سگار نما کشتی پانی کے اندر ہی اندر جہاز کے پیندے تک پہنچا دے گی...... سمندر کی سطح پر چلنے والی کشتی جہاز کی سرچ لائٹ میں نظر آ جائے گی“۔

میرے ساتھ آؤ...... میں تمہیں یہ کشتی دکھائے دیتا ہوں۔

آبدوز کا کپتان عمران اور جبران کو ساتھ لے کر ایک چھوٹے سے کیبن میں آ گیا جہاں دیوار کے ساتھ غوطہ خوری کے سوٹ لٹکے ہوئے تھے...... کونے میں ایک لمبوتری سگار کی شکل کی کشتی کھڑی تھی...... کپتان نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”یہ کشتی آپ لوگوں کو سمندر کے اندر ہی اندر جہاں آپ جانا چاہیں گے لے جائے گی...... ہم آپ لوگوں کو ایسی دو کشتیاں دیں گے“۔

وہیں آکسیجن کے ہلکے پھلکے سلنڈر بھی رکھے تھے...... یہ سلنڈر دونوں کمانڈوز کو اپنی کمر پر باندھ کر ساتھ لے جانے تھے...... تاکہ وہ پانی کے اندر بھی سانس لے سکیں...... اس کے بعد کپتان نے ایک چھوٹی آہنی الماری کھولی اور اندر سے ایک بکس نکال کر اس کا ڈھکنا کھول دیا...... بکس میں ایک بالغ آدمی کی بند مٹھی کے سائز کے دس

بارہ ٹائم بم رکھے ہوئے تھے...... کپتان کہنے لگا۔

"یہ انتہائی طاقتور میگنیٹک ٹائم بم ہیں...... ان میں سے ہر ایک بم میں اتنی طاقت ہے کہ اگر اسے جہاز کے پیندے میں کسی جگہ چپکا دیا جائے اور وقت مقررہ پر جب یہ پھٹے گا تو جہاز چاہے کتنا بڑا کیوں نہ ہو یہ بم پھٹنے کے بعد اسے صرف ڈبوئے گا ہی نہیں بلکہ اس کے پرخچے اڑا دے گا"۔

کمانڈو عمران اور جبران ٹائم بموں کو اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے...... کپتان نے کہا۔

"یہ ٹائم بم جرمنی نے حال ہی میں ایجاد کئے ہیں...... یہ فوج کی کمانڈو بٹالین ک دے دیئے گئے ہیں...... یہ دشمن کے ایمونیشن کے ذخیروں، بڑی بڑی عمارتوں ا پلوں وغیرہ کو اڑانے کے کام آتے ہیں...... اسے ہم ٹائم بم ہی کہتے ہیں...... یہ جہاز کے پیندے کے ساتھ آسانی سے چپک جائیں گے"۔

کمانڈو عمران نے مسکراتے ہوئے جبران کی طرف دیکھا...... جبران کو بھی اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ انہیں ضرورت کی ہر شے تیار ملے گی...... آبدوز سمندر ک اندر سفر کر رہی تھی...... کمانڈو عمران نے کپتان سے پوچھا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں کپتان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم فکر مت کرو...... ہم ٹارگٹ سے دور نہیں جائیں گے...... ہم ٹریونڈر بندرگاہ کے قریب ہی ہیں لیکن بھارت کی سمندری حدود سے باہر رہ کر جہاز کا انتظ کرنا چاہتے ہیں...... تمہاری اطلاع کے مطابق جہاز کو کس روز بھارت پہنچنا تھا؟"۔

عمران نے کہا۔

"اگر ہماری اطلاع درست ہے تو جہاز کو کل کسی وقت ٹریونڈرم پہنچ جانا چاہئے"

کپتان کہنے لگا۔

"او کے"۔

آبدوز کے اندر دن اور رات میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا تھا...... صرف کلا

بتا رہا تھا کہ اس وقت دن کے یا شام کے اتنے بجے ہیں...... سمندر کی سطح پر آبدوز کی رفتار اور سمندر کے نیچے آبدوز کی رفتار میں بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے...... سمندر کے اندر سفر کرتے وقت آبدوز کی رفتار ہلکی ہو جاتی ہے کیونکہ اس پر چاروں طرف سے سمندر کے پانی کا زبردست دباؤ پڑ رہا ہوتا ہے...... ڈیڑھ ایک گھنٹے کے بعد آبدوز سمندر کی سطح پر ابھر آئی، چونکہ یہ جنگ کا زمانہ نہیں تھا اس لئے سمندر کی سطح پر بھی امن تھا اور کسی بھی ملک کی آبدوز یا بحری جہاز آزادی اور بے فکری سے سفر کر سکتا تھا...... آبدوز کا عملہ کپتان کی اجازت سے آبدوز کے عرشے پر آ گیا...... کمانڈو عمران اور جبران بھی کپتان کے ساتھ آبدوز کے عرشے پر نکل آئے...... چاروں طرف ڈوبتے سورج کی سنہری روشنی سمندر پر پھیلی ہوئی تھی...... تیز سمندری ہوائیں چل رہی تھیں۔

تازہ ہوائیں آنے سے انہیں بڑے سکون کا احساس ہوا۔

کچھ دیر ساکن رہنے کے بعد آبدوز اسی طرح باہر نکلی ہوئی ایک طرف کو سفر کرنے لگی...... کپتان نے عمران کو بتایا کہ وہاں سے قریب ہی ایک چھوٹا سا غیر آباد جزیرہ ہے...... ہم وہاں لنگر ڈال کر رات گزاریں گے اور وہیں ہمیں بھارت کے اسرائیلی جہاز کی آمد کی خبر مل جائے گی...... دوست ملک کی اس آبدوز پر جاسوسی اور سراغ رسانی کا سارا سازوسامان موجود تھا...... آبدوز ایک چھوٹے سے بے آباد جزیرے کے قریب سمندر میں کھڑی ہو گئی اور لنگر ڈال دیا گیا...... موسم گرم تھا، مگر سمندری ہوا چل رہی تھی...... آبدوز پر پہرہ لگا دیا گیا...... جزیرے پر عملے نے میز کرسیاں ڈال دیں...... ساحل پر ہی انہوں نے رات کا کھانا کھایا اور سونے کے لئے آبدوز کے عرشے پر چلے گئے...... رات گزر گئی...... دوسرے دن جہاز کو ٹریونڈرم کے ساحل پر پہنچنا تھا...... آبدوز کے کپتان نے کسی خفیہ ایجنسی سے مسلسل وائرلیس پر رابطہ قائم رکھا ہوا تھا...... دن کے کوئی دس بجے کے قریب اس نے وائرلیس پر اپنی انٹیلی جنس ایجنسی سے رابطہ پیدا کیا اور ان سے جہاز کی آمد کے بارے میں پوچھا......

دوسری طرف سے خفیہ الفاظ میں جواب ملا کہ جہاز سورج غروب ہونے کے فوراً بعد ٹریونڈرم کی گودی میں پہنچ جائے گا۔

کپتان نے اسی وقت آبدوز کو واپس چلنے کا حکم دیا اور کچھ دیر بعد آبدوز بھارت کے مغربی گھاٹ کے ساحل سے چالیس میل دور آزاد پانیوں میں ایک جگہ کھڑی ہو گئی...... عمران اور جبران کپتان کے پاس ہی تھے...... کپتان نے کہا۔

"ہم بھارت اور جنوبی افریقہ کے درمیان تجارتی شاہراہ سے دور ہٹ کر کھڑے ہیں...... یہاں ہمیں دیکھا نہیں جاسکتا...... جیسے ہی ہمیں جہاز کے گودی پر پہنچنے کی اطلاع ملی ہم یہاں سے چل پڑیں گے"۔

آبدوز سمندر سے باہر نکل کر کھڑی تھی...... چاروں طرف سمندر ہی سمندر تھا...... اچانک وائرلیس کی بیپ Beep کی آواز بلند ہونے لگی...... کپتان نے فوراً ریڈیو ٹرانسمیشن کا ریسیور اٹھا کر کوڈ الفاظ میں کچھ کہا...... دوسری طرف سے کوڈ الفاظ میں کچھ کہا جا رہا تھا...... کپتان بڑے غور سے سن رہا تھا...... پھر اس نے ریسیور رکھ دیا اور عمران کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

"جہاز دو گھنٹے بعد ٹریونڈرم کی گودی نمبر 6 پر لگنے والا ہے"۔

عمران بولا۔

"ہمیں تیاری کرنی شروع کر دینی چاہئے"۔

کپتان نے کہا۔

"تمہیں اس وقت تک اپنا مشن شروع نہیں کرنا ہو گا جب تک کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہو جاتا کہ جہاز کی پوزیشن کیا ہے...... وہ کس رخ پر لنگر انداز ہے اور اس پر کوئی فوجی گارڈ موجود ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو وہ کس انداز میں پہرے پر ہے اور اس کے علاوہ سیکورٹی کے انتظامات کیا کیا ہیں...... ہمیں ان اطلاعات کی روشنی میں اور اس کے مطابق تیاری کرنی ہو گی، کیونکہ یہ بھارت کا بڑا قیمتی اور اہم جہاز ہے اور عین ممکن ہے

کہ اس کی حفاظت کے لئے جہاز کی کھلے سمندر والی سمت سمندر میں بارودی سرنگیں بچھا دی گئی ہوں"۔

آبدوز کے کپتان کا مشورہ نہایت درست تھا...... کپتان اپنی خفیہ ایجنسی سے مسلسل رابطہ رکھے ہوئے تھا...... رات کے گیارہ بجے اسے وائرلیس پر اطلاع ملی کہ جہاز بندرگاہ پر پہنچ گیا ہے اور وہاں سمندر کے اوپر چاروں طرف جہاز کی سیکورٹی کا بڑا سخت انتظام ہے...... آبدوز کے کپتان نے کہا۔

"ہمیں یہ خبر چاہئے کہ سمندر میں بارودی سرنگیں بچھائی گئی ہیں یا نہیں؟"۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ سمندر میں بارودی سرنگوں کی موجودگی میں ہمارا سمندر کے نیچے سفر کرنا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا...... رات کے ایک بجے خفیہ ایجنسی نے اطلاع دی کہ سمندر کے نیچے بارودی سرنگیں نہیں بچھائی گئیں مگر بندرگاہ پر ہر قدم پر فوج کا پہرہ لگا دیا گیا ہے اور کسی کو جہاز کے نزدیک جانے کی اجازت نہیں ہے...... کپتان نے وائرلیس سیٹ آف کر دیا اور کمانڈو عمران سے کہا۔

"لائن کلیر کا سگنل مل گیا ہے...... تمہیں تیاری شروع کر دینی چاہئے کیونکہ کچھ پتہ نہیں کہ کل دن کے وقت یا شام کے وقت جہاز پر سے گولہ بارود اتار کر ٹرین پر لوڈ کروانا شروع کر دیا جائے...... بھارت کے فوجی حکام بندرگاہ پر جہاز کو زیادہ دیر تک کھڑے رکھنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے...... تمہیں جو کچھ کرنا ہے آج رات کو دن نکلنے سے پہلے پہلے کر دینا چاہئے"۔

عمران اور جبران تو پہلے ہی تیار بیٹھے تھے...... انہوں نے مزید تیاریاں شروع کر دیں...... ایک گھنٹے بعد وہ دونوں غوطہ خوری کا لباس پہنے سگار نما کشتی لے کر آبدوز سے نکلنے کے لئے بالکل تیار تھے...... دونوں کے پاس چھ چھ انتہائی طاقتور ٹائم بم تھے...... کمر کے ساتھ پلاسٹک کے ہلکے پھلکے آکسیجن کے سلنڈر بندھے ہوئے تھے...... رات کے ٹھیک ڈھائی بجے کپتان نے آبدوز کو سمندر میں غوطہ لگانے کا حکم دے دیا......

آبدوز کے خالی ٹینکوں میں پریشر پمپوں سے تیزی کے ساتھ پانی داخل ہونا شروع ہو گیا اور ایک منٹ کے اندر آبدوز سمندر کے نیچے ڈبکی لگا چکی تھی۔

کپتان آبدوز کو سمندر کے نیچے ہی نیچے چلاتا ہوا اس ویران ٹاپو کے قریب لے آیا جو ٹریونڈرم کی بندرگاہ سے بمشکل ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر تھا اور جہاں عمران اور جبران ملاح کی کشتی لے کر ایک رات پہلے اترے تھے...... یہاں سے جہاز تک کی سمت اور فاصلے کا تعین کر کے عمران اور جبران کو بتا دیا گیا تھا...... کپتان نے عمران سے کہا۔

"تم لوگ جہاز کے نیچے میگنیٹک بم لگا کر فوراً آبدوز کی طرف واپس آجاؤ گے...... میری آبدوز تمہارے انتظار میں تمہارے جانے کے پینتالیس منٹ بعد تک کھڑی رہے گی...... تمہیں ٹائم بم لگا کر انہیں آدھ گھنٹے کا وقت دینا ہو گا...... اگر پینتالیس منٹ کے دوران تم لوگ نہ آئے تو ہم تمہارا مزید انتظار نہیں کریں گے اور آبدوز یہاں سے واپس چلی جائے گی"۔

عمران نے کہا۔

"ہم وقت پر انشاء اللہ واپس آجائیں گے"۔

دونوں کمانڈو دوست غوطہ خوری کے لباس میں آبدوز کے اس چیمبر میں آگئے جہاں سے انہوں نے سمندر میں داخل ہونا تھا...... چیمبر کے فرش کا گول ڈھکنا اٹھا دیا گیا...... نیچے سمندر کا پانی موجزن تھا، لیکن آبدوز کے دباؤ کی وجہ سے پانی اندر نہیں آسکتا تھا...... آبدوز کا کپتان دونوں کمانڈوز کے پاس کھڑا تھا...... عمران اور جبران نے چہروں پر گیس ماسک چڑھا لئے...... سگار نما کشتی پر گھوڑے کی طرح بیٹھ گئے اور انہیں سمندر کے دائرے میں اتار دیا گیا...... اس وقت آبدوز رکی ہوئی تھی...... دونوں نے سمندر میں غوطہ لگا کر ٹانگیں چلاتے گھوڑا نما کشتی کو آبدوز سے دور لے گئے...... پھر آگے جا کر انہوں نے اپنی گردنیں پانی سے باہر نکال لیں...... انہیں دور تجارتی جہاز کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں...... وہ ان روشنیوں کی طرف بڑھنے لگے...... وہ پانی میں ٹانگیں چلا

جہاز کی طرف بڑھ رہے تھے دونوں ایک دوسرے کے پیچھے تھے...... ان کی گردنیں سمندر سے باہر تھیں...... جہاز کی روشنیوں کے قریب پہنچ کر وہ سمندر میں غوطہ لگا گئے...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ سر تھوڑا سا باہر نکال کر جہاز کی سمت کا تعین کر لیتے تھے...... انہیں ٹائم بم جہاز کے نیچے پیندے کے وسط میں شمالاً جنوباً لگانے تھے...... وہ جہاز کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ انہیں جہاز کے عرشے پر دو فوجی پہرے پر کھڑے نظر آنے لگے...... عمران نے جبران کو اشارہ کیا...... جبران ذرا پرے سمندر میں پاؤں چلاتے چلا آ رہا تھا...... کمانڈو عمران نے اسے خاص اشارے سے بتایا کہ تم جہاز کے سامنے کی جانب نیچے جا کر پیندے پر چار بم لگاؤ گے...... یہ انہوں نے طے کر رکھا تھا کہ بم لگانے کے بعد کلاک پر پینتالیس منٹ کا وقت دینا ہے...... یعنی ٹائم بم کے کلاک کا بٹن دبانے کے پینتالیس منٹ بعد بم کو پھٹنا تھا...... عمران کا اشارہ پاتے ہی کمانڈو جبران سمندر میں ڈبکی لگا گیا اور پانی کے اندر ہی اندر پاؤں چلاتے ہوئے جہاز کے سامنے کے رخ والے پیندے کے نیچے غوطہ لگا گیا...... کمانڈو عمران جہاز کے عقب کی جانب سے سمندر میں غوطہ لگا کر جہاز کے عقبی پیندے کے نیچے آ گیا۔

اسے ایک جانب لنگر کا آہنی سنگل نظر آیا...... انہیں سمندر کے نیچے زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ تک رہنا تھا...... کمانڈو عمران نے جلدی سے ایک ایک کر کے چاروں میگنیٹ ٹائم بم جہاز کے پیندے پر چپکا دیئے اور بٹن دبا کر ٹانگیں چلاتا گھوڑا نما کشتی کے ساتھ سمندر کے اندر ہی اندر جہاز سے دور ہٹنے لگا...... انہیں مشن ختم کر کے جہاز سے کچھ فاصلے پر دوبارہ سمندر میں سے سر باہر نکال کر ایک دوسرے سے ملاپ قائم کرنا تھا۔

کمانڈو جبران نے بھی جہاز کے پیندے پر شمال کے رخ پر چاروں میگنیٹ بم لگا کر اس کے بٹن دبا دیئے...... بم پر لگے ہوئے کلاک نے الٹی گنتی شروع کر دی تھی اور ٹھیک پینتالیس منٹ کے بعد دو دو سیکنڈ کے وقفوں کے بعد قیامت خیز دھماکے

کے ساتھ پھٹ پڑنا تھا...... اس کام سے فارغ ہونے کے فوراً بعد کمانڈو جبران تیز سے ٹانگیں چلاتا جہاز کے بہت بڑے پیندے کے نیچے سے نکل کر اوپر آنے لگا...... سمندر کی سطح پر آتے ہوئے اس کا اندازہ غلط ہو گیا اور جیسے ہی اس نے سر باہر نکالا ا کی کمر سے بندھے ہوئے آکسیجن سلنڈر کی پیتل کی ڈبری زور سے جہاز کے سٹار بور یعنی جہاز کی آہنی دیوار سے ٹکرائی...... ٹکرانے سے رات کی خاموشی میں بڑے زو کی آواز پیدا ہوئی...... آواز کو سن کر عین اوپر عرشے پر پہرے پر کھڑے فوجی نے نیچے دیکھا اور چلا کر کہا۔

”ہالٹ!“۔

اس نے جہاز کی روشنیوں میں ایک انسانی سایہ پانی میں ڈبکی لگاتے دیکھا سپاہی نے فائرنگ شروع کر دی...... اس کی فائرنگ کی آواز سے جہاز کی گارڈ ہوش ہو گئی اور بیک وقت چھ سپاہی سمندر میں سٹین گنوں کی بوچھاڑیں فائر کرنے لگے، لیکن جبران کی قسمت اچھی تھی...... وہ تیزی سے سمندر کے اندر ہی اندر تیرتا ہوا ا جانب سے ہو کر جہاز سے دور نکل گیا تھا...... جب زبردست فائرنگ کے بعد سم میں سے کوئی لاش ابھر کر اوپر نہ آئی تو یہی سمجھا گیا کہ گارڈ ڈیوٹی پر کھڑے سپاہی کسی بڑی مچھلی کو پانی سے ابھر کر ڈبکی لگاتے دیکھا ہو گا...... کوسٹ گارڈ کے سٹیمر بھی سرچ لائٹ روشن کر کے جہاز کی تینوں جانب دو تین چکر لگائے مگر کوئی ان سمندر میں نظر نہ آیا...... فائرنگ کی آواز کمانڈو عمران نے بھی سنی تھی اور اسے تشویش ہوئی تھی مگر وہ خود وہاں سے تیزی سے آگے ویران ٹاپو کی طرف نکل تھا...... تھوڑی دیر بعد جبران بھی اس کے پاس پہنچ گیا...... اس کے نیچے سے گ کشتی نکل گئی تھی اور وہ سمندر میں تیرتا ہوا وہاں تک پہنچا تھا۔

”کیا ہوا تھا؟“ عمران نے فکر مندی کے ساتھ پوچھا۔

جبران بولا۔

”جہاز کے نیچے سے نکلتے ہوئے میرے سلنڈر کی پیتل کی نوب جہاز کی سائیڈ سے ٹکرا گئی تھی جس کو سن کر اوپر سے گارڈز نے فائرنگ شروع کر دی“۔

وہ ٹاپو کی ریت پر رات کے اندھیرے میں سمندر سے باہر نکل آئے تھے اور چہروں پر سے گیس ماسک اتار کر ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھے...... انہیں آبدوز سے نکل کر جہاز تک پہنچنے اور بم لگا کر واپس آنے میں چالیس منٹ لگے تھے...... ٹھیک پانچ منٹ بعد آبدوز نے سمندر سے نکل کر انہیں سرخ بتی کا سگنل دے کر آبدوز پر اٹھا لینا تھا...... چالیس منٹ انہیں بموں کے لگانے میں اور بموں کے ٹائم کلاک دبانے میں لگے تھے...... اس کے پینتالیس منٹ بعد بموں نے پھٹ جانا تھا...... عمران اور جبران نے حساب لگایا تو بموں کے پھٹنے میں چالیس منٹ باقی رہ گئے تھے...... پانچ منٹ بعد آبدوز کی طرف سے سرخ بتی کا سگنل مل گیا...... عمران نے چھوٹی ٹارچ روشن کر کے سگنل کا جواب دیا...... اس کے دس منٹ بعد ربڑ کی کشتی ان دونوں کو لینے آ گئی...... دونوں کشتی میں سوار ہو کر دس منٹ میں آبدوز میں اتر گئے...... آبدوز سمندر سے باہر نکلی ہوئی تھی...... اب بموں کے پھٹنے میں صرف پینتیس منٹ رہ گئے تھے...... جیسے ہی وہ آبدوز کے اندر اترے آبدوز کا اوپر کا ڈھکنا بند کر دیا گیا اور آبدوز سمندر کے نیچے چلی گئی اور اس نے جہاز سے ہٹ کر جنوب کی طرف سفر شروع کر دیا...... جب کپتان کو بتایا گیا کہ مشن مکمل ہو گیا ہے اور جہاز کے پیندے میں کامیابی سے بم لگا دیئے گئے ہیں اور ان کے پھٹنے میں اکتیس یا بتیس منٹ رہ گئے ہیں تو کپتان نے آبدوز کی رفتار تھوڑی تیز کر دی...... وہ جلدی سے جلدی اس علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا۔

آبدوز کے کپتان کے چھوٹے سے کیبن میں غوطہ خوری کا لباس اتارنے کے بعد عمران اور جبران کپتان کے سامنے بیٹھے تھے...... ان سب کی نگاہیں دیوار پر لگے کلاک کی جانب تھیں جس کی سیکنڈوں والی سوئی چل رہی تھی...... جب بموں کے پھٹنے میں پانچ منٹ رہ گئے تو کپتان پیری سکوپ کے پاس آ گیا...... عمران اور جبران بھی اس کے

ساتھ آگئے...... کپتان نے پیری سکوپ دور بین کا سرا سمندر کی سطح سے باہر نکال ک شمال مشرق کی جانب اس کا رخ کر کے دیکھا...... ٹریونڈرم بندرگاہ اسی زاویئے تھی...... سمندر پر اندھیرا تھا...... کپتان کو کچھ دکھائی نہ دیا...... اس نے پیری سکوپ اند کرلی اور وہیں پیری سکوپ کے کیمرے کے پاس کھڑا رہا...... وہ اپنی کلائی پر لگی ہو گھڑی پر مسلسل ٹائم دیکھ رہا تھا...... یہی حال عمران اور جبران کا تھا...... وہ بھی اپنی اپ کلائیوں پر لگی ہوئی گھڑیوں پر نظریں جمائے ہوئے تھے...... جب ان کے حساب سے بموں کے پھٹنے میں ایک منٹ رہ گیا تو عمران نے کپتان سے کہا۔

"دو تین منٹ آگے پیچھے ہو سکتے ہیں"۔

آبدوز کے کپتان نے کہا۔

"میں جانتا ہوں"۔

اور کپتان نے گھڑی پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے آبدوز کو روکنے کا حکم دیا۔

آبدوز کے انجن بند ہوگئے اور وہ چند لمحوں کے بعد سمندر کے اندر رک گئی...... کپتا نے پیری سکوپ دور بین کا راڈ دوبارہ اوپر کر کے سمندر سے باہر نکالا اور دور بین کے ساتھ آنکھیں لگادیں...... باہر سطح سمندر پر رات کے پچھلے پہر کی تاریکی چھائی ہو تھی...... عمران اپنی گھڑی پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا...... اس پر عجیب سی ہیجانی کیفی طاری تھی...... خدا جانے بم پھٹتے بھی ہیں یا نہیں...... فائرنگ کے بعد جہاز اور کوسٹ گارڈ کے غوطہ خوروں نے جہاز کے نیچے چیکنگ کرنے کے بعد بموں کو اتار نہ دیا ہو... ہر قسم کے مایوسی کے خیال اس کے ذہن میں آرہے تھے...... کچھ بھی ہو سکتا تھا ایک منٹ گزر گیا...... پھر پینتالیس منٹ گزر جانے کے بعد اوپر ایک اور منٹ گز گیا...... اس کے بعد اچانک آبدوز کو خفیف سا جھٹکا لگا اور وہ ذرا سا ڈول گئی...... کپتا پیری سکوپ سے باہر دیکھ رہا تھا...... اس نے چیخ کر کہا۔

"جہاز کا ایمونیشن پھٹ رہا ہے" یہ دیکھو۔

سمندر کے اندر آبدوز میں دھماکوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، جیسے دور بہت دور کہیں آتش فشاں پھٹ رہے ہوں...... عمران نے پیری سکوپ کی مدد سے باہر دیکھا...... شمال مشرق کی جانب آسمان کبھی سرخ اور کبھی نیلا ہو رہا تھا اور شعلے اوپر کو اٹھ رہے تھے...... دھماکوں کی دھمک سے آبدوز نے ہلکے ہلکے جھٹکے کھانے شروع کر دیئے تھے...... باہر کا منظر کمانڈو جبران نے بھی دیکھا...... اس کے فوراً بعد کپتان نے پیری سکوپ کا راڈ نیچے کر لیا اور آبدوز کے چلنے کا حکم دیا۔

آبدوز کے انجن سٹارٹ ہوگئے اور وہ چل پڑی...... کپتان آبدوز کو پھٹتے ایمونیشن کے علاقے سے جنوب مشرق کی جانب دور سے دور لئے جا رہا تھا...... آبدوز اپنی آخری اور پوری رفتار سے جا رہی تھی...... کپتان آبدوز کی کمانڈ پوسٹ میں کھڑا آبدوز کی رفتار کو خود کنٹرول کر رہا تھا...... اس کی نگاہیں سامنے دیوار پر لگے شیشے کے گول ڈائیلوں پر تھیں جن میں سے ایک کلاک کی سرخ سوئی آبدوز کی رفتار ظاہر کر رہی تھی...... جب کپتان کی تسلی ہوگئی کہ آبدوز ٹھیک سمت کو اور صحیح رفتار کے ساتھ جا رہی ہے تو اس نے عمران سے کہا۔

"میرے کیبن میں آجاؤ"۔

عمران اور جبران دونوں کپتان کے کیبن میں آگئے...... کپتان نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔

"دوست! ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے...... اس وقت ہم سری لنکا کے ساحل سے ایک سو میل کے فاصلے پر سمندر کے نیچے ہی نیچے سری لنکا کے ملک کا چکر لگا کر آگے کی طرف نکلنے والے ہیں...... اس وقت ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ تمہیں تمہاری مرضی کی جگہ پر اتاریں...... ہم تمہیں بھارت کے مشرقی گھاٹ والے ساحل پر واقع گنتور کی بندرگاہ سے چالیس میل پیچھے اتار دیں گے...... ہم تمہیں اس سے آگے نہیں لے جا سکتے، کیونکہ چالیس میل کے بعد بھارت کا سمندر شروع ہو جاتا ہے......

گنٹور سے تم لوگ بیجواڑہ بذریعہ ٹرین جاؤ گے، وہاں سے ناگ پور اور ہوشنگ آباد ہوتے ہوئے دلی پہنچ جاؤ گے...... تمہیں ہم ہندوانہ لباس دے دیں گے...... علاقے میں یہی لباس زیادہ پہنا جاتا ہے...... ہم تمہیں انڈین کرنسی میں کچھ رقم بھی دیں گے"۔

چنانچہ آبدوز سری لنکا کے سمندر کے اندر ہی اندر نصف چکر لگا کر بھارت کے مشرقی گھاٹ والے ساحل کی طرف گھوم گئی...... آبدوز جس جس طرف جاتی تھی ڈائل پر ایک سوئی اس ملک کے نام پر آ کر رک جاتی تھی...... گنٹور تک پہنچتے پہنچتے آبدوز کو ایک دن اور ایک رات کی مسافت طے کرنی پڑی...... دوسرے روز صبح اندھیرے آبدوز بھارت کے مشرقی گھاٹ والے ساحل سے چالیس پچاس میل دور ایک جگہ سطح سمندر سے باہر آ گئی...... اس وقت کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران کھدر مٹیالے رنگ والے کرتے پاجامے میں تھے...... یہ کانگریسی ٹائپ کا ہندوانہ لباس تھا...... انہوں نے اپنے ماتھے پر تلک نہیں لگوائے تھے کیونکہ یہ دکن کا علاقہ تھا اور دکن میں مسلمان بھاری تعداد میں آباد تھے...... جنوری فروری کے مہینوں میں بھی علاقے میں دن کے وقت گرمی پڑ رہی تھی...... کپتان نے ایک آدمی کو ان کے ساتھ کر دیا...... جو سمندر کے خفیہ راستوں سے ان کو کشتی میں بٹھا کر سمندر کی ایک خاص تک چھوڑ کر واپس چلا گیا...... جس جگہ کمانڈو عمران اور جبران کو کشتی سے اتارا گیا ماہی گیروں کا ایک چھوٹا سا ٹاپو تھا جہاں کچھ فاصلے پر ماہی گیروں کی جھونپڑیاں تھیں یہ ماہی گیر یا مچھوارے سمندر میں دور دور تک نکل جاتے تھے اور مچھلیاں پکڑ تھے...... یہاں سے گنٹور کی بندرگاہ تک انہیں ایک مچھوارے کی کشتی مل گئی اور گنٹور پہنچ گئے۔

گنٹور آندھیرا پردیش صوبے میں کبھی حیدر آباد دکن کی ریاست کی بندرگاہ تھی...... آج کل وہ صوبہ آندھرا پردیش کی بندرگاہ ہے، کیونکہ بھارت نے ریاست

حیدر آباد، دکن پر حملہ کرنے کے بعد اس پر قبضہ کر لیا تھا اور ریاست کو صوبہ آندھیرا پردیش میں شامل کر لیا تھا...... اس صوبے میں تلیگو اور تامل دونوں زبانیں بولی جاتی ہیں...... تامل زبان آندھرا پردیش کے نیچے جو صوبہ تامل ناڈو ہے اس کی زبان ہے...... آندھیرا پردیش میں مسلمان بہت بڑی تعداد میں آباد ہیں جو اردو زبان بولتے ہیں...... یہاں اکثر تامل اور تلیگو زبان پر فساد ہوتے رہتے ہیں...... چنانچہ آندھیرا پردیش کی سیاسی جماعت تلیگو دیشم آندھیرا پردیش کا نام تلیگو دیشم رکھنا چاہتی ہے...... یہ اس جماعت کے منشور میں شامل ہے...... تامل لوگ کہتے ہیں کہ یہ صوبہ تامل ناڈو کا حصہ ہے...... بہر حال عمران اور جبران گنٹور پہنچ گئے۔

یہاں سے وہ ایک ریل گاڑی میں سوار ہو گئے جو ناگ پور جاتی تھی...... یہ ٹرین بیجواڑہ یا وجے واڑہ اور حیدر آباد سے ہوتی ہوئی ناگ پور پہنچتی تھی...... اگر آپ بھارت کا نقشہ دیکھیں تو ناگ پور بھارت کے بالکل وسط میں واقع ہے...... یہ بھارت کے بڑے شہروں میں سے ایک شہر ہے اور یہاں ملی جلی قومیت کے لوگ رہتے ہیں...... یہاں تامل اور تلیگو دونوں زبانیں بولی جاتی ہیں...... ناگ پور کے سنگترے بہت مشہور ہیں...... یہ باہر سے سبز ہوتے ہیں لیکن اندر سے کیسری رنگ کے ہوتے ہیں...... کسی زمانے میں بھارت کو اپنے ناگ پوری سنگتروں پر بڑا فخر ہوا کرتا تھا لیکن جب سے پاکستان کے تجربہ کار اور ہنرمند زراعت پیشہ ماہرین نے کینو پیدا کئے ہیں بھارت کے ناگ پوری سنگترے مات کھا گئے ہیں...... بھارت سے جو لوگ پاکستان آئے ہیں وہ یہاں سے اور کچھ لے جائیں یا نہ لے جائیں لیکن کینو ضرور لے جاتے ہیں...... بھارت کے زرعی ماہرین نے اپنے ہاں کینو اگانے کی بڑی کوشش کی ہے مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کی مٹی میں ہی کینو پیدا ہو سکتا ہے اور میٹھا ہو سکتا ہے...... بھارت میں جو کینو اگائے جاتے ہیں وہ مالٹے کی شکل کے ہیں اور کھٹے ہیں...... ناگ پور کا ریلوے سٹیشن بہت بڑا جنکشن ہے...... گاڑی یہاں کافی دیر تک

کھڑی رہی..... عمران نے یہاں انگریزی کا ایک اخبار خرید کر دیکھا..... اس میں ٹریونڈرم کی بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز میں آگ لگنے کی خبر چھپی ہوئی تھی..... خبر میں یہ بالکل نہیں بتایا گیا تھا کہ اس میں بھاری تعداد میں گولہ بارود لدا ہوا تھا جو پھٹ گیا تھا..... خبر میں صرف یہ لکھا تھا کہ پٹرول اور مٹی کا تیل گودی پر اتارا جا رہا تھا اور ایک ملاح کے ہاتھ سے جلتا ہوا سگریٹ گر پڑا جس کی وجہ سے آگ بھڑک اٹھی..... دیکھتے دیکھتے آگ پھیل گئی لیکن آگ بجھانے والے عملے نے آگ پر بہت جلد قابو پالیا۔

عمران نے یہ خبر جبران کو بھی پڑھائی..... دونوں ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ کر مسکرا دیئے..... ناگ پور سے ٹرین چلی تو سیونی، نرسیما پور، ساگر کے ریلوے سٹیشنوں پر ٹھہرتی ہوئی جھانسی پہنچ گئی..... جھانسی بھی بھارت کا تاریخی شہر ہے جہاں کی رانی جھانسی نے غدر کے موقع پر انگریزوں سے لڑائی لڑی تھی..... یہ لڑائی رانی جھانسی نے ملک سے انگریزوں کو نکالنے کے لئے نہیں کی تھی بلکہ اس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ جھانسی سے انگریزوں کو نکال کر اپنے بیٹے کو جھانسی کے تخت پر بٹھا سکے..... جھانسی سے آگے گوالیار، آگرہ اور متھرا کے شہروں سے گزرتی ہوئی ٹرین گوڑگاؤں اور پھر دلی پہنچ گئی۔

دلی پہنچنے کے بعد ریلوے سٹیشن پر ہی کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران محتاط ہو گئے اور ایک دوسرے سے الگ ہو کر سٹیشن سے باہر نکلے..... سٹیشن سے باہر آ کر کمانڈو جبران ایک جگہ چوک میں کھڑا ہو گیا..... کمانڈو عمران نے اکیلے جا کر ایک ٹیکسی لی اور جبران کو چوک میں سے لے لیا..... احتیاط کی وجہ یہاں کی انٹیلی جنس تھی جس کے بارے میں کمانڈو عمران اور جبران کو معلوم تھا کہ جنوبی ہند کی بندرگاہ پر اسلحہ سے لدے ہوئے جہاز کی تباہی کے بعد الرٹ ہو گئی ہو گی اور مکھیوں کی طرح لاری اڈوں اور ریلوے سٹیشنوں پر منڈلا رہی ہو گی..... ٹیکسی میں بیٹھ کر وہ سیدھے حاجی صاحب کے ہوٹل میں آ گئے..... حاجی صاحب اس وقت کاؤنٹر کے پاس ہی کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ

رہے تھے..... اس وقت وہ اکیلے تھے..... حاجی صاحب نے ان دونوں کو آتے دیکھا اور بائیں ہاتھ کی انگلی کو تین بار ہلا کر اشارہ کیا کہ اوپر والے کمرے میں چلے جاؤ..... عمران اور جبران حاجی صاحب سے سلام دعا لئے بغیر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے کمرے میں آ گئے..... اس کمرے کی چابی ہمیشہ باہر ایک گملے کے نیچے پڑی ہوتی تھی..... کمرے کا تالہ کھولنے کے بعد انہوں نے چابی واپس گملے کے نیچے چھپا دی اور کمرے میں آ کر بیٹھ گئے..... تھوڑی دیر میں حاجی صاحب بھی آ گئے..... انہوں نے آتے ہی دروازہ دوبارہ بند کیا اور عمران اور جبران کو باری باری گلے لگا لیا۔

"تم نے بڑا کام کیا ہے..... یہ بتاؤ جس جہاز میں آگ لگنے کی خبر اخباروں میں چھپی ہے یہ تمہارے والا جہاز ہی تھا؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"اس کے سوا کوئی دوسرا جہاز نہیں تھا..... یہی وہ جہاز تھا جس میں کارگل کے محاذ پر بھارتی توپ خانے اور مارٹر گنوں کے لئے بھاری مقدار میں گولہ بارود لایا جا رہا تھا..... بھارت سرکار نے اصلی خبر اخباروں میں نہیں چھپنے دی کہ ان کا ایک اسلحہ بردار جہاز تباہ ہو گیا ہے"۔

"یہ خبر وہ کیسے دے سکتے تھے..... حاجی صاحب بولے "اچھا یہ بتاؤ کہ تم اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟

کمانڈو عمران نے حاجی صاحب کو پوری داستان بیان کر دی..... حاجی صاحب بولے۔

"شاباش! تم نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے"۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟ کیونکہ میرے نزدیک تمہارا میرے ہوٹل میں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"ہمیں یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا بھی نہیں ہے...... کارگل سیکٹر میں گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے...... بھارت کی توپیں مجاہدین کے ٹھکانوں پر بھاری توپ خانے سے گولہ باری کر رہی ہیں...... اگرچہ ہمارے مجاہدین کارگل سیکٹر کی سب سے بلند چوٹی پر اپنے مورچوں میں ہیں جہاں بھارتی توپوں کے گولے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، لیکن پہاڑی کی نصف ڈھلان پر عقب کی جانب بھارتی فوج شدید گولہ باری کر رہی ہے جس کی وجہ سے مجاہدین کا کافی نقصان ہوا ہے، لیکن جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں مسلمان تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں جہاد کر رہا ہے...... اس کے حوصلے بلند ہیں...... بھارتی فوج ہماری کسی چوکی پر قبضہ نہیں کر سکی اور نہ کر سکتی ہے، کیونکہ مجاہدین کافی بلندی پر ہیں اور نیچے سے گزرنے والی دراس، لیہ روڈ جو سیاہ چین تک جاتی ہے مجاہدین کے کنٹرول میں ہے...... اس وجہ سے بھارتی ہائی کمان سیاہ چین کی پہاڑیوں میں ڈیپلائے اپنے فوجی یونٹوں کو سپلائی نہیں پہنچا سکتی...... سیاہ چین کی چوکیوں پر موجود بھارتی فوجی سپلائی لائن کٹ جانے سے مجاہدین کے رحم و کرم پر ہیں...... اس خفت کو مٹانے کے لئے اور اپنے عوام کے آگے اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کے لئے بھارتی توپیں اور بمبار جہاز کنٹرول لائن کے پار آزاد کشمیر کے دیہات پر گولہ باری اور بمباری کر رہی ہے جس سے دیہات کے نہتے مسلمان دیہاتی شہید ہو رہے ہیں اور ان کے مکان تباہ ہو رہے ہیں...... پچھلے دنوں ایک مسجد سکول کے چھ بچے بھارتی گولہ باری سے شہید ہو گئے تھے۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"ہم نے یہ خبر یہاں کے مسلمان اخبار میں پڑھی تھی اور بڑا دکھ ہوا تھا"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"لیکن یقین کریں مسلمان دیہاتیوں کے حوصلے پست نہیں ہوئے...... ان کا مورال بلند ہے اور وہ ہر آفت کا صبر اور بہادری سے مقابلہ کرنے کو تیار ہیں"۔

کمانڈو عمران بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ وہ حالات ہیں جن کی سنگینی کے باعث ہمارا اپنے مجاہدین کے پاس کارگل سیکٹر پہنچنا ضروری ہے...... ہم نے کارگل سیکٹر کی بھارتی توپوں کو ملنے والا گولہ بارود تباہ کر دیا ہے...... اب جا کر دیکھنا ہے کہ وہاں کیا صورت حال ہے اور ہم مزید کیا کچھ کر سکتے ہیں"۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"یہاں مجھے حضرت علامہ اقبال کا ایک شعر بہت یاد آ رہا ہے...... وہ فرماتے ہیں۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

یعنی مسلمان امن پسند ہے...... اس کا مذہب اسے امن کا درس دیتا ہے، لیکن اگر اس کی عزت، اس کی غیرت کو للکارا جائے تو وہ ایسا طوفان بن جاتا ہے جس کی ہیبت سے دریاؤں کے دل بھی دہل جاتے ہیں...... اللہ! اللہ! تم ضرور کارگل سیکٹر میں جاؤ...... وہاں تمہاری ضرورت ہے...... میری جب اور جس وقت ضرورت پڑے میں حاضر ہوں...... میں یہاں اسلام اور پاکستان کی خدمت کے لئے ہی بیٹھا ہوں اور یقین کرو...... میں دشمن کے گھر میں بیٹھا ہوا ہوں اور میں نے بھی تمہاری طرح سر دھڑ کی بازی لگا رکھی ہے...... یہ سب کچھ میں کسی معاوضے یا تعریف کے لئے نہیں کر رہا بلکہ صرف اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے واسطے کر رہا ہوں"۔

کمانڈو عمران نے حاجی صاحب سے کہا۔

"حاجی صاحب ہمیں آپ جیسے بھارتی مسلمانوں پر فخر ہے...... آپ جو کام کر رہے ہیں وہ شاید ہم بھی نہیں کر سکتے"۔

حاجی صاحب ہنس دیئے...... کہنے لگے۔

"بھائی یہ تو ہر مسلمان کا فرض ہے جو اس پر اللہ کے دین کامل کی طرف سے عائد

ہوتا ہے۔ میں اسی میں خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس فرض کو ادا کرنے کی توفیق عطاء کر رکھی ہے“۔

کمانڈو عمران اور جبران نے دوپہر کا کھانا کمرے میں حاجی صاحب کے ساتھ ہی کھایا...... اس کے بعد حاجی صاحب کہنے لگے۔

”جموں توی کو ایک ٹرین دوپہر کے وقت بھی دلی سے چلتی ہے، مگر میں دن کے وقت تمہیں یہاں سے آگے سفر کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا...... تم رات کی گاڑی سے جاؤ تو زیادہ بہتر ہے...... یہ گاڑی رات کے سوا آٹھ بجے چلتی ہے...... میں اس کے ٹکٹ منگوا لوں گا“۔

حاجی صاحب نے شام کے وقت دلی سے جموں توی تک کے ریل گاڑی کے تھرڈ کلاس کے دو ٹکٹ منگوا لئے...... سات بجے کمانڈو عمران اور جبران نے کمرے میں ہی کھانا کھایا اور پورے ساڑھے سات بجے حاجی صاحب سے گلے مل کر ان کی دعائیں لے کر ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہوٹل میں انہوں نے کھدر کا پہناوا تبدیل کر لیا تھا اور بازار سے نئی پتلون قمیض منگوا کر پہن لی تھی، چونکہ وہاں ابھی سردیوں کا موسم تھا اس لئے انہوں نے ایک ایک گرم جیکٹ اور سویٹر بھی پہن لیا تھا...... وہ جب بھی بازار سے نئے کپڑے خریدتے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے کہ کپڑے میل خورے رنگ کے ہوں اور پرانے پرانے لگیں...... جموں توی ایکسپریس دلی ہی سے تیار ہوتی تھی...... ریلوے سے انہوں نے پتہ کر لیا تھا کہ ٹرین پلیٹ فارم پر لگنے سے پہلے کس جگہ کھڑی ہ چنانچہ وہ وہاں جا کر الگ الگ تھرڈ کلاس کے ڈبوں میں سوار ہو گئے تھے...... پہلے وہاں کئی مسافر ٹرین میں سوار تھے...... ٹرین سائیڈ لائن سے نکل کر جب پلیٹ فارم آ کر لگی تو اس میں زیادہ رش ہو گیا...... کمانڈو عمران اور جبران یہی چاہتے تھے کہ ڈ میں زیادہ سے زیادہ رش ہو...... رش میں وہ انٹیلی جنس والوں کی تیز نظروں سے بہت

تک محفوظ ہو جاتے تھے اور مسافروں کے درمیان چھپے ہوئے رہتے تھے...... اس وجہ سے وہ ہمیشہ تھرڈ کلاس میں سفر کرتے تھے۔

ٹرین ساری رات سفر کرتی رہی۔

پو پھٹ رہی تھی جب جالندھر سٹیشن آیا...... یہاں انہیں بے حد احتیاط کی ضرورت تھی، کیونکہ یہاں سے ٹرین جموں توی لائن پر ہو جاتی تھی...... ایک ٹرین جالندھر سے پیچھے سنگرور کے جنکشن سے بھی جموں کی طرف مڑ جاتی تھی، لیکن جس ٹرین میں عمران اور جبران بیٹھے تھے وہ جالندھر سے جموں کی طرف مڑ جاتی تھی...... شاید اس لئے کہ اسے جالندھر سے بھی جموں کی سواریاں لینی ہوتی تھیں...... جالندھر سے کمانڈو عمران اور جبران نے اپنے اپنے تھرڈ کلاس کے ڈبے بدل لئے اور نئے ڈبوں میں جا کر بیٹھ گئے...... جموں توی تک وہ بے حد محتاط رہے اور چاروں طرف سے چوکس ہو کر بیٹھے رہے، لیکن وہ کسی کی نظروں میں نہیں آئے اور جموں پہنچ گئے...... دن کا وقت تھا...... دھوپ نکلی ہوئی تھی...... جموں میں مجاہدین کا ایک خاص ٹھکانہ تھا جو شہر سے باہر تھا...... ہم اس کا محل وقوع بیان نہیں کریں گے...... بہر حال عمران اور جبران کسی نہ کسی طرح مجاہدین کے ٹھکانے پر پہنچ گئے...... وہاں انہوں نے سارا دن گزارا اور کشمیر فرنٹ کے بارے میں تازہ صورت حال معلوم کی اور رات کے اندھیرے میں سری نگر کی جانب روانہ ہو گئے...... دوسرے دن وہ سری نگر پہنچے...... سری نگر میں جگہ جگہ بھارتی فوج کے سپاہی نظر آ رہے تھے...... کارگل سیکٹر میں بھارت نے جو اپنی طرف سے بڑا زبردست حملہ شروع کیا تھا جس کی ناکامی کے بعد بھارت نے سری نگر اور دوسرے شہروں میں سیکورٹی سخت کر دی تھی اور انٹیلی جنس والوں کی سرگرمیاں بھی تیز ہو گئی تھیں، لیکن عمران اور جبران تجربہ کار تھے...... اگر انٹیلی جنس والے کسی مشتبہ کو پہچان لیتے تھے تو عمران اور جبران بھی انٹیلی جنس والوں کی دور ہی سے بو سونگھ لیتے تھے۔

سری نگر سے دونوں کمانڈو دوست تین گھنٹے کی دشوار گزار پہاڑی مسافت طے کرنے کے بعد مجاہدین کے ایک خاص ٹھکانے پر آگئے جہاں مجاہدین کے کمانڈر غازی (یہ نام ہم نے فرضی رکھا ہوا ہے) نے گلے مل کر انہیں مبارک باد دی...... انہیں ٹریونڈرم کی بندرگاہ پر بھارتی گولہ بارود کے لدے ہوئے جہاز کی تباہی کی اطلاع مل چکی تھی...... کمانڈر غازی نے کہا۔

"بھارتی ہائی کمان کو اس جہاز کی تباہی سے زبردست دھچکا لگا ہے...... وہ مجاہدین کے ٹھکانوں پر اب اندھا دھند گولہ باری کی بجائے وقفے وقفے سے گولہ باری کر رہے ہیں...... اب بھارتی فضائیہ مجاہدین کے خفیہ ٹھکانوں پر راکٹ فائر کر رہی ہے مگر مجاہدین پہاڑیوں کے غاروں میں چھپے ہوئے ہیں جہاں بھارتی جہازوں کے گولے اور راکٹ نہیں پہنچ سکتے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"لیکن بھارت نے کنٹرول لائن پر اور اس کے پار آزاد کشمیر کے دیہات پر گولہ باری اور اب بمباری شروع کر دی ہے اس کا کوئی سدباب کرنا چاہیئے؟"۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

"ہمارے اتنے وسائل نہیں ہیں...... تم بھی جانتے ہو کہ ہم محدود وسائل کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہمارے مجاہد اپنی اپنی پوزیشنوں پر ڈٹے ہوئے ہیں اور ہم زیادہ تر بھارتی یونٹوں سے چھینا ہوا اور بھارتی چوکیوں پر قبضے کے بعد مال غنیمت میں حاصل ہونے والا اسلحہ استعمال کر رہے ہیں...... بھارت کا توپ خانہ بوکھلاہٹ میں ادھر ادھر اندھا دھند گولہ باری کر رہا ہے لیکن ہم سوچ سمجھ کر ٹھیک ٹھیک نشانوں پر گولے پھینکتے ہیں اور دشمن کو زیادہ نقصان پہنچا رہے ہیں...... خود بھارت کے اخبارات نے لکھا ہے کہ کارگل سیکٹر میں بھارتی فوج مجاہدین کے گھیرے میں آگئی ہے اور بھارتی ہائی کمان کے ایک میجر کا انٹرویو اخباروں میں چھپا ہے جس میں

بھارتی میجر نے اعتراف کیا ہے کہ مجاہدین نے ہماری دو چوکیوں کو گھیرے میں لے کر فوجیوں تک پہنچنے والی خوراک اور اسلحہ کی سپلائی کاٹ دی ہے جس سے بھارتی فوج کو کارگل سیکٹر میں انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے"۔

وہ رات ان دونوں کمانڈو دوستوں نے مجاہدین کے ٹھکانے پر ہی گزاری...... دوسرے دن وہ مجاہدین کے ساتھ مل کر دشمن کے خلاف لڑنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ کمانڈر غازی اچانک آگیا...... اس نے کہا۔

"عمران! تمہارے لئے میں ایک بڑا اہم مشن لے کر آرہا ہوں"۔

عمران اور جبران کمانڈر غازی کی طرف متوجہ ہو گئے...... عمران نے کہا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے...... بتائیں یہ مشن کس نوعیت کا ہے؟"۔

کمانڈر غازی بولا۔

مجاہدین نے بھارتی فضائیہ کا ایک طیارہ مار گرایا ہے...... اس کے پائلٹ کو ہم نے زندہ گرفتار کر لیا ہے...... اس کا نام فلائٹ لیفٹیننٹ رام گوپال ہے...... وہ اس وقت مجاہدین کی قید میں ہے...... اس سے ہم نے تھوڑی بہت پوچھ گچھ کی ہے لیکن وہ سوائے اپنے نام اور رینک کے اور کچھ نہیں بتاتا۔

کمانڈو عمران کو اچانک ایک خیال آگیا...... اس نے پوچھا۔

"مجاہدین نے اس پر تشدد تو نہیں کیا؟"۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

"مجاہدین نے اس پر کسی قسم کا تشدد نہیں کیا...... اس کی وجہ تمہیں بھی معلوم ہے کہ ہم مسلمانوں کے خون میں رواداری اور رحم کا جذبہ ہے...... ہم دشمن کو محاذ جنگ پر تو زندہ نہیں چھوڑتے لیکن اگر وہ ہماری قید میں آجائے تو اس کے ساتھ اسی نرمی اور رحم دلی کا سلوک کرتے ہیں جو ہمارے اسلام نے ہمیں بتایا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"یہ بڑی اچھی بات کی ہے مجاہدین نے...... کیا میں اس قیدی فلائٹ لیفٹیننٹ رام گوپال سے مل سکتا ہوں"۔

کمانڈر غازی بولا۔

"کیوں نہیں...... بلکہ میں تمہارے پاس آیا ہی یہ مشن لے کر ہوں کہ تم اپنے طور پر اس ہندو قیدی سے پوچھ گچھ کرو...... ایک تو مجاہدین دشمن کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں...... ان کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہے کہ وہ قیدی سے پوچھ گچھ کے لئے اسے زیادہ وقت دے سکیں...... دوسرے تم تربیت یافتہ کمانڈو ہو اور تجربہ کار بھی ہو...... ہو سکتا ہے کہ تم نفسیاتی طور پر فلائٹ لیفٹیننٹ رام گوپال پر کچھ اثر ڈال کر اس سے اہم معلومات حاصل کر سکو"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"ابھی اسی وقت میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے اور میں اس خیال پر عمل کرنا چاہتا ہوں...... مجھے یقین ہے کہ اگر میرا منصوبہ کامیاب ہو گیا تو فلائٹ لیفٹیننٹ رام گوپال سے نہ صرف یہ کہ ہمیں مفید معلومات حاصل ہوں گی بلکہ وہ اس کے بعد بھی ہمارے بہت کام آئے گا"۔

کمانڈر غازی کچھ حیران سا ہو کر عمران کو تکنے لگا۔

"آخر ایسا کون سا منصوبہ تمہارے ذہن میں ہے جو اس کٹر ہندو پائلٹ کو اتنا موم کر دے گا کہ وہ بھارتی فضائیہ کے اہم راز بھی ہمیں بتا دے اور اس کے بعد بھی ہمارے کام آتا رہے؟"۔

عمران نے کمانڈر غازی کو وہ خیال اور منصوبہ بتا دیا جو اسی وقت اس کے ذہن میں آیا تھا...... منصوبے کو سننے کے بعد کمانڈر غازی نے کہا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ اس طرح تم اس ہندو پائلٹ کو اپنے قبضے میں کر لو گے؟"۔

عمران بولا۔

"مجھے پورا یقین ہے کہ ہمارا منصوبہ ضرور کامیاب ہو گا، چونکہ ہم دین اسلام کے بتائے ہوئے ضابطے پر عمل کریں گے اس لئے خدا بھی ہمارے منصوبے میں برکت ڈال دے گا"۔

یہاں کمانڈو جبران نے عمران کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"دشمن کو اپنے قبضے میں کرنے کے واسطے اس سے بہتر اور کوئی ہتھیار اور دوسرا کوئی منصوبہ اتنا کارگر نہیں ہو سکتا۔ ہمارے دین اسلام نے اسی لئے ہمیں ہدایت کی ہے کہ دشمن کے قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو تاکہ جب وہ رہائی پانے کے بعد اپنے لوگوں میں جائیں تو ہر جگہ تمہاری تعریف کریں اور تمہارے گن گائیں...... اس طرح تم نفسیاتی محاذ پر بھی دشمن پر فتح حاصل کر لو گے"۔

کمانڈر غازی نے عمران کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"میں آج رات کو ہی تمہاری ملاقات فلائٹ لیفٹیننٹ رام گوپال سے کرواتا ہوں"۔

بھارتی پائلٹ رام گوپال کو کارگل کے پہاڑی محاذ سے پیچھے ایک بارک میں رکھا ہوا تھا...... جب کمانڈر غازی عمران کو لے کر بارک میں گیا تو پائلٹ رام گوپال چارپائی پر بچھے ہوئے صاف ستھرے بستر پر لیٹا ہوا اپنے تصورات میں گم تھا...... انہیں آتا دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا...... کمانڈو عمران نے بڑی خوش اخلاقی سے کہا۔

"اٹھنے کی ضرورت نہیں رام گوپال...... آرام سے لیٹے رہو...... یہ بتاؤ تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"۔

بھارتی پائلٹ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا...... ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔

"جی نہیں بھگوان کی کرپا اور آپ کی مہربانی سے یہاں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے"۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

"رام گوپال! یہ ہمارا ساتھی مجاہد عمران ہے...... یہ صرف یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ ہم نے بھارت کا جو پائلٹ قید کیا ہے اس کے ساتھ اچھا سلوک ہو رہا ہے یا نہیں؟"۔

رام گوپال بولا۔

"مہاراج! میں تو یہاں یہی محسوس کر رہا ہوں جیسے میں اپنے بھائیوں کے درمیان آ گیا ہوں...... یہاں میری ہر جائز ضرورت کا خیال رکھا جا رہا ہے...... میں سبزی خور ہوں...... یہاں مجھے اعلیٰ قسم کی بھجیا مل رہی ہے...... جو میں چاہتا ہوں مجھے پیش کر دیا جاتا ہے...... آپ مسلمانوں کے بارے میں ہمیں بڑا ڈرایا گیا تھا کہ مجاہدین کے قیدی نہ بننا...... وہ ہندو قیدیوں کے ہاتھ پاؤں، کان، ناک کاٹ کر انہیں بھون کر کھا جاتے ہیں، مگر یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ساری باتیں جھوٹ تھیں...... آپ لوگ تو میرے ساتھ بالکل مہمانوں والا سلوک کر رہے ہیں"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"ہم مسلمان ہیں...... ہمارے مذہب اسلام نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ وہی سلوک کرو جو تم اپنے مہمانوں کے ساتھ کرتے ہو...... تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو ہمیں بتاؤ...... ہم وہ چیز تمہیں مہیا کرنے کی کوشش کریں گے"۔

پائلٹ رام گوپال بولا۔

"سر! مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں...... صرف مجھے اتنا بتا دیں کہ مجھ سے پوچھ گچھ کب شروع ہو گی؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"جو کچھ پوچھنا تھا ہمارے ساتھی مجاہدین نے تم سے پوچھ لیا...... تم نے سوا

اپنے نام اور عہدے کے اور کچھ نہیں بتایا تو ٹھیک ہے...... تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے...... اب مزید پوچھ گچھ کی کیا ضرورت ہے"۔

پائلٹ رام گوپال نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"مگر مجاہدین نے تو مجھ پر ذرا سا بھی تشدد نہیں کیا"۔

عمران بولا۔

"ہم اپنے قیدیوں پر تشدد نہیں کرتے...... اسلام نے ہمیں ایسا کرنے سے منع کیا ہے"۔

رام گوپال نے کہا۔

"لیکن مجھے تو ہیڈ کوارٹر میں بڑا ڈرایا گیا تھا کہ مسلمان مجاہدین پوچھ گچھ کرتے وقت سخت تشدد کرتے ہیں اور قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرتے ہیں"۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"تو کیا ہم نے تمہارے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا ہے؟"۔

رام گوپال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں...... مجھے تو ایسے لگ رہا ہے جیسے میں اپنے بھائیوں کے درمیان بیٹھا ہوں"۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

"میدان جنگ میں ہم دشمن کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جب دشمن ہماری قید میں آ جاتا ہے تو ہم اس کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرتے ہیں...... یہ ہمارے دین اسلام کی طرف سے ہم پر فرض عائد ہوتا ہے"۔

پائلٹ رام گوپال عمران کی باتوں سے خاصا متاثر نظر آ رہا تھا...... حقیقت میں دیکھا جائے تو وہ عمران سے نہیں بلکہ دین اسلام کے انسانیت نواز اصولوں سے متاثر ہو رہا تھا۔

"بس ہم تمہارا حال احوال ہی معلوم کرنے آئے تھے...... یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہے......اب ہم جاتے ہیں...... پھر کسی وقت ملاقات ہوگی"۔

رام گوپال نے پوچھا۔

"یہاں مجھے کب تک قید میں رکھا جائے گا؟"۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

"جب تک تمہارا اپنے پاس رکھنا ضروری ہوگا تمہیں صرف اسی وقت تک رکھیں گے"۔

اتنا کہہ کر کمانڈو عمران نے پائلٹ رام گوپال سے ہاتھ ملایا اور کمانڈر غازی کے ساتھ بارک سے چلے گئے......ان کے جانے کے بعد پائلٹ رام گوپال سوچنے لگا کہ مجھے بھارت میں مسلمان مجاہدین کے خلاف کتنی بھیانک باتیں بتائی گئی تھیں کہ مسلمان مجاہدین ہندو قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کرتے ہیں...... انہیں ہلکی آگ پر بھونتے ہیں...... ان کے پیٹ چاک کر دیتے ہیں، لیکن وہ تو ساری باتیں جھوٹ نکلی ہیں...... یہ لوگ تو حد درجہ انسان دوست ہیں...... پائلٹ رام گوپال سوچنے لگا کہ جو لوگ اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ تو انتہائی مخلص اور وفا شعار ہوتے ہوں گے...... رام گوپال کے ذہن پر مجاہدین کے اس سلوک کا بڑا گہرا اثر ہوا...... وہ سبزی خور تھا اس کے لئے خاص طور پر اس کی پسند کی سبزی پکا کر دی گئی۔ رام گوپال نے کہا کہ میں اپنے گھر ماتا پتا کو خط ڈالنا چاہتا ہوں...... مجاہدین نے اس سے لفافہ لے لیا اور کہا کہ یہ خط اس کے گھر پہنچ جائے گا۔

اسے صبح کو بہترین ناشتہ دیا جاتا...... وہ سگریٹ پیتا تھا...... کمانڈو عمران نے اس کے لئے پاکستانی سگریٹ منگوا کر دیئے...... رام گوپال کہنے لگا۔

"عمران جی! پاکستانی سگریٹ بڑے اعلیٰ کوالٹی کے ہوتے ہیں...... پاکستان کی بات کر کے کوئی ہمارا دوست واپس انڈیا آتا تھا تو ہم اس سے پہلا سوال یہ کرتے تھے کہ: پاکستانی سگریٹ لائے ہو یا نہیں؟"۔

ایک ہفتے کے برادرانہ سلوک اور مہمان نوازی نے پائلٹ رام گوپال کے ذہن پر انڈیا میں جو مسلمان مجاہدین کے بارے میں غلط اور وحشیانہ باتیں مسلط کر دی گئی تھیں وہ حرف غلط کی طرح صاف ہو گئیں......ایک روز خود ہی رام گوپال نے عمران سے کہا۔

"عمران جی! کیا یہاں آپ کی مذہبی کتاب قرآن شریف کا کوئی انگریزی ترجمہ مل جائے گا؟ میں اسے پڑھنا چاہتا ہوں"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"کیوں نہیں...... میں شام کو تمہیں لا دوں گا"۔

اس روز شام سے پہلے پہلے قرآن پاک کا ایک انگریزی ترجمہ منگوا لیا گیا...... عمران نے یہ ترجمہ رام گوپال کو دیا اور کہا۔

"کسی اور اسلامی کتاب کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دینا"۔

بھارتی پائلٹ رام گوپال نے قرآن پاک کے انگریزی ترجمے کا مطالعہ شروع کر دیا...... اس دوران انڈیا کے شہر دلی سے رام گوپال کے خط کا جواب بھی آ گیا...... خط میں رام گوپال کے والد نے حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مجاہدین تم سے اتنا اچھا اور برادرانہ سلوک کریں گے ہمیں اس کی امید نہیں تھی، لیکن تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ یہاں تمہارے ساتھ مہمانوں ایسا برتاؤ کیا جا رہا ہے...... بھگوان ان مجاہدین کو خوش رکھے جو میرے بیٹے کے ساتھ قیدی ہونے کے باوجود اتنا اچھا سلوک کر رہے ہیں...... پائلٹ رام گوپال کی ماتا جی نے بھی مجاہدین کے لئے دعائیں لکھی تھیں اور کہا تھا کہ بھگوان ان لوگوں کو سلامت رکھے جو میرے بیٹے کو بالکل تکلیف نہیں پہنچا رہے۔

تین چار ہفتے گزر گئے...... اس دوران رام گوپال ہوا باز قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ باقاعدہ پڑھتا رہا...... کمانڈو عمران تقریباً ہر روز کسی نہ کسی وقت رام گوپال کے پاس

آجاتا...... کبھی اس کے لئے پھل لاتا اور کبھی کوئی مٹھائی وغیرہ لے آتا...... کمانڈو عمران اس عمل کو ایک مشن سمجھ کر کر رہا تھا...... ایک روز عمران پائلٹ رام گوپال کی بارک میں آیا تو اس نے کہا۔

”عمران جی! میں نے قرآن شریف کا سارا ترجمہ پڑھ لیا ہے...... میری تو آنکھیں کھل گئی ہیں...... ہمیں سکول اور پاٹھ شالوں میں اسلام کے بارے میں جو وحشیانہ قسم کی باتیں بتائی گئی تھیں اصلی اسلام تو اس سے بالکل ہی مختلف ہے...... اسلام تو سچا مذہب ہے اور ایک نیچرل مذہب ہے“۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

”یہ بنی نوع انسان کے لئے اللہ کا آخری پیغام اور ایک مکمل ضابطہ قانون بھی ہے“۔

اس کے بعد پائلٹ رام گوپال نے قرآن پاک کے انگریزی ترجمے کو چوم کر اپنے سر پر رکھا اور بولا۔

”اس کتاب میں جو سوشل، صفائی، انصاف اور عدل کا تصور پیش کیا گیا ہے اس کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی رومن لاء اور کسی دوسرے ضابطہ قانون کی ضرورت ہی نہیں ہے“۔

کمانڈو عمران نے قرآن پاک کا ترجمہ پائلٹ رام گوپال سے واپس لینا چاہا تو رام گوپال نے کہا۔

”عمران جی! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ قرآن شریف کے ترجمے کی یہ کتاب آپ مجھے دے دیں...... میں اسے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں اور یقین کریں کہ میں اس کتاب کا بے حد احترام کروں گا...... پاک صاف ہو کر اسے ہاتھ لگاؤں گا اور اس کی طرف پاؤں کر کے نہیں سوؤں گا“۔

کمانڈو عمران یہی چاہتا تھا...... اس نے کہا۔

”رام گوپال جی! یہ ہماری مذہبی اور مقدس کتاب ہے...... اگر آپ اس کی حرمت اور تقدس کا خیال رکھ سکتے ہیں تو بے شک اسے اپنے پاس رکھیں“۔

ہم نے اردو کے بڑے بھاری بھاری لفظ استعمال کئے ہیں...... اس کی وجہ یہ ہے کہ عمران اور بھارتی ہوا باز انگریزی میں باتیں کر رہے تھے اور ہم نے ان کے الفاظ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

رام گوپال بولا۔

”عمران جی! آپ کے کہنے کی ضرورت نہیں ہے“۔

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خود میرا دل اس مقدس کتاب کا احترام اور حرمت کرنے کو چاہتا ہے...... میں اسے ہمیشہ اونچی جگہ پر رکھوں گا اور پاک صاف ہوئے بغیر کبھی اس کو نہیں چھوؤں گا“۔

عمران نے قرآن پاک کے انگریزی ترجمہ کی کتاب چوم کر آنکھوں سے لگائی اور رام گوپال کے حوالے کر دی...... بھارتی ہوا باز نے اس کو چوم کر آنکھوں سے لگایا اور اپنے بستر کے اوپر چھوٹے سے کارنس پر رومال میں لپیٹ کر رکھ دی۔

بھارتی پائلٹ رام گوپال نے دوسری بار قرآن پاک کے ترجمے کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ایک روز اس نے عمران سے کہا۔

”مجھے بسم اللہ اور الحمد شریف کے معنی عربی سے اردو میں ترجمہ کر کے سمجھائیں“۔

”عمران نے اسے کلمہ شریف، بسم اللہ اور الحمد شریف کے اردو میں معنی سمجھائے تو رام گوپال پر اس کا بڑا گہرا اثر ہوا...... کہنے لگا۔

”مجھے قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر معلوم ہوا ہے کہ اسلام عورتوں کے حقوق کا کس قدر احترام کرتا ہے...... اسے باپ کی جائیداد میں سے پورا پورا حصہ ملتا ہے...... بیوہ عورت کو دوسرا بیاہ کرنے کی اجازت ہے...... شادی کے وقت باقاعدہ

عورت سے پوچھا جاتا ہے کہ اسے یہ شادی قبول ہے کہ نہیں"۔

بیس بائیس دنوں کے اندر بھارتی پائلٹ کا ذہن بالکل بدل گیا...... اس دوران اس کے ساتھ مجاہدین بڑا اچھا سلوک کرتے رہے...... اس کو وہی کھانا ملتا جو مجاہدین کھاتے...... اس کے لئے الگ سبزیاں پکائی جاتیں...... قرآن پاک کی تعلیمات کا رام گوپال پائلٹ پر اس قدر اثر ہوا کہ ایک دن اس نے کمانڈر غازی سے کہا۔

"میرے لئے الگ سبزیاں نہ پکایا کریں...... اسلام میں مساوات ہے...... سب مسلمان برابر ہیں...... میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر وہی کھانا کھاؤں گا جو آپ کھاتے ہیں"۔

عمران نے ایک اور بات بڑی اچھی کی تھی کہ رام گوپال کے آگے زیادہ تبلیغ مظاہرہ نہیں کیا تھا...... اس نے اسلام کے بارے میں انگریزی میں لکھی ہوئی چھ سات کتابیں اور دو تین رسالے رام گوپال کو لا کر دے دیئے تھے اور وہ چاہتا تھا کہ رام گوپال پر اگر اثر ہونا ہے تو اپنے آپ اور اس کی مرضی سے اثر ہو...... چنانچہ اس پر گہرا اثر ہو گیا تھا...... چنانچہ ایک دن اس نے عمران سے کہا۔

"اگر ایک دوسرے مذہب کا آدمی مسلمان ہونا چاہے تو اس کے لئے کیا کرنا پڑتا ہے؟"۔

کمانڈو عمران نے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی انجان بن کر پوچھا۔

"تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"۔

بھارتی ہوا باز نے کہا۔

"اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"اس کے لئے صرف کلمہ پاک پڑھ کر دل سے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت اور اس کی کتاب قرآن پاک اور اس کے رسول ﷺ پر نبی آخری الزماں کا ایمان لانا پڑتا ہے......

اس کے سوا اور کچھ نہیں کرنا پڑتا"۔

رام گوپال نے کہا۔

"عمران جی! اگر یہ اتنی سادہ سی بات ہے تو مجھے کلمہ پاک پڑھا کر مسلمان بنا دو...... میں سچے دل سے اسلام قبول کر رہا ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"رام گوپال! تم مجاہدین کی قید میں ہو...... اگرچہ تمہارے ساتھ قیدیوں والا سلوک نہیں کیا جا رہا، لیکن بہرحال تم قید میں ضرور ہو...... اگر یہاں تم مسلمان ہو گئے تو لوگ یہی کہیں گے کہ مجاہدین نے تمہارا برین واش کر کے تمہیں زبردستی مسلمان بنا لیا ہے...... بہتر ہے کہ جب تم قید سے رہا ہو کر اپنے وطن بھارت جاؤ تو وہاں کسی مسجد کے امام صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کرو...... اس طرح کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ تم کو زبردستی مسلمان بنایا گیا ہے"۔

بھارتی ہوا باز پڑھا لکھا نوجوان تھا...... کہنے لگا۔

"میری درخواست ہے کہ تم یہاں بھی مجھے مسلمان بنا دو...... میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب رہا ہو کر اپنے وطن دلی جاؤں گا تو سیدھا جامع مسجد کے امام صاحب کے پاس جا کر ان کے ہاتھ پر بھی اسلام قبول کر لوں گا...... یہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں"۔

کمانڈو عمران کہنے لگا۔

"کیا تم اس کا نتیجہ بھگتنے کے لئے تیار ہو؟" سب سے پہلے تمہیں نوکری سے جواب مل جائے گا اور تمہارا سارا کیریئر ختم ہو جائے گا...... اس کے ساتھ ہی شاید تمہارے ماتا پتا بھی تمہیں بطور مسلمان قبول نہ کریں"۔

رام گوپال بولا۔

"جب میں نے تمہیں کہا تھا کہ مجھے مسلمان کر لو تو یہ ساری باتیں میرے ذہن

میں تھیں...... مجھے اپنے کیریئر کی پرواہ نہیں ہے...... اسلام نے میری آنکھوں کے سامنے سے تاریکی کا پردہ اٹھا کر روشنی کی ایک نئی کائنات سے روشناس کرایا ہے...... مجھے میری زندگی اور موت کا مقصد بتایا ہے...... یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے عمران جی! میں اپنے ماتا پتا کو بھی چھوڑ دوں گا"۔



اس دوران بھارتی پائلٹ رام گوپال کا دلی میں اپنے ماتا پتا سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا...... ایک روز اس کے گھر سے خط آیا تو اس میں لکھا تھا کہ اس کی ماتا جی بہت بیمار ہیں اور اپنے بیٹے کو یاد کر کے روتی رہتی ہیں...... بھارتی ہواباز نے یہ خط کمانڈو عمران کو دکھایا تو عمران نے کہا۔

"فکر نہ کرو رام گوپال! میں کمانڈر غازی سے بات کرتا ہوں"۔

عمران نے کمانڈر غازی کو ساری صورت حال بتائی تو انہوں نے کہا۔

"عمران! تم نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے...... یہ ہواباز پورا مسلمان نہ سہی آدھا مسلمان ضرور ہو گیا ہے...... اب یہ واپس اپنے لوگوں میں جا کر مجاہدین کے حسن سلوک اور اسلام کی تعلیمات کی تعریف ہی کرے گا...... لہٰذا میں متعلقہ حکام سے اس کی فوری رہائی کی بات کرتا ہوں"۔

تیسرے روز بھارتی ہواباز رام گوپال کی رہائی کا فیصلہ کر لیا گیا، چنانچہ اسے ایک چھوٹی سی پریس کانفرنس میں ریڈ کراس کے حکام کے توسط سے بھارتی سفیر کے حوالے کر دیا گیا...... جانے سے ایک گھنٹہ پیشتر بھارتی ہواباز عمران سے گلے لگ کر ملا...... اس نے عمران کو اپنے دلی والے گھر کا پورا ایڈریس لکھوایا اور کہا۔

"عمران جی! اگر کبھی کسی اتفاق سے آپ کا دلی آنا ہو تو خواہ چھپ کر ہی سہی لیکن مجھے ضرور ملئے گا...... آپ نے مجھے مسلمان کر کے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے......

میں یا میری آنے والی نسلیں بھی اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کریں گی"۔

بھارتی ہوا باز ایک طرح سے کشمیری مجاہدین کا سفیر بن کر بھارت چلا گیا...... اس کے جانے کے بعد کمانڈو عمران تبلیغ کے جہاد سے فارغ ہو کر کارگل فرنٹ پر مجاہدین کے ساتھ جنگ کے جہاد میں شریک ہو گیا...... دراس اور بٹالک میں مجاہدین نے بھارتی فوجوں کی سپلائی لائن کاٹ دی تھی جس کے نتیجے میں سیاہ چین کے محاذ ہزاروں بھارتی فوجی مجاہدین کے گھیرے میں آ گئے تھے اور ان کو خوراک اور اسلح راشن ملنا بند ہو گیا تھا، چنانچہ بھارتی فوجوں نے دراس اور بٹالک کی چوکیوں پر دو قبضہ کرنے کے واسطے پوری نفری اور طاقت کے ساتھ مجاہدین کے خلاف جنگ شروع کر دی...... ان کی مدد کے لئے بھارتی فضائیہ نے بھی مجاہدین کی بلند تر پوسٹوں پر بمباری شروع کر دی، لیکن مجاہدین پہاڑ کی برف پوش چوٹی کے غاروں م مورچہ بند تھے جہاں بم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے...... بمبار جہاز ان کے قریب جا کا خطرہ مول نہیں لے رہے تھے، کیونکہ پہاڑ پر سے جہاز کو آسانی سے راکٹ مار کر گر جا سکتا تھا...... مجاہدین نے بھی اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں اور بھارتی فوجوں کو بھا جانی نقصان پہنچایا جس کا اعتراف بھارتی جرنیل نے ایک پریس کانفرنس میں سب سامنے کیا بلکہ اسے اعتراف کرنا پڑا۔

روس کے دس ایس یو 30 لڑاکا اور بمبار طیارے سری نگر پہنچ گئے تھے اور انہ نے کارگل کی پہاڑیوں اور کنٹرول لائن کے پار آزاد کشمیر کے دیہات کو بمباری کا نش بنانا شروع کر دیا تھا...... کارگل کی جن پہاڑیوں پر مجاہدین کے مورچے تھے وہاں جاتے ہوئے بھارتی ہوا باز گھبراتے تھے...... اس کی وجہ یہ تھی کہ زمین پر سے ط شکن توپوں کا نشانہ کبھی کبھار ہی لگتا تھا مگر پہاڑ پر مورچے میں بیٹھا ہوا کشمیری رائفل کے فائر سے ہی ہوا باز کو ہلاک کر کے جہاز گرا سکتا تھا، کیونکہ جہاز کو پہاڑ بالکل قریب سے ہو کر راکٹ فائر کرنا پڑتا تھا...... کارگل سیکٹر کی جنگ بھارتی فوج

کے گلے پڑ گئی تھی...... وہ اسے چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے اور اسے کامیابی بھی نہیں ہو رہی تھی...... بلکہ الٹا بھارتی فوجوں کا بھاری جانی نقصان ہو رہا تھا...... اسی اثناء میں مجاہدین کی انٹیلی جنس نے یہ اطلاع دی کہ اڑیسہ میں بھارت کی سب سے بڑی اسلحہ کی فیکٹری سے اسلحہ اور گولہ بارود سے بھرے ہوئے پندرہ ٹرک کارگل سیکٹر کی طرف روانہ کر دیئے گئے ہیں۔

اس اطلاع کے ملتے ہی کمانڈر غازی نے کمانڈو عمران اور جبران کو اپنے خفیہ ٹھکانے پر بلا کر یہ خبر سنائی اور کہا۔

"اگر یہ پندرہ ٹرک صحیح سلامت کارگل سیکٹر میں پہنچ گئے تو مجاہدین کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے...... میں چاہتا ہوں کہ جیسے بھی ہو، گولہ بارود سے بھرے ہوئے ان پندرہ بھارتی ٹرکوں کو جموں پہنچنے سے پہلے پہلے راستے میں ہی اڑا دیا جائے"۔

کمانڈو عمران کو بھی اس اطلاع سے تشویش ہوئی...... اس نے اسی وقت ان ٹرکوں کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا...... اس نے کمانڈر غازی سے کہا۔

"کیا کسی طرح ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس فوجی کانوائے کا روٹ کون سا ہے...... یعنی اڑیسہ سے یہ کانوائے کہاں کہاں سے ہو کر جموں آئے گا"۔

غازی کہنے لگا۔

"ہماری انٹیلی جنس کو ضرور اس روٹ کی خبر ہو گی...... میں ابھی وائرلیس پر رابطہ قائم کر کے معلوم کرتا ہوں"۔

مجاہدین کا کمانڈر غازی اٹھ کر ایک پہاڑی غار کی طرف چل دیا...... کچھ دیر کے بعد اس نے واپس آ کر بتایا کہ یہ کانوائے اڑیسہ کے شہر بھبھونیشور سے روانہ ہو چکا ہے اور اس کا روٹ بڑا لمبا ہے۔

کمانڈر غازی نے جیکٹ کی جیب میں سے ایک کاغذ نکال کر پڑھنا شروع کیا۔

"اس فوجی کانوائے کا روٹ یہ ہوگا...... بھبھونیشور سے بلاس پور، وہاں
کھڑگ پور، ہزاری باغ، بنارس، بنارس سے الہ آباد، کان پور، بریلی، رام پور، مراد
اور پھر دلی...... دلی سے میرٹھ، انبالہ، لدھیانہ، جالندھر اور امرتسر...... امرتسر
کانوائے پٹھان کوٹ جانے والی سڑک پر آجائے گا اور پٹھان کوٹ سے ہوتا ہوا جم
پہنچے گا...... یہ کافی لمبا روٹ ہے...... اب تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ راستے میں کس
پر تم کانوائے پر حملہ آور ہوگے اور اسے تباہ کرو گے...... یہ پورے پندرہ بھارتی
ٹرک ہیں...... ان سب کا ایک ہی وقت میں تباہ کرنا بہت مشکل ہوگا"۔

کمانڈو عمران خاموشی سے یہ سب کچھ سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا...... کمانڈو جبر
نے کہا۔

"ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ راستے میں کوئی ایسا پل دیکھا جائے کہ جبر
یہ پندرہ کے پندرہ فوجی ٹرک آجائیں تو اسی پل کو اڑا دیا جائے یا پھر کسی کمانڈو آپر
کے ذریعے ان تمام ٹرکوں کے نیچے ایک ایک ٹائم بم لگا دیا جائے جو وقت مقررہ پر
شروع ہو جائیں اور اپنے ساتھ ان ٹرکوں کو بھی بھک سے اڑا دیں"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"میں نے یہ سارا علاقہ دیکھا ہوا ہے...... اس روٹ پر دریاؤں پر بنے ہوئے
دیو ہیکل قسم کے پل آتے ہیں...... ان پلوں کو اتنی آسانی سے اڑایا نہیں جاسکتا
میرے خیال میں ان ٹرکوں پر ٹائم بم لگانا بہتر رہے گا...... صرف یہ سوچنے والی بات
کہ ٹرکوں کے نیچے یا سائیڈ میں ٹائم بم لگانے کا کمانڈو آپریشن کہاں اور کیسے شر
جائے؟"۔

کمانڈو عمران خاموشی سے یہ ساری باتیں سن رہا تھا...... اس کا ذہن تیزی
بہت کچھ سوچ رہا تھا...... وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اتنے لمبے روٹ پر فوجی کانوائے کو
اور کس جگہ پر تباہ کیا جائے...... کوئی ایک ٹرک ہوتا تو اسے اڑانا اتنا مشکل کام

مگر یہ اکٹھے پندرہ تھے اور وہ بھی فوجی ٹرک تھے جن کے ساتھ سیکورٹی کے سخت
انتظامات ہوں گے...... یہ سارا علاقہ کمانڈو عمران کا بھی دیکھا ہوا تھا...... اسے جبران کا
منصوبہ کسی حد تک ممکن لگا تھا کہ ہر ٹرک کے نیچے ایک طاقتور اور انتہائی دھماکہ خیز ٹائم
بم لگا دیا جائے...... دوسری کوئی سکیم بیک وقت پندرہ ٹرکوں کو تباہ کرنے میں کامیاب
نہیں ہو سکتی تھی...... اس نے کمانڈر غازی سے کہا۔

"میں جبران کی سکیم کی تائید کرتا ہوں...... ان ٹرکوں کو اسی صورت میں تباہ کیا
جاسکتا ہے کہ ان کے نیچے کسی طریقے سے کسی منصوبے پر عمل کرتے ہوئے طاقتور
ٹائم بم چپکا دیئے جائیں...... دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے"۔

کمانڈو غازی نے کہا۔

"کیا یہ کام تم لوگ کر سکو گے؟ کیا تمہارے اتنے وسائل ہیں کہ تم اتنے لمبے
روٹ پر اس منصوبے پر عمل کر سکو، جبکہ یہ سارا علاقہ تمہارے لئے اجنبی ہوگا"۔

کمانڈو عمران کے ذہن میں اس وقت دلی والے اپنے حاجی صاحب ہی تھے......
حاجی صاحب (یاد رہے کہ دلی میں ملک کی خدمت کرنے والے جاسوس کا نام کچھ اور
ہے ہم نے فرضی نام حاجی صاحب رکھا ہوا ہے) اس سلسلے میں ان کے کام آسکتے
تھے...... اگرچہ دلی میں چاندنی چوک والے ہوٹل کا مالک بھی ہمارا اپنا آدمی اور ایجنٹ تھا
اور اس کا بھی ہم نے فرضی نام گل خان رکھا ہوا ہے جو وہاں رام پرشاد کے نام سے
ہوٹل چلاتا تھا، لیکن یہ شخص حکومت کے اندرون خانہ راز ہمیں مہیا کر سکتا تھا، کیونکہ
واجپائی کی پارٹی بھارتی جنتا دل کا حامی تھا اور اس کے پاس حکومتی پارٹی کے ارکان اور
عہدے دار اکثر آتے جاتے رہتے تھے...... اس کا بھارت کی سیاست میں کافی عمل دخل
تھا اور اس کے ذریعے عمران اور جبران کو حکومت کے پاکستان دشمن عزائم کی خبر ملتی
رہتی تھی، لیکن اپنا یہ ایجنٹ اسلحہ اور خاص طور پر اعلیٰ ترین کوالٹی کے ٹائم بم فراہم
نہیں کر سکتا تھا...... یہ کام صرف حاجی صاحب ہی کر سکتے تھے...... ان کے اتنے وسائل

تھے کہ وہ جس قسم کے اسلحہ کی ضرورت ہو فراہم کر دیں۔

چنانچہ کمانڈو عمران نے کہا۔

"اس کا ہم کچھ نہ کچھ انتظام کر لیں گے...... ہمیں آج رات کو ہی دلی روانہ ہونا پڑے گا"۔

کمانڈر غازی نے پوچھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلے گا کہ یہی وہ فوجی کانوائے کے ٹرک ہیں جن پر کارگل فرنٹ کے لئے گولہ بارود لوڈ کیا ہوا ہے؟"۔

عمران بولا۔

"اگر ہمیں یہ پتہ چل جائے کہ یہ کون سی رجمنٹ کے فوجی ٹرک ہیں...... یا کون سی رجمنٹ کے جوان یہ گولہ بارود لا رہے ہیں تو باقی ہم معلوم کر لیں گے کہ یہ ٹرک کس وقت کہاں سے گزریں گے"۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

"یہ میں تمہیں ابھی معلوم کئے دیتا ہوں"۔

اور وہ اٹھ کر پہاڑ والے غار کی طرف چل دیا...... جبران نے عمران سے کہا۔

"میرا خیال ہے دلی والے حاجی صاحب سے ہمیں انتہائی طاقتور میگنیٹ بم مل جائیں گے اور ان کے ذریعے ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کانوائے کس وقت کہاں سے گزرے گا"۔

عمران نے کہا۔

"بالکل معلوم ہو جائے گا...... حاجی صاحب کے وسائل بہت ہیں اور میرا خیال ہے کہ ہمیں دلی کے قریبی سٹیشن غازی آباد میں جی ٹی روڈ پر کسی جگہ یہ کام کرنا ہو گا...... ایک تو یہ جگہ دلی میں ہمارے خفیہ ٹھکانے کے قریب ہو گی...... دوسرے ہمیں پندرہ بیس ٹائم بم چھپا کر زیادہ لمبے روٹ پر نہیں جانا پڑے گا"۔

کمانڈر غازی اپنے ہاتھ میں نوٹ بک لئے آ گیا...... کہنے لگا۔

"یہ بھارت کی 15 ویں کور کے ٹرک ہیں اور اسی کور کی تین بٹالین فوجی کانوائے کو لے کر کشمیر جا رہی ہے"۔

کمانڈو عمران نے یہ بات اپنی نوٹ بک میں لکھ لی۔

دوسری رات کو دونوں کمانڈو مجاہد عمران اور جبران دلی کی طرف روانہ ہو گئے...... سری نگر سے لاری میں بیٹھ کر جموں تک انہوں نے دیہاتیوں کے لباس میں اکٹھے بیٹھ کر سفر کیا...... جموں سے وہ الگ الگ ہو کر ٹرین میں سوار ہوئے اور دلی پہنچ گئے...... دلی پہنچنے کے بعد وہ کچھ دیر تک پلیٹ فارم پر ایک جانب بیٹھ کر یہ جائزہ لیتے رہے کہ ان کے پیچھے سی آئی ڈی تو نہیں لگی ہوئی...... جب انہیں تسلی ہو گئی کہ ان کا پیچھا نہیں کیا جا رہا تو دونوں سٹیشن سے باہر نکلے اور ٹیکسی لے کر حاجی صاحب کے ہوٹل میں آ گئے...... حسب معمول وہ سیدھے اوپر والے حاجی صاحب کے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے...... کچھ دیر بعد حاجی صاحب بھی آ گئے...... کہنے لگے۔

"اس دفعہ تم جلدی واپس آ گئے ہو...... خیریت ہے نا؟"۔

عمران بولا۔

"سب خیریت ہے"۔

اور اس کے بعد عمران نے حاجی صاحب کو اس مشن کی پوری تفصیل بیان کر دی جس مشن کو لے کر وہ دلی آئے تھے...... حاجی صاحب نے ساری تفصیل بڑی توجہ کے ساتھ سنی...... کہنے لگے۔

"اب تم لوگ کیا چاہتے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"ہم دلی کے قریب غازی آباد کے جی ٹی روڈ پر کمانڈو آپریشن کرنا چاہتے ہیں"۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے اور یہ بھی درست ہے کہ غازی آباد کانوائے تھوڑی دیر کے لئے ضرور ٹھہرے گا، کیونکہ جہاں تک میرا خیال ہے فوج کی سیکورٹی والے پندرہ ٹرکوں کو دلی نہیں لائیں گے...... دلی میں خطرہ ہوگا...... یہ کانوائے باہر ہی باہر سے آگے گزر جائے گا، لیکن دلی کی بجائے چند میل پیچھے غازی آباد ٹھہرے گا تاکہ فوجی کچھ وقت آرام کر لیں...... غازی آباد چونکہ اب دلی ہی کا ایک حصہ بن گیا ہے اس لئے وہاں قسم کے کھانے پینے کی سہولت ہے"۔

جبران کہنے لگا۔

"لیکن اب سوچنے والی یہ بات ہے کہ پندرہ ٹرکوں کے نیچے ٹائم بم کیسے چپکا جائیں؟"۔

"یہی اس آپریشن کا اہم پوائنٹ ہے" حاجی صاحب نے کہا۔

تینوں غور کرنے لگے کہ ٹرکوں پر بم لگانے کی کون سی ترکیب ہو سکتی ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ کسی کی سمجھ میں کوئی بھی ترکیب نہیں آرہی تھی...... ویسے یہ کام مشکل تو تھا ہی لیکن ناممکن بھی لگتا تھا، کیونکہ ان فوجی ٹرکوں کے ساتھ زبردست سیکورٹی ہوگی اور کسی سویلین کو ٹرکوں کے قریب جانے کی اجازت نہیں ہوگی...... یہ دونوں کمانڈو کس طرح نہ صرف یہ کہ ٹرکوں کے قریب جائیں گے بلکہ انہیں وقت بھی ملنا چاہئے کہ وہ پندرہ کے پندرہ ٹرکوں کے نیچے یا ان کی سائیڈ میں کسی جگہ بھی چپکا سکیں...... حاجی صاحب کے ذہن میں ایک خیال آگیا...... انہوں نے کہا۔

"یہاں صرف ایک ترکیب کارگر ہو سکتی ہے"۔

جبران اور عمران ان کی طرف دیکھنے لگے...... عمران نے پوچھا۔

"وہ کیا ہے؟"۔

حاجی صاحب بولے۔

"بھارت میں صرف ایک شخص ایسا ہے جو اس ملک کے کسی بھی گھر، کسی

دفتر میں بلا روک ٹوک جا سکتا ہے اور اسے کوئی نہیں روک سکتا"۔

عمران نے کہا۔

"ایسا کون سا شخص ہو سکتا ہے؟"۔

حاجی صاحب بولے۔

"سادھو...... سادھو ایک ایسا شخص ہے کہ اگر وہ بھارت کے پردھان منتری کے کمرے میں بھی چلا جائے تو اسے کوئی کچھ نہیں کہے گا...... اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندو قوم اتنی زیادہ توہم پرست ہے کہ اس کا ایمان ہے کہ اگر کوئی جوگی، سنیاسی یا سادھو ناراض ہو کر شراپ یعنی بددعا دے دے تو وہ بددعا لگ کر رہتی ہے...... کبھی خالی نہیں جاتی...... چنانچہ اگر کوئی سادھو کسی کی دکان میں داخل ہو کر کوئی چیز اٹھا کر لے جائے تو دکاندار اسے کبھی کچھ نہیں کہے گا بلکہ اس بات کو اپنی خوش قسمتی تصور کرے گا کہ سادھو مہاراج نے اس کی دکان پر سے ایک چیز اٹھائی ہے...... پس اگر تم دونوں سادھو کا بھیس بنا لو تو فوجی کانوائے کے پاس جانے سے تمہیں کوئی نہیں روک سکے گا...... تمہیں روکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا...... سادھو بھی تم شوجی مہاراج کے بنو گے...... شوجی مہاراج کے سادھو بڑے جلالی ہوتے ہیں...... ہندو لوگ شوجی کے سادھوؤں سے بہت زیادہ ڈرتے ہیں اور ان کی خدمت کرنا اپنے لئے باعث برکت سمجھتے ہیں۔

اس ترکیب کو عمران اور جبران دونوں نے پسند کر لیا...... اس کے سوا اور کوئی ترکیب کارگر ہو بھی نہیں سکتی تھی...... عمران نے کہا۔

"ہم آپ کی بتائی ہوئی ترکیب پر ہی عمل کریں گے، لیکن آپ ہمیں یہ ضرور پتہ کروا دیں کہ یہ فوجی کانوائے دلی شہر کے اندر سے گزرے گا یا باہر ہی باہر دلی سے چند میل پیچھے غازی آباد میں رک کر جی ٹی روڈ پر آگے نکل جائے گا...... یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"یہ میں کل ہی معلوم کرلوں گا"۔

دوسرے دن صبح ہی ۔ حاجی صاحب کسی خاص آدمی سے ملنے چلے گئے...... تین گھنٹوں کے بعد واپس آئے...... عمران اور جبران ان کے اوپر والے کمرے میں بیٹھے رہے...... آکر کہنے لگے۔

"میں نے سب کچھ معلوم کرلیا ہے...... یہ فوجی کانوائے دو دن کے بعد سو غروب ہونے کے بعد غازی آباد پہنچے گا اور وہاں فوجی چائے وغیرہ پینے کے لئے رک گے...... یہ کانوائے نہ تو دلی شہر میں رکے گا اور نہ ہی شہر کے اندر جائے گا بلکہ جی ٹی پر باہر ہی باہر سے آگے میرٹھ چھاؤنی کی طرف نکل جائے گا اور اس کا اگلا پڑاؤ میر چھاؤنی ہی ہوگا...... مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ کانوائے بھارتی فوج کی پندرہ کور کا ہے"۔

عمران نے جیب سے نوٹ بک نکال کر دیکھی اور بولا۔

"ہمیں کشمیر میں اس رجمنٹ کا نام معلوم ہو گیا تھا...... آپ نے بالکل ٹھیک کہا...... یہ انڈیا کی پندرہویں کور کے ٹرک ہیں اور اسی کی بٹالین اس کے ساتھ بطو سیکورٹی گارڈ کے جا رہی ہے"۔

جبران بولا۔

"یہ بڑا اہم نقطہ معلوم ہو گیا ہے...... یہ معلوم کرنا بہت ضروری تھا، کیونکہ کانوائے کسی دوسری رجمنٹ کا بھی ہو سکتا تھا کہ جس پر گولہ بارود کی بجائے کھانے کا راشن کارگل جا رہا ہو"۔

عمران نے کہا۔

"حاجی صاحب! ہمارے پاس وقت بہت کم ہے...... آپ نے ہمیں انتہائی دھ خیز اور چھوٹے سے چھوٹے سائز کے ٹائم بم مہیا کرنے ہیں"۔

حاجی صاحب نے پوچھا۔

"کتنے ٹائم بموں کی آپ کو ضرورت ہوگی؟"۔

پندرہ ٹرک ہیں آپ سولہ بم اپنے پاس رکھ لیں...... کیا خیال ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"اگر تو ان بموں کی طاقت بے حد زیادہ ہوگی اور یہ ٹرک کے اندر گھس کر اندر لدے ہوئے گولہ بارود کو بھی ہٹ کر سکتے ہیں تو پندرہ بم ہی کافی ہوں گے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"بھائی میاں! یہ بم میں نے نہیں بنائے...... یہ بھارت کی فوجی آرسنل سے ہی آئیں گے اور انتہائی جدید ترین اور انتہائی طاقتور اور چھوٹے سائز کے بم ہوں گے...... اس کی تم فکر نہ کرو"۔

"یہ ہمیں کب تک مل جائیں گے؟" جبران نے پوچھا۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"آج رات کو ایک آدمی یہ بم لے کر یہاں آجائے گا"۔

عمران نے سادھوؤں کے لباس کے بارے میں دریافت کیا تو حاجی صاحب کہنے لگے۔

"ارے بھائی...... سادھوؤں کے لباس کا کیا ہے...... تم صرف لنگوٹی باندھ کر اور جسم پر سیندور مل کر سادھو بن سکتے ہو...... لیکن شو دیوتا کے سادھوؤں کو میں نے دلی میں بہت دیکھا ہے...... انہوں نے سارے جسم پر سیندور ملا ہوتا ہے...... صرف ایک چولا پہنتے ہیں جو پنڈلیوں کے اوپر تک ہوتا ہے...... گلے میں سیاہ منکوں کی مالائیں ہوتی ہیں...... مونچھیں ڈاڑھی اور سر منڈا ہوا ہوتا ہے...... ہاتھ میں شو دیوتا کا ترشول ہوتا ہے اور ماتھے پر سیندور ہی کے ترشول کا سرخ نشان بنایا ہوا ہوتا ہے...... جہاں جاتے ہیں الکھ نرنجن کا نعرہ ضرور لگاتے ہیں...... اسی نعرے سے ان کی پہچان ہوتی ہے کہ یہ

شو جی مہاراج کے سادھو ہیں...... یہ ہاتھ میں ایک کشکول اٹھائے ہوتے ہیں جس میں لوگ اپنے آپ پیسے، مٹھائی وغیرہ ڈال دیتے ہیں...... یہ کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے...... بڑے جلالی ہوتے ہیں اور حکم دینے کے انداز میں بات کرتے ہیں"۔

عمران بولا۔

"اچھا کیا آپ نے یہ ساری باتیں بتادیں...... یوں سمجھ لیں کہ اب ہم پورے شو دیوتا کے سادھو بن جائیں گے...... بس آپ ہمیں شو دیوتا کے سادھو کے سارے لوازمات مہیا کر دیجئے گا"۔

"ان کا انتظام ہو جائے گا" حاجی صاحب نے کہا...... "لیکن اس سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ تمہیں غازی آباد لے جاکر وہ جگہ دکھادوں...... جہاں سے یہ فوجی کانوائے گزرے گا اور جہاں اس کے رکنے کا امکان ہے"۔

ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا...... حاجی صاحب نے عمران اور جبران کو دلی کے ریلوے سٹیشن کے ٹیکسی اڈے پر جاکر اپنا انتظار کرنے کو کہا، کیونکہ وہ اپنے ہوٹل سے اپنی گاڑی میں ان کے ساتھ نکلنا نہیں چاہتے تھے...... عمران اور جبران کچھ دیر کے بعد الگ الگ ہو کر ہوٹل سے نکل کر دلی ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑے...... وہ الگ الگ رکشا لے کر سٹیشن پہنچے اور وہاں جو ٹیکسی سٹینڈ تھا اس کے قریب ہی ایک طرف ہو کر حاجی صاحب کا انتظار کرنے لگے...... وہاں ایک چائے والا اپنا حمام لے کر زمین پر ہی بیٹھا ہوا تھا اور لکڑی کی چوکیوں پر تین چار گاہک بیٹھے چائے پی رہے تھے...... عمران اور جبران بھی وہاں چوکیوں پر بیٹھ کر چائے پینے لگے...... تاکہ کھڑے کھڑے کسی کی نگاہ میں نہ آجائیں...... ان کی نظریں سٹیشن کی جانب سے ٹیکسی سٹینڈ کی طرف آنے والی سڑک پر لگی ہوئی تھیں...... آدھ گھنٹے کے بعد ایک ٹیکسی وہاں آکر رکی...... اس میں حاجی صاحب بیٹھے ہوئے تھے...... دونوں کمانڈو مجاہد اٹھ کر ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔

ٹیکسی دلی شہر سے نکل کر غازی آباد کی طرف روانہ ہو گئی...... کسی زمانے میں

غازی آباد چھوٹا سا سٹیشن ہوا کرتا تھا اور وہاں آبادی بھی زیادہ نہیں تھی، مگر جس طرح دلی میں نظام الدین اولیاؒ کا علاقہ جو پہلے دلی شہر سے کافی دور ہوا کرتا تھا اور وہاں تک یکے میں بیٹھ کر جانا پڑتا تھا اور اب یہ علاقہ دلی میں شامل ہی نہیں ہوا بلکہ دلی کا ایک محلّہ بن گیا ہے، اس طرح غازی آباد بھی اب دلی شہر کا ایک حصہ بن چکا ہے...... حاجی صاحب نے غازی آباد پہنچ کر ٹیکسی کو ایک جگہ رکوایا اور عمران اور جبران کو ساتھ لے کر جی ٹی روڈ پر غازی آباد سٹیشن کے بالکل سامنے ایک چائے کے ہوٹل کے پاس آکر رک گئے...... کہنے لگے۔

"مجھے یقین ہے کہ فوجی کانوائے یہاں آکر کچھ دیر کے لئے ضرور رکے گا، کیونکہ اس سے پہلے بھی یہاں سے جو فوجی کانوائے گزرتا ہے وہ اس جگہ کچھ دیر کے لئے ضرور رکتا ہے اور فوجی اسی جگہ چائے وغیرہ پیتے اور کچھ دیر آرام کرتے ہیں...... اس کے آگے پھر جی ٹی روڈ کا خالی خالی علاقہ شروع ہو جاتا ہے...... کوئی بھی فوجی کانوائے دلی شہر کے اندر سے نہیں گزرتا...... جی ٹی روڈ پر اسی جگہ سے گزرتا ہے اور یہاں کچھ دیر رکنے کے بعد یہیں سے آگے میرٹھ چھاؤنی کی جانب روانہ ہو جاتا ہے...... میری اطلاع کے مطابق پندرھویں کور کا یہ فوجی کانوائے سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے غازی آباد پہنچے گا...... تم ایک گھنٹہ پہلے یہاں پہنچ جاؤ گے اور سٹیشن کے سامنے اس طرف دیکھو وہ چھوٹا سا ہوٹل ہے...... اس کے اوپر ہندی میں رام نومی ہوٹل لکھا ہوا ہے...... تم اسی ہوٹل کے باہر بیٹھ کر چائے وغیرہ پیو گے ہندو لوگ تمہاری سیوا کرنے آجائیں گے...... تم سب کو اپنے سے دور رکھو گے اور صرف ہوٹل کے مالک کو اتنی اجازت دو گے کہ وہ تمہارے پاس آکر تمہاری سیوا وغیرہ کر سکے...... اس سامنے والے ہوٹل کو دیکھ رہے ہو ناں؟"۔

عمران اور جبران اسی ہوٹل کی طرف دیکھ رہے تھے...... عمران نے کہا۔

"ہاں...... ہم دیکھ رہے ہیں"۔

"بس...... اب یہاں سے نکل چلو...... میں نہیں چاہتا کہ یہاں کے لوگ تمہیں دیکھیں"۔

حاجی صاحب دونوں کو ساتھ لے کر اوپر سے ہو کر اپنی ٹیکسی میں آ کر بیٹھ گئے اور ٹیکسی والے کو دلی سٹیشن کی طرف چلنے کو کہا...... ٹیکسی دلی سٹیشن کی طرف واپس روانہ ہو گئی...... دلی سٹیشن کے سامنے ٹیکسی سٹینڈ پر حاجی صاحب نے عمران اور جبران کو اتار دیا اور خود اپنے ہوٹل کی طرف چلے گئے...... ان کے جانے کے دس منٹ بعد عمران اور جبران بھی الگ الگ رکشا لے کر حاجی صاحب کے ہوٹل میں آ گئے...... شام کے وقت حاجی صاحب اوپر ہوٹل کے کمرے میں آئے اور عمران سے کہا۔

"اب تمہیں شہر سے باہر میرے پلاٹ والی جگہ جانا ہو گا...... فوجی کانوائے دو دن کے بعد یعنی تیسرے دن سورج غروب سے پہلے غازی آباد پہنچے گا...... اس کی تصدیق میں ایک بار پھر کر لوں گا...... تمہارے پاس کل کا اور پرسوں کا دن ہے...... اس دوران تمہیں ساری تیاری کرنا ہو گی...... اپنی زمین والی جگہ پر ہی میں ایک حجام کو لاؤں گا جو تمہارے سر اور ڈاڑھی مونچھوں کو مونڈ دے گا...... اسی کمرے میں تم شوجی دیوتا کے سادھوؤں والے حلیے بناؤ گے اور وہیں میں تمہیں ٹائم بم بھی لا کر دے دوں گا...... یہ دن تمہارا میرے ہوٹل میں ٹھہرنا ٹھیک نہیں...... تم جلدی سے کھانا کھا لو...... اس کے بعد میں تمہیں خود اپنے خالی پلاٹ والے کمرے میں چھوڑ آؤں گا"۔

انہوں نے ایسا ہی کیا...... رات کا کھانا جلدی کھا لیا اور جیسے ہی رات کا اندھیرا ہوا وہ حاجی صاحب کی گاڑی میں سوار ہو کر شہر کے باہر ان کا جو خالی پلاٹ تھا اور جہاں انہوں نے دو چھوٹے چھوٹے عارضی کمرے بنوا کر اپنا ایک بوڑھا ملازم چوکیداری کے لئے رکھا ہوا تھا پہنچ گئے...... حاجی صاحب انہیں وہاں چھوڑ کر چلے گئے...... رات کو دیر تک کمانڈو عمران اور جبران اپنے نئے کمانڈو آپریشن کے بارے میں غور و فکر کرتے رہے...... عمران کہنے لگا۔

"جبران! تمہیں سادھوؤں کا زیادہ تجربہ نہیں ہے...... میں اس سے پہلے دو تین بار جوگی کا حلیہ بنا کر فرار ہو چکا ہوں...... مجھے اس کا کچھ تجربہ ہے...... اس لئے تم میرے چیلے یعنی مرید ہو گے اور زیادہ بات نہیں کرو گے...... صرف جب میں اولکھ نرنجن کا نعرہ لگاؤں گا تو تم بھی میرے ساتھ نعرہ لگاؤ گے"۔

جبران نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے...... تم مجھے جو ہدایت دو گے میں اس پر عمل کروں گا...... لیکن ہم گولہ بارود والے فوجی ٹرکوں میں بم کیسے لگائیں گے؟ اس کے لئے سیکورٹی فورس کی توجہ کسی اور طرف کرانی ہو گی...... کیا ہم ایسا کر سکیں گے؟"۔

عمران بولا۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو...... میرے ذہن میں پورا منصوبہ آ چکا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہو گا اور ٹرک کی سیکورٹی فورس کے فوجیوں کو دھوکا دے کر کس طرح ٹرکوں پر بم لگانے ہوں گے...... اس وقت میں تمہیں جو کہوں گا تم اسی طرح کرتے جاؤ گے اور ہم بم ٹرکوں کے نیچے نہیں لگا سکیں گے...... ہمیں صرف اتنا ہی موقع ملے گا کہ ہم کوئی بم ٹرکوں کی پچھلی سائیڈ میں ٹائروں کے اوپر بمپر کے اندر چپکا دیں یا ٹرک کے عقب میں کسی جگہ کوئی خالی جگہ نظر آئے تو وہاں چپکے سے بم اندر کر کے ڈال دیں، لیکن یہ کام ہمیں بڑی صفائی، احتیاط، رازداری اور جتنی جلدی کر سکیں کرنا ہو گا، ہو سکتا ہے آدھے بم ٹرکوں پر تمہیں چپکانے پڑیں اور آدھے بم میں لگاؤں...... یہ وہاں موقع کے مطابق ہم فیصلہ کریں گے...... جو بات کرنی ہو گی وہ میں کروں گا...... تم صرف جب میں اولکھ نرنجن کا نعرہ لگاؤں تو میرے پیچھے وہی نعرہ لگا کر خاموش ہو جاؤ گے...... ان ہدایات کو اچھی طرح سے اپنے ذہن میں بٹھا لو...... وہ موقع ایسا ہو گا کہ غلطی کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں ہو گی...... اگر ہم سے ذرا سی بھول چوک ہو گئی تو پھر یہ ہو گا کہ ایک تو ہمارا آپریشن فیل ہو جائے گا اور دوسرے ہو سکتا ہے ہمیں اسی وقت فوجی گولیوں سے بھون

ڈالیں...... سمجھ رہے ہو ناں؟"۔

"بالکل سمجھ رہا ہوں" جبران نے جواب دیا۔

دیر تک دونوں کمانڈو مجاہد اپنے آئندہ مشن کے بارے میں باتیں کرتے رہے...... اس کے بعد وہ سو گئے...... اگلے روز شام سے ذرا پہلے حاجی صاحب ایک بوڑھے مسلمان حجام کو لے کر آ گئے...... حجام نے عمران اور جبران کے سر اور چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی مونچھیں صاف کر دیں...... حاجی صاحب نے حجام کو واپس بھیج دیا... جب وہ چلا گیا تو کہنے لگے۔

"تمہارا مشن پرسوں شروع ہو گا...... انشاء اللہ کل اس وقت تک تمہارے پاس تمہارا مطلوبہ اسلحہ پہنچ جائے گا...... میں نے سارا انتظام کر لیا ہے...... جوگیانہ لباس کالے منکوں والی مالائیں، ترشول اور سیندور بھی کل شام کو ہی میں ساتھ لیتا آؤں گا...... میرا خیال ہے تمہیں پستول یا کمانڈو چاقو ساتھ رکھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی"۔

عمران نے کہا۔

"ہمارا مشن ایسا ہے کہ پستول یا کمانڈو چاقو ساتھ لے جانا خود ہمارے لئے خطرناک ہو گا"۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"اور ہاں...... ضروری بات یہ ہے کہ میں نے تصدیق کر لی ہے...... فوجی کانوائے پرسوں دوپہر کے بعد ہی کسی وقت غازی آباد سے گزرے گا...... اب یہ دعا کرو کہ غازی آباد کچھ دیر کے لئے رک جائے...... کانوائے کو اصولی طور پر غازی آباد میں چاہئے، کیونکہ مراد آباد سے چلنے کے بعد غازی آباد ہی ایسا پڑاؤ ہے جہاں فوجی چھ کھ کر تازہ دم ہو سکتے ہیں"۔

جبران نے کہا۔

"اور فرض کر لیا کہ غازی آباد میں کانوائے نہیں رکتا...... تو پھر ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا ہو گا؟"۔

حاجی صاحب بولے۔

"دلی سے آگے پھر میرٹھ چھاؤنی ہی ایسی جگہ ہے جہاں کانوائے ضرور کچھ دیر کے لئے رکے گا...... تم لوگوں کو پھر یہاں سے میرٹھ چھاؤنی جانا پڑے گا، لیکن میرا نہیں خیال کہ کانوائے غازی آباد رکے بغیر آگے نکل جائے...... غازی آباد ایک طرح سے دلی ہی ہے اور یہاں پیچھے سے آنے والا فوجی کانوائے دس پندرہ منٹ کے لئے ہی سہی لیکن ضرور رکتا ہے"۔

حاجی صاحب کے جانے کے بعد انہوں نے آئینے میں دوبارہ اپنی شکلیں دیکھیں...... منڈے ہوئے سر کے ساتھ ہم بالکل ہی بدل گئے ہیں...... جبران بولا۔

"یہ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا ہے...... اگر غازی آباد میں کل کسی نے ہمیں دیکھا بھی ہو گا تو وہ اس حلیے میں ہمیں بالکل نہیں پہچان سکے گا"۔

حاجی صاحب اگلے روز ہمارے لئے سولہ انتہائی طاقتور ٹائم بم اور سادھو کے لباس کے ساتھ ضروری لوازمات لے کر آ گئے...... ہم نے ٹائم بموں کو خاص طور پر چیک کیا...... یہ پرانے زمانے کے انڈی پن کی کیپ یعنی ٹوپی کے سائز کے تھے اور بقول حاجی صاحب ان میں اتنی طاقت تھی کہ اگر وہ کسی چھ منزلہ بلڈنگ کے باہر پھٹیں تو بلڈنگ کا سامنے والا حصہ پورے کا پورا اڑا سکتے تھے...... ہر بم کے اوپر ایک سرخ چھوٹا بٹن تھا...... اور ایک بہت ہی چھوٹے سے ڈائیل کے اوپر ایک سے لے کر 12 تک کے ہندسے لکھے ہوئے تھے...... حاجی صاحب کہنے لگے۔

"یہ اس بم کا کلاک ہے...... اس پر جتنا ٹائم دینا ہو اس کے مطابق سوئی سیٹ کر کے بٹن دبا دیا جاتا ہے...... اس کو جتنا ٹائم دیا ہوا ہو اس کے ختم ہوتے ہی بم ایک دھماکے سے پھٹ جاتا ہے"۔

آٹھ بم جبران نے اور آٹھ بم عمران نے اپنے اپنے لباس کے اندر سنبھال کر ر
لئے...... ان کے ہاتھ میں کشکول نہیں تھے...... صرف ترشول تھے، کیونکہ شو د
تباہی کا دیوتا ہے اور ہندو کے عقیدے کے اعتبار سے شو کے سادھو بڑے جلالی ا
غصیلے ہوتے ہیں اور ہندو لوگ ان کی بددعا سے اپنے آپ کو ہر ممکن طریقے
بچاتے ہیں اور سادھوؤں کی کوئی بات نہیں ٹالتے...... انہیں جو پروگرام دیا گیا تھا
کے حساب سے بھارت کے پندرہویں کور کا فوجی کانوائے بفورس گنوں اور مارٹر گو
کی بہت بڑی کھیپ لے کر غازی آباد منہ اندھیرے پہنچنے والا تھا، چنانچہ دونوں کما
دوست رات کے تین بجے ہی ایک ٹیکسی لے کر غازی آباد کی طرف چل پڑے۔

وہ غازی آباد کے ریلوے سٹیشن سے تھوڑا پیچھے ہی ٹیکسی سے اترے...... و
ایک چھوٹا سا وشنو مندر تھا...... جبران اور عمران شوجی کے سادھوؤں کے بھیس
تھے...... انہوں نے مندر میں جا کر ماتھا ٹیکا...... لوگ ان کی خدمت میں مٹھائی و
پیش کرنے لگے...... عمران نے زور سے نعرہ لگایا...... اولکھ نرنجن! جبران نے اس
پیچھے نعرہ لگایا...... اولکھ نرنجن اور خاموش ہو گیا...... مندر کے باہر گیندے کے پ
بیچنے والا بیٹھا تھا...... اپنی سکیم کے مطابق عمران کو ان پھولوں کی ضرورت تھی......
نے ہاتھ بڑھا کر پھول بیچنے والے سے پوچھے بغیر گیندے کے دو ہار اٹھا لئے
دوکاندار ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"مہاراج! سارے ہار لے لیجئے"۔

عمران نے غصے میں آ کر کہا۔

"ہم بھکاری نہیں ہیں مورکھ! جتنے ہار چاہئیں ہم نے لے لئے ہیں...... او
نرنجن"۔

جبران نے عمران کے پیچھے نعرہ لگایا...... اولکھ نرنجن اور خاموش ہو گیا...... عم
جبران کو لے کر غازی آباد کے ریلوے سٹیشن کی طرف چلا، ابھی صبح کی سفیدی

ہوئی تھی...... رات کا ہلکا ہلکا اندھیرا باقی تھا...... عمران نے جبران سے کہا۔

"وہ سامنے رام نامی ہوٹل ہے...... ہوٹل کھلا ہے...... یہ لوگ ساری رات ہوٹل کھلا رکھتے ہیں...... سٹیشن پر مسافر آتے جاتے رہتے ہیں"۔

رام نامی ہوٹل کے اندر دو تین گاہک بیٹھے چائے پی رہے تھے...... ہوٹل کا مالک گدی پر بیٹھا چائے تیار کر رہا تھا...... عمران اور جبران رام نامی ہوٹل کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے...... دونوں نے ترشول والا ہاتھ اوپر اٹھا کر زور سے باری باری نعرہ لگایا اور ہوٹل کے آگے سڑک کے کنارے جو کرسیاں پڑی تھیں ان پر بیٹھ گئے...... ہوٹل کا مالک جلدی سے ان کی خدمت میں چائے کی دو پیالیاں لے کر حاضر ہو گیا۔

"مہاراج! میرے بڑے سو بھاگ ہیں کہ آپ میرے ہوٹل میں پدھارے ہیں"۔

عمران نے آواز میں جلال پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم ہی ہوٹل کے مالک ہو؟"۔

اس آدمی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"مہاراج! میں آپ کا سیوک ہی ہوٹل کا مالک ہوں...... میرا نام گوپی پرشاد ہے"۔

عمران نے ترشول والا ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا۔

"گوپی پرشاد! تم سے شوجی مہاراج بہت خوش ہیں...... وہ تمہیں ایک چاند سا بیٹا عطا کریں گے"۔

اتفاق کی بات ہے کہ ہوٹل کے مالک کی چھ بیٹیاں تھیں...... لڑکا ایک بھی نہیں تھا...... وہ تو عمران کے پاؤں پر گر پڑا...... عمران نے پاؤں فوراً پیچھے کر لیئے اور غصیلی آواز میں بولا۔

"سنسار کی مایا میں پھنسے ہوئے ہو...... مجھے ہاتھ نہ لگانا...... جاؤ تمہیں کہہ دیا کہ

تمہارے ہاں شو بھگوان ایک لڑکا پیدا کریں گے...... اس کا نام شوداس رکھنا"۔

"جو حکم مہاراج!"۔

عمران نے اولکھ نرنجن کا نعرہ لگایا...... جبران نے اس کے پیچھے یہی نعرہ لگایا او
خاموش ہو گیا...... عمران نے ہوٹل کے مالک سے کہا۔

"ہمیں چائے پلاؤ اور ساتھ پوریاں بھی کھلاؤ"۔

عمران اور جبران ہوٹل کے باہر لوہے کی کرسیوں پر بیٹھ گئے...... غازی آباد
سٹیشن پر کوئی گاڑی آکر رکی...... اس کے مسافر باہر نکلے تو کچھ مسافر شوجی بھگوان
سادھوؤں کو دیکھ کر چرن چھونے کو آگے بڑھے تو عمران نے ہوٹل کے مالک سے ک

"ان ملیچھ لوگوں کو یہاں سے بھگادو...... نہیں تو ہم ان کے ساتھ تمہیں
شراپ (بددعا) دیں گے"۔

ہوٹل کا مالک تو فوراً گدی سے اچھل کر نیچے اترا اور جو تین چار ہندو لوگ عمرا
اور جبران کی طرف آرہے تھے ان کے آگے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"مہاراج! شوجی کے سادھو مہاراج تمہیں شراپ نہ دے دیں وہ کسی کو قر
آنے کی اجازت نہیں دیتے...... یہاں سے چلے جائیں"۔

عمران نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے گرج کر کہا۔

"بھاگ جاؤ واسنا کے پجاریوں...... بھاگ جاؤ...... نہیں تو ہم تم سب کو
بھسم کر دیں گے"۔

ڈر کے مارے سارے لوگ ادھر ادھر ہو گئے...... ہوٹل کا مالک عمران اور
کے آگے پوری کچوری اور چائے رکھ کر فوراً پیچھے ہٹا اور گدی پر جا کر بیٹھ گیا۔

عمران نے جبران سے کہا۔

"دعا کرو کہ کانوائے یہاں رک جائے"۔

جبران نے کہا۔

"یہاں دو تین ہوٹل کھلے ہوئے ہیں...... فوجی یہاں چائے وغیرہ پینے کے لئے
رور رکیں گے"۔

آسمان پر صبح کا پہلا اجالا نمودار ہونا شروع ہو گیا تھا...... عمران نے جبران سے
ہا۔

"جب میں تمہیں گیندے کا ہار دے کر کہوں کہ جاؤ تم بھی شوجی بھگوان کے
اہنوں (گاڑیوں) پر سو بھاگیہ کے پھول رکھ آؤ تو تم فوراً گیندے کا ہار لے کر اس کا
یک ایک پھول فوجی ٹرکوں پر رکھنے لگو گے...... اسی دوران تم نے بڑی ہوشیاری اور
یاری سے کام لے کر فوجی ٹرک کے نیچے یا پیچھے یا بمپروں کے نیچے پھول کے ساتھ ہی
م چسپاں کر دینے ہیں اور اس کا بٹن بھی دبا دینا ہے...... مجھے یقین ہے کہ تم یہ کام بڑی
ہوشیاری سے کر لو گے"۔

جبران بولا...... انشاءاللہ!

صبح کاذب کی تھوڑی تھوڑی سفیدی پھیلنے لگی تھی...... اس ہلکی روشنی میں مراد
سے جو سڑک غازی آباد اور دلی کی طرف آتی تھی وہ دور تک صاف نظر آنے لگی
...... یہ سڑک دور تک خالی تھی...... عمران اور جبران خاموشی سے پوری کچوری کا
ہ کر رہے تھے...... ناشتہ کر کے عمران اور جبران نے بلند آواز میں باری باری اولکھ
ن کا نعرہ لگایا اور بے چین نظروں سے دور تک خالی نظر آنے والی سڑک کو تکنے
...... فوجی کانوائے کا دور دور تک کوئی نام نشان نہ تھا...... لیکن دوسرے لمحے اچانک
سے ایک بہت بڑا فوجی ٹرک آتا دکھائی دیا۔

عمران نے آہستہ سے کہا۔

"جبران! ہوشیار ہو جاؤ...... فوجی کانوائے آرہا ہے"۔

وہ ایک فوجی ٹرک نہیں تھا...... اس کے پیچھے بارہ تیرہ فوجی ٹرک اور بھی تھے......
ڑا فوجی کانوائے تھا جس کے ٹرکوں میں توپوں اور مارٹر گنوں کے گولے لدے

ہوئے تھے...... ہر ٹرک کے اوپر ترپال ڈال دی گئی تھی اور درختوں کی جھاڑیاں ڈال کر ٹرک کو کیمو فلاج کر دیا گیا تھا...... عمران اور جبران بے تابی سے فوجی کانوائے کے وہاں رکنے کا انتظار کر رہے تھے...... کانوائے کا اگلا ٹرک سٹیشن کے قریب آ کر سڑک سے اتر کر ایک طرف رک گیا۔

عمران نے آہستہ سے کہا۔

"خدا کا شکر ہے...... کانوائے یہاں رکے گا"۔

یہ چودہ فوجی ٹرک تھے...... چودہ کے چودہ فوجی ٹرک سٹیشن کے سامنے اور ہوٹل کے قریب ہی ایک دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے...... سکھ، گورکھے اور ڈوگر ڈرائیور نیچے اترے اور ہوٹل کی طرف آئے...... عمران اٹھ کر کھڑا ہو گیا...... جیسے ہی یہ فوجی اس کے قریب آئے...... اس نے بلند آواز میں اولکھ نرنجن کا نعرہ لگایا اور بھار فوجیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تم بھارت ماتا کے سپوت ہو...... شیوجی بھگوان نے تمہاری وجے (فتح) کا نیہ (خبر) دے کر ہمیں یہاں بھیجا ہے...... ادھر آؤ...... اپنے ماتھے پر شوجی بھگوان تلک لگواؤ"۔

عمران نے یہ جملے اس قدر رعب دار اور بلند آواز میں اس قدر اعتماد کے سا کہے کہ جو چھ سات فوجی وہاں آئے تھے وہ سب کے سب عمران کے پاس آ گئے اور ہا جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

عمران نے زور سے نعرہ لگایا۔

"اولکھ نرنجن!"۔

اس کے بعد جبران نے بھی یہی نعرہ لگا دیا عمران نے اپنے ماتھے پر لگے ہو تلک پر انگلی رکھ کر وہی سیندور والی انگلی ڈوگرہ فوجی پر لگا دی...... اسی طرح وہ ہر ا فوجی کے ماتھے پر تلک لگاتا اور ساتھ ساتھ اولکھ نرنجن کا نعرہ بھی لگاتا جاتا......

ران اس نے دیکھ لیا کہ یہ فوجی پندرہویں کور کے ہیں...... اس کا مطلب تھا کہ یہی وہ جی کانوائے ہے جس کے ٹرکوں پر توپوں کے گولے کارگل پہنچائے جا رہے ہیں...... ب عمران سب فوجیوں کو تلک لگا چکا تو اس نے گیندے کا ہار اپنے گلے سے اتار کر پنے ترشول پر لٹکایا اور ترشول کو آسمان کی طرف بلند کر کے کانوں کے پردے پھاڑ ینے والی آواز میں نعرہ لگایا۔

"اولکھ نرنجن! جے ہو شیو بھگوان کی...... وجے ہو بھارت ماتا کے سپوتوں ...... ہے بھگوان مجھے آگیا (اجازت) دے کہ میں تیرے واہنوں (ٹرکوں) پر تیری دھا کے پھول ارپن کروں...... اولکھ نرنجن! اولکھ نرنجن!"۔

ساتھ ساتھ جبران بھی نعرے لگاتا رہا...... فوجی عمران کی گرج دار آواز اور شیو وان کو مخاطب کر کے بولے گئے جملوں سے متاثر ہو گئے تھے...... عمران نے جبران ے کہا۔

"شیو بھگوان کے بالکے! یہ لے گیندے کے پھول اور جا کر ایک ایک واہن ک) پر رکھتا جا...... ٹھہرو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں"۔

عمران نے پلٹ کر اپنے چہرے کو سخت جلالی بنا کر فوجیوں کی طرف دیکھا اور یلی آواز میں بولا۔

"بھارت ماتا کے سپوتو! تم بھی ہمارے ساتھ چلو...... تاکہ ہم تمہارے سامنے وں پر شیو بھگوان کے شردھا کے پھول ارپن کریں"۔

فوجی سخت تھکے ہوئے تھے اور ناشتہ کرنے کے موڈ میں تھے...... ان میں سے ۔حوالدار نے کہا۔

"مہاراج! گاڑیاں سامنے کھڑی ہیں...... وہاں ڈیوٹی گارڈ بھی موجود ہیں...... پ خود ہی تکلیف کر لیں تو بڑی کرپا ہو گی"۔

عمران جبران یہی چاہتے تھے...... عمران نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... ہم خود ہی جاتے ہیں"۔
اور دونوں کمانڈو پندرھویں کور کے ٹرکوں کی طرف اولکھ نرنجن...... اولکھ نرنجن...... جے شیو بھگوان کے نعرے لگاتے چل پڑے...... ڈوگرہ حوالدار نے ٹرکوں کے آگے کھڑے فوجیوں کو آواز دے کر کہا۔
"گوروجی مہاراج کو گاڑیوں پر شردھا کے پھول رکھنے دو"۔
عمران نے جاتے ہی جو تین سپاہی ٹرکوں کے آگے پہرے پر کھڑے تھے ان مخاطب کر کے کہا۔
"بھارت ماتا کے سپوتو! تم کشمیر پر ہی نہیں پاکستان پر بھی اپنی وجے کا ترنگا گے...... اولکھ نرنجن"۔
پھر اس نے تینوں فوجی سپاہیوں کے ماتھے پر باری باری تلک لگایا اور جبران سے
"شیو بھگوان کے بالکے! تم اس طرف سے گاڑیوں پر شردھا کے پھول رکھو میں اس طرف سے شردھا کے پھول ارپن کرتا ہوں"۔
اور دونوں کمانڈو اولکھ نرنجن...... اولکھ نرنجن کے نعرے لگاتے گاڑیوں طرف بڑھے عمران ایک طرف سے اور جبران دوسری طرف سے فوجی ٹرکوں بونٹ پر ہار میں سے گیندے کے پھول توڑ توڑ کر رکھنے لگا...... وہ پہلے ٹرک کے نیچے نہ لگا سکا، کیونکہ ایک سپاہی اس کو دیکھ رہا تھا...... وہ دوسرے ٹرک کے پاس جا کر اس پیچھے چلا گیا اور اپنے لمبے چغے کے اندر سے بم نکال کر اس کا بٹن دباتے اور اسے کے پچھلے ٹائر کے اوپر بمپر کے نیچے ٹائم بم لگاتے بمشکل دو سیکنڈ لگے اور وہ جلد اولکھ نرنجن کا نعرہ لگاتے ہوئے تیسرے ٹرک کے سامنے آ گیا...... ڈوگرہ سرسری طور پر ان دونوں سادھوؤں کو دیکھ رہا تھا...... سادھو جوگیوں کا ان سپاہیوں دین دھرم اور زندگی سے گہرا تعلق چلا آتا تھا...... یہ تماشے وہ ساری زندگی آئے تھے...... ان کے گھروں میں سادھو جوگی بلا روک ٹوک آ جاتے تھے اور گھ

ے خوب سیوا کرواتے تھے اور گھر والے اور وہ خود بھی اس بات کو بڑا مبارک سمجھتے تھے کہ ان کے گھر سادھو جوگی بھوجن پانی کرنے آئے ہیں، چنانچہ سپاہی ٹرکوں کے آگے پہرے پر کھڑے رہے اور کسی نے ان سادھوؤں کے ساتھ رہنے کی ضرورت محسوس نہ کی...... دوسری جانب جبران نے بھی اپنا کام دکھا دیا تھا اور چھ میں سے پانچ ٹرکوں کے بمپروں کے نیچے ٹائم بم چسپاں کر دیئے تھے اور ان کے سرخ بٹن بھی دبا دیئے تھے...... وہ صرف پہلے ٹرک کے پیچھے نہ جا سکا تھا۔
جبران نے یہ کام اتنی تیزی سے کیا تھا کہ کسی کو شک ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ ٹرکوں کے پیچھے جا کر کیا کر رہے ہیں...... وہ نعرے لگاتے ہوئے ہر ٹرک کے آگے آتے...... پھول رکھتے...... پھر نعرے لگاتے ٹرک کے پیچھے جاتے اور وہاں پھول رکھنے کی بجائے ٹائروں کے اوپر بمپروں کے نیچے چھوٹا سا ٹائم بم چپکا دیتے...... اس کام سے فارغ ہو کر وہ ٹرکوں کے آگے آ کر ترشول بلند کر کے جے شو شنکر کی دھمال ڈالنے لگے...... دھمال ڈالتے ہوئے انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ انہوں نے ٹائم بموں کے پھٹنے کا وقت آدھا گھنٹہ سیٹ کیا ہوا ہے...... یعنی ٹھیک آدھے گھنٹے بعد ان ٹرکوں کو دھماکوں سے پھٹ پڑنا تھا...... دھمال ڈالتے ڈالتے عمران اور جبران رام نامی ہوٹل کے سامنے آ گئے...... پانچ منٹ تک وہاں دھمال ڈالی اور پھر جے شو شنکر کے نعرے لگاتے واپس چل پڑے...... اس وقت کانوائے کے سپاہی اور دوسرے عہدیدار ہوٹل کے باہر بیٹھے ناشتہ وغیرہ کر رہے تھے اور ایک دوسرے سے ہنسی مذاق میں مصروف تھے...... انہوں نے سادھوؤں کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔
سڑک پر کچھ دور تک عمران اور جبران سادھوؤں کے بھیس میں تھوڑی دیر بعد اولکھ نرنجن کے نعرے لگاتے رہے...... جب انہیں محسوس ہوا کہ وہ فوجی کانوائے سے کافی دور آ گئے ہیں تو وہ سڑک پر دلی کی طرف تیز تیز چلنے لگے...... عمران نے جبران سے کہا۔

"ہمیں یہاں سے بہت جلدی دور نکل جانا چاہئے...... کم بخت کوئی خالی ٹیکسی بھی نظر نہیں آ رہی"۔

دن پوری طرح سے نکل آیا تھا...... بم کے دھماکوں میں تھوڑا وقت ہی رہ گیا تھا...... زیادہ سے زیادہ بیس منٹ رہ گئے تھے...... آخر ایک خالی رکشا سامنے سے آتا دکھائی دیا...... عمران نے اسے ہاتھ دیا...... دو سادھوؤں کو دیکھ کر رکشا والے کو آگے بڑھنے کی جرات نہ ہوئی...... رکشا خالی تھا...... رکشا ان کے قریب آ کر رک گیا۔ ڈرائیور نے پوچھا۔

"مہاراج! کہاں جائیں گے؟"۔

عمران اور جبران جلدی سے رکشا میں بیٹھ گئے...... عمران نے کہا۔

"بالکے! دلی سٹیشن پر لے چلو"۔

رکشا واپس مڑا اور سڑک پر دوڑنے لگا...... پندرہ منٹ میں وہ دلی ریلوے سٹیشن کے سامنے تھے...... یہاں انہوں نے رکشا چھوڑ دیا اور ایک ٹیکسی لے لی اور اسے ایک خاص سمت کو چلنے کے لئے کہا...... ٹیکسی کو سٹیشن سے روانہ ہوئے زیادہ سے زیادہ چھ منٹ ہوئے تھے کہ دور سے بہت شدید دھماکے کی گونج سنائی دی...... اس کے ساتھ ہی دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا...... بعض دھماکے ایسے تھے جیسے بجلیاں کڑک رہی ہوں...... ڈرائیور نے ٹیکسی روک لی...... وہ ڈر گیا تھا...... ٹیکسی سے باہر نکل کر وہ پیچھے کی طرف دیکھنے لگا...... عمران نے کہا۔

"بالکے کیا دیکھ رہے ہو؟"۔

ڈرائیور نے ڈری ہوئی آواز میں کہا۔

"مہاراج! بڑے دھماکے ہو رہے ہیں...... لگتا ہے کسی کارخانے کے بوائلر پھٹ گئے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"مورکھ! یہ سب مایا کے کھیل ہیں...... تو کیوں پریشان ہوتا ہے...... چل آگے چل ہمیں شیو بھگوان کی سبھا میں جا کر کیرتن کرنا ہے"۔

ٹیکسی ڈرائیور بھی اس علاقے سے دور نکل جانا چاہتا تھا...... کیونکہ دھماکوں کی گونج مسلسل سنائی دے رہی تھی اور پیچھے غازی آباد کی جانب آسمان پر دھواں ہی دھواں تھا اور اس طرف سے پرندے شور مچاتے چلے آ رہے تھے...... ٹیکسی ڈرائیور تیزی سے سڑک پر روانہ ہو گیا...... بیس منٹ کے بعد جہاں عمران جبران نے اترنا تھا وہاں ٹیکسی سے اتر گئے...... انہیں ٹیکسی کا کرایہ دینے کی ضرورت نہیں تھی...... ٹیکسی ڈرائیور نے بھی کرایہ بالکل نہ مانگا اور دونوں کے اترتے ہی ٹیکسی آگے کو بھگا کر لے گیا۔

جس جگہ دونوں کمانڈو دوست اترے تھے وہاں سے وہ ایک ویران سے میدان کی طرف ہو گئے...... آدھے گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ حاجی صاحب والے پلاٹ کے احاطے میں داخل ہو رہے تھے...... اس وقت بوڑھا چوکیدار کہیں گیا ہوا تھا...... انہوں نے خفیہ جگہ سے کمرے کی چابی نکالی اور کمرہ کھول کر اندر آ گئے...... اندر آتے ہی انہوں نے دروازہ بند کر کے سادھوؤں والا لباس اتار کر دوسرے کپڑے پہنے اور منہ ہاتھ دھو کر ماتھے پر لگے ہوئے تلک کے نشان تولئے سے رگڑ رگڑ کر اتار دیئے...... سادھوؤں والا لباس اور دونوں ترشول انہوں نے ایک طرف رکھ دیئے...... ان کے پاس تین ٹائم بم بچ گئے تھے...... یہ بم وہ ٹرکوں پر لگا نہ سکے تھے، لیکن انہوں نے جتنے بم بھی لگائے تھے انہوں نے اپنا کام پورا کر دیا تھا اور بموں والے ٹرکوں نے پھٹ کر دوسرے ٹرکوں کو بھی اڑا دیا تھا۔

مشرق کی سمت آسمان پر سیاہ دھوئیں کے بادل سے اوپر جا کر رک گئے تھے، مگر اب دھماکوں کی گونج سنائی نہیں دے رہی تھی۔

عمران کہنے لگا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ ہم اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے...... ہم نے وہ سارا گولہ

بارود راستے میں ہی بھسم کر دیا ہے جس کو بھارتی فوج نے کشمیری مجاہدین کے خلاف استعمال کرنا تھا"۔

جبران نے کہا۔

"اگر کانوائے کے ساتھ آنے والے فوجیوں میں سے کوئی زندہ بچ گیا ہو گا تو ضرور یہ بیان دے گا کہ دو سادھو وہاں آئے تھے جنہوں نے ٹرکوں پر پھول ارپن کرنے کے بہانے ہو سکتا ہے کسی ٹرک میں ٹائم بم لگا دیا ہو اور اس بیان کی روشنی میں سول اور ملٹری کی انٹیلی جنس ہماری تلاش میں شہر کی ناکہ بندی کر دے گی"۔

عمران نے کہا۔

"فکر کی بات نہیں ہے...... پولیس ہمیں تلاش نہیں کر سکے گی"۔

جبران بولا۔

"لیکن ہمیں احتیاط کے طور پر یہ ترشول اور سادھوؤں والا لباس یا تو جلا دینا چاہئے اور یا کسی جگہ زمین میں دبا دینا چاہئے"۔

عمران کہنے لگا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے...... جبران بھائی...... دلی بہت بڑا شہر ہے...... یہاں ہزاروں کی تعداد میں جوگی سادھو پھرتے رہتے ہیں...... انٹیلی جنس والے کس کس کو پکڑیں گے...... ہمیں حاجی صاحب کا انتظار کرنا ہو گا...... کانوائے کی تباہی کی خبر شہر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی ہو گی...... حاجی صاحب کو بھی علم ہو گیا ہو گا کہ ہم اپنا کام کر دیا ہے...... وہ بہت جلد ہم سے رابطہ قائم کریں گے"۔

دوپہر کے قریب بوڑھا چوکیدار آ گیا...... عمران اور جبران نے اپنے منڈے ہوئے سروں پر صافے باندھ رکھے تھے...... بوڑھے چوکیدار نے بتایا کہ غازی آباد اسلحہ سے بھری ہوئی فوجی ٹرین کو آگ لگ گئی ہے اور دو سو فوجی مارے گئے ہیں غازی آباد کا آدھا سٹیشن تباہ ہو گیا ہے...... عمران اور جبران خاموشی سے سنتے رہے

عمران نے کہا۔

"کسی فوجی نے بے احتیاطی سے جلتا ہوا سگریٹ پھینک دیا ہو گا"۔

بوڑھا چوکیدار بولا۔

"لوگ کہتے ہیں جی کہ یہ کام کشمیری مجاہدین کا ہے...... اسلحہ والی گاڑی انہوں نے اڑائی ہے...... کہتے ہیں بڑے لوگ مارے گئے ہیں...... غازی آباد میں تو فوج نے کرفیو لگا دیا ہے"۔

شام ہونے سے ذرا پہلے حاجی صاحب آ گئے...... کہنے لگے۔

"مبارک ہو...... تم لوگوں کا منصوبہ کامیاب ہو گیا...... کوئی کہتا ہے غازی آباد پر فوجی گولہ بارود کا ذخیرہ پھٹ گیا ہے...... کوئی کہتا ہے گولہ بارود کشمیر لے کر جانے والی گاڑی سٹیشن پر آ کر رکی ہی تھی کہ مجاہدین نے اسے دھماکے سے اڑا دیا...... جتنے منہ اتنی باتیں ہیں...... تم بتاؤ کیا ہوا تھا؟"۔

عمران نے آہستہ سے کہا۔

"بس جو کام ہم کرنے گئے تھے...... وہ پورا ہو گیا...... فوجی کانوائے ہمارے اندازے کے مطابق غازی آباد سٹیشن کے سامنے آ کر رک گیا...... فوجی ناشتہ وغیرہ کرنے لگے اور ہم نے اپنی سکیم پر عمل کرتے ہوئے ٹائم بم لگا دیئے"۔

حاجی صاحب نے باقی بچے ہوئے ٹائم بم عمران سے لے کر سنبھال لئے اور پوچھا۔

"تمہارے سادھوؤں والے کپڑے کہاں ہیں؟"۔

جبران نے کونے میں پڑی ہوئی گٹھڑی کی طرف اشارہ کیا...... کونے میں دونوں ترشول بھی دیوار سے لگے ہوئے تھے...... عمران کہنے لگا۔

"ان چیزوں کو فوراً کہیں غائب کر دیں"۔

حاجی صاحب بولے۔

"وہ تو میں غائب کر دوں گا...... لیکن اس وقت تم دونوں کا دلی سے غائب ہونا

بہت ضروری ہے...... ایک اطلاع کے مطابق کانوائے کے تین فوجی زخمی حالت میں ہسپتال میں پڑے ہیں...... یقیناً ان فوجیوں نے تم دونوں کو دیکھ رکھا ہے کہ تم دونوں سادھوؤں کے بھیس میں وہاں آئے تھے اور تمہارے جانے کے بعد وہاں دھماکے شروع ہو گئے...... ملٹری انٹیلی جنس نے ان فوجیوں کے بیان کے مطابق تمہاری شکل کمپیوٹر پر بنالی ہوگی اور شہر کی پولیس اور انٹیلی جنس کو تمہارے چہروں کے خاکے مل گئے ہوں گے...... ہوسکتا ہے آج شام کی ٹرانسمیشن میں ٹیلی ویژن پر بھی تمہارے چہرے لوگوں کو دکھا دیئے جائیں اور انہیں ہدایت کی جائے کہ اس شکل و صورت کے آدمیوں کو جہاں دیکھو فوراً پکڑ کر پولیس کے حوالے کردو...... میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں تمہاری شکل کی تشہیر سے پہلے پہلے دلی شہر سے نکل جانا چاہئے“۔

حاجی صاحب کے دلائل بڑے معقول تھے...... حاجی صاحب نے کہا۔

”اس کی ایک ہی صورت ہے کہ تم کسی طریقے سے اپنا منہ سر چھپا کر لاری اڈے پر پہنچو اور وہاں سے متھرا یا گوڑ گاؤں جانے والی کسی بھی لاری میں بیٹھ کر یہاں سے نکل جاؤ...... وہاں سے آگے کوئی بھی ٹرین پکڑ کر بمبئی ستار سیٹھ کے پاس پہنچنے کی کوشش کرو...... ستار سیٹھ تمہیں کچھ دنوں کے لئے غائب کردیں گے“۔

حاجی صاحب نے عمران کو سو سو روپے کے پانچ نوٹ دیئے اور یہ کہہ کر چلا دیئے کہ وقت ضائع نہ کرو اور بس یہاں سے چل پڑو...... املی والی پہاڑی کے پاس لاریوں کا اڈہ ہے...... وہاں سے متھرا اور گوڑ گاؤں کی طرف لاریاں چلتی رہتی ہیں۔



دن کے گیارہ ساڑھے گیارہ کا ٹائم تھا۔

حاجی صاحب جا چکے تھے...... ابھی گرمیوں کا موسم پوری طرح سے شروع نہیں ہوا تھا...... ہلکی سردی پڑ رہی تھی...... کمانڈو عمران اور جبران نے عام لباس یعنی قمیض پتلون پہن رکھی تھی...... جبران نے کوٹ پہن کر سر پر گلوبند لپیٹ لیا...... کمانڈو عمران نے قمیض پتلون کے اوپر گرم چادر اوڑھ لی اور سر پر رومال لپیٹ لیا...... سب سے زیادہ انہوں نے اپنا منڈا ہوا سر ہی چھپانا تھا...... اس طرح وہ حاجی صاحب کے پلاٹ والے کمرے سے نکل کر سڑک پر جانے کی بجائے پچھلی طرف والے میدان میں ہو گئے...... یہاں سے وہ ایک نئی کالونی کے چوک میں آ گئے...... یہاں سے انہوں نے رکشا لیا اور املی والی پہاڑی پہنچ گئے۔

وہاں لاریوں کا اڈہ تھا جہاں سے متھرا اور گوڑ گاؤں کی طرف لاریاں چلتی تھیں...... ایک لاری ان کے پہنچنے سے پہلے نکل چکی تھی...... دوسری لاری آدھ گھنٹے بعد جا رہی تھی...... دونوں اس میں بیٹھ گئے...... سب لوگ غازی آباد والے دھماکوں پر تبصرہ کر رہے تھے...... کوئی کہہ رہا تھا کہ یہ تخریب کاروں کا کام ہے...... کوئی کہتا کہ کسی نے غلطی سے بارود والے ٹرک میں جلتا ہوا سگریٹ پھینک دیا تھا...... عمران اور جبران الگ الگ سیٹوں پر ایک دوسرے سے الگ ہو کر بیٹھے تھے اور سب کی باتیں خاموشی سے سن رہے تھے...... لاری متھرا جا رہی تھی...... متھرا بھارت میں مندروں کا شہر

ہے...... بڑے مندر ہیں وہاں...... ایک روایت کے مطابق کرشن کنہیا اس شہر کے کھیتوں، تالابوں اور گلیوں میں گوپیوں کے ساتھ کھیلتے رہے تھے۔

متھرا سے انہیں بمبئ جانے والی گاڑی مل گئی...... وہ دوسرے دن سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے بمبئ پہنچ گئے...... بمبئ میں ستار سیٹھ کے آفس جانے کی بجائے عمران نے انہیں لوکل ٹیلی فون بوتھ سے فون پر اپنے آنے کی اطلاع دی...... ستار سیٹھ نے کہا۔

"تم لوگ ریسٹ ہاؤس پہنچو...... میں آرہا ہوں"۔

ٹیکسی لے کر دونوں کمانڈو دوست ستار سیٹھ کے ریسٹ ہاؤس آگئے...... یہاں انہوں نے منہ ہاتھ دھویا...... بوڑھے ملازم نے چائے بنا کر دی...... کچھ دیر بعد ستار سیٹھ بھی آگیا...... غازی آباد والے حادثے کی خبر انہوں نے سن لی تھی...... اس نے آتے ہی مسکرا کر عمران اور جبران کی طرف دیکھا اور کہنے لگے۔

"یہ کام تمہارے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا...... بہر حال مبارک ہو...... مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے...... بھارت سرکار نے کانوائے کی تباہی کی خبر کو چھپایا ہے اور یہی کہا کہ فوجی ٹرکوں میں مٹی کا تیل اور پٹرول جا رہا تھا کہ آگ لگ گئی، لیکن سب کو معلوم ہو گیا ہے کہ یہ فوجی کانوائے تھا...... یہ بتاؤ کہ تمہیں یہاں آتے کسی نے دیکھا تو نہیں میرا مطلب ہے دلی سے نکلنے پر تمہارا کوئی پیچھا تو نہیں کر رہا تھا؟"۔

عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ایسی بات نہیں ہوئی"۔

پھر عمران نے کانوائے تباہ کرنے کے مشن کی ساری روداد ستار سیٹھ کو بیان اور بتایا کہ وہ کچھ دن لوگوں کی نظروں سے غائب ہو کر رہنا چاہتے ہیں...... ستار سیٹھ نے کہا۔

"یہاں تمہیں کوئی نہیں دیکھے گا...... جتنے دن چاہے غائب رہ سکتے ہو، لیکن کیا سمجھتے ہو کہ اس وقت تمہارا یوں یہاں بیکار پڑے رہنا ٹھیک ہے؟ جبکہ کارگل پر کشمیری مجاہدین اپنی زندگیوں کی بازی لگا کر بھارتی فوج اور اس کی توپوں کی گولہ باری کا مقابلہ کر رہے ہیں؟"۔

کمانڈو جبران بولا۔

"یہ تو ہم بھی نہیں چاہتے کہ یہاں بیکار پڑے رہیں، لیکن اس وقت جبکہ بھارت کی فوجی اور سول انٹیلی جنس ہماری تلاش میں جگہ جگہ پھر رہی ہے...... ہمارا باہر نکلنا بھی مناسب نہیں"۔

ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"اس سے تو بہتر ہے کہ تم لوگ کارگل کے محاذ پر چلے جاؤ...... وہاں کشمیری مجاہدین کو تمہاری ضرورت ہے"۔

"راستے غیر محفوظ ہیں اور دلی میں سے گزر کر کشمیر جانا تو ہمارے لئے بہت زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"میں تمہیں یہ مشورہ کبھی نہ دیتا لیکن تمہارے یہاں آنے سے ایک دن پہلے مجھے کشمیر فرنٹ سے کشمیری مجاہدین کے کمانڈر کا خفیہ پیغام ملا تھا کہ کارگل کے محاذ پر بھارت اپنی ساری فوجی طاقت جمع کر رہا ہے اور کسی بڑے حملے کی تیاری کر رہا ہے...... اس وقت مجھے تمہارا خیال آیا تھا...... تمہاری ان لوگوں کو بڑی ضرورت ہے...... میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں فوراً کارگل کے محاذ پر پہنچنا چاہئے...... اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تم دونوں کارگل کے پہاڑی علاقے سے واقف ہو اور وہاں کے دروں، دراس اور بٹالک وغیرہ میں کمانڈو مشن کر چکے ہو...... تم کارگل کے محاذ پر مجاہدین کے بہت کام آسکتے ہو"۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے...... ہم ابھی وہاں جانے کو تیار ہیں...... لیکن دلی

میں سے گزر کر نکلنا خطرے کا باعث بن سکتا ہے...... وہاں سی آئی ڈی بہت زیادہ ہو گی اور وہ لوگ ہمیں شکل سے پہچان لیں گے، کیونکہ ایک زیر علاج فوجی نے ہمیں سادھوؤں کے بھیس میں دیکھا ہوا تھا اور اس کی مدد سے پولیس نے ہم دونوں کی ایک تصویر بنوا کر تھانوں اور انٹیلی جنس کو دے رکھی ہے...... ممکن ہے ہماری تصویر دور درشن اور ڈش کے "زی" چینل پر بھی دکھائی جائے اور کل کے اخباروں میں بھی شائع ہو جائے۔

ستار سیٹھ کچھ سوچنے لگا...... پھر بولا۔

"اگر ایسی بات ہے تو واقعی تمہارا وادی کشمیر کی طرف سفر کرنا ٹھیک نہیں"۔

وہ چائے پی رہے تھے...... ستار سیٹھ کسی گہری سوچ میں تھا...... پھر جیسے اس کے دماغ میں کوئی خیال آ گیا...... پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"تمہارے کشمیر جانے کا ایک طریقہ ہو سکتا ہے"۔

"وہ کیا؟" کمانڈو عمران نے پوچھا۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"میرا ایک اینگلو انڈین دوست ہے...... اس کا نام مسٹر ہمفری ہے...... وہ ہفتے میں ایک بار بمبئی سے مال گاڑی لے کر امرتسر جاتا ہے...... وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گا...... تم امرتسر تک اس کے ساتھ جا سکتے ہو...... امرتسر سے آگے وایا بٹالہ گورداسپور اور ہوشیار پور سے ہو کر تم جموں چلے جانا"۔

کمانڈو جبران نے پوچھا۔

"کیا وہ مال گاڑی کا گارڈ ہے؟"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"نہیں...... وہ مال گاڑی کا انجن ڈرائیور ہے"۔

کمانڈو عمران اور جبران خاموش ہو گئے...... وہ سوچنے لگے کہ ایک انجن ڈرائیور

ہمیں اپنے ساتھ کیسے لے جائے گا...... ستار سیٹھ نے دونوں کے ذہن کو پڑھ لیا تھا کہ کیا سوچ رہے ہیں...... اس نے کہا۔

"تم ضرور سوچ رہے ہو گے کہ مال گاڑی کا ڈرائیور مسٹر ہمفری تمہیں اپنے ساتھ کس حیثیت سے لے جائے گا"۔

عمران بولا۔

"جی ہاں...... میں تو یہی سوچ رہا ہوں"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"مسٹر ہمفری بڑا کھلے دل کا کھلانے پلانے والا آدمی ہے...... کسی زمانے میں ہم دونوں میں اکٹھے عیاشیاں کیا کرتے تھے...... پھر اس نے شادی کر لی اور بندہ بن گیا...... اس کے ایک رشتے دار نے اسے ایک انجن ڈرائیور کا فائر مین رکھوا دیا...... چار برس مسٹر ہمفری فائر مین رہا...... پھر اسے ایک برانچ لائن پر انجن ڈرائیور لگا دیا گیا...... کچھ عرصے بعد وہ کلکتہ بروڈہ مین لائن پر جانے لگا، لیکن ہمفری شراب کی وجہ سے نشے میں رہتا تھا...... ایک بار وہ ٹرین کا حادثہ کروا بیٹھا...... پھر گاڑی لے کر غلط لائن پر نکل گیا...... سزا کے طور پر ریلوے نے اسے برانچ لائن پر چلنے والی مال گاڑی کا ڈرائیور بنایا...... تین سال تک وہ برانچ لائن پر انجن چلاتا رہا...... آج کل مسٹر ہمفری مین لائن پر امرتسر، بمبئی اور بمبئی سے امرتسر کی لائن پر مال گاڑی لے کر آتا جاتا ہے...... ریلوے کے محکمے نے اس کی سزا تو معاف کر دی ہے اور مسٹر ہمفری بھی ڈیوٹی پر شراب نہیں پیتا، لیکن اس کے باوجود ریلوے کا محکمہ اسے مسافر گاڑی کا انجن ڈرائیور لگانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا...... یہ ہمفری کی بیک گراؤنڈ ہے...... میرا ہم نوالہ اور ہم پیالہ رہا ہے...... میں اسے تمہارے بارے میں اصل بات تو نہیں بتاؤں گا...... صرف اتنا بتاؤں گا کہ تم لوگ شراب کی سمگلنگ کے سلسلے میں پولیس کو مطلوب ہو...... مسٹر ہمفری تم سے مل کر بڑا خوش ہو گا، کیونکہ وہ خود بھی سمگلر رہ چکا ہے اور شراب ہی

سمگل کیا کرتا تھا...... وہ شراب کو سمگل کرنا کارِ خیر سمجھتا ہے...... اس اعتبار سے تم ہمفری کے ساتھ بالکل محفوظ رہو گے اور وہ تمہیں اپنی حفاظت میں امرتسر پہنچادے گا"۔

کمانڈو عمران اور جبران کو یہ تجویز مناسب لگی...... جبران نے کہا۔

"کیا ہم مسٹر ہمفری سے یہاں پہلے نہیں مل سکتے؟"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"نہیں...... میں اسے یہاں نہیں لاسکتا...... ویسے میں اسے سب کچھ بریف کردوں گا...... اسے تمہارے بارے میں سمجھادوں گا اور تم اسے ریلوے سٹیشن پر ہی گے...... میں خود تمہیں ساتھ لے کر بوری بندر سٹیشن جاؤں گا...... وہ بمبئی کے بوری بندر سٹیشن سے مال گاڑی لے کر چلتا ہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"وہ کس روز جانے والا ہے؟"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"یہ میں سب کچھ پتہ کر کے تمہیں بتادوں گا...... مجھے یقین ہے کہ مسٹر ہم کے ساتھ تم لوگ بالکل محفوظ رہو گے...... وہ تمہیں پولیس کی نظروں سے دور رکھ اور چھپانے کی پوری کوشش کرے گا"۔

دوسرے روز ستار سیٹھ رات کو کھانے کے ٹائم پر ریسٹ ہاؤس آیا...... اس ٹیلی فون کر کے کمانڈو عمران کو بتادیا تھا کہ وہ کھانا ان کے ساتھ ہی کھائے گا...... سیٹھ نے بتایا کہ اس نے مسٹر ہمفری سے ساری بات کر لی ہے...... پھر ہنستے ہوئے لگا۔

"یار! ہمفری نے جب سنا کہ اسے شراب کے دو سمگلروں کو پولیس کی نگا سے بچا کر امرتسر تک لے جانا ہے اور شراب کے سمگلر میرے دوست بھی ہیں تو

خوش ہوا...... قہقہہ لگا کر بولا...... ستار سیٹھ مجھے اس قسم کے کام کہا کرو...... شراب کے سمگلر تو میرے بھائی ہیں...... تمہارے وہ دوست ہوں گے لیکن میرے وہ بھائی ہیں...... تم فکر ہی نہ کرو...... پولیس کی ایسی کی تیسی...... دونوں سمگلروں کو اپنے ساتھ انجن میں ہی رکھوں گا اور اس طرح چھپاؤں گا کہ پولیس کا باپ بھی ان پر شک نہ کر سکے گا...... بس تم رات کو انہیں لے کر بوری بندر پہنچ جاؤ"۔

ستار سیٹھ نے بتایا کہ مسٹر ہمفری کل رات نو بجکر پندرہ منٹ پر مال گاڑی لے کر روانہ ہو گا۔

"تم لوگ کل شام کے بعد تیار رہنا...... میں ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے رات تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا"۔

دوسرے دن ستار سیٹھ ٹھیک رات کے ساڑھے آٹھ بجے ریسٹ ہاؤس پہنچ گیا...... کمانڈو عمران اور جبران دونوں پہلے سے تیار تھے...... وہ کھانا وغیرہ کھا چکے تھے...... ستار سیٹھ نے انہیں گاڑی میں بٹھایا اور بمبئی کے ریلوے سٹیشن بوری بندر کی طرف روانہ ہو گیا۔

بوری بندر ریلوے سٹیشن کے ریلوے یارڈ والے ایک ویران سے پلیٹ فارم پر مسٹر ہمفری کی مال گاڑی لگی ہوئی تھی...... ہمفری گاڑی کے انجن کے باہر لوہے کے سٹول پر بیٹھا چائے پی رہا تھا...... سانولے رنگ کا اونچا لمبا ادھیڑ عمر آدمی تھا...... سر درمیان سے گنجا تھا...... اس نے نیلی قمیض اور نیلی پتلون پہن رکھی تھی...... ستار سیٹھ کو دیکھ کر اٹھ کر ملا۔

"یار ستار سیٹھ! بائی گاڈ کسی روز تم بھی میرے ساتھ امرتسر بمبئی ٹریک پر چلو...... بڑا مزا آئے گا...... مگر تم بڑے آدمی ہو گئے ہو بابا"۔

پھر مسٹر ہمفری نے کمانڈو عمران اور جبران کی طرف دیکھا اور بولا۔

"اچھا تو یہ تمہارے دوست ہیں"۔

اور ساتھ ہی عمران اور جبران کو آنکھ ماری...... عمران ذرا سا مسکرا دیا...... اس نے سوچا کہ کھلے دل کا یاروں کا یار ٹائپ کا آدمی ہے...... ذرا بڑبولا ہے، مگر خیر امرتسر ان دونوں کو چھپا کر لے جائے گا...... ستار سیٹھ نے ہمفری سے عمران اور جبران کا تعارف کروایا اور کہا۔

"یہ مسٹر عمران ہے اور یہ مسٹر جبران ہے"۔

اس نے دونوں کے اصلی نام مسٹر ہمفری کو بتانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا تھا...... کہنے لگا۔

"باقی میں نے تمہیں سب سمجھا دیا ہے...... بس ان کو امرتسر پہنچا دو"۔

اس وقت وہاں ان لوگوں کے سوا اور کوئی غیر آدمی نہیں تھا...... مسٹر ہمفری نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ستار یار! تم کیوں فکر کرتے ہو...... تمہارے یار میرے یار ہیں...... تمہارے بھائی میرے بھائی ہیں...... بائی گاڈ سمجھو کہ یہ امرتسر پہنچ گئے"۔

اس کے بعد مسٹر ہمفری عمران جبران کی طرف متوجہ ہوا...... پہلے دائیں بائیں دیکھا کہ کوئی ان کی باتیں سن تو نہیں رہا...... پھر دونوں کی طرف ذرا سا جھک کر بولا۔

"بس جس طرح میں کہوں اسی طرح کرتے رہنا"۔

اتنے میں مال گاڑی کا گارڈ آ گیا...... وہ بھی کرسچین تھا...... مسٹر ہمفری نے اور ستار سیٹھ کا اس سے تعارف کرایا اور کہا۔

"یہ میرے کزن ہیں...... امرتسر ہوشیار پور برانچ لائن پر فائر مین ہیں...... کی سیر کرنے آئے ہوئے تھے...... اب میرے ساتھ امرتسر تک جائیں گے"۔

گارڈ نے بڑی خوش اخلاقی سے کمانڈو عمران اور جبران سے ہاتھ ملایا اور بولا۔

"نو پرابلم...... بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر"۔

پھر مسٹر ہمفری سے کہنے لگا۔

"پارسل کا ڈبہ لگنے والا ہے...... گاڑی لیٹ نہیں ہونی چاہئے"۔

مسٹر ہمفری نے کہا۔

"نو پرابلم مسٹر اینڈریسن...... گاڑی لیٹ ہو بھی گئی تو میں لیٹ نکال لوں گا"۔

گارڈ او کے کہہ کر چلا گیا...... ستار سیٹھ بولا۔

"اچھا بھئی ہمفری...... میں چلتا ہوں...... اب میرے دوستوں کو امرتسر تک پہنچانا تیرا کام ہے"۔

"ارے ستار سیٹھ...... کاہے کو فکر کرتا ہے بھائی...... تمہارے دوست ہمارے دوست ہیں...... تمہارے بھائی ہمارے بھائی ہیں...... سمجھو کہ امرتسر پہنچ گئے"۔

ستار سیٹھ چلا گیا تو مسٹر ہمفری نے عمران سے کہا۔

"یہ انجن کے ساتھ ہی چھوٹا سا سرونٹ کوپے لگا ہوا ہے...... تم لوگ اس کے اندر جا کر بیٹھو...... کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بول دو...... سوائے شراب کے میں ہر شے پیش کر سکتا ہوں"۔

عمران نے مسکرا کر کہا۔

"تھینک یو مسٹر ہمفری! ہم میں سے کوئی بھی نہ سگریٹ پیتا ہے...... نہ شراب پیتا ہے"۔

مسٹر ہمفری نے چائے کی پیالی سٹول پر رکھ دی اور حیرت کے ساتھ دھیمی آواز میں بولا۔

"کمال کی بات ہے یار...... تم لوگ شراب سمگل کرتے ہو تو سگریٹ تک نہیں پیتے؟"۔

کمانڈو جبران نے ہنس کر کہا۔

"مسٹر ہمفری! وہ ہمارا کاروبار ہے"۔

"اچھی بات ہے"۔

یہ کہہ کر مسٹر ہمفری نے فائر مین سے کہا۔

”مائیکل سٹیم چیک کر لو“۔

فائر مین انجن کے دروازے والی سیٹ پر بیٹھا کپڑے سے اپنے ہاتھ صاف کر رہا تھا...... بولا۔

”چیک کر لی ہے استاد! سب ٹھیک ہے“۔

عمران اور جبران انجن کے ساتھ ہی جو چھوٹا سا دو سیٹوں اور دو آمنے سامنے برتھوں والا کوپے لگا تھا اس میں جا کر بیٹھ گئے...... جبران کہنے لگا۔

”ستار سیٹھ نے ہمارا بڑا اچھا انتظام کر دیا ہے“۔

عمران بولا۔

”ستار سیٹھ بڑا ہمہ گیر قسم کا ہر فن مولا آدمی ہے...... زندگی کے ہر شعبے میں اس کے ملنے والے موجود ہیں“۔

جبران نے کہا۔

”وطن کی خدمت کے لئے اس کی جو ڈیوٹی لگی ہے اس کے لئے ایسا آدمی چاہئے تھا...... مسٹر ہمفری بھی بڑا کھلا ڈلا آدمی ہے اور یاروں کا یار ہے...... وہ پوری حفاظت سے امرتسر پہنچا دے گا“۔

”انشاء اللہ“ عمران یہ کہہ کر کھڑکی سے باہر پلیٹ فارم پر دیکھنے لگا...... ہمفری سامنے کھڑا سگریٹ پیتے ہوئے پیچھے شاید گارڈ کی طرف دیکھ رہا تھا...... میں گارڈ کی سیٹی کی آواز سنائی دی...... مسٹر ہمفری انجن پر چڑھ گیا اور دروازے میں کھڑے ہو کر پیچھے گارڈ کے ڈبے کی طرف دیکھنے لگا...... عمران بھی پیچھے دیکھ رہا تھا۔ اس بات کی اسے بڑی تسلی تھی کہ پلیٹ فارم پر سول پولیس یا ملٹری پولیس کا ایک سپاہی نہیں تھا...... مال گاڑی تھی...... یہاں کسی پولیس والے کا کوئی کام نہیں گارڈ نے ایک بار پھر سیٹی بجائی اور لالٹین کا سبز شیشے والا حصہ انجن کی طرف

انجن کو آہستہ آہستہ ہلانے لگا...... ساتھ ساتھ وہ سیٹی بھی بجاتا جا رہا تھا...... مسٹر ہمفری نے اوپر لگی رسی کھینچ کر انجن کے دو تین وسل دیئے اور پیچھے ہٹ گیا۔

پھر گاڑی کو ہلکا سا دھچکا لگا اور مال گاڑی آہستہ آہستہ آگے کی جانب کھسکنے لگی...... عمران نے پیچھے کی طرف دیکھا...... مال گاڑی کا گارڈ سب سے پچھلے ڈبے میں سوار ہو چکا تھا اور ڈبے کے دروازے میں کھڑا ہاتھ باہر نکال کر آہستہ آہستہ ہری بتی والی لالٹین ہلا رہا تھا...... مال گاڑی کو پتھر کے کوئلے سے چلنے والا انجن لگا تھا...... انجن نے چھ سات بار زور زور سے اور جلدی جلدی چھک چھک کی...... انجن کے سارے پہیے زور سے گھومے اور پھر نارمل رفتار پر آ گئے اور انجن بڑی آواز کے ساتھ اور بڑے شور کے ساتھ چھک چھک کرتا آہستہ آہستہ پلیٹ فارم پر چلنے لگا اور تھوڑی دیر بعد پلیٹ فارم سے نکل کر بمبئی کے بہت بڑے ریلوے سٹیشن کے یارڈ میں سے ادھر ادھر گھومتا، ایک ریلوے ٹریک سے گڑ گڑ کرتا دوسرے ریل کے ٹریک پر ہوتا ہلکی رفتار کے ساتھ گزرنے لگا...... اسے یارڈ میں سے گزرتے پندرہ بیس منٹ لگ گئے...... پھر کہیں جا کر وہ اپنی اصلی ریلوے لائن پر آیا...... اپنے مال گاڑی کے ٹریک پر آنے کے بعد انجن کی رفتار تیز ہونے لگی...... بمبئی سٹیشن کی روشنیاں، سگنل کی سرخ بتیاں پیچھے کو نکلتی جا رہی تھیں...... بمبئی سٹیشن کی حدود سے گاڑی نکلی تھی دونوں جانب بمبئی کے مختلف علاقوں کے فلیٹوں کا سلسلہ شروع ہو گیا...... ہر فلیٹ میں روشنی ہو رہی تھی اور لوگ رات کے کھانے کی تیاریاں کر رہے تھے...... پھاٹک گزرتا تو وہاں گاڑیوں اور بسوں کی قطاریں کھڑی نظر آتیں...... ابھی مال گاڑی کی ریلوے لائن کے ساتھ تین چار ریلوے ٹریک ساتھ ساتھ چل رہے تھے...... سامنے کی جانب سے بجلی سے چلنے والی لوکل ٹرین زور و شور سے آتی اور وسل دیتی گزر جاتی...... یہ سلسلہ کافی دور تک چلتا رہا...... راستے میں بمبئی شہر کے لوکل سٹیشن دور سے نظر آتے اور پیچھے کی طرف گزر جاتے...... مال گاڑی کی لائن لوکل سٹیشنوں سے کچھ فاصلے پر بنائی گئی تھی...... مال گاڑی

معمولی رفتار سے چلی جا رہی تھی...... بمبئی بہت وسیع اور پھیلا ہوا شہر تھا...... اس شہ
کئی کالونیاں اور کئی آبادیاں تھیں...... ان سے نکلتے ہوئے مال گاڑی کو کافی وقت ل
گیا...... جب بمبئی شہر کی کالونیاں اور آبادی ختم ہوئی تو بمبئی کے مضافات شر
ہو گئے...... دور دور تک مکانوں، عمارتوں اور بنگلوں کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں
ایک دریا کا پل بھی آیا اور گزر گیا...... ٹرین آہستہ آہستہ سپیڈ پکڑتی جا رہی تھی......
بمبئی کے مضافات بھی ختم ہو گئے اور بنگلوں، کارخانوں اور بلڈنگوں کی جگمگاتی روش
دور ہوتے اور پیچھے جاتے ہوئے ختم ہو گئیں اور جنگل شروع ہو گئے...... یہاں پہ
مال گاڑی نے اپنی ایک سپیڈ متعین کر لی اور پھر اس سپیڈ پر راستہ طے کرنے لگی۔

کمانڈو عمران اور جبران دونوں کھڑکیوں کے پاس بیٹھے شہر کی روشنیوں کا
کر رہے تھے...... جب روشنیاں اکا دکا رہ گئیں تو وہ کھڑکیوں سے ہٹ کر آمنے
والی سیٹ پر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے...... انجن قریب ہونے کی وجہ سے وہا
زیادہ تھا، جس کے باعث انہیں معمول سے ذرا اونچی آواز میں بات کرنی پ
تھی...... اس لئے وہ سخت ضرورت کے وقت ہی ایک دوسرے سے بات
تھے...... آخر عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اوپر برتھ پر چڑھ کر لیٹ جانا چاہئے"۔

دونوں اوپر اپنے اپنے برتھ پر چڑھ کر لیٹ گئے...... انجن کے شور اور پہ
ایک خاص تال پر ٹھکا ٹھک کی آواز نے ان پر ہلکی ہلکی غنودگی طاری کرنی
کر دی...... یہ مال گاڑی تھی...... اسے صرف اسی سٹیشن پر کھڑے ہونا تھا جہا
انجن کو پانی اور کوئلہ لینے کی ضرورت تھی...... یا پھر کسی بڑے شہر کے سٹیش
اتروانے اور مال لدوانے کے لئے ہی رکنا تھا اور بڑا شہر ابھی بہت دور تھا۔

چنانچہ عمران اور جبران نے اپنے آپ کو نیند کی دیوی کے حوالے کر دیا
دیر کے بعد انہیں ایک بے فکری کی رات ملی تھی۔

وہ بڑی جلدی گہری نیند میں کھو گئے، جس وقت عمران کی آنکھ کھلی اس وقت مال
ی کسی دریا کے بہت بڑے پل پر سے گڑ گڑ کا شور مچاتی گزر رہی تھی...... اس نے
ھ پر سے جھک کر نیچے کھڑکی میں دیکھا...... باہر اندھیرا تھا...... عمران کے پاس کوئی
ی نہیں تھی...... جبران کے پاس بھی گھڑی نہیں تھی...... وہ سامنے والی برتھ پر
ی نیند سو رہا تھا...... کچھ پتہ نہیں تھا کہ رات کتنی گزر گئی ہے...... عمران نے سوچا کہ
پوری کرنے کا یہ موقع شاید بڑی دیر بعد ملے...... سو جانا چاہئے...... اس نے پہلو بدل
دیوار کی طرف منہ کر لیا اور آنکھیں بند کر لیں...... وہ پہلے ہی نیند میں تھا...... تھوڑی
دیر بعد اسے دوبارہ نیند آ گئی۔

اس کے بعد جب اس کی آنکھ کھلی تو مال گاڑی کی رفتار ہلکی ہو رہی تھی...... لگتا تھا
آگے وہ کسی سٹیشن پر رکنے والی ہے...... عمران کی نیند بھی پوری ہو چکی تھی...... وہ
تھ سے اتر کر نیچے کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا...... باہر کسی شہر کی روشنیاں پیچھے کو جا رہی
یں...... پھر مال گاڑی ریلوے یارڈ میں سے گزرنے لگی...... وہ بار بار ریلوے لائن بدل
ی تھی...... اس کی وجہ یہ تھی کہ مال گاڑی کو ہر سٹیشن کے ایک الگ پلیٹ فارم پر کھڑا
ا جاتا ہے...... آخر ٹرین ایک خالی خالی سے پلیٹ فارم پر آ کر رک گئی...... جبران کی
ی آنکھ کھل گئی...... وہ بھی برتھ پر سے نیچے اتر آیا...... اس نے نیند بھری آواز میں
چھا۔

"کون سا سٹیشن ہے؟ تم کب سے جاگ رہے ہو؟"۔

اتنے میں مسٹر ہمفری انجن سے اتر کر ان کے پاس آ گیا...... کہنے لگا۔

"کیوں بھئی کیا حال ہے؟ سوئے بھی تھے کہ نہیں"۔

عمران نے کہا۔

"خوب سوتے رہے ہیں سر!"۔

مسٹر ہمفری نے ہنس کر اور اپنے ہاتھوں پر لگی ہوئی گریس کپڑے سے صاف

کرتے ہوئے کہا۔

"یار مجھے سر تو نہ کہو...... میں تو تمہارا دوست ہوں...... تمہارا افر ہوں...... ہم برہان پور پہنچ گئے ہیں...... اوپر چڑھ کر سو جاؤ...... ابھی دلی امرتر دور ہے"۔

مال گاڑی سٹیشن کے یارڈ میں ایک طرف پلیٹ فارم پر کھڑی تھی...... انج پانی بھرا جا رہا تھا...... کچھ مزدور ٹوکریوں میں پتھر کا کوئلہ بھر بھر کر انجن میر کر رہے تھے...... صبح کا اجالا آسمان پر نمودار ہو رہا تھا...... جبران کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے ہمیں برتھ پر ہی بیٹھنا چاہئے...... مسٹر ہمفری نے یونہی ن کہ اوپر چڑھ کر سو جاؤ"۔

دونوں کمانڈو دوست آمنے سامنے والے برتھ پر چڑھ کر لیٹ گئے، مگران پوری ہو چکی تھی...... جبران نے کہا۔

"مال گاڑی کا ایک فائدہ ضرور ہوا ہے کہ اس میں ایک تو مسافر نہیں ہوتے دوسرے سٹیشن پر کوئی پولیس والا مسافروں کو گھورتا دکھائی نہیں دیتا"۔

عمران نے کہا۔

"لیکن اگر کسی سٹیشن پر کوئی پولیس والا آ گیا تو ہم اسے صاف نظر آ جائیں۔

"میرا خیال ہے مسٹر ہمفری ہمیں پہلے ہی خبردار کر دے گا"۔

مال گاڑی پر کوئلہ اور پانی ڈال دیا گیا تو وہ وہاں سے آگے روانہ ہو گئی...... سفر میں گزر گیا...... دونوں کمانڈو پولیس اور انٹیلی جنس والوں کی نگاہوں سے رہے اور دلی پہنچ گئے...... دلی میں مال گاڑی کو دو نئے ڈبے لگنے تھے اور ایک ڈبہ جانا تھا...... اس میں کافی وقت لگ گیا...... اس دوران مسٹر ہمفری کی ہدایت کے دونوں کمانڈو دوست کوپے کی برتھوں پر ہی لیٹے رہے...... مال گاڑی کی طرف بھی پولیس کا کوئی سپاہی نہیں آیا تھا...... پھر بھی ہمفری نے انہیں ڈبے سے

منع کیا تھا...... ٹرین دلی کے جنکشن پر ڈھائی گھنٹے رکنے کے بعد آگے چلی تو عمران جبران بھی برتھ سے اتر آئے...... انہیں بمبئی سے چلے پوری ایک رات اور ایک ہو گیا تھا اور آگے پھر رات آ رہی تھی، مگر خیر خیریت ہی رہی...... مال گاڑی نے خاص طور پر اس کے ڈرائیور مسٹر ہمفری نے عمران اور جبران کو کافی تحفظ دیا...... طرح وہ امرتسر پہنچ گئے...... یہاں انہوں نے مسٹر ہمفری کا شکریہ ادا کیا اور وایا ہوشیار پور جموں جانے والی ٹرین میں سوار ہو گئے...... جموں میں بھارتی فوجی جگہ جگہ چلتے پھرتے اور پہرے پر کھڑے نظر آ رہے تھے...... عمران اور جبران اب الگ الگ ہو گئے تھے اور دونوں میں یہ بات طے ہو گئی تھی کہ وہ الگ الگ سفر کر کے ہی سری نگر اور پھر وہاں سے مجاہدین کے کمانڈر غازی کے خفیہ ٹھکانے پر پہنچیں گے...... یہ علاقہ خطرناک تھا اور قدم قدم پر انٹیلی جنس نے جال پھیلایا ہوا تھا...... عمران اور جبران صرف اپنی تجربہ کاری کی وجہ سے اس جال میں پھنسنے سے محفوظ رہے...... وہ بالآخر سری نگر میں کمانڈر غازی کے خفیہ ٹھکانے پر آ گئے...... وہ آگے پیچھے وہاں پہنچے تھے، مگر خیریت سے پہنچ گئے تھے۔

انہوں نے مجاہدین کو خاص طور پر کمانڈر غازی کو اپنے معرکے کی داستان مختصر کر کے بیان کی اور پوچھا کہ کارگل سیکٹر کی کیا صورت حال ہے؟ کمانڈر غازی نے کہا۔

"تم لوگوں نے گولہ بارود کے کانوائے کو جو تباہ کیا ہے...... اس کی وجہ سے کارگل کے محاذ پر بھارتی توپ خانے کی گولہ باری کی شدت بہت کم ہو گئی ہے...... پہلے توپ خانہ اندھا دھند فائرنگ کرتا تھا...... اب سوچ سمجھ کر وقفے وقفے سے گولہ باری کرتا ہے کہ اسے پیچھے سے سپلائی مل جائے گی...... بھارتی اسلحہ خانے بھارت کے جنوب میں دکن میں بھی موجود ہیں"۔

عمران نے پوچھا۔

"کارگل کی سب سے بلند چوٹی پر اپنے مجاہدین کی کیا پوزیشن ہے"۔

کمانڈر غازی نے جواب دیا۔

"مجاہدین پہاڑ کی چوٹی پر ڈٹے ہوئے ہیں...... کارگل سیکٹر کی سب سے بلند ہے...... اس کے نیچے سے جو سڑک سیاہ چین کو جاتی ہے اس پر بھی مجاہدین کا قبضہ اور یوں سیاہ چین کے محاذ پر بھارتی فوج کی راشن اور اسلحہ کی سپلائی کٹ چکی ہے... چین میں بھارتی فوج کے دستے محصور ہو کر رہ گئے ہیں"۔

جبران نے پوچھا۔

"لیکن بھارتی توپ خانہ کس ٹارگٹ پر گولہ باری کر رہا ہے؟"۔

کمانڈر غازی نے ایک چھوٹا نقشہ نکال کر سامنے رکھ دیا اور ایک جگہ انگلی ر بولا۔

"یہ کارگل سیکٹر کی سب سے بلند چوٹی ہے، جہاں مجاہدین کے مورچے ہیں اس پر چڑھنے کی کوشش میں بھارت کے کتنے ہی فوجی ہلاک ہو چکے ہیں...... وہ م کے مورچوں تک پہنچنے کے لئے پہاڑی پر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تو او مجاہدین فائرنگ کر کے انہیں ہلاک کر دیتے ہیں...... اب فوجی اس پہاڑی کی ط جاتے ہوئے کتراتے ہیں...... بھارتی توپ خانے کے گولے بھی اوپر تک پہنچتے...... بھارت اپنا توپ خانہ آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر لے آیا ہے...... وہاں کی توپیں مزید آٹھ دس ہزار فٹ کی بلندی پر فائر کرتی ہیں مگر گولے پہاڑی چ برف اور ڈھلانوں سے ٹکرا کر رہ جاتے ہیں...... بھارت بہت پریشان ہے...... میں کارگل کی اس سب سے بلند پہاڑی پر بھارتی فوج کا ہی قبضہ تھا مگر بھارتی سردیوں میں چوٹی کے مورچے خالی کر کے نیچے آ جایا کرتے تھے...... اس د مورچے خالی کر کے نیچے آئے تو اوپر مجاہدین نے قبضہ کر لیا...... مجاہدین سخت جا اور ایک مقصد لے کر جنگ کر رہے ہیں، جبکہ بھارتی فوجیوں کا سوائے اس کے مقصد نہیں ہے کہ انہیں اپنے بریگیڈ کمانڈر کا حکم ماننا ہے، مگر اندر سے ہر بھارتی

خوف زدہ ہے...... بھارتی فوج کو اتنی بلند پہاڑی کی برفوں میں رہنے کا بالکل تجربہ نہیں ہے جبکہ مجاہدین وہاں رہنا جانتے ہیں اور وہ ایسی جگہوں پر رہتے آئے ہیں"۔

جبران نے پوچھا۔

"اب مجاہدین کی صورت حال کیا ہے؟"۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

"مجاہدین کو پہاڑی کے عقب سے برابر سپلائی پہنچ رہی ہے...... بھارتی توپ خانے کے گولے کارگل پہاڑی کے عقب میں نہیں جا سکتے، لیکن ہمارا ایک نقصان ضرور ہو رہا ہے۔

"وہ کیا؟" کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"وہ یہ...... کمانڈو غازی بولا" کہ پہاڑی کی ڈھلان کے ساتھ ساتھ گزرنے والی سڑک پر ہمارا قبضہ تو ہے مگر وہاں بھارتی توپ خانے کے گولے پہنچ رہے ہیں...... یہ سڑک بھارتی توپوں کی زد میں ہے اور جس وقت ہماری کوئی گاڑی وہاں سے گزرتی ہے تو وہ بھارتی توپوں کی زد میں آکر تباہ ہو جاتی ہے اور اس سڑک پر ہماری گاڑیوں کا بھی گزرنا مشکل ہو جاتا ہے"۔

"اس کا کوئی علاج آپ نے نہیں سوچا؟" عمران نے سوال کیا...... کمانڈر غازی نے کہا۔

"ہمارے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے...... بس ہم یہی کر سکتے ہیں کہ اوپر سے مجاہدین فائر کرتے رہتے ہیں اور کسی بھارتی فوجی کو اپنی گاڑیوں کے نزدیک جانے کی اجازت نہیں دیتے...... یہاں تک کہ ہمارے کچھ مجاہد نیچے جاتے ہیں اور گاڑی میں سے سپلائی وغیرہ لے کر اوپر آ جاتے ہیں لیکن اس طرح ایک مسلسل خطرہ ہمارے لئے موجود رہتا ہے"۔

کمانڈو عمران نے سوال کیا۔

”بھارتی توپ خانہ جہاں سے فائر کرتا ہے وہ جگہ پہاڑی کے کسی مقام پر ہے؟
آپ ہمیں وہ جگہ نقشے پر دکھا سکتے ہیں؟“۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

”نقشے پر بھی دکھادی جائے گی مگر میں تم لوگوں کو اس پہاڑی پر بھی لے جا
ہوں، کیونکہ جہاں بھارت کا توپ خانہ ہے...... اس پہاڑ کا دوسرا حصہ ہمارے مجاہد
کی زد میں ہے، مگر یہ جگہ اتنی نیچے ہے اور مجاہدین اتنی بلندی پر ہیں کہ ہماری راکر
فائرنگ بھی بھارتی توپ خانے تک نہیں پہنچ پاتی“۔

”اس کا کیا سدباب ہو سکتا ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

کمانڈر غازی کہنے لگا۔

”اس کا ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ ہے کہ جس پہاڑی کی ڈھلان پر سات ساڑ
سات ہزار فٹ کی بلندی پر بھارتی توپ خانہ ہے اس کے دائیں جانب بھارتی مور
ہیں...... ان مورچوں پر توپیں نہیں پہنچائی جا سکتیں...... توپیں پہنچانے کے لئے پہا
ڈھلان کو کاٹنا پڑتا ہے جس کے لئے بھارتی فوج کے اس جگہ اتنے ذرائع ہیں اور نہ
کے پاس اتنا وقت ہے...... علاوہ ازیں انہیں معلوم ہے کہ اگر انہوں نے پہاڑی کو ک
کر توپوں کے لئے جگہ بنانے کی کوشش کی تو سامنے کارگل کی بلند چوٹی سے مجا
انہیں اپنی فائرنگ کی زد میں لے لیں گے، چنانچہ وہاں بھارت کا پورا بریگیڈ
مورچے بنا کر بیٹھا ہے اور نیچے اپنی توپوں کو تحفظ دے رہا ہے...... اگر کسی طرح
مورچے ہمارے قبضے میں آجائیں تو نیچے بھارتی توپ خانے کی توپیں ہمارے
کی زد میں ہوں گی اور ہم ان توپوں کو تباہ کر سکتے ہیں“۔

”یہ کتنے مورچے ہیں اور ان تک پہنچنے کے لئے کس طرف سے جانا ممکن

کمانڈو جبران نے پوچھا۔

کمانڈر غازی نے نقشے کو دکھا۔تے ہوئے کہا۔

”یہاں چڑھائی بالکل سیدھی ہے...... صرف ایک جانب سے بھارتی فوج نے
شوار گزار چھوٹا سا ٹریک بنایا ہوا ہے جہاں سے بھارتی مورچوں کو سپلائی وغیرہ پہنچتی
ہے...... اس ٹریک پر ہر پچاس فٹ کے فاصلے پر بھارتی فوجی مشین گنوں کے مورچے
نا کر بیٹھے ہوئے ہیں...... اس طرف سے آپ لوگ اوپر نہیں چڑھ سکتے...... اس
طرف سے اوپر چڑھنا اپنی موت کو دعوت دینے کے برابر ہے، کیونکہ اوپر سے صرف
یک فوجی پستول کے فائر سے ہی آپ لوگوں کو نیچے گرا سکتا ہے“۔

کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران بڑے غور سے نقشے پر اس خاص پہاڑی کو دیکھ رہے
تھے جس کی ڈھلان پر بھارتی فوج کے وہ مورچے تھے جو ان کے توپ خانے کی حفاظت
کر رہے تھے...... کافی غور کرنے کے بعد کمانڈو عمران بولا۔

”کیا ہم پہاڑ کی دوسری طرف سے اوپر چڑھنے کی کوشش نہیں کر سکتے؟“۔

کمانڈر غازی اس سارے علاقے سے اور تمام پہاڑیوں کے نشیب و فراز سے اچھی
طرح واقف تھا...... اس نے کہا۔

”پہاڑ کی دوسری سائیڈ کی چڑھائی بالکل سیدھی ہے اور اس کے علاوہ یہ سارا
علاقہ بھارتی بریگیڈ کی نظروں میں ہے...... وہاں سے اگر کوئی خرگوش بھی اوپر چڑھے تو
وہ انہیں نظر آجائے گا اور پھر اتنی سیدھی چڑھائی پر کوئی تجربہ کار کمانڈو بھی دوسروں
کی نظروں میں آئے بغیر اوپر نہیں چڑھ سکتا...... میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں کوئی اور
طریقہ پہاڑی کے بھارتی مورچوں تک پہنچنے کا سوچنا پڑے گا“۔

عمران کے ذہن میں اچانک ایک خیال آگیا...... اس نے کمانڈر غازی سے پوچھا۔

”اس مورچے کے فوجیوں کو نیچے کس جگہ سے سپلائی آتی ہے؟“۔

اس نے کہا۔

”نیچے بھارتی فوجی یونٹ کا بیس Base ہے...... جہاں پیچھے سے اسلحہ وغیرہ
ٹرکوں میں آتا ہے اور سٹور ہوتا رہتا ہے...... پھر وہاں سے خچروں پر لاد کر اسلحہ اوپر

بھارتی مورچوں تک پہنچایا جاتا ہے، کیونکہ سڑک اتنی چھوٹی ہے کہ وہاں سے جیپ بھی نہیں گزر سکتی"۔

"یہ خچر بھارت کی کسی یونٹ کے نہیں ہو سکتے...... کیا یہ خچر وہاں کے مقامی باشندے سپلائی کرتے ہیں؟"۔

کمانڈر غازی کچھ سوچ کر بولا۔

"میرا خیال ہے مقامی باشندے ہی سپلائی کرتے ہوں گے، مگر اس بارے میں پوری معلومات حاصل کرنی پڑیں گی، کیونکہ اس علاقے میں مسلمان دیہاتی باشندوں کی آبادی ہے اور بھارتی فوج مسلمانوں پر بھروسہ نہیں کر سکتی...... یہ میں کل پورا پتہ کر کے تمہیں بتاؤں گا"۔

دوسرے دن صبح صبح ہی کمانڈر غازی اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کی جگہ چلا گیا...... وہ دوپہر کے بعد واپس آیا اور پوری معلومات لے کر آیا تھا...... اس نے کہا۔

"خچر سپلائی کرنے اور ان کی دیکھ بھال کرنے اور ان پر اسلحہ اور راشن پانی لاد کر اوپر بھارتی مورچوں تک پہنچانے کا ٹھیکہ جموں کے ایک ہندو ٹھیکیدار کے پاس ہے...... جو بھارتی یونٹ کے بیس Base سے ذرا نیچے ایک جگہ عارضی جگہ بنا کر رہ رہا ہے...... اس کے پاس جتنا عملہ ہے وہ سارے جموں کے ہندو ہیں...... یہی لوگ خچروں پر اسلحہ لادتے ہیں اور خود ہی اپنی نگرانی میں اوپر بھارتی بریگیڈ کے مورچوں تک خچروں کو لے جاتے ہیں"۔

اس ٹھیکیدار کا نام کیا ہے؟" عمران نے پوچھا۔

کمانڈر غازی بولا۔

"اس کا نام موتی رام ہے...... ادھیڑ عمر آدمی ہے اور ہفتے میں ایک بار جموں اپنے گھر والوں سے ملنے جاتا ہے اور ایک دن جموں رہ کر واپس آ جاتا ہے"۔

"کیا ہم وہ راستہ دیکھ سکتے ہیں جہاں سے گزر کر یہ ٹھیکیدار موتی رام جموں جاتا ہے؟"۔

جبران کے اس سوال پر کمانڈر غازی کہنے لگا۔

"اس کی اپنی جیپ ہے...... وہ اپنی جیپ پر جموں جاتا ہے اور اس کا ایک گن مین باڈی گارڈ ساتھ ہوتا ہے...... یہ باڈی گارڈ بھی ڈوگرہ ہے...... میں تمہیں وہ پہاڑی راستہ دکھا سکتا ہوں...... یہ ایک چھوٹی سی کچی پہاڑی سڑک ہے...... موتی رام ہفتے وار کی دوپہر کو ایمونیشن پہاڑی بریگیڈ کے مورچوں کو اسلحہ پہنچانے کے بعد جموں روانہ ہو جاتا ہے اور اس کی جیپ اسی چھوٹی کچی سڑک پر سے گزرتی ہے"۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"موتی رام کی عدم موجودگی میں اوپر کے بھارتی مورچوں کی سپلائی لے کر کون جاتا ہے؟"۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

"یہ سارا کام اس کے منشی مرلی داس کی نگرانی میں ہوتا ہے...... Base پر کوئی باقاعدہ بھارتی فوج کا یونٹ تعینات نہیں ہے...... وہاں صرف ایک پہاڑی غار میں گولہ بارود اور دوسرا راشن سٹور کیا ہوا ہے جو ایک بھارتی صوبیدار میجر بنی لال کے چارج میں ہے...... اس کے ساتھ تین چار ڈوگرہ سپاہی ہوتے ہیں جو وہیں رہتے ہیں...... باقی پورا بریگیڈ اوپر پہاڑی مورچوں میں ڈیپلائے ہے...... ہر پندرہ دن کے بعد اس بریگیڈ کی بدلی ہوتی ہے اور اس کی جگہ دوسرا بریگیڈ آ جاتا ہے"۔

اب کمانڈو جبران نے پوچھا۔

"خچروں کے ساتھ کتنے ہندو ڈوگرے مزدور Base سے سپلائی لے کر اوپر کے مورچوں پر جاتے ہیں؟"۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

"یہ کل پندرہ خچر ہیں جن کے ساتھ دس ہندو مزدور ڈوگرے اوپر مورچوں تک جاتے ہیں اور سپلائی پہنچا کر خچروں کو لے کر واپس نیچے Base پر آجاتے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"کیا یہ ہندو ٹھیکیدار موتی رام ہفتے کو جموں اپنے گھر والوں کے ہاں جا کر اتوار کو ہی واپس آجاتا ہے؟"۔

کمانڈر غازی پوری پوری معلومات لے کر آیا تھا...... کہنے لگا۔

"کسی ہفتے وہ ایک دو دن زیادہ بھی لگا دیتا ہے...... جموں میں اس کی بیوی اور بچے ہیں...... اس کا ایک چچازاد بھائی جگدیش چندر بھی جموں میں اس کے گھر میں رہتا ہے، جو جموں میں سرکاری ٹھیکیداری کرتا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"کمانڈر غازی! اب ہمیں وہ کچی سڑک دکھا دیں جہاں سے اپنی جیپ میں گن مین کے ساتھ ٹھیکیدار موتی رام جموں جاتا ہے...... ہمیں اس کی شکل بھی دکھا دیں"۔

کمانڈر غازی کہنے لگا۔

"آج جمعے کا دن ہے...... کل ہفتہ ہے اور ہفتے کی دوپہر کو موتی رام اپنی جیپ میں پہاڑی سڑک پر سے گزرے گا...... میں کل صبح آپ کو اپنے ساتھ وہاں لے چلوں گا...... یہاں سے ایک دو گھنٹوں کا پہاڑی راستہ ہے، مگر میں آپ کو شارٹ کٹ راستے سے ایک گھنٹے میں وہاں پہنچا دوں گا...... لیکن آپ لوگوں کا منصوبہ کیا ہے؟ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"کمانڈر! تمہیں بتائے بغیر ہم اپنے کسی منصوبے پر عمل نہیں کر سکتے...... تمہیں اپنے منصوبے کی ایک ایک تفصیل بتا دیں گے...... ہمیں اپنے منصوبے پر تھوڑا اور غور کر لینے دو"۔

کمانڈر غازی نے مسکرا کر کہا۔

"ٹھیک ہے...... میری جس قسم کی مدد کی بھی ضرورت ہوگی میں ہر وقت حاضر ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"ہمیں صرف پندرہ بیس مجاہدین کی ضرورت ہوگی جو ہر قسم کے اسلحے سے لیس ہونے چاہئیں"۔

"یہ مجاہدین کیا آپ لوگوں کے ساتھ جائیں گے؟"۔

"نہیں" عمران نے کہا...... "مجاہدین کا یہ گروپ بھارتی اسلحہ کے سٹور کے Base سے کچھ فاصلے پر نیچے کسی جگہ اپنے آپ کو کیموفلاج کر کے بیٹھے گا...... انہیں کب اور کس وقت نکل کر اوپر مورچوں پر حملہ کرنا ہوگا؟ یہ ہم اپنے مجاہدین کے گروپ کمانڈر کو سمجھا دیں گے"۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

"جتنے مجاہدین آپ کہیں گے آپ کو مل جائیں گے...... وہ پوری طرح سے مسلح ہوں گے اور آپ کے احکامات کے مطابق چلیں گے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"اوکے...... اب آپ کل صبح صبح ہمیں یہاں سے اس کچی پہاڑی سڑک پر لے جائیں گے جہاں سے دوپہر کے وقت ٹھیکیدار موتی رام اپنی جیپ میں جموں جاتے ہوئے گزرے گا...... ٹھیک ہے؟"۔

"بالکل ٹھیک ہے...... میں صبح صبح آجاؤں گا...... آپ اب آرام کریں"۔

یہ کہہ کر کمانڈر غازی چلا گیا...... اس کے جانے کے بعد جبران نے عمران سے کہا۔

"میں سمجھ گیا ہوں کہ تمہارا منصوبہ کیا ہے...... لیکن منصوبہ ابھی کچھ الجھا ہوا

ہے.....اس کی پوری شکل واضح نہیں ہے"۔

عمران کہنے لگا۔

"میں تمہیں سمجھائے دیتا ہوں...... منصوبہ بالکل صاف اور واضح ہے.....اس میں ذرا سی بھی الجھن نہیں ہے، لیکن ہر قدم پر اس میں راز فاش ہو جانے کا خطرہ ضرور موجود ہے، لیکن اس کے سوا اور کوئی منصوبہ اس قسم کی صورت حال میں کامیاب نہیں ہو سکتا...... یہ آخری منصوبہ ہے اور ہمیں اپنی جانوں پر کھیل کر کامیاب بنانا ہے تاکہ مجاہدین پہاڑی والے بھارتی مورچوں پر قبضہ کر کے نیچے بھارتی توپ خانے کو اپنی زد میں لے سکیں"۔

اس کے بعد دونوں کمانڈو سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور اپنے منصوبے کے ایک ایک پوائنٹ پر غور و فکر کرنے لگے...... وہ کافی دیر تک میٹنگ کرتے رہے..... آخر انہوں نے ایک مکمل منصوبے کا خاکہ تیار کر لیا.....اب صرف اس پر عمل کرنے کی ضرورت تھی.....ایک کمانڈو ہونے کی حیثیت سے انہیں اس حقیقت کا علم تھا کہ کوئی بھی کمانڈو منصوبہ اتنا آسان اور سہل نہیں ہوتا کہ دوسرا آدمی اسے تھالی میں رکھ کر پیش کر دے..... ہر کمانڈو منصوبہ بظاہر ناممکن نظر آتا ہے، لیکن اس کے لئے صرف عقل اور جذبے کی ضرورت ہوتی ہے.....اگر صرف جذبہ ہے اور عقل نہیں یا صرف عقل ہی عقل ہے اور جذبہ نہیں ہے تب بھی کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا.....انہوں نے بھارتی توپ خانے کو تحفظ دینے والے اوپر پہاڑی پر موجود بھارتی بریگیڈ کے مورچوں پر قبضہ کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس کا پیپر ورک یعنی حسابی کتابی عمل بالکل درست اور موزوں تھا، لیکن اس کے باوجود اس منصوبے کو عملی شکل دیتے ہوئے ہر قدم پر اس کے ناکام ہو جانے کا خطرہ موجود تھا..... اس کے باوجود کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران کو کارگل کی پہاڑی کی اس سڑک کو ہمیشہ کے لئے بھارتی توپوں کی گولہ باری سے محفوظ رکھنے کے لئے اس منصوبے کو کامیاب بنانا اشد ضروری تھا اور انہوں

نے اسے کامیاب بنانے کا عزم کر رکھا تھا۔

دوسرے دن صبح صبح دونوں کمانڈو دوست کمانڈر غازی کے ساتھ اس کچی سڑک کا موقع دیکھنے کے لئے چل پڑے جہاں سے دوپہر کے وقت جموں کے ہندو ٹھیکیدار موتی رام کو اپنی جیپ پر گزرنا تھا..... یہ سارا علاقہ پہاڑی تھا..... اس میں گھاٹیاں تھیں..... گہری کھائیاں تھیں..... پہاڑوں کے درے تھے..... کمانڈر غازی انہیں ایک آسان اور شارٹ کٹ راستے سے لے جا رہا تھا..... وہ گھاٹیوں میں اترتے، برساتی خشک نالوں میں سے گزرتے پہاڑی ڈھلانوں کے ساتھ ساتھ چلتے آخر اس جگہ پہنچ گئے جہاں پہاڑی کے دامن میں ڈھلان کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹا سا کچا راستہ نیچے وادی کی طرف اترتا تھا..... وہ ایک طرف ہو کر جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھ گئے..... کمانڈر غازی نے کچی سڑک کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ وہ سڑک ہے جو اوپر بھارتی بریگیڈ کے پہاڑی مورچوں اور اس کے سپلائی Base سے ہوتی ہوئی نیچے آتی ہے اور یہاں سے نیچے جا کر وادی میں سے گزرتی ہوئی سرینگر بانہال روڈ سے جا ملتی ہے..... اس وقت دن کے گیارہ بجے ہیں..... ٹھیکیدار موتی رام دو ڈھائی گھنٹے کے بعد یہاں سے گزرنے والا ہے"۔

عمران نے ارد گرد کے پہاڑی ماحول کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہمیں یہاں کسی ایسی جگہ چھپ کر بیٹھنا ہو گا جہاں سے ہم ٹھیکیدار موتی رام کو دیکھ سکیں مگر وہ ہمیں نہ دیکھ سکے"۔

تھوڑی سی تلاش کے بعد انہوں نے کچی پہاڑی سڑک سے ہٹ کر درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے ایک جگہ بنالی..... وہ تینوں وہاں بیٹھ گئے..... یہاں سے سڑک ان سے دس پندرہ فٹ کے فاصلے پر تھی..... وہ اپنے ساتھ جوار کی روٹیاں اور اچار رومال میں باندھ کر لائے تھے..... انہوں نے وہیں بیٹھ کر اچار کے ساتھ جوار کی روٹیاں کھائیں..... تھرمس میں سے پانی نکال کر پیا اور آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے

ٹھیکیدار موتی رام کی جیپ کا انتظار کرنے لگے...... یہ ہفتے کا دن تھا اور ٹھیکیدار موتی رام
کو دو ڈھائی بجے دوپہر وہاں سے گزرنا تھا...... دور پیچھے پہاڑی سڑک پہاڑی سے اترتی
نظر آرہی تھی۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

"موتی رام کی جیپ ہمیں اوپر والی سڑک پر آتی نظر آجائے گی"۔

دوپہر کے ٹھیک سوا دو بج رہے تھے کہ اوپر والی سڑک پر ایک جیپ دکھائی
دی...... کمانڈر غازی نے کہا۔

"موتی رام آرہا ہے"۔

تینوں ایک ایسی جگہ جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے جہاں سے وہ جیپ میں بیٹھے
ہوئے ٹھیکیدار موتی رام کو بخوبی دیکھ سکتے تھے...... پندرہ منٹ بعد جیپ پہاڑی سڑک
کا موڑ کاٹ کر کچی سڑک پر آگئی...... جیپ سامنے سے چلی آرہی تھی...... کمانڈر غازی
نے کہا۔

"موتی رام خود جیپ چلا رہا ہے؟"۔

جیپ ان لوگوں کے سامنے سے ہو کر گزر گئی...... موتی رام کا چہرہ کوئی پ
سیکنڈ تک عمران اور جبران کے سامنے رہا...... انہوں نے اچھی طرح سے موتی را
دیکھ لیا تھا...... جیپ جب گزر گئی تو تینوں مجاہد واپس اپنے خفیہ ٹھکانے پر آگئے......
انہوں نے اگلے ہفتے کے روز اپنی سکیم کے مطابق موتی رام کو ٹھکانے لگانے کا پر
بنالیا...... کمانڈو عمران نے کمانڈر غازی سے کہا۔

"موتی رام اور اس کے باڈی گارڈ کو ٹھکانے لگانے کے بعد ہم اس کی جیپ
دونوں لاشوں کو ڈال کر آگے پہاڑی کی پکی سڑک پر لے جائیں گے"۔

کمانڈر غازی کہنے لگا۔

"میں وہاں پہلے سے موجود ہوں گا...... ہمیں جیپ اور دونوں لاشوں کو اُ

تک چھپا کر رکھنا ہوگا جب تک کہ پہاڑی مورچے پر ہمارے مجاہد قبضہ نہیں کر لیتے"۔

عمران بولا۔

"ہمیں ایک موبائل کی ضرورت ہوگی جس سے ہم آپ لوگوں سے رابطہ قائم
ر کے حملے کا سگنل دے سکیں...... مجاہدین کی مسلح جماعت کو دھماکوں کے فوراً بعد
Base اور اوپر والے پہاڑی مورچے کی طرف ایڈوانس کرنا ہوگا، کیونکہ اس وقت
تک اوپر والے مورچے بھارتی بریگیڈ سمیت تباہ ہو چکے ہوں گے اور مورچے خالی
ہوں گے"۔

کمانڈر کہنے لگا۔

"موبائل مل جائے گا"۔

جبران نے کہا۔

"ہمیں انتہائی طاقتور کم از کم چھ ٹائم بم بھی درکار ہوں گے"۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

"وہ بھی مل جائیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"مجاہدین کی جماعت وہیں پہاڑی پر کسی جگہ چھپ کر تیار بیٹھی رہنی چاہئے"۔

"ایسا ہی ہوگا...... تم فکر نہ کرو" کمانڈر غازی نے کہا۔

اگلے ہفتے کے روز کمانڈو عمران اور جبران کمانڈر غازی کو ساتھ لے کر نکل
پڑے...... کمانڈر غازی نیچے پہاڑی کی پکی سڑک پر ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا......
عمران اور جبران کمانڈو کی حیثیت سے اسی جگہ گھات لگا کر بیٹھ گئے جہاں پہلے وہ موتی
رام ٹھیکیدار کی شکل دیکھنے کے لئے بیٹھے تھے...... انہوں نے کچی پہاڑی سڑک پر ایک
دو بڑے بڑے پتھر لڑھکا کر سڑک کے درمیان ڈال دیئے تھے...... پتھروں کو دیکھ کر
ایسا لگتا تھا کہ یہ پتھر اتفاق سے اوپر سے لڑھک کر سڑک پر آگئے ہوں...... دونوں کے

پاس ایک ایک شاٹ گن تھی جو میگزین سے بھری ہوئی تھی...... کمانڈو عمران نے مو
رام کو اور جبران نے اس کے باڈی گارڈ کو ٹھکانے لگانا تھا...... ان کے لئے یہ کوئی مش
کام نہیں تھا۔

ان کی نظریں دور اوپر پہاڑی کے گرد بل کھاتی سڑک پر لگی ہوئی تھیں
تھوڑی دیر بعد سڑک پر ایک جیپ نمودار ہوئی...... کمانڈو عمران نے جبران سے کہا۔

"یہ موتی رام کی جیپ ہے"۔

دونوں نے پوزیشنیں سنبھال لیں...... عمران نے کہا۔

"باڈی گارڈ کے ٹارگٹ کو تم نے گرانا ہے...... موتی رام کو میں گراؤں گا"۔

دس پندرہ منٹ کے بعد موتی رام ٹھیکیدار کی جیپ پہاڑی کے موڑ کو کاٹ
سڑک پر آ گئی...... جیپ میں بیٹھے دونوں آدمی عمران اور جبران کی شاٹ گنوں کی ز
میں تھے...... کچی سڑک کے درمیان میں پتھر کے قریب آ کر جیپ رک گئی...
ٹھیکیدار موتی رام نے باڈی گارڈ سے کہا۔

"نیچے اتر کر پتھر کو ہٹاؤ"۔

یہ جملہ ٹھیکیدار موتی رام کی زندگی کا آخری جملہ تھا...... جیسے ہی باڈی گارڈ گر
سیٹ پر رکھ کر نیچے اترنے لگا...... ایک دھماکہ ہوا...... اس کے ساتھ ہی دوسرا دھماکہ
ہوا...... کمانڈو جبران کی شاٹ گن نے باڈی گارڈ کو گرا دیا تھا اور کمانڈو عمران نے مو
رام کو الٹا کر دیا تھا...... دونوں کی لاشیں جیپ میں پڑی تھیں...... عمران اور جبرا
چھلانگ لگا کر نیچے سڑک پر آ گئے...... انہوں نے سڑک پر پڑے ہوئے پتھر کو نیچ
لڑھکایا...... موتی رام کی لاش کو بھی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا اور تیزی سے جیپ لے ک
سڑک پر آگے نکل گئے۔

اس کچی سڑک پر شاذ و نادر ہی کبھی کوئی آدمی گزرتا تھا...... سڑک خالی او
سنسان تھی...... عمران جیپ کو تیزی سے چلاتے ہوئے اس سڑک پر آ گیا جہاں ا

نے کمانڈر غازی کو انتظار کرنے کو کہا تھا...... جیپ کو دیکھ کر کمانڈر غازی جھاڑیوں میں سے باہر نکل آیا...... انہوں نے لاشوں کو درختوں کی سوکھی ٹہنیوں اور جھاڑیوں کی شاخوں سے ڈھانپ دیا اور اپنے خفیہ ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گئے...... کمانڈر غازی انہیں گائیڈ کر رہا تھا...... اسے معلوم تھا کہ کس پہاڑی راستے سے ہو کر اپنی جگہ پر پہنچنا ہے...... مجاہدین کی کمین گاہ پر آتے ہی تینوں جیپ سے اتر پڑے...... کمانڈر غازی نے مجاہدین سے کہا۔

"گاڑی میں دو بھارتیوں کی لاشیں پڑی ہیں...... جیپ گھاٹی میں لے جا کر چھپا دو اور لاشوں کو جلا ڈالو"۔

موتی رام ٹھیکیدار دو دن جموں میں رہتا تھا...... یہ دو دن کمانڈو عمران اور جبران کو خفیہ ٹھکانے میں رہ کر بعض ضروری تیاریوں میں گزارنے تھے...... سب سے پہلے انہوں نے تیس مجاہدین کو پوری طرح مسلح کر کے تیار کیا...... یہ جانباز مجاہدین کمانڈو کا دستہ تھا جو باقاعدہ تربیت یافتہ تھے...... انہیں سگنل ملنے پر پہاڑوں کے اوپر والے مورچے پر جا کر قبضہ کرنا تھا...... کمانڈو عمران نے انہیں نقشہ بنا کر دکھایا کہ انہیں کس جگہ چھپ کر بیٹھنا ہو گا اور پہاڑی کے اوپر والے بھارتی مورچے میں دھماکوں کے بعد کس طرف سے اوپر جا کر مورچوں پر قبضہ کرنا ہو گا...... کمانڈر غازی نے ان کو گائیڈ کرنا تھا۔

ہفتہ اور اتوار کا دن خفیہ ٹھکانے پر گزارنے کے بعد پیر وار کو کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران کو بھارتی ایمونیشن سٹور کے بیس Base کی طرف چل دینا تھا...... اتوار کا دن تیاریوں میں گزر گیا...... موتی رام کی جیپ کو صاف کر کے نکال کر ایک طرف کھڑا کر دیا گیا...... کمانڈو عمران نے اپنا حلیہ جموں کے نوجوان ہندو ٹھیکیداروں والا بنایا...... کمانڈر غازی نے اس سلسلے میں اس کی مدد کی تھی...... عمران نے موتی رام کے کزن جگدیش چندر کے روپ میں ایمونیشن سٹور کے Base پر جانا تھا اور کمانڈو

جبران کو اپنانو کر ظاہر کرنا تھا...... جبران کا ہندو نام اس نے بنسی رکھ دیا تھا...... پیروا
دوپہر کے وقت انہیں اپنے خطرناک مشن پر روانہ ہونا تھا...... دوپہر تک وہ ہندو
کے حلیئے میں بالکل تیار ہو چکے تھے...... دیا سلائی کی ڈبیا کے سائز کے چھ انتہائی طا
میگنٹ ٹائم بم ان کے پاس تھے...... تین بم عمران نے اور تین بم جبران نے اپنے لب
میں چھپا کر رکھ لیئے تھے...... ایک چھوٹا موبائل وائرلیس فون عمران نے اپنی جیب
رکھا ہوا تھا...... عمران کو معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور بیس Base پر پہنچتے ہی
قسم کی اداکاری کرنی ہے اور اس نے جبران کو بھی بتا دیا تھا کہ بطور بنسی نوکر کے اس
کس طرح بات کرنی ہے اور کیا کچھ کرنا ہے۔

مشن کی کامیابی یقینی بھی تھی اور غیر یقینی بھی تھی...... وہاں پہنچ کر کچھ
ہو سکتا تھا، مگر دونوں کمانڈو ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیئے تیار تھے
جو منصوبہ انہوں نے تیار کیا تھا اس میں کئی کمزوریاں اور خامیاں تھیں...... کسی بھ
کسی بھی وقت ان کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا، لیکن اس کے سوا اور کوئی چارہ کار بھی
تھا...... یہی ایک طریقہ رہ گیا تھا جس پر عمل کرتے ہوئے وہ پہاڑی کے اوپر
مورچے پر قبضہ کر سکتے تھے...... یا وہ مورچوں پر قبضہ کرتے اور یا وہ دونوں
سپاہیوں کی گولیوں کا نشانہ بن جاتے، لیکن ایک بات کا انہوں نے تہیہ کیا ہوا تھا
قدم قدم پر بے حد احتیاط اور عقل مندی اور خود اعتمادی اور حوصلے سے کام لیں
کسی حالت میں بھی گھبرائیں گے نہیں...... وہ اس مشن سے زندہ واپس آنے
پیچھے ہی چھوڑ کر جا رہے تھے۔

کمانڈر غازی کو تیس مجاہدین کے مسلح دستے کے پاس رہنا تھا اور اسے کمانڈ
اور کمانڈو عمران کے سگنل کے بعد پہاڑی کے اوپر چڑھ کر بھارتی مورچوں پر ق
تھا...... یہ مجاہدین ان پہاڑیوں کے تمام نشیب و فراز سے واقف تھے...... کمانڈ
منگل وار کو یعنی ایک دن بعد رات کے وقت طے کیا گیا تھا...... اس سے زیادہ وقت

جبران نہیں دینا چاہتے تھے...... ان کا راز کسی بھی وقت وہاں ش ہو سکتا تھا...... ان
طلاع کے مطابق منگل وار کی شام ہونے سے ذرا پہلے پہاڑی کے اوپر والے بھارتی
چوں کو ایمونیشن اور راشن وغیرہ کی سپلائی جایا کرتی تھی...... اسی شام وہ دھماکہ
نا چاہتے تھے...... زیادہ وقت دینے سے خطرہ تھا کہ ایمونیشن سٹور کے بیس Base
نچے سے کوئی دوسری بھارتی یونٹ نہ آجائے۔

منصوبہ کافی الجھا ہوا تھا، مگر اس الجھے ہوئے منصوبے میں سے ہی دونوں کمانڈو
ہدوں کو کامیابی کا راستہ نکالنا تھا اور جو کچھ کرنا تھا انہیں بڑی جلدی کر ڈالنا تھا...... اس
وبے کی خاص اور سب سے اہم بات ہی یہی تھی کہ جاتے ہی دھماکے کر ڈالنے
...... بس ان دھماکوں کے لیئے تھوڑی سی اداکاری کر کے زمین کو ہموار کرنا
گا...... پیر وار کی دوپہر کو عمران اور جبران اپنے مشن پر روانہ ہو گئے...... انہیں معلوم
کہ جس پہاڑی راستے سے موتی رام ٹھیکیدار اتر کر آیا تھا انہیں اسی راستے سے پہاڑی
ے اوپر ایمونیشن سٹور کے بیس پر جانا ہے...... عمران موتی رام کے جموں والے
ٹیکیدار بھتیجے جگدیش چندر کے حلیے میں جیپ چلا رہا تھا، جبکہ کمانڈو جبران اس کے نوکر
ی کے روپ میں کھدر کی صدری اور کھدر کا تنگ پاجامہ پہنے ماتھے پر تلک لگائے
یپ کے پیچھے بیٹھا تھا۔

وہاں ایک بہت بڑا خطرہ اور تھا...... وہ خطرہ ٹھیکیدار موتی رام کا منشی تھا...... اگر
س کے منشی نے موتی رام کے بھتیجے جگدیش چندر کو پہلے کہیں دیکھا ہوا ہو گا تو وہیں ان
راز فاش ہو سکتا تھا...... لیکن کمانڈر غازی کے مخبروں نے خاص طور پر یہ بات کہی
تھی کہ موتی رام کا بھتیجا جگدیش چندر کارگل کے محاذ پر کبھی نہیں آیا، کیونکہ وہاں جنگ
ٹی ہوئی تھی اور جگدیش چندر ڈرتا تھا...... جیسے جیسے پہاڑی بیس Base کا ایمونیشن
سٹر قریب آرہا تھا دونوں کمانڈو مجاہد اپنے آپ کو پوری طرح تیار کر رہے تھے......
آخر جیپ ایمونیشن سنٹر میں پہنچ گئی...... پہاڑی کی ڈھلان میں پہاڑی کو کاٹ کر کافی

کھلی جگہ بنادی گئی تھی جہاں ایک طرف پندرہ بیس خچر کھڑے تھے...... ایک بوڑھا ہندو لالہ نوکر سے خچروں کو گھاس وغیرہ ڈلوا رہا تھا...... جیسے ہی موتی رام ٹھیکیدار کی جیپ ایمونیشن سٹور کے بیس پر آکر رکی، منشی جیپ کی طرف دوڑا، مگر وہ جیپ کے پاس آ کر ٹھٹک سا گیا، کیونکہ جیپ میں موتی رام کی جگہ دو اجنبی ہندو بیٹھے تھے۔

عمران جیپ بند کر کے نیچے اترا اور منشی کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتے ہوئے بولا۔

"رام رام منشی مرلی داس جی...... میں موتی رام جی کا بھتیجا جگدیش چندر ہوں...... چاچا جی کو ایک ضروری کام سے دلی جانا پڑ گیا ہے...... انہوں نے اپنے نوکر بنسی کے ساتھ مجھے بھیج دیا ہے کہ سپلائی کا کام جاری رہ سکے"۔

اس کے ساتھ ہی عمران نے بڑی بے تکلفی سے منشی مرلی داس سے ہاتھ ملایا اور اونچی آواز میں بولا۔

"مرلی داس جی چاچا جی آپ کی بڑی تعریف کر رہے تھے...... کہتے تھے اگر مرلی داس میرے پاس نہ ہوتا تو میں سیکٹر میں ٹھیکیداری نہیں کر سکتا تھا"۔

منشی مرلی داس نے جگدیش چندر کو واقعی پہلے نہیں دیکھا ہوا تھا...... وہ کیسے یقین نہ کرتا کہ یہ شخص اس کے مالک کا بھتیجا نہیں ہے...... عمران نے بڑی بے تکلفی سے اس کا نام بھی لیا تھا اور جیپ بھی اس کے مالک ٹھیکیدار موتی رام کی ہی تھی...... یہ بات اس ہندو بوڑھے منشی مرلی داس کا بوڑھا دماغ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ اس کے پیچھے کوئی زبردست سازش بھی ہو سکتی ہے...... اوپر سے عمران نے جیب سے سو سو کے پانچ نوٹ نکال کر منشی کو دیئے اور کہا۔

"منشی جی! یہ چاچا جی نے آپ کے لئے دیئے ہیں...... کہہ رہے تھے جگدیش چندر...... پتر جاتے ہی میرے منشی جی کو یہ پیسے دے دینا...... اس کے کام آئیں گے...... چاچا جی نے یہ بھی کہا تھا کہ منشی مرلی داس جی میرے لئے پتا سمان ہیں"۔ (یعنی باپ کی جگہ ہیں)۔

پانچ سو روپے لینے کے بعد منشی مرلی داس بہت ہی خوش ہوا اور اپنے بوڑھے ہاتھوں سے نوٹ صدری کی جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔

"ماراج اس کی کیا ضرورت تھی بھلا...... ہم اپنے مالک کا ہی دیا ہوا کھاتے ہیں"۔

جگدیش چندر یعنی عمران نے جیب سے مزید ایک سو روپے کا نوٹ نکال کر منشی کو دیا اور کہا۔

"منشی جی! یہ میری طرف سے رکھ لیں...... آپ بھی میرے لئے پتا کی جگہ ہیں"۔

منشی مرلی داس تو خوشی سے نہال ہو گیا...... کہنے لگا۔

"ماراج! ہمارے مالک کی طرح آپ بھی بڑے دیالو ہیں...... آپ اندر جا کر منہ ہاتھ دھوئیں میں آپ کے لئے بھوجن پانی کا پربندھ کرتا ہوں"۔

کمانڈو عمران نے چوری آنکھ سے دیکھا کہ دائیں جانب لکڑی کا ایک چھوٹا سا کیبن بنا ہوا تھا...... اس نے جبران سے کہا۔

"چل بے بنسی اندر چل کر میرے لئے بستر لگا دے"۔

"اچھا ماراج!"۔

جبران ہاتھ جوڑ کر بولا اور جلدی سے لکڑی کے کیبن میں چلا گیا...... جگدیش چندر یعنی عمران کو معلوم تھا کہ اوپر والے مورچوں میں جنگل کی سہ پہر کو ایمونیشن اور راشن پانی سپلائی کیا جاتا ہے اور ایمونیشن سٹور کا انچارج صوبیدار میجر بنسی لال ہے...... وہ منشی جی کو ساتھ لے کر خچروں کے پاس آ گیا اور بولا۔

"اپنے صوبیدار میجر بنسی لال جی ٹھیک ٹھاک ہیں نا؟ چاچا جی نے کہا تھا کہ صوبیدار جی کو بھی جاتے ہی میرا پرنام کہنا اور کہنا کہ میں دو تین دن کے بعد پہنچ جاؤں گا"۔

منشی جی بولے۔

"ہاں ماراج! صوبیدار جی بالکل پرسن ہیں...... آئیے...... میں ان سے آپ کو ملاتا ہوں"۔

سامنے ہی پہاڑی کا ایک قدرتی غار تھا...... اس کے باہر ایک سپاہی گارڈ ڈیوٹی پر کھڑا تھا اور ایک فوجی کرسی پر بیٹھا تھا...... یہ صوبیدار میجر بنسی لال تھا...... منشی نے صوبیدار کو پرنام کرتے ہوئے کہا۔

"ماراج! موتی رام جی کو ضروری کام ہے...... دلی ہیڈ کوارٹر جانا پڑ گیا ہے...... انہوں نے اپنے بھتیجے جگدیش چندر جی کو بھیجا ہے...... یہ بھی جموں میں ملٹری کنٹریکٹر ہیں"۔

عمران نے صوبیدار میجر کو سوچنے کا موقع ہی نہ دیا اور ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور بولا۔

"ماراج! چاچا جی آپ کی بڑی تعریف کرتے تھے...... آپ کو انہوں نے بڑا پرنام کیا ہے...... میں بھی بڑی مشکل سے اپنے کام میں سے وقت نکال کر آیا ہوں...... دو دن تک چاچا جی پہنچ جائیں گے"۔

عمران نے آگے بڑھ کر صوبیدار میجر سے ہاتھ بھی ملایا اور کہا۔

"ماراج آپ بھارت ماتا کے پون پتر سپوت ہیں...... آپ رن بیر ہیں (میدان کے شیر ہیں)۔

صوبیدار میجر ان پڑھ ان گھڑ فوجی تھا...... اپنی تعریف سن کر پھول گیا...... لگا۔

"منشی مرلی داس جی! جگدیش جی کی خوب ٹہل سیوا کرنا...... ہاں"۔

بوڑھا منشی عینک آنکھوں پر ٹھیک طرح سے جماتا ہوا بولا۔

"ماراج! یہ تو مالک ہیں"۔

عمران نے صوبیدار میجر سے کہا۔

"چاچا جی نے کہا تھا کہ منگل وار کو اوپر سپلائی لے کر جانی ہے...... خچر تو میں نے رکھ لئے ہیں...... آدمی کتنے ساتھ جاتے ہیں؟"۔

صوبیدار میجر بولا۔

"کل دوپہر تک آدمی بھی آجائیں گے...... تم فکر نہ کرو...... ساری سپلائی میں خود خچروں پر لدوا دوں گا"۔

عمران ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"ماراج کی بڑی کرپا ہے...... بڑی کرپا ہے...... چاچا جی آپ کی بڑی پرسنتا کرتے تھے...... کہتے تھے...... صوبیدار میجر بڑے مہان سپوت ہیں"۔

صوبیدار میجر خوشی سے پھول کر بولا۔

"موتی رام جی بھی ہمارا بڑا خیال رکھتے ہیں"۔

عمران نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"صوبیدار میجر جی...... آگیا دیں...... ذرا منہ ہاتھ دھولوں...... پھر آپ سے باتیں ہوں گی"۔

صوبیدار میجر نے کہا۔

"بے شک آجانا...... فکر نہیں...... فکر نہیں"۔ اور عمران یعنی جگدیش چندر ہندوؤں کی طرح مسکینی چال چلتا لکڑی کے کیبن میں داخل ہو گیا۔



عمران جگدیش چندر کے رُوپ میں جتنی دیر صوبیدار میجر بنسی لال کے پاس کھڑا رہا اس نے غار کا پوری طرح سے جائزہ لے لیا تھا جہاں ایمونیشن سٹور کیا ہوا تھا اور جسے اس نے اڑانا تھا...... یہ ایک بات بڑی اس کے مشن کے حق میں جاتی تھی کہ وہاں سوائے ایک سپاہی اور صوبیدار میجر کے اور کوئی بھارتی فوجی افسر یا سپاہی نہیں تھا...... کیبن میں لوہے کی ہسپتالوں والی چارپائی پر ایک میلا سا بستر لگا تھا اور ایک لحاف بھی تہہ کر کے رکھا ہوا تھا...... کمانڈو جبران اس کے نوکر بنسی کے روپ میں بستر کو ٹھیک ٹھاک کر رہا تھا...... کمانڈو عمران نے آہستہ سے کہا۔

”سب کام ٹھیک جا رہا ہے“۔

سامنے غسل خانہ تھا جہاں نلکے کے نیچے بالٹی پڑی تھی...... ایک لکڑی کی چوکی پاس رکھی ہوئی تھی...... دیوار پر میلا سا تولیہ لٹک رہا تھا...... دیوار پر ایک ٹوٹا ہوا آئینہ لگا تھا...... آئینے کے نیچے چھوٹی سی کارنس پر کنگھی، صابن دانی اور تیل کی بوتل پڑی تھی...... عمران نے یونہی تھوڑا سا منہ ہاتھ دھویا اور بستر پر بیٹھ گیا...... دروازہ کھلا تھا...... باہر درخت کے نیچے خچر کھڑے تھے جنہیں ایک لڑکا چارہ وغیرہ ڈال رہا تھا...... اتنے میں منشی جی آ گئے...... کہنے لگے۔

”اوپر رسوئی ہے فوج کی...... میں کہہ آیا ہوں کہ مالک جموں سے آ گئے ہیں...... ان کے لئے بھوجن پانی ہو گا...... تھوڑی دیر بعد میں سب کچھ لے آؤں گا“۔

عمران نے کہا۔

”منشی جی! کوئی چنتا نہ کریں...... ہم نے راستے میں بھوجن کر لیا تھا“۔

منشی بولا۔

نہیں نہیں مہاراج! یہ کیسے ہو سکتا ہے...... میں کہہ آیا ہوں...... بس بھوجن پانچ منٹ میں تیار ہو جائے گا۔

منشی چلا گیا تو کمانڈو جبران یونہی ادھر ادھر جھاڑ پھونک کرنے لگا اور آہستہ سے

”ابھی تک تو سب ٹھیک ہے“۔

عمران نے آہستہ سے جواب دیا۔

”ٹھیک ہی رہے گا...... انشاء اللہ!“۔

کمانڈو جبران کہنے لگا۔

”ٹھیکیدار موتی رام میرا خیال ہے بدھوار کو یعنی پرسوں یہاں متوقع ہے“۔

عمران نے کہا۔

”لیکن اب تو وہ اگلے جہان پہنچ چکا ہے اور میں نے کہہ دیا ہے کہ وہ دلی گیا ہوا ہے...... ہم کل دوپہر کو ہی اپنا کمانڈو ایکشن شروع کر دیں گے...... میں سب سے پہلے والے ایمونیشن سٹور کے اندر ٹائم بم لگاؤں گا...... اس کے بعد میں تمہارے خچروں پر سپلائی لاد کر اوپر والے بھارتی مورچوں میں جاؤں گا اور جہاں گولہ رکھا جائے گا وہیں دوسرا ٹائم بم بھی لگاؤں گا...... ٹائم میں دو گھنٹے کا دوں گا...... اس ن ہم اپنا کام ختم کر کے یہاں سے نکل چکے ہوں گے“۔

جبران کہنے لگا۔

”تو پھر تم میرے والے تین ٹائم بم بھی اپنے پاس ہی رکھ لو“۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"ایسا کرنا دو ٹائم بم مجھے دے دینا...... ایک تم اپنے پاس ہی رکھنا...... کوئی ایمر
ایمرجنسی پیدا ہو سکتی ہے، مگر یاد رکھنا بم کا کلاک ٹائم دو گھنٹے کا رکھنا ہو گا"۔

"ٹھیک ہے...... میں سمجھ گیا ہوں"۔

وہ رات انہوں نے ایمونیشن بیس Base پر کیبن میں ہی گزاری...... دوسرے دن دوپہر کے وقت سپلائی اوپر مورچوں میں لے کر جانی تھی...... کمانڈو عمران ٹھیکیدار جگدیش چندر کے روپ میں بڑی چابک دستی سے کام لے رہا تھا اور اس نے پندرہ پندرہ خچر بالکل تیار کروا لئے تھے...... بارہ بجے پندرہ مزدور آ گئے...... یہ سارے پہاڑی دیہاتی ہندو تھے اور یہی اوپر راشن اور ایمونیشن کی سپلائی لے جایا کرتے تھے...... نگ بھی نگرانی پر لگ گیا...... کمانڈو عمران اور جبران بڑی ہوشیاری اور بظاہر ذمے داری کے ساتھ مزدوروں کو ڈانٹتے ہوئے ایمونیشن کے کریٹ اور راشن کی سپلائی وغیرہ خچروں پر لدوانے لگے...... دو گھنٹوں میں پندرہ کے پندرہ خچروں پر ایمونیشن وغیرہ لدوا دیئے گئے...... آخری خچر پر لادنے کے لئے کریٹ سٹور سے نکلوانے کے لئے کمانڈو جبران خود ایمونیشن سٹور کے اندر چلا گیا...... صوبیدار میجر بنسی لال وہاں موجود تھا اور ا نگرانی میں گولوں کے کریٹ باہر نکلوا رہا تھا...... کمانڈو عمران ٹھیکیدار جگدیش چندر کے رُوپ میں بڑی ذمے داری کے ساتھ مزدوروں کو ڈانٹ ڈپٹ کر رہا تھا...... دھیا سے کریٹ اٹھاؤ...... خبردار ہاتھ مضبوط ڈالنا...... کوئی کریٹ نیچے نہ گر پڑے...... بڑی ذمے داری کا کام ہے...... رام رام رام رام...... وہ یہ سب کچھ ڈوگرہ صوبیدار کو دکھانے کے لئے کر رہا تھا...... صوبیدار میجر کا رخ دوسری طرف ہوا تو کمانڈو عم نے اپنی صدری کی جیب میں سے ماچس کی ڈبیا کے سائز کا ٹائم بم نکال کر اپنی مٹھی ہی رکھا اور وہیں انگوٹھے سے اس کا ٹائم بٹن دبا دیا...... کلاک کو اس نے پہلے ہی دو گھن کے دورانیئے پر سیٹ کر رکھا تھا...... اس کے انگوٹھا دباتے ہی کلاک نے چلنا شر کر دیا۔

پہاڑی غار گولہ بارود کے ایمونیشن سے بھرا ہوا تھا...... پہاڑی مزدور ایک کریٹ کو اٹھا رہے تھے...... کمانڈو عمران نے انہیں غصے سے کہا۔

"کیا کر رہے ہو مورکھ...... کریٹ کو نیچے سے پکڑو...... پیچھے ہٹ جاؤ"۔

اور عمران خود نیچے جھک گیا...... اس کے ساتھ ہی اس نے ٹائم بم کی ڈبیا پیچھے گولہ بارود کے کریٹوں کے پیچھے لگا دی...... وہاں تھوڑا تھوڑا اندھیرا تھا...... یہ کام اس نے اتنی صفائی سے کیا کہ کوئی نہ دیکھ سکا...... اس نے نیچے ہاتھ ڈال کر کریٹ کو اٹھایا اور مزدور کے سر پر رکھ دیا۔

"چلو اب دھیان سے باہر لے چلو"۔

باہر کمانڈو جبران جگدیش چندر کے نوکر کے روپ میں خچروں پر لدے ہوئے کریٹوں کو منشی جی کے ساتھ ایک ایک کر کے چیک کر رہا تھا...... صوبیدار میجر بنسی لال قریب کھڑا ان سب کی نگرانی کر رہا تھا...... ڈوگرہ گارڈ حوالدار بھی اٹن شن کھڑا تھا...... جبران نے کہا۔

"ماراج سپلائی لادی جا چکی ہے"۔

"چلو بھگوان کا نام لے کر اوپر چل پڑو"۔

منشی جی بولے۔

"ماراج آپ ساتھ کیوں جاتے ہیں...... میں جو ہوں"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"نہیں نہیں منشی جی...... آپ ہمارے لئے پتا سمان ہیں...... آپ یہیں بیٹھیں...... میں اور میرا نوکر سپلائی کے ساتھ جائیں گے"۔

اور دوسرے لمحے کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران ٹھیکیدار جگدیش چندر اور ٹھیکیدار کے ملازم کے روپ میں راشن اور گولہ بارود کے پندرہ خچروں کو لے کر اوپر مورچوں کی چڑھائی پر جا رہے تھے...... کچا راستہ پہاڑی کے گرد تین چکر لگانے کے بعد

اوپر مورچوں تک جاتا ...... نہیں اوپر پہاڑی کے بھارتی مورچوں تک پہنچتے ہو آدھا گھنٹہ لگ گیا ...... پر پہاڑی پر کمانڈو عمران نے دیکھا کہ مشین گنوں کے مورچے تھے...... مورچوں سے پیچھے تین مارٹر توپیں لگی ہوئی تھیں...... بھارتی کے وہاں بیس پچیس کے قریب جوان موجود تھے......انہوں نے سپلائی کے خچر وال دیکھا تو ان میں سے کسی نے اونچی آواز میں کہا۔

”حوالدار! معلوم کرو سگریٹوں کا راشن آیا ہے کہ نہیں“۔

ڈوگرہ حوالدار نے کہا۔

”بکو مت اوئے...... سب راشن آ گیا“۔

حوالدار اپنی نگرانی میں سپلائی کے کریٹ مزدوروں سے اتروانے لگا......اس نے کمانڈو عمران کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”تم کون ہو جوان؟ ٹھیکیدار کہاں ہے“۔

عمران نے ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام کیا اور بڑی مسکین اور عاجزانہ لہجے میں کہا۔

”ماراج جی! میرا نام جگدیش چندر ہے...... میں ٹھیکیدار جی کا بھتیجا ہوں انہیں جموں سے ضروری کام پر دلی ہیڈ کوارٹر جانا پڑ گیا ہے...... چاچا جی نے مجھے بھیج ہے کہ اپنی نگرانی میں سپلائی اوپر پہنچاؤ...... میں بھی جموں میں ملٹری کنٹریکٹ رہ ماراج! ہی ہی“۔

حوالدار نے ایک گہری نظر عمران پر ڈالی...... عمران کا منہ احمقوں کی طرح آ کھلا تھا اور وہ مزدوروں کو ڈانٹ ڈپٹ کر رہا تھا...... ڈوگرہ حوالدار نے کہا۔

”مارٹر کے گولے اس طرف رکھ اوئے...... باقی میگزین کے کریٹ اس ط لگا دو“۔

کمانڈو جبران پندرہ مزدوروں کے ساتھ مل کر کام میں لگا ہوا تھا...... عمران جگدیش چندر کے روپ میں مارٹر کے گولوں کے کریٹ خود ایک جگہ لگ

تھا...... انہیں ان گولوں کے کریٹوں میں کسی کریٹ کے ساتھ ٹائم بم لگانا تھا...... اسے معلوم تھا جب ٹائم بم کے ساتھ مارٹر کے گولوں کا سٹاک پھٹے گا تو وہاں ڈوگرہ سپاہیوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا...... وہ مارٹر گولوں کے کریٹ ایک جگہ لگواتے ہوئے وہیں بیٹھ گیا اور بظاہر کریٹوں کو ٹھیک طرح سے لگانے لگا...... وہ لکڑی کے یٹوں کی اوٹ میں تھا...... اسے صرف چار سیکنڈ لگے اور اس نے صدری میں سے دو م بم نکال کر کریٹوں کے نیچے لگا دیئے...... وہ جلدی سے اٹھ کر مزدوروں کو ڈانٹ ٹ کرتا میگزین کے کریٹوں کی طرف آ گیا اور خود بڑی ذمے داری سے مورچوں ے قریب ہی مشین گنوں کے میگزین کے کریٹ رکھوانے لگا...... اس نے دوسری رف ذرا سا جھک کر دیکھا...... نیچے ڈھلان کے آخر میں پہاڑی کے دامن میں بھارتی پ خانے کی دس کے قریب بفورس توپیں ڈیپلائے تھیں...... اوپر والے مشین ں کے پانچ مورچے اپنی ان توپوں کی حفاظت کر رہے تھے...... اگر پہاڑی کے نیچے ے مجاہدین کا کوئی دستہ ان توپوں تک پہنچنے کی کوشش کرتا تو اوپر والے مورچوں کی ین گنیں انہیں بڑی آسانی سے وہیں بھون سکتی تھیں...... دور سامنے کارگل کی اڑی تھی جس کی چوٹی پر مجاہدین کے مورچے تھے...... ان مورچوں کے نیچے ایک ڑک پہاڑی ڈھلان کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی...... یہ سڑک مجاہدین کے قبضے میں ی اور اس سڑک پر سے مجاہدین کو اوپر اپنے مورچوں تک سپلائی پہنچتی تھی...... کل یہ پیش آ رہی تھی کہ یہ سڑک نیچے پہاڑی والے بھارتی توپ خانے کی زد میں ی اور بھارتی توپیں اس سڑک پر گولہ باری کرتی رہتی تھیں...... اگرچہ پہاڑی ٹارگٹ ٹھیک نشانے پر گولہ فائر کرنا کافی مشکل کام ہوتا ہے...... پھر بھی دس بارہ گولوں کی میں سے ایک آدھ گولہ سڑک پر ضرور پھٹتا تھا جس کی وجہ سے سڑک بلاک جاتی تھی اور اوپر مجاہدین کی سپلائی رک جاتی تھی...... مجاہدین کے پاس کوئی توپ نہیں تھا جہاں سے وہ ان بھارتی بفورس توپوں پر جوابی فائر کر سکتے...... یہی ہو سکتا

تھا کہ مجاہدین کمانڈو ایکشن کر کے نیچے سے اس طرف والی پہاڑی پر چڑھیں اور بھار
توپوں کو تباہ کر دیں، مگر اوپر والے گن مینوں کے مورچے اس بھارتی توپ خان
حفاظت کر رہے تھے، یعنی انہیں کور امبریلا فراہم کر رہے تھے...... اس کے علاوہ تو
خانے کی پہاڑی کے سامنے والی ڈھلان پر بھارتیوں نے جگہ جگہ بارودی سرنگیں
رکھی تھیں تاکہ رات کی تاریکی میں بھی مجاہدین کمانڈو اوپر نہ چڑھ سکیں...... اس
اوپر والے گن مشینوں کے مورچوں پر مجاہدین کا قبضہ ضروری تھا...... اگر اس پہاڑ
کے اوپر والے مورچوں پر مجاہدین کا قبضہ ہو جاتا ہے تو وہ بڑی آسانی سے نیچے پہاڑ
ڈھلان پر ڈیپلائے بھارتی توپوں کو تباہ کر سکتے تھے اور اس مورچے کو بھی اپنے قبضے
لے سکتے تھے...... اس کے نتیجے میں سامنے والی کارگل کی پہاڑی والی وہ سڑک مح
ہو جاتی تھی جہاں سے مجاہدین کو اوپر سپلائی جاتی تھی۔

یہ اس وقت کا سب سے اہم کمانڈو مشن تھا جس کے لیے کمانڈو عمران اور کما
جبران دشمن بھارتی فوج کے مورچوں میں پہنچ چکے تھے اور جس مشن کو وہ اپنی جان
قربانی دے کر بھی کامیاب بنانا چاہتے تھے...... جب کمانڈو عمران نے مشین
مورچوں کے پیچھے بڑی ترتیب سے لگے ہوئے مارٹر گولوں کے کریٹوں میں سے
کریٹ کے چبوترے کے نیچے دونوں طاقتور ٹائم بم لگا کر ان کے بٹن دبا دیئے تو ا
نے اس کمانڈو مشن کا اہم ترین حصہ مکمل کر لیا تھا...... اب ان دونوں کو وہاں سے
کر سیدھا اپنے مجاہدین کی اس پارٹی کے پاس جانا تھا یا انہیں وائرلیس موبائل کے ذ
پیغام دینا تھا کہ اوپر والے مورچوں پر اٹیک کے لئے تیار رہیں...... انہیں ہدایت
گئی تھی کہ جیسے ہی پہاڑی ایمونیشن سٹور اور اوپر والے مورچوں میں دھما
شروع ہوں وہ ایڈوانس شروع کر دیں اور جلدی سے جلدی پہاڑی کے مورچ
اس کے Base پر قبضہ کر لیں۔

کمانڈو عمران نے معنی خیز نگاہوں سے جبران کی طرف دیکھا...... جبران

عمران نے اپنا کام کر دیا ہے اور دونوں ٹائم بم لگا دیئے ہیں اور اب بموں کے دھماکوں
ے پہلے انہیں اس علاقے سے نیچے دور نکل جانا چاہئے...... یہ کوئی دقت طلب کام
ہیں تھا...... کمانڈو عمران نے مزدوروں کے میٹ یعنی نگران سے کہا۔

"اوئے منڈو! ہم نیچے جا رہے ہیں...... تم حوالدار جی کو سپلائی کی تسلی کرا کر
روں کو لے کر نیچے آ جانا"۔

اس کے بعد اس نے ڈوگرہ حوالدار کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور بولا۔

"ماراج! اپنے داس کو آگیا دیجئے...... نیچے بڑے کام ہیں ابھی"۔

ڈوگرہ حوالدار رجسٹر میں ایمونیشن اور راشن سپلائی کا اندراج کر رہا تھا...... اس
نے کہا۔

"جاؤ جاؤ"۔

عمران اور کمانڈو جبران دونوں الگ الگ خچروں پر بیٹھ کر سڑک کی اترائی اترنے
لگے...... یہ پہاڑی خچر تھے...... ان خچروں کو پہاڑوں کی چڑھائی اترائی کا بڑا تجربہ تھا...... وہ
ے آرام سے پہاڑی کی اترائی اتر رہے تھے مگر زیادہ تیز نہیں چل رہے تھے...... عمران
نے کہا۔

"میرے اندازے کے مطابق نیچے Base والے ایمونیشن سٹور کے بموں کو
پھٹنے میں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹہ باقی رہ گیا ہے"۔

جبران نے جواب دیا۔

"ہم زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں اس علاقے سے نکل جائیں گے...... اب
ہمیں نیچے بیس Base پر جانے کی ضرورت نہیں ہے"۔

"نہیں" عمران نے کہا...... "میرا خیال ہے اب ہمیں وہاں جانے کی ضرورت
نہیں ہے اور وہاں جانے کا اب موقع بھی نہیں ہے"۔

کمانڈو جبران بولا۔

"تو پھر ہم ڈھلان ختم ہوتے ہی نیچے گھاٹی میں اتر جائیں گے...... وہاں مجاہدین کا علاقہ زیادہ دور نہیں ہے"۔

عمران نے کہا۔

"لیکن ہمیں یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ ہمارے لگائے ہوئے بم پھٹتے بھی ہیں نہیں؟"۔

جبران بولا۔

"اللہ کے حکم سے بم پھٹیں گے ضرور اور نیچے ایمونیشن سٹور کے پ... دھماکے سے پہاڑی کا مشرقی حصہ اڑ جائے گا اور اوپر والی گن مشینوں کے مورچوں مارٹر گولے بھی ضرور پھٹیں گے اور وہاں پر موجود ایک بھی بھارتی سپاہی زندہ بچے گا"۔

دونوں کمانڈو مجاہد پہاڑی سڑک پر سے آنے کے بعد جنوب کی جانب ایک میں اتر گئے...... ان کے خچر اب جھاڑیوں اور گڑھوں کے درمیان تیزی سے گزر تھے...... آگے پھر چڑھائی آگئی...... یہ گھاٹی کا ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا...... اس دوسری طرف وہ علاقہ تھا جس پر مجاہدین کا قبضہ تھا...... ٹیلے پر آکر وہ خچروں پڑے...... جبران نے کمانڈو عمران سے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں مجاہدین کی پارٹی سے رابطہ کر لینا چاہئے"۔

"ٹھیک خیال ہے"۔

یہ کہہ کر کمانڈو عمران نے اپنی پرانی ہندوانہ صدری کے اندر چھپایا ہوا موبائل وائرلیس سیٹ نکال کر اسے آن کیا...... اس کی مخصوص فریکوئنسی دوسری طرف مجاہدین کی پارٹی کا کمانڈر غازی پہلے سے اس کال کا انتظار کر رہا اس نے فوراً کہا۔

"ہیلو! ہیلو!"۔

دوسری طرف سے کمانڈر غازی کی آواز آئی۔

ہیلو! میں بھارت شوگر ملز سے رام داس بول رہا ہوں"۔

یہ سب کوڈ الفاظ تھے، جن کا مطلب کمانڈو عمران سمجھ رہا تھا...... اس نے بھی کوڈ لفظوں میں کمانڈر غازی کو بتایا کہ گنے کی فصل تیار ہو گئی ہے...... اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے دونوں جگہوں پر بم لگا دیئے ہیں اور اب دھماکوں کا انتظار کر رہے ہیں...... جیسے ہی دھماکے ہوں پارٹی ایڈوانس کر کے دونوں مورچوں پر قبضہ کر لیا جائے۔

دونوں کمانڈو مجاہدوں کی نظریں سامنے والی پہاڑی پر جمی ہوئی تھیں...... جہاں پہاڑی کے ٹیلے کے پڑاؤ پر ایمونیشن سٹور تھا اور اس کے اوپر پہاڑی کی چوٹی سے ذرا نیچے بھارتی مشین گنوں کے مورچے تھے جن کی دوسری طرف نشیب میں انڈین آرٹلری کی بفورس توپوں کی پوری بیڑی تھی...... وقت انہیں بہت سست روی سے گزرتا محسوس ہو رہا تھا...... کمانڈو جبران نے کہا۔

"میرا خیال ہے آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے"۔

عمران نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی۔

"میرے خیال میں پینتیس منٹ باقی ہیں"۔

پینتیس اور تیس منٹ کے درمیان انہیں یقین تھا کہ اوپر دھماکے شروع ہو جائیں گے...... ٹائم بم ان کے آزمائے ہوئے تھے...... ان کے دھوکا دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... سامنے والے پہاڑ کے دامن میں مغربی گھاٹی کے اوپر ڈھلان کے درختوں کے جھنڈ میں اپنے مجاہدوں کی پارٹی کمانڈر غازی کی کمان میں ایڈوانس کے لئے بالکل تیار بیٹھی تھی...... انہیں صرف دھماکوں کا انتظار تھا...... یہ انتہائی تجسس اور جذباتی ہیجان کے لمحات تھے...... آنکھیں پہاڑی پر لگی تھیں...... دل کی دھڑکنیں قدرے تیز ہو گئی تھیں...... تیس منٹ گزر گئے...... کچھ نہ ہوا...... پھر پینتیس منٹ بھی گزر گئے اور کچھ نہ ہوا...... یا اللہ! ہماری لاج رکھ لینا...... پانچ منٹ اور گزر گئے......

عمران کہنے لگا۔

"کوئی نقص پیدا ہو گیا ہے"۔

ابھی یہ جملہ اس کی زبان سے نکلا ہی تھا کہ پہلا دھماکہ پہاڑی ڈھلان پر ایمونیز
سٹور میں ہوا...... یہ صرف ایک دھماکہ تھا...... اس کے فوراً بعد ایک ایسا دھماکہ
جیسے سارے کا سارا پہاڑ پھٹ گیا ہو...... پہاڑی غار کا ایمونیشن پھٹ گیا تھا اور اس
پہاڑی کے شمال مشرقی رخ کا ایک حصہ اڑا دیا تھا...... جبران نے بے چینی سے کہا۔

"اوپر والے مورچوں میں دھماکے نہیں ہو رہے"۔

دھماکوں کے ساتھ ہی اوپر والے مورچوں کی مشین گنیں فائرنگ کر
لگیں...... پھر ایک اور دھماکہ ہوا...... اوپر والے مورچوں سے نیلے رنگ کا شعلہ بلند
اور پھر دھماکے شروع ہو گئے...... اوپر والے مورچے اڑ گئے تھے...... مشین گ
خاموش ہو گئی تھیں...... مارٹر گنوں کے گولے پھٹ رہے تھے...... پہاڑی پر دھوا
دھواں پھیل گیا تھا...... پہاڑی کے دامن میں اللہ اکبر کے نعروں کی آواز سنائی دی۔

جبران نے کہا۔

"مجاہدین ایڈوانس کر گئے ہیں"۔

عمران اوپر والے پہاڑی مورچوں کو دیکھ رہا تھا جہاں ابھی تک دھماکے ہو
تھے۔

"مشین گنیں بھارتیوں کے ساتھ اڑ گئی ہیں"۔

جبران نے کہا۔

"ہمیں فوراً اپنے ٹھکانے پر پہنچنا چاہئے...... وہاں تھوڑی دیر میں فل رپو
آ جائے گی"۔

دونوں مجاہد خچروں پر بیٹھے اور پہاڑی دشوار گزار راستوں سے گزرتے اپ
ٹھکانے پر آ گئے...... وہاں کچھ مجاہد باہر نکل کر اوپر پہاڑیوں کو دیکھ رہے تھے

ؤیں کے بادلوں کے درمیان آگ کے شعلے دھماکوں کے ساتھ بجلی کی طرح چمک
ے تھے اور بلند ہو رہے تھے...... کمانڈو عمران اور جبران کو آتا دیکھ کر مجاہدین نے اللہ
بر کا نعرہ بلند کیا اور دونوں کو مشن کی کامیابی کی مبارک باد دی۔

عمران نے پوچھا۔

"ہمیں فل رپورٹ چاہئے"۔

ایک مجاہد نے کہا۔

"مورچوں پر اپنے مجاہدوں کا قبضہ ہو گیا ہو گا...... ابھی فل رپورٹ مل جائے گی"۔

عمران نے فوراً وائرلیس موبائل پر کمانڈر غازی سے رابطہ قائم کیا...... دوسری
رف سے کھڑکھڑاہٹ کے شور میں کمانڈر غازی کی پرجوش آواز یہ کہتی سنائی دی۔

"پہاڑی مورچوں پر مجاہدین کا قبضہ ہو گیا ہے...... اللہ اکبر"۔

عمران نے موبائل بند کرتے ہوئے یہ خوش خبری سب کو سنا دی...... مجاہدین
للہ اکبر کے نعرے لگانے لگے...... کمانڈو عمران اور جبران نے بڑے جوشیلے انداز میں
یک دوسرے سے ہاتھ ملایا اور ایک دوسرے کو مبارک باد دی...... اب کارگل کی
پہاڑی سڑک جس پر سے مجاہدین کی سپلائی آتی تھی بھارتی بفورس توپوں کی زد سے
محفوظ ہو گئی تھی اور کارگل کی پہاڑی کی بلندیوں پر مجاہدین کا قبضہ مستحکم ہو گیا تھا۔

اس قبضے کو مزید مستحکم اور مستقل کرنا ضروری تھا...... چنانچہ مجاہدین کا ایک اور
مسلح دستہ اوپر کی طرف روانہ کر دیا گیا...... شام پڑتے ہی کمانڈر غازی بھی اپنے خفیہ
ٹھکانے پر پہنچ گیا...... اس نے کہا۔

مبارک ہو...... پہاڑی پر اب مجاہدین کا قبضہ ہے...... دوسری طرف کی بھارتی
ہاڑی کے گنروں کو ہمارے مجاہدین نے اوپر سے اندھا دھند فائرنگ کر کے بھون ڈالا
ہے...... ان کی توپیں ہم نے اڑا دی ہیں"۔

اس مشن کی کامیابی کے بعد کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران نے صرف ایک دن

آرام کیا...... آرام اس طرح کیا کہ وہ ایک جگہ درختوں کے نیچے بنے ہوئے لکڑی کے چھوٹے سے کیبن کے فرش پر کمبل اوڑھ کر سو گئے اور اور شام تک سوئے رہے...... شام کو انہیں کمانڈر غازی نے آکر بیدار کیا اور کہا۔

"میدان جنگ میں مجاہد اس طرح بے فکر ہو کر نہیں سویا کرتے"۔

دونوں مجاہد فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے...... عمران سمجھ گیا کہ کمانڈر غازی کوئی اہم خبر لایا ہے......اس نے پوچھا۔

"خیریت تو ہے نا؟"۔

کمانڈر غازی ان کے پاس لکڑی کے فرش پر بیٹھ گیا...... اس نے اپنی سٹین گن ایک طرف رکھ دی اور کہنے لگا۔

"بھارتی توپوں نے کنٹرول لائن کی دوسری طرف آزاد کشمیر کے دیہات پر گولہ باری شروع کر دی تھی جس کے جواب میں پاک فوج کی آرٹلری نے جوابی کارروائی کر کے بھارتی توپ خانے کی پوری بیڑی کو تباہ کر دیا ہے......انڈین ہائی کمانڈ کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا...... کارگل کی پہاڑی پر قبضے کا ان کا خواب ہمارے مجاہدین نے ہمیشہ کے لئے خاک میں ملا دیا ہے......اب دلی کی حکومت نے دوسرے محاذ پر پاکستان کے خلاف زبردست حملے کی تیاریاں شروع کر دی ہیں، کیونکہ میدان جنگ کے محاذ پر بھارت کو معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کامیابی حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ پاک فوج کی بروقت جوابی کارروائی نے بھارتی فورسز کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں"۔

کمانڈو جبران نے پوچھا۔

"یہ دوسرا محاذ کون سا ہے؟"۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

"وہی ہندو ذہنیت کے گھٹیا حربوں والا محاذ ہے...... ہمیں بڑی تصدیق شدہ اطلاع ملی ہے کہ بھارت کی بدنام زمانہ خفیہ ایجنسی "را" کو الرٹ کر دیا گیا ہے اور اس

کے ہر شہر میں دھماکوں اور افراتفری پھیلانے کا بہت بڑا منصوبہ تیار کیا اس مقصد کے واسطے بھارتی حکومت "را" کی ایجنسی کے زیر انتظام اورنگ آباد قریب جنگل میں ایک ٹریننگ سنٹر قائم کیا گیا ہے جہاں بڑے زور و شور سے ہنگامی بنیادوں پر دہشت گردوں کے ایک تجربہ کار گروہ کو مزید تربیت دی جا رہی ہے...... اس میں خوبصورت ہندو لڑکیاں بھی شامل ہیں جنہیں مسلمانوں کے کلچر سے روشناس کرایا جاتا ہے...... وہاں کلاسز لگتی ہیں جن میں ہندو لڑکیوں اور دہشت گردوں کو اسلام بارے میں لیکچر دیئے جاتے ہیں اور مسلمانوں کے رہن سہن اور ان کے دینی احکام تعلیم دی جاتی ہے اور انہیں بڑی تیزی کے ساتھ تیار کیا جا رہا ہے کہ وہ پاکستان میں وہاں حساس اداروں میں اثر و رسوخ حاصل کر کے ان کے اندرونی راز حاصل کرنے کی کوشش کریں...... دوسری طرف مردوں کو مسلمانوں والا لباس پہنا کر مسلمانوں کے دین کی ساری باتوں سے باخبر کر کے انہیں پاکستان کے مختلف شہروں میں سمگل کر دیا جائے گا...... یہ لوگ اپنے ساتھ دھماکہ خیز مواد بھاری مقدار لے جائیں گے اور پاکستان کے اہم شہروں کے پلوں اور ریل گاڑیوں کے اڑانے کی اہم کوششوں کے علاوہ پاکستان کے مختلف فرقوں کی عبادت گاہوں میں لوگوں کا قتل عام کریں گے تاکہ پاکستان کے مختلف دینی حلقوں میں نفاق اور انتشار پیدا کر کے انہیں ایک دوسرے سے لڑایا جا سکے"۔

عمران بڑے غور سے کمانڈر غازی کی باتیں سن رہا تھا......اس نے پوچھا۔

"اورنگ آباد میں جہاں یہ ٹریننگ کیمپ قائم ہے...... اس کا محل وقوع کیا ہے؟"۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

"اس بارے میں کل دوپہر تک تمہیں پوری رپورٹ مل جائے گی...... ہم یہاں میدان جنگ میں کافروں سے لڑ رہے ہیں...... ہم اس دوسرے محاذ پر لڑنے کے لئے

نہیں جاسکتے۔ یہ محاذ تم ختم کرسکتے ہو، کیونکہ تم دونوں تربیت یافتہ کمانڈو ہو اور اس تم کے دشمن کے حربوں کو اچھی طرح سے سمجھتے ہو اور ان کا سدباب بھی کرسکتے ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ جس طرح سے بھی ہو دہشت گردوں کی اس ٹولی کو پاکستان میں گھسنے سے پہلے ہی ختم کردیا جائے اور یہ کام تم کرسکتے ہو'۔

جبران کہنے لگا۔

"ہم تیار ہیں...... میں اور عمران اورنگ آباد کی جنگلاتی پہاڑیوں سے اچھی طرح سے واقف ہیں...... وہاں دو تین معرکے مار چکے ہیں"۔

کمانڈر غازی نے کہا۔

"کل دوپہر تک انشاءاللہ اپنا آدمی اورنگ آباد کے جنگل کے اس ٹریننگ کیمپ کی پوری رپورٹ لے آئے گا، مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ وہاں تمہیں ابتدائی تر دینے کے لئے اپنا کوئی مسلمان مجاہد موجود ہو...... کیا ایسا کوئی آدمی تمہارے علم میں ہے؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"اس کا بھی انتظام ہو جائے گا...... ہمارے دلی والے جانباز مجاہد حاجی صاحب سلسلے میں ہماری مدد کریں گے...... سب سے پہلے ہمیں اورنگ آباد کے جنگل میں کے دہشت گردی ٹریننگ کیمپ کے محل وقوع کا علم ہونا بہت ضروری ہے"۔

کمانڈر غازی بولا۔

"کل دوپہر انشاءاللہ یہ کام ہو جائے گا"۔

اسی رات کو کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران دیر تک اس نئے مشن کے خدشات امکانات اور اسرار و رموز کے بارے میں باتیں کرتے رہے...... کمانڈو عمران اور آباد سے ڈیڑھ دو سو میل جنوب کی طرف ایک خفیہ مشن کے سلسلے میں کمانڈو جبر کے ساتھ گیا تھا اور وہاں یہ دونوں تین مہینے تک جنگلوں میں رہے تھے اور اپنے

کامیاب ہونے کے بعد وہاں سے لوٹے تھے...... اس مشن کے بارے میں ہم تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے، کیونکہ یہ مشن ایک حساس نوعیت کا تھا۔

دوسرے دن ایک آدمی رپورٹ لے کر آگیا...... اس نے عمران کو کاپی پر اورنگ آباد اور اس کے قریبی جنگل اور وہاں کی پہاڑیوں کا نقشہ بنا کر تمام تفصیلات سے آگاہ کردیا...... اس کے بعد عمران کا اپنے ساتھی کمانڈو جبران کے ساتھ وہاں رہنا مناسب نہیں تھا...... اس نے کمانڈر غازی سے کہا۔

"ہم آج رات کو ہی یہاں سے دلی کی طرف روانہ ہو جانا چاہتے ہیں"۔

غازی نے کہا۔

"تمہیں آج رات ہی روانہ ہو جانا چاہئے...... ہمارا ایک مجاہد بطور گائیڈ تمہارے ساتھ جائے گا اور تمہیں جموں جانے والی بس میں بٹھا کر واپس آئے گا"۔

آدھی رات تک انہوں نے کمین گاہ میں ہی آرام کیا...... رات کے ایک بجے گائیڈ آگیا...... وہ اپنے ساتھ تین خچر لایا تھا...... کمانڈر غازی انہیں چھوڑنے گھاٹی کے آخری ٹیلے تک آیا...... دونوں کمانڈو مجاہدوں نے ہندوانہ لباس اور ہندوانہ حلیہ بنا رکھا تھا...... انہوں نے اپنے پاس کوئی اسلحہ اور کمانڈو چاقو وغیرہ نہیں رکھے تھے...... رات کے ڈیڑھ بجے کمانڈو عمران اور جبران خچروں پر سوار ہو کر اپنے گائیڈ کے ہمراہ پہاڑیوں میں ایک پگ ڈنڈی پر چل پڑے...... وہ کئی کھائیوں گھاٹیوں، خشک نالوں اور پہاڑی ٹیلوں کے دامن میں سے گزرے...... رات کے اندھیرے میں انہیں راستہ تلاش کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہو رہی تھی...... وہ اس قسم کے سفر کے عادی تھے...... رات کے پچھلے پہر تک ان کا سفر جاری رہا...... آسمان پر صبح کا نور جھلکنے لگا تھا...... جب وہ ایک پہاڑی درے میں سے گزر کر اوپر ایک چھوٹی سی پکی سڑک پر نکل آئے...... یہ سڑک آگے جا کر ایک پکی سڑک پر جا کر ختم ہو جاتی تھی۔

یہ پکی سڑک جموں بانہال روڈ تھی...... سرینگر سے چلی ہوئی پہلی لاری یہاں

سورج طلوع ہونے سے تھوڑا پہلے پہنچتی تھی...... انہوں نے گائیڈ کو رخصت کر دیا اور خود سڑک کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھ کر جموں جانے والی لاری کا انتظار کرنے لگے...... یہاں لاری میں الگ الگ سفر کرنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ سری نگر سے رات کے پچھلے پہر جو لاری چلتی تھی اس کے مسافر اکثر لاری میں سوئے ہوئے ہوتے تھے...... جو جاگ رہے ہوتے تھے وہ غنودگی کے عالم میں ہوتے تھے...... دن کا اجالا ارد گرد کی پہاڑیوں کی ڈھلانوں اور وادیوں میں پھیل رہا تھا کہ انہیں سڑک پر لاری آتی دکھائی دی...... دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے...... لاری نے دور سے ہارن دیا...... عمران نے عام دیہاتیوں کی طرح ہاتھ ہلا ہلا کر ڈرائیور کو رکنے کا اشارہ کیا...... لاری ان کے قریب آ کر رک گئی...... کلینر نے دروازہ کھول کر پوچھا۔

"کہاں جاؤ گے؟"۔

عمران نے اس علاقے کی بولی کے لہجے میں کہا کہ ہم شیرانوالی ماتا جی کے درشن کو جموں جا رہے ہیں...... کلینر نے نیند بھری آواز میں کہا۔

"اندر آ جاؤ"۔

دونوں لاری میں سوار ہو گئے...... لاری آگے روانہ ہو گئی۔

یہ بڑا لمبا سفر تھا...... سارا دن لاری کشمیر کی گہری گھاٹیوں اور سرسبز وادیوں میں سے گزرتی رہی...... شام کے وقت لاری بانہال اور کد کے درمیان ایک جگہ پر رک گئی...... وہاں انہوں نے رات بسر کی اور دوسرے دن صبح منہ اندھیرے لاری جموں کی طرف روانہ ہو گئی...... جیسے جیسے دن کا اجالا پھیلتا گیا لاری جموں کے بھورے رنگ کے پہاڑی سلسلے میں داخل ہوتی گئی...... دوپہر کے وقت وہ جموں پہنچ گئے...... جموں کے لاری اڈے پر ہی ایک ویشنو ہوٹل میں انہوں نے کھانا کھایا اور وہیں بیٹھ کر جموں سے براستہ ہوشیارپور، گورداسپور، امرتسر جانے والی بس کا انتظار کرنے لگے...... دو گھنٹے کے بعد انہیں امرتسر جانے والی لاری مل گئی اور وہ امرتسر کی طرف چل پڑے......

سارا راستہ خیریت سے کٹ گیا...... دونوں کمانڈو حلیے سے بالکل دیہاتی ہندو لگتے تھے...... ان کا پروگرام جموں سے سیدھا جالندھر لدھیانہ جانے کی بجائے امرتسر سے دلی کی ٹرین پکڑنے کا تھا، کیونکہ جالندھر میں انٹیلی جنس والوں کا زیادہ زور ہوتا ہے اور انٹیلی جنس کے آدمی جموں سے آنے والی لاریوں کی خاص طور پر نگرانی کرتے ہیں۔

شروع رات بس نے انہیں امرتسر پہنچا دیا...... لاری کا اڈہ امرتسر ریلوے سٹیشن کے قریب ہی تھا...... وہ ریل کا سیڑھیوں والا پل عبور کر کے امرتسر ریلوے سٹیشن پر گئے...... یہاں انہیں معلوم ہوا کہ رات کو کوئی گاڑی دلی کی طرف نہیں جاتی...... انہیں صبح نو پچاس پر راجدھانی ایکسپریس ہی پکڑنی پڑے گی...... اب رات گزارنے کا مسئلہ سامنے تھا...... عمران نے کہا۔

"سٹیشن کے مسافر خانے میں رات گزارنا ٹھیک رہے گا...... بجائے اس کے کہ ہم کسی ہوٹل میں کمرہ لے کر رات گزاریں...... ہوٹلوں کے باہر سی آئی ڈی ضرور موجود ہوتی ہے"۔

جبران نے کہا۔

"یہی مناسب ہے؟"۔

امرتسر سٹیشن کا تھرڈ کلاس کا مسافر خانہ پلیٹ فارم کے قریب باہر کی جانب کھلی جگہ پر بنا ہوا تھا...... جبران کہنے لگا۔

"کھلے مسافر خانے میں رات بسر کرنا ہمارے لئے خطرے کا باعث ہو سکتا ہے...... بہتر یہی ہے کہ ہم اندر پلیٹ فارم پر جا کر سیکنڈ کلاس کے مسافر خانے میں رات گزار دیں...... سیکنڈ کلاس میں ہم نسبتاً محفوظ رہیں گے...... کیا خیال ہے؟"۔

"مجبوری ہے" عمران بولا...... "چلو سیکنڈ کلاس کے مسافر خانے میں چلتے ہیں"

سیکنڈ کلاس کے مسافر خانے میں کئی مسافر پہلے سے موجود تھے...... ان میں ...ؤں کی تعداد زیادہ تھی...... صرف بیٹھنے کی جگہ تھی...... سونے کی جگہ ملنے کا سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا تھا...... مسافروں نے پہلے سے بنچوں پر بستر لگا رکھے تھے...... دونوں مجاہد ایک بنچ پر بڑی مشکل سے دو آدمیوں کی جگہ بنا کر بیٹھ گئے...... ایک سکھ سردار جی نے ان سے باتیں شروع کر دیں۔

"کہاں جا رہے ہو بھائیا جی؟"۔

عمران اور جبران دونوں ڈوگری لہجے میں پنجابی بولنے میں ماہر تھے مگر وہ سردار جی کے ساتھ زیادہ باتیں نہیں کرنا چاہتے تھے...... جبران تو خاموش رہا...... عمران نے کہا کہ وہ دلی جا رہے ہیں۔

"تم جموں کے لگتے ہو...... دلی کیا کرنے جا رہے ہو؟"۔

عمران نے بیزاری کے ساتھ اسے بتایا کہ دلی اس کا ایک رشتے دار رکشا چلاتا ہے...... اس نے انہیں وہاں کسی کارخانے میں مزدوری کا کام دلانے کا وعدہ کیا ہے۔

سردار جی بالوں میں کنگھا پھیر رہے تھے...... کہنے لگے۔

"اپنا شہر چھوڑ کر دلی جا کر کیا کرو گے؟ وہاں پہلے ہی بندے پر بندہ چڑھا ہوا ہے...... مہنگائی اتنی ہے کہ بندے کے طور بطور گھوم جاتے ہیں...... میری مانو تو یہیں سے واپس جموں والی لاری پکڑ لو"۔

عمران نے کوئی جواب نہ دیا اور سر دیوار کے ساتھ لگا کر آنکھیں اس طرح کر لیں جیسے اسے نیند آ رہی ہو...... سردار جی کچھ دیر تو خاموش رہے...... پھر انہوں جبران کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"تمہارا ساتھی تو سو گیا ہے...... تم ہی کوئی بات کرو...... میری مانو......؟ واپس چلے جاؤ...... دلی میں تمہیں کوئی نہیں پوچھے گا"۔

جبران سردار جی کا منہ تکتے ہوئے گونگوں کی طرح مسکرایا اور غوں غاں کر لگا...... سردار جی نے کہا۔

"اوئے تم تو گونگے ہو...... چلو بھائیا جی کوئی بات نہیں"۔

اور پھر وہ منہ ہی منہ میں گوربانی کے شبد گنگناتے کسی کام سے ویٹنگ روم سے باہر چلے گئے...... عمران نے ہنس کر کہا۔

"یہ تم نے بڑا اچھا کیا کہ اپنے آپ کو گونگا ظاہر کر دیا ورنہ سردار جی تمہارے گلے پڑ گئے تھے...... اب صبح تک گونگا ہی بنے رہنا...... مگر چلو پہلے باہر جا کر کچھ بھوجن پانی کرتے ہیں"۔

وہ اٹھ کر پلیٹ فارم پر آ گئے...... یہاں ایک ریڑھی والا دال چاول لگائے ہوئے تھا...... انہوں نے وہیں ریڑھی کے پاس کھڑے ہو کر دال چاول کھائے اور ویٹنگ روم کی طرف جانے لگے تو جبران نے کہا۔

"سردار جی سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا...... میری مانو اور فسٹ کلاس کے ویٹنگ روم میں چلے چلتے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"ہمارا حلیہ تھرڈ کلاس کے مسافروں والا ہے...... بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سیکنڈ کلاس کے مسافر کا نوکر ظاہر کر سکتے ہیں...... فسٹ کلاس میں کسی نے ٹکٹ وغیرہ پوچھ لیا تو مصیبت بن جائے گی"۔

جبران بولا۔

"ابھی تو کسی مسافر کے پاس بھی ٹکٹ نہیں ہو گا...... ٹکٹ تو صبح ٹرین کے پلیٹ فارم پر لگنے سے کچھ دیر پہلے خریدا جائے گا...... کھڑکی اس وقت کھلے گی"۔

"ہاں...... یہ بات بھی ہے...... چلو فسٹ کلاس میں ہی چلے چلتے ہیں"۔

دونوں فسٹ کلاس کے ویٹنگ روم میں آ گئے...... فسٹ کلاس ویٹنگ روم میں کچھ بڑے اچھے اچھے کپڑوں والے پڑھے لکھے اور خوش حال مسافر اپنے اپنے سامان کے ساتھ آرام سے بیٹھے تھے...... کوئی اخبار پڑھ رہا تھا...... کوئی کسی رسالے کا مطالعہ کر رہا تھا...... دونوں مجاہد نوکروں کی طرح اندر داخل ہو کر ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ

کر زمین پر ہی بیٹھ گئے...... انہوں نے فیصلہ بھی یہی کیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو کسی ا
آدمی کا ملازم ظاہر کریں گے، لیکن کسی نے ان سے کچھ نہ پوچھا اور وہاں کوئی ٹکٹ چ
بھی نہ آیا...... ساری رات سوتے جاگتے، اونگھتے گزر گئی...... راجدھانی ایکسپر
امرتسر ہی سے تیار ہوتی تھی...... گاڑی کی روانگی کا ٹائم نو بچاس تھا...... ٹرین ساڑھے
آٹھ بجے آکر پلیٹ فارم پر لگ گئی...... عمران جاکر دو انٹر کلاس کے ٹکٹ لے آیا
ٹرین کے روانہ ہونے سے صرف پندرہ منٹ پہلے وہ ویٹنگ روم سے نکل کر ٹرین ک
انٹر کلاس کے ڈبے میں سوار ہو گئے۔

راجدھانی ایکسپریس ٹھیک وقت پر روانہ ہو گئی۔

امرتسر سے چل کر ٹرین جالندھر جاکر رکی تو دونوں مجاہد محتاط ہو گئے تھے اور
کی نظریں کھڑکی کے باہر پلیٹ فارم کا جائزہ لے رہی تھیں...... خدا کا شکر رہا
جالندھر سے گاڑی چل پڑی...... آگے کوئی اتنا زیادہ خطرہ نہیں تھا...... مسافر چڑ
رہے اور اترتے رہے...... شام کا اندھیرا رات کی تاریکی میں بدل رہا تھا کہ راجد
ایکسپریس دلی کے سٹیشن میں داخل ہو گئی...... اتنے بڑے سٹیشن پر مسافروں کے
میں وہ بڑے آرام سے سٹیشن سے باہر آگئے...... انہوں نے ایک آٹو رکشا پکڑا اور
صاحب کے ہوٹل کی طرف جانے کی بجائے ان کے پلاٹ والی رہائش گاہ کی طرف
روانہ ہو گئے...... خالی پلاٹ کے میدان کے پاس انہوں نے رکشا چھوڑ دیا اور وہاں
پیدل رہائش گاہ پر آئے...... بوڑھا ملازم رسوئی میں اپنے لئے دال پکا رہا تھا...... عمر
اور جبران کو دیکھ کر وہ کچن سے باہر آگیا...... انہوں نے بڑے میاں کو سلام کیا اور کہ
وہ ابھی باہر سے دلی پہنچے ہیں...... عمران نے کہا۔

”بڑے میاں دال ذرا زیادہ بنا لینا...... ہمیں بڑی بھوک لگی ہے“۔

بوڑھے ملازم نے کہا۔

”فکر نہ کریں...... میں ہمیشہ دو آدمیوں کے لئے فالتو دال بنایا کرتا ہوں“۔

وہ کمرہ کھول کر اندر آکر بیٹھ گئے...... جبران نے کہا۔

”میرا خیال ہے کسی ٹیلی فون بوتھ سے حاجی صاحب کو فون کر دینا چاہئے کہ ہم دلی پہنچ چکے ہیں“۔

عمران بولا۔

”اچھا خیال ہے...... جب تک بڑے میاں کھانا بناتا ہے میں حاجی صاحب کو فون کر کے آتا ہوں“۔

اسے معلوم تھا کہ میدان کے دوسرے کنارے پر کالونی کے چوک میں ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ لگا ہوا ہے...... اس سے پہلے بھی وہ اس جگہ سے حاجی صاحب کو فون کیا کرتا تھا...... ابھی رات زیادہ نہیں ہوئی تھی...... نو سوا نو بجے کا وقت تھا...... عمران کالونی کی طرف چل پڑا...... ٹیلی فون بوتھ پر جاکر اس نے حاجی صاحب کو فون کر دیا...... دوسری طرف سے حاجی صاحب ہی بولے...... عمران نے کہا۔

”حاجی صاحب میں...... بول رہا ہوں“۔

وہ ہمیشہ حاجی صاحب کو فون کرتے وقت اپنا ایک خفیہ نام بتایا کرتا تھا...... یہ نام صرف عمران اور حاجی صاحب کو ہی معلوم تھا...... اس راز کو راز ہی رکھنے کی خاطر ہم بھی عمران کے فرضی نام کو ظاہر نہیں کریں گے...... حاجی صاحب نے کہا۔

”رات آرام کرو...... میں کل دن کے وقت آؤں گا...... پھر بات کریں گے“۔

دوسرے دن کوئی گیارہ بجے کے قریب حاجی صاحب اپنی پرانی گاڑی لے کر وہاں پہنچ گئے...... وہ ان کا انتظار کر رہے تھے...... انہوں نے انہیں اپنے کمانڈو آپریشن کی مکمل تفصیلات سنائیں...... بڑے خوش ہوئے...... کہنے لگے...... ”بھارتی حکومت نے اس خبر کو توڑ مروڑ کر پریس میں ریلیز کیا ہے...... اس خبر میں یہ نہیں کہا گیا کہ مجاہدین نے ہماری پہاڑی چوکیوں پر قبضہ کر لیا ہے، بلکہ خبر میں یہ کہا گیا ہے کہ ایک زبردست جھڑپ میں ہم نے دشمن کو کافی نقصان پہنچایا، لیکن فوجی مصلحت کی وجہ سے ہمیں ایک

چو کی خالی کرنی پڑی ہے"۔

حاجی صاحب اس کے بعد اصل موضوع پر آ گئے...... کہنے لگے۔

"اب تم کس مشن پہ جانے والے ہو اور میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں"۔

کمانڈو عمران نے حاجی صاحب کو بھارتی حکومت کی پاکستان دشمن سرگرمیوں خفیہ ایجنسی "را" کے مذموم خفیہ عزائم سے آگاہ کیا اور بتایا کہ دکن میں اورنگ آباد قریب جنگل میں "را" کے زیر اہتمام ایک ٹریننگ کیمپ لگایا گیا ہے جہاں دہشت گ مردوں اور ہندو لڑکیوں کو پاکستان جا کر دہشت گردی کرنے کی تربیت دی جا ہے...... عمران نے کہا۔

"ہمارا مشن اس کیمپ کو تباہ کرنا ہے مگر حیدر آباد، دکن میں ہمیں کوئی اپنا آ چاہیے جو ہمیں بعض امور کے بارے میں گائیڈ کر سکے...... کیا آپ کی نظر میں وہاں ک ایسا آدمی ہے؟"۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"ایک بات کبھی نہ بھولنا کہ ہندوستان میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں و وہاں پاکستان سے بے پناہ محبت کرنے والے مسلمان موجود ہیں...... میں تمہیں ا ایسے آدمی کا پتہ بتائے دیتا ہوں...... وہ ایک عرصے سے اورنگ آباد میں مقیم ہے خفیہ طور پر پاکستان کی خدمت کر رہا ہے...... اندرونی طور پر اس کا تعلق رضاکارو اس تنظیم سے ہے جو دکن پر بھارتی فوجوں کے حملے کے وقت ان کے خلاف بہادری سے لڑے تھے مگر وسائل کی کمی کی وجہ سے جنگ ہار گئے تھے اور اب دک انڈر گراؤنڈ یعنی زیر زمین رہ کر وہاں مسلمانوں کی ایک علیحدہ سٹیٹ بنانے کے کام کر رہے ہیں"۔

کمانڈو جبران نے پوچھا۔

"ان صاحب کا نام کیا ہے؟"۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"اس آدمی کا اصلی نام بہت کم لوگوں کو معلوم ہے...... مجھے معلوم ہے مگر میں بھی تمہیں نہیں بتاؤں گا، لیکن وہ اورنگ آباد میں عالی جاہ کے لقب سے مشہور ہیں...... سب لوگ انہیں عالی جاہ کہہ کر ہی مخاطب کرتے ہیں...... ادھیڑ عمر دبلے پتلے آدمی ہیں...... بنگلور کے رہنے والے مسلمان ہیں...... سادات فیملی سے تعلق ہے...... شادی کی، دس سال تک کوئی اولاد نہ ہوئی...... بیوی فوت ہو گئی...... بیوی سے اتنی محبت کرتے تھے کہ اس کی وفات کے بعد شادی ہی نہیں کی...... بنگلور سے اورنگ آباد چلے آئے اور بیس برس سے اورنگ آباد میں ہی مقیم ہیں اور پیشے کے اعتبار سے جلد ساز ہیں...... کلاسیکی پرانی کتابوں کی چمڑے کی جلدیں بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے...... جنوبی ہند کی تقریباً سبھی مسلم لائبریریوں میں کتابیں عالی جاہ صاحب سے ہی مجلد کروا کر رکھی جاتی ہیں"۔

پھر حاجی صاحب نے عالی جاہ کا ایڈریس ہمیں لکھ کر دیا اور بولے۔

"اورنگ آباد کی چھاؤنی کا جو علاقہ ہے وہ کافی ماڈرن ہے...... وہاں جدید عمارتیں ہیں، لیکن اورنگ آباد شہر کا علاقہ پرانا ہے...... اگرچہ اب وہاں بھی نئی بلڈنگیں اور شاپنگ پلازا بن گئے ہیں، لیکن اورنگ آباد کا اپنا تاریخی رنگ ویسے کا ویسا ہے...... وہ اتنا زیادہ نہیں بدلا...... وہی پرانی گلیاں ہیں...... گلیاں اور مکان ڈھائی سو سال کی پرانی یادیں تازہ کرتے ہیں...... اسی پرانے علاقے کی ایک گلی میں عالی جاہ رہتے ہیں...... اوپر رہائش ہے...... نیچے جلد سازی کی دوکان ہے...... تم عالی جاہ سے جا کر ملو...... میں تمہیں ایک خط دوں گا...... وہ انہیں دے دینا...... وہ ساری بات سمجھ جائیں گے...... تم کب جا رہے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"ہم جتنی جلدی ہو سکے وہاں پہنچنا چاہتے ہیں، کیونکہ "را" کے عہدے دار بڑی

تیزی سے دہشت گردوں کو ٹریننگ دے رہے ہیں تاکہ پاکستان میں تخریب کاری جتنی
جلدی ہو سکے شروع کر دی جائے اور پاکستان میں اندرونی خلفشار پیدا ہو جائے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"ٹھیک ہے...... تم کل ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤ...... دکن کوئین دلی سے صبح
وقت چلتی ہے...... دلی سے اورنگ آباد تیس بتیس گھنٹوں کا سفر ہے...... تمہیں جتنے
پیسوں کی ضرورت ہو گی میں تمہیں دے دوں گا...... فوراً اورنگ آباد پہنچ کر عالی جاہ
سے ملو...... وہ تمہارے مشن کے سلسلے میں تمہاری ہر طرح سے مدد کریں گے......
بہت دلیر اور پاکستان اور اسلام پر جان نثار کرنے والے آدمی ہیں، مگر وہاں اپنا ہندوانہ
حلیہ بنا کر جانے کی ضرورت نہیں ہے دکن میں مسلمان بہت آباد ہیں...... وہاں
اکثریت کی زبان ابھی تک بڑی اچھی اردو ہے۔

تم عام پتلون قمیض میں جا سکتے ہو...... وہاں سردی وغیرہ بالکل نہیں ہے"۔

حاجی صاحب کی معلومات کی روشنی میں عمران اور جبران نے وہیں کمرے میں
ہندوانہ لباس اتار کر اپنی پرانی پتلون قمیض پہن لی اور ان ہی کپڑوں میں رات
سو گئے...... صبح ٹھیک وقت پر ریلوے سٹیشن پہنچ گئے...... حاجی صاحب کا عالی جاہ کے
ایک خط کمانڈو عمران کی جیب میں تھا...... دکن کوئین دلی سے تیار ہوتی تھی...... وہ
میں سوار ہو گئے اور گاڑی جنوبی ہند کے سطح مرتفع کے علاقوں کی طرف
بڑی...... اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کافی لمبا سفر تھا...... گاڑی راستے میں بھی
ہو گئی اور بتیس کی بجائے چھتیس گھنٹوں کے تھکا دینے والے طویل سفر کے بعد او
آباد پہنچی...... اس وقت دن کے گیارہ بجے کا وقت تھا...... آسمان پر بادل چھائے ہو
تھے...... ان سارے جنوبی ہند کے علاقوں میں بارشیں بہت ہوتی ہیں...... ساون
موسم میں تو کئی کئی دن آسمان ابر آلود رہتا ہے...... ایک دن پہلے اورنگ آباد میں
ہو چکی تھی، جس وقت عمران اور جبران سٹیشن پر ٹرین سے اترے بارش ہو چکی تھی

انہیں عالی جاہ کے محلے کا نام معلوم تھا...... آٹو رکشے میں بیٹھ کر وہ عالی جاہ کے
ے میں آگئے...... پوچھتے پوچھتے وہ عالی جاہ کی دوکان پر پہنچ گئے...... انہوں نے دیکھا کہ
ب دکان میں دبلا پتلا پکی عمر کا سانولی رنگت مگر تیکھے نقوش والا آدمی شکنجے میں کتابوں
لگا رہا تھا...... ایک شاگرد لڑکا گتے کے بڑے بڑے تختے ایک طرف لگا رہا تھا۔

عمران اور جبران دکان میں داخل ہو کر السلام علیکم کہہ کر ایک طرف پرانی
سیوں پر بیٹھ گئے...... عالی جاہ نے وعلیکم السلام کہہ کر ان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"فرمائیے...... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں"۔

عمران نے جیب سے حاجی صاحب کا خط نکال کر ان کے حوالے کر دیا...... شکنجے کو
ب طرف کر کے عالی جاہ نے لفافہ چاک کر کے حاجی صاحب کا خط نکالا اور اسے پڑھنا
روع کر دیا۔

خط پڑھ کر انہوں نے تہہ کر کے اپنی صدری کی اندر والی جیب میں رکھا اور
رکے سے چائے لانے کو کہا...... جب لڑکا چلا گیا تو عالی جاہ عمران اور جبران کی طرف
توجہ ہوئے...... کہنے لگے۔

"پہلے یہ بتائیے کہ کیا آپ کو یقین ہے کہ سٹیشن سے یہاں تک آپ کے پیچھے
ئی مشکوک آدمی نہیں لگا ہوا تھا؟"۔

عمران نے کہا۔

"ہم اپنے تجربے کی بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پیچھے ایسا کوئی آدمی نہیں تھا"۔

عالی جاہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی ذہین آنکھیں سکیڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے آپ پر یقین ہے...... ہمیں یہاں بہت محتاط رہنا پڑتا ہے...... کوئی اجنبی
چہرہ ٹرین سے اترے تو وہاں موجود خفیہ پولیس والے اس کی طرف ضرور متوجہ ہوتے
ہیں...... بہر حال حاجی صاحب نے مجھے پوری بات سمجھا دی ہے...... آپ ایک بات یاد
لیں...... یہاں کوئی بھی آپ سے پوچھے تو آپ انہیں یہی کہیں گے کہ آپ کی بنگلور

میں لائبریری ہے اور آپ لائبریری کی بعض تاریخی نوعیت کی نادر کتابوں کی جلد بندی کی بات کرنے یہاں آئے ہیں اور آپ مجھے جلد بندی کے لئے بنگلور ساتھ لے جانا چاہتے ہیں کیونکہ کتابوں کی تعداد بہت زیادہ ہے...... یہ کہ آپ مسلمان ہیں اور کسی دینی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں...... اس کے سوا آپ یہاں کسی کو اور کچھ نہیں بتائیں گے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"آپ ہمیں جو ہدایات دیں گے...... ہم اس پر پوری ذمے داری سے عمل کریں گے...... عالی جاہ بولے...... آپ اوپر میرے مکان پر ہی رہیں گے...... اگر آپ یہاں کسی ہوٹل میں ٹھہرے تو یہاں کی خفیہ پولیس والوں کی نگاہوں میں آجائیں گے"۔

لڑکا چائے لے کر آگیا...... ساتھ بسکٹ بھی تھے...... چائے پینے کے بعد عالی جاہ نے لڑکے سے کہا۔

"شفیق میاں اوپر جا کر بائی اماں سے کہو بازار سے دو مرغیاں لے آئے...... بنگلور سے دو مہمان آئے ہیں"۔

دکان کے اندر ہی سے اوپر مکان کو زینہ جاتا تھا...... لڑکا اوپر گیا تو عمران نے کہا

"آپ ناحق تکلف کر رہے ہیں"۔

عالی جاہ نے شکنجے میں کتابوں کو کستے ہوئے کہا۔

"بھائی آپ کی وجہ سے ہم بھی آج مرغی کھالیں گے...... اس میں تکلف کی بات نہیں ہے"۔

دکان میں ان تینوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا...... عالی جاہ کہنے لگے۔

"بھائی مجھے اس سلسلے میں آج کی رات اورنگ آباد سے باہر ایک جگہ جانا ہو گا...... میں رات ہوتے ہی چلا جاؤں گا...... تم اس دوران اوپر مکان پر ہی رہنا...... اماں میری پرانی ملازمہ ہے...... بوڑھی خاتون ہیں...... بہت کم بات کرتی ہیں اور

بہت کم سنتی ہے...... ان کی انہی خوبیوں کی وجہ سے میں نے انہیں اپنے ہاں رکھا ہوا ہے...... صبح آتی ہیں اور رات کو کھانا وغیرہ بنا کر چلی جاتی ہیں...... بڑی پرہیزگار خاتون ہیں"۔

بائی اماں نے دوپہر کو بڑا مزیدار سالن پکایا مگر اس میں مرچیں زیادہ تھیں...... عالی جاہ نے ہمارے آگے دہی کا پیالہ رکھ دیا...... کہنے لگے۔

"میاں دہی ساتھ ساتھ کھاتے جانا...... جنوبی ہند میں لوگ مرچیں زیادہ کھاتے ہیں...... سارا سال مرعوب موسم رہتا ہے اس وجہ سے یہاں مرچ زیادہ استعمال ہوتی ہے"۔

رات کو بھی بائی اماں نے بڑی لذیذ ترکاری بنائی...... کھانا دے کر بائی اماں چلی گئیں...... مکان پر کمانڈو جبران، عمران اور عالی جاہ اکیلے رہ گئے...... ملازم لڑکا شام کو چلا گیا تھا...... عالی جاہ بولے۔

"آپ لوگوں کو کسی شے کی ضرورت پڑے اور اس کے لئے بازار جانا پڑے تو دکان والے زینے سے نہیں بلکہ دوسرے زینے سے باہر چلے جائیں جو گلی میں اترتا ہے...... ویسے میرے آنے تک اگر آپ نیچے نہ ہی اتریں تو زیادہ مناسب ہوگا"۔

عمران نے کہا۔

"ہم مکان پر ہی رہیں گے"۔

تھوڑی دیر بعد عالی جاہ یہ کہہ کر چل دیئے کہ میں انشاء اللہ صبح چھ سات بجے واپس آجاؤں گا...... ان کے جانے کے بعد دونوں مجاہد کمرے میں اکیلے بیٹھے اپنے مشن کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔



کمانڈو عمران نے کہا۔

”میرا خیال ہے عالی جاہ رضا کاروں کی زیرِ زمین تنظیم کے کسی عہدے دار
ملنے گئے ہیں، کیونکہ ہمارے مشن میں وہی لوگ ہماری کارگر مدد کر سکتے ہیں اور ہم
اسلحہ وغیرہ بھی سپلائی کر سکتے ہیں“۔

جبران کہنے لگے۔

”رضا کاروں کی تنظیم بڑے دلیر حیدر آبادی مسلم نوجوانوں کی تنظیم تھی
افسوس کہ یہ لوگ ریاست دکن میں چاروں طرف سے گھر گئے تھے اور بھارتی فو
مقابلہ کرنے کے لئے انہیں باہر سے کوئی مدد نہیں پہنچ سکتی تھی...... اگر حیدر
ریاست کی کوئی سرحد کسی مسلمان ملک یا چین سے ہی ملی ہوئی ہوتی تو انڈیا اتنی آ
سے مسلمانوں کی اس سب سے قدیم اور سب سے بڑی ریاست پر کبھی قبضہ
کر سکتا تھا“۔

عمران بولا۔

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو...... حیدر آباد دکن مسلمانوں کی عظمت کی آئی
رہی ہے...... اس ریاست نے بڑے زبردست مسلمان علمائے دین اور لیڈر پیدا ک
اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی نشوونما اور اردو زبان کی ترقی و ترویج میں اس ریاست
کارہائے نمایاں ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا زریں باب ہے“۔

جبران نے گہرا سانس بھرتے ہوئے کہا۔

”افسوس کہ کافروں نے اس اسلامی ریاست پر غاصبانہ قبضہ کر لیا اور آج نظام
ے عالی شان اور مسلم طرز تعمیر کے آئینہ دار محلات پر بھارت کا جھنڈا لگا ہوا ہے“۔

عمران نے کہا۔

”زمانے کے انقلابات ہیں“۔

جبران بولا۔

”لیکن رضا کار خاموش نہیں بیٹھ گئے...... وہ اپنی پرجوش تنظیم کو لے کر زیرِ زمین
چلے گئے ہیں اور ریاست دکن میں پھر سے اسلامی حکومت کے احیاء کے لئے بڑی
قربانیاں دے کر جدوجہد کر رہے ہیں“۔

عمران نے کہا۔

”خدا انہیں کامیاب کرے“۔

رات کو کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد دونوں سو گئے...... صبح اٹھے تو اورنگ
آباد کی کسی مسجد سے اذان کی آواز آ رہی تھی...... جبران کہنے لگا۔

”اورنگ زیب عالمگیر کے تعمیر کردہ اس شہر میں اذان کی آواز کس قدر اچھی لگتی
ہے...... مسجد میں تو ہم جا نہیں سکتے...... چلو آج گھر پر ہی صبح کی نماز پڑھ لیتے ہیں“۔

انہوں نے اٹھ کر وضو کیا اور صبح کی نماز ادا کی اور بڑے خضوع و خشوع سے
پروردگار کے حضور اپنے مشن کی کامیابی کے لئے دعا کی...... تھوڑی دیر بعد بائی اماں
آ گئی...... اس نے عمران اور جبران کو ناشتہ بنا کر دیا اور رسوئی میں بیٹھ کر دوپہر کے لئے
ترکاری وغیرہ بنانے لگی...... آٹھ بجے کے قریب عالی جاہ بھی آ گئے...... انہوں نے
غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا اور بائی اماں سے چائے بنانے کے لئے کہا...... کہنے
لگے۔

”ناشتہ میں نے راستے میں ہی کر لیا تھا...... اب تمہارے ساتھ چائے پیوں گا“۔

پھر وہ عمران اور جبران کے پاس بیٹھ گئے اور بولے۔

"یوں سمجھ لو کہ میں نے تم لوگوں کا سارا بندوبست کر دیا ہے...... آج شام
اندھیرا ہونے کے بعد تم میرے ساتھ چلو گے...... یہاں سے پچاس میل دور ایک
قصبے میں جانا ہوگا...... وہاں تک لاری ہمیں لے جائے گی...... آگے جنگل شروع
ہو جاتا ہے...... یہ اتنا گھنا جنگل نہیں ہے اور خطرناک بھی نہیں ہے...... قصبے میں ہم
ایک مسلمان کوچوان دوست رہتا ہے...... وہ دن کے وقت جنگل میں آگے پندرہ بیس
میل کے فاصلے پر واقع ایک گاؤں تک یکہ چلاتا ہے، مگر وہ ہمیں رات کو بھی اپنے یکے
میں بٹھا کر گاؤں تک لے جائے گا...... آگے ہمیں کہاں جانا ہوگا...... وہ میں تمہیں وہاں
پہنچ کر بتاؤں گا"۔

بائی اماں چائے بنا کر لے آئی...... ہم چائے پینے لگے...... کمانڈو جبران نے عالی
جاہ سے پوچھا۔

"وہاں ہماری ملاقات کن صاحب سے ہوگی؟"۔

عالی جاہ بولے۔

"یہاں یہ سب کچھ بتانے کی میں ضرورت نہیں سمجھتا...... آپ لوگوں کو وہاں
چل کر سب معلوم ہو جائے گا"۔

اس کے بعد عالی جاہ نیچے دوکان کھولنے چلے گئے...... عمران اور جبران نے سارا
دن مکان کے چوبارے میں ہی گزارا...... وہ اس قسم کے صبر آزما انتظار کے عادی تھے
کبھی بیزار نہیں ہوتے تھے...... آخر سخت جان کمانڈو تھے...... تیسرے پہر عالی جاہ
اوپر آ کر کہا۔

"بس ایک گھنٹے بعد ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے...... تم صرف اتنا کرنا کہ
یہاں گلی میں سے دائیں جانب گزر کر آگے ایک بازار آ جائے گا...... بازار میں سامنے
کی جانب پیپل کا ایک بہت بڑا درخت ہے...... اس درخت کے نیچے ایک گول گپے والا

بیٹھتا ہے...... تم وہاں جا کر میرا انتظار کرنا...... بے شک اس آدمی سے دو چار گول گپے
لے کر بھی کھا لینا"۔

ایک گھنٹے بعد عالی جاہ دوکان پر سے پھر اوپر آئے اور کہنے لگے۔

"بس اب چل پڑو"۔

عمران اور جبران پہلے ہی تیار بیٹھے تھے...... وہ زینے سے اتر کر گلی میں آ گئے اور پھر
دائیں جانب ہو گئے...... آگے بازار آ گیا...... بازار میں دوسری جانب پیپل کا گھنا
درخت تھا...... وہ سڑک کراس کر کے درخت کے نیچے جا کر ایک طرف ہو کر کھڑے
ہو گئے...... کچھ عورتیں اور مرد گول گپے والے کی ریڑھی کے پاس کھڑے گول گپے کھا
رہے تھے...... پندرہ منٹ کے بعد دور سے انہیں عالی جاہ آتے دکھائی دیئے...... عالی جاہ
سڑک کراس کر کے عمران جبران کے پاس آئے اور اشارے سے انہیں اپنے پیچھے
بلایا۔

دونوں مجاہد ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے...... اس وقت سورج غروب ہو رہا
تھا...... آسمان پر اسی طرح بادل چھائے ہوئے تھے، مگر بارش اس روز بھی نہیں ہوئی
تھی...... چند قدم آگے چل کر عالی جاہ ان کے ساتھ ہو گئے...... تھوڑی دور لاریوں کا
اڈہ تھا...... وہاں سے وہ ایک لاری میں سوار ہو کر اورنگ آباد شہر سے جنوب مغرب کی
طرف روانہ ہو گئے...... شام ہو گئی تھی...... شہر کی بتیاں روشن ہو گئی تھیں...... اورنگ
آباد واقعی بہت بڑا شہر تھا جگہ جگہ بلند عمارتوں پر رنگ برنگی نیون سائن کی روشنیاں
جگمگا رہی تھیں...... لاری اورنگ آباد شہر کے مضافات سے آگے نکلی تو اونچا نیچا پہاڑی
اور جنگلاتی علاقہ شروع ہو گیا...... اس وقت اندھیرا ہو چکا تھا...... لاری میں سے باہر
دھندلے دھندلے درخت اور کھیت دور دور تک پھیلے ہوئے نظر آ رہے تھے......
سڑک چھوٹی تھی...... کبھی چڑھائی آ جاتی اور کبھی ڈھلان آ جاتی...... آگے پھر میدانی
علاقہ شروع ہو گیا...... اب اندھیرا اتنا گہرا ہو گیا تھا کہ سوائے درختوں کے دھندلے

خاکوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔

کوئی بیس پچیس منٹ تک لاری ہموار سڑک پر سے گزرتی رہی...... اس کے آگے پھر ہلکی پھلکی چڑھائیاں اترائیاں آ گئیں...... لاری کسی جگہ ذرا سی دیر کے لئے رکتی تو حبس کا احساس ہوتا...... ستارے بادلوں کے لحاف میں چھپے ہوئے تھے جس کی وجہ سے اندھیرا زیادہ محسوس ہوتا تھا...... لاری نے ایک پہاڑی ٹیلے کا موڑ کاٹا تو دور چار روشنیاں سی ٹمٹماتی نظر آئیں...... عالی جاہ نے عمران سے کہا۔

"چیتپل ورگ کا قصبہ آ رہا ہے"۔

"چیتپل ورگ وہ قصبہ تھا جہاں سے ہمیں لاری سے اتر کر آگے یکے میں سفر کرنا تھا...... سڑک پر ایک جانب بجلی کے کھمبے شروع ہو گئے جن پر کہیں کہیں کمزور سے بلب مرعوب رات کی تاریکی کو اجالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

آخر چیتپل ورگ کے قصبے میں پہنچ کر لاری رک گئی...... یہاں سے لاری کو اورنگ آباد کی سواریوں کا آخری پھیرا لے کر واپس جانا تھا...... چھوٹا سا قصبہ تھا مگر ادھر ادھر بتیاں روشن تھیں...... ہوا بند تھی...... عالی جاہ عمران اور جبران کو ساتھ لے کر اپنے کوچوان دوست کے گھر پہنچ گئے...... وہ ہمارے انتظار میں ہی تھا...... ایک یکہ گھر کے باہر درخت کے نیچے کھڑا تھا جس کے آگے مریل سا گھوڑا جتا ہوا تھا یکے کی دونوں جانب مٹی کے تیل والی لالٹین روشن تھیں...... عالی جاہ نے دروازہ کھٹکھٹایا ان کا دوست باہر آ گیا...... درمیانی عمر کا دبلا پتلا آدمی تھا...... انہوں نے وہاں کی مقامی زبان تلگو میں کچھ باتیں کہیں...... پھر عالی جاہ نے ہمیں یکے پر بیٹھ جانے کو کہا خود بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے...... کوچوان یکے کی اگلی سیٹ پر عالی جاہ کے ساتھ بیٹھ گیا اور یکہ قصبہ چیتپل ورگ سے آگے چل پڑا۔

ایک ندی کا پل عبور کیا...... رات کے اندھیرے میں ندی کا پانی سلیٹی رنگ کا دکھائی دیا...... اس کے بعد دونوں جانب دھان کے کھیت ہی کھیت تھے...... جس

فضا میں دھان کی مرعوب خوشبو رچی ہوئی تھی...... دیر تک یکہ ایک خاص رفتار سے کھیتوں کے درمیان غیر ہموار کچی سڑک پر ہچکولے کھاتا چلتا رہا...... پھر دونوں طرف گھنے درخت آ گئے...... عالی جاہ نے عمران اور جبران کی طرف گردن موڑ کر کہا۔

"آگے دریائے کاویری کے طاس کا جنگل ہے...... دریا یہاں سے کافی فاصلے پر سے گزرتا ہے"۔

فضاء میں دیودار کے گیلے درختوں کی خوشبو آنے لگی...... آگے جنگل آ گیا...... شروع میں یہ جنگل زیادہ گھنا نہیں تھا...... درختوں کے جھنڈ دور دور تھے...... اک کچا راستہ دیہاتیوں نے اپنی بیل گاڑیوں کے گزرنے کے لئے بنا رکھا تھا جس پر چلتے ہوئے یکہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ایسے اچھل پڑتا تھا جیسے ابھی الٹ جائے گا...... دونوں جانب سناٹا چھایا ہوا تھا...... عالی جاہ باتیں کرنے لگا...... وہ بولا۔

"اس جنگل میں شیر چیتے نہیں ہوتے، کیونکہ یہ جنگل آبادی کے قریب ہے...... کبھی کبھار کوئی بھولا بھٹکا شیر اس طرف آ نکلتا ہے جو گاؤں والوں کی ایک آدھ بھیڑ بکری اٹھا کر لے جاتا ہے۔

درختوں کے جھنڈ قریب قریب آنے لگے تھے...... اس کے کچھ دیر بعد یکہ گھنے جنگل میں سے گزر رہا تھا اور جھکے ہوئے درختوں کی شاخیں یکے کے اوپر سے ہو کر پیچھے جا رہی تھیں...... عالی جاہ کہہ رہے تھے...... "اس جنگل میں ریچھ اور کوبرا سانپ بہت ہوتے ہیں لیکن سانپ یہاں کے مقامی لوگ پکڑ کر لے جاتے ہیں اور شہر کے ہسپتال میں جا کر بیچ دیتے ہیں...... وہاں سانپوں کا زہر نکال کر اس سے سانپوں کے کاٹے کی دوا تیار کی جاتی ہے"۔

کمانڈو جبران نے پوچھا۔

"ابھی ہمیں کتنی دور اور جانا ہے؟"۔

عالی جاہ بولے۔

"بس پہنچنے ہی والے ہیں...... آگے بیر وڈالی گاؤں ہے...... یہ آدھی باسی لوگوں کا چھوٹا سا گاؤں ہے...... وہاں سے آگے ہمیں تھوڑا سا پیدل جانا ہو گا"۔

ریچھ اور سانپوں کے اس جنگل میں دو ایک کوس اور چلنے کے بعد بائیں جانب ذرا او نچائی پر دو تین جگہوں پر اندھیرے میں لالٹینوں کی روشنیاں نظر آئیں...... یکہ ایک طرف جا کر رک گیا...... وہ یکے سے اتر آئے...... عالی جاہ نے اپنے دوست کے ساتھ تلگو زبان میں کچھ بات کی...... یکہ وہیں سے واپس مڑ گیا...... عالی جاہ عمران اور جبران کو لے کر ایک جانب اندھیرے میں پتلی سی پگ ڈنڈی پر چلنے لگا...... پگ ڈنڈی کی دونوں جانب کیلے کے جنگلی درخت تھے جن کے چوڑے پتے گزرتے وقت ان کے سامنے آجاتے تھے...... عالی جاہ نے کہا۔

"بس ہمیں تھوڑی دور ہی چلنا پڑے گا"۔

جنگلی کیلوں کے درخت ختم ہوئے تو او نچی قد آدم گھاس کا تختہ آگیا...... پگ ڈنڈی اس کے درمیان سے گزرتی تھی...... عالی جاہ آگے آگے تھے...... عمران ان کے پیچھے اور جبران اس کے پیچھے تھا...... گھاس کا تختہ بھی ختم ہو گیا...... بائیں جانب ایک ٹیلے کی ڈھلان نظر آئی...... اس کا موڑ کاٹنے پر ایک گھاٹی آگئی...... وہ گھاٹی میں سے گز گزر گئے...... اس کے بعد بہت قریب قریب اگے ہوئے اونچے اونچے گھنے درختوں کے جھنڈ تھے...... عالی جاہ ان جھنڈوں میں داخل ہونے سے پہلے رک گیا...... آہستہ سے بولا۔

"اب تم میں سے کوئی نہیں بولے گا"۔

یہ کہہ کر وہ دو قدم آگے ہو کر چلنے لگا...... بیس پچیس قدم چلنے کے بعد ایک طرف سے اچانک دو انسانی سائے نکل کر سامنے آگئے...... ان کے ہاتھوں میں سٹین گنیں تھیں اور چہروں پر کالا کپڑا لپیٹ رکھا تھا...... صرف ان کی آنکھیں اندھیرے میں چمکتی نظر آرہی تھیں...... ان میں سے ایک نے تلگو زبان میں کچھ پوچھا...... عالی

نے آگے سے تلگو زبان میں کوئی جواب دیا...... دونوں سائے آگے سے کچھ کہہ کر پیچھے ہٹ گئے...... عالی جاہ نے پیچھے مڑ کر عمران سے کہا۔

"آجاؤ"۔

دونوں انسانی سائے اندھیرے میں ایک جانب سٹین گنیں لئے خاموش کھڑے تھے...... عالی جاہ اور دونوں کمانڈو مجاہد ان کے قریب سے گزر گئے...... درختوں کا گھنا بن چھٹ گیا...... ایک کھلی جگہ آگئی، جہاں ایک جانب اونچے ٹیلے کی ڈھلان تھی، جہاں ایک درخت کی شاخ کے ساتھ ایک جلتی ہوئی لالٹین لٹک رہی تھی۔

لالٹین کی دھندلی کمزور سی روشنی میں ایک گائے بیٹھی ہوئی تھی...... اس سے ذرا آگے دو انسانی سائے ایک طرف بالکل ساکت کھڑے تھے...... ان کے ہاتھوں میں بھی سٹین گنیں تھیں اور چہرے سوائے آنکھوں کے سیاہ کپڑے میں چھپے ہوئے تھے۔

عالی جاہ نے جاتے ہی السلام و علیکم کہہ کر تلگو زبان میں کچھ کہا...... دو انسانی سایوں میں سے ایک سایہ اپنی جگہ سے دو قدم آگے بڑھ کر عالی جاہ کے پاس آیا اور اس نے ہم تینوں کی تلاشی لی...... پھر عالی جاہ سے اپنی زبان میں کچھ کہا...... عالی جاہ نے عمران سے کہا۔

"آپ لوگ اسی جگہ ٹھہریں"۔

اور وہ انسانی سائے کے ساتھ ٹیلے کی ڈھلان کے پاس جا کر ایک جانب مڑ گیا اور نظروں سے او جھل ہو گیا...... یہ سب رضاکاروں کی انڈر گراؤنڈ تنظیم کے مجاہد تھے...... عمران اور کمانڈو جبران اندھیرے میں خاموش کھڑے تھے...... ان کی بائیں جانب تین قدموں کے فاصلے پر اندھیرے میں رضاکار گارڈ بھی سٹین گن لئے خاموش اور ساکت کھڑا تھا...... تھوڑی دیر کے بعد عالی جاہ گارڈ رضاکار کے ہمراہ واپس آگئے اور عمران، جبران سے بولے۔

"آجاؤ"۔

رضا کار گارڈ مجاہد ان تینوں کو لے کر ٹیلے کی طرف بڑھا...... وہاں آگے اندھیرے میں جھاڑیوں کا گھنا جنگل سا تھا، ان کے درمیان راستہ بنا ہوا تھا......وہاں سے گزر کر یہ لوگ آگے گئے تو ایک کھلی جگہ پر دو لالٹینیں ایک درخت کی شاخ پر روشن تھیں...... نیچے ایک تخت پوش بچھا ہوا تھا جس پر ایک آدمی خاکی فوجی وردی پہنے بیٹھا تھا...... سٹین گن اس کے گھٹنوں پر تھی...... اس کی گھنی سیاہ ڈاڑھی تھی اور سانولے چہرے پر آنکھیں عقاب کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں...... کمانڈو عمران اور جبران نے اسے السلام و علیکم کہا جس کے جواب میں اس آدمی نے وعلیکم السلام کہا......

عالی جاہ نے اپنی زبان میں عمران اور جبران کا تعارف کرایا اور عمران سے کہا۔

"یہ ہیں اسلامیان دکن کی روشن امید اور ہماری رضا کار تنظیم کے بہادر سربراہ کمانڈر سلطان علی"۔

کمانڈر سلطان علی نے اٹھ کر عمران اور جبران سے باری باری ہاتھ ملایا اور بڑی عمدہ اردو میں کہا۔

"میں پاکستان کے بہادر کمانڈو مجاہدوں کو خوش آمدید کہتا ہوں...... ہم لوگ زیر زمین رہ کر کفار سے جنگ لڑنے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں، مگر ہم ناامید نہیں ہیں...... مسلمان اللہ کی رحمت سے کبھی ناامید نہیں ہوتا...... ہمارے سینے شعلہ ایمان سے روشن اور گرم ہیں۔

انشاءاللہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے اور آپ کی طرح دکن میں ا... اور پاکستان بنانے میں کامیاب ہوں گے۔

"انشاءاللہ" عمران اور جبران نے بیک زبان کہا۔

کمانڈر سلطان علی نے اپنے پیچھے کھڑے دو باڈی گارڈز میں سے ایک کو ہاتھ سے کوئی اشارہ کیا...... وہ ایک طرف اندھیرے میں غائب ہو گیا اور دوسرے لمحے مونڈھے لا کر سامنے بچھا دیئے...... کمانڈر سلطان علی نے کہا۔

"تشریف رکھیں"۔

عالی جاہ، کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران مونڈھوں پر بیٹھ گئے...... کمانڈر سلطان علی تخت پوش پر اس طرح بیٹھ گیا کہ اس کا سٹین گن والا ہاتھ اس کے گھٹنوں پر تھا...... کمانڈر سلطان علی کہنے لگا۔

"مجھے عالی جاہ کی زبانی آپ کے مشن کے بارے میں پوری تفصیلات معلوم ہو گئی ہیں...... کشمیری مجاہد کشمیر میں اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں اور کافروں کو نیچا دکھا رہے ہیں...... کارگل کی چوٹی کشمیری مجاہدین کی فتح مندی کی روشن مثال ہے...... ہمیں یہاں ایک ایک پل کی خبر مل رہی ہے...... ہم ریڈیو پاکستان کی خبریں برابر سنتے ہیں...... بھارتی غاصب فوج کارگل پر شکست کھانے کے بعد کنٹرول لائن پر آزاد کشمیر کے معصوم دیہاتیوں پر گولہ باری کر کے اپنی خفت مٹا رہی ہے اور اب پاکستان میں دہشت گرد سمگل کر کے پاکستان کے اندر ایک الگ محاذ کھولنا چاہتی ہے...... وہ ایسا اس لئے کر رہی ہے کہ وہ پاکستان پر 1965ء کی طرح حملہ کرنے کی جرات نہیں کر سکتی، کیونکہ پاکستان ایٹمی طاقت بن چکا ہے...... ہم دل و جان سے کشمیری مجاہدین اور پاکستان کی سالمیت کے لئے جو کچھ بھی کر سکیں کرنے کو تیار ہیں...... افسوس کہ ہم کشمیر سے بہت دور بیٹھے ہیں اور خود اپنی سرزمین میں ہم ایک اسلامی مملکت کے قیام کے لئے جہاد کر رہے ہیں، ورنہ آج ہمارے رضا کار دستے بھی کشمیر کے محاذ پر اپنے کشمیری مسلمان بھائیوں کے شانہ بشانہ جہاد کر رہے ہوتے"۔

ایک سیاہ پوش رضا کار چائے کا طشت لے کر آ گیا...... جس کی وجہ سے کمانڈر سلطان علی کو اپنی ایمان افروز گفتگو کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا...... عمران اور کمانڈو جبران کمانڈر سلطان علی کی ایمان افروز باتوں سے بہت متاثر نظر آ رہے تھے...... اس کے بعد سب چائے پینے لگے...... عالی جاہ نے اردو میں ہی کمانڈر سلطان علی سے کہا۔

"کمانڈر! جیسا کہ میں آپ سے ذکر کر چکا ہوں...... کشمیری مجاہدین کی خفیہ انٹیلی

جنس نے بڑی مصدقہ اطلاع دی ہے کہ اورنگ آباد کے قریب جنگل میں کسی جگہ بھارتی حکومت نے ایک ٹریننگ کیمپ قائم کیا ہے جہاں دہشت گردوں کو پاکستان میں جاکر تخریب کاری کی ہنگامی بنیادوں پر ٹریننگ دی جارہی ہے...... ان میں ہندو مرد بھی ہیں اور کچھ عورتیں بھی شامل ہیں...... ان دہشت گرد ہندوؤں میں اکثریت جرائم پیشہ لوگوں کی ہیں جو کئی قتل کر چکے ہیں اور سزا یافتہ مجرم ہیں...... عورتیں بھی جرائم پیشہ گروہوں سے تعلق رکھتی ہیں...... انہیں تخریب کاری، بموں کے دھماکوں اور عبادت گاہوں میں مختلف دینی جماعتوں کے افراد کو قتل کرنے کے واسطے پاکستان کے شہروں میں سمگل کیا جائے گا...... اب دیکھنا یہ ہے کہ اورنگ آباد کے قریب ایسا کون سا جنگل ہے جہاں یہ کیمپ کام کر رہا ہے؟۔

کمانڈر سلطان کہنے لگا۔

”اورنگ آباد کے جنگلوں کا کونہ کونہ ہمارے سامنے ہے...... ہم کل ہی اپنے رضا کار جاسوس بھیج کر اس کا سراغ لگالیں گے اور اس پاکستان دشمن کیمپ کو دہشت گردوں سمیت اڑادیں گے“۔

یہاں کمانڈو عمران نے کہا۔

”کمانڈر! ہم اس مشن میں آپ کے رضا کاروں کے شانہ بشانہ لڑنا چاہتے ہیں“۔

کمانڈر سلطان نے عمران کی طرف دیکھا اور کہا۔

”فکر نہ کریں...... وقت آنے پر ہم آپ کی خدمات ضرور حاصل کریں گے...... یوں سمجھ لیں کہ اس مشن میں آپ بھی ہمارے ساتھ ہوں گے...... یہ مشن آپ ہی کا نہیں...... ہمارا بھی ہے بلکہ ہر مسلمان کا ہے“۔

اتنے میں دو رضا کار کھانا لے کر آگئے...... وہیں تخت پوش پر کھانا لگا دیا گیا...... کھانا میدان جہاد میں لڑتے ہوئے مجاہدین کا کھانا تھا...... ایک ٹوکری میں خشک روٹیاں تھیں...... ایک پتیلی میں ابلے ہوئے آلو تھے جن پر نمک مرچ چھڑک دی گئی تھی

ایک رضا کار نے سب کے ہاتھ دھلائے اور وہ تخت پوش پر بیٹھ کر ابلے ہوئے آلوؤں کے ساتھ خشک روٹی کھانے لگے...... کھانا کھانے کے بعد کمانڈر سلطان علی نے کہا۔

”آیئے آپ کو اپنی اس جنگل کی کمین گاہ کا اسلحہ خانہ دکھاتے ہیں“۔

”اسی ٹیلے میں ایک قدرتی غار بنا ہوا تھا جس کا دہانہ اوپر سے گرے ہوئے ایک بہت بڑے پتھر نے ڈھانپ رکھا تھا...... رضا کاروں نے وہاں ایک طرف سے زمین کھود کر اس کے اندر سے غار میں جانے کا راستہ بنا رکھا تھا...... زمین دوز راستے میں سے ہو کر ایک سرنگ میں سے گزرنے کے بعد وہ پہاڑی کے اندر ایک کشادہ جگہ پر آگئے...... یہ ایک کافی بڑا ہال کمرہ تھا...... یہ قدرتی طور پر بنا ہوا تھا...... لگتا تھا ساری کی ساری پہاڑی اندر سے کھوکھلی ہے...... یہاں ہال کمرے کے وسط میں اور دیواروں کے ساتھ لگے میزوں پر اسلحہ کے ڈھیر پڑے تھے...... رضا کاروں کی زمین دوز تنظیم کے کمانڈر سلطان علی نے کہا۔

”یہ ہمارے کیمپ نمبر ایک کا اسلحہ خانہ ہے...... اس قسم کے چار اور کیمپ اس جنگل میں خفیہ جگہوں پر موجود ہیں...... یہ سارا اسلحہ ہم نے بھارتی ایمونیشن سٹوروں پر شب خون مار کر حاصل کیا ہے“۔

کمانڈر سلطان علی نے انہیں میگزینوں کے بعض کریٹ دکھائے جن پر ابھی تک پ ٹوانڈیا لکھا ہوا تھا...... سلطان علی نے کہا۔

یہ جدید ترین اسلحہ ہے...... اس میں راکٹ بھی ہیں اور 9ایم ایم گلوک۔ 17 سیمی آٹومیٹک اور آٹومیٹک پستولیں بھی ہیں اور ہائی میگزین کی بھاری مشین گنیں اور سٹین گنیں بھی ہیں...... ڈیڈلی ایکپلوسوز ہینڈ گرنیڈوں کا سٹاک بھی ہے اور سیمی آٹومیٹک ...ٹ گنیں بھی ہیں...... ان کے علاوہ انتہائی طاقت کے ٹینک شکن ریموٹ کنٹرول ٹینک بم بھی ہیں...... تمہیں جس قسم کے اسلحہ کی ضرورت ہو یہاں سے لے جاسکتے ...... ہمارے کیمپ نمبر 2 اور کیمپ نمبر 3 میں اس سے بھی زیادہ اسلحہ ہے“۔

اسلحہ کا سٹور دیکھنے کے بعد یہ لوگ پہاڑی کے عقب میں ایک جھونپڑے میں آ گئے جہاں باہر درختوں کے نیچے دس بارہ چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں، کمانڈر سلطان علی نے کہا۔

"آپ لوگ ہمارے ساتھ یہاں آرام کریں گے...... ہمارا آدمی انڈین دہشت گردی کے ٹریننگ کیمپ کا کھوج لگانے جا چکا ہے...... وہ کل کسی وقت واپس آ جائے گا...... ہمیں ٹریننگ کیمپ کے محل وقوع کا بھی علم ہو جائے گا اور یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ وہاں زیر تربیت دہشت گردوں کی نفری کتنی ہے...... ان کے پاس ایمونیشن کتنا ہے اور ایمونیشن کہاں سٹور کیا ہوا ہے اور جو کمانڈو ان دہشت گردوں کو ٹریننگ دے رہے ہیں ان کی تعداد کتنی ہے اور کیا وہاں انڈین آرمی کا کوئی دستہ متعین ہے یا نہیں ہے...... کوئی مشن شروع کرنے سے پہلے ان تفصیلات کا معلوم ہونا لازمی ہے"۔

چارپائیوں پر سادہ سے بستر بچھے تھے...... یعنی ایک ایک دری اور ایک ایک سرہانہ تھا...... کمانڈر رضاکار اور کمانڈر سلطان علی کے باڈی گارڈ کچھ فاصلے پر چاروں طرف گارڈ ڈیوٹی پر موجود تھے...... وہ سب کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد وہیں چارپائیوں پر پڑ کر سو گئے...... صبح اذان کے وقت انہیں اٹھا دیا گیا...... سب نے وضو کر کے باجماعت نماز فجر ادا کی...... اس کے بعد صرف چائے اور رات کی باسی روٹی سے ناشتہ کیا گیا...... کمانڈر سلطان علی نے کمانڈو عمران سے کہا۔

"ہم آپ کو بھی وہی ناشتہ دیں گے جو ہم سب رضاکار کرتے ہیں...... ہم نے اس وقت تک اپنے اوپر ہر قسم کا آرام حرام کر دیا ہے جب تک کہ ہم دکن کو پھر سے ایک اسلامی ریاست نہیں بنا لیتے"۔

"آپ لوگ یہاں رہیں...... مجھے واپس جانا ہے...... آپ لوگوں کو جس وقت واپس آنا ہو گا رضاکار آپ کو اپنی حفاظت میں اورنگ آباد پہنچا دیں گے"۔

عالی جاہ سلطان علی صاحب سے اجازت لے کر اورنگ آباد واپس چل دیئے۔

سلطان علی کا خاص جاسوس تیسرے پہر کمین گاہ میں ٹریننگ کیمپ کی تفصیلات لے کر پہنچ گیا...... سلطان علی کمانڈر نے عمران اور جبران کی موجودگی میں اپنے جاسوس سے پوچھا۔

"کیا خبر لائے ہو؟"۔

اس نے دہشت گرد ٹریننگ کیمپ کے بارے میں جو کچھ بتایا اس کے مطابق یہ ٹریننگ کیمپ وہاں سے پچاس میل کے فاصلے پر گھنے جنگل کے وسط میں واقع تھا جس کے تین طرف اونچی چٹانوں نے دیواریں سی کھڑی کر رکھی تھیں...... صرف ایک طرف سے کیمپ میں داخل ہونے کا راستہ تھا جہاں خاردار تاروں والا گیٹ ہر وقت بند رکھا جاتا تھا...... صرف اپنے آدمیوں کے آنے اور شناختی کارڈ دکھانے پر کھولا جاتا تھا...... چٹانی دیواروں کے ساتھ ساتھ گھاس پھونس کی ڈھلواں چھتوں اور پتھر کی دیواروں والی چار بارکیں تھیں جہاں دہشت گرد رات کو سوتے تھے...... ان دہشت گردوں کو انڈین آرمی کے چھ ٹرینڈ کمانڈو تربیت دیتے تھے...... کیمپ میں کوئی دہشت گرد عورت زیر تربیت نہیں تھی...... اس کیمپ میں پچاس جرائم پیشہ افراد کو دہشت گردی کی ٹریننگ دی جا رہی تھی...... انہیں ریلوے پلوں اور بڑے بڑے شاپنگ پلازوں کے نیچے طاقتور بم لگانے، گھروں میں گھس کر اندھا دھند فائرنگ کر کے تمام کے تمام گھر والوں کو ہلاک کرنے اور عبادت گاہوں میں موٹر سائیکلوں پر سوار ہو کر نمازیوں پر گولیاں برسا کر فرار ہو جانے کی تربیت دی جا رہی تھی...... اپنے سراغ رساں نے بتایا۔

"یہ پچاس کے پچاس افراد سابق قیدی چھٹے ہوئے بدمعاش اور سزا یافتہ مجرم ہیں...... انہیں لالچ دیا گیا ہے کہ وہ پاکستان میں جتنے مسلمانوں کو قتل کریں گے اور جتنے بم دھماکے کریں گے اس کے حساب سے ہر آدمی کو ایک دھماکے اور ایک مسلمان کو قتل کرنے کے عوض ایک ایک لاکھ روپیہ دیا جائے گا اور ہر ایک دہشت گرد کو پچیس

پچیس ہزار روپے بطور ایڈوانس دے بھی دیئے گئے ہیں...... جوان کے نام اکاؤنٹ کھلوا کر بنک میں جمع بھی کرا دیئے گئے ہیں...... ان دہشت گردوں میں قاتلوں کی تعداد زیادہ ہے...... کونے والی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں ان کا اسلحہ وغیرہ کا ڈپو ہے جس کی طرف جانے کی کسی دہشت گرد کو اجازت نہیں ہے...... ایک ڈوگرہ لانس نائیک ضرورت کے مطابق ان کے انچارج کمانڈو کی نگرانی میں اسلحہ وغیرہ سپلائی کرتا ہے اور مشق کے بعد اسلحہ واپس سٹور میں رکھوا دیتا ہے"۔

اپنا یہ جاسوس خفیہ کیمرے سے ٹریننگ کیمپ کی کچھ تصویریں بھی لے آیا تھا...... ان تصویروں کو کمانڈو عمران اور جبران نے بڑی گہری نظروں سے دیکھا اور ضروری چیزیں ذہن نشین کر لیں...... اس کے بعد کیمپ کو برباد کرنے کے منصوبے پر غور شروع ہو گیا...... کمانڈو عمران کہنے لگا۔

"ہم جو بھی منصوبہ بنائیں یہ انتہائی ضروری ہو گا کہ سارے کے سارے دہشت گرد ایک ہی حملے میں قتل کر دیئے جائیں...... ان کا اسلحہ برباد ہو چاہے نہ ہو لیکن دہشت گرد سارے کے سارے مع چھ انڈین ٹرینڈ کمانڈوز کے قتل ہو جانے چاہئیں۔

کمانڈر سلطان علی نے کہا۔

"ہمارے سرفروش رضاکار کمانڈو جب کسی جگہ شب خون مارتے ہیں تو وہاں تمام کے تمام کافروں کو ہلاک کر دیتے ہیں...... یہاں تک کہ اگر وہاں کوئی پالتو بلی یا بکری ہوتی ہے وہ اسے بھی زندہ نہیں چھوڑتے...... یہ ہمارے کمانڈو رضاکاروں کی ٹریننگ کا پہلا اصول ہے...... اس لئے تم اس کی فکر نہ کرو...... ہمارا ایکشن بیک وقت شروع ہو گا اور وہاں سوائے ہمارے اور کوئی زندہ نہیں رہے گا...... لیکن سب سے پہلے ٹارگٹ دیکھنے اور پوزیشنوں کا تعین کرنے کے لیے ہم میں سے دو آدمیوں کو جانا پڑے گا...... ان دو آدمیوں میں سے ایک میں خود ہوں گا اور دوسرا"۔

کمانڈو عمران نے اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

"اور دوسرا آدمی میں ہوں...... میں آپ کے ساتھ ریکی کرنے جاؤں گا...... میں اور جبران ہم مکمل طور پر تربیت یافتہ کمانڈوز ہیں...... جبران پیچھے رہے گا"۔

کمانڈر سلطان علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے...... تم میرے ساتھ چلو گے...... ہم آج رات کو دیکھ بھال کے اس مشن پر جائیں گے"۔

باقی کا دن کمانڈو عمران اور جبران نے کمانڈر سلطان علی کے ساتھ دیکھ بھال کے مشن کی تفصیلات طے کرتے گزارا...... ان کے ساتھ وہ رضاکار بھی بیٹھا تھا جو دہشت گردوں کے تربیتی کیمپ کی سراغ رسانی کر کے آیا تھا...... یہ رضاکار بھی سلطان علی اور عمران کے ساتھ رات کے ریکی مشن پر جا رہا تھا۔

ان رضاکاروں کے پاس تین فوجی جیپیں بھی تھیں جو انہوں نے جنگل میں ہی ایک جگہ چھپائی ہوئی تھیں، مگر وہ جیپوں پر نہیں جا رہے تھے کیونکہ جنگل اتنا گھنا تھا کہ ان جیپ نہیں جا سکتی تھی اور جیپ کے انجن کی آواز انڈین کمانڈوز کو کیمپ میں ہوشیار بھی کر سکتی تھی...... کمانڈر سلطان علی نے اپنے ایک رضاکار سے کہا۔

"علی نواز! تین برق رفتار گھوڑے شام کے وقت تیار رکھے جائیں اور ہر گھوڑے کے تھیلے میں وہ تمام اسلحہ بھی رکھ دیا جائے جس کی ہمیں اس دیکھ بھال کے مشن میں ضرورت پڑے گی...... جاؤ"۔

شام کے وقت رضاکاروں کی اس خفیہ کمین گاہ میں تین گھوڑے تیار ہو کر درختوں کے نیچے کھڑے تھے...... کمانڈر سلطان علی نے ایک دوربین خود اپنے پاس رکھ لی اور ایک دوربین کمانڈو عمران کو دے دی...... اس دوربین میں ایسے طاقتور لینز لگے ہوئے تھے جن کی مدد سے رات کے اندھیرے میں بھی دیکھا جا سکتا تھا...... اس کے علاوہ انہوں نے ایک ایک سیمی آٹومیٹک گلوک کمانڈو پستول بھی رکھ لیا...... ہر گھوڑے کے ساتھ ایک چھوٹا فوجی تھیلا بندھا ہوا تھا جس میں ایک ایک سٹین گن مع

میگزین بیلٹ کے رکھ دی گئی تھی...... انہوں نے ایک ایک کمانڈو چاقو بھی رکھ تھا...... پستولوں کے آگے سائی لینسر لگادیئے گئے تھے، تاکہ اگر فائر کا کوئی موقع آ جائے اور مجبوراً فائر کرنا پڑے تو اس کے دھماکے کی آواز پیدا نہ ہو...... تھیلے میں پانی ایک ایک چھوٹا کین بھی موجود تھا۔

رات کے پورے بارہ بجے یہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے دیکھ بھال یعنی ر مشن پر روانہ ہو گئے...... جاسوس رضا کار نے کمانڈر سلطان علی کو بتادیا تھا کہ دہشت گردوں کا یہ کیمپ کون سے جنگل میں ہے...... جاسوس رضا کار آگے آگے تھا...... ا کے پیچھے کمانڈر سلطان علی کا گھوڑا تھا اور اس کے پیچھے کمانڈو عمران کا گھوڑا تھا...... تینو گھوڑے قدم قدم چل رہے تھے...... رضا کاروں کی خفیہ کمین گاہ کے گھنے جنگل نکل کر جب یہ لوگ ذرا کھلے جنگل میں آئے تو انہوں نے اپنے گھوڑے ایک خا راستے پر ڈال دیئے اور انہیں ذرا تیز دوڑانا شروع کر دیا...... گھوڑے ان جنگلوں چلنے کے عادی تھے اور سلطان علی اور رضا کار جاسوس بڑے مشاق گھڑ سوار تھے جنگل کے یہ سارے راستے ان کے دیکھے بھالے تھے...... گھوڑے قدرے تیز رفتار ساتھ گھاٹیوں، کھائیوں اور اونچے ٹیلوں کے دامن میں سے رات کے اندھیرے میں دوڑتے چلے جارہے تھے۔

کمانڈو عمران کو بھی گھڑ سواری کی کافی مشق تھی...... کافی دیر تک گھوڑے ا اپنے سواروں کو لے کر اندھیرے جنگل میں دوڑتے رہے...... ایک جگہ پہنچ کر انہو نے گھوڑے روک لئے...... رضا کار جاسوس نے اندھیرے میں ایک طرف اشا کرتے ہوئے کمانڈر سلطان علی سے کہا۔

"یہاں سے آگے ان پہاڑیوں کے پیچھے ٹریننگ کیمپ ہے"۔

کمانڈر سلطان علی نے دوربین لگا کر دور کی سیاہ پہاڑیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ ماتھر مالیا کی پہاڑیاں ہیں؟"۔

رضا کار جاسوس بولا۔

"جی ہاں سر!"۔

کمانڈر سلطان علی نے گھوڑے کو ان پہاڑیوں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"چلو"۔

تینوں گھوڑے ایک دوسرے کے آگے پیچھے اندھیرے میں دور سیاہ اونچی دیوار کی طرف روانہ ہو گئے...... جتنا علاقہ نیم میدانی تھا وہ انہوں نے گھوڑے دوڑاتے ہوئے عبور کر لیا...... اس کے بعد اونچے اونچے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا...... یہاں گھوڑوں کی رفتار ہلکی ہو گئی...... آخر وہ ماتھر مالیا کی پہاڑیوں کے دامن میں پہنچ گئے...... رضا کار جاسوس نے انہیں ایک پہاڑی درے میں سے گزارا تو درے کے اخیر میں پہنچ کر رضا کار جاسوس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور بولا۔

"سر! یہاں سے ہمیں سامنے والی پہاڑی کی چڑھائی چڑھنی ہو گی...... گھوڑے اسی جگہ چھوڑنے پڑیں گے"۔

کمانڈر سلطان علی اور کمانڈو عمران گھوڑوں سے اتر گئے...... انہوں نے تھیلوں میں سے اپنی اپنی سٹین گن نکال کر کندھوں سے لٹکالی...... کین میں سے تھوڑا تھوڑا پانی پیا اور پہاڑی کی چڑھائی چڑھنی شروع کر دی...... یہاں رضا کار جاسوس انہیں گائیڈ کر رہا تھا...... پہاڑی کی چڑھائی دشوار نہیں تھی...... پہاڑی بھی زیادہ بلند نہیں تھی...... پھر بھی انہیں پہاڑی کے اوپر پہنچتے پہنچتے آدھا گھنٹہ لگ گیا...... پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر رضا کار جاسوس نے نیچے اشارہ کیا اور آہستہ سے کہا۔

"سر! نیچے جو چٹانوں کی چار دیواری سی نظر آ رہی ہے یہی دہشت گردوں کا کیمپ ہے"۔

کمانڈر سلطان علی اور کمانڈو عمران وہیں بیٹھ گئے...... انہوں نے اپنی اپنی دوربین لگا کر نیچے دیکھا...... کمانڈو عمران سلطان علی کے بالکل ساتھ بیٹھا تھا...... رات کی

تاریکی میں اس نے ایک دھندلا دھندلا مگر نظر آنے والا منظر دیکھا...... چٹانیں زیادہ اونچی نہیں تھیں...... ان کے اندر ایک کھلا مگر چھوٹا سا میدان تھا جہاں ایک جانب ڈھلواں چھت والی تین بارکیں تھیں...... سامنے کی جانب کوئی چٹان نہیں کھڑی تھی...... اس طرف ایک گیٹ بنا ہوا تھا جو بند تھا اور جس کے باہر ایک مسلح سپاہی کا دھندلا سا سایہ دکھائی دے رہا تھا...... یہ گارڈ تھا اور رات کے پہرے پر تھا۔

کمانڈر سلطان علی نے آہستہ آواز میں کمانڈو عمران سے کہا۔

"ہمیں ان چٹانوں کے پاس جانا چاہئے...... یہاں سے ہم اپنے کمانڈو ایکشن کی پوزیشنوں کا تعین نہیں کرسکتے"۔

کمانڈو عمران نے دھیمی آواز میں کہا۔

"چلیں...... نیچے چلتے ہیں"۔

کمانڈر سلطان علی نے اپنے جاسوس رضاکار سے کہا۔

"علی نواز! تم یہاں ٹھہرو گے...... ہم نیچے جارہے ہیں"۔

اس کے ساتھ ہی کمانڈ سلطان علی اور کمانڈو عمران پہاڑی کی دوسری طرف والی ڈھلان اترنے لگے...... اترائی آسان تھی...... وہ دس پندرہ منٹ میں ہی پہاڑی کے نیچے آگئے...... سامنے چٹانیں کھڑی تھیں...... وہ وہیں دبک کر بیٹھ گئے اور دوربین سے جائزہ لینے لگے کہ رات کے وقت کوئی گشتی پارٹی تو گشت نہیں لگا رہی...... تین چار منٹ تک وہ چٹانوں کے اردگرد دیکھتے رہے...... اس کے بعد کمانڈر سلطان علی نے سرگوشی میں کہا۔

"گشتی پارٹی کوئی نہیں ہے...... ہمیں کسی چٹان پر چڑھنا ہوگا...... آجاؤ"۔

دونوں مجاہد جھک کر چلتے احتیاط سے قدم رکھتے سامنے والی چٹان کی طرف بڑھے...... چٹانیں زیادہ بلند نہیں تھیں اور درمیان والی چٹان سیدھی نہیں تھی...... ذرا سی ڈھلانی تھی اور اس پر جنگلی جھاڑیاں بھی اگی ہوئی تھیں...... کمانڈر سلطان

نے ان جھاڑیوں کی طرف ایک خاص اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ ہم ان جھاڑیوں کو پکڑ کر چٹان کے اوپر چڑھنے کی کوشش کریں گے...... کمانڈو عمران کمانڈر سلطان علی کے ساتھ دبے پاؤں چلتا چٹان کی طرف بڑھا...... چٹان کے نیچے اندھیرا تھا...... وہ اندھیرے میں چٹان کے ساتھ لگ کر ساکت ہوگئے...... جب انہیں اطمینان ہوگیا کہ ادھر کوئی فوجی پہرے پر گشت نہیں لگا رہا تو انہوں نے جھاڑیوں کو پکڑ پکڑ کر چٹان پر چڑھنا شروع کردیا...... ان جنگلی جھاڑیوں کی وجہ سے چٹان پر چڑھنا آسان ہوگیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ چٹان کے اوپر تھے...... چٹان کے اوپر پہنچتے ہی وہ پیٹ کے بل لیٹ گئے اور دوربینیں لگا کر نیچے دیکھنے لگے...... دوربینوں کے لینز نے انہیں دکھایا کہ نیچے چٹان کے سائے میں تین بارکیں تھیں...... سامنے بانس کا خاردار تاروں والا گیٹ لگا تھا...... اس کے آگے ایک مسلح سپاہی ٹہل رہا تھا...... گیٹ کے ساتھ ہی اندر کی جانب ایک کوٹھڑی بنی ہوئی تھی...... شاید یہاں اسلحہ وغیرہ رکھا ہوا تھا...... بارکوں کی چھت گھاس پھوس کی تھی...... اس چھت میں سے سٹین گن کی گولیاں گزر کر بارکوں کے اندر سوئے ہوئے دہشت گردوں کو بھون سکتی تھیں...... ان پر فائر کئے گئے راکٹ ان بارکوں کو جہنمی شعلوں میں بدل سکتے تھے...... اس مشاہدے کے بعد وہ چٹان پر سے اتر کر واپس پہاڑی کی طرف آگئے...... یہ دکن کے وسطی جنگلوں کی ماترمالیا کی پہاڑی تھی جس پر سے اترنے کے بعد تینوں مجاہد ان درختوں کی طرف گئے جہاں ان کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے...... وہ خاموشی سے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنی خفیہ کمین گاہ کی جانب روانہ ہوگئے۔

رضاکاروں کی خفیہ کمین گاہ پر پہنچنے کے بعد وہ سب ایک دوسرے کو شب بخیر کہہ کر سوگئے...... کمانڈر سلطان علی نے عمران سے کہا۔

"صبح بات ہوگی"۔

اور اس کے بعد وہ بھی آرام کرنے چل دیا، کیونکہ رات بہت گزر چکی تھی اور

جس مقصد کے لئے وہ گئے تھے وہ پورا ہو گیا تھا۔ اگلے دن کمانڈر سلطان علی صبح صبح فجر کے بعد اپنے دو باڈی گارڈ کے ساتھ جیپ پر کسی جگہ روانہ ہو گیا جس کے بارے میں اس نے عمران اور جبران کو کچھ نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور کس وقت واپس آئے گا۔

وہ سہ پہر کے بعد واپس آیا...... عمران اور کمانڈو جبران کو لے کر اپنے سادہ سے جھونپڑے میں بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"ہم آج رات ٹریننگ کیمپ پر شب خون ماریں گے"۔

ہمارے کیمپ نمبر 2 کے رضاکار کمانڈو ٹارگٹ پر رات کے وقت پہنچ جائیں گے...... ہم تینوں یہاں سے اکٹھے چلیں گے...... کمانڈو ایکشن کا ٹائم رات کے ٹھیک سوا دو بجے رکھا گیا ہے...... کیونکہ اس وقت چوکیدار اور پہریدار بھی اونگھ رہے ہوتے ہیں...... کوئی خاص بات پوچھنی ہو تو پوچھ لیں"۔

کمانڈو جبران نے پوچھا۔

"ہمارے رضاکار کمانڈوز کی نفری کتنی ہو گی؟"۔

کمانڈر سلطان علی نے کہا۔

"آپ خود کمانڈو ہیں...... آپ جانتے ہیں کہ کمانڈوز کی نفری ہمیشہ کم ہوتی ہے لیکن ایک کمانڈو میں ایک سو نفری کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے"۔

کمانڈو عمران کہنے لگا۔

"ہمیں بیک وقت بارکوں، اسلحہ کی کوٹھڑی اور گیٹ والی چیک پوسٹ پر حملہ کرنا ہو گا اور اس بات کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا ہو گا کہ کیمپ کا کوئی کمانڈو یا فوجی ہمارے ہیڈ کوارٹر کے ساتھ وائرلیس پر رابطہ قائم نہ کر سکے...... اگر پیچھے ان کے فوجی ہیڈ کوارٹر کو اطلاع پہنچ گئی تو ان کی مدد کو دوسرے ہی لمحے گن شپ لڑاکا ہیلی کاپٹر آ جائیں گے"۔

"اس کی تم فکر نہ کرو...... ہمارا حملہ آناً فاناً ہو گا...... ہمارے کمانڈو رضاکار دشمن پر بجلی بن کر گریں گے اور اسے تباہ کر کے دوسرے لمحے واپس آ جائیں گے"۔

کمانڈر سلطان علی نے کہا۔

جبران نے پوچھا۔

"ہم یہاں سے کس وقت روانہ ہوں گے؟"۔

کمانڈر بولا۔

"وہی ہم رات کے ٹھیک بارہ بج کر پندرہ منٹ پر روانہ ہوں گے"۔

انہوں نے سر شام ہی تھوڑا بہت کھانا کھایا اور سو گئے...... کمانڈر کے باڈی گارڈ نے ٹھیک رات کے بارہ بجے انہیں جگا دیا...... اسی وقت انہوں نے بیدار ہوتے ہی تیاری شروع کر دی...... ایمونیشن سٹور میں جا کر ضروری اسلحہ وغیرہ سے لیس ہوئے اور ٹھیک بارہ بجکر پندرہ منٹ پر ان تینوں مجاہدوں کے برق رفتار گھوڑے ماتھر مالیا پہاڑی والے "را" کے دہشت گردی کے ٹریننگ کیمپ کی طرف رواں دواں تھے...... آج ان کے گھوڑوں کی رفتار ذرا زیادہ ہی تھی...... شاید اس لئے کہ وہ ایکشن کی رات تھی...... اس رات انہیں بھارت سرکار کا وہ دہشت گردی کا کیمپ تباہ کرنا تھا جہاں پاکستان میں سمگل کئے جانے والے دہشت گردوں کو بموں کے دھماکوں اور پاکستان کے مسلمانوں کو قتل کرنے کی ٹریننگ دی جا رہی تھی۔

پہاڑی جنگل کے دشوار گزار راستوں میں سے رات کے اندھیرے میں گھوڑے دوڑاتے وہ ماتھر مالیا پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے...... یہاں وہ اپنے گھوڑے ایک جگہ درختوں کے جھنڈ میں باندھنے گئے تو وہاں پندرہ بیس گھوڑے پہلے سے بندھے ہوئے تھے...... کمانڈر سلطان علی نے ان گھوڑوں کو دیکھ کر کہا۔

"ہمارے رضاکار کمانڈو پہنچ چکے ہیں"۔

عمران اور جبران کو تسلی ہو گئی کہ یہ لوگ بھی پہنچ گئے تھے، کیونکہ یہ ایکشن ایک

آدمی کے بس کا روگ نہیں تھا...... وہاں اچانک حملے کی ضرورت تھی اور سلطان علی کمانڈر نے ایسا ہی انتظام کیا تھا...... ابھی تک کمانڈو عمران اور جبران کو سلطان علی کے رضا کاروں میں سے ایک بھی کمانڈو نظر نہیں آیا تھا...... وہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے ماتھر مالیا کی پہاڑی پر چڑھنے لگے...... وہ خاموشی سے چڑھ رہے تھے...... آخر پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے...... وہاں بھی کوئی رضا کار کمانڈو نہیں تھا...... عمران نے کمانڈر سلطان علی سے یہ پوچھنا مناسب نہ سمجھا کہ آپ کے رضا کار کمانڈو کہاں چھپے ہوئے ہیں...... وہ پہاڑی کے دوسری جانب کی ڈھلان اترنے لگے...... سامنے دامن میں رات کی دھندلی تاریکی میں چٹانوں کی وہ دیوار نظر آ رہی تھی جس کی دوسری طرف "را" کا دہشت گردی کیمپ تھا، جس وقت وہ پہاڑی کی ڈھلان اتر کر چٹانوں کی طرف بڑھے تو اندھیرے میں سے ایک ایک کر کے چار رضا کار کمانڈر نکل کر سلطان علی کے پاس آئے اور اسے اپنی شکل دکھا کر اندھیرے میں پیچھے ہٹ گئے...... آخر میں ایک رضا کار کمانڈو اندھیرے میں سے نکل کر کمانڈر سلطان علی کے پاس آیا اور سرگوشی میں بولا۔

"اپنے کمانڈوز نے چٹانوں کے اوپر پوزیشنیں سنبھال لی ہیں"۔

"راکٹ لانچر کتنے ہیں؟" کمانڈر سلطان علی نے سرگوشی میں پوچھا...... رضا کار کمانڈو کی صرف دو آنکھیں ہی چمکتی نظر آ رہی تھیں...... باقی سارا چہرہ سیاہ رومال میں چھپا ہوا تھا...... اس نے کہا۔

"چھ پوزیشنیں ہیں...... ہر پوزیشن میں چار لانچر ہیں اور ایک ایک مشین گن ہے"۔

"ٹھیک ہے...... ہم کیمپ کے گیٹ کی طرف پوزیشن سنبھالیں گے...... آپریشن مکمل ہونے کے بعد تم لوگ کیمپ نمبر 2 کی طرف چلے جاؤ گے...... ایکشن کا ٹائم دو پندرہ منٹ...... گھڑیاں ملا لی ہیں"۔

کمانڈو رضا کار نے سرگوشی میں کہا۔

"سب ٹھیک ہے کمانڈر"۔

"او کے...... گو"۔

رضا کار کمانڈو اندھیرے میں غائب ہو گیا...... کمانڈر سلطان علی نے عمران اور کمانڈو جبران سے مدھم آواز میں کہا۔

"ہم مغرب کی جانب کیمپ کے گیٹ کے سامنے والے ٹیلے پر پوزیشن سنبھالیں گے"۔

اور تینوں مجاہد چٹانوں کی دیوار سے دس فٹ کے فاصلے پر اندھیرے میں ٹریننگ کیمپ کے گیٹ کی طرف چلنے لگے...... وہ جھاڑیوں میں اس طرح چل رہے تھے کہ جھاڑیوں میں سے گزرنے کی آواز پیدا نہ ہو...... جھک کر قدم قدم چلتے وہ چٹانوں کی دیواروں کے عقب میں نصف چکر کاٹ کر ٹریننگ کیمپ کے گیٹ کے قریب آ گئے...... گیٹ کے سامنے لکڑی کے کھمبے پر ایک بلب روشن تھا جس کی روشنی میں ایک سنتری سٹین گن کندھے سے لٹکائے سست قدموں سے چل پھر کر پہرہ دے رہا تھا۔

کمانڈر سلطان علی، کمانڈو عمران اور جبران گیٹ کے بالمقابل ٹیلے کے دامن میں گھنی جھاڑیاں تھیں بالکل ساتھ ساتھ پوزیشنیں سنبھال کر بیٹھ گئے...... انہوں نے اپنی گنیں اپنے سامنے کر لی تھیں اور چمکتی ہوئی خاموش آنکھوں سے دہشت گردوں کے ٹریننگ کیمپ کے گیٹ کی طرف دیکھ رہے تھے...... کیمپ کے اندر بارکوں کے درمیان ایک جگہ بلب کی روشنی ہو رہی تھی...... باقی سارے کیمپ میں اندھیرا چھایا ہوا تھا...... کمانڈر نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھا اور سرگوشی میں عمران سے کہا۔

"دو بجکر دس منٹ ہو رہے ہیں صرف پانچ منٹ باقی ہیں"۔

عمران اور جبران نے بھی اپنی گھڑیاں کمانڈر کی گھڑی سے ملالی تھیں...... یہ پانچ منٹ بڑے ہیجان خیز تھے...... پانچ منٹ گزر جانے کے بعد وہاں قیامت برپا ہونے والی تھی...... ان کے اردگرد جنگل کے ماحول پر سناٹا طاری تھا...... کسی قریبی تالاب کی طرف سے دو ایک جھینگروں کے بولنے کی مسلسل آواز آرہی تھی...... کمانڈو عمران نے اپنی گھڑی کی سبز چمکتی ہوئی سوئیوں پر نظریں جمارکھی تھیں...... وقت ایک ایک سیکنڈ کر کے گزر رہا تھا...... ایک منٹ کافی دیر بعد گزرتا محسوس ہو رہا تھا...... آخری پانچ منٹوں میں سے دو منٹ گزر گئے...... پھر تین منٹ گزر گئے...... پھر چوتھا منٹ بھی گزر گیا...... اب پانچواں منٹ گزر رہا تھا...... سیکنڈ کی سوئی تیزی سے حرکت کر رہی تھی...... منٹ کی سوئی پانچویں منٹ کے نشان کے قریب ہوتی جارہی تھی...... عمران کو بخوبی علم تھا کہ یہ کمانڈو ایکشن ہے اور ٹھیک وقت پر بیک وقت شروع ہو جائے گا...... کمانڈر سلطان علی نے سرگوشی میں کہا۔

"خبردار...... تمہاری سٹین گنیں میرے بعد فائرنگ شروع کریں گی...... فائرنگ اندھا دھند ہو گی"۔

جیسے ہی گھڑی نے رات کے دو بجکر ٹھیک پندرہ منٹ بجائے چٹانوں کے اوپر سے نعرہ تکبیر...... اللہ اکبر فلک شگاف نعرے کی آواز بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی بیک وقت کمانڈو پارٹی کی چٹانوں کے اوپر والی چھ پوزیشنوں میں سے چوبیس راکٹ لانچر بیک وقت فائر ہوئے اور شراٹوں کی آواز سے چوبیس کے چوبیس راکٹ نیچے ان بارکوں کی چھتوں کو چیرتے ہوئے اندر جا کر پھٹے جہاں پچاس دہشت گرد سو رہے تھے...... اس کے ساتھ ہی چوبیس راکٹوں کے پھٹنے کا دھماکہ ہوا...... یہ ایسا دھماکہ تھا جس نے سارے جنگل کو لرزا دیا...... درختوں میں سوئے ہوئے پرندے ہڑبڑا کر جاگے اور شور مچاتے چیختے چلاتے آسمان کی طرف پرواز کر گئے...... تینوں بارکیں شعلوں میں تبدیل ہو گئیں...... انسانی چیخوں کی آوازیں آنے لگیں...... کمانڈر سلطان علی نے سٹین

فائر سے گیٹ کے سپاہی کو ڈھیر کر دیا...... اس نے عمران اور جبران سے کہا۔

"تھوڑے تھوڑے وقفے سے برسٹ فائر کرتے رہو...... کیمپ سے کوئی باہر نکلے تو اسے چھلنی کر دو"۔

کیمپ راکٹ کے دھماکوں اور آگ کے شعلوں اور اوپر چٹانوں سے آئے مشین گن کی فائرنگ کے دھماکوں سے جہنم کا منظر پیش کر رہا تھا...... ایک راکٹ گیٹ کے قریب جو اسلحہ خانہ تھا وہاں آکر پھٹا اور کوٹھڑی میں جو تھوڑا بہت اسلحہ تھا اس نے پھٹ کر کوٹھڑی کے چیتھڑے اڑا دیئے۔

کیمپ کے اندر ہر طرف آگ کے شعلے ہی شعلے تھے...... اوپر سے گولیاں بارش کی طرح برس رہی تھیں...... ایک طرف سے دو آدمی دیوانہ وار بھاگ کر گیٹ کی طرف آتے نظر آئے...... ان میں سے ایک کے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی تھی...... جیسے ہی وہ گیٹ کے پاس آئے کمانڈو عمران، جبران اور سلطان علی کی سٹین گنوں کی فائر کی بوچھاڑوں نے انہیں وہیں بھون ڈالا...... کمانڈر سلطان علی نے کہا۔

"فائر روک لو"۔

چٹانوں کے اوپر اور رضاکار کمانڈوز کی پوزیشنوں سے راکٹ فائرنگ رک گئی تھی مشین گن کے برسٹ مسلسل فائر ہو رہے تھے...... ایک بار پھر نعرہ تکبیر...... اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا اور مشین گن کا فائر بھی رک گیا...... کمانڈر سلطان علی نے کہا۔

"آپریشن کامیاب رہا...... مبارک ہو...... سارے کے سارے دہشت گرد اپنے لیڈروں کے ساتھ بھسم ہو گئے ہیں...... لیکن ہمیں ابھی اپنی پوزیشن میں ہی رہنا ہو گا"۔

ایک بار پھر سناٹا چھا گیا...... اس سناٹے میں صرف آگ کے شعلوں کے بھڑکنے کی آواز آرہی تھی...... مشین گنوں کے دھماکے رک گئے تھے...... تینوں بارکیں دھڑا دھڑ جل رہی تھیں...... کیمپ کا کشادہ صحن شعلوں کی روشنی میں صاف نظر آرہا تھا......

اس خاموشی میں اچانک کسی طرف سے مشین گن کے فائر کی آواز آئی۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کوئی کافر بھارتی ابھی زندہ ہے"۔

کمانڈر سلطان علی نے کہا۔

"نہیں...... یہ ہمارے رضا کار کمانڈوز کے لیڈر کا سگنل ہے......اس کا مطلب ہے کہ مشن مکمل ہو گیا ہے اور اب وہ اپنے خفیہ کیمپ کی طرف جا رہے ہیں"۔

اس کے بعد کسی فائر کی آواز نہ آئی...... یہ تینوں کمانڈو مجاہد جلتے ہوئے کیمپ کے سامنے جھاڑیوں میں سٹین گنیں لے کر بیٹھے رہے۔

اوپر چٹانوں والی پوزیشنوں پر خاموشی چھا گئی تھی...... کمانڈر سلطان علی نے کہا۔

"اپنے رضا کار کمانڈر جا چکے ہیں...... میں کیمپ کے اندر جا کر دیکھتا ہوں...... کوئی کافر زندہ تو نہیں ہے...... تم مجھے کور دینا"۔

یہ کہہ کر کمانڈر سلطان علی جھاڑیوں سے نکل کر چیتے کی طرح دوڑتا ہوا کیمپ کے صحن میں داخل ہو گیا...... بارکوں کے شعلے مدھم پڑ چکے تھے...... ان کی ہلکی روشنی میں کمانڈر صحن میں چاروں طرف دیکھ کر چلتا ہوا نظر آ رہا تھا...... اچانک وہ ایک طرف دوڑ کر گیا...... وہ عمران اور جبران کی نظروں سے اوجھل ہو گیا...... پھر سٹین گن کے فائر کی آواز آئی...... کمانڈو عمران نے سٹین گن کے دو تین ہوائی برسٹ فائر کئے۔ دوسرے لمحے کمانڈر سلطان علی صحن کی روشنی میں سامنے آ گیا...... اس نے بلند آواز میں کہا۔

"فائر روک لو"۔

عمران نے سٹین گن نیچی کر لی...... کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سٹین گن کا فائر کس نے کیا تھا...... کمانڈر سلطان نے سارے صحن کا چکر لگایا...... پھر جھاڑیوں والی پوزیشن کی طرف دوڑا...... جھاڑیوں میں آ کر اس نے بتایا کہ صحن میں بائیں جانب

زخمی حالت میں پڑا تھا۔

"اس نے مجھے آواز دی...... میں نے اسے سٹین گن کا برسٹ مار کر اگلے جہان پہنچا دیا"۔

پھر کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں بھی واپس چل پڑنا چاہئے...... کیمپ میں کوئی زندہ نہیں بچا...... یہ لوگ وائرلیس پر اپنے ہیڈ کوارٹر اطلاع بھی نہیں دے سکے...... ورنہ اب تک ان کی مدد کو کوئی نہ کوئی ہیلی کاپٹر آ گیا ہوتا"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"میرا خیال ہے اب یہاں رکنا بے مقصد ہے...... ہمارا مشن اللہ کے فضل سے کامیابی کے ساتھ مکمل ہو چکا ہے"۔

کمانڈر سلطان نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... چلو...... نکل چلو شیرو!"۔

وہ جھاڑیوں میں سے نکل کر ماتھر مالیا کی پہاڑی کی طرف دوڑنے لگے...... پہاڑی کے دامن میں آ کر وہ پہاڑی کی چڑھائی چڑھنے لگے...... وہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے پہاڑی پر چڑھ رہے تھے...... پہاڑی کی چوٹی پر آ کر انہوں نے ایک نظر نیچے دہشت گردوں کے ٹریننگ کیمپ کو دیکھا...... کیمپ جل کر راکھ ہو چکا تھا...... جلی ہوئی بارکوں میں سے کہیں کہیں سے دھواں اٹھ رہا تھا...... فضا میں بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی...... وہ پہاڑی کی دوسری طرف تیزی سے اتر گئے...... درختوں کے نیچے رضا کار کمانڈو کے گھوڑے نہیں تھے...... کمانڈر سلطان علی بولا۔

"اپنے کمانڈوز جا چکے ہیں...... خدا کا شکر ہے......اس نے ہمیں سرخرو کیا"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"ہم آپ کے بے حد شکر گزار ہیں...... آپ کی مدد کے بغیر ہمارے لئے اس

پاکستان دشمن ٹریننگ کیمپ کو تباہ کرنا بہت مشکل تھا"۔

کمانڈر سلطان علی نے اپنے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے کہا۔

"کاش! ہم اسی طرح کارگل کے محاذ پر جا کر بھی کافروں کے کیمپ تباہ کر سکتے...... لیکن دکن کی سرزمین پر ہمیں اورنگ زیب عالمگیر کی اسلامی سلطنت کو پھر سے زندہ کرنا ہے...... اور ہندوستان کی اس سب سے بڑی ریاست پر اسلامی پرچم کو سربلند کرنا ہے...... ہمیں ہمارے دینی فرائض نے یہاں پابند کر رکھا ہے"۔

عمران بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا اور کمانڈر سلطان علی کے ہم رکاب جا رہا تھا...... اس نے کہا۔

"سر! آپ یہاں بہت بڑے جہاد میں مصروف ہیں...... کاش ہم اس جہاد میں آپ کے شانہ بشانہ لڑ سکتے"۔

کمانڈر سلطان علی کہنے لگا۔

"آپ اپنے مقام پر بہت بڑا جہاد کر رہے ہیں...... کشمیر کی آزادی اور پاکستان کی سلامتی کے لئے آپ بہت بڑا کام کر رہے ہیں...... ہم رضا کار آپ کے جذبے کو سلام کرتے ہیں...... اللہ جل شانہ آپ کو کامیابی سے سرخرو فرمائے"۔

ماتھر مالیا کے گھنے جنگل میں سے گزرنے کے بعد انہوں نے کھلے علاقے میں آ کر گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی...... ایک اور جنگل میں سے گزرنے کے بعد وہ ایک کھلی سرزمین پر آئے تو وہاں ایک رضا کار کمانڈو فوجی جیپ لئے کھڑا تھا...... کمانڈر سلطان علی نے گھوڑے اس کے حوالے کئے اور خود جیپ میں سوار ہو گیا...... کمانڈو عمران اور جبران بھی اس کے ساتھ ہی جیپ میں بیٹھ گئے اور جیپ رضا کاروں کے زمین دوز خفیہ ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گئی۔

کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران جس مشن کو لے کر سرزمین دکن میں آئے تھے وہ مشن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور دکن کے سرفروش رضا کاروں کے تعاون سے

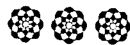
کامیابی کے ساتھ مکمل ہو گیا تھا...... اب انہیں واپس سب سے پہلے دلی جا کر حاجی صاحب کو مشن کی تکمیل کی رپورٹ کرنی تھی...... اس کے بعد کارگل کے محاذ پر برسر پیکار کشمیری مجاہدین سے رابطہ پیدا کر کے جہاد کشمیر کے کسی دوسرے کمانڈو مشن کی منصوبہ بندی کرنی تھی، جس وقت یہ مجاہد اپنے ٹھکانے پر واپس آئے تو دن کا اجالا نمودار ہونا شروع ہو گیا تھا...... اپنی کمین گاہ پر آتے ہی وہ گہری نیند سو گئے...... دوپہر کے بعد بیدار ہوئے...... کمانڈر سلطان علی نے کمانڈو عمران سے پوچھا کہ اب ان کا کیا پروگرام ہے...... عمران نے کہا۔

"ہمارا مشن مکمل ہو گیا ہے...... ہمیں اب دلی اور وہاں سے آگے کشمیر کے محاذ پر پہنچنا ہو گا"۔

کمانڈر سلطان علی کہنے لگا۔

"میں اپنے ایک آدمی کو تمہارے ساتھ کر دوں گا وہ تمہیں اورنگ آباد عالی جاہ کی قیام گاہ پر چھوڑ آئے گا...... سورج غروب ہونے کے بعد جب ذرا اندھیرا ہو جائے گا تو تم لوگ یہاں سے نکل جانا"۔

دوپہر کا سادہ کھانا سب رضا کاروں نے مل کر کھایا...... وہی سادہ روٹیاں تھیں اور معمولی سی سبزی تھی...... یہ واقعی مجاہدوں کا کھانا تھا...... جب سورج غروب ہونے لگا اور دن کا اجالا شام کے اولیں دھندلکوں میں تبدیل ہونا شروع ہو گیا تھا تو عمران اور جبران کو کمانڈر سلطان علی نے بڑی محبت کے ساتھ رخصت کیا...... ایک سادہ کپڑوں والا رضا کار ان کے ساتھ ہو گیا تھا...... وہ گھوڑوں پر سوار گھنے جنگل میں سے گزرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔



مجاہد رضا کار انہیں اورنگ آباد شہر کی سرحد پر چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

وہاں سے کمانڈو عمران اور جبران آٹو رکشے میں بیٹھ کر عالی جاہ کی دکان پر آ گئے...... عالی جاہ اپنی جلد سازی میں مصروف تھا...... اس نے دونوں کو دیکھا تو خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہا...... اس وقت اس کے پاس ایک گاہک بیٹھا تھا...... جب وہ چلا گیا تو عالی جاہ کہنے لگا۔

"مجھے ساری رپورٹ مل گئی ہے...... تم لوگوں نے بڑا اہم کام کیا ہے، مگر حکومت نے اس کیمپ کی تباہی کی خبر اخباروں میں نہیں چھپنے دی...... اس میں حکومت کی بدنامی بھی تھی اور "را" کی خفیہ ایجنسی پاکستان کے عوام تک اپنے کیمپ کی بربادی کی خبر نہیں پہنچانا چاہتی، مگر تم لوگوں نے اپنا کام کر دیا ہے...... اب بھارت سرکار سوچ سمجھ کر پاکستان دشمن تخریب کاری کے کیمپ لگائے گی...... ہم یہی چاہتے ہیں...... اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"ہم واپس دلی پہنچنا چاہتے ہیں"۔

عالی جاہ کہنے لگا۔

"دکن کوئین یہاں سے سیدھی دلی جاتی ہے...... یہ گاڑی شام کے وقت چھوٹتی ہے...... ایک ٹرین آندھرا ایکسپریس ہے...... وہ دوپہر کے سوا دو بجے چلتی ہے، مگر

گاڑی تمہیں ناگ پور تک ہی لے جائے گی...... ناگ پور سے تمہیں دلی والی گاڑی پکڑنی پڑے گی"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"میرے خیال میں ہمیں دکن کوئین پر ہی سفر کرنا چاہئے"۔

"میں بھی تمہیں یہی مشورہ دوں گا...... تم اوپر جا کر آرام کرو"۔

دونوں کمانڈو مجاہد سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلے گئے...... وہ دوپہر تک سوئے رہے...... دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد پھر سو گئے...... عالی جاہ نے کہا کہ میں تمہیں وقت پر جگا دوں گا...... ساڑھے چار بجے عالی جاہ نے انہیں جگا دیا...... انہوں نے نہا دھو کر معمولی قسم کے کپڑے پہنے اور خاموشی سے اورنگ آباد ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے...... ٹرین کے چھوٹنے میں ابھی ایک گھنٹہ پڑا تھا...... وہ پلیٹ فارم پر بیٹھنے کی بجائے سیکنڈ کلاس ویٹنگ روم میں جا کر بیٹھ گئے..... ٹکٹ انہوں نے لے لئے تھے...... پلیٹ فارم پر انہیں خطرہ تھا کہ کسی سی آئی ڈی والے کی نظروں میں نہ آ جائیں...... دکن کوئین کے چلنے کا وقت ہوا تو وہ پلیٹ فارم پر آ کر ٹرین میں سوار ہو گئے...... اس کے بعد دلی تک دکن کوئین کا طویل سفر شروع ہو گیا۔

ایک رات، ایک دن اور پھر ایک رات ٹرین میں سفر کرنے کے بعد وہ دلی پہنچ گئے...... دلی اب ان کے واسطے کوئی اجنبی شہر نہیں رہا تھا...... سٹیشن سے کمانڈو عمران نے حاجی صاحب کو ہوٹل میں فون کیا اور خفیہ زبان میں حاجی صاحب کو بتایا کہ ہم دلی پہنچ گئے ہیں...... حاجی صاحب نے کہا۔

"میرے پلاٹ والی قیام گاہ پر چلے جاؤ میں شام کو آؤں گا"۔

دونوں وہاں سے سیدھے حاجی صاحب کے پلاٹ والی قیام گاہ پر چلے گئے...... شام کو حاجی صاحب بھی آ گئے...... کہنے لگے۔

"اورنگ آباد کے جنگل والے بھارتی دہشت گردوں کے ٹریننگ کیمپ کی تباہی

کی خبر انڈیا گورنمنٹ نے کسی اخبار میں نہیں چھپنے دی، مگر ہمیں اپنے ذرائع سے کیمپ کی تباہی کی پوری خبر مل گئی تھی...... ہمارے آدمی نے بتایا ہے کہ کیمپ میں جتنے زیر تربیت دہشت گرد تھے وہ جل کر راکھ ہوگئے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے انسٹرکٹر بھارتی کمانڈو بھی ہلاک ہوگئے ہیں...... کیمپ کا ایک بھی آدمی زندہ نہیں بچا"۔

یہ سن کر عمران اور جبران کو بڑی خوشی ہوئی...... عمران نے کہا۔

"ہم اپنے آپریشن کا رزلٹ چاہتے تھے جو آپ نے ہمیں بتادیا...... ہمیں خوشی ہوئی ہے کہ ہم نے کیمپ کے سارے پاکستان دشمن تخریب کاروں کو ہلاک کردیا ہے"۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"تم نے بڑا اچھا کیا کہ اورنگ آباد سے میرے پاس چلے آئے...... سیدھا کشمیر کے فرنٹ پر نہیں چلے گئے"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"ہم آپ کو اپنے کامیاب مشن کی رپورٹ دیئے بغیر کیسے آگے جاسکتے تھے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"یہ اس لحاظ سے بھی اچھا ہوا ہے کہ تمہارے نام بمبئی والے سیٹھ ستار کا ایک خاص پیغام ہے...... سیٹھ ستار نے مجھے پیغام بھجوایا ہے کہ تم لوگ جس وقت بھی میرے پاس آؤ میں تمہیں بمبئی پہنچنے کی ہدایت کروں...... میرا خیال ہے سیٹھ ستار کے پاس تمہارے نام کوئی اہم پیغام ہے...... تم آج ہی بمبئی روانہ ہوجاؤ"۔

عمران نے کہا۔

"یہ بتائیں کہ ہمیں اس وقت بمبئی کی کون سی گاڑی مل سکتی ہے؟"۔

حاجی صاحب بولے۔

"مہاراشٹر ایکسپریس صبح صبح چلتی ہے...... وہی ٹرین تمہارے لئے ٹھیک

...... راستے میں بہت کم جگہوں پر رکتی ہے"۔

وہ رات دونوں مجاہدوں نے حاجی صاحب کی مضافاتی قیام گاہ میں ہی آرام کیا اور صبح ریلوے سٹیشن پہنچ گئے...... مہاراشٹر ایکسپریس ایک پلیٹ فارم پر کھڑی ...... اس گاڑی کا نام قیام پاکستان سے پہلے بمبئے ایکسپریس ہوتا تھا، لیکن جب بمبئی کو [راش]ٹر میں شامل کرلیا گیا تو اس کا نام مہاراشٹر ایکسپریس رکھ دیا...... ٹرین میں [مساف]روں کا ہجوم تھا...... عمران نے انٹر کلاس کے ٹکٹ لئے تھے...... انٹر کلاس میں بھی [با]رش تھا...... بہر حال انہیں بھی ڈبے میں سیٹ مل گئی...... مہاراشٹر ایکسپریس ہی بڑی تیز رفتار گاڑی تھی...... دلی سے بمبئی کی طرف روانہ ہوئی تو اس نے نئی دلی نظام آباد کے سٹیشن بھی چھوڑ دیئے، لیکن دلی سے بمبئی تک بڑا لمبا سفر تھا...... [ایکس]پریس ٹرین ہونے کے باوجود ایک دن اور ایک رات کے سفر کے بعد اگلے دن [دو]پہر کے بعد بمبئی پہنچی۔

بمبئی میں اس وقت بارش ہو رہی تھی۔

کمانڈو عمران نے سٹیشن پر سیٹھ ستار کو فون کر کے بتادیا کہ وہ بمبئی پہنچ گئے ہیں...... سیٹھ ستار نے کہا۔

"وہیں ٹھہرو...... میرا ڈرائیور تمہارے لئے گاڑی لے کر آرہا ہے"۔

آدھے گھنٹے بعد سیٹھ ستار کا ڈرائیور گاڑی لے کر آگیا...... دونوں مجاہد اس میں [سو]ار ہو کر سیٹھ ستار کے ریسٹ ہاؤس میں آگئے...... بارش کافی تیز ہو رہی تھی...... [ڈ]رائیور دونوں کو ریسٹ ہاؤس میں چھوڑ کر چلا گیا...... پھر سیٹھ ستار کا فون آگیا...... کہنے لگا۔

"میں پہنچ رہا ہوں...... تمہارے نام ایک بڑا اہم خفیہ پیغام ہے"۔

اور سیٹھ ستار نے فون بند کردیا...... ٹیلی فون عمران نے سنا تھا...... اس نے جبران سے کہا۔

پتہ نہیں کوئی پیغام ہے ہمارے نام ...... کس کا پیغام ہو سکتا ہے، جبران نے
پوچھا...... میں کچھ نہیں کہہ سکتا، یہ تو سیٹھ کے آنے پر ہی معلوم ہوگا: کچھ وقت ہی
گزرا ہوگا کہ سیٹھ کی گاڑی ریسٹ ہاؤس میں داخل ہو کر پورچ میں کھڑی ہوگئی
سیٹھ ستار گاڑی سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آگیا جہاں دونوں کمانڈو مجاہد بیٹھے اس کا
انتظار کر رہے تھے...... سیٹھ ستار نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے نوکر کو چائے
لانے کا کہا...... اندر آکر بولا بمبئی میں مون سون شروع ہو گیا ہے اور سامنے صوفے پر
بیٹھ کر کہنے لگا۔

”مشن کی کامیابی کی مبارک ہو...... ہمیں اطلاع مل گئی تھی، مگر فوج نے ٹریننگ
کیمپ کی تباہی کی خبر پریس کو نہیں دی...... اس خبر کی اشاعت سے لوگوں میں بھارتی
سینا کے بارے میں بددلی پیدا ہو سکتی تھی، لیکن ایسی خبریں کبھی چھپی نہیں رہ
سکتیں...... بات سارے ملک میں پھیل جاتی ہے“۔

اتنے میں نوکر چائے لے آیا...... وہ چائے پیتے ہوئے اورنگ آباد کیمپ کے مشن
کی کامیابی پر باتیں کرتے رہے...... آخر عمران نے پوچھا۔

”ہمارے نام کون سا پیغام ہے آپ کے پاس؟“۔

ستار سیٹھ نے چائے کی پیالی میز پر رکھ دی اور عمران اور جبران کی طرف ذرا جھک کر
کہا۔

”بھوپال سے للت پور جھانسی ریلوے لائن پر ایک سٹیشن گنج باسودہ ہے......
اب بہت بڑا شہر بن گیا ہے...... یہاں شہر سے تھوڑی دور جنگل کے کنارے سیاحوں
اور شیر کا شکار کھیلنے والے شکاریوں کی سہولت کے لئے ایک ڈاک بنگلہ بنا ہوا ہے جہاں
سیاح اور شکار کے شوقین کرائے پر کمرہ لے کر قیام کرتے ہیں...... اس ڈاک بنگلے
ایک بار روم بھی ہے جہاں سیاح اور شکاری رات کو بیٹھ کر بیئر اور شراب وغیرہ سے دل
بہلاتے ہیں...... اس بار روم کا ایک کاؤنٹر ہے...... وہاں گریٹا نام کی ایک گوانی لڑ

کاؤنٹر گرل ہے...... وہ ہمارے گروپ کے لئے کام بھی کرتی ہے...... میں تمہیں ایک
بند لفافہ دوں گا...... یہ لفافہ تمہیں گریٹا نام کی اس کاؤنٹر گرل کو پہنچانا ہوگا...... یہ کام
صرف تم ہی کر سکتے ہو...... میں کسی دوسرے شخص پر بھروسہ نہیں کر سکتا...... کیا تم
اس کے لئے تیار ہو؟“۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

”یہ میرا فرض ہے...... میں ہر حالت میں آپ کا خط کاؤنٹر گرل گریٹا تک
پہنچا دوں گا...... اس میں مجھ سے پوچھنے والی کون سی بات ہے“۔

سیٹھ ستار نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”تم نے میرا بہت بڑا بوجھ ہلکا کر دیا ہے...... بڑا اچھا ہوا کہ اس وقت تم بمبئی پہنچ
گئے...... میں اسی الجھن میں تھا کہ یہ ضروری خط گریٹا کو کس کے ہاتھ پہنچاؤں، اب ایسا
ہے کہ تم آج کی رات بے شک آرام کرو...... کل صبح فرنٹیر میل میں سوار ہو کر نکل
جانا...... بھوپال سے آگے للت پور اور جھانسی کے درمیان گنج باسودہ کا سٹیشن آئے
گا...... وہاں اتر جانا...... وہاں سے کوئی ٹیکسی پکڑ کر سیدھا ڈاک بنگلے پہنچ کر بار روم میں
گریٹا سے ملنا اور اسے کہنا کہ مجھے ٹونی اکارڈین بجانے والے نے بمبئی سے تمہارے پاس
بھیجا ہے...... یہ تمہارا کوڈ ہوگا...... گریٹا فوراً سمجھ جائے گی کہ تمہیں ستار سیٹھ نے بھیجا
ہے...... وہ تم سے پوچھے گی کہ ٹونی کا کیا حال ہے...... تم اسے رازداری سے بتانا کہ اس
نے تمہارے نام ایک خط بھیجا ہے...... اس کے بعد وہ خود ہی موقع دیکھ کر تم سے خط
وصول کر لے گی...... اس کے بعد تم بے شک ڈاک بنگلے میں ایک رات قیام کرنا اور
دوسرے دن بمبئی واپس آجانا...... تم سمجھ گئے ہو ناں؟“۔

عمران نے کہا۔

”بالکل سمجھ گیا ہوں...... آپ وہ خط مجھے دے دیجئے...... میں اپنی جان سے بڑھ
کر اس کی حفاظت کروں گا اور صرف گریٹا کاؤنٹر گرل کے ہی ہاتھ میں دوں گا“۔

"شاباش...... ستار سیٹھ نے کہا" اب مجھے اطمینان ہو گیا ہے...... خط میں تمہیں صبح سٹیشن پر جانے سے پہلے دے دوں گا...... کمانڈو جبران پیچھے ریسٹ ہاؤس میں ہی رہے گا...... جب تم یہ مشن پورا کر کے واپس آؤ گے تو تم دونوں کا واپس کشمیر فرنٹ پر جانے کا انتظام ہو جائے گا"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر! میں یہیں رہ کر عمران کی واپسی کا انتظار کروں گا"۔

دوسرے دن ٹرین کی روانگی کے ٹائم سے ایک گھنٹہ پہلے ستار سیٹھ گاڑی لے کر آ گیا...... وہ خود گاڑی چلا رہا تھا...... کمانڈو عمران بالکل تیار تھا...... ستار سیٹھ نے اسے اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھالیا اور ڈیش بورڈ میں سے ایک نوٹ بک میں سے رنگین تصویر نکال کر عمران کو دکھائی...... یہ ایک خوش شکل نوجوان لڑکی کی تصویر تھی جس کے بال کٹے ہوئے تھے اور جس نے انگریزی وضع کا لباس پہن رکھا تھا۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"یہ کاؤنٹر گرل گریٹا ہے...... اس کو اچھی طرح سے دیکھ لو...... تمہیں میرا خفیہ خط اسی کو جا کر دینا ہو گا"۔

کمانڈو عمران نے گریٹا کی فوٹو کو دس پندرہ سیکنڈ تک غور سے دیکھا اور فوٹو ستار سیٹھ کو واپس کر دی۔

"میں نے گریٹا کی شکل اچھی طرح سے دیکھ لی ہے...... آپ کا خط اسی لڑکی کے حوالے کروں گا"۔

ستار سیٹھ نے اس کے بعد جیب سے ایک بند لفافہ نکال کر عمران کو دیا جو عام ڈاک کے لفافے کے سائز کا تھا اور جو پلاسٹک کے لفافے میں لپٹا ہوا تھا۔

"یہ وہ لفافہ ہے جو تمہیں گریٹا کو دینا ہے...... اس کی پوری حفاظت کرنا اور کسی حالت میں بھی یہ لفافہ کسی دوسرے شخص کے حوالے مت کرنا...... سمجھ گئے ہو

؟"۔

"جی ہاں سمجھ گیا ہوں...... آپ بے فکر ہو جائیں"۔

اور عمران نے پلاسٹک کے کاغذ میں لپٹا ہوا لفافہ اپنی جیکٹ کی اندر والی جیب میں لیا...... ستار سیٹھ نے عمران کو ایک اور لفافہ دیا اور کہا۔

"اس میں پانچ سو روپے کے نوٹ ہیں...... اس مشن کے لئے اتنی رقم کافی ہے...... اگر وہاں جا کر زیادہ پیسوں کی ضرورت پڑ جائے تو بلا تکلیف گریٹا سے طلب کرنا...... وہ اپنے گروپ کی لڑکی ہے اور بے حد ذہین اور سمجھ دار لڑکی ہے"۔

ستار سیٹھ نے گاڑی سٹارٹ کی اور بمبئی کے سنٹرل سٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا...... ان دنوں فرنٹیئر میل بمبئی کے بمبے سنٹرل سٹیشن سے روانہ ہوا کرتی تھی...... سیٹھ عمران کو سٹیشن پر چھوڑ کر واپس چلا گیا...... عمران سیدھا بکنگ ونڈو پر گیا، وہاں سے گنج باسودہ تک کا انٹر کلاس کا ایک ٹکٹ لیا اور پلیٹ فارم پر آ گیا...... فرنٹیئر میل بمبئی سے چلتی تھی اور بمبئی سے امرتسر تک جاتی تھی...... ٹرین پلیٹ فارم پر کھڑی تھی...... کچھ مسافر بیٹھ چکے تھے...... کچھ سواریاں آ رہی تھی...... پلیٹ فارم پر خوب رش تھا اور طرح طرح کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں...... عمران کے پاس کوئی سامان وغیرہ تو تھا نہیں...... صرف ایک بریف کیس تھا جس میں سفر کا ضروری سامان رکھا ہوا تھا...... وہ انٹر کلاس کے ایک کمپارٹمنٹ میں سوار ہو گیا۔

اپنے وقت پر ٹرین پلیٹ فارم سے چل پڑی۔

فرنٹیئر میل ایک تیز رفتار ایکسپریس ٹرین ہے اور کسی چھوٹے سٹیشن پر نہیں رکتی...... یہ سفر بھی طویل تھا...... بمبئی سے گنج باسودہ تک راستے میں کئی بڑے شہر آئے...... سارا دن ٹرین سفر کرتی رہی...... شام کا جھٹپٹا ہو رہا تھا کہ ٹرین برہان پور پہنچی...... برہان پور سے آگے کئی اہم شہروں میں سے ہوتی ہوئی ٹرین بھوپال پہنچ گئی...... بھوپال کی مسلمان ریاست جو کبھی مسلمان ریاست ہوا کرتی تھی بھارت کے

بالکل وسط میں واقع ہے اور بھوپال سے لے کر جھانسی تک کا سارا وسطی علاقہ ست پڑا کے خطرناک جنگلوں سے بھرا ہوا ہے...... ان جنگلوں میں ہر قسم کے درندے اور حشرات الارض پائے جاتے ہیں...... ایسی ایسی دلدلیں ہیں جہاں ہاتھی گر پڑیں تو غرق ہو جائیں...... ان جنگلوں میں باہر کے ملکوں سے آ کر شکاری شیر کا شکار کرتے ہیں...... یہی وہ علاقہ ہے جہاد گنج باسودہ کا ریلوے سٹیشن تھا جہاں کمانڈو عمران نے جنگل کے کنارے پر واقع ڈاک بنگلے کے بار روم کی کاؤنٹر گرل گریٹا کو ستار سیٹھ کا ضروری خط پہنچانا تھا۔

عمران نے یہ خط اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب میں بڑا سنبھال کر رکھا ہوا تھا دوسرے دن دوپہر کے بعد للت پور اور جھانسی کے درمیان گنج باسودہ کا سٹیشن آیا...... فرنٹیر میل یہاں کچھ دیر کے لئے رکتی تھی...... کسی زمانے میں یہ چھوٹا سا شہر ہوا کرتا تھا، مگر اب بڑا وسیع اور کافی آبادی والا شہر بن گیا تھا اور ست پڑا کے جنگلوں کا دروازہ کہا جاتا تھا...... اس شہر کی اسی خصوصیت کی وجہ سے یہاں ایک ٹھیکیدار نے ڈاک بنگلہ بنا رکھا تھا جہاں سیاح اور شکاری لوگ آ کر قیام کرتے تھے اور پھر جنگلوں میں شکار کے لئے نکل جاتے تھے۔

کمانڈو عمران اس شہر میں پہلی بار داخل ہو رہا تھا...... اس سے پہلے وہ دو دو تین تین بار سٹیشن سے ضرور گزرا تھا...... بمبئی سے لے کر گنج باسودہ تک آسمان پر بادل بادل چھائے ہوئے تھے...... بارش رکی ہوئی تھی...... موسم خوشگوار تھا...... سٹیشن سے باہر آ کر عمران نے ایک آٹو رکشا لیا اور اسے ڈاک بنگلے کی طرف چلنے کو کہا...... رکشا شہر کے بارونق بازاروں میں سے گزرتا ہوا شہر کے باہر کے علاقے میں آ گیا...... یہاں کھیت اور درختوں کے جھنڈ جگہ جگہ نظر آ رہے تھے...... ان میں ناریل اور تاڑ کے درخت بھی تھے...... ڈاک بنگلہ اس جگہ پر تھا جہاں سے واقعی کچھ فاصلے پر درختوں کی ایک دیوار سی کھڑی نظر آ رہی تھی...... یہاں سے جنگل شروع ہو جاتے تھے......

جدید ٹائپ کا ایک ہوٹل لگتا تھا...... یہ کوئی فائیو سٹار ہوٹل تو نہیں تھا لیکن پرانی ...کا ڈاک بنگلہ بھی نہیں تھا۔

کمانڈو عمران سیدھا بار روم میں آ کر بیٹھ گیا...... وہاں کچھ سیاح اور غیر ملکی اور ملکی ...ی بیٹھے بیئر وغیرہ پی رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے...... سامنے بار روم کا کاؤنٹر ...... عمران کی نگاہیں بار روم کے کاؤنٹر کا جائزہ لے رہی تھیں...... وہاں دو سفید ...ں والے دبلے پتلے نوجوان لڑکے ہی تھے...... کوئی لڑکی دکھائی نہیں دے رہی ...... ایک بیرا عمران کی میز پر بھی آ گیا...... اس نے عمران سے پوچھا کہ صاحب کیا ...گا؟ عمران شراب اور بیئر وغیرہ کو کبھی ہاتھ بھی نہیں لگاتا تھا...... اس نے کہا۔

"بھائی! میرا پیٹ کچھ خراب ہے...... آج میں بیئر نہیں پیوں گا...... اگر مجھے ...ے کی ایک بوتل لا دو تو بڑی مہربانی ہو گی"۔

بیرا بولا...... ابھی لاتا ہوں صاحب۔

جب بیرا سوڈے کی بوتل لے کر آیا تو عمران نے اس سے پوچھا۔

"یار آج گریٹا نظر نہیں آ رہی...... کیا چھٹی پر چلی گئی ہے؟"۔

بیرے نے سوڈے کی بوتل عمران کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں صاحب...... آج اس کی ڈیوٹی شام کی ہے...... پانچ بجے آئے گی"۔

اس وقت دوپہر کے تین بج رہے تھے...... عمران بار روم میں دو گھنٹے نہیں بیٹھ ...تھا...... کچھ دیر تو وہ بار روم میں ہی بیٹھا تھوڑا تھوڑا کر کے سوڈا پیتا رہا...... بار روم ...گاہکوں کا کافی رش تھا...... بیرا بل لے کر آ گیا...... تین گاہک عمران کے میز کی ...ی کرسیوں پر آ کر بیٹھ گئے اور انہوں نے بیرے کو وسکی کا آرڈر دے دیا...... ...بل ادا کر کے خاموشی سے اٹھا اور ڈاک بنگلے کے باہر آ کر اس کے عقب کی جانب ...گیا...... ڈاک بنگلے کے عقب میں ایک سرسبز چھوٹا سا دالان تھا جس میں بانس کی ...ہ پڑی تھیں...... عمران ان کرسیوں پر بیٹھ کر خواہ مخواہ دیکھنے والوں کی نظروں

میں نہیں آنا چاہتا تھا...... وہ لان کے قریب سے ہو کر دوسری طرف ایک چھوٹی
کچی سڑک پر آگیا جس کی ایک جانب اونچے اونچے درخت کھڑے تھے...... یہ چھوٹی
سڑک آگے جنگل کی طرف چلی گئی تھی جس کے درختوں کی سیاہ رنگ کی دیوار
سے نظر آرہی تھی...... سڑک خالی پڑی تھی...... اوپر درختوں پر کبھی کبھی کسی پرند
کے بولنے کی آواز آجاتی تھی...... کافی دیر تک کمانڈو عمران اس سڑک پر پھرتا رہا
تنہائی اور خاموشی ہو تو وقت اتنی آسانی سے نہیں گزرتا، مگر عمران بڑا سخت جان
تھا...... اسے اپنے آپ کو یا اپنے نفس کو مارنا آتا تھا...... اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی
ایک گھنٹہ گزر گیا تھا...... دن کی روشنی کچھ سورج کے ڈھلنے اور کچھ آسمان پر چھا
ہوئے بادلوں کی وجہ سے پھیکی پڑنے لگی تھی...... دور جنگل کی طرف سے پرندوں
بسیرا لینے کی مدہم آوازیں سنائی دے رہی تھیں...... آسمان پر پرندوں کے جھنڈ
جھنڈ جنگل کی طرف جارہے تھے...... جنگل کی طرف جاتی اسی چھوٹی سی کچی سڑک
ایک جگہ خشک نالے کی پلیا تھی...... عمران پلیا پر بیٹھ گیا...... وہ کچھ وقت اور گزارنا چاہ
تھا...... جب گھڑی نے ساڑھے چار بجائے تو وہ اٹھ کر بار روم میں آگیا...... کاؤنٹ
مرد ہی نظر آرہے تھے...... وہاں کوئی لڑکی نہیں تھی...... اس کا مطلب تھا کہ گریٹا
تک نہیں آئی تھی۔

عمران نے سوڈا واٹر کی ایک اور بوتل منگوالی اور اسے گلاس میں ڈال کر آ
آہستہ پینے لگا...... بار روم کی بتیاں روشن تھیں...... بار روم میں شام کے وقت
لوگ آگئے تھے اور بیئر وغیرہ پی رہے تھے...... بار روم کی فضا سگریٹوں کے دھو
بیئر شراب کی بو سے بوجھل ہو رہی تھی...... اتنے میں ایک لڑکی پچھلے درواز
داخل ہو کر تیز تیز قدم اٹھاتی کاؤنٹر پر آکر کھڑی ہو گئی...... عمران نے اسے غو
دیکھا...... اس کی شکل ہو بہو اس فوٹو والی لڑکی سے ملتی تھی جو ستار سیٹھ نے
اسے دکھائی تھی...... ایک دو گاہک کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر بھی بیئر پیتے ہوئے

رہے تھے...... عمران نے اپنا گلاس اٹھایا اور کاؤنٹر کے کونے میں جا کر کھڑا ہو گیا......
یٹا کچھ فاصلے پر ایک گاہک کو بیئر کی بوتل کھول کر دے رہی تھی...... اس نے عمران
طرف دیکھا تو عمران نے اسے ہلکا سا اشارہ کر کے اپنی طرف بلایا...... گریٹا
نے قریب آکر پوچھا۔

"یس مسٹر! کیا چاہیئے؟"۔

اس وقت گریٹا اور عمران کے قریب کوئی گاہک نہیں تھا...... عمران نے گلاس کی
رف اشارہ کر کے کہا۔

"میڈم! سوڈا زیادہ تیز نہیں ہے"۔

گریٹا نے رومال سے کاؤنٹر کا سنگ مرمر کا پینل صاف کرتے ہوئے کہا۔

"آج کل ایسا ہی سوڈا سپلائی ہوتا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"مس گریٹا؟"۔

لڑکی نے نگاہ اٹھا کر پوچھا۔

"یس Yes!"۔

عمران نے پوچھا۔

"تمہارا نام مس گریٹا ہے؟"۔

"یس! کیوں؟ کیا بات ہے؟"۔

عمران نے ستار سیٹھ کے بتائے ہوئے کوڈ الفاظ میں کہا۔

"مجھے ٹونی اکارڈین بجانے والے نے بمبئی سے تمہارے پاس بھیجا ہے"۔

گریٹا نے غور سے عمران کو دیکھا...... پھر دائیں بائیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹونی کا کیا حال ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"اس نے تمہارے نام ایک خط بھیجا ہے"۔

لڑکی گریٹا نے عمران کے گلاس میں مزید سوڈا ڈالتے ہوئے زیر لب آہستہ سے کہا۔

ڈاک بنگلے کے پیچھے بر آمدہ ہے...... بر آمدے کے کونے میں ایک کمرہ ہے...... اس کا دروازہ کھلا ہے...... وہاں چل کر بیٹھو۔

اس کے فوراً بعد گریٹا دوسرے گاہکوں کی طرف متوجہ ہو گئی...... عمران نے سوڈے کا ایک گھونٹ پیا...... کاؤنٹر کی پلیٹ میں سوڈے کی بوتل کے پیسے اور بیرے کا ٹپ رکھا اور خاموشی سے باہر نکل گیا...... وہ اوپر سے ہو کر ڈاک بنگلے کے عقب میں آ گیا...... اس طرف بر آمدہ تھا...... بر آمدے کی ایک طرف لکڑی کے خالی کھوکھوں کا انبار لگا ہوا تھا...... دوسری جانب ایک پرانا دروازہ تھا جو تھوڑا سا کھلا تھا اور جس کے باہر لوہے کی دو چار کرسیاں پڑی تھیں...... عمران بڑے آرام سے ٹہلتا ہوا کمرے کے اندر گھس گیا۔

یہ کمرہ کیا تھا...... ایک کباڑ خانہ تھا...... ہر قسم کی ٹوٹی پھوٹی چیزیں وہاں پڑی تھیں...... عمران ایک خالی کھوکھے پر بیٹھ گیا...... وہاں بیٹھنے کی صرف یہی ایک جگہ اسے نظر آئی...... تھوڑی ہی دیر بعد اس کباڑ خانے کے بغلی چھوٹے دروازے میں سے گریٹا اندر آ گئی، کہنے لگی۔

"خط مجھے دے دو...... تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟"۔

عمران نے جیکٹ کی اندرونی جیب سے پلاسٹک کے کاغذ میں لپٹا ہوا بند لفافہ نکال کر گریٹا کو دے دیا...... گریٹا نے اسی وقت لفافہ اپنے لباس کے اندر چھپا لیا...... عمران نے کہا۔

"مجھے ستار سیٹھ نے کہا تھا کہ رات وہیں ڈاک بنگلے میں رہ لینا اور دوسرے روز بمبئی واپس چل پڑنا"۔

گریٹا نے کہا۔

"تم ابھی بار روم میں چل کر بیٹھو...... تھوڑی دیر بعد میں تمہارے پاس بیئر کی ...لے کر آؤں گی اور تمہیں بتا دوں گی کہ تمہیں رات کہاں بسر کرنی ہے...... اب

عمران اسی وقت اٹھا اور کمرے سے نکل کر بر آمدے سے ہوتا ہوا بار روم کے ...ں میں آ کر بیٹھ گیا...... بار روم شراب پینے والوں سے بھر چکا تھا...... عمران کونے کی کرسی پر بیٹھا تھا...... بیرے نے اس سے پوچھا تو اس نے سوڈے کی ایک اور بوتل ...الی...... باہر شام کا دھندلکا رات کے اندھیرے میں بدل رہا تھا...... بار روم میں ...رونق تھی...... بتیاں جگمگا رہی تھیں...... گریٹا بھی کاؤنٹر پر واپس آ کر اپنے کام ...مصروف ہو گئی تھی...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ دور سے عمران کو دیکھ لیتی تھی۔

اتنے میں اچانک باہر پستول کے تین چار فائروں کے دھماکوں کی آواز آئی اور اس ...ساتھ ہی چار پانچ آدمی جنہوں نے چہروں پر ڈاٹے باندھے ہوئے تھے رائفلیں ...وں میں لئے بار روم میں داخل ہو گئے اور انہوں نے رائفلوں کی نالیاں چھت کی ...ف کر کے اوپر تلے چھ سات فائر جھونک دیئے...... بار روم میں افراتفری مچ گئی...... ...ے شرابی اپنے گلاس اور بوتلیں چھوڑ کر باہر کو بھاگ گئے...... صرف عمران کونے ...بیٹھا رہا...... اس کے بعد ایک اونچا لمبا چوڑا چکلا بڑی بڑی مونچھوں والا گورا چٹا آدمی ...روم میں داخل ہوا...... اس کے کاندھے پر میگزین کی بیلٹ لٹک رہی تھی...... اس ...خاکی پتلون اور شکاریوں والی بش شرٹ پہنی ہوئی تھی...... ہاتھ میں سٹین گن ...... آتے ہی وہ کاؤنٹر کی طرف مڑ گیا۔

کاؤنٹر پر صرف دو لڑکے اور ایک گریٹا ہی رہ گئی تھی...... باقی سب نوکر ڈر کر ...پ گئے تھے...... عمران سمجھ گیا کہ یہ ڈاکو قسم کے لوگ ہیں اور لوٹ مار کرنا ان کا پیشہ ...اور یہ دراز قد گورا چٹا آدمی ان کا سردار ہے...... بار روم کے گاہکوں میں سے صرف

عمران ہی کونے والی میز پر بیٹھا رہ گیا تھا...... باقی ساری کرسیاں خالی تھیں جن پر ڈا
بیٹھ کر بیئر وغیرہ پینے میں مصروف ہوگئے تھے...... ڈاکوؤں کا سردار کاؤنٹر کے پاس گ
اور اس نے گریٹا سے کہا۔

"ہمیں شراب پلاؤ لڑکی...... ہاں...... ہم سکاچ پئیں گے...... ہاں"۔

اور وہ مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا کاؤنٹر کے پاس ہی ایک خالی میز پر بیٹھ گیا...... ڈاکو اٹھ کر اس کے پاس آکر کرسیوں پر بیٹھ گئے اور اپنی اپنی رائفلیں میز پر ر دیں...... ایک ڈاکو نے سردار سے کہا۔

"سردار! میں کیش دیکھتا ہوں"۔

سردار نے کہا۔

"ابے جا...... جتنا کیش ہے اٹھا کر لے آ"۔

ڈاکو اٹھ کر کاؤنٹر کے پیچھے اس جگہ گیا جہاں کیش وصول کیا جاتا تھا...... اس نے جلدی جلدی دراز کھول کر اس میں سے سارے نوٹ اور نقدی نکال کر اپنے تھیلے میں ڈالی اور سردار کے پاس آکر تھیلا اس کے آگے رکھتے ہوئے بولا۔

"چھ سات ہزار ہی کی رقم ہے سردار"۔

سردار نے کہا۔

"ابے چل اتنی ہی سہی...... ہم تو یہاں شراب پینے آئے ہیں...... لوٹنے نہیں آئے...... لے جا...... یہ تیرا انعام ہے"۔

اور سردار نے ایک مونچھ کو انگلیوں سے مروڑتے ہوئے گریٹا سے کہا۔

"او لڑکی! تو نے ابھی تک شراب نہیں بھیجی ہمارے لئے...... کیوں؟ ہیں؟"۔

گریٹا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"لا رہی ہوں سر!"۔

اور گریٹا ایک گلاس اور ایک بوتل لے کر کاؤنٹر سے نکل کر ڈاکوؤں کے سر

میز کے قریب آئی اور بوتل اور گلاس سردار کے سامنے رکھ دیا...... دوسرے ڈاکو گریٹا کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف کھینچ کر بولا۔

"ہم تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے...... میں تم سے شادی کروں گا"۔

اور دوسرے ڈاکو کھل کھلا کر ہنسنے لگے...... وہ دھڑا دھڑ بیئر کی بوتلیں خالی رہے تھے...... گریٹا اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی اور ڈاکو نے اسے اپنی گود گرا لیا تھا اور اس کے ساتھ تشدد کر رہا تھا...... عمران کونے والی میز سے اٹھ کر ڈاکو پاس آیا اور اس نے ڈاکو سے کہا۔

"عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے...... کیسے مرد ہو تم؟"۔

ڈاکو کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا...... اس نے گریٹا کو چھوڑ دیا اور اٹھ کر اپنی رائفل نالی عمران کے سینے سے لگا دی...... ڈاکوؤں کا سردار یہ سارا منظر مسکراتے ہوئے اور راب کے گھونٹ چڑھاتے ہوئے خاموشی سے دیکھ رہا تھا...... دوسرے ڈاکو بھی وہاں گئے تھے...... سب نے ہتھیار سنبھال لئے تھے...... عمران نے کہا۔

"صرف بزدل آدمی ہی نہتے آدمی پر گولی چلاتے ہیں...... تم دیکھ رہے ہو کہ رے پاس کوئی پستول بندوق نہیں ہے"۔

ڈاکو نے رائفل میز پر رکھ دی اور عمران کو زوردار گھونسہ مارنے کے لئے ہاتھ ٹھایا ہی تھا کہ عمران نے نیچے سے ڈاکو کے پیٹ پر اتنے زور سے لات ماری کہ وہ دہرا گیا...... عمران نے اوپر سے اس کی گردن پر ہاتھ مارا...... یہ ایک کمانڈو کا فولادی ہاتھ تھا...... ڈاکو منہ کے بل فرش پر گر پڑا اور وہیں پڑا پڑا کراہنے لگا...... گریٹا کاؤنٹر کے پیچھے ی ہوئی کھڑی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی...... دوسرے ڈاکوؤں نے عمران پر گولیاں نی چاہیں تو سردار نے انہیں روک دیا اور گرج کر کہا۔

"خبردار! کوئی فائر نہ کرے"۔

پھر اس نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے عمران سے کہا۔

"بڑے بہادر مرد ہو...... کہاں کے رہنے والے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"بمبئی سے یہاں سیر کرنے آیا ہوں"۔

"بمبئی میں کیا کرتے ہو؟" سردار نے دوسرا سوال کیا۔

عمران نے کہا۔

"محنت مزدوری کرتا ہوں...... تمہاری طرح لوگوں کی کمائی لوٹ کر حرام نہیں کھاتا"۔

سردار کا ہاتھ بے اختیار سٹین گن پر چلا گیا...... دوسرے ڈاکوؤں نے رائفلیں عمران کی گردن کے ساتھ لگا دیں...... ایک ڈاکو نے چیخ کر کہا۔

"سردار! ہمیں کیوں روک رہے ہو...... اس آدمی نے تمہاری بے عزتی کی ہے"۔

سردار نے ہاتھ بلند کر دیا...... اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"ارے نہیں رے نہیں...... کیوں ناحق غصے ہوتے ہو...... ارے یہ بہادر آدمی ہے"۔

اتنے میں باہر رائفلوں کے فائر کے تین چار دھماکے ہوئے اور ایک ڈاکو گھبرایا ہوا اندر آکر بولا۔

"سردار! پولیس نے ہمیں گھیرے میں لے لیا ہے"۔

سارے ڈاکو بار روم کی اوپر والی گیلری میں جا کر چھپ گئے...... سردار کو اوپر گیلری میں جانے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ پولیس کے سپاہیوں کی آوازیں بار روم دروازے کے قریب آگئی تھیں...... ڈاکوؤں کا سردار دوڑ کر دیوار پر گرے ہوئے بھاری پردے کے پیچھے چھپ گیا...... پولیس اندر آگئی۔

چھ سات مسلح سپاہی تھے...... ایک درمیانے قد کا پولیس انسپکٹر پستول ہاتھ میں

آگے آگے تھا...... عمران کاؤنٹر پر گریٹا کے قریب آکر کھڑا ہو گیا...... اس کاؤنٹر کے سارے لڑکے فرار ہو چکے تھے...... پولیس انسپکٹر نے عمران سے پوچھا۔

"تم یہاں کام کرتے ہو؟"۔

"جی ہاں" عمران نے کہا۔

پولیس انسپکٹر نے پوچھا۔

"یہاں ڈاکو آئے تھے...... وہ کہاں گئے ہیں؟"۔

عمران نے گریٹا کو آنکھوں سے اشارہ کیا کہ تم خاموش رہنا...... عمران نے کہا۔

"ڈاکو آئے تھے...... کاؤنٹر کا سارا کیش لے کر اسی دروازے سے باہر بھاگ گئے ہیں"۔

پولیس انسپکٹر نے سپاہیوں سے کہا۔

"وہ رنگا پت باؤنی کی طرف گئے ہوں گے...... انہیں جنگل میں گھسنے سے پہلے پکڑنا ہے...... جلدی چلو حرام خورو!"۔

اور پولیس انسپکٹر پولیس کی ساری گارد کو لے کر بار روم کے دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا...... پولیس کے جانے کے بعد بار روم میں سناٹا سا چھا گیا...... ایک ایک کر کے سارے ڈاکو گیلری سے اتر کر نیچے آگئے...... ڈاکوؤں کا سردار بھی پردے کے پیچھے سے نکل کر عمران کے پاس آکر کھڑا ہو گیا...... سب ڈاکو حیرت زدہ ہو کر عمران کو دیکھ رہے تھے کہ ابھی تو یہ آدمی ان کے ساتھ مرنے مارنے پر اترا ہوا تھا اور اب اس نے انہیں پولیس سے بچا لیا ہے...... ڈاکوؤں کا سردار تحسین آمیز نظروں سے عمران کی طرف دیکھ رہا تھا...... گریٹا بھی حیران تھی کہ عمران نے ایسا کیوں کیا...... سردار نے آگے بڑھ کر عمران کے کندھے پر ہاتھ مارا اور بولا۔

"ارے تو نے مجھے خرید لیا ہے...... میرا نام طور خاں ہے...... میں ست پڑا کے علاقے کا سب سے بڑا ڈاکو ہوں...... کبھی کوئی کام پڑے تو میرے پاس آجانا...... میں

چمپادت کے جنگلوں میں تمہیں کہیں نہ کہیں مل جاؤں گا"۔

ڈاکوؤں کے سردار نے اپنی زمرد کی انگوٹھی اتار کر عمران کو دی اور کہا۔

"یہ لے...... اسے اپنے پاس رکھ لے...... یہ طور خان کی دوستی کی نشانی ہے"۔

پھر اس نے ڈاکوؤں سے کہا۔

"اس طرف سے نکل چلو"۔

سارے ڈاکو چشم زدن میں بار روم سے غائب ہو گئے...... بار روم ایک بار پھر خا
ہو گیا...... گریٹا نے اطمینان کا سانس لیا...... اس نے عمران سے پوچھا۔

"تم نے ڈاکوؤں کو پکڑوایا کیوں نہیں؟"۔

عمران نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"پتہ نہیں کیوں...... مجھے ڈاکو لوگ شروع ہی سے بڑے اچھے لگتے ہیں...... اس
اسی لئے میں نے انہیں نہیں پکڑوایا"۔

اتنے میں بار روم کے سٹاف کے دوسرے لوگ بھی جو چوہوں کی طرح ادھ
ادھر دبک گئے تھے باہر نکل آئے...... جب انہیں پتہ چلا کہ ڈاکو چلے گئے ہیں اور پولیس
بھی ان کے پیچھے گئی ہے تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا...... گریٹا نے عمران سے کہا

"تم ڈاک بنگلے کی لابی میں جا کر بیٹھو"۔

اسی دوران ڈاک بنگلے کے ہوٹل کا دوسرا اسٹاف اور گارڈ بھی گھبرائے ہوئے
روم میں آگئے اور پوچھنے لگے کہ ڈاکوؤں نے کسی کا خون تو نہیں کیا...... گریٹا نے کہا۔

"صرف کیش لے گئے ہیں"۔

عمران اس دوران بار روم سے باہر نکل گیا تھا...... باہر ایک جانب چھوٹی سی لا
تھی جہاں کچھ آرام کرسیاں اور میزیں لگی تھیں...... سامنے ایک کاؤنٹر تھا جہاں صر
ایک بوڑھا شخص ہوٹل کے سٹاف کی وردی پہنے کسی کو فون پر کہہ رہا تھا۔

"ڈاکو فرار ہو گئے ہیں...... پولیس ان کا پیچھا کر رہی ہے...... نہیں نہیں...... ک

نہیں ہوا...... جی ہاں"۔

اوپر سے کچھ سیاح قسم کے لوگ بھی نیچے آگئے تھے اور معلوم کر رہے تھے کہ یہ
گ کی آوازیں کیسی تھیں...... عمران لابی کے کونے میں ایک کرسی پر آ کر بیٹھ
...... ڈاکوؤں کے سردار طور خان کی دی ہوئی زمرد کی انگوٹھی اس نے جیب سے نکالی
ے غور سے دیکھنے لگا...... اسے قیمتی پتھروں کی بالکل پہچان نہیں تھی...... صرف
ے معلوم تھا کہ سبز رنگ کے پتھر کو زمرد کہتے ہیں...... اس نے انگوٹھی دوبارہ اپنی
میں رکھ لی...... ڈاک بنگلے کا ماحول پھر سے نارمل ہو گیا تھا...... لوگ آنے جانے
تھے...... بار روم کی طرف بھی بیئر وغیرہ سے دل بہلانے والے شوقین جانے لگے
...... لابی میں بھی کچھ لوگ بیٹھے چائے وغیرہ پی رہے تھے...... کمانڈو عمران ویسے
ے طور پر کچھ حیران بھی تھا کہ عین وقت پر اس نے ڈاکوؤں کو کیوں بچا لیا؟ لیکن وہ
ں بھی تھا...... اسے ڈاکو لوگ شروع ہی سے اچھے لگتے تھے...... چوری تو گھٹیا کام ہوتا
...... ڈاکو چوروں کے مقابلے میں بہادر اور مختلف لوگ ہوتے ہیں یہ غریبوں کو
ں لوٹتے پھرتے...... یہ صرف دولت مند لوگوں کے ہاں ڈاکے ڈالتے ہیں اور
رنگ کرتے آتے ہیں اور فائرنگ کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسے ڈاکوؤں
ردار طور خان اچھا آدمی لگا تھا...... اگر وہ ہلکے کردار کا آدمی ہوتا تو جس طرح عمران
ے اس کے ساتھی کو مار مار کر ادھ موا کر دیا تھا تو وہ عمران کو نہتا ہونے کے باوجود گولی
دیتا، اس نے بہادری کا ثبوت دیا اور ایسا نہیں کیا بلکہ عمران کی بہادری کو پسند کیا
...... پولیس کے آنے پر ڈاکو جب گیلری میں جا کر چھپ گئے تھے تو انہوں نے وہاں
زیشنیں سنبھال لی تھیں اور اگر پولیس انہیں پکڑنے کی کوشش کرتی تو وہاں میدان
ت کا منظر برپا ہو جاتا، مگر عمران نے انہیں خون خرابا کرنے سے بچا لیا تھا۔

جب عمران کو لابی میں بیٹھے آدھا گھنٹہ گزر گیا تو اس نے چائے منگوا لی اور چائے
یتے ہوئے گریٹا کا انتظار کرنے لگا...... آخر گریٹا آ گئی...... آتے ہی بولی۔

"آئی ایم سوری...... مجھے دیر ہو گئی...... تم ایسا کرو ڈاک بنگلے سے باہر نکل کر شہر کی طرف جو سڑک جاتی ہے اس پر چلتے جانا...... شہر سے پہلے اس سڑک پر سے ایک پگ ڈنڈی نکل کر ناریل کے درختوں کی طرف جاتی ہے...... ان درختوں کے پیچھے تمہیں کچھ مکان نظر آئیں گے...... وہاں ہمارا مکان ہے...... اس کا نمبر ون زیرو فائیو ہے...... اس کے برآمدے میں بانس کی آرام کرسیاں پڑی ہیں...... میں اپنی ممی کے ساتھ اسی مکان میں رہتی ہوں...... مجھے اپنا نام بتادو...... میں ممی کو فون کر دیتی ہوں...... تم انہیں اپنا نام بتانا وہ تمہیں ریسیو Receive کر لیں گی"۔

عمران نے گریٹا کو اپنا نام عمران ہی بتایا...... گریٹا نے ایک چٹ پر اپنا نام لکھ کر چٹ عمران کے حوالے کی اور کہا۔

"یہ چٹ میری ممی کو دے دینا میں کچھ دیر بعد آؤں گی...... او کے؟"۔

"او کے!" عمران نے کہا۔

اس نے چٹ جیب میں رکھ لی...... گریٹا بار روم کی طرف واپس چلی گئی۔

عمران ڈاک بنگلے سے نکل کر شہر کی طرف جاتی سڑک پر چل پڑا...... کافی آگے جا کر سڑک کی دائیں جانب ایک پگ ڈنڈی نکلتی تھی...... رات کی تاریکی چھا چکی تھی۔ وہاں کوئی روشنی وغیرہ نہیں تھی، لیکن پگ ڈنڈی صاف نظر آ رہی تھی اور دور فاصلے پر ناریل کے درختوں کے پیچھے کچھ مکانوں کی روشنیاں بھی دکھائی دے رہی تھیں...... عمران پگ ڈنڈی پر چل پڑا...... ناریل کے درختوں کے کافی جھنڈ تھے... مکانوں کے پاس آ کر رک گیا...... یہ ڈھلواں چھتوں والے لکڑی کے کیبن نما مکان تھے...... ہر مکان کے آگے برآمدہ تھا...... سیڑھیاں اوپر برآمدے کو جاتی تھیں... مکان کے باہر روشنی ہو رہی تھی...... گریٹا نے اپنے گھر کا نمبر ایک سو پانچ بتایا تھا... کسی مکان کے اندر سے فلمی گانے کی آواز آ رہی تھی...... عمران ایک مکان کے سا جا کر رک گیا...... اس نے ذرا آگے ہو کر برآمدے کے ستون کے ساتھ لگی ہوئی

ٹ پر نمبر پڑھا...... روشنی میں اس نے دیکھا...... یہ ایک سو چار تھا...... اس کا مطلب ا کہ ایک سو پانچ نمبر کا مکان آگے تھا...... دوسرا مکان چند قدموں کے فاصلے پر تھا۔

دوسرے مکان پر خاموشی چھائی ہوئی تھی...... برآمدے میں بھی روشنی تھی اور ردو ایک کمروں میں بھی روشنی ہو رہی تھی...... عمران نے آگے بڑھ کر مکان کا نمبر ھا...... یہ ایک سو پانچ نمبر ہی تھا...... یہی گریٹا کا مکان تھا...... عمران نے کال بیل کا ن دبایا...... اسے گھنٹی کی دبی ہوئی آواز سنائی دی...... دوسری دفعہ گھنٹی بجانے پر ایک ڑھی ملازمہ نے باہر آ کر پوچھا۔

"کون ہے؟"۔

اتنے میں بھاری بدن کی ایک اور ادھیڑ عمر عورت باہر آ گئی...... اس نے انگریزی ؤن پہن رکھا تھا...... اس نے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"عمران میرا نام ہے"۔

اور عمران نے جیب سے گریٹا کی چٹ نکال کر اس خاتون کو دے دی...... اس نے ٹ کو روشنی میں پڑھا اور ملازمہ سے کہا۔

"چلو تم جا کر چائے تیار کرو"۔

اور عمران سے کہا۔

"اندر آ جاؤ سنی"۔

سنی سے مراد یعنی بیٹا...... عمران اس کے پیچھے پیچھے مکان میں داخل ہو گیا...... سادہ سا درمیانے طبقے کے عیسائی گھرانے کا مکان تھا...... ڈرائنگ روم بڑے سلیقے سے جایا گیا تھا...... سادہ سا فرنیچر تھا...... دیوار پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم یہ السلام کی تصویریں لگی تھیں...... گریٹا کی ممی عمران کو دوسرے کونے والے ایک

چھوٹے سے کمرے میں لے گئی...... چھوٹا سا کمرہ تھا...... لوہے کے پلنگ پر گدیلے کے اوپر چادر بچھی تھی...... اوپر مچھر دانی لگی تھی...... پنکھا چل رہا تھا...... پلنگ کے پاس دو کرسیاں رکھی تھیں جن کے درمیان ایک چھوٹی سی بانس کی تپائی پر ایش ٹرے پڑا تھا...... باہر درختوں کی طرف کھلنے والی کھڑکی پر باریک جالی دار پردہ گرا ہوا تھا۔

گریٹا کی ممی نے کہا۔

"باتھ روم کمرے کے ساتھ ہی ہے...... تم یہاں آرام کرو...... میں تمہارے لئے چائے بھجوائے دیتی ہوں...... گریٹا نے مجھے فون کر دیا تھا...... وہ بھی آج جلدی آجائے گی...... تم کھانے میں کیا پسند کرو گے؟ ہم نے تو مچھلی بنائی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میڈم مجھے بھی مچھلی پسند ہے...... یہی ٹھیک رہے گی"۔

گریٹا کی ممی چلی گئی...... کچھ دیر کے بعد ملازمہ چائے میز پر رکھ کر چلی گئی......
عمران ہلکا ہلکا گھونٹ بھر کر چائے پینے لگا...... تھوڑی دیر کے بعد گریٹا بھی آگئی...... وہ مکان میں داخل ہونے کے بعد اپنی ممی کو کچھ کہہ رہی تھی...... اس کی آواز عمران کو سنائی دے رہی تھی...... پھر وہ اس کے پاس کمرے میں آگئی...... کہنے لگی۔

"بس یہ ہمارا چھوٹا سا مکان ہے...... میں نہیں چاہتی تھی کہ تم ڈاک بنگلے میں رات بسر کرو...... تمہیں بھوک ضرور لگی ہوگی...... مجھے بھی بھوک لگی ہے...... بس تھوڑی دیر میں کھانا تیار ہو جائے گا"۔

کھانا انہوں نے ایک ڈائننگ میز پر بیٹھ کر کھایا...... گریٹا کی ممی نے بڑی مزیدار مچھلی تیار کی تھی...... ساتھ سفید چاول اور سلاد وغیرہ تھا...... ایک سویٹ ڈش بھی تھی...... کھانے کے بعد گریٹا عمران کے کمرے میں آگئی...... کہنے لگی۔

"ایک ٹرین منہ اندھیرے گنج باسودہ سے بمبئی کو جاتی ہے...... دوسری ٹرین دن کے گیارہ بجے چلتی ہے...... یہ دوسری ٹرین پسنجر ہے...... تمہیں جو ٹرین مناسب لگے

اس پر چلے جانا...... ستار سیٹھ کو میری طرف سے سلام کہنا...... میں نے خط پڑھ لیا ہے...... اس کے بارے میں تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھتی"۔

عمران نے کہا۔

"میں اس بارے میں کچھ پوچھنا بھی نہیں چاہتا...... باقی میں منہ اندھیرے والی ٹرین ہی پکڑوں گا...... اس کا صحیح ٹائم کیا ہے"۔

گریٹا نے کہا۔

"وہ صبح سوا چار بجے یہاں پہنچتی ہے اور صرف پانچ سات منٹ کے لئے ہی ٹھہرتی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میں صبح ساڑھے تین بجے یہاں سے نکل جاؤں گا...... کیا راستے میں مجھے کوئی سواری مل جائے گی؟"۔

گریٹا نے کہا۔

"یہاں سے گنج باسودہ کا سٹیشن زیادہ دور نہیں ہے، مگر تمہیں چوک میں سے کوئی نہ کوئی ٹیکسی مل جائے گی...... صبح صبح ڈاک بنگلے کی طرف بھی آٹو رکشا اور ٹیکسیاں وغیرہ آجاتی ہیں کہ کسی مسافر نے صبح کی گاڑی نہ پکڑنی ہو...... میں تمہیں صبح رخصت نہ کرسکوں گی...... تم جاتی دفعہ ملازمہ کو بتا دینا...... وہ دروازے کے پاس ہی سوتی ہے"۔

رات کو عمران ٹھیک طرح سے نہ سو سکا...... اس خیال سے کہ اس نے صبح صبح اٹھنا ہے...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کی نیند کھل جاتی تھی...... جب اس کی گھڑی نے رات کے سوا تین بجائے وہ کمرے سے نکل کر مکان کے دروازے کے پاس آیا...... وہاں ایک چارپائی پر بوڑھی ملازمہ سو رہی تھی...... اس نے ملازمہ کو جگا کر کہا۔

"بی بی میں جا رہا ہوں...... مکان کا دروازہ بند کر لینا"۔

اور عمران گریٹا کے مکان سے نکل کر ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑا...... چونکہ
میں اسے ٹیکسی مل گئی جس نے اسے سٹیشن پہنچادیا...... ابھی صبح نہیں ہوئی تھی......
آسمان پر اجالا نمودار ہو رہا تھا...... سٹیشن پر مسافروں کا کافی رش تھا...... رش کو دیکھ کر
عمران کو اطمینان ہوا...... وہ مسافروں میں گھس کر ایک طرف بیٹھ گیا...... گاڑی آئی تو
دوسرے مسافروں کے ساتھ وہ بھی سوار ہو گیا...... ٹکٹ اس نے جاتے ہی لے لیا
تھا...... ٹرین دیکھتے دیکھتے سٹیشن اور گنج باسودہ کے شہر سے نکل گئی...... بڑی تیز رفتار
ٹرین تھی...... اس نے دوسرے دن رات کے نو بجے کے قریب بمبئی پہنچادیا...... سٹیشن
سے عمران نے ستار سیٹھ کو فون کیا...... اس نے مختصر الفاظ میں کہا۔

"ریسٹ ہاؤس پہنچ جاؤ"۔

عمران آٹو رکشا لے کر ستار سیٹھ کے ریسٹ ہاؤس میں آگیا...... یہاں اس کے
کچھ کپڑے ایک الماری میں پڑے تھے...... عمران نے آتے ہی غسل کیا اور کپڑے
تبدیل کئے...... اتنے میں ستار سیٹھ کا فون آگیا...... انہوں نے کہا۔

"میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں"۔

عمران نے پوچھا۔

"جبران کہاں ہے...... یہاں ریسٹ ہاؤس میں تو نہیں ہے"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"میں آکر بتاتا ہوں"۔

اور انہوں نے فون بند کر دیا...... عمران کو جبران کے بارے میں کچھ تشویش
ہوئی...... کہ وہ کہاں غائب ہو گیا تھا؟ دس پندرہ منٹ کے بعد ستار سیٹھ بھی آگیا۔
اس نے آتے ہی پوچھا۔

"میرا لفافہ گریٹا کو پہنچادیا تھا؟"۔

"بالکل پہنچادیا تھا...... گریٹا نے آپ کو سلام کہا تھا...... میں رات اس کے مکا

پر ہی رہا ہوں...... صبح کی ٹرین پکڑ کر بمبئی پہنچا ہوں"۔

ستار سیٹھ بولے۔

"اب مجھے اطمینان ہو گیا ہے"۔

"یہ بتائیے کہ جبران کہاں چلا گیا ہے؟" عمران نے پوچھا۔

ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"بات یہ ہے کہ کارگل پر لڑائی تیز ہو گئی ہے...... وہاں سے مجھے پیغام ملا تھا کہ
عمران اور جبران کو فوری طور پر یہاں بھیج دیا جائے...... میں نے جبران کو تو روانہ کر دیا
ہے...... وہ آج صبح ہی گیا ہے...... اب ایسا کرو کہ تم بھی صبح روانہ ہو جاؤ"۔

عمران نے کہا۔

"جبران کو اکیلا نہیں جانا چاہئے تھا...... اسے میرا انتظار کر لینا چاہئے تھا"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"کارگل میں جنگ کی شدت کا سن کر جبران سے نہیں رہا گیا...... کہنے لگا عمران
بعد میں آجائے گا...... مجھے ابھی جانا ہو گا...... میں اسے کیسے روک سکتا تھا"۔

عمران کہنے لگا۔

"چلو ٹھیک ہے...... خدا کرے وہ خیریت کے ساتھ سری نگر پہنچ جائے"۔

عمران نے ستار سیٹھ کو یہ بالکل نہ بتایا کہ گریٹا کے ڈاک بنگلے میں اس کی ملاقات
ت پڑا کے مشہور ڈاکو طور خان سے بڑے ڈرامائی انداز میں ہوئی تھی...... اس کی
ضرورت بھی نہیں تھی...... رات ستار سیٹھ کے ریسٹ ہاؤس میں بسر کرنے کے بعد
اگلے روز صبح صبح عمران سری نگر کی طرف روانہ ہو گیا...... اس کے پاس سوائے ڈھائی
تین سو روپوں کے اور کچھ نہیں تھا...... نہ کوئی پستول تھا...... نہ کوئی کمانڈو چاقو تھا......
سادہ پتلون قمیض جیکٹ میں ہی سفر کر رہا تھا...... عمران بڑی بے خوفی کے ساتھ اب
دشمن کے ملک میں سفر کر رہا تھا...... اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ایک عرصہ گزرا کبھی

کسی انٹیلی جنس کے آدمی نے اس کا پیچھا نہیں کیا تھا...... کبھی اس کا اتفاق نہیں ہوا
تھا...... عمران اور جبران کو جہاں جانا ہوتا تھا وہاں پہنچ جاتے تھے...... قدرتی طور پر وہ سی
آئی ڈی کے تعاقب سے بے نیاز ہو گئے تھے اور ایسے سفر کرتے تھے جیسے وہ بھارت کے
ہی باشندے ہوں...... صرف بڑے شہروں کے لاری اڈے یا ریلوے سٹیشن پر پہنچ کر وہ
ضرور محتاط ہو جاتے تھے...... وہ بھی صرف اس وقت تک کے لئے جب تک کہ وہ
سٹیشن یا لاری اڈے سے باہر نہیں نکلتے تھے۔

وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ جب سے بھارت نے کارگل کی پہاڑیوں میں
گولہ باری شروع کی تھی مجاہدین بھارتی فوج کی گولہ باری کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہے تھے
اور بھارت سرکار نے بھارت کے ہر شہر میں سی آئی ڈی کو الرٹ کر دیا تھا۔ شمالی بھارت
کے ہر بڑے شہر کے ریلوے سٹیشن پر انٹیلی جنس کے آدمی مکھیوں کی طرح بھنبھناتے
پھر رہے تھے...... کمانڈو عمران کو معلوم ہی نہیں تھا کہ بمبئی سٹیشن ہی سے سنٹرل انٹیلی
جنس کے چار آدمی اس ٹرین میں سوار ہو گئے تھے جس ٹرین پر عمران سفر کر رہا تھا......
عمران نے بمبئی سے امرتسر تک انٹر کلاس کا ٹکٹ لیا تھا...... وہ انٹر کلاس کے ڈبے میں
بیٹھا تھا...... اس ڈبے میں بھی کافی رش تھا...... اتفاق سے انٹیلی جنس کا ایک آدمی عمران
والے ڈبے میں بھی سوار ہو گیا تھا...... عمران کو اس کی خبر نہیں تھی۔

عمران نے سفر میں زیادہ محتاط رہنا چھوڑ دیا تھا...... وہ بالکل کسی بھارتی باشندے ک
طرح بے خوفی سے سفر کرتا تھا...... صرف بڑے سٹیشن پر محتاط ہو جاتا تھا...... انٹیل
جنس کا جو آدمی عمران کے ڈبے میں سوار تھا وہ درمیانی عمر کا بڑی مسکین صورت وا
ہندو لالہ تھا اور شکل سے ہی بیمار اور درماندہ سا لگتا تھا...... اس نے کھدر کا کرتہ اور پاجا
پہن رکھا تھا...... اوپر ایک پرانی واسکٹ تھی...... آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگا ہوا تھا...
ہاتھ میں پلاسٹک کا تھیلا تھا جو اس نے اپنے گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا اور دیہاتی آدمی
طرح ڈبے میں بیٹھی سواریوں کو منہ اٹھا کر کبھی کبھی دیکھ لیتا تھا، لیکن حقیقت میں ا

عیار اور تجربہ کار نظریں بڑے غور سے ایک ایک مسافر کا جائزہ لے رہی تھیں......
ی نگاہیں مسافروں کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے ڈبے کے کونے والی سیٹ پر بیٹھے
ان کے چہرے پر آکر رک گئیں...... انٹیلی جنس کے آدمی کی تجربہ کار نظروں نے
بتا دیا کہ یہ آدمی مشکوک ہے...... یہ اسے کیسے پتہ چلا؟ اس بارے میں ہم کچھ نہیں
سکتے...... بس یہ اس شخص کا بیس پچیس سالہ چہرہ شناسی کا تجربہ تھا۔

اس وقت عمران کھڑکی میں سے باہر دیکھ رہا تھا...... کھڑکی کے باہر اندھیرا تھا......
ن کسی جنگل میں سے گزر رہی تھی...... انٹیلی جنس کے آدمی نے بڑے غور سے
ان کے چہرے کو دیکھنے کے بعد منہ دوسری طرف کر لیا اسے عمران میں ایک ایسی
بات دکھائی دی تھی جو ڈبے کے دوسرے کسی مسافر میں نہیں تھی...... وہ کیا بات
؟ اسے انٹیلی جنس کا آدمی ہی سمجھ سکتا تھا...... اس مشاہدے میں اس کی زندگی کا
ین تجربہ کار فرما تھا...... عمران کو بالکل خبر نہیں تھی کہ وہ اسی ڈبے میں سفر کرتے
لے انٹیلی جنس کے آدمی کی نظروں میں آگیا ہے...... ٹرین شور مچاتی، سیٹی بجاتی
ان اور تاریک اندھیرے جنگلوں میں سے گزر رہی تھی...... ابھی رات کا پہلا پہر ہی
...... بھی کوئی ساڑھے سات کا ٹائم ہو گا...... کوئی بڑا شہر آرہا تھا...... ٹرین کی
ار ہلکی ہو رہی تھی...... یہ برہان پور کا سٹیشن تھا جو اب بہت بڑے جنکشن کی شکل
یار کر چکا تھا...... یہاں ایکسپریس ٹرینیں بھی کافی دیر تک رکتی تھیں...... جیسے ہی
ن برہان پور کے سٹیشن پر رکی...... انٹیلی جنس والا ادھیڑ عمر مسکین صورت آدمی
بے سے اتر گیا...... ڈبے سے باہر نکلنے کے بعد وہ سیدھا سٹیشن ماسٹر کے کمرے کے باہر
ے پولیس کانسٹیبل کے پاس جا کر اس سے بڑے خفیہ انداز میں باتیں کرنے لگا......
پولیس والے کے کان میں کچھ کھسر پھسر کر کے انٹیلی جنس کا آدمی باہر چلا گیا......
ن کانسٹیبل فوراً سیکنڈ کلاس کے ویٹنگ روم میں گھس گیا...... باہر نکلا تو اس کے
ھ ایک پولیس انسپکٹر اور تین سپاہی تھے...... یہ سیدھے اس ڈبے کی طرف بڑھے

جس میں عمران کونے والی سیٹ پر آنے والی مصیبت سے بالکل بے خبر بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

جیسے ہی اس نے پولیس کی پوری گارد کو ڈبے میں داخل ہوتے دیکھا اس کے دل نے دھڑک کر اسے آنے والے خطرے سے خبردار کر دیا، مگر اب دیر ہو چکی تھی۔۔۔ پولیس انسپکٹر سیدھا عمران کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔۔۔۔۔۔اس نے عمران سے پوچھا۔

"کہاں جا رہے ہو بابو؟"۔

عمران نے اتنی دیر میں اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔۔۔۔۔۔اس نے عام مسافروں کی طرح بے نیازی سے کہا۔

"امرتسر جا رہا ہوں"۔

"کہاں سے آرہے ہو؟" پولیس انسپکٹر نے پوچھا۔

عمران نے جواب دیا۔

"بمبئی سے آرہا ہوں"۔

"امرتسر کس کے پاس جا رہے ہو؟" انسپکٹر نے سوال کیا۔۔۔۔۔۔ عمران نے کہا۔

"وہاں کام کی تلاش میں اپنے ایک دوست شانتی سروپ کے پاس جا رہا ہوں جس کی ہال بازار میں انگریزی دوائیوں کی دکان ہے"۔

کمانڈو عمران اب پوری طرح سے ہوشیار ہو گیا تھا اور انسپکٹر کے ہر سوال کا جواب بغیر کسی گھبراہٹ کے دے رہا تھا۔۔۔۔۔۔انسپکٹر نے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"۔

بس یہاں عمران سے غلطی ہو گئی۔۔۔۔۔۔اس نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کی بجائے اپنے آپ کو ہندو ظاہر کر دیا اور کہا۔

"میرا نام جگدیش ہے۔۔۔۔۔۔ بمبئی میں اپنے انکل کے پاس رہتا ہوں۔۔۔۔۔۔ان لمنگٹن روڈ پر کتابوں کی دکان ہے"۔

لیکن انٹیلی جنس والے نے پولیس کانسٹیبل کو بتا دیا تھا کہ یہ آدمی مشتبہ ہے اور اس رین سے اتار کر پوچھ گچھ کرنی بہت ضروری ہے۔۔۔۔۔۔ سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی کے یوں کو ان ہنگامی حالات میں بڑے اختیارات ملے ہوئے تھے اور وہ جس شخص کو ہتے تھے اسے پوچھ گچھ کے لئے پولیس کے حوالے کر دیتے تھے۔۔۔۔۔۔ ان کے حکم کو ہیں ٹال نہیں سکتی تھی۔

پولیس انسپکٹر نے عمران سے کہا۔

"ذرا ٹرین سے اتر کر میرے ساتھ آجاؤ"۔

عمران نے بڑے اعتماد سے پوچھا۔

"کیوں۔۔۔۔۔ کیا بات ہے؟ میں نے کون سا جرم کیا ہے؟"۔

پولیس انسپکٹر بولا۔

"بابو۔۔۔۔۔ میں نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ میرے ساتھ آجاؤ۔۔۔۔۔ بس آجاؤ۔۔۔۔۔۔ ہ تو مجھے مجبوراً اپنے سپاہیوں کی مدد لینی پڑے گی"۔

عمران سمجھ گیا کہ ناگہانی مصیبت نازل ہو گئی ہے۔۔۔۔۔۔ اب اس مصیبت سے بچاؤ صرف ایک ہی صورت ہے کہ اس انسپکٹر کی بات مان لی جائے اور اس کے بعد اسے ل کرنے کی کوشش کی جائے کہ میں ایک بے ضرر مسافر ہوں، ان لوگوں کو غلط ا ہو گئی ہے، لیکن عمران بھول گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ہندو ظاہر کر کے خود اپنے ں پر کلہاڑا چلا چکا ہے اور اس بھیانک غلطی کا خمیازہ اسے چند منٹ بعد ہی بھگتنا پڑے

اس نے کسی قدر رعب سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ میں آپ کے ساتھ چلا چلتا ہوں مگر آپ لوگ ایک بے قصور رتی باشندے کو ناحق پریشان کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ میں اس کی شکایت انسپکٹر جنرل پولیس ے کروں گا۔۔۔۔۔۔ میرا ماموں بمبئی کے انگریزی اخبار کا ایڈیٹر ہے"۔

پولیس انسپکٹر پر عمران کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا...... اس نے سپاہیوں کو حکم دیا۔

”اس کو ڈبے سے اتار کر ویٹنگ روم میں لے چلو“۔

دو سپاہیوں نے عمران کو بازوؤں سے پکڑ لیا...... عمران نے بہت غصہ ظاہر کیا مگر سپاہی اسے پکڑ کر ٹرین سے اتارنے کے بعد سیدھا سیکنڈ کلاس ویٹنگ روم میں لے گئے...... اس وقت ٹرین کے انجن نے سیٹی دی اور دوسرے لمحے گاڑی برہان پور سٹیشن سے آہستہ آہستہ کھسکنے لگی...... کمانڈو عمران بڑی حسرت کے ساتھ ٹرین کی آواز کو سنتا رہا...... سیکنڈ کلاس ویٹنگ روم میں دو اور پولیس کے سپاہی بیٹھے تھے...... انسپکٹر کو دیکھ کر وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے...... انسپکٹر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے سپاہیوں سے کہا۔

”یہ بابو کہتا ہے کہ میں ہندو ہوں...... مجھے اس پر شک ہے...... اس کو باتھ روم میں لے جاؤ...... اس کا معائنہ کرو کہ یہ ہندو ہے کہ مسلمان“۔

اس وقت کمانڈو عمران کا مضبوط دل بھی ایک بار زور سے دھڑک اٹھا...... وہ سمجھ گیا کہ کھیل ختم ہو گیا ہے...... اب وہ کچھ نہیں کر سکتا...... دو سپاہی اسے لے کر باتھ روم میں گھس گئے...... تھوڑی دیر بعد باہر نکلے تو ایک سپاہی نے کہا۔

”سر! یہ مسلمان ہے...... ہندو نہیں ہے“۔

پولیس انسپکٹر فوراً کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا...... اس نے حکم دیا۔

”اس کو ہتھکڑی لگا دو...... جلدی کرو“۔

عمران کے سامنے اب ایک ہی راستہ تھا کہ وہ کسی طریقے سے فرار ہو جائے لیکن وہاں فرار ہونے کا کوئی راستہ نہیں تھا...... اسے فوراً ہتھکڑی لگا دی گئی...... انسپکٹر نے سپاہیوں سے کہا۔

”یہ بڑا خطرناک پاکستانی جاسوس ہے...... خبردار! اس کو باہر گاڑی میں لے آؤ“۔

باہر پولیس کی ایک جیپ کھڑی تھی...... سپاہی عمران کو لے کر جیپ میں بیٹھ گئے۔ عمران کو انہوں نے اپنے درمیان بٹھایا تھا...... پولیس انسپکٹر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا...... جیپ سٹارٹ ہوئی اور سڑک پر تیزی سے روانہ ہو گئی۔

سڑک کی بتیاں روشن تھیں...... برہان پور کافی بڑا شہر تھا...... سڑک اونچی نیچی تھی۔ جیپ ایک بڑی سڑک پر آ گئی جہاں دونوں جانب بلڈنگیں تھیں جن میں روشنی ہو رہی تھی...... عمارتوں کے اوپر نیون سائن کی روشنیاں چمک کر بجھ رہی تھیں۔ عمران دو پولیس والوں کے درمیان سینڈوچ ہو کر بیٹھا ہوا تھا، بلکہ بٹھایا گیا تھا۔ اسے ہتھکڑی بھی لگی ہوئی تھی...... پولیس انسپکٹر نے شاید اس خیال سے کہ پاکستانی جاسوس بھاگ نہ جائے اپنا پستول نکال کر سامنے ڈیش بورڈ پر رکھ لیا تھا...... جیپ شہر کی جگمگاتی ہوئی مختلف سڑکوں پر سے گزرتی ہوئی پولیس سٹیشن کی بڑی عمارت کے احاطے میں داخل ہو گئی...... عمران کو اسی وقت حوالات میں بند کر دیا گیا۔ اس کی ہتھکڑی اتار دی گئی تھی...... حوالات کے سلاخوں والے بند دروازے کے باہر ایک مسلح سنتری پہرے پر کھڑا ہو گیا تھا۔

حوالات میں صرف عمران ہی تھا اور کوئی مجرم وغیرہ نہیں تھا...... عمران نیم روشن حوالات کے فرش پر سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا...... وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح اچانک ایک دم سے صورتحال کا سارا نقشہ ہی بدل گیا ہے...... وہ کہاں جا رہا تھا اور کہاں آ گیا ہے...... اس کے ساتھ اب جو کچھ ہونے والا تھا اور اس پر جو کچھ گزرنے والی تھی اس کا اسے بخوبی علم تھا...... اس پر اذیت ناک تشدد کا سلسلہ شروع ہونے والا تھا...... یہ سوال کہ تمہیں کس نے بھارت میں بھیجا ہے...... تمہارے دوسرے ساتھی کہاں کہاں پر ہیں...... تم کس مشن پر بھارت آئے تھے...... وغیرہ وغیرہ...... عمران کو سوچنے کی ضرورت ہی نہیں تھی...... وہ جانتا تھا کہ اسے کیا موقف اختیار کرنا ہے...... یہی کہ میں پاکستانی جاسوس نہیں ہوں...... میں انڈین فلمیں دیکھنے اور بمبئی کی فلمی ہیروئنوں کو

دیکھنے کے شوق میں پاکستان کا بارڈر کراس کر کے انڈیا آ گیا تھا اور اب واپس امرتسر جا رہا تھا تاکہ کسی جگہ سے بارڈر پار کر کے واپس اپنے گھر پہنچ جاؤں...... بس اسی موقف پر قائم رہنا ہے چاہے اس کے سارے جسم کو انگاروں سے جلا دیا جائے۔

ایک سپاہی تیز تیز قدم اٹھاتا حوالات کی طرف آیا...... اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی...... وہ دروازہ کھلوا کر اندر آ گیا...... اندر آتے ہی اس نے عمران کو ہتھکڑی ڈال دی اور اپنے ساتھ چلاتا تھانے کے ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گیا جو بالکل خالی پڑا تھا...... صرف کونے میں ایک کرسی پڑی تھی...... سپاہی نے ہتھکڑی کی زنجیر کرسی کی ایک ٹانگ کے ساتھ باندھی اور کمرے سے نکل گیا...... اس کے جانے کے دو ایک منٹ بعد کمرے میں دو مسلح سپاہی اور دو پولیس افسر داخل ہوئے...... ایک سویلین لباس میں تھا اور دوسرے نے پولیس افسر کی وردی پہن رکھی تھی...... ایک سپاہی اپنے ساتھ ایک کرسی بھی لایا تھا...... اس نے کرسی رکھ دی...... پولیس افسر کرسی پر بیٹھ گیا...... عمران فرش پر بیٹھا تھا...... یہ پولیس افسر گہرے سانولے رنگ کا تھا اور اس کی آنکھیں بھیڑیئے کی آنکھوں کی طرح ذرا ترچھی تھیں اور چمک رہی تھیں۔

دونوں مسلح سپاہی پولیس افسر کے دائیں بائیں اٹن شن ہو کر کھڑے ہو گئے...... پولیس افسر نے آگے کو تھوڑا سا جھک کر عمران سے پوچھا۔

"تمہارا اصلی نام کیا ہے؟ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ تم مسلمان ہو...... اپنا نام بتاؤ"۔

عمران نے یونہی کہہ دیا۔

"عبدالرشید...... یہی میرا اصلی نام ہے"۔

پولیس افسر نے دوسرا سوال کیا۔

"تم کس مشن پر انڈیا میں آئے تھے؟"۔

عمران نے کہا۔

"جناب اگر میں آپ کو سب کچھ سچ سچ بتا دوں تو کیا آپ اس پر یقین کر لیں گے؟"۔

پولیس افسر بڑا خوش ہوا...... اس نے کہا۔

"اگر تم ہمیں سب کچھ سچ سچ بتا دو تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا اور میں پولیس کمشنر کو خاص طور پر کہہ کر تمہیں رہا کرا دوں گا"۔

عمران کو معلوم تھا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اور اب اسے بھی جھوٹ بولنا تھا...... جاسوسی اور پوچھ گچھ...... یہ سارا جھوٹ ہی کا کاروبار تھا...... کامیابی صرف اس کو نصیب ہوتی ہے جو اتنا مسلسل اور اعتماد سے جھوٹ بولے کہ دوسرا اسے سچ سمجھنے لگے۔



پولیس افسر کے ساتھ جو سویلین تھا اس نے عمران سے کہا۔

"ہمیں سب کچھ بتا دو...... پھر ہم تمہیں خود بارڈر کراس کرا کر پاکستان پہنچا دیں گے...... ہم پر وشواش رکھو"۔

عمران نے کہا۔

"جناب سچ یہ ہے کہ میں پاکستان کے بارڈر کے قریب ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں...... مجھے انڈین فلمیں دیکھنے اور انڈیا کی فلم ایکٹرسوں سے ملنے کا بے حد شوق ہے...... بس اسی شوق کی وجہ سے میں نے ایک رات بارڈر کراس کیا اور انڈیا میں داخل ہو گیا...... امرتسر سے میں بمبئ پہنچ گیا...... بمبئ میں فلم سٹوڈیو کے چکر لگاتا رہا...... ہیما مالینی اور مادھوری ڈکشٹ کو دیکھا...... میرے پیسے ختم ہو گئے...... بس کرایہ ہی رہ گیا...... چنانچہ اب واپس جا رہا تھا کہ ایک بار پھر بارڈر کراس کر کے اپنے گاؤں پہنچ جاؤں...... جناب یہ میں آپ کو بالکل سچ کہہ رہا ہوں"۔

دونوں پولیس افسروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا...... پولیس افسر نے سویلین پولیس افسر کو کہا۔

"کھنہ جی! سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلے گا"۔

پولیس افسر کا نام کھنہ تھا...... اس نے کہا۔

"تو پھر اسے دوسرے کمرے میں لے چلو...... وہاں یہ اپنے آپ بولنے لگے گا"۔

دوسرے کمرے میں اذیت دینے کے وہ تمام آلات اور چاقو چھریاں موجود تھیں ایک آدمی کے ٹکڑے کرنے کے لئے بہت زیادہ تھیں...... چھوٹا سا کمرہ تھا...... اروں پر لوہے کی زنجیریں لٹک رہی تھیں...... درمیان میں لوہے کا ایک سٹریچر پڑا ...... ساتھ ہی دو چار سٹول رکھے تھے...... پولیس آفیسر نے کمانڈو عمران کو ایک ول پر بٹھا دیا...... خود اس کے سامنے والے سٹول پر بیٹھ گیا...... اس نے کھنہ جی سے

"کھنہ جی! پانڈے جی کو جا کر فون کریں کہ ٹارچر انچارج کو فوراً بھیج دے"۔

سویلین کپڑوں والا کھنہ اسی وقت فون کرنے چلا گیا...... اب اس چھوٹے سے ے میں صرف کمانڈو عمران اور پولیس آفیسر رہ گیا تھا...... یہ پولیس آفیسر دبلا پتلا کا سا تھا...... اس طرف کے پولیس والے دبلے پتلے اور کمزور ہوتے ہیں...... ہمارے ستان کی طرح اونچے لمبے طاقتور جوان نہیں ہوتے...... بھارت اور نیچے جنوب میں لے جائیں تو پولیس اور فوج کے جوان اور زیادہ دبلے پتلے اور کمزور ہو جاتے ہیں۔

کمانڈو عمران کے اندر ایک بجلی سی چمک گئی۔

اس نے اپنے آپ سے کہا...... "ابھی یا پھر کبھی نہیں"

کمانڈو فضول سوچ بچار میں وقت ضائع نہیں کرتے اور وہاں سوچنے کا وقت بھی یں تھا...... عمران اتنی جلدی ہتھیار پھینکنے والا آدمی نہیں تھا...... وہ زندگی کے آخری انس تک لڑنے کا قائل تھا...... اس نے یہ تو دیکھ لیا تھا کہ اس دبلے پتلے گھرے انولے پولیس آفیسر کی بیلٹ میں پستول لگا تھا...... اب اس نے کمرے کی دیواروں کا یک نگاہ سے جائزہ لیا...... دیوار کے اوپر صرف ایک ہی روشن دان تھا جس پر لوہے کی لاخیں لگی ہوئی تھیں...... اس کمرے میں لانے سے پہلے انہوں نے عمران کی ہتھکڑی ھول دی تھی...... وہ سٹول پر پولیس آفیسر کے بالکل برابر اور سامنے بیٹھا تھا...... یلین پولیس افسر کمرے سے باہر جا چکا تھا...... کمرہ خالی تھا...... عمران اچھی طرح سے

جانتا تھا کہ یہ لوگ اسے آسانی سے چھوڑنے والے نہیں ہیں، بلکہ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے...... کمرے کا دروازہ بند تھا۔

پولیس آفیسر عمران کی طرف دیکھ کر بڑی مکاری سے مسکرا رہا تھا...... کہنے لگا۔

”میں تین پاکستانی جاسوس مار چکا ہوں...... لگتا ہے میرے ہاتھوں مرنے والے چوتھے تم ہو“۔

عمران نے اس کا جملہ آدھا سنا تھا...... آدھا نہیں سنا تھا...... وہ اس کی بیلٹ میں لگے ہوئے پستول کو دیکھ رہا تھا...... یہ پستول بھرا ہوا ہی ہو سکتا تھا...... صرف اس کا سیفٹی کیچ بند کیا ہوا تھا...... پستول چمڑے کے ہولسٹر میں نہیں تھا...... بیلٹ کی ہک کے ساتھ لگا ہوا تھا...... وہی بات ہوئی...... بس ایک بجلی سی چمکی...... کمانڈو جب ایکشن کرتا ہے تو ایک بجلی سی ہی چمک جاتی ہے اور دوسرے آدمی کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہو گیا ہے...... بس وہ چکا چوند ہو جاتا ہے اور اسے ایک سیکنڈ کے لئے نہ کچھ نظر آتا ہے اور نہ کچھ محسوس ہوتا ہے...... بجلی کی چمک کی طرح کے ایکشن کے بعد پولیس آفیسر اپنے سٹول کے آگے فرش پر منہ کے بل گرا پڑا تھا اور عمران اس کا پستول ہاتھ میں لئے دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا...... اس نے پستول کا سیفٹی کیچ کھول دیا تھا۔

کمانڈو عمران نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر اپنی جان داؤ پر لگا دی تھی...... دشمن کی قید میں رہ کر مرنا تو اسے تھا ہی مگر وہ دشمن کو یہ اجازت نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ اسے تڑپا تڑپا کر اور اذیتیں دے دے کر ماریں...... وہ بہادر آدمیوں کی طرح دشمن کو مار کر مرنا چاہتا تھا اور ایسا اس نے کر دیا تھا...... ایک دشمن کی گردن توڑ کر تو اس نے اسے مار دیا تھا، اب وہ خود مرنے کے لئے تیار تھا، مگر ایک بار زندگی کو بچانے اور وہاں سے فرار کی پوری کوشش ضرور کرنا چاہتا تھا...... جتنا وقت ہم نے یعنی عزم و ہمت کی اس داستان کے بیان کرنے والے نے عمران کے کمانڈو ایکشن کو بیان کرنے میں صرف کر دیا ہے ایکشن میں اس کا چوتھا حصہ بھی صرف نہیں ہوتا تھا...... عمران نے دروازہ ذرا سا کھول

دیکھا...... آگے کمروں کے درمیان چھوٹی سی راہ داری تھی...... عمران کو معلوم تھا پیچھے کی جانب پولیس آفیسر کا دفتر اور حوالات ہے...... سامنے بائیں جانب راہ داری تھی...... وہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا...... بس عمران اللہ کا نام لے کر چل پڑا...... پستول والا ہاتھ اس نے جیب میں ڈال لیا تھا...... سر جھکا لیا تھا اور ایسے چل رہا تھا جیسے کچھ بھی نہیں ہوا...... وہ پولیس سٹیشن کا کوئی کلرک وغیرہ ہے اور ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں جا رہا ہے...... دس بارہ قدم چلنے کے بعد برآمدہ سا آگیا...... وہاں زیادہ روشنی نہیں تھی...... کونے میں ایک بلب جل رہا تھا...... آگے برآمدے کی سیڑھیاں تھیں...... عمران جلدی سے سیڑھیاں اتر گیا...... سامنے پولیس سٹیشن کے پیچھے کا چھوٹا سا احاطہ تھا جہاں سامنے ایک چھوٹے سے دروازے کے اوپر ایک بلب روشن تھا...... یہ دروازہ پولیس سٹیشن کے عقبی احاطے کی دیوار میں سے نکالا گیا تھا...... چھوٹا سا دروازہ تھا صرف ایک آدمی ہی گزر سکتا تھا۔

عمران تیزی کے ساتھ دروازے میں سے نکل گیا۔

باہر ایک سڑک تھی...... عمران کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی جلدی پھانسی کی کوٹھڑی سے نکل کر سڑک پر آجائے گا، مگر ابھی تک وہ محفوظ نہیں تھا...... یہ سڑک اسے ایک بار پھر موت کی کوٹھڑی کی طرف لے جا سکتی تھی...... سڑک کی ایک جانب عمارتیں تھیں جن میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی اور سامنے کی جانب درختوں کی قطار تھی جس کی دوسری طرف رات کے اندھیرے میں کھلی جگہ نظر آ رہی تھی...... عمران نے دوڑ کر سڑک پار کی اور درختوں کے نیچے سے گزر کر کھلی جگہ پر آ کر سامنے کی طرف دوڑ پڑا...... یہ چھوٹی سی گراؤنڈ تھی...... گراؤنڈ کے آگے جھاڑیوں کی باڑھ تھی...... عمران اندھیرے میں بڑی تیز بھاگ رہا تھا...... اس نے باڑھ کے اوپر چھلانگ لگائی اور لڑھکتا ہوا دوسری طرف جا گرا۔

دوسری طرف گھاس ہی گھاس تھی...... آگے ڈھلان تھی...... وہ ڈھلان پر سے

پھلانگتا ہوا نیچے جو چھوٹا سا نالہ بہہ رہا تھا اس پر سے کود کر نالے کی دوسری طرف کی چڑھائی چڑھ کر دوسری طرف چلا گیا...... ادھر پھر ایک سڑک آگئی...... اس سڑک پر گاڑیاں وغیرہ چل رہی تھیں...... عمران سڑک کو عبور کر گیا...... دوسری طرف بجلی کے ایک کھمبے کے نیچے ایک سائیکل کھڑی تھی...... سائیکل والا ذرا پرے جھاڑیوں کے پاس کھڑا شاید پیشاب کر رہا تھا...... عمران نے سائیکل پکڑی اسے دوڑاتے ہوئے اس پر چھلانگ لگا کر بیٹھا، جتنی تیز سائیکل چلا سکتا تھا چلانے لگا...... سڑک پر زیادہ رش نہیں تھا...... اسے معلوم بھی نہیں تھا کہ وہ کس طرف جا رہا ہے اور آگے کیا آئے گا...... کیا نہیں آئے گا...... بس وہ اندھا دھند سائیکل چلاتے چلا جا رہا تھا...... ایک چوک آیا گزر گیا...... پھر ایک چوک آیا تو عمران کو بائیں طرف سڑک خالی دکھائی دی...... وہ اس سڑک پر ہو گیا...... اب اسے سامنے ریلوے کے دو سگنلوں کی سرخ روشنیاں نظر آئیں...... اسی طرف ریلوے لائن تھی...... یہ ریلوے لائن ہی اسے اس شہر سے نکال سکتی تھی...... اس نے سائیکل کا رخ ریلوے لائن کی طرف کر دیا۔

اندھیرے میں ایک دو کھیتوں میں سے گزرنے کے بعد سامنے اونچے بند پر ریلوے لائن جا رہی تھی...... عمران نے سائیکل کو وہیں کھیت میں پھینکا اور دوڑ کر ریلوے لائن پر چڑھ گیا...... اس نے پیچھے کی طرف دیکھا...... دائیں جانب دور برہان پور ریلوے سٹیشن کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں...... اس نے اپنا منہ برہان پور ریلوے سٹیشن کی بجائے دلی کی جانب کر لیا اور ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ جتنی تیز چل سکتا تھا چلنے لگا۔

دوڑنے بھاگنے کی اسے کافی مشق تھی...... سانس پر اسے پورا کنٹرول تھا...... دوڑنے سے سانس پھولتا تھا تو وہ اسے اپنی مشق سے معمول پر لے آتا تھا...... اس وقت بھی عمران کا سانس معمول کے مطابق تھا...... وہ پسینے میں ضرور شرابور تھا مگر جسم پوری طرح سے چاق و چوبند تھا...... ریلوے لائن پر اندھیرا تھا...... وہ ریلوے لائن

چلتا دور سے نظر نہیں آ سکتا تھا، مگر سوال یہ تھا کہ وہ کہاں تک اس طرح چل سکتا تھا...... اس کے پیچھے اگر موت تھی تو آگے بھی موت ہی تھی...... وہ دشمن کے علاقے میں تھا...... ایک بڑے شہر برہان پور کے سٹی پولیس سٹیشن سے ایک پولیس افسر کو ہلاک کر کے فرار ہوا تھا...... وہاں اس وقت کہرام مچا ہوا ہو گا...... شہر کی ساری پولیس اور خفیہ پولیس شہر میں اس کی تلاش میں پھیل گئی ہو گی...... اسے جگہ جگہ تلاش کیا جا رہا ہو گا، لیکن کمانڈو عمران نے جو کچھ کیا وہ اس کا فرض تھا...... اسے موت کی طرف لے جایا جا رہا تھا...... کمانڈو اتنی آسانی سے دشمن کے ہاتھوں موت کا شکار نہیں ہوا کرتے...... وہ آخری دم تک مقابلہ کرتے ہیں...... وہ آخری سانس تک زندہ رہتے ہیں اور دشمن کی قید سے فرار ہونا ان کے فرائض میں شامل ہے خواہ اس کے لئے اسے دشمن کے کتنے ہی آدمیوں کو کیوں نہ قتل کرنا پڑے۔

موت کے منہ سے وہ نکل تو آیا تھا لیکن موت ابھی تک اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی...... وہ کسی بھی وقت اسے دبوچ سکتی تھی۔ عمران ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلتے برہان پور کے سٹیشن سے کافی دور نکل آیا...... اس کی دونوں جانب جو کہیں کہیں آبادی کی روشنیاں نظر آتی تھیں وہ اب پیچھے رہ گئی تھیں...... رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا...... ریلوے لائن پر اندھیرا تھا...... ریلوے لائن کی دونوں جانب بھی اندھیرا تھا...... اس اندھیرے میں درختوں کے دھندلے دھندلے پھیکے سے خاکے نظر آ رہے تھے...... پہلے اس نے سوچا کہ وہ یہیں ریلوے لائن سے اتر کر جنگل میں داخل ہو جائے...... پھر یہ سوچ کر ریلوے لائن پر ہی چلتا رہا کہ خدا جانے آگے پھر کوئی آبادی نہ آ جائے، کیونکہ جنگل شہر کے اتنا قریب نہیں ہو سکتا تھا۔

ریل کی پٹڑی پر روشنی سی جھلملانے لگی...... یہ روشنی کافی دور تھی اور ریلوے لائن کے اوپر تھی...... پھر یہ روشنی قریب ہوتی گئی...... اس کے بعد انجن کی سیٹی کی آواز آئی...... جھانسی بھوپال کی طرف سے کوئی ٹرین آ رہی تھی...... عمران جلدی سے

ریل کی پٹڑی سے اتر کر نیچے جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا، کیونکہ انجن کی بڑی روشنی میں وہ ریلوے لائن پر دور سے دیکھا جا سکتا تھا...... تھوڑی دیر بعد روشنی زیادہ ہوگئی اور ریل کی پٹڑیاں چمکنے لگیں...... پھر ایک بہت دیو ہیکل انجن سیٹی بجاتا شور مچاتا چھک چھک کرتا دھڑ دھڑاتے ہوئے آگے نکل گیا اور ٹرین گزر گئی اور اس کا شور مدھم پڑتے پڑتے غائب ہو گیا اور ریلوے لائن ایک بار پھر اندھیرے میں ڈوب گئی تو عمران جھاڑیوں میں سے نکل کر اوپر ریلوے لائن پر آ گیا۔

وہ چلتا بھی جا رہا تھا اور سوچ بھی رہا تھا کہ اگر پولیس اسے دیوانہ وار شہر میں جگہ جگہ ڈھونڈتی پھر رہی ہے تو اگلے سٹیشن پر بھی پولیس اس کی تلاش میں پہنچ گئی ہوگی، بلکہ اگلے پچھلے تمام شہروں کی پولیس کو خبردار کر دیا گیا ہوگا اور پولیس ہر سٹیشن پر موجود ہوگی اور پولیس کو اس کا حلیہ بھی بتا دیا گیا ہوگا، چونکہ یہ معاملہ سنگین ہے اور ایک پاکستانی جاسوس ایک پولیس آفیسر کو بھی قتل کر کے فرار ہوا ہے تو کیس کی سنگینی کے پیش نظر پولیس ٹرین کو سٹیشن پر زیادہ دیر تک روک کر ہر ڈبے کی تلاشی لے سکتی تھی...... اس اعتبار سے کمانڈو عمران موت کے منہ سے نکل کر موت ہی کی طرف جا رہا تھا، لیکن اس کے سوا دوسرا کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا...... اب وہ یہی سوچ کر چل رہا تھا کہ برہان پور شہر سے جتنی دور نکل سکتا ہے نکل جائے اور اس کے بعد جب صحیح معنوں میں کوئی گھنا جنگل شروع ہو جائے تو اس میں گھس کر کسی دوسری طرف نکل جانے کی کوشش کرے...... ست پڑا کے پہاڑی سلسلے کے جنگل کوئی معمولی جنگل نہیں تھے...... یہ وسطی ہندوستان کے سب سے زیادہ گھنے، طویل اور خطرناک جنگل تھے...... ان جنگلوں میں آدمی ایک بار داخل ہو جائے تو پھر وہاں سے نکلنا اتنا آسان نہیں ہوتا...... آدمی ان جنگلوں کی بھول بھلیوں میں پھنس کر بھٹک جاتا ہے اور پھر اس کا کسی نہ کسی درندے کا شکار ہو جانا یقینی ہوتا ہے...... درندوں کے علاوہ یہ جنگل زہریلے سانپ، بچھوؤں، کیڑے مکوڑوں اور خون پی جانے والی جونکوں سے بھری ہوئی دلدلوں کے

بھی مسکن تھے...... کمانڈو عمران ان تمام خطرات سے آگاہ تھا، لیکن اس کے سامنے دوسرا کوئی راستہ بھی نہیں تھا...... اوپر سے رات گہری ہوتی جا رہی تھی...... یہ وہ وقت ہوتا ہے جب جنگل میں جنگل کا بادشاہ شیر بھوک مٹانے کے لئے اپنے شکار کی تلاش میں نکلتا ہے۔

کمانڈو عمران نے یہ سب کچھ سوچنے اور ان پر غور کرنے کے بعد رات کے وقت جنگل میں گھسنے کا خیال دل سے نکال دیا اور فیصلہ کیا کہ اسے ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ ہی چلنا چاہئے...... آگے کوئی نہ کوئی چھوٹا سٹیشن ضرور آئے گا...... وہ اس پر کسی جگہ چھپ کر بیٹھ جائے گا اور کسی ایسی مال گاڑی کا انتظار کرے گا جو بمبئی برہان پور سے دہلی کی طرف جا رہی ہو...... مال گاڑی کی رفتار عام طور پر کسی سٹیشن پر سے گزرتے ہوئے بہت ہلکی ہو جاتی ہے...... وہ وہاں سے کسی مال گاڑی پر چڑھنے کی کوشش کرے گا...... مال گاڑی میں اگر اسے کسی ڈبے میں چھپ کر بیٹھنے کی جگہ مل گئی تو وہ پولیس کی چیکنگ سے بچ کر جھانسی بھوپال دلی تک نکل سکے گا۔

اس خیال سے اس نے اپنی رفتار تیز کر دی...... اس نے یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ اگر رات تک کوئی مال گاڑی نہ آئی یا آئی تو اس کی رفتار تیز ہوئی تو وہ دن نکلنے سے پہلے جنگل میں گھس جائے گا...... اتنا اسے معلوم تھا کہ برہان پور سے آگے گھنے جنگلات شروع ہو جاتے ہیں...... وہ کافی دیر تک چلتا رہا...... ایک جگہ اندھیرے میں کچھ دیر سانس لینے کے بعد بیٹھ گیا...... اچانک دور سے انجن کی سیٹی کی آواز سنائی دی...... پھر انجن کی ہیڈ لائٹ کی دور سے آتی روشنی دکھائی دی...... برہان پور بمبئی کی طرف سے کوئی گاڑی آ رہی تھی...... وہ ریل کی پٹڑی چھوڑ کر نیچے جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گیا...... جب ٹرین گزر گئی تو دوبارہ ریلوے لائن پر آ کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا...... جو ٹرین شور مچاتی گزر گئی تھی اس کے آخری ڈبے کی سرخ بتی آہستہ آہستہ اندھیرے میں گم ہوتی جا رہی تھی۔

عمران اٹھ کر پھر چل پڑا۔

اس کے پاس جو گھڑی تھی وہ پولیس نے اس کے پیسوں کے ساتھ ہی چھین لی تھی...... اب اس کے پاس کچھ نہیں تھا...... ایک پیسہ تک نہیں تھا جس کی مدد سے وہ دن کے وقت چائے کی ایک پیالی ہی پی سکتا...... خیر یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں تھی...... عمران کو کافی دیر تک بھوکا پیاسا رہنے کی مشق تھی...... آخر چلتے چلتے اسے دور ریلوے سگنل کی سرخ بتی نظر آئی...... کوئی سٹیشن آ رہا تھا...... اس کو اپنی رفتار تیز کرنے کی ضرورت نہیں تھی...... اس کے پاس ساری رات پڑی تھی...... وہ تیز چل کر اپنے آپ کو زیادہ تھکانا نہیں چاہتا تھا...... سگنل کی لال بتی قریب سے قریب ہو رہی تھی...... یہاں تک کہ سٹیشن کی بتیاں بھی نظر آنے لگیں یہ کوئی چھوٹا سٹیشن تھا تھوڑی دور سے عمران نے دیکھا کہ سٹیشن کا صرف ایک ہی پلیٹ فارم تھا جس پر فاصلہ چھوڑ کر پانچ سات بتیاں روشن تھیں...... پلیٹ فارم پر کوئی انسان نظر نہیں آتا تھا...... کسی جانب کوئی گاڑی بھی کھڑی نہیں تھی...... عمران ریلوے لائن سے اتر گیا اور لائن کے ساتھ ساتھ جو جھاڑیاں تھیں ان کی اوٹ میں چلتے چلتے جب سٹیشن کے اکیلے پلیٹ فارم کی روشنیاں آئیں تو وہ پلیٹ فارم کی مخالف سمت کو ہو گیا اور پلیٹ فارم سے دور جا کر ایک جگہ رک کر بیٹھنے کے لئے کوئی موزوں جگہ دیکھنے لگا۔

کچھ فاصلے پر ایک گھنا درخت نظر آیا...... عمران اس کے قریب گیا...... درخت کے نیچے گول دائرے میں مٹی کا ایک چبوترا سا بنا ہوا تھا...... عمران پلیٹ فارم کی طرف رخ کر کے وہاں بیٹھ گیا...... اس نے اپنے پیچھے کی طرف دیکھ لیا تھا کہ آگے دور تک کھیت میں فصل کھڑی تھی اور ان کھیتوں کے پیچھے بہت دور اونچی پہاڑیوں کے دھندلے خاکے سے نمایاں تھے...... یہ ست پڑا کے جنگلوں کی پہاڑی ہی ہو سکتی تھیں...... اس نے سوچ رکھا تھا کہ اگر صبح تک بمبئی کی سمت سے جھانسی بھوپال کی طرف جانے والی کوئی مال گاڑی نہ آئی اور اگر آئی بھی تو سٹیشن پر کھڑی نہ ہوئی یا اس کی

ر اتنی آہستہ نہ ہوئی کہ عمران اس کے کسی ڈبے میں گھس کر بیٹھ سکے تو وہ دن کی ثنی نکلنے سے پہلے پہلے جنگل کی طرف چل دے گا اور پھر جنگل جنگل آگے بھوپال کی ف نکل جانے کی کوشش کرے گا...... یہ بڑا جان جوکھوں کا کام تھا، مگر دوسرا کوئی تہ نہ تھا۔

عمران درخت کے نیچے چبوترے پر بیٹھا تھا...... رات آہستہ آہستہ گزرتی جا رہی ...... چھوٹا سا سٹیشن تھا...... پلیٹ فارم خالی تھا...... خاموشی چھائی ہوئی تھی...... چھے کچھ فاصلے پر کسی قصبے کی آبادی تھی جہاں تین چار جگہوں سے روشنیاں جھلملاتی ر آتی تھیں...... آسمان پر نکلے ہوئے تاروں کو بادلوں کی ہلکی سی تہہ نے ڈھانپ رکھا ... کسی وقت ہلکی خنک ہوا چلنے لگتی تھی...... عمران کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ن کی اتنی سخت گرفت سے بلکہ پولیس کے تھانے سے جہاں پولیس کی پوری فورس جود تھی اتنی آسانی کے ساتھ ایک دم سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے...... اس ں میں اللہ کی مدد بھی اس کے شامل حال تھی...... کچھ اس کی تربیت نے اس کا ر دیا تھا...... اس تربیت کی وجہ سے اس نے جرات سے کام لے کر اچانک پولیس و دبوچ کر اس کی گردن کی ہڈی توڑ دی تھی...... اگر وہ عین وقت پر ایسا نہ کرتا تو ت ہندو پولیس افسروں نے اسے اذیتیں دے دے کر آدھا مار ڈالا ہوتا...... یہ ں کی تربیت ہی کا اثر تھا کہ اس کو نیند نہیں آ رہی تھی...... اپنی قوت ارادی سے نے نیند کو اپنے سے الگ کر دیا ہوا تھا۔

وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد برہان پور بمبئی ریلوے لائن پر نگاہ ڈال لیتا تھا...... ے لائن پر دور تک اندھیرا چھایا ہوا تھا...... اس طرف سے کوئی گاڑی نہیں آ رہی ...... اسے بیٹھے بیٹھے جب بہت وقت گزر گیا تو وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا...... اتنے میں خالی فارم پر تین چار آدمی نظر آئے...... ان میں سے ایک آدمی نے سامان اٹھا رکھا یہ مسافر تھے...... اس کا مطلب تھا کہ بمبئی یا دلی کی طرف سے کوئی گاڑی آ رہی

تھی...... یہ کوئی مسافر گاڑی ہی ہو سکتی تھی، کیونکہ اگر مال گاڑی ہوتی تو اتنی رات گئے مسافر سٹیشن پر نہ آتے۔

عمران مال گاڑی پکڑنے والی سکیم سے کچھ دستبردار سا ہو گیا...... آسمان پر بادلوں میں رات کے پچھلے پہر کی بڑی پھیکی سی روشنی جھلکنے لگی تھی...... سورج نکلنے سے یعنی دن کی روشنی ہونے سے پہلے عمران کو سٹیشن سے نکل جانا تھا اور مال گاڑی کے آنے اور پھر سٹیشن پر کھڑی ہونے والی مال گاڑی کے کوئی آثار نہیں تھے...... عمران کو یہ بھی خیال آیا کہ یہ ایک چھوٹا سا قصباتی سٹیشن ہے...... یہاں سے ایسا کون سا ضروری مال گاڑی پر چڑھایا یا اتارا جانے والا ہو گا کہ جس کے لئے مال گاڑی یہاں آ کر رکے گی...... مال گاڑیاں تو بڑے سٹیشنوں پر ٹھہرتی ہیں...... عمران کو یقین ہو گیا کہ اسے جنگل میں جانا ہی پڑے گا۔

کچھ دیر کے بعد بمبئی کی طرف سے ایک گاڑی آ کر سٹیشن پر ٹھہر گئی...... یہ کوئی پسنجر ٹرین تھی...... عمران چبوترے کے سامنے کے رخ سے اٹھ کر درخت کی اوٹ میں ہو گیا اور ٹرین کو دیکھنے لگا...... ڈبوں میں روشنی ہو رہی تھی...... ڈبوں کے اندر کوئی ہل چل نہیں تھی...... شاید سارے مسافر سو رہے تھے...... ایک آدھ مسافر اگر وہاں اترنے والا تھا تو دوسری طرف پلیٹ فارم پر اتر گیا تھا...... گارڈ نے سیٹی دی...... انجن نے وسل دیا اور چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ ٹرین آگے کی طرف چلنے لگی...... ٹرین گزر گئی...... پلیٹ فارم بالکل خالی تھا...... عمران اٹھ کر دوبارہ ٹہلنے لگ گیا...... اس نے ایک بار کھڑے ہو کر کھیتوں اور دور پہاڑیوں کی طرف دیکھا...... صبح کاذب کا پھیکا پھیکا اُجالا شروع ہو گیا تھا...... درختوں اور دور پہاڑیوں کے خاکے ابھرنے لگے تھے...... جب عمران کو یقین ہو گیا کہ بمبئی کی طرف سے کوئی ایسی مال گاڑی نہیں آئے گی جو اس سٹیشن پر کھڑی بھی ہو اور اوپر سے صبح بھی ہو رہی تھی تو اس نے رخ جنگل کی طرف کر لیا۔

وہ درختوں اور اونچی نیچی زمین پر سے گزر کر کھیتوں میں داخل ہو گیا...... کھیتوں میں فصل کھڑی تھی...... ان کے درمیان چلنے کے لئے پگ ڈنڈی بنی ہوئی تھی...... وہ پگ ڈنڈی پر چلا جا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ آگے جنگل کا دشوار گزار خطرناک سفر ہے...... اس علاقے کے جنگلوں کا اسے اتنا زیادہ تجربہ نہیں تھا...... اس کے پاس کوئی اسلحہ بھی نہیں تھا...... ایک چاقو تک نہیں تھا کہ وہ جنگلی درندوں سے اپنی تھوڑی بہت حفاظت ہی کر سکتا...... جیسے جیسے وہ جنگل کی طرف بڑھ رہا تھا دن کی روشنی سفید ہوتی جا رہی تھی...... پہاڑیاں بہت دور تھیں لیکن جنگل کے بلند و بالا گھنے درختوں کی ایک دیوار سی قریب آتی جا رہی تھی...... کھیت ختم ہو گئے...... خالی کھیت شروع ہو گئے جہاں سے فصل کاٹی جا چکی تھی۔

درختوں کی دیوار کے پاس پہنچ کر کمانڈو عمران رک گیا...... اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا...... سٹیشن بہت پیچھے رہ گیا تھا...... جنگل کی طرف سے مختلف پرندوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں...... اس نے درختوں کو دیکھا...... اس نے اتنے اونچے درخت پہلے شاید ہی کبھی دیکھے تھے...... کئی درختوں کے تنے اوپر تک بالکل صاف ستونوں کی طرح چلے گئے تھے...... اوپر جا کر ان کی شاخیں چھتریوں کی طرح پھیلی ہوئی تھیں...... کئی درختوں کی شاخیں زمین کو چھو رہی تھیں...... شاید ہی وہاں کوئی درخت ایسا تھا جس کے تنے کے ساتھ جنگلی بیلیں نہ لپٹی ہوئی ہوں...... صبح کی ہلکی خنک ہوا شہر کی طرف سے جنگل کی طرف چل رہی تھی...... بعض درختوں کی ٹہنیوں سے لٹکی ہوئی بیلیں آہستہ آہستہ لہرا رہی تھیں...... ایک پگ ڈنڈی جنگل کے اندر کی طرف چلی گئی تھی...... عمران کو اسی پگ ڈنڈی پر سے گزر کر جنگل میں داخل ہونا تھا۔

جب اسے اطمینان ہو گیا کہ اس کے پیچھے کوئی آدمی اس کا پیچھا نہیں کر رہا تو وہ اللہ کا نام لے کر جنگل میں داخل ہو گیا...... جنگل میں داخل ہونے کے فوراً بعد اسے جو احساس ہوا وہ ایک ہیبت ناک سناٹے کا احساس تھا...... یہ سناٹا درختوں پر پرندوں کے

چہچہانے کی آوازوں کے باوجود اسے محسوس ہو رہا تھا، بلکہ پرندوں کا چہچہانا اسے جنگل کے پراسرار سناٹے کا حصہ محسوس ہو رہا تھا۔

یہ پہلی بار تھی کہ کسی جنگل میں کمانڈو عمران کو ڈر اور خوف کی بجائے خدائے بزرگ و برتر کی ہیبت اور جلال کا احساس ہوا...... اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اس جنگل میں داخل ہونے کے بعد عمران کو ایسے لگا کہ اس جنگل میں اس کی حیثیت ایک معمولی سی چیونٹی سے زیادہ نہیں ہے...... اس جنگل نے عمران پر ایک سحر، ایک طلسم سا طاری کر دیا تھا...... اس نے ایک دم چونک کر جیسے اپنے آپ کو جھنجھوڑا اور کلمہ پاک پڑھ کر اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرے...... کلمہ پاک کی برکت سے عمران کو اپنے اندر توانائی کی لہر گردش کرتی محسوس ہوئی...... اس کے بعد اسے جنگل کا ہر درخت اپنے سے چھوٹا نظر آنے لگا...... اس میں اعتماد اور عزم و یقین پیدا ہو گیا...... وہ اس طرح جنگل کی پگ ڈنڈی پر چلنے لگا جیسے شہر کے کسی باغ میں سے گزر رہا ہو...... اس کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں تھا...... اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ جنگل میں اسے کہاں سے کوئی جنگلی پھل کھانے کو پینے کو پانی ملے گا، لیکن اس کے اندر ایمان اور یقین کی اس قدر طاقت پیدا ہو گئی تھی کہ اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ اس جنگل میں ساری زندگی بغیر کچھ کھائے پیئے زندہ رہ سکتا ہے...... اس کے منہ سے بے اختیار بلند آواز میں اللہ کا پاک نام بلند ہوا اور اس کا چہرہ ایک جلالی مسرت سے گرم ہو گیا...... اس مسرت کا کوئی نام نہیں تھا...... کوئی وجہ نہیں تھی...... یہ مسرت نہ سونے میں تھی...... نہ جاگنے میں تھی...... نہ کھانے میں تھی...... نہ پینے میں تھی...... یہ مسرت صرف اس خیال میں تھی، اس خواہش میں تھی، دل سے بے اختیار نکلی ہوئی اس دعا میں تھی کہ کاش میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں...... اگر صرف شہادت کی خواہش کرنے میں اتنی مسرت ہے تو شہید ہو جانے کی مسرت کا کیا ٹھکانہ...... سبحان اللہ!

کمانڈو عمران اب ایک زندہ عزم کے ساتھ جنگل میں چلا جا رہا تھا...... عزم یہ تھا

کہ اسے ہر حالت میں اپنی منزل پر پہنچنا ہے اور ایک بار پھر جہاد کشمیر میں شریک ہونا ہے...... اس کا ذہن ایک متوازن فکر کے ساتھ اس جنگل کے ذریعے اپنے دشمنوں یعنی کفار کے بچھائے ہوئے جال میں سے اپنے آپ کو بچا کر نکال لے جانے کے بارے میں سوچ بچار کر رہا تھا...... اس کا رخ شمال مشرق کی طرف تھا...... جھانسی بھوپال کے شہر اسی رخ پر تھے...... اگرچہ دن نکل آیا تھا مگر جنگل اتنا گھنا تھا کہ وہاں تک دن کی روشنی بڑی مشکل سے پہنچ رہی تھی...... کافی دیر تک جنگل میں چلتے رہنے کے بعد ایک ایسا علاقہ آ گیا جہاں آڑھی ترچھی چٹانوں کے بڑے بڑے پتھر زمین پر ادھر ادھر، اوپر نیچے پڑے ہوئے تھے...... یہ پتھر کئی کئی ٹن وزنی تھے...... کسی کا رنگ بھورا تھا...... کسی کا رنگ سبزی مائل تھا تو کسی کا رنگ کالا سیاہ تھا...... ان کے درمیان سے گزر کر چشمے کے کنارے آ کر بیٹھ گیا...... اس نے منہ ہاتھ اور پاؤں دھوئے...... چشمے کا پانی پیا...... وہ تازہ دم ہو گیا...... سوچنے لگا اب اسے کس طرف جانا چاہیے۔

خطرہ یہی تھا کہ کہیں وہ راستے سے بھٹک نہ جائے...... جنگل میں کوئی باقاعدہ سڑک تو تھی نہیں...... بس اندازے سے اسے جھاڑیوں، اونچی اونچی گھاس اور درختوں کے درمیان سے گزرنا تھا اور اپنی سمت کو بھی درست رکھنا تھا...... کمانڈو عمران اپنے تجربے اور تربیت سے کام لے رہا تھا...... جب اس کی تھکاوٹ کسی قدر کم ہوئی تو وہ اٹھا اور پھر چلنے لگا...... چلتے چلتے درختوں کے بڑے گھنے جھنڈ آ گئے...... اسے ان درختوں کے جھنڈوں میں سے گزر کر دوسری طرف جانا تھا...... جیسے ہی وہ درختوں کے جھنڈ کے پار پہنچا اس نے دیکھا کہ سامنے ایک ندی بہہ رہی تھی...... ندی کے اوپر کٹے ہوئے درخت کا تنا ڈال کر پل بنا دیا گیا تھا...... پل کے پاس ہی ندی میں ایک عورت نہا رہی تھی...... عورت گردن تک پانی کے اندر تھی اور دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کے بالوں کو دھو رہی تھی۔

عمران ایک جگہ رک گیا...... وہ انتظار کرنے لگا کہ عورت نہا کر پانی سے نکلے اور

کپڑے پہن کر وہاں سے چلی جائے تو وہ ندی کراس کر کے آگے جائے...... یہ عورت ندی میں شاید بیٹھی ہوئی تھی...... وہ دونوں ہاتھ پانی سے نکال کر اپنے سر کو دھو رہی تھی...... ندی پار کرنے کی اور کوئی جگہ نہیں تھی...... اتنے میں عورت ندی کے پانی میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی...... یہ ایک بھرے ہوئے جسم والی ایک لڑکی تھی اور اس نے اپنی کمر کے ساتھ کپڑا تک نہیں باندھا ہوا تھا...... وہ پوری کی پوری بے لباس اور عریاں تھی اور اپنے بالوں کو نچوڑ رہی تھی...... وہ درخت کے تنے والے پل کے بالکل پاس ہی ندی میں نہا رہی تھی...... ندی اسی جگہ سے پار کی جا سکتی تھی...... عمران وہیں ایک درخت کی اوٹ میں بیٹھ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ لڑکی نہا کر وہاں سے جائے تو وہ ندی پار کرے...... عمران کا خیال تھا کہ یہ لڑکی جنگل کی آدھی باسی عورت ہے اور ندی پر نہانے آ گئی ہے۔

لڑکی بال نچوڑنے کے بعد انہیں ہاتھوں سے جھٹکنے لگی...... وہ ابھی تک عریاں حالت میں ندی میں کھڑی تھی...... عمران کا ایک دو بار ارادہ ہوا کہ وہ کس لئے انتظار کر رہا ہے...... اسے چاہئے کہ خاموشی سے سر جھکائے ندی کے اوپر پڑے ہوئے درخت کے تنے پر سے گزر جائے، لیکن اسے اچھا نہ لگا کہ ایک عورت بے لباس ہو کر نہا رہی ہے اور وہ اس کے قریب جائے...... اتنے میں لڑکی ندی میں سے باہر نکل آئی...... ندی کے کنارے اس کی ساڑھی یا دھوتی پڑی تھی...... اس نے اسے اپنے جسم کے گرد لپیٹا اور پیتل کے ڈول میں ندی کا پانی بھر کر ندی کی دوسری طرف اتر گئی...... جب وہ عمران کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو عمران اٹھ کر ندی کی طرف چل پڑا...... اس نے ندی کے دونوں کناروں پر پڑے ہوئے درخت کے تنے پر سے ندی کو پار کیا اور دوسری طرف درختوں میں سے گزرنے لگا...... لڑکی اسے کہیں نظر نہ آئی...... عمران نے اپنے قدم تیز کر لئے مگر جھاڑیاں اتنی قریب قریب اگی ہوئی تھیں کہ قدم قدم پر اس کا راستہ روک رہی تھیں...... اچانک اسے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی

واز سنائی دی...... عمران جلدی سے وہیں بیٹھ گیا اور جس طرف سے آواز آئی تھی اس رف غور سے دیکھنے لگا۔

اسے کوئی انسان دکھائی نہ دیا...... جھاڑیاں قد آدم اونچی تھیں...... آواز ان ھاڑیوں کے عقب سے آئی تھی...... وہ آواز پھر سنائی دی...... اب اسے ان کی باتیں ی سمجھ میں آ رہی تھیں...... دو آدمی باتیں کرتے اس کی طرف بڑھ رہے تھے...... مران خبردار ہو کر جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا...... ایک آدمی کہہ رہا تھا۔

"دھنی رام جی! وہ بڑا تجربے کار جاسوس لگتا ہے اور وہ جنگل کے چپے چپے سے اقف ہے ورنہ اب تک پکڑا گیا ہوتا"۔

دوسرے آدمی نے جس کو دھنی رام کہہ کر پہلے آدمی نے مخاطب کیا تھا کہنے لگا۔

"ارے لالہ وہ کتنا ہی تجربے کار کیوں نہ ہو...... پولیس اسے گرفتار کر کے ہی پھوڑے گی"۔

عمران کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ پولیس کے آدمی اس کی تلاش میں اس جنگل میں یے اور کس طرف سے نکل آئے ہیں اور اب ان سے کیسے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا تھا۔

اب دو اور آدمیوں کی بھی آوازیں آنے لگیں...... معلوم ہوا کہ پولیس کی پوری ارٹی عمران کی تلاش میں جنگل میں گھس آئی ہے...... یہ ضرور پولیس کو اس کے کسی خبر نے بتایا ہو گا...... ہو سکتا ہے اس مخبر نے عمران کو دن کے وقت جنگل میں داخل ہوتے دیکھ کر پولیس کو اطلاع کر دی ہو...... وہ جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا...... پولیس پارٹی کی باتیں کرنے کی آواز اس کے قریب ہوتی جا رہی تھی...... وہ لوگ کم بخت اسی کی طرف چلے آ رہے تھے۔

عمران جلدی سے اٹھا اور سامنے والے درختوں کی طرف چل پڑا...... وہ تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا...... اونچی گھاس اور خاردار جھاڑیاں اس کا راستہ روک رہی تھیں...... جھاڑیوں کو ادھر ادھر ہٹانے سے آواز بھی پیدا ہو رہی تھی...... عمران جلدی میں

تھا...... وہ اس آواز سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا تھا...... کسی نے اونچی آواز میں کہا۔

"حوالدار صاحب...... اس طرف آئیں...... جلدی کریں...... میں نے ایک آدمی کو دیکھ لیا ہے"۔

یہ جملہ سنتے ہی عمران نے دوڑنا شروع کر دیا...... دوڑنے سے پہلے سے زیادہ آواز پیدا ہونے لگی...... اسے محسوس ہوا کہ کچھ آدمی اس کے پیچھے بھاگنے لگے ہیں...... وہ جھاڑیوں کو پھلانگتا اندھا دھند دوڑنے لگا...... جنگل کوئی گراؤنڈ نہیں تھی جہاں وہ آسانی سے دوڑ کر اپنے پیچھے لگی ہوئی پولیس کے گھیرے سے نکل جاتا...... وہ گھنا جنگل تھا...... اس کی راہ میں جھاڑیاں تھیں...... اونچی قد آدم سخت گھاس تھی...... درخت تھے...... پھر بھی وہ کسی نہ کسی طرح دوڑتا چلا جا رہا تھا۔

کم بخت پولیس اس کے پیچھے جنگل میں بھی آ گئی تھی...... ظاہر ہے پولیس کے پاس رائفلیں بندوقیں بھی ہوں گی...... جب کہ عمران کے پاس اپنے بچاؤ کے لئے کچھ بھی نہیں تھا...... اسے بائیں جانب دو ٹیلوں کے درمیان تنگ راستہ نظر آیا...... وہ دوڑ کر اس طرف چلا گیا...... پولیس والوں کی آوازیں برابر اس کا تعاقب کر رہی تھیں...... پولیس اس کے پیچھے آ رہی تھی...... وہ تنگ راستے میں سے گزر کر ٹیلے کی دوسری طرف آیا تو اسے اپنے پیچھے فائر کی آواز آئی جس سے سارا جنگل گونج اٹھا...... درختوں پر سے پرندے شور مچاتے اڑ گئے...... عمران سمجھ گیا کہ وہ پھنس گیا ہے...... اب کوئی معجزہ ہی اسے بچا سکتا ہے...... اس کی نگاہ ایک کھنڈر پر پڑی جس کی دیواریں جنگلی جھاڑ جھنکاڑ میں چھپی ہوئی تھیں۔

عمران بغیر کچھ سوچے سمجھے اس کھنڈر میں داخل ہو گیا...... کھنڈر میں ایک چھتا ہوا راستہ سا بنا ہوا تھا...... وہ آگے گیا تو آگے ایک صحن تھا جس میں ایک عورت کسی مورتی کے سامنے بیٹھی پوجا پاٹھ کر رہی تھی...... اس نے عمران کے قدموں کی آہٹ سنی تو پلٹ کر پیچھے دیکھا...... عمران نے اسے پہچان لیا...... یہ وہی لڑکی تھی جو تھوڑی

پہلے ندی میں نہا رہی تھی...... عمران کو اور تو کچھ نہ سوجھا...... اس نے لڑکی سے

"میرے پیچھے پولیس لگی ہے...... مجھے کہیں چھپا لو"۔

لڑکی فوراً اٹھی...... اس نے ایک طرف اشارہ کیا...... اس طرف ایک کوٹھڑی ...... لڑکی تیز تیز چلتی عمران کے آگے آگے کوٹھڑی میں داخل ہو گئی...... عمران کے پیچھے پیچھے تھا...... کوٹھڑی میں اندھیرا تھا...... عمران رک گیا...... لڑکی نے کہا۔

"ٹھہر جاؤ"۔

عمران کو اندھیرے میں لڑکی کا سایہ سا نظر آ رہا تھا...... لڑکی نے ایک جگہ فرش پر ے گھاس پھونس ہٹایا اور فرش پر رکھا ہوا لکڑی کا تختہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نیچے تہہ خانے میں اتر جاؤ...... جلدی کرو"۔

عمران نے جھک کر دیکھا...... نیچے ایک زینہ تھا...... وہ اندھیرے میں دیوار کو پکڑ ر زینے سے اترنے کے بعد ایک چھوٹے سے تہہ خانے میں آ گیا...... لڑکی نے اوپر ے کہا۔

"چپ چاپ بیٹھ جاؤ"۔

اور لڑکی نے لکڑی کا تختہ رکھ کر فرش کو ڈھانپ دیا...... تہہ خانے میں اندھیرا ہی دھیرا تھا...... عمران نے ہاتھ بڑھا کر دیوار کو ٹٹولا...... دیوار کے پتھر باہر کو ابھرے ئے تھے...... وہ وہیں بیٹھ گیا...... تہہ خانے میں گیلی مٹی کی مرطوب بو پھیلی ہوئی ی...... اس نے کان باہر لگا دیئے...... باہر سے تھوڑی ہی دیر بعد آدمیوں کی آوازیں نے لگیں...... پولیس اس کی تلاش میں اس کھنڈر میں پہنچ گئی تھی...... اسے لڑکی کے ہ آواز سے بھجن کیرتن کرنے کی آواز آنے لگی۔

کسی نے اونچی رعب دار آواز میں کہا۔

"یہاں ایک مجرم داخل ہوا تھا...... وہ کہاں چھپا ہوا ہے؟"۔

لڑکی کی آواز سنائی دی۔

"میں تو کرشن بھگوان کی جوگن ہوں...... جگ کے موہ مایا کے جال سے نکل کر یہاں جنگل میں کرشن بھگوان کی پوجا کرتی ہوں...... میرے پاس تو صرف کرشن بھگوان ہی ہیں اور کوئی نہیں ہے"۔

کسی نے کہا۔

"دھنی رام! ادھر ہمیں کہاں لے آئے ہو، وہ دوسری طرف نکل گیا ہوگا...... چلو ادھر چلو...... فضول ہمارا وقت برباد نہ کرو...... چلو"۔

اور پولیس کے آدمیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں دور ہو کر غائب ہو گئیں...... اب صرف لڑکی کے بھجن کیرتن کرنے کی آواز ہی آ رہی تھی...... عمران تہہ خانے کے گھپ اندھیرے میں دیوار سے لگ کر خاموش بیٹھا تھا...... اس کے کان باہر کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے...... تھوڑی دیر کے بعد لڑکی کے بھجن کیرتن کرنے کی آواز بھی بند ہو گئی...... کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی...... پھر لڑکی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی...... اس نے کوٹھڑی میں داخل ہو کر فرش پر سے لکڑی کا تختہ ہٹا دیا...... تہہ خانے میں پھیکی سی روشنی اور تازہ ہوا آئی...... لڑکی نے مدھم آواز میں کہا۔

"باہر نکل آؤ...... پولیس چلی گئی ہے"۔

عمران فوراً تہہ خانے سے نکل آیا...... لڑکی نے تختے سے تہہ خانے کا منہ ڈھانپ کر اوپر گھاس وغیرہ ڈال دی...... یہ لڑکی ایک سیدھی سادھی دیہاتی عورت کی بجائے کوئی بڑی ہوشیار اور شہر کی عورت لگ رہی تھی...... اس نے عمران سے کہا۔

"باہر آ جاؤ"۔

عمران نے پوچھا۔

"پولیس والے کہیں آس پاس ہی چھپے ہوئے ہوں گے"۔

لڑکی نے کہا۔

"وہ یہاں نہیں ہیں...... میں نے ٹیلے پر چڑھ کر خود دیکھا ہے...... وہ کشتی میں بیٹھ کر دریا کے دوسرے کنارے کی طرف چلے گئے ہیں"۔

عمران کو قدرے اطمینان ہوا...... عمران کو ایک بار پھر احساس ہوا کہ یہ لڑکی گاؤں کی عورت نہیں ہے اور کوئی جوگن بھی نہیں ہے...... وہ بڑی صاف اردو بول رہی تھی اور شہر والوں کی اردو بول رہی تھی...... لڑکی عمران کو صحن میں اس جگہ لے آئی جہاں کرشن جی کی مورتی رکھی ہوئی تھی...... لڑکی چوکی پر عمران کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئی...... عمران بھی دوسری چوکی پر بیٹھ گیا۔

لڑکی نے جوگنوں والی صرف ایک ہی ساڑھی پہن رکھی تھی...... اس کا بایاں کندھا ساڑھی میں سے باہر نکلا ہوا تھا...... ماتھے پر تلک لگا تھا...... گلے میں موٹے منکوں کی مالا تھی اور مورتی کے آگے پتھر کی سل پر کچھ جنگلی پھول رکھے ہوئے تھے...... لڑکی کی عمر انیس بیس سال سے زیادہ نہیں لگتی تھی...... رنگ سانولا تھا...... جسم صحت مند تھا اور چہرے کے نقش بڑے دلکش تھے...... آنکھوں میں بڑی چمک تھی...... لڑکی کے دانت ظاہر کر رہے تھے کہ وہ کسی زمانے میں کثرت سے پان کھاتی رہی ہے...... جوگی جوگنیں پان نہیں کھایا کرتے...... یہ بھی ایک انوکھی بات تھی...... عمران نے لڑکی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمہیں ندی میں اشنان کرتے دیکھا تھا"۔

لڑکی نہ تو چونکی اور نہ اس نے اس انکشاف پر برا مانا...... کہنے لگی۔

"ہندو عورت کو کوئی مرد اشنان کرتے دیکھ لے تو عورت کے پاپ جھڑ جاتے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"میں تمہارا بہت شکریہ ادا کرتا ہوں...... اس وقت اگر تم بہادری سے کام لے کر

مجھے پولیس سے نہ بچاتیں تو پولیس مجھے ہتھکڑی لگا کر لے گئی ہوتی"۔

لڑکی بڑے غور سے عمران کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی...... کہنے لگی۔

"تم کوئی قتل کر کے بھاگے ہو کیا؟ چونکہ تم شکل صورت سے چور نہیں لگتے"۔

عمران نے کہا۔

"میں مجرم نہیں ہوں...... بس میرے دشمنوں نے مجھے ایک جھوٹے مقدمے میں پھنسا دیا ہے اور میرے وارنٹ جاری کروا دیئے ہیں...... میں پولیس سے بچنے کے لئے اس جنگل میں نکل آیا تھا...... مگر پولیس کو پتہ چل گیا اور وہ میرے پیچھے لگ گئی"۔

لڑکی کی تیز نگاہیں عمران کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں...... وہ کہنے لگی۔

"تم مجھے ہندو نہیں لگتے"۔

عمران سمجھ گیا کہ لڑکی کو مردوں کو سمجھنے کا بڑا تجربہ ہے...... عمران نے سوچا کہ اس لڑکی کے آگے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے...... وہ تو تھوڑی دیر کے بعد اس سے جدا ہو جائے گا اور شاید پھر کبھی زندگی میں اس سے ملاقات نہیں ہو گی...... اس نے کہا۔

"تم نے ٹھیک اندازہ لگایا...... میں مسلمان ہوں...... ہم لوگ دلی میں آباد ہیں...... میرے مرحوم باپ کی برہان پور میں کافی جائیداد تھی...... میں اس جائیداد کا اپنے چچا زاد بھائیوں سے تصفیہ کرانے یہاں آیا تھا...... مگر میرے چچا زاد بھائیوں نے مجھے ایک عورت کو اغوا کرنے کے جھوٹے کیس میں پھنسا دیا...... پولیس نے میرے خلاف مقدمہ درج کر لیا اور عدالت نے میری گرفتاری کے وارنٹ بھی جاری کر دیئے...... میں اپنے برہان پور والے پرانے مکان سے فرار ہو گیا...... پولیس میرے پیچھے لگ گئی...... میں اس جنگل میں آ گیا کہ ابھی دو ایک دن جنگل میں چھپا رہتا ہوں...... اس کے بعد کسی ٹرین میں بیٹھ کر دلی کی طرف نکل جانے کی کوشش کروں

ہ"۔

لڑکی کے ہونٹوں پر ہلکا ہلکا تبسم تھا...... صاف لگ رہا تھا کہ اس لڑکی نے عمران کے بیان پر یقین نہیں کیا اور وہ سمجھ گئی ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے، مگر عمران کو اس بارے میں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی...... اسے کہاں لڑکی کے پاس بیٹھے رہنا تھا...... اسے تو اس سے جنگل کا آگے کا راستہ معلوم کر کے وہاں سے چلے جانا تھا...... اس نے اسے پولیس سے بچایا تھا...... لڑکی نے اتنی بڑی مہربانی عمران پر کی تھی، چنانچہ عمران اس کا پوری طرح سے شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا...... اس نے پوچھا۔

"کیا آگے کوئی دریا بھی بہتا ہے"۔

لڑکی نے کہا۔

"ہاں...... ایک دریا بہتا ہے...... مگر تم دریا پار کر کے کہاں جاؤ گے"۔

عمران نے کہا۔

"میں دلی جانا چاہتا ہوں"۔

لڑکی مسکرائی...... کہنے لگی۔

"دلی اس جنگل میں نہیں ہے...... دریا کے پار بھی نہیں ہے...... اس جنگل مین ساری عمر بھی اگر بھٹکتے رہو گے تو دلی نہیں پہنچ سکو گے"۔

عمران نے کھسیانا سا ہو کر پوچھا۔

"پھر تمہارے خیال میں مجھے دلی پہنچنے کے لئے کیا کرنا چاہئے...... میں نے کوئی ٹرین پکڑنے کی کوشش کی تو پولیس مجھے سٹیشن پر ہی فوراً گرفتار کر لے گی"۔

لڑکی نے کہا۔

"میرے ساتھ بھوپال چلو گے؟"۔

عمران کو لڑکی کے اس بے باک سوال پر کوئی حیرانی نہ ہوئی تھی...... وہ سمجھ گیا تھا لڑکی کو انیس بیس سال کی عمر میں ہی زندگی کا بڑا گہرا تجربہ ہو چکا ہے...... اس نے

کہا۔

"میں بھوپال جا کر کیا کروں گا...... مجھے تو دلی اپنے گھر والوں کے پاس جانا ہے"۔

لڑکی نے کہا۔

"بھوپال سے میں تمہیں خود دلی چھوڑ آؤں گی"۔

عمران نے لڑکی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں...... میں تمہیں اتنی تکلیف نہیں دے سکتا...... تمہارا مجھ پر یہ احسان کوئی کم نہیں ہے کہ تم نے مجھے پولیس سے بچالیا ہے"۔

لڑکی نے کہا۔

"تمہیں دیکھ کر میرا دل چاہا کہ تمہیں بچالوں اور میں نے تمہیں بچالیا...... اس میں کوئی شکریہ ادا کرنے والی یا احسان کرنے والی کوئی بات نہیں ہے"۔

عمران نے یونہی پوچھا۔

"تمہارے دل میں مجھے بچانے کا خیال کیسے آگیا؟"۔

لڑکی نے بغیر کسی جھجک یا شرم کے کہا۔

"تم مجھے پسند آگئے تھے...... دیکھتے ہی پسند آگئے تھے...... اور اب تو تم میرے بہت ہی قریب ہوگئے ہو"۔

جانتے ہو کیوں؟ پوچھو کیوں"۔

"اچھا...... میں پوچھ لیتا ہوں...... کیوں؟" عمران نے پوچھا۔

لڑکی کہنے لگی۔

"اس لئے کہ تم نے مجھے ندی میں اشنان کرتے ہوئے ننگی دیکھ لیا ہے"۔

عمران شرما سا گیا...... کہنے لگا۔

"میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا...... میں ندی پار کرنا چاہتا تھا، مگر تم پل کے بالکل قریب اشنان کر رہی تھیں...... میں نے اس وقت ندی پار کرنی مناسب نہ

بھی اور درخت کے پاس بیٹھ کر تمہارے ندی سے نکلنے کا انتظار کرتا رہا"۔

لڑکی نے مزید بے باکی سے کہا۔

"اگر تم اس وقت میرے قریب سے گزرتے تو مجھے بہت زیادہ خوشی ہوتی...... بڑے بے وقوف ہو جو اس حالت میں بھی عورت سے دور رہے ہو...... کیا تمہاری دی ہو چکی ہے؟"۔

نہیں...... عمران نے کہا۔

لڑکی بولی۔

"تم ایسے احمق نوجوان کو شادی کرنی بھی نہیں چاہئے"۔

اس لڑکی نے عمران کے مطلب کی ایک بات کہہ دی تھی...... عمران اس کے ے میں غور کر رہا تھا...... اس نے لڑکی سے پوچھا۔

"تم نے ابھی کہا تھا کہ میرے ساتھ بھوپال چلو"۔

"ہاں میں نے کہا تھا" لڑکی نے جواب دیا۔

عمران نے کہا۔

"تم مجھے اپنے ساتھ بھوپال کیسے لے جاؤ گی...... میرے پیچھے تو پولیس لگی ہے"۔

لڑکی مسکرا دی تھی...... کہنے لگی۔

"جس پر دل آجائے اس کے لئے میں بہت کچھ کر سکتی ہوں"۔

عمران کچھ شرما سا گیا، لیکن اندر سے وہ ہوشیار بھی ہوگیا کہ کہیں الٹی آنتیں گلے جائیں اور یہ لڑکی اسے کسی اور مصیبت میں مبتلا نہ کروادے، لیکن وہ بھی ایک بے کار کمانڈو تھا اور اسے ہر حالت میں اس علاقے سے نکلنا تھا...... کہنے لگا۔

"اگر یہ بات ہے تو میں تمہارے ساتھ بھوپال جانے کو تیار ہوں"۔

لڑکی نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ تم نے مردوں والی بات کی ہے...... ٹھیک ہے...... میں آج رات تمہیں

یہاں سے نکال کر لے جاؤں گی"۔

عمران نے کہا۔

"پولیس مجھے پہچانتی ہے...... اس نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تو تمہیں بھی گرفتار کر لے گی"۔

لڑکی نے اعتماد سے کہا۔

"میں تمہاری طرح احمق نہیں ہوں"۔

عمران اس جوگن کے بے باکانہ انداز گفتگو پر دل میں بڑا حیران بھی ہو رہا تھا...... اسے یہ لڑکی ایک ایسی دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی جس مخلوق کو عمران اچھی طرح سے جانتا تھا، مگر وہ مقام لڑکی کے ساتھ بحث مباحثے کا نہیں تھا...... وہ اس کی مدد سے کسی نہ کسی طرح بھوپال پہنچنا چاہتا تھا...... پھر آگے وہ خود دلی کی طرف فرار ہو سکتا تھا...... اس نے پوچھا۔

"ہم کس راستے سے بھوپال جائیں گے؟"۔

ہم تو جنگل میں بیٹھے ہیں"۔

لڑکی نے کہا۔

"ہم ریل گاڑی میں سوار ہو کر بھوپال جائیں گے...... جنگل سے بھلا کون راستہ بھوپال جاتا ہے؟"۔

عمران نے پھر وہی سوال دہرایا۔

"مگر پولیس تو میری تلاش میں ہے...... میں تو سٹیشن پر جاتے ہی پکڑا جاؤں گا"

لڑکی نے کہا۔

"میں تمہیں اس طرح لے جاؤں گی کہ پولیس کا باپ بھی تمہیں گرفتار نہ کر سکے گا"۔

اب یہ لڑکی وہ جوگن نہیں رہی تھی جو کھنڈر میں مورتی کے آگے بھجن گا

ہی تھی...... یہ شہر کی کوئی ایسی خرانٹ اور چالاک عورت لگ رہی تھی جس نے ے گھاٹ کا پانی پیا ہو...... عمران کو اس انکشاف پر حیرت بھی ہوئی تھی اور اسے نان بھی ہو گیا تھا کہ اس قسم کی ہوشیار اور چالاک عورت ہی اسے وہاں سے نکال لے جا سکتی ہے...... پولیس کو وہاں سے گئے کافی وقت گزر گیا تھا...... عمران نے لڑکی پوچھا۔

"ہم یہاں سے کس وقت نکلیں اور کس طرف سے نکلیں گے؟ ہمیں سٹیشن کی ے نہیں جانا چاہئے"۔

لڑکی نے کہا۔

"تم نہیں جانتے...... میں جانتی ہوں کہ تمہیں لے کر مجھے کس طرف سے نکلنا ...... تمہیں بھوک لگی ہو گی"۔

عمران نے یونہی کہہ دیا۔

"کوئی ایسی بھوک بھی نہیں لگی"۔

لڑکی نے عمران کی طرف گھور کر دیکھا۔

"تمہاری شکل بتا رہی ہے کہ تمہیں بھوک لگی ہے...... ٹھہرو...... میں تمہارے ، کچھ کھانے کو لاتی ہوں"۔

لڑکی اٹھ کر کوٹھڑی میں گئی اور ایک مٹی کی ہنڈیا اٹھا لائی...... اس میں دو تین یاں اور بوندی کے لڈو رومال میں بندھے ہوئے تھے...... رومال کھول کر اس نے ن کے سامنے رکھ دیا اور کہا۔

"کھاؤ میں تمہارے لئے پانی لاتی ہوں"۔

وہ اٹھ کر کھنڈر سے باہر چلی گئی۔

عمران کو واقعی بڑی بھوک لگ رہی تھی...... لڑکی مٹی کے کٹورے میں پانی بھر کر ، تو عمران ڈیڑھ روٹی لڈوؤں کے ساتھ کھا چکا تھا...... لڑکی نے ہنس کر کہا۔

"تم تو کہتے تھے مجھے بھوک نہیں لگی؟"۔
اس نے عمران کے بالوں میں بڑے پیار سے ہاتھ پھیر کر کہا۔
"منے...... میرے آگے کبھی جھوٹ نہ بولنا...... میں مردوں کی ساری بھول بھلیوں کے راز جانتی ہوں"۔
وہ اٹھ کر اندر کوٹھڑی میں چلی گئی...... واپس آئی تو اس نے ایک چھوٹی سی گٹھڑی اٹھا رکھی تھی...... کہنے لگی۔
"ہم اب یہاں سے نکل چلیں گے...... دن ڈھلنے سے پہلے پہلے ہمیں وشال ورگ گاؤں میں پہنچنا ہے"۔
تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں کھنڈر سے نکل کر جنگل میں ایک طرف کو روانہ ہو گئے...... لڑکی نے چلتے چلتے عمران سے پوچھا۔
"تمہارا نام کیا ہے؟"۔
عمران اسے بتا چکا تھا کہ وہ مسلمان ہے...... اب اس کے سامنے جھوٹ بولنے کی گنجائش بھی نہیں تھی اور ضرورت بھی نہیں تھی...... اس نے اسے اپنا اصلی نام بتا دیا...... وہ بولی۔
"میرا نام دلاری ہے...... تم مجھے دلاری کہہ کر بلایا کرو کوئی مرد میرا نام لے ت مجھے اچھا لگتا ہے"۔
جنگل میں وہ اسے ایک ایسے راستے سے لے جا رہی تھی جہاں درختوں او جھاڑیوں کے درمیان ایک چھوٹا سا راستہ بنا ہوا تھا...... یہ راستہ جہاں ختم ہوا وہا چٹانوں کے درمیان ایک نیم پہاڑی چشمہ بہہ رہا تھا...... دلاری نے کہا۔
"پانی پینا چاہتے ہو؟"۔
عمران بولا۔
"پی لیتے ہیں"۔

چشمے کے پاس بیٹھ کر عمران نے منہ ہاتھ دھویا...... پانی پیا...... دلاری نے بھی دھویا اور تھوڑا سا پانی پیا...... کہنے لگی۔
"ابھی بہت پیدل چلنا ہے...... ہم یہاں زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکتے" اور وہ اٹھ کر پڑے...... وہ دوپہر تک گھاٹیوں اور اونچی اونچی کھائیوں اور چھوٹے چھوٹے سوکھی گھاس کے میدانوں اور اونچے اونچے درختوں میں چلتے رہے...... دوپہر کے بعد جگہ بیٹھ کر انہوں نے تھوڑی روٹی کھائی...... ایک چھوٹی سی ندی کا پانی پیا...... ڑی دیر آرام کیا اور پھر چل پڑے...... ایک جگہ پہاڑی ٹیلے اور چٹانوں کا سلسلہ ...... دلاری نے کہا۔
"یہاں سے شہر کو جانے والی کچی سڑک گزرتی ہے...... ہم اس سے دور رہیں ...... جنگل کے محکمے والوں کا یہاں ڈاک بنگلہ بھی ہے"۔
عمران نے کہا۔
"ہمیں اس طرف نہیں جانا چاہئے"۔
"دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے" دلاری نے کہا...... مگر ہم بہت آگے جا کر سڑک ریں گے۔
وہ ایک چھوٹے ٹیلے کا چکر کاٹ کر آگے نکل گئے...... وہاں سے انہوں نے سٹ رینجرز والوں کی کچی سڑک پار کی اور دوسری طرف جنگل میں داخل ئے...... دلاری کی ہدایت پر وہاں سے وہ تیز تیز چلنے لگے تھے...... جب وہ جنگل کے میں پہنچ گئے تو دلاری ایک جگہ بیٹھ گئی...... کہنے لگی۔
"ہم خطرے سے دور ہو گئے ہیں...... اب ہم یہاں کچھ دیر آرام کر سکتے ہیں"۔
مگر وہ خطرے سے دور نہیں تھے...... خطرہ ان کے سر پر منڈلا رہا تھا...... انہیں سپار کرتے ہوئے فاریسٹ رینجرز کے ڈاک بنگلے میں ایک آدمی نے دیکھ لیا تھا، اس نے پولیس پارٹی کو خبر کر دی تھی جو عمران کی تلاش میں صبح سے اس جنگل میں

پھر رہی تھی اور تھوڑی دیر کے لئے ڈاک بنگلے میں آرام کرنے کو رک گئی تھی...... اس پارٹی میں ایک تھانیدار اور چھ سپاہی تھے...... جب انہیں خبر ملی کہ ایک مشتبہ شخص کو ایک عورت کے ساتھ کچی سڑک پار کر کے جنگل میں داخل ہوتے دیکھا ہے تو اسی وقت پولیس مفرور پاکستانی جاسوس کو پکڑنے کے لئے چل پڑی...... تھانیدار نے سپاہیوں سے کہا۔

"یہ آدمی پاکستانی جاسوس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا"۔

پولیس پارٹی نے جیپ ڈاک بنگلے میں ہی چھوڑ دی تھی...... جنگل میں جیپ کو لے کر چلنا دشوار تھا...... پولیس پارٹی طوفانی بگولے کی طرح دوڑتی بھاگتی جنگل میں داخل ہو گئی...... عمران اور دلاری ابھی تک ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے...... اچانک دلاری نے چونک کر ایک طرف دیکھا...... کہنے لگی۔

"کوئی آ رہا ہے"۔

عمران ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہاں سے نکلو"۔

مگر اب دیر ہو چکی تھی...... پولیس پارٹی ان کے سر پر پہنچ گئی تھی...... تھانیدار نے جھاڑیوں میں سے ان دونوں کو دیکھ لیا تھا...... پستول اس کے ہاتھ میں تھا...... اس نے پستول کا ایک ہوائی فائر کر دیا...... پستول کے فائر کی آواز کے ساتھ ہی دلاری اور عمران نے ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا...... عمران جھاڑیوں کو پھلانگتا اندھا دھند بھاگا جا رہا تھا...... دلاری بھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑتی چلی آ رہی تھی...... ان کے پیچھے پولیس بھی بھاگتے ہوئے ان کا تعاقب کر رہی تھی...... دلاری نے عمران کو آواز دے کر کہا۔

"ٹیلے کے پیچھے کروندی کے جنگل میں داخل ہو جاؤ"۔

وہ بھی کسی ہرنی کی طرح جھاڑیوں کو پھلانگتی عمران کے قریب آ گئی اور سامنے

ٹیلے کے عقب سے نکل کر سامنے کروندی کے گھنے جنگل میں داخل ہو گئی...... یہ نگل بے حد گنجان اور دشوار گزار تھا، مگر دلاری عمران کو لے کر آگے ہی آگے بڑھتی رہی تھی...... اچانک گنجان درختوں کے پیچھے سے چار آدمی طوفان کی طرح نکلے اور ہوں نے دوڑتے ہوئے عمران اور دلاری دونوں کو وہیں قابو کر کے زمین پر الیا...... چاروں کے پاس رائفلیں تھیں...... چہروں پر ڈاٹے بندھے ہوئے تھے...... نہیں گھسیٹتے ہوئے ایک جگہ درختوں کے نیچے لے گئے جہاں درختوں کی اوٹ میں چھ ات آدمی رائفلیں تھامے پوزیشنیں لئے کھڑے تھے...... ان میں سے ایک نے چھا۔

"پستول کا فائر کس نے کیا تھا؟"۔

جو آدمی عمران اور دلاری کو قابو کئے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا۔

"ان کے پاس اسلحہ نہیں ہے"۔

"تو پھر فائر کی آواز کہاں سے آئی تھی؟"۔

عمران اس دوران سمجھ گیا تھا کہ یہ ڈاکوؤں کا کوئی گروہ ہے جو جنگل میں پڑاؤ ڈالے ئے ہے...... عمران نے اونچی آواز میں کہا۔

"ہمارے پیچھے پولیس لگی ہوئی ہے"۔

ایک آدمی نے درختوں کے پیچھے سے چلا کر کہا۔

"ان کو سردار کے پاس لے جاؤ...... یہ دونوں مجھے پولیس کے جاسوس لگتے ہیں سردار سے کہو پولیس آ گئی ہے"۔

چاروں آدمی عمران اور دلاری کو اپنے ساتھ تیز تیز چلاتے بلکہ دوڑاتے ایک ان کی اوٹ میں بڑی چارپائی پر بیٹھے ہوئے آدمی کے پاس لے گئے اور دھکے دے کر نوں کو اس آدمی کے سامنے گرا دیا اور ایک نے کہا۔

"سردار! یہ پولیس کے جاسوس ہیں...... ان کے ساتھ پولیس بھی جنگل میں

داخل ہو گئی ہے"۔

دوسرے آدمی نے کہا۔

"سردار پستول کا فائر پولیس والوں کا تھا"۔

اس دوران عمران نے چارپائی پر بیٹھے ہوئے آدمی کو دن کی روشنی میں پہچان لیا تھا...... یہ طور خان تھا...... یعنی وہی ڈاکو جس کو گنج باسودہ کے ڈاک بنگلہ ہوٹل میں عمران نے پولیس سے بچایا تھا اور طور خان نے خوش ہو کر عمران سے کہا تھا۔

"ابے تو نے مجھے خرید لیا ہے...... میرا نام طور خان ہے...... اگر کبھی میری تمہیں ضرورت پڑے تو میرے پاس چلے آنا میں ست پڑا کے جنگلوں میں ہی ہوتا ہوں"۔

مگر ابھی طور خان نے عمران کی طرف توجہ نہیں دی تھی...... پولیس پارٹی کی آمد کی اطلاع سے وہ چوکس ہو گیا تھا اور اپنے آدمیوں کو مورچے سنبھالنے کی ہدایات دینے میں مصروف تھا...... عمران قدرت کے اس حسن اتفاق پر حیران رہ گیا...... قدرت نے کس طرح خود بخود اس وقت عمران کو طور خان کے سامنے لا کر ڈال دیا تھا، جب اس جنگل میں کوئی بھی اس کی مدد کو نہیں پہنچ سکتا تھا...... دلاری کچھ ڈری ہوئی تھی اور عمران کے پاس ہی زمین پر بیٹھی تھی...... ڈاکوؤں کے گروہ میں ہل چل سی مچ گئی...... وہ مسلح ہو کر دوڑ دوڑ کر جنگل میں پوزیشنیں سنبھالنے میں مصروف تھے...... طور خان کے پاس صرف اس کے چار باڈی گارڈ ہی رہ گئے تھے۔

تب طور خان نے عمران کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"تم پولیس کے ٹاؤٹ ہو...... کیوں نہ تمہیں میں اپنے پستول سے شوٹ کر دوں؟"۔

اسی دوران طور خان بڑے غور سے عمران کو دیکھ رہا تھا، جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو...... آخر اس کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا۔

"لگتا ہے میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے...... کہاں دیکھا ہے میں نے

ہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"میرا نام عمران ہے...... گنج باسودہ کے ڈاک بنگلے کی وہ رات یاد کریں جب آپ بنگلے کے بار روم میں داخل ہوئے تھے اور پھر پولیس نے وہاں چھاپہ مارا تھا اور میں پولیس کو نہیں بتایا تھا کہ آپ پردے کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں"۔

"ابے تم ہو؟ ارے تم تو میرے محسن ہو بھائی...... ڈاکوؤں کے سردار طور خان اٹھ کر عمران کو گلے سے لگا لیا اور اپنے باڈی گارڈز سے کہا۔

"ارے اس نوجوان نے تمہارے سردار کی جان اپنی جان خطرے میں ڈال کر ئی تھی...... یہ عورت کون ہے؟"۔

طور خان نے عمران سے سوال کیا۔

عمران نے کہا۔

"یہ...... یہ میری دوست ہے...... اس کا نام دلاری ہے"۔

طور خان نے پوچھا۔

"تم اسے لے کر کہاں جا رہے تھے اور پولیس تمہارا پیچھا کس لئے کر رہی ی؟"۔

عمران نے اس نازک سوال کا جواب پہلے ہی سوچ لیا تھا...... اس نے کہا۔

"مجھے اس سے محبت ہو گئی تھی...... میں اسے نکال کر لے جا رہا تھا...... اس لئے لیس ہمیں گرفتار کرنے کے لئے ہمارے پیچھے لگی تھی"۔

دلاری کے چہرے پر اس وقت بڑی دلکش مسکراہٹ نمودار ہو گئی تھی...... لاری کو معلوم تھا کہ عمران نے جھوٹ بولا ہے مگر اسے اس بات کی خوشی ہوئی تھی کہ ران نے مردوں والا جھوٹ بولا ہے...... اتنے میں جنگل میں فائرنگ کے دھماکوں کی ازیں گونجنے لگیں...... طور خان نے اپنی رائفل کاندھے سے اتار کر ہاتھوں میں لے

لی اور اپنے باڈی گارڈز سے کہا۔

”ان کو پیچھے لے جاؤ اور بڑی حفاظت سے رکھنا...... یہ طور خان کے مہمان ہیں“۔

اور یہ کہہ کر طور خان ان درختوں کی طرف چلا گیا جدھر سے فائرنگ کی آواز آرہی تھی...... دو باڈی گارڈ عمران اور دلاری کو بڑی عزت کے ساتھ پیچھے لے گئے...... پیچھے درختوں کے نیچے دس بارہ گھوڑے بندھے ہوئے تھے...... قریب ہی ایک چارپائی بچھی تھی...... ایک باڈی گارڈ نے کہا۔

”سلطان! تم ان کے پاس رہ کر ان کی حفاظت کرو...... میں سردار کے پاس جاتا ہوں“۔

اور وہ رائفل تھام کر اس طرف دوڑ پڑا جس طرف طور خان گیا تھا...... وہاں ڈاکوؤں اور پولیس پارٹی کا مقابلہ شروع ہو گیا تھا...... دونوں طرف سے رائفلوں اور بندوقوں کی فائرنگ کے دھماکے ہونے لگے تھے...... ان دھماکوں سے جنگل کی فضا گونجنے لگی تھی اور درختوں پر سے پرندے اڑ کر دوسری طرف کو جارہے تھے...... دلاری اور عمران چارپائی پر بیٹھے تھے اور ایک باڈی گارڈ رائفل تھامے ان کی حفاظت کر رہا تھا...... دلاری نے عمران کی طرف مسکرا کر دیکھا اور بولی۔

”یہ ڈاکو تمہارا کب سے دوست ہے؟“۔

عمران نے دیکھا کہ پولیس اور ڈاکوؤں کی زبردست فائرنگ سے دلاری بالکل نہیں گھبرائی تھی، بلکہ وہ مسکرا کر اس سے بات کر رہی تھی...... عمران نے کہا۔

”میں نے اس کے آگے جو بیان دیا وہ تم نے سن لیا ہو گا...... بس اتنی ہی دوستی ہے...... میری طور خان کے ساتھ“۔

”میں سمجھ گئی ہوں“ دلاری نے جواب دیا...... مگر مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہوئی ہے کہ تم مجھے نکال کر لے جارہے ہو...... تم نے مردوں والا کام کیا ہے تو اس ک

انا اور مجھے اپنے ساتھ رکھنا۔

عمران گھبرا گیا کہ کہیں سچ مچ یہ عورت اس کے گلے نہ پڑ جائے...... اس نے فوراً ب میں کہا۔

”وہ تو میں نے طور خان کے آگے جھوٹ بولا تھا“۔

دلاری نے کہا۔

”لیکن میں اسے سچ سمجھتی ہوں...... کیا خیال ہے؟“۔

عمران نے کہا۔

”اس وقت یہاں قیامت مچی ہوئی ہے...... یہ باتیں بعد میں کریں گے“۔

ڈاکو بھاگ کر آتے اور پیچھے درختوں میں سے اسلحہ میگزین اور گولیاں اٹھا کر لے باتے تھے...... فائرنگ اب اتنی شدید نہیں ہو رہی تھی...... عمران سمجھ گیا کہ پولیس رٹی کے مقابلے میں ڈاکوؤں کی تعداد زیادہ ہے اور وہ جنگل کے اسرار و رموز سے واقف ا ہیں...... اس وجہ سے پولیس کے کچھ سپاہی مر گئے ہیں اور پولیس پارٹی پسپا ہوتے ئے فائر کر رہی ہے...... ڈاکوؤں کے پاس اسلحہ کی بھی کمی نہیں تھی...... پولیس شہر ں اکا دکا بدمعاش کا اور جنگل میں اکا دکا ڈاکو کا تو مقابلہ کر لیتی ہے مگر جب ڈاکوؤں کا پورا وہ سامنے ہو تو پولیس جوتیاں پھینک کر بھاگ جاتی ہے...... اس چھ سات سپاہیوں کی لیس پارٹی کے ساتھ یہی کچھ ہو رہا تھا...... جنگل کی طرف سے آنے والی اندھادھند ئرنگ سے تھانیدار نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اتنے زیادہ ڈاکوؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتا، بلکہ پولیس کے پاس اتنا اسلحہ بھی نہیں تھا...... اور اس کے تین سپاہی ڈاکوؤں کی گولیوں ے مر بھی گئے تھے...... تھانیدار کو اب اپنی موت نظر آرہی تھی اور وہ اس کے لئے تیار ہیں تھا، چنانچہ اس نے بچے کھچے سپاہیوں کو پیچھے کی طرف بھاگنے کا حکم دیا اور خود بھی ھاگ اٹھا...... اس کے ساتھ ہی فائرنگ کی آوازیں آنا بند ہو گئیں۔

طور خان ڈاکو اپنے باڈی گارڈ اور دوسرے ڈاکوؤں کے ساتھ عمران اور دلاری

کے پاس آیا اور بولا۔

"پولیس پارٹی تو دم دبا کر بھاگ گئی ہے...... اپنے دو آدمیوں کی لاشیں بھی ساتھ لے گئی ہے...... ابھی ہم یہاں سے دوسری جگہ جا رہے ہیں...... پولیس نے یہ جگہ دیکھ لی ہے...... تم بھی ہمارے ساتھ چلو"۔

اسی وقت تمام ڈاکو گھوڑوں پر سوار ہو گئے...... عمران اور دلاری بھی گھوڑوں پر سوار تھے...... طور خان نے انہیں اپنے ساتھ رکھا تھا...... ڈاکوؤں کا یہ گروہ اس جنگل سے نکل کر دوسرے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا...... راستے میں ایک دریا آ گیا...... ڈاکوؤں نے ایک بہت بڑے بیڑے پر دریا پار کیا...... دریا کے دوسرے کنارے پر پہلے سے زیادہ گھنا اور گنجان جنگل شروع ہو جاتا تھا...... یہاں یہ گروہ دیر تک جنگل کے دشوار گزار راستوں پر سفر کرتا رہا...... پھر ایک جگہ اونچی اونچی چٹانوں کے درمیان انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا...... اس وقت تک دن ڈھل چکا تھا...... الاؤ روشن کر کے گوشت بھونا جانے لگا...... یہ جگہ ڈاکو طور خان کے گروہ کی دوسری خفیہ کمین گاہ تھی...... ایک چٹان میں چھوٹا سا قدرتی غار بنا ہوا تھا...... غار کے اندر دری بچھا دی گئی...... اس پر طور خان...... عمران اور دلاری بیٹھ گئے۔

طور خان بولا۔

"میرے دوست! تم اس عورت کو نکال کر لائے ہو...... مجھے اس کی خوشی ہوئی ہے...... اب تم دونوں کو بھوپال جانا ہے...... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"۔

عمران نے کہا۔

"بالکل ٹھیک...... ہم بھوپال جانا چاہتے ہیں"۔

"فکر نہ کرو" طور خان نے کہا...... پولیس اب تمہاری ہوا کو بھی نہیں چھو سکتی...... یہاں سے بھوپال بہت دور ہے، مگر میرے آدمی تم دونوں کو بھوپال جانے والی گاڑی میں چڑھا کر آئیں گے...... اگر تم چاہتے ہو تو وہ تمہارے ساتھ بھوپال تک چلے جائیں گے...... کیا کہتے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"نہیں خان جی! اس کی ضرورت نہیں ہے"۔

"تو پھر ٹھیک ہے...... آج کی رات تم دونوں یہاں آرام کرو گے...... صبح دن نکلتے ہی میں تمہیں اپنے آدمیوں کے ساتھ روانہ کر دوں گا"۔

باتیں کرتے کرتے رات ہو گئی...... غار کے اندر ہری کین کی لالٹین روشن کر دی گئی...... ڈاکوؤں کی کمین گاہ میں دو تین اور لالٹینیں روشن ہو گئی تھیں...... عمران اور دلاری نے طور خان کے ساتھ وہیں بیٹھ کر کھانا کھایا...... اس کے بعد قہوے کا دور چلا...... طور خان نے عمران سے کہا۔

"تم اب میرے چھوٹے بھائی بن گئے ہو...... اگر کبھی تمہیں میری ضرورت پڑے تو بس ان جنگلوں میں آ جانا...... میں کہیں نہ کہیں تمہیں مل جاؤں گا...... اب تم لوگ آرام کرو...... صبح ملاقات ہو گی"۔

طور خان چلا گیا۔

عمران اور دلاری اکیلے رہ گئے...... عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے میں باہر چارپائی بچھوا کر سو جاتا ہوں"۔

دلاری نے عمران کی طرف دیکھا اور بولی۔

"کیا مجھ سے تمہیں کوئی خطرہ ہے؟"۔

"بالکل نہیں...... عمران نے کہا...... تو پھر میرے پاس کیوں نہیں سوتے...... دلاری نے پوچھا"۔

عمران نے کہا۔

"میں نے سوچا کہ کہیں تمہیں تکلیف نہ ہو"۔

دلاری ہنس پڑی۔

"مجھے تو بلکہ خوشی ہو گی"۔

عمران نے لالٹین کی روشنی بالکل مدہم کر دی اور دری پر ایک طرف منہ کر کے لیٹ گیا...... دلاری بھی خاموشی سے دیوار کی طرف منہ کر کے لیٹ گئی...... کچھ دیر کے بعد دونوں گہری نیند سو رہے تھے...... دوسرے دن صبح صبح طور خان نے آ کر انہیں جگا دیا...... کہنے لگا۔

"دوست اٹھو...... ناشتہ کر لو...... تمہیں بھوپال جانا ہے"۔

دلاری اور عمران نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کیا اور سفر کے لئے تیار ہو گئے...... طور خان کے دو آدمی پہلے سے گھوڑوں کے پاس تیار کھڑے تھے...... طور خان نے کہا۔

"میرے بھائی! تمہاری میزبانی میں مجھ سے کچھ کمی رہ گئی ہو تو معاف کر دینا"۔

عمران نے کہا۔

"خان جی ایسی بات نہ کہیں...... یہ تو میری خوش قسمتی تھی کہ یہاں آپ مل گئے، وگرنہ اس وقت میں اور دلاری حوالات میں ہوتے"۔

طور خان نے جیب سے پانچ سو روپے کا نوٹ نکال کر دلاری کو دیتے ہوئے کہا۔

"تم پہلی بار بھائی کے پاس آئی ہو...... یہ حقیر سا نذرانہ قبول کرو"۔

دلاری ذرا ہچکچائی...... عمران نے آنکھ کے اشارے سے کہا کہ لے لو...... دلاری نے پانچ سو روپے کا نوٹ لے کر رکھ لیا اور شکریہ ادا کیا۔

اس کے بعد طور خان عمران کو گلے لگا کر ملا...... دلاری کے سر پر ہاتھ رکھا اور چپکے سے عمران کے ہاتھ میں پانچ سو روپے کا نوٹ پکڑا دیا...... عمران کچھ کہنے لگا تو طور خان نے اشارے سے اسے خاموش کرا دیا۔

یہاں سے عمران اور دلاری گھوڑوں پر سوار ہو کر طور خان کے دو آدمیوں کے ساتھ چل پڑے...... یہ دونوں آدمی ڈاکو تھے اور الگ الگ گھوڑوں پر سوار تھے اور آگے آگے چل رہے تھے...... انہیں معلوم تھا کہ کس راستے سے نکلنا ہے...... دوپہر کے بعد

جنگل سے باہر نکل آئے...... آگے گھاس، جھاڑیوں اور پتھریلی چٹانوں کا میدانی لسلہ شروع ہو گیا تھا...... یہاں انہوں نے ایک جگہ بیٹھ کر تھوڑا بہت کھانا کھایا اور بارہ گھوڑوں کو آگے بڑھا دیا...... دلاری نے عمران سے کہا۔

"مجھے خود پتہ نہیں چل رہا کہ یہ لوگ کس طرف سے ہمیں لا رہے ہیں"۔

تیسرے پہر چٹانی میدان ختم ہو گئے اور اونچی اونچی فصلوں والے کھیت آ گئے...... نوں ڈاکو گھوڑوں پر سوار آگے آگے چل رہے تھے...... ایک بڑی نہر راستے میں ئی...... اس پر ایک پل بنا ہوا تھا...... انہوں نے پل عبور کیا...... سامنے کچھ فاصلے پر یہات کے مکان نظر آ رہے تھے...... ان کے گھوڑے اب آہستہ آہستہ چل رہے تھے...... ایک ڈاکو نے کہا۔

"یہاں سے ایک برانچ لائن جھانسی بھوپال کی طرف جاتی ہے...... آگے ایک ھوٹا ریلوے سٹیشن ہے"۔

پندرہ بیس منٹ کی مسافت کے بعد ایک چھوٹا سا ریلوے سٹیشن دکھائی دیا...... کوؤں نے سٹیشن سے کچھ فاصلے پر درختوں کی اوٹ میں گھوڑے روک لئے...... وہی کو بولا۔

"یہاں سے ہم واپس چلے جائیں گے...... اگر تم کہو تو ہم تمہیں گاڑی میں سوار ا کر واپس چلے جائیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"نہیں بھائی...... آپ کو اتنی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... ہم سٹیشن پہنچ گئے ہیں...... بس اتنا ہی کافی ہے...... آپ بے شک واپس چلے جائیں اور طور خان احب کو میرا سلام کہیے گا اور میری طرف سے ان کا شکریہ ضرور ادا کیجئے گا"۔

ڈاکو نے کہا۔

"بہت بہتر"۔

دونوں ڈاکوؤں نے گھوڑوں کی باگیں موڑیں...... انہیں ایڑ لگائی اور گھوڑوں کو دوڑاتے آہستہ آہستہ دور ہوتے چلے گئے۔

دلاری نے کہا۔

"چلو...... اب سٹیشن پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں...... بھوپال جانے والی گاڑی آئے گی تو اس میں سوار ہو جائیں گے"۔

عمران سٹیشن پر ابھی نہیں جانا چاہتا تھا، کیونکہ ابھی دن کی روشنی باقی تھی...... اس نے دلاری سے کہا۔

"ذرا اندھیرا ہو جائے تو جائیں گے...... اتنی دیر تک یہیں بیٹھتے ہیں...... تمہیں تو معلوم ہی ہے میرے پیچھے پولیس لگی ہوئی ہے"۔

دلاری بولی۔

"تم کہتے ہو تو بیٹھ جاتی ہوں...... ورنہ مجھے پولیس کی کوئی پروا نہیں"۔

عمران خاموش رہا اور درختوں کی اوٹ میں ایک جگہ بیٹھ گیا...... ان کے گھوڑے ڈاکو اپنے ساتھ لے گئے تھے...... دلاری بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی...... عمران یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ عورت دلاری اسے بھوپال کس کے ہاں لے جا رہی ہے...... ابھی تک دلاری نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا کہ وہ کون ہے...... بھوپال میں وہ کس کے ہاں عمران کو لے جا رہی ہے...... وہ شادی شدہ ہے یا نہیں...... دلاری سے یہ پوچھنے کی عمران کو نہ تو فرصت ملی تھی اور نہ اس نے اس کی کوئی خاص ضرورت ہی محسوس کی تھی...... اس وقت جبکہ دلاری اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی عمران نے باتوں باتوں میں اس سے پوچھ ہی لیا۔

"بھوپال میں تمہارا اپنا گھر ہے کیا؟"۔

دلاری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمہیں کسی دوسرے کے گھر میں لئے جا رہی ہوں؟"۔

عمران بولا۔

"نہیں نہیں...... ایسی بات نہیں ہے...... بس یونہی میں نے پوچھ لیا تھا"۔

دلاری نے ارد گرد ایک نگاہ ڈالی اور بولی۔

"شام کا اندھیرا ہو رہا ہے...... میرا خیال ہے ہمیں سٹیشن چلے جانا چاہئے...... ابھی ٹ بھی لینے ہیں اور یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ کون سی گاڑی کس وقت بھوپال جائے "۔

عمران نے بھی محسوس کیا تھا کہ شام کا جھٹ پٹا ہو رہا ہے اور پھر یہ چھوٹا سا سٹیشن ہ...... یہاں وہ محفوظ ہو گا...... کہنے لگا۔

"چلو سٹیشن پر ہی چلے چلتے ہیں"۔

وہ درختوں کے نیچے سے اٹھ کر سٹیشن کی طرف چل پڑے۔

یہ سٹیشن کوئی غیر معروف سا دیہاتی سٹیشن تھا...... اس علاقے کے کچھ مسافر اپنا اسامان لئے پلیٹ فارم پر بیٹھے تھے...... عمران اور دلاری بھی ایک طرف جا کر بیٹھ ئے...... عمران نے کہا۔

"میں گاڑی کا معلوم کر کے ابھی آتا ہوں"۔

دلاری نے کوئی جواب نہ دیا...... خاموش بیٹھی رہی...... عمران اٹھ کر سٹیشن کی ٹی سی ڈیوڑھی میں آ گیا...... یہاں ٹکٹ دینے والی کھڑکی کھلی تھی...... کھڑکی کے ر بلب جل رہا تھا...... ایک آدمی کرسی پر بیٹھا مہریں لگا رہا تھا...... عمران نے اچھی ح سے دیکھ لیا تھا کہ وہاں پولیس کا کوئی سپاہی نہیں تھا...... اس نے کھڑکی میں سے چھا۔

"مہاراج بھوپال جانے والی گاڑی کب آئے گی؟"۔

بکنگ کلرک نے عمران کی طرف نگاہ اٹھائے بغیر کہا۔

"نو دس بجے رات کو آئے گی"۔

عمران نے پوچھا۔

"بھوپال تک کے دو ٹکٹ مل جائیں گے؟"۔

"مل جائیں گے"۔

عمران نے جیب سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر بکنگ کلرک کو دیا...... اس نے پوچھا۔

"تھرڈ کلاس کے لو گے کہ انٹر کلاس کے؟ اس گاڑی میں صرف دو ہی کلاسیں ہوتی ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"انٹر کلاس کے دے دیں مہاراج!"۔

انٹر کلاس کے دو ٹکٹ اور باقی ریز گاری لے کر عمران پلیٹ فارم پر دلاری کے پاس آ کر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"گاڑی رات کے نو دس بجے آئے گی...... میں نے انٹر کلاس کے دو ٹکٹ لے لئے ہیں"۔

دلاری نے کہا۔

"مجھ سے پیسے کیوں نہیں لے کے گئے"۔

عمران نے کہا۔

"میرے پاس تھے"۔

ٹرین کے انتظار کا عرصہ بڑا صبر آزما تھا...... عمران کو یہ بھی فکر تھی کہ اس کی تلاش میں نکلی ہوئی پولیس کی کوئی پارٹی اس طرف نہ نکل آئے...... اگرچہ اس کا امکان بہت کم تھا، کیونکہ وہ ایک دور افتادہ چھوٹا سا دیہاتی سٹیشن تھا...... پھر بھی عمران ہر طرف سے خبردار اور ہوشیار رہنا چاہتا تھا...... دلاری کو ابھی عمران کے بارے میں حقیقت کا قطعی علم نہیں تھا...... وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ یہ ایک مسلمان نوجوان ہے جس کا رشتے داروں سے جائیداد کا کچھ جھگڑا ہے اور انہوں نے اس کی گرفتاری کے

وارنٹ نکلوا دیئے ہیں اور عمران پولیس سے بچ کر کسی طرح دلی پہنچ جانا چاہتا ہے۔

رات ہو گئی تو عمران نے دلاری سے کہا۔

"میں کچھ کھانے کو لاتا ہوں"۔

دلاری خاموش رہی...... عمران اٹھ کر سٹیشن کی ڈیوڑھی سے باہر نکل گیا...... پلیٹ فارم پر تو کچھ بھی نہیں تھا...... سٹیشن کے باہر ایک طرف دو تین دوکانیں کھلی تھیں...... ایک دکان کے باہر دو تین دیہاتی چائے پی رہے تھے...... قریب جا کر عمران نے دیکھا کہ دوکان کے اندر ایک آدمی روٹیاں تیار کر رہا تھا...... یہاں سے عمران کو کچھ روٹیاں اور مٹی کے کٹورے میں دال مل گئی...... وہ لے کر دلاری کے پاس آ گیا۔

"یہاں یہی مل سکا ہے...... کم از کم بھوک تو مٹ جائے گی"۔

انہوں نے خاموشی سے دال روٹی کھائی...... عمران نلکے پر سے دال والے کٹورے کو دھو کر اس میں پانی بھر کر لے آیا...... دونوں نے پانی پیا...... اس کے بعد عمران ایک بار پھر باہر گیا اور مٹی کے کٹوروں میں چائے لے آیا...... دلاری نے مسکرا کر کہا۔

"تم میری ایک سگھڑ خاوند کی طرح سیوا کر رہے ہو۔ مگر تمہاری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی"۔

عمران بولا۔

"ابھی میں شادی وغیرہ کے جھنجھٹ میں نہیں پھنسنا چاہتا...... اوپر سے رشتے داروں نے مقدمے بازی شروع کر رکھی ہے"۔

دلاری نے کہا۔

"شادی کا ایک فائدہ بھی ہوتا ہے...... آدمی ادھر ادھر کی دربدری سے بچ جاتا ہے...... تم مسلمان تو دو دو بلکہ چار چار بیویاں رکھ سکتے ہو"۔

عمران نے ہنس کر کہا۔

"ایک ہی بیوی سے گزارہ ہو جائے تو بہت ہے"۔

اسی طرح باتیں کرتے ہوئے وقت گزر گیا اور رات کے نو بج گئے...... سوا دس بجے کے قریب ایک قلی نے آکر پلیٹ فارم پر گھنٹی بجادی...... معلوم ہوا کہ گاڑی آرہی ہے...... مسافر اپنا اپنا سامان سنبھالنے میں لگ گئے...... دس پندرہ منٹ اور گزر گئے...... گاڑی آگئی...... یہ کوئلے کے انجن والی گاڑی تھی...... سارے ڈبے مسافروں سے بھرے ہوئے تھے...... انٹر کلاس کے ڈبے میں چند ایک مسافر ہی تھے...... دلاری اور عمران اس ڈبے میں چڑھ کر بیٹھ گئے...... گاڑی تھوڑی دیر رکنے کے بعد وہاں سے چل پڑی۔

معلوم ہوا کہ یہ گاڑی بھوپال دوسرے دن پہنچے گی...... ساری رات ٹرین چلتی رہی...... کوئی سٹیشن آتا تو ذرا کی ذرا وہاں رکتی اور پھر چل پڑتی...... رات گزر گئی...... دن کا اجالا پھیلنے لگا...... دن کے گیارہ بجے کے قریب بھوپال کا سٹیشن آگیا...... عمران پر یہ وقت بڑے کڑے امتحان کا وقت تھا...... بھوپال بہت بڑا سٹیشن تھا...... وہاں پولیس بھی تھی...... ملٹری پولیس بھی تھی...... وہ ایک مفرور پاکستانی جاسوس ہی نہیں ایک مفرور قاتل بھی تھا...... سارے شمالی ہندوستان کی پولیس اس کی تلاش میں تھی...... وہ کہیں بھی پکڑا جا سکتا تھا...... اس نے دلاری سے کہا۔

"تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ پولیس میری تلاش میں ہے...... میں سٹیشن کے گیٹ کی طرف سے نہیں نکلنا چاہتا"۔

دلاری نے کہا۔

"فکر نہ کرو...... میں اسی شہر کی رہنے والی ہوں...... مجھے باہر نکلنے کے سب راستے معلوم ہیں"۔

دن کا وقت تھا...... رات کا وقت ہوتا تو پھر بھی کچھ بچاؤ ہو سکتا تھا۔

دن کی روشنی میں پولیس عمران کو دور سے بھی دیکھ سکتی تھی...... اسے صرف یہ

بنانا تھا کہ یہاں کی پولیس اس کی شکل سے شناسا نہیں ہے اور اس کا بہت کم امکان کہ گنج باسودہ یا برہان پور کی کوئی پولیس پارٹی اس کی تلاش میں وہاں آئی ہوئی ہو۔

دلاری اسے لے کر پلیٹ فارم کے بڑے گیٹ کی طرف جانے کی بجائے ھیوں والا پل عبور کر کے دوسرے پلیٹ فارم پر لے آئی...... وہاں سے وہ تیسرے فارم پر آگئے...... یہاں سے آگے ریلوے کا پارٹ شروع ہو جاتا تھا جہاں ریل کی وں کا جال بچھا ہوا تھا اور ادھر ادھر ریل کے کچھ ڈبے کھڑے تھے...... ایک انجن ے شنٹ کرتا سیٹی دیتا چلا آرہا تھا۔

دلاری نے کہا۔

"یہاں سامنے جو دیوار نظر آرہی ہے...... وہاں ایک چھوٹا سا دروازہ ہے...... ہم سے باہر نکل جائیں گے...... ہمیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں...... ہمارے ٹکٹ موجود ہیں"۔

انہوں نے بڑی احتیاط کے ساتھ ریلوے یارڈ کو عبور کیا اور سامنے والی دیوار کے آگئے...... یہاں ذرا آگے جا کر ایک چھوٹی سی گزرگاہ بنی ہوئی تھی...... وہ دونوں ں سے نکل کر باہر سڑک پر آگئے...... دلاری نے کہا۔

"بس اب تمہیں اطمینان ہو جانا چاہئے...... ادھر کوئی پولیس والا نہیں ہے"۔

سڑک پر ٹریفک چل رہی تھی...... دلاری ایک طرف کھڑی ہو گئی...... کہنے یہاں سے ہمیں کوئی رکشا مل جائے گا...... بھوپال میں تانگے بھی چل رہے ...... ایک خالی رکشے کو دلاری نے ہاتھ دے کر روک لیا اور ڈرائیور سے کہا۔

"بھیروں کے مندر چلو"۔

عمران سمجھ گیا کہ دلاری اسے کسی مندر میں لے جا رہی ہے...... اس نے اسے کے کھنڈر میں بھجن کیرتن کرتے دیکھ لیا تھا...... اسے یقین سا ہونے لگا کہ یہ ت مندر کی کوئی دیوداسی قسم کی عورت ہے...... آٹو رکشا بھوپال کی ٹریفک سے

بھری ہوئی سڑک پر چلا جا رہا تھا...... وہ سٹیشن سے کافی آگے نکل آئے تھے......ان کی ایک جانب پرانے بھوپال شہر کی فصیل اور وہاں اونچے اونچے مکان تھے...... رکشا وہاں سے بھی آگے نکل گیا...... شہر کی نئی آبادی شروع ہوئی...... بازار کھلے کھلے تھے...... دونوں جانب نئی عمارتیں اور دوکانیں تھیں...... ایک شاپنگ سنٹر بھی دکھائی دیا...... ایک اونچے میناروں والی مسجد بھی دکھائی دی۔

آٹو رکشا ایک نئی کالونی کے درمیان سے گزر رہا تھا۔

دونوں جانب نسبتاً بہتر قسم کے کوٹھی نما کوارٹر بنے ہوئے تھے...... ہر کوارٹر کے آگے چھوٹا باغیچہ تھا جہاں درخت کھڑے تھے...... اس کے بعد ایک دوسری کالونی آگئی...... یہاں دلاری نے ڈرائیور سے کہا۔

"اگلے چوک سے بائیں جانب ہو جانا"۔

اگلے چوک سے رکشا بائیں جانب ایک خاموش اور چھوٹی سڑک پر آگیا...... یہاں چھوٹے چھوٹے کوٹھی نما مکان تھے...... دلاری نے ایک مکان کے آگے رکشا رکوالیا...... وہ رکشے سے اتر گئے...... دلاری نے رکشا والے کو پانچ سو کا نوٹ نکال کر دیا......اس نے کہا۔

"میرے پاس چھٹا نہیں ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میں دیتا ہوں......نوٹ تم اپنے پاس رکھ لو"۔

عمران نے رکشے والے کو کرایہ ادا کیا...... رکشا آگے نکل گیا...... دلاری نے ایک مکان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ میرا گھر ہے...... یہاں میں اپنی موسی کے ساتھ رہتی ہوں"۔

جس مکان کی طرف دلاری نے اشارہ کیا تھا وہ اک منزلہ کوٹھی نما مکان تھا۔ آٹھ دس مرلے کا مکان تھا...... چھوٹا سا لکڑی کا دروازہ تھا، جس کے آگے تنگ

باغیچہ تھا جہاں گھاس اگی ہوئی تھی اور ایک طرف پھولدار گملوں کی قطار لگی تھی...... سامنے چھوٹا سا برآمدہ تھا...... برآمدے میں آنے کے بعد دلاری نے عمران سے کہا۔

"یہاں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر نہ کرنا...... میں تمہیں جس نام سے بلاؤں گی وہی تمہارا نام ہوگا"۔

مکان کے باہر کوئی نیم پلیٹ نہیں لگی ہوئی تھی...... ایک کال بیل تھی...... دلاری نے اس کا بٹن ایک دو بار دبایا...... مکان کے اندر سے گھنٹی بجنے کی دبی دبی آواز سنائی دی...... دوسری بار گھنٹی دینے کے بعد اندر سے دروازے کی چٹخنی کھول کر ایک ادھیڑ عمر نوکرانی نے دروازہ کھول کر دلاری کو دیکھا اور خوش ہو کر بولی۔

"بی بی جی آپ"۔

دلاری نے پوچھا۔

"موسی گھر پر ہی ہیں کیا؟"۔

نوکرانی نے کہا۔

"گھر پر ہی ہیں بی بی جی" اور آگے سے ہٹ گئی...... دلاری عمران کو لے کر اندر داخل ہوگئی...... نوکرانی نے پیچھے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگادی...... یہ ایک چھوٹا سا ڈرائینگ روم تھا جو بڑے سلیقے سے سجا ہوا تھا...... دلاری نے عمران سے کہا۔

"تم یہاں بیٹھو...... میں موسی کو تم سے ملاتی ہوں"۔

دلاری سامنے والے دروازے کا پردہ ہٹا کر دوسرے کمرے میں چلی گئی...... دوسرے کمرے میں شاید کیسٹ پلیئر لگا ہوا تھا...... لتا منگیشکر کے کسی فلمی گانے کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی...... عمران نے ڈرائینگ روم کا جائزہ لیا...... سجاوٹ کا سارا سامان اور فرنیچر قدرے قیمتی معلوم ہو رہا تھا...... فرش پر قالین بھی بچھا تھا...... کونے والی تپائیوں پر ٹیبل لیمپ رکھے ہوئے تھے...... ہر ٹیبل پر بلور کا ایک ایک ایش ٹرے بھی تھا...... دروازوں پر گلابی رنگ کے ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے...... ایک کونے کی

تپائی پر ایجنٹا کی ایک مشہور مورتی کا کمرشل مجسمہ رکھا ہوا تھا جس میں پرانے زمانے کی ایک پرانی دیوداسی کو نرت کرتے ہوئے عریاں حالت میں دکھایا گیا تھا...... صوفوں کے درمیان شیشے کی سطح والی کافی ٹیبل پر بلور کے ایک گلدان میں پلاسٹک کے قیمتی پھولوں کا ایک گلدستہ سجا ہوا تھا...... مینٹل پیس پر مٹی کی مختلف دیوداسیوں کی چھوٹی چھوٹی عریاں مورتیاں سجائی ہوئی تھیں...... مینٹل پیس کے اوپر دیوار پر کرشن کنہیا کی ایک شیشے میں جڑی ہوئی تصویر لگی تھی...... اس تصویر میں کرشن کنہیا کو مرلی بجاتے ہوئے نیم عریاں گوپیوں کے ساتھ رقص کرتے دکھایا گیا تھا...... تصویر کے بالکل نیچے تانبے کی پلیٹ میں گیندے کے دو چار پھول پڑے تھے اور آدھا جلا ہوا لوبان بھی تھا...... ڈرائنگ روم کی فضا میں کسی پرفیوم کی ہلکی ہلکی خوشبو بسی ہوئی تھی۔

یہ ڈرائنگ روم متوسط طبقے کے کسی کھاتے پیتے ہندو گھرانے کا ڈرائنگ روم لگ رہا تھا، جس ملازمہ نے دروازہ کھولا تھا وہ چائے کا سامان ٹرے میں رکھ کر لے آئی...... ٹرے کافی ٹیبل پر رکھنے کے بعد وہ چلی گئی...... اتنے میں دلاری اپنی ماسی کے ساتھ اندر آئی...... اس کی موسی ادھیڑ عمر کی سیدھی سادی سی ہندو عورت تھی...... ماتھے پر تلک لگا ہوا تھا، لیکن ہونٹوں پر پان کی لالی تھی اور آنکھوں میں ایک خاص قسم کی بے باکی سی تھی...... اس کی نظریں کسی چیز پر زیادہ دیر نہیں ٹھہرتی تھیں...... عمران کو چہرہ شناسی کا اتنا تجربہ نہیں تھا، لیکن اس عورت میں اسے ایک انوکھی سی بات محسوس ہوئی......

دلاری نے کہا۔

''موسی! یہ چندرپال جی ہیں...... دلی میں ان کا کپڑے کا بزنس ہے...... دلی جارہے تھے...... میں نے کہا کچھ دیر کے لئے ہمارے ہاں ٹھہر جائیں''۔

اس نوعیت کے تعارف سے عمران کو کچھ حیرت بھی ہوئی کہ دلاری محض پہلی ملاقات میں ایک اجنبی کو اپنے گھر لے آئی ہے...... اپنی موسی کو اس نے یہی کہا تھا...... یہاں پہلی بار عمران کو اس گھر کے ماحول پر ایک شک سا پڑ گیا کہ یہ دوسرے قسم کا

گھرانہ ہے...... موسی کو عمران نے ہندو بن کر پرنام کیا...... دلاری نے عمران کو یہی کہا تھا کہ میں تمہیں موسی کے آگے ہندو ظاہر کروں گی...... موسی نے دلاری سے کہا۔

''تم بیٹھ کر چائے پیو...... میں تمہارے لئے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں''۔

پھر اس نے عمران سے پوچھا۔

''چندرپال جی آپ کیا پینا پسند کریں گے؟ گھر میں اس وقت بیئر ہی ہے...... رات کے لئے تو وسکی آجائے گی، لیکن اگر آپ دوپہر کو وسکی پسند کرتے ہیں تو وہ بھی آسکتی ہے''۔

عمران نے دلاری کی طرف دیکھا...... وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی...... پردہ اٹھ گیا تھا اور عمران کے سامنے ہر شے واضح ہوگئی تھی کہ یہ گھرانہ کس قسم کا ہے...... دلاری نے موسی سے کہا۔

''موسی اس وقت بیئر ہی ٹھیک رہے گی''۔

اس کی موسی چلی گئی...... عمران کو دلاری سے پوچھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی کہ اس گھر کا ماحول کس قسم کا ہے...... ایک لمحے کے لئے عمران کو خیال آیا کہ بھارت کے اکثر گھرانوں میں بیئر اور شراب وغیرہ مہمانوں کو عام پیش کی جاتی ہے، مگر یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ان گھرانوں کا ماحول بھی خراب ہو، لیکن دلاری کے موسی کے گھر سے ایک اور ہی طرح کی خوشبو آرہی تھی۔

عمران نے سوچ لیا کہ وہ شام کا اندھیرا ہوتے ہی دلی کی طرف روانہ ہو جائے گا...... اسے دلاری کے گھر میں رات بسر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں...... دلاری چائے بنا رہی تھی...... کہنے لگی۔

''تم اگرچہ مسلمان ہو مگر بھارت کے شہری ہو...... اس لئے تمہیں شراب اور بیئر وغیرہ کے ذکر پر حیرت نہیں ہونی چاہئے...... یہ سب چیزیں ہمارے سماج میں عام چلتی

ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"نہیں نہیں...... مجھے کیوں حیرت ہونے لگی؟"۔

دلاری نے چائے بنا کر عمران کو دی تو اس نے پوچھا۔

"بھوپال سے رات کے وقت بھی کوئی گاڑی دلی جاتی ہے؟"۔

دلاری کہنے لگی۔

"میں تمہیں ابھی سٹیشن پر جانے کا مشورہ نہیں دوں گی"۔

"کیوں؟" عمران نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔

دلاری نے کہا۔

"موسی نے بتایا ہے کہ ہماری کالونی میں کل رات دو کشمیری کمانڈو پولیس نے پکڑے ہیں...... دو فرار ہوگئے ہیں...... پولیس نے اس سارے علاقے کی ناکہ بندی کر رکھی ہے...... اگر تم یہاں سے نکلے تو پولیس تم سے ضرور پوچھ گچھ کرے گی...... اگر تم ان کے جواب دے سکتے ہو تو بے شک چلے جانا لیکن میں تمہارے بھلے کے لئے کہہ رہی ہوں، کیونکہ تم نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارے رشتے داروں نے تمہارے وارنٹ جاری کروا رکھے ہیں اور پولیس تمہاری تلاش میں ہے"۔

عمران ان حالات میں کیسے باہر نکل سکتا تھا...... اس نے کہا۔

"تم نے اچھا کیا مجھے بتا دیا...... مجھے یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہئے"۔

دلاری کہنے لگی۔

"یہاں تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی اور پھر میرے ہوتے ہوئے تمہیں کیسے کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے...... تم جتنے دن چاہے یہاں رہو...... میں تمہارے ساتھ ہی ہوں"۔

عمران دلاری کے خفیہ عزائم کو بھانپ گیا تھا کہ اس عورت کی نیت ٹھیک نہ

ہے، لیکن وہ اس گھر میں فی الحال چھپے رہنے کے لئے مجبور تھا...... دلاری نے پیالی میز پر ھتے ہوئے کہا۔

"آؤ میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھائے دیتی ہوں"۔

وہ اسے مکان کے ایک عقبی کمرے میں لے گئی...... یہ ایک درمیانے سائز کا کمرہ ا جس میں ایک پلنگ تھا...... پلنگ پر بستر لگا ہوا تھا...... یہاں بھی کونے میں ایک ریاں دیو داسی کا بت رکھا ہوا تھا...... ہندو کلچر میں اس قسم کی عریاں مورتیوں کو عریاں ہیں سمجھا جاتا بلکہ ان کو تقدس کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے...... اس کمرے میں کرشن کنہیا ا کوئی تصویر وغیرہ نہیں تھی...... مینٹل پیس کے اوپر دیوار پر کسی یورپی مصور کی بنائی وئی ایک عریاں عورت کی تصویر لگی تھی...... یہ بڑا آرام دہ بیڈ روم تھا...... اس کے ندر ہی غسل خانہ تھا...... اس گھر میں دلاری، اس کی موسی اور ملازمہ کے سوا ابھی تک ور کسی انسان کی شکل نظر نہیں آئی تھی...... دوپہر کا کھانا ایک میز پر لگا ہوا تھا...... بیئر ی تین چار بوتلیں بھی رکھی تھیں...... دلاری نے عمران کے گلاس میں بیئر ڈالنی چاہی تو عمران نے کہا۔

"تھینک یو! میں یہ کچھ نہیں پیا کرتا"۔

دلاری نے وہ گلاس اپنے آگے کر لیا اور موسی سے کہا۔

"موسی! چندر پال جی ویشنو ہیں...... یہ سوم رس اور گوشت کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے"۔

موسی ہنس دی...... عمران نے کھانے میں صرف سبزی وغیرہ ہی کھائی...... کھانے کے بعد دلاری نے عمران سے کہا۔

"چندر پال جی آپ کچھ دیر کے لئے سو جائیں...... سفر کے بہت تھکے ہوئے ہیں"۔

اور خود اپنی موسی کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلی گئی...... عمران پلنگ پر لیٹ

گیا اور سوچنے لگا کہ پولیس کی ناکہ بندی توڑنے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے، مگر یہ کام خطرناک تھا اور اس کے پکڑے جانے کا امکان تھا...... اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ آج کی رات اور کل کا دن یہیں رہ جائے گا...... کل شام تک پولیس جا چکی ہو گی...... یہی سوچتے سوچتے اس پر غنودگی طاری ہونے لگی...... وہ سخت تھکا ہوا تھا...... گزشتہ رات بھی وہ نہیں سو سکا تھا...... اب دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد جو سویا تو شام کو اس کی آنکھ کھلی...... اس دوران دلاری اسے دو تین بار آکر دیکھ گئی تھی...... شام کو آئی تو عمران جاگ رہا تھا...... دلاری نے مسکرا کر اسے دیکھا اور بولی۔

"میں نے تمہیں جگایا نہیں...... میں چاہتی تھی کہ تم پورا آرام کرو...... پولیس ابھی تک علاقے میں ہی بیٹھی ہے...... میں خود جا کر دیکھ آئی ہوں...... ابھی تمہارا باہر نکلنا مناسب نہیں...... آؤ پچھلے برآمدے میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں"۔

مکان کا عقبی برآمدہ چھوٹا سا تھا...... وہاں بڑی خاموشی تھی...... سامنے احاطے کی دیوار پر پھول دار بیل چڑھی ہوئی تھی...... نوکرانی وہاں چائے لے آئی...... وہ چائے پینے لگے۔

دلاری نے کہا۔

"دلی جا کر کیا میں تمہیں یاد آؤں گی؟"۔

عمران کو ابھی اس عورت دلاری کی خوشنودی کی ضرورت تھی...... وہ ابھی اس کے آگے من مانی نہیں کر سکتا تھا...... عمران نے کہا۔

"کیوں نہیں...... کیوں نہیں...... جب بھی اس طرف آنا ہوا تمہیں ملنے یہاں ضرور ٹھہر جایا کروں گا"۔

دلاری بولی۔

"میں نے تو تمہیں صاف صاف بتا دیا تھا کہ تم مجھے پسند ہو...... مجھے پہلی نظر میں ہی اچھے لگے تھے...... میں تمہیں کیسی لگتی ہوں...... اس بارے میں نہ تم نے مجھے کچھ

بتایا ہے اور نہ ہی میں نے تم سے پوچھنے کی ضرورت محسوس کی کیونکہ تم اگر مجھے پسند نہ بھی کرو گے تو بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا، کیونکہ میری پسند یکطرفہ ہے اور میری اپنی پسند ہے...... اس میں کسی دوسرے کو دخل دینے کی ضرورت نہیں"۔

دلاری اسی طرح پیار محبت کے مکالمے بولتی رہی...... عمران ہوں ہاں کرتا رہا...... موقع محل کے مطابق دلاری کے حق میں دو تین جملے وہ بھی تائید و حمایت میں بول دیتا تھا...... وہ ایسا کرنے پر مجبور تھا...... رات کو کھانے کی میز پر بیئر کے ساتھ وہسکی کی بوتل بھی پڑی تھی...... عمران نے تو کچھ نہ پیا...... دلاری نے تھوڑی سی بیئر پی اور اس کی موسی نے ایک پیگ وہسکی کا کھانے کے ساتھ پیا...... کھانے کے بعد دلاری عمران کو اس کے بیڈروم میں لے آئی اور کہنے لگی۔

"کچھ دیر بعد ایک دو مہمان آنے والے ہیں...... تم بے شک بیڈروم میں آرام کرنا...... میں ہو سکا تو مہمانوں کے جانے کے بعد تمہیں گڈنائٹ کہنے آؤں گی"۔

وہ چلی گئی...... عمران بستر پر آکر نیم دراز ہو گیا اور سوچنے لگا کہ یہ مہمان کون ہو سکتے ہیں جو کھانے کے ٹائم کے بعد آ رہے ہیں...... خیر...... اس نے اس پر زیادہ غور کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور پلنگ کے ساتھ لگے کتابوں کے شیلف میں سے ایک کتاب نکال کر پڑھنے لگا...... یہ انگریزی کا کوئی ناول تھا...... بے حد فحش اور گندہ ناول تھا...... عمران نے اسے بند کر کے واپس شیلف میں رکھ دیا اور ایک فلمی رسالہ دیکھنے لگا...... فلمی رسالے کی تصاویر بھی کچھ کم فحش نہیں تھیں...... اصل میں آزادی ملنے کے بعد بھارت کی نوجوان نسل مادر پدر آزاد ہو گئی تھی اور یہ فحاشی ان کی اونچی سوسائٹی کا ایک حصہ بن چکی تھی...... عمران کی نیند اس سے دور ہو گئی تھی...... اس نے ایک بار ٹیبل لیمپ بجھا کر سونے کی بھی کوشش کی مگر اسے نیند نہ آئی...... دوبارہ ٹیبل لیمپ جلا کر انگریزی کا اخبار پڑھنے لگا...... اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ وہ سارا دن سوتا رہا تھا۔

اخبار ختم ہو گیا تو اس نے شیلف میں سے انگریزی کا ایک جاسوسی ناول نکال کر پڑھنا شروع کر دیا...... رات گزرتی جا رہی تھی...... اس نے دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھا...... رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے...... اچانک اسے ہارمونیم بجنے کی آواز سنائی دی...... پہلے تو وہ سمجھا کہ ساتھ والے گھر میں کوئی ہارمونیم بجانے لگا ہے...... اب ہارمونیم کے ساتھ طبلے کی بھی ایک دو آوازیں سنائی دیں...... جیسے کوئی طبلے کو سر کر رہا ہو...... عمران نے غور کیا تو یہ آوازیں دلاری کے مکان سے آ رہی تھیں...... تب عمران نے سوچا کہ ممکن ہے دلاری کوئی بھجن کیرتن شروع کرنے والی ہے...... وہ کتاب پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد باہر دو گاڑیوں کے رکنے کی آواز سنائی دی...... پھر کچھ آدمیوں کے ہلکے ہلکے قہقہے سنائی دیئے...... عمران سمجھ گیا کہ دلاری کے مہمان آ گئے ہیں...... اس نے کہا تھا کہ آج ہمارے کچھ مہمان آنے والے ہیں...... عمران ناول پڑھنے میں مصروف ہو گیا...... جاسوسی ناول بڑا دلچسپ تھا...... عمران پوری توجہ سے پڑھ رہا تھا...... دس پندرہ منٹ ہی گزرے تھے کہ گھنگھروؤں کی جھنکاریں سنائی دیں...... عمران کی توجہ کتاب سے ہٹ گئی...... اس نے سوچا کہ بھجن کیرتن کے ساتھ اس طرح گھنگھروؤں کے چھناکے اس نے کبھی نہیں سنے...... یہ قصہ کیا ہے...... عمران نے اپنے کان ان آوازوں پر لگا دیئے...... آواز اتنی اونچی نہیں تھی...... دبی دبی سی تھی...... لگتا تھا یہ سب کچھ مکان کے کسی بند کمرے میں ہو رہا ہے...... تھوڑی دیر بعد ہارمونیم اور طبلے کی تھاپ پر مجرے کی دھن شروع ہو گئی...... عمران کے کان کھڑے ہو گئے...... اس کے ساتھ ہی گھنگھروؤں کی جھنکار کے ساتھ کسی نے رقص کرنا شروع کر دیا۔

پھر کسی عورت کی ٹھمری گانے کی بڑی سریلی آواز آنے لگی...... اب عمران کے لئے بستر پر پڑے رہنا مشکل تھا...... اس نے کتاب ایک طرف رکھی...... پلنگ سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں گیا اور دبے پاؤں سامنے والے بند دروازے کے ساتھ کان

سننے لگا...... ٹھمری مجرے کی آواز اسی کمرے سے آ رہی تھی...... وہ کوئی ایسی درز
ں کرنے لگا جہاں سے وہ اندر جھانک سکے...... بہت جلد اسے دروازے کے درمیان
درز مل گئی...... اس نے درز کے ساتھ آنکھ لگا کر دوسری طرف دیکھا......
رے کمرے میں راجہ اندر کا دربار لگا تھا...... دیواروں پر ریشمی پردے گرے ہوئے
...... قالین پر گاؤ تکیئے لگے تھے...... تین تماش بین قسم کے خوش پوش اور ادھیڑ عمر
لوگ تکیوں کا سہارا لئے بیٹھے تھے...... ان کے ہاتھوں میں شراب کے گلاس
...... سامنے ایک جانب گاؤ تکیوں کے پاس دلاری کی ماسی بیٹھی تھی...... پاندان اس
سامنے رکھا تھا اور وہ پان لگا لگا کر کھا رہی تھی...... ایک طرف سازندے بیٹھے
...... درمیان میں دلاری زرق برق لباس میں ملبوس زبردست میک اپ کئے
ری گاتے، نرت کرتے ہوئے مجرا کرنے میں مشغول تھی...... عمران کو دلاری پر
ں تو وہیں کھنڈر میں ہی اس کی باتیں سن کر پڑ گیا تھا، لیکن معاملہ اس کی توقعات سے
ت آگے نکل آیا تھا۔

اسے چوری چھپے زیادہ دیر تک تانک جھانک کرنے کی ضرورت نہیں تھی، جو کچھ
ں نے معلوم کرنا تھا وہ اسے معلوم ہو گیا تھا...... چنانچہ عمران دروازے سے ہٹ کر
بڈروم میں آ کر بستر پر لیٹ گیا...... عمران کے دل میں دلاری کا کوئی مرتبہ کم نہیں ہوا
...... اس نے دلاری کے بارے میں جو کچھ سوچا تھا وہ بالکل ویسی ہی نکلی تھی، بلکہ اس
ے دو قدم آگے ہی تھی...... حقیقت یہ ہے کہ اس مقام کی عورت ہی عمران کو پولیس
کے چنگل سے نکال کر لا سکتی تھی...... دلاری بڑی دلیر اور انتہائی صاف گو عورت
تھی...... ہو سکتا ہے یہ جرات اور بے باکی اس کے پیشے نے اس میں پیدا کر دی ہو، لیکن
عمران کو اس موضوع پر زیادہ غور و فکر کرنے کی اتنی ضرورت نہیں تھی...... اسے کچھ
نیند بھی آنے لگی تھی...... اس نے کتاب ایک طرف رکھی...... ٹیبل لیمپ آف کیا اور
بستر پر دراز ہو کر آنکھیں بند کر لیں...... تھوڑی دیر بعد اسے نیند آ گئی...... اسے کوئی

اندازہ نہیں کہ وہ کتنی دیر تک سویا رہا تھا کہ کسی نے آہستہ سے اس کا شانہ ہلایا...... اس نے آنکھیں کھولیں تو اسے بیڈ روم کی دھندلی روشنی میں اپنے اوپر جھکا ہوا دلاری کا چہرہ دکھائی دیا...... وہ جلدی سے اٹھا...... دلاری پیچھے ہٹ گئی...... دلاری کے ریشمی لباس میں سے قیمتی پرفیوم کی لہریں اٹھ رہی تھیں...... اس نے پورا میک اپ کیا ہوا تھا...... دلاری نے ٹیبل لیمپ روشن کر دیا...... وہ مسکرا رہی تھی...... ٹیبل لیمپ کی روشنی میں عمران نے دلاری کو دیکھا تو اسے پہلی بار محسوس ہوا کہ دلاری بہت حسین عورت ہے...... وہ کہنے لگی۔

"مجھے دیکھ کر حیران تو نہیں ہوئے؟"۔

عمران نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"صرف اس بات پر حیران ہوا ہوں کہ تم بہت خوبصورت ہو...... پہلے اتنی خوبصورت نہیں لگ رہی تھیں"۔

دلاری پلنگ کے سامنے دیوار کے ساتھ لگے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی...... اس نے پرس میں سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکال کر ایک سگریٹ سلگا لیا...... عمران نے کہا۔

"یہ سگریٹ تم نے کب سے پینے شروع کر دیئے؟"۔

دلاری نے کہا۔

"جس رات مجھے مجرا کرنا ہوتا ہے...... اس رات میں سگریٹ بھی پیتی ہوں اور وہسکی بھی پیتی ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"تو کیا تم نے وہسکی بھی پی رکھی ہے؟"۔

دلاری نے سگریٹ کا ہلکا سا کش لگا کر کہا۔

"ابھی نہیں پی...... مہمانوں نے بہت مجبور کیا مگر میں نے نہیں پی...... سوچا

ے پاس آ کر پیئوں گی"۔

"وہ کیوں؟" عمران نے کہا...... "تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں ان چیزوں کو بھی نہیں لگاتا"۔

دلاری بولی۔

"میں تمہیں کب کہہ رہی ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ پینا؟ میں تم ایسے آدمی کو پلا کر وہسکی ضائع نہیں کرنا چاہتی...... میں خود پیئوں گی...... بس میری یہی ل تھی کہ تمہارے سامنے بیٹھ کر پیئوں...... جانتے ہو کیوں؟ اس لئے کہ میں پسند کرتی ہوں...... میں جن مہمانوں کے سامنے مجرا کر کے آ رہی ہوں ان میں مجھے ایک بھی اچھا نہیں لگتا...... یہ میرا پیشہ ہے...... میں اپنے پیشے سے مجبور ہوں، میں نے ان کے ساتھ وہسکی نہیں پی...... اس لئے کہ تم میرے مکان پر موجود ...... میں تمہارے سامنے پینا چاہتی تھی"۔

دلاری اٹھ کر دوسرے کمرے میں گئی...... عمران کو دوسرے کمرے کی الماری کی آواز سنائی دی...... اس نے دل میں سوچا کہ اس مکان میں اس نے پناہ لے رکھی ...... اب اس قسم کی ناپسندیدہ حرکتیں اسے برداشت کرنی ہی پڑیں گی...... ایک دو ی بات ہے...... اس دوران پولیس ناکہ بندی اٹھا لے گی...... پھر وہ دلاری کو خدا ا کہہ کر دلی اپنے مشن پر روانہ ہو جائے گا...... پھر دلاری سے زندگی میں کبھی ات ہو یا نہ ہو...... اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔

دلاری کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے ایک ہاتھ میں وہسکی کی چھوٹی بوتل اور دوسرے ہاتھ میں گلاس اور ایک تھرمس تھی...... اس نے عمران کے بیڈ روم آ کر دروازہ بند کر دیا...... تھرمس وہسکی کی بوتل اور گلاس میز پر رکھ دیا اور کہا۔

"تم نے یقیناً میرے مجرا کرنے اور گانے کی آواز سنی ہو گی...... میں کوئی اتنا اچھا ا گاتی...... ابھی استاد سے سیکھ رہی ہوں، لیکن ڈانس میں بڑا اچھا کرتی ہوں......

ایک بات میں تمہیں بتادینا ضروری سمجھتی ہوں...... میں کوئی عام طوائف نہیں ہوں......اچھے گھرانے کی پڑھی لکھی لڑکی ہوں...... بس حالات نے مجھے اس راستے پر ڈال دیا ہے......اگر کبھی میری کوئی لڑکی پیدا ہوئی اور میں اس کی اس ماحول سے الگ تربیت نہ کر سکی تو وہ ضرور طوائف بن جائے گی، لیکن میں بازار میں بیٹھنے والیوں کی طرح کی طوائف نہیں ہوں، جو لوگ میرا گانا سننے آتے ہیں ان کا تعلق بھی بھارت سرکار کے اعلیٰ محکموں سے ہے...... یہ سبھی بیوروکریٹ آفیسر ہیں اور حکومت کے بڑے اونچے عہدوں پر لگے ہوئے ہیں...... وہ بھی یہاں بڑی رازداری سے آتے ہیں......یوں سمجھ لو کہ میرا سارا دھندا پرائیویٹ طور پر چل رہا ہے مگر مجھے سارا ماحول طوائفوں والا بنانا پڑتا ہے...... ایسا نہ کروں تو ان شریف تماش بینوں کی تسکین نہیں ہوتی"۔

عمران بڑے غور سے دلاری کی دلچسپ گفتگو سن رہا تھا......اس دوران اس۔ گلاس میں اپنے لئے وہسکی ڈال کر اس میں تھرمس میں سے برف والا پانی نکال کر ڈال تھا...... سگریٹ اس نے ایش ٹرے میں مسل دیا تھا...... گلاس ہاتھ میں لے کر اس۔ عمران کی طرف دیکھا اور بولی۔

"میری زندگی میں تم ایسے پہلے مرد ہو جس کو میں نے پسند کر لیا تھا...... مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ تم بھی مجھے پسند کرتے ہو یا نہیں کرتے...... آج کے بعد پھر بھی کبھی مجھے ملو گے یا نہیں...... تمہارے ساتھ میرے دل میں جو محبت پیدا ہوئی ہے یہ ان فضول باتوں سے بے نیاز ہے...... میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے...... تم کو پسند کر لیا ہے...... تم سے باتیں کی ہیں...... بس میرے لئے ساری زندگی کے واسطے یہی کافی ہے...... تم مجھے ملو یا نہ ملو، مگر تم ہمیشہ میرے ساتھ رہو گے...... تم کسی غرور میں نہ پڑ جانا...... یہ ایک اتفاق ہے کہ میری روح، میری آتما محبت کی، پریم کی جو تصویر کروڑوں جنموں کا سفر کرتی ہوئی میرے جسم کے اندر لے کر آئی تھی وہ تصویر تم۔

ل گئی ہے...... بلکہ وہ تصویر تمہاری ہی ہے"۔

دلاری نے رک کر وہسکی کے تین چار گھونٹ حلق میں اتارے اور بغیر منہ بنائے کہنے لگی۔

"تم مسلمان ہو...... تمہارے دھرم میں یہ چیز حرام ہے، مگر میں ہندو ہوں...... ہمارے دھرم میں یہ حرام نہیں ہے...... ہمارے سارے دیوتا...... سارے گرو آکاش کے بادلوں میں بیٹھے شراب پیتے ہیں...... وہ اسے سوم رس کہتے ہیں...... میں اسے آج وہسکی کہتی ہوں...... یہ مت سمجھنا کہ میں اس چیز کی عادی ہوں...... نہیں...... ایسی بات نہیں ہے...... میں جب چاہتی ہوں...... جب میرا دل چاہتا ہے میں پیتی ہوں"۔

عمران سوچ رہا تھا کہ یہ عورت اب اسے سونے نہیں دے گی...... بس آج کی رات اس کی قسمت میں جتنی نیند لکھی تھی وہ اس نے سو کر پوری کر لی ہے......اب باقی کی ساری رات اسے اس عورت کی باتیں سننی پڑیں گی...... عمران اس عورت کا احسان مند بھی تھا......اس نے اپنے آپ کو باقی کی رات اس کی باتیں سننے کے لئے تیار کر لیا تھا......دلاری دیکھتے دیکھتے وہسکی کے دو بڑے پیگ پی گئی...... نشہ چڑھ گیا تھا، مگر اس نے اپنے آپ کو پوری طرح سے کنٹرول میں رکھا ہوا تھا......اس کی باتیں کم از کم اس وقت تک بے ربط نہیں ہوئی تھیں...... وہ بالکل ٹھیک باتیں کر رہی تھی۔

اس نے نیا سگریٹ سلگا لیا تھا...... کہنے لگی۔

"اپنے پریمی کے سامنے بیٹھ کر پینے میں جو سرور ہے اس سے تم محروم ہو...... ہو سکتا ہے کوئی لڑکی مجھ سے بھی زیادہ تم سے پریم کرتی ہو، مگر سوم رس نہیں پیتے...... اس لئے تم اس لذت سے محروم ہو جو اس وقت مجھے مل رہی ہے...... میرا جسم اگرچہ کمزور ہے، مگر میری آتما جسے تم مسلمان روح کہتے ہو بڑی طاقتور ہے...... آتما طاقتور ہو تو وہ کمزور جسم کو بھی طاقتور بنا دیتی ہے...... آتما کمزور ہو...... آتما مردہ ہے تو صحت

منہ جسم بھی ضائع ہو جاتا ہے''۔

سوم رس کا تیسرا بھرا ہوا گلاس چڑھانے کے بعد دلاری بہک گئی...... اس کی گفتگو بے ربط ہونے لگی...... آسمانوں کی بات کرتے کرتے وہ اچانک زمین پر آ جاتی...... تیسرے جملے کے بعد وہ بھول جاتی کہ وہ کس موضوع پر بات کر رہی تھی، مگر اس نے ابھی تک کوئی غیر شائستہ حرکت نہیں کی تھی...... کہنے لگی۔

''ابھی علاقے میں پولیس بیٹھی ہوئی ہے...... کل یا پرسوں وہ چلی جائے گی...... اس کے بعد تم بھی چلے جاؤ گے اور پھر میں کبھی کسی کے سامنے بیٹھ کر وہسکی نہیں پیئوں گی...... میں نے جیون میں بڑے پاپ کئے ہیں...... سارے کے سارے میرے پاپ میرا پیچھا کر رہے ہیں...... شاید میں ان سے پیچھا چھڑانے کے لئے، ان کو بھلانے کے لئے سوم رس پیتی ہوں...... ہاں...... بھگت کبیر ایک شاعر گزرا ہے...... اس کی کویتا مجھے بڑی پسند ہے...... وہ کہتا ہے۔

میری چنری میں پڑ گیا داغ پیا
مل مل دھوؤں داغ نہ چھوٹے
گیان کا صابن لائے پیا
موری چنری میں پڑ گیا داغ پیا
کہت کبیر بت چھوٹے جب
صاحب نے اپنائے لیا

''کبیر کہتا ہے کہ گناہوں کا یہ داغ صرف اس وقت ہی مٹے گا جب بھگوان مجھے معاف کر دے گا''۔

اس کے ساتھ ہی دلاری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے...... عمران کو دلاری کی بہکی بہکی باتوں اور بھگت کبیر کی شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی...... وہ چاہتا تھا کہ دلاری اب اپنے کمرے میں جا کر سو جائے...... تاکہ وہ بھی تھوڑی سی نیند لے لے...... اس نے

ی سے کہا۔

''میرا خیال اب تمہیں آرام کرنا چاہیے''۔

دلاری عمران کی طرف دیکھ کر مسکرائی...... کہنے لگی۔

''تم سمجھتے ہو کہ میں بہک رہی ہوں...... نہیں...... ایسی بات نہیں ہے...... مجھے ے گناہ یاد آ گئے ہیں...... اب میں اپنے کمرے میں جا کر صبح تک اپنے بھگوان سے رو کر تھنا کروں گی کہ وہ میرے پاپ معاف کر دے''۔

اس کے بعد بوتل گلاس اور تھرمس وہیں میز پر پڑی رہنے دی اور سگریٹ کا ٹ اٹھا کر کمرے سے نکل گئی...... عمران اس عورت کو سمجھ نہیں سکا تھا...... حقیقت ہے کہ اسے اتنی فرصت ہی نہیں تھی کہ وہ اسے سمجھنے میں اپنا سر کھپائے...... وہ جتنی ی ہو سکے وہاں سے نکل کر دلی حاجی صاحب کے پاس پہنچنا چاہتا تھا لیکن پولیس نے قے کی ناکہ بندی کر رکھی تھی...... اسے کم از کم ایک دن اور وہاں گزارنا تھا۔

اس نے ٹیبل لیمپ آف کیا اور لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

اگلے دن وہ دن چڑھے اٹھا...... اس نے سب سے پہلے میز پر نگاہ ڈالی...... میز پر ے شراب کی بوتل، تھرمس اور گلاس غائب تھا...... دیوار پر لگا ہوا کلاک دن کے دس رہا تھا...... بیڈ روم کی کھڑکی کے جالی دار پردے میں سے دھوپ اندر آ رہی تھی...... ان نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور صوفے پر بیٹھ گیا...... تھوڑی دیر بعد ملازمہ نے ر پوچھا۔

''ناشتہ لے آؤں بابو جی؟''۔

عمران نے کہا۔

''ہاں لے آؤ...... چھوٹی بی بی جی کہاں ہیں؟''۔

ملازمہ نے کہا۔

''وہ سو رہی ہیں''۔

اور چلی گئی...... عمران کو اسی جواب کی توقع تھی...... ناشتے کے بعد عمران بیڈ روم میں بیٹھا رہا...... دوپہر کے کھانے پر دلاری اس کے پاس آئی...... اس کی آنکھیں رات بھر کی جاگی ہوئی تھیں لیکن بظاہر وہ بالکل چاق و چوبند تھی...... کہنے لگی۔

"رات میں نے تمہیں بہت بور کیا...... تم مجھے شما کر دینا"۔

عمران نے کہا۔

"تم نے بالکل بور نہیں کیا بلکہ بڑی اچھی اچھی باتیں کی تھیں"۔

"سچ کہتے ہو؟" دلاری نے تعجب سے پوچھا۔

عمران بولا۔

"بالکل سچ کہہ رہا ہوں...... اچھا یہ بتاؤ کہ پولیس کی ناکہ بندی کی کیا پوزیشن ہے"۔

دلاری نے کہا۔

"پولیس ابھی تک بیٹھی ہوئی ہے...... چندن پور بنگال سے میرے ایک زبردست پریمی یعنی عشاق ٹیکم چند جی ابھی تھوڑی دیر پہلے میرے ہاں آئے ہیں...... وہ کہہ رہے تھے کہ سویلین پولیس کے ساتھ اب اس علاقے میں ملٹری انٹیلی جنس بھی پھیل گئی ہے...... پولیس کو ایک مخبر نے بتایا ہے کہ دو کشمیری مجاہدین اس علاقے میں چھپے ہوئے ہیں"۔

عمران بولا۔

"پھر تو میرے لئے باہر نکلنا اور مشکل ہو جائے گا"۔

دلاری نے کہا۔

"میں کچھ دنوں کے لئے اپنے عاشق ٹیکم چند کے ساتھ چندن پور بنگال جا رہی ہوں...... وہاں مجھے دیوی بھدر کالی جی کے مندر میں تپسیا بھی کرنی ہے...... تم میرے ساتھ کچھ دنوں کے لئے چندن پور کیوں نہیں چلے جاتے، کیونکہ بھوپال سے دلی تک کا

ارا علاقہ پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس نے اپنی سخت نگرانی میں لے رکھا ہے...... یہ بھی ھے میرے پریمی ٹیکم چند جی نے بتایا ہے...... اکیلے یہاں سے نکل بھی جاؤ گے تو دلی ے راستے میں پولیس تمہیں پکڑ لے گی"۔

عمران نے کہا۔

"تو کیا تمہارے ٹیکم چند کے ساتھ پولیس مجھے نہیں پکڑے گی؟"۔

دلاری نے کہا۔

"لالہ ٹیکم چند جی بہت بڑے فوجی کنٹریکٹر ہیں...... انہیں فوج کے بڑے بڑے ٹھیکے ملتے ہیں...... وہ رہنے والے تو جالندھر کے ہیں لیکن پچھلے پچیس تیس سال سے بنگال میں فوجی ٹھیکیداری کر رہے ہیں...... ان کا ایک بنگلہ جالندھر میں ہے اور ایک بنگلہ کلکتے میں ہے اور ایک چھوٹا سا بنگلہ انہوں نے کلکتے سے پچاس میل دکن کی طرف سندر بن کے قریب مالی گھاٹ میں بنا رکھا ہے...... عمر پچاس کے قریب ہے مگر ابھی تک عیاشی کرنے سے باز نہیں آ رہے...... بیوی سورگباش ہو چکی ہے...... اولاد کوئی نہیں ہے...... بس جو کماتے ہیں گانے والیوں اور اپنی عیاشیوں میں لٹا دیتے ہیں...... برے پرانے عاشقوں میں سے ہیں...... بنگال سے جب کبھی بمبئی کی طرف جاتے ہیں و راستے میں ایک دن بلکہ ایک رات کے لئے بھوپال میرے پاس ضرور ٹھہرتے یں"۔

عمران نے کہا۔

"تم نے مجھے ٹیکم چند جی کی پوری لائف ہسٹری بتا دی ہے...... مجھے اس سے کوئی لچسپی نہیں...... مجھے یہ بتاؤ کہ یہ میری کیا مدد کر سکتے ہیں"۔

دلاری کہنے لگی۔

"وہی میں تمہیں بتانے والی تھی...... لالہ ٹیکم چند کے پولیس، فوج اور ملٹری انٹیلی جنس میں بڑے بڑے افسروں سے دوستانہ تعلقات ہیں...... انہیں ملٹری انٹیلی جنس کی

طرف سے ایک خاص کارڈ ملا ہوا ہے جسے دکھا کر وہ فوج کے حساس علاقے میں بھی جاتے ہیں اور انہیں کوئی نہیں پوچھتا...... تم ان کے ساتھ ہو گے تو پولیس تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گی"۔

عمران نے کہا۔

"وہ تو درست ہے لیکن میں ان کے ساتھ چندن پور جا کر کیا کروں گا؟"۔

دلاری نے کہا۔

"تم میرے ساتھ چندن پور میں ٹیکم چند کے اپنے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرو گے...... جب اس طرف حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو میرے ساتھ ہی واپس آ جانا...... آخر تمہیں اتنی جلدی کیا ہے...... ایک طرح سے تو تم پولیس کے مفرور ہی ہو، بلکہ لالہ ٹیکم چند جی تمہارے کیس میں بھی تمہاری مدد کر سکتے ہیں...... تمہارے رشتے داروں نے جو تمہارے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کرائے ہیں لالہ ٹیکم چند اپنے اثر ورسوخ سے اسے ختم کرا سکتے ہیں"۔

عمران دل میں مسکرایا کہ یہ عورت کہاں سے کہاں کے پروگرام بنا رہی ہے...... صرف اس خیال سے کہ عمران اس کے پاس ہی رہے گا...... حالانکہ عمران صرف بھوپال سے نکل کر کسی طرح چھپتا چھپاتا دلی پہنچنا چاہتا تھا...... اس نے دل میں سوچا کہ وہ دلاری اور لالہ ٹیکم چند کے ساتھ بھوپال سے تو نکل جائے...... اس کے بعد دلی سٹیشن پر پہنچ کر وہ چپکے سے ان سے الگ ہو جائے گا۔

اس نے دلاری سے کہا۔

"ہمیں چندن پور میں تمہارے اندازے کے مطابق کتنے دن ٹھہرنا ہو گا؟"۔

یہ سوال اس نے دلاری کو یہ جھوٹا یقین دلانے کے لئے کیا تھا کہ اسے یقین ہو جائے کہ وہ اس کے ساتھ بھوپال سے چندن پور جانے پر تیار ہے...... دلاری نے کہا۔

"میں تو صرف بھدر کالی کے مندر میں تین دن کی پوجا کے لئے جا رہی ہوں...... اپنے عاشق لالہ ٹیکم چند سے کوئی دلچسپی نہیں ہے...... بس چوتھے دن وہاں سے واپس آ جائیں گے...... چاہے راستے میں دلی اتر جانا...... لالہ ٹیکم چند تو چندن پور میں ہی رہ جائیں گے...... انہیں وہاں جنگل میں ایک خفیہ فوجی گودام ایک ہفتے کے اندر اندر بنانے کا آرڈر ملا ہے"۔

عمران کے تھوڑے سے کان کھڑے ہوئے...... اس نے پوچھا۔

"یہ فوجی گودام کس لئے بنایا جا رہا ہے؟"۔

دلاری کہنے لگی۔

"میں نے لالہ جی سے سرسری طور پر پوچھا تھا...... کہنے لگے کہ کارگل میں لڑائی کی وجہ سے اگنی میزائل کی پوری ڈیٹیچ منٹ اس گودام میں رکھی جا رہی ہے...... یہاں دہشت گردی کا خطرہ نہیں...... اگر پاکستان اور انڈیا میں جنگ چھڑ گئی تو اگنی میزائل اپنی طے شدہ جگہوں پر پہنچا دیئے جائیں گے۔

عمران سنبھل کر بیٹھ گیا...... اپنے آپ کمانڈو آپریشن کا ایک بہت بڑا ٹارگٹ اس کے سامنے آ گیا تھا...... اب اس کے واپس دلی جانے کا فی الحال سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... اس نے اسی وقت دل میں دلاری کے ساتھ چندن پور جانے کا فیصلہ کر لیا، مگر دلاری پر اس نے اپنا فیصلہ ظاہر نہ کیا بلکہ الٹا دلاری سے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے دلاری، مگر میں اگر تمہارے ساتھ چندن پور گیا بھی تو تین دن سے زیادہ وہاں نہیں ٹھہروں گا...... یہ تین دن بھی اس لئے ٹھہروں گا کہ تم میرے ساتھ ہو گی"۔

دلاری نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"۔

عمران نے فوراً جواب دیا۔

"تو اور کیا جھوٹ بول رہا ہوں"۔

عمران اتفاقات زمانہ پر حیران بھی ہوا اور خوش بھی ہو رہا تھا...... چندن پور میں انڈین ملٹری ہائی کمانڈ خفیہ طور پر اگنی میزائل کے جس ذخیرے کو سٹور کر رہا تھا اس کے بارے میں اسے کبھی علم نہیں ہو سکتا تھا...... وہ اس پراجیکٹ کا پورا پیچھا کرنا چاہتا تھا اور کوئی موقع تلاش کر کے اسے تباہ کرنا اب اس کا فرض بن چکا تھا...... اس سلسلے میں وہ دلاری سے جھوٹی محبت جتانے کے علاوہ اس کے عاشق اور ملٹری کنٹریکٹر لالہ ٹیکم چند سے خود بھی ملنا چاہتا تھا...... اب یہ ضروری ہو گیا تھا تاکہ اس سے باتوں ہی باتوں میں اس پراجیکٹ کے متعلق مزید معلومات حاصل کی جا سکیں...... اس نے دلاری سے کہا۔

"یہ تمہارے پریمی لالہ ٹیکم چند جی بڑے رنگین مزاج آدمی لگتے ہیں"۔

دلاری نے کہا۔

"وہ تھوڑی دیر کے لئے بھوپال کے فوجی ہیڈ کوارٹر کسی کام سے گئے ہیں...... دوپہر کے کھانے پر آجائیں گے، میں تمہیں ان سے ملاؤں گی...... بڑے سیدھے آدمی ہیں...... اپنی دولت کا انہیں ذرا بھی غرور نہیں ہے...... بس مجھ پر جان دیتے ہیں"۔

عمران نے مسکرا کر کہا۔

"اب تو دلاری...... میں بھی تم پر جان دینے لگا ہوں...... تم سچ مچ بڑی دلیر عورت ہو...... میں نے اتنی تھوڑی سی ملاقات میں تم سے بہت کچھ سیکھا ہے...... لیکن ایک بات ہے"۔

"وہ کیا؟" دلاری نے خوش ہو کر پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"لالہ جی سے تم میرا تعارف ہندو نام چندر پال سے ہی کرانا...... میرا مطلب ہے کہ مجھے مسلمان ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے"۔

دلاری بولی۔

"یہ تم نہ بھی کہتے تو میں نے تمہارا تعارف چندر پال کے نام سے ہی کرانا تھا...... یں میں نے تمہیں ہندو ظاہر کیا ہے تو لالہ جی کے آگے مسلمان کیسے ظاہر کر سکتی ں...... یہ تو صرف مجھے معلوم ہے کہ تم مسلمان ہو...... اب میں چلتی ہوں...... میرا ی مرغ پلاؤ بڑے شوق سے کھاتا ہے...... میں تو ویشنو ہوں مگر وہ عیاش آدمی ...... شراب پی کر مرغ پلاؤ ہی کھاتا ہے...... چل کر تیاری کرتی ہوں"۔

دلاری جانے لگی تو عمران نے اپنی نقلی دوستی کو اصلی رنگ دینے کے لئے دلاری کا ھ پکڑ کر چوم لیا...... دلاری کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا...... اس عورت کو واقعی عمران ے پہلی نظر میں ہی پیار ہو گیا تھا...... یہ بھی تقدیر کا ایک چکر تھا۔



دوپہر کو دلاری کا عاشق زار فوجی ٹھیکیدار لالہ ٹیکم چند آ گیا...... وہ ٹیکسی میں آیا تھا اور اپنے ساتھ دلاری کے لئے پھل فروٹ اور ایک ریشمی ساڑھی بھی بطور تحفے کے لایا تھا...... دلاری نے عمران کا اس سے تعارف کرایا...... کہنے لگی۔

"ٹیکم جی! یہ چندر پال ہے...... میری دوبئی والی بڑی پھوپھو کا بیٹا ہے...... چھ سات سال کے بعد دوبئی سے بھارت آیا ہے...... دیوی بھدر کالی کا یہ بھی بالکا ہے...... یہ بھی ہمارے ساتھ چندن پور دیوی جی کے درشنوں کو جائے گا"۔

لالہ ٹیکم چند نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ عمران سے ہاتھ ملایا اور بولا۔

"ضرور دلاری جی...... مجھے بڑی خوشی ہو گی...... دیوی جی کے درشن تو بڑا شبھ کام ہے"۔

دلاری نے اپنی موسی اور ملازمہ کی مدد سے مرغ پلاؤ کے ساتھ سبزی کی بھی دو تین ڈشیں بنائی تھیں...... میز خوب سجی ہوئی تھی...... لالہ ٹیکم چند کی عمر دلاری نے پچاس کے قریب بتائی تھی، لیکن عیاشیوں کی وجہ سے وہ ساٹھ سال کا بوڑھا لگ رہا تھا سر گنجا ہو گیا تھا...... کنپٹیوں کے بال خضاب لگا کر کالے کئے ہوئے تھے...... شراب نوشی کی وجہ سے توند باہر کو نکلی ہوئی تھی، لیکن چہرے پر بچوں ایسا بھولپن تھا...... سادہ اور کشادہ طبیعت کا آدمی لگتا تھا...... عمران نے لالہ جی سے کہا۔

"لالہ جی! کی تعریف تو بہت سنی تھی...... ان سے ملنے کی بڑی اچھا تھی......

گوان نے آج پوری کر دی"۔

لالہ ٹیکم چند نے اپنا سونے کی انگوٹھی اور سونے کی چین والا ہاتھ اپنے سر پر یرتے ہوئے قدرے شرما کر کہا۔

"چندر پال جی! میں تو دلاری جی کا داس ہوں...... یہ میرا سمان کرتی ہیں...... ری عزت بڑھاتی ہیں...... ان کی مہربانی ہے"۔

دلاری نے کہا۔

"لالہ جی! آپ بڑے اچھے آدمی ہیں...... اس میں کوئی شک نہیں ہے"۔

دلاری نے میز پر رکھی ہوئی بیئر کی بوتلوں میں سے ایک بوتل اٹھا کر کھولی اور لہ جی کے گلاس میں ڈالنے لگی...... لالہ جی نے کہا۔

"چندر پال جی کو بھی ڈالیں"۔

دلاری نے کہا۔

"چندر پال ویشنو ہے...... یہ نہ شراب پیتا ہے نہ بیئر پیتا ہے...... اس کی قسمت ں دیوتاؤں کا سوم رس نہیں ہے"۔

دلاری نے خود لالہ جی کی پلیٹ میں ڈش میں سے مرغ پلاؤ نکال کر ڈالا اور ساتھ رمہ بھی رکھ دیا...... لالہ جی بولے۔

"پلاؤ تو دلاری جی پر بنانا ختم ہے...... میں نے بمبئی کے تاج محل ہوٹل میں بھی با مرغ پلاؤ نہیں کھایا"۔

دلاری کہنے لگی۔

"لالہ جی! آپ کے پریم نے میرے اندر یہ خوبی پیدا کی ہے"۔

لالہ جی بچوں کی طرح شرما گئے اور پھر بیئر کا پورا گلاس اپنی توند میں انڈیلنے کے ند کھانے میں جٹ گئے...... عمران کو افسوس تھا کہ چونکہ اسے ویشنو ظاہر کیا گیا تھا اس لئے وہ سوائے سبزی کے اور کچھ نہیں کھا سکتا تھا...... کھانے کے دوران ادھر ادھر کی

باتیں ہوتی رہیں..... لالہ ٹیکم چند نے بیئر کی پوری دو بوتلیں چڑھالی تھیں اور ڈٹ کر مرغ پلاؤ کی دو ڈشیں کھالی تھیں..... بیئر کو اس نے پانی کی طرح پیا تھا اور اس کو ذرا سا بھی نشہ نہیں ہوا تھا..... واقعی بلانوش آدمی تھا۔

عمران نے باتوں ہی باتوں میں لالہ جی سے کشمیر کا ذکر چھیڑ دیا..... ایسا اس نے جان بوجھ کر کیا تھا..... کہنے لگا۔

"بھگوان کی دیا سے کارگل سیکٹر میں ہماری سینا کو بڑی سپھلتا مل رہی ہے..... بھگوان نے چاہا تو ہم مجاہدین سے کارگل کی چوٹی واپس لے لیں گے"۔

لالہ جی بولے۔

"میری کارگل سیکٹر کے ایک دو بریگیڈیئروں سے ملاقات ہوئی ہے..... وہ کہہ رہے تھے کہ اس بار ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے..... خواہ پاکستان کے ساتھ پوری جنگ ہی کیوں نہ چھڑ جائے"۔

عمران نے کہا۔

"جنگ چھڑ گئی تو پاکستان ضرور ایٹم بم چلادے گا"۔

لالہ جی سگریٹ سلگاتے ہوئے بولے۔

"ہم بھی ایٹم بم چلادیں گے..... ہمارے پاس بھی ایٹم بم موجود ہے اور ہماری فوج نے تو اگنی میزائلوں پر وارہیڈ بھی لگادیئے ہیں"۔

عمران نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"پاکستان کے پاس بھی ایٹمی میزائل ہیں، بلکہ اس کے ایک وزیر نے ایک بار کہا تھا کہ ہمارے میزائل مدراس تک نشانہ لگائیں گے"۔

لالہ ٹیکم چند نے بڑا سا ڈکار مارتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"چندر پال جی یہ کہہ دینا آسان ہے..... پاکستان کے میزائل اتنی دور تک نہیں پہنچ سکتے"۔

عمران نے مزید کریدتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے اگنی میزائل کی رینج کتنی ہوگی لالہ جی..... آپ کو تو سب کچھ معلوم ہوگا"۔

لالہ جی اپنی تعریف سن کر پھول گئے..... کہنے لگے۔

"چندر پال جی! چندن پور کے جنگل میں خفیہ گودام بنانے کا مجھے جو ٹھیکہ اپنی فوج نے دیا ہے اس میں بھگوان آپ کا بھلا کرے..... کچھ نہیں تو ایک ہزار اگنی میزائل سٹور کئے جائیں گے اور ہر میزائل کے آگے ایک چھوٹا سا ایٹمی پوائنٹ لگے گا جس کو وارہیڈ کہتے ہیں..... وارہیڈ بھی سٹور میں ساتھ ہی ڈمپ کئے جائیں گے..... ان میں سے ہر اگنی میزائل کی رینج اپنے لانچنگ ہیڈ سے ڈھائی ہزار میل تک ہوگی..... یہ اگنی میزائل ایک گھنٹے کے نوٹس میں پاکستان کی سرحدوں کے ساتھ لگادیئے جائیں گے..... تم خود ہی کہو کہ کیا ان کی مار سے پاکستان کا کوئی شہر بچ سکے گا؟"۔

عمران نے دل میں اگنی میزائل کو گالی دی اور اوپر سے کہا۔

"بالکل نہیں لالہ جی! بالکل نہیں"۔

لالہ جی بچوں کی طرح ہنسنے لگے..... دلاری اندر سے کافی کی چینک لے کر آگئی..... کہنے لگی۔

"لالہ جی تو مرغ پلاؤ کے بعد کافی ضرور پیتے ہیں..... چندر پال جی تمہارے لئے چائے بنواؤں کہ کافی چلے گی؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں کافی دوپہر کے بھوجن کے بعد بڑے شوق سے پیتا ہوں"۔

عمران نے چندن پور والے ٹارگٹ کے بارے میں اس فوجی ٹھیکیدار لالہ ٹیکم چند سے جتنی معلومات حاصل کرنی تھیں وہ کرلی تھیں..... اب اسے چندن پور جاکر موقع دیکھنا تھا..... ٹارگٹ کا مشاہدہ کرنا تھا..... یہ معلوم کرنا بھی باقی تھا کہ کیا چندن پور کے

جنگل والا فوجی گودام تیار ہو چکا ہے یا وہاں پہنچ کر اس پر کام شروع ہو گا...... جب عمران نے لالہ ٹیکم چند سے یہ سوال پوچھا تو وہ بولا۔

"سارا کام تیار ہے...... بس میرے پہنچنے کی دیر ہے...... اس کے فوراً بعد فوجی کانوائے اگنی میزائل لے کر آنا شروع ہو جائیں گے...... زیادہ لمبا کام نہیں ہے...... ایک رات میں میزائل سٹور میں ڈمپ کر دیئے جائیں گے"۔

دلاری کو مخاطب کرتے ہوئے عمران نے پوچھا۔

"دلاری جی! کل ہم کون سی گاڑی پکڑیں گے؟"۔

دلاری جی نے لالہ جی کی پیالی میں کافی کے بعد کریم ڈالتے ہوئے کہا۔

"دن کے گیارہ بجے والی ٹرین ٹھیک رہے گی...... کیوں لالہ جی؟"۔

لالہ جی سگریٹ بجھاتے ہوئے بولے۔

"یہی ٹرین ٹھیک رہے گی...... صبح نو سے دس بجے تک مجھے تھوڑی دیر کے لئے بھوپال ملٹری ہیڈ کوارٹر بھی جانا ہے"۔

دلاری نے پوچھا۔

"آپ دس بجے واپس آ جائیں گے ناں؟"۔

لالہ جی نے کافی کا گھونٹ بھرنے کے بعد کہا۔

"بالکل آ جاؤں گا دلاری جی...... بالکل آ جاؤں گا"۔

دلاری نے کہا۔

"بس ٹھیک ہے...... ٹرین کا بھوپال سے چلنے کا ٹائم گیارہ بج کر پانچ منٹ ہے...... اگر آپ فوجی ہیڈ کوارٹر میں دس منٹ لیٹ بھی ہو گئے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا"۔

لالہ جی بولے۔

"نہیں نہیں...... مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی وہاں"۔

دوپہر کے کھانے کے بعد لالہ ٹیکم چند بریف کیس اٹھا کر اپنے کسی ضروری کام

ے کے لئے چل دیئے...... ٹیکسی باہر ہی کھڑی رہی تھی...... یہ ٹیکسی انہوں نے دن اور ات کے لئے لے رکھی تھی......اس کے جانے کے بعد دلاری نے عمران سے کہا۔

"تم کچھ دیر جا کر آرام کر لو"۔

عمران نے دلاری سے ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔

"تم بھی تھوڑا آرام کر لو"۔

دلاری نے سانس بھر کر کہا۔

"مجھے تو ضرور آرام کر لینا چاہئے، کیونکہ رات کو لالہ جی مجھے کہاں سونے دیں گے"۔

ایک کمانڈو جب اپنے مشن پر ہو تو اسے سونے کا نہ تو خیال رہتا ہے اور نہ سونے کا ئی وقت ہوتا ہے، چنانچہ عمران کو جو تھوڑا بہت وقت ملتا وہ تھوڑی بہت نیند کر لیتا ا...... جب سے وہ حاضر سروس میں آیا تھا دوپہر کو کچھ دیر کے لئے سونا تو وہ بالکل ول گیا تھا......اب اسے سوائے چندن پور جانے والی ٹرین کا انتظار کرنے کے اور کوئی م نہیں تھا، چنانچہ وہ کچھ دیر کے لئے کمر سیدھی کرنے کو لیٹ گیا......اب جو سویا تو ات کے آٹھ بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی......اسے جاگا ہوا دیکھ کر دلاری اس کے رے میں آ گئی...... کہنے لگی۔

"تم بڑی گہری نیند سو رہے تھے...... میں نے تمہیں نہیں جگایا...... لالہ جی کسی ٹی سے ملنے گئے ہوئے ہیں...... تم کھانا کھا لو......ان کا کوئی پتہ نہیں رات کس وقت ائیں...... کھائیں بھی یا نہ کھائیں...... میرے ہاں آ کر وہ جو رات بسر کرتے ہیں تو وہ نا کے صرف پینے پلانے کی رات ہوتی ہے...... مجھے بھی ان کے ساتھ ہی رہنا پڑتا ے...... میں تمہارے لئے یہیں کھانا بھیج دیتی ہوں"۔

عمران نے بڑی محبت کے ساتھ کہا۔

"تم بھی تھوڑا بہت کھا لینا...... میں نہیں چاہتا کہ تم بھوکی رہو"۔

دلاری مسکرانے لگی۔

"تم کہتے ہو تو تمہارے ساتھ تھوڑا سا کھالوں گی...... میں ابھی آئی"۔

وہ اٹھ کر چلی گئی...... عمران اب اس کے ساتھ جتنا اس سے ہو سکتا تھا محبت کا اظہار کرنا چاہتا تھا...... جو ٹارگٹ اس کے سامنے اچانک آ گیا تھا اس کے باعث اب اپنی حکمت عملی تبدیل کرنے کی ضرورت تھی، لیکن یہ اظہار محبت وہ ایک حد کے اندر رہ کر کرنا چاہتا تھا...... دلاری خود کھانے کا طشت اٹھائے بیڈ روم میں آ گئی۔

عمران نے کہا۔

"نوکرانی سے کہا ہوتا...... تم نے کیوں تکلیف کی؟"۔

دلاری نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری سیوا کر کے مجھے خوشی ہوتی ہے"۔

کھانا کھاتے ہوئے دونوں باتیں بھی کرتے رہے...... دلاری کہنے لگی۔

"اس راز کو مجھے آخر وقت تک لالہ جی سے چھپانا ہوگا کہ تم ہندو نہیں ہو...... مسلمان ہو...... تم بھی اس بات کا خیال رکھنا...... تمہاری کسی حرکت، کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہونا چاہئے کہ تم مسلمان ہو"۔

عمران نے کہا۔

"میں اس کا پورا خیال رکھوں گا"۔

دلاری بولی۔

"مجھے بڑی خوشی ہے کہ تم چندن پور میرے ساتھ رہو گے...... سچ تو یہ ہے کہ میں نے یہ پروگرام ہی اس لئے بنایا ہے کہ تم میرے ساتھ رہو گے...... باقی تم فکر نہ کرو...... ہم زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے ہی وہاں رہیں گے...... اتنی دیر میں اس علاقے میں پولیس کی نگرانی بھی کم ہو جائے گی اور تم آسانی سے اپنے گھر بمبئی یا دلی جہاں جانا چاہو جا سکو گے، بلکہ میں خود تمہیں چھوڑ آؤں گی"۔

عمران کو اتنے دن ہر حالت میں چندن پور رہنا تھا، جب تک کہ اس کا مشن پورا نہیں ہو جاتا...... اسے اب نہ دلاری سے کوئی واسطہ تھا اور نہ لالہ ٹیکم چند سے کوئی دلچسپی تھی...... اس کا مشن تو اگنی میزائل کے اس ذخیرے کو تباہ کرنا تھا جن کا نشانہ کشمیری مجاہد اور پاکستان تھا۔

دلاری دس بجے تک عمران کے پاس ہی بیٹھی باتیں کرتی رہی...... کافی بھی اس نے وہیں منگوا کر پی...... کوئی سوا دس بجے کے قریب باہر ٹیکسی آ کر رکی...... دلاری اٹھتے ہوئے بولی۔

"لالہ جی آ گئے ہیں...... اب تمہاری میری ملاقات صبح ہوگی...... میں لالہ جی کو کہہ دوں گی کہ تم ان کا انتظار کر کے سو گئے ہو...... تم بیڈ روم کی بتی بجھا کر بے شک سو جانا...... ہاں دروازے کی اندر سے چٹخنی نہ لگانا"۔

عمران نے پوچھا۔

"وہ کیوں؟"۔

دلاری نے بڑی دلربائی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارے درشن کرنے ہو سکتا ہے کسی وقت رات کو آ جاؤں...... کیا تمہیں میرا آنا اچھا نہیں لگتا"۔

عمران نے فوراً جواب دیا۔

"کیوں نہیں اچھا لگتا...... بڑا اچھا لگتا ہے"۔

میں دروازے کو چٹخنی نہیں لگاؤں گا۔

دلاری نے عمران کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا اور مسکرا کر کمرے سے نکل گئی...... اس کے جانے کے بعد عمران نے اپنا سر پکڑ لیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے بولا۔

"یا اللہ! مجھے اس کڑے امتحان سے نکال لینا"۔

اس نے بیڈ روم کا سوئچ آف کر دیا...... بیڈ روم میں اندھیرا چھا گیا...... وہ بستر پر لیٹ گیا...... بیڈ روم میں اندھیرا ہوتے ہی باہر کی اکا دکا روشنیوں کا عکس سا کمرے میں پڑنے لگا تھا اور اندھیرے میں چیزیں دھندلی دھندلی نظر آنے لگی تھیں...... عمران نے آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگا، مگر نیند اس سے ابھی کوسوں دور لگتی تھی...... مکان کے دوسرے کمروں میں سے کبھی کبھی دلاری کی موسی یا ملازمہ کی آواز آجاتی تھی...... ایک دو دفعہ لالہ جی کے قہقہے کی آواز بھی سنائی دی تھی...... معلوم ہو رہا تھا کہ محفل ناؤ نوش جم چکی ہے...... عمران کو اس محفل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی...... وہ اپنے آئندہ کے مشن کے بارے میں غور کرنے لگا...... اس وقت اسے اپنے ساتھی کمانڈو جبران کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی...... جبران کے ساتھ وہ آگے چل کر اس مشن میں پیش آنے والی بعض مجبوریوں اور مشکلوں پر قابو پا سکتا تھا، لیکن وہ مایوس نہیں تھا...... اس نے دل میں فیصلہ کر رکھا تھا کہ خواہ اسے اپنی جان کیوں نہ قربان کرنی پڑ جائے...... اگنی میزائل کے ذخیرے کو ہر حالت میں تباہ کرنا ہے...... موقع پر پڑنے والی بعض ضرورتیں وہ دلاری کی مدد سے پوری کر سکتا تھا۔

یہ عورت دلاری بھی اسے محض اتفاق سے مل گئی تھی لیکن اب اس کے بہت کام آ رہی تھی...... دلاری کے بارے میں سوچتے سوچتے آخر اسے نیند آ گئی...... حیرت کی بات ہے کہ خواب میں بھی اس نے دلاری کو دیکھا کہ ہندوستان کے قدیم مندروں کی دیوداسیوں والا نیم عریاں لباس اس نے پہن رکھا ہے...... وہ ایک بہت بڑے مندر میں اکیلی مورتی کے آگے کھڑی ہے...... اس کے ہاتھ میں پھولوں کی مالا ہے...... پھر وہ مورتی کے آگے رقص کرنے لگتی ہے...... عمران ایک طرف بیٹھا ہے اور اسے دیکھ رہا ہے...... دلاری پھولوں کا ہار ہاتھوں میں لئے مورتی کے آگے رقص کرتے ہوئے اچانک مڑ کر عمران کو دیکھتی ہے اور ہار مورتی کی بجائے اس کے گلے میں ڈال دیتی ہے...... پھر عمران کی آنکھ کھل جاتی ہے...... آنکھ کھلتے ہی وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا......

ں نے کلمہ پڑھ کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور بڑبڑایا...... کیا واہیات خواب تھا...... ھے ایسا خواب کیوں آ گیا...... کھڑکی میں سے کمرے میں باہر کی دھیمی سی روشنی آ رہی ھی...... اس نے سرہانے کو پھر سے ٹھیک کیا اور لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا مگر ند جیسے غائب ہو گئی تھی...... اس نے ٹیبل لیمپ روشن کر کے گھڑی پر نگاہ ڈالی...... ات کے سوا دو بجے رہے تھے...... ابھی کافی رات باقی تھی...... اس نے ٹیبل لیمپ ف کیا اور دوبارہ لیٹ گیا۔

اتنے میں اسے دروازہ کھلنے کی آواز آئی...... اس نے نیم اندھیرے میں لیٹے نکھیں کھول کر دروازے کی طرف دیکھا...... دروازے میں سے دلاری اندر آئی...... ں نے اندر آنے کے بعد آہستہ سے دروازہ بند کر دیا اور کچھ دیر کھڑی عمران کو لیٹے ہوئے دیکھتی رہی...... عمران بھی نیم وا آنکھوں سے اسے تکتا رہا...... اس نے یہی ظاہر لیا کہ وہ سو رہا ہے...... وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ دلاری کیا کرتی ہے...... دلاری چند سیکنڈ تک بند دروازے کے آگے کھڑی عمران کے پلنگ کو دیکھتی رہی...... عمران کو اس وقت وہ کوئی جادوگرنی لگ رہی تھی جو اس پر کوئی سحر پھونک رہی تھی۔

پھر وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی عمران کے پلنگ کے پاس آ کر رک گئی...... اس نے جھک کر عمران کو دیکھا...... عمران نے آنکھیں بند کر لیں...... دلاری عمران کے چہرے پر جھکی ہوئی تھی...... عمران کو اس کا گرم سانس اپنے چہرے پر محسوس ہو رہا تھا...... اس کے سانس میں شراب کی بو تھی...... اسے دلاری کے کپڑوں سے کسی بہت قیمتی پرفیوم کی بھی خوشبو آ رہی تھی...... وہ پیچھے ہٹ گئی...... عمران نے آنکھیں ذرا سی کھول کر دیکھا...... کمرے کے نیم اندھیرے میں دلاری اسے دروازے کی طرف جاتی نظر آئی...... اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر نکل کر دروازے کو آہستہ سے بند کر دیا...... عمران نے پوری آنکھیں کھول دیں۔

وہ سوچنے لگا...... یہ اس کے پاس کیا کرنے آئی تھی؟

اس لمحے دلاری پر اسے کسی جادوگرنی کا شبہ ہوا...... لیکن عمران کسی جادو وغیرہ کا قائل نہیں تھا...... اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ مصیبت نازل ہوئی تھی لیکن ٹل گئی...... بیڈروم کی فضا میں دلاری کے ریشمی کپڑوں کی خوشبو ابھی تک موجود تھی...... دلاری روز بروز پراسرار ہوتی جارہی تھی، مگر عمران اپنی جگہ پر مضبوطی سے قائم تھا...... اسے یقین تھا کہ اسے اس قسم کی ترغیبات اپنی جگہ سے ہرگز نہیں ہلا سکتیں...... وہ بستر پر لیٹا دیر تک جاگتا رہا...... کسی وقت اسے اپنے آپ نیند آگئی اور وہ سو گیا...... وہ گہری نیند سو رہا تھا...... جب نوکرانی نے آکر اسے جگایا اور کہا کہ بی بی جی ناشتے کے لئے بلا رہی ہیں...... عمران جلدی سے اٹھ بیٹھا...... اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی...... نو بج رہے تھے...... اس نے جلدی جلدی باتھ روم میں جا کر دانت صاف کئے...... منہ ہاتھ دھویا اور کھانے کے کمرے میں آگیا...... میز پر ناشتہ لگ چکا تھا...... دلاری کچن سے چائے کی چینک لا رہی تھی...... اس نے مسکرا کر عمران کو دیکھا اور بولی۔

"وقت پر سٹیشن پہنچنا تھا ورنہ میں تمہیں نہ اٹھاتی"۔

عمران کرسی پر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"میں بہت دیر تک سویا ہوں...... اچھا کیا مجھے جگا دیا"۔

دلاری کے چہرے پر رات بھر جاگتے رہنے کے اثرات نمایاں تھے...... وہ نہا دھو کر نئی ساڑھی پہن کر بالکل تیار ہو چکی تھی...... عمران نے پوچھا۔

"لالہ جی سو رہے ہیں کیا؟"۔

دلاری عمران کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ابھی ابھی اٹھے ہیں...... غسل خانے میں تیار ہو رہے ہیں"۔

"انہیں تو ابھی آرمی ہیڈ کوارٹر بھی جانا ہے"۔

دلاری نے کہا۔

"نہیں...... وہ پروگرام انہوں نے کینسل کر دیا ہے...... اصل میں رات کو ہی ان

کی بات ہو گئی تھی...... بس اب یہاں سے سیدھے سٹیشن پر ہی چلیں گے"۔

تھوڑی دیر بعد لالہ ٹیکم چند بھی آگئے...... نئی پتلون قمیض میں تھے...... پتلون کی بیلٹ نے بڑی مشکل سے ان کی توند سنبھال رکھی تھی...... آنکھوں میں رات کی شراب کا ابھی تک خمار تھا...... مسکرا رہے تھے...... عمران نے پرنام کیا...... کہنے لگے۔

"چندرپال جی! آپ کب جاگے؟"۔

عمران نے کہا۔

"بس تھوڑی دیر ہوئی اٹھا ہوں"۔

لالہ جی دلاری کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئے...... کہنے لگے۔

"دلاری جی! مجھے مکھن کی بجائے ٹوسٹ پر بالائی لگا کر دینا...... میں کافی پیوں گا کافی ہے نا؟"۔

دلاری بولی۔

"لالہ جی! آپ کی سیوا کے لئے کافی بھی ہے اور کافی میں ڈالنے کے لئے کریم بھی ہے"۔

"لالہ جی بڑے خوش ہو گئے...... کہنے لگے"۔

"تم میرا کتنا خیال رکھتی ہو...... میں تو تمہیں ستی ساوتری کہوں گا"۔

ناشتے پر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں...... لالہ جی بولے۔

"بنگال میں مون سون شروع ہو گئی ہوں گی...... ادھر بھوپال میں کئی روز سے برکھا نہیں ہوئی"۔

دلاری نے کہا۔

"اس دفعہ بارشیں یہاں بھی کم ہو رہی ہیں"۔

لالہ جی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"بالائی بڑی میٹھی ہے"۔

دلاری نے کہا۔

"میں نے اس میں چینی ملائی ہوئی ہے"۔

لالہ جی نے اپنی طرف سے دل لگی کرتے ہوئے کہا۔

"دلاری جی! آپ کو چینی ملانے کی کیا ضرورت تھی..... آپ بالائی کو صرف ہاتھ ہی لگا دیتیں تو وہ میٹھی ہو جاتی"۔

دلاری نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اس قسم کی باتیں آپ نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا"۔

لالہ جی نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"ہم تو آپ کے داس ہیں..... بس اور کچھ نہیں"۔

لالہ جی..... دلاری اور عمران ٹھیک سوا دس بجے سٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے.....

دلاری نے اپنا ایک اٹیچی کیس ساتھ رکھ لیا تھا..... عمران کے پاس چھوٹا سا اٹیچی کیس تھا جس میں اس کے دو ایک جوڑے کپڑے اور کچھ دوسرا ضروری سامان تھا..... ٹیکسی کالونی سے نکلی تو عمران کی نگاہوں نے ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لینا شروع کر دیا..... وہاں کسی بھی جگہ اسے کوئی پولیس کانسٹیبل دکھائی نہ دیا..... ٹیکسی بھوپال کے سٹیشن کے احاطے میں داخل ہو گئی..... ٹرین کے آنے میں ابھی کچھ وقت تھا..... یہ ٹرین بمبئی سے آتی تھی اور کلکتے جاتی تھی..... پلیٹ فارم پر کچھ پولیس کانسٹیبل ضرور موجود تھے مگر کسی نے عمران وغیرہ کی طرف توجہ نہ دی..... عمران دل میں یہی دعا مانگ رہا تھا کہ کسی طرح وہ بھوپال سے آگے نکل جائے۔

لالہ جی نے سیکنڈ کلاس کے ٹکٹ لئے تھے..... ٹرین آ گئی..... وہ لوگ سیکنڈ کلاس کے ایک ڈبے میں سوار ہو گئے..... جب تک ٹرین پلیٹ فارم پر کھڑی رہی عمران کو پریشانی لگی رہی، مگر اپنی پریشانی کو اس نے بالکل ظاہر نہ کیا..... آخر گارڈ نے سیٹی دی اور ٹرین پلیٹ فارم سے کھسکنے لگی کوئی ایکسپریس ٹرین تھی..... بھوپال ایک بڑا اسٹیشن تھا.....

اس کا ریلوے یارڈ بھی بہت کشادہ تھا..... ٹرین دیر تک یارڈ میں سے بل کھاتی ایک ریلوے ٹریک سے دوسرے ٹریک پر چڑھتی چلتی رہی..... جب یارڈ سے نکل کر مین لائن پر آئی تو اس کی سپیڈ میں اضافہ ہونے لگا..... پھر بھوپال شہر کے مضافات شروع ہو گئے..... مضافات ختم ہوئے تو ٹرین پوری رفتار پر جا رہی تھی..... عمران نے اطمینان کا سانس لیا..... یہ بھی بہت لمبا سفر تھا..... راستے میں بھارت کے کئی بڑے بڑے شہر آئے..... دن گزر گیا..... رات بھی گزر گئی..... دوسرے دن سورج کے چھپنے سے ذرا پہلے کلکتے پہنچ گئی..... لالہ ٹیکم چند نے اپنے آدمی کو فون پر اطلاع کر دی تھی..... ان کا ایک سیکرٹری بڑی سی گاڑی لے کر سٹیشن پر آیا ہوا تھا..... سب لوگ گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی لالہ جی کے کلکتے والے بنگلے کی طرف روانہ ہو گئی۔

لالہ ٹیکم چند عیاش طبع آدمی تھے..... فوج کے بڑے بڑے ٹھیکے مل جاتے تھے..... کوئی گھر بار اولاد نہیں تھی، جو کماتے اسے عیاشیوں میں اڑا دیتے تھے..... بنگلے کو بھی انہوں نے ہر قسم کے سامان عیش سے مزین کر رکھا تھا..... گانے بجانے کے ساز بھی تھے..... بڑی سکرین والا ٹی وی بھی تھا..... ہر قسم کے اچھے برے ویڈیو کیسٹ اور سی ڈی وغیرہ کا سٹاک موجود تھا..... ہر شہر میں ان کے طوائفوں سے تعلقات تھے..... لیکن دلاری سے وہ دل سے پریم کرتے تھے یہ بنگلہ کلکتہ شہر کے مشرق میں ایک پر فضا مقام پر واقع تھا..... کمانڈو عمران کو لالہ ٹیکم چند کے اس عالی شان بنگلے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی..... وہ چندن پور جانے کو بے چین تھا جہاں لالہ جی کے زیر انتظام ان کے بنائے ہوئے گودام میں خفیہ طور پر اگنی میزائل کا سٹاک رکھا جا رہا تھا اور جسے انڈین آرمی کی آرٹلری رجمنٹ کے فوجی کانوائے کے ذریعے رات کی تاریکی میں پاکستان کی سرحدوں پر پہنچانا تھا..... یہ خصوصی حفاظتی اہتمام میزائلوں کے اہم ترین سٹاک کو کشمیری کمانڈوز کے جانبازانہ حملوں سے بچانے کے لئے کیا جا رہا تھا جنہوں نے سرحد کے قریبی علاقے کو اپنی زد میں لے رکھا تھا..... کمانڈو عمران کا ٹارگٹ یہی اگنی

میز ائل تھے...... اس نے دوپہر کے کھانے کے بعد لالہ جی سے کہا۔

"لالہ جی! کلکتے کا یہ علاقہ تو ہمارا دیکھا ہوا ہے...... لیکن چندن پور ہم نے آج تک نہیں دیکھا...... اور پھر وہاں دیوی جی کا استھان بھی ہے جہاں ہمیں دیوی جی کی پوجا بھی کرنی ہے"۔

لالہ جی بولے۔

"چندن پور دو ایک دن بعد جائیں گے...... یہاں کلکتے میں مجھے اسی سلسلے میں دو ایک ضروری کام ہیں"۔

دلاری کہنے لگی۔

"مجھے تو چندن پور بہت پسند ہے...... وہاں میرا جی بھی لگتا ہے...... لالہ جی وہاں جلدی چلیں نا...... مجھے بھدر کالی جی کے درشن بھی کرنے ہیں"۔

لالہ جی بولے۔

"بس اسی اتوار کی صبح کو وہاں چلے چلیں گے...... جمعہ اور ہفتہ...... دو دن ہی تو باقی رہ گئے ہیں"۔

وہ جمعرات کا دن تھا...... دوسرے دن جمعہ تھا...... کلکتے میں مسلمان کثیر تعداد میں آباد ہیں...... شہر کے مختلف علاقوں میں کئی مساجد ہیں جن کی بڑی تاریخی اور ثقافتی اہمیت ہے...... کمانڈو عمران کلکتے کی کسی مسجد میں جمعے کی نماز ادا کرنا چاہتا تھا...... اس نے دلاری سے کہا۔

"میں کلکتے کے عجائب گھر کی سیر کو جاتا ہوں...... شام تک واپس آ جاؤں گا"۔

اس نے کہا۔

"میں ڈرائیور سے کہے دیتی ہوں...... وہ تمہیں لے جائے گا"۔

مگر کمانڈو اکیلا جانا چاہتا تھا...... اس نے کہا۔

"نہیں...... میں اکیلا جانا چاہتا ہوں...... میں اس شہر کے گلی کوچوں سے واقف

ہوں"۔

چنانچہ وہ اکیلا ہی شہر کی طرف نکل پڑا...... کلکتہ بہت پھیلا ہوا شہر ہے...... آدمی کتنی ہی دور کیوں نہ چلا جائے وہ شہر سے دور نہیں ہوتا اور اسے بس وغیرہ ہر جگہ سے مل جاتی ہے...... عمران بھی ایک جگہ سے بس میں بیٹھ کر شہر کے ایک مسلم علاقے میں آ گیا جس کا نام ہم مصلحتاً یہاں نہیں لکھ رہے...... یہاں ایک بڑی تاریخی مسجد ہے جس کا ایک نام ہے ہم وہ نام بھی مصلحت کی وجہ سے ظاہر نہیں کریں گے۔

کمانڈو عمران جمعہ کی نماز کے وقت پہنچا تھا...... مسجد میں نمازی بھاری تعداد میں موجود تھے...... بڑی ایمان افروز فضا تھی...... امام صاحب نے بڑی فصیح اردو میں خطبہ دیا...... نماز ادا کرنے کے بعد عمران دوسرے نمازیوں کے ساتھ مسجد سے باہر نکل رہا تھا کہ باہر پولیس کی بھاری نفری دیکھی...... پولیس نے نمازیوں کو مسجد میں ہی روک لیا اور بتایا کہ ایک کشمیری مجاہد علاقے میں روپوش ہے...... پولیس کو اطلاع ملی ہے کہ وہ نماز ادا کرنے مسجد میں آیا ہوا ہے۔

"لہٰذا ہم ایک ایک نمازی سے معمولی پوچھ گچھ کریں گے"۔

عمران مسجد کے دروازے تک پہنچ چکا تھا...... پولیس انسپکٹر کی وضاحت سنی تو وہیں سے مسجد میں واپس ہو گیا...... وہ علاقے میں بالکل اجنبی تھا...... وہاں اسے کوئی نہیں جانتا تھا...... اگر وہ یہ کہہ دے کہ میں لالہ ٹیکم چند کے ساتھ آیا ہوا ہوں تو پولیس یقینی بات ہے کہ لالہ جی سے میری تصدیق کرے گی اور لالہ جی کو معلوم ہو جائے گا کہ میں ہندو نہیں بلکہ مسلمان ہوں...... اپنے آپ کو ہندو یعنی چندر پال ظاہر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... ایک ہندو کا مسجد کے اندر کیا کام...... عمران یہ سوچ کر پریشان سا ہو گیا...... مسجد کا ایک عقبی دروازہ بھی تھا...... وہ اس طرف گیا تو وہاں بھی مسلح پولیس کی پوری گارد موجود تھی...... اسے محسوس ہونے لگا کہ وہ دشمن کے جال میں پھنس گیا ہے، لیکن عمران اتنی جلدی دشمن کے قابو آنے والی چیز نہیں تھا...... اس

کے باوجود وہ فکر مند ضرور ہو گیا تھا کہ ابھی اس کا مشن شروع ہی نہیں ہوا اور پولیس نے اسے گھیر لیا ہے...... باقی نمازی پر سکون تھے...... اس نے ایک نمازی کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ خدا کرے کشمیری مجاہد نماز کے بعد فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہو...... ان سب کی ہمدردیاں اس کشمیری مجاہد کے ساتھ تھیں جو پولیس کے بیان کے مطابق اس وقت مسجد میں موجود تھا...... عمران سوچنے لگا...... کہیں میری مخبری تو نہیں ہو گئی؟ لیکن یہ کیسے ممکن تھا...... بہر حال صورت حال کافی تشویش ناک ہو چکی تھی...... دو پولیس انسپکٹر مسجد کے دروازے کے باہر کھڑے تھے اور ایک ایک نمازی سے تھوڑی بہت پوچھ گچھ کر کے اسے جانے کی اجازت دے دیتے تھے۔

کمانڈو عمران کلکتہ پولیس کی پوچھ گچھ کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا...... پولیس انسپکٹر کو جب معلوم ہوا کہ عمران ایک ہندو فوجی ٹھیکیدار کے پاس ٹھہرا ہوا ہے تو اسے شک پڑ سکتا ہے کہ باہر سے آئے ہوئے ایک مسلمان کا بنگال کے بہت بڑے فوجی ٹھیکیدار کے ہاں قیام کرنے سے کیا مراد ہے...... پھر لالہ جی کے آگے اس کا یہ راز بھی فاش ہو سکتا تھا کہ وہ ہندو نوجوان چندر پال نہیں ہے بلکہ ایک مسلمان نوجوان ہے اور اس کا سارا منصوبہ خاک میں مل سکتا تھا...... ایک ایک کر کے نمازی پولیس کے سوالوں کا جواب دے کر جا رہے تھے...... یہ ساری کارروائی بنگلہ زبان میں ہو رہی تھی جو عمران کو بالکل نہیں آتی تھی...... اس کی پوزیشن ہر طرف سے اور ہر اعتبار سے مشکوک تھی...... بہت تھوڑے نمازی باقی رہ گئے تھے...... مسجد کے پیش امام صاحب اس مختصر سی چار دیواری میں بنی ہوئی مسجد کے صحن کے کونے میں صف پر بیٹھے تسبیح کا ورد کر رہے تھے...... عمران کو اس وقت اگر کوئی بچا سکتا تھا تو مولوی صاحب ہی بچا سکتے تھے...... عمران کے پاس سوچنے کا وقت نہیں تھا...... امام صاحب کے خطبے سے تو یہی ظاہر ہوا تھا کہ وہ اسلام کے مجاہد ہیں اور پاکستان سے محبت کے جذبات رکھتے ہیں...... وہاں جو صورت حال بن گئی تھی اس میں سوائے اس کے دوسرا کوئی چارۂ کار بھی نہیں

تھا، چنانچہ کمانڈو عمران یہ خطرہ مول لینے پر مجبور تھا...... اس نے ایک نظر مسجد کے دروازے پر ڈالی...... چھ سات نمازی ہی باقی رہ گئے تھے...... ان کی عمران کی طرف پشت تھی اور دونوں پولیس انسپکٹر جو مسجد کے دروازے کے باہر کھڑے تھے وہ نمازیوں کی اوٹ میں تھے اور ان کی نظر عمران پر نہیں پڑ رہی تھی۔

عمران سیدھا امام صاحب کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"مولانا! پولیس جس کشمیری مجاہد کی تلاش میں یہاں آئی ہوئی ہے وہ میں ہی ہوں...... مجھے کسی خفیہ راستے سے باہر نکال دیجئے"۔

امام صاحب نے عمران کی بات سنی تو تسبیح پھیرتے پھیرتے ان کا ہاتھ ایک دم رک گیا...... انہوں نے کونے میں حجرے کے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میرے حجرے میں گھس جاؤ...... باقی میں سنبھال لوں گا"۔

بڑا دلیر امام مسجد تھا...... عمران کو ایسے محسوس ہوا کہ وہ جس چار دیواری میں بند ہو گیا تھا اس کی ایک دیوار سامنے سے ہٹ گئی ہے...... وہ جلدی سے اٹھا اور حجرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا اور فوراً دروازہ بند کر دیا۔

پہلے تو اسے اندھیرے میں کچھ نظر نہ آیا...... پھر تھوڑا تھوڑا دکھائی دینے لگا...... یہ چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جس میں دیوار کے ساتھ چارپائی بچھی ہوئی تھی...... اوپر ایک روشن دان تھا جس میں سے دن کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی...... سامنے والی دیوار میں ایک کھڑکی تھی جو بند تھی...... عمران جلدی سے کھڑکی کے پاس گیا...... اس نے کھڑکی کے پٹ کھول دیئے کھڑکی میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں...... دوسری طرف تنگ سی گلی تھی...... اس نے جلدی سے کھڑکی بند کر دی...... اسے خیال آ گیا کہ اگر کھڑکی میں سلاخیں نہ بھی لگی ہوتیں اور وہ کھڑکی کے باہر کود کر فرار ہونے کی کوشش کرتا تو یقیناً پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ پولیس کی اتنی بھاری نفری نے مسجد کو گھیرے میں لے رکھا ہو اور مسجد کے پیچھے پولیس موجود نہ ہو۔

وہ چارپائی پر بیٹھ گیا، مگر وہ بے چین تھا...... وہ جلدی سے اٹھا حجرے کے دروازے کے پاس آیا اور دروازے کا ایک پٹ تھوڑا سا کھول کر باہر دیکھنے لگا...... اس نے دیکھا کہ امام صاحب اب بیٹھے ہوئے نہیں تھے، بلکہ مسجد کے دروازے کے قریب نمازیوں کے پیچھے آہستہ آہستہ ٹہل رہے تھے...... عمران انہیں دیکھتا رہا...... صرف تین نمازی باقی رہ گئے تھے...... اب اسے مسجد کے دروازے کے باہر کھڑے پولیس انسپکٹروں میں سے ایک پولیس انسپکٹر نظر آ رہا تھا...... وہ ایک نمازی سے کوئی سوال کر رہا تھا...... اس نے نمازی کو جانے دیا...... پھر دوسرے نمازی سے پوچھ گچھ کرنے لگا...... اب ایک نمازی باقی رہ گیا تھا...... امام صاحب اس نمازی کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے...... جب آخری نمازی سے بھی پولیس انسپکٹروں نے دو چار سوال پوچھ کر اپنی تسلی کر لی تو امام صاحب ان سے گفتگو کرنے لگے...... دونوں ہندو پولیس انسپکٹروں کے چہروں پر ایسے تاثرات تھے جیسے وہ امام صاحب سے معذرت کر رہے ہوں کہ ہم اپنی ڈیوٹی سے مجبور ہیں...... امام صاحب بھی ان سے برابر باتیں کیے جا رہے تھے...... ایک پولیس انسپکٹر نے جھانک کر پیچھے مسجد کے صحن میں نگاہ ڈالی اور پھر امام صاحب سے باری باری ہاتھ ملا کر دونوں انسپکٹر چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد امام صاحب نے مسجد کا دروازہ بند کر دیا اور بڑے سکون کے ساتھ تسبیح پھیرتے قدم قدم چلتے حجرے کی طرف بڑھے...... عمران جلدی سے پیچھے ہٹ کر چارپائی کے کونے پر ہو کر بیٹھ گیا...... امام صاحب اللہ اکبر! اللہ اکبر کا ورد کرتے حجرے میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر کے حجرے میں دیکھنے لگے...... انہیں عمران چارپائی کے کونے میں بیٹھا نظر آ گیا تھا...... امام صاحب نے اندر سے دروازے کی چٹخنی لگا دی اور عمران کے پاس چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"اللہ نے تمہیں بچا لیا...... تم ذرا دیر کرتے تو پکڑے گئے تھے"۔

پھر انہوں نے بڑے غور سے عمران کا جائزہ لیا اور پوچھا۔

"کیا تم سچ مچ کشمیری مجاہد ہو؟ مگر تمہارے داڑھی نہیں ہے...... تم نے پتلون قمیص پہن رکھی ہے...... کیا ایسے مجاہد بھی کشمیر کے محاذ پر جہاد میں شریک ہیں؟"۔

امام صاحب بڑے سادہ دل مسلمان تھے...... عمران نے کہا۔

"کشمیر کے محاذ پر شرعی داڑھی والے بھی مومن ہیں اور داڑھی کے بغیر بھی ہیں، مگر ان کے دل ایک ہی شمع ایمانی سے منور ہیں اور وہ ایک ہی جذبہ جہاد سے سرشار ہیں اور اپنے سے دس گنا بڑی بھارتی فوج سے لڑ رہے ہیں۔

"جزاک اللہ! جزاک اللہ!" امام صاحب بے اختیار کہہ اٹھے۔

کہنے لگے۔

"انشاء اللہ! اللہ آپ کو کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرمائے گا...... کشمیر میں انڈین فوج نہتے مسلمانوں پر جو وحشیانہ ظلم ڈھا رہی ہے اس کی سزا اسے قہر الٰہی کی صورت میں مل کر رہے گی"۔

پھر امام صاحب نے پوچھا۔

"بیٹا! تمہیں کہاں جانا ہے"۔

عمران نے امام صاحب کو ایک چوراہے کا نام اور محل وقوع بتا کر کہا۔

"بس کسی طرح مجھے وہاں پہنچا دیجئے...... وہاں سے آگے میں خود ہی چلا جاؤں گا...... میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو بتا نہیں سکتا کہ میں کہاں ٹھہرا ہوا ہوں"۔

امام صاحب بولے۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... کسی کو نہ بتانا...... کسی کو نہ بتانا...... اب ایسا ہے کہ میرا خیال ہے پولیس ابھی اس علاقے میں ہی ہو گی...... ذرا شام کا اندھیرا ہو جانے دو...... پھر میں تمہیں اپنے ایک قابل اعتماد آدمی کے سپرد کر دوں گا...... وہ تمہیں اپنی حفاظت سے تمہاری منزل مقصود تک پہنچا دے گا"۔

فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں...... شام تک میرے حجرے میں سوائے

میرے دوسرا کوئی نہیں آئے گا...... تم نے کھانا کھایا ہے؟"۔

عمران لالہ جی کے بنگلے سے کھانا کھا کر چلا تھا...... اس نے کہا۔

"جی میں نے کھانا کھالیا تھا...... مجھے بالکل بھوک نہیں ہے"۔

امام صاحب نے کونے میں رکھے ہوئے حمام کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"پیاس لگے تو اس میں سے پانی لے کر پی لینا...... صرف تین چار گھنٹوں کی بات ہے...... میں حجرے کو باہر سے تالا لگا رہا ہوں...... گھبراؤ گے تو نہیں؟"۔

عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بالکل نہیں...... آپ کا بہت بہت شکریہ!"۔

امام صاحب بولے۔

"بیٹا! شکریہ تو مجھے تمہارا ادا کرنا چاہئے...... ہم جہاد کے محاذ پر تو کافروں سے نہیں لڑ سکتے...... لیکن تمہاری وجہ سے اس طرح ہمیں مجاہدین کی خدمت کا موقع مل گیا ہے...... خدا اسے ہی قبول کرے"۔

امام صاحب چلے گئے...... باہر سے انہوں نے حجرے کو تالا لگا دیا...... عمران نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے عین وقت پر اسے پولیس کی قید سے بچا لیا تھا...... اگر وہ پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا تو اس کا سارا مشن خاک میں مل جاتا۔

کمانڈو عمران حجرے میں ہی بیٹھا رہا...... تھوڑی دیر بعد وہ روشن دان کی طرف دیکھ لیتا تھا...... اس میں سے آتی دن کی روشنی آہستہ آہستہ پھیکی پڑ رہی تھی...... اس کے پاس کوئی گھڑی نہیں تھی...... وقت کا صحیح علم نہیں تھا، مگر وہ بڑے صبر کے ساتھ اندھیرا ہونے کا انتظار کر تا رہا...... امام صاحب اس وقت آئے جب روشن دان میں سے آتی دن کی روشنی ہلکے اندھیرے میں تبدیل ہو چکی تھی اور حجرے میں اندھیرا چھا گیا تھا...... امام صاحب نے آتے ہی بٹن دبا کر بلب روشن کر دیا۔

کہنے لگے۔

"میں جان بوجھ کر تمہارے پاس نہیں آیا...... یہاں کوئی پتہ نہیں کون سی آئی ڈی والا ہے اور کون نہیں ہے...... شام ہو گئی ہے...... میں نے ایک آدمی کو تیار کر لیا ہے...... ذرا اندھیرا اور گہرا ہو جائے تو وہ تمہیں یہاں سے نکال کر اپنے ساتھ لے جائے گا...... اس کے ساتھ بے فکر ہو کر جانا...... وہ بڑا مجاہد مسلمان ہے...... تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"آپ کی بڑی مہربانی ہے...... مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے"۔

"میں پھر چلتا ہوں...... بتی جلتی رہنے دینا...... میں کچھ دیر بعد آؤں گا"۔

امام صاحب چلے گئے...... باہر سے وہ حجرے کو اسی طرح تالا لگا گئے...... اب ایک بار پھر عمران نے انتظار شروع کر دیا...... ایک گھنٹہ گزر گیا ہو گا کہ امام صاحب ایک دبلے پتلے ادھیڑ عمر کے بنگالی مسلمان کو ساتھ لے کر حجرے میں داخل ہوئے...... کہنے لگے۔

"یہ فرید احمد ہے...... شمع اسلام کا پروانہ ہے...... یہ تمہیں تمہاری منزل تک اپنی حفاظت میں پہنچا دے گا...... اس وقت مسجد میں کوئی نہیں ہے...... بس نکل جاؤ...... اللہ تمہارا نگہبان ہو"۔

امام صاحب نے عمران سے مصافحہ کرنے کے بعد اس کا ماتھا چوم لیا اور فرید احمد سے کہا...... "فرید میاں ہمارے مجاہد کے ساتھ جاؤ"۔

فرید احمد نے عمران کو ساتھ لیا اور حجرے سے نکل کر مسجد کا صحن عبور کر کے مسجد کے دروازے سے باہر نکلتے ہی سامنے والی تنگ سی گلی میں داخل ہو گیا...... یہ گلی دو تین گلیوں میں سے ہوتی ہوئی ایک بازار میں نکل آئی جہاں آمنے سامنے سٹوروں میں روشنیاں ہو رہی تھیں...... رکشے گاڑیاں چل رہی تھیں...... فرید احمد نے عمران کو بتایا کہ وہ جس علاقے میں جانا چاہتا ہے وہاں تک یہاں سے ہی بسیں جاتی ہیں، مگر عمران کو

خدشہ تھا کہ کہیں وہ راستے سے بھٹک نہ جائے...... وہ اسی جگہ سے بس پکڑنا چاہتا تھا جہاں وہ مسجد کی طرف آتے ہوئے بس میں سے اترا تھا۔

اس نے فرید احمد سے کہا کہ وہ اسے اس کے بتائے ہوئے چوک میں لے جائے...... فرید احمد نے ایک رکشا لے لیا...... وہ اس علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا...... جب رکشا چوک میں پہنچا تو عمران نے بازار کو پہچان لیا...... وہاں بس سٹاپ پر وہ رکشے سے اتر گیا......اس نے فرید احمد کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ امام صاحب کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ انشاءاللہ پھر ضرور ملاقات ہو گی اور میں ان کا ہمدردانہ سلوک ہمیشہ یاد رکھوں گا...... فرید احمد السلام علیکم کہہ کر اسی رکشے میں واپس چل دیا...... عمران بس سٹاپ پر کھڑا ہو گیا...... تھوڑی دیر بعد بس آ گئی......رات ہو گئی تھی، مگر اتنے بڑے شہر میں جگہ جگہ بجلی کے کھمبوں کی روشنی تھی...... عمران راستے کو پہچان سکتا تھا...... بس آ گئی...... وہ اس میں بیٹھ گیا اور اسی چوک کا ٹکٹ لے لیا...... چوک کا نام اسے یاد تھا......

بیس پچیس منٹ کے بعد بس اس چوک میں پہنچ کر رکی تو عمران اتر گیا...... یہاں سے وہ پیدل چلتا لالہ ٹیکم چند کے بنگلے یا ریسٹ ہاؤس میں آ گیا...... لالہ جی ابھی تک نہیں آئے تھے......دلاری پریشان تھی...... عمران کو دیکھا تو جلدی سے اس کے پاس آ گئی۔

"میں تو پریشان ہو گئی تھی...... تم نے اتنی دیر کہاں لگا دی"۔

عمران نے کہا۔

"بس عجائب گھر میں پھرتا رہا...... وہاں سے نکلا تو ڈلہوزی سکوائر کی طرف نکل گیا...... وہاں باغ کی سیر کرتا رہا...... بس دیکھتے دیکھتے شام ہو گئی...... کلکتہ بڑا رونق والا شہر ہے...... یہاں آدمی سیر کرنے نکلے تو وقت کا پتہ ہی نہیں چلتا"۔

دلاری نے کہا۔

"کھانا کھا لو...... لالہ جی کا فون آیا تھا کہ وہ ذرا دیر سے آئیں گے اور کھانا باہر ہی کھائیں گے"۔

نوکر نے کھانا لگا دیا...... دلاری اور عمران کھانے کی میز پر بیٹھ گئے...... وہ کہنے لگی۔

"میں صبح بھدر کالی دیوی کے درشنوں کو جا رہی ہوں...... میں نے تمہیں ہندو ظاہر کیا ہے...... اس ناطے سے تمہیں بھی میرے ساتھ ہی چلنا ہو گا...... کیا تم چلو گے؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں چلوں گا، مگر کسی مورتی کے آگے سر نہیں جھکاؤں گا...... نہ پوجا پاٹھ میں حصہ لوں گا"۔

دلاری بولی۔

"تمہیں ایسا کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے...... تم مندر کے باہر تالاب والی مڑھی میں بیٹھنا میں مندر میں اکیلی جا کر پوجا پاٹھ کروں گی...... خبردار وہاں کسی کو یہ نہیں پتہ چلنا چاہئے کہ تم مسلمان ہو...... بھدر کالی کے مندر میں اور مندر کے آس پاس کے علاقے میں کسی مسلمان کو جانے کی اجازت نہیں ہے......وہاں کے لوگوں کو اگر معلوم ہو جائے کہ کوئی مسلمان وہاں آیا ہوا ہے تو وہ اسے سب مل کر ہلاک کر ڈالتے ہیں...... اگر تمہارا میرے ساتھ جانا ضروری نہ ہوتا تو میں تمہیں کبھی اپنے ساتھ نہ لے جاتی"۔

عمران نے کہا۔

"اس کی تم کوئی فکر نہ کرو...... میرے مسلمان ہونے کا وہاں کسی کو پتہ نہیں چلے گا"۔

دوسرے دن دلاری نے عمران کو ساتھ لیا اور لالہ ٹیکم چند کی جیپ میں بیٹھ کر بھدر کالی کے مندر کی طرف روانہ ہو گئی...... دلاری کا بوڑھا عاشق زار لالہ ٹیکم چند رات دیر سے آیا تھا اور جب وہ مندر کی طرف روانہ ہوئے تو وہ بے سدھ ہو کر سو رہا

تھا...... چندن پور میں پہنچنے کے بعد عمران نے لالہ جی سے باتوں باتوں میں یہ معلوم کر لیا تھا کہ ایمونیشن سٹور کرنے والا گودام بالکل تیار ہو چکا ہے مگر اگنی میزائلوں کی کھیپ دو تین دن کے بعد وہاں پہنچے گی...... اب یہ دو تین دن عمران کو دلاری اور لالہ ٹیکم چند کے ساتھ چندن پور والے بنگلے میں ہی گزارنے تھے...... لالہ ٹیکم چند صبح کو اپنی گاڑی میں نکل جاتا اور رات کو واپس آتا تھا...... کلکتہ میں اس کے دفتر کی بڑی شاخ بھی تھی۔

بھدر کالی کا مندر جیسا کہ دلاری نے عمران کو بتایا تھا چندن پور سے دو ڈھائی میل کے فاصلے پر ایک جنگل میں تھا...... دلاری کے کہنے پر عمران نے اپنے ماتھے پر ہندوؤں والا تلک کا ٹیکا لگوا لیا تھا...... جیپ دلاری خود ڈرائیو کر رہی تھی...... اپنے چندن پور والے بنگلے سے نکلنے کے دس پندرہ منٹ بعد وہ بانسوں کے ایک گھنے جنگل میں داخل ہو گئے...... بانس کے درختوں کے درمیان ایک تنگ سا راستہ بنا دیا گیا تھا...... بھدر کالی کے درشنوں کو جانے والے ہندو اسی راستے سے ہو کر جاتے تھے...... بانسوں کی شاخیں سارے رستے پر جھکی ہوئی تھیں...... جیسے جیسے جیپ آگے بڑھ رہی تھی جنگل گھنا ہوتا جا رہا تھا...... راستہ غیر ہموار تھا...... دلاری جیپ کو آہستہ چلا رہی تھی...... اس نے اپنے ساتھ ایک ٹوکری رکھ لی تھی جس میں دیوی کی مورتی پر چڑھانے کے لئے پھول اور کچھ پھل وغیرہ رکھے تھے...... اشنان کر کے اس نے ماتھے پر تلک لگایا تھا اور پیازی رنگ کی سادہ سی ساڑھی پہن رکھی تھی...... اس کے لمبے بال پیازی رنگ کے ربن میں بندھے ہوئے تھے...... اس کی ساڑھی میں سے فرانسیسی پرفیوم کی خوشبو آ رہی تھی۔

بانسوں کے جھنڈ ختم ہو گئے...... آگے جنگل ذرا کھلا ہو گیا...... یہاں بھی ایک تنگ راستہ جھاڑیوں اور دیودار اور ناریل کے درختوں میں بنا ہوا تھا...... یہاں کچھ عورتیں ملیں جو دیوی کے درشنوں کو جا رہی تھیں...... دلاری نے کہا۔

”دیوی جی کا مندر اب زیادہ دور نہیں ہے“۔

کچھ دیر کے بعد جیپ ایک تالاب کے قریب سے موڑ گھومی تو عمران کو سامنے درختوں کے درمیان اونچے چبوترے پر بنا ہوا ایک مخروطی مینار والا مندر نظر آیا جس پر زرد رنگ کا جھنڈا لگا ہوا تھا...... پوجا کرنے والے ہندو مرد اور عورتیں کافی تعداد میں تھیں...... دلاری نے ایک طرف درختوں میں جیپ کھڑی کر دی اور عمران سے کہا۔

”وہ سامنے تالاب ہے...... اس کی دوسری جانب ایک اونچا چبوترہ بنا ہوا ہے...... یہ ایک جوگن کی مڑھی ہے...... تم وہاں جا کر بیٹھ جاؤ...... میں پوجا پاٹھ سے فارغ ہو کر تمہیں وہیں آ کر ملوں گی...... کوئی پوچھے تو کہہ دینا کہ تم دیوی جی کے درشن کرنے کے بعد یہاں جوگن کی مڑھی پر شردھا کے پھول چڑھانے آئے تھے“۔

دلاری نے ٹوکری میں سے گیندے کے پھولوں کا ایک ہار نکال کر عمران کو دیا اور کہا۔

”یہ ہار جوگن کی مڑھی پر چڑھا دینا“۔

دلاری مندر کی طرف چل دی...... عمران ہار لے کر تالاب کی طرف چل پڑا...... تالاب خالی پڑا تھا...... دوسرے کنارے پر ایک چھوٹا سا چبوترہ تھا...... عمران چبوترے پر چڑھ گیا...... چبوترے کے وسط میں ایک چھوٹے سے مخروطی مینار والی مڑھی بنی ہوئی تھی...... اس کے اندر ایک بجھا ہوا دیا اور کچھ باسی پھول پڑے تھے...... عمران نے گیندے کا ہار مڑھی کے اوپر ڈالا اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا...... اس کے سامنے کی جانب جنگل تھا...... مندر کی طرف سے گھنٹیوں اور بھجن کیرتن کی ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں...... سامنے والے جنگل کے کسی درخت پر کوئی پرندہ بول رہا تھا...... عمران اپنے مشن کے بارے میں سوچنے لگا...... دو تین دن کے بعد چندن پور کے خفیہ فوجی گودام میں اگنی میزائلوں کی کھیپ پہنچنے والی تھی...... ان میزائلوں کو تباہ کرنا اتنا آسان کام نہیں تھا، جبکہ عمران اکیلا تھا اور اس کے پاس میزائلوں کے سٹور

کو تباہ کرنے کے وسائل بھی نہیں تھے...... اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ان میزائلوں کی حفاظت کے لئے فوج نے سیکورٹی کے بڑے سخت انتظامات کر رکھے ہوں گے اور گودام کے ارد گرد کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکے گا...... اس ٹارگٹ کو اڑانا بے حد ضروری بھی تھا...... عمران کو اتنی مہلت بھی نہیں ملی تھی کہ وہ دلی یا بمبئی جا کر صوفی صاحب یا ستار سیٹھ سے یہ معلوم کر سکتا کہ اگر کلکتے میں اپنا کوئی مجاہد خفیہ طور پر کام کر رہا ہو تو اس کا پتہ کیا ہے اور وہ کس جگہ ملے گا۔

عمران جانتا تھا کہ اپنے آدمی بھارت کے تقریباً ہر بڑے شہر میں زیر زمین کام کر رہے ہیں...... اگر اسے کوئی ایسا مجاہد مل جاتا تو وہ اس سے اس مشن میں کام آنے والا کچھ اسلحہ حاصل کر سکتا تھا، مگر ایسا نہ ہو سکا تھا اور اب وہ اسی حالت میں اتنے اہم مشن پر آیا ہوا تھا کہ اس کے پاس پستول تو دور کی بات ہے کمانڈو چاقو تک نہیں تھا، جبکہ اس مشن کے لئے اسے انتہائی طاقتور ٹائم بموں کی ضرورت تھی...... وہ بالکل خالی ہاتھ تھا...... وہ اس انداز سے سوچنے لگا کہ اگر ایک کمانڈو کو ایسی صورت حال پیش آ جائے تو اسے کیا کرنا چاہئے...... تربیت کے دوران انہیں اس قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے کچھ طریقے بتائے گئے تھے جو عمران کو یاد تھے...... اب اسے انہی طریقوں میں سے کسی ایک پر عمل کر کے اگنی میزائلوں کو اڑانا تھا، لیکن یہ طریقے ایسے ہی غیر سائنسی قسم کے تھے جیسے کوئی ڈانگ سوٹے سے شیر کو مارنے کے لئے جنگل میں نکل آئے...... لیکن ایک بات ضرور تھی...... کسی عام دلیر آدمی اور ایک کمانڈو میں فرق ضرور ہوتا ہے...... جب ایک کمانڈو ڈانگ سوٹا لے کر شیر کو ہلاک کرنے کے ارادے سے نکلتا ہے تو وہ یا تو خود مر جاتا ہے اور یا شیر کو مار ڈالتا ہے...... ناکام کبھی واپس نہیں آتا۔

غور کرتے کرتے عمران نے ایک طریقہ سوچ لیا تھا۔

اسے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی...... اس نے پلٹ کر دیکھا...... ایک سادھو چبوترے پر چڑھ کر جوگن کی مڑھی کی طرف آ رہا تھا...... عمران

مڑھی سے دو چار قدم ہٹ کر بیٹھا تھا...... سادھو کا سر منڈا ہوا تھا...... داڑھی کے بال سینے پر پھیلے ہوئے تھے...... جسم پر گھٹنوں سے اوپر تک صرف ایک تہمد بندھا ہوا تھا...... ہاتھ میں ترشول تھا...... کندھے سے ایک گوڑی لٹک رہی تھی...... ماتھے پر سیندور کی چار پانچ لکیریں بنی ہوئی تھیں...... جوگن کی مڑھی کے قریب آ کر وہ رک گیا...... اس نے بھرپور نظر سے عمران کو دیکھا...... عمران مصلحت سے کام لیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا...... ہاتھ جوڑ کر سادھو کو پرنام کیا...... سادھو کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا...... اس نے ترشول والا ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا۔

"کلیان ہو...... بالکے تیرا کلیان ہو"۔

اس کے بعد سادھو جوگن کی مڑھی کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر کے دھیمی آواز میں اشلوک گنگنانے لگا...... عمران ذرا پرے ہٹ کر چبوترے کی منڈیر پر بیٹھ گیا...... اس کی دوسری جانب تالاب نظر آ رہا تھا...... تالاب میں دو عورتیں اشنان کر رہی تھیں...... وہ بالکل بے لباس ہو کر تالاب میں نہا رہی تھیں...... وہ بیٹھی ہوئی تھیں اور صرف سینے تک نظر آ رہی تھیں...... وہ بار بار چلو میں پانی بھر کر ہاتھ اونچا کرتیں اور پانی اپنے سر پر ڈال دیتیں...... وہ کچھ بول بھی رہی تھیں...... ظاہر ہے کوئی اشلوک ہی بول رہی تھیں...... چھ سات بار ایسا کرنے کے بعد دونوں عورتیں تالاب میں کھڑی ہو گئیں...... پانی ان کے گھٹنوں تک تھا...... وہ بالکل عریاں تھیں...... عمران کو حیا آ گئی...... اس نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا...... سادھو اسی طرح مڑھی کے سامنے بیٹھا آنکھیں بند کئے اشلوک پڑھ رہا تھا...... پھر اس نے آنکھیں کھول دیں اور ایک دم اٹھ کھڑا ہو...... عمران بھی مصلحتاً حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ باندھ کر بڑے ادب اور احترام سے سادھو کی طرف دیکھنے لگا۔

سادھو نے جے کالی ماتا کی جے کا نعرہ لگایا اور واپس جانے کو مڑا...... اس کی نگاہ

عمران پر پڑ گئی جو ہاتھ باندھے بڑے احترام کے ساتھ کھڑا تھا...... سادھو دو تین قدم چل کر عمران کے پاس آ گیا...... اس نے اپنا ہاتھ عمران کے کندھے پر رکھ کر کہا۔

"بالک! ہم تیری شردھا سے بڑے خوش ہوئے ہیں...... پرسن ہوئے ہیں...... ہم آج کل چندن پور کے بھیروں جی کی گپھاہ میں ہوتے ہیں...... ہمارے پاس آنا...... ہم تمہیں اپنا آشیرباد دیں گے...... جے ہو کالی ماتا کی"۔

اور سادھو پلٹ کر چلتا ہوا چبوترے سے اتر کر جنگل کی طرف چل دیا...... عمران نے دل میں کہا...... شکر ہے یہ بلا بھی ٹلی اور چبوترے کی منڈیر پر بیٹھ گیا...... اس نے نیچے تالاب پر نگاہ ڈالی...... دونوں عورتیں اشنان کرنے کے بعد وہاں سے جا چکی تھیں...... اتنے میں اسے درختوں میں سے دلاری اپنی طرف آتی نظر آئی...... اسے دیکھ کر عمران چبوترے سے اتر کر اس کی طرف بڑھا...... قریب آ کر دلاری نے پوچھا۔

"تم بیٹھے بیٹھے بور تو نہیں ہو گئے تھے؟"۔

عمران بولا۔

"ظاہر ہے تمہارے بغیر مجھے بور ہی ہونا تھا...... جب تم میرے قریب ہوتی ہو تو میں بالکل بور نہیں ہوتا"۔

دلاری مسکرانے لگی۔

"تم بالکل مردوں کی طرح باتیں کرنے لگے ہو...... یہ بڑا اچھا شگون ہے...... چلو واپس چلتے ہیں...... میں نے اپنی پوجا پاٹھ کر لی ہے"۔

دونوں چبوترے سے اتر کر تالاب کی دوسری جانب سے ہوتے ہوئے اپنی جیپ میں آ کر بیٹھ گئے اور جیپ واپس روانہ ہو گئی...... یہ لوگ چندن پور والے بنگلے میں پہنچے تو نوکر نے بتایا کہ لالہ جی ناشتہ کر کے کلکتے چلے گئے ہیں اور کہہ گئے تھے کہ دوپہر کے کھانے پر ان کا انتظار نہ کیا جائے، وہ شام کو آئیں گے...... دوپہر کا کھانا دلاری اور عمران نے اکٹھے کھایا...... اس کے بعد دلاری اپنے بیڈ روم میں جا کر سو گئی...... اسے دن کے

وقت دیر تک سونا پڑتا تھا، کیونکہ رات کو لالہ جی اسے دیر تک جگا کر باتیں کرتے رہتے تھے...... عمران اپنے چھوٹے سے بیڈ روم میں آ کر لیٹ گیا...... اس کا ذہن بڑی سرگرمی سے اپنے مشن کے بارے میں سوچ رہا تھا نینداس سے کوسوں دور تھی...... ایک طریقہ واردات اس نے چن لیا تھا مگر اس میں اسے کامیابی کے امکانات بیس فی صد نظر آتے تھے، لیکن اس نے بھی فیصلہ کر رکھا تھا کہ چاہے اسے آتش فشاں کے دہانے سے چھلانگ لگانی پڑے وہ اگنی میزائلوں کے ذخیرے کو تباہ کر کے رہے گا۔

دن غروب ہو رہا تھا...... شام کی آمد آمد تھی کہ دلاری اس کے کمرے میں آ گئی...... وہ نہا دھو کر تیار ہو چکی تھی...... کہنے لگی۔

”تم یہاں اکیلے کیوں لیٹے ہوئے ہو؟ میرے ساتھ آؤ...... بر آمدے میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں...... باہر بادل آئے ہوئے ہیں“۔

عمران دلاری کے ساتھ بر آمدے میں آ گیا...... آسمان پر سیاہ بادل چھا رہے تھے جن کی وجہ سے شام سے پہلے اندھیرا سا ہو رہا تھا...... بڑی خوشگوار ہوا چل رہی تھی...... نوکر چائے لے آیا...... دلاری چائے بنانے لگی...... اس نے عمران کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور بولی۔

”میں دیکھ رہی ہو تم کسی گہری سوچ میں ڈوبے رہتے ہو...... کیا بات ہے؟ یہاں تو تمہیں پولیس کا بھی کوئی خطرہ نہیں ہے...... کوئی سپاہی تمہارے وارنٹ لے کر یہاں نہیں آئے گا...... پھر تم کیا سوچتے رہتے ہو؟ کیا گھر کے لوگ یاد آ رہے ہیں؟“۔

عمران بولا۔

”بس یہی سمجھ لو“۔

دلاری بولی۔

”کیا کوئی گن سندری یاد آ رہی ہے؟“۔

عمران ہنس پڑا۔

”تمہارے ہوتے ہوئے مجھے کوئی گن سندری یاد نہیں آسکتی...... اور پھر میری کوئی گن سندری ہے بھی نہیں“۔

دلاری نے کہا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے...... تم جوان ہو...... خوش شکل ہو...... کوئی نہ کوئی لڑکی ضرور تم سے محبت کرتی ہو گی“۔

عمران نے چائے کا گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔

”کالج کے زمانے میں مجھے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی...... وہ بھی مجھ سے محبت کرتی تھی، لیکن پھر وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ساؤتھ افریقہ چلی گئی جہاں اس کے باپ کو ایک سرکاری ٹھیکہ مل گیا تھا...... بس...... اس کے بعد محبت بھی ختم ہو گئی“۔

دلاری کہنے لگی۔

”جو محبت ختم ہو گئی وہ پھر محبت تو نہ ہوئی نا!“۔

عمران بولا۔

”وقت کے ساتھ بہت کچھ ختم ہو جاتا ہے“۔

دلاری نے کہا۔

”میں یہ بات نہیں مانتی...... مثال کے طور پر تم مجھے پہلی نظر میں ہی اچھے لگے تھے...... تم کہہ سکتے ہو کہ مجھے تم سے محبت ہو گئی تھی...... اب اگر تم مجھ سے جدا بھی ہو جاؤ گے تو میرے دل سے تمہاری محبت کبھی ختم نہیں ہو گی“۔

عمران نے یونہی اپنی ایک فرضی محبت کا قصہ اسے سنا دیا تھا...... اسے یہ موضوع پسند ہی نہیں تھا مگر دلاری اس موضوع پر اس سے بات کرنا چاہتی تھی...... آخر اس نے موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

لالہ جی! ابھی تک نہیں آئے“۔

دلاری نے بیزار ہو کر کہا۔

"آجائیں گے مجھے تنگ کرنے...... مگر میں کیا کروں...... میرے اخراجات اتنے بڑھ چکے ہیں اور میرا ان کے بغیر گزارہ بھی نہیں ہے"۔

رات کے نو بجے کے قریب لالہ ٹیکم چند جی آگئے...... وہ دلاری کے واسطے کلکتے کے کسی مشہور سٹور سے ریشمی ساڑھیاں وغیرہ خرید کر لائے تھے...... دلاری ساڑھیاں دیکھ کر بڑی خوش ہوئی...... عورت کتنی ہی سادہ مزاج اور اعلیٰ دماغ کی کیوں نہ ہو...... خوبصورت قیمتی لباس اس کی کمزوری ہوتی ہے...... رات کا کھانا کھانے بیٹھے تو عمران نے بڑے طریقے سے اگنی میزائلوں کا ذکر چھیڑ دیا اور کہا۔

"اس بار پاکستان بھارت کا مقابلہ نہیں کر سکے گا...... بھارت کے اگنی میزائل کا پاکستان کے پاس کوئی توڑ نہیں ہے"۔

لالہ جی نے شراب کے دو گلاس چڑھا رکھے تھے...... وہ یہ بھول گئے کہ انہیں یہ بات کسی تیسرے شخص کے آگے نہیں کرنی چاہئے...... شراب نے ان کی عقل پر پردہ ڈال رکھا تھا...... کہنے لگے۔

"پاکستان ایک ہزار برس تک بھی لگا رہے تو ہمارے اگنی میزائل کا توڑ نہیں بنا سکتا"۔

عمران نے جب دیکھا کہ لالہ جی نشے میں ہیں اور بغیر سوچے سمجھے بول رہے ہیں تو اس نے کہا۔

"لیکن سنا ہے کہ پاکستان نے غوری میزائل بنالیا ہے جو اگنی میزائل سے دس قدم آگے ہے...... اور پاکستان کے پاس جتنے غوری میزائل اس وقت ہیں اس کے مقابلے میں ہمارے پاس اگنی میزائل بہت تھوڑے ہیں۔

لالہ جی نے شراب کا تیسرا گلاس چڑھاتے ہوئے کہا۔

"کچھ روز ٹھہر جاؤ...... میں تمہیں دکھاؤں گا کہ ہمارے پاس اگنی میزائل کتنے

ہیں...... تم گن نہ سکو گے...... میں نے ان اگنی میزائل کو سٹور کرنے کے لئے اتنا بڑا گودام بنایا ہے کہ تم دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے"۔

اس کے فوراً بعد شاید لالہ جی کو احساس ہو گیا کہ وہ ایک ایسی بات کر گئے ہیں کہ جو انہیں کسی غیر شخص کے سامنے نہیں کرنی چاہئے تھی، چنانچہ اس کے بعد عمران کی ہزار کوشش کے باوجود لالہ ٹیکم چند فوجی ٹھیکیدار نے اس موضوع پر کوئی بات نہ کی...... صرف کلکتے کی فلم ایکٹرسوں کے بارے میں ہی باتیں کرتے رہے...... کھانے کے بعد عمران اپنے کمرے میں آگیا...... لالہ جی کی زبانی اسے صرف اتنی خبر مل گئی تھی کہ اگنی میزائلوں کے چندن پور کے گودام میں لائے جانے میں ابھی مزید کچھ دن باقی ہیں۔

دلاری لالہ جی کے پاس ہی رہی...... رات گزر گئی...... اگلے روز صبح صبح دلاری نے عمران کے بیڈ روم کے دروازے پر دستک دی...... عمران جاگ رہا تھا...... اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا...... سامنے دلاری کھڑی تھی...... اس کے ہاتھ میں چائے کی پیالی تھی...... کہنے لگی۔

"تم ڈسٹرب تو نہیں ہوئے؟"۔

عمران نے بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... آجاؤ"۔

دلاری نے جس انداز میں بیڈ روم کے دروازے میں سے جھانک کر باہر دیکھا اور پھر دروازہ بند کیا...... اس سے عمران نے اندازہ لگالیا کہ وہ اس سے کوئی خاص راز کی بات کرنے آئی ہے...... اب عمران انتظار کرنے لگا کہ وہ راز کی بات کیا ہے...... دلاری نے پیالی میں سے چائے کا آخری گھونٹ پینے کے بعد پیالی میز پر رکھ دی اور عمران کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بڑے رازدارانہ انداز میں بولی۔

"جو بات میں تم سے کرنے آئی ہوں...... میری جگہ اگر کوئی دوسری عورت ہوتی تو وہ یہ بات کبھی نہ کرتی...... لیکن میں تم سے پیار کرنے لگی ہوں...... اس لئے دل

کے ہاتھوں مجبور ہو کر تم سے یہ بات کرنے آ گئی ہوں“۔

عمران نے پوچھا۔

”خیریت تو ہے...... آخر بات کیا ہے؟“۔

دلاری بولی۔

”کشمیر پر بھارتی فوج جو ظلم ڈھا رہی ہے اور جس طرح سے مظلوم کشمیریوں کا قتل عام کر رہی ہے اور وہاں معصوم کشمیری عورتوں کے ساتھ بھارتی فوجی جو درندگی کر رہے ہیں وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے...... اس پر میرا دل بھی کبھی کبھی اداس ہو جاتا ہے...... میں جانتی ہوں عمران کہ تم بھارتی مسلمان شہری ہو اور کشمیر کی جنگ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن جو کچھ مجھے علم ہوا ہے اس کا ذکر میں تم سے ضرور کرنا چاہتی ہوں...... اس خیال سے کہ مسلمان ہونے کے ناطے شاید تم کچھ کر سکو“۔

عمران کی ابھی تک سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دلاری کیا کہنا چاہتی ہے...... ایسی کون سی اہم بات ہے جس کا اسے علم ہوا ہے اور جس کو بتانے وہ منہ اندھیرے بیڈ ٹی پیتے ہوئے اس کے بیڈروم میں آ گئی ہے...... اس نے کہا۔

”آخر وہ کیا بات ہے جس کا تمہیں علم ہوا ہے“۔

دلاری کہنے لگی۔

”یہ بات تمہارے علم میں بھی ہے اور میں نے ہی تمہیں بتائی ہوئی ہے کہ یہاں چندن پور میں لالہ جی بھارتی فوج کے اگنی میزائلوں کو سٹور کرنے کے واسطے ایک بہت بڑا گودام بنا رہے ہیں جو بن بھی چکا ہے...... ابھی میزائلوں کا ذخیرہ گودام میں نہیں پہنچا، مگر انڈین آرمی کا ایک فوجی دستہ پہلے سے چندن پور پہنچ چکا ہے“۔

عمران نے کہا۔

”پھر؟“

میزائلوں کا ذکر سن کر عمران کے ذہن میں تجسس پیدا ہو جانا ایک قدرتی امر

تھا...... وہ بڑی جلدی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ دلاری اس سلسلے میں کیا انکشاف کرنے والی ہے...... دلاری نے کہا۔

”رات مجھے لالہ جی نے بتایا ہے کہ یہ فوجی دستہ کارگل کے محاذ سے یہاں تعینات ہوا ہے اور اپنے ساتھ دو کشمیری مجاہد پکڑ کر لایا ہے جن سے یہاں بھارت کی ایف بی آئی اور سپیشل انڈین ملٹری انٹیلی جنس کے آدمی پوچھ گچھ کریں گے...... انہیں وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا جائے گا اور اس کے بعد انہیں گولی مار دی جائے گی...... میں یہ سب کچھ تمہیں بتانے اس لئے آ گئی ہوں کہ ایک تو مجھے تم سے محبت ہے اور تم مسلمان ہو...... کشمیری مجاہدین بھی مسلمان ہیں...... لالہ جی نے مجھے بتایا ہے کہ دونوں کشمیری مجاہدین بڑے خوبصورت نوجوان ہیں اور بھارتی فوجی انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے...... انہیں حکم ملا ہے کہ پوچھ گچھ کے دوران مجاہد کچھ بتائیں یا نہ بتائیں لیکن انہیں بعد میں گولی مار دی جائے“۔

عمران نے پوچھا۔

”پھر تم کیا چاہتی ہو؟“۔

دلاری نے کہا۔

”میں چاہتی ہوں کہ تم اپنے مسلمان مجاہد بھائیوں کو موت کے منہ سے نکال کر کسی طرف بھگا دو...... یہ کام میں نہیں کر سکتی...... کوئی اور نہیں کر سکتا...... صرف تم کر سکتے ہو...... کیونکہ میں صرف تمہیں ہی بتا سکتی ہوں“۔

عمران نے کہا۔

”لیکن میں انہیں کیسے بچا سکتا ہوں...... مجھے تو معلوم ہی نہیں ہے کہ فوج نے انہیں کس جگہ قید کیا ہوا ہے؟“۔

عمران نے دونوں کشمیری مجاہدین کو فرار کرانے کا اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا...... اب وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ انہیں فوج نے کس جگہ قید میں رکھا ہوا ہے...... اسے

یقین تھا کہ اگر دلاری اس کے لئے یہ مشن لے کر آئی ہے تو اس نے لالہ جی سے یہ ضرور معلوم کر لیا ہو گا کہ مجاہدین کس جگہ بند ہیں اور وہاں سیکورٹی کا کیا انتظام ہے...... عمران کا اندازہ بالکل صحیح نکلا...... دلاری نے سب کچھ معلوم کر لیا ہوا تھا...... کہنے لگی۔

''چندن پور میں جہاں لالہ جی نے اگنی میزائلوں کا سٹور تعمیر کیا ہے وہاں بھیروں جی کی گپھاہ قریب ہی ہے...... لالہ جی سے میں نے معلوم کیا ہے کہ دونوں کشمیری مجاہدین کو بھیروں جی کی گپھاہ کے پیچھے ایک ٹیلے کی قدرتی غار میں ہتھکڑیاں، بیڑیاں ڈال کر بند کیا ہوا ہے اور باہر دو فوجی ہر وقت پہرے پر موجود رہتے ہیں...... یہاں انہیں اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ انہیں گودام میں نہیں رکھ سکتے تھے، کیونکہ گودام خالی ہے اور بہت بڑا ہے...... ہمارے فوجی انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے...... ان سے پوچھ گچھ شروع ہو چکی ہے...... مجھے ان پر بڑا ترس آتا ہے...... لالہ جی کہہ رہے تھے کہ دونوں کشمیری بالکل لڑکے سے ہیں...... کیا کسی طرح تم انہیں بچا سکتے ہو؟''۔

عمران بولا۔

''دلاری جی! میں انہیں کیسے بچا سکتا ہوں...... وہاں فوج کا پہرہ لگا ہے...... فوج کے پاس ہر قسم کا اسلحہ ہے...... میرے پاس ترکاری بنانے والا چاقو بھی نہیں ہے...... اگر میں پکڑا گیا تو فوجی مجھے وہیں گولی مار دیں گے...... میں یہ خطرہ کیسے مول لے سکتا ہوں''۔

دلاری اداس ہو گئی...... کہنے لگی۔

''ہاں...... یہ بات تو ہے''۔

پھر بولی۔

''لالہ جی نے یہاں ایک بھرا ہوا ریوالور رکھا ہوا ہے...... میں وہ ریوالور تمہیں لا دوں گی...... کیا پھر تم یہ کام کر سکو گے...... تمہارے پاس ریوالور ہو گا تو تم اپنا بچاؤ بھی کر سکو گے''۔

عمران نے کہا۔

''اگر تم بھی یہی چاہتی ہو تو میں کوشش کر کے دیکھ لیتا ہوں''۔

''لیکن تمہیں کچھ نہیں ہونا چاہئے...... مجھے یقین دلاؤ کہ تمہیں کچھ نہیں ہو گا''۔

عمران دلاری کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ اسے کچھ نہیں ہو گا تاکہ وہ اسے اس مشن پر جانے کی بخوشی اجازت دے دے، کیونکہ اس کے تعاون کے بغیر اس مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا...... اس نے کہا۔

''اگر ریوالور میرے پاس ہو گا تو پھر مجھے کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکے گا...... یہ میں تمہیں پورا یقین دلاتا ہوں''۔

دلاری سوچ میں پڑ گئی...... کہنے لگی۔

''نہیں نہیں...... میں تمہیں موت کے منہ میں نہیں جانے دوں گی''۔

عمران اندر سے پریشان ہو گیا...... اس نے پہلی بار بڑے پیار سے دلاری کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے چوم کر بولا۔

''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں دلاری کہ مجھے کچھ نہیں ہو گا...... اگر مجھے جان کا خطرہ محسوس ہوا تو میں چپکے سے واپس آ جاؤں گا اور کشمیری مجاہدوں کو بچانے کا خیال دل سے نکال دوں گا''۔

دلاری نے عمران کا ہاتھ اپنے دل کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''اپنے خدا کے سامنے قسم کھاؤ کہ اگر وہاں کوئی خطرے والی بات پیدا ہو گئی تو تم واپس میرے پاس آ جاؤ گے''۔

عمران نے کہا۔

''میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر مجھے اپنی جان خطرے میں محسوس ہوئی تو میں مجاہدین کو وہیں چھوڑ کر فوراً تمہارے پاس واپس آ جاؤں گا''۔

''قسم کھاتے ہو دلاری نے ایک بار پھر پوچھا۔

عمران نے مسکراتے ہوئے دلاری کا ماتھا چوم لیا اور بولا۔

”میں قسم کھاتا ہوں“۔

دلاری کہنے لگی۔

”بس اب مجھے یقین آ گیا ہے...... اب میں تمہیں بتاتی ہوں کہ بھیروں جی کی گپھا کس جگہ پر ہے“۔

دلاری ایک کاپی پر نقشہ بنا کر عمران کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

”مجھے اس لئے بھی تسلی ہے کہ ٹیلے کی غار کے باہر جہاں دونوں کشمیری لڑکے قید ہیں، دن اور رات کے وقت صرف دو ہی فوجی پہرہ دیتے ہیں...... باقی سارے فوجی گودام کے پاس بنی ہوئی بیرک میں ہوتے ہیں، کیونکہ یہ جنگل کا علاقہ ہے...... وہاں کوئی آدمی آتا جاتا نہیں ہے...... ویسے بھی فوج نے اس علاقے میں کسی بھی سویلین کے آنے جانے پر پابندی لگا رکھی ہے، اس لئے فوج نے مجاہدین کو زیادہ پہرے میں نہیں رکھا اور صرف دو فوجی ہی غار کے باہر دن رات پہرہ دیتے ہیں...... انہیں معلوم ہے کہ وہاں ان مجاہدوں کو بچانے کے لئے کوئی نہیں آئے گا...... اس کے باوجود لالہ جی کہتے ہیں کہ فوج نے دونوں کشمیری مجاہدوں کو ہتھکڑیاں لگائی ہوئی ہیں اور غار کا منہ لوہے کی سلاخوں والے جنگلے سے بند کر رکھا ہے“۔

عمران نے جس وقت سے یہ سنا تھا کہ جس ٹیلے کے غار میں دونوں کشمیری مجاہدوں کو بند کیا گیا ہے وہ ٹیلہ بھیروں جی کی گپھا کے قریب ہی ہے...... اس وقت سے اس کے دل میں امید کی ایک شمع روشن ہو گئی تھی، کیونکہ بھدر کالی کے مندر کے باہر تالاب کے کنارے جوگن کی مڑھی پر جو سادھو عمران کو ملا تھا اس نے کہا تھا کہ میں بھیروں جی کی گپھا میں ٹھہرا ہوا ہوں...... مجھ سے ملنے ضرور آنا...... عمران نے محض اتفاق سے اس سادھو کا بڑا احترام کیا تھا اور جب وہ جوگن کی مڑھی پر آیا تھا تو وہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور سادھو کو پرنام کیا تھا...... سادھو اس عزت افزائی سے بڑا

خوش ہوا تھا...... عمران کو یقین تھا کہ سادھو اس مشن میں اس کے بڑے کام آ سکتا ہے، چنانچہ وہ بڑے غور سے دلاری کو کاپی پر پنسل سے نقشہ بناتے دیکھ رہا تھا۔

دلاری کہہ رہی تھی۔

”چندن پور یہاں سے چھ سات کلو میٹر کے فاصلے پر ہی ہے...... چندن پور تک بس بھی جاتی ہے، مگر میں تمہیں چندن پور کے بس سٹاپ تک جیپ میں چھوڑ آؤں گی...... وہاں سے تم جنگل میں داخل ہو جاؤ گے...... یہ جنگل شہر سے قریب ہونے کی وجہ سے خطرناک نہیں ہے...... بس درخت اور جھاڑیاں ہیں، بھیروں جی کی گپھا میں نے دیکھی ہوئی ہے...... جب تم جنگل میں داخل ہو گے تو ایک چھوٹی سی ندی آئے گی...... ندی کے ساتھ ساتھ چلتے جانا...... کچھ دور جا کر ندی پر بنا ہوا بانس کا پل آئے گا...... تم پل کی دوسری طرف چلے جانا...... وہاں تمہیں ناریل کے درختوں میں ایک پرانا کھنڈر نظر آئے گا...... یہی کھنڈر بھیروں جی کی گپھا ہے...... لالہ جی نے بتایا ہے کہ اس گپھا کے پیچھے کی جانب دس پندرہ قدم کے فاصلے پر وہ ٹیلہ ہے جس کی غار میں دونوں تمہارے مسلمان بھائی قید ہیں...... لالہ جی بتا رہے تھے کہ ابھی تین چار روز ان سے پوچھ گچھ ہوتی رہے گی...... ایف بی آئی اور ملٹری انٹیلی جنس ان سے جتنی معلومات حاصل کر سکی کرے گی...... اس کے بعد انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا جائے گا اور وہیں گڑھا کھود کر دبا دیا جائے گا...... اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ وہاں کس وقت جاؤ گے اور وہاں جا کر کیا کرو گے...... جب تک میری تسلی نہیں ہو گی کہ تمہیں کچھ نہیں ہو گا...... اس وقت تک میں تمہیں جانے نہیں دوں گی“۔

عمران کے لئے اب اس عورت کو مطمئن کرنا مشکل ہو گیا تھا...... اس نے کہا۔

”میری جان! میں اندھیرا ہونے کے بعد وہاں جاؤں گا اور ٹیلے کے پاس چھپ کر بیٹھ جاؤں گا...... رات کو کسی نہ کسی وقت تو پہرہ دینے والے سپاہی ضرور سو جائیں گے، یا پھر ادھر ادھر ہو جائیں گے...... بس اسی وقت میں غار میں داخل ہو کر قیدیوں کو آزاد

کر کے وہاں سے بھگا دوں گا"۔

"اور اگر سپاہی نہ سوئے نہ ادھر ادھر ہوئے؟" دلاری نے پوچھا۔

"پھر کیا کرو گے؟"۔

عمران بولا۔

"پھر میں وہیں سے واپس آ جاؤں گا...... آخر مجھے اپنی جان بھی بچانی ہے...... مجھے اپنی جان بھی تو عزیز ہے"۔

"شاباش" دلاری بولی...... میں بھی یہی چاہتی ہوں بس انسانی ہمدردی کی ایک خاص حد کے اندر رہتے ہوئے اگر تم اپنے مسلمان بھائیوں کو بچا سکو تو بچا دینا اور انہیں وہیں سے کسی طرف بھگا دینا...... اس سے زیادہ خواہ مخواہ اپنی جان خطرے میں ہرگز نہ ڈالنا...... وعدہ کرتے ہو؟"۔

"وعدہ کرتا ہوں" عمران نے ہنس کر کہا۔

اور پہلی بار دلاری کو اپنے ساتھ لگا لیا...... دلاری خوشی سے نہال ہو گئی...... کہنے لگی۔

"میں نے تمہیں کہہ تو دیا ہے...... لیکن اب میرا دل نہیں چاہتا کہ تم جاؤ...... اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں کیا کروں گی"۔

عمران کو یہ فکر پڑ گئی کہ کہیں اب یہی عورت اس کے مشن کی رکاوٹ نہ بن جائے...... اس کو راضی کئے بغیر عمران اس مشن پر روانہ نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ عمران کو ابھی اس عورت کے ساتھ ہی وہاں رہنا تھا، کیونکہ ابھی اگنی میزائلوں کو تباہ کرنے والا سب سے اہم ترین مشن عمران کے سامنے تھا...... سوائے محبت پیار کے اس عورت کو اور کسی طریقے سے راضی نہیں کیا جا سکتا تھا...... عمران نے فوراً یہی راستہ اختیار کیا اور بے دھڑک ہو کر دلاری کو اپنے گلے سے لگا کر اسے پیار کرنا شروع کر دیا...... وہ اسے پیار بھی کرتا جاتا تھا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا جاتا تھا۔

"میری جان! اب میں کھل کر تمہیں یہ بات کہتا ہوں کہ میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں...... یہ محبت بھی میرے دل میں اسی وقت پیدا ہو گئی تھی جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا...... تم شاید نہیں جانتیں کہ ہمارے مذہب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اگر ایک مسلمان بھائی کی جان خطرے میں ہو اور دوسرا مسلمان بھائی اس کی جان بچا سکتا ہو تو اسے ضرور اس کی جان بچانی چاہئے...... اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو مرنے کے بعد اس کی آتما دوزخ میں جلتی رہے گی...... اگر تم مجھے کشمیری مجاہدین کے بارے میں یہ نہ بتاتیں کہ فوجی انہیں کچھ دنوں کے بعد گولی مار دیں گے تو میں کبھی انہیں بچانے کے لئے نہ جاتا، لیکن اب جبکہ تمہاری زبانی مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ میرے دونوں مسلمان بھائیوں کی جان خطرے میں ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ میں تھوڑی کوشش کر کے ان کی جان بچا سکتا ہوں تو اگر اب میں نے ان کی جان بچانے کی کوشش نہ کی تو مرنے کے بعد میری آتما دوزخ میں جلتی رہے گی"۔

دلاری بڑی مذہبی عورت بھی تھی...... وہ ڈر گئی...... کہنے لگی۔

"لیکن اگر تم انہیں نہ بچا سکے اور تمہیں اپنی جان بچا کر وہاں سے ناکام واپس آنا پڑا تو کیا پھر بھی تمہاری آتما نرگ میں جلے گی؟"۔

عمران نے فوراً کہا۔

"بالکل نہیں...... کیونکہ اپنی جان بچانا بھی ہمارا فرض ہے...... اس لئے مجھے کم از کم سچے دل سے ایک کوشش ضرور کرنی ہو گی...... اگر وہاں میری جان کو خطرہ پیدا ہو گیا اور میں وہاں سے بھاگ آیا تو میری آتما مرنے کے بعد دوزخ میں نہیں جلے گی"۔

دلاری نے اطمینان کا گہرا سانس لے کر کہا۔

"بس پھر ٹھیک ہے...... اب میں تمہیں اجازت دیتی ہوں کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی جان بچانے کی کم از کم ایک کوشش ضرور کرو...... تاکہ مرنے کے بعد تمہاری آتما نرک کی آگ سے بچ جائے"۔

دلاری کے اس بیان کے بعد عمران کو جس قدر سکون ملا اس کا اندازہ دلاری نہیں لگا سکتی تھی...... اس نے دلاری کو اپنے ساتھ لگا لیا...... یہ بہت ضروری تھا...... لیکن اب دلاری اس سے الگ نہیں ہو رہی تھی...... عمران کمبل سے الگ ہو گیا تھا لیکن اب کمبل اسے نہیں چھوڑ رہا تھا...... لیکن عمران اس کمبل کو الگ کرنا جانتا تھا...... ہم یہ نہیں بتائیں گے کہ عمران نے کیا کیا...... لیکن جو کچھ اس نے کیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دلاری اس سے الگ ہو گئی، مگر پہلے سے زیادہ اس کی محبت کا دم بھرنے لگی...... عمران نے اس مشن کے تمام پہلوؤں پر غور و فکر کر لیا تھا...... اسے سب کچھ اپنے زور بازو اور اللہ کے بھروسے پر کرنا تھا...... جب دلاری نے اس سے پوچھا کہ وہ کب اپنے مسلمان بھائیوں کو وہاں سے نکالنے کے لئے جائے گا تو عمران نے کہا۔

"صورت حال کا کوئی اعتبار نہیں ہے...... فوجی ان دونوں کشمیری مجاہدوں کو کسی بھی وقت موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں...... اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے"۔

دلاری نے کہا۔

"میری طرف سے آج شام کو ہی چلے چلو...... میں تمہیں چندن پور کے بس سٹاپ پر چھوڑ آؤں گی"۔

عمران نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ٹھیک ہے...... میں تیار ہوں لیکن اس سے پہلے میں دن کے وقت بھیروں جی کی گپھا اور اس کے آس پاس کے علاقے کا جائزہ لینا ضروری سمجھتا ہوں"۔

دلاری نے کہا۔

"لالہ جی ابھی سوئے ہوئے ہیں...... چلو...... میں تمہیں وہاں لئے چلتی ہوں۔

جیپ ہمارے پاس ہے"۔

"عمران بولا۔

"نہیں میری جان! میرا اکیلا جانا ہی بہتر ہے...... تمہارا میرے ساتھ دن کے وقت جانا ٹھیک نہیں"۔

عجیب صورت حال بن گئی تھی کہ دشمنوں کی ایک عورت دشمنوں کے خلاف عمران کے مشن میں اس کے ساتھ شامل ہو گئی تھی...... صرف اس لئے کہ اسے عمران سے محبت ہو گئی تھی...... وہ دلاری کو اپنے ساتھ لے جا بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اسے اس ٹارگٹ کا مشاہدہ کرنے نہیں جانا تھا جہاں اپنے کشمیری مجاہد قید میں پڑے تھے بلکہ شہر میں امام صاحب سے جا کر ملنا تھا، کیونکہ کشمیری مجاہد کو دشمنوں کی قید سے نکالنے کے بعد اسے کسی ایسی محفوظ جگہ پر لے جا کر رکھنا بہت ضروری تھا جہاں سے اس کے واپس کشمیر کے محاذ پر جانے کا بندوبست کیا جا سکتا...... امام مسجد صاحب اس سلسلے میں عمران کی مدد کر سکتے تھے...... کم از کم اسے ان سے مدد کی ضرور توقع تھی۔

عمران کے سمجھانے پر دلاری مان گئی اور اس نے اسے اکیلے جانے کی اجازت دے دی...... وہ اسے یہی کہہ کر وہاں سے نکلا کہ میں بھیروں جی کی گپھا اور اس کے قریبی ٹیلے کا مشاہدہ کرنے جا رہا ہوں تاکہ رات کے اندھیرے میں اپنے ٹارگٹ تک پہنچنے میں دقت پیش نہ آسکے، لیکن لالہ جی کے بنگلے سے نکلتے ہی عمران نے اپنا رخ شہر کی طرف کر لیا...... اس روز عمران نے جان بوجھ کر گیروے رنگ کے دیسی کھدر کا کرتا پاجامہ پہن رکھا تھا...... یہ لباس بھارت کے شمالی ہند کے کانگریسی ہندوؤں کا پسندیدہ لباس ہے...... ویسے اب اتر پردیش کے مسلمان بھی گرمیوں میں ایسا لباس پہننے لگے ہیں...... کسی زمانے میں یہ انڈیا کے کیمونسٹوں کا پہناوا ہوا کرتا تھا...... پھر اسے کانگریسیوں نے اپنا لیا...... اس لباس سے آدمی ہندو یا مسلمان لگے یا نہ لگے لیکن بھارت کا رہنے والا ضرور لگتا تھا۔

بس میں بیٹھ کر عمران کلکتہ شہر کے اس علاقے میں آ گیا جہاں ایک بازار میں وہ مسجد تھی جس کے امام صاحب نے عمران کو پولیس کے ہاتھوں پکڑے جانے سے بچایا

تھا...... عمران نے امام صاحب کو بتادیا تھا کہ وہ کشمیری مجاہد ہے اور پولیس اس کی تلاش میں ہے...... وہ نماز کا ٹائم نہیں تھا...... چھوٹی سی مسجد خالی تھی...... امام صاحب حجرے میں آرام کر رہے تھے...... عمران سلام کر کے ان کے پاس بیٹھ گیا...... امام صاحب نے عمران کو پہچان لیا...... تعجب سے پوچھا۔

"تم ابھی تک یہیں ہو بیٹا؟ کشمیر کے محاذ پر نہیں گئے"۔

عمران نے کہا۔

"محترم! میں بس واپس جانے کا پروگرام بنا رہا تھا کہ مجھے خبر ملی کہ ہمارے دو کشمیری مجاہد ساتھی پکڑے گئے ہیں اور فوجی انہیں چندن پور لے گئے ہیں جہاں ان کو پوچھ گچھ کے بعد گولی مار کر شہید کر دیا جائے گا، چنانچہ میں رک گیا ہوں اور کشمیری مجاہدوں کو دشمن کی قید سے نکالنے کی کوشش کرنے والا ہوں...... میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ اگر میں اپنے مجاہدوں کو فوج کی قید سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ انہیں ایک دو دن کے واسطے کسی محفوظ جگہ پر چھپا سکیں؟"۔

امام صاحب ایک دو سیکنڈ تک کچھ سوچتے رہے...... پھر پوچھا۔

"تم انہیں قید سے نکال کر کب لا رہے ہو"۔

عمران نے کہا۔

"میں آج رات اس مشن پر جا رہا ہوں...... اگر قسمت نے میرا ساتھ دیا اور میں انہیں قید سے نکال سکا تو آدھی رات کے بعد کسی بھی وقت آسکتا ہوں"۔

امام صاحب پھر کچھ سوچنے لگے...... کہا۔

"رات کو تمہیں مسجد کا دروازہ کھلا ملے گا...... میں اندر سے اس کی کنڈی نہیں لگاؤں گا...... میرے حجرے کے دروازے کی کنڈی بھی اندر سے کھلی ہو گی...... تمہیں دستک دینے کی ضرورت نہیں"۔

عمران نے امام صاحب سے پوچھا۔

"محترم! مجھے یہ بھی خیال ہے کہ اس واردات میں کہیں آپ پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے"۔

امام صاحب نے ہلکے سے تبسم کے ساتھ فرمایا۔

"برخوردار! یہ بھی ایک جہاد ہے اور جہاد کرتے ہوئے مسلمان اس قسم کی باتیں نہیں سوچا کرتے...... میرے پاس آج کا سارا دن پڑا ہے...... میں اپنے مجاہد کو کسی نہ کسی محفوظ جگہ پہنچانے کا بندوبست کر رکھوں گا"۔

امام صاحب کے اس دلیرانہ اقدام سے عمران کا ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا تھا...... اس نے کہا۔

"اللہ آپ کو اس کی جزا دے گا...... اب میں چلتا ہوں...... اگر زندہ رہا اور اپنے ساتھیوں کو نکال لانے میں کامیاب ہو گیا تو آج آدھی رات کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا"۔

عمران بڑے ادب سے امام صاحب سے مصافحہ کر کے حجرے سے نکل آیا۔

مسجد سے نکل کر عمران نے بس پکڑی اور سیدھا کلکتے کے مشہور اور تاریخی عجائب گھر وکٹوریہ میموریل میں آگیا...... وہ کچھ وقت گزارنا چاہتا تھا...... ایک ڈیڑھ گھنٹہ وہ عجائب گھر میں نوادرات وغیرہ دیکھتا رہا، اس کے بعد چندن پور والی بس میں سوار ہو کر آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد چندن پور کے اس بس سٹاپ پر اتر گیا جہاں سے بائیں جانب بھیروں جی کی گپھاہ کا جنگل شروع ہو جاتا تھا۔

دلاری نے اسے بتایا تھا کہ یہ جنگل شہر کے قریب ہونے کی وجہ سے بے خطر ہے اور جنگلی درندے اس طرف نہیں آتے...... عمران کو جیسے جیسے نقشہ بنا کر دلاری نے سمجھایا تھا وہ اسی کے حساب سے جنگل میں چل پڑا...... جنگل کچھ دور چلنے کے بعد کافی گھنا ہو گیا تھا...... بڑے دیو پیکر قسم کے گنجان درخت کھڑے تھے جن کی شاخیں اوپر

جا کر ایک دوسرے سے مل گئی تھیں...... جنگل میں چلنے کے لیے ایک پگ ڈنڈی بنی ہوئی تھی...... دلاری نے کہا تھا کہ کافی آگے جا کر ایک چھوٹی ندی آتی ہے...... عمران کی نگاہیں اس ندی کو تلاش کر رہی تھیں...... جب ندی آ گئی تو اسے اطمینان ہو گیا کہ وہ صحیح سمت کو جا رہا ہے...... ایک جگہ ندی کے اوپر بانس کا چھوٹا سا پل بنا ہوا تھا...... دلاری نے کہا تھا کہ پل عبور کرو گے تو آگے تمہارے دائیں جانب ایک پرانا کھنڈر درختوں میں آئے گا...... یہی کھنڈر بھیروں جی کی گپھاہ ہے، کچھ دور چلنے کے بعد عمران کو درختوں میں ایک کھنڈر دکھائی دیا۔

عمران آہستہ آہستہ چلتا اور چاروں طرف سے چوکنا ہو کر کھنڈر کے پاس آ گیا...... یہاں وہ اپنے مہربان سادھو سے ملنا چاہتا تھا، مگر سادھو وہاں کوئی نہیں تھا...... کھنڈر کی کوٹھڑی خالی تھی...... باہر ایک چھوٹا سا چبوترہ بھی خالی تھا...... سادھو نے کہا تھا کہ میں تمہیں بھیروں جی کی گپھاہ میں ملوں گا...... عمران بہت محتاط ہو کر چلتا ہوا گپھاہ کے پیچھے آیا تو اسے سامنے کچھ فاصلے پر درختوں کے درمیان میں سے ایک ٹیلہ دکھائی دیا...... عمران جلدی سے ایک درخت کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گیا...... سب سے پہلے تو اس نے اپنے اردگرد دیکھا کہ وہاں کوئی فوجی گشت تو نہیں کر رہا، کیونکہ یہی وہ مقام تھا جہاں ٹیلے کی دوسری جانب وہ خفیہ گودام تھا جہاں اگنی میزائل سٹور کئے جانے والے تھے...... عمران اس انداز میں بیٹھا تھا جیسے بھیروں جی کی گپھاہ میں سادھو مہاراج کے درشن کرنے آیا ہو اور سادھو مہاراج کو وہاں نہ پا کر درخت کے نیچے سادھو مہاراج کا انتظار کرنے بیٹھ گیا ہو، لیکن گوشہ چشم سے وہ ٹیلے کی جانب بڑے غور سے دیکھ رہا تھا...... اسے وہاں کوئی فوجی یا عام آدمی نظر نہیں آ رہا تھا...... لالہ ٹیکم چند نے جو کچھ دلاری کو بتایا تھا اور دلاری نے عمران کو جو بتایا تھا اس کے مطابق اسی ٹیلے کی ایک چھوٹی سی قدرتی غار میں کشمیری مجاہدوں کو قید میں رکھا گیا تھا جس کے باہر چوبیس گھنٹے دو انڈین فوجی سپاہی پہرے پر موجود رہتے تھے...... اس نے یہی اندازہ لگایا کہ یہ غار ٹیلے کی

دوسری جانب ہی ہو سکتا ہے۔

ٹیلے کی دوسری جانب جانا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا...... وہاں کشمیری مجاہد بند تھا اور غار کے باہر دو فوجی پہرے پر موجود تھے...... اس سے کچھ فاصلے پر گھنے درختوں کے پیچھے بقول لالہ ٹیکم چند فوجی ٹھیکیدار وہ گودام تھا جہاں اگنی میزائلوں کو سٹور کیا جانا تھا اور جس کی ایک بیرک میں ایک فوجی دستہ چھاؤنی ڈالے ہوئے تھا...... اس اعتبار سے عمران کا وہاں درخت کے نیچے اکیلے بیٹھنا بھی مشکوک تھا...... یہ علاقہ فوج کی نگرانی میں تھا...... کسی وقت بھی کسی طرف سے کوئی فوجی نکل کر اس سے پوچھ گچھ کر سکتا تھا کہ وہ وہاں بیٹھا کیا کر رہا ہے...... عمران نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ گپھاہ کے باہر جا کر بیٹھ جائے...... کوئی اگر اس سے پوچھے گا تو وہ کہہ دے گا کہ میں سادھو مہاراج کے درشن کرنے آیا ہوں اور ان کا انتظار کر رہا ہوں۔

یہ سوچ کر وہ اٹھا اور گپھاہ کے کھنڈر کے باہر چبوترے کی ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا...... کچھ ہی دیر بعد اس نے ایک سادھو کو دیکھا جو گپھاہ کی طرف چلا آ رہا تھا...... اس کے ایک ہاتھ میں ترشول تھا اور دوسرے ہاتھ میں ایک ڈول تھا...... عمران نے اسے پہچان لیا...... یہ وہی بھدر کالی کے مندر والا سادھو تھا...... عمران اس کے احترام میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے ہاتھ باندھ لئے...... سادھو اس کے قریب آ کر رک گیا اور بڑی رعب دار آواز میں بولا۔

"بالکے! ہم نے تمہیں پہچان لیا ہے"۔

عمران نے ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر سادھو کو پرنام کیا اور کچھ زیادہ ہی اداکاری کرتے ہوئے دو قدم چل کر سادھو مہاراج کے پاؤں کو چھو لیا...... سادھو نے خوش ہو کر کہا۔

"بالکے! کہو...... کیسے آئے ہو؟"۔

عمران نے بڑی عاجزی سے کہا۔

"مہاراج! آپ کے درشنوں کو آ گیا ہوں...... آپ کے درشنوں کی چاہ مجھے

یہاں کھینچ لائی ہے...... بس آپ کا آشیرباد چاہیے"۔

سادھو نے خوش ہو کر کہا۔

"آؤ...... میرے ساتھ آؤ"۔

گپھاہ کی کوٹھڑی کے باہر بوریا بچھا ہوا تھا...... سادھو نے ترشول زمین میں گاڑ دی اور بوریئے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا...... عمران اس کے سامنے بڑے ادب سے اس رخ پر بیٹھا کہ ٹیلے کو جانے والی پگ ڈنڈی اس کی نظر میں تھی...... وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ٹیلے کے آس پاس کوئی فوجی گشتی پارٹی تو گشت نہیں لگا رہی...... عمران نے ایک فرضی کہانی اسی وقت گھڑ کر سادھو کو سنا دی کہ اس کے ماتا پتا سورگباش ہو چکے ہیں...... پتاجی کی چھوڑی ہوئی کافی جائیداد تھی جس پر اس کے چچا نے قبضہ کر رکھا ہے۔

"میں نے اپنا ادھیکار حاصل کرنے کے لئے عدالت میں مقدمہ کر رکھا ہے، مگر چچا کا بڑا اثر ورسوخ ہے...... کوئی ایسا ٹونہ ٹوٹکا بتائیں کہ مقدمے کا فیصلہ میرے حق میں ہو جائے اور مجھے میرے پتاجی کی لاکھوں کی جائیداد مل جائے"۔

عمران نے محسوس کیا کہ لاکھوں کی جائیداد کا سن کر سادھو مہاراج کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں...... اس لالچ کے ذریعے اگر اس کا مطیع بن گیا تو عمران اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا...... چنانچہ اس نے سادھو مہاراج کو مزید لالچ دیتے ہوئے کہا۔

"مہاراج! اگر آپ اپنی شکتی سے مقدمے کا فیصلہ میرے حق میں کرا دیں جو میرا ادھیکار بھی ہے تو میں بھگوان کو ساکھ شاکھ جان کر آپ کو وچن دیتا ہوں کہ میں آپ کو دو لاکھ روپے نقد دوں گا"۔

سادھو مہاراج کی آنکھوں کی چمک اور تیز ہو گئی...... کہنے لگا۔

"بالکے! ہمیں لوہ مایا کا کوئی لالچ نہیں ہے...... پر اگر تم اپنی مرضی سے ہمیں دو لاکھ دو گے تو ہم ضرور لے لیں گے اور یہاں بھیروں جی کی گپھاہ کے پاس سادھو سنتوں کے رہنے کے لئے ایک دھرم شالہ بنوا دیں گے"۔

عمران کو معلوم تھا کہ سادھو جھوٹ بول رہا ہے...... وہ بھی اس کے ساتھ جھوٹ ہی بول رہا تھا...... عمران نے مزید عاجزانہ انداز میں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"مہاراج! مجھے اتنی اجازت دیجئے کہ میں آج رات کو آپ کی گپھاہ کے باہر بیٹھ کر بھگوان بھیروں جی کی تپسیا کر سکوں...... یہ مجھے میرے سپنے میں بھگوان بھیروں جی نے حکم دیا ہے"۔

سادھو مہاراج نے کہا۔

"ہم آج رات تیرتھ یاترا کو جا رہے ہیں...... ہم تمہیں اجازت دیتے ہیں کہ تم رات کو ہماری گپھاہ میں بیٹھ کر بھگوان بھیروں کے نام کی مالا کا جاپ کر سکتے ہو"۔

عمران نے آگے بڑھ کر سادھو کے چرن چھو لئے۔

"بڑی کرپا ہے مہاراج کی...... بڑی کرپا ہے مہاراج کی"۔

اس کے بعد سادھو مہاراج نے بڑا کرید کرید کر عمران سے پوچھنا شروع کر دیا کہ اس کی جائیداد کلکتے میں کس جگہ پر واقع ہے...... اس کے چچا کا نام کیا ہے اور اس کے گھر میں کتنی عورتیں وغیرہ رہتی ہیں...... عمران ایک کے بعد دوسرا جھوٹ بولتا چلا گیا...... اسی اثناء میں اس نے دیکھا کہ تین فوجی ٹیلے کی طرف جانے والی پگ ڈنڈی پر چلے جا رہے تھے...... ان کی سٹین گنیں ان کے کندھوں پر لٹک رہی تھیں اور وہ ٹیلے کی طرف جا رہے تھے...... سادھو مہاراج نے ان کی طرف دیکھا اور بولا۔

"ہماری سینا کے سپاہی ٹیلے کی دوسری طرف ایک بیرک میں رہ رہے ہیں...... رات کو یہاں فوجی گشت لگاتے ہیں...... رات کو اگر وہ تم سے پوچھیں کہ یہاں کیا کر رہے ہو تو کہہ دینا کہ میں گورو جی کا چیلا ہوں اور یہاں بھگوان بھیروں کی تپسیا کر رہا ہوں"۔

اتنے میں تینوں فوجیوں نے سادھو مہاراج کی طرف رخ کر لیا...... سادھو نے کہا۔

"یہ لو وہ میرے درشنوں کو چلے آتے ہیں...... میں انہیں تمہارے بارے میں سمجھا دیتا ہوں...... یہ سب میرے چیلے ہیں"۔

تینوں فوجی سادھو مہاراج کے قریب آکر ہاتھ باندھ کر بڑے ادب سے کھڑے ہو گئے اور سادھو کو پرنام کیا اور ہر فوجی نے جیب سے کچھ روپے نکال کر سادھو کو دیئے...... ایک فوجی نے اپنی فوجی جیکٹ کی اندر والی جیب سے کاغذ میں لپٹی ہوئی کوئی چیز بھی بڑے ادب سے پیش کی اور کہا۔

"مہاراج! گھر سے کوئی چٹھی نہیں آئی...... من بڑا پریشان ہے...... یہ آپ کے لئے لایا ہوں"۔

سادھو مہاراج نے جے بھدر کالی ماتا کی جے کا نعرہ لگا کر کہا۔

"بالکے! چٹھی ضرور آئے گی...... اوش آئے گی اور سن...... یہ ہمارا چیلا چندر پال ہے...... یہ آج رات ہماری گپھاہ کے باہر بھگوان بھیروں کی تپسیا کرے گا...... اس کا خیال رکھنا...... یہ بڑا چمتکاری چیلا ہے، اس کا شراپ (بددعا) آدمی کو کھڑے کھڑے آگ لگا دیتا ہے"۔

عمران نے سر جھکا لیا تھا اور آہستہ آہستہ اوم ہری اوم کی جاپ کرنے لگا تھا، لیکن اس نے فوجی کے کندھے پر لگے ہوئے عہدے کے نشان کو دیکھ لیا تھا...... وہ کسی رجمنٹ کا صوبیدار میجر تھا...... اس فوجی نے کہا۔

"کوئی چنتا...... کوئی فکر نہ کریں مہاراج! ہم بھی آپ کے چیلے ہیں...... ہم اس کا پورا خیال رکھیں گے۔

عمران نے سر اٹھا کر جے بھدر کالی ماتا کی جے کا نعرہ لگایا اور سادھو مہاراج کے چرن چھو کر کہا۔

"مہاراج ہم آدھی رات کے سمے گپھاہ میں اپنی تپسیا شروع کریں گے...... ہمارے پاس کوئی نہ آئے"۔

انڈین صوبیدار میجر نے کہا۔

"مہاراج! آپ کے پاس کوئی نہیں آئے گا...... اس کی چنتا نہ کریں"۔

فوجی سادھو مہاراج کو پرنام کر کے چلے گئے...... سادھو مہاراج نے عمران سے کہا۔

"بالکے! تم رات کو آکر ہماری گپھاہ میں بیٹھ جانا...... اب جاؤ...... ہمارے گانجا پینے کا وقت ہو گیا ہے...... صوبیدار ہمارے لئے دریا پار سے گانجا لایا ہے"۔

عمران نے سادھو کے دونوں پاؤں چھوئے اور اٹھ کر ہاتھ باندھ کر پرنام کیا اور بڑی عاجزی کے ساتھ سر جھکائے واپس روانہ ہو گیا۔

لالہ جی کے بنگلے پر پہنچنے کے بعد اس نے دلاری کو صرف اتنا ہی بتایا کہ وہ صرف بھیروں جی کی گپھاہ تک گیا تھا اور ٹیلے کو دور سے ہی دیکھ کر واپس آ گیا ہے...... ہوں...... دلاری نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تو پھر تم نے اتنی دیر کہاں لگا دی؟"۔

اس نے کہا۔

"راستے میں بس خراب ہو گئی تھی...... میں نے سارا راستہ دیکھ لیا ہے...... اب رات کو تمہیں میرے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے"۔

لالہ جی حسب معمول دوپہر کے کھانے پر نہیں آئے ہوئے تھے...... شام کو ان کا دلاری کو فون آگیا کہ میں رات دیر سے آؤں گا...... آرمی ڈویژن کمانڈر کے ساتھ اس کا ڈنر ہے...... رات کو دلاری اور عمران نے اکٹھے کھانا کھایا...... عمران نے بہت ہلکا سا کھانا کھایا تاکہ رات کو اسے نیند نہ آجائے...... دلاری دیر تک اسے یہی سمجھاتی رہی کہ وہ اپنا خیال رکھے، بلکہ ایک دو بار تو اس نے یہ ہی کہہ دیا کہ عمران جی! میرا دل نہیں مانتا...... تم نہ جاؤ...... عمران اس کی باتیں سنتا اور اس کو پیار کرتے ہوئے سمجھاتا رہا کہ اس کا جانا کس قدر ضروری ہے۔

چندن پور کو آخری اومنی بس رات کے گیارہ بجے جاتی تھی...... پستول عمران نے صرف ہنگامی صورتحال کے مقابلے کے لئے رکھ لیا تھا ورنہ اس مشن میں وہ پستول اور وہ بھی سائی لینسر کے بغیر استعمال نہیں کر سکتا تھا...... ایک چاقو اس نے ضرور اپنے پاس رکھ لیا تھا جو کمانڈو چاقو تو نہیں تھا لیکن بڑا تیز تھا...... اور کمانڈو چاقو کی ہو بہو نقل تھی...... خاص دو چیزیں جو اس نے اپنے ساتھ رکھی تھیں ان میں سے ایک دلاری کے بالوں میں لگانے والے لوہے کے دو پن تھے اور ایک باریک نائیلون کی رسی تھی جس کو عمران نے دوہرا کر کے بٹ دیا تھا...... لوہے کا پن اس نے غار کے دہانے پر لگے ہوئے لوہے کے جنگلے کے تالے کو کھولنے کے لئے لیا تھا...... ان کے علاوہ اس کی جیب میں چھ سات سو روپے کی رقم بھی تھی...... لالہ ٹیکم چند جی رات کے دس بجے واپس آئے اور آتے ہی وہ دلاری کو لے کر بیڈ روم میں گھس گئے...... نہ جانے کیا بہانہ بنا کر دلاری ایک منٹ کے لئے بیڈ روم سے نکل کر عمران کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

"عمران جی! میرا دل نہیں مانتا...... تم نہ جاؤ"۔

عمران اسے اپنے ساتھ لگا کر پیار کرنے لگا اور کسی نہ کسی طرح اس نے اسے قائل کر لیا...... دلاری نے کہا۔

"تو پھر وعدہ کرو کہ اگر وہاں فوج کے سپاہی ہوئے تو تم وہیں سے واپس آجاؤ گے"۔

عمران نے کہا۔

"وعدہ کرتا ہوں"۔

دلاری مسکرائی اور اس نے عمران کا ماتھا چوم لیا...... کہنے لگی۔

"اپنے بیڈ روم کے پچھلے دروازے سے نکل جاؤ اور اسی دروازے سے واپس آجانا...... میں نے لالہ جی سے کہہ دیا تھا کہ تم سو گئے"۔

دلاری عمران سے بغل گیر ہونے کے بعد تیزی سے اپنے بیڈ روم کی طرف بھاگ

گئی...... عمران اپنے بیڈ روم کے پچھلے دروازے میں سے خاموشی سے نکلا اور اندھیرے میں درختوں کے نیچے سے گزرتا پکی سڑک کی طرف چل پڑا...... جہاں سے اس نے چندن پور والی بس پکڑنی تھی...... یہ آخری بس تھی...... اس میں چند ایک سواریاں ہی تھیں...... کمانڈو عمران اس میں سوار ہو کر چندن پور والے سٹاپ پر اتر گیا...... سامنے جنگل میں اندھیرا چھایا ہوا تھا...... آدھی رات ہو رہی تھی...... عمران جنگل کے راستے سے اچھی طرح سے واقف تھا...... وہ اندھیرے میں چلتا بھیروں جی کی گپھا والے کھنڈر کے سامنے جو چبوترہ تھا اس کے قریب آ کر رک گیا...... اس نے نائیلون کی رسی اور چاقو ایک جھاڑی میں چھپا دیا...... وہ کچھ دیر وہاں بیٹھ کر تپسیا کرنا چاہتا تھا تاکہ اگر وہاں کوئی فوجی گشتی پارٹی گشت پر ہو تو اسے اس کا علم ہو جائے...... وہ سادھو کی کوٹھڑی کے باہر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا...... ابھی اس نے اشلوک کا جاپ شروع نہیں کیا تھا کہ پیچھے سے کسی نے سٹین گن کی نالی اس کی گردن کے ساتھ لگا دی۔



اس کے بعد کے سنسنی خیز واقعات آپ

اگلی کتاب

سیکرٹ ایجنٹ

میں ملاحظہ فرمائیں۔



سیکرٹ ایجنٹ

اے حمید

کمانڈو عمران نے مڑ کر دیکھا۔

پیچھے ایک بھارتی فوجی سٹین گن پکڑے اس پر جھکا ہوا تھا۔

''کون ہو؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟''۔

بھارتی فوجی نے پوچھا۔

لگتا تھا کہ یہ بھارتی فوجی کسی دوسری گشتی پارٹی کا ہے...... عمران نے جے ماتا بھدر کالی کا نعرہ لگا کر کہا۔

''ہم ماتا بھدر کالی کی تپسیا میں مگن تھے...... تم نے ہماری تپسیا بھنگ کر دی...... ہم تمہیں شراپ دیں گے''۔

بھارتی فوجی سیدھا ہو گیا...... سٹین گن کی نالی اس نے اوپر کر لی...... شراپ یعنی (بددعا) کے نام سے وہ کچھ ڈر گیا تھا...... اتنے میں پیچھے سے دو بھارتی سپاہی آ گئے...... ان میں وہ صوبیدار میجر بھی تھا جس نے کمانڈو عمران کو سادھو مہاراج کا چیلا سمجھ کر اسے وہاں بیٹھ کر تپسیا اور گیان دھیان کرنے کی اجازت دے دی تھی...... اس نے بھارتی سپاہی سے کہا۔

''ابے کیوں سادھو مہاراج کو تنگ کر رہے ہو...... یہ میری اجازت سے یہاں تپسیا کرنے بیٹھے ہیں''۔

اس کے ساتھ ہی بھارتی صوبیدار میجر نے کمانڈو عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

''اسے شما کر دیں مہاراج! یہ ہماری پٹرول پارٹی کا نیا رنگروٹ ہے''۔

عمران نے ایک ہاتھ اوپر اٹھایا اور سادھوؤں کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"جاؤ ہم نے شما کر دیا...... ہم اسے شراپ نہیں دیں گے"۔

بھارتی صوبیدار میجر نے عمران کا شکریہ ادا کیا اور اپنی پارٹی کو لے کر وہاں سے چل دیا...... بھارتی سپاہیوں کے جانے کے بعد عمران نے سوچا کہ یہ گشتی پارٹی کتنا وقفہ ڈال کر ادھر سے گزرتی ہے...... یہ معلوم کرنا بہت ضروری تھا...... ابھی رات کا پہلا پہر ہی گزرا تھا...... عمران کے پاس پوری رات پڑی تھی...... وہ وہیں بیٹھا گشتی پارٹی کو جاتے دیکھتا رہا...... یہ کل چار بھارتی سپاہی تھے...... وہ گپھا کے چبوترے کے قریب سے ہوتے ہوئے اس ٹیلے کی طرف مڑ گئے تھے جس کے غار میں دونوں کشمیری مجاہد قید تھے اور جنہیں فرار کرانے کے لئے کمانڈو عمران نے یہ سارا ڈرامہ رچایا ہوا تھا...... پٹرول پارٹی اندھیرے میں عمران کی نظروں سے اوجھل ہو گئی...... اب وہ یہ انتظار کرنے لگا کہ یہ پٹرول پارٹی دوسری بار وہاں سے کتنی دیر بعد گزرتی ہے۔

عمران کے اندازے کے مطابق کوئی آدھ گھنٹہ گزرا ہو گا کہ اسے دور سے بھارتی سپاہیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آئیں...... وہ اندھیرے میں غور سے دیکھنے لگا...... تھوڑی دیر بعد اسے وہی چاروں بھارتی فوجی اس پگڈنڈی پر آتے دکھائی دیئے جو جنگل کے کنارے سے ہوتی ہوئی آگے ٹیلے کی طرف چلی گئی تھی...... اس کا مطلب تھا کہ یہ بھارتی گشتی پارٹی آدھ گھنٹے میں ایک چکر لگاتی ہے اور اس ٹیلے کے قریب سے ضرور گزرتی ہے جس کے غار میں کشمیری مجاہد قید تھے۔

ان حالات اور کوائف کی روشنی میں کمانڈو عمران کو اپنے ایکشن کا پلان بنانا تھا...... وہ فوراً اس نتیجے پر پہنچ گیا تھا کہ اس ایکشن میں وقت کا بہت اہم کردار ہے اور اسے ایک ایک منٹ کا خیال رکھنا پڑے گا...... پستول اور چاقو اس نے اپنے کپڑوں میں چھپایا ہوا تھا...... نائیلون کی مضبوط ا۔ باریک رسی اور عورتوں کا بالوں میں لگانے والا سٹیل کا پن یہ دونوں چیزیں اس نے اپنی قریبی جھاڑی میں چھپائی ہوئی تھیں...... پستول

سے وہ کسی حالت میں بھی سوائے انتہائی ایمرجنسی کے کام نہیں لینا چاہتا تھا، کیونکہ یہ پستول فوجی ٹھیکیدار لالہ ٹیکم چند کا تھا اور اسے دلاری نے دیا تھا اور اس پر سائی لینسر نہیں لگا ہوا تھا...... اس کے فائر کا زوردار دھماکہ جس کی آواز اگنی میزائلوں کے سٹور کی بیرک میں مقیم سارے فوجیوں کو ہوشیار کر سکتی تھی...... کمانڈو عمران اپنے منصوبے کے مطابق صرف نائیلون کی باریک رسی سے ہی کام لینا چاہتا تھا۔

بھارتی فوجیوں کی پٹرول پارٹی جا چکی تھی۔

عمران اس پارٹی کے دوسرے چکر کے بعد اپنا ایکشن شروع کرنا چاہتا تھا...... اسے آدھ گھنٹہ مزید انتظار کرنا تھا...... گھڑی اس کے پاس نہیں تھی...... وہ صرف اندازے سے وقت کا حساب لگا رہا تھا...... رات گہری ہوتی جا رہی تھی...... وہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ رات زیادہ گہری ہو جائے...... تیس یا پینتیس منٹ گزرنے کے بعد اسے ایک بار پھر دور سے بھارتی سپاہیوں کے ایک دوسرے سے ہنس کر باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں...... یہ پٹرول پارٹی کے سپاہی ہی تھے...... کچھ ہی دیر بعد عمران نے اندھیرے میں دیکھا کہ چاروں سپاہیوں کے سائے اندھیرے میں جنگل کے کنارے والی پگڈنڈی پر نمودار ہوئے اور آہستہ آہستہ چلتے ٹیلے کی طرف مڑ گئے...... جیسے ہی سپاہی اس کی نظروں سے اوجھل ہوئے...... عمران ایک دم اٹھا...... اس نے قریبی جھاڑی کے پاس جا کر وہاں سے نائیلون کی رسی اور ہیئر پن والا پلاسٹک کا لفافہ نکالا...... رسی اور ہیئر پن لفافے میں سے نکال کر جیب میں ڈالیں اور گپھاہ کے عقب سے ہو کر ٹیلے کی طرف چلنے لگا...... وہ بے حد احتیاط کے ساتھ جھک کر چل رہا تھا...... وہ چاروں طرف سے باخبر تھا اور اتنی احتیاط کے ساتھ قدم قدم چل رہا تھا کہ اس کے پاؤں کی آہٹ تک پیدا نہیں ہو رہی تھی...... وہ ان درختوں کے پاس آ کر بیٹھ گیا جہاں سے اسے ٹیلا نظر آنے لگا تھا...... وہ ایک ایک سیکنڈ کا حساب رکھ رہا تھا...... یہ اس کی کمانڈو زندگی کا ایک اہم ترین مشن تھا جس کی الٹی گنتی شروع ہو چکی تھی۔

جب اسے ٹیلے کے آس پاس گشتی پارٹی کے سپاہیوں کے سائے کہیں دکھائی نہ دیئے تو وہ اٹھا اور ٹیلے کی طرف بڑھا...... اندھیرے میں چھ سات درختوں کے قریب سے گزرنے کے بعد اسے ٹیلے کے سامنے ایک انسانی سایہ حرکت کرتا دکھائی دیا...... وہ غور سے اسے دیکھنے لگا...... یہ ان دو بھارتی سپاہیوں میں سے ایک سپاہی تھا جو ٹیلے کے غار کے باہر رات کو پہرہ دیتے تھے...... اسے دوسرا سپاہی نظر نہیں آ رہا تھا...... عمران درختوں کی آڑ لیتا اندھیرے میں دبے پاؤں اور آگے ہو گیا...... اب اسے ٹیلے کے غار کا دہانہ دھندلا دھندلا دکھائی دینے لگا تھا...... اسی غار کے اندر دونوں کشمیری مجاہد بند تھے...... عمران حیران ہو رہا تھا کہ دوسرا سپاہی کہاں چلا گیا ہے، کیونکہ اس نے واضح طور پر دیکھ لیا تھا کہ وہاں صرف ایک ہی بھارتی فوجی تھا جو کندھے سے سٹین گن لٹکائے غار کے دہانے کے آگے ٹہل رہا تھا...... عمران کے پاس زیادہ سوچنے کا وقت نہیں تھا...... اسے جو کچھ کرنا تھا آدھ گھنٹے کے اندر اندر ہی کرنا تھا، کیونکہ اسے یقین تھا کہ آدھ گھنٹے بعد اپنا چکر پورا کر کے بھارتی گشتی پارٹی ادھر سے ضرور گزرے گی...... ایک بھارتی فوجی کو ختم کرنے کے لئے میدان صاف تھا، کیونکہ بہت ممکن تھا کہ دوسرا فوجی پیشاب وغیرہ کے لئے گیا ہوا ہو۔

کمانڈو عمران کی پیشہ وارانہ صلاحیتیں اس کے تجربوں کی روشنی میں پوری طرح بیدار ہو چکی تھیں، جس طرف اندھیرے میں وہ چھپا ہوا تھا اس نے اسی طرف ایک پتھر اچھال کر گرایا...... اس سے جو آواز پیدا ہوئی اس نے بھارتی سپاہی کو ایک دم ہوشیار کر دیا...... اس نے سٹین گن سنبھال کر اس طرف دیکھا جس طرف سے آواز آئی تھی...... کمانڈو عمران نے نائیلون کی رسی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور ایک ایسے زاویئے پر اندھیرے میں درختوں کے پیچھے گھات لگائے کھڑا تھا کہ جب بھارتی سپاہی اس طرف آئے تو وہ پیچھے سے اس کو دبوچ سکے...... جیسے ہی بھارتی سپاہی نے درختوں کی طرف الرٹ ہو کر دیکھا...... عمران نے ہلکی سی آواز کے ساتھ انگریزی میں کہا۔

"ہیلپ...... ہیلپ"۔

بھارتی سپاہی یہی سمجھا کہ اس کا ساتھی اس طرف رفع حاجت کے لئے گیا ہے اور اس نے آواز دی ہے...... وہ دوڑ کر درختوں کے درمیان آ گیا...... اس نے اپنے ساتھی سپاہی کا نام لے کر اسے آواز دی...... سٹین گن اس نے تان رکھی تھی...... کمانڈو عمران اسے دوسری بار اپنے ساتھی کو آواز دینے کی مہلت نہیں دینا چاہتا تھا...... وہ بھارتی سپاہی کے پہلو میں آ گیا تھا...... بھارتی سپاہی ذرا سا جھک کر چل رہا تھا اور اس نے ایک بار پھر اپنے ساتھی کا نام لے کر اسے آواز دی...... یہ اس کی زندگی کی آخری آواز تھی...... کمانڈو عمران کے بازوؤں کے پٹھوں میں شیر کی طاقت سے بھی زیادہ طاقت آ چکی تھی...... اس نے پلک جھپکنے میں لپک کر نائیلون کی رسی بھارتی سپاہی کی گردن میں ڈالی اور اسے پوری طاقت سے کس کر ایک زوردار جھٹکا دیا...... یہ سارے کا سارا ایکشن ایک ہی وقت میں اور دو سیکنڈ میں مکمل ہو گیا تھا...... سب سے پہلے بھارتی سپاہی کے ہاتھ سے سٹین گن نیچے گری...... عمران نے پوری طاقت سے اس کی گردن نائیلون کی باریک رسی میں جکڑ رکھی تھی اور اسے جھٹکے دے رہا تھا...... بھارتی سپاہی کا جسم کانپنے لگا تھا...... پھر اسے ایک شدید جھٹکا سا لگا اور اس کی گردن عمران کے شکنجے میں ڈھلک گئی۔

عمران نے اسے چھوڑ دیا...... وہ گر پڑا...... عمران نے اس کی گردن کی ایک جانب الٹا ہاتھ رکھ کر دیکھا...... اس کے دل کی دھڑکن بند ہو چکی تھی...... عمران نے اسے وہیں چھوڑا اور ٹیلے والے غار کی طرف بڑھا...... اتنی دیر میں ٹیلے کی دوسری جانب سے نکل کر دوسرا بھارتی سپاہی سامنے آ چکا تھا...... عمران جلدی سے ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا...... بھارتی سپاہی اپنے ساتھی کو وہاں نہ پا کر کچھ حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا...... اس کی گن اس کے کندھے سے ہی لٹک رہی تھی...... پھر اس نے اپنے ساتھی سپاہی کو آواز دی...... جب کوئی جواب نہ آیا تو اس نے ایک بار پھر آواز دی اور ساتھ ہی

سامنے والے درختوں کی طرف بڑھا...... عمران اس وقت اس کے دائیں جانب تھا اور صرف چند منٹ کے فاصلے پر اندھیرے میں سانس روکے کھڑا تھا، جیسے ہی بھارتی سپاہی اس کے قریب سے گزرا اس نے چشم وزن میں اس کی گردن میں رسی کا پھندا ڈال کر اتنی زور سے پیچھے کو جھٹکا دیا کہ بھارتی سپاہی لڑکھڑا کر دائیں پہلو کو گر گیا...... عمران بھی اس کے ساتھ ہی نیچے گرا اور اس کی گردن کا پھندا اس وقت تک کستا چلا گیا جب تک کہ اس کا دم نہیں نکل گیا...... دوسرے سپاہی کا بھی کام تمام کرنے کے بعد عمران اسے گھسیٹ کر لے گیا اور اندھیرے میں درختوں کے نیچے ڈال دیا۔

اس کے فوراً بعد وہ پنجوں کے بل دوڑ کر غار کے دہانے پر آ گیا۔

غار کے منہ پر لوہے کا جنگلا چڑھا ہوا تھا جس پر ایک طرف تالا لگا ہوا تھا...... عورتوں کے ہیئر پن کی مدد سے عمران مشکل سے مشکل تالا کھول لیا کرتا تھا...... اس کی اسے خاص طور پر ٹریننگ دی گئی تھی...... اس نے جیب سے ہیئر پن نکال کر پہلے ہی اپنی انگلیوں میں پکڑ لیا تھا...... جلدی سے اس نے ہیئر پن کے سرے کو تالے کے سوراخ کے اندر دہرا کر کے ڈالا اور جیسے ہی تالے کے اندر کا ایک کھٹکا ہیئر پن کی چمٹی میں پھنسا اس نے ایک جھٹکا دیا اور تالا کھل گیا...... اسے یہ تعجب ضرور تھا اور اندر سے کسی کشمیری مجاہد کی موجودگی کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے...... ذرا سا جنگلا کھول کر وہ غار میں داخل ہو گیا اور جنگلے کو فوراً بند کر دیا...... ہیئر پن اس کے ہاتھ میں ہی تھا...... غار میں اندھیرا چھایا ہوا تھا...... اس اندھیرے میں اسے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز دو ایک بار سنائی دی...... اس نے جھک کر دیکھا...... جنگلے سے دس بارہ فٹ کے فاصلے پر اسے دو انسانی سائے زمین پر لیٹے ہوئے نظر آئے...... اس نے کشمیری زبان میں ان کو مخاطب کر کے ہلایا تو دونوں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور اندھیرے میں آنکھیں کھول کر دیکھنے لگے...... کمانڈو عمران نے کشمیری میں پوچھا کہ ان کا تعلق کشمیر کے کس محاذ سے ہے...... دونوں مجاہدوں نے کارگل کا نام لیا...... اس کے فوراً بعد عمران نے ان

سے کشمیری میں ہی کہا کہ میں تمہیں فرار کرانے آیا ہوں...... فوراً میرے ساتھ باہر نکل چلو...... اسے معلوم ہوا کہ ان میں سے صرف ایک مجاہد کے سامنے کی جانب دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی ہوئی تھی...... بیڑیاں کسی کے پاؤں میں نہیں تھیں، جیسا کہ دلاری نے اسے بتایا تھا...... عمران وہاں رک کر ہتھکڑی کا تالا کھولنے میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا...... وہ دونوں کشمیری مجاہدوں کو ساتھ لے کر غار سے باہر نکلا...... جنگلے کو اسی طرح دوبارہ بند کیا اور انہیں اپنے ساتھ دوڑاتے ہوئے درختوں کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

راستے کا تعین اس نے ذہنی طور پر پہلے سے کر رکھا تھا، جس طرف سے وہ خود آیا تھا یعنی جنگل کی پگڈنڈی کی طرف سے وہ اس طرف نہیں گیا تھا، کیونکہ اس طرف بھارتی فوجی پٹرول پارٹی سے آمنا سامنا ہو جانے کا خطرہ تھا...... وہ دوسری طرف کے درختوں اور جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا بس سٹاپ والی سڑک پر نکل آیا...... اس کے سامنے سب سے بڑا مرحلہ اس علاقے سے جلد از جلد نکلنا تھا...... وہ اپنے ساتھ لالہ ٹیکم چند کی جیپ یا دلاری کی گاڑی نہیں لایا تھا...... وہ انہیں اپنے ساتھ لانا بھی نہیں چاہتا تھا...... ان گاڑیوں سے ان کی نشان دہی ہو سکتی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ ملٹری انٹیلی جنس انہیں اپنی زد میں لے، کیونکہ ابھی عمران کو ان لوگوں کے ساتھ ہی رہنا تھا اور اپنا سب سے اہم مشن مکمل کرنا تھا جس کی خاطر وہ وہاں آیا تھا۔

سڑک پر چلنے کی بجائے وہ سڑک سے ہٹ کر کھیتوں میں آ گیا، جس کشمیری مجاہد کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی تھی اسے دوڑنے میں دقت ہو رہی تھی...... جب وہ انہیں لے کر کافی دور نکل آیا تو اس نے ہیئر پن کی مدد سے ہتھکڑی کا تالا کھول دیا اور ہتھکڑی اتار کر کھیتوں میں پھینک دی...... اس کے ساتھ ہی ان تینوں نے کلکتہ شہر کی طرف دوڑنا شروع کر دیا...... وہ اس وقت تک دوڑتے رہے جب تک کہ ان کے سانس نہیں پھول گئے...... اس کے بعد وہ چلنے لگے...... مگر وہ کافی تیز چل رہے تھے...... وہ کوارٹروں کی

ایک قطار کے عقب سے گزرے تو عمران کو ایک کوارٹر کے باہر درخت کے نیچے آٹو رکشا نظر آیا...... وہ تیز تیز چلتے اس کے پاس آ گئے...... عمران نے کشمیری مجاہدین کو رکشے میں بیٹھنے کا اشارہ کیا...... کسی جانب سے ایک کتے کے بھونکنے کی آواز آئی...... جب دونوں کشمیری مجاہد رکشے میں بیٹھ گئے تو عمران نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی رکشے کو سٹارٹ کیا اور تھوڑی دیر بعد رکشا سڑک پر کلکتے کی طرف بھاگتا چلا جا رہا تھا، مگر راستہ کافی لمبا تھا...... کلکتہ ایک بہت وسیع و عریض شہر ہے اور یہاں فاصلے بہت زیادہ ہوتے ہیں...... شہر کی روشنیاں قریب آ کر پیچھے کو گزرنے لگی تھیں...... اچانک رکشے کے انجن نے جواب دے دیا اور رک گیا۔

عمران نے کہا۔

"تیل ختم ہو گیا ہے...... اس طرف سے آ جاؤ"۔

مجاہدوں کو لے کر وہ ایک چھوٹی سڑک پر آ گیا...... جو آگے جا کر بڑی سڑک پر نکل جاتی تھی...... عمران اس بڑی سڑک پر پہنچنا چاہتا تھا...... کیونکہ وہاں سے اسے کوئی نہ کوئی رکشا ٹیکسی مل سکتی تھی...... کلکتہ شہر میں ساری رات ٹیکسیاں، آٹو رکشا چلتے رہتے تھے...... بڑی سڑک پر پہنچنے کے بعد وہ تھوڑی دور ہی چلے ہوں گے کہ انہیں ایک خالی رکشا مل گیا...... وہ اس میں سوار ہو گئے...... عمران نے ڈرائیور سے کہا۔

"ڈلہوزی سکوائر چلو"۔

وہ ڈرائیور کے آگے چت پور یا لوئر چت پور روڈ کا نام نہیں لینا چاہتا تھا...... اس طرح سے ذکریا سٹریٹ کے امام مسجد صاحب پر زد پڑنے کا خطرہ تھا، کیونکہ مسلمانوں کا یہ علاقہ پہلے ہی کلکتہ پولیس اور سی آئی ڈی کی نگاہ میں تھا...... ہم نے جو ذکریا سٹریٹ والی مسجد کا نام لیا ہے تو یہ بھی ہم نے فرضی طور پر لے لیا ہے...... حقیقت میں امام صاحب کا تعلق کلکتے کے کسی دوسرے علاقے کی دوسری مسجد سے تھا جس کا ہم یہاں مصلحتاً ذکر نہیں کریں گے...... ڈلہوزی سکوائر کا کمانڈو عمران نے اس لئے نام لے لیا تھا

کہ اس چوک سے کلکتے کے کئی اطراف کو سڑکیں نکلتی تھیں...... ان میں سے ایک سڑک لوئر چت پور روڈ کی طرف بھی جاتی تھی...... ڈلہوزی سکوائر پہنچ کر وہ رکشے سے اتر گئے اور پیدل چل پڑے...... فٹ پاتھ پر محنت مزدوری کرنے والے مزدور لوگ گہری نیند سو رہے تھے...... سڑک پر سے کسی وقت کوئی گاڑی گزر جاتی تھی...... رات کافی گزر چکی تھی...... سڑکوں پر بتیاں روشن تھیں...... عمران مجاہدین کو لے کر روشنیوں سے بچ کر گزرنے کی کوشش کر رہا تھا...... کشمیری مجاہدین کا لباس قیدیوں والا نہیں تھا جس سے ان پر کسی کو شبہ پڑتا...... وہ عام قمیض پتلون میں تھے اور خوش شکل نوجوان تھے...... وہ اس کے ساتھ تیز تیز چل رہے تھے۔

چت پور روڈ کے چھوٹے چوک میں آ کر عمران ایک چھوٹی سی گلی میں گھس گیا...... پھر گلیوں میں سے ہوتا ہوا اس مسجد کے عقب میں آ گیا جہاں امام صاحب کے حجرے کا پچھلا دروازہ تھا اور جس کے بارے میں انہوں نے عمران سے کہا تھا کہ دروازے کی اندر کی کنڈی کھلی ہو گی...... وہاں ہلکا سا اندھیرا تھا...... عمران نے رک کر دروازے کو ذرا سا دھکیلا...... دروازہ کھل گیا...... وہ مجاہدین کو لے کر حجرے میں آ گیا اور اس نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی...... حجرے میں اندھیرا تھا...... تھوڑی ہی دیر بعد کسی نے نیند بھری آواز میں پوچھا۔

"آ گئے ہو؟"۔

یہ امام صاحب کی آواز تھی...... عمران نے آہستہ سے جواب دیا۔

"جی ہاں"۔

اس کے بعد حجرے کی بتی روشن ہو گئی...... امام صاحب چارپائی کے پاس کھڑے تھے...... انہوں نے دونوں کشمیری مجاہدوں کو غور سے دیکھا اور بولے۔

"تم لوگ یہاں آرام کرو...... میں جاتا ہوں...... باہر سے تالا لگا جاؤں گا...... باقی باتیں صبح ہوں گی"۔

امام صاحب حجرے کا مسجد والا دروازہ کھول کر باہر صحن میں نکل گئے اور باہر سے تالا لگاتے گئے...... انہوں نے حجرے میں رکھی ہوئی صراحی میں سے پانی نکال کر باری باری پیا اور آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے...... کشمیری مجاہدین نے عمران کو بتایا کہ انڈین انٹیلی جنس والوں نے شروع میں انہیں ٹارچر کیا تھا لیکن اب دو دن سے کسی نے انہیں کچھ نہیں کہا تھا۔

"شاید وہ ہم پر کوئی دوسرا طریقہ آزمانا چاہتے تھے"۔

دوسرے کشمیری مجاہد نے عمران سے کہا۔

"دوست! تم نے ہمیں وہاں سے نکال کر بڑی دلیری کا ثبوت دیا ہے...... ہم موت سے نہیں ڈرتے...... ہمیں صرف یہ افسوس ہو رہا تھا کہ ہمارے ساتھی مجاہد کشمیر کے محاذ پر دشمن سے جنگ کر رہے ہیں اور ہم دشمن کی قید میں پڑے ہیں"۔

پہلے کشمیری مجاہد نے عمران سے پوچھا۔

"تم کشمیر کے کون سے محاذ پر تھے اور یہاں کلکتے کیسے پہنچ گئے؟"۔

عمران نے انہیں بالکل نہ بتایا کہ وہ کس محاذ پر دشمن سے برسرپیکار ہے اور کلکتے کیسے پہنچ گیا ہے اور یہاں اس کا مشن کیا ہے...... مجاہد کے سوال کے جواب میں اس نے صرف اتنا کہا۔

"میں یہ سب کچھ ابھی نہیں بتانا چاہتا"۔

کشمیری مجاہد نے بھی اس کے بعد کوئی اصرار نہ کیا...... وہ سمجھ گیا کہ عمران یہاں کسی بڑے حساس مشن کے لئے کام کر رہا ہے...... تھوڑی دیر سو کر انہوں نے باقی رات گزار دی...... صبح کی اذان کے وقت امام صاحب تشریف لے آئے...... وہ اپنے ساتھ ناشتہ لائے تھے...... کہنے لگے۔

"تم جلدی جلدی ناشتہ کر لو...... جماعت شروع ہونے سے پہلے ایک آدمی آئے گا...... وہ تمہیں اپنی حفاظت میں یہاں سے نکال کر بنارس تک لے جائے گا...... بنارس

سے آگے تمہیں خود ہی جموں کشمیر جانا ہو گا...... کیا تم اکیلے یہ سفر طے کر لو گے؟"۔

کشمیری مجاہدوں نے کہا۔

"ہم یہاں سے بھی جموں کشمیر اکیلے جا سکتے ہیں، لیکن یہاں ہمارے پکڑے جانے کا زیادہ خطرہ ہے...... بنارس سے آگے ہمیں زیادہ خطرہ نہیں ہو گا...... ہم کشمیر کے محاذ پر پہنچ جائیں گے"۔

عمران نے اپنی جیب سے پانچ سو روپے نکال کر دونوں کشمیری مجاہدوں کو دیئے...... یہ رقم وہ دلاری کی کوٹھی سے چلتے وقت اپنے ساتھ لایا تھا...... اس نے کہا۔

"یہ رقم راستے میں تمہارے کام آئے گی...... تم بنارس میں نئے کپڑے خرید کر بھی پہن سکتے ہو"۔

دونوں مجاہدین جلدی جلدی ناشتہ کرنے لگے...... امام صاحب ایک ڈول میں چائے بھی لائے تھے...... عمران نے صرف چائے کا ایک کپ پیا...... امام صاحب تھوڑی دیر کے لئے باہر چلے گئے...... فجر کی اذان ہو چکی تھی...... کچھ دیر بعد جماعت کھڑی ہونے والی تھی...... امام صاحب اپنے آدمی کو دیکھنے گئے تھے...... پانچ سات منٹ گزرے ہوں گے کہ امام صاحب اپنے ساتھ ایک آدمی کو لے کر آ گئے جس کا پہناوا بنگالی تھا...... امام صاحب نے اس کا تعارف کراتے ہوئے مجاہدین سے کہا۔

"یہ اپنی ویگن لے کر آیا ہے...... دن کی روشنی ہونے سے پہلے پہلے یہ تمہیں شہر سے باہر ایک محفوظ مقام پر پہنچا دے گا اور خود بھی تمہارے ساتھ ہی رہے گا...... اس جگہ تم سارا دن چھپے رہو گے...... پھر بنارس کو جانے والی رات کی گاڑی سے تم لوگ کلکتے سے روانہ ہو جاؤ گے"۔

عمران نے کشمیری مجاہدوں سے پوچھا۔

"کیا تم مطمئن ہو؟"۔

دونوں نے کہا کہ وہ ہر طرح سے مطمئن ہیں اور ان کے نزدیک کلکتے کے علاقے

سے نکلنا ہی کافی ہے...... اس کے بعد تو انہیں کوئی فکر نہیں ہوگی...... بنارس تک وہ کئی بار آتے جاتے رہے ہیں اور بنارس میں ان کے کچھ ساتھی بھی موجود ہیں...... اس طرف سے اطمینان حاصل کر لینے کے بعد عمران نے امام صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"محترم! اب مجھے اجازت دیجئے...... مجھے بھی صبح ہونے سے پہلے پہلے اپنی کمیں گاہ میں پہنچ جانا چاہئے"۔

عمران نے کشمیری مجاہدوں سے بھی ہاتھ ملایا اور حجرے کے عقبی دروازے سے نکل کر گلی میں آگیا جہاں ابھی اندھیرا ہی تھا...... وہ گلیوں گلی چلتا چت پور روڈ کی طرف جانے کی بجائے ذکریا سٹریٹ کی جانب سے ہو کر دوسرے علاقے کی طرف نکل آیا جہاں اتنی گنجان آبادی نہیں تھی اور رات کو گشت لگانے والی پولیس کا بھی خطرہ کم تھا...... عمران کو صرف اس بات کی فکر تھی کہ اس کے پاس ایک پستول اور ایک چاقو موجود تھا اور پولیس اسے برآمد کر سکتی تھی، چنانچہ وہ گشتی پولیس کی نگاہوں سے دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اتفاق سے اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی...... وہ اس میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور کو اس علاقے کی طرف چلنے کے لئے کہا جہاں فوجی ٹھیکیدار لالہ ٹیکم چند کا بنگلہ تھا اور جس بنگلے میں دلاری یقیناً اس کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھی...... وہ پستول کسی طرف پھینک کر اس سے چھٹکارا حاصل کر سکتا تھا مگر یہ پستول دلاری کے عاشق زار لالہ ٹیکم چند کا ذاتی پستول تھا اور دلاری نے اسے دیا تھا...... یہ پستول عمران نے دلاری کو واپس کرنا تھا...... دن نکل آیا تھا جب عمران لالہ جی کے بنگلے پر پہنچا...... بنگلے پر خاموشی چھائی ہوئی تھی...... جب مالک دن کے گیارہ بجے اٹھتا ہو تو نوکر کم از کم دس بجے دن تک ضرور سوتے ہیں...... بنگلے کے دونوں نوکر اپنی کوٹھڑی کے باہر چارپائی پر سو رہے تھے...... عمران پیچھے کی طرف سے ہو کر اپنے کمرے میں داخل ہو گیا اور اس نے کمرے

میں آتے ہی خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کا مشن بخیر و خوبی کامیاب ہو گیا تھا۔

وہ غسل خانے میں منہ ہاتھ دھو کر نکلا تو دلاری اس کے بیڈ روم میں آگئی...... آتے ہی اس سے لپٹ گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

"بھگوان کا شکر ہے کہ تم واپس آگئے...... میں ساری رات سو نہیں سکی...... میں نے تمہیں بنگلے میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا، جس کام کے لئے تم گئے تھے کیا وہ ہو گیا؟"۔

"ہاں" کمانڈو عمران نے دلاری سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو...... میں تمہارے لئے ناشتہ لاتی ہوں...... میں نے بھی ابھی ناشتہ نہیں کیا...... لالہ جی تو دن کے بارہ ایک بجے اٹھیں گے"۔

یہ کہہ کر وہ چلی گئی...... کمانڈو عمران کے لئے ابھی دلاری کی دل جوئی بڑی ضروری تھی...... تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ناشتے کی میز پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے...... دلاری کو اس نے لالہ جی کا پستول واپس کر دیا تھا۔

"اس کے چلانے کی نوبت نہیں آئی" عمران نے کہا۔

"پھر تم نے ان دونوں کو کس طرح قید سے نکالا؟"۔

دلاری کے سوال پر عمران نے کہا۔

"بس نکال لیا...... ان باتوں کو چھوڑو...... یہ بتاؤ کہ ہمارا یہاں کب تک قیام رہے گا؟"۔

عمران یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اگنی میزائلوں کی کھیپ چندن پور کے ایمونیشن سٹور میں کب پہنچ رہی ہے، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ لالہ ٹیکم چند اس وقت تک چندن پور والے بنگلے میں ہی قیام پذیر رہے گا جب تک کہ اگنی میزائلوں کی سپلائی وہاں نہیں پہنچ جاتی اور جب تک لالہ جی وہاں ہیں دلاری کو بھی وہیں رہنا پڑے گا...... دلاری کہنے لگی۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی...... کل رات لالہ جی کہہ رہے تھے کہ شاید اگلے ہفتے فوجی ایمونیشن کی سپلائی پہنچ جائے...... اس کے بعد ہم یہاں سے واپس بھوپال جائیں گے"۔

اس کا مطلب تھا...... دوسرے اہم ترین مشن میں صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا اور عمران کو اس عرصے کے دوران ہی اپنے مشن کی منصوبہ بندی کرنی تھی...... یہ مشن ایسا تھا کہ اس کی منصوبہ بندی عمران کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی...... اتنے بڑے میزائلوں کے ذخیرے کو تباہ کرنا تھا کہ جس کی سیکورٹی کا زبردست انتظام ہوگا اور عمران کے پاس وسائل نہ ہونے کے برابر تھے...... اس کا ساتھی کمانڈو جبران بھی اس کے ساتھ نہیں تھا......

......وہ جبران کو وہاں بلا بھی نہیں سکتا تھا...... یہ مشن اسی طرح سے پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا تھا کہ بس ایمونیشن سٹور میں پٹرول بم پھینک کر آگ لگادی جائے...... یہ کام بھی اتنا آسان نہیں تھا...... بھارتی فوجی اتنے احمق اور غافل بھی نہیں تھے کہ کمانڈو عمران ان کے ایمونیشن سٹور میں گھس کر پٹرول بم پھینک کر واپس آجائے...... کشمیری مجاہدین سے ہمدردی رکھنے والے امام صاحب اس کی صرف اتنی ہی مدد کرسکتے تھے کہ اسے دیسی ساخت کا کوئی ٹائم بم کہیں سے مہیا کردیں اور دیسی ساخت کے ٹائم بم پر بھروسہ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، لیکن اس مشن کے لئے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت تھی وہ ٹائم بم ہی تھا...... عمران نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں امام صاحب سے بات کرے گا...... شاید ان کی وساطت سے کوئی دوسری دھماکہ خیز چیز مل جائے۔

دوپہر کے بعد کمانڈو عمران امام صاحب کے ہاں پہنچ گیا۔

انہوں نے عمران کو بتایا کہ دونوں کشمیری مجاہدین خیریت کے ساتھ بنارس پہنچ گئے تھے اور وہ اپنے طور پر جموں روانہ ہوچکے ہیں...... پھر انہوں نے عمران سے پوچھا کہ وہ اس کی کیا خدمت کرسکتے ہیں...... عمران نے انہیں اپنی مشکل بیان کردی...... امام صاحب سوچ میں پڑگئے...... وہ دونوں حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے...... کچھ دیر بعد امام صاحب نے عمران سے کہا۔

"مجھے ایک دن کی مہلت دو...... میں اپنے آدمی سے بات کرنے کے بعد ہی تمہیں کچھ بتاسکوں گا"۔

عمران ایک دن بعد آنے کا کہہ کر وہاں سے واپس آگیا...... وہ لالہ جی کے بنگلے پر آیا تو لالہ جی بنگلے کے لان میں دلاری کے پاس بیٹھے چائے نوش کررہے تھے...... عمران انہیں پرنام کرکے اپنے کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا...... تھوڑی دیر بعد دلاری اس کے پاس آئی...... کہنے لگی۔

"لالہ جی چلے گئے ہیں...... آج ان کا باہر ڈنر ہے...... وہ رات کو دیر سے آئیں گے...... تم کہاں چلے گئے تھے؟"۔

عمران بولا۔

"بیٹھے بیٹھے بور ہوگیا تھا...... ذرا کلکتہ شہر کی سیر کرنے نکل گیا تھا"۔

دلاری اس کے پاس بیٹھ گئی...... کہنے لگی۔

"آج ہم بھی کلکتے کے کسی ہوٹل میں ڈنر کریں گے...... یہاں کے دال چاول اور رس گلے سارے بھارت میں مشہور ہیں"۔

عمران کسی ایسی جگہ پر نہیں جانا چاہتا تھا جہاں وہ خاص طور پر لوگوں کی نگاہوں میں آجائے، لیکن اسے دلاری کی خوشنودی کی ابھی ضرورت تھی...... وہ انکار نہ کرسکا...... دلاری کہنے لگی۔

"دونوں مجاہد قیدیوں کے فرار کی وجہ سے ملٹری پولیس نے رات کو گشت لگانے والے فوجی سپاہیوں کے ساتھ وہاں کسی سادھو کو بھی گرفتار کرلیا ہے...... کیا وہاں کوئی سادھو بھی تھا؟"۔

عمران نے کہا۔

"وہاں بھیروں جی کی گپھا تھی...... میں نے تو وہاں کسی سادھو کو نہیں دیکھا...... ہوسکتا ہے وہاں کوئی سادھو رہتا ہو اور ملٹری پولیس نے شک کی بنا پر اسے

بھی پکڑ لیا ہو“۔

دلاری نے تشویش کے لہجے میں پوچھا۔

”تمہیں تو وہاں کسی نے نہیں دیکھا تھا ناں؟“۔

”بالکل نہیں“ عمران نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

لیکن سادھو کی گرفتاری سے وہ کچھ بے چین ضرور ہو گیا تھا...... یہ سادھو عمران کو پہچان سکتا تھا، لیکن ابھی وہ پولیس کی حراست میں تھا...... اس کے باوجود اس نے عمران کا حلیہ ملٹری پولیس کو ضرور بتا دیا ہو گا...... مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ عمران کہیں باہر نہ جائے...... خاص طور پر ہوٹلوں وغیرہ میں جانے سے گریز کرے، مگر دلاری اسے اپنے ساتھ ایک ہوٹل میں ڈنر کے لئے لے جا رہی تھی اور وہ اس کے آگے انکار نہیں کر سکا تھا...... اس نے دلاری سے اتنا ضرور کہا...... ”دلاری جی! اگر کسی ہوٹل میں دال چاول کا ڈنر ہی کرنا ہے تو پھر ہمیں کسی عام سے بنگلہ ہوٹل میں جانا چاہئے...... یہ چیزیں ہمیں عام بنگلہ ہوٹل میں ہی اپنے بہترین ذائقوں کے ساتھ مل سکتی ہیں...... کسی فائیو سٹار ہوٹل میں نہیں مل سکتیں“۔

دراصل عمران کسی بڑے ہوٹل کے گلیمر سے بچنا چاہتا تھا...... دلاری کے ذہن میں یہ بات آ گئی...... کہنے لگی۔

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو...... مجھے معلوم ہے...... یہاں دریائے ہگلی کے کنارے چندر بھون نام کا ایک بنگالی ہوٹل ہے...... وہاں کے دال چاول اور رس گلے بڑے مشہور ہیں“۔

”بس وہیں جا کر ڈنر کریں گے“ عمران نے کہا۔

رات کو دلاری نے گاڑی نکالی...... عمران کو ساتھ بٹھایا اور چندر بھون نامی بنگلہ ہوٹل کی طرف چل دی...... یہ چھوٹا سا غیر معروف ہوٹل تھا اور دریائے ہگلی کے کنارے ذرا پیچھے ہٹ کر واقع تھا...... ہوٹل کے باہر بھی میز کرسیاں لگی تھیں جہاں

لوگ بیٹھے دال چاول کھا رہے تھے...... عمران باہر نہیں بیٹھنا چاہتا تھا مگر دلاری نے اصرار کیا کہ باہر دریا کی طرف سے بڑی ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے...... ہم باہر ہی کھلی فضا میں بیٹھیں گے...... عمران یہاں بھی دلاری کے ہاتھوں مجبور ہو گیا...... اس خیال کے پیش نظر بھی اس نے زیادہ اصرار نہ کیا کہ ہوٹل کے باہر اتنی زیادہ روشنیاں نہیں تھیں...... عمران جان بوجھ کر دلاری کو کونے والی جھاڑیوں کے پاس میز پر لے گیا جہاں آس پاس چند ایک لوگ ہی بیٹھے تھے...... ان میں بھی گھریلو قسم کی عورتیں اور بچے تھے...... تھوڑی دیر بعد ہوٹل کا لڑکا ان کے لئے دال چاول کی پلیٹیں اور اچار وغیرہ لے کر آ گیا...... وہ باتیں کرتے ہوئے کھانا کھانے لگے۔

دریا کی طرف سے بڑی خوشگوار ہوا آ رہی تھی...... دلاری کچھ زیادہ ہی رومانٹک ہو رہی تھی...... کہنے لگی۔

”دو چار دنوں کے بعد ہم یہاں سے واپس چلے جائیں گے...... میں بھوپال چلی جاؤں گی، جہاں میرا گھر ہے...... تمہارا کیا پروگرام ہے؟“۔

عمران نے کہا۔

”میں دلی اپنے گھر والوں کے پاس چلا جاؤں گا“۔

دلاری کچھ دیر خاموشی سے کھانا کھاتی رہی...... پھر آہستہ سے کہنے لگی۔

”کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم بھی میرے ساتھ بھوپال چلو“۔

”وہاں جا کر کیا کروں گا؟“ عمران نے بے ساختہ کہہ دیا۔

دلاری نے کہا۔

”بس میرے پاس رہنا...... کیا تمہیں میرے پاس رہنا اچھا نہیں لگتا؟“۔

عمران کو ابھی دلاری کی ضرورت تھی...... وہ اس کی مرضی کے خلاف ابھی کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا...... فوراً بولا۔

”کیوں نہیں اچھا لگتا...... جب تم مجھے اچھی لگتی ہو تو تمہارے ساتھ رہنا بھی اچھا

ہی لگے گا“۔

دلاری خوش ہو کر بولی۔

”تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ ہم دونوں بھوپال جانے کی بجائے بمبئی چلے جاتے ہیں...... وہاں میری ایک سہیلی رہتی ہے...... ہم اس کے پاس جا کر ٹھہریں گے...... ہم وہاں ایک سال بھی رہیں تو میری سہیلی کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا“۔

عمران نے کہا۔

”لیکن ایک سال کے بعد پھر ہمیں ایک دوسرے سے جدا ہونا ہو گا...... ہم ساری زندگی تو اکٹھے نہیں رہ سکتے“۔

دلاری نے کہا۔

”کیا ہم ساری زندگی اکٹھے نہیں رہ سکتے“۔

ہم بمبئی جا کر شادی کر لیں گے...... تم دوسرے مذہب کے ہو تو پھر کیا ہوا...... بھارت میں اس قسم کی شادیاں ہوتی ہی رہتی ہیں۔

کمانڈو عمران اسے کیا جواب دے سکتا تھا...... اس نے تھوڑا سا مسکرا کر کہا۔

”کہتی تو تم ٹھیک ہو...... اچھا...... بھوپال پہنچ کر اس پر بھی غور کر لیں گے“۔

دلاری کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا...... اسے عمران سے اس جواب کی ہرگز امید نہیں تھی...... بے اختیار بول اٹھی۔

”کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟“۔

عمران نے کہا۔

”تو مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے...... کیا میں تم سے پریم نہیں کرتا؟“۔

دلاری نے عمران کا ہاتھ تھام لیا اور بولی۔

”یقین جانو...... میں تمہاری اتنی خدمت کروں گی کہ تمہاری زندگی کو ایک

جنت بنا دوں گی“۔

عمران نے دل میں کہا...... میں تمہارے جنت دوزخ سے بہت دور ہوں بی بی، مگر اوپر سے وہ بھی دلاری سے اظہار محبت کرتا رہا...... اس دوران عمران نے محسوس کیا کہ بنگلہ ہوٹل کے باہر ایک طرف لوہے کی کرسی پر بیٹھا ہوا آدمی جس نے بنگالیوں کا لباس یعنی دھوتی کرتہ پہن رکھا تھا...... عمران کی طرف بار بار دیکھ رہا ہے...... عمران کوئی اناڑی نہیں تھا...... اس نے اس آدمی کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا کہ یہ سی آئی ڈی کا آدمی ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ ملٹری انٹیلی جنس کا ہی آدمی ہو، کیونکہ ایک دن پہلے کلکتے کے فوجی گیریژن سے دو کشمیری مجاہد بھارتی گارڈز کو قتل کرنے کے بعد فرار ہو چکے تھے...... عمران ہوشیار ہو گیا، لیکن اب اس کی توجہ دلاری کی گفتگو سے ہٹ گئی تھی اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس آدمی سے بچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے...... عمران جانتا تھا کہ یہ آدمی اس کا پیچھا ضرور کرے گا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ انٹیلی جنس کا یہ آدمی اس کا پیچھا کرتا ہوا چندن پور والے بنگلے تک پہنچے اور بنگلے کی نشاندہی کر سکے۔

عمران نے اپنے ذہن میں ہنگامی حالات میں ایک منصوبہ بنا لیا...... دلاری مسلسل باتیں کر رہی تھی...... اپنے سوچے ہوئے منصوبے پر عمل کرتے ہوئے عمران نے دلاری سے کہا۔

”کیوں نہ یہاں سے وکٹوریہ میموریل کی سیر کرنے چلیں؟ وہ تو رات کے گیارہ بجے تک کھلا رہتا ہے“۔

دلاری بڑے خوشگوار موڈ میں تھی...... کہنے لگی۔

”ضرور چلیں گے“۔

وکٹوریہ میموریل کا ایک تو بڑا گیٹ تھا جو جھیل والے باغ کی طرف تھا...... اس کا ایک دوسرا دروازہ بھی تھا جو اس کے پچھواڑے تھا اور جہاں نوکروں اور ملازموں کے کوارٹر تھے...... ہوٹل سے نکل کر وہ گاڑی میں بیٹھ کر وکٹوریہ میموریل کی جانب روانہ

ہو گئے...... عمران نے دیکھ لیا تھا کہ ان کے اٹھتے ہی انٹیلی جنس کا آدمی بھی کرسی
اٹھ کھڑا ہوا تھا اور فاصلہ ڈال کر ان کے پیچھے چل پڑا تھا...... جب دلاری اور عم
گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے تو انٹیلی جنس کے آدمی نے ایک طرف اشارہ کیا......
ایک درخت کے نیچے سے جیپ نکل کر اس کی طرف بڑھی۔

اب اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ یہ انٹیلی جنس کا آدمی ہے اور پولیس
جیپ ساتھ لایا ہے...... کلکتے کے بازار روشنیوں میں جگمگا رہے تھے...... ان بازاروں
روشنیوں میں انٹیلی جنس والے کی جیپ دیکھنا کوئی دشوار کام نہیں تھا...... عمران
اپنے سامنے لگے آئینے میں انٹیلی جنس کی جیپ کو دیکھ لیا کہ وہ برابر اس کا تعاقب کر
تھی...... مختلف علاقوں سے گزرنے کے بعد وکٹوریہ میموریل کی روشن روشن عمار
سامنے سے نظر آئی تو عمران نے دلاری سے کہا۔

"گاڑی گیٹ کے پاس ہی کھڑی کر دینا...... پارکنگ میں سے گاڑی نکلنا مش
ہو جائے گی"۔

دلاری ایک وفادار بیوی کی طرح عمران کے ہر حکم کی تعمیل کر رہی تھی......
نے گاڑی گیٹ کے قریب ہی ایک طرف کر کے کھڑی کر دی اور اسے لاک کر دیا۔
یہاں بھی ایک آدمی گاڑیوں کی رکھوالی پر مقرر تھا اور یہاں کی ڈبل فیس ادا کرنی
تھی...... دونوں وکٹوریہ میموریل کی عمارت میں آ کر نوادرات وغیرہ کو دیکھنے لگے۔
عمارت کی ایک اونچی کھڑکی میں سے عمران نے ایک نگاہ گیٹ کی طرف ڈالی...... گ
پر بڑی تیز روشنیاں تھیں...... اس نے دیکھا کہ انٹیلی جنس کی جیپ ایک طرف کھڑ
تھی...... اس کا مطلب تھا کہ انٹیلی جنس کا آدمی اس کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا ہے۔
کچھ دیر عجائب گھر کے مختلف کمروں کی سیر کرنے کے بعد عمران نے دلاری سے کہا۔

"دلاری! مجھے اچانک ایک کام یاد آ گیا ہے...... مجھے یہ کام ہر حالت میں ک
ہے...... تم مجھ سے اس کام کے بارے میں بالکل نہ پوچھنا...... میں تمہیں بعد میں س

کچھ بتادوں گا...... اس وقت میں تمہیں جیسے کہتا ہوں ویسے ہی کرو"۔

دلاری کچھ پریشان ضرور ہوئی لیکن فوراً ہی سنبھل گئی اور بولی۔

"تم جیسے کہو گے میں ویسے ہی کروں گی...... لیکن تمہیں تو کوئی خطرہ نہیں
ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے بالکل کوئی خطرہ نہیں ہے"۔

"اب بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے؟"۔

دلاری نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"تم کم از کم آدھا گھنٹہ اسی جگہ ٹھہرو گی"۔

آدھے گھنٹے کے بعد یہاں سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھو گی اور واپس بنگلے پر
چلی جاؤ گی...... میں رات کو کسی بھی وقت اپنے آپ تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا......
ٹھیک ہے؟"۔

"ٹھیک ہے...... تم جاؤ" دلاری نے بڑے اطمینان سے جواب دیا...... وہاں اور
بھی عورتیں اور مرد عجائب گھر کی قدیم تصویریں اور نوادرات دیکھ رہے تھے...... کافی
رش تھا...... اس رش میں عمران خاموشی کے ساتھ دلاری سے الگ ہو گیا...... اب
اسے عمارت کے عقبی دروازے سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں تھی...... وہ صدر
دروازے کی طرف سے نکلنا چاہتا تھا...... گیٹ کے قریب آ کر اس نے ماحول کا جائزہ
لیتے ہوئے بڑی گہری نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا...... انٹیلی جنس کی جیپ دلاری
کی گاڑی سے کچھ فاصلے پر ناریل کے درختوں کے نیچے کھڑی تھی...... اس کے قریب
ہی وہی دھوتی کرتے والا انٹیلی جنس کا آدمی ایک سٹول پر بیٹھا تھا...... اس کا رخ دلاری
کی گاڑی کی طرف تھا...... عمران اب اسے اپنا آپ خاص طور پر دکھانا چاہتا تھا، چنانچہ وہ

اس کے سامنے سے گزر کر گاڑی کی طرف آیا...... اس کا بونٹ کھول کر جھک کر انجن دیکھنے لگا...... گاڑی کی ڈپلی کیٹ چابی اس کے پاس ہی تھی...... دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا...... انجن کو دو تین بار سٹارٹ کر کے خود ہی بند کر دیا...... باہر نکل کر بونٹ کو اٹھایا اور ایک بار پھر جھک کر انجن کو چیک کرنے لگا...... اس کے بعد اس نے بونٹ کو بند کیا...... گاڑی کو لاک کیا اور ایک طرف کھڑے ہو کر پیچھے دیکھنے لگا۔ جیسے کسی ٹیکسی رکشے کو دیکھ رہا ہو...... اس نے یہ ظاہر کیا تھا کہ گاڑی خراب ہو گئی ہے اور اب وہ ٹیکسی وغیرہ لے کر واپس جا رہا ہے...... انٹیلی جنس کے آدمی کو عمران پر شک تھا اور اسے اس سے غرض تھی...... اس کے ساتھ جو عورت تھی اس سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا۔

اتنے میں ایک خالی ٹیکسی آئی تو عمران اس میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور سے کہا۔

ہوڑہ پل کی طرف چلو۔

جیسے ہی ٹیکسی چلی...... انٹیلی جنس والا بھی جیپ میں سوار ہوا اور جیپ عمران کے پیچھے لگ گئی...... عمران نے اگلے چوک میں جا کر سامنے والے آئینے میں دیکھ لیا انٹیلی جنس کی جیپ اس کا تعاقب کر رہی ہے...... عمران نے ٹیکسی کو کلکتے کی سڑکوں پر گھمانا شروع کر دیا...... وہ ایک سٹور میں گیا...... وہاں سے نکل کر دوسرے سٹور میں گیا...... اس کے بعد ہوڑہ برج کی طرف روانہ ہو گیا...... انٹیلی جنس کی جیپ برابر اس کا پیچھا کر رہی تھی...... جس وقت وہ ٹیکسی سے نکل کر سٹور میں جاتا تھا تو انٹیلی جنس کا آدمی بھی اس کے ساتھ ہی سٹور میں داخل ہو جاتا تھا...... اور پھر اس کے ساتھ ہی باہر آ کر اس کا تعاقب شروع کر دیتا تھا...... عمران کو اب اس آدمی سے پیچھا چھڑانا تھا...... عمران ٹیکسی کو ہوڑہ ریلوے سٹیشن کی طرف لے آیا...... یہاں سے کچھ دوری پر شہر کا مشہور بہو بازار تھا...... بہو بازار میں عمران کو معلوم تھا کہ امپیریل رس گلہ شاپ ہے...... عمران دو ایک بار یہاں آ چکا تھا...... اس رس گلہ شاپ کے باتھ روم کا دروازہ

بازار کی ایک عقبی گلی میں کھلتا تھا...... عمران نے بہو بازار میں آ کر ٹیکسی امپیریل رس گلہ شاپ کے سامنے کھڑی کروائی اور ٹیکسی ڈرائیور کو پورا کرایہ ادا کرنے کے بعد کہا۔

"یہاں سے ابھی جانا مت...... میرا دس پندرہ منٹ تک انتظار کرو...... اگر میں دس منٹ تک نہ آیا تو بے شک چلے جانا"۔

عمران نے ڈرائیور کو دس روپے انعام بھی دے دیا...... ٹیکسی سے اترنے کے بعد رس گلہ شاپ میں داخل ہونے سے پہلے اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ پیچھے ڈالی...... انٹیلی جنس کی جیپ بھی کچھ فاصلے پر آ کر کھڑی ہو گئی تھی...... عمران رس گلہ شاپ میں داخل ہو کر ایک میز پر بیٹھ گیا...... یہ ہوٹل کی طرز کی دکان تھی...... وہاں اور بنگالی عورتیں اور مرد بھی بیٹھے رس گلے کھا رہے تھے...... عمران نے مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور ہاتھ دھونے کے بہانے غسل خانے میں داخل ہو گیا...... غسل خانے میں آتے ہی اس نے پچھلا دروازہ کھولا اور گلی میں نکل کر جتنی تیز چل سکتا تھا ایک طرف چلنے لگا...... ان تمام گلیوں سے وہ واقف تھا...... دو تین گلیوں میں سے گزرنے کے بعد وہ ایک بازار میں نکل آیا...... یہاں اس نے ایک خالی آٹو رکشا لیا اور اسے پرانے تال کی طرف چلنے کو کہا...... چندن پور والا بنگلہ پرانے تال سے زیادہ دور نہیں تھا...... رکشا تیزی سے روانہ ہو گیا...... عمران نے رکشے کی پچھلی کھڑکی میں سے دیکھا...... سڑک پر دوسری گاڑیاں آ جا رہی تھیں مگر ان میں انٹیلی جنس کی جیپ نہیں تھی...... اس نے انٹیلی جنس والوں سے جان چھڑا لی تھی۔

رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے جب وہ دلاری کے پاس پہنچا...... دلاری اس کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی...... اسے دیکھتے ہی بولی۔

"تم ٹھیک ہو ناں؟"۔

"ہاں...... بالکل ٹھیک ہوں...... لالہ جی کہاں ہیں؟"۔

دلاری نے بتایا کہ لالہ جی ابھی تک ڈنر سے واپس نہیں آئے...... اب دلاری اس

سے پوچھنے لگی کہ ایسی کون سی مصیبت آن پڑی تھی کہ اسے اکیلے بھاگنا پڑا...... عمران نے دلاری کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

میری جان! کل بتاؤں گا۔

دلاری اتنے میں ہی خوشی سے نہال ہو رہی تھی کہ عمران اس سے محبت کا اظہار بڑی گرم جوشی سے کرنے لگا تھا۔

دوسرے دن عمران امام صاحب کے ہاں گیا تو ان کے حجرے کو تالا لگا ہوا تھا...... عمران مسجد میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا...... وہ نماز کا وقت نہیں تھا...... مسجد خالی پڑی تھی...... تھوڑی دیر میں امام صاحب بھی تشریف لے آئے...... انہوں نے عمران کو دیکھا تو اشارے سے اپنے پیچھے آنے کو کہا...... وہ تالا کھول کر حجرے میں چلے گئے...... عمران بھی ان کے پیچھے حجرے میں آ گیا...... امام صاحب نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی اور بتی جلا دی...... کہنے لگے۔

"بیٹھ جاؤ...... میں ابھی ابھی اپنے خاص آدمی سے ہی مل کر آ رہا ہوں"۔

عمران نے پوچھا۔

"کیا کوئی انتظام ہوا؟"۔

امام صاحب کہنے لگے۔

"یہ آدمی دھماکہ خیز بم تیار کرنے کا ماہر ہے مگر اس کا سارا کام دیسی ساخت کا ہوتا ہے، لیکن آدمی بہت کاریگر ہے...... جب میں نے اسے بتایا کہ ہمیں چھوٹے سے چھوٹے سائز کا ٹائم بم درکار ہے تو کہنے لگا...... میں چھوٹے سے چھوٹے سائز میں ایک بال پوائنٹ کے سائز کا بم تیار کر دوں گا مگر یہ گارنٹی نہیں دے سکتا کہ وہ عین وقت پر ضرور پھٹے گا...... بڑے سائز کے بم میں لگایا ہوا کلاک تو ٹھیک کام کرتا ہے اور بم طے شدہ وقت پر پھٹ جاتا ہے لیکن بال پوائنٹ سائز کے بم کی میں گارنٹی نہیں دے سکتا...... وہ پھٹ بھی سکتا ہے اور نہیں بھی پھٹ سکتا"۔

کمانڈو عمران بڑی توجہ سے امام صاحب کی بات سن رہا تھا...... امام صاحب کہنے لگے۔

"اگر تم کہو تو وہ آدمی بال پوائنٹ سائز کا بم تیار کر دے گا...... اب جیسے تمہاری مرضی"۔

عمران سوچنے لگا کہ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے...... ممکن ہے بم وقت پر پھٹ جائے، کیونکہ اس کے سامنے دوسرا کوئی وسیلہ نہیں تھا...... دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا...... سوائے امام صاحب کے دوسرا کوئی آدمی اسے وہاں نہ تو جانتا تھا اور نہ اس سے کا رابطہ ہی تھا...... اس نے امام صاحب سے کہا۔

"محترم! لگتا ہے مجھے یہ چانس لینا ہی پڑے گا...... آپ اپنے آدمی سے کہیں کہ وہ بال پوائنٹ بم تیار کر دے...... وہ کتنی دیر میں یہ کام کر دے گا"۔

امام صاحب بولے۔

"وہ کہہ رہا تھا کہ میں ایک بال پوائنٹ ٹائم بم چھ سات گھنٹوں میں تیار کر دوں گا"۔

عمران نے کہا۔

"تو پھر اسے کہئے کہ وہ آج ہی یہ کام کرنا شروع کر دے...... میں کل شام کو آ کر لے جاؤں گا...... کیا مجھے بال پوائنٹ بم لینے کے لئے اس آدمی کے ہاں جانا ہو گا؟"۔

امام صاحب بولے۔

"تمہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی...... میں کل اس سے لیتا آؤں گا...... تم کل عصر کی نماز کے بعد میرے پاس آ جانا تمہاری امانت میرے پاس محفوظ ہو گی"۔

دوسرے روز عمران عصر کی نماز کے بعد امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا...... وہ حجرے کے باہر مسجد کے صحن میں بیٹھے کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے...... عمران کو دیکھا تو اشارہ کیا کہ وہ حجرے کے عقبی دروازے کی طرف آئے...... عمران وہیں سے مسجد کی پچھلی گلی کی طرف ہو گیا...... انہوں نے حجرے کا

پچھلا دروازہ کھول دیا تھا...... عمران اندر گیا تو امام صاحب نے دروازہ بند کر کے کنڈ لگا دی...... اور عمران کے سامنے بیٹھ گئے...... وہ کہنے لگے

"تمہاری امانت میں لے آیا ہوں"۔

اس کے بعد انہوں نے چارپائی کے نیچے سے ایک ٹین کا سوٹ کیس باہر نکال کھولا اور اس میں سے رومال میں لپٹا ہوا کالے رنگ کا عام سائز کا ایک بال پوائنٹ نکا کر عمران کو دیا اور کہنے لگے۔

"اپنے آدمی کا کہنا ہے کہ اگر یہ بم وقت پر چل گیا تو جہاں سے پھٹے گا وہاں پانچ گز کے اندر کوئی چیز سلامت نہیں رہے گی اور کئی فٹ گہرا گڑھا پڑ جائے گا"۔

کمانڈو عمران بال پوائنٹ کو دیکھنے لگا...... اس قسم کا بم وہ پہلے بھی ایک دو معرکو میں استعمال کر چکا تھا، مگر وہ بال پوائنٹ بم یورپ کی آرسنل فیکٹریوں کے تیار کر تھے، جبکہ یہ بال پوائنٹ دیسی ساخت کا تھا اور لگتا تھا کہ اسے گھر میں بیٹھ کر بنایا ہے...... اس نے امام صاحب سے پوچھا۔

"اس کا کلاک پوائنٹ کہاں ہے؟"۔

امام صاحب نے بال پوائنٹ کے کلپ کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔

"صرف اس کے کلپ کو دوبارہ دبانا ہوگا...... اس سے بم کے پھٹنے کا دو متعین ہو جائے گا جو اپنے آدمی کے کہنے کے مطابق ایک گھنٹے کا ہوگا، یعنی اس کے کل کو دوبارہ دبانے کے ایک گھنٹے بعد یہ بم پھٹ جائے گا"۔

"اگر یہ پھٹ گیا تو...... عمران نے شک کا اظہار کرتے ہوئے کہا"۔

امام صاحب بولے۔

"اپنے آدمی نے اس کی گارنٹی تو نہیں دی لیکن اتنا ضرور کہا ہے کہ امکا پچاس فی صدی ہیں...... چل بھی سکتا ہے اور نہیں بھی چل سکتا...... اس کی وج نے یہ بتائی ہے کہ اس کی ٹیکنالوجی بڑی نازک اور پیچیدہ ہے جس کے لئے غی

مشینری کی ضرورت تھی جو میسر نہیں...... اس وجہ سے عین وقت پر اس میں خرابی پیدا ہو سکتی ہے"۔

کمانڈو عمران نے بال پوائنٹ کو رومال میں لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور امام صاحب کا شکریہ ادا کرنے کے بعد وہاں سے واپس لالہ ٹیکم چند کے بنگلے میں واپس آ گیا، اسی رات لالہ جی کی زبانی معلوم ہوا کہ چندن پور والے جنگل کے ایمونیشن ڈپو میں اگنی میزائلوں کی کھیپ آنی شروع ہو گئی ہے...... بعد میں دلاری کی زبانی بھی اس کی تصدیق ہو گئی...... اپنے اس مشن میں عمران دلاری کو شریک نہیں کر سکتا تھا...... یہ اس کا وہ اہم ترین مشن تھا جس کی خاطر عمران نے دلاری سے عشق و محبت کا ڈرامہ رچایا تھا اور جس کی وجہ سے وہ وہاں اتنی دیر سے بیٹھا ہوا تھا۔

دلاری نے عمران کو بتایا کہ لالہ جی دو تین دن غیر حاضر رہیں گے، کیونکہ چندن پور میں انہوں نے جو ایمونیشن ڈپو تعمیر کیا ہوا ہے وہاں فوجی کانوائے آنا شروع ہو گئے ہیں...... دلاری کو لالہ ٹیکم چند فوجی ٹھیکیدار نے اگنی میزائلوں کے بارے میں صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ انہیں فوجی کانوائے لے کر آ رہا ہے...... اس سے زیادہ اس نے دلاری کو کچھ نہیں بتایا تھا...... کمانڈو عمران چاہتا تھا کہ دلاری کے ذریعے اگنی میزائلوں کی سپلائی کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرے لیکن اس خیال سے کہ کہیں دلاری کو شک نہ پڑ جائے وہ زیادہ کرید بھی نہیں سکتا تھا...... تیسرے دن لالہ جی بنگلے پر واپس آئے تو ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ان کا کام مکمل ہو گیا ہے اور اب وہ واپس دلی جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں...... کمانڈو عمران چوکس ہو گیا...... بال پوائنٹ بم اس کے پاس موجود تھا...... صرف اسے اگنی میزائل ڈپو کے اندر کسی طرح پھینک دینا تھا...... بظاہر یہ ایک معمولی سا کام تھا لیکن عملی طور پر ایک انتہائی مشکل اور بہت حد تک ناممکن کام تھا...... چندن پور کے اس میزائل ڈپو میں جسے بھارتی حکام نے خفیہ رکھا ہوا تھا حفاظتی انتظامات بقول لالہ ٹیکم چند اتنے سخت تھے کہ کوئی چڑیا بھی وہاں پر نہیں مار سکتی تھی۔

کمانڈو عمران اگر کسی تدبیر پر عمل کرتے ہوئے دن کے وقت وہاں چلا بھی جا بیرک میں مقیم بھارتی یونٹ کا صوبیدار میجر اور اس کی گشتی پارٹی کے سپاہی اسے پہچا سکتے تھے اور وہ مجاہدین کے فرار کے سلسلے میں پہلے ہی سے اس کی تلاش میں تھے۔۔ عمران کافی سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ کام اسے اکیلے ہی کرنا ہوگا اور ا مشن کو رات کی تاریکی میں سرانجام دینا ہوگا تاکہ کوئی اسے شناخت نہ کر سکے۔۔۔۔۔ا دلاری اور لالہ ٹیکم چند اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔۔۔۔۔ان سے عمران جو کام لینا تھا وہ لے لیا تھا۔۔۔۔۔ یہ لوگ اب اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے۔۔ اس کے سامنے صرف اس کا ٹارگٹ تھا جہاں رات کے اندھیرے میں کسی طرح پہنچ اس کو بال پوائنٹ بم میزائلوں کے نو تعمیر شدہ ڈپو کے اندر پھینکنا تھا۔۔۔۔۔اس مشن کے لئے ضروری تھا کہ عمران ایک رات پہلے ٹارگٹ کا سروے کرے اور یہ دیکھے سیکور کے انتظامات کس قسم کے ہیں اور کامیابی کے امکانات کتنے فی صد ہیں۔

ٹارگٹ اس نے دیکھا ہوا تھا۔۔۔۔۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔۔۔۔۔ جب ایمونیشن ڈپو تیار ہو رہا تھا تو کمانڈو عمران دلاری کے ساتھ اسے دیکھنے گیا تھا۔۔۔۔۔ا نے نوٹ کیا تھا کہ ایمونیشن ڈپو ایک بڑے ہال کمرے کی شکل میں ہے جس سے د فٹ کے فاصلے پر فوجی یونٹ کی دو بیرکیں ہیں۔۔۔۔۔ ایمونیشن ہال کا صرف ایک گیٹ ہے جو لوہے کا ہے۔۔۔۔۔ دوسرا کوئی گیٹ نہیں رکھا گیا۔۔۔۔۔ اس کے پیچھے ہال عقبی دیوار میں ساتھ ساتھ بنے ہوئے تین روشن دان تھے جو تازہ ہوا کے اخراج کے بنائے گئے تھے۔۔۔۔۔ یہ روشن دان زمین سے پندرہ سولہ فٹ بلند تھے اور ان میں لوہے سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔۔۔۔۔ صرف یہی ایک جگہ تھی جہاں سے بال پوائنٹ بم کمرے کے اندر پھینکا جا سکتا تھا۔۔۔۔۔ کمانڈو عمران صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہاں سیکو کی کیا صورت حال ہے۔

اسی روز شام سے ذرا پہلے عمران دلاری کی گاڑی لے کر نکل گیا۔۔۔۔۔ دلاری

اس نے کہا کہ وہ شہر میں اپنے لئے ایک نئی قمیض خریدنے جا رہا ہے۔۔۔۔۔ اسے معلوم تھا کہ دلاری اس کے ساتھ جانے پر اصرار نہیں کرے گی کیونکہ اس کا عاشق زار لالہ ٹیکم چند اس وقت بنگلے میں موجود تھا۔۔۔۔۔ دلاری نے عمران کو صرف اتنا کہا کہ جلدی واپس آجانا۔۔۔۔۔ عمران گاڑی کو شہر سے نکال کر غیر آباد علاقے کی جانب سے چندن پور کی طرف روانہ ہو گیا۔۔۔۔۔ اس علاقے کا وہ ایک دفعہ پہلے سروے کر چکا تھا۔۔۔۔۔ وہ مختلف دیہاتی بستیوں اور جھگیوں کے قریب سے ہوتا ہوا اس چھوٹے سے ٹیلے کے عقب میں پہنچ گیا جہاں سے چندن پور کا جنگل شروع ہوتا تھا اور جس کے عقب میں فوج کا ایمونیشن ڈپو اور بھارتی یونٹ کی بیرکیں تھیں۔۔۔۔۔ عمران عام لباس میں تھا۔۔۔۔۔ اس کے پاس کوئی قابل اعتراض چیز بھی نہیں تھی۔۔۔۔۔ احتیاط کے طور پر اس نے بنگالی شاعر ٹیگور کی انگریزی نظموں کی کتاب اپنے پاس رکھ لی تھی۔

گاڑی اس نے ایک محفوظ جگہ پر کھڑی کر دی اور ٹیلے کا جائزہ لیا۔۔۔۔۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔۔۔۔۔ دن ڈھلنا شروع ہو چکا تھا۔۔۔۔۔ دن کی روشنی ماند پڑنے لگی تھی۔۔۔۔۔ ٹیلے کے ارد گرد خاموشی چھائی ہوئی تھی۔۔۔۔۔ یہ ٹیلہ چندن پور کے جنگل کا پہلا ٹیلہ تھا۔۔۔۔۔ اس ٹیلے کی دوسری جانب وہ ایمونیشن ہال تھا جس کے اندر اگنی میزائلوں کی پوری کھیپ پہنچ چکی تھی۔۔۔۔۔ یہ وہی اگنی میزائل تھے جنہیں بہت جلد کارگل سیکٹر کے محاذ پر منتقل کیا جانا تھا۔۔۔۔۔ عمران نے دیکھا کہ ٹیلے کی اس جانب سیکورٹی کے کوئی آثار نہیں تھے، لیکن کسی خفیہ فوجی مورچے کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔۔۔۔۔ اس کے باوجود عمران کو ہر حالت میں ٹارگٹ کا مشاہدہ کرنا تھا۔۔۔۔۔ گاڑی اس نے جھاڑیوں کے عقب میں کھڑی کی تھی اور گاڑی بند کر کے وہ کچھ دیر وہیں بیٹھا کتاب پڑھتا رہا۔۔۔۔۔ اس خیال سے کہ اگر وہاں بھارتی فوج نے سیکورٹی کا کوئی بندوبست کر رکھا ہوگا تو کوئی نہ کوئی فوجی کسی نہ کسی طرف سے نکل کر اس سے پوچھ گچھ کرنے ضرور آئے گا۔

عمران دس پندرہ منٹ تک وہاں بیٹھا ٹیگور کی نظموں کا مطالعہ کرتا رہا...... اس دوران سیکورٹی کا کوئی آدمی، کوئی سپاہی اس کے قریب نہ آیا...... اس نے کتاب بند کر کے ہاتھ میں پکڑلی، درخت کی ایک چھڑی توڑ کر دوسرے ہاتھ میں لے لی اور چھڑی کو جھاڑیوں پر مارتا بظاہر بڑی بے نیازی کے موڈ میں ٹیلے کے ساتھ ساتھ پیچھے کی جانب چلنے لگا...... وہ اپنے آپ کو کالج کا سٹوڈنٹ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو شہر کے شور وغل سے نجات حاصل کر کے وہاں کتاب کا مطالعہ کرنے آگیا ہے...... ٹیلے کے عقب میں آ کر اس نے ایک نظر پیچھے دیکھا اور ٹیلے کی چڑھائی چڑھنے لگا...... ٹیلے پر جھاڑیاں اور اونچی اونچی گھاس اگی ہوئی تھی...... کمانڈو عمران ان کی اوٹ لیتا ٹیلے کی چوٹی پر آ کر بیٹھ گیا...... ایک دو منٹ تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا...... پھر اٹھا اور جھک کر آگے بڑھا جہاں سے ٹیلے کی دوسری جانب کی ڈھلان شروع ہوتی تھی وہاں پھر بیٹھ گیا اور نیچے دیکھا۔

اس کا ٹارگٹ نیچے تھوڑی دوری پر موجود تھا...... یہ ایک ڈھلواں چھت والی اونچی عمارت تھی...... عمران نے اسے پہچان لیا...... یہ چندن پور والا خفیہ فوجی ایمونیشن سٹور تھا...... غروب ہوتے سورج کی روشنی میں اسے ایمونیشن سٹور کے ہال کی عقبی دیوار کے تینوں سلاخوں والے روشن دان صاف نظر آ رہے تھے...... ان میں سے ایک روشن دان میں سے اس نے ٹائم بم اندر پھینکنا تھا...... دیوار کے آس پاس کوئی فوجی نہیں تھا...... دوسری جانب سے دو سپاہیوں کی آپس میں اونچی آواز میں باتیں کرنے اور ہنسنے کی آواز سنائی دی...... عمران پانچ سات منٹ تک وہیں جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھا اپنے ٹارگٹ کا جائزہ لیتا رہا...... اس وقت وہاں کوئی پٹرول پارٹی گشت کرتی دکھائی نہیں دے رہی تھی...... ہو سکتا ہے رات کو اس قسم کی کوئی پارٹی گشت کرتی ہو...... یہ سوچ کر وہ خاموشی سے اٹھا اور جھک جھک کر چلتا ٹیلے سے نیچے اتر آیا...... درختوں کے جھنڈ میں جا کر گاڑی میں بیٹھا اور واپس روانہ ہو گیا...... ٹارگٹ کا اس نے

مشاہدہ کر لیا تھا...... بظاہر ایسے لگتا تھا کہ وہ اسے آسانی سے مار لے گا، لیکن عین ممکن تھا کہ رات کو وہاں سیکورٹی سخت کر دی جاتی ہو، لیکن کمانڈو عمران کو ہر حالت میں اگنی میزائل کے اس ایمونیشن سٹور کو اڑانا تھا، کیونکہ چند روز کے اندر اندر یہاں سے ان میزائلوں کی کارگل کے محاذ پر انڈین آرمی کو سپلائی شروع ہونے والی تھی جس کو ہر حالت میں ناکام بنانا عمران کا فرض تھا۔

گاڑی میں بیٹھا دلاری کے بنگلے پر واپس آتے ہوئے وہ اس بات پر حیران ضرور تھا کہ ٹیلے کے عقب میں سیکورٹی کا ایک بھی بھارتی سپاہی اسے دکھائی نہیں دیا تھا...... ان ہی خیالات میں الجھا وہ رات ہونے سے پہلے پہلے دلاری کے بنگلے پر پہنچ گیا...... گاڑی بنگلے کے احاطے میں ایک طرف کھڑی کی اور غسل خانے کے پچھلے دروازے میں سے اپنے بیڈ روم میں آگیا...... اس نے کمانڈو آپریشن کے لئے اسی رات کا وقت طے کر لیا تھا...... وہ تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا...... حالات اگر سازگار تھے تو وہ فوری طور پر ایکشن کر دینا چاہتا تھا...... اس نے بیڈ روم میں آ کر الماری کے نیچے سے رومال میں لپٹا ہوا ٹائم بم نکال کر اسے غور سے دیکھا...... یہ سیاہ رنگ کا بال پوائنٹ اسے بے حقیقت سا لگ رہا تھا...... اس کے کلپ کو صرف دوبار دبانا ہی تھا...... خدا جانے دبانے کے ایک گھنٹے بعد وہ چلتا بھی ہے یا نہیں...... چانس ففٹی ففٹی تھا...... کمانڈو عمران نے آسمان کی طرف چہرہ اٹھا لیا...... یا میرے مولا! میری لاج رکھ لینا...... اس نے ٹائم بم کو جلدی سے رومال میں لپیٹ کر اپنی قمیض کی جیب میں بڑی احتیاط کے ساتھ رکھ لیا...... اس کی پتلون سامنے ٹنگی ہوئی تھی...... عمران نے اس کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر دیکھا...... اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا...... کمانڈو ایکشن کے بعد اگر وہ زندہ بچ کر نکل آتا ہے تو اسے وہاں سے فرار ہو کر واپس دلی حاجی صاحب کے ہاں پہنچنا تھا......

اگر بال پوائنٹ ٹائم بم ایمونیشن سٹور میں پھینک دینے کے ایک گھنٹے بعد پھٹ

جاتا ہے تو کمانڈو عمران کے پاس صرف ایک گھنٹے کا وقفہ تھا جس کے دوران اسے ایک بہت بڑے آتش فشاں کے پھٹتے ہوئے آگ اگلتے ہوئے بارود اور دہکتے ہوئے آہنی ٹکڑوں سے بچ کر نکلنا تھا...... بڑا مشکل کام تھا، مگر کمانڈو عمران کو اس کی پروا نہیں تھی کہ ایمونیشن سٹور کے پھٹنے کے بعد اس کے ساتھ کیا گزرتی ہے...... زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ آگنی میزائلوں کے دھماکوں کی زد میں آجائے اور اس کے پرخچے اڑ جائیں...... اسے اس کی پروا نہیں تھی...... اس سے زیادہ اس کی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی تھی کہ اس کا جسم جہاد کشمیر اور اللہ کی خوشنودی میں قربان ہو جائے۔

ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں...... مسلمان کمانڈو کبھی موت سے نہیں ڈرتا، بلکہ موت اس سے ڈرتی ہے...... ایک کلمہ گو مسلمان کمانڈو جوان موت پر فتح حاصل کرنے کے بعد ہی اپنے مشن کے لئے نکلتا ہے۔

کمانڈو عمران کو سفر کے لئے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی...... اس کو اپنی ایک پرانی پتلون کا خیال آگیا جو اس کے بیڈروم کی الماری کے نچلے خانے میں بند تھی...... اس کو یاد آگیا کہ اس نے اس پتلون میں کچھ روپے سنبھال کر رکھے تھے...... عمران نے جلدی سے الماری میں سے پرانی پتلون نکال کر اس کی جیبوں کی تلاشی لی...... وہ بہت خوش ہوا...... پتلون کی خفیہ جیب میں سے ڈیڑھ پونے دو سو روپے کے قریب انڈین کرنسی نوٹ نکل آئے...... اس نے اس رقم کو اپنی اس پتلون کی جیب میں سنبھال کر رکھ لیا جو اس نے آج رات کو پہن کر اپنے مشن پر روانہ ہونا تھا...... دروازے پر دستک ہوئی......

یہ دلاری کی دستک تھی...... اس نے کہا۔

"آجاؤ"۔

دلاری اندر آگئی۔

"تم کس وقت آئے؟ میں نے تو اب باہر گاڑی کھڑی دیکھی تو معلوم ہوا کہ تم آگئے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"تھوڑی دیر ہوئی آیا ہوں...... تم سناؤ واپسی کا کیا پروگرام ہے؟"۔

عمران کو اب ان لوگوں کی واپسی کے کسی پروگرام سے کوئی سروکار نہیں تھا...... اس کی طرف سے وہ جہاں چاہیں جائیں...... وہ ان سے آدھی رات کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے والا تھا، لیکن دلاری سے وہ اس قسم کی باتیں نہیں کر سکتا تھا...... دلاری اس کے پاس آکر پلنگ پر بیٹھ گئی...... عمران کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے پیار سے سہلاتے ہوئے بولی۔

"لالہ جی تو کل صبح کی فلائٹ سے دلی چلے جائیں گے...... ہم لوگ کل نہیں تو پرسوں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے...... میں تو کہتی ہوں کہ ہمیں یہاں سے بھوپال جانے کی کیا ضرورت ہے...... ہم یہاں سے سیدھے بمبئی کیوں نہیں چلے جاتے...... آخر بھوپال سے بھی تو ہمیں بمبئی ہی جانا ہوگا"۔

دلاری بے چاری یہ خواب دیکھ رہی تھی کہ وہ عمران کو ساتھ لے کر بمبئی میں اپنی سہیلی کے ہاں چلی جائے گی اور وہاں دونوں شادی کر لیں گے۔

عمران کے لئے بھوپال بمبئی ایک برابر تھا...... اس نے کہا۔

"اچھا خیال ہے...... ہم یہاں سے سیدھے بمبئی تمہاری سہیلی کے ہاں چلے جائیں گے"۔

"اور وہاں جا کر بیاہ کے پوتر بندھن میں بندھ جائیں گے"۔

اتنا کہنے کے بعد دلاری نے شرما کر سر نیچے کر لیا...... عمران کو اس وقت دلاری پر بڑا ترس سا آگیا...... وہ بے چاری کیا سوچ رہی تھی...... کن حسین خیالوں کے خواب بن رہی تھی اور حقیقت میں جو کچھ ہونے والا تھا اس کی اسے کچھ خبر نہیں تھی......

دلاری نے چہرہ اٹھا کر عمران کی طرف دیکھا اور بولی۔

"تمہیں مجھ سے بیاہ کر کے افسوس نہیں ہوگا ناں؟"۔

عمران نے اسے اپنے ساتھ لگالیا اور کہا۔

"مجھے تو خوشی ہوگی"۔

عمران نے ایک نظر دیوار پر لگے کلاک کو دیکھا...... گھڑی رات کے سوا آٹھ بجا رہی تھی...... وہ رات بارہ بجے کے بعد وہاں سے نکلنا چاہتا تھا...... کمانڈو ایکشن کے لئے یہی وقت موزوں تھا...... اسے ابھی پونے چار گھنٹے اس بنگلے میں دلاری کے پاس گزارنے تھے، مگر دلاری رات ساڑھے نو بجے کے بعد ہی اس سے جدا ہو کر لالہ جی کے پاس چلی گئی...... جاتے ہوئے کہہ گئی کہ اب صبح ملیں گے...... عمران کو معلوم تھا کہ اب وہ صبح نہیں آئے گی جب ان دونوں کی پھر ملاقات ہو...... خدا جانے اگر ملاقات ہو بھی تو کن حالات میں کہاں پر ہو، لیکن اس کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا...... دلاری کے جانے کے بعد کمانڈو عمران نے اپنے مشن پر سوچ بچار شروع کر دی...... اس بظاہر بالکل سیدھے مگر حقیقت میں انتہائی پیچیدہ مشن کے تمام پہلوؤں پر عمران غور کر رہا تھا...... کھانا اس نے بیڈ روم میں ہی منگوا کر کھالیا تھا...... گاڑی کی چابی دلاری اپنے بیڈ روم کے سنگار میز کے دراز میں رکھتی تھی...... یہ گاڑی اصل میں فوجی ٹھیکیدار لالہ ٹیکم چند کی تھی، اس کی رجسٹریشن بھی لالہ جی کے نام ہی تھی...... اس لحاظ سے اگر جائے واردات کے قریب گاڑی ملٹری پولیس کے ہاتھ آجاتی ہے تو پولیس نے لالہ جی ہی کو حراست میں لینا تھا۔

رات گزرتی جا رہی تھی...... گیارہ بجے کے بعد بنگلے کی تمام فالتو بتیاں حسب معمول بجھادی گئیں...... وہ رات بھی دلاری نے لالہ جی کے ساتھ ان کے بیڈ روم میں گزارنی تھی...... چنانچہ دلاری کا بیڈ روم خالی تھا...... گیارہ بجے کے بعد جب ہال کی بتیاں بھی گل ہو گئیں تو عمران اپنے کمرے سے نکل کر دلاری کے بیڈ روم کی طرف بڑھا...... اسے گاڑی کی چابیوں کی ضرورت تھی...... ڈائننگ روم میں سے گزر کر ایک چھوٹی راہ داری سے گزر کر دلاری کے بیڈ روم میں آگیا...... دلاری حسب توقع وہاں

موجود نہ تھی...... دھیمی روشنی والا ٹیبل لیمپ روشن تھا...... عمران سنگار میز کے درازوں کو دیکھنے لگا...... اسے ایک جگہ گاڑی کی چابیاں مل گئیں...... چابیاں جیب میں ڈال کر عمران اپنے بیڈ روم میں واپس آگیا...... وہ رات کے بارہ بجنے کا انتظار کرنے لگا...... بنگلے پر خاموشی طاری تھی...... عمران نے کرتہ پاجامہ اتار کر پتلون اور بش شرٹ پہن لی...... بال پوائنٹ ٹائم بم بش شرٹ کی سامنے والی جیب میں اس طرح لگالیا جس طرح انڈی پن لگایا جاتا ہے...... تھوڑی بہت رقم کرنسی نوٹوں کی شکل میں جو اس کے پاس تھی وہ بھی اس نے جیب میں رکھ لی۔

جب دیوار پر لگے ہوئے کلاک نے رات کے پورے بارہ بجائے تو کمانڈو عمران اللہ کا نام لے کر بستر سے اٹھا...... گاڑی کی چابیاں نکال کر ہاتھ میں پکڑیں اور غسل خانے کے دروازے میں سے باہر نکل گیا...... لالہ ٹیکم چند کی گاڑی بنگلے کے احاطے میں ایک طرف کھڑی تھی...... گاڑی میں بیٹھ کر عمران نے آہستہ سے چابی لگا کر گھمائی اور گاڑی کو بنگلے سے نکال کر باہر لے آیا...... اب اسے یہ فکر نہیں تھی کہ گاڑی کی آواز پر کوئی جاگ تو نہیں پڑے گا...... یا دلاری کیا سوچے گی کہ عمران آدھی رات کو گاڑی لے کر کہاں جا رہا ہے...... اس کا اس بنگلے اور دلاری کے ساتھ رشتہ ختم ہو چکا تھا۔

اس نے گاڑی اسی سڑک پر ڈال دی جس سڑک پر سے گزر کر وہ ٹارگٹ کا مشاہدہ کرنے شام کو گیا تھا...... یہ سارا علاقہ غیر آباد اور شہر سے باہر کا علاقہ تھا...... سڑک بھی پکی نہیں تھی...... اس پر کوئی ٹریفک نہیں تھی...... بجلی کے کھمبے بھی نہیں لگے تھے...... رات کی تاریکی میں گاڑی کی ہیڈ لائٹیں اسے راستہ دکھا رہی تھیں...... ٹارگٹ کے قریب پہنچ کر عمران نے گاڑی کی بتیاں بجھادیں اور گاڑی کی سپیڈ بھی کم کردی...... گاڑی کو آہستہ آہستہ چلاتا وہ اسے ٹیلے سے دور لے گیا...... اس گاڑی کو وہ کچی سڑک کے کنارے ایک طرف اونچی اونچی جھاڑیوں کے پیچھے لے آیا...... گاڑی کا انجن بند کر کے وہ کچھ دیر ڈرائیونگ سیٹ پر ہی بیٹھا رہا...... وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ٹیلے کی

جانب رات کو گشت کرنے والی کوئی پٹرول پارٹی تو کسی طرف سے نہیں آ رہی...... کچھ دیر وہ خاموشی سے بیٹھا رہا...... اسے کوئی انسانی آواز بھی کسی جانب سے آتی سنائی نہیں دی تھی...... اس کا مطلب تھا کہ بھارتی فوج کی پٹرول پارٹی اس طرف گشت نہیں لگا رہی...... جب اسے اطمینان ہو گیا کہ فضا کافی حد تک ساز گار ہے تو وہ گاڑی سے باہر نکل آیا...... اس نے اندھیرے میں ایک نگاہ ٹیلے پر ڈالی اور پھر کسی جنگلی بلے کی طرح جھک کر ٹیلے کی طرف بڑھا۔



وہ بے حد محتاط ہو کر چل رہا تھا۔

ٹیلے کی جھاڑیاں رات کے اندھیرے میں چھوٹے چھوٹے بھوتوں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں جو بیٹھے بیٹھے پتھر ہو گئے ہوں...... عمران ان کے درمیان سے ہو کر ٹیلے پر چڑھ رہا تھا...... ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ کر وہ وہیں بیٹھ گیا...... اور سامنے کی جانب دیکھا...... کچھ دوری پر فوجی بیرکوں کے باہر روشنی ہو رہی تھی...... وہاں صرف ایک سپاہی گارڈ ڈیوٹی دے رہا تھا...... آس پاس کوئی دوسرا سپاہی نہیں تھا، لیکن ایمونیشن سٹور کے آہنی گیٹ کے باہر ظاہر ہے کہ تین چار فوجی ضرور پہرہ دے رہے تھے...... کمانڈو عمران کو اس طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی...... اس نے جو کچھ کرنا تھا ایمونیشن سٹور کے عقب میں ہی کرنا تھا...... عمران نے ٹیلے کی دوسری جانب جھانک کر دیکھا...... ٹیلے کی ڈھلان پر ایمونیشن سٹور کی پچھلی دیوار کے تینوں روشندانوں میں سے دھیمی دھیمی روشنی باہر آ رہی تھی...... ان میں سے درمیان والا روشندان عمران کا ٹارگٹ تھا...... اسے اپنا سارا ایکشن ٹائم بم کا کلپ دبانے کے بعد پانچ منٹ کے اندر اندر پورا کرنا تھا...... پانچ منٹ کے اوپر اگر وقت لگتا ہے تو وہ عمران کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

وہ ڈھلان سے نیچے اتر آیا اور اس جگہ پر رک گیا جہاں درمیان والا روشندان عمران سے تقریباً بیس فٹ کے فاصلے پر بالکل سامنے تھا...... وہ وہیں بیٹھ گیا...... اس نے غور سے روشن دان کی سلاخوں کو دیکھا...... روشندان میں پانچ سلاخیں لگی ہوئی

تھیں...... ہر سلاخ کے درمیان پانچ چھ انچ کا فاصلہ تھا...... عمران نے گردوپیش کا جائزہ لیا...... بظاہر اسے کوئی خطرہ نظر نہیں آرہا تھا...... اس طرف سے کوئی فوجی پٹرول پارٹی بھی ابھی تک نہیں گزری تھی...... اس نے جیب سے بال پوائنٹ نکال لیا...... بال پوائنٹ رومال میں لپٹا ہوا تھا...... عمران نے تین روڑے اٹھا کر رومال میں بال پوائنٹ بم کے ساتھ رکھ کر اس کی پوٹلی بنا کر اوپر گانٹھ لگادی...... بال پوائنٹ کا کلپ اوپر کی جانب تھا...... اب اس بال پوائنٹ بم کو روشندان کی سلاخوں میں سے ایمونیشن سٹور کے اندر پھینکنا تھا...... یہ کام انتہائی پیچیدہ بھی تھا اور آسان بھی تھا...... پہلی بار بال پوائنٹ سلاخوں کی طرف پھینکنے سے بال پوائنٹ سلاخوں میں سے ہال کے اندر جا سکتا تھا اور تین چار باہر پھینکنے سے بھی سلاخوں میں سے اندر نہیں جا سکتا تھا...... یہ محض ایک چانس تھا...... دوسرا کوئی طریقہ نہیں تھا...... اگر عمران بال پوائنٹ کا کلپ دوبار دبا دیتا ہے تو ہر حالت میں بال پوائنٹ بم کو تین چار منٹ کے اندر اندر سلاخوں میں سے ایمونیشن سٹور میں داخل ہو جانا چاہئے تھا...... ٹائم بم کا کلپ دبانے کے بعد عمران اسے زیادہ وقت نہیں دے سکتا تھا، کیونکہ کلپ دبانے کے ساٹھ منٹ بعد بم کو (اگر وہ چل جاتا ہے) تو پھٹ پڑنا تھا اور اپنے ساتھ اگنی میزائلوں کے پورے آتش فشاں پہاڑ کو دھماکے سے اڑا دینا تھا...... اس دوران عمران کو ٹیلے سے اتر کر اپنی گاڑی تک جانا تھا اور پھر گاڑی کو اس علاقے سے کم از کم تین میل دور لے جانا تھا، کیونکہ اگنی میزائلوں کے ایمونیشن نے پھٹ کر کم از کم تین میل کے اندر اندر تباہی مچا دینی تھی اور وہاں کسی انسان کا زندہ سلامت رہنا ناممکن تھا۔

ٹائم بم کی پوٹلی عمران کے ہاتھ میں تھی اور اس کی نگاہیں سامنے روشن دان کی سلاخوں پر جمی ہوئی تھیں...... وہ اپنے ذہن میں کسی ایسے زاویئے کا تعین کر رہا تھا جس زاویئے سے اگر وہ بال پوائنٹ بم کی پوٹلی کو پھینکتا ہے تو وہ سلاخوں کے اندر چلی جائے اور سلاخوں سے ٹکرا کر نیچے نہ گر پڑے...... کمانڈو عمران نے اس وقت تک جتنے کمانڈو

آپریشن کئے تھے ان میں یہ پہلا آپریشن تھا کہ جب ایکشن سے پہلے اس کے ماتھے پر پسینہ آگیا...... اسے یہ خوف بالکل نہیں تھا کہ اس آپریشن میں اس کی جان چلی جائے گی...... پریشانی اسے اس بات کی تھی کلپ دبانے کے بعد اگر بال پوائنٹ بار بار پھینکنے سے بھی سلاخوں کے اندر نہ گیا یا پوٹلی کا سائز سلاخوں کے درمیان خلا سے زیادہ نکل آیا تو پھر کیا ہوگا...... پھر اسے بال پوائنٹ وہیں پھینک کر وہاں سے واپس جانا پڑتا جو اسے ہرگز گوارا نہیں تھا، کیونکہ بم کے باہر پھٹنے سے یہ ضروری نہیں تھا کہ ایمونیشن سٹور کے اندر کا اسلحہ بھی پھٹتا...... زیادہ سے زیادہ ایمونیشن سٹور کی دیوار اڑ سکتی تھی۔

وہاں زیادہ دیر رکنا بھی اس کے آپریشن کو ناکام بنا سکتا تھا...... وہاں کسی بھی وقت بھارتی فوجیوں کی کوئی گشتی پارٹی نمودار ہو سکتی تھی...... وہ دشمن کے سینے پر آکر بیٹھ گیا تھا اور وہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا...... عمران نے نظروں ہی نظروں میں سلاخوں کا ایک خاص زاویہ متعین کر لیا اور بال پوائنٹ بم کی پوٹلی اپنے سیدھے ہاتھ میں تھام لی...... وہ بم کا کلپ دبانے لگا لیکن پھر رک گیا اور ایک بار پھر فاصلے اور اپنے زاویئے کا از سر نو جائزہ لینے لگا...... لیکن آخر اسے چانس لینا ہی تھا...... دوسری بار ٹائم بم کا کلپ دبانے لگا تو پھر رک گیا...... اس نے دل میں تین بار الحمد شریف پڑھی اور خدا سے دعا مانگی کہ یا میرے مولا تو ہی میرا مددگار ہے...... اس کے ساتھ ہی اس نے اللہ کا نام لے کر بال پوائنٹ کے کلپ کو دوبارہ دبا دیا...... کلپ دبانے کے بعد اسے گھبرا جانا چاہئے تھا، مگر عجیب بات ہے کہ کلپ دبانے کے بعد اس کے ذہن کی کیفیت پرسکون ہو گئی تھی...... اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ سیدھا ہاتھ اوپر اٹھایا...... دو تین بار اسے آگے پیچھے کیا اور پھر یا اللہ مدد کے ورد کے ساتھ بال پوائنٹ بم کی پوٹلی کو روشن دان کی طرف اچھال دیا...... اسے پوٹلی کے سلاخوں سے ٹکرانے کی آواز سنائی دی...... اس نے ساکت نظروں سے روشندان میں سے نکلتی روشنی میں دیکھا کہ بال پوائنٹ بم کی پوٹلی ایک سلاخ سے ٹکرانے کے بعد دوسری سلاخ کے ساتھ لگ کر ایمونیشن سٹور کے

اندر چلی گئی تھی۔

کمانڈو عمران کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا...... اسے ہرگز امید نہیں تھ کہ وہ پہلی کوشش میں کامیاب ہو جائے گا، مگر خدا کی مدد اس کے ساتھ تھی اور با پوائنٹ بم پہلی ہی کوشش میں ایمونیشن سٹور کے اندر جا گرا تھا...... کمانڈو عمران تیز سے واپس ہوا...... جھاڑیوں کے بیچ میں سے ہوتا وہ ٹیلے کی چوٹی پر آیا اور جلدی جلد ٹیلے کی دوسری جانب اترنا شروع کر دیا...... اندھیرے میں ایک پتھر سے اس کا پاؤ ٹکرایا وہ گر پڑا اور چھ سات قدم تک جھاڑیوں میں لڑھکتا چلا گیا...... اس کے بعد وہ فو اٹھا اور جتنی احتیاط اور جتنی تیزی کے ساتھ وہ ٹیلے کی ڈھلان سے اتر سکتا تھا اتر گیا...... اگرچہ جو ٹائم بم اس نے ایمونیشن سٹور کے اندر ڈال دیا تھا اس کے پھٹنے کے ففٹی ففٹی چانسز تھے...... یعنی وہ پھٹ بھی سکتا تھا اور نہیں بھی پھٹ سکتا تھا، لیک عمران یہی سوچ کر واپس جا رہا تھا کہ بم ساٹھ منٹ کے بعد پھٹ جائے گا اور اس کے ساتھ ہی یہ سارا ٹیلہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑے گا۔

ٹیلے سے اتر کر وہ درختوں کی آڑ لے کر بھاگتا ہوا گاڑی تک پہنچ گیا...... گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے انجن سٹارٹ کیا اور ایکسیلیٹر دبا کر گاڑی کو وہاں سے نکال کر کچے را پر لے آیا...... کچی سڑک پر آتے ہی اس نے گاڑی کی بتیاں روشن کر دیں اور گاڑی سپیڈ تیز کر دی...... دس منٹ کے بعد وہ پکی سڑک پر آ گیا...... یہ سڑک شہر کے ش علاقے یعنی دریائے ہگلی کی طرف جاتی تھی...... وہ دریا کی طرف نکل جانا چاہتا تھا اگر وہ دریائے ہگلی کا پل پار کر جاتا ہے تو وہ کافی حد تک محفوظ ہو سکتا تھا...... آدھی را کے بعد اس غیر آباد علاقے کی یہ پکی سڑک خالی پڑی تھی...... جب عمران کے انداز کے مطابق ٹیلے سے اترنے کے بعد پندرہ منٹ گزر گئے تو دور سے اسے دریائے کے ہوڑہ برج کی روشنیاں نظر آنے لگیں...... اس نے گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی پانچ منٹ میں وہ ہوڑہ برج کراس کر رہا تھا...... پانچ منٹ میں وہ دریا کے پل کی دوسر

جانب پہنچ گیا تھا۔

پل کی دوسری طرف آنے کے بعد عمران نے گاڑی اس چھوٹی سی سڑک پر ڈال دی جو دریا کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ کارخانے کے مزدوروں کے کوارٹروں اور ماہی گیروں کی جھونپڑیوں کی آبادی کی طرف چلی جاتی تھی...... عمران آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا...... وہ یہاں سے بردوان شہر اور وہاں سے آگے آسنول کی طرف نکل جانا چاہتا تھا...... یہ دونوں شہر کلکتے سے دلی جانے والی ریلوے لائن پر واقع تھے...... دونوں شہر کلکتے سے کافی دور ہی تھے...... آسنول تو کافی دور تھا، لیکن عمران بردوان تک ضرور پہنچنا چاہتا تھا، کیونکہ وہاں سے وہ کسی ٹرین میں بیٹھ کر دلی کی طرف جا سکتا تھا...... اگر سٹیشن پر حالات مخدوش ہوئے تو وہاں سے وہ کسی لاری میں سوار ہو کر آسنول کی طرف جا سکتا تھا...... ساتھ ساتھ اس کا خیال اس بم کی طرف بھی لگا تھا جسے ایک گھنٹے بعد پھٹنا یا نہ پھٹنا تھا...... اس نے سوچا کہ ایک گھنٹہ گزر گیا ہے...... اس کا مطلب ہے کہ دیسی ساخت کا بنا ہوا ناقابل اعتبار بم نہیں پھٹا...... اب عمران کچھ نہیں کر سکتا تھا، لیکن اسے مایوسی ضرور ہوئی...... کاش بم پھٹ جاتا اور وہ اسلحہ، وہ میزائل جنہیں کارگل کے محاذ پر بھارتی فوج کے کشمیری مجاہدین کے خلاف استعمال کرنا تھا تباہ و برباد ہو جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔

عمران انہی پریشان خیالات میں الجھا گاڑی کو ایک مناسب رفتار پر چلاتا دریا کے کنارے مزدوروں کے کوارٹروں کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اچانک اسے نیچے سے اوپر کی طرف ایک زبردست دھچکا لگا...... ایک لمحے کے لئے سٹیئرنگ پر اس کا قابو نہ رہا...... اسے لگا کہ آگے کوئی بڑا خطرناک قسم کا سپیڈ بریکر تھا جس سے ٹکرا کر گاڑی دو تین فٹ اوپر کو اچھل پڑی تھی...... اس نے فوراً گاڑی کو قابو کیا اور بریک لگا دی...... جیسے ہی اس نے بریک لگائی ایک قیامت خیز دھماکے کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی جس نے گاڑی کو ایک پہلو سے اتنی زور سے دھکا دیا کہ گاڑی ایک طرف کو

کھسکتی ہوئی ایک درخت کے ساتھ جا کر ٹکرا گئی...... کمانڈو عمران سب کچھ بھو
گیا...... اس کا چہرہ کامیابی کی خوشی سے چمکنے لگا...... پہلے قیامت خیز دھماکے کے بع
مسلسل دھماکے سنائی دے رہے تھے...... بال پوائنٹ ٹائم بم نے اپنا کام کر دکھایا تھا
پھٹ گیا تھا اور اب ایمونیشن سٹور کے میزائل پھٹ رہے تھے اور دریا پار چندن پو
کی سمت آسمان سرخ دکھائی دے رہا تھا...... مسلسل دھماکوں کی گونج سنائی دے رہ
تھی...... کمانڈو عمران کا مشن کامیاب ہو گیا تھا...... وہ اپنی خوشی کا اظہار صرف ا
طریقے سے کر سکتا تھا کہ اس نے گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی تا کہ جتنی جلدی ہوئے
خطرناک زون سے باہر نکل جائے۔

جن اصحاب نے بھارت کے صوبے مغربی بنگال کا سفر کیا ہے انہیں اچھی طر
معلوم ہو گا کہ یہ صوبہ بڑا گنجان آباد ہے اور اس کی مغربی سرحد صوبہ بہار تک بڑ
لمبے لمبے فاصلے ہیں اور آبادی اتنی کثرت سے ہے کہ دیہاتی بستیاں، چھوٹے چھو
قصبے اور شہر آتے ہی رہتے ہیں...... یہاں کسی مفرور کا چھپنا آسان بھی ہے اور مشک
بھی ہے، کیونکہ وہ مسلسل آباد کاروں کی نگاہوں کے سامنے رہتا ہے...... کمانڈو عمرا
دریا کا کنارا چھوڑ کر اب بڑی سڑک پر آ گیا تھا...... اس سڑک پر کافی فاصلہ چھوڑ کر
کے کھمبے لگے تھے جن پر بجلی کی بتیاں روشن تھیں...... سامنے کی طرف سے بھا
ٹرک اور کبھی کبھی کوئی گاڑی بھی آ جاتی تھی...... عمران کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ا
وقت تک بھارت کے تمام صوبوں کی ملٹری اور سول پولیس کو چندن پور کے ایمونیشن
ڈپو کی تباہی کی اطلاع مل چکی ہو گی اور کوئی تعجب نہیں کہ صوبوں کی پولیس نے سڑکو
پر ناکہ بندی کر کے چیکنگ بھی شروع کر دی ہو...... عمران کو اس لئے بھی خطرہ لا
تھا کہ جس گاڑی کو وہ چلا رہا تھا اس کا لائسنس اور دیگر ضروری کاغذات اس کے پا
نہیں تھے...... وہ اس علاقے کا رہنے والا بھی نہیں تھا...... اس کا رنگ بھی اس علا
کے لوگوں ایسا نہیں تھا اور اردو بولنے کا لہجہ بھی پنجابی تھا۔

لیکن وہ گاڑی کسی جگہ چھوڑ کر پیدل سفر کرنے میں بھی عقلمندی نہیں تھی، کیونکہ وہ بردوان سے آگے نکل آیا تھا اور وہاں سے آسنول بہت دور تھا...... اب وہ آسنول ہی سے کوئی ریل گاڑی پکڑ سکتا تھا...... ابھی تک سب خیریت تھی...... سڑک پر کسی جگہ کوئی چیکنگ پوسٹ اسے نہیں ملی تھی۔

لیکن عمران غافل نہیں تھا...... جب تک وہ صوبہ مغربی بنگال سے نکل نہیں جاتا کسی بھی جگہ ملٹری چیک پوسٹ سے اس کا واسطہ پڑ سکتا تھا...... ان حالات میں کمانڈو عمران کا سفر کرنا اور پھر ایک ایسی گاڑی میں سفر کرنا جس کے کاغذات اس کے پاس نہیں تھے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا...... وہ ان تمام خدشات اور امکانات پر غور کرتے ہوئے گاڑی کو بڑی سڑک پر ایک خاص رفتار پر چلا رہا تھا...... اس نے سوچا کہ اگر وہ گاڑی کو چھوڑ بھی دیتا ہے تو پھر سڑک سے ہٹ کر کھیتوں اور غیر آباد علاقوں میں سفر کرنا پڑے گا جہاں راستے سے بھٹک جانے کا ہر لمحہ خطرہ موجود تھا، کیونکہ عمران ان علاقوں سے واقف نہیں تھا...... گاڑی کی ہیڈ لائٹیں روشن تھیں...... اس کی نظریں سڑک پر تھیں...... سڑک پر دور سے اسے تین چار سرخ بتیاں لگی دکھائی دیں...... یہ سرخ بتیاں سڑک کے کنارے پر ایک دوسری کے پیچھے روشن تھیں...... عمران کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ آگے سڑک کے کنارے کچھ گاڑیاں کھڑی تھیں اور سرخ بتیاں ان گاڑیوں کی عقبی روشنیاں تھیں۔

ایک خیال سے اچانک اس نے گاڑی کی رفتار کم کر دی اور اسے سڑک کے کنارے لے آیا...... اس نے گاڑی کی بتیاں بجھا دیں...... گاڑی درختوں کے نیچے اندھیرے میں ایک طرف کر کے کھڑی کی اور خود گاڑی سے نکل کر درختوں کے نیچے سے ہوتا آگے چلنے لگا...... یہ دیکھنے کے لئے کہ آگے کیا ماجرا ہے...... اس کا گمان یہی تھا کہ آگے کوئی چیک پوسٹ ہے اور گاڑیاں وغیرہ چیک کی جا رہی ہیں، جہاں وہ چل رہا تھا وہاں اندھیرا تھا...... جب وہ گاڑیوں کے قریب پہنچا تو جو منظر اس نے سڑک پر دیکھا

اسے دیکھ کر جلدی سے ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا...... سڑک پر رکاوٹیں کھڑی ہوئی تھیں اور چار پانچ فوجی سپاہی گاڑیوں کی چیکنگ وغیرہ کر رہے تھے...... عمران و سے الٹے قدم واپس ہو گیا...... اب وہ تیز تیز چل رہا تھا...... گاڑی میں بیٹھ کر اس گاڑی کو پیچھے موڑ لیا اور سڑک پر تیزی سے واپس روانہ ہو گیا...... اب اس نے دل یہی فیصلہ کیا کہ وہ بجائے آسنول جانے کے بردوان کے سٹیشن ہی سے گاڑی پکڑنے کی کوشش کرے گا...... بردوان سے وہ کافی آگے نکل چکا تھا اور اب بردوان کی طرف واپس جا رہا تھا...... آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد بردوان کا ریلوے سٹیشن نظر آنے لگا۔

کمانڈو عمران نے گاڑی ایک طرف کر کے کھڑی کی اور گردوپیش کا جائزہ لیتا ریلوے سٹیشن کی طرف بڑھا...... کسی زمانے میں بردوان ایک چھوٹا سا قصبہ ہوا کر تھا...... جسے جاگیرداروں کا قصبہ کہا کرتے تھے...... اس قصبے میں جاگیرداروں کی بڑی حویلیاں تھیں، مگر اب یہ قصبہ ایک شہر میں بدل چکا تھا...... سٹیشن بھی نیا بن گیا جہاں روشنیاں ہی روشنیاں تھیں...... عمران نے سٹیشن پر ایک ریلوے قلی سے دریاف کیا کہ دلی کی طرف گاڑی کس وقت جائے گی...... قلی نے اسے بتایا کہ جنتا ایکسپریس چار بجے کلکتے سے آتی ہے وہ دلی جاتی ہے...... عمران نے ریلوے سٹیشن کے کلاک پر ڈالی...... اس وقت رات کے پونے دو بج رہے تھے...... گاڑی اگر صحیح ٹائم پر آتی ہے تو کے آنے میں ابھی سوا دو گھنٹے باقی تھے...... اتنا وقت عمران سٹیشن کے ماحول میں نہ گزارنا چاہتا تھا جہاں روشنیاں بھی تھیں اور مسافر بھی کافی نظر آ رہے تھے...... بہر آگے ٹرین سے سفر کرنے کا اس نے ارادہ کر لیا تھا...... وہ گاڑی کو لے کر کچھ دور غیر جگہ پر آ گیا اور گاڑی ایک طرف کھیتوں کے پاس اندھیرے میں کھڑی کر دی...... کی ساری بتیاں بجھا کر وہ گاڑی کے اندر ہی بیٹھا رہا...... اسے گاڑی میں کم از کم ڈیڑھ گزارنا تھا...... وہ اس قسم کے انتظار اور صبر کا عادی تھا...... یہ اطمینان اس نے کر لیا وہاں ارد گرد کوئی آبادی وغیرہ نہیں تھی...... ویسے بھی اتنی رات گئے ہر جانب

تھا...... صرف سٹیشن کی طرف سے کسی انجن کی سیٹی کی یا اس کے شنٹ کرنے کی آواز آ جاتی تھی...... وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر چپ چاپ بیٹھا رہا...... وقت آہستہ آہستہ گزرتا چلا گیا...... وقت کو تو بہرحال گزرنا ہی تھا اور یہی ایک حقیقت اس کے لئے اطمینان کا باعث تھی کہ وقت بہرحال گزر رہا تھا...... گھڑی اس کے پاس نہیں تھی...... وہ صرف اندازے سے ہی وقت کا احساس کر رہا تھا۔

اس بات سے بھی وہ محتاط ہو گیا تھا کہ بردوان اور آسنول کے شہروں کے درمیان ملٹری پولیس چیکنگ کر رہی تھی...... ممکن تھا کہ ریلوے سٹیشن پر بھی ملٹری پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس کے آدمی موجود ہوں...... عمران کو بے حد احتیاط سے کام لینا تھا...... اس کی ذرا سی غفلت اسے گرفتار کرا سکتی تھی...... اس کے اندازے کے مطابق جب ڈیڑھ پونے دو گھنٹے گزر گئے تو وہ چپکے سے گاڑی میں سے نکل کر ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑا...... ابھی اسے دلی کا ٹکٹ بھی خریدنا تھا...... وہ لوگوں کی نظروں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا ریلوے سٹیشن کی ان کھڑکیوں کے پاس آ گیا جہاں مسافر کھڑے ٹکٹ خرید رہے تھے...... ایک کھڑکی پر اس نے دلی کا نام انگریزی میں لکھا ہوا پڑھا تو اس کھڑکی کے باہر لگی قطار میں کھڑا ہو گیا...... قطار میں زیادہ مسافر نہیں تھے...... بہت جلد اس کی بھی باری آ گئی...... اس نے بردوان سے دلی تک کا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ خریدا اور سر جھکائے خاموشی سے سٹیشن کے گیٹ پر سے ہو کر پلیٹ فارم پر آ گیا۔

پلیٹ فارم پر کافی لوگ تھے...... سٹیشن کے کلاک پر اس نے ٹائم دیکھ لیا تھا...... ٹرین کے آنے میں بیس منٹ رہ گئے تھے...... وہ حسب معمول پلیٹ فارم پر ایسی جگہ پر بیٹھ گیا جہاں مسافروں کا ایک چھوٹا سا ہجوم بیٹھا ہوا تھا...... اکیلے کسی بنچ پر بیٹھنے سے وہ لوگوں کی نظروں میں آ سکتا تھا...... اس نے دیکھ لیا تھا کہ پلیٹ فارم پر ملٹری یا سول پولیس کا کوئی سپاہی نہیں ہے، لیکن یہ سپاہی کسی بھی وقت نمودار ہو سکتے تھے...... عمران نے خدا کا شکر ادا کیا کہ گاڑی لیٹ نہیں تھی اور وہ مزید انتظار کی زحمت دیئے

بغیر صحیح ٹائم پر پہنچ گئی...... جیسے ہی گاڑی رکی مسافروں کا ہجوم اس پر ٹوٹ پڑا......
عمران ٹرین کے آخری ڈبے کے پیچھے سے ریلوے لائن پر اتر کر ٹرین کی دوسری
جانب آ گیا اور وہاں ایک ڈبے کے کھلے دروازے میں سے اندر جاکر کونے والی سیٹ
پر بیٹھ گیا...... یہ ڈبہ ابھی مسافروں سے بھرا نہیں تھا...... کچھ مسافر پہلے سے سوار
تھے...... کچھ مسافر آکر اس ڈبے میں اور بھی سوار ہو گئے...... ٹرین جتنی دیر کھڑی
رہی، عمران یہی سوچ سوچ کر مضطرب رہا کہ کہیں پولیس ڈبے کی چیکنگ کرنے نہ
آ جائے، لیکن ایسا نہ ہوا اور ٹرین چل پڑی۔

کمانڈو عمران نے خدا کا شکر ادا کیا۔

قسمت عمران کا ساتھ دے رہی تھی...... وہ خیر و عافیت سے دلی پہنچ گیا۔

دلی پہنچنے کے فوراً بعد وہ اپنے ماسٹر سپائی یعنی اس علاقے میں کشمیری مجاہدوں، جہاد
کشمیر اور اسلام کی خاطر کام کرنے والے حاجی صاحب سے ملا...... حاجی صاحب کمانڈو
عمران کو اپنے ساتھ اپنی خفیہ کمین گاہ میں لے گئے جو ایک ویران علاقے میں تھی......
یہاں کمانڈو عمران پہلے نہیں آیا تھا...... یہ ویران کچے، خشک اور بنجر ٹیلوں کے درمیان
تین چھوٹے چھوٹے کمروں والا ایک کوارٹر تھا جس کے پیچھے کچھ فاصلے پر ایک ندی بہہ
رہی تھی...... حاجی صاحب نے اپنی گاڑی ندی کے پاس کھڑی کر دی...... کہنے لگے۔

"یہ جگہ میں نے کافی سوچ بچار کے بعد بنوائی ہے...... یوں سمجھ لو کہ اس خفیہ
کمین گاہ کا ابھی تک سوائے میرے...... تمہارے اور مہدی صاحب کے اور کسی کو علم
نہیں ہے، یا پھر اسے دو تین راج مزدور جانتے ہیں جو اس کوارٹر کو تعمیر کرنے کے لئے
اس شہر دلی سے واپس بریلی جا چکے ہیں"۔

کمانڈو عمران نے کوارٹر کے قریب پہنچ کر اس کا جائزہ لیا...... کہنے کو تو یہ نیا کوارٹر
تھا مگر اس کی دیواریں پرانی لگ رہی تھیں اور ان کا پلستر بھی کئی جگہوں سے اکھڑا
تھا...... حاجی صاحب بولے۔

"تم کیا سوچ رہے ہو...... میں جانتا ہوں...... تم یہ سوچ رہے ہو کہ یہ نیا کوارٹر
کس قسم کا ہے کہ جس کی دیواریں سو سال پرانی لگتی ہیں...... تو سنو...... اس کی یہ حالت
میں نے جان بوجھ کر رکھوائی ہے، تاکہ اگر یہاں سے کوئی گزرے تو یہی سمجھے کہ یہ
ریلوے کا کوئی پرانا کوارٹر ہے جہاں کبھی لوگ رہا کرتے تھے...... اب کوئی نہیں رہتا......
اندر آ جاؤ"۔

حاجی صاحب نے کوارٹر کا تالا کھولا اور وہ اندر داخل ہو گئے۔

تین چھوٹے چھوٹے کمرے تھے...... ہر کمرے میں معمولی سی ایک چارپائی، دو دو
تین تین لوہے کی کرسیاں پڑی تھیں...... بجلی وہاں نہیں تھی...... دیوار کے ساتھ ایک
مٹی کے تیل کی لالٹین رکھی ہوئی تھی...... عقب میں ایک غسل خانہ تھا...... بہت
چھوٹا سا ایک صحن تھا جس کی ایک جانب باورچی خانے کی کوٹھڑی تھی جس کے باہر
لکڑیوں کا ڈھیر پڑا تھا اور مٹی کی چار پانچ ٹمیاں پڑی تھیں جو پانی سے بھری ہوئی تھیں۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"یہ پانی میں نے خود مشک میں بھر کر ندی سے لاکر بھرا ہے...... اس ندی کا پانی
صاف اور میٹھا ہے"۔

وہ ایک کمرے میں آکر کرسیوں پر بیٹھ گئے...... حاجی صاحب بولے۔

"مغربی بنگال کے چندن پور میں تم نے جو دھماکہ خیز معرکہ مارا ہے اس کی
تفصیل یہاں کے اخباروں میں آ چکی ہے...... میری طرف سے مبارک باد قبول
کرو...... اس خبر سے کشمیر کے محاذ پر اپنی آزادی اور بقا کی خاطر جہاد کرنے والے کشمیری
مجاہدین کے بھی حوصلے مزید بلند ہوئے ہیں...... میں تم سے اس کمانڈو آپریشن کی
تفصیل نہیں پوچھوں گا...... صرف اتنا کہوں گا کہ یہ معرکہ تم ہی مار سکتے تھے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"حاجی صاحب! اگر اس مشن میں اللہ کی مدد شامل نہ ہوتی تو یہ ایک ناممکن سا

مشن تھا"۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"اللہ کی مدد ہر مسلمان کے ساتھ ہوتی ہے بشرطیکہ وہ اللہ کے دکھائے ہوئے سیدھے راستے پر چل رہا ہو...... اب میں تمہیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم صحیح وقت پر آئے ہو...... تمہیں اس وقت آ جانا چاہئے تھا...... میں تمہارا انتظار ہی کر رہا تھا لیکن تم سے رابطہ نہیں کر سکتا تھا"۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"خیریت تو ہے ناں؟"۔

حاجی صاحب بولے۔

"بالکل خیریت ہے"۔

پھر انہوں نے چند لمحے توقف کے بعد کہا۔

"ہمارا بلکہ مسلمانوں کا ازلی دشمن بھارت پاکستان ہی نہیں بلکہ تمام عالم اسلام پر ایک بہت بڑے حملے کی تیاریاں کر رہا ہے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"حاجی صاحب! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا...... کھل کر بات کیجئے...... اصل قصہ کیا ہے"۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"بھائی! اصل بات تو تمہیں اپنا وہ جاسوس خاص اور مرد مجاہد بتائے گا جو دشمن کی جنگی کونسل کے دفتر میں بیٹھا ہمارے لئے بلکہ کشمیری مجاہدوں اور پاکستان کی سلامتی کے لئے کام کر رہا ہے...... میرا مطلب جمیل مہدی صاحب سے ہے"۔

کمانڈو عمران نے بے تابی سے پوچھا

"انہوں نے کہا بتایا ہے...... مجھے تھوڑا بہت ہی بتا دیجئے"۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"مہدی صاحب خود ہی آ کر تمہیں ساری بات تفصیل کے ساتھ بتائیں گے...... میں ابھی جاتا ہوں اور شام ہوتے ہی انہیں لے کر یہاں پہنچ جاؤں گا"۔

اس کے بعد حاجی صاحب چلے گئے...... کمانڈو عمران نے ان سے اپنے ساتھی کمانڈو جبران کے بارے میں بھی پوچھا تھا...... انہوں نے بتایا کہ جبران تمہاری تلاش میں کشمیر سے بمبئی سیٹھ ستار کے پاس واپس پہنچ گیا تھا اور ابھی تک بمبئی سیٹھ ستار کے پاس ہی ہے اور اسے تمہارے مشن کی کامیابی کی خبر پہنچ چکی ہے۔

حاجی صاحب کے جانے کے بعد دن ڈھلنے لگا تھا...... شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا...... حاجی صاحب جمیل مہدی صاحب کو لے کر آ گئے...... گاڑی انہوں نے وہیں ندی کنارے کھڑی کر دی تھی...... مہدی صاحب نے کمانڈو عمران سے ہاتھ ملایا اور یہ تینوں افراد کوارٹر کے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے...... جیسا کہ ہم مہدی صاحب کے بارے میں پہلے لکھ چکے ہیں...... وہ بھارت کی ملٹری ہائی کمانڈ کے ایک انتہائی حساس ادارے میں ملازم تھے اور اسلام کے زبردست مرد مجاہد تھے اور بھارتی مسلمانوں کی بقاء اور سلامتی کے لئے پاکستان کی بقاء اور سلامتی کو بنیادی حیثیت دیتے تھے...... اگرچہ مسلمان ہونے کی وجہ سے انہیں بھارتی فوجی ہائی کمان کے حساس ادارے میں کوئی کلیدی آسامی نہیں دی گئی تھی مگر مہدی صاحب اپنے اثر ورسوخ اور ذہانت کی وجہ سے بہت سے اہم خفیہ جنگی راز معلوم کر لیا کرتے تھے اور حاجی صاحب کو بتا دیا کرتے تھے۔

اس روز بھی وہ ایک اہم خفیہ جنگی راز بتانے وہاں آئے تھے...... حاجی صاحب نے بیٹھتے ہی مہدی صاحب سے کہا۔

"مہدی بھائی! آپ خود ہی عمران کو ساری بات بیان کر دیجئے"۔

مہدی صاحب نے کمانڈو عمران کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"بھارت نے نہ صرف پاکستان بلکہ دوسرے ترقی پذیر اسلامی ممالک پر بھی کاری ضرب لگانے کے ایک خطرناک پروگرام پر عمل شروع کر دیا ہے...... یہ بتانے کی میں

ضرورت نہیں سمجھتا کہ بھارت ایٹمی طاقت بن چکا ہے، لیکن کسی ملک کا صرف ایک یا دو بار دھماکہ کر کے ایٹمی طاقت بن جانا ہی سب کچھ نہیں ہوتا...... اس کے بعد ایٹم بموں کی تیاری کا انتہائی مہنگا اور پیچیدہ کام شروع کرنا ہوتا ہے، جس کے کثیر اخراجات بھارت ایسا غریب اور ترقی پذیر ملک برداشت نہیں کر سکتا، چنانچہ اس خطرناک منصوبے میں اسرائیل بھارت کے ساتھ شامل ہو گیا ہے...... اسرائیل خود چونکہ عالم اسلام کا دشمن نمبر ایک ہے اس لئے بھارت کے ساتھ اس کا ایک خفیہ معاہدہ طے پا گیا ہے...... اس معاہدے کے تحت اسرائیل بھارت کو سرمایہ اور اہم ایٹمی فنی ٹیکنالوجی مہیا کرے گا اور بھارت جو کہ ایٹمی طاقت بن جانے کا اعلان کر چکا ہے...... ایٹم بموں میں بنیادی اہمیت کے کیمیاوی محلول کی تیاری اور ایٹم بم کو چلانے والے یورانیم 235 کے ایک بنیادی جز ڈیوٹیریم اوکسائیڈ کی تیاری میں مہارت کو تمام تر مالی اور فنی امداد فراہم کرے گا...... اس اسلام دشمن منصوبے پر کام شروع ہو چکا ہے...... اس مقصد کے واسطے جزائر انڈیمان کی پہاڑیوں میں جس پر بھارت کا قبضہ ہے، خفیہ جگہ پر ایک فیکٹری بنائی گئی ہے جس کا نام خفیہ دستاویزات میں مہاشکتی فیکٹری ظاہر کیا گیا ہے...... پروگرام کے مطابق اس فیکٹری میں تیار ہونے والے ایٹم بم اسرائیل کو بھی سپلائی کئے جائیں گے جنہیں حکومت اسرائیل فلسطین کے مسلمانوں کے خلاف استعمال کرے گی...... میں ان خفیہ دستاویزات کا کسی طریقے سے مطالعہ کر چکا ہوں...... میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر بھارت کو اس فیکٹری میں ایٹم بموں کی کھیپ تیار کرنے سے روکا نہ گیا تو عالم اسلام کو اور خاص طور پر پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، چنانچہ اس فیکٹری کو تباہ کرنا بے حد ضروری ہے بلکہ اسلام کی طرف سے ہم مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس فیکٹری کو تباہ و برباد کر دیں“۔

کمانڈو عمران نے مہدی صاحب کی ساری بات کو بڑے دھیان اور بڑے غور سے سنا تھا...... اس نے کہا۔

”ہم ہر حالت میں اس فیکٹری کو تباہ کر دیں گے، اس کے لئے خواہ ہمیں اپنی جان کی قربانی کیوں نہ دینی پڑے“۔

مہدی صاحب بولے۔

”میں اس مشن کو ناممکن تو نہیں کہوں گا لیکن یہ اتنا آسان بھی نہیں ہے، کیونکہ ایک تو یہ مہاشکتی فیکٹری یہاں سے دور کالے پانی یعنی جزائر انڈیمان میں بنائی گئی ہے...... دوسرے وہاں سیکورٹی کا بہت ہی پیچیدہ حساس انتظام کیا گیا ہے اور بھارت کے ساتھ اسرائیلی فوجی کمانڈو پارٹیاں دن رات فیکٹری کے ارد گرد گشت لگاتی رہتی ہیں“۔

عمران نے کہا۔

”یہ کوئی نئی بات نہیں ہے...... ہمارے لئے...... ایسا تو ہر جگہ ہی ہوتا ہے...... اس قسم کے حساس نوعیت کے مقامات پر سیکورٹی بے حد سخت ہوتی ہے...... یہ بتائیں کہ یہ مہاشکتی فیکٹری جزائر انڈیمان کے کسی جزیرے کے جنگل میں ہے...... کیونکہ جزائر انڈیمان میں تو بہت سے جزیرے ہیں“۔

مہدی صاحب کہنے لگے۔

”یہ میں کل معلوم کرنے کی کوشش کروں گا اور اگر میں اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو کل رات کو آپ کو آ کر بتاؤں گا“۔

کمانڈو عمران نے حاجی صاحب سے کہا۔

”آپ اس دوران یہ کیجئے کہ کمانڈو جبران کو بمبئی سے بلوالیں...... اس مشن میں کمانڈو جبران کا میرے ساتھ ہونا بہت ضروری ہے“۔

حاجی صاحب بولے۔

”میں آج ہی رات کو بمبئی پیغام بھجوا دیتا ہوں...... جبران یہاں پہنچ جائے گا“۔

اس کے بعد حاجی صاحب نے مہدی صاحب کو ساتھ لیا اور عمران سے یہ کہہ کر چلے گئے کہ میں مہدی صاحب کو چھوڑ کر تمہارے لئے کھانا لے کر آتا ہوں...... ان

کے جانے کے بعد کمانڈو عمران نے لالٹین روشن کر دی اور چارپائی پر نیم دراز ہو کر اس انتہائی اہم اور نئے مشن کے بارے میں غور و فکر کرنے لگا...... یہ مشن اس اعتبار سے بہت پیچیدہ اور الجھا ہوا تھا کہ اس میں اصل آپریشن سے پہلے کئی مسائل درپیش تھے...... مثال کے طور پر ان لوگوں کا جزائر انڈیمان میں جانا...... وہاں جائیں تو کس حیثیت سے جائیں...... انڈیمان بھارت کے تسلط میں تھا اور بغیر پاسپورٹ وغیرہ کے ان کا وہاں پہنچنا بذات خود ایک بہت بڑا مسئلہ تھا...... مغربی بنگال اور جزائر انڈیمان کے درمیان خلیج بنگال کا وسیع و عریض اور طوفانی سمندر حائل تھا اور فاصلہ بھی بہت زیادہ تھا کسی سٹیمر یا کشتی پر اتنا طویل اور کالے پانی کے طوفانی سمندر میں سفر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... کمانڈو عمران ان ہی خیالات میں الجھا ہوا تھا کہ اسے حاجی صاحب کی گاڑی کی آواز آئی۔

حاجی صاحب کھانا لے کر آ گئے تھے...... کہنے لگے۔

”میں نے بمبئی ستار سیٹھ کو خفیہ پیغام پہنچا دیا ہے کہ جبران کو فوراً دلی بھیج دیا جائے۔

”یہ آپ نے بڑا اچھا کیا“۔

کھانا کھانے کے بعد کمانڈو عمران نے حاجی صاحب کے آگے ان مسائل کا ذکر چھیڑ دیا جن پر وہ تھوڑی دیر پہلے غور کر رہا تھا اور جو اسے درپیش مشن کے سلسلے میں پریشان کر رہے تھے...... اس نے حاجی صاحب سے کہا۔

”انڈیمان کے جزیرے ہمارے لئے اجنبی ہیں...... پہلی بات تو یہ ہے کہ وہاں پہنچنے کے لئے ہمارے پاس ضروری کاغذات وغیرہ کا ہونا ضروری ہے، ورنہ ہم بندرگاہ پر ہی پکڑے جائیں گے“۔

حاجی صاحب بولے۔

”اس کی تم فکر نہ کرو...... میں نے سارا انتظام سوچ رکھا ہے...... میرے ایک دوست کے پاس جزائر انڈیمان میں جنگل کی کٹائی کا ٹھیکہ ہے...... وہ ایک عرصے سے

وہاں کام کر رہے ہیں...... ان کا نام شیخ کبیر ہے...... جنگل کی کٹائی کے موسم میں وہ انڈیمان میں ہی رہتے ہیں...... جب بارشوں کا سیزن شروع ہو جاتا ہے تو واپس آ جاتے ہیں...... بھارتی حکومت کی طرف سے انہیں وہاں ایک چھوٹا سا بنگلہ ملا ہوا ہے جہاں وہ چھ ماہ اکیلے رہ کر کٹائی کے کام کی نگرانی کرتے ہیں...... شیخ صاحب کے بیوی بچے یہاں دلی میں ہی رہتے ہیں...... انڈیمان میں بارشوں کا موسم ختم ہو رہا ہے اور چند دنوں کے بعد درختوں کی کٹائی کا سیزن شروع ہو جائے گا...... میں ان کو سب کچھ سمجھا لوں گا...... وہ سچے مسلمان ہیں...... جہاد کشمیر اور پاکستان کی سلامتی کی خاطر وہ ہر کام میں پیش پیش رہتے ہیں...... لہٰذا تم لوگوں کو یہ فکر نہیں کرنی چاہئے کہ انڈیمان میں جا کر تم کہاں رہو گے اور تمہارے کاغذات وغیرہ کا کیا بنے گا...... سب انتظام ہو جائے گا...... شیخ صاحب نے انڈیمان میں اپنے پاس لائسنس والا اسلحہ بھی رکھا ہوا ہے، کیونکہ کالے پانی کے جنگل بڑے خطرناک ہیں اور وہاں بڑے بڑے خونخوار درندے رہتے ہیں جو ایک بار آدمی پر حملہ کر دیں تو یا خود مر جاتے ہیں اور یا آدمی کو مار ڈالتے ہیں...... تمہیں وہاں اسلحہ وغیرہ کی جو ضرورت پڑے گی شیخ صاحب اس کا انتظام بھی کر دیں گے...... شیخ صاحب اپنی جماعت کے ہی آدمی ہیں...... وہ ہر ممکن طریقے سے تمہاری مدد کریں گے“۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

”میں نے سنا ہے کہ انڈیمان میں داخل ہونے کے لئے بھارتی باشندوں کو بھی خاص اجازت نامے کی ضرورت ہوتی ہے“۔

حاجی صاحب بولے۔

”یہ آپ نے کہیں سے بالکل غلط سنا ہے...... بھارت میں رہنے والا جزائر انڈیمان میں بلا روک ٹوک داخل ہو سکتا ہے...... البتہ وہاں بندرگاہ کے حکام آنے والے سے یہ ضرور پوچھتے ہیں کہ وہ کتنے دن انڈیمان میں قیام کرے گا اور وہاں کس کے ہاں قیام کرے گا...... اس کا انتظام ہم کر دیں گے...... آپ دونوں شیخ کبیر کے کارندے بن

کر جائیں گے...... شیخ صاحب کی طرف سے میں آپ کو ان کے انڈیمان والے آفس میں تقرری کے کاغذات بھی لے دوں گا...... آپ ٹھہریں گے بھی شیخ صاحب کے کوارٹروں میں...... میرا خیال ہے اب تمہاری تسلی ہو گئی ہو گی"۔

کمانڈو عمران کی واقعی تسلی ہو گئی تھی...... حاجی صاحب نے ان کے تقریباً سبھی مسائل حل کر دیئے تھے...... حاجی صاحب نے عمران سے کہا۔

"یہاں پیچھے ایک میدان ہے...... اس کی دوسری طرف ایک چھوٹی سی آبادی ہے...... تم صبح کو وہاں جا کر ناشتہ بھی کر سکتے ہو اور دوپہر کا کھانا بھی کھا سکتے ہو، مگر تمہیں بڑا محتاط ہو کر جانا ہوگا...... میں کل رات کو مہدی صاحب کے ہمراہ آؤں گا"۔

اس کے بعد حاجی صاحب چلے گئے...... دوسرے دن رات کو وہ مہدی صاحب کو ساتھ لے کر آئے...... مہدی صاحب کہنے لگے۔

"انڈیمان میں مہاشکتی نام کی یہ ایٹمی آرسنل فیکٹری سب سے بڑے جزیرے کے جنوب میں ایک جنگل میں واقع ہے...... یہ مقام چاروں طرف سے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں گھرا ہوا ہے...... وہاں پہنچنے کے لئے ایک تیز رفتار ندی کو بھی عبور کرنا پڑتا ہے...... اس کے علاوہ پہاڑی پگ ڈنڈیاں بڑی دشوار گزار ہیں...... فیکٹری کو آباد علاقے سے ملانے والی صرف ایک ہی سڑک ہے جس پر سے کسی شہری کو گزرنے کی اجازت نہیں ہے...... اس لئے تم لوگوں کو پہاڑی راستوں سے جانا ہوگا...... فیکٹری کے چاروں طرف خاردار تاروں کی اونچی دیوار ہے...... رات کے وقت خاردار تاروں میں برقی رو چھوڑ دی جاتی ہے...... آپ لوگوں کو ان باتوں کا خیال رکھنا پڑے گا اور سیکورٹی کے ان انتظامات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنا منصوبہ تیار کرنا ہوگا...... جو خفیہ دستاویز میں دیکھ کر آ رہا ہوں، ان کے مطابق فیکٹری میں اس وقت تک ایٹم بم کو چلانے والا نیوٹوریم آکسائیڈ کی پہلی کھیپ تیار ہو چکی ہے جسے فیکٹری کے تہہ خانے میں سٹور کر دیا گیا ہے...... اس مہاشکتی فیکٹری کے بارے میں میں جتنی معلومات حاصل

کر سکا ہوں وہ میں نے تمہیں بتا دی ہیں...... اب آگے جو کچھ کرنا ہے تم لوگوں کو خود ہی کرنا ہو گا"۔

کمانڈو عمران کے ذہن کے کمپیوٹر نے ان ساری معلومات کو اپنے اندر موصول کر لیا تھا...... اس کے بعد مہدی صاحب نے حاجی صاحب سے کہا۔

"مجھے جلدی واپس جانا ہے"۔

حاجی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے...... عمران سے کہا۔

"میرا خیال ہے کمانڈو جبران کل شام تک دلی پہنچ جائے گا...... جیسے ہی وہ آیا میں اسے لے کر تمہارے پاس آ جاؤں گا...... اسی دوران میں شیخ کبیر سے مل کر ان سے بھی ساری بات کر لوں گا اور تمہاری تقرری کے کاغذات بھی تیار کروا کر لیتا آؤں گا...... اپنے مشن پر روانہ ہونے سے پہلے میں شیخ صاحب سے تمہاری ملاقات بھی کروا دوں گا...... جو بہت ضروری ہے"۔

حاجی صاحب مہدی صاحب کو لے کر چل دیئے...... عمران ایک بار پھر اپنے مشن کے بارے میں غور و فکر میں کھو گیا...... اسے اپنے دوست اور ساتھی کمانڈو جبران کا شدت سے انتظار تھا...... اس کے ساتھ مل کر ہی کوئی حتمی منصوبہ تیار کیا جا سکتا تھا۔

دوسرے روز شام کا اندھیرا ہونے کے بعد حاجی صاحب آئے تو ان کے ساتھ کمانڈو جبران بھی تھا...... دونوں دوست گلے لگ کر ملے...... حاجی صاحب کہنے لگے۔

"شیخ کبیر سے میں نے تمہارے بارے میں سب تفصیلات طے کر لی ہیں...... وہ تمہاری ہر ممکن مدد کرنے کے لئے دل و جان سے تیار ہیں...... اپنے انڈیمان والے آفس میں وہ تمہیں بطور منشی کے ملازم رکھیں گے اور تمہارے تمام ضروری کاغذات تیار کروا دیں گے جو تمہیں انڈیمان کے سب سے بڑے جزیرے اور جزائر کے دارالحکومت مارشل کی بندرگاہ پر کسٹم کے حکام کو دکھانے ہوں گے...... شیخ صاحب پرسوں انڈیمان جا رہے ہیں...... تم ان کے ساتھ نہیں جاؤ گے، بلکہ دوسرے جہاز میں

بیٹھ کر ان کے بعد وہاں پہنچو گے...... اپنے آفس کا ایڈریس تمہیں بتادیا جائے گا اور تمہاری تقرری کے کاغذات پر بھی لکھا ہوا ہوگا...... تم بندرگاہ پر اترنے کے بعد سیدھے ان کے آفس جاؤ گے جہاں شیخ صاحب تمہیں ملیں گے اور تمہیں گائیڈ کریں گے اور تمہارے کوارٹرز میں بھجوادیں گے...... اب باقی صرف شیخ صاحب سے تمہاری ملاقات ضروری ہے...... اس کے لئے تم دونوں کل سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے نکل کر میرے ہوٹل آجاؤ گے...... میں تمہیں ساتھ لے کر شیخ کبیر کی کوٹھی پر ۔ جاؤں گا"۔

جب سب معاملات طے ہوگئے تو حاجی صاحب چلے گئے...... ان کے جانے کے بعد دونوں کمانڈو دوست سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور اپنے نئے اور انتہائی اہم اور خطرناک مشن کے بارے میں سوچ بچار کرنے لگے۔

دوسرے دن سورج غروب ہونے کے بعد حاجی صاحب کی ہدایت کے مطابق وہ دونوں ان کے ہوٹل جا پہنچے...... حاجی صاحب ان کا انتظار کر رہے تھے...... انہیں دیکھتے ہی ہوٹل سے نکل کر انہیں اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھایا اور بولے۔

"شیخ کبیر کو میں نے ٹیلی فون کر دیا تھا...... ہم ان ہی کے ہاں جا رہے ہیں"۔

جزائر انڈیمان کے مشہور ٹھیکیدار شیخ کبیر دین کی پرانی طرز کی کوٹھی پرانی دلی کے ایک نواحی علاقے میں تھی...... بڑی خاموش اور پرسکون کوٹھی تھی۔

شیخ کبیر صاحب کی عمر پچاس سے اوپر ہو چکی تھی...... شرعی ڈاڑھی مونچھوں میں سفید بال آگئے تھے...... جسم دبلا اور قد درمیانہ تھا...... دلی کے پرانے مسلمانوں کے لباس یعنی شیروانی پاجامے میں تھے...... بڑے تپاک سے ملے...... احتیاط کے طور پر انہیں کوٹھی کے عقبی صحن والے کمرے میں لے آئے...... ان کی تواضع مٹھائی اور چائے سے کی...... جب نوکر برتن وغیرہ اٹھا کر چلے گئے تو وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

سب سے پہلا سوال یہ کیا۔

"کبھی جزائر انڈیمان جانا ہوا ہے تمہارا؟ اسے کالا پانی بھی کہتے ہیں"۔

عمران نے مسکرا کر کہا۔

"بچپن میں سنا تھا کہ جسے انگریز حبس دوام کی سزا سناتا تھا اسے کالے پانی بھیج دیا جاتا تھا"۔

شیخ صاحب ہنس پڑے۔

"بالکل ٹھیک سنا تھا تم نے...... اب بھی تقریباً یہی صورتحال ہے وہاں...... اگرچہ جیلوں میں وہ پہلی والی رونق نہیں ہے، لیکن بھارتی حکومت اپنے سیاسی دشمنوں اور خطرناک مجرموں کو کالے پانی منتقل کر دیتی ہے، لیکن ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا ہے...... انگریزوں کے زمانے میں کالے پانی میں جیل تو ضرور تھی مگر قیدیوں کو اجازت تھی کہ وہ جیل کے باہر رہ کر جزیرے میں محنت مزدوری اور چھوٹا موٹا کاروبار کر سکتے تھے...... غرضیکہ بعض قیدی وہاں شادیاں بھی کر لیتے تھے...... چونکہ یہ عمر قید کے قیدی ہوتے تھے ان میں سے بعض انڈیا سے اپنے بیوی بچوں کو بھی وہاں بلا لیتے تھے...... وہاں انہیں ہر جگہ آنے جانے کی اجازت تھی...... صرف خطرناک قیدیوں کو جیل میں رکھا جاتا تھا...... اس زمانے کے قیدیوں کی کچھ اولادیں آج بھی پورٹ بلیئر انڈیمان کے اہم اور سب سے بڑے جزیرے میں آباد ہیں اور کاروبار کرتی ہیں...... انڈیمان کی سب سے بڑی آفت اور مصیبت وہاں کی آب و ہوا ہے...... تقریباً سارا سال بارشیں ہوتی رہتی ہیں جس کی وجہ سے حبس کی فضا رہتی ہے...... جنگلوں کی طرف سے رات کو ملیریا والے مچھر حملہ کرتے ہیں...... اب تو وہاں کافی سہولت ہو گئی ہے...... ورنہ انگریز کے زمانے میں وہاں گندم نہیں ملتی تھی...... ہر کوئی چاول ہی کھاتا تھا...... اب گندم بھی بھارت سے پہنچ جاتی ہے...... میں بھی یہی کاروبار کرتا ہوں...... یہ عمارتی لکڑی جنگل میں کٹائی اور چیرائی کے بعد بھارت بھیجی جاتی ہے...... وہاں جنگل بڑے گھنے ہیں اور زہریلے کیڑے مکوڑوں سے بھرے ہوئے ہیں...... شیر اور ریچھ کبھی کبھار دیکھنے

میں آتے ہیں، مگر ہاتھی عام پائے جاتے ہیں...... ان جنگلوں میں جھیلیں ، دلدلیں ا
تیز رفتار ندیاں بہتی ہیں...... یہاں کے قدیم جنگلی باشندے چھوٹے قد کے کالے ر
ہوتے ہیں اور ان میں بعض قبیلے ابھی تک آدم خور ہیں...... وہ چھپ کر بھولے بھٹکے
مسافر کو اٹھا کر لے جاتے ہیں اور پھر اسے بھون کر کھا جاتے ہیں...... یہ ساری باتیں
میں اس لئے تمہیں بتا رہا ہوں کہ تم ان خطرات سے ہوشیار ہو کر وہاں اپنا مشن انجا
دے سکو اور تمہیں وہاں کی تمام آفتوں وغیرہ کا علم ہو"۔

شیخ صاحب نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"حاجی صاحب کی زبانی مجھے تمہارے مشن کی نوعیت کا علم ہو گیا ہے...... یہ کا
تمہارے اور میرے دونوں کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے...... تمہاری جا
جا سکتی ہے اور اگر حکومت کو معلوم ہو گیا کہ اس مشن میں میرا بھی ہاتھ تھا تو نہ صرف
یہ کہ میرے خاندان کا مستقبل تباہ ہو جائے گا بلکہ مجھے بھی پھانسی کی سزا ہو جائے گی
لیکن جس طرح تم اسلام اور پاکستان کی سلامتی کی خاطر اپنی جان کی پروا کئے بغیر ا
مشن پر نکل کھڑے ہوئے ہو اسی جذبے کے تحت میں بھی تمہاری مدد کرنے پر آما
ہو گیا ہوں، لیکن میں تم سے صرف ایک گارنٹی لینا چاہوں گا کہ تم بے حد احتیاط
کام کرو گے اور اگر پکڑے گئے تو کسی حالت میں بھی میرا نام زبان پر نہیں لاؤ گے......
اسے تم میری بزدلی سمجھ لو...... میری خود غرضی سمجھ لو...... چاہے کچھ بھی سمجھ لو، مگر
تمہیں یہ گارنٹی دینی پڑے گی...... کیا تم مجھے یہ گارنٹی دیتے ہو؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"میں اور کسی طرح آپ کو یقین نہیں دلا سکتا...... صرف اتنا ہی کہوں گا اور اپ
ساتھی کمانڈو جبران کی طرف سے بھی کہوں گا کہ ہم خدا کو حاضر و ناظر جان کر اقرا
کرتے ہیں کہ اگر ہم پکڑے گئے تو دشمن کی اذیتیں سہتے سہتے موت کو گلے لگا لیں گے
لیکن آپ کا نام زبان پر نہیں لائیں گے...... اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا"۔

شیخ کبیر نے برجستہ کہا۔

"بس...... مجھے یقین آ گیا ہے...... اب ایسا ہے کہ میں تمہیں ایک کاغذ پر ٹائپ کیا
ملازمت کا تقرر نامہ دوں گا...... تم دونوں اسے اپنے پاس رکھ کر اپنے طور پر
یہاں کے لئے روانہ ہو جاؤ گے...... میں تم سے پہلے وہاں پہنچ چکا ہوں گا...... تم
رٹ بلیئر کی بندرگاہ پر یہ تقرر نامہ دکھا کر میرے پورٹ بلیئر والے ہیڈ آفس پہنچ
ؤ گے اور وہاں کام شروع کر دو گے...... تمہاری رہائش کے لئے میں تمہیں ایک ایسا
ارٹر دوں گا جو بھارت کی مہاشکتی فیکٹری سے زیادہ دور نہیں ہے...... درمیان میں
رف ایک جنگل پڑتا ہے...... تم وہاں آفس میں کسی کو اپنا دوست نہیں بناؤ گے......
م سے غرض رکھو گے...... کسی سے زیادہ بات نہیں کرو گے اور کوئی پوچھے کہ تم
گ انڈیا ایسا ماڈرن ملک چھوڑ کر کالے پانی کیوں آ گئے ہو تو تم یہی کہو گے کہ ہم کالے
نی کی سیاحت کرنا چاہتے تھے...... ہمارے پاس پیسے نہیں تھے...... اس کا یہی ایک طریقہ
ا کہ یہاں کسی جگہ چھوٹی موٹی نوکری مل جائے اور ہم ایک دو مہینے یہاں کی سیاحت
ر کے واپس انڈیا چلے جائیں...... تم اپنے آپ کو انبالہ وغیرہ کے مسلمان ظاہر کرو
گے...... انبالے والے جو اردو بولتے ہیں ان میں پنجابی کے الفاظ بھی ہوتے ہیں......
تی تمہیں وہاں ہر قسم کا اسلحہ خفیہ طور پر مل جائے گا...... وہاں سوائے میرے تمہارا اور
وئی رازدار نہیں ہوگا اور اپنا مشن مکمل کرنے کے فوراً بعد تم انڈیمان سے نکل جاؤ
گے...... اگر تمہیں کچھ پوچھنا ہو یا تمہیں کوئی اعتراض ہو تو بتا دو"۔

کمانڈو عمران نے جبران کی طرف دیکھا...... جبران نے کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اور مجھے مزید کچھ پوچھنا بھی نہیں ہے"۔

کمانڈو عمران نے شیخ صاحب سے کہا۔

"مجھے بھی کچھ نہیں پوچھنا اور مجھے کوئی اعتراض وغیرہ نہیں ہے...... یہ بتائیے کہ
ہمیں کب روانہ ہونا چاہئے"۔

شیخ صاحب نے کہا۔

"بھارت ایٹمی پاور بن چکا ہے اور انڈیمان والی فیکٹری میں ایٹم بم کے چلا والے مواد پر بڑے زور شور سے کام جاری ہے...... بھارت کے یہ سارے عزائم پاکستا اور دوسرے چھوٹے مسلمان ممالک کے خلاف ہیں...... اس ناپاک منصوبے میں بھار کی اسرائیل پوری پوری مدد کر رہا ہے...... اگر تم لوگ اس فیکٹری کو تباہ کرنے م کامیاب ہو گئے تو یہ عالم اسلام کی سلامتی کے واسطے ایک بہت بڑا کارنامہ ہو گا"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"ہم یہی عزم لے کر وہاں جا رہے ہیں...... انشاء اللہ ہم اپنے مشن میں ضر کامیاب ہوں گے"۔

شیخ صاحب بولے۔

"اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو...... اب صورت حال یہ ہے کہ میں دو دن کے بع یہاں سے انڈیمان جا رہا ہوں...... کیونکہ وہاں یہی دو ایک مہینے بغیر بارش کے ہو ہیں اور ان ہی دنوں میں جنگل کی کٹائی کا کام ہوتا ہے...... تم لوگ دو دن کے بعد یہا سے روانہ ہو جاؤ گے...... پہلے یہاں سے کلکتے جاؤ گے...... وہاں سے تمہیں انڈیما جانے والا بحری جہاز مل جائے گا...... ٹکٹ بھی وہیں جہاز کی کمپنی والے ہی دیں گے"

آج کل تیز رفتار جہاز چلتے ہیں...... اس موسم میں خلیج بنگال کا سمندر بھی طوفا نہیں ہوتا...... تم اگر صبح کے وقت کلکتے سے روانہ ہوئے تو دوسرے دن صبح کے وق انڈیمان پہنچ جاؤ گے...... جہاز انڈیمان کی سب سے بڑی بندرگاہ اور سب سے بڑ جزیرے پورٹ بلیئر پر لنگر انداز ہوتا ہے...... میں تمہیں جو تقرر نامہ دوں گا اس میرے آفس کا ایڈریس لکھا ہوا ہوگا...... پورٹ بلیئر میں ٹیکسیاں رکشے عام ہیں...... تم آسانی سے میرے آفس پہنچ جاؤ گے...... اس کے بعد تمہیں جو کچھ کرنا ہ وہ میں تمہیں وہاں بتادوں گا"۔

اس کے بعد شیخ صاحب نے شیروانی کی جیب میں ہاتھ ڈال کر بٹوہ نکالا اور اس میں سے سو سو کے دس نوٹ نکال کر عمران کو دیئے اور کہا۔

"یہ تمہارے سفر کے ضروری اخراجات کے لئے ہیں...... ان میں سے تم اپنے لئے نئے کپڑے بھی خرید لینا...... جزیرے میں بابو لوگ زیادہ تر ٹھنڈی پتلون اور قمیض ہی پہنتے ہیں...... کیونکہ وہاں کا موسم خوشگوار ہوتا ہے...... سردی بالکل نہیں ہوتی"۔

پھر کہنے لگے۔

"تمہاری ملازمت کے کاغذات میں کل حاجی صاحب کو پہنچا دوں گا"۔

اس طویل ملاقات کے بعد حاجی صاحب کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران شیخ صاحب سے ہاتھ ملا کر واپس چل پڑے...... راستے میں حاجی صاحب نے کہا۔

"شیخ صاحب بڑے دلیر مرد مجاہد ہیں...... لیکن تمہیں اپنے عہد پر قائم رہنا ہوگا...... اگر خدانخواستہ ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ تم پکڑے گئے تو شیخ صاحب کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالنا...... یہی کہنا کہ تم لوگ اپنے طور پر انڈیمان پہنچے تھے اور چونکہ وہاں رہنے کے لئے کسی جگہ تھوڑی بہت نوکری کی ضرورت تھی، اس لئے تم لوگوں نے شیخ صاحب کے دفتر میں نوکری کر لی"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"حاجی صاحب! اس طرف سے آپ بالکل بے فکر رہیں...... ہماری زبان پر اذیت ناک لمحات میں بھی شیخ صاحب کا نام نہیں آئے گا"۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگوں کو دو دن میرے ہوٹل میں ہی قیام کر لینا چاہئے...... اوپر کی منزل والا ایک کمرہ خالی پڑا ہے...... وہاں رہ لو...... کل شیخ صاحب کی طرف سے تمہارے کاغذات بھی آ جائیں گے...... دو دن چھوڑ کر تم یہاں سے کلکتے روانہ ہو جانا"۔

حاجی صاحب نے عمران اور جبران کو کلکتے کی ایک مشہور سٹیم شپ یعنی جہاز راں کمپنی کا نام اور پتہ بھی بتادیا اور کہا۔

”ان کا دفتر کرزن اسٹریٹ میں ہے...... وہاں سے تمہیں جہاز کا ٹکٹ بھی مل جائے گا اور یہ بھی علم ہو جائے گا کہ جہاز کس روز جاتا ہے...... میرا خیال ہے کہ کلکتے سے انڈیمان ہفتے میں چار مرتبہ جہاز جاتا ہے...... بہر حال یہ تمہیں وہاں پہنچ کر معلوم ہو جائے گا“۔

کمانڈو عمران اور جبران نے حاجی صاحب کے ہوٹل کی دوسری منزل والے کمرے میں ڈیرہ جمالیا...... دن کے وقت وہ بالکل باہر نہیں نکلتے تھے...... شام کے وقت وہ صرف ایک دن مارکیٹ میں گئے اور اپنے لئے دو دو پتلونیں، دو دو قمیضیں اور دوسری ضروریات کی چند ایک چیزیں خریدیں اور انہیں الگ الگ چھوٹے سوٹ کیس میں ڈال کرر کھ لیا...... دوسرے روز شیخ صاحب کی طرف سے انہیں ملازمت کے کاغذات بھی مل گئے...... یہ لفافے میں بند ایک سادہ کاغذ تھا...... (شیخ صاحب نے اپنے آفس پیڈ کو استعمال نہیں کیا تھا) اس پر ٹائپ کیا ہوا تھا کہ عمران اور جبران کو آفس میں بطور منشی اور کیریئر ٹیکر کے محدود مدت کے لئے ملازم رکھا جاتا ہے...... خط کمپنی کے مینجر کی طرف سے تھا...... نیچے مینجر کے دستخط تھے جو پڑھے نہیں جاتے تھے...... صاف لگ رہا تھا کہ اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ دستخط پڑھے نہ جائیں...... عمران اور جبران نے اپنا اپنا لفافہ سوٹ کیس میں سنبھال کرر کھ لیا...... اس کے بعد ایک دن چھوڑ کر یعنی تیسرے دن انہوں نے حاجی صاحب سے اجازت لی اور کلکتے کی طرف روانہ ہو گئے۔

کلکتے پہنچ کر وہ محتاط ہو گئے...... اسی دوران عمران نے صرف اتنا کیا تھا کہ شیو بڑھالی تھی تا کہ وہاں کوئی اس کی شناخت نہ کر سکے، کیونکہ کچھ دن پہلے وہ چندن پور کے ایمونیشن ڈپو کو اڑا چکا تھا اور یقیناً پولیس اس کی تلاش میں تھی...... کلکتے کے سٹیشن سے نکلتے ہی انہوں نے ایک ٹیکسی لی اور شہر کے ایک گنجان آبادی والے علاقے میں

آ کر ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں ایک کمرہ لے لیا...... عمران تو ہوٹل کے کمرے میں ہی رہا...... اس نے جبران کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ جہاز راں کمپنی کے آفس میں جا کر ٹکٹ بھی خریدے اور یہ بھی معلوم کرے کہ جہاز کس روز انڈیمان روانہ ہو گا...... جبران کو وہاں کوئی نہیں پہچانتا تھا...... وہ دن کے دس بجے گیا اور دو بجے واپس آیا...... اس کے پاس کلکتے سے انڈیمان تک کے بحری جہاز ”اندرا“ کے دو تھرڈ کلاس کے ٹکٹ تھے...... اس نے کہا۔

”اندرا نام کا ایک جہاز کل صبح کلکتے کی بندرگاہ سے روانہ ہو گا...... اس کا ٹائم صبح آٹھ بجکر دس منٹ دیا گیا ہے...... ہمیں چھ بجے بندرگاہ پر پہنچ جانا ہو گا، کیونکہ وہاں ہمارا ڈاکٹری معائنہ بھی ہو گا اور انجکشن وغیرہ بھی لگائے جائیں گے“۔

وہ رات کو جلدی سو گئے...... صبح پانچ بجے اٹھے...... نہادھو کر تیار ہوئے اور تھوڑا بہت ناشتہ کر کے ٹیکسی میں سوار ہو کر کلکتے کی بندرگاہ خضر پور جیٹی کی طرف روانہ ہو گئے...... وہ پونے چھ بجے بندرگاہ پر پہنچ گئے...... ٹکٹ دکھا کر بندرگاہ کی عمارت میں داخل ہو گئے...... وہاں ایک ہال کمرے میں انڈیمان جانے والے دوسرے مسافر بھی موجود تھے...... باری آنے پر عمران اور جبران کا میڈیکل ٹیسٹ ہوا اور انہیں دو دو انجکشن لگا دیئے گئے...... اس کام سے فارغ ہو کر وہ بندرگاہ کے بڑے ہال کمرے میں آ کر بیٹھ گئے...... وہاں اور بھی مسافر بیٹھے تھے...... ان میں سکھ حضرات بھی تھے اور پورب کے رہنے والے مزدور لوگ بھی تھے...... چند ایک مارواڑی اور گجراتی کاروباری بھی نظر آ رہے تھے...... عورت اور بچے کسی مسافر کے ساتھ نہیں تھے...... ٹھیک ساڑھے سات بجے اعلان ہوا کہ انڈیمان جانے والے مسافر جہاز پر سوار ہو جائیں...... دوسرے مسافروں کے ساتھ عمران اور جبران بھی قطار میں لگ کر بندرگاہ کے وارف یعنی پلیٹ فارم یا گودی پر آ گئے...... یہاں ایک کافی بڑا دو منزلہ جہاز لنگر ڈالے کھڑا تھا...... تھرڈ کلاس اور فرسٹ کلاس کے عرشوں کی سیڑھیاں لگی ہوئی تھیں...... عمران

اور جبران کے پاس تھرڈ کلاس کے یعنی اوپر والے عرشے کے ٹکٹ تھے...... وہ سیڑھی چڑھ کر جہاز کے ڈیک یعنی عرشے پر آ گئے...... ان کے پاس کوئی سامان اور بستر وغیرہ کچھ نہیں تھا...... ایک طرف سائبان کے نیچے بیٹھ کر باتیں کرتے اور جہاز کے ڈیک پر کام کرتے ملاحوں کو دیکھنے لگے...... ٹھیک آٹھ بجکر دس منٹ پر جہاز چل پڑا...... دوپہر تک جہاز کلکتے کے دریائے ہگلی میں چلتا رہا...... یہ اصل میں دریائے جمنا ہے...... یہ دریا جب کلکتے میں داخل ہوتا ہے تو اس کا نام ہگلی ہو جاتا ہے...... تیسرے پہر دریا کے گدلے پانی میں سمندر کا نیلا پانی بھی شامل ہونا شروع ہو گیا...... دریا کا پاٹ آہستہ آہستہ چوڑا ہوتا جا رہا تھا...... آخر ایک وقت پر دریا کے دونوں کنارے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے...... جہاز اب دریا کے ڈیلٹے میں داخل ہو چکا تھا...... شام کے وقت جہاز سمندر میں آ گیا...... یہ خلیج بنگال کا سمندر تھا جس کے پانی کا رنگ بالکل کوئلے کی طرح سیاہ تھا...... اس وجہ سے اس کا نام کالا پانی پڑ گیا ہے۔

ساری رات جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا...... انہیں بتایا گیا تھا کہ جہاز دوسرے دن صبح کو انڈیمان پہنچے گا، لیکن جہاز دوسرے روز دوپہر کے بعد انڈیمان پہنچا...... دور ہی سے جزیرے کے کالے کالے پہاڑ نظر آنا شروع ہو گئے تھے...... انڈیمان کے جزیرے بنگال کے جنوب میں اور بھارت کے مشرقی ساحل سے دور خلیج بنگال میں واقع ہیں...... ان کی ایک جانب خلیج بنگال کا سمندر ہے اور مشرق کی جانب بحر انڈیمان ہے...... رنگون یہاں سے تین سو میل شمال مشرق میں ہے اور مدراس آٹھ سو میل مغرب میں واقع ہے۔

کالے پانی یعنی جزائر انڈیمان نکوبار کے ساتھ جنگ آزادی کی بہت سی سنسنی خیز کہانیاں وابستہ ہیں...... وہاں جنگ آزادی کے کئی مجاہدین اللہ کو پیارے ہوئے اور انہیں وہیں دفن کر دیا گیا...... ان جزیروں میں جنگ آزادی کے دوران اللہ اکبر کے نعرے گونجتے رہے...... 1973ء میں انڈیا کا گورنر جنرل لارڈ میو جس کے نام پر لاہور کا

میو ہسپتال بنایا گیا تھا...... جزائر انڈیمان کے دورے پر آیا کہ ایک آفریدی پٹھان شیر علی نے چھری سے اس کا کام تمام کر دیا...... شیر علی پکڑا گیا...... اس سے پوچھا گیا کہ اس نے گورنر جنرل کو کیوں قتل کیا...... شیر علی نے کہا...... میں نے اسے خدا کے حکم سے قتل کیا ہے...... شیر علی کو پھانسی کی سزا ہو گئی...... اس نے تختہ دار پر کھڑے ہو کر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا...... بھائیو! میں نے دشمن اسلام کو قتل کر ڈالا ہے...... گواہ رہنا...... میں مسلمان ہوں اور اپنا فرض ادا کر کے مر رہا ہوں"۔

اس نے بلند آواز سے کلمہ شریف پڑھا اور لٹک گیا۔

ان کا جہاز انڈیمان کے سب سے بڑے جزیرے کی بندرگاہ پورٹ بلیئر پر لنگر انداز ہو گیا...... دونوں کمانڈو دوست خاموشی سے نیچے اترے...... بندرگاہ کے باہر آ کر انہوں نے ایک ٹیکسی لی...... ٹیکسی والے کو شیخ صاحب کی کمپنی کا لکھا ہوا پتہ دکھایا اور کہا۔

"ہمیں یہاں لے چلو"۔

وہ جگہ خاصی مشہور تھی...... پندرہ منٹ میں ٹیکسی نے عمران اور جبران کو شیخ صاحب کے آفس کے باہر پہنچا دیا...... یہ ایک چھوٹا سا آفس تھا جو ایک لمبی دکان میں بنا ہوا تھا...... عمران نے دفتر میں داخل ہونے کے بعد ہیڈ کلرک سے ملاقات کی اور اسے شیخ صاحب کا خط دکھایا...... ہیڈ کلرک نے پوچھا...... آپ لوگ کب آئے ہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"سر! صبح کے جہاز سے اترے ہیں"۔

ہیڈ کلرک مسلمان تھا...... تقرری کے خط کو اس نے بڑے غور سے پڑھا...... کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے...... آپ لوگ کل سے دفتر آنا شروع کر دیں...... میں کام آپ کو سمجھا دوں گا"۔

عمران اور جبران ہیڈ کلرک کا شکریہ ادا کر کے دفتر سے نکل آئے...... ان کے

ٹھہرنے کا انتظام شیخ صاحب نے خود آکر کرنا تھا...... ایک دو دن کے لئے انہو
ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ایک کمرہ لے لیا...... رات وہاں گزاری اور دوسر
شیخ صاحب کے آفس پہنچ گئے...... ہیڈ کلرک نے عمران کو ڈاک درج کرنے
سے باہر پوسٹ ہونے والے خطوط کے اندراج کی ڈیوٹی پر لگا دیا...... اسی طرح ج
بھی کلرکی کا کام دے دیا...... وہ الگ الگ کمروں میں بیٹھ گئے اور کام شروع کر دیا۔

دوسرے روز شام کے وقت شیخ صاحب بھی آگئے...... انہوں نے دو
سرسری طور پر عمران اور جبران سے ملاقات کی اور پھر عمران کو اپنے آفس
بلا لیا...... آفس میں اس وقت دونوں تنہا تھے...... تیسرا آدمی کوئی نہیں تھا
صاحب کہنے لگے۔

”آفس میں میں تم سے زیادہ بات چیت نہیں کروں گا...... تم بھی مجھ سے
ملنے کی کوشش نہ کرنا...... اس میں تمہاری بہتری ہے“۔

پھر شیخ صاحب نے دراز میں سے ایک کاغذ نکال کر عمران کو دیا۔

”اس پر اس کوارٹر کا نمبر اور ایڈریس لکھا ہوا ہے جہاں تم دونوں قیا
گے...... میں رات کے وقت تمہیں ملنے آجایا کروں گا اور وہیں مشن کے بار
گفتگو ہوگی...... یہاں تم صرف اپنے کام سے غرض رکھو گے...... دفتر کے دو
سٹاف سے بھی زیادہ تعلقات بڑھانے کی ضرورت نہیں...... باقی تم خود سمجھدار ہ
اب تم جاؤ اور کام کرو“۔

دفتر سے چھٹی کے بعد عمران اور جبران شیخ صاحب کے بتائے ہوئے ایڈر
کوارٹرز میں پہنچ گئے...... یہ پتھر کی دیواروں اور بانس اور کھپریل کی ڈھلواں
والے چار کوارٹر تھے...... جو ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے...... چاروں کوارٹر بالکل
پڑے تھے...... ایک کوارٹر میں دفتر کی پرانی فائلوں وغیرہ کا انبار لگا تھا...... گویا ب
روم تھا...... عمران اور جبران نے ایک کوارٹر پر قبضہ جما لیا...... اس کوارٹر میں د

چارپائیاں اور بانس کی تین چار کرسیاں اور لوہے کی ایک چھوٹی میز تھی...... ساتھ ہی
غسل خانہ تھا...... صحن کے برآمدے میں کچن تھا...... اس شام دونوں کمانڈو دوستوں
نے ہوٹل میں ہی کھانا کھایا اور کوارٹر میں آکر چارپائیوں پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے......
جبران نے کہا۔

”ہمارا بیس کیمپ تو بن گیا ہے...... اب مہاشکتی فیکٹری کا مشاہدہ کرنا ضروری
ہے“۔

عمران بولا۔

”اس بارے میں شیخ صاحب ہی ہماری راہ نمائی کر سکتے ہیں“۔

رات کے گیارہ بجے کے قریب شیخ صاحب بھی آگئے۔



شیخ صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"انڈیمان کیسا لگا تمہیں؟"۔

عمران بولا۔

"اچھا لگا..... جیسے جنوب مشرقی ایشیا کے جزیرے ہوتے ہیں..... ویسے یہ بھ ہے"۔

شیخ صاحب کہنے لگے۔

"یہاں تمہیں ایک ملازمہ مل جائے گی جو تمہیں کھانا وغیرہ پکادیا کرے گی..... عورت انڈیا کی ہے اور عرصہ بیس برس سے اسی جزیرے میں آباد ہے..... ادھیڑ ع عورت ہے..... میریٹی زبان اس کی مادری زبان ہے..... مسلمان ہے..... کم بولتی ہے..... یہی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے"۔

ادھر ادھر کی کچھ باتوں کے بعد کمانڈو جبران نے کہا۔

"شیخ صاحب! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم بھارت کی مہاشکتی اٹامک فیکٹری کا ایک نظر مشاہدہ کرلیں..... شیخ صاحب خاموش ہوگئے..... پھر کہنے لگے۔

"میں جانتا ہوں تمہارے لئے فیکٹری کے گردونواح کا مشاہدہ کرنا بہت ضرور ہے..... فیکٹری کے اندر تو تم نہیں جاسکتے، مگر باہر سے تمہیں اس کا محل وقوع معل ہونا چاہئے"۔

عمران نے کہا۔

"ہمارے مشن کی یہ پہلی سیڑھی ہے..... اسے طے کئے بغیر ہم آگے قدم نہیں بڑھا سکتے"۔

جبران نے کہا۔

"وہاں سیکورٹی کا ظاہر ہے بڑا سخت انتظام ہوگا"۔

شیخ صاحب مسلسل کسی سوچ میں تھے..... کہنے لگے۔

"سیکورٹی کہاں نہیں ہوتی؟ اور پھر جہاں آرسنل اور اٹامک فیکٹری ہو وہاں تو سیکورٹی بہت سخت ہوگی، لیکن تشویش کی ایسی کوئی بات نہیں ہے..... میں کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کرلوں گا..... اب ایسا ہے کہ صبح تم ناشتہ باہر ہی کروگے..... دوپہر سے پہلے ملازمہ آجائے گی..... اس کے ساتھ ہی وہ تمہارے کچن کا کام سنبھال لے گی..... اس کو یہاں سب بائی جی کہتے ہیں..... تم بھی بائی جی ہی کہہ لیا کرنا..... باقی اگر پیسوں کی ضرورت پڑے تو مجھے بتادینا"۔

عمران نے کہا۔

"ابھی ہمارے پاس کافی روپے ہیں..... ضرورت پڑی تو بتادیں گے، لیکن مہاشکتی اٹامک فیکٹری کا مشاہدہ بہت ضروری ہے..... اس کا جلدی سے جلدی بندوبست ہو جانا چاہئے، کیونکہ ہماری اطلاع کے مطابق بھارت نے ایٹم بم چلانے والے نیوٹوریم آکسائیڈ پر کام بڑے زور وشور سے شروع کر رکھا ہے"۔

شیخ صاحب بولے۔

"جتنی تمہیں فکر ہے اس سے زیادہ میں متفکر ہوں..... اگر بھارت ایٹم بم چلانے والا کیمیاوی مادہ تیار کرلیتا ہے تو وہ ایٹمی دوڑ میں ہم سے آگے نکل جائے گا..... اس فیکٹری کا اس کیمیاوی مواد کے تیار ہونے سے پہلے پہلے تباہ کیا جانا بہت ضروری ہے..... میں تمہیں کل آکر کوئی اچھی خبر سناؤں گا..... اب میں چلتا ہوں"۔

شیخ صاحب چلے گئے..... جبران کہنے لگا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ جہاں یہ فیکٹری واقع ہے اس فیکٹری میں کام کرنے سائنس دانوں کے رہائشی کوارٹرز وغیرہ بھی وہیں فیکٹری کے اندر ہی ہوں کیونکہ ہمیں پورٹ بلیئر کے بازاروں میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جس کے سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ کوئی سائنس دان ہے اور پھر فیکٹری میں اسرائیلی دان بھی کام کرتے ہیں"۔

"ظاہر ہے ان لوگوں کی رہائش فیکٹری کے احاطے میں یا اس کے آس پاس ہو گی..... یہ تو شیخ صاحب کے آنے پر ہی معلوم ہو سکے گا کہ صحیح صورت حال کیا

رات کو دونوں سو گئے..... دوسرے دن ایک نوکر آ کر انہیں دو بستر دوسری ضروری چیزیں دے گیا..... صبح ناشتہ کرنے دونوں ساتھی قریبی بستی کی چائے کی دکان پر آ گئے..... یہاں کی آبادی زیادہ تر ہندوستان کے لوگوں پر تھی..... ان میں ملایا فلپائن کے باشندے بھی نظر آ جاتے تھے..... وہاں کے لوگ محنت مزدوری کرتے نظر آتے تھے..... مقامی باشندوں کے رنگ کالے چھوٹے تھے اور وہ عجیب سی زبان میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے..... میں زیادہ تر اردو اور انگریزی ہی بولی جاتی تھی..... ناشتہ کرنے کے بعد وہ اپنے میں واپس آ گئے..... ایک سٹور سے انہوں نے اپنے لئے تولئے، ٹوتھ پیسٹ خریدے..... دس گیارہ بجے کے قریب بائی جی آ گئی..... ادھیڑ عمر کی دبلی سی سانولے رنگ کی مرہٹہ عورت تھی..... وہ اپنے ساتھ ٹوکری میں سبزی گوشت بھی لائی تھی..... عمران اور جبران نے اسے سلام کیا تو اس نے سرسری طور دیا اور کچن میں جا کر اپنے کام میں لگ گئی۔

جبران نے کہا۔

"شیخ صاحب نے اس عورت کے بارے میں ٹھیک ہی کہا تھا کہ بائی جی بات کرتی ہیں"۔

عمران بولا۔

"ہمیں اسی قسم کی ملازمہ کی ضرورت تھی"۔

دوپہر کو بائی جی نے سبزی گوشت کا سالن بنایا جو بڑا مزے دار تھا..... ساتھ چاول بنائے..... وہاں لوگ چاول ہی کھاتے تھے..... عمران اور جبران کوارٹر میں ہی رہے..... تیسرے پہر بائی جی چائے بنا کر لے آئی..... شام سے ذرا پہلے اس نے رات کا کھانا تیار کیا اور چلی گئی..... دونوں نے رسوئی میں بیٹھ کر ہی رات کا کھانا کھایا اور کوارٹر میں آ کر شیخ صاحب کا انتظار کرنے لگے۔

کارنس پر رکھے ہوئے چھوٹے سے کلاک نے جب رات کے ساڑھے دس بجائے تو شیخ صاحب کی جیپ کوارٹر کے عقب میں آ کر کھڑی ہو گئی..... اس روز عمران اور جبران گھریلو مصروفیات کی وجہ سے دفتر نہیں گئے تھے..... ہیڈ کلرک کو انہوں نے بتا دیا تھا کہ وہ کل نہیں آئیں گے..... شیخ صاحب کوارٹر میں آ کر ان کے پاس بیٹھ گئے اور کہنے لگے۔

"میں نے ایک آدمی کا انتظام کر لیا ہے..... وہ اپنا ہی آدمی ہے..... دلی کا رہنے والا ہے..... ایک مدت سے یہاں دینی تبلیغ کا نیک کام کر رہا ہے..... اپنی ہی جماعت کا آدمی ہے..... جہاں تک رازداری کا تعلق ہے اس میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہے..... اس کا نام جان احمد ہے..... وہ اس جزیرے کے تمام علاقوں سے واقف ہے..... بھارت کی مہا شکتی فیکٹری کے سارے حدود اربعہ سے واقف ہے..... سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ دو ایک بار فیکٹری کے اندر بھی سوکھے راشن اور سبزیوں کی سپلائی کے سلسلے میں جا چکا ہے..... وہ کل دوپہر کے بعد جب تم دفتر سے واپس آ چکے ہو گے تو تمہارے پاس آ جائے گا اور تمہیں سب کچھ بتا دے گا کہ کس طرح فیکٹری کے مشاہدے کو جانا رہے گا..... وہ جس طرح کہے اسی طرح کرنا"۔

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد شیخ صاحب واپس چلے گئے..... جاتے ہوئے کہہ گئے کہ میرا

رات کو بار بار یہاں آنا ٹھیک نہیں ہے...... احمد جان تمہیں اپنا پتہ دے دے گا...... سے کوئی خاص بات کرنی ہو تو اس کو کہہ دینا وہ مجھے بتا دے گا...... دوسرے روز عمران اور جبران دوپہر دو بجے تک شیخ صاحب کے آفس میں کام کرتے رہے...... دو بجے کے بعد اپنے کوارٹر میں واپس آگئے...... چار بجے کے قریب احمد جان صاحب آگئے...... شرعی ڈاڑھی تھی...... سانولی رنگت تھی...... عمر زیادہ سے زیادہ پینتیس برس ہوگی...... پاجامہ کرتا پہنا ہوا تھا...... گلے میں تھیلا لٹکا ہوا تھا...... شیخ صاحب نے انہیں ہماری فوٹو دکھادی ہوئی تھی...... انہوں نے آتے ہی ہمیں گھور کر دیکھا...... پھر سلام علیکم کہہ کر ہاتھ ملایا اور بولے۔

"تم میں عمران کون ہے اور جبران کون ہے؟"۔

دونوں نے احمد جان سے اپنا اپنا تعارف کرایا...... وہ کمرے میں چارپائی پر بیٹھ گئے...... کہنے لگے۔

"مہاشکتی فیکٹری کے اندر اور باہر دونوں جگہوں پر سیکورٹی کا اس قدر زبردست انتظام ہے کہ بلا مبالغہ کوئی چڑیا بھی وہاں پر نہیں مار سکتی"۔

عمران نے کہا۔

"لیکن احمد جان صاحب! ہمیں تو ہر حالت میں اس کے محل وقوع کا بھرپور قریب سے جائزہ لینا ہے"۔

احمد جان بولے۔

"آپ کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے...... میں آپ کے مشن کی نوعیت سے واقف ہوں...... مجھے معلوم ہے کہ جب تک آپ مشاہدہ نہیں کرلیں گے آپ قدم نہیں اٹھا سکیں گے...... میں اسی لئے آپ کے پاس آیا ہوں اور شیخ صاحب نے بھی مجھے اسی مقصد کی خاطر آپ کے پاس بھیجا ہے...... سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم اس لباس میں فیکٹری کے قریب ہرگز نہیں جا سکیں گے"۔

جبران بولا۔

"تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"۔

"ہمیں حلیہ بدل کر جانا ہوگا"۔

احمد جان نے کہا...... "حلیہ بدلنے سے مراد یہ ہے کہ ہمیں جنگل میں لکڑیاں کاٹنے والے مزدوروں کا حلیہ بنانا ہوگا...... یہاں جنگل میں کٹائی کرنے والے مزدور کس قسم کا لباس پہنتے ہیں، مجھے معلوم ہے...... میں کل اسی وقت آؤں گا اور اپنے ساتھ مزدوروں والے کپڑے بھی لیتا آؤں گا...... ہم اسی کمرے میں اپنا حلیہ تبدیل کریں گے اور پھر مہاشکتی فیکٹری کے قریبی جنگل میں جاکر درختوں کی کٹائی کرنے لگیں گے...... اس کے بعد موقع دیکھ کر میں آپ لوگوں کو اپنے ساتھ مشاہداتی مہم پر لے جاؤں گا...... مجھے امید ہے کہ تم دونوں میری بات اچھی طرح سمجھ گئے ہوگے۔

عمران بولا۔

"ہم حرف بہ حرف سمجھ گئے ہیں"۔

"تو ٹھیک ہے" احمد جان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں کل اسی وقت آؤں گا"۔

احمد جان کے جانے کے بعد جبران بولا۔

"یہ آدمی کافی تجربہ کار اور ہوشیار لگتا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میں نے بھی یہی اندازہ لگایا ہے...... بہرحال ہمیں کل کے لئے بالکل تیار رہنا چاہئے"۔

دوسرے روز اپنے بتائے ہوئے وقت پر احمد جان آگیا...... کندھے سے ایک بڑا تھیلا لٹک رہا تھا...... کوارٹر میں آکر وہ چارپائی پر بیٹھ گیا اور تھیلے میں نیلے رنگ کا ایک میلا سا پاجامہ اور اسی رنگ کی صدری نکال کر انہیں دکھا کر کہنے لگا۔

"یہاں جنگل میں کٹائی کرنے والے مزدوروں کا یہی پہناوا ہوتا ہے...... نیلا پاجامہ اور نیلی صدری، اس وقت میرے پاس ہم تینوں کے لئے یہ لباس موجود ہے...... میں تین کلہاڑیاں بھی ساتھ لایا تھا جو میں نے راستے میں ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپادی ہیں...... یہاں سے جاتے وقت ہم وہاں سے اٹھالیں گے...... اچھا ہوا کہ تم لوگوں نے آج ڈاڑھی نہیں مونڈھی اور تمہاری شیو بڑھی ہوئی ہے...... اب تم دونوں یہ کپڑے پہن لو"۔

عمران اور جبران نے فوراً نیلا پاجامہ اور نیلی صدری پہن لی...... ان دونوں کی شیو بڑھی ہوئی تھی...... انہوں نے پاؤں میں چپلیں پہن لیں...... تھوڑی دیر بعد ان تینوں کے حلیے بالکل جنگل کی کٹائی کرنے والے مزدوروں والے ہو گئے تھے...... احمد جان نے انہیں ساتھ لیا اور کوارٹر کے عقب سے ہو کر وہ درختوں کی طرف نکل گئے...... وہاں ایک جگہ جھاڑی میں اس نے تین مختلف سائز کی پرانی کلہاڑیاں چھپائی ہوئی تھیں...... انہوں نے کلہاڑیاں نکال کر ایک ایک تھام لیں...... احمد جان نے کہا۔

"انہیں اپنے کندھوں سے لٹکالو...... یہاں کے مزدور اس طرح لٹکائے رکھتے ہیں"۔

انہوں نے کلہاڑیاں اپنے اپنے کندھوں سے لٹکالیں...... چلتے چلتے عمران کی کلہاڑی دو ایک بار نیچے گر پڑی...... اس کے بعد اس نے اسے پوری طرح سے کندھے پر جمالیا...... انڈیمان میں جنگل شہر کی آبادیوں سے نکلتے ہی شروع ہو جاتے ہیں...... سارے کے سارے جزیروں میں پہاڑیاں اور گھنے جنگل ہیں...... چلتے چلتے انہیں پسینہ آگیا...... احمد جان بولا"۔

ہمیں پسینے میں شرابور ہو جانا چاہئے...... یہاں حبس بہت ہوتا ہے...... جنگل کوئی مزدور ایسا نہیں ملے گا جو پسینے میں شرابور نہ ہو۔

احمد جان ان دونوں کو گھاٹیوں اور کھڈوں میں سے گزارتا ایک اونچے ٹیلے کے

عقب میں لے آیا...... یہاں پہنچ کر وہ رک گیا...... کہنے لگا۔

"یہاں تھوڑی بہت درختوں کی پتلی ٹہنیاں کاٹ کر ان کے چھوٹے چھوٹے گٹھے بنا کر اپنے کندھوں پر رکھ لو"۔

انہوں نے ایسا ہی کیا...... ہر ایک نے کلہاڑی کی مدد سے درختوں کی پتلی شاخیں کاٹ کر ان کا گٹھا بنایا اور اپنے کندھے پر رکھ لیا...... اس کے بعد کلہاڑیاں انہوں نے ہاتھوں میں تھام لیں۔

احمد جان نے دور سے نظر آنے والے ٹیلے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہمیں اس ٹیلے کے پاس جانا ہے...... مہاشکتی فیکٹری اس ٹیلے کے دوسری طرف ہے...... میں تمہیں ٹیلے کے اوپر لے چلوں گا، وہاں سے تم نیچے فیکٹری کا بھرپور مشاہدہ کر سکو گے"۔

جنگلاتی راستوں پر جھاڑیوں اور جنگلی بیلوں کو ادھر ادھر ہٹاتے دو ایک گھنٹے میں فیکٹری والے ٹیلے پر پہنچے...... احمد جان خود بھی ایک گھنی جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ گیا اور کمانڈو عمران اور جبران کو بھی اپنے پاس بٹھالیا...... وہ دھیمی آواز میں بات کرنے لگا تھا...... اس نے کہا۔

"یہاں سے مہاشکتی فیکٹری کا سیکورٹی زون شروع ہو جاتا ہے، کیونکہ فیکٹری ٹیلے کی دوسری جانب باریک پیالہ نما چھوٹی سی وادی میں ہے جس کی چاروں جانب ٹیلے ہیں"۔

کمانڈو جبران نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"کہیں اس ٹیلے پر فوج نے کوئی مشین گن پوسٹ تو نہیں بنا رکھی"۔

احمد جان بولا۔

"نہیں...... اس کی میں تصدیق کر چکا ہوں...... اس ٹیلے کے اوپر یا دوسری طرف ڈھال پر کوئی مشین گن پوسٹ نہیں ہے...... البتہ فیکٹری کے مین گیٹ پر اور خاردار تاروں والی چار دیواری کے ساتھ ساتھ تین چار مشین گن پوسٹیں بنی ہوئی ہیں، لیکن

تمہیں اس طرف جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی...... میں محض احتیاط کے طور پر یہاں اونچی آواز میں تم لوگوں سے بات نہیں کر رہا، کیونکہ یہ سیکورٹی زون ہے اور کچھ پتہ نہیں کہ انڈین فوج نے یہاں خفیہ آلات لگا رکھے ہوں...... ہمیں کبھی بھی یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ ہمیں دشمن کا میدان صاف ملے گا"۔

عمران کو احمد جان کی یہ بات بڑی اچھی لگی...... ایک کمانڈو کے لئے یہ بہت اہم سبق تھا...... کمانڈو جبران نے احمد جان سے سوال کیا۔

"فیکٹری کے ارد گرد جو خاردار باڑ لگائی گئی ہے...... اس کی صورت حال کیا ہے...... کیا اس میں برقی رو بھی چھوڑی گئی ہے؟"۔

احمد جان نے کہا۔

"میری معلومات کے مطابق خاردار باڑ کی دیوار میں نیچے کے دس تاروں اور اوپر کے دس تاروں میں برقی رو دن رات دوڑتی ہے، چنانچہ آپ لوگ اس بات کو بھول جائیں کے آپ خاردار تاروں کو کاٹ کر فیکٹری میں داخل ہو سکیں گے...... اگر آپ ربڑ کے دستانے پہن کر بھی تار کاٹیں گے تو تاروں کے کٹتے ہی وہاں زبردست دھماکہ ہو گا اور فیکٹری کی سیکورٹی الرٹ ہو جائے گی اور تم لوگوں کو فرار ہونے کا بھی راستہ نہیں مل سکے گا"۔

کمانڈو عمران کہنے لگا۔

"ہمیں کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا ہو گا"۔

احمد جان بولا۔

"اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا...... ابھی تو آپ لوگ میرے ساتھ ٹیلے کے اوپر چڑھ کر فیکٹری کا مشاہدہ کریں اور یہ دیکھیں کہ کس کس مقام پر مشین گن کے مورچے ہیں اور کون کون سی جگہوں پر دن رات فوجی جوان پہرہ دیتے ہیں...... میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ"۔

رات کا اندھیرا چھا گیا تھا...... ٹیلے کی ڈھال جھاڑیوں اور لمبی گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی...... کہیں کہیں اندھیرے میں چھتری دار درختوں کے خاکے بھی نظر آ رہے تھے...... ان کے گائیڈ احمد جان نے ٹیلے کی چوٹی پر جانے کا ایک محفوظ مگر ذرا لمبا راستہ اختیار کیا تھا...... ایک دوسرے کے آگے پیچھے بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتے وہ ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ گئے...... چوٹی پر آتے ہی احمد جان کے ساتھ کمانڈو عمران اور جبران بھی بیٹھ گئے...... احمد جان نے ٹیلے کی دوسری طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا...... عمران اور جبران نے دوسری طرف جھک کر دیکھا۔

ٹیلے کی ڈھلان جہاں ختم ہوتی تھی وہاں تین چار بتیاں روشن تھیں...... یہ روشنیاں خاردار تار کے کھمبوں کے اوپر لگے ہوئے بجلی کے قمقموں کی تھیں...... ایک پیالہ نما چھوٹی سی وادی مین تین بارکوں کی چھتیں دکھائی دے رہی تھیں...... یہ بارک کے آگے کھمبے پر بلب کی روشنی تھی...... وہاں کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ یہاں بھارت کی ایک بہت بڑی ایٹمی فیکٹری ہے...... کمانڈو عمران نے احمد جان کو سرگوشی میں کہا۔

"یہ فیکٹری لگتی نہیں"۔

احمد جان نے کہا۔

"سارا کام زمین کے نیچے تہہ خانوں میں ہوتا ہے...... اوپر تو صرف دفتر بنے ہوئے ہیں"۔

ایک جانب فیکٹری کا گیٹ تھا...... وہاں بھی روشنی تھی...... اس روشنی میں کمانڈو عمران کو گیٹ کی بائیں جانب چبوترہ سا نظر آیا...... اس نے کمانڈو جبران کو وہ چبوترہ دکھاتے ہوئے کہا۔

"یہ مشین گن کا مورچہ ہی ہو سکتا ہے"۔

ایک اور بات کمانڈو عمران نے نوٹ کی کہ وہاں رات کے وقت کوئی پٹرول پارٹی

گشت نہیں لگا رہی تھی...... جب اس نے اس کا ذکر کیا تو احمد جان بولا۔

"اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بھارت کی اس فیکٹری کی انتظامیہ ا سیکورٹی کو معلوم ہے کہ ایک تو یہ جگہ انڈیا سے ہزاروں میل دور ہے...... دوسرے ایک ایسا جزیرہ ہے جہاں کوئی دہشت گرد بھی نہیں پہنچ سکتا...... اس کے باوجود یہا سیکورٹی کا بڑا خطرناک انتظام کیا گیا ہوگا"۔

کمانڈو عمران نے احمد جان سے کہا۔

"آ جاؤ...... واپس چلتے ہیں...... میں نے جو کچھ دیکھنا تھا دیکھ لیا ہے"۔

تینوں طویل اور خفیہ راستوں سے ہوتے ہوئے کمانڈو عمران کے نئے ٹھکا یعنی اس کے کوارٹر میں آ گئے...... احمد جان نے عمران سے پوچھا۔

"کیا خیال ہے تمہارا؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ فیکٹری کے اندر رات کے وقت جانا تقریباً ناممکن ہے۔ سب سے بڑی رکاوٹ کانٹے دار تار کی دیوار ہے جس کے اوپر اور نیچے بجلی کی رو چھوڑ ہوئی ہے"۔

کمانڈو جبران نے عمران کے خیال کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ بھی تو نہیں ہے"۔

عمران بولا۔

"کوئی دوسرا راستہ سوچنا پڑے گا...... تلاش کرنا پڑے گا"۔

یہاں احمد جان کہنے لگا۔

"دوسرے راستے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"دوسرے راستے سے مطلب یہ ہے کہ ہمیں کسی نہ کسی روپ یا حلیے میں فیکٹ

میں کام کرنے والے آدمیوں کے ساتھ فیکٹری میں داخل ہو کر اپنے آپریشن کو انجام دینا ہوگا"۔

کمانڈو جبران بولا۔

"ہمارے لئے یہ بالکل اجنبی جگہ ہے...... اجنبی ماحول ہے...... ہم فیکٹری میں کام کرنے والے سٹاف تو کیا کسی مزدور کی شکل سے بھی واقف نہیں ہیں"۔

احمد جان کہنے لگا۔

"مجھے ایک دن کی مہلت دو...... میں کوئی نہ کوئی راستہ نکالنے کی کوشش کروں گا"۔

احمد جان اس کے بعد چلا گیا۔

دوسرے روز کمانڈو عمران اور جبران دونوں حسب معمول شیخ صاحب کے آفس اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گئے...... ان کی آفس میں شیخ صاحب سے بہت کم ملاقات ہوتی تھی...... آمنا سامنا ہو بھی جاتا تو عمران اور جبران صرف سلام کر کے آگے نکل جاتے تھے...... شیخ صاحب کی طرف سے انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ آفس میں ان سے بات کرنے کی کوشش نہ ہی کی جائے تو بہتر ہے، کیونکہ وہاں سی آئی ڈی والوں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی...... اگرچہ ابھی تک عمران اور جبران کو کوئی خفیہ کا آدمی نظر نہیں آیا تھا...... دونوں کو اس قدر تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ سی آئی ڈی والے کو فوراً پہچان لیتے تھے۔

ایک دن گزر گیا...... رات کو شیخ صاحب اور احمد جان میں سے کوئی بھی عمران جبران کے کوارٹر میں نہ آیا...... دوسرے دن شام کے وقت احمد جان آ گیا...... کمانڈو عمران نے کافی بنائی...... کافی پیتے ہوئے وہ باتیں کرنے لگے۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"احمد بھائی! پھر کچھ سوچا تم نے؟"۔

احمد جان کہنے لگا۔

"سوچا ضرور ہے مگر جو کچھ میں نے سوچا ہے وہ عملی طور پر مشکل لگتا ہے"۔

"مثلاً کیا سوچا ہے تم نے؟"۔

احمد جان بولا۔

"مہاشکتی فیکٹری میں زیر زمین جہاں لیبارٹری ہے اور جہاں ایٹم بم کو چلانے والے کیمیاوی محلول کو تیار کیا جاتا ہے، وہاں ایک نیا سٹور بنایا گیا ہے جس کا ان دنوں بجلی کی وائرنگ اور سوئچ بورڈوں کی فٹنگ کا کام ہو رہا ہے...... اس کام کا ٹھیکہ ایک انڈین کو دیا گیا ہے جو بیس پچیس سال سے جزائر انڈیمان میں کام کر رہا ہے...... اس آدمی کا نام پرشوتم داس ہے اور وہ مراد آباد کا رہنے والا ہے اور بڑا کٹر کانگریسی ہے...... اس کو اعتماد میں لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... اس ٹھیکیدار نے چھ آدمی کام پر لگائے ہوئے ہیں جو روزانہ فیکٹری میں جا کر کام کرتے ہیں...... ان چھ آدمیوں میں سے ایک الیکٹریشن مسلمان ہے اور میرا دوست ہے اور پاکستان اور کشمیری مجاہدین کا عاشق ہے...... اس سلسلے میں اس سے مدد لی جا سکتی ہے"۔

کمانڈو جبران نے پوچھا۔

"کیا وہ فیکٹری کے تہہ خانوں میں بم لے جا کر لگائے گا؟"۔

احمد جان نے کہا۔

"میرا خیال ہے وہ ایسا نہیں کرے گا، لیکن وہ ایسا کر سکتا ہے کہ کسی دن اپنی جگہ پر تم میں سے کسی کو فیکٹری میں بھیج دے"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" عمران نے اعتراض کیا۔

احمد جان بولا۔

"میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو...... بظاہر ایسا نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر وہ بیماری کا بہانہ بنا کر یہ کہہ دے کہ میں کل نہیں آؤں گا اور میری جگہ پر میرا چھوٹا بھائی کام کرنے آجائے گا، ر تم فیکٹری کے تہہ خانے میں بم لگانے میں کامیاب ہو جاتے ہو اور فیکٹری دھماکے سے اڑ جاتی ہے تو قدرتی طور پر ملٹری انٹیلی جنس میرے دوست کو

پکڑ لے گی کہ تم جس آدمی کو اپنا چھوٹا بھائی ظاہر کر کے لائے تھے وہ کہاں ہے، لیکن عمران بھائی...... یقین کرو میرا دوست اس قومی خدمت کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو بھی تیار ہو جائے گا...... میں اس کے جذبوں کو جانتا ہوں...... وہ یہاں تین چار سال سے مقیم ہے، اس کی بجلی کی چھوٹی سی دکان ہے...... اس کا یہاں آگے پیچھے کوئی نہیں ہے...... وہ اکیلا جزیرے میں رہ رہا ہے...... اگر تم لوگ فیکٹری کو اڑانے میں کامیاب ہو جاتے ہو تو میرا دوست یہاں سے فرار ہو جائے گا...... اسے فرار ہونے کے سارے طریقے آتے ہیں"۔

احمد جان کی باتوں سے عمران اور جبران کچھ کچھ متاثر ہوتے نظر آرہے تھے......

عمران نے کہا۔

"لیکن مہاشکتی فیکٹری ایک انتہائی حساس جگہ ہے...... تمہارا دوست فیکٹری کے متعلقہ افسروں کو اپنی جگہ پر اپنے بھائی کو بھجوانے پر کس طرح راضی کرے گا"۔

احمد جان بولا۔

"یہ کام تم میرے دوست پر اور مجھ پر چھوڑ دو...... یہ بتاؤ کہ کیا تم میں سے کوئی فیکٹری کے زمین دوز تہہ خانے میں جا کر بم پلانٹ کر سکے گا؟"۔

کمانڈو عمران کہنے لگا۔

"اگر ہم میں سے کسی کو فیکٹری کے تہہ خانے میں جانے کا موقع مل جاتا ہے تو وہاں بم پلانٹ کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے...... صرف ہمیں چھوٹے سائز کے انتہائی دھماکہ خیز ٹائم بم مہیا ہو جانے چاہئیں"۔

احمد جان نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو...... چھوٹے سے چھوٹے سائز کے ٹائم بم تمہیں مہیا کرنا میرا کام ہے...... یہ بتاؤ کہ تم میں سے کون اس مشن پر جانے کی حامی بھرتا ہے"۔

عمران بولا۔

"میں اس مشن پر جانے کو تیار ہوں"۔

"بس ٹھیک ہے" احمد جان نے کہا...... "اب مجھے اپنے دوست سے بات کر لینے دو"۔

"تمہارے اس دوست کا نام کیا ہے؟" جبران نے پوچھا۔

احمد جان بولا۔

"اس کا نام عبدالکریم ہے...... عمر یہی کوئی تیس بتیس سال ہو گی...... اس نے شادی وغیرہ نہیں کی...... اکیلی جان ہے، جس جگہ دکان کرتا ہے اسی دکان کے اوپر چوبارے میں رہتا ہے...... میں کل اس سے بات کروں گا اور پھر کل رات کو اسے اسی جگہ اپنے ساتھ لیتا آؤں گا"۔

احمد جان جب چلا گیا تو جبران اور عمران اس موضوع پر آپس میں باتیں کرنے لگے...... جبران کہنے لگا۔

"معاملہ بڑا نازک لگتا ہے...... میرا خیال ہے کہ اس قسم کی انتہائی حساس اور اہم ترین فیکٹری کی متعلقہ انتظامیہ کسی الیکٹریشن کے بیمار پڑنے پر متبادل کے طور پر دوسرے الیکٹریشن کو اندر آنے کی اجازت نہیں دے گی"۔

عمران نے کہا۔

"لیکن اگر یہ شخص عبدالکریم دل سے چاہے کہ ایسا ہو تو وہ متعلقہ افسر کو قائل کر سکتا ہے، کیونکہ انتظامیہ کو تو کام چاہئے اور پھر وہ لوگ سٹور کو جلد سے جلد مکمل کرنے کے خواہشمند ہوں گے...... دیکھا جائے تو انہیں کوئی خاص شک شبہ بھی نہیں پڑ سکتا...... ایک ہی دن کے لئے تو متبادل آدمی آئے گا"۔

جبران کہنے لگا۔

"اگر ایسا ہو جائے تو بڑی اچھی بات ہے...... ہم تو چاہتے ہیں کہ ایسا ہو...... دیکھیں کل کیا ہوتا ہے...... احمد جان اپنے آدمی عبدالکریم کو لے کر آ رہا ہے......

کی باتوں سے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ شخص اپنے مقصد میں کامیاب ہو گا یا نہیں"۔

دوسرے روز عمران اور جبران شیخ صاحب کے آفس میں خاموشی سے کام کرتے رہے...... دو بجے کے بعد جب آفس میں چھٹی ہوئی تو دونوں اپنے کوارٹر میں واپس آ گئے...... بائی جی نے انہیں چائے بنا کر دی اور رات کے لئے کھانا پکانے میں مصروف ہو گئی۔

رات کا پہلا پہر ہی گزرا تھا کہ احمد جان آ گیا...... اس کے ساتھ اس کا دوست عبدالکریم بھی تھا...... اس نے عبدالکریم کا ان سے تعارف کروایا...... احمد جان کہنے لگا۔

"میں نے عبدالکریم کو ساری بات بتا دی ہے...... یہ ہماری مدد کرنے کے لئے تیار ہو گیا ہے"۔

کمانڈو عمران اور جبران کو کچھ حیرانی ضرور ہوئی...... احمد جان نے بڑی جلد بازی سے کام لیا تھا...... اس قسم کے راز اتنی جلدی دوسرے کو نہیں بتائے جاتے، لیکن اب اس نے بات کھول دی تھی تو کچھ نہیں ہو سکتا تھا...... عبدالکریم اچھے قد کاٹھ کا آدمی تھا...... آنکھوں میں ذہانت اور چہرے پر متانت تھی...... اس کے بشرے سے لگتا تھا کہ یہ آدمی بڑا گہرا ہے اور بڑی قوت ارادی کا مالک ہے...... عمران کو اس قسم کا آدمی چاہئے تھا...... عبدالکریم نے بغیر کسی تمہید کے بات ہی یہاں سے شروع کی کہ میں خود اس فیکٹری کو تباہ کرنا چاہتا ہوں، لیکن میں اس قسم کی دھماکہ خیز سرگرمیوں سے بالکل بے بہرہ ہوں۔

"اگر آپ لوگوں میں سے کوئی ایسا کام کر سکتا ہے تو یہ اسلام اور پاکستان کی بہت بڑی خدمت ہو گی...... میں آپ کی ہر ممکن مدد کروں گا اور آپ کا پورا پورا ساتھ دوں گا"۔

"فیکٹری کی انتظامیہ بہت جلد یہ کام مکمل کرنا چاہتی ہے...... ہمارا متعلقہ افسر ایک ریٹائرڈ فوجی بھولا رام ہے...... اس نے ٹھیکیدار کو ہمارے سامنے کہہ دیا تھا کہ

کوشش کرو کہ الیکٹرک وائرنگ اور دوسرا فٹنگ وغیرہ کا کام پندرہ دنوں کی بہ
سات دن کے اندر اندر ختم ہو جائے...... جب میں نے اسے کہا کہ میں ایک دن
لئے کسی ضروری کام سے جا رہا ہوں اور میری جگہ میرا چھوٹا بھائی کام کرے گا تو
رام فوراً تیار ہو جائے گا، کیونکہ اسے کام چاہئے...... یہ تو وہ کالے پانی میں بیٹھ کر
بھی نہیں سکتا کہ کشمیری مجاہدین کے ساتھی یہاں بھی پہنچ سکتے ہیں“۔

”پھر تم کوشش کر کے دیکھ لو...... تمہاری جگہ پر میں جانے کو تیار ہوں“ ع
نے کہا...... عبدالکریم کہنے لگا۔

”اگر فرض کر لیا تم لوگ فیکٹری میں دھماکہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہو
فیکٹری تباہ ہو جاتی ہے اور بعد میں فوج تحقیقات شروع کرتی ہے اور فوج کو مجھ پر
پڑ جاتا ہے کہ اس روز عبدالکریم کا بھائی ایک نیا آدمی فیکٹری میں داخل ہوا تھا اور
مجھے حراست میں لینے کے لئے آتے ہیں تو میں انہیں دکان یا گھر پر ہرگز نہیں
گا...... میں اس جزیرے کے دشوار گزار خطرناک جنگلوں میں ایسی جگہ روپوش ہو جا
گا کہ بھارتی فوج اگر ساری زندگی بھی مجھے تلاش کرتی رہے تو وہ مجھے پکڑنے
کامیاب نہیں ہو سکے گی...... اس کے بعد میں یہاں سے خفیہ طور پر برما کی طرف
جاؤں گا...... مجھے سارے طریقے آتے ہیں“۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

”اس طرح تو آپ کو بہت بڑی قربانی دینی پڑے گی“۔

عبدالکریم بولا۔

”جس مقصد کو لے کر آپ لوگ کالے پانی کے جزیروں میں آئے ہیں
مقصد کی خاطر میں اس سے بھی بڑی قربانی دینے کو تیار ہوں...... یہ تو کچھ بھی
ہے...... میرا کیا ہے...... میں تو اکیلا ہوں...... ہنر میرے ہاتھ میں ہے...... جہاں ج
گا اپنی روٹی کما لوں گا“۔

عبدالکریم کے اس جذبے کو دیکھ کر کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران بہت خوش
ہوئے...... احمد جان بولا۔

”میں نہ کہتا تھا کہ میرا دوست عبدالکریم پورا مجاہد ہے“۔

عمران نے احمد جان کے جذبے کی بھی تعریف کی...... پھر کہا۔

”یہ کام تو کسی نہ کسی طرح ہو جائے گا...... اب دوسرا کام چھوٹے سائز کے ٹائم
بموں کا ہے...... اس کا انتظام کیسے ہو گا؟“۔

”اس کا انتظام بھی ہو جائے گا...... تم فکر نہ کرو...... تم یہ بتاؤ کہ یہ آپریشن کب
شروع کرنے کا ارادہ ہے“۔

عمران بولا۔

”میری طرف سے کل ہی یہ کام کر ڈالتے ہیں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ کریم بھائی
ہمیں تہہ خانے کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات دے دیں تاکہ ہمیں پتہ چل سکے
لہ ہمیں کس جگہ بم لگانے ہوں گے“۔

احمد جان نے عبدالکریم کی طرف دیکھا...... عبدالکریم کہنے لگا۔

”مجھے اس مہاشکتی فیکٹری میں آتے جاتے ابھی صرف چھ سات روز ہی ہوئے
یں...... میں صرف اس قدر مشاہدہ کر سکا ہوں کہ زمین کے اندر ایک لفٹ کے ذریعے
بانا پڑتا ہے...... نیچے چار زمین دوز کمرے ہیں...... یہ چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں......
فٹ سے نکل کر ہم ایک سرنگ نما راہداری میں سے گزرتے ہیں...... سب سے پہلے
ئیں ہاتھ کو ایک کمرہ آتا ہے جس کے اندر کئی مشینیں لگی ہیں...... پندرہ سولہ کمپیوٹر ہر
قت کام کرتے رہتے ہیں...... دوسرے کمرے میں بھی دیوار کے ساتھ ساتھ بے شمار
ائل لگے ہوئے ہیں...... سامنے کی جانب ایک لمبا پینل ہے جہاں ایک قطار میں بیٹھے
وئے چھ سات سائنس دان یا جو کوئی بھی وہ ہیں کمپیوٹروں پر انگلیاں چلاتے رہتے
ہا...... کمرہ نمبر تین میں جو دوسرے کمرے کے ساتھ ہی ہے درمیان میں ایک گول

دائرہ سا بنا ہوا ہے...... جو فرش سے چار فٹ اونچا ہے...... اس کی دیواریں گولائی کی شکل
میں ہیں...... سائنس دان یہاں ہر وقت اس کے اندر لمبی لمبی آہنی ہکوں سے کچھ رکھتے
اور اٹھاتے رہتے ہیں...... میرا خیال ہے کہ یہی کمرہ سب سے اہم ہے اور یہی
لیبارٹری ہے جہاں کوئی بڑا خطرناک مواد تیار کیا جا رہا ہے''۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

''یہی کمرہ ہمارا ٹارگٹ ہو گا''۔

عمران سمجھ گیا تھا کہ ایٹم بم کو چلانے والا کیمیاوی محلول اسی کمرے میں تیار
جا رہا ہے...... اس نے عبدالکریم سے پوچھا۔

''ان کمروں کے باہر سیکورٹی کی کیا پوزیشن ہے''۔

کریم نے کہا۔

''تہہ خانے کی راہ داری میں اور کمروں کے باہر کوئی سیکورٹی گارڈ نہیں ہوتا
جتنی سیکورٹی ہے وہ تہہ خانے کے اوپر ہی ہے...... جتنی چیکنگ ہوتی ہے سب کی
تہہ خانے کے اوپر ہی ہوتی ہے...... خاص طور پر جب لفٹ میں سوار ہوتے وقت
ایک کی تلاشی لی جاتی ہے...... اس طرح تہہ خانے سے باہر نکلتے وقت بھی ہم سب
اپنی تلاشی دینی پڑتی ہے''۔

''کیا یہ لوگ ہر کسی کا شناختی کارڈ بھی دیکھتے ہیں؟''۔

جبران کے اس سوال پر عبدالکریم نے کہا۔

''شناختی کارڈ ہر کسی نے اپنی قمیض پر لگائے ہوتے ہیں...... ان کی چیکنگ
ہوتی...... بس سیکورٹی گارڈ انہیں ایک سرسری نظر سے دیکھ لیتا ہے، کیونکہ انہیں
ہے کہ جو آدمی فیکٹری میں داخل ہو گیا ہے اور لفٹ تک آ گیا ہے اور اس کے
شناختی کارڈ بھی لگا ہوا ہے تو اس کی پوری جانچ پڑتال ہو چکی ہو گی''۔

عمران نے کہا۔

''لیکن میری شکل ان لوگوں کیلئے اجنبی ہو گی...... وہ مجھے ضرور روک لیں گے''۔

عبدالکریم بولا۔

''اس کا انتظام میں پہلے سے کر چکا ہوں گا...... سیکورٹی گارڈ ایک سردار جی ہیں......
میں بھی چونکہ پنجابی ہوں اور سردار جی بھی پنجابی ہیں، اس لئے وہ میرا بڑا خیال رکھتے
ہیں...... اپنے متعلقہ افسر کے علاوہ میں سیکورٹی گارڈ سردار جی کو بھی بتا دوں گا کہ کل
میری جگہ میرا چھوٹا بھائی کام کرنے آئے گا اور اس کے پاس میرا شناختی کارڈ ہو گا''۔

''تم چھٹی کا کیا بہانہ بناؤ گے؟'' جبران نے پوچھا۔

عبدالکریم کہنے لگا۔

''چھٹی کے کئی بہانے ہو سکتے ہیں...... ویسے میں یہ کہوں گا کہ جزیرہ مارشل میں جو
پورٹ بلیئر سے سات میل کے فاصلے پر ہے، میری والدہ سخت بیمار ہو گئی ہے...... میں
اسے وہاں سے پورٹ بلیئر لانے جا رہا ہوں...... کسی کو شک پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں
ہوتا...... باقی میری جگہ جو بھی جائے گا اس کو اپنے ہوش و حواس قابو میں رکھنے ہوں
گے...... ایسا نہ ہو کہ سیکورٹی گارڈ نے سوال جواب شروع کر دیئے تو وہ گھبرا جائے''۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

''اس کی تم فکر نہ کرو...... وہاں کا معاملہ میں سنبھال لوں گا''۔

عبدالکریم نے کہا۔

''تم اپنا نام عبدالجبار بتانا...... میں سیکورٹی گارڈ کو یہی نام بتاؤں گا کہ کل میرا چھوٹا
بھائی عبدالجبار میری جگہ ڈیوٹی دے گا...... اول تو سردار جی تم سے زیادہ سوال جواب
نہیں کریں گے، کیونکہ ایک دن پہلے میں تمہارے بارے میں انہیں سب کچھ بتا چکا
ہوں گا، لیکن اگر دو ایک سوال پوچھ ہی لئے تو کہہ دینا کہ میں اپنے بڑے بھائی
عبدالکریم کے ساتھ ہی دکان پر کام کرتا ہوں...... مارشل آئی لینڈ میں ہماری والدہ
ہماری بڑی بہن کے ہاں رہتی ہے...... وہ بہت بیمار ہو گئی ہے...... بھائی جان کریم اماں کو

لینے گئے ہیں...... بس اس سے زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور لفٹ پر سوار ہوتے وقت سیکورٹی گارڈ کو زیادہ باتیں کرنے کی فرصت بھی نہیں ہوتی؟"۔

کمانڈو عمران نے تمام باتیں اچھی طرح سے ذہن نشین کر لی تھیں...... جب عبدالکریم نے اپنی بات ختم کی تو عمران نے پوچھا۔

"سب سے پہلے تو آپ ہمیں دھماکہ خیز میٹریل لا کر دیں تاکہ ہمیں اند ہو سکے کہ وہ کس قسم کا اور کس نوعیت کا ہے اور اس میں ٹائم فیوز کی مدت کتنی رکھ جا سکتی ہے"۔

عبدالکریم بولا۔

"ان میں دو قسم کے ٹائم بم ہیں...... ایک کے ٹائم فیوز کا دورانیہ ایک گھنٹہ ہے ا دوسری قسم کے ٹائم بم کا دورانیہ آدھا گھنٹہ ہے...... میں کل دونوں لا کر تمہی دکھا دوں گا...... جو تمہیں بہتر اور مناسب لگے وہ رکھ لینا...... اندازاً تمہیں کتنے بموں کی ضرورت ہو گی؟"۔

کمانڈو عمران نے جبران کی طرف دیکھا...... جبران بولا۔

"عبدالکریم بھائی کے بیان کے مطابق وہاں تین لیبارٹریز ہیں...... تیسر کمرے والی لیبارٹری زیادہ اہم ہے...... اگر اس لیبارٹری کی ایٹمی بھٹی کی دیوار کے سا کوئی میگنیٹک بم چپکا دیا جائے تو میرا خیال ہے کہ باقی کمروں میں بم لگانے کی ضرور ہی نہیں رہے گی...... اس کمرے میں اس قدر زبردست دھماکہ ہو گا کہ زمین کے کے سارے تہہ خانے کے عملے کے تمام آدمیوں سمیت پرزے اڑ جائیں گے اور د اتنا گہرا گڑھا بن جائے گا کہ بہت ممکن ہے نیچے سے پانی بھی نکل آئے"۔

کمانڈو عمران نے کریم بھائی سے کہا۔

"پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان بموں کا سائز مختصر ہے تو تم دونوں قسم تین تین بم لیتے آنا"۔

عبدالکریم بولا۔

"ٹھیک ہے...... میں کل اسی وقت آ جاؤں گا"۔

اس کے بعد عبدالکریم چلا گیا۔

دوسری رات کو وعدے کے مطابق پہنچ گیا...... اس نے قمیض کی خفیہ جیب میں ے سگریٹ کے عام پیکٹ کے سائز کی ایک ڈبی نکالی...... اسے کھولا...... کہنے لگا۔

"میں چھ ٹائم بم لایا ہوں...... تین کا ٹائم فیوز آدھے گھنٹے کا اور تین کا ٹائم فیوز ایک یک گھنٹے کا ہے"۔

اس نے ڈبی کھول کر عمران اور جبران کے سامنے رکھ دی...... ڈبی میں ایک ہی ائز کے چھ ٹائم بم تھے...... ان کے سائز چھوٹی خوبانی کے برابر تھے اور یہ میگنیٹک بم تھے ران کے وسط میں ٹائم فیوز کا بٹن تھا...... عمران ان بموں کی ٹیکنیک کو سمجھتا تھا...... ان ں بارود استعمال نہیں ہوتا تھا...... بارود تو آج کے ماڈرن اسلحے کے زمانے میں پرانی چیز مجھا جاتا ہے...... آج کل خاص طور پر ٹائم بموں میں ایٹمی انرجی کی فزکس کو عمل میں لایا اتا ہے...... اس ٹیکنیک کے تحت بڑے پیمانے پر ایٹم بم پھٹتا ہے...... ایٹم بم میں سے تو دید گرمی خارج ہوتی ہے، مگر ان ٹائم بموں سے صرف دھماکہ کیا جاتا ہے...... ان میں ے ایٹمی تابکاری خارج نہیں ہوتی...... صرف ایک خاص قسم کے یورینیم کے ایٹم کے صر کے ایک بٹا ایک ہزارویں حصے کی طاقت کے برابر حصے کو پھاڑ دیا جاتا ہے...... اس کے پھٹنے سے وہاں فضا میں اس قدر شدید اور بھیانک اور آخری نقطے تک اتنی قلیل مدت ں خلا پیدا کر دیا جاتا ہے کہ ارد گرد کی ہوا دو ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار کے ساتھ دو میل کے دائرے کے اندر سے اس خلا کو پر کرنے کے لئے اس کی طرف دوڑتی ہے اور دو میل ے اندر جو چیز بھی زمین کے اوپر ہوتی ہے اسے تباہ و برباد کر ڈالتی ہے...... کمانڈو عمران ے ایک ایک گھنٹے کے تین ٹائم بم ان میں سے منتخب کر لئے۔

"یہ ہمارے مشن کے لئے بہتر رہیں گے"۔

عبدالکریم نے کہا۔

"اب ان تینوں ٹائم بموں کو چھپا کر فیکٹری کے اندر لے جانے کے لئے عقل کی ضرورت ہوگی، کیونکہ اگر تم نے انہیں اپنے لباس میں چھپایا ہوا ہوگا تو تم لیتے وقت تم پکڑے جا سکتے ہو، کیونکہ سیکورٹی کو اگر ذرا سا بھی شک شبہ پڑ جائے تو ڈی ٹیکٹر سے بھی تلاشی لے سکتے ہیں"۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں مجھے یہ بم کس طرح فیکٹری میں لے جانے چاہئیں؟"۔

عبدالکریم ایک لمحے غور کرنے کے بعد بولا۔

"ہم لوگ دوپہر کا کھانا فیکٹری کے اندر ہی کھاتے ہیں اور ہم اپنا کھانا ٹفن کیریئر میں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں...... تم بھی ایسا ہی کرو گے اور جس روز تم فیکٹری میری جگہ پر کام کرنے جاؤ گے تو یہ تینوں بم آلو کی تلی ہوئی ٹکیوں کے اندر چھپا کر کیریئر میں رکھ کر ساتھ لے جاؤ گے"۔

"کیا تم ایسا کر لو گے؟"۔

عبدالکریم نے پوچھا۔

"کیوں نہیں"...... عمران بولا۔

"اس قسم کے کئی تجربات سے ہم گزر چکے ہیں"۔

عبدالکریم کہنے لگا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو...... مگر یہ ذرا مختلف قسم کا تجربہ ہے...... یہاں تمہیں احتیاط سے کام لینا پڑے گا"۔

"میں ایسا ہی کروں گا...... آپ بے فکر رہیں...... یہ بتائیں کہ مجھے آپ کے چھوٹے بھائی کے روپ میں کب فیکٹری میں کمانڈو آپریشن کے لئے جانا ہوگا"۔

عبدالکریم کہنے لگا۔

"میں کل چھٹی لے لوں گا...... تم پرسوں صبح ٹھیک نو بجے ٹفن کیریئر لے کر فیکٹری کے گیٹ پر پہنچ جانا...... گیٹ ٹھیک نو بجے کھل جاتا ہے...... وہاں وقت کی سخت پابندی کی جاتی ہے...... میں تمہیں اپنا شناختی کارڈ دے رہا ہوں...... یہ اپنی قمیض پر سامنے کی طرف لگا لینا"۔

عبدالکریم نے دوسری جیب میں سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر عمران کو دیا...... عمران نے اسے سنبھال کر رکھ لیا...... اس کے بعد عبدالکریم نے عمران کو سمجھایا کہ کہاں سے اسے فیکٹری کی طرف جانے والی بس ملے گی...... پھر کہنے لگا۔

"ایک بہت ضروری پوائنٹ پر ہم نے ابھی تک کوئی بات نہیں کی...... انتہائی ضروری پوائنٹ یہ ہے کہ اگر تم ٹائم بم لگانے میں کامیاب ہو گئے تو اس کا مطلب ہے کہ تمہارے پاس صرف ایک گھنٹہ ہی ہوگا...... اس ایک گھنٹے کے اندر اندر تمہیں کوئی بہانہ بنا کر فیکٹری سے باہر بھی نکلنا ہوگا اور فیکٹری ایریا سے ایک میل دور چلے جانا ہوگا، کیونکہ اگر تم نے بم کا ٹائم فیوز دبا دیا تو وہ ٹھیک ایک گھنٹے بعد پھٹ کر ایک میل کے علاقے کو تباہ و برباد کر ڈالے گا...... ایسا نہ ہو کہ تم سے تاخیر ہو جائے اور تم بھی بم کے ہلاکت خیز دھماکے کی زد میں آ جاؤ"۔

عمران بولا۔

"میں کوئی بہانہ بنا کر فیکٹری سے نکل آؤں گا...... یہ بات آپ مجھ پر چھوڑ دیں...... میں صورت حال کو سنبھال لوں گا اور فوراً فیکٹری ایریا سے ایک میل دور چلا جاؤں گا"۔

"ٹھیک ہے عبدالکریم بولا"...... تو پھر پرسوں تم ٹھیک نو بجے فیکٹری کے گیٹ پر پہنچ جانا...... ظاہر ہے میں اسی جزیرے یعنی پورٹ بلیئر میں ہی رہوں گا...... میرے خفیہ ٹھکانے کا احمد جان کو علم ہوگا...... اگر تم اپنے مشن میں ناکام رہے یا کسی وجہ سے تم بم ٹارگٹ پر نہ لگا سکے تو احمد جان سے رابطہ پیدا کرنا...... وہ تمہیں میرا ٹھکانہ بتا دیں

گے اور اگر تم بم لگانے میں کامیاب ہو گئے تو وہاں سے نکل کر سیدھے یہاں اس کوا میں آجانا ورتم دونوں میں سے اس وقت کوئی بھی کوارٹر کی چار دیواری سے باہر نہ نکلے گا جب تک کہ میں تمہارے پاس نہیں آجاتا...... میرا خیال ہے اب کچھ سمجھانے والی کوئی بات باقی نہیں رہی"۔

عمران نے کہا۔

"سب باتیں طے پا گئی ہیں، جس طرح آپ نے کہا ہے میں اسی طرح کروں گا"

عبدالکریم نے ایک بار پھر یاددہانی کے طور پر عمران سے کہا۔

"فیکٹری میں تمہارا نام عبدالجبار ہو گا...... تم عبدالکریم الیکٹریشن کے چھو بھائی ہو گے اور تمہارا بڑا بھائی والدہ کی عیادت کے لئے مارشل آئی لینڈ گیا ہوا ہو گا جو ٹائم بم تم اپنے ساتھ لے جا رہے ہو انہیں آلو کی تلی ہوئی ٹکیوں کے اندر چھپا کر جاؤ گے...... سیکورٹی گارڈ آلو کی ٹکیوں کو توڑ کر نہیں دیکھیں گے...... ہاں...... ا شک نہ پڑ جائے...... بس تمہارا سب سے اہم کام یہ ہو گا کہ ایسی اداکاری کرنا کہ کسی کو ذرا سا بھی شک نہ پڑے"۔

عبدالکریم نے عمران سے ہاتھ ملا کر کہا۔

"اللہ تمہارا حافظ و نگہبان ہو"۔

پھر کمانڈو جبران سے ہاتھ ملایا اور کوارٹر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

جب کمرے میں کمانڈو جبران اور عمران تنہا رہ گئے تو جبران کہنے لگا۔

"اگر تم ایٹمی بھٹی میں بم لگانے میں کامیاب ہو جاتے ہو تو پھر ہمارا ابھی یہاں ٹھیک نہیں ہو گا...... کیا خیال ہے تمہارا؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"دھماکے کے بعد بظاہر میرے پکڑے جانے کا کوئی اندیشہ اس لئے نہیں۔ جن لوگوں نے مجھے فیکٹری میں دیکھا ہو گا اور جو میری شناخت کر سکتے ہوں گے

فیکٹری کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گے...... ان میں سے کوئی بھی میرے خلاف گواہی دینے کے لئے زندہ نہیں ہو گا...... ہم اسی کوارٹر میں رہیں گے اور حالات کا جائزہ لیں گے...... اس کے علاوہ شیخ صاحب کا مشورہ بھی ہمیں میسر ہو گا...... اگر انہوں نے کہا کہ ہمارا یہاں رہنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے تو یہاں سے نکل جائیں گے"۔

کمانڈو عمران کی دلیل میں وزن اور منطق تھی...... جبران نے اس کے بعد اس سلسلے میں کچھ نہ کہا...... اتنا ضرور کہا۔

"بم پلانٹ کرتے وقت جس قدر احتیاط کر سکتے ہو کرنا...... اس فیکٹری کی تباہی بہت ضروری ہے"۔

عمران نے کہا۔

"اللہ میرا حامی و مددگار ہے"۔

دوسرے روز وہ شیخ صاحب کے آفس اپنے کام پر چلے گئے۔

کوئی گیارہ بجے کے قریب شیخ صاحب نے کمانڈو عمران کو کسی بہانے اپنے کمرے میں بلا لیا اور کسی دفتری فائل کے بارے میں پوچھنے لگے...... اس وقت وہاں ان کا چپڑاسی الماری میں سے کچھ نکال رہا تھا...... کمانڈو عمران نے کہا۔

"سر! میں نے فائل آگے بھجوا دی تھی؟"۔

شیخ صاحب نے کہا۔

"لیکن ابھی تک وہ فائل مجھ تک نہیں پہنچی...... دفتر میں سست رفتاری سے کام ہو...... یہ مجھے بالکل پسند نہیں ہے...... یہاں بیٹھو اور ایک نوٹ لکھو"۔

اس کے بعد شیخ صاحب نے انگریزی میں نوٹ لکھوانا شروع کر دیا...... جب چپڑاسی الماری میں سے مطلوبہ فائل نکال کر لے گیا اور اس نے دروازہ بند کر دیا اور کمرے میں شیخ صاحب اور عمران اکیلے رہ گئے تو شیخ صاحب کہنے لگے۔

"مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ کل تم اپنے مشن پر جا رہے ہو...... ایک بات کا خیال

رکھنا...... اگر بدقسمتی سے تم بعد میں پکڑ لئے گئے تو خواہ کچھ ہو جائے اپنی زبان پر میرا نہ آنے دینا“۔

عمران نے کہا۔

”شیخ صاحب! آپ مطمئن رہیں...... ہم ہنسی خوشی موت قبول کر لیں گے، لی ہماری زبان پر آپ کا نام نہیں آئے گا“۔

شیخ صاحب بولے۔

”ٹھیک ہے...... اب تم جاؤ...... کل اگر تم اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے تو میں ایک پھیرا ضرور ڈالنا اور پرسوں بھی دفتر میں اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو جانا...... یہ ضروری ہے“۔

عمران نے کہا۔

”ٹھیک ہے سر...... ایسا ہی ہو گا“۔

”خدا تمہاری حفاظت فرمائے“۔

یہ کہہ کر شیخ صاحب اپنے کام میں لگ گئے...... عمران ان کے کمرے سے نکل دوسرے کمرے میں اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا...... یہ نکتہ وہ بھول ہی گیا تھا کہ کما آپریشن کے دن اس کی شیخ صاحب کے دفتر میں حاضری ضروری تھی...... خواہ وہ منٹ کے لئے آئے لیکن اسے آنا ضرور چاہئے...... جبران تو پہلے سے ہی آفس موجود ہو گا...... اس کا مطلب تھا کہ عمران کو فیکٹری میں داخل ہونے کے بعد جلد عجلت سے ہو سکے تہہ خانے کے تیسرے کمرے میں بم پلانٹ کر دینا چاہئے۔

رات کو جبران اور عمران نے خود آلو کی گول گول ٹکیاں بنائیں اور ہر ٹکی کباب میں ایک ایک ٹائم بم چھپا دیا...... پھر ان تینوں ٹکیوں کو ٹفن کیریئر کے سب نچلے خانے میں رکھ دیا...... دوسرے دن ٹھیک آٹھ بجے عمران نے بائی سے تھوڑ چاول بنوائے اور ٹفن کیریئر کے ایک ڈبے میں ڈال کر ٹفن کیریئر بند کر کے اپنے پا

کھ لیا...... جبران بھی شیخ صاحب کے آفس جانے کی تیاریاں کر رہا تھا...... ساڑھے ٹھ بجے عمران اور جبران دونوں اپنا اپنا ٹفن کیریئر لے کر کوارٹر سے نکل پڑے...... ڑی سڑک پر آ کر جبران نے عمران کو خدا حافظ کہا اور اپنی بس پر سوار ہو کر چل دیا...... ں کے ساتھ آٹھ منٹ بعد دوسری بس آ گئی...... عمران ٹفن کیریئر لئے بس میں سوار ہو گیا...... یہ بس فیکٹری ایریا کی طرف جاتی تھی...... اس کا نمبر عبدالکریم نے عمران کو تا دیا ہوا تھا...... پندرہ منٹ بعد بس ایک سٹاپ پر رکی تو عمران نیچے اتر گیا...... یہ سارا ٹ عبدالکریم نے اسے ذہن نشین کرا دیا ہوا تھا...... سڑک پر پانچ منٹ تک چلنے کے عد وہ سڑک سے اتر کر ایک ٹیلے کی طرف چلنے لگا...... اس ٹیلے کی دوسری جانب وہ سڑک تھی جو مہاشکتی فیکٹری کو جانے والی سڑک سے مل جاتی تھی...... یہ ممنوعہ سڑک تھی اور اس پر سوائے فیکٹری کے ملازمین کے اور کسی کو آنے جانے کی اجازت نہیں تھی...... فیکٹری میں کام کرنے والے تین چار بابو لوگ سکوٹروں پر سوار عمران کے قریب سے گزر گئے...... پھر ایک ویگن پیچھے سے آئی...... یہ فیکٹری کی اپنی ویگن تھی...... اس میں دس بارہ آدمی بیٹھے تھے...... شاید یہ لیبارٹری میں کام کرنے والے سائنس دان وغیرہ تھے۔

سڑک مہاشکتی ایٹمی فیکٹری کے بڑے گیٹ پر جا کر ختم ہو گئی...... گیٹ کا دروازہ بند تھا...... دونوں جانب دو فوجی کھڑے پہرہ دے رہے تھے...... پیدل یا سکوٹر پر جو کوئی بھی آتا تھا اپنا شناختی کارڈ اسے گیٹ پر دکھانا پڑتا تھا...... عمران نے بھی سیکورٹی گارڈ کو اپنا یعنی عبدالکریم کا شناختی کارڈ دکھایا اور فیکٹری کے احاطے میں داخل ہو گیا...... شناختی کارڈ پر تصویر نہیں لگی ہوئی تھی...... اگر عبدالکریم کی تصویر لگی ہوتی تو پھر عمران کو وہاں روکا جا سکتا تھا، حالانکہ اس قسم کے اداروں کے جو شناختی کارڈ ہوتے ہیں ان پر متعلقہ شخص کی تصویر ضرور چسپاں کی جاتی ہے، لیکن معلوم نہیں سیکورٹی یا رازداری کی وجہ سے شناختی کارڈوں پر کسی اسسٹنٹ یا کسی سائنس دان اور کسی محنت کش کی

تصویر چسپاں نہیں کی گئی تھی......شاید ایسا اس خیال سے کیا گیا تھا کہ باہر کے کسی ٹ کو متعلقہ شخص کا حلیہ معلوم نہ ہو سکے۔

بہر حال کمانڈو عمران فیکٹری میں داخل ہو گیا تھا......اب دوسرا مرحلہ لفٹ ذریعے نیچے تہہ خانے میں جانے کا تھا...... عبدالکریم نے عمران کو سمجھا دیا تھا کہ فیکٹ کے گیٹ میں داخل ہونے کے بعد اسے کس سمت کو جانا ہو گا...... وہ اسی حساب چلتا ایک جگہ پہنچا جہاں نیچے تہہ خانے میں لے جانے والی لفٹ لگی ہوئی تھی...... چھ سات اور لوگ بھی قطار میں کھڑے تھے۔

عمران نے دور ہی سے سیکورٹی کے سردار جی کو دیکھ لیا۔

وہ بھی قطار میں کھڑا ہو گیا......اس کے آگے چار آدمی شکل و صورت اور ل سے پڑھے لکھے لگتے تھے...... یہ انڈین تھے اور یقیناً لیبارٹری میں کام کرنے وا سائنس دان ہی تھے...... عمران سوچنے لگا کہ اگر وہ بم لگانے میں کامیاب ہو گیا لوگوں کا یہ دن ان کی زندگیوں کا آخری ثابت ہو گا، لیکن اس نے اس خیال کو فوراً سے نکال دیا...... کمانڈو اس قسم کے کمزور خیالات سے سخت گریز کرتے ہیں......

وہ سکیورٹی کے سردار جی کے سامنے آیا تو سردار جی نے اسے دیکھ کر کہا۔

”اوئے تم کون ہو؟“۔

عمران نے جلدی سے کہا۔

”سر! میں الیکٹریشن عبدالکریم کا بھائی عبدالجبار ہوں......سر...... بھیا اماں لینے مارشل آئی لینڈ گیا ہے...... میں اس کی جگہ کام کرنے آیا ہوں“۔

”ہوں ہوں......اس نے مجھ سے بات کی تھی“ سردار جی بولے۔

پھر انہوں نے میری قمیض پر لگے ہوئے شناختی کارڈ کو غور سے دیکھا...... کے بعد ٹفن کیریئر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”اسے کھولو“۔

عمران نے دھڑکتے دل کے ساتھ ٹفن کیریئر کو کھول کر اس کے تینوں ڈبے بھی کھول دیئے...... ایک ڈبے میں اچار تھا...... ایک ڈبے میں اُبلے ہوئے چاول تھے اور آخری ڈبے میں آلو کے تین گول گول کباب پڑے تھے......ان کے اندر اس فیکٹری کی تباہی کا سامان یعنی تین ٹائم بم تھے...... سردار جی نے پنسل سے پہلے اچار کو ادھر ادھر ہلایا...... پھر چاول کے ڈبے میں پنسل ڈال کر گھما کر دیکھا......اس کے بعد جب سردار جی آلو کے کبابوں کی طرف متوجہ ہوئے تو کمانڈو عمران کے دل کی دھڑکن تھوڑی تیز ہو گئی، مگر اپنے چہرے پر اس نے کسی قسم کی گھبراہٹ کے اثرات نہ آنے دیئے...... سردار جی نے ایک کباب میں پنسل چبھو کر اسے ادھر ادھر ہلایا...... خدا کا شکر ہے کہ پنسل اس کے اندر چھپائے ہوئے ٹائم بم سے نہیں ٹکرائی تھی...... سردار جی نے پنسل باہر کھینچ لی اور بولے۔

”چل اوئے کاکا...... آگے چلو...... پرے ہٹ کر ٹفن کیریئر کو بند کرنا...... تمہارے پیچھے انجینئر صاحبان بھی کھڑے ہیں“۔

عمران نے دل میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور سردار جی کو یس سر! یس سر! کہا ٹفن کیریئر کے ڈبے اٹھا کر قطار سے الگ ہو گیا...... ٹفن کیریئر کو بند کرنے کے بعد وہ لفٹ میں داخل ہو گیا...... لفٹ نے اسے نیچے تہہ خانے میں پہنچا دیا۔

عمران کے آگے بھی دو تین مستری ٹائپ لڑکے تھے...... غالباً یہ وہی مستری تھے جو تہہ خانے کے سٹور کی وائرنگ کر رہے تھے...... عمران نے تہہ خانے میں آتے ہی راہداری کا جائزہ لینا شروع کر دیا...... راہداری کافی کشادہ تھی......اس کی چھت بھی اونچی تھی اور ٹیوب لائٹیں روشن تھیں...... سب سے پہلے بائیں ہاتھ کو پہلا کمرہ آیا...... کمرے کا دروازہ کھلا تھا...... عمران نے نگاہ ڈالی...... اس کے اندر مختلف نیوکلر پروسیسنگ میں کام آنے والی چھوٹی بڑی مشینیں لگی تھیں...... دوسرے کمرے میں دیوار پر کتنے ہی ڈائل لگے ہوئے تھے...... دیوار کے ساتھ لمبا پینل تھا جس پر دس بارہ

کمپیوٹروں کے سامنے سائنس دان بیٹھے کام کی تیاریاں کر رہے تھے...... تیسرے کمرے کو عمران نے خاص طور پر دیکھا، کیونکہ یہی کمرہ اس کا ٹارگٹ تھا اور اس کمرے میں اسے ایٹمی بھٹی کی دیوار کے ساتھ یا کسی بھی جگہ تینوں بموں کو چسپاں کرنا یا کمرے کے کونے میں پھینکنا تھا...... اس کمرے کے وسط میں ایٹمی بھٹی کی زمین سے تین ساڑھے تین فٹ اونچی گول دیوار تھی...... ایک بوڑھا سائنس دان ایک ڈائل کے سامنے کھڑا تختی پر کچھ نوٹ کرتا جا رہا تھا۔



زمین دوز ایٹمی فیکٹری کے تیسرے کمرے میں بجلی کا کام ہو رہا تھا...... عمران اس کمرے میں پہنچا تو وہاں ایک سانولے رنگ کا دبلا پتلا آدمی پہلے سے کام کر رہا تھا...... اس نے عمران کو دیکھ کر پوچھا۔

"تم کریم کے چھوٹے بھائی ہو؟"۔

کمانڈو عمران نے جلدی سے کہا۔

"ہاں جی...... میں ہی چھوٹا بھائی ہوں...... میرا نام عبدالجبار ہے...... ہماری اماں مارشل آئی لینڈ میں سخت بیمار ہے...... بھائی وہاں گیا ہے"۔

مستری نے کہا۔

"بس بس...... مجھ کو معلوم ہے...... چلو ادھر سوئچ لگاؤ"۔

کمانڈو عمران کو بجلی کا کام تو نہیں آتا تھا مگر اس نے بجلی کا کام کرنے والے لوگوں کو بہت دیکھا تھا...... سوئچ اور پیچ کس اٹھایا اور ایک پوائنٹ پر سوئچ لگانا شروع کر دیا...... اتنے میں باقی کے الیکٹریشن بھی آ گئے...... یہ سب دبلے پتلے کالے کالے لڑکے سے تھے...... مقامی لوگ تھے...... انہوں نے کمانڈو عمران کو غور سے دیکھا اور آپس میں مقامی زبان میں باتیں کرنے لگے...... بڑے مستری نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں انہیں بتایا کہ یہ عبدالجبار ہے کریم کا چھوٹا بھائی...... اس کے بعد سب اپنے اپنے کام میں لگ گئے...... اس کمرے میں گرمی اور حبس تھا...... اس کی وجہ یہ تھی کہ ابھی وہاں بجلی نہیں لگی تھی اور پنکھا وغیرہ بھی کوئی نہیں تھا...... باہر راہداری ساری کی ساری ایئر کنڈیشنڈ

تھی...... باہر سے تھوڑی بہت ٹھنڈی ہوا کسی وقت اندر آجاتی تھی...... دوسرے لڑکے بھی کام کے اتنے ماہر نہیں تھے...... صرف ایک بڑا لڑکا ہیڈ الیکٹریشن کے ساتھ اس کا ہاتھ بٹا رہا تھا...... باقی سارے لڑکے چھوٹے موٹے کام کررہے تھے...... عمران بھی ان کے ساتھ پیچ کسنے، تاروں کو کھولنے اور کاٹنے میں مصروف ہو گیا۔

اس دوران وہ برابر جائزہ لیتا رہا کہ بم کس طرح سے پلانٹ کرے...... تیسرا کمرہ جہاں ایٹمی پلانٹ لگا ہوا تھا بالکل ساتھ ہی تھا...... اس کا دروازہ کھلا تھا اور اب وہاں سائنس دان باقاعدہ کام کرنے لگے تھے...... کسی کسی وقت اندر سے کسی مشین کے چلنے کی دھیمی آواز آجاتی تھی...... عمران یہی سوچ رہا تھا کہ وہ بم کس طرح اندر لگائے...... خود اندر وہ جا نہیں سکتا تھا...... اگر کسی بہانے چلا بھی جاتا تو سب سائنس دان اس کی طرف ضرور متوجہ ہو جاتے کہ یہ اجنبی شخص یہاں کیا لینے آیا ہے...... اسی سوچ بچار میں وقت گزرتا جا رہا تھا...... عمران یہ کام اسی روز کر ڈالنا چاہتا تھا...... کل نہ جانے کس قسم کے حالات پیش آجائیں...... اب وہ اپنے ٹارگٹ کے بالکل قریب بیٹھا تھا...... اسے ہر حالت میں تینوں کے تینوں بم وہاں لگا آنے چاہئیں تھے۔

آخر دوپہر کو جب کھانے کا وقفہ ہوا تو اسے موقع مل گیا۔

جب کھانے کا وقفہ ہوا تو ایٹمی بھٹی کے سارے سائنس دان بھی کھانا کھانے کے لئے کمرے سے چلے گئے...... بجلی کے کام کرنے والوں میں سے بھی آدھے خانے کے اوپر اپنی فیکٹری کی کینٹین میں چلے گئے...... صرف ایک لڑکا وہاں بیٹھا رہا وہ اپنا کھانا ساتھ لایا تھا...... کمرے میں چونکہ گرمی تھی اس لئے وہ کمرے کے ٹھنڈی ہوا میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگا...... عمران کے لئے یہ بڑا سنہری موقع تھا...... بھی کمرے سے نکل کر ساتھ والے ایٹمی پلانٹ کے دروازے کے ایک طرف آ بیٹھ گیا...... وہ اسی طرح بیٹھا تھا کہ اس کا رخ ایٹمی پلانٹ والے کمرے کی طرف تھا اس نے ٹفن کیریئر کھولا اور چاولوں پر اچار ڈال کر کھانے لگا...... اس کی ساری

سامنے والے کمرے کی طرف تھی...... ٹفن کیریئر کے تیسرے ڈبے میں سے اس نے تینوں آلوؤں کے کباب یا ٹکیاں نکال کر چاولوں کے اوپر رکھ دی تھیں...... عمران ہر سیکنڈ پر ماحول کا جائزہ لے رہا تھا...... اس کے پاس پون گھنٹہ تھا جو کہ کھانے کا وقفہ تھا...... موقع سازگار تھا...... اس نے آلو کی ٹکیوں میں سے خوبانی کے سائز کے تینوں ٹائم بم نکال کر چاول کے ڈبے کی اوٹ میں رکھ دیئے...... اس نے اندازہ لگایا کہ اگر وہ وہاں سے ایک ٹائم بم کمرے کے ایٹمی پلانٹ کے اندر پھینکنے تو کیا وہ اس میں ہی جا کر گرے گا یا باہر گرے گا...... اس میں کامیابی کے امکانات کم تھے...... باہر گرا ہوا ٹائم بم پکڑا جا سکتا تھا...... آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔

اس نے جلدی جلدی چاول ختم کئے اور تینوں ٹائم بم جیب میں ڈال کر اٹھ کھڑا ہوا...... ٹفن کیریئر کو بند کیا اور اسے ایک طرف رکھ کر لڑکے کی طرف دیکھا...... الیکٹریشن لڑکا ابھی تک کھانا کھا رہا تھا...... اس کا منہ دیوار کی طرف تھا...... عمران نے گردن موڑ کر تہہ خانے کی راہداری کو دیکھا...... حیرت کی بات تھی کہ وہاں کوئی نہیں تھا...... عبدالکریم نے اسے بتایا تھا کہ اندر سیکیورٹی والوں کو بھی جانے کی اجازت نہیں ہے...... سیکیورٹی کی ساری چیکنگ باہر ہی ہوتی ہے...... اس سے زیادہ سازگار موقع عمران کو نہیں مل سکتا تھا...... اب اس نے جو کچھ بھی کرنا تھا دس سیکنڈ کے اندر اندر کر ڈالنا تھا...... ایٹمی پلانٹ والا کمرہ اس کے سامنے خالی پڑا تھا...... وہ دھڑکتے دل کے ساتھ آہستہ سے کمرے میں داخل ہو گیا...... اندر جاتے ہی وہ ایٹمی پلانٹ کے پیچھے دیوار کے ساتھ جو مائع گیس کے چھ سات سلنڈر پڑے تھے ان کی طرف تیزی سے گیا اور تینوں ٹائم بم نکال کر ان کے ٹائم فیوز دبائے اور تینوں بم تین سلنڈروں کے ساتھ پیچھے کی جانب لگا دیئے اور دوڑ کر باہر آگیا...... باہر آتے ہی وہ راہداری میں دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا...... وہ صرف یہ دیکھنے کے لئے بیٹھا تھا کہ اسے کسی نے اندر جاتے اور اندر سے باہر آتے دیکھا تو نہیں۔

راہ داری خالی پڑی تھی..... اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

تینوں بموں کے پھٹنے میں صرف ایک گھنٹہ رہتا تھا..... اس میں سے بھی دو چار منٹ گزر چکے تھے..... کمانڈو عمران چپکے سے اٹھا اور راہ داری میں اس طرف چل پڑا جدھر لفٹ لگی تھی..... لفٹ خالی تھی..... لفٹ میں کھڑے ہو کر اس نے بٹن دبایا اور لفٹ آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگی..... جب لفٹ سطح زمین پر آ کر رکی تو سیکیورٹی گارڈ کی ڈیوٹی پر موجود سردار صاحب نے عمران کی طرف تعجب سے دیکھا اور پوچھا۔

"تم اس وقت کہاں جا رہے ہو؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے..... دوائی لینے جا رہا ہوں..... اور وہ پیٹ پر دونوں ہاتھ رکھے فیکٹری کے بڑے گیٹ کی طرف چل دیا..... اچانک پیچھے سے سردار جی نے اسے آواز دی اور کہا۔

"آئی ڈی کارڈ یہاں رکھتے جاؤ"۔

عمران وہیں رک گیا..... واپس سیکیورٹی گارڈ کے پاس گیا اور قمیض پر لگا ہوا شناختی کارڈ اتار کر اسے دے دیا..... فیکٹری کے گیٹ سے باہر نکلنے لگا تو وہاں پہرے پر موجود گارڈز نے سرسری طور پر اس کی تلاشی لی اور اسے جانے دیا۔

فیکٹری سے نکلتے ہی عمران تیز تیز چلنے لگا..... اسے ایک گھنٹے کے اندر اندر اپنے کوارٹر میں واپس پہنچنا تھا..... سڑک پر آ کر وہ بس میں سوار ہو گیا..... بس نے آدھے گھنٹے بعد اسے جزیرے کے ایک ویران سے چوک میں اتار دیا..... یہاں سے شیخ صاحب کے بڑے کوارٹر کی طرف راستہ جاتا تھا..... کمانڈو عمران کے پاس گھڑی نہیں تھی..... اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ایک گھنٹے میں صرف دس گیارہ منٹ ہی باقی رہ گئے ہیں..... کوارٹر میں جبران ابھی تک نہیں آیا تھا..... اس نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے اور دوسری بس لے کر شیخ صاحب کے آفس میں پہنچ گیا..... اس کو معلوم نہیں تھا کہ ابھی

بم پھٹنے میں دس منٹ باقی تھے..... وہ کمانڈو جبران کے سامنے سے گزر کر اپنی سیٹ کی طرف گیا تو دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور عمران نے آنکھوں ہی آنکھوں میں جبران کو بتا دیا کہ وہ اپنا کام کر آیا ہے..... ابھی عمران اپنی سیٹ پر بیٹھ کر رجسٹر کھول ہی رہا تھا کہ زمین اس طرح ہلی جیسے زلزلہ آ گیا ہو..... دفتر کے سارے ملازم کرسیاں چھوڑ کر باہر کی طرف دوڑے..... عمران اور جبران بھی باہر کی طرف دوڑ پڑے..... عمران کو معلوم تھا کہ یہ زلزلہ نہیں ہے..... اس کے ساتھ ہی ایک بے حد بھیانک دھماکہ ہوا..... اس کے بعد بھیانک دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا..... سارے ملازم سہم گئے..... کسی نے کہا جاپانیوں نے انڈیمان پر حملہ کر دیا ہے..... کسی نے کہا جزیرے میں کوئی آتش فشاں پھٹ پڑا ہے..... دھماکے اس شدت کے تھے کہ لگتا تھا جزیرے کے سارے آتش فشاں پہاڑ یکے بعد دیگرے پھٹ رہے ہیں..... زمین کانپ رہی تھی..... دروازے کھڑکیاں کھڑکھڑا رہی تھیں..... تینوں کے تینوں بم پھٹ گئے تھے اور اب ایٹمی فیکٹری پھٹ رہی تھی..... اتنے میں شیخ صاحب بھی اپنے دفتر سے نکل کر آ گئے..... کہنے لگے۔

"لگتا ہے جزیرے میں کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹا ہے..... آپ لوگ اب چھٹی کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں..... آپ کے گھر والے ان حالات میں پریشان ہو رہے ہوں گے..... انہیں جا کر تسلی دیں کہ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

تقریباً سٹاف کے سبھی آدمی چلے گئے صرف چند ایک ملازم وہیں رہے..... شیخ صاحب آفس کے برآمدے میں کھڑے آسمان کو تک رہے تھے جہاں جنوب کی جانب ذرا مشرق کی طرف سے گاڑھا سیاہ دھواں اٹھ رہا تھا..... انہوں نے کہا۔

"ضرور کوئی آتش فشاں پھٹا ہے"۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے عمران کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا..... جیسے کہہ رہے ہوں..... شاباش! تم اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے..... مجھے خوشی ہوئی

ہے...... عمران کمانڈو جبران کے قریب ہی کھڑا تھا...... جبران آہستہ سے بولا۔

"کسی نے دیکھا تو نہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"جنہوں نے دیکھا تھا وہ زندہ نہیں بچے ہوں گے"۔

اتنے میں شیخ صاحب ان دونوں کے قریب سے گزرے اور انہوں نے عمران کو اشارہ کیا کہ اب وہ چلا جائے...... دفتر بند ہونے میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا...... عمران نے جبران سے کہا۔

"شیخ صاحب نے مجھے یہاں سے نکل جانے کو کہا ہے...... میں اپنے کوارٹر میں جا رہا ہوں...... تم وہاں آؤ گے تو باتیں ہوں گی"۔

یہ کہہ کر کمانڈو عمران شیخ صاحب کے دفتر سے نکل کر بس میں سوار ہو کر کوارٹروں کی طرف روانہ ہو گیا...... کوارٹر میں بائی رات کا کھانا تیار کرنے میں لگی ہوئی تھی...... عمران نے اسے چائے بنانے کو کہا اور کمرے میں آ کر بیٹھ گیا...... جزیرے میں دھماکوں کا سلسلہ بند ہو گیا تھا، مگر شہر کی جانب سے ٹرکوں کے دوڑنے اور ان کے ہارن کی آوازیں آ رہی تھیں...... یہ ضرور فوجی تھے جو جائے حادثہ کی طرف بھاگے جا رہے تھے...... اتنے میں آسمان پر ایک ہیلی کاپٹر نمودار ہوا...... یہ فوجی ہیلی کاپٹر تھا...... اس نے آسمان پر شہر کے گرد ایک چکر لگایا اور جنوب کی جانب جدھر فیکٹری تھی چلا گیا۔

ایک گھنٹے بعد جبران بھی آ گیا۔

"شیخ صاحب سے میری بات ہوئی ہے...... انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں کوارٹروں میں اب نہیں ٹھہرنا چاہئے"۔

"تو پھر ہم کہاں جائیں گے؟" عمران نے پوچھا۔

جبران بولا۔

"شیخ صاحب نے مجھے ایک نئی جگہ کی چابی دی ہے...... یہ جگہ یہاں سے تھوڑے

فاصلے پر ہی ہے...... ہمیں ابھی اسی وقت یہاں سے نکل جانا ہو گا"۔

شیخ صاحب کی ہدایت کے مطابق انہوں نے جلدی جلدی اپنے تھوڑے بہت کپڑے سوٹ کیس میں ڈالے اور کوارٹر کو تالا لگا کر نئی جگہ کی جانب روانہ ہو گئے...... کمانڈو جبران کو شیخ صاحب نے نئی جگہ کا محل وقوع سمجھا دیا تھا...... یہ بھی ایک خستہ حال جھونپڑی نما کوارٹر تھا جو پہلے کوارٹروں سے تین میل شمال کی جانب واقع تھا...... وہاں سے سمندر نظر آتا تھا...... بالکل ویران جگہ تھی...... سمندر کے کنارے بڑی بڑی سیاہ چٹانوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔

کمانڈو عمران کو یقین تھا کہ مہاشکتی فیکٹری میں جس جس نے اسے دیکھا تھا وہ فیکٹری کے پہلے دھماکے کے ساتھ ہی اڑ گیا ہو گا، لیکن کمانڈو عمران کو شناخت کرنے والا ایک آدمی زندہ بچ گیا تھا...... شام کو شیخ صاحب آئے تو انہوں نے بتایا کہ فیکٹری کا نام و نشان باقی نہیں رہا، لیکن سیکیورٹی گارڈ والا سکھ سردار زندہ بچ گیا ہے...... کہنے لگے۔

"جب پہلا دھماکہ ہوا تو سردار جی زمین سے پچاس فٹ اوپر کو اچھلے اور دو سو فٹ دور ایک درخت کی شاخوں پر جا کر گرے...... سردار جی زخمی ضرور ہوئے ہیں مگر بچ گئے ہیں"۔

سردار جی نے ملٹری انٹیلی جنس اور اخبار نویسوں کو بتایا ہے کہ ایک نیا الیکٹریشن اس روز فیکٹری میں آیا تھا اور دھماکے سے ایک گھنٹہ پہلے وہ پیٹ درد کا کہہ کر فیکٹری سے چلا گیا تھا...... سردار جی نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ یہ دھماکہ اسی نئے الیکٹریشن کے بم پلانٹ کرنے سے ہوا ہے...... ملٹری پولیس کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ نیا الیکٹریشن عبدالکریم الیکٹریشن کی جگہ پر آیا تھا جسے عبدالکریم نے اپنا چھوٹا بھائی ظاہر کیا تھا...... ملٹری پولیس نے عبدالکریم کی دکان پر چھاپہ مارا ہے مگر وہ اسے وہاں نہیں ملا...... ظاہر ہے عبدالکریم اس جزیرے سے نکل کر کسی دوسرے جزیرے میں روپوش

ہو چکا ہے، لیکن سردار جی نے انٹیلی جنس اور مقامی پولیس کو تمہارا جو حلیہ بتایا ہے اس کی روشنی میں پولیس نے تمہارے چہرے کا ایک خاکہ بنالیا ہے جو تمہاری شکل سے بے حد ملتا ہے...... یہ ساری باتیں مجھے میرے ایک مخبر نے بتائی ہیں"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"سردار جی کا زندہ بچ جانا ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے...... لیکن پولیس نے میرا جو خاکہ اندازے سے بنایا ہو گا وہ ہو بہو میری شکل نہیں ہو سکتی"۔

شیخ صاحب نے بریف کیس میں سے ایک کاغذ نکال کر کمانڈو عمران کے سامنے رکھ دیا...... کہنے لگا۔

"اسے پہچانو...... یہ کس کی شکل ہے"۔

عمران نے کاغذ پر نگاہ ڈالی تو اس کا دل زور سے دھڑک اٹھا...... وہ حیرت زدہ ہو کر رہ گیا...... کاغذ پر ہو بہو اس کی شکل کا خاکہ بنا ہوا تھا...... فرق اگر تھا تو صرف اتنا خاکے میں عمران کی تھوڑی ذرا نیچے کو جھکی ہوئی تھی...... لیکن وہ صاف پہچانا جا تھا...... شیخ صاحب کہنے لگے۔

"اب تمہیں یقین آگیا ہو گا کہ پولیس نے تمہیں شناخت کر لیا ہے"۔

"مجھے حیرت ہو رہی ہے" عمران نے کہا۔

شیخ صاحب بولے۔

"میرے مخبر نے بڑا کام کیا ہے...... وہ ملٹری انٹیلی جنس کے آفس سے اپنی جان خطرے میں ڈال کر تمہارے خاکے کی ایک فوٹو کاپی بنا کر لے آیا ہے...... تمہاری شکل یہ خاکہ جزائر انڈیمان کے انگریزی اخبار میں کل چھپ جائے گا اور تمام لوگ تمہاری شکل سے واقف ہو جائیں گے...... ایسی صورت میں تمہارا اس پورے جزیرے بلکہ تمام جزائر میں سے کسی بھی جزیرے پر رہنا تمہیں گرفتار کروا سکتا ہے...... تمہیں شخص پہچان لے گا اور انعام کے لالچ میں تمہاری مخبری کر دے گا اور پولیس تمہیں

دونوں کو فوراً گرفتار کر کے جیل میں ڈال دے گی...... کالے پانی کی جیل کا یہ حال ہے یہاں دس دس سال سے جرائم پیشہ اور سیاسی مخالف گروپ کے ارکان قید میں پڑے سسک سسک کر مر رہے ہیں...... نہ ان کے خلاف کوئی مقدمہ درج ہوا ہے اور نہ ان پیشی ہوتی ہے، لیکن خدانخواستہ اگر تم پکڑے گئے تو تمہیں شدید اذیت پہنچائی جائے اور تم سے پوری پوری پوچھ گچھ کی جائے گی...... کیا میں یقین کر لوں کہ خدانخواستہ ایسا وقت آگیا تو تم میرا نام پولیس کو نہیں بتاؤ گے؟"۔

"میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ کسی حالت میں بھی میری زبان پر آپ کا نام نہیں آئے گا...... آپ یقین رکھیں اور مطمئن ہو جائیں"۔

شیخ صاحب کہنے لگے۔

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ حالات کے مزید خراب ہو جانے سے پہلے پہلے تم جزائر انڈیمان سے فرار ہو کر کلکتے پہنچ جاؤ"۔

جبران نے کہا۔

"کل کے اخبار میں اگر عمران کا یہ خاکہ چھپ گیا تو تم یہاں سے نکل بھی نہیں سکو گے...... بندرگاہ پر پولیس اور انٹیلی جنس والے موجود ہوں گے...... وہ تمہیں فوراً پہچان لیں گے اور تم گرفتار کر لئے جاؤ گے"۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"تو پھر آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟"۔

شیخ صاحب نے کہا۔

"اس وقت مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ تم کچھ عرصے کے لئے یہاں چھپے رہو...... اگر حالات بہتر ہو گئے، جس کی امید نہیں ہے تو تمہیں انڈیمان سے نکالنے کی کوشش کی جا سکتی ہے، مگر ابھی نہیں...... تمہیں اس چار دیواری سے ہرگز ہرگز باہر نہیں نکلنا ہو گا...... صرف جبران باہر جا کر تمہارے لئے قریبی بستی سے کھانے پینے کی

چیزیں لے آیا کرے گا...... میں بھی زیادہ نہیں آؤں گا، لیکن تم سے رابطہ ضرور رکھوں گا اور حالات کا برابر جائزہ لیتا ہوں گا"۔

شیخ صاحب نے کچھ روپے عمران کو دے کر کہا۔

"ابھی یہ روپے تم اپنے پاس رکھو...... میں جاتا ہوں...... کوئی پتہ نہیں کہ کب آؤں، لیکن آؤں گا ضرور"۔

شیخ صاحب کے جانے کے بعد عمران اور جبران سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور نئی صورت حال کی روشنی میں حالات کا جائزہ لینے لگے...... عمران نے کہا۔

"مجھے ہرگز توقع نہیں تھی کہ سیکیورٹی گارڈ زندہ بچ سکے گا"۔

جبران بولا۔

"بس خدا نے اس کی زندگی لکھی ہوئی تھی وہ بچ گیا"۔

"وہ تو ٹھیک ہے" عمران کہنے لگا...... لیکن اس نے ہمیں مصیبت میں ڈال دیا ہے...... مہاشکتی فیکٹری کی تباہی کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے اور پولیس کے پاس شخص کی تصویر بھی موجود ہے...... پولیس نے تمام جزیروں کی ناکہ بندی کرلی ہوگی جزیرے سے نکلنے والے ہر شخص کو چیک کرایا جاتا ہوگا...... جب تک یہ مشتبہ شخص میں گرفتار نہیں ہو جاتا انڈیمان کے تمام جزیروں کی چیکنگ جاری رہے گی اور سے سخت ہوتی جائے گی کیونکہ سول پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس کو یقین ہے کہ شخص جزائر انڈیمان کے کسی نہ کسی جزیرے میں روپوش ہے وہ اسے یعنی مجھے گرفتار کر کے ہی دم لے گی"۔

جبران نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو...... مشکل یہ آن پڑی ہے کہ ہمارے چاروں طرف پانی ہے...... ہم سمندر میں گھرے ہوئے ہیں...... خشکی کا علاقہ ہوتا تو اس وقت تک یہاں سے سینکڑوں میل دور نکل چکے ہوتے"۔

جب ذرا اندھیرا ہو گیا تو جبران کھانا وغیرہ لینے کے لئے قریبی بستی کی طرف چل دیا...... واپس آ کر کہنے لگا۔

"بریانی کے دو پارسل لے آیا ہوں...... بستی میں چند ایک ہی کھانے پینے کی دکانیں ہیں...... مجھے ڈر ہے کہ روز روز کھانا لینے جاؤں گا تو کہیں کوئی سی آئی ڈی والا میرے پیچھے نہ لگ جائے"۔

عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے اس چھوٹی سی دور افتادہ بستی میں سی آئی ڈی والا کہاں آئے گا"۔

جبران بولا۔

"ہمیں یہی سوچنا چاہئے کہ وہ آسکتا ہے"۔

عمران بولا۔

"لیکن ہم کھانے کے بغیر زندہ بھی تو نہیں رہ سکتے، یا پھر ایسا کرو کہ بستی میں کسی دکان سے پتیلی اور سوکھے چاول وغیرہ خرید کر لے آؤ...... ہم یہاں پیچھے چولہا بنا کر خود پکا لیا کریں گے"۔

جبران نے کہا۔

"ایسا ہی کرنا پڑے گا، کیونکہ پتہ نہیں ابھی ہمیں اس جگہ کتنی دیر تک روپوش رہنا پڑے"۔

رات کو بھی دونوں کمانڈو دوست دیر تک باتیں کرتے رہے...... پھر سو گئے......

دوسرے دن کافی دن چڑھے جبران بستی میں ناشتے کے لئے کچھ لینے گیا تو وہاں انگریزی کا اخبار اسے نظر آ گیا...... انڈیمان میں تعلیم بڑی عام ہے اور ایک انگریزی کا اخبار چھپتا ہے جو دو صفحے کا ہوا کرتا ہے...... جبران نے اخبار کو دیکھا تو اس میں عمران کی شکل کا خاکہ چھپا ہوا تھا...... یہ پولیس کی طرف سے اشتہار تھا...... عمران کا خاکہ ہو بہو اس کی شکل کے مطابق تھا...... نیچے لکھا تھا کہ یہ شخص ملٹری اور سول پولیس کو ایک

گھناؤنے جرم کے سلسلے میں مطلوب ہے، جو شخص اس شخص کو پکڑ کر پولیس حوالے کرے گا یا اس کے بارے میں پولیس کو رپورٹ دے گا کہ یہ شخص فلاں جگہ موجود ہے اس کو پچاس ہزار روپے انعام دیا جائے گا...... جبران نے اخبار خرید کر ا[پنے] پاس رکھ لیا...... ناشتہ لے کر عمران کے پاس واپس آیا تو اخبار اس کے سامنے ر[کھتے] ہوئے کہا۔

"شیخ صاحب نے بالکل درست کہا تھا...... آج کے اخبار میں تمہارا خاکہ چھ[پا] ہے اور تمہاری گرفتاری کے لئے پولیس نے پچاس ہزار روپے کے انعام کا بھی ا[علان] کر دیا ہے"۔

کمانڈو عمران نے اخبار میں چھپا ہوا اشتہار اور اپنا خاکہ دیکھا تو کہنے لگا۔

"میں جزائر انڈیمان اور خاص طور پر پورٹ بلیئر کی پولیس کو داد دیتا ہو[ں] انہوں نے جو خاکہ اپنے آرٹسٹ سے بنوایا ہے وہ ہو بہو میری شکل کا ہے"۔

جبران نے کہا۔

"ہمارے لئے حالات اور زیادہ سنگین ہوتے جا رہے ہیں"۔

عمران بولا۔

"میرا خیال ہے کہ تم صبح صبح بستی میں جا کر کھانے کو کچھ لے آیا کرو...... یہی ہم رات کو بھی کھا لیا کریں گے...... تمہارا بار بار بستی میں جانا اب مناسب نہیں ہے"

جبران نے کہا۔

"ایک دکان ہے جہاں صبح صبح بھی بریانی کے پارسل تیار کئے جاتے ہیں"۔

یہاں ہم ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں...... ہمارے قارئین اس پر ضرور حیران ہو رہے ہوں گے کہ انڈیمان کے دور دراز جزیروں میں بریانی پارسل کہاں سے آ گئے...... ہم اس کی وضاحت یوں کریں گے کہ خلیج بنگال اور [...] کے سمندر کا جو جنوب مشرقی علاقہ ہے اور جہاں اوپر کی جانب رنگون ہے...... نیچے

لینڈ ہے...... اس کے بعد جزائر انڈیمان ہیں اور نیچے جنوب کی طرف سری لنکا اور اس کے آگے شمال مشرق کی جانب انڈونیشیا کے جزائر ہیں...... یہ سارے کا سارا علاقہ آج سے چھ سات سو سال پہلے عربوں کے تجارتی جہازوں کی گزرگاہیں تھیں...... مسلمان عرب تاجر بصرے سے جہاز لے کر بحرہ عرب میں سفر کرتے ہوئے سب سے پہلے ہندوستان کے جنوبی ساحل اور سری لنکا کے شمالی ساحل پر لنگر انداز ہوتے تھے...... یہاں ریشمی پارچات، عطریات اور دوسری اشیاء کے عوض ان علاقوں کے گرم مصالحے خریدتے اور پھر آگے انڈونیشیا تک جاتے تھے...... عربوں نے پرتگالیوں اور سپین کے جہاز رانوں سے بہت پہلے یہ تجارتی شاہراہ تلاش کر رکھی تھی...... یہ مسلمان عرب تاجر جس بندرگاہ پر لنگر انداز ہوئے وہاں کے لوگ عربوں کے اسلامی کلچر اور ثقافت سے بڑے متاثر ہوئے تھے...... عرب تاجروں کے ساتھ علمائے دین مبلغ کی حیثیت سے بھی سفر کرتے تھے...... یہ علمائے دین ان علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے تھے، چنانچہ ان بزرگانِ دین کی تبلیغ کا ہی نتیجہ ہے کہ آج سارے جنوب مشرقی ایشیا میں اسلام کا نور پھیلا ہوا ہے...... عرب مسلمان تاجروں نے ان علاقوں میں کئی مسجدیں بنائیں جہاں آج بھی پانچوں وقت اذان کی آواز گونجتی ہے...... یہ بریانی کا پکوان عرب مسلمان تاجر ہی اپنے ساتھ ان علاقوں میں لائے تھے، چنانچہ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہاں کے مسلمان اتنی عمدہ بریانی پکاتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے...... مدراس سے نیچے رامیشر دم تک ٹرین میں سفر کرتے ہوئے آپ کو چھوٹے سے چھوٹے سٹیشن پر بریانی کھانے کو مل جائے گی...... ہم نے خود ایک سٹیشن پر بریانی لے کر کھائی ہے...... یہ گرم گرم ہوتی ہے اور کیلے کے پتوں میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے...... اس علاقے کے لوگ اسے پارسل کہتے ہیں، چنانچہ جب جنوبی ہندوستان کے کسی سٹیشن پر گاڑی رکتی ہے تو دو تین آدمی بانس کی ٹوکریوں میں بریانی کے پارسل رکھے آتے ہیں اور آواز لگاتے ہیں۔

"بریانی پارسل...... بریانی پارسل"۔

اب ہم واپس اپنے کمانڈو دوستوں عمران اور جبران کی طرف آتے ہیں......

نئی پناہ گاہ شیخ صاحب نے کمانڈو عمران اور جبران کو مہیا کی تھی اور جہاں وہ رہ رہے تھے اس کے بارے میں دونوں دوستوں کو معلوم تھا کہ وہ یہاں زیادہ دیر نہ رہ سکیں گے کیونکہ اسی روز شام کے وقت جب جبران قریبی بستی میں بریانی کا پارسل لینے گیا تو اس نے لوگوں کو باتیں کرتے سنا کہ پورٹ بلیئر کی پولیس فوج کے ساتھ مل کر دہشت گردوں کی تلاش میں گھر گھر چھاپے مار رہی ہے۔

یہ پولیس پارٹی وہاں بھی آسکتی تھی جہاں عمران اور جبران چھپے ہوئے تھے......ا خدشات کا احساس شیخ صاحب کو بھی تھا، چنانچہ اسی رات شیخ صاحب چھپ کر عمران او جبران سے ملنے آئے اور انہوں نے بھی بتایا کہ پولیس ان کی تلاش میں ہے اور پور بلیئر کی ہر نئی اور پرانی بستی کی تلاشی لی جا رہی ہے...... عمران نے ان سے پوچھا۔

"پھر آپ کا کیا خیال ہے؟ ہمیں کیا کرنا چاہئے"۔

شیخ صاحب بولے۔

"اس وقت جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہی ہے کہ آپ کو کسی ایسی جگہ کم از ایک دو ماہ کے لئے چھپا دیا جائے کہ جہاں پولیس نہ پہنچ سکتی ہو...... اس کے بعد جب طرف کچھ سکون ہو جائے تو آپ کو یہاں سے نکال کر کلکتے کی جانب روانہ کر دیا جائے مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ایسی کون سی جگہ ہو سکتی ہے...... یہاں کے جنگلو میں بھی آپ نہیں جا سکتے...... یہاں کے جنگل بے حد خطرناک ہیں...... زہری حشرات الارض کے علاوہ یہاں کے جنگلوں میں جو جنگلی لوگ رہتے ہیں وہ باہر کے آدمی کو زہریلے تیروں سے ہلاک کر ڈالتے ہیں"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"کیا ہم اس جزیرے سے کسی دوسرے جزیرے میں نہیں جا سکتے؟ انڈیمان کے تو بے شمار جزیرے ہیں" مثال کے طور پر کیا ہم مارشل آئی لینڈ میں نہیں جا سکتے؟ وہاں

پ کا دوست عبدالکریم پہلے سے مقیم ہے"۔

شیخ صاحب بولے۔

"عبدالکریم وہاں نہیں ہے...... مارشل آئی لینڈ سے مجھے یاد آیا کہ یہاں سے پچاس میل جنوب میں بھارت کے مشرقی ساحل کی جانب ایک جزیرہ ہے جس کا نام کتھا کنی ہے...... اس کتھا کنی جزیرے میں میرا ایک پنجابی مسلمان دوست جنگل میں ٹائی کا ٹھیکیدار ہے...... وہ ایک مدت سے وہاں ٹھیکیداری کر رہا ہے...... اس کا نام غلام قادر ہے...... اگر تم کسی طرح وہاں پہنچ جاؤ تو پھر تم محفوظ ہو گے اور میرا دوست غلام قادر تمہیں کسی نہ کسی بڑے سٹیمر میں بٹھا کر وہاں سے مدراس بھجوا سکتا ہے...... اس جزیرے سے بڑے سٹیمر اور مال بردار جہاز لکڑیوں کے شہتیر لے کر مدراس جاتے رہتے ہیں"۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"پچاس میل کا فاصلہ کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے...... اگر ہم ساحل تک پہنچ جائیں اور ہمیں ایک کشتی مل جائے تو ہم کتھا کنی جزیرے پر پہنچنے کی کوشش کر سکتے ہیں"۔

شیخ صاحب بولے۔

"تمہیں سمندر کے سفر کا تجربہ نہیں ہے اور اس علاقے کا سمندر جسے کالا پانی کہتے ہیں دنیا کا انتہائی خطرناک اور ناقابل اعتبار سمندر ہے...... اس سمندر میں کسی بھی وقت کوئی طوفان آ سکتا ہے اور یہ گہرا اتنا ہے کہ آدھا کلکتہ اس میں غرق ہو جائے تو پتہ کا نہ چلے"۔

عمران نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"آپ ایک کام کیجئے...... کسی طرح ہمیں سمندر کے اس ساحل تک پہنچا دیں جہاں سے ہم جزیرہ کتھا کنی کی جانب سفر کر سکتے ہیں"۔

شیخ صاحب بولے۔

"یہی تو بات سوچنے والی اور پریشان کرنے والی ہے...... لیکن اس کے
کوشش کی جاسکتی ہے...... میں پتہ کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں کیا پیش رفت ہو
ہے...... انشاءاللہ کل رات کو آکر تمہیں ساری رپورٹ دوں گا"۔

شیخ صاحب چلے گئے...... دن بھی گزر گیا...... اگلے روز رات کو شیخ صاحب
حسب وعدہ ان کے پاس پہنچ گئے...... کہنے لگے۔

"تم لوگوں کا کتھا کنی جزیرے میں منتقل ہونے کا کام کافی حد تک مکمل ہو
ہے...... آپ لوگ ایسا کریں گے کہ کل شام کا اندھیرا ہوتے ہی یہاں سے نکل
پرانے کوارٹروں کے پیچھے جو سمندری چٹانیں ہیں وہاں پہنچ جائیں گے...... ان چٹانو
میں ایک سب سے اونچی چٹان ہے اور اس کی چوٹی اوپر سے تکونی ہے...... تم اس چٹا
کے پاس چھپ کر بیٹھ جاؤ گے...... جب آدھی رات گزر جائے گی تو سمندر میں ایک
کشتی نمودار ہوگی...... تم چٹان کے پاس آگ روشن کرکے بیٹھو گے...... کشتی کا ملا
تین بار ٹارچ کی روشنی دکھائے گا...... اس کے جواب میں تم جلتی ہوئی لکڑی کو اٹھا
سمندر کی طرف منہ کرکے گول دائرے کی شکل میں گھماؤ گے...... اس کے بعد کش
ساحل پر آجائے...... تم اس کشتی میں سوار ہو جاؤ گے...... یہ کشتی تمہیں وہاں سے جزی
کی طرف کتھا کنی جزیرے میں پہنچادے گی...... اس جزیرے میں میرا دوست غلا
قادر پہلے سے موجود ہوگا...... میں تمہیں اس کی فوٹو دکھائے دیتا ہوں...... غلام قا
تمہیں اپنے ساتھ لے جاکر ایک جگہ چھپادے گا اور موقع پاکر تمہیں کتھا کنی جزیر
سے مدراس کی طرف روانہ کردے گا"۔

اس کے بعد شیخ صاحب نے جیب سے بٹوہ نکالا اور اس میں سے ایک تصویر نکا
کر عمران اور جبران کو دکھائی...... یہ شیخ صاحب کے دوست غلام قادر ٹھیکیدار کی تصو

تھی...... دونوں نے اس تصویر کو اچھی طرح سے دیکھ لیا...... شیخ صاحب نے وہ تصویر عمران کو دیتے ہوئے کہا۔

"یہ تصویر تم اپنے پاس رکھو گے اور کتھا کنی پہنچ کر تصویر غلام قادر کے حوالے کردو گے...... یہی تمہاری شناخت ہوگی"۔

عمران نے کہا۔

"ہمیں کل رات کس وقت یہاں سے نکلنا چاہئے"۔

شیخ صاحب بولے۔

"اکیلے نکلنے کی حماقت ہرگز نہ کرنا...... تم راستہ بھول جاؤ گے...... میں خود تمہیں لینے آؤں گا...... میں کل رات کے نو بجے تمہارے پاس گاڑی لے کر آجاؤں گا...... تم تیار رہنا"۔

اس کے بعد شیخ صاحب چلے گئے...... اگلا سارا دن دونوں دوستوں نے پناہ گاہ میں ہی گزارا...... صرف تھوڑی دیر کے لئے جبران کھانے پینے کی چیزیں لینے قریبی بستی میں گیا...... رات کے ٹھیک نو بجے شیخ صاحب اپنی پرانی جیپ میں وہاں پہنچ گئے...... آتے ہی بولے۔

"خاموشی سے میرے ساتھ آجاؤ"۔

دونوں پہلے سے تیار بیٹھے تھے...... وہ شیخ صاحب کے پیچھے پیچھے چل دیئے...... جیپ ایک ٹیلے کی اوٹ میں کھڑی تھی...... دونوں شیخ صاحب کے ساتھ اس میں سوار ہوگئے اور جیپ ساحلی چٹانوں کی طرف روانہ ہوگئی...... فاصلہ کافی تھا...... کوئی آدھے گھنٹے بعد جیپ سمندر کے اس ساحل پر آگئی جہاں چٹانیں دور دور تک پھیلی چلی گئی تھیں...... ان میں ایک سب سے اونچی مخروطی چٹان تھی...... شیخ صاحب نے جیپ پیچھے ایک جگہ کھڑی کردی تھی۔

مخروطی چٹان کے پاس آکر انہوں نے عمران سے کہا۔

"تم لوگ یہاں چٹان کی اوٹ میں آگ جلاؤ گے اور اسی جگہ بیٹھ کر سامنے سمندر کی طرف دیکھتے رہو گے...... آدھی رات گزر جانے کے بعد سمندر میں دور ٹارچ کی روشنی ہو گی...... یہ روشنی تین بار ہو گی...... اس کے جواب میں تم جلتی ہوئی لکڑی کو تین بار دائرے کی شکل میں گھماؤ گے اور پھر خاموشی سے کشتی کے ساحل پر لگنے کا انتظار کرو گے"۔

شیخ صاحب نے عمران کو دیا سلائیوں کا ایک بکس دیا اور بولے۔

"یہاں کافی لکڑیاں اور جھاڑیاں وغیرہ بکھری ہوئی ہیں...... جب میں چلا جاؤں گا تو تم یہاں آگ روشن کر لینا اور اسے بجھنے مت دینا"۔

شیخ صاحب نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر وقت دیکھا اور کہا۔

"اس وقت رات کے پونے دس بجے ہیں...... میرا خیال ہے کہ رات کے سوا بارہ بجے کے قریب سمندر میں کشتی نمودار ہو گی...... یہ گھڑی تم اپنے پاس رکھو...... میری طرف سے تمہیں ایک تحفہ ہے"۔

اور شیخ صاحب نے گھڑی عمران کے حوالے کر دی...... اس کے بعد انہوں نے دونوں کمانڈو دوستوں سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

"اللہ تمہارا نگہبان ہو"۔

یہ کہہ کر وہ تیزی سے واپس پلٹے اور تیز تیز قدموں سے چلتے رات کے اندھیرے میں چٹانوں کے پیچھے غائب ہو گئے...... جبران نے عمران سے کہا۔

"شیخ صاحب بڑے مرد مجاہد آدمی ہیں...... ان کے دل میں اسلام، پاکستان اور جہاد کشمیر کے لئے جو محبت کا جذبہ موجزن ہے اس سے میں بہت متاثر ہوا ہوں"

عمران نے کہا۔

"میں بھی ان کے اس جذبے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں...... اب خدا کرے ہم یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں"۔

جبران کہنے لگا۔

"انشاء اللہ ہم یہاں سے نکل جائیں گے...... میرا خیال ہے ہمیں آگ روشن کر دینی چاہئے"۔

اندھیرے میں انہوں نے ادھر ادھر سے گھاس پھوس جھاڑیاں اور لکڑیاں وغیرہ اکٹھی کیں اور چٹان کی اوٹ میں آگ روشن کر دی...... لکڑیاں زیادہ خشک نہیں تھیں اس لئے آہستہ آہستہ سلگ رہی تھیں...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد عمران گھڑی پر وقت دیکھ لیتا تھا...... وہ آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے باتیں بھی کرتے رہے...... رات گزرتی چلی گئی...... بارہ بج گئے...... پھر جب گھڑی نے رات کے سوا بارہ بجائے تو دونوں دوستوں کی نگاہیں سمندر میں ٹارچ کی روشنی کا انتظار کرنے لگیں...... بارہ بج کر بیس منٹ پر دور سمندر میں تین بار ٹارچ کی روشنی جل کر بجھی...... عمران نے فوراً ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھائی اور سمندر کی طرف منہ کر کے اسے دائرے کی شکل میں گھمانے لگا...... اس کے بعد ٹارچ کی روشنی تو نہ ہوئی لیکن سمندر کی سطح پر رات کے اندھیرے میں ایک کافی بڑا سیاہ دھبہ سا ساحل کی طرف بڑھتا نظر آنے لگا۔

سمندر کا یہ ساحل نسبتاً پر سکون تھا اور لہروں کا زیادہ جوش و خروش نہیں تھا...... سیاہ دھبہ ساحل کے قریب آتا جا رہا تھا...... وہ سمجھ گئے کہ وہی کشتی ہے جس نے ٹارچ کی روشنی کا سگنل دیا تھا...... کشتی ساحل کے اور قریب آئی تو ستاروں کی روشنی میں وہ نظر آنے لگی...... یہ کافی بڑی کشتی تھی اور اسے دو ملاح کشتی کے دونوں کناروں پر بیٹھے لمبے لمبے چپوؤں کی مدد سے چلا رہے تھے۔

کشتی ساحل پر آ کر رک گئی...... عمران اور جبران اس کی طرف بڑھے...... ایک ملاح کشتی سے اتر کر ساحل پر آ گیا...... اس نے عمران اور جبران کو اندھیرے میں غور سے دیکھا اور ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی میں پوچھا۔

"تم شیخ صاحب کا آدمی؟"۔

عمران نے کہا۔

"ہاں...... ہمیں شیخ صاحب نے یہاں بھیجا ہے...... ہم تمہاری کشتی کا ہی انتظار کر رہے تھے"۔

ملاح نے کہا۔

"کشتی میں بیٹھو"۔

دونوں کشتی میں سوار ہو گئے اور کشتی سمندر میں واپس روانہ ہو گئی...... دونوں ملاح بڑے تجربہ کار ملاح تھے...... وہ کشتی کو سمندر کی موجوں کے اوپر سے نکال کر کھلے سمندر میں لے آئے...... اس کے بعد کشتی ایک ہموار رفتار کے ساتھ چل پڑی...... کھلے سمندر میں لہروں کا وہ جوش و خروش تو نہیں تھا مگر سمندر اوپر نیچے ضرور ہو رہا تھا...... اس طرح کشتی ایک جھولا سا جھولتی ہوئی اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی...... کچھ دور تک ساحل سمندر کی چٹانوں کے سیاہ دھبے رات کے اندھیرے میں نظر آتے رہے، پھر وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے...... اب کشتی کے چاروں جانب سمندر ہی سمندر تھا...... رات کی تاریکی میں سمندر کے سیاہ پانی سے خوف سا محسوس ہوتا تھا۔

عمران بڑا حیران تھا کہ دونوں ملاحوں کو سمت کا اندازہ کیسے ہو رہا ہے...... شاید آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں سے رہنمائی حاصل کر رہے تھے...... سمندر میں کوئی ایک گھنٹے تک سفر کرنے کے بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں ملاحوں نے جفاکشی کے ساتھ چلانے بند کر دیئے...... اب وہ سمندر میں چپو ڈال کر انہیں ایسی حرکت دے رہے جیسے کشتی کو ایک خاص سمت پر رکھنے کی کوشش کر رہے ہوں...... عمران نے محسوس کیا کہ سمندر کی لہروں کا بہاؤ ایک خاص سمت کو ہو گیا ہے اور کشتی اپنے آپ بہاؤ پر جا رہی ہے...... جبران نے کہا۔

"کتھا کنی جزیرے کا ساحل قریب آ رہا ہے"۔

عمران بولا۔

"ہاں...... ساحل قریب ہو تو سمندری لہروں کا بہاؤ ساحل کی طرف ہو جاتا ہے...... یہ قدرتی بات ہے"۔

اس کے باوجود ساحل ابھی کافی دور تھا...... گھنٹہ سوا گھنٹہ کشتی بہاؤ کے ساتھ ہی بہتی رہی...... سوا گھنٹے کے بعد جا کر عمران نے ایک طرف اشارہ کیا...... جبران نے اس طرف دیکھا...... رات کی تاریکی اور ستاروں کی پھیکی روشنی میں اسے دور سمندر میں ابھرتے ہوئے بڑے بڑے دھبے نظر آئے...... جبران بولا۔

"یہ کتھا کنی کا جزیرہ ہی ہو سکتا ہے"۔

"خدا کرے کہ وہی ہو" عمران نے آہستہ سے کہا۔

سیاہ دھبے بڑے ہوتے ہوئے ٹیلوں کی شکل اختیار کر گئے...... یہ بڑے بڑے سیاہ ٹیلے یا پہاڑیاں تھیں جن کے قریب سے کشتی گزری تھی...... ساحل کے قریب آ کر کشتی کی رفتار اپنے آپ تیز ہو گئی تھی...... سمندری ٹیلے کبھی ان کی دائیں جانب آ جاتے تھے کبھی بائیں جانب آ جاتے تھے...... آخر دور ساحل پر روشنی کے نقطے جھلملاتے نظر آئے...... جبران بولا۔

"یہ جزیرہ کتھا کنی کا ساحل ہو گا"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔

کشتی اپنے آپ لہروں کے بہاؤ کے ساتھ ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی...... ساحل تک پہنچتے پہنچتے بھی آدھ گھنٹہ لگ گیا...... آخر کشتی ساحل کی ریت پر آدھی چڑھ کر رک گئی...... دونوں ملاح کشتی سے اتر کر اسے ایک پتھر کے ساتھ باندھنے لگے...... اتنے میں درختوں میں سے نکل کر ایک آدمی کشتی کی طرف بڑھا...... جبران نے عمران سے کہا۔

"یہ شیخ صاحب کا دوست غلام قادر ہی ہو سکتا ہے"۔

وہ آدمی کشتی کے پاس آ کر رک گیا...... عمران اور جبران بھی کشتی سے اتر آئے

تھے...... اس آدمی نے پوچھا۔

"تمہارے نام کیا ہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"میرا نام عمران ہے...... یہ میرا دوست ہے...... اس کا نام جبران ہے"۔

اجنبی بولا۔

"میرا نام غلام قادر ہے"۔

پھر اس نے کہا۔

"کیا تمہارے پاس میری تصویر ہے؟"۔

عمران بولا۔

"جی ہاں...... آپ کی تصویر میرے پاس موجود ہے...... یہ شیخ صاحب نے ہمیں دی تھی کہ آپ کی امانت ہے منزل پر پہنچ کر اسے آپ کے حوالے کر دیں"۔

غلام قادر نے دیا سلائی جلائی اور بولا۔

"تصویر مجھے دے دو اور میری شکل بھی دیکھ لو کہ تصویر کے عین مطابق ہے"۔

عمران اور جبران نے غلام قادر کو دیا سلائی کی روشنی میں دیکھا...... ہو بہو تصویر والی شکل تھی...... غلام قادر نے اپنی تصویر عمران سے لے کر جیب میں رکھ لی اور سلائی بجھا کر بولا۔

"میرے ساتھ آجاؤ"۔

غلام قادر انہیں اپنے ساتھ لے کر درختوں کے نیچے سے گزرنے لگا...... کافی دیر تک چلنے کے بعد درختوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ایک کھاڑی آگئی...... کھاڑی وہ ہوتی ہے جہاں سمندر ایک ندی یا جھیل کی شکل میں جنگل کے اندر آجاتا ہے۔ کھاڑی کے دوسرے کنارے پر روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں...... غلام قادر نے کہا:

"یہ روشنیاں کتھا کنی جزیرے کی بندرگاہ کی ہیں...... یہ بہت چھوٹا جزیرہ ہے۔

کتھا کنی انڈیمان کے تمام جزیروں میں سے چھوٹا جزیرہ ہے...... لیکن یہاں سے انڈیا کا مشرقی ساحل اور مدراس کی بندرگاہ کا فاصلہ سب سے کم ہے، چنانچہ جنگل کی لکڑی سے بھرے ہوئے جہاز اسی بندرگاہ سے انڈیا کی طرف جاتے ہیں...... شیخ صاحب نے تمہیں بتا دیا ہوگا...... میرا یہاں ٹھیکیداری کا چھوٹا سا کاروبار ہے...... میں جنگل کا چھوٹا سا حصہ ٹھیکے پر لیتا ہوں اور جنگل کے پرانے درختوں کو کٹوا کر ان کی لکڑی انڈیا بھیج دیتا ہوں...... میں جوان تھا جب یہاں آیا تھا...... اب میری عمر ساٹھ سال کی ہو گئی ہے...... میرے بال بچے مدراس میں ہوتے ہیں...... مہینے میں ایک بار ان سے ملنے چلا جاتا ہوں"۔

وہ لوگ کھاڑی کے کنارے کنارے چل رہے تھے...... ایک جگہ غلام قادر کنارے سے ہٹ کر دائیں جانب درختوں میں ہو گیا...... یہ درختوں کے درمیان ایک چھوٹی سی پگڈنڈی بنی ہوئی تھی...... پگڈنڈی جہاں جا کر ختم ہوئی وہاں ایک کھلی جگہ تھی جہاں کٹے ہوئے درختوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا...... اندھیرے میں دو آرہ مشینیں بھی نظر آئیں...... پیچھے ناریل کے درختوں کے درمیان ایک ڈھلوان چھت والا مکان بنا ہوا تھا...... یہ مکان بھی زمین سے تین چار فٹ اونچی مچان پر بنا ہوا تھا...... اس کے باہر ایک لالٹین روشن تھی...... غلام قادر کہنے لگا۔

"اس جزیرے میں ابھی بجلی نہیں آئی...... ہم ڈیزل کے انجن کی مدد سے آرہ مشینیں چلا کر لکڑیوں کی کٹائی کرتے ہیں"۔

مکان کے دو کمرے تھے...... غلام قادر نے کہا۔

"آپ دونوں اس کمرے میں اطمینان سے سو جائیں...... یہاں آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے آپ لوگ بے فکر ہو کر سوئیں"۔

کمرے میں چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں...... غلام قادر چلا گیا...... عمران اور جبران ایک ایک چارپائی پر لیٹ گئے...... کمرے کی دو کھڑکیاں تھیں جن میں سے سمندر کی ہوا آرہی تھی...... بستر پر لیٹتے ہی وہ گہری نیند سو گئے...... صبح کافی دیر بعد ان کی آنکھ

کھلی...... غلام قادر نے کہا۔

"آجاؤ...... ناشتہ کرلو"۔

برآمدے میں بیٹھ کر انہوں نے ناشتہ کیا...... تھوڑی دیر بعد ڈیزل کا انجن سٹارٹ کردیا گیا...... آرہ مشین چلنے لگی اور مزدور شہتیروں کی چرائی کرنے لگے...... غلام قادر بولا۔

"پرسوں ایک مال بردار جہاز لکڑیاں لے کر مدراس جارہا ہے...... جہاز کا کپتان میرا دوست ہے...... میں تمہیں اس کے حوالے کردوں گا...... وہ تمہیں پوری حفاظت سے مدراس پہنچادے گا"۔

دونوں دوستوں نے دوسرا دن بھی غلام قادر کے ہاں گزار دیا...... تیسرے روز صبح جہاز نے چلنا تھا...... غلام قادر نے پچھلے پہر منہ اندھیرے آکر عمران اور جبران کو اٹھادیا...... دونوں نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور غلام قادر کے ساتھ کھاکنی کی بندرگاہ کی طرف روانہ ہوگئے...... بندرگاہ وہاں سے قریب ہی تھی...... صرف ایک جیٹی (پلیٹ فارم) کی بندرگاہ تھی...... ایک بحری جہاز جیٹی پر لگا ہوا تھا...... غلام قادر نے جہاز کے کپتان سے عمران اور جبران کا تعارف کرایا اور کہا۔

"یہی میرے دونوں کزن ہیں جنہیں مدراس جانا ہے"۔

جہاز کا کپتان گوا کا رہنے والا مضبوط قد کاٹھ کا آدمی تھا...... پائپ پی رہا تھا...... اس نے بڑی گرم جوشی سے عمران اور جبران سے ہاتھ ملایا اور بولا۔

"نو پرابلم...... ہم تمہیں مدراس پہنچادے گا"۔

غلام قادر...... عمران اور جبران کو کپتان کے حوالے کرکے چلا گیا...... کپتان دونوں کو جہاز کے اوپر والے ڈیک پر لے آیا...... کہنے لگا۔

"یہاں تم لوگ کیبن میں رہے گا"۔

ڈیک کی ایک جانب چھوٹا سا کیبن بنا ہوا تھا...... کپتان بولا۔

"کھانے کے ٹائم پر تم لوگ نیچے کینٹین میں آجائے گا...... نو پرابلم"۔

اور کپتان چلا گیا...... تھوڑی دیر بعد یہ مال بردار جہاز مدراس کی طرف اپنے سمندری سفر پر روانہ ہوگیا...... کپتان نے انہیں بتایا تھا کہ کھاکنی سے مدراس کی بندرگاہ کا فاصلہ پونے تین سو سمندری میل ہے اور جہاز تیسرے دن مدراس پہنچے گا۔

سمندر پرسکون تھا...... جہاز ایک خاص رفتار سے سمندر میں سفر کرتا رہا...... تیسرے دن سورج غروب ہورہا تھا کہ دور سے انڈیا کے ساحل کی روشنیاں نظر آنا شروع ہوگئیں...... عمران اور جبران ڈیک کے جنگلے کے ساتھ لگے ان روشنیوں کو دیکھ رہے تھے...... جبران نے کہا۔

"حالات ایسی صورت اختیار کرگئے تھے کہ مجھے انڈیا واپس پہنچنا ناممکن نظر آرہا تھا"۔

عمران بولا۔

"اللہ کی مدد ہمارے شامل حال تھی...... سارا سبب اسی مسب الاسباب نے پیدا کیا ہے...... ہم اللہ تعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کریں کم ہے"۔

شام ہوگئی تھی جب جہاز مدراس کے ساحل کے ساتھ لگ گیا...... کپتان اوپر ڈیک پر آگیا...... کہنے لگا۔

"ہم مدراس پہنچ گئے ہیں...... میرے ساتھ آؤ...... میں تمہیں خود بندرگاہ سے باہر نکالوں گا...... غلام قادر ہمارا دوست ہے...... اس نے ہمیں آرڈر کیا تھا کہ تم لوگوں کو خود بندرگاہ سے باہر نکالوں...... کم آن"۔

فرار کا ایسا انتظام عمران اور جبران کی زندگی میں پہلے کبھی نہیں ہوا تھا...... جہاز کے کپتان نے عمران اور جبران کو اپنے ساتھ لیا...... جہاز سے اتارا اور بندرگاہ کی جیٹی کے ایک مال گودام میں سے گزار کر بندرگاہ والی بڑی سڑک پر لے آیا...... کہنے لگا۔

"اب تم مدراس میں ہو...... جہاں چاہے جاسکتے ہو"۔

عمران اور جبران نے کپتان کا شکریہ ادا کیا تو کپتان بولا۔

"شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے...... غلام قادر ہمارا دوست ہے...... اس آرڈر تھا کہ تمہیں اپنی سیفٹی میں مدراس پہنچاؤں...... او کے...... اب ہم واپس جہاز جائے گا...... بائی!!

کپتان بندرگاہ کی طرف چلا گیا۔

عمران اور جبران مدراس کی ایک کشادہ سڑک پر کھڑے تھے جس کی دونوں جانب بجلی کے کھمبوں پر مرکری لائٹیں روشن تھیں اور سڑک کی دوسری طرف ک سٹور کی بہت بڑی عمارت تھی جس کے اوپر نیون سائن کا بورڈ جگ مگ کر رہا تھا۔ ایک طرف کوکا کولا کا نیون سائن کبھی روشن ہو رہا تھا اور کبھی بجھ رہا تھا...... سڑک ٹریفک رواں دواں تھی...... مدراس بھارت کا ایک اہم شہر اور بندرگاہ ہے اور صوبے صدر مقام بھی ہے...... یہاں کے لوگ تامل زبان بولتے ہیں جو دراوڑ قوم کی قد زبان تھی...... تاریخی تحقیق کے مطابق برصغیر میں آریاؤں کی آمد سے پہلے یہی ہڑپہ اور موہنجوداڑو میں حکومت کرتی تھی...... آریاؤں کے شمالی ہند پر قبضہ کے بعد قوم جنوبی ہند کی طرف پسپا ہو گئی...... عمران اور جبران کو اس شہر میں ٹھہرنا نہ تھا...... ان کی منزل دلی تھی...... چنانچہ وہ ایک آٹو رکشا میں بیٹھ کر مدراس سنٹرل ریلوے سٹیشن پر آ گئے...... یہاں سے انہیں دلی جانے والی گاڑی پکڑنی تھی...... یہ بڑا ریلوے سٹیشن تھا۔

دونوں دوست پلیٹ فارم پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے...... عمران کہنے لگا۔

"یہ معلوم کرنا چاہئے کہ دلی کی طرف کون سی گاڑی جاتی ہے اور کب جائے گی"۔

جبران بولا۔

"تم یہیں بیٹھو...... میں جا کر پتہ کرتا ہوں"۔

جبران چائے کے سٹال کی طرف چلا گیا...... عمران بنچ پر ہی بیٹھا رہا...... اگرچہ شہر دلی اور انڈیمان سے بہت دور تھا...... پھر بھی عمران اس نگاہ سے ماحول کا جائزہ

رہا تھا کہ وہ کسی کی نظر میں تو نہیں آ گئے...... پلیٹ فارم پر ریلوے پولیس کے سپاہی چل پھر رہے تھے...... ایک ملٹری پولیس کا جوان بھی گیٹ کے پاس کھڑا تھا...... جبران واپس آ گیا...... کہنے لگا۔

"دو گھنٹے بعد ایک گاڑی دلی کی طرف جا رہی ہے، مگر یہ پسنجر ٹرین ہے...... راستے میں بڑی دیر لگا دے گی"۔

عمران نے کہا۔

"پسنجر ٹرین ہمارے لئے بہت موزوں رہے گی...... مسافروں کے ہجوم میں ہم بھی روپوش رہیں گے"۔

جبران نے کہا۔

"یہ دو گھنٹے ہم کہاں گزاریں؟ یہاں پلیٹ فارم پر بیٹھے رہے تو خواہ مخواہ لوگوں کی نظروں میں آ جائیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"تو چلو تھرڈ کلاس کے مسافر خانے میں چل کر بیٹھ جاتے ہیں"۔

تھرڈ کلاس کا مسافر خانہ باہر تھا...... پلیٹ فارم پر صرف فسٹ اور سیکنڈ کلاس کے مسافر خانے ہی تھے...... وہ باہر نکل آئے...... تھرڈ کلاس کے مسافر خانے میں کافی لوگ بیٹھے تھے...... دونوں ایک جگہ بیٹھ گئے...... یہاں پولیس کا کوئی سپاہی نہیں تھا...... یہیں انہوں نے کینٹین سے چاول وغیرہ لے کر کھائے...... جب پونے دو گھنٹے گزر گئے تو مسافروں میں ہلچل سی پیدا ہوئی...... ٹرین کا وقت ہو گیا تھا...... عمران اور جبران بھی مسافروں کے ساتھ پلیٹ فارم پر آ گئے...... ٹکٹ انہوں نے پہلے ہی خرید رکھے تھے...... پلیٹ فارم پر دلی جانے والی پسنجر ٹرین کھڑی تھی...... وہ ٹرین میں سوار ہو گئے...... یہ سفر بھی کافی طویل اور تھکا دینے والا سفر تھا...... ٹرین صوبہ تامل ناڈو سے نکل کر دوسرے دن صبح صوبہ آندھرا پردیش میں داخل ہو گئی...... حیدر آباد دکن کے

سٹیشن پر ٹرین کافی دیر کھڑی رہی...... عمران اور جبران ٹرین کے ڈبے میں ہی چھپ کر بیٹھے رہے...... باہر پلیٹ فارم پر نکلنا خطرے کو دعوت دینا تھا...... آخر حیدر آباد (دکن) سے ٹرین چل پڑی...... اس کے بعد دوسرا بڑا اسٹیشن ناگ پور آتا تھا...... حیدر آباد سے اس کا فاصلہ بہت طویل تھا...... آخر ناگ پور کے بہت بڑے ریلوے سٹیشن سے بھی ٹرین آگے نکل گئی...... اس کے بعد ٹرین مدھیہ پردیش کے بڑے اہم سٹیشن جبل پور سے ہوتی ہوئی اتر پردیش کے تاریخی شہر بنارس کی طرف روانہ ہوئی...... بنارس انگریزوں کے زمانے کا نام ہے...... اب اس شہر کا نام وارناسی ہو گیا ہے...... وارناسی سے گاڑی لکھنئو، بریلی اور مراد آباد سے ہوتی ہوئی دلی پہنچ گئی۔

یہ سفر تین دنوں میں طے ہوا تھا...... ٹرین جب دلی کے ریلوے سٹیشن میں داخل ہوئی تو دن ڈھل رہا تھا...... ٹرین میں ہی عمران نے جبران کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ حاجی صاحب کے ہوٹل میں الگ الگ ہو کر جائیں گے اور پلیٹ فارم پر اجنبی مسافروں کی طرح اتریں گے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا...... عمران اتر کر ایک طرف اور جبران اتر کر دوسری طرف منہ کر کے چل دیا...... ایک گھنٹے بعد وہ آگے پیچھے حاجی صاحب کے چاندنی چوک والے ہوٹل میں حاجی صاحب کے سامنے بیٹھے تھے۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"ہم تمہارے اس کارنامے پر جتنا فخر کریں کم ہے...... بھارت کی میزائل فیکٹری اڑا کر تم نے کشمیری مجاہدین کے حوصلے بلند کر دیئے ہیں اور بھارتی فوج کے وقار کو کاری ضرب لگائی ہے...... اب تمہارا کیا پروگرام ہے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"ہمیں اپنے بیس Base یعنی کشمیر کے محاذ پر واپس جانا ہے"۔

حاجی صاحب نے عمران کو خاص طور پر متنبہ کرتے ہوئے کہا۔

"عمران! تمہیں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انڈیا کے

اخباروں میں تمہاری تصویر کا وہ خاکہ جو انڈیمان کے انگریزی اخبار میں چھپا تھا شائع ہو چکا ہے اور یہاں کے لوگ تمہاری شکل سے واقف ہو گئے ہیں...... پولیس نے تمہارے خاکے کے نیچے یہ اعلان بھی شائع کرایا ہے کہ یہ شخص پاکستان کا دہشت گرد جاسوس ہے اور جو کوئی اس کو گرفتار کروائے گا یا اس کے بارے میں پوری معلومات مہیا کرے گا اسے پچاس ہزار روپے نقد انعام دیا جائے گا"۔

"مائی گاڈ" عمران بے اختیار بولا...... "تو میری تصویر یہاں کے اخباروں میں بھی چھپ چکی ہے...... خیر کوئی بات نہیں...... ہم پہلے سے زیادہ محتاط ہو کر سفر کریں گے"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"بلکہ ہمیں دلی سے کشمیر تک کا سفر الگ الگ ہو کر کرنا چاہئے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"یہ سب سے بہتر رہے گا"۔

پھر حاجی صاحب نے عمران کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تمہاری تصویر کا جو خاکہ اخباروں میں چھپا ہے اس میں تمہاری شیو بالکل صاف ہے...... اب تمہاری شیو تھوڑی بڑھ گئی ہے...... تم ابھی شیو مت کرنا...... شیو کرو گے تو فوراً پہچانے جاؤ گے"۔

رات دونوں کمانڈو دوستوں نے حاجی صاحب کے ہاں بسر کی...... صبح صبح جبران کشمیر کی طرف روانہ ہو گیا...... دوسری گاڑی دوپہر کے دو بجے جاتی تھی...... عمران ایک بجے تک حاجی صاحب کے ہوٹل میں ہی چھپا رہا...... پورے ایک بجے وہ آٹو رکشے میں بیٹھ کر سٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

ٹرین ٹھیک دو بجے چلتی تھی...... عمران نے جموں تک کا ٹکٹ لیا اور پلیٹ فارم پر آکر کونے میں بیٹھ گیا...... اس نے احتیاط کے طور پر سر پر مفلر لپیٹ رکھا تھا...... ٹرین ابھی نہیں آئی تھی...... یہ ٹرین بمبئی سے جموں تک چلتی تھی...... پلیٹ فارم پر دلی سے

آگے جانے والی سواریوں کا کافی ہجوم تھا...... دو تین پولیس والے بھی چل پھر رہے تھے...... سپیکر پر اعلان ہوا کہ جموں توی جانیوالی ٹرین ایک گھنٹہ دیر سے پہنچے گی...... یہ خبر عمران کے لئے بڑی منحوس تھی...... اسے مزید ایک گھنٹہ پلیٹ فارم پر بسر کرنا تھا جہاں پر کوئی اسے دیکھ سکتا تھا، لیکن مجبوری تھی...... وہ واپس حاجی صاحب کے ہوٹل میں بھی نہیں جانا چاہتا تھا...... یہی سوچ کر بیٹھا رہا کہ ایک گھنٹے کی بات ہے...... گزر جائے گا، لیکن اس ایک گھنٹے میں کیا کچھ ہونے والا تھا اس کی عمران کو خبر نہیں تھی...... وہ کچھ دیر تو بنچ پر بیٹھا رہا...... پھر اٹھ کر ٹہلتا ٹہلتا پلیٹ فارم کے اس سرے کی طرف چلا گیا جہاں کوئی مسافر نہیں تھا...... وہاں لکڑی کے تین چار کریٹ ساتھ ساتھ پڑے تھے...... وہ ایک کریٹ پر بیٹھ گیا...... اس کا رخ ریلوے لائن کی طرف تھا۔

اتنے میں پیچھے سے کسی نے اسے آواز دے کر پوچھا۔

"بھائی صاحب...... آپ کے پاس ماچس ہوگی؟"۔

عمران نے مڑ کر دیکھا...... ایک پتلون قمیض والا سانولی رنگت اور گھنگھریالے سیاہ بالوں والا مضبوط جسم کا آدمی ہاتھ میں سگریٹ لئے کھڑا تھا...... عمران کی چھٹی حس نے اچانک بیدار ہو کر اسے بتادیا کہ عمران تم خطرے میں گھر گئے ہو...... لیکن کمانڈ عمران نے اپنے چہرے پر پریشانی کا ذرا سا بھی تاثر نہ آنے دیا...... اس نے کہا۔

"میں سگریٹ نہیں پیتا"۔

"اچھا...... آئی ایم سوری" اجنبی نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا اور پھر اس کے پاس ہی دوسرے کریٹ پر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"آپ اچھا کرتے ہیں سگریٹ نہیں پیتے...... یہ بڑی بری عادت ہے...... کریں...... یہ عادت ہمیں پڑ چکی ہے"۔

عمران نے کوئی جواب نہ دیا اور سامنے دوسرے پلیٹ فارم کی طرف دیکھتا رہا۔

اجنبی نے پوچھا۔

"آپ کہاں جارہے ہیں؟"۔

عمران سمجھ گیا کہ اس آدمی کو اس پر شک ہو گیا ہے اور وہ اس کا اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہے...... اس نے یونہی کہہ دیا۔

"امرتسر جارہا ہوں"۔

"وہاں آپ کا کوئی کاروبار ہے؟" اجنبی نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"جی نہیں...... میں اپنے ایک دوست رام پرشاد سے ملنے جارہا ہوں...... اس کی ئی سیوان کے بازار میں کتابوں کی دکان ہے"۔

"آپ کہاں سے آرہے ہیں؟" اجنبی نے دوسرا سوال کیا...... عمران نے سوچا کہ اس شخص سے اونچی نیچی بات کی تو کہیں معاملہ بگڑ نہ جائے...... اس لئے اس کے ساتھ نارمل انداز میں ہی بات کی جائے تو بہتر ہے...... اس نے کہا۔

"میں دلی ہی کا رہنے والا ہوں، مگر آپ یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"۔

اجنبی نے عمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"مجھے لگتا ہے کہ میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے"۔

عمران نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

"ہوسکتا ہے دلی میں کہیں دیکھا ہو"۔

اجنبی بولا۔

"آپ کی زبان دلی والوں کی زبان نہیں ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میں امرتسر پنجاب کا رہنے والا ہوں...... دلی کے چاندنی چوک میں میری کتابوں کی دکان ہے...... اپنی فیملی کے ساتھ دلی میں ہی رہ رہا ہوں"۔

اجنبی نے کہا۔

"کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟"۔

عمران کو غصہ تو بہت آیا، مگر مصلحت کا تقاضا تھا کہ وہ ٹھنڈے دل سے کام لے اور اس آدمی کے ہر سوال کا جواب دینے کی کوشش کرے...... یہاں پھر جلدی میں عمران سے غلطی ہو گئی اور اس نے اپنے آپ کو ہندو ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"میرا نام کرم چند ہے"۔

خدا جانے اس اجنبی نے کوئی خاص اشارہ کیا یا انہوں نے پہلے سے معاملہ طے کر رکھا تھا...... اچانک تین پولیس کے سپاہی کسی طرف سے نکل کر وہاں آگئے۔ اجنبی نے ان میں سے ایک سپاہی سے کہا۔

"یہ کرم چند جی ہیں...... دلی میں کتابوں کا بزنس کرتے ہیں...... امرتسر اپنے دوست رام پرشاد سے ملنے جا رہے ہیں...... تھوڑی دیر کے لئے انہیں آفس میں لے چلیں...... مجھے ان سے کچھ باتیں کرنی ہیں"۔

عمران کے جسم میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی...... وہ پھنس گیا تھا۔



اجنبی نوجوان سی آئی اے کا آدمی تھا اور اس نے پہلی نظر میں ہی عمران کو پہچان لیا تھا...... عمران نے اپنے ہوش حواس برقرار رکھے اور قدرے رعب سے پوچھا۔

"آپ لوگ مجھے کیا سمجھ رہے ہیں؟ میں کوئی مجرم نہیں ہوں"۔

اجنبی نے کہا۔

"ہم کب کہتے ہیں کہ آپ مجرم ہیں...... ہم تو صرف آپ کی خاطر داری کرنے کے لئے اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں...... آیئے...... تشریف لے چلئے"۔

عمران کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ پولیس کے سپاہیوں نے اسے پکڑ کر فوراً ہتھکڑی لگا دی...... سی آئی اے کے آدمی نے کہا۔

"اسے لے چلو"۔

عمران اب بے بس ہو گیا تھا...... وہ پولیس کے قبضے میں تھا اور بھاگ نہیں سکتا تھا...... وہ یہ سوچنے لگا کہ اب آگے کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے...... پلیٹ فارم پر ریلوے پولیس کا آفس تھا...... سپاہی اسے وہاں لے آئے اور ایک چھوٹے خالی کمرے میں کرسی پر بٹھا دیا...... تھوڑی دیر بعد اجنبی نوجوان بھی آ گیا...... اس کے ساتھ ایک باوردی پولیس آفیسر بھی تھا...... دونوں اس کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے...... اجنبی نے عمران سے کہا۔

"تمہارا پورا ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے...... بہتر ہے کہ تم اپنے جرم کا اعتراف کر لو...... اپنا جرم تسلیم کر لینے میں ہی تمہاری بھلائی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا...... آپ لوگ میرے ساتھ زیادتی کر رہ
ہیں...... میں بھارت کا آزاد شہری ہوں...... آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ بغیر وار
دکھائے مجھے گرفتار کریں"۔

اجنبی نے پولیس آفیسر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کپور جی! اسے وارنٹ دکھا ہی دیں"۔

پولیس آفیسر نے جیب سے اخبار کا ایک تراشہ نکال کر عمران کے سامنے یہ
رکھ دیا...... یہ اخبار میں چھپی ہوئی عمران کی تصویر تھی جس کے نیچے لکھا تھا کہ یہ ا
خطرناک پاکستانی دہشت گرد ہے، جو کوئی اسے زندہ گرفتار کروانے میں پولیس کی
کرے گا یا اس کے بارے میں کوئی اطلاع دے گا اسے نقد انعام دیا جائے گا۔

پولیس آفیسر کپور نے عمران کو اس کی تصویر دکھاتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کی تصویر ہے اور یہی آپ کی گرفتاری کا وارنٹ بھی ہے"۔

پھر اس نے رعب دار آواز میں کہا۔

"تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ اپنے جرم کا اعتراف کرلو"۔

عمران بولا۔

"یہ میری تصویر نہیں ہے...... کسی نے جان بوجھ کر مجھ سے دشمنی کرتے ہ
یہ خاکہ میری شکل کا بنا کر پولیس کو دے دیا ہوگا"۔

پولیس آفیسر نے اخبار کا تراشہ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور سی آئی اے
نوجوان سے پوچھا۔

"اس نے اپنا نام کیا بتایا تھا؟"۔

سی آئی اے والے نے کہا۔

"کرم چند نام بتایا تھا"۔

پولیس آفیسر بولا۔

"ذرا اسے اندر لے جا کر چیک کراؤ کہ یہ اصل میں کون ہے"۔

اس وقت عمران کو احساس ہوا کہ اس نے اپنے آپ کو ہندو ظاہر کر کے کتنی
حماقت کی ہے...... اب تو وہ بالکل پھنس گیا تھا...... سی آئی اے والے نے
ہوں سے کہا۔

"اسے اندر لے جا کر دیکھو...... یہ ہندو ہے کہ مسلمان ہے"۔

سپاہی اسے دوسرے کمرے میں لے گئے...... چند لمحوں کے بعد اسے باہر لے
ئے...... ایک سپاہی نے کہا۔

"سر! یہ مسلمان ہے...... ہندو نہیں ہے"۔

پولیس آفیسر اب عمران کی طرف متوجہ ہوا...... اس نے کرسی کھینچ لی اور عمران
بالکل سامنے اور قریب ہو گیا اور عمران کی ٹھوڑی کو اپنے بید کے ڈنڈے سے اوپر
تے ہوئے بولا۔

"ہمیں صرف اتنا بتا دو کہ انڈیمان میں ایٹمی فیکٹری کی تباہی میں تمہارے ساتھ
کون کون کمانڈو تھے...... اگر تم ہمیں ان کے نام بتا دو اور یہ بتا دو کہ وہ کہاں چھپے
ئے ہیں تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے"۔

عمران سمجھ گیا کہ کھیل ختم ہو گیا ہے...... اب آئیں بائیں شائیں کرنے کا کوئی
دہ نہیں ہے...... اس نے کہا۔

"میں نے اکیلے یہ آپریشن کیا ہے...... میرے ساتھ اور کوئی نہیں تھا"۔

دوسرا سی آئی اے والا کہنے لگا۔

"ہمارے پاس تمہاری فائل کی مکمل کاپی پورٹ بلیئر سے پہنچ چکی ہے...... اس
سے پتہ چلتا ہے کہ تم اکیلے نہیں تھے...... تمہارے ساتھ اور بھی پاکستانی کمانڈو
ہمیں ان کے ٹھکانے بتا دو اور اپنی جان بچا کر چلے جاؤ...... اگر اس بات کی

تصدیق ہوگئی کہ تمہارے ساتھی کمانڈو پولیس کی تحویل میں آگئے ہیں تو ہم تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کریں گے اور تمہیں خود فرار ہونے کا موقع دے دیں گے"۔

عمران جانتا تھا کہ یہ سب جھوٹ ہے..... یہ خود مجھے چھوڑ دیں؟ اس کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا..... اب تو اس کے سامنے ایک ہی راستہ تھا کہ سی آئی اے کے ہاؤس میں ان کی وحشیانہ درندہ صفت اذیتیں برداشت کرنے کی کوشش کرے اور زبان بند رکھے اور جب تک زندہ رہ سکتا ہے زندہ رہے اور ان لوگوں کو کچھ نہ بتانے کی کوشش کرتا رہے اور پھر اگر مر جائے تو مر جائے۔

عمران نے اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ کوئی کمانڈو ساتھی نہیں تھا اور میں بھی پاکستانی کمانڈو نہیں ہوں..... میرا تعلق کشمیر کے مجاہدین کی ایک جماعت سے ہے جو انڈین آرمی کی درندگیوں کا مقابلہ کر رہی ہے"۔

سی آئی اے والے نوجوان کا نام بنواری لعل تھا..... پولیس آفیسر کپور نے سی آئی اے کے آدمی بنواری لعل سے کہا۔

"بنواری! لاتوں کے بھوت باتوں سے کبھی نہیں مانتے..... اسے قلعے میں لے چلو"۔

دلی کے لال قلعے میں بھارت کا سب سے بدنام اور خطرناک ترین ٹارچر ہاؤس تھا..... کمانڈو عمران نے اس تہہ خانے کے بارے میں بڑی ہوش ربا اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی داستانیں سن رکھی تھیں..... بھاگنے کا کوئی مقام نہیں تھا..... اسے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی اور دو سپاہی اس کے دائیں بائیں موجود تھے..... بنواری لعل نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر! میں اسے خود لال قلعے لے جاتا ہوں..... آپ بھی پہنچ جائیں اور سب تھانوں کو سگنل دے دیں کہ انڈیمان کا مفرور دہشت گرد پکڑا لیا گیا ہے"۔

"او کے"۔

یہ کہہ کر پولیس آفیسر نے سپاہیوں کو اشارہ کیا..... سپاہی عمران کو لے کر باہر پلیٹ فارم پر آگئے..... باہر پولیس کی گاڑی موجود تھی..... سپاہیوں نے عمران کو گاڑی کے اندر دھکیل دیا..... خود بھی اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے..... بنواری لعل خود گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور گاڑی دلی کے شور وغل والے بازاروں میں سے گزرتی دلی کے مشہور لال قلعے کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔

لال قلعے میں جا کر عمران کو ایک زیر زمین کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا..... کوٹھڑی میں صرف ایک کمزور روشنی والا بلب جل رہا تھا..... فرش پر گھاس پھوس کے اوپر ایک پھٹی پرانی سی دری بچھی ہوئی تھی..... کوٹھڑی کا دروازہ آہنی تھا اور بند تھا..... عمران نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کمانڈو جبران اس کے ساتھ نہیں تھا، ورنہ وہ بھی عمران کے ساتھ پکڑا گیا ہوتا..... اب عمران کو کم از کم یہ تسلی ضرور تھی کہ جبران آزاد ہے اور وہ کشمیر کے جہاد میں شریک ہو جائے گا..... اگرچہ وہاں سے فرار ہونے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر عمران نے فرار کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔

دوسرے روز عمران سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی..... اسے گرفتار کرنے والے اور تھے اور پوچھ گچھ کرنے والے دوسرے لوگ تھے..... یہ تین آفیسر تھے..... ان کی وردیاں بری فوج کی تھیں..... ان میں ایک مراٹھا تھا باقی دو ڈوگرے تھے..... مراٹھا آفیسر کی وردی پر ایک کراؤن بنا ہوا تھا جو میجر کا نشان ہوتا ہے..... باقی دونوں فوجیوں کی وردیوں پر عہدے کا کوئی نشان نہیں تھا، لیکن شکل صورت سے وہ بھی فوجی افسر لگتے تھے..... مراٹھا میجر کو ان میں سے ایک نے بالا جی کے نام سے پکارا تھا..... بالا جی کا رنگ گہرا سانولا تھا اور ماتھے پر زخم کا لمبا نشان تھا..... وہ شکل ہی سے سنگدل لگتا تھا..... اس نے عمران کی کوٹھڑی میں آتے ہی عمران کو زور سے ٹھڈا مارا..... عمران بلبلا کر اٹھ کھڑا ہوا..... اس کے بعد عمران سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی..... سب سے زیادہ زور اس بات پر تھا کہ تمہارے ساتھ اور کون کون تھا..... تم جزائر انڈیمان بس

س جگہ ٹھہرے تھے...... عمران کے پاس ان کے ہر سوال کا ایک ہی جواب تھا کہ
اکیلا ہوں...... میرے ساتھ اور کوئی نہیں تھا اور میں پاکستانی کمانڈو نہیں ہوں
کشمیری مجاہد ہوں...... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ لوگ یہ تسلیم کرتے، چن
عمران پر تشدد شروع ہو گیا۔

اس وحشیانہ تشدد کی تفصیل بیان کرنے کی ہم اس لئے ضرورت محسوس نہ
کرتے کہ بھارت کی پولیس اور انٹیلی جنس پکڑے جانے والے کشمیری مجاہدین
ساتھ جو درندوں والا وحشیانہ سلوک کرتی ہے اس سے ہمارے قارئین بھی اور سا
دنیا واقف ہے...... عام کشمیری مجاہد اور عمران میں صرف اتنا ہی فرق تھا کہ عمران ا
تربیت یافتہ کمانڈو بھی تھا اور اسے اذیت برداشت کرنے کی ٹریننگ ملی ہوئی تھی
پھر بھی اذیت اذیت ہی ہوتی ہے...... ٹریننگ کا یہ مطلب نہیں تھا کہ عمران کے جس
اگر بجلی کے جھٹکے دیئے جاتے تھے یا اس کے جسم کو جلتے ہوئے سگریٹوں سے داغا جا
یا زنبور ڈال کر اس کا کوئی دانت اکھاڑ دیا جاتا تھا یا اس کے ناخنوں کو چاقو سے گوشت
الگ کیا جاتا تھا تو اسے تکلیف نہیں ہوتی تھی...... تکلیف اسے بھی ہوتی تھی، لیکن
برداشت کر لیتا تھا۔

ایک ہفتہ عمران پر وحشیانہ تشدد جاری رہا، مگر اس نے زبان سے سوائے اس
کے اور کچھ نہ کہا کہ میں اکیلا ہوں...... میرا کوئی ساتھی نہیں ہے...... میں نے جو کچھ
اکیلے ہی کیا...... جب مراٹھا میجر اور دوسرے فوجی عمران کو اذیت دے دے کر خود
تنگ آ گئے تو مراٹھا میجر نے عمران سے کہا۔

"ہم تمہیں آخری موقع دے رہے ہیں...... اگر اب بھی تم نے اپنے ساتھ
کے نام پتے نہ بتائے تو تمہیں قلعے کی فصیل سے سر کے بل نیچے پھینک دیا جائے گا
اوپر سے تم پر مشین گن کی فائرنگ کی جائے گی"۔

عمران نے کوئی جواب نہ دیا...... وہ سمجھ گیا کہ یہ لوگ اب اسے مار ڈالنے کا

چکے ہیں...... اس نے اپنے آپ سے کہا...... عمران! اگر اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی ہے تو
اسے کوئی نہیں ٹال سکتا...... لیکن اگر قدرت کی طرف سے ابھی تمہارا وقت نہیں
تو بھارت کی ساری فوج مل کر تم پر گولہ باری کرے تب بھی تمہارا کچھ نہیں بگڑ
...... اگلے روز صبح صبح مراٹھا میجر اور فوجیوں کے ساتھ عمران کی کوٹھڑی میں
...... اس نے آتے ہی عمران سے کہا۔

"تمہارا آخری وقت آ گیا ہے...... لیکن اب بھی کچھ وقت ہے...... اگر تم مجھے یہ
دو کہ تمہارے ساتھ اور کون کون تھا اور وہ لوگ انڈیمان میں یا بھارت میں کہاں
پوش ہیں تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا اور تمہیں
نسی کے تختے سے نیچے اتار لیا جائے گا"۔

اس کے جواب میں عمران نے کہا۔

"میں نے یہ سارا کام اکیلے ہی کیا ہے...... میرے ساتھ کوئی نہیں تھا"۔

مراٹھا میجر نے دو تین بار یہی سوال دہرایا...... عمران نے ہر بار وہی جواب دیا......
اٹھا میجر نے ایک فوجی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کیپٹن اسے قلعے کی چھت پر لے چلو"۔

وہاں دو اور فوجی آ گئے...... یہ جو نئے فوجی آئے ان کی وردیاں نیلی تھیں اور
رفورس کے جوان تھے...... عمران کو ہتھکڑی لگا دی گئی...... اسے کوٹھڑی سے باہر نکالا
عمران پر نقاہت طاری تھی...... دو فوجیوں نے اسے پکڑ رکھا تھا...... اسے قلعے کی
ت پر لے جایا گیا...... چھت پر ایک طرف چھوٹا سا خیمہ لگا تھا جس کے آگے ایک
اور دو کرسیاں پڑی تھیں...... خیمہ کے پاس آ کر عمران کو چھت کے فرش پر بٹھا دیا
...... مراٹھا میجر نے ایک فوجی سے کہا۔

"سکوڈرن لیڈر صاحب کو رپورٹ کرو کہ پاکستانی دہشت گرد آ گیا ہے"۔

سپاہی فوراً یس سر کہہ کر خیمے کے اندر چلا گیا...... تھوڑی ہی دیر بعد واپس آ کر بولا۔

"سر! سکویڈرن لیڈر صاحب آ رہے ہیں"۔

اتنے میں خیمے کے اندر سے ایک سانولے رنگ کا دبلا پتلا آدمی نکلا جو انڈ
ایئر فورس کے سکویڈرن لیڈر کی وردی میں تھا...... عمران نے اسے پہلی نظر میں
پہچان لیا...... یہ وہی انڈین پائلٹ رام گوپال تھا جس کے جہاز کو کارگل کے محاذ
مجاہدین نے مار گرایا تھا اور اسے گرفتار کر لیا تھا اور بعد میں عمران نے اس کو اسلام
بارے میں تھوڑی بہت تبلیغ کی تھی اور رام گوپال اسلامی تعلیمات اور کشمیری مجاہد
کے سلوک سے اس قدر متاثر ہوا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے...... ا
کے بعد دلی سے انڈین پائلٹ آفیسر کو خط ملا تھا کہ اس کی ماتا جی بڑی بیمار ہیں...... یہ
اس نے کشمیری مجاہدین کو دکھایا تو انہوں نے اسے فوراً رہا کر کے ریڈ کراس کے ذر
بھارتی سفارت خانے پہنچا دیا تھا...... پائلٹ رام گوپال مجاہدین کے سلوک سے بے
متاثر ہوا تھا اور اس نے عمران کو بتا دیا تھا کہ وہ دل سے اسلام قبول کر چکا ہے...... ج
رام گوپال کو ریڈ کراس کے حوالے کیا جا رہا تھا تو وہ عمران کے گلے لگ کر ملا تھا اور ا
نے کہا تھا۔

"تم لوگوں نے میرے ساتھ جس ہمدردی کا سلوک کیا ہے...... میں اسے سا
زندگی فراموش نہیں کر سکوں گا...... اگر کبھی زندگی میں میں تمہارے کام آ گیا تو
اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا"۔

اب وہی پائلٹ رام گوپال سکویڈرن لیڈر کی وردی میں خیمے سے باہر نکلا تھا
کو دیکھ کر تینوں چاروں فوجیوں نے اسے سلیوٹ کیا تھا...... مراٹھا میجر نے عمران
طرف اشارہ کر کے کہا۔

"سر! پاکستانی جاسوس کو لے آئے ہیں"۔

سکویڈرن لیڈر رام گوپال نے عمران کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"اس نے اپنے ساتھیوں کے نام پتے نہیں بتائے؟"۔

میجر نے کہا۔

"نہیں سر! یہ کچھ نہیں بتاتا"۔

سکویڈرن لیڈر میز پر سے اخبار اٹھا کر کرسی پر بیٹھ گیا اور اخبار پر نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اسے شوٹ کر کے قلعے کی فصیل سے نیچے گرا دو"۔

میجر نے بازو سے پکڑ کر عمران کو اوپر اٹھایا تو عمران نے سکویڈرن لیڈر رام گوپال سے کہا۔

"سر! جنیوا کنونشن کی رو سے آپ دشمن کے کسی قیدی کے ساتھ ایسا وحشیانہ سلوک نہیں کر سکتے"۔

سکویڈرن لیڈر رام گوپال نے اخبار پر سے نظریں ہٹا کر عمران کو دیکھا...... وہ کچھ کہنے لگا تھا کہ عمران پر نظر پڑتے ہی ٹھٹھک سا گیا...... اس نے عمران کو پہچان لیا تھا...... اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اس نے عمران کو پہچان لیا ہے، مگر سکویڈرن لیڈر نے ظاہر نہ ہونے دیا...... چہرے کے تاثرات وہی رکھے اور مراٹھا میجر سے کہا۔

"میجر! اسے میرے پاس چھوڑ جاؤ...... میں خود اس سے آخری بار پوچھ گچھ کروں گا...... میں اسے جنیوا کنونشن کی رو سے ایک موقع اور دینا چاہتا ہوں"۔

مراٹھا میجر بولا۔

"یس سر!"۔

اس نے عمران کو وہیں بٹھا دیا اور اپنے ساتھی فوجیوں کو لیکر وہاں سے چل دیا...... اس کے جانے کے بعد سکویڈرن لیڈر رام گوپال نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے عمران کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا۔

"دوست! تم نے مجھ پر جو بہت بڑا احسان کیا تھا...... شاید اس کا بدلہ چکانے کا وقت آ گیا ہے...... میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا...... کوئی سوال نہیں کروں گا اور

تمہیں یہاں سے فرار ہونے کا موقع فراہم کروں گا، لیکن میں یہ سب کچھ ضابطے کے اندر رہ کر کروں گا...... میں تمہارے احسان کو کبھی نہیں بھلا سکتا...... اگر تم اس وقت مجھے رہائی نہ دلواتے تو میری ماتاجی میرے غم میں مر جاتیں"۔

عمران نے کہا۔

"ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا فرض تھا کہ میں تمہارے ساتھ رحم کا سلوک کروں"۔

رام گوپال بولا۔

"میں بھی ایک مسلمان ہی ہوں...... میں نے دل سے اسلام قبول کر لیا ہے، لیکن کسی پر ظاہر نہیں کیا...... میں ظاہر کر بھی نہیں سکتا...... یہ میری مجبوری ہے...... میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے یہ موقع دیا کہ میں بھی تمہارے کسی کام آسکوں...... اب ایسا ہے کہ میں تم سے بظاہر سختی کا سلوک کروں گا، مجھے ایسا کرنا پڑے گا...... میں تمہاری ہتھکڑی کھول کر تمہیں یہ نہیں کہوں گا کہ عمران بھائی...... بھاگ جاؤ...... اب تم آزاد ہو...... میں خواہش کے باوجود ایسا نہیں کر سکتا...... البتہ میں تمہارے لئے ایسے حالات ایسا موقع پیدا کر دوں گا کہ تم فرار ہو سکو...... اب تم ایک کام کرو...... مجھے تین آدمیوں کے اسلامی نام بتاؤ"۔

اور سکویڈرن لیڈر رام گوپال نے کاپی بال پوائنٹ نکال کر سامنے رکھ لیا...... عمران نے اسے تین اسلامی نام لکھوا دیئے...... رام گوپال نے تینوں مردانہ نام کاپی پر لکھ لیے اور بولا۔

یہ فوجی لوگ تم سے پوچھیں تو تم یہی کہنا کہ میں نے موت کے خوف کی وجہ سے سکویڈرن لیڈر صاحب کو اپنے ساتھیوں کے نام بتا دیئے تھے...... یہ نام فرضی ہیں...... میں ان کے ایڈریس بھی فرضی لکھوں گا...... اس طرح سے ضابطے کی کارروائی کی ایک شق پوری ہو جائے گی...... ملٹری پولیس ان پتوں پر جا کر چھاپے مارے گی......

آدمی کہیں نہیں ملیں گے...... اس کی رپورٹ میرے پاس آئے گی اور میں اس پر نوٹ لکھ دوں گا کہ پاکستانی جاسوس نے جان بچانے کے لئے جھوٹے نام پتے لکھوا دیئے تھے...... اس لئے اس سے ایک بار پھر پوچھ گچھ کی جائے، لیکن اس دوران تم فرار ہو چکے ہو گے، اسی طرح زمین پر بیٹھے رہو"۔

میز کی ایک جانب کالے رنگ کا پرانی طرز کا ٹیلی فون پڑا تھا...... رام گوپال نے فون کا نمبر ملایا اور کسی سے کہا۔

"میجر کو اوپر بھیج دو...... پاکستانی جاسوس نے اپنے ساتھیوں کے نام اور ایڈریس بتا دیئے ہیں...... اوپر آ جاؤ"۔

تھوڑے وقفے کے بعد وہی مراٹھا میجر اور دونوں فوجی قلعے کی چھت پر آ گئے...... اس دوران سکویڈرن لیڈر رام گوپال نے فرضی مسلمانوں کے ناموں کے آگے دلی اور کلکتے کے فرضی ایڈریس لکھ رکھے تھے...... اس نے کاغذ کی لسٹ میجر کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"میجر! اس کاغذ پر اس کے ساتھی دہشت گردوں کے نام اور پتے درج ہیں...... دو دہشت گرد بھوپال میں روپوش ہیں اور ایک دہشت گرد دلی میں ہے...... فوراً چھاپہ مار پارٹی تیار کر کے دلی میں روپوش پاکستانی دہشت گرد کو گرفتار کیا جائے اور دوسرے دو دہشت گردوں کے لئے تم خود پارٹی لے کر بھوپال جاؤ اور ان دہشت گردوں کے ایڈریس پر اچانک چھاپہ مار کر انہیں گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ...... میں حیران ہوں کہ تم کس طرح پوچھ گچھ کرتے ہو کہ کوئی مجرم تمہارے آگے اقبال جرم نہیں کرتا...... میں نے ایک منٹ کے اندر اندر اس سے تین دہشت گردوں کے نام اور پتے معلوم کر لئے ہیں"۔

میجر نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے سر آپ کے آرڈر پر فوری عمل ہو گا، لیکن سر اس پاکستانی دہشت گرد

کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟''۔

رام گوپال نے کہا۔

''اسے واپس قلعے کے تہہ خانے میں لے جا کر بند کر دو...... یہ اس وقت تک تہہ خانے میں بند رہے گا جب تک کہ اس کے ساتھی گرفتار نہیں ہو جاتے...... اگر وہ گرفتار نہ ہوئے تو ہم سمجھ جائیں گے کہ اس نے جان بچانے کے لئے جھوٹ بولا ہے اور ہمیں فرضی نام پتے لکھوائے ہیں...... اس کے بعد اس پاکستانی دہشت گرد کو میں خود گولی سے اڑاؤں گا''۔

''یس سر''۔

میجر نے سپاہیوں سے کہا۔

''اسے نیچے لے جا کر بند کر دو''۔

عمران کو ہتھکڑی لگی ہوئی تھی...... انہوں نے اسے اٹھایا اور قلعے کے تہہ خانے میں لے جا کر بند کر دیا...... عمران قدرت کے اس معجزے پر ابھی تک حیران تھا...... اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ قدرت نے نہ صرف اسے موت کے منہ سے بچا لیا ہے بلکہ اس کے لئے فرار کی راہ بھی ہموار کر دی ہے...... خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے عمران کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

مرہٹہ میجر نے اسی وقت ملٹری پولیس کو ساتھ لیا اور رام گوپال کے لکھے ہوئے فرضی ایڈریس کی تلاش شروع کر دی...... وہ تو بالکل فرضی ایڈریس تھا...... نام بھی فرضی تھا...... ملٹری پولیس کی پارٹی ایک گھنٹے کی دربدری کے بعد ناکام واپس قلعے میں آ گئی...... مرہٹہ میجر نے فوراً سکوڈرن لیڈر رام گوپال کو جا کر رپورٹ کی اور کہا کہ پاکستانی جاسوس نے اپنے دلی کے جس ساتھی کا نام اور ایڈریس بتایا تھا اس نام کا کوئی آدمی وہاں نہیں رہ رہا۔

''اور سر! یہ ایڈریس بھی غلط ملط ہے''۔

رام گوپال سکوڈرن لیڈر نے مصنوعی غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے...... اس نے جھوٹ بولا ہے...... اس کو جھوٹ کا مزا چکھایا جائے گا، لیکن کارروائی پوری ہونی چاہئے...... تم فوراً ایک دوسری پارٹی ترتیب دو اور بھوپال چلے جاؤ...... قیدی نے بھوپال میں روپوش اپنے جن دو دہشت گردوں کے نام اور ایڈریس بتائے ہیں وہاں چھاپہ مار کر انہیں گرفتار کرو...... اگر اس نام کے کوئی آدمی وہاں پر نہ ہوں تو فوراً واپس آ کر رپورٹ کرو، تاکہ ایک سیکنڈ ضائع کئے بغیر میں اس پاکستانی جاسوس کو شوٹ کر سکوں''۔

''یس سر!''۔

مرہٹہ میجر نے اسی روز ملٹری پولیس کی ایک پارٹی کو ساتھ لیا اور بھوپال شہر کی طرف روانہ ہو گیا...... اسی شام سکوڈرن لیڈر رام گوپال نے ایک پائلٹ آفیسر کو ساتھ لیا اور قلعے کے تہہ خانے میں کمانڈو عمران کی کوٹھڑی میں آ گیا...... پائلٹ آفیسر کو اس نے بطور گواہ ساتھ لیا تھا...... رام گوپال نے کوٹھڑی میں داخل ہوتے ہی عمران کو دو تین ٹھڈے مارے اور کہا۔

''حرام خور...... تو نے ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی؟ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تمہارے جھوٹ کا پول کھل جائے گا...... اپنے دلی کے ساتھی کا تم نے جو نام اور ایڈریس دیا تھا وہاں اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہے...... ایڈریس بھی تم نے غلط لکھوایا تھا...... اب غور سے سنو...... ہماری ایک فوجی پارٹی بھوپال جا چکی ہے...... تم نے اپنے جن دو ساتھیوں کے نام پتے لکھوائے تھے اور بتایا تھا کہ وہ بھوپال میں ان جگہوں پر روپوش ہیں...... اگر وہاں بھی یہ دونوں دہشت گرد نہ ملے تو پھر میں تمہیں قلعے کی فصیل کے اوپر لے جا کر خود شوٹ کروں گا...... لیکن''۔

رام گوپال رک گیا...... پھر بولا۔

''لیکن میں تمہیں ایک آخری موقع دینا چاہتا ہوں...... اب بھی اگر تم اپنے

ساتھیوں کے صحیح صحیح نام اور ان کے ایڈریس بتادو تو تمہاری جان بچ سکتی ہے...... میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر ہم نے تمہارے ساتھی گرفتار کر لئے تو پھر تمہیں ہم آزاد کر دیں گے"۔

عمران بولا

"میں نے سب نام پتے صحیح بتائے تھے...... اس کے سوا میں کچھ نہیں کہنا چاہتا"۔

عمران سمجھ گیا تھا کہ سکوڈرن لیڈر رام گوپال اپنی سکیم کے تحت اسے کوئی خاص بات کہنے آیا ہے...... کیونکہ یہ ساری سکیم اس کی تھی...... اس نے فرضی نام لکھے تھے اور اسی نے دہشت گردوں کے فرضی ایڈریس لکھے تھے...... رام گوپال نے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر تم علیحدگی میں مجھے اپنے ساتھیوں کے نام پتے بتانا چاہتے ہو تو میں اپنے آفیسر کو باہر بھیج دیتا ہوں"۔

اس نے اپنے پائلٹ آفیسر سے کہا۔

"مسٹر منوہر لعل! تم تھوڑی دیر کے لئے باہر چلے جاؤ...... ہو سکتا ہے یہ ذلیل قیدی مجھے علیحدگی میں اپنے ساتھیوں کے نام بتادے"۔

"یس سر!"۔

اتنا کہہ کر پائلٹ آفیسر کوٹھڑی سے نکل گیا...... اس کے جاتے ہی سکوڈرن لیڈر رام گوپال نے دھیمی آواز میں کمانڈو عمران سے کہا۔

"میں تمہیں اس کوٹھڑی کے تالے کی ڈپلی کیٹ چابی دیئے جا رہا ہوں...... جب ہم یہاں سے نکل جائیں تو تم سلاخوں میں سے ہاتھ باہر نکال کر تالا کھول کر نکل جانا...... اس قلعے کی ایک خفیہ سرنگ ہے...... تم کوٹھڑی سے نکلنے کے بعد اوپر سیڑھیاں چڑھنے کے بجائے راہ داری میں بائیں جانب مڑ جانا...... اس راہ داری کے آگے سیڑھیاں ہیں جو نیچے سرنگ میں اترتی ہیں...... یہ سرنگ لال قلعے کے پچھواڑے میدان میں جا نکلتی ہے...... بس میں تمہارے لئے اتنا ہی کر سکتا ہوں"۔

اس کے بعد سکوڈرن لیڈر رام گوپال نے جیب سے چابی نکال کر عمران کو دے دی اور پائلٹ آفیسر کو آواز دی...... پائلٹ آفیسر منوہر لعل اندر آگیا...... سکوڈرن لیڈر نے اس کے سامنے عمران کو برا بھلا کہا...... دو تین ٹھڈے بھی مارے اور کہا۔

"بھوپال والے تمہارے ساتھی بھی فرضی نکلے تو کل صبح میں خود آکر تمہیں گولی سے اڑا دوں گا"۔

اور سکوڈرن لیڈر رام گوپال اپنے پائلٹ آفیسر کے ساتھ کوٹھڑی سے نکل گیا...... باہر سے اس نے سلاخوں والے دروازے پر تالا لگا دیا اور دونوں چلے گئے...... کمانڈو عمران نے اٹھ کر تالے کا جائزہ لیا...... اس کوٹھڑی کا ایک ہی کیواڑ تھا جو بڑے مضبوط اور لوہے کی موٹی سلاخوں کا جنگلا تھا...... اس کا تالا دیوار میں لگتا تھا...... سلاخوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ تھا کہ اس کا ہاتھ باہر نکل سکتا تھا...... عمران نے ہاتھ باہر نکال کر تالے پر پھیرا...... اس نے اندازہ لگا لیا کہ وہ تالے کو چابی لگا سکتا ہے...... یہ کام اس نے رات کے وقت جب اندھیرا ہو جائے تو کرنا تھا...... وہ رات کا انتظار کرنے لگا...... وہاں نہ کوئی روشن دان تھا نہ کہیں سے دن کی روشنی ہی اندر آتی تھی کہ جس سے عمران کو سورج غروب ہونے اور رات کے چھا جانے کا علم ہو سکتا...... اسے اتنا معلوم تھا کہ رات کے وقت ایک آدمی اس کے لئے دال اور روٹی لے کر آتا ہے۔

وہ چپ چاپ بیٹھا اللہ کی قدرت پر حیران ہوتا اور خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ جس نے غیب سے اس کے فرار کا انتظام کر دیا تھا...... وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس بھارتی پائلٹ کو اس نے قید سے رہائی دلوائی تھی وہ اس طرح اسے اچانک مل جائے گا اور اس کے فرار کی راہ ہموار کر دے گا...... سچ ہے اللہ جب مہربان ہوتا ہے تو غیب سے مدد کے سامان مہیا کر دیتا ہے...... اب وقت بڑی مشکل سے گزر رہا تھا...... آخر وہ آدمی عمران کے لئے دال اور دو روٹیاں لے کر آگیا، جو رات کے وقت آیا کرتا تھا...... جب وہ دال روٹی سلاخوں کے نیچے سے اندر رکھ کر چلا گیا تو عمران ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا......

اس کی کوٹھڑی میں کوئی بلب نہیں لگا ہوا تھا...... راہ داری میں ایک دھیمی روشنی والا لیمپ روشن تھا جس کی روشنی سلاخوں میں سے ہوتی ہوئی کوٹھڑی میں آ رہی تھی...... عمران نے جیب سے چابی نکالی اور تالے کی طرف ہاتھ بڑھانے سے پہلے کان لگا کر سنا کہ باہر سے آدمیوں کے بولنے کی آواز تو نہیں آ رہی...... ایسا نہیں تھا...... باہر اور اندر ہر طرف گہری خاموشی طاری تھی۔

عمران نے اللہ کا نام لے کر چابی والا ہاتھ سلاخوں کے چوکور سوراخ میں سے باہر نکالا اور تالے کے قریب لے جا کر چابی تالے میں ڈالنے کی کوشش شروع کر دی...... تین چار بار کوشش کرنے کے بعد وہ تالا کھولنے میں کامیاب ہو گیا...... اس نے تالا سلاخ سے الگ کر دیا اور کوٹھڑی کے کیواڑ کو باہر کی طرف دھکیلا...... وہ کھل گیا...... عمران دبے پاؤں کوٹھڑی سے نکلا اور سامنے اوپر کو جاتی سیڑھیاں چڑھنے کی بجائے اپنی بائیں جانب ہو گیا...... راہ داری میں چلتے چلتے آگے زینہ نیچے جاتا دکھائی دیا...... سکویڈرن لیڈر رام گوپال کی ہدایت کے مطابق خاموشی سے آگے جا کر بائیں جانب مڑ گیا...... آگے زینہ نیچے جاتا تھا...... عمران زینہ اتر کر سرنگ میں داخل ہو گیا...... سرنگ میں کالا سیاہ اندھیرا چھایا ہوا تھا...... وہ دیوار کا سہارا لے کر سرنگ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا چلا گیا...... سرنگ کبھی بائیں جانب مڑ جاتی اور کبھی دائیں جانب مڑ جاتی...... ایک جگہ سرنگ کی چڑھائی آ گئی...... بیس پچیس قدم چلنے کے بعد سرنگ ہموار ہو گئی...... یہاں پہنچ کر پہلی بار عمران کو ہوا میں تازگی اور گھاس پتوں کی مہک سی محسوس ہوئی...... پھر سامنے سے تازہ ہوا کے ایک دو جھونکے آ گئے۔

عمران سمجھ گیا کہ سرنگ ختم ہونے والی ہے۔

کچھ دیر کے بعد دور سرنگ میں دھیمی دھیمی روشنی کا غبار سا دکھائی دیا...... یہ سرنگ کا وہ دہانہ تھا جو قلعے کے عقب میں جھاڑیوں کے درمیان نکلتا تھا...... عمران سرنگ سے نکل کر جھاڑیوں کو سامنے سے ہٹاتا باہر آ گیا...... اس نے دیکھا کہ وہ قلعے

کے عقبی میدان میں کھڑا ہے اور دائیں بائیں اور سامنے دلی شہر کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں...... اس کے پیچھے قلعے کی دیو ہیکل دیوار تھی جو اندھیرے میں ایک پہاڑ کی ڈھال بنی ہوئی تھی...... عمران نے ایک طرف چلنا شروع کر دیا...... اس کی جیب خالی تھی...... وہ میدان عبور کر کے سڑک پر نکل آیا...... سڑک پر کسی کسی وقت کوئی گاڑی وغیرہ گزر جاتی تھی...... عمران نے سمت کا اندازہ لگایا...... پھر بھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ پرانی دلی کے کس علاقے میں آ گیا ہے...... صرف یہ اسے تسلی اور اطمینان تھا کہ چاندنی چوک لال قلعے کے قریب ہی ہے اور اسے زیادہ دور نہیں جانا پڑے گا...... حاجی صاحب کا ہوٹل چاندنی چوک میں ہی تھا۔

وہ قلعے کی فصیل کے جنوب مشرق کی طرف ہو گیا اور چلتا رہا...... کچھ دیر کے بعد اسے اپنی دائیں طرف دلی کی جامع مسجد کے میناروں کی روشنی نظر آ گئی...... اس روشنی نے اسے راستہ بتا دیا...... دشمن کی اذیتیں برداشت کرتے کرتے اس پر کسی حد تک نقاہت ضرور طاری تھی، مگر اس کا جذبہ اور عزم بلند تھا اور یہی جذبہ اسے ایک شیر کی طرح زندہ رکھے ہوئے تھے...... آخر وہ چاندنی چوک میں پہنچ گیا...... رات زیادہ نہیں گزری تھی...... چاندنی چوک میں خوب چہل پہل تھی...... عمران کا کرتہ پاجامہ بوسیدہ حالت میں تھا...... وہ لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتا ہوا حاجی صاحب کے ہوٹل کے سامنے آ گیا...... ہوٹل میں گاہک بیٹھے رات کا کھانا کھانے میں مصروف تھے...... اکاؤنٹ پر حاجی صاحب خود بیٹھے تھے۔

عمران خاموشی سے ہوٹل میں داخل ہوا اور اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھا...... زینے میں جا کر وہ رک گیا اور ایک نظر حاجی صاحب کو دیکھا...... حاجی صاحب نے بھی عمران کو دیکھ لیا تھا اور اس کو دیکھتے ہی وہ بے چین سے ہو کر کاؤنٹر سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے...... عمران زینے کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے کمرے کے بند دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا...... اتنے میں حاجی صاحب بھی اوپر آ گئے......

انہوں نے آتے ہی عمران کو دیکھ کر کہا۔

"کیا بات ہوئی؟"۔

عمران نے آہستہ سے کہا۔

"پہلے کمرہ کھولیں"۔

حاجی صاحب نے چابی لگا کر کمرہ کھول دیا...... عمران جلدی سے کمرے میں دا
ہوا اور پلنگ پر بیٹھ گیا...... حاجی صاحب بھی اندر آ گئے اور انہوں نے بتی روشن کر
اور دروازہ بند کر دیا...... حاجی صاحب عمران کو حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔

"جبران کہاں ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"وہ کشمیر کے محاذ پر پہنچ گیا ہوگا...... میں سٹیشن پر ہی پکڑا گیا تھا اور لال قلعے
فرار ہو کر آ رہا ہوں"۔

حاجی صاحب عمران کے سامنے بیٹھ گئے۔

"تمہاری آنکھ سوجھی ہوئی ہے"۔

"مجھے وحشیانہ اذیت کا نشانہ بنایا گیا، مگر میں ثابت قدم رہا اور اللہ تعالیٰ نے ا
اسباب پیدا کر دیئے کہ میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا"۔

اس کے بعد عمران نے مختصر الفاظ میں اپنی ساری داستان بیان کر دی...... حا
صاحب تعجب کے ساتھ سنتے رہے...... کہنے لگے۔

"سکوڈرن لیڈر رام گوپال کا ملنا قدرت کا ایک معجزہ تھا"۔

عمران نے کہا۔

"اگر وہ نہ ملتا تو میں اس وقت آپ کے سامنے نہ بیٹھا ہوتا اور بہت ممکن ہے
کل مجھے شوٹ کر دیا جاتا، کیونکہ میں نے تھرڈ ڈگری ٹارچر کے باوجود اپنے کسی سا
نام اور پتہ نہیں بتایا تھا"۔

حاجی صاحب بولے۔

"تم منہ ہاتھ دھو لو...... میں تمہارے لئے کھانا لاتا ہوں"۔

حاجی صاحب تیزی سے باہر نکل گئے...... عمران نے غسل خانے میں جا کر منہ
ہاتھ دھویا...... بال ٹھیک کئے اور صوفے پر آ کر بیٹھ گیا...... حاجی صاحب خود عمران
کے لئے کھانا لے کر آ گئے...... انہوں نے عمران کو گرم گرم سوپ پلایا...... تھوڑی سی
مرغ بریانی کھلائی...... اس کے بعد عمران نے چائے پی تو اس کے جسم کی کھوئی ہوئی
توانائی کافی حد تک واپس آ گئی...... حاجی صاحب بولے...... "اب تم سو جاؤ...... کل صبح
بات ہوگی"۔

عمران اسی حالت میں پلنگ پر لیٹ گیا...... تھوڑی دیر بعد ہی وہ گہری نیند سو رہا
تھا...... دوسرے دن اس کی جاگ کھلی تو اس نے کارنس پر رکھے کلاک کی طرف
دیکھا...... دن کے دس بج رہے تھے...... عمران نے اٹھ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ
شیو بنا ڈالی...... غسل کیا اور تازہ دم ہو کر صوفے پر بیٹھ گیا...... اتنے میں حاجی صاحب
بھی آ گئے...... ان کے ہاتھ میں بڑا سا لفافہ تھا...... کہنے لگے۔

"پرانے کپڑے اتار کر یہ کپڑے پہن لو"۔

حاجی صاحب عمران کے لئے ایک ریڈی میڈ پتلون اور قمیض لائے تھے......
کہنے لگے۔

"میں تمہیں باہر نکلنے کی اجازت نہیں دوں گا...... مجھے اپنے پاؤں کا ناپ دے دینا
میں تمہارے لئے نئے جوگر شوز بھی لے آؤں گا...... اب ناشتہ کر لو"۔

ہوٹل کا بوڑھا ملازم ناشتہ لے کر آ گیا...... عمران نے ناشتہ کیا...... اس کے بعد
حاجی صاحب اس کے پاؤں کا ناپ لے کر چلے گئے...... ایک گھنٹے بعد واپس آئے تو
ان کے نئے جوگر شوز ان کے پاس تھے...... عمران نے شوز پہن لئے...... پتلون
وہ پہلے ہی پہن چکا تھا...... حاجی صاحب اس کے پاس بیٹھ گئے اور بولے۔

"تم لال قلعے سے فرار ہوئے ہو اور یہ سارا علاقہ لال قلعے کا ہی علاقہ ہے۔
اس اعتبار سے پولیس نے اور سی آئی ڈی نے خاص طور پر اس علاقے کو گھیرے ب
لے لیا ہوگا، چنانچہ میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ کم از کم تین دن تک تم باہر م
نکلنا...... اس کے بعد جیسے حالات ہوں گے اس کے مطابق عمل کریں گے...... م
ایک ایک منٹ کی رپورٹ لیتا رہوں گا...... میرے آدمی مجھے صورت حال سے باخ
رکھیں گے"۔

ہوٹل کے اس چھوٹے سے کمرے میں روپوش ہوئے کمانڈو عمران کو دو د
گزرے تھے کہ شام کے وقت حاجی صاحب آ گئے...... کمرے کی بتی روشن تھی...... و
عمران کے قریب ہو کر بیٹھ گئے اور جیب میں سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر عمران ک
دکھایا اور بولے۔

"اسے پڑھو"۔

عمران نے کہا۔

"اس میں پڑھنے والی کون سی بات ہے...... یہ تو کسی نے آپ کے نام خط لکھا ہے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"میں جانتا ہوں...... تم اسے پڑھو...... اور مجھے بھی سناؤ"۔

کمانڈو عمران ذرا اونچی آواز میں خط پڑھنے لگا...... لکھا تھا۔

"محترمی حاجی صاحب!

پرسوں میرے بیٹے کے ولیمے کی دعوت ہے...... میں چاہتا ہوں کہ ولیمے پر آپ
ہوٹل کی طرف سے مہمانوں کے کھانے پینے کا اہتمام ہو...... برائے مہربانی اپنے ر
مندرجہ ذیل پتے پر ہمیں لکھ بھیجیں۔ شکریہ!

احسان الٰہی ٹھیکیدار

بازار سیتارام دلی"

کمانڈو عمران نے خط سنا کر کہا۔

"یہ آپ مجھ سے کیوں پڑھا رہے ہیں...... اس میں تو کسی ٹھیکیدار نے آپ کے
ہوٹل کے ریٹ مانگے ہیں"۔

حاجی صاحب نے خط اپنے ہاتھ میں لے لیا اور معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"اس خط میں جو تحریر لکھی ہوئی ہے اس کا اصل مفہوم کچھ اور نکلتا ہے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"میں سمجھا نہیں"۔

حاجی صاحب بولے۔

"جب تک میں نہیں سمجھاؤں گا تم سمجھو گے بھی نہیں"۔

اس کے بعد حاجی صاحب بولے۔

"یہ خط کوڈ الفاظ میں لکھا گیا ہے...... اس کی تحریر کچھ اور ہے مگر اس کا مطلب
چھ اور ہے...... یہ ایک خفیہ پیغام ہے جو میرے نام آیا ہے اور جسے بھارت میں تعینات
مارے سب سے بڑے جاسوس باس نے بھیجا ہے...... اس کے اصل نام سے کوئی بھی
اقف نہیں اور اس کو ہم میں سے کسی نے آج تک دیکھا بھی نہیں...... سب اسے مسٹر
یکس کے لقب سے یاد کرتے ہیں...... ہمارا باس مسٹر ایکس صرف ان حالات میں ہم
ے رابطہ پیدا کرتا ہے جب اس نے ہم سے کوئی بڑا اہم کام لینا ہوتا ہے...... اب
نو...... میں تمہیں اس خط کے خفیہ الفاظ کو کھول کر خط کا اصلی مطلب بتاتا ہوں......
ں خط میں لکھا ہے...... دلی میں حکومت کے سب سے بڑے خفیہ ادارے ایف بی آئی
نیا سربراہ آیا ہے جس کا نام جنرل کرشنم چاری ہے...... یہ شخص مدراس کا رہنے والا
ے اور مدراسی جلاد کے نام سے مشہور ہے...... یہ شخص دلی میں ہم لوگوں کے خلاف
یک بڑی خونی قسم کی مہم شروع کرنے والا ہے...... اس مہم میں ہمارے سارے
دمیوں کو گرفتار کر کے انہیں فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑے کر کے شوٹ کر دیا

جائے گا...... اس آدمی کو قتل کرنا بہت ضروری ہے...... یہ شخص نئی دلی کی لو
سٹریٹ والے اپنے بنگلے سے روزانہ صبح نو بجے راج بھون اپنے ہیڈ آفس میں جانے کے
لئے نکلتا ہے...... باقی باتیں للّی بتائے گی...... للّی سے رابطہ کرو۔

فقط! مسٹر ایکس

حاجی صاحب نے خط میز پر رکھ دیا اور کہنے لگے۔

"اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ جس خط کو تم ایک معمولی کاروباری خط سمجھ رہے تھے وہ ہمارے لئے کتنی زبردست اہمیت کا حامل ہے"۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"یہ للّی کون ہے؟"۔

حاجی صاحب بولے۔

"میں تمہیں بتاتا ہوں کہ للّی کون ہے...... للّی ہمارے زمین دوز گروپ کی سب سے زیادہ بہادر اور دلیر لڑکی ہے"۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"اس نے آج تک اپنے مذہب کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا...... سب اسے للّی کے نام سے جانتے ہیں...... للّی اپنے ماں باپ، اپنے خاوند اور دو بچوں کے ساتھ مدراس میں رہتی تھی...... اس کا خاوند سرکاری ملازم تھا اور مسلمانوں اور پاکستان کے لئے اس کے دل میں محبت کا جذبہ تھا...... اتفاق سے اس کے سرکاری آفس میں ایک سازش کا انکشاف ہوا جس کے سلسلے میں للّی کے خاوند پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ بھارتی حکومت کے خلاف یہ سازش اسی نے تیار کی تھی...... اسے گرفتار کر لیا گیا...... کرشنم چاری جو اب ایف بی آئی کا ہیڈ بن کر نئی دلی آیا ہے، اس وقت سرکاری ایجنسی کا ہیڈ تھا...... اس کے حکم سے للّی کے خاوند، اس کے ماں باپ اور اس کے دونوں بچوں کو پاکستان سے محبت کے جذبات رکھنے اور انڈیا کے خلاف سازش کا جال بچھانے کے

الزام میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا...... وہ للّی کو بھی قتل کروانا چاہتا تھا لیکن موقع پر فرار ہو گئی...... اس کے بعد سے للّی ہمارے گروپ میں شامل ہو گئی اور عہد کر لیا کہ جب تک وہ کرشنم چاری کو قتل کر کے اپنے ماں باپ، خاوند اور کے قتل کا بدلہ نہیں لے گی چین سے نہیں بیٹھے گی، چنانچہ اسی وجہ سے ہمارے مسٹر ایکس نے تمہیں للّی سے ملنے کو کہا ہے"۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"مس للّی کہاں ملے گی؟"۔

حاجی صاحب بولے۔

"اس سلسلے میں مجھے آج رات کو باس مسٹر ایکس کی طرف سے کوئی نہ کوئی سگنل مل جائے گا...... اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ یہ سارا منصوبہ ایف بی آئی کے نئے سربراہ کرشنم چاری کو قتل کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہے...... اگر اسے قتل نہ کیا گیا تو وہ تمام کشمیری مجاہدوں کے لئے زیر زمین کام کرنے والے ہمارے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دے گا...... ایک اطلاع کے مطابق کرشنم چاری کو ہمارے زیر زمین کام کرنے والے سرفروشوں کے ٹھکانے کا تھوڑا بہت سراغ مل چکا ہے...... اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ اس جلاد کا قتل کیا جانا کس قدر ضروری ہے...... اس آپریشن میں للّی بھی ہمارے ساتھ ہو گی...... للّی تربیت یافتہ کمانڈو ہے...... اس نے ایک پرتگالی انسٹرکٹر سے ٹریننگ لی ہوئی ہے اور ایک جانباز عورت ہونے کے علاوہ پاکستان اور کشمیری برین کی خاطر اپنی جان قربان کرنے اور دشمن کی جان لینے کا زبردست جذبہ رکھتی ہے...... باقی...... دوسری بات یہ ہے کہ اس آپریشن میں تمہارے ساتھی کمانڈو جبران کا بھی تمہارے ساتھ ہونا ضروری ہے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"مگر وہ تو کشمیر کے محاذ پر ہے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"اسے وہاں اطلاع مل چکی ہے اور وہ کل تک ہمارے پاس پہنچ جائے گا"۔

چنانچہ دوسرے روز کمانڈو جبران بھی عمران کے ساتھ آملا...... حاجی صاحب نے اسے بھی اس نئے مشن کے بارے میں پوری طرح سے آگاہ کردیا...... گزشتہ حاجی صاحب کو یہ خفیہ سگنل بھی مل گیا تھا کہ جانباز للّی سے کہاں رابطہ کیا جا ہے...... حاجی صاحب رات کے کھانے کے بعد کمانڈو جبران اور عمران کے پاس آ گئے اور انہیں بتایا کہ للّی سے کہاں اور کس جگہ رابطہ کیا جاسکتا ہے...... کہنے لگے۔

"للّی اگرچہ بھارت کے خلاف زمین دوز کام کرنے والی دہشت گرد ہے مگر اس کے پاس کافی دولت ہے جو اس نے اپنے ماں باپ اور خاوند کی جائیداد خفیہ طور پر بیچ کر حاصل کی تھی...... اس نے پلاسٹک سرجری سے اپنی شکل میں بھی کافی تبدیلی پیدا کرلی ہے تاکہ پہچانی نہ جاسکے...... وہ مس جوزی کے نام سے دلی میں ایکسپورٹ امپورٹ کا کاروبار کرتی ہے...... صرف ہمارے گروپ کے لوگ اسے مس للّی کے نام سے جانتے ہیں"۔

اس کے بعد حاجی صاحب نے عمران اور جبران کو للّی کے بارے میں بتایا کہ انہیں کس جگہ مل سکتی ہے اور وہ اسے کس جگہ ملیں گے...... مصلحت کی وجہ سے مس للّی کے آفس اور اس کی رہائش گاہ یہاں ظاہر نہیں کریں گے، کیونکہ پاکستان کشمیری مجاہدین کے لئے سرفروشانہ جذبے کے ساتھ بھارت کے خلاف کام کرنے والی یہ دلیر اور جانباز عورت آج بھی بھارت کے کسی شہر میں اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں میں مصروف ہے...... ہم آپ کو صرف اتنا بتائیں گے کہ عمران اور جبران کو دلی کے ایک علاقے میں جاکر اس کے فلیٹ پر ملے۔

للّی نے کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران کو پہلے سے نہیں دیکھا ہوا تھا...... خفیہ کوڈ الفاظ نے ان کا آپس میں تعارف کرایا اور ایک دوسرے کی شناخت کرائی جب للّی کو یقین ہو گیا کہ یہی وہ کمانڈو ہیں جن سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے اسے

ہدایات ملی ہیں اور دوسری طرف جب عمران اور جبران کو بھی یقین ہو گیا کہ یہ للّی ہی ہے جس سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے انہیں کہا گیا ہے تو وہ تینوں ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ گئے...... کمرہ بڑی سادگی سے سجا ہوا تھا...... عمران نے دیکھا للّی تیس بتیس سال کی ایک خوش شکل عورت تھی...... آنکھوں میں خاص طور پر ذہانت کی چمک تھی...... اس نے ہلکے عنابی رنگ کی پتلون اور سفید قمیض پہنی ہوئی تھی...... بال شانوں تک کٹے ہوئے تھے...... وہ سگریٹ بھی پی رہی تھی...... اس نے خود چائے بناتے ہوئے عمران سے کہا۔

"یہ مشن میری زندگی کا ایک بڑا اہم مشن ہے"۔

میں نے ہمیشہ اس مشن کا خواب دیکھا ہے، مگر میرا یہ خواب کبھی حقیقت کی شکل اختیار نہیں کرسکا تھا...... ایف بی آئی کا نیا سربراہ مسٹر کرشم چاری میرے ماں باپ، میرے خاوند اور میرے دو بچوں کا قاتل ہے...... میں نے ہمیشہ اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے بارے میں سوچا مگر میں اکیلی یہ کام نہیں کرسکتی تھی اور مجھے اپنے باس مسٹر ایکس کی طرف سے اس کی اجازت بھی نہیں مل رہی تھی...... اب یہ قاتل ایف بی آئی کا چیف بن کر دلی آیا ہے تو مجھے آپ کے ساتھ مل کر اسے قتل کردینے کی ہدایات ملی ہیں، کیونکہ یہ شخص زیرزمین کام کرنے والے کشمیری مجاہدین کے خلاف ایک فوجی مہم شروع کرنے والا ہے...... میں بہت خوش ہوں کہ مجھے اپنے خاندان کے قاتل کو موت کے گھاٹ اتارنے کا موقع میسر آیا ہے"۔

کمانڈو عمران نے للّی سے کہا۔

"اس کام کے لئے ہمیں بہت سوچ سمجھ کر منصوبہ بندی کرنی ہوگی"۔

"بغیر منصوبہ بندی کے میں نے آج تک کوئی کام نہیں کیا...... للّی نے جواب دیا"...... کمانڈو جبران نے کہا۔

"مس للّی! ایف بی آئی بھارت کی سب سے بڑی خفیہ ایجنسی ہے...... ان لوگوں

کے پاس ہر قسم کے متعلقہ افراد کا ریکارڈ مع ان کی فوٹو کے موجود ہے...... کہیں یہ لو تمہیں پہچان تو نہیں لیں گے ؟"۔

للی نے کہا۔

"میں نے آج سے دو سال پہلے اپنی پلاسٹک سرجری کروالی تھی...... میرا چ بالکل بدل گیا ہے...... میں تمہیں اپنی پلاسٹک سرجری سے پہلے کی تصویر دکھ ہوں...... اس سے تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ میں کتنی بدل چکی ہوں"۔

للی نے ایک الماری میں سے ایک فوٹو نکال کر عمران اور جبران کو دکھائی دونوں نے دیکھا کہ پہلے والی للی اور وہ للی جو ان کے سامنے بیٹھی تھی دونوں کی شکل میں زمین آسمان کا فرق تھا...... للی نے کہا۔

"کیا اب بھی تم سمجھتے ہو کہ مجھے کوئی پہچان سکے گا...... اگر ایسی بات ہوتی تو مجھے بہت پہلے پولیس نے پہچان کر گرفتار کر لیا ہوتا...... کرشنم چاری کی خفیہ انٹیلی جنس سال سے میری تلاش میں ہے...... اگر میری پہلے والی شکل قائم ہوتی تو میں اس وقت تمہارے سامنے نہ بیٹھی ہوتی بلکہ قاتل کرشنم چاری کے آدمی مجھے گولیوں سے چھلنی کر چکے ہوتے...... جبکہ اب صورت حال یہ ہے کہ ایف بی آئی کے کئی ذمے دار شام کو میرے ساتھ کلب میں ڈانس کرتے ہیں اور مجھے اپنے دام حرص و ہوس میں پھنسانے کی ناکام کوششوں میں لگے رہتے ہیں"۔

کمانڈو عمران نے چائے کا گھونٹ بھرنے کے بعد کہا۔

"اب ہمیں اپنے نئے مشن کے بارے میں بھی کچھ ضروری باتیں کر چاہئیں...... سب سے پہلے ہمیں یہ مشاہدہ کرنا ہو گا کہ صبح نو بجے جب ایف بی آئی چیف کرشنم چاری اپنے بنگلے سے دفتر جانے کے لئے نکلتا ہے تو اس کے ساتھ سیکو کا کیا انتظام ہوتا ہے اور اس کی گاڑی کہاں کہاں سے گزرتی ہے"۔

للی نے کہا۔

"اس کی پوری رپورٹ میرے پاس موجود ہے...... اس جلاد کی گاڑی کے ساتھ ایک کھلی جیپ ہوتی ہے جس میں چار مسلح باڈی گارڈ سوار ہوتے ہیں اور یہ جیپ اس کی گاڑی کے پیچھے پیچھے چلتی ہے...... باڈی گارڈز کے پاس چھوٹی مشین گنیں ہوتی ہیں، جس گاڑی میں کرشنم چاری سوار ہوتا ہے اس میں بھی ڈرائیور کی ساتھ والی سیٹ پر ایک مسلح باڈی گارڈ بیٹھا ہوتا ہے...... بس اس کے علاوہ سیکورٹی کا اور کوئی انتظام نہیں ہوتا، جہاں سے اس کی گاڑی گزرتی ہے وہاں کوئی سیکورٹی نہیں ہوتی، کیونکہ یہ شخص ایف بی آئی کا سربراہ ہی ہے کوئی وزیر وغیرہ نہیں ہے"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"پھر بھی وہ سڑک دیکھنی بہت ضروری ہے جہاں سے اس کی گاڑی گزرتی ہے"۔

للی کہنے لگی۔

"کرشنم چاری کا سرکاری بنگلہ نئی دہلی کی لودھی روڈ پر ہے...... وہاں سے اس کا دفتر زیادہ دور نہیں ہے...... راستے میں صرف ایک چوک آتا ہے جہاں ٹریفک سگنل لگا ہوا ہے...... ہمیں جو کچھ کرنا ہے اسی چوک میں کرنا ہو گا اور اس وقت کرنا ہو گا جب اس جلاد کی گاڑی سرخ بتی کے اشارے پر چوک میں رکی ہوئی ہو گی"۔

عمران نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمارے اتنے اہم مشن کا سارا دارومدار محض ایک اتفاق پر ہے...... یعنی اگر اتفاق سے اس وقت سگنل کی بتی سرخ ہو جائے گی تو ہم ایکشن شروع کر سکیں گے...... اگر اتفاق سے اس وقت جبکہ کرشنم چاری کی گاڑی گزر رہی ہو گی تو سگنل کی بتی سرخ نہ ہوئی بلکہ سبز ہوئی تو ہم کچھ نہیں کر سکیں گے، کیونکہ اس کی گاڑی تو چوک میں سے گزر جائے گی"۔

للی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک لحاظ سے تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو...... لیکن تم کیا سمجھتے ہو کہ مجھے اس

اتفاق کا علم نہیں تھا؟ مجھے علم تھا اور میں نے بڑا سوچ سمجھ کر کشمیری مجاہدین اور پاکستان کے اس دشمن کو جہنم میں پہنچانے کا منصوبہ تیار کیا ہے"۔

کمانڈر جبران نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مس للّی لیکن سگنل کے اشارے کا آپ کیا کریں گی...... وہ تو آپ کے کنٹرول میں نہیں ہوگا...... آپ ہرگز ہرگز یہ بات دعویٰ سے نہیں کہہ سکتیں کہ جب مسٹر کرشنم چاری کی گاڑی چوک میں سے گزرنے والی ہوگی تو سگنل کی بتی سرخ ہی ہوگی"۔

للّی نے کہا۔

"اس وقت یقینی طور پر سگنل کی بتی سرخ ہی ہوگی"۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟" عمران نے سوال کیا۔

للّی اٹھ کر الماری کی طرف گئی...... الماری میں سے چھوٹی ڈبی کے سائز کا ایک ریموٹ کنٹرول نکال کر لائی اور اسے دکھاتے ہوئے بولی۔

"یہ وہ ریموٹ کنٹرول ہے جو سگنل کی بتی کو اپنی مرضی کے مطابق سرخ سے سبز اور سبز سے سرخ کر سکتا ہے...... یہ ریموٹ کنٹرول میرے پاس ہوگا...... میں چوک میں ایک طرف فٹ پاتھ پر معذور عورت کے بھیس میں وہیل چیئر یعنی پہیوں والی کرسی پر بیٹھی ہوں گی...... میرے گھٹنوں کے اوپر کمبل پڑا ہوگا...... اس کمبل کے نیچے میرے ہاتھ میں سٹین گن بھی ہوگی اور یہ ریموٹ کنٹرول بھی ہوگا...... جب دور سے مسٹر کرشنم چاری کی گاڑی آئے گی تو میں الرٹ ہو جاؤں گی...... اگر اس وقت سگنل کی بتی سرخ ہوئی تو مجھے ریموٹ کنٹرول استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، کیونکہ چیف کی گاڑی اپنے آپ رک جائے گی...... اگر اتفاق سے اس وقت سگنل کی بتی سبز ہوئی تو میں ریموٹ کنٹرول کے ذریعے فوراً اسے سرخ بتی میں تبدیلی کر دوں گی اور چیف کی گاڑی اپنے آپ چوک میں آ کر رک جائے گی...... اس کے بعد ہم جس قسم کا

پلان بنائیں گے اس کے مطابق ہمارا کمانڈو آپریشن شروع ہو جائے گا...... ایک بات کا ہمیں خاص طور پر انتظام کرنا ہوگا کہ مسٹر کرشنم چاری ہمارے حملے سے بچ کر نہ نکلنے پائے...... اسے ہر حالت میں ہمیں قتل کرنا ہوگا...... خواہ ایسا کرتے ہوئے ہم خود کیوں نہ مارے جائیں...... کیا آپ لوگ اس کے لئے تیار ہیں؟"۔

کمانڈو عمران بولا۔

"اگر ہم تیار نہ ہوتے تو تمہارے پاس ہرگز نہ آتے...... ہماری زندگی کا مقصد صرف پاکستان اور کشمیری مجاہدین کے دشمنوں کو ہر حالت میں ختم کرنا ہے، خواہ اس میں ہمیں اپنی جان کا نذرانہ ہی کیوں نہ پیش کرنا پڑے"۔

للّی نے کہا۔

"تمہارا یہ جذبہ قابل قدر ہے...... تم پاکستانی ہو...... میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ پاکستان ایک بہادر قوم ہے...... غیرت مند قوم ہے اور اس ملک کا بچہ بچہ اپنے وطن کی حفاظت اور دفاع کی خاطر اپنی جان تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کرے گا"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں موقع پر جا کر اپنے مشن کی تفصیلات کو طے کرنا ہوگا اور یہ پلان بنانا ہوگا کہ کون کس مقام پر کھڑا ہوگا اور کون کس جگہ چھپا ہوا ہوگا...... ہمیں کچھ اس طرح منصوبہ بندی کرنی ہوگی کہ اگر مسٹر کرشنم چاری ہم میں سے کسی کی گولی سے بچ جائے تو دوسرے کی فائرنگ کی زد میں آ جائے...... اگر دوسرے کی فائرنگ سے بھی وہ بچ نکلے تو تیسرے کی گولیوں کی بوچھاڑیں اسے ہلاک کر ڈالیں"۔

عمران نے کہا۔

"ہم میں سے کسی ایک کی ڈیوٹی چیف کے باڈی گارڈ کو ہلاک کرنے کی ہوگی"۔

للّی کہنے لگی۔

"اس جلاد کے باڈی گارڈ تربیت یافتہ ہیں...... ہماری طرف سے فائرنگ کھلتے ہی وہ

بھی فائر کھول دیں گے اور ہم پر اندھادھند گولیاں برسانی شروع کر دیں گے"۔

جبران نے کہا

"ہم سب سے پہلے ان چاروں کو سٹین گن کی زد میں لیں گے اور گولیوں کی بوچھاڑوں سے انہیں واصل جہنم کریں گے"۔

للّی کہنے لگی۔

"سٹین گن عین وقت پر دھوکا دے سکتی ہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے"۔

للّی نے کہا۔

"ہمیں دستی بموں سے کام لینا ہوگا، جس شخص کے ذمے کرشنم چاری کے باڈی گارڈز کو قتل کرنا ہوگا، وہ ان کی جیپ پر اوپر تلے چھ سات دستی بم پھینکے گا، یہ بم ایک ایک سیکنڈ کے وقفے کے بعد پھٹیں گے اور باڈی گارڈوں کے جیپ سمیت پرخچے اڑ جائیں گے"۔

عمران نے پوچھا۔

"کیا دستی بموں کا انتظام ہو سکے گا؟"۔

للّی نے کہا۔

"کیوں نہیں...... میرے پاس تم لوگوں کو ہر قسم کا اسلحہ ملے گا"۔

جبران بولا۔

"پھر ہمیں قاتل کرشنم چاری کی گاڑی پر بھی دستی بموں سے حملہ کرنا ہوگا"۔

للّی بولی۔

"اس کی گاڑی بند ہوگی...... دستی بم ممکن ہے لڑھک کر سڑک پر گریں اور وہیں پھٹیں...... ہم میں سے ایک کی ڈیوٹی کرشنم جاری کی گاڑی پر مسلسل فائرنگ کرتے جانے کی ہوگی اور دوسرے کی ڈیوٹی اس کی گاڑی پر دستی بم پھینکنے کی ہوگی، تاکہ اس

ن کے بچ نکلنے کا ذرا سا بھی امکان نہ رہے"۔

جبران نے کہا...... "اس کے لئے ہمیں ایک دن پہلے موقع پر جاکر سگنل والے ک کو دیکھنا ہوگا اور یہ تعین کرنا ہوگا کہ کون کس جگہ پر چھپ کر کھڑا ہوگا"۔

للّی کہنے لگی...... "میں جہاں پر ہوں گی وہ جگہ میں نے پہلے سے طے کر رکھی ...... وہ میں آپ کو دکھا بھی دوں گی...... میں وہیل چیئر یعنی پہیوں والی کرسی پر ٹھی ہوں گی اور چوک کی دائیں جانب فٹ پاتھ پر ہوں گی...... آپ دونوں کہاں ں ہوں گے؟ اس کا تعین موقع پر جاکر کیا جائے گا...... میرا خیال ہے کہ ہم آج شام ہی اندھیرا چھا جانے کے بعد سگنل والے چوک میں جاکر مشاہدہ کریں گے...... کیا یال ہے؟"۔

"اچھا خیال ہے" عمران نے کہا۔

للّی نے کہا۔

"تو پھر ایسا ہے کہ آپ دونوں سورج غروب ہونے کے فوراً بعد میرے پاس ہاں میرے فلیٹ پر آجائیں...... ہم تینوں گاڑی میں بیٹھ کر موقعے کا مشاہدہ کرنے ادیں گے"۔

یہ طے کرنے کے بعد عمران اور جبران للّی کے فلیٹ سے واپس آگئے...... حاجی صاحب ان کا انتظار کر رہے تھے...... انہیں دیکھتے ہی انہوں نے اوپر جانے کا اشارہ ا...... تھوڑی دیر بعد وہ خود بھی اوپر والے کمرے میں آگئے۔

"للّی سے ملاقات ہوئی؟" انہوں نے پوچھا...... عمران نے کہا...... "ملاقات بھی ئی اور سب کچھ طے بھی ہو گیا"۔

"اب پروگرام کیا طے ہوا ہے؟" حاجی صاحب نے پوچھا۔

اور عمران نے سارا منصوبہ پوری تفصیل سے حاجی صاحب کو سنا دیا۔



دوسرے روز شام ہوتے ہی کمانڈو عمران اور جبران للّی کے ہاں پہنچ گئے۔

للّی ان کا انتظار کر رہی تھی...... تینوں گاڑی میں بیٹھ کر دلی کی لودھی سٹریٹ پر ٹریفک سگنل والے چوک میں آئے اور گاڑی ایک طرف کھڑی کر دی...... ایک منٹ وہ فٹ پاتھ کے قریب ہی گرین بیلٹ میں بیٹھے رہے تا کہ کسی کو ان پر شک نہ ہو...... گرین بیلٹ پر اکثر لوگ شام کے وقت تفریح کی غرض سے بیٹھ جاتے تھے۔ اس کے بعد للّی نے دونوں کو ساتھ لیا اور سب سے پہلے سگنل والے چوک سے پندرہ قدم پیچھے اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں کمانڈو عمران نے کھڑا ہونا تھا...... اس سے پانچ قدم آگے ایک درخت کی آڑ میں جبران کو سٹین گن لے کر کھڑے ہونا تھا...... چوک میں ایک جانب فٹ پاتھ پر للّی کو پہیوں والی کرسی پر موجود ہونا تھا...... جب تینوں جگہوں کی نشاندہی کر دی گئی تو وہ خاموشی سے گاڑی میں سوار ہوئے اور للّی کے فلیٹ کی طرف چل پڑے...... پروگرام یہ طے ہوا کہ دوسرے ہی دن صبح نو بجے کے بعد جب بھارت کی خفیہ انٹیلی جنس ایف بی آئی کا چیف کرشنم چاری دفتر جاتے ہوئے ٹریفک کے سگنل والے چوک سے گزرے گا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا...... سب سے پہلے للّی نے ٹریفک کی سرخ بتی کو جام کر دینا تھا یعنی سرخ بتی جتنی دیر تک وہ چاہے اتنی دیر تک روشن رہے گی...... اس کے لئے للّی نے ریموٹ کنٹرول اپنے پاس رکھ لیا تھا...... للّی کہنے لگی۔

"جب مدراسی جلاد کرشنم چاری کی گاڑی سرخ بتی کا اشارہ دیکھ کر چوک میں رکے

جائے گی تو میں اس پر سٹین گن کا فائر کھول دوں گی...... اگر کسی وجہ سے کرشنم چاری ہلاک نہ ہوا تو پھر تم دونوں یعنی کمانڈو عمران اور جبران اس کی گاڑی پر دستی بموں کو پھینکنا شروع کر دیں گے...... آپ لوگ سمجھ گئے ہیں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں"۔

"بالکل سمجھ رہے ہیں...... عمران اور جبران نے بیک آواز کہا"۔

للّی نے کہا۔

"اب آپ آج رات میرے فلیٹ پر ہی سوئیں گے تا کہ ہم ایک ہی وقت میں صبح اپنے مشن پر اکٹھے ایک ساتھ نکل سکیں"۔

عمران نے جب اس مشن میں کام آنے والے اسلحہ کے بارے میں پوچھا تو للّی نے کہا۔

"تمام اسلحے کا انتظام ہو چکا ہے اور وہ میرے کمرے میں موجود ہے...... صبح ہم ضرورت کے مطابق اسلحہ لے کر یہاں سے نکلیں گے"۔

کمانڈو جبران نے پوچھا۔

"اور تمہاری وہیل چیئر کا کیا ہو گا؟...... مجھے یہاں وہ کہیں نظر نہیں آ رہی"۔

للّی نے کہا۔

"صبح ایک ویگن آئے گی...... اس میں میری وہیل چیئر بھی ہو گی اور اسی میں بیٹھ کر ہم اپنے سپاٹ پر جائیں گے"۔

رات انہوں نے للّی کے فلیٹ پر ہی گزاری...... گھڑی کے الارم نے انہیں صبح صبح جگا دیا...... للّی پہلے سے اٹھی ہوئی تھی...... منہ ہاتھ دھو کر انہوں نے ناشتہ کیا اور للّی انہیں اپنے بیڈ روم میں لے گئی...... پلنگ کے نیچے سے اس نے ایک سوٹ کیس نکال کر کھولا تو اس میں تین سٹین گنیں، ان کے میگزین اور درجن کے قریب دستی بم رکھے ہوئے تھے...... للّی نے تین تین دستی بم عمران اور جبران کو دے دیئے...... کہنے لگی۔

"یہ دستی بم صرف اس صورت میں کرشنم چاری کی گاڑی پر پھینکے جائیں گے اگر

وہ میری فائرنگ سے زندہ بچ گیا...... اگر میں نے اپنی سٹین گن کے فائر سے اسے ہلاک کر ڈالا تو تم دونوں میں سے کوئی بھی نہ تو دستی بم پھینکے گا اور نہ سٹین گن کا فائر کھولے گا۔ کیونکہ ہمارا ٹارگٹ کرشنم چاری ہے...... اگر وہ ہلاک ہو گیا تو ہمیں مزید فائرنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہو گی...... فائرنگ سے دوسرے لوگوں کے ہلاک ہونے کا خدشہ ہو گا...... جو ہم نہیں چاہتے"۔

ٹھیک آٹھ بجے ایک ویگن آ گئی...... ویگن میں للّی کے لئے وہیل چیئر یعنی پہیوں والی کرسی موجود تھی...... تینوں اپنی اپنی سٹین گنیں کپڑے میں چھپا کر ویگن میں آ کر بیٹھ گئے...... للّی وہیلی چیئر پر بیٹھ گئی...... اس نے گھٹنوں کے اوپر چھوٹا کمبل ڈال لیا جس کے اندر سٹین گن چھپائی ہوئی تھی...... دستی بم عمران اور جبران نے اپنی جیکٹ کی جیبوں میں رکھ لئے تھے...... دن کے نو بجنے میں ابھی دس منٹ باقی تھے کہ یہ لوگ لودھی سٹریٹ کے ٹریفک سگنل والے چوک میں آ گئے...... انہوں نے ویگن چوک سے ذرا ہٹ کر درختوں کے نیچے کھڑی کر دی۔

للّی نے گھڑی دیکھ کر کہا۔

"کرشنم چاری بنگلے سے نکل چکا ہے...... وہ دس منٹ میں چوک میں پہنچ جائے گا...... ہمیں اپنی اپنی پوزیشن پر پہنچ جانا چاہیئے"۔

للّی پہیوں والی کرسی پر بیٹھی ویگن سے باہر آ گئی...... اسے ویگن کے ڈرائیور نے سگنل والے چوک میں اس کی خاص پوزیشن پر پہنچا دیا...... وہ فٹ پاتھ پر ایک طرف ہو کر وہیل چیئر پر اس طرح بیٹھی تھی جیسے سڑک کی سیر دیکھ رہی ہو...... ریموٹ کنٹرول اس کے ہاتھ میں تھا...... کمانڈو عمران اس سے دس قدم کے فاصلے پر ایک درخت کے پیچھے بیٹھ گیا...... اس سے پانچ قدموں کے فاصلے پر جبران ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا...... ان سب کی نظریں سڑک پر لگی تھیں...... للّی نے انہیں کرشنم چاری کی گاڑی کا نمبر اور کلر بتا دیا تھا...... دفتری اوقات تھے...... سڑک پر بڑے زور و شور سے

چل رہی تھی...... نو بج گئے، پھر نو بج کر دس منٹ ہو گئے مگر کرشنم چاری کی ی ابھی تک نہیں گزری تھی...... کمانڈو عمران اور جبران بے چینی سے سڑک پر گاڑیوں کو دیکھ رہے تھے۔

جب ساڑھے نو بج گئے اور کرشنم چاری کی گاڑی نہ آئی تو کمانڈو عمران سٹین گن کپڑوں میں چھپائے للّی کے پاس گیا...... وہ للّی کی پہیوں والی کرسی کے پاس بیٹھ گیا آہستہ سے کہنے لگا۔

"گاڑی ابھی تک نہیں آئی...... پروگرام تبدیل ہو گیا ہو گا"۔

للّی نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تم اپنی پوزیشن پر جاؤ...... ہم پندرہ منٹ اور دیکھیں گے...... اگر پندرہ منٹ بعد کرشنم چاری کی گاڑی نہ آئی تو میں ویگن کے پاس آ جاؤں گی...... تم بھی ویگن میں بیٹھ جانا...... ہم کمانڈو آپریشن کل تک کے لیے ملتوی کر دیں گے"۔

کمانڈو عمران فوراً اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا درخت کے پیچھے اپنی پوزیشن سنبھال کر بیٹھ گیا...... اس نے کمانڈو جبران کو اشاروں سے سمجھا دیا کہ ہم پندرہ منٹ انتظار کریں گے۔

پندرہ منٹ بھی گزر گئے...... کرشنم چاری کی گاڑی نہ آئی...... کمانڈو عمران نے میں للّی کی طرف دیکھا...... وہ پہیوں والی کرسی پر بیٹھی اسے آہستہ آہستہ چلاتی طرف جا رہی تھی جہاں ان کی ویگن کھڑی تھی...... عمران نے جبران کو اشارہ کیا کہ ویگن میں آ جائے اور پھر خود بھی ویگن کی طرف چل پڑا...... للّی ویگن میں وہیل چیئر کر اندر سیٹ پر بیٹھی تھی...... عمران اور جبران بھی آ گئے...... ویگن ڈرائیور ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا...... للّی نے ڈرائیور سے کہا۔

"ابھی پانچ منٹ انتظار کرو"۔

عمران نے کہا۔

"اب یہاں انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے...... ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے" للی کہنے لگی۔

"اپنا اسلحہ میری سیٹ کے نیچے چھپا دو"۔

عمران اور جبران نے اپنی اپنی سٹین گن، میگزین اور دستی بم للی کی سیٹ کے نیچے آگے کر کے چھپا دیئے...... للی نے اپنی سٹین گن بھی سیٹ کے نیچے رکھ دی...... کہنے لگی۔

"مجھے خطرہ ہے کہیں کرشنم چاری کو مخبروں نے خبر نہ کر دی ہو کہ راستے میں اس پر قاتلانہ حملے کا خطرہ ہے"۔

عمران نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے...... اس مشن کی سوائے ہم تینوں کے اور کسی کو خبر نہیں ہے...... ایف بی آئی کے مخبروں کو کہاں سے خبر ہو سکتی ہے"۔

للی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا...... بہر حال ہم کل پھر آئیں گے...... اب ہمیں یہاں سے چل پڑنا چاہئے"۔

للی نے ڈرائیور سے کہا کہ گاڑی لے چلو...... ڈرائیور نے انجن سٹارٹ کرنے کی کوشش کی تو انجن نے چلنے سے انکار کر دیا...... تین چار مرتبہ اس نے سلف دبایا...... گھرر کی آواز کے ساتھ انجن ہر بار بند ہو گیا...... للی نے غصے کے ساتھ کہا۔

"کیا کر رہے ہو...... انجن سٹارٹ کیوں نہیں ہو رہا؟"۔

ڈرائیور نے کہا۔

"بیگم صاحبہ کوئی نقص پیدا ہو گیا ہے...... میں ابھی دیکھتا ہوں"۔

ڈرائیور ویگن سے باہر آیا...... اس نے بونٹ اٹھایا اور انجن کو چیک کرنے لگا...... اتنے میں ان کے سامنے اور پیچھے کی جانب سے پولیس کی دو گاڑیاں تیزی سے آئیں

ویگن کو بلاک کر دیا...... گاڑیوں کے دروازے کھلے اور پندرہ سولہ پولیس کے سپاہی ہاتھوں میں سٹین گنیں لئے باہر نکل کر ویگن کی طرف دوڑ کر آئے اور ویگن کو گھیرے میں لے لیا...... ایک پولیس انسپکٹر ہاتھ میں پستول لئے ویگن کے دروازے پر آ کر بولا۔

"خبردار! تم میں سے کسی نے بھی کوئی حرکت کی تو...... تمہیں بھون دیا جائے

کمانڈو عمران...... جبران اور للی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے...... پولیس انسپکٹر نے سپاہیوں کو حکم دیا۔

"انہیں گرفتار کر لو"۔

اس کے ساتھ ہی سپاہی ویگن میں گھس آئے اور انہوں نے للی، جبران اور عمران کو بازوؤں سے پکڑ کر گھسیٹ کر باہر نکالا اور ان کے ہاتھ پیچھے کر کے ہتھکڑیاں لگا دیں...... پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"ویگن کی تلاشی لو"۔

چار سپاہی ویگن کی تلاشی لینے لگے...... سیٹ کے نیچے سے سٹین گنیں اور دستی بم برآمد ہو گئے...... پولیس انسپکٹر نے چلا کر کہا۔

"اسلحہ قبضے میں کر لو اور انہیں پولیس سٹیشن لے چلو...... جلدی...... جلدی"۔

مسلح سپاہیوں نے للی، عمران اور جبران کو پولیس کی ایک گاڑی میں دھکیل دیا اور گاڑیاں پولیس سٹیشن کی طرف دوڑنے لگیں...... یہ سب کچھ اتنی جلدی اور آناً فاناً ہو گیا کہ عمران اور جبران کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا...... صاف ظاہر تھا کہ کسی نے مخبری کر دی تھی...... پولیس کو خبر ہو گئی تھی اور پولیس نے چھاپہ مار کر ان سب کو گرفتار کر لیا۔

جب تک پولیس کی گاڑیاں پولیس سٹیشن تک نہ پہنچیں عمران یہی سوچتا رہا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ سارا مشن انتہائی رازداری کے ساتھ شروع ہوا تھا...... پھر پولیس کو کیسے خبر ہو گئی؟ جبران بھی یہی سوچ رہا تھا، لیکن ان دونوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں

آرہی تھی کہ مخبر کون ہے جس نے پولیس کو اس کمانڈو آپریشن کی خبر کردی تھانے پہنچ کر للی، کمانڈو عمران اور جبران کو الگ الگ جگہوں پر بند کر دیا گیا...... یہ ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی تھی جس کے ننگے فرش پر عمران سر جھکائے بیٹھا گہری سوچ میں گم تھا...... کسی وقت اس کے ذہن میں یہ خیال بھی آتا کہ کہیں یہ سب کچھ انہیں گرفتار کرنے کے لئے ایک جال تو نہیں بچھایا گیا تھا، مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا۔

عمران کی ہتھکڑی کھول دی گئی تھی...... گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد تنگ و تاریک کوٹھڑی میں تین مسلح پولیس کانسٹیبل آئے...... ان کے ساتھ ایک سفید کپڑوں والا بھی تھا...... جو سی آئی ڈی کا آدمی تھا...... عمران کو ہاتھ پیچھے کر کے ہتھکڑی لگا دی گئی...... اس کے بعد اسے بازو سے پکڑ کر باہر لے جا کر ایک ویگن میں دھکیل کر ویگن کا دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا گیا...... یہ ویگن قیدیوں کو جیل سے لے جانے اور لانے والی تھی، جس کی کوئی کھڑکی نہیں تھی...... صرف اوپر کر کے سلاخوں والے روشن دان سے بنے ہوئے تھے...... ویگن کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہو گئی۔ عمران کو للی اور جبران کی کچھ خبر نہیں تھی کہ ان کے ساتھ کیا گزری ہے...... ویگن کافی دیر تک دلی کی سڑکوں پر چلتی رہی...... اس کے بعد وہ ایک طرف کو گھومی اور کچے راستے پر آ گئی...... یہاں ویگن کو جھٹکے لگ رہے تھے...... آخر ویگن ایک جگہ رک گئی...... عمران کو باہر نکالا گیا...... اس نے دن کی روشنی میں دیکھا کہ وہ دلی کے پرانے قلعے کے سامنے کھڑا ہے...... دلی کا پرانا قلعہ بڑی تاریخی روایات کا حامل ہے...... یہی وہ قلعہ ہے جہاں سن 1947ء کے فسادات میں جب ہندو سکھ مل کر مسلمانوں کا قتل عام کر رہے تھے تو دلی کے مسلمان جانیں بچا کر اس قلعے میں پناہ لیتے تھے...... بعد میں اس قلعے کو ریفیوجی کیمپ بنا دیا گیا تھا اور یہیں سے دلی کے مسلمانوں کے خاندان ہجرت کر کے کسی نہ کسی طرح پاکستان پہنچے تھے... سنتالیس میں یہ قلعہ بالکل ویران پڑا تھا اور آس پاس بھی کوئی آبادی نہیں تھی۔

اب قلعے میں پولیس اور انٹیلی جنس والوں کی بارکیں بنی ہوئی تھیں اور اس کے آس پاس بھی کالونیاں بن گئی تھیں، لیکن قلعے میں کسی شہری کو بغیر اجازت نامے کے جانے کی اجازت نہیں تھی...... اس قلعے کے بارے میں ہی عمران نے سن رکھا تھا کہ وہاں قیدیوں کو ایسی اذیتیں دی جاتی ہیں اور اس قدر وحشیانہ تشدد کیا جاتا ہے کہ یہاں سے کبھی کوئی قیدی زندہ نہیں نکل سکا۔

اس قلعے میں دی جانے والی انسانیت سوز اذیتوں اور تشدد کی شہرت کمانڈو عمران نے بھی سن رکھی تھی...... اس کا خیال تھا کہ بھارتی انٹیلی جنس اب اسے زندہ نہیں چھوڑے گی اور اسی قلعے میں اذیتیں دے دے کر اسے ہلاک کر دے گی، لیکن دوسرے دن اسے پرانے قلعے سے نکال کر ایک بند ویگن میں بٹھا کر کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ کر دیا گیا...... اس کا خیال تھا کہ اسے قیدیوں والی بند ویگن میں بٹھایا گیا ہے کہیں قریب ہی لے جایا جائے گا، لیکن اس کا یہ خیال بھی غلط نکلا...... اسے صبح کے وقت ویگن میں سوار کرایا گیا تھا...... ویگن مسلسل چلتی رہی...... دوپہر کو ایک جگہ ویگن روک کر اسے کھانے کو ڈیڑھ روٹی کے ساتھ تھوڑی سی دال دی گئی...... اس کے بعد ویگن پھر چل پڑی...... ویگن کی چھت کے ساتھ سلاخوں والے تین چار ہوادان بنے ہوئے تھے...... صرف ان میں سے عمران باہر دیکھ سکتا تھا...... باہر اسے کسی کسی وقت درخت پیچھے کو جاتے نظر آ جاتے تھے...... شام تک ویگن سفر کرتی رہی۔

شام ہو گئی تھی جب اسے ویگن میں سے اتارا گیا...... اتارنے سے پہلے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی...... یہ پٹی کالے کپڑے کی تھی اور اس طریقے سے باندھی گئی تھی کہ اسے کچھ بھی نظر نہیں آ سکتا تھا...... عمران نے شنٹ کرتے ریلوے انجن کی آواز سنی تو اس سے اسے اندازہ ہوا کہ یہ کوئی ریلوے سٹیشن ہے، مگر آواز میں شور بالکل نہیں تھا...... اس کا مطلب تھا کہ یہ کوئی معمولی سا دیہاتی سٹیشن تھا...... اسے بنچ پر بٹھا دیا گیا...... ہتھکڑی اسے ویگن میں ہی لگا دی گئی تھی...... پھر ریل گاڑی

کے پلیٹ فارم پر آنے اور رکنے کی آوازیں سنائی دیں...... اس کے ساتھ ہی پولیس کے سپاہی اسے اٹھا کر ایک ڈبے میں لے گئے...... ریل گاڑی چل پڑی...... ایک رات اور دوسرے دن کی سہ پہر تک ٹرین سفر کرتی رہی...... عمران کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ بھارتی انٹیلی جنس اور پولیس اسے کہاں لئے جارہی ہے...... دوسرے دن سہ پہر کے وقت اسے ٹرین سے نکال کر دوبارہ ایک ویگن میں بٹھا دیا گیا اور ویگن چل پڑی...... ٹرین میں سارا راستہ اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی رہی تھی...... صرف ویگن میں بٹھانے کے بعد پٹی اتار دی گئی۔

اس دفعہ ویگن ایک ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد رک گئی...... اس کی آنکھوں پر دوبارہ پٹی باندھ دی گئی اور اسے باہر نکالا گیا...... اس نے فضا میں سمندر کے پانی کی بو محسوس کی...... ہوا مرطوب تھی...... یہاں اسے ایک چھوٹے سٹیمر میں سوار کر دیا گیا...... سٹیمر جب پانی میں چلا تو عمران نے اندازہ لگایا کہ اس کو سمندر میں کسی گمنام جزیرے پر لے جایا جارہا ہے...... پندرہ بیس منٹ کے بعد عمران کی آنکھوں پر سے پٹی اتار دی گئی...... اس نے آنکھیں ملتے ہوئے دیکھا کہ وہ ایک سٹیمر میں بیٹھا ہے جو سمندر میں پتھروں اور چٹانوں کے درمیان ایک جگہ رک گیا ہے...... اس کے ساتھ چار مسلح سپاہی تھے...... یہاں عمران کو دوبارہ ہتھکڑی لگادی گئی...... کنارے پر نیلی وردیوں والے کچھ سپاہی قسم کے دس بارہ آدمی کھڑے تھے جنہوں نے سٹین گنیں پکڑ رکھی تھیں...... انہوں نے آگے بڑھ کر عمران کو اپنی تحویل میں لے لیا جو سپاہی عمران کے ساتھ اس جگہ تک آئے تھے انہوں نے ایک کاغذ پر نیلی پوش افسر سے دستخط کرائے...... شاید یہ ایک خطرناک جاسوس کی وصولی کے کاغذات تھے...... نیلی پوش سپاہی عمران کو لے کر درختوں کے درمیان ایک طرف کو چل پڑے...... کچھ دور چلنے کے بعد درخت پیچھے رہ گئے...... عمران نے دیکھا کہ سامنے ایک اونچی پتھریلی فصیل ہے جس پر موت کی خاموشی چھائی ہوئی ہے...... یہ فصیل قلعے کی طرح ایک اونچے ٹیلے

پر بنی ہوئی ہے اور اس کے چاروں طرف چار اونچی مچانیں بنی ہیں...... عمران نے سوچا کہ ضرور یہ کوئی جیل ہے اور یہ مچانیں مشاہداتی چوکیاں ہیں جہاں سرچ لائٹین لگی ہوں گی اور مشین گنوں کے مورچے بھی ہوں گے...... ٹیلے پر فصیل تک جانے کے لئے پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں...... وہ سیڑھیوں پر چڑھنے کے بعد فصیل کے چھوٹے گیٹ پر آگئے جو موٹی موٹی سلاخوں والا گیٹ تھا...... گیٹ کے اندر صحن تھا جہاں دو ٹرک کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔

گیٹ پر دو مسلح نیلی پوش کھڑے تھے...... عمران حیران تھا کہ آخر اسے اتنی دور لا کر قید میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی...... اسے جہاں چاہے قید میں ڈالا جا سکتا تھا...... انڈیا میں جیلوں کی کمی نہیں تھی...... یہ معمہ عمران کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا...... ابھی تک عمران کو وہاں کوئی ایسا آدمی دکھائی نہیں دیا تھا جو اپنے لباس اور وضع قطع سے قیدی لگتا...... تین چار آدمی جو دکھائی دیئے وہ نیلی وردیوں والے ہی تھے جو اس جیل کی عمارت کے عملے کے آدمی ہی لگتے تھے...... عمران کو اس پراسرار جیل کے آفس میں لے جایا گیا جہاں اس کی فوٹو اتاری گئی...... اس کے ہاتھوں کی انگلیوں کے نشان لئے گئے...... یہاں سے اسے ایک اور کمرے میں پہنچا دیا گیا...... اس کمرے میں دو نیلی پوش آدمیوں نے عمران کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور اس کو سارے کپڑے اتار کر دیوار کے ساتھ کھڑے ہونے کا حکم دیا...... عمران ذرا جھجکا...... اسے شرم محسوس ہوئی کہ وہ اتنے لوگوں کے سامنے کیسے اپنے سارے کپڑے اتارے۔

اچانک پیچھے سے کسی نے اس کی کمر میں اتنے زور سے لات ماری کہ وہ منہ کے بل گر پڑا...... ساتھ ہی اس آدمی نے چلا کر کہا۔

”تم نے ہمارا حکم نہیں سنا...... کپڑے اتار کر سامنے والی دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ“۔

عمران کوئی کمزور نوجوان نہیں تھا...... صحت مند اور سخت جان تھا، مگر پشت پر

اتنے زور سے لات ماری گئی تھی کہ عمران کی آنکھوں کے آگے دیر تک تارے ناچتے رہے...... اس نے سوچا کہ عافیت اسی میں ہے کہ ان کا حکم مان لیا جائے...... اس نے سارے کپڑے اتار ڈالے اور سامنے والی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا...... اس کے اوپر ایک فوارہ لگا تھا جس کا رخ نیچے کو تھا...... یہ شاور تھا جیسے غسل خانوں میں لگے ہوتے ہیں...... جیسے ہی وہ شاور کے نیچے جا کر کھڑا ہوا شاور میں سے نیم گرم پانی کی پھوار نکل کر اس کے اوپر گرنے لگی...... اس پانی میں کوئی جراثیم کش دوائی ملی ہوئی تھی...... شاور میں سے پانی بڑی تیزی سے گر رہا تھا...... عمران دونوں ہاتھوں سے جسم ملنے لگا...... جب وہ نہا چکا تو شاور کا پانی بند ہو گیا...... ایک آدمی نے اسے ایک نیلا پاجامہ اور نیلا کرتا دیا۔

”اسے پہن لو“۔

اس نے کرتہ پاجامہ پہن لیا...... پاجامے میں ازار بند نہیں تھا، بلکہ الاسٹک لگا ہوا تھا...... اب اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ یہ انڈیا میں کسی دور دراز جگہ پر سمندر کے اندر کوئی گمنام جیل ہے جہاں انتہائی خطرناک اور ایسے قیدیوں کو رکھا جاتا ہے جنہیں دوبارہ مہذب انسانوں کی دنیا میں واپس نہیں جانا ہوتا تھا...... یا پھر جنہیں کچھ عرصہ بعد موت کے گھاٹ اتارا جانا ہوتا تھا، کیونکہ یہ جیل اس قدر مہذب دنیا سے دور تھی کہ وہاں قیدیوں کی حالت زار کا کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔

پاجامہ کرتا پہنانے کے بعد عمران کو ٹین کا ایک مگ اور ایک تھالی دی گئی...... دو مسلح نیلی پوش عمران کو اپنی تحویل میں لئے ہوئے تھے...... وہ اسے لے کر ایسی جگہ آ گئے جہاں اونچی چھت کے نیچے ساتھ ساتھ کتنی ہی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں...... ہر کوٹھڑی کا دروازہ لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں والا تھا...... کوٹھڑی کے اندر لیٹنے کے لئے پتھر کا ایک بنچ بنا ہوا تھا...... کوٹھڑی کی پچھلی دیوار کے آگے چار پانچ فٹ اونچی دیوار بنی ہوئی تھی...... بعد میں عمران کو معلوم ہوا کہ اس دیوار کے پیچھے لیٹرین تھی یعنی ایک

موڈ بنا ہوا تھا جو فلش والا تھا...... ایک نلکا تھا جس کے نیچے پانی کا لوٹا رکھا ہوا تھا...... گویا اب اسے اس کوٹھڑی میں اس وقت رہنا تھا جب تک کہ وہ مر نہیں جاتا۔

عمران کو اس کوٹھڑی میں بند کر کے باہر تالا لگا دیا گیا...... وہ پتھر کے بنچ پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ آخر بھارت کی پولیس کو اسے اتنی دور اس جیل میں لا کر رکھنے کی کیا ضرورت تھی...... کیا اس لئے کہ اس جیل میں کوئی قیدی فرار نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ اس کے چاروں طرف سمندر تھا...... یا ہو سکتا ہے یہ دور افتادہ گمنام جیل ہو جہاں قیدی کے ساتھ جو چاہے سلوک کیا جا سکتا تھا...... جتنی چاہے اذیت دی جا سکتی تھی اور کوئی اس کو پوچھنے والا نہیں تھا...... اسے ہلاک بھی کر دیا جاتا تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی...... عمران کو اپنے دوست اور ساتھی کمانڈو جبران کا خیال آ گیا کہ نہ جانے وہ کہاں ہو گا...... لیکن عمران کو معلوم تھا کہ جبران جہاں بھی ہو گا وہاں سے فرار ہونے کی ضرور کوشش کرے گا...... خود عمران نے بھی اس پراسرار جیل سے فرار کی ترکیبوں پر غور کرنا شروع کر دیا تھا...... معلوم ہوتا تھا کہ ساتھ والی کوٹھڑیاں خالی ہیں...... اس طرف سے کسی قیدی کی آہٹ تک سنائی نہیں دے رہی تھی...... رات ہو گئی...... کوٹھڑیوں کے آگے راہ داری کی بتیاں روشن ہو گئیں۔

جیل کا ایک نیلی پوش ملازم عمران کو دو روٹیاں اور اس کے ڈونگے میں دال ڈال کر چلا گیا...... عمران نے ملازم سے پوچھا۔

”اس جیل کا نام کیا ہے؟“۔

نیلی پوش ملازم نے کوئی جواب نہ دیا اور چلا گیا...... تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ جیل کے دو ہٹے کٹے آفیسر عمران کی کوٹھڑی میں آ گئے...... ان کے ساتھ ایک مسلح نیلی پوش بھی تھا...... یہ مسلح نیلی پوش کوٹھڑی کے دروازے میں کھڑا ہو گیا...... دونوں آفیسر عمران کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے...... عمران بنچ پر بیٹھا تھا...... دونوں افسروں کے رنگ گہرے سانولے تھے اور آنکھوں میں جلادوں والی منگولانہ

چمک تھی...... ان میں سے ایک افسر نے عمران کو حکم دیا۔

"بنچ چھوڑ کر نیچے فرش پر بیٹھ جاؤ"۔

عمران بنچ سے اٹھ کر نیچے فرش پر بیٹھ گیا...... دونوں افسر بنچ پر بیٹھ گئے...... ا انہوں نے باری باری عمران سے سوال کرنے شروع کر دیئے...... سب سے پہلا سوال جو انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ تم پاکستان کے کس شہر کے رہنے والے ہو...... عمران نے یونہی کہہ دیا۔

"میں جہانگیر آباد کا رہنے والا ہوں"۔

افسر نے پوچھا۔

"یہ جگہ پاکستان میں کہاں ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"یہ بارڈر کے قریب ایک گاؤں ہے...... میں اس گاؤں کا ہوں"۔

دوسرے افسر نے پوچھا۔

"تمہارے ساتھ کتنے دہشت گرد انڈیا میں داخل ہوئے تھے؟"۔

عمران نے جواب دیا۔

"میرے ساتھ کوئی نہیں تھا...... مجھے حکومت پاکستان نے بھی نہیں بھیجا...... میں اپنے طور پر اپنے کشمیری مجاہدین بھائیوں کی مدد کرنے اکیلا ہی بارڈر کراس کر کے آیا تھا؟"۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو" ایک افسر نے گرجدار آواز میں کہا۔

عمران نے کہا۔

"میں تو یہاں مرنے کیلئے آیا ہوں...... مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے"۔

دوسرے افسر نے عمران کو بالوں سے پکڑ کر اسے دو تین زبردست جھٹکے دیئے اور کہا۔

"ہم تمہیں اتنی آسانی سے مرنے نہیں دیں گے...... جب تک تم ہمارے ایک سوال کا صحیح صحیح جواب نہیں دے دو گے اور ہم اس کی تصدیق نہیں کرالیں گے ہیں مرنے نہیں دیا جائے گا...... تمہیں زندہ رکھا جائے گا...... ایک بات یاد رکھنا...... جگہ سے تم اپنی زندگی میں فرار نہیں ہو سکو گے اور یہ کہ تمہاری قسمت میں ایک ناک موت لکھ دی گئی ہے، لیکن اگر تم نے سچ بولا...... ہمارے سوالوں کے سچ سچ اب دیئے اور اس کی تصدیق بھی ہو گئی تو تمہیں رات کے وقت ایک سمندری جہاز سوار کروا کر ایک دوسرے ملک کے ساحل پر پہنچا دیا جائے گا جو یہاں سے زیادہ دور ہیں ہے اور جہاں سے تم اپنے ملک کے سفارت خانے سے رابطہ پیدا کر کے اپنے وطن ستان واپس جا سکو گے اور یہ بات ہم یونہی نہیں کہہ رہے...... اگر تم نے ہمیں ہماری طلوبہ معلومات فراہم کر دیں تو ہم ایک مرد کی طرح اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گے...... ہم تمہیں آج کی رات اور کل کے دن کی مہلت دیتے ہیں...... تم اچھی طرح ے غور کر لو"۔

اس کے بعد دونوں افسر چلے گئے...... عمران بنچ پر لیٹ گیا...... اس نے آنکھیں ند کر لیں اور سوچنے لگا کہ اس پھانسی گھر سے کس طرح فرار ہوا جائے...... موت سے ہ نہیں ڈرتا تھا لیکن بے بسی کی موت اسے گوارا نہیں تھی...... اگر دشمن سے جنگ رتے ہوئے یا دشمن کی قید سے فرار ہوتے ہوئے موت آ جائے تو ٹھیک ہے لیکن شمن اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے موت کی نیند سلا دے...... یہ عمران کو گوارا ہیں تھا۔

رات ہو گئی تھی...... کوٹھڑی کے سامنے جو راہ داری تھی وہاں روشنی تھی اور یک نیلی پوش گارڈ تھوڑی تھوڑی دیر بعد سلاخوں والے دروازے کے آگے سے گزر جاتا تھا...... کسی وقت وہ اندر جھانک کر عمران کو دیکھ بھی لیتا تھا...... عمران کو نیند بالکل ہیں آ رہی تھی...... اس کو خیال آیا کہ کوٹھڑی کی پچھلی دیوار کا جائزہ لینا چاہئے...... وہ

کچھ سوچ کر اٹھا اور لیٹرین کے آگے جو تین چار فٹ کی دیوار بنی ہوئی تھی اس کی آڑ میں بنے ہوئے کموڈ پر بیٹھ گیا...... وہ رفع حاجت کے لئے نہیں بیٹھا تھا...... نیلی پوش گارڈ دروازے کے آگے سے گزرا تو اس نے عمران کو کموڈ پر بیٹھے ہوئے دیکھا اور آگے گزر گیا...... عمران نے لیٹرین کے فرش کو اس جگہ سے دیکھا جہاں کوٹھڑی کی پچھلی دیوار اوپر اٹھتی تھی...... یہ دیوار اینٹ کے سائز کے پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی اور اس کی سیمنٹ کی ٹیپ جگہ جگہ سے اکھڑی ہوئی تھی۔

عمران نے ایک جگہ سے ٹیپ کے سیمنٹ کو ناخن سے کھرچا تو پلستر نیچے گر پڑا...... اس کا مطلب تھا اس دیوار پر قسمت آزمائی کی جا سکتی تھی...... وہ پتھر کی دوسری اینٹ کے پلستر کو کھرچ رہا تھا کہ نیلی پوش گارڈ کے قدموں کی آواز سنائی دی...... عمران بالکل سیدھا ہو کر کموڈ پر بیٹھ گیا...... دیوار کے پیچھے سے اس کی گردن اور سر صاف نظر آ رہا تھا...... گارڈ سلاخوں میں جھانکتا ہوا آگے نکل گیا...... اس گارڈ کی موجودگی میں دیوار کا پتھر اکھیڑنا ناممکن تھا...... وہ کموڈ پر سے اٹھا اور کوٹھڑی کے بنچ پر آ کر لیٹ گیا...... جب کافی رات گزر گئی تو نیلی پوش گارڈ کی گشت بند ہو گئی...... شاید وہ چلا گیا تھا اور اس کی جگہ کوئی دوسرا گارڈ ڈیوٹی پر آ رہا تھا، مگر وہاں دوسرا گارڈ کوئی نہ آیا...... اب میدان خالی تھا...... کوٹھڑی میں دھیمی دھیمی روشنی ہو رہی تھی...... عمران اٹھ کر سلاخوں کے پاس چلا گیا اور اس نے جتنا باہر جھانک سکتا تھا دائیں بائیں جھانک کر دیکھا...... راہداری خالی پڑی تھی اور وہاں کوئی گارڈ نہیں تھا...... شاید آدھی رات کے بعد گارڈ چلے جاتے تھے...... وہ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے، کیونکہ وہاں سے کسی قیدی کا فرار ہو جانا واقعی ناممکن تھا...... عمران کو جب یقین ہو گیا کہ میدان خالی ہے اور اب کوئی گارڈ گشت لگاتا کوٹھڑی کے سامنے سے نہیں گزرے گا تو وہ اٹھا اور دیوار کی اوٹ میں کموڈ کے قریب زمین پر بیٹھ گیا اور مدھم روشنی میں دیوار کی اس پتھریلی اینٹ کا جائزہ لینے لگا جس کی ٹیپ کا پلستر اس نے اکھاڑ دیا تھا۔

عمران نے پتھر کو دو تین زور سے مکے مارے...... پتھر اپنی جگہ سے ہل گیا...... شاید وہ پہلے ہی سے ہل چکا تھا...... تھوڑی سی کوشش کے بعد عمران نے پتھر کی اینٹ کو دیوار میں سے باہر نکال لیا...... اس نے چوکور شگاف کے اندر ہاتھ ڈال کر ٹٹولا...... پیچھے پتھر کی اینٹوں کی ایک اور دیوار تھی...... عمران نے ہاتھ اندر ڈال کر دوسری دیوار کی اینٹوں کو ہاتھ سے پیچھے کی طرف دھکیلا...... یہ اینٹیں بڑی مضبوطی سے لگی ہوئی تھیں...... کوئی بھی پتھر اپنی جگہ سے نہ ہلا...... عمران نے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر پتھروں کو تین چار دفعہ زور سے پیچھے کی طرف دھکیلا...... دوسری اینٹ بھی اپنی جگہ سے ہل گئی...... اس کے آگے کا مرحلہ بڑا خطرناک تھا...... وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اینٹ اکھڑ کر دوسری طرف گرے...... خدا جانے دوسری طرف کیا تھا...... اینٹ کے گرنے سے ضرور شور پیدا ہو گا اور جیل کے پہریداروں کو فوراً علم ہو جائے گا کہ فلاں کوٹھڑی کی دیوار میں سیندھ لگائی جا رہی ہے، مگر اینٹ کو اکھاڑنا بھی ضروری تھا، مگر اس طرح اکھاڑنا تھا کہ اینٹ باہر کی طرف گرنے کی بجائے اندر کی طرف گرے۔

عمران بنچ پر آ کر لیٹ گیا۔

اسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی تھی...... فرش پر سے اٹھتے ہوئے اس نے سامنے والی اکھڑی ہوئی اینٹ واپس دیوار میں جوڑ دی تھی اور فرش پر جو تھوڑا سا پلستر بکھرا ہوا تھا اسے ہاتھ سے دیوار کے ساتھ پھیلا دیا تھا...... نیلی پوش گارڈ دروازے کی سلاخوں کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا...... عمران نے تھوڑی سی آنکھیں کھول کر دیکھا...... گارڈ کوٹھڑی میں غور سے دیکھ رہا تھا...... اس کے بعد وہ چلا گیا اور کوٹھڑیوں کے آگے راہداری میں اس نے دوبارہ گشت لگانی شروع کر دی...... اس کا مطلب تھا کہ آدھی رات کے بعد صرف ایک گھنٹے کا وقفہ ایسا آتا تھا جس میں راہداری بالکل خالی ہوتی تھی اور کوئی گارڈ گشت نہیں لگاتا تھا...... ہر پانچ چھ منٹ کے بعد گارڈ کوٹھڑی کے آگے سے ٹہلتا ہوا گزر جاتا تھا۔

اب کموڈ کی عقبی دیوار کو کھرچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... عمران نے یہ کام اگلی رات کے لئے ملتوی کر دیا...... بیچ میں ایک بار وہ اٹھ کر دیوار کے پاس گیا اور کموڈ پر بیٹھ کر یہ ظاہر کیا کہ وہ رفع حاجت کے لئے بیٹھا ہے لیکن حقیقت میں اس نے دیوار کے نیچے فرش پر بکھرے ہوئے پلستر کے ذرات کو اور زیادہ پھیلا کر صاف کر دیا تھا اور دیوار کی پتھریلی اینٹ کو بھی اس طرح دیوار میں لگا دیا تھا کہ دن کے وقت اگر کوئی آکر اسے دیکھے تو اسے ذرا سا بھی شک نہ ہو کہ اس جگہ سے اینٹ کو اکھاڑنے کی کوشش کی گئی ہے...... عمران واپس آکر بنچ پر لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا...... کچھ دیر کے بعد اس پر غنودگی طاری ہونے لگی اور وہ سو گیا۔

صبح اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب گارڈ نے سلاخوں پر زور زور سے تین چار مرتبہ ڈنڈا مارا...... وہ اٹھ کر بیٹھ گیا...... راہ داری میں دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی...... نیلی پوش گارڈ اسے گھورتا ہوا آگے نکل گیا...... وہ بنچ پر اٹھ بیٹھا تھا...... اس نے دوسری کوٹھڑیوں کی سلاخوں پر بھی گارڈ کے ڈنڈے مارنے کی آواز سنی...... اس کا مطلب تھا کہ عمران کی کوٹھڑی کے علاوہ دوسری کوٹھڑیوں میں بھی قیدی موجود تھے...... سلاخوں پر ڈنڈے مارنے کی دوبار آواز آئی تھی...... اس قطار میں عمران کے علاوہ دو اور قیدی بھی تھے...... کچھ دیر کے بعد جیل کا ایک ملازم عمران کو ایک باسی روٹی اور پتلی چائے دے گیا...... عمران نے ناشتہ زہر مار کیا...... آدھے گھنٹے کے بعد نیلی پوش گارڈ آیا...... اس نے تالا کھول دیا اور عمران سے کہا۔

"باہر آجاؤ"۔

عمران خاموشی سے اٹھ کر کوٹھڑی سے باہر آگیا...... راہ داری میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دو اور قیدی اپنی اپنی کوٹھڑیوں کے باہر کھڑے تھے...... دو نیلی پوش سپاہی ان کی نگرانی کر رہے تھے...... جب عمران بھی باہر آگیا تو سپاہی ان تینوں کو اپنے درمیان میں لے کر راہ داری میں سے گزرتے ہوئے جیل کے پچھواڑے آگئے......

یہاں ایک کشادہ صحن تھا...... دھوپ نکلی ہوئی تھی...... صحن کی دیوار کے اوپر مچان پر مسلح سپاہی اپنے مشین گن کے مورچے میں بیٹھے صحن کی طرف دیکھ رہے تھے...... صحن میں چھ سات اور بھی قیدی تھے جو ان سے پہلے وہاں ٹہل رہے تھے...... نیلی پوش سپاہی نے عمران سے کہا۔

"تمہیں ایک گھنٹہ چلنے پھرنے کے لئے دیا جاتا ہے"۔

اتنا کہہ کر سپاہی صحن کے بڑے گیٹ کے پاس دوسرے سپاہیوں کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا...... یہ کل چھ سپاہی تھے...... ہر سپاہی کے پاس سٹین گن تھی...... وہ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے قیدیوں کو مسلسل دیکھ رہے تھے...... قیدی ادھر ادھر صحن میں ٹہلنے لگے...... عمران بھی صحن میں ٹہلنے لگا...... وہ آدھے گھنٹے تک ٹہلتا رہا...... اس دوران قیدی ایک دوسرے کے قریب آکر آپس میں باتیں بھی کر لیتے تھے...... سپاہیوں نے قیدیوں کے آپس میں باتیں کرنے پر کوئی اعتراض نہ کیا...... یہ ایک حوصلہ افزا بات تھی...... کم از کم اس طرح سے قیدیوں کو تنہائی کا احساس نہیں رہتا تھا...... شاید اس لئے جیل کے حکام بالا نے قیدیوں کو آپس میں بات چیت کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔

عمران کا وہاں کوئی قیدی واقف نہیں تھا...... وہ کس سے بات کرتا، لیکن اس کا دل چاہتا تھا کہ کسی قیدی سے بات چیت کر کے اپنا جی بہلائے اور مہر خاموشی کو توڑے...... اس نے ٹہلتے ٹہلتے دوسرے قیدیوں کا جائزہ لیا...... تقریباً سبھی قیدی نوجوان تھے...... صرف ایک قیدی ان میں پختہ عمر کا تھا...... اس کے سر کے بالوں میں سفیدی آچکی تھی...... چہرے پر دانا اور پختہ عمر کے آدمیوں والی متانت تھی...... ایسے لگتا تھا کہ یہ کافی مدت سے اس جیل خانے میں رہ رہا ہے...... یہ آدمی ٹہلتے ٹہلتے ایک طرف ہٹ کر پتھر کی سل پر بیٹھ گیا...... شاید وہ تھک گیا تھا...... عمران کو باتیں کرنے کے لئے یہ آدمی پسند آگیا...... وہ ٹہلتے ٹہلتے اس کے قریب گیا اور پھر یہ ظاہر کیا کہ وہ تھک گیا ہے...... کھڑے کھڑے عمران نے اپنے گھٹنوں پر ہاتھ پھیرا اور پختہ عمر کے

قیدی کے قریب ہی بیٹھ گیا اور سر جھکا لیا...... وہ سپاہیوں پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ
پختہ عمر کے قیدی سے بات چیت کرنے کے لئے نہیں بیٹھا بلکہ اس لئے بیٹھ گیا ہے کہ
چلتے چلتے تھک گیا ہے۔

عمران نے قیدی کی طرف دیکھے بغیر آہستہ سے کہا۔

”سر! میرا نام عمران ہے“۔

پختہ عمر کے قیدی نے پہلے تو کوئی جواب نہ دیا...... پھر آہستہ سے کہا۔

”میرا نام وکٹر ہے...... تمہیں کس جرم میں قید کیا گیا ہے؟“۔

عمران نے پہلے سے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس بوڑھے قیدی سے کچھ نہیں چھپائے گا...... وہاں اصل بات کو چھپانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا...... اس نے کہا۔

”مجھ پر پاکستان کی جاسوسی کرنے کا الزام ہے...... یہ لوگ مجھے پوچھ گچھ کرنے کے لئے یہاں لائے ہیں“۔

بوڑھے وکٹر نے کہا۔

”میرے قریب آجاؤ...... سپاہی قیدیوں کے آپس میں بات چیت کرنے پر کوئی اعتراض نہیں کرتے“۔

عمران آہستہ سے وکٹر کے قریب ہو گیا...... بوڑھا وکٹر کہنے لگا۔

”بس ایک بات کا خیال رکھنا کہ بات چیت کرتے وقت میری طرف زیادہ مت دیکھنا...... اپنا دھیان بالکل سامنے رکھنا...... تا کہ سپاہیوں پر یہی ظاہر ہو کر ہم دونوں بڑی بے زاری اور مجبوری کی حالت میں ایک دوسرے سے بات چیت کر رہے ہیں“۔

عمران نے ایسا ہی کیا...... بوڑھا وکٹر کہنے لگا۔

”یہاں جیل کے افسروں نے اپنا ایک مخبر قیدی بھی چھوڑ رکھا ہے...... اس کا ...گ ہے...... وہ دیکھو وہ سامنے دبلے پتلے قیدی کے ساتھ ٹہل رہا ہے...... اس آدمی کو اچھی طرح سے دیکھ لو...... اس کے آگے اپنے دل کی بات ہرگز نہ کرنا“۔

عمران نے کہا۔

”مجھے کیسے یقین آئے کہ آپ بھی جیل کے افسروں کے مخبر نہیں ہیں“۔

بوڑھے قیدی نے کہا۔

”میں اگر مخبر ہوتا تو تمہارے ساتھ بات کرنے میں پہل کرتا...... میں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ تم نے شروع کی تھی اور پھر میرے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ میرا تعلق انڈین گورنمنٹ کی مخالف پارٹی یعنی کمیونسٹ پارٹی کے انقلابی گروپ سے ہے اور حکومت نے مجھے بغاوت کے جھوٹے الزام میں پکڑ کر یہاں قید کر رکھا ہے اور حکومت کی مخالف پارٹی کا آدمی جیل کے افسروں کا مخبر نہیں ہو سکتا“۔

عمران نے سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے بوڑھے قیدی سے پوچھا۔

”آپ کتنی دیر سے یہاں قید ہیں؟“۔

”مجھے یہاں پندرہ سال ہو گئے ہیں...... جب یہاں آیا تھا تو میرا ایک بھی بال سفید نہیں تھا...... اب آدھے سے زیادہ بال سفید ہو گئے ہیں...... جیل کا کوئی بھی مخبر اتنی دیر تک جیل میں قید نہیں رہ سکتا“۔

عمران نے آہستہ سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ پر شک کیا...... میں معافی چاہتا ہوں“۔

بوڑھے قیدی نے کہا۔

”کوئی بات نہیں...... یہ بتاؤ کہ تم پاکستان کے رہنے والے ہو یا ہندوستان کے مسلمان ہو؟“۔

عمران نے کہا۔

”میں رہنے والا پاکستان کا ہی ہوں، مگر میں جاسوس نہیں ہوں...... میں مجاہد ہوں اور کشمیر کے جہاد میں حصہ لینے کے لئے بھارت میں بارڈر کراس کر کے آیا تھا کہ پکڑا گیا...... ان لوگوں نے مجھے آج کے دن کی مہلت دی ہے...... اگر میں نے یہ جھوٹا

اعتراف نہ کیا کہ میں پاکستانی جاسوس ہوں اور انہیں یہ نہ بتایا کہ میرے ساتھی فلاں فلاں جگہوں پر روپوش ہیں تو یہ لوگ مجھے شوٹ کر دیں گے"۔

بوڑھے قیدی نے گہرا سانس بھر کر آسمان کی طرف دیکھا...... پھر اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرنے کے بعد دھیمی آواز میں بولا۔

"یہ تمہیں اتنی جلدی نہیں ماریں گے...... میں ان کی ذہنیت سے واقف ہوں، کیونکہ جو معلومات انہیں تم سے مل سکتی ہیں اور کسی سے نہیں مل سکتیں ہاں...... یہ تمہیں تمہاری زندگی کے آخری سانس تک اذیتیں دیں گے کہ شاید اب بھی تم انہیں کچھ بتا دو...... ان کے لئے تمہیں مار دینا بڑا آسان ہے...... لیکن وہ یہ جانتے ہیں کہ تمہیں مارنے سے انہیں کچھ حاصل نہیں ہو گا"۔

عمران نے کہا۔

"مگر میرے پاس تو انہیں بتانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے...... جہاد کشمیر میں حصہ لینے کے لئے پاکستان سے اکیلا آیا تھا...... مجھے حکومت پاکستان نے بھی نہیں بھیجا تھا...... میں محض اسلام کے ناطے اور اپنے مظلوم کشمیری مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے اپنے طور پر آیا تھا...... میں انہیں کیا بتا سکتا ہوں...... مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں"۔

بوڑھا قیدی وکٹر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"تم ایک کام کرو"۔

"وہ کیا؟" عمران نے پوچھا۔

وکٹر نے کہا۔

"تم ان لوگوں کے تشدد سے جان بچانے کے لئے جھوٹ موٹ تین چار ساتھیوں کا نام لے لو اور ان کے پتے بھی غلط بتا دو"۔

عمران نے کہا۔

"اس طرح جب میرے جھوٹ کا پول کھلا تو وہ اور زیادہ سنگدلی سے مجھ پر تشدد

کریں گے"۔

بوڑھا قیدی بولا۔

"تم کہہ دینا کہ میرے ساتھی وہاں سے چلے گئے ہوں گے...... اس میں میرا کیا قصور ہے...... انہیں تلاش کرنا آپ کا کام ہے"۔

عمران نے بڑی رازداری سے پوچھا۔

"کیا یہاں سے فرار نہیں ہوا جا سکتا؟"۔

بوڑھے قیدی نے ایک نگاہ اپنے دائیں اور بائیں جانب ڈالی اور دھیمی آواز میں کہنے لگا۔

"اگر تم خونخوار شارک مچھلیوں اور مگرمچھوں سے بھرے ہوئے سمندر کے ایک میل کے ٹکڑے کو تیر کر عبور کر سکتے ہو تو یہاں سے فرار ہو سکتے ہو"۔

"کیا مطلب؟" عمران نے پوچھا۔

بوڑھے قیدی وکٹر نے کہا۔

"اس جیل کے ارد گرد ایک میل چوڑی سمندر کی کھاڑی ہے...... اس کھاڑی میں دنیا کی سب سے زیادہ خونخوار شارک مچھلیوں اور مگرمچھوں کو لا کر چھوڑ دیا گیا ہے...... اب تک صرف تین قیدیوں نے یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی اور تینوں کی شارک مچھلیوں نے تکا بوٹی کر دی تھی...... تینوں قیدیوں کے جسم کے کٹے ہوئے پاؤں اور سر کی کھوپڑیاں جو شارک مچھلیوں نے نہیں کھائی تھیں جیل کے آدمیوں نے لا کر جیل کے دروازے پر لٹکا دی تھیں...... اس کے بعد کسی قیدی کو یہاں سے بھاگنے کی جرات نہیں ہوئی"۔

عمران نے پوچھا۔

"کیا یہاں سے فرار کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی؟"۔

بوڑھے قیدی نے کہا۔

"ٹہلنے کا وقت ختم ہو گیا باقی باتیں کل ہوں گی"۔

سپاہیوں نے باری باری تین بار سیٹیاں بجائیں اور سارے قیدی ایک قطار میں کھڑے ہو گئے...... قطار کی دونوں جانب اور پیچھے مسلح سپاہی کھڑے ہو گئے اور قیدیوں کو مارچ کراتے ان کی کوٹھڑیوں کی طرف لے کر چل دیئے...... اپنی کوٹھڑی میں آکر عمران بنچ پر لیٹ گیا اور وہاں سے فرار کے بارے میں سوچنے لگا...... شارک مچھلیوں اور مگرمچھوں سے بچنے کی کوئی ترکیب اس کے ذہن میں نہیں آ رہی تھی...... شارک مچھلی کے قابو آیا ہوا آدمی بڑی اذیت ناک موت مرتا ہے...... شارک مچھلی آدمی کو آدھا منہ میں دبا کر زور زور سے تین چار جھٹکے دیتی ہے جس سے آدمی کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں...... اس کے بعد وہ بد نصیب شخص کو دو دو سیر گوشت کا نوالہ بنا کر نگلنا شروع کر دیتی ہے، مگرمچھ آدمی کو ٹانگوں یا سر کی طرف سے اپنے نوکیلے دانتوں میں دبوچ کر پانی کے نیچے لے جاتا ہے اور اس وقت تک آدمی کو پانی کے نیچے دبائے رکھتا ہے جب تک کہ اس کی جان نہیں نکل جاتی...... اس کے بعد وہ آدمی کی مردہ لاش کو پانی کی تہ کے کیچڑ میں دبا دیتا ہے...... تاکہ لاش پھول کر گل سڑ جائے...... جب لاش پھول کر گل سڑ جاتی ہے تو مگرمچھ آدمی کو سالم کا سالم نگل جاتا ہے۔

عمران نے خوف کے مارے ایک جھرجھری سی لی اور منہ دیوار کی طرف کر کے آنکھیں بند کر لیں...... رات کو جیل کے نیلی پوش دو افسر اس سے پوچھ گچھ کرنے آ گئے...... انہوں نے عمران سے پوچھا کہ اس کے ساتھی کہاں روپوش ہیں اور وہ کہاں کہاں دہشت گردی کرنے والے ہیں...... عمران نے کہا کہ اسے کچھ معلوم نہیں... اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے...... وہ اکیلا ہی تھا...... اس کوٹھڑی میں اس کے پاؤں دیوار میں لگے لوہے کے کڑوں میں پھنسا کر الٹا لٹکا دیا گیا...... کچھ دیر تو عمران کو کچھ محسوس نہ ہوا...... اس کے بعد جیسے اس کے جسم کا سارا خون اس کی آنکھوں کے راستے باہر نکلنے کی جدوجہد کرنے لگا...... ایک سپاہی نے چھڑی سے عمران کی کھوپڑی پر آہستہ آہستہ

ضربیں لگانی شروع کر دیں، لیکن عمران نے زبان نہ کھولی اور جبران اور دلی والے حاجی صاحب اور بمبئی کے سیٹھ ستار کے بارے میں کچھ نہ بتایا...... جب عمران بے ہوش ہو گیا تو اسے نیچے اتار لیا گیا اور اسے بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر دونوں افسر واپس چلے گئے...... کوئی پندرہ بیس منٹ کے بعد عمران کو ہوش آیا...... اس کی کھوپڑی جگہ جگہ سے دکھ رہی تھی...... یہ اذیت اس نے پہلی بار دیکھی تھی...... ساری رات وہ درد سے بے حال رہا...... صبح کے وقت اسے نیند آ گئی...... جب سلاخوں پر ڈنڈے مارنے کے شور سے اس کی آنکھ کھلی تو اس کا سر جیسے جکڑا ہوا تھا...... وہ آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا...... اسے باسی روٹی اور چائے دی گئی...... گرم چائے پینے سے اس کے جسم میں تھوڑی سی چستی آ گئی...... اس کے بعد قیدیوں کو ٹہلانے کا وقت آ گیا...... عمران کبھی ٹہلنے کے لئے نہ جاتا مگر اسے امید تھی کہ بوڑھے قیدی سے مل کر اسے ضرور فرار کی کوئی راہ مل جائے گی۔

ہسپتال کے عقبی صحن میں سارے قیدی آ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔

بوڑھا قیدی وکٹر بھی ٹہلنے کے لئے آ گیا تھا...... عمران کچھ دیر ٹہلنے کے بعد بوڑھے وکٹر کے قریب آ گیا...... دونوں اپنی کل والی جگہ پر بیٹھ گئے...... عمران نے اسے بتایا کہ رات جیل کے دو افسروں نے پوچھ گچھ کے دوران اسے الٹا لٹکا کر سخت اذیت دی تھی...... بوڑھا وکٹر ذرا سا کھانس کر بولا۔

"یہ کوئی اذیت نہیں ہے...... وہ تمہیں ایسی ایسی اذیتیں دیں گے کہ تم درد کی شدت سے بلبلا کر موت کی تمنا کرو گے مگر یہ لوگ تمہیں مرنے نہیں دیں گے...... تمہیں ایسے سانپوں اور بچھوؤں سے ڈسایا جائے گا کہ جن کے زہر سے آدمی مرتا نہیں لیکن درد سے بے حال ہو کر دیواروں سے سر ٹکراتا پھرتا ہے مگر درد سے نجات نہیں ملتی"۔

عمران کہنے لگا۔

"میں نے عہد کر لیا ہے کہ میں ہر حالت میں یہاں سے فرار ہو کر رہوں گا......

مجھے یقین ہے کہ شارکوں اور مگرمچھوں سے بھری ہوئی سمندری کھاڑی کو عبور کرلوں گا...... میں بڑا اچھا تیراک ہوں"۔

بوڑھا قیدی وکٹر کچھ نہ بولا...... بس خاموش بیٹھا رہا...... عمران نے جب دیکھا وکٹر کوئی بات نہیں کر رہا اور خاموش ہو گیا ہے تو اس نے پوچھا۔

"کیا یہاں کوئی ایسی کشتی نہیں مل سکتی جس پر سوار ہو کر یہ خونی کھاڑی عبور کی جا سکے؟"۔

وکٹر بولا۔

"یہ مگرمچھ اور شارکیں آدم خور ہیں...... یہ آدمی کی بو سونگھ کر آتی ہیں اور کشتی کے ٹکڑے اڑا دیتی ہیں اور اس میں سوار آدمی کو ہڑپ کر جاتی ہیں...... ویسے بھی کھاڑی میں کبھی کوئی کشتی نہیں دیکھی...... صرف سٹیمر آتے جاتے رہتے ہیں"۔

عمران نے پوچھا۔

"یہ کون سا علاقہ ہے...... یہ نیلی پوش جیل کے لوگ آپس میں عجیب و غریب زبان میں بات چیت کرتے ہیں"۔

وکٹر نے کہا۔

"یہ بھارت کے جنوبی صوبے کیرالہ کا علاقہ ہے...... یہ لوگ کنٹر زبان بولتے ہیں...... اس کی مشرق کی جانب صوبہ تامل ناڈو ہے جس کا صدر مقام مدراس ہے۔ اس کے اوپر کرناٹک کا صوبہ ہے جس کا دارالحکومت بنگلور ہے...... بھارت کی اس جنوبی تکون کی دونوں جانب سمندر ہے"۔

عمران خاموش ہو گیا، چند لمحے توقف کے بعد بوڑھے وکٹر نے عمران سے سوال کیا۔

"اگر فرض کر لیا تمہیں کوئی ایسا فارمولا بتا بھی دیا جائے جس کی مدد سے تم آدم خور شارک مچھلیوں اور مگرمچھوں سے محفوظ رہ سکو لیکن یہ بتاؤ کہ تم اپنی سلاخوں والی کوٹھڑی سے نکلو گے کیسے؟ سمندری کھاڑی تک پہنچو گے کیسے؟"۔

عمران کو کچھ امید کی ہلکی سی روشنی نظر آنے لگی...... اس نے کہا۔

"وہ میں ابھی کسی کو نہیں بتا سکتا کہ میں اپنی کوٹھڑی سے نکل کر سمندری کھاڑی تک کیسے پہنچوں گا لیکن میں اتنا یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں اپنی پھانسی کی کوٹھڑی سے نکل آؤں گا...... آپ مجھے وہ فارمولا بتا دیں جس سے میں شارک مچھلیوں اور مگرمچھوں کے حملے سے محفوظ رہ سکتا ہوں"۔

بوڑھے وکٹر نے کہا۔

"تمہارا کیا پتہ کہ اگر تم فرار ہوتے ہوئے پکڑے گئے تو میرا نام لے دو کہ مجھے وکٹر نے فارمولا بتایا تھا...... یہ لوگ تو مجھے اسی وقت شوٹ کر دیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"میں مسلمان ہوں اور ایک خدا پر ایمان رکھتا ہوں، میں اسی ایک خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر فرار کی کوشش کرتے ہوئے میں پکڑا گیا تو خواہ یہ لوگ میرے جسم کے ٹکڑے کر دیں میری زبان پر آپ کا نام نہیں آئے گا...... اس سے زیادہ میں آپ کو اور کسی طرح یقین نہیں دلا سکتا"۔

بوڑھے قیدی نے عمران سے کہا۔

"اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ...... ذرا ٹہلتے ہیں"۔

دونوں قیدی کھڑے ہو گئے اور صحن میں آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر ٹہلنے لگے......

بوڑھے قیدی نے کہا۔

"مجھے تم پر یقین آ گیا ہے...... سنو...... اب میں تمہیں وہ فارمولا بتاتا ہوں جس کی مدد سے تم شارک مچھلیوں اور مگرمچھوں سے بچ سکو گے...... دھرم پن نام کا ایک بوڑھا یہاں جیل کا پرانا باورچی ہے...... وہ کسی زمانے میں اس علاقے کا بڑا مشہور ڈاکو ہوا کرتا تھا...... حکومت نے اسے پکڑ کر اس جیل میں بند کر دیا...... دھرم پن نے یہاں سے فرار ہونے کا منصوبہ بنایا...... اس نے آدھی زندگی کیرل کے جنگلوں میں گزاری

تھی...... اسے ایک جوگی نے ایک بار بتایا تھا کہ اگر آدمی شارک اور مگرمچھ کی چربی کا تیل بنا کر اپنے جسم پر اس کی مالش کر لے تو اس کی بو کی وجہ سے شارک اور مگرمچھ اس کے نزدیک بھی نہیں پھٹکیں گے...... تیل کی تیز بو محسوس کرتے ہی اس آدمی سے دور بھاگ جائیں گے، مگر دھرم پن کو وہ تیل استعمال کرنے کا موقع ہی نہ ملا اور دو سال بعد ہی عدالت نے اس کی باقی کی سزا معاف کر دی، لیکن اس کا جی جیل میں لگ گیا تھا......

چنانچہ اسے بطور باورچی کے جیل کی رسوئی میں ملازم رکھ لیا گیا...... اسے بہت اچھی تنخواہ ملتی ہے...... وہ روز صبح سٹیمر پر آتا ہے اور شام کو واپس اپنے گھر چلا جاتا ہے......

جیل والوں کی جانب سے اسے بڑی سہولتیں میسر ہیں...... میرا وہ دوست بن گیا ہے...... یہ تیل اب بھی اس کے پاس ہے...... میں اس سے تیل کسی بہانے سے لے آؤں گا...... اگر تم پھانسی کی کوٹھڑی سے نکل سکتے ہو تو اس کے بعد وہ تیل اپنے بدن پر مل کر سمندر میں اتر جانا اور سمندر پار کر کے فرار ہو جانا...... اتنا مجھے یقین ہے کہ تیل کی وجہ سے آدم خور شارکیں اور مگرمچھ تمہارے قریب نہیں آئیں گے...... ویسے تم سمندر میں اترنے کے بعد دیکھ لینا...... اگر کوئی شارک تم سے بھاگ گئی تو سمجھ لینا کہ یہ فارمولا کامیاب ہو گیا ہے...... کیا تم ایسا کر سکو گے؟“۔

عمران نے کہا۔

”اس پھانسی گھر میں رہ کر سسک سسک کر مرنے سے بہتر ہے کہ میں اس فارمولے کو آزمانے کی کوشش کروں...... اگر شارک نے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو میں سمندر سے باہر نکل آؤں گا...... اس کے بعد فرار کا کوئی دوسرا منصوبہ سوچوں گا“۔

بوڑھے قیدی نے عمران سے پوچھا۔

”اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم اپنی کوٹھڑی سے کیسے باہر نکلو گے...... ہو سکتا ہے میں تمہیں کوئی مفید مشورہ دے سکوں“۔

عمران نے بوڑھے وکٹر کو اپنا خیر خواہ پا کر سب کچھ بتا دیا کہ اس نے کوٹھڑی کی دیوار میں سوراخ کر لیا ہے اور وہ اسے چوڑا کر کے وہاں سے باہر نکل جائے گا۔

عمران نے پوچھا۔

”کیا آپ کو معلوم ہے کہ کوٹھڑی کی دیوار کے پیچھے کیا ہے؟“۔

بوڑھے وکٹر نے کہا۔

”اگر تم دیوار کے شگاف میں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں وہاں بہت سے ایک دوسرے کے قریب سے گزرتے ملیں گے...... ان کے درمیان میں ایک سب بڑا سیمنٹ کا پائپ ہے جس میں سے جیل کا گندا پانی سمندر میں جا کر گرتا ہے...... اس میں بیس فٹ کے فاصلے پر ایک گول ڈھکن لگا ہوا ہے...... تم اس ڈھکن کو کھول کر میں اتر جانا...... وہ پائپ تمہیں کھاڑی کے سمندر میں پہنچا دے گا“۔

اتنے میں سیٹیاں بجنے لگیں...... قیدیوں کے ٹہلنے کا وقت ختم ہو گیا تھا...... عمران ھے قیدی کو خدا حافظ کہہ کر اپنی کوٹھڑی میں واپس آ گیا...... جاتے ہوئے بوڑھے ڑ نے عمران سے کہا تھا۔

”میں فارمولے والے تیل کو دھرم پن سے کسی نہ کسی بہانے حاصل کرنے کی ی کوشش کروں گا“۔

عمران کو امید کی روشنی نظر آنے لگی تھی...... وہ اس منحوس زندہ لوگوں کے ستان سے آزاد ہو سکتا تھا...... بس ذرا ہمت اور عقلمندی کی ضرورت تھی...... عمران دونوں چیزوں سے کام لے سکتا تھا...... اس رات اس پر تشدد نہ کیا گیا...... کوئی اس ے پوچھ گچھ کرنے بھی نہ آیا...... دوسرے دن جیل کے صحن میں بوڑھے وکٹر سے قات ہوئی تو وہ کہنے لگا۔

”میں نے آج دھرم پن سے مگرمچھ کے تیل کے بارے میں بات کی تھی...... ل اس کے پاس موجود ہے مگر اس نے اسے اپنے گھر پر رکھا ہوا ہے...... اس نے وعدہ

کیا ہے کہ وہ کل یہ تیل اپنے ساتھ لیتا آئے گا“۔

عمران نے کہا۔

”اس نے یہ نہیں پوچھا کہ آپ کو اس تیل کی کیسے ضرورت پڑ گئی“۔

بوڑھا وکٹر بولا۔

”اس کو تم چھوڑو...... بہر حال اسے یہ نہیں معلوم ہوا کہ کوئی قیدی اس جیل سے بھاگ رہا ہے“۔

وہ دن بھی گزر گیا...... رات بھی گزر گئی...... انٹیلی جنس والوں نے بھی شاید اسے دو ایک دن کی مہلت دے دی تھی...... انہوں نے بھی دوسرے روز پوچھ گچھ نہ کی...... دوسرے روز عمران دوسرے قیدیوں کے ساتھ قطار بنا کر ٹہلنے کے واسطے جیل کے صحن میں آیا تو بوڑھا قیدی وکٹر وہاں موجود تھا اور ایک طرف اکیلا چہل قدمی کر رہا تھا...... کچھ دیر ٹہلنا بہت ضروری تھا...... اس کے بعد جب دوسرے قیدی بھی تھوڑا آرام کرنے کے لئے بیٹھ گئے تو عمران بھی دیوار کے پاس آ کر بیٹھ گیا...... تھوڑی دیر بعد بوڑھا وکٹر بھی اس کے پاس آ گیا...... اس سے پہلے کہ عمران اس سے تیل کے بارے میں پوچھتا...... بوڑھے وکٹر نے سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے عمران سے کہا۔

”تمہارا تیل میرے پاس موجود ہے“۔

اس نے قمیض کی جیب میں ہاتھ ڈال کر نیلے رنگ کی ایک چھوٹی شیشی نکال کر آہستہ سے عمران کی طرف کھسکا دی...... عمران نے یہ تسلی کر لینے کے بعد کہ کوئی سپاہی ان کی طرف نہیں دیکھ رہا...... شیشی اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لی...... بوڑھا وکٹر بولا۔

”یہ اصل میں مگرمچھوں اور شارک کی چربی ہے...... جسے پگھلا دیا گیا ہے...... یہ کافی گاڑھی ہے...... تمہارے پورے جسم کے لئے یہ کافی ہو گی...... اسے اپنے جسم پر اچھی طرح سے مالش کرنے کے بعد بے شک کپڑے پہن لینا...... اس کی تاثیر اور بو میں کوئی فرق نہیں پڑے گا“۔

عمران نے آہستہ سے بوڑھے وکٹر کا شکریہ ادا کیا۔

پھر وکٹر نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

”کیا تم نے آج رات فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے؟“۔

عمران بولا۔

”ابھی تک تو یہی فیصلہ کیا ہے...... آگے خدا کو جو منظور ہو“۔

بوڑھے وکٹر نے کہا۔

”آج کل چاندنی راتیں نہیں ہیں...... اندھیری رات میں تم سمندری کھاڑی سے نکل جاؤ گے...... تمہیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا...... رات کو کسی کسی وقت مچان سے سمندر پر سرچ لائٹ کی روشنی گھمائی جاتی ہے...... اس کا خیال رکھنا...... روشنی کا دائرہ تمہاری طرف آئے تو پانی میں ڈبکی لگا جانا“۔

عمران بولا۔

”اگر میں صحیح سالم دوسرے کنارے پر پہنچ گیا تو آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا“۔

بوڑھے وکٹر نے کہا۔

”اس میں احسان وغیرہ کی کوئی بات نہیں ہے...... اگر ہم ایک دوسرے کے کام نہیں آئیں گے تو پھر کون ہمارے کام آئے گا...... تم فرار ہونے کے بعد کس طرف جاؤ گے؟“۔

عمران بولا۔

”میں دلی واپس جانا چاہتا ہوں“۔

”کیا تمہارے پاس ٹکٹ کے پیسے ہیں؟“۔

عمران نے کہا۔

”میرے پاس صرف ایک سو روپے کا نوٹ ہے جو میں نے اپنی پتلون کی خفیہ جیب میں چھپا کر رکھا ہوا ہے“۔

"ٹھیک ہے" بوڑھا وکٹر بولا۔

پھر اس نے عمران کو بتایا کہ کھاڑی کے دوسرے کنارے پر ایک جگہ ناریل کے بہت سے درخت ساتھ ساتھ کھڑے ہیں...... ان کے قریب سے ایک چھوٹی سڑک پال گھاٹ کے ریلوے سٹیشن کی طرف جاتی ہے...... یہ سڑک ایک گھنے جنگل میں سے گزرتی ہے اور راستے میں ایک دریا کا پل بھی عبور کرنا پڑتا ہے۔

"جب تم دریا کا پل عبور کر لو گے تو تمہیں دور ریلوے سٹیشن کی روشنیاں نظر آئیں گی...... یہ پال گھاٹ کا سٹیشن ہو گا...... وہاں سے تمہیں بنگلور، حیدر آباد، دکن، بنگلور شولاپور، بمبئی جانے والی کوئی نہ کوئی گاڑی مل جائے گی...... شمال کی طرف جانے والی کوئی بھی گاڑی ملے اس میں بیٹھ جانا...... تاکہ تم جتنی جلدی ہو سکے اس علاقے سے نکل جاؤ، کیونکہ جس وقت یہاں کے لوگوں کو تمہارے فرار کا علم ہو گیا...... پولیس اسی وقت ریلوے سٹیشن کو گھیرے میں لے کر تلاشیاں شروع کر دے گی"۔

عمران نے کہا...... "میں ایسا ہی کروں گا"۔

اگرچہ عمران نے اسی رات فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اسے یقین نہیں آتا تھا کہ وہ رات کو وہاں سے بھاگ رہا ہے...... اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں سیکورٹی اس قدر سخت تھی کہ کوئی قیدی فرار کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا، لیکن عمران فیصلہ کر چکا تھا...... شام کے وقت وہ کوٹھڑی میں پتھر کے بنچ پر لیٹا اپنے فرار کے منصوبے کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا...... فرار کا صرف ایک ہی مرحلہ بڑا خطرناک تھا اور یہ مرحلہ کھاڑی کے سمندر کو تیر کر پار کرنے کا مرحلہ تھا...... اگرچہ کمانڈو عمران بڑا اچھا تیراک تھا اور فوج میں کئی میڈل حاصل کر چکا تھا لیکن اسے اس ایک خیال سے خوف سا محسوس ہو رہا تھا کہ اگر عین وقت پر تیل دھوکا دے گیا اور اس کی تیز بو کا خونخوار شارک مچھلیوں اور آدم خور مگر مچھوں پر کوئی اثر نہ ہوا تو پھر کیا ہو گا؟"۔

لیکن دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا...... اسے یہ خطرہ مول لینا ہی تھا...... تیل کی شیشی

اس نے لیٹرین کی چار فٹ اونچی دیوار کے پیچھے کموڈ کے پاس چھپا کر رکھ دی تھی۔

وہ دعا مانگنے لگا کہ رات کو پوچھ گچھ کرنے کے لئے کوئی نہ آ جائے...... ایسی صورت میں وہ رات کو فرار نہیں ہو سکتا تھا...... خدا کا بڑا کرم ہوا اس رات بھی پوچھ گچھ کرنے کوئی نہ آیا...... رات کو ایک جمعدار آ کے باسی روٹی اور دال دے کر چلا گیا...... اس نے کھا پی کر برتن دروازے کی سلاخوں کے پاس رکھ دیئے جہاں سے صبح جمعدار نے اٹھا کر لے جانے تھے...... اس کے پاس صرف پون گھنٹہ تھا...... یعنی آدھی رات کے بعد جب نیلی پوش پہرے دار سپاہی ڈیوٹی آف کر کے چلا جاتا تھا اور اس کی جگہ دوسرا سپاہی ڈیوٹی پر آتا تھا...... ڈیوٹی کی بدلی میں پون گھنٹے کا وقفہ ملتا تھا جب راہ داری میں کوئی پہرے دار نہیں ہوتا تھا...... اس وقفے کے دوران عمران کو دیوار میں اتنا شگاف بنانا تھا کہ وہ اس میں سے گزر سکے...... ایک اینٹ اس نے پہلے سے اکھاڑ رکھی تھی...... دوسری اینٹ اپنی جگہ سے ہلی ہوئی تھی...... اس اینٹ کو دھکیل کر دوسری طرف گرانا تھا اور اس کے بعد سوراخ کو ایک آدمی کے گزرنے کے برابر چوڑا کرنا تھا۔

نیند اسے نہیں آ رہی تھی...... نیلی پوش سپاہی راہ داری میں ٹہل رہا تھا...... اس کی کوٹھڑی کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ اندر جھانک کر عمران کو بنچ پر سوئے ہوئے دیکھ جاتا تھا، مگر عمران سویا ہوا نہیں تھا...... وہ جاگ رہا تھا...... اسے آدھی رات کے گزرنے کا انتظار تھا...... گھڑی اس کے پاس نہیں تھی...... اسے صرف اندازے سے کام لینا تھا...... ہر تین چار منٹ کے بعد گارڈ اس کی کوٹھڑی کے سامنے سے گزرتا تھا...... جب ایک بار وہ اس کی کوٹھڑی کے سامنے سے گزرنے کے بعد دس بارہ منٹ تک واپس نہ آیا تو عمران سمجھ گیا کہ رات آدھی گزر گئی ہے اور گارڈ کی بدلی کا ٹائم ہو گیا ہے...... اس نے مزید دو منٹ انتظار کیا...... جب اس دوران بھی سپاہی راہ داری میں نمودار نہ ہوا تو وہ آہستہ سے اٹھا اور کموڈ کے پاس آ کر اندھیرے میں بیٹھ گیا...... اس نے بڑی احتیاط سے دیوار کی اینٹ اتار کر نیچے رکھ دی...... پھر دیوار کے سوراخ میں ہاتھ

ڈالا...... دوسری اینٹ کو دھکیل کر دوسری طرف گرادیا...... اینٹ کے دوسری طرف گرنے کی ہلکی سی آواز آئی...... عمران جلدی سے اٹھا اور بنچ پر آکر لیٹ گیا...... اس خیال سے کہ اگر اینٹ کے گرنے کی آواز سن کر کوئی سپاہی اس طرف آئے تو وہ اسے بنچ پر سویا ہوا دیکھ کر گزر جائے اور اس پر شک نہ کرے۔

دو منٹ تک جب کوئی سپاہی نہ آیا تو عمران اٹھ کر کموڈ کے پاس آکر بیٹھ گیا اور اس نے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر اینٹوں کو بڑی احتیاط کے ساتھ ہلانا شروع کر دیا...... یہ دیواریں پہلے ہی سے بوسیدہ اور خستہ ہو چکی تھیں...... ذرا سی کوشش کے بعد اینٹوں نے اکھڑنا شروع کر دیا...... عمران ایک ایک اینٹ کو اکھاڑتا اور اسے بڑی احتیاط کے ساتھ پکڑ کر اندر کی طرف لاکر کموڈ کے پاس رکھتا جاتا...... دس پندرہ منٹ کے اندر دیوار میں اتنا شگاف پیدا ہو گیا کہ وہ اس میں سے گزر سکتا تھا...... اب اس شگاف میں سے گزرنے کا مرحلہ آ گیا...... عمران کو اس قسم کے ایڈونچرز کی باقاعدہ تربیت مل چکی تھی...... بجائے سر کی طرف سے سوراخ میں داخل ہونے کے اس نے پہلے ٹانگیں سوراخ میں داخل کیں...... وہ اوندھا ہو گیا تھا...... جس طرح کچھوا الٹا چلتا ہے بالکل اسی طرح عمران دیوار کے شگاف میں اپنی ٹانگیں داخل کرتا گیا...... یہاں تک کہ اس کی ٹانگیں شگاف کے باہر چلی گئیں...... اب وہ پنجوں کے بل پیچھے کی طرف کھسکنے لگا...... جب اس کی ٹانگیں گھٹنوں تک دیوار کی دوسری طرف نکل گئیں تو اس نے دونوں ٹانگوں کو دوسری جانب دیوار کے ساتھ لگایا اور اپنے پاؤں کے پنجوں سے دیوار میں کوئی ایسی جگہ ٹٹولنے لگا جہاں وہ اپنے دونوں پنجے ٹکا سکے...... تھوڑی سی کوشش کے بعد اسے دیوار میں پنجے لگانے کی جگہ مل گئی...... وہ الٹا چلتے کیکڑے کی طرح دیوار کے سوراخ میں سے گزر گیا اور جب اس کا پورا جسم سوراخ میں سے نکل گیا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے سوراخ کے کناروں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور نیچے نگاہ ڈالی۔



نیچے گھپ اندھیرا تھا اور کسی جگہ سے پانی کے گرنے کی ترل ترل کی آواز آ رہی ی...... دیوار کی اینٹوں میں پاؤں کے پنجے دبائے اور ہاتھوں سے شگاف کے کناروں کو بوطی سے پکڑے وہ دیوار کے ساتھ چمٹا ہوا گردن ذرا سی موڑ کر نیچے اندھیرے میں ہ رہا تھا...... اسے یقین تھا کہ یہ جیل کی پہلی منزل ہی ہے اور نیچے زیادہ گہرائی نہیں ی...... پھر بھی وہ ہاتھ چھوڑ کر نیچے چھلانگ لگانے سے اس وقت تک گریز کرنا چاہتا جب تک کہ اندھیرے میں اسے نیچے زمین یا کوئی چیز دکھائی نہ دے...... وہ اندھیرے ں آنکھیں کھول کھول کر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا...... اس دوران اس کے ہاتھ ک گئے...... جب اس کے ہاتھوں کی گرفت میں شگاف کے کنارے کو مزید پکڑے نے کی طاقت نہ رہی تو عمران نے اللہ کا نام لے کر ہاتھ چھوڑ دیئے...... اصول کے ابق گرنے سے پہلے اس نے اپنی ٹانگوں کو تھوڑا پیچھے کی جانب جھولا دے دیا تھا...... وہ ایسا نہ کرتا تو وہ پیٹھ کے بل نیچے گرتا اور اس کا سر کا پچھلا حصہ نیچے کسی چیز سے ٹکرا تا...... پاؤں کو پیچھے جھلا کر گرنے سے ایسا ہوا کہ وہ ہاتھوں کے بل زمین پر گرا...... ں کی خوش قسمتی تھی کہ زمین کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا...... یہی کوئی دس گیارہ فٹ ...... پھر بھی وہ تھوڑا سا پیٹھ کے بل گرا، جس جگہ وہ گرا وہاں چیتھڑوں کا ڈھیر لگا ہوا ...... اسے کوئی چوٹ وغیرہ نہ آئی...... آدمی سامنے کی طرف سے چھلانگ لگائے تو ے آسانی ہوتی ہے لیکن پیٹھ کے بل نیچے گرنے میں خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں کھوپڑی کا لا حصہ فرش سے نہ ٹکرا جائے۔

یہ گندے مندے کپڑوں کے چیتھڑوں کا ڈھیر تھا...... عمران جلدی سے اٹھا اور اس نے اندھیرے میں دیکھا...... اسے چیزیں دھندلی دھندلی دکھائی دینے لگی تھیں...... چیتھڑوں کے ڈھیر کے قریب سے چھ سات پائپ فرش پر سے گزر رہے تھے...... وہ ان کے قریب آگیا...... ان میں ایک پائپ بہت بڑا تھا...... اس کا تین ساڑھے تین فٹ کا قطر ہوگا...... بوڑھے قیدی وکٹر نے کہا تھا کہ تم اس پائپ کے اندر داخل ہو جانا...... یہ گندے پانی کا پائپ ہے جس میں سے گندا پانی آگے جا کر سمندر میں گرتا ہے...... عمران جھک کر بڑے پائپ کے ساتھ ساتھ چلتا گیا...... پندرہ بیس قدم چلنے کے بعد اس نے دیکھا کہ پائپ کے اوپر ایک گول ڈھکن لگا ہوا تھا...... اسی جگہ سے عمران کو پائپ کے اندر داخل ہونا تھا...... وہ ڈھکن کے پاس پائپ کے اوپر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے لوہے کے ڈھکن کو کھولنے کی کوشش شروع کر دی۔

یہ بڑا جان جوکھوں کا کام تھا...... اسے یہ احتیاط بھی کرنی پڑ رہی تھی کہ آواز پیدا نہ ہو...... کسی طرف کہیں اوپر سے پانی گر رہا تھا جس کی رل ترل رل ترل کی آواز آرہی تھی...... اس کے سوا وہاں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی...... پائپ کا ڈھکن لوہے کا تھا اور اس کے اوپر درمیان میں ایک کنڈا لگا ہوا تھا...... یہ کنڈا اوپر نہیں اٹھ رہا تھا...... جام ہو گیا ہوا تھا...... عمران پورا زور لگا رہا تھا...... وقت گزرتا جا رہا تھا...... اس دوران اگر اوپر دوسرا گارڈ اپنی ڈیوٹی پر آگیا تو اس کا سارا منصوبہ خاک میں مل سکتا تھا اور اس کے بعد شاید اسے کبھی وہاں سے فرار ہونے کا موقع نہ مل سکتا...... عمران نے پورا زور لگا دیا...... آخر ڈھکن میں ذرا سی حرکت پیدا ہوگئی...... بس اس کے تھوڑا سے کھلنے کی ضرورت تھی...... اس کے بعد ڈھکن دو تین بار کوشش کرنے سے اوپر کو اٹھ گیا...... پائپ کے اندر سے ناگوار بو کا بھپکا سا باہر کو نکلا۔

عمران نے ڈھکن والے کناروں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور اپنی ٹانگیں پائپ کے اندر کر لیں...... اس کے پاؤں پائپ میں بہتے پانی سے ٹکرائے...... اس نے پائپ

کے ڈھکن کو باہر ہی رہنے دیا اور ہاتھوں کو چھوڑ دیا...... اب وہ پائپ کے اندر تھا...... پائپ کافی کشادہ تھا...... گندا پانی عمران کی پنڈلیوں تک ہی آتا تھا...... اس نے دونوں ہاتھ پائپ کی دیوار سے لگائے اور آہستہ آہستہ پائپ میں آگے کی طرف چلنا شروع کر دیا...... وہ گھپ اندھیرے میں چلتا گیا...... ایک جگہ پائپ مڑ گیا...... پھر سیدھا ہو گیا...... بو کی وجہ سے عمران کا سانس کسی وقت جیسے گھٹنے لگتا لیکن اسے رکنا نہیں تھا...... یہ سب کچھ برداشت کرنا تھا اور چلتے جانا تھا...... کافی دیر تک چلنے کے بعد پائپ میں سامنے کی جانب سے تازہ ہوا کا ایک جھونکا اس کو چھو کر گزر گیا...... عمران نے خدا کا شکر ادا کیا...... پائپ ختم ہو رہا تھا اور اس کا وہ دہانہ قریب آرہا تھا جہاں سے پائپ کا گندا پانی سمندر میں گرتا تھا...... شارک مچھلی اور مگرمچھ کے تیل کی شیشی عمران نے اپنی جیب میں سنبھال کر رکھی ہوئی تھی...... سامنے سے تازہ ہوا کے جھونکوں میں اضافہ ہو گیا...... آخر پائپ ختم ہو گیا اور عمران اس جگہ پر آگیا جہاں سے پانی نیچے کھاڑی کے ایک گڑھے میں گر رہا تھا...... عمران نے گڑھے میں چھلانگ لگا دی اور فوراً تیر کر گڑھے سے باہر کنارے پر آگیا...... اس نے اوپر کی جانب دیکھا...... اوپر آسمان پر ستارے چمک رہے تھے...... اس کے سامنے سمندر کی ایک میل لمبی کھاڑی تھی جس کے دوسرے کنارے پر دور دھندلی دھندلی روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں...... عمران نے سارے کپڑے اتار دیئے اور جسم پر تیل کی مالش کرنے لگا...... تیل کی بو واقعی ایسی تھی کہ کوئی انسان تو کیا جانور بھی اس کے قریب نہیں آسکتا تھا...... سخت ناگوار بو تھی...... اس نے بڑی جلدی شیشی کا سارا تیل اپنے جسم پر مل لیا...... پھر اپنی بوسیدہ پتلون اور قمیض بنیان اور چپل اتار کر پتلون کی جیبوں میں ٹھونس لی...... اب وہ سمندر میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار تھا۔

اندھیری رات میں سمندر کی کھاڑی بڑا ڈراؤنا منظر پیش کر رہی تھی...... اس رات یہ منظر عمران کو اور بھی دہشت زدہ لگ رہا تھا کہ اس سمندر میں آدم خور

مگرمچھ اور آدمی کا تکا بوٹی کر دینے والی خونی شارکیں اس کا انتظار کر رہی ہیں..... اگر دیکھا جائے تو محض جسم پر تیل کی مالش کرنے سے یہ سوچنا کہ شارکیں اور مگرمچھ اس کے قریب نہیں آئیں گے ایک ایسی بات تھی جس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن بوڑھے وکٹر کو باورچی دھرم پن نے یقین دلایا تھا کہ اس تیل کی ناگوار بو محسوس کرتے ہی شارک مچھلیاں اور مگرمچھ آدمی سے دور بھاگ جاتے ہیں..... عمران کو محض ایک سنی سنائی بات پر اعتبار کر کے اس موت کے سمندر میں اترنا تھا..... بندہ آخر بشر ہے..... خیال آ ہی جاتا ہے کہ کہیں تیل دھوکا نہ دے جائے..... عمران کو بھی یہی خیال پریشان کر رہا تھا کہ اگر باورچی دھرم پن کا دعویٰ غلط ثابت ہو گیا تو تھوڑی دیر بعد شارک مچھلیوں اور مگرمچھوں کے پیٹ میں ہو گا، لیکن اسے ہر حالت میں سمندر میں اترنا تھا۔

عمران نے آنکھیں بند کر کے خدا کو یاد کیا..... اس کے حضور اپنی زندگی کی دعا مانگی اور کہا کہ یا اللہ! تو ہی سب سے اعلیٰ اور برتر حفاظت کرنے والا ہے..... میری حفاظت فرمانا..... یہ دعا مانگنے کے بعد عمران میں ایک خود اعتمادی سی آ گئی اور اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی..... سمندر میں اترتے ہی عمران نے اللہ کے بھروسے پر کھاڑی کے سمندر کے اس کنارے کی طرف تیرنا شروع کر دیا جس طرف دور روشنیاں ٹمٹماتی نظر آ رہی تھیں..... وہ بڑا اچھا تیراک تھا اور میل دو میل تک تیرنا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا، لیکن اسے ہر لحظہ یہ ڈر لگا تھا کہیں کسی جانب سے یا نیچے سے کوئی شارک مچھلی حملہ نہ کر دے یا پیچھے سے کوئی مگرمچھ آ کر اس کو ٹانگوں سے نہ پکڑ لے..... شارک مچھلی اور مگرمچھ کے دانت اتنے نوکیلے لمبے اور تیز ہوتے ہیں کہ ان کی گرفت میں آیا ہوا آدمی بچ نہیں سکتا۔

وہ تیرتا چلا جا رہا تھا..... ابھی تک اس پر کسی شارک یا مگرمچھ نے حملہ نہیں کیا تھا..... اچانک اسے ایسے محسوس ہوا جیسے کوئی شے اس کے جسم سے ٹکرا کر تیزی سے

آگے نکل گئی ہو..... عمران کا منہ پانی سے باہر تھا..... اس نے ستاروں کی مدھم روشنی میں ایک جگہ پانی کی سطح سے تکون سی باہر نکلی ہوئی دیکھی..... یہ تکون شارک مچھلی کے پھرے کے اوپر باہر نکلی ہوئی ہڈی تھی..... اس کے بعد ایک اور شے اس کے جسم سے ٹکرا کر پیچھے کی طرف نکل گئی..... شارک مچھلیوں اور مگرمچھوں نے عمران پر حملے کی کوششیں شروع کر دی تھیں مگر اس نے جسم پر جس تیل کی مالش کی ہوئی تھی اس کی بو انہیں عمران کے قریب نہیں آنے دیتی تھی..... عمران نے اس وقت اطمینان کا سانس لیا..... اسے یقین ہو گیا کہ تیل کے بارے میں اس نے جو کچھ سنا تھا وہ غلط نہیں تھا۔

وہ تیرتا چلا گیا..... اسے اپنے ارد گرد دائرے کی شکل میں سمندر کی سطح پر ہلچل برپا ہوتی صاف دکھائی دے رہی تھی..... یہ شارک مچھلیاں اور مگرمچھ تھے جو عمران کو ہڑپ کرنے کے لئے بے تابی سے اس کے گرد چکر لگا رہے تھے مگر تیل کی بو انہیں عمران کے قریب آنے سے روک رہی تھی..... جب عمران کو یقین ہو گیا کہ اب کوئی شارک اور مگرمچھ اس پر حملہ نہیں کرے گا اور وہ ان سے محفوظ ہو گیا ہے تو اس نے ارادہ تیزی سے تیرنا شروع کر دیا..... دور کنارے کی روشنیاں آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھیں..... کھاڑی کا سمندر بہت گہرا تھا..... یہ ایک طرح کا سمندر ہی تھا جو خشکی کے اندر آ گیا تھا..... پانی کا ذائقہ سخت کڑوا تھا..... تیرتے تیرتے عمران دوسرے کنارے کے قریب آ گیا..... یہاں ایک بار پھر خونی شارکوں اور مگرمچھوں نے اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی مگر اس کے قریب نہ آ سکے۔

دور دور وہ سمندر کی سطح پر ابھر ابھر کر اسے دیکھتے اور پانی میں ہل چل پیدا کرتے تھے..... جیسے جیسے عمران آگے بڑھ رہا تھا یہ خونی مخلوق اس سے دور ہوتی جاتی تھی۔

آخر عمران کھاڑی کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔

کھاڑی کے دوسرے کنارے پر پہنچتے ہی وہ اونچی اونچی جھاڑیوں اور ٹخنوں تک پانی سے گزرتا کچھ فاصلے پر درختوں کے پاس آیا اور وہیں زمین پر بالکل سیدھا لیٹ

گیا..... سب سے پہلے اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ موت کے سمندر میں سے زندہ بچ کر نکل آیا تھا..... اس کا سانس پھول گیا تھا..... اس نے آنکھیں بند کر لیں اور لمبے لمبے سانس لینے لگا..... تین چار منٹ کے بعد اس کا سانس بحال ہو گیا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا..... اس نے اس طرف دیکھا جدھر سے وہ فرار ہو کر آیا تھا..... اسے جیل کی فصیل کی روشنیاں دھندلی دھندلی نظر آرہی تھیں..... اس وقت تک یقیناً اس کے فرار کا جیل والوں کو پتہ چل گیا ہو گا اور ممکن ہے نیلی پوش سپاہی کسی سٹیمر میں بیٹھ کر اس کی تلاش میں نکل پڑے ہوں یا وہ یہ خیال کر کے مطمئن ہو گئے ہوں کہ اگر قیدی سمندر میں اترا ہو گا تو شارکوں اور مگرمچھوں نے اسے ہڑپ کر لیا ہو گا..... یہ بھی ممکن تھا کہ وہ لوگ عمران کو جیل کی چار دیواری کے اندر ہی تلاش کر رہے ہوں..... یہ بھی عین ممکن تھا کہ جیل کے حکام نے شہر کی پولیس کو اس کے فرار کی وائرلیس یا ٹیلی فون پر خبر کر دی ہو اور شہر کی پولیس اس کی تلاش میں اسی طرف آرہی ہو۔

بہر حال عمران کو وہاں سے بھاگ جانا چاہئے تھا، چنانچہ وہ اٹھا اور اس طرف تیز تیز چلنے لگا جدھر ناریل کے درختوں کے جھنڈ اندھیرے میں نظر آرہے تھے..... بوڑھے وکٹر نے کہا تھا کہ کنارے پر اگر تم زندہ سلامت پہنچ گئے تو تمہیں ایک جانب ناریل کے جھنڈ دکھائی دیں گے..... تم اس طرف چلے جانا..... ان درختوں کے ذخیرے کی دوسری جانب ایک سڑک ملے گی..... یہ سڑک تمہیں پال گھاٹ کے ریلوے سٹیشن پر پہنچا دے گی۔

بوڑھے قیدی نے یہ بھی بتایا تھا کہ سڑک اور ریلوے سٹیشن کے درمیان ایک جنگل پڑتا ہے جو اس علاقے کا سب سے خطرناک جنگل ہے..... تمہیں اس میں سے محتاط ہو کر گزرنا ہو گا..... عمران نے اس جنگل کے بارے میں زیادہ کرید کر نہیں پوچھا تھا کہ آخر اس میں کون سی خطرناک بات ہے جس کے متعلق اسے احتیاط سے کام ہو گا..... بوڑھے قیدی نے بھی اسے زیادہ جنگل کے بارے میں کچھ نہ بتایا تھا۔

وہ ناریل کے ذخیرے میں سے نکل آیا..... اسے ستاروں کی پھیکی روشنی میں ایک ک دکھائی دی جو مغرب کی طرف جاتی تھی اور سنسان پڑی تھی..... عمران اس ک پر چلنے لگا..... کوئی میل ڈیڑھ میل چلنے کے بعد ایک جنگل میں داخل ہو گیا..... یاد آگیا کہ بوڑھے وکٹر نے اسی جنگل کے بارے میں کہا تھا کہ وہاں سے اسے محتاط ر گزرنا ہو گا..... وہ رات کے وقت کئی بار کئی جنگلوں میں سے گزر چکا تھا..... اس ل میں بھی چل پڑا..... جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا جنگل زیادہ گھنا ہوتا جا رہا تھا..... ھی کوئی ایسی ڈراؤنی بات نہیں تھی..... جنگل گھنے ہوا ہی کرتے ہیں..... کچھ دور کے بعد جنگل میں ایک کھلا قطعہ آگیا..... یہاں فاصلے فاصلے پر ناریل اور تاڑ کے ت ایک دوسرے پر جھکے ہوئے کھڑے تھے..... بالکل خاموشی کا عالم تھا..... کسی ن سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی..... یہ کھلا قطعہ کوئی دو ڈھائی سو گز لمبا ہو گا..... کے آگے پھر گنجان درخت سامنے سیاہ پہاڑ کی طرح نظر آرہے تھے۔

یہاں زمین اونچی نیچی تھی..... ایک گھاٹی آگئی..... عمران اس میں سے گزر گھاٹی سے باہر نکلا تو اس نے آسمان کی طرف دیکھا..... آسمان پر نہ جانے کدھر اور کب ایک سیاہ کالی گھٹا آکر چھا گئی تھی..... ہوا بھی تیز ہو گئی..... ابھی سامنے اور جنگل تھا جس میں سے عمران کو گزر کر پال گھاٹ کے ریلوے سٹیشن پر پہنچنا ..... اس نے اپنے قدم تیز کر دیئے کہ بارش شروع ہونے سے پہلے پہلے جنگل میں ل جائے۔

اچانک بجلی چمکی..... بادلوں میں گرج سنائی دی اور ٹپاٹپ بارش شروع ہو گئی، مگر ارش تیز نہیں ہوئی تھی..... ہلکی بوندا باندی ہی ہو رہی تھی..... بوڑھے وکٹر نے ریا کا بھی ذکر کیا تھا جو اس جنگل میں سے گزرتے ہوئے آتا تھا، لیکن ابھی تک و کوئی دریا نظر نہیں آیا تھا..... وہ ہلکی بوندا باندی میں چلتا گیا..... کھلی زمین کا تم ہو گیا اور گھنے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا..... عمران بارش میں مسلسل چلتا

گیا، چونکہ بارش ابھی بہت ہلکی تھی اس لئے اسے چلنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہو رہی تھی...... ان درختوں میں سے گزر جانے کے بعد سامنے ایک دریا نظر آنے لگا...... سیاہ اندھیری رات میں دریا کا مٹیالا پاٹ ریتلے صحرا کی طرح نظر آ رہا تھا...... یہ زیادہ چوڑا دریا نہیں تھا، لیکن پانی کا بہاؤ بڑا تیز تھا اور اس میں سے شور کی آواز نکل رہی تھی...... دریا پر ذرا آگے جا کر ایک پل بنا ہوا تھا...... عمران پل کے اوپر آ گیا...... یہ پل لکڑی کا تھا اور چلنے سے اس میں سے چرچر کی آواز آتی تھی۔

وہ پل کے درمیان میں آ چکا تھا کہ اچانک اس کی نظروں نے رات کی تاریکی میں ایک انسانی سائے کو دیکھا کہ وہ پل کے جنگلے پر جھکا ہوا تھا جیسے دریا کی لہروں کو دیکھ رہا ہو...... عمران بڑا حیران ہوا کہ یہ کون آدمی ہے جو آدھی رات کے بعد دریا کے پل پر کھڑا لہروں کا نظارہ کر رہا ہے...... وہ توہم پرست نہیں تھا، لیکن اس نے سن رکھا تھا کہ انڈیا کے بعض جنگلوں میں رات کے وقت چڑیلیں اور بھوت بسیرا کرنے آ جاتے ہیں...... کیا یہ کوئی بھوت یا چڑیل ہے؟ اس کے قدم اپنے آپ سست ہو گئے...... بوندا باندی اسی طرح ہو رہی تھی...... وہ انسانی سائے کے قریب ہوتا جا رہا تھا...... دریا کی ہوا اس طرف سے آ رہی تھی جس طرف جنگلے پر انسانی سایہ جھکا ہوا تھا...... عمران کو ہوا میں ایک عجیب سی بو محسوس ہوئی...... ایسی بو عام طور پر شمشانوں اور مرگھٹوں سے آیا کرتی ہے جہاں ہندو لوگ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں...... عمران پل کے دوسرے جنگلے کی طرف ہو گیا تا کہ اس پراسرار انسانی سائے کے قریب نہ جائے بلکہ کچھ فاصلے سے آگے گزر جائے۔

جب وہ انسانی سائے کے قریب پہنچا تو عمران نے اندھیرے میں ہی دیکھ لیا کہ یہ ایک نوجوان عورت ہے جس نے سیاہ رنگ کی ساڑھی پہنی ہوئی ہے...... وہ پاؤں سے ننگی تھی...... اس کے بال کھلے تھے اور دریا پر جھکے ہونے کی وجہ سے اس کے بالوں کی ایک لٹ نیچے کو لٹک رہی تھی...... عمران نے گوشہ چشم سے اس عورت کی طرف

دیکھا...... وہ اسی طرح دریا پر جھکی ہوئی لہروں کو تک رہی تھی...... اس نے عمران کی طرف کوئی توجہ نہ کی...... اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا...... عمران نے بھی اسے بلانا یا اس سے بات کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی...... وہ اس سے تھوڑے فاصلے سے گزر کر آگے نکل گیا، لیکن عمران کو حیرت ضرور تھی کہ یہ کس قسم کی عورت ہے کہ آدھی رات کے بعد دریا کے پل پر کتنے مزے سے کھڑی دریا کو دیکھ رہی ہے۔

بادلوں میں ایک بار پھر گرج سنائی دی، مگر بارش تیز نہیں ہوئی تھی...... ہلکی ہلکی بوندا باندی پھوار میں تبدیل ہو گئی تھی...... دریا کا پل دور تک چلا گیا تھا...... کچھ فاصلے پر جا کر عمران نے دیکھا کہ دریا کے جنگلے پر ایک اور انسانی سایہ جھکا ہوا نیچے دریا کو تک رہا ہے...... عمران بڑا حیران ہوا کہ یہ شخص ضرور کوئی دیوانہ ہے...... جب ذرا قریب ہوا تو اسے ایک بار پھر وہی مردے جلانے والے مرگھٹوں کی بو کا احساس ہوا...... عمران کچھ چونک سا گیا...... اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا...... اس کے جسم میں خوف کی ایک سرد لہر دوڑ گئی...... پیچھے پل پر جو عورت جھکی کھڑی تھی اب وہ وہاں نہیں تھی...... تو کیا یہ وہی عورت تھی جو اب پل پر آگے آ گئی ہے؟

عمران رک گیا...... اس نے ایک بار پھر بڑے غور سے پیچھے پل کے اس حصے کو دیکھا جہاں سے وہ گزر کر آیا تھا اور جہاں عورت جنگلے پر جھکی ہوئی تھی وہاں اب کوئی عورت نہیں تھی، بلکہ وہی عورت اب عمران کے آگے پل پر آ گئی تھی اور جنگلے پر جھک کر اسی طرح دریا کی لہروں کو دیکھ رہی تھی...... اسی طرح اس کے بالوں کی ایک لٹ لٹک رہی تھی اور اس نے سیاہ ساڑھی پہن رکھی تھی...... یہ وہی عورت تھی...... اس وقت عمران کے دل میں خوف کی ایک لہر بیدار ہو گئی...... اگرچہ وہ توہم پرست نہیں تھا لیکن بچپن میں اس نے جنوں، بھوتوں اور چڑیلوں کے قصے ضرور سن رکھے تھے جن کا اس کے ذہن پر بڑا گہرا اثر تھا۔

تو کیا یہ کوئی چڑیل؟ عمران نے سوچا...... اس نے قدم آگے بڑھائے...... وہ پل

پر بڑی جلدی سے گزر جانا چاہتا تھا...... جیسے ہی وہ عورت کے قریب سے گزرا عورت نے گردن پھیر کر عمران کی طرف دیکھا...... عورت بے حد خوبصورت تھی...... اندھیرے میں بھی اس کا حسن اپنی بھرپور جھلک دکھا رہا تھا، مگر عمران رکا بالکل نہیں...... قدم اٹھاتا چلا گیا...... اسے ایسے محسوس ہوا جیسے اس عورت نے ہاتھ آگے بڑھا کر عمران کو اپنی طرف بلایا ہو یا اسے پکڑنے کی کوشش کی ہو، مگر عمران اور زیادہ تیز چلنے لگا اور پل پار کر کے دریا کے دوسرے کنارے پر آ گیا...... وہاں پہنچتے ہی عمران نے اپنی رفتار تیز کر دی اور وہ بہت جلد دریا سے دور ہو گیا...... اب اس کے سامنے پھر ایک جنگل تھا...... حیرت کی بات ہے جنگل ختم ہونے میں نہیں آتا تھا...... یہاں بانس کے بڑے گھنے اور اونچے اونچے جھنڈ تھے...... بانس کے درختوں میں سے گزرنا بہت مشکل ہوتا ہے...... زمین سے بانس کی نئی کونپلیں سوئی کی طرح باہر نکلی ہوتی ہیں جو بڑی سخت ہوتی ہیں اور آدمی ننگے پاؤں ہو تو اس کے پاؤں لہولہان ہو جاتے ہیں مگر عمران ننگے پاؤں نہیں تھا...... پھر بھی اسے چلنے میں سخت دشواری پیش آ رہی تھی...... بانس کی نوکیلی لمبی ٹہنیاں بار بار اس کا راستہ روک رہی تھیں۔

کسی نہ کسی طرح وہ بانس کے جھنڈوں میں سے باہر نکل آیا...... یہاں آنے کے بعد بادل ایک بار پھر زور سے گرجے اور بارش باقاعدہ شروع ہو گئی...... بارش اتنی تیز تھی کہ عمران کے لئے قدم اٹھانا مشکل ہو گیا...... اس نے دیکھا کہ ایک جانب تھوڑی سی کھلی جگہ تھی جہاں ایک چبوترہ سا بنا ہوا تھا...... چبوترے سے کچھ فاصلے پر ایک مکان تھا...... وہ دوڑ کر مکان کے پاس آ گیا...... یہ ڈھلواں چھت والا ایک کاٹج سا تھا جس کا دروازہ بند تھا مگر اس کے آگے چھوٹا سا برآمدہ تھا جس پر گھاس پھوس کی چھت پڑی ہوئی تھی...... عمران جلدی سے برآمدے میں آ کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا...... وہ تیز بارش سے بچنا چاہتا تھا...... بارش اتنی تیز تھی کہ وہ یہاں تک آتے آتے پانی میں شرابور ہو گیا تھا...... وہ چپ چاپ بیٹھا بارش کی آواز سنتا رہا...... اندھیرے میں بارش

کی آواز ایسے آ رہی تھی جیسے نزدیک ہی کوئی آبشار گر رہی ہو...... بھارت کے یہ جنوبی علاقے بارش کے علاقے ہیں...... اس طرف بڑی بارشیں ہوتی ہیں اور موسلادھار بارشیں ہوتی ہیں۔

کچھ دیر کے بعد بارش اچانک رک گئی اور جنگل میں ایسا سناٹا چھا گیا جیسے کبھی بارش ہی نہیں تھی...... عمران نے سوچا کہ اب اسے بھی وہاں سے چل پڑنا چاہئے تاکہ ریلوے سٹیشن پر پہنچ کر دلی یا بمبئی کی طرف جانے والی کوئی بھی گاڑی پکڑ سکے...... وہ ابھی چلنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے بہت سی شہد کی مکھیاں ایک مدھم گنجار کے ساتھ چلی آ رہی ہوں...... اس نے غور سے سنا کہ یہ آواز کیا ہے...... اسے محسوس ہوا کہ یہ آدمیوں کی آوازیں ہیں جو کچھ پڑھتے یا گنگناتے ہوئے چلے آ رہے ہیں...... اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا...... اسے دریا کے پل کی جانب سے دس بارہ آدمیوں کی ایک ٹولی دکھائی دی جنہوں نے ایک جنازہ اٹھا رکھا تھا...... یہ جنازہ نہیں تھا اصل میں بھوپان تھا یعنی بانس کا ایک چھابہ یا سٹریچر تھا جس پر کسی مردے کی لاش رکھی ہوئی تھی...... یہ لوگ منہ ہی منہ میں کچھ اشلوک گنگناتے چلے آ رہے تھے...... وہ عمران کے قریب سے ہو کر اس طرف گئے جہاں ایک چبوترہ بنا ہوا تھا...... لاش کو انہوں نے چبوترے پر رکھ دیا...... اس کے بعد ادھر ادھر سے لکڑیاں اکٹھی کر کے لاش کے اوپر اور اس کے ارد گرد لگا دیں اور لکڑیوں پر کچھ چھڑک کر آگ لگا دی...... لکڑیوں نے جب آگ پکڑی تو وہ سارے لوگ جدھر سے آئے تھے ادھر واپس چلے گئے۔

وہاں کوئی بھی نہ رہا...... صرف مردے کی لاش تھی جس کے ارد گرد لکڑیاں جلنے لگی تھیں...... اچانک چبوترے پر جہاں لکڑیاں جل رہی تھیں کسی عورت کے کراہنے کی آواز آنے لگی...... عمران نے حیران ہو کر چبوترے کی طرف دیکھا...... عورت کے کراہنے کی آواز زیادہ واضح ہو گئی تھی...... وہ مدد کے لئے پکار رہی تھی۔

مجھے نکالو...... مجھے آگ سے نکالو۔

عمران ایک دم چبوترے کی طرف دوڑ پڑا...... اس نے جاتے ہی لکڑی کے بڑے بڑے جلتے ہوئے ٹکڑے ادھر ادھر گرانے شروع کر دیئے...... ابھی آگ چتا کے درمیان جہاں مردے کی لاش پڑی تھی نہیں پہنچی تھی مگر تپش بہت زیادہ تھی...... عمران نے چبوترے کے چاروں طرف گھوم کر بڑی بڑی ساری جلتی ہوئی لکڑیاں اٹھا کر پرے پھینک دی تھیں...... وہ یہی سمجھا کہ یہ لوگ جس مردے کو جلانے کے لئے لائے تھے وہ اصل میں مرا نہیں تھا بلکہ اسے سکتہ ہو گیا تھا...... جب آگ کی تپش پیدا ہوئی تو مردے کی لاش کا سکتہ دور ہو گیا...... عمران جیسے ہی چبوترے کی طرف بڑھا کہ لاش کو جو زندہ تھی چتا پر سے نیچے اتارے کہ لاش اٹھ کر بیٹھ گئی...... جیسے ہی لاش چتا پر اٹھ کر بیٹھی آگ ایک دم سے بجھ گئی۔

لاش نیچے اتر آئی اور اس نے عمران کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا جیسے اسے کچھ کہنا چاہ رہی ہو...... پھر لاش نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا...... یہ اشارہ اس پگڈنڈی کی طرف تھا جو جنگل سے باہر جاتی تھی...... عمران سمجھ نہ سکا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے...... بجلی ایک بار چمکی تو دو سیکنڈ تک چمکتی ہی رہی...... بجلی کی چمک میں عمران کو لاش کے چہرے کو دیکھنے کا موقع مل گیا...... وہ بڑا حیران ہوا...... یہ وہی عورت تھی جو اسے دریا کے پل پر ملی تھی...... بارش رک گئی تھی...... عمران نے سوچا کہ خدا جانے عورت کی آتما اس کے ساتھ کیا سلوک کرے، بہتر ہے کہ وہاں سے چل دیا جائے۔ چنانچہ وہ جنگل کی دوسری سمت بڑھا...... چند قدم چلا تھا کہ اسی عورت کی آتما اس کے سامنے آگئی اور بڑی بے بسی اور عاجزی سے عمران کو اس پگڈنڈی کی طرف چلنے کا اشارہ کرنے لگی جس طرف اس نے پہلے اشارہ کیا تھا۔

عمران سمجھ گیا کہ اس عورت کی آتما اسے کسی مصیبت سے بچانا چاہتی ہے۔

جس راستے پر چل رہا تھا اسے چھوڑ کر اس پگڈنڈی پر ہو گیا جس کی طرف عورت

نے اشارہ کیا تھا...... جب وہ اس پگڈنڈی پر چل پڑا تو عورت کی آتما غائب ...... اس وقت صبح کاذب کی سفیدی بادلوں میں سے پھوٹنے لگی تھی...... عمران سے نکل گیا...... ریلوے سٹیشن وہاں سے دور نہیں تھا...... یہ پال گھاٹ کا ریلوے ن تھا جہاں سے اسے دلی یا بمبئی جانے والی ٹرین پکڑنی تھی...... ان دونوں شہروں اس کے ماسٹر سپائی یعنی حاجی صاحب دلی میں اور ستار سیٹھ بمبئی میں موجود تھے...... کے پاس جا کر صورت حال کا جائزہ لے سکتا تھا اور کمانڈو جبران کے بارے میں کر سکتا تھا کہ وہ انڈین پولیس کے قبضے میں ہی ہے یا وہاں سے فرار ہو کر ان میں کسی کے پاس پہنچ چکا ہے۔

پال گھاٹ ریلوے سٹیشن پر زیادہ مسافر نہیں تھے...... کمانڈو عمران اس کھڑکی کی ف بڑھا جہاں سے اسے دلی جانے والی ٹرین کا ٹکٹ مل سکتا تھا...... جیسے ہی وہ کھڑکی کے پاس آیا...... پراسرار عورت کی آتما نمودار ہو کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی دوسری کھڑکی کی طرف اشارہ کرنے لگی...... عمران نے دوسری کھڑکی کی طرف ...... وہاں پال گھاٹ سے وایا ہوبلی بلگام شولا پور بمبئی کا ٹکٹ ملتا تھا...... عمران سمجھ کہ عورت کی آتما اسے کیا کہنا چاہتی ہے...... وہ کھڑکی کی طرف بڑھا تاکہ دلی کا لے سکے کہ عورت کی آتما نے اس کا راستہ روک لیا، حالانکہ بدروحیں اور آتما لطیف ہوتی ہیں اور انہیں چھو کر محسوس نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس آتما نے ن کے بازو کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اسے دھکیلتی ہوئی دوسری کھڑکی کی طرف آئی جہاں سے بمبئی کا ٹکٹ ملتا تھا...... تب عمران سمجھ گیا کہ عورت کی آتما ح اسے بمبئی کا ٹکٹ خریدنے کے لئے کہہ رہی ہے...... اس نے سوچا کہ شاید اسی اس کی کوئی بہتری ہو...... وہ دوسری کھڑکی کی طرف آ گیا...... عورت کی آتما کے ے پر اطمینان کا تاثر نمودار ہوا اور وہ غائب ہو گئی۔

عمران نے بمبئی کا ٹکٹ لیا اور پلیٹ فارم پر آ کر گاڑی کا انتظار کرنے لگا...... وہ

ایک جگہ بنچ پر بیٹھ گیا تھا...... اس نے ایک قلی سے ٹرین کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ بمبئی جانے والی درگاپوجا ایکسپریس ایک گھنٹے تک آئے گی...... پراسرار عورت کی آتما کو جب یقین ہو گیا کہ عمران اس کی ہدایت کے مطابق بمبئی جا رہا ہے تو وہ غائب ہو گئی...... ایک سوا ایک گھنٹے کے بعد ٹرین آگئی...... عمران اس میں بیٹھ گیا...... گاڑی چل پڑی...... پہلے حویلی کا سٹیشن آیا...... اس کے بعد بلگام اور بلگام کے بعد شولاپور کا بڑا ریلوے سٹیشن آیا...... اس دوران عورت کی آتما بالکل نمودار نہ ہوئی...... یہ بھی کافی لمبا سفر تھا...... سارا دن اور ساری رات ٹرین چلتی رہی...... دوسرے روز شام کا اندھیرا چھا رہا تھا کہ ٹرین شولاپور اور پونا شہروں سے گزرتی ہوئی بمبئی پہنچ گئی۔

عمران نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ ایک بہت بڑی مصیبت سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا...... بمبئی سٹیشن پر سے ہی اس نے ستار سیٹھ کو فون کیا اور اپنی آمد کی اطلاع کی...... ستار سیٹھ نے کہا۔

"تم ریسٹ ہاؤس پہنچو...... میں آ رہا ہوں"۔

کمانڈو عمران نے وہیں سے ٹیکسی لی اور ستار سیٹھ کے خفیہ ریسٹ ہاؤس پہنچ گیا...... تھوڑی دیر بعد ستار سیٹھ بھی آگیا...... اس نے کمانڈو عمران کے بوسیدہ کپڑوں کو دیکھ کر کہا۔

"یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ جبران کہاں ہے...... تم کہاں سے آرہے ہو اور تمہارے کپڑوں سے بو کیسی آرہی ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"تھوڑا صبر کرو سیٹھ...... میں سب کچھ بتا دوں گا"۔

اس کے بعد عمران نے ستار سیٹھ ماسٹر سپائی کو اپنی گرفتاری اور کیرالہ کی خطرناک جیل سے فرار کی کہانی بیان کر دی، لیکن اس نے پراسرار عورت کی آتما کا ذکر نہ کیا...... اس کا ذکر کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی...... ستار سیٹھ نے جبران کے بارے میں

بتایا کہ وہ بمبئی نہیں آیا...... عمران کہنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ پولیس اور انٹیلی جنس والوں کی قید میں ہے...... خدا جانے اس پر کیا بیت رہی ہو گی"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"تم بتاؤ کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میں واپس کشمیری مجاہدین کے پاس جانا چاہتا ہوں تاکہ جہاد کشمیر میں شریک ہو سکوں"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"اور کمانڈو جبران؟" "شاید پہلے ہی سے جموں کشمیر چلا گیا ہو"۔

"اگر ایسا ہوا ہو تو بڑی خوشی کی بات ہے، لیکن میرا خیال ہے کمانڈو جبران فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوا"۔

"تو کیا تم اسے تلاش کرو گے؟" ستار سیٹھ نے پوچھا۔

کمانڈو عمران بولا۔

"نہیں...... ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے...... میں پہلی فرصت میں دلی سے جموں کشمیر کی طرف نکل جانا چاہتا ہوں"۔

ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے...... تم جس وقت چاہو جا سکتے ہو، لیکن تمہیں بہت زیادہ ہوشیار ہو کر جانا پڑے گا، کیونکہ تمہارے فرار کی اطلاع بمبئی اور دلی پولیس کو بھی دے دی گئی ہو گی"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے...... اس کے باوجود ہم نکلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں......

بہر حال اس بارے میں زیادہ احتیاط سے کام لوں گا"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"کل صبح منہ اندھیرے کی ٹرین سے تم نکل جانا..... دن کے وقت جانا ٹھیک نہیں..... میں تمہارے لئے نئے کپڑے لاتا ہوں"۔

ستار سیٹھ وہیں سے گاڑی لے کر بمبئی کی ایک مارکیٹ میں گئے اور کمانڈو عمران کے سائز کی ایک پتلون، ایک جیکٹ اور ایک قمیض خرید کر لے آئے..... عمران نے غسل کیا، اس کے بعد کپڑے تبدیل کئے اور کھانا کھا کر سو گیا..... اس قدر تھکا ہوا تھا کہ بستر پر لیٹتے ہی اسے نیند آ گئی..... وہ سارا دن سویا رہا..... دن غروب ہو چکا تھا، جب وہ بیدار ہوا شروع رات میں ستار سیٹھ بھی آ گیا..... کہنے لگا۔

"میں نے دلی میں حاجی صاحب سے رابطہ پیدا کر کے ان سے جبران کے بارے میں پوچھا ہے..... وہ کہتے ہیں کہ جبران ان کے پاس بھی نہیں پہنچا"۔

عمران نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ بھارتی پولیس یا ملٹری پولیس کی قید میں ہے..... بہر حال وہ فرار ہونے کی مسلسل کوشش کر رہا ہو گا اور کسی نہ کسی وقت فرار ہو کر کشمیر کے محاذ پر پہنچ جائے گا"۔

رات دس بجے کھانا وغیرہ کھانے کے بعد ستار سیٹھ چلا گیا..... عمران بیڈ روم میں آ گیا..... اس نے ٹیبل لیمپ کی بتی بجھا دی اور بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا، چونکہ وہ سارا دن سویا رہا تھا اس لئے نیند اس سے کوسوں دور تھی..... وہ ویسے ہی آنکھیں بند کر کے بستر پر پڑا رہا..... کھلی کھڑکی میں سے سمندر کی طرف سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے..... اچانک عمران کو کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی..... اس نے آنکھیں کھول دیں..... بیڈ روم میں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا..... کھڑکی میں سے کوٹھی کے برآمدے میں جلنے والی بتی کی دھیمی دھیمی روشنی اندر آ رہی تھی.....

ں روشنی میں اسے اسی پراسرار عورت کی آتما نظر آئی..... آتما یعنی بدروح بند وازے کے پاس کھڑی تھی اور اشارے سے عمران کو باہر آنے کے لئے کہہ رہی ں..... وہ بول نہیں رہی تھی..... صرف باہر نکلنے کا اشارہ کر رہی تھی..... اس وقت ران سوچنے لگا کہ اس عورت کی روح اس سے کوئی کام کروانا چاہتی ہے..... اس کا ئی خاص مقصد ہے جس کو سامنے رکھتے ہوئے وہ عمران کو پال گھاٹ کے سٹیشن بلکہ ے بھی پہلے جنگل والے دریا کے پل سے یہاں تک لائی ہے..... پہلے اس روح ئے عمران کو دلی جانے سے روکا اور بمبئی کی طرف جانے کی ہدایت کی..... بمبئی آ کر اب پھر اسے کسی طرف چلنے کو کہہ رہی ہے..... اتنا اسے احساس تھا کہ بدروح کی نیت راب نہیں ہے..... اگر اس نے عمران کو کسی مصیبت میں ڈالنا یا اسے کوئی نقصان پہنچانا دتا تو اب تک وہ ایسا کر چکی ہوتی۔

یہ سوچ کر عمران بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس نے پہلی بار عورت کی آتما سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"۔

پراسرار عورت کی آتما دھوئیں کے ایک انسانی ہیولے کی طرح تھی..... عمران دایک آہ کی آواز سنائی دی..... جیسے آتما نے سرد آہ بھری ہو..... آتما بدستور عمران کو روازے کی طرف بلاتی رہی..... عمران نے پوچھا۔

"کیا تم مجھے باہر نکلنے کا کہہ رہی ہو؟"۔

عورت کی آتما نے اثبات میں سر ہلایا..... جیسے کہہ رہی ہو ہاں..... میں تمہیں باہر نکلنے کے لئے کہہ رہی ہوں..... عمران پر یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ پراسرار بدروح سن ئتی ہے مگر بول نہیں سکتی..... اس نے عورت کی آتما سے دوسرا سوال کیا۔

"تم مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہو"۔

عورت کی آتما نے ایک بار پھر سرد آہ بھری اور ہاتھ کا ایسا اشارہ کیا جیسے وہ اسے

وہاں سے کچھ دور کسی جگہ لے جانا چاہتی ہے...... اس وقت رات کے پونے گیارہ بجے والے تھے...... ستار سیٹھ کا یہ ریسٹ ہاؤس بمبئی شہر سے باہر کافی دور سمندر کے جنوب مشرقی کنارے پر ایک ویران اور غیر آباد جگہ پر واقع تھا اور وہاں سے ایک میل کے فاصلے پر ست پڑا پہاڑی سلسلے کے جنگل شروع ہو جاتے تھے...... ریسٹ ہاؤس کے باہر خاموشی چھائی تھی...... عمران نے جلدی جلدی پتلون اور جیکٹ پہنی...... الماری میں سے ستار سیٹھ کا بھرا ہوا پستول نکال کر اسے چیک کیا اور جیب میں رکھ کر عورت کی آتما سے کہا۔

”تم مجھے جہاں لے جانا چاہتی ہو کیا وہاں مجھے کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟“۔

عورت کی بدروح نے نفی میں سر ہلایا...... جیسے کہہ رہی ہو کہ تمہیں وہاں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے...... اس کے ساتھ ہی عمران نے اس سے پوچھا۔

”تم جنگل والے دریا کے پل سے میرے ساتھ ہو اور مجھے گائیڈ کر کے یہاں تک لے آئی ہو...... کیا تمہارے خیال میں کوئی دوسرا آدمی تمہاری مدد نہیں کر سکتا تھا؟“۔

عورت کی آتما نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا...... جیسے کہہ رہی ہو کہ تمہارے سوا میری کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا...... عمران نے ایک اور سوال کرتے ہوئے پوچھا۔

”تم روح ہو...... روحوں کو سب کچھ معلوم ہوتا ہے...... کیا تم جانتی ہو کہ میں کون ہوں؟“۔

عورت کی آتما نے اثبات میں سر ہلایا...... جیسے کہہ رہی ہو کہ میں تمہیں جانتی ہوں کہ تم کون ہو اور کس مشن پر بھارت آئے ہوئے ہو۔

عمران نے پوچھا۔

”مجھے یہاں سے کتنی دور جانا ہو گا؟“۔

عورت کی آتما نے ہاتھ سے ایسا اشارہ کیا جیسے کہہ رہی ہو کہ یہاں سے زیادہ دور نہیں جانا ہو گا...... عمران نے کہا۔

”میں تمہاری خاطر تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں“۔

جیسے ہی عمران دروازے کی طرف بڑھا عورت کی آتما بند دروازے میں سے باہر نکل گئی...... عمران دروازہ کھول کر باہر آیا تو عورت کی آتما ریسٹ ہاؤس کے برآمدے میں کھڑی اس کو اشارے سے بلا رہی تھی...... عمران عورت کی آتما کی راہ نمائی میں چل پڑا...... ریسٹ ہاؤس کے عقبی میدان میں بہت زیادہ جنگلی جھاڑیاں اور درخت تھے...... عورت کی آتما عمران کو گائیڈ کر رہی تھی...... وہ اسے اسی میدان کی جھاڑیوں میں سے گزار کر سمندر کے کنارے کی طرف لے آئی...... یہاں ریت پر بڑے بڑے پتھر اور چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں...... ستاروں کی روشنی میں یہ سیاہ چٹانیں بڑا ڈراؤنا منظر پیش کر رہی تھیں...... سمندر کی موجوں کا ہلکا ہلکا شور اس منظر کو اور زیادہ دہشت زدہ بنا رہا تھا۔

عورت کی آتما کا ہیولا اب عمران کے آگے آگے چل رہا تھا اور عمران اس کے نقش قدم پر پیچھے پیچھے چل رہا تھا...... چلتے چلتے عورت کی آتما سمندر کے کنارے سے بائیں طرف ہٹتی گئی...... اس طرف ایک جنگل سا شروع ہوتا تھا...... عورت کی آتما جنگل میں داخل ہو گئی...... یہاں درختوں اور اونچی اونچی جھاڑیوں کی وجہ سے اندھیرا چھا رہا تھا، مگر اس اندھیرے میں بھی عورت کی آتما کا سفید ہیولا عمران کو صاف نظر آ رہا تھا...... جنگل خاموش اور سنسان تھا...... عورت کی آتما عمران کو ایک گھاٹی میں سے نکال کر اس جگہ پر لے آئی جہاں عمران کو درختوں کے نیچے ایک جھونپڑی نظر آئی...... جھونپڑی خالی تھی...... جھونپڑی کے اندر بانس کی ایک کھاٹ پڑی تھی...... ایک مٹی کا مٹکا تھا جس پر ڈھکن دیا ہوا تھا...... عمران نے ڈھکن اٹھایا...... مٹکے میں پانی تھا...... اس نے ڈھکنا واپس رکھ دیا...... اس دوران روح جھونپڑی کے دروازے پر آ گئی تھی اور عمران کو جھونپڑی کے پیچھے آنے کا اشارہ کر رہی تھی...... عمران جھونپڑی کے پیچھے آ گیا...... یہاں آتے ہی اسے ایک کمزور سی انسانی آواز سنائی دی۔

یہ آواز کچھ کہہ رہی تھی...... عمران کو الفاظ سمجھ میں نہیں آئے تھے...... عورت

کی آتما ایک پتھر کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی اور عمران کو اس طرف آنے کا اشارہ کرنے لگی...... عمران پتھر کے پاس گیا تو اسے انسانی آواز دوبارہ سنائی دی...... اب اسے الفاظ بھی سمجھ میں آ گئے...... یہ آواز پتھر کے نیچے سے آ رہی تھی اور کوئی بڑی بے بسی سے کہہ رہا تھا کہ مجھے باہر نکالو...... عمران نے عورت کی آتما کی طرف دیکھا...... آتما پتھر کی طرف اشارہ کر رہی تھی...... عمران جلدی سے آگے بڑھا...... اس نے جھک کر پتھر کو دیکھا...... یہ پتھر کی ایک بھاری سل تھی...... اس نے دونوں ہاتھوں سے سل کو پکڑ کر پورا زور لگا کر سل کو دوسری طرف کر دیا...... اس نے دیکھا کہ وہاں ایک کافی گہرا اندھیرا گڑھا تھا جو کنوئیں کی طرح تھا...... انسانی آواز اس کنوئیں کے اندر سے آ رہی تھی...... عمران نے کہا۔

”تم کون ہو؟“۔

کنوئیں کے اندر سے آواز آئی۔

”میں انسان ہوں...... میرے دشمنوں نے مجھے بے ہوش کر کے یہاں گرا دیا تھا...... اب مجھے ہوش آ گیا ہے...... خدا کے لئے مجھے باہر نکالو“۔

عمران نے کہا۔

”فکر نہ کرو...... میں ابھی تمہیں باہر نکالتا ہوں“۔

عمران نے ادھر ادھر دیکھا...... عورت کی آتما نے جھونپڑی کی طرف اشارہ کیا...... عمران جھونپڑی میں آ گیا...... اسے کسی رسی کی ضرورت تھی...... اس نے فوراً بانس کی چارپائی کی دوائن یعنی وہ رسی جس کی مدد سے چارپائی کے بان کو کس دیا گیا تھا...... کھولنی شروع کر دی...... تھوڑی دیر میں اس نے رسی کھول ڈالی اور اسے لے کر کنوئیں پر آ گیا...... اس نے کنوئیں کی طرف جھک کر کہا۔

”میں رسی نیچے لٹکا رہا ہوں...... اگر تم اسے پکڑ سکتے ہو تو پکڑ لو...... میں تمہیں باہر کھینچ لوں گا“۔

کنوئیں کے اندر سے انسانی آواز آئی۔

”رسی لٹکاؤ...... میں اسے پکڑ لوں گا“۔

عمران نے رسی کنوئیں میں لٹکا دی...... جب آدھی سے زیادہ رسی کنوئیں میں چلی گئی تو نیچے سے کسی نے اسے پکڑ کر ہلایا۔

”میں نے رسی پکڑ لی ہے“ کنوئیں میں سے آواز آئی۔

عمران نے کہا۔

”رسی کو پکڑے رکھو...... میں اسے ایک بڑے پتھر کے ساتھ باندھ رہا ہوں“۔

عمران نے رسی کے دوسرے سرے کو قریب ہی ایک بہت بڑے پتھر کے ساتھ اچھی طرح سے باندھ دیا اور کنوئیں پر جھک کر کہا۔

”رسی کی مدد سے اوپر چڑھنے کی کوشش کرو“۔

رسی تن گئی...... اس کا مطلب تھا کہ کنوئیں میں گرا ہوا آدمی اوپر چڑھنے کی کوشش میں لگ گیا تھا...... عمران نے آواز دے کر پوچھا۔

اگر تمہیں اوپر چڑھنے میں دقت ہو رہی ہے تو میں اوپر سے کھینچتا ہوں“۔

نیچے سے انسانی آواز آئی۔

”مجھے کوئی دقت نہیں ہو رہی...... میں اوپر آ رہا ہوں“۔

اور وہ آدمی رسی کی مدد سے اوپر آ گیا۔

”تم کون ہو اور تمہارے دشمنوں نے تمہیں کنوئیں میں کس لئے گرا دیا تھا؟“۔

اس آدمی نے گہرا سانس بھر کر کہا۔

”یہ لمبی کہانی ہے...... میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گا کہ تم نے مجھے موت کے منہ سے بچا لیا“۔

اس کے ساتھ ہی عمران نے دیکھا کہ عورت کی آتما کا ہیولا غائب ہو چکا تھا...... اس کا مطلب تھا کہ عورت کی آتما عمران کو اسی مقصد کے لئے وہاں لائی تھی کہ اس

بدنصیب شخص کو کنوئیں سے باہر نکالے...... عمران کو اطمینان سا محسوس ہوا کہ چلو اس کی وجہ سے ایک آدمی کی جان بچ گئی۔

عمران کو یہ بھی خوشی تھی کہ جس آدمی کو اس نے کنوئیں میں سے نکالا ہے وہ مسلمان ہے، کیونکہ اس نے کنوئیں میں سے پکار کر کہا تھا کہ خدا کے لئے مجھے باہر نکالو... عمران نے اس بات کی تصدیق کرنے کی غرض سے اس آدمی سے جو نوجوان لگتا تھا، پوچھا۔

"کیا تم مسلمان ہو؟"۔

اس نے کہا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ میں مسلمان ہوں...... میرا نام سلیمان ہے"۔

عمران سوچ میں پڑ گیا کہ اگر یہ مسلمان ہے تو جس عورت کی آتما نے اسے اس نوجوان کو کنوئیں سے باہر نکالنے کے لئے کہا تھا وہ تو ہندو عورت کی آتما تھی...... کیونکہ اسے کچھ لوگ چتا پر جلانے کے لئے لائے تھے جہاں سے اٹھ کر باہر آ گئی تھی...... کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ عورت بھی مسلمان تھی...... اب اس نوجوان پر عورت کی آتما کا راز ظاہر کرنا یا اس بارے میں تھوڑی سراغ رسانی کرنی ضروری ہو گئی تھی۔

عمران نے اس نوجوان سے پوچھا۔

"کیا زندگی میں تمہیں کبھی کسی ایسی عورت سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے جو تم سے محبت کرتی ہو اور ہندو ہو؟"۔

نوجوان سلیمان اٹھ کر بیٹھ گیا...... حیرانی سے بولا۔

"تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ ایک ہندو عورت مجھ سے محبت کرتی تھی"۔

عمران نے کہا۔

"یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا...... پہلے تم میرے سوال کا جواب دو"۔

سلیمان نے کہا۔

"ہاں...... ایک ہندو عورت ہمارے محلے میں رہتی تھی...... وہ مجھ سے بے حد پیار ی تھی...... وہ اسلام قبول کر کے مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھی...... اس نے اسلام ں کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ اس کے گھر والوں اور رشتے داروں کو پتہ چل گیا...... ں نے اسے سمجھایا کہ اس ارادے سے باز آئے مگر ہندو عورت جس کا نام کوشلیا تھا جو مجھ سے دیوانوں کی طرح محبت کرتی تھی نہ مانی اور اس نے صاف صاف اعلان یا کہ وہ بالغ ہے اور عدالت میں جا کر اپنی مرضی سے مجھ سے کورٹ میرج کرے گی اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جائے گی...... تب اس کے گھر والوں نے فیصلہ کر لیا کہ عورت کو ختم کر دیا جائے، چنانچہ ایک روز جب وہ کچن میں کھانا تیار کر رہی تھی تو اس چچا نے اس پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی اور مشہور کر دیا کہ وہ کچن میں چولہا ے آگ میں جل گئی ہے...... اب تم مجھے بتاؤ کہ تمہیں اس راز کا کیسے علم ہوا؟"۔

عمران نے کہا۔

"پہلے تم یہاں سے نکلو اور بتاؤ کہ میں تمہیں کہاں چھوڑ دوں...... اس کے بعد یں بتا دوں گا"۔

سلیمان نے کہا۔

"اس وقت تو تم مجھے کہیں چھپا سکتے ہو تو چھپا دو...... کیونکہ انڈیا کی پولیس اور ی جنس کو اگر معلوم ہو گیا کہ میں ابھی زندہ ہوں تو وہ مجھے فوراً پکڑ لے گی اور یقین کہ اسی وقت مجھے ہلاک کر ڈالے گی"۔

معمہ اور الجھتا جا رہا تھا...... عمران نے پوچھا۔

"تمہارے پیچھے انٹیلی جنس والے اور پولیس کیوں لگی ہے؟"۔

سلیمان نے عمران سے پوچھا۔

"کیا تم مسلمان ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"الحمدللہ! میں مسلمان ہوں"۔

سلیمان نے کہا۔

"تم کس صوبے کے رہنے والے ہو...... تمہارے اردو بولنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تم پنجاب کے رہنے والے ہو"۔

عمران نے کہا۔

"تم نے ٹھیک پہچانا...... میں مسلمان ہوں اور انڈیا کے شہر مالیر کوٹلہ کا رہنے والا ہوں جہاں بہت سے مسلمان رہتے ہیں اور یہ پنجاب ہی کا ایک شہر ہے"۔

عمران نے اسے بالکل نہ بتایا کہ وہ پاکستانی ہے اور حقیقت میں کون ہے...... یہ بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی...... اس نے اپنا نقلی تعارف کرانے کے بعد اس نوجوان سلیمان سے پوچھا۔

"اب مجھے یہ بتاؤ کہ انڈین گورنمنٹ کی انٹیلی جنس اور پولیس تمہارے پیچھے کیوں لگی ہے اور وہ تمہیں کس لئے ہلاک کرنا چاہتی ہے"۔

سلیمان نے کہا۔

"میں مختصر کر کے تمہیں اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ میرے پاس بھارت کی فوجی ہائی کمان کا ایک انتہائی خفیہ راز موجود ہے...... یہ راز اگر بھارت کے کسی بھی دشمن ملک کو معلوم ہو جائے تو بھارتی فوجی ہائی کمان کا پاکستان کے خلاف ایک بہت بڑا منصوبہ خاک میں مل سکتا ہے"۔

عمران چونک گیا...... وہ کچھ سمجھ رہا تھا اور بات کچھ اور ہی نکل آئی تھی...... اب اس کے لئے سلیمان نام کے اس نوجوان کا وجود بے حد اہمیت اختیار کر گیا تھا...... اس نے پوچھا۔

"تمہارے پاس یہ راز کیسے آ گیا؟ کیا تم بھارتی فوج کے کسی خفیہ محکمے سے تعلق رکھتے ہو؟"۔

سلیمان بولا۔

"بھارت کی سیکرٹ سروس سے نہیں بلکہ میرا تعلق براہ راست بھارت کی فوجی ہائی کمان کی سپیشل ملٹری انٹیلی جنس سے تھا...... میں نے مدراس یونیورسٹی سے فزکس میں ایم اے کرنے کے بعد ہلاکت خیز کیمیاوی ادویات پر ریسرچ ورک کیا...... میری اس قابلیت کے پیش نظر مجھے تامل ناڈو حکومت نے میڈیکل سروسز کے شعبے میں ایک اہم عہدے پر تعینات کر دیا...... شروع شروع میں میں نے جراثیم کش ادویات کے نئے اور سستے کیمیکلز تیار کئے...... اس کے خلاف استعمال کی جانے والی اعصابی گیس پر کام شروع کر دیا"۔

سلیمان بات کرتے کرتے رک گیا...... کہنے لگا۔

"ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے...... باقی باتیں کسی محفوظ جگہ پر بیٹھ کر سناؤں گا...... کیا تمہارے پاس یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں میں پولیس اور انٹیلی جنس والوں کی نظروں سے چھپ کر کچھ وقت گزار سکوں"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"میں یہاں اپنے دوست کے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا ہوا ہوں...... وہاں میرے اور تمہارے سوا تیسرا کوئی نہیں ہو گا"۔

"تو پھر جلدی سے وہیں چلو"۔

یہ کہہ کر سلیمان اٹھ کھڑا ہوا...... کمانڈو عمران اسے ستار سیٹھ کے ریسٹ ہاؤس میں لے آیا...... سارا ریسٹ ہاؤس خالی پڑا تھا...... رات کے وقت ویسے بھی بڑی خاموشی تھی...... سلیمان نے غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا...... عمران نے اسے نیا کرتہ پاجامہ پہننے کو دیا...... اتنی دیر میں اس نے چائے بنا لی تھی...... سلیمان نے کہا۔

"چائے کے ساتھ مجھے تھوڑی سی ڈبل روٹی مل سکتی ہے؟"۔

عمران اسی وقت ڈبل روٹی کے سلائس کاٹ کر لے آیا...... سلیمان نے خوب

تسلی کے ساتھ ڈبل روٹی مکھن لگا کر کھائی...... چائے کے دو پیالے پیئے اور کہنے لگا۔

"میں تمہیں بتا رہا تھا کہ میں نے مدراس کے گورنمنٹ سائنس کالج کی لیبارٹری میں اعصابی گیس پر ورک شروع کر دیا...... میں چھ ماہ کی محنت کے بعد ایک ایسی اعصابی گیس تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا جس پر خرچ بھی بہت کم آتا تھا اور جو اپنی تاثیر کے اعتبار سے انتہائی خطرناک اور ہلاکت خیز تھی...... میری اسی ایجاد پر بھارتی فوجی ہائی کمان کی میڈیکل ریسرچ برانچ نے مجھے اپنے پاس بلا لیا...... وہاں کسی مسلمان کو نہیں رکھا جاتا تھا، مگر میری غیر معمولی ذہانت اور جنگی ریسرچ کی ایجادات کی وجہ سے وہ لوگ ایک مسلمان کو گوارا کرنے پر مجبور تھے...... شاید تمہیں علم نہیں...... اسلحہ تو مہنگا ہوتا ہی ہے مگر اعصابی گیس پر بے پناہ دولت خرچ کرنی پڑتی ہے...... یہ گیس ترقی یافتہ ممالک ہی تیار کر سکتے ہیں، لیکن میں نے انتہائی کم لاگت سے یہ گیس تیار کر لی تھی...... انڈین فوجی ہائی کمان نے بھاری مقدار میں اعصابی گیس تیار کرنے کا آرڈر دے دیا...... میں باقاعدہ انڈین ہائی کمان کے سیکرٹ آفس کا ملازم تھا اور میری بڑی خاطر مدارات ہوتی تھیں...... جب میں نے بہت بھاری مقدار میں اعصابی گیس تیار کر کے فوجی ہائی کمان کے حوالے کر دی تو چیف آف انڈین آرمی سٹاف نے مجھے بلا کر مجھ سے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے اعصابی گیس کا فارمولا لے لیا جو میرا فارمولا تھا...... جب فارمولا بھارتی فوجی ہائی کمان کو مل گیا تو انہوں نے مجھے نوکری سے نکال کر میری بطور ایک اسسٹنٹ کے فوجی ہسپتال میں تبدیلی کر دی، لیکن بھارت کی فوجی ہائی کمان اس سے بھی مطمئن نہ ہوئی...... ان کے نزدیک ان کی اعصابی گیس کا انتہائی خفیہ راز ایک مسلمان کو معلوم تھا...... انہیں ڈر تھا کہ میں کہیں یہ راز کسی دوسرے ملک کو نہ بتا دوں، چنانچہ ایک سوچی سمجھی سازش کے مطابق مجھے انڈین نیوی کے بمبئی آفس میں بلایا گیا یہاں سے خفیہ پولیس مجھے اغوا کر کے اس جنگل میں لے آئی جہاں تم سے میری ملاقات ہوئی تھی اور مجھے بے ہوشی کی دوائی پلا کر اندھے کنوئیں میں گرا کر کنوئیں کا

پتھر کی سل سے ڈھانپ دیا تھا...... ان کو یقین تھا کہ میں دو تین دنوں میں بھوک اور ...ے جان دے دوں گا، لیکن قدرت نے میری مدد کے لئے تمہیں بھیج دیا...... ...ے میری داستان غم...... اب مجھے تم اپنے بارے میں بتاؤ کہ تم یہاں کیا کرتے ...کیا تم کسی سرکاری محکمے میں ملازم ہو...... میں تم سے صرف ایک بات کی یقین دہانی ...نا چاہتا ہوں کہ تم مسلمان ہونے کے ناطے میرے اعتماد کو دھوکا نہیں دو گے اور ...ے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"میں تو کسی کے آگے تمہارا ذکر تک نہیں کروں گا، لیکن تم اب کیا کرو گے...... ...ہر ہے تم واپس مدراس نہیں جا سکتے...... پولیس تمہیں اسی وقت گرفتار کر کے فوجی ...ئی کمان کے حوالے کر دے گی، بلکہ تم انڈیا کے کسی شہر میں بھی جاؤ گے انٹیلی جنس ...الے تمہارا پیچھا کر کے تمہیں گرفتار کر لیں گے...... کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟"۔

سلیمان نے کہا۔

"نہیں...... یہی ایک اچھی بات ہے کہ میری شادی نہیں ہوئی...... دراصل کو شلیا ...ی محبت نے مجھے کسی دوسری عورت کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا...... میرے ماں ...باپ کیرالہ میں رہتے تھے...... میں بھی وہیں پیدا ہوا تھا...... میرے بچپن میں ہی ان کا ...نتقال ہو گیا...... بس میں کسی نہ کسی طرح پڑھ لکھ گیا اور اپنی شب و روز کی محنت سے ...یک اچھے مقام تک پہنچ گیا، لیکن یہ اعلیٰ مقام میرے لئے مصیبت کا باعث بن گیا"۔

عمران نے کہا۔

"تمہاری لیاقت تمہاری مصیبت کا باعث نہیں بنی بلکہ تمہارا ایک متعصب اور ...سلام دشمن برہمن ملک میں جنم لینا تمہارے لئے مصیبت کا باعث بن گیا"۔

سلیمان بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو...... بھارت میں کسی لائق مسلمان کا کوئی مستقبل نہیں

ہے۔۔۔۔۔ بہر حال میں نے یہی سوچا ہے کہ کسی طرح دوبئی پہنچنے کی کوشش کروں گا۔۔۔۔۔ وہاں ہندو سامراج میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا"۔

عمران کو اب تجسس پیدا ہو گیا تھا کہ وہ یہ معلوم کرے کہ بھارت کی فوجی ہائی کمان کے اعصابی گیس کے سلسلے میں ناپاک عزائم کیا ہیں۔۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ بھارت نے یہ اعصابی گیس پاکستان کے خلاف استعمال کرنے کے لئے تیار کی تھی۔۔۔۔۔ اس نے سلیمان سے جب یہی سوال کیا تو وہ کہنے لگا۔

"بھارت کا یہ انتہائی خفیہ راز ہے۔۔۔۔۔ یہ گیس اس نے پاکستان کے خلاف استعمال کرنے کے لئے ہی تیار کی ہے لیکن وہ اسے انتہائی ٹاپ سیکرٹ رکھ رہا ہے تاکہ دوسرے کسی ملک کو خاص طور پر امریکہ، چین اور پاکستان کو اس راز کی معمولی سی بھنک بھی نہ پڑے۔۔۔۔۔ وہ اندر ہی اندر اعصابی گیس کے کیمیاوی بم تیار کرتا رہے اور اوپر سے جمہوریت اور انسانی حقوق کا ڈھنڈورا پیٹتا رہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"تمہارے اندازے کے مطابق بھارت نے اعصابی گیس کا کتنا ذخیرہ جمع کر لیا ہو گا"۔

سلیمان نے کہا۔

"بھارت کے پاس اس وقت اتنی اعصابی گیس کیمیاوی بموں کی شکل میں موجود ہے کہ اگر وہ اس کے صرف تین بم لندن پر گرا دے تو دو منٹ کے اندر اندر لندن شہر کی ساری آبادی موت کی نیند سو جائے گی"۔

عمران نے سب سے اہم سوال اب پوچھا۔

"اعصابی گیس کا یہ ذخیرہ بھارت نے کس جگہ چھپا کر رکھا ہوا ہے؟"۔

سلیمان بولا۔

"یہی انڈین ملٹری ہائی کمان کا سب سے اہم ترین اور خفیہ ترین راز ہے جو مجھے اس

ے معلوم ہو گیا تھا یا انہیں یہ راز مجھ پر ظاہر کرنا پڑا تھا کہ میں اس اعصابی گیس کا نس دان تھا اور میری نگرانی میں ہی یہ گیس تیار کی جا رہی تھی بلکہ اس گیس کو یادی محلول کی شکل میں کیمیاوی بموں میں تبدیل کیا جا رہا تھا"۔

عمران ہر حالت میں یہ راز معلوم کرنا چاہتا تھا کہ بھارت کی فوجی ہائی کمان نے صابی گیس کا ذخیرہ کس جگہ سٹور کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔ اس نے سلیمان سے کہا۔

"تم نے ابھی تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ اعصابی گیس کا ذخیرہ انڈین حکومت نے ں جگہ سٹور کیا ہوا ہے"۔

سلیمان کہنے لگا۔

"میں وہی تمہیں بتانے والا تھا مگر تم سے صبر نہ ہو سکا، لیکن مجھے ایک بات اؤ۔۔۔۔۔ اگر میں نے تمہیں بتا بھی دیا کہ اعصابی گیس کے بم انڈیا کی حکومت نے کس لہ سٹور کئے ہوئے ہیں تو تم کیا کر لو گے؟ تم ایک عام سویلین جوان ہو۔۔۔۔۔ میں نہیں مجھتا کہ تمہارے یہاں کچھ وسائل بھی ہوں گے۔۔۔۔۔ تم میں صرف ایک ہی خوبی مجھے ں وقت نظر آ رہی ہے کہ تم مسلمان ہو۔۔۔۔۔ تمہاری اسی خوبی نے مجھے تمہارے آگے یہ سارا راز فاش کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔۔۔۔۔ لیکن تمہیں سب کچھ بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ فائدہ تو جب ہوتا کہ تم اعصابی گیس کے اس ذخیرے کو تباہ و برباد کرنے ی طاقت رکھتے، جو گیس پاکستان یا کسی بھی مسلمان ملک کے خلاف استعمال ہو سکتی ہے بلکہ یہ اعصابی گیس بھارت صرف پاکستان کے خلاف استعمال کرنے کے لئے ہی تیار ر رہا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ میں نے بھارت کے ان پاکستان دشمن ناپاک عزائم کو خاک میں لانے کا فیصلہ کر لیا ہو۔۔۔۔۔ اس جذبے کا دل میں پیدا ہونا پہلی شرط ہے۔۔۔۔۔ اس کے بعد ی ذخیرے کو تباہ کرنے کے وسائل بھی پیدا کئے جا سکتے ہیں"۔

سلیمان نے ذرا غور سے عمران کی طرف دیکھا...... کہنے لگا۔

"تم مجھے ایک عام مسلمان نوجوان سے کچھ مختلف نوجوان لگتے ہو...... کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تم اپنا آپ مجھ سے چھپا رہے ہو؟ اگر ایسی بات ہے تو مجھے افسوس ہوگا، کیونکہ میں نے تمہیں دل کھول کر اپنا اہم ترین راز تک بتا دیا ہے، اسی طرح تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ مجھے بتادو کہ تم اصل میں کون ہو؟"۔

عمران اسے اپنی اصلیت کسی صورت نہیں بتا سکتا تھا، لیکن کسی حد تک وہاں اپنا تعارف کروانا بھی ضروری ہو گیا تھا، چنانچہ اس نے کہا۔

"اب تم نے مجھے اگر مجبور کر ہی دیا ہے تو میں بھی تمہیں بتا دیتا ہوں کہ میں اصل میں کون ہوں"۔

اس کے بعد عمران نے سلیمان کو بتایا کہ میں مالیر کوٹلے ہی کا مسلمان نوجوان ہوں اور میں اپنے مسلمان کشمیری بھائیوں سے ہمدردی کی وجہ سے کشمیر کے محاذ پر انڈین آرمی کے خلاف جہاد کر رہا ہوں۔

"ہمارا ایک کشمیری مجاہد اس علاقے میں بھارتی پولیس نے قید کر رکھا تھا...... میں اپنے ایک ساتھی مجاہد کے ساتھ یہاں اس کشمیری مجاہد کو قید سے نکالنے آیا تھا"۔

"کیا تم اپنے مشن میں کامیاب ہوئے؟" سلیمان نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ہم اپنے کشمیری مجاہد بھائی کو بھارت کی قید سے آزاد کرانے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن میرا ساتھی مجاہد اس مشن میں مجھ سے جدا ہو گیا"۔

"کیا وہ شہید ہو گیا؟" سلیمان نے سوال کیا۔

عمران نے کہا۔

"نہیں...... وہ شہید نہیں ہوا لیکن صورت حال ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ اسے بھی کشمیری مجاہد کے ساتھ فرار ہونا پڑ گیا...... ایسا کبھی کبھی ہو جایا کرتا ہے، لیکن بہر حال میں

نہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم یہ نشان دہی کر دو کہ بھارتی فوجی ہائی کمان نے پاکستان کے خلاف استعمال کیا جانے والا اعصابی گیس کے بموں کا ذخیرہ کس جگہ سٹور کیا ہوا ہے میں اسے جان کی بازی لگا کر بھی تباہ کرنے کی ایک کوشش ضرور کروں گا"۔

سلیمان مسکرا دیا...... کہنے لگا۔

"تم واقعی سچے مجاہد مسلمان ہو...... جذبہ میرے اندر بھی یہی ہے، لیکن اعصابی گیس کا ذخیرہ بھارتی ہائی کمان نے ایک ایسی خفیہ جگہ پر سٹور کر رکھا ہے کہ وہاں تک پہنچنا کسی عام انسان کے بس کا روگ نہیں ہے"۔

عمران نے کہا۔

"پھر بھی تم بتاؤ تو سہی...... ہو سکتا ہے اس سلسلے میں میں کچھ کر سکوں"۔

سلیمان بولا۔

"تو سنو! بھارت کے جنوب مغربی ساحل پر ایک چھوٹی سی بندرگاہ ہے جس کا نام کوچین ہے...... کبھی تم نے اس کا نام سنا ہے؟"۔

عمران نے نہ صرف کوچین کا نام سنا تھا بلکہ ایک مہم کے سلسلے میں کوچین کی بندرگاہ اور اس کے شہر کی سیر و سیاحت بھی کر چکا تھا...... اس نے کہا۔

"میں نے نام ضرور سنا ہے"۔

سلیمان نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"کوچین کی بندرگاہ کالی کٹ اور ٹریونڈرم بندرگاہوں کے درمیان میں واقع ہے...... یہاں بھارت کی بحریہ کا ایک خفیہ انٹیلی جنس آفس بھی ہے جس کو انتہائی راز میں رکھا گیا ہے اور سوائے چند ایک اعلیٰ فوجی افسروں کے اس خفیہ ایجنسی کا کسی کو علم نہیں ہے...... کوچین سے مغرب کی جانب سمندر میں چھ سات میل کے فاصلے پر سمندر کے اندر کئی پہاڑی چٹانیں پھیلی ہوئی ہیں...... ان میں سے بعض چٹانوں کی چوٹیاں بڑی چوڑی اور ہموار ہیں اور سطح سمندر سے دو ڈھائی سو فٹ ہی نیچے ہیں......

بھارتی بحریہ نے ان میں سے دو چٹانوں کے اوپر پلاسٹک اور سٹیل کا دس فٹ چوڑا اور دس فٹ ہی لمبا اور سات فٹ اونچا ایک کمرہ تیار کر رکھا ہے...... یہ کمرہ خاص طور پر تیار کیا گیا ہے اور اس کمرے میں اعصابی گیس کے چھ سلنڈر سٹور کیے ہوئے ہیں...... ان میں سے ہر سلنڈر کے اندر چار چار اعصابی گیس کے بم رکھے گئے ہیں...... ہر بم میں اعصابی گیس کو مائع حالت میں تبدیل کیا گیا ہے...... یہ بم فٹ بال سے چھوٹے اور کرکٹ کے گیند سے بڑے ہیں...... ہر بم میں اتنی ہلاکت خیز گیس موجود ہے کہ اگر اسے بمبئی ایسے بڑے شہر میں پھینکا جائے تو بمبئی شہر کی بلڈنگیں اور سڑکیں اور ریلوے سٹیشن اور دوسری عمارتیں تو اپنی جگہ پر قائم رہیں گی لیکن انسان ایک بھی زندہ نہیں بچے گا...... اس گیس کے اثر سے شہر کے سارے درخت سیاہ پڑ کر مرجھا جائیں گے اور ان کی شاخیں اپنے آپ تنے سے الگ ہو کر زمین پر گر پڑیں گی“۔

عمران انتہائی توجہ سے سلیمان کے یہ انکشافات سن رہا تھا...... اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ انڈین گورنمنٹ کا ایک اتنا اہم راز محض ایک اتفاق سے یا ایک بھٹکی ہوئی ہندو عورت کی آتما کے ذریعے اسے معلوم ہو جائے گا...... اس نے کہا۔

”اس گیس چیمبر کی سیکورٹی کا بھی تو بڑا زبردست انتظام کیا گیا ہو گا“۔

سلیمان بولا۔

”چونکہ انڈین گورنمنٹ اور بھارتی بحریہ کو معلوم ہے کہ یہ علاقہ گمنام سا ہے اور اس کے متعلق کسی کو شک بھی نہیں پڑ سکتا کہ یہاں اتنی قیمتی شے سمندر کے نیچے ایک باکس میں موجود ہے...... اس وجہ سے یہاں سیکورٹی کا اتنا زیادہ اہتمام ضروری نہیں سمجھا گیا...... ویسے اس گیس چیمبر کے اردگرد دو دو میل کے قطر میں بھارتی بحریہ کے فائٹر سٹیمر چکر لگاتے رہتے ہیں اور سونار سسٹم سے یہ معلوم کرتے رہتے ہیں کہ سمندر کے نیچے دشمن کی کوئی آبدوز وغیرہ تو موجود نہیں۔

عمران نے سلیمان سے کہا۔

”اگر تم میرے ساتھ مل جاؤ تو ہم دونوں اس گیس چیمبر کو سمندر کے نیچے تباہ کر سکتے ہیں اور یوں مسلمان ممالک اور خاص طور پر پاکستان کو بھارت کے جارحانہ ناپاک عزائم سے نجات مل سکتی ہے“۔

سلیمان نے بڑے پرجوش الفاظ میں کہا۔

”میں تمہارے ساتھ اس مشن پر جانے کے لئے تیار ہوں“۔

سلیمان ٹکٹکی باندھ کر عمران کو تکنے لگا...... پھر اس نے پوچھا۔

”کیا تم دل سے ایسا کہہ رہے ہو؟“۔



عمران نے جواب دیا۔

"میں اپنے دل سے کہہ رہا ہوں...... مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟"۔

اس پر سلیمان نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور کہنے لگا۔

"میں ایک بات کی ابھی سے وضاحت ضروری سمجھتا ہوں...... وہ یہ بات ہے کہ میں کوئی کمانڈو نہیں ہوں...... مجھے نہیں پتہ کہ تم کمانڈو ہو یا نہیں ہو، لیکن میں نہیں ہوں...... میں تیرنا بھی نہیں جانتا...... میں ویسے بھی سمندر سے ڈرتا ہوں، لیکن میں تمہیں باہر بیٹھ کر گائیڈ کر سکتا ہوں...... تم اگر چاہو تو میں تمہیں سمندر کے نیچے گیس چیمبر کا پورا نقشہ بنا کر دکھا سکتا ہوں...... میں تمہیں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اس گیس چیمبر کی حفاظت کے لئے کون کون سا سٹیمر کس وقت اور کتنے کتنے وقفے کے بعد گیس چیمبر کے گرد چکر لگاتا ہے...... اگر ان کا شیڈول تبدیل نہیں ہوا تو ہوگا ہر آدھ گھنٹے کے بعد ایک مشاہداتی سٹیمر گیس چیمبر کے اردگرد گھوم جاتا ہے...... اس سٹیمر میں سونا راڈار لگا ہوا ہے...... جو سمندر کے نیچے پیدا ہونے والی لہروں کی خبر اوپر سٹیمر کے راڈار پر دے دیتا ہے...... سٹیمر پر بھارتی بحریہ کے بارہ بارہ مسلح جوان اٹین شن ہو کر پہرے پر موجود رہتے ہیں...... ہفتے میں دو بار بھارتی بحریہ کے کمانڈو غوطہ خور سمندر میں اتر کر گیس چیمبر کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پوری طرح سے چیکنگ کرتے ہیں کہ کہیں کوئی تخریبی کارروائی تو نہیں کی گئی...... بس یہ ہے اعصابی گیس چیمبر کی سیکورٹی کی تفصیل جو میں نے تمہیں بتا دی ہے...... عمران کو احساس ہو گیا تھا کہ اتنی زیادہ اور سخت

سیکورٹی کے انتظام میں ان کا اعصابی گیس چیمبر تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں ہے...... اس کے لئے بہت سے وسائل کی ضرورت ہوگی...... جو بظاہر عمران کے پاس نہیں تھے...... اس سلسلے میں سیٹھ ستار سے مشورے کے بعد ہی کچھ کہا جا سکتا تھا...... عمران نے سلیمان سے پوچھا۔

"تم تو واپس مدراس نہیں جا سکتے"۔

سلیمان بولا۔

"میرا مدراس جانا خود بخود اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرنے والی بات ہوگی...... اگر مجھے تم نہ ملتے اور میں کسی اور ذریعے سے اندھے گڑھے سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا تو پھر مجھے دوبئی کی طرف نکل جانا تھا تاکہ بھارتی انٹیلی جنس کے درندوں سے نجات حاصل ہو جائے، لیکن اب تمہارے ساتھ جو باتیں ہوئی ہیں اور جو منصوبہ ہم نے بنایا ہے اس کے لئے میرا تمہارے پاس رہنا ضروری ہے تاکہ اس کمانڈو آپریشن میں میں تمہیں گائیڈ کر سکوں"۔

عمران نے پوچھا۔

"ہمیں اس مہم کے لئے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوگی...... سب سے پہلے تو ہمیں غوطہ خوری کا لباس درکار ہوگا...... آکسیجن سلنڈر اور دھماکہ خیز مواد کی ضرورت ہوگی...... اس کے علاوہ ہمیں کوچین کی بندرگاہ کے قرب و جوار میں کسی ایسے خفیہ ٹھکانے کی بھی ضرورت ہوگی جہاں ہم اس کمانڈو آپریشن کے لئے اپنا بیس Base بنا سکیں...... کیا تمہارے خیال میں کوچین کی بندرگاہ کے آس پاس ہمیں کوئی ایسی خفیہ جگہ مل سکے گی؟"۔

سلیمان سوچنے لگا...... پھر بولا۔

"کوچین میں میرا ایک ہی دوست ہے...... اس کا نام رجب علی ہے...... وہ ر آباد دکن کا رہنے والا ہے اور انڈین نیوی کی کمانڈو رجمنٹ میں کیپٹن تھا...... صرف

مسلمان ہونے کی وجہ سے اسے وقت سے پہلے انڈین نیوی سے ریٹائر کر دیا..... اب وہ کو چین میں انگریزی دوائیوں کی دکان کرتا ہے..... حیدر آباد دکن میں ہم بارہویں جماعت تک ایک ہی کالج میں پڑھتے رہے ہیں..... وہ پاکستان سے محبت کرتا ہے اور اس کے دل میں اسلام کا جذبہ مجھ سے بھی زیادہ ہے..... اس سے بات کی جاسکتی ہے..... اگر وہ ہماری مدد پر رضامند ہو جائے تو ہمارے سب مسائل حل ہو سکتے ہیں"۔

"پھر اس سے چل کر بات کرتے ہیں" عمران نے کہا۔

سلیمان کہنے لگا۔

"کو چین کا علاقہ میرے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتا ہے، کیونکہ مجھے ملٹری انٹیلی جنس نے اسی علاقے سے گرفتار کر کے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی..... اب میرے فرار کے بعد پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس وہاں میری تلاش میں ہو گی اور مجھے پہچانا جا سکتا ہے، لیکن میں تمہارے ساتھ کو چین ضرور جاؤں گا..... میرے جائے بغیر ہم اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتے"۔

عمران نے کہا۔

"تم اپنا حلیہ تھوڑا بدل لو..... مثلاً تمہارے بڑے گھنے بال ہیں..... ان کو منڈ دو..... منڈے ہوئے سر کی وجہ سے تمہیں ایک نظر میں پہچاننا مشکل ہو گا"۔

سلیمان بولا۔

"ہمیں کچھ کرنا پڑے گا..... لیکن یہ بتاؤ کیا میں یہاں تمہارے ساتھ رہ سک ہوں؟"۔

عمران نے کہا۔

"کیوں نہیں..... تم اب میرے ساتھ ہی رہو گے..... میرے دوست سیٹھ کو جس کا یہ ریسٹ ہاؤس ہے تم سے مل کر یقیناً خوشی ہو گی"۔

سلیمان نے کہا۔

"اپنے اس دوست کو ہوگز نہ بتانا کہ ہم کس مشن پر کو چین جا رہے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"اسے بتانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا..... میں اس سے کو چین کے بارے میں ا ذکر تک نہیں کروں گا..... یہ بتاؤ کہ ہم کب اس مہم پر روانہ ہوں گے"۔

"میری طرف سے کل ہی چلے چلو" سلیمان بولا..... "ہم جتنی جلدی اس مہم کو وع کریں اتنا ہی اچھا ہے، لیکن میرے پاس تو ریل کا کرایہ نہیں ہے..... کو چین ے دوست رجب علی کے پاس پہنچ کر ہمیں روپے پیسے کی تنگی نہیں ہو گی"۔

عمران نے کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو..... میرے پاس اتنے پیسے ہیں کہ ہم کو چین بھی پہنچ جائیں ر وہاں کسی ہوٹل میں ایک دو ماہ تک قیام بھی کر سکیں"۔

سلیمان بولا۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے، لیکن رجب علی میرا دوست ہمیں ہوٹل میں نہیں رہنے ے گا..... وہ ہماری رہائش کا کوئی بندوبست کر دے گا..... ہوٹل میں قیام کرنا میرے ئے مناسب نہیں ہے..... وہاں میں پہچانا جا سکتا ہوں"۔

رات کے کھانے پر ستار سیٹھ بھی آگیا..... عمران نے اس کا سلیمان سے یہ کہہ تعارف کرایا کہ یہ میرا ایک پرانا دوست ہے جو بمبئی میں اچانک مجھے مل گیا اور میں ے یہاں لے آیا ہوں اور اب یہ ہمارے پاس کچھ دن رہے گا..... سیٹھ ستار نے غور ے سلیمان کا جائزہ لیا اور کہنے لگا۔

"مسٹر سلیمان! تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی"۔

اس دوران کمانڈو عمران نے ستار سیٹھ کو آنکھ کے اشارے سے یہ سمجھا دیا تھا کہ مان کو میں نے ایک خاص مقصد کے تحت بلایا ہے..... چنانچہ سلیمان سے مزید کرید ہ کر کچھ نہ پوچھا جائے..... کھانے کے بعد عمران نے سلیمان سے کہا۔

"سلیمان! تم اندر جا کر سو جاؤ...... تم بہت تھکے ہوئے ہو" باقی باتیں صبح ہوں گی"۔

سلیمان اٹھ کر دوسرے بیڈ روم میں چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد کمانڈو عمران نے ستار سیٹھ کو سلیمان کی ساری کہانی بیان کر ڈالی...... ستار سیٹھ بڑی توجہ سے سنتا رہا...... عمران نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"اب ہمیں کوچین جا کر زیر زمین سارا کام کرنا ہوگا...... کیا کوچین میں اپنا کوئی آدمی ہے جو ضرورت کے وقت ہماری کوئی مدد کر سکے؟"۔

ستار سیٹھ چند سیکنڈ خاموش رہا...... پھر کہنے لگا۔

"وہاں ہمارا کوئی آدمی نہیں ہے...... مدراس میں ایک مجاہد ضرور ہے مگر مدراس وہاں سے بہت دور ہے"۔

عمران بولا۔

"کوئی بات نہیں...... ہمیں سلیمان کے دوست رجب علی سے کافی مدد ملنے کی توقع ہے...... اور پھر میں خود بھی بہت کچھ سنبھال لوں گا"۔

"تم لوگ کوچین کب روانہ ہو رہے ہو؟" ستار سیٹھ نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"ہمارا کل یہاں سے نکل جانے کا ارادہ ہے"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"میں صبح تمہیں کچھ پیسے بھجوا دوں گا"۔

دوسرے دن ستار سیٹھ نے اپنے ملازم کے ہاتھ عمران کو تین ہزار رو بھجوا دیئے...... سلیمان ناشتہ کر چکا تھا...... عمران نے بھی ناشتہ کیا اور سلیمان سے پوچھ

"کوچین جانے کے لئے ہمیں کون سی گاڑی پکڑنی ہوگی"۔

سلیمان نے کہا۔

"ہمیں بنگلور کی گاڑی پکڑنی ہوگی...... بنگلور سے ہمیں کوچین ایکسپریس

ے گی"۔

اس دوران سلیمان نے اپنے سر کے بال پہلے قینچی سے کاٹے اور پھر سر کی پوری کر لی تھی...... اس کی شکل اور حلیے میں کافی فرق پڑ گیا تھا...... انہوں نے ریلوے ری فون کر کے بنگلور جانے والی ٹرین کا پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ ایک پسنجر ٹرین ھے دس بجے دن کے وقت چلتی ہے اور ایک ایکسپریس ٹرین رات کے آٹھ بجے ہوتی ہے...... سلیمان نے کہا۔

"ہم پسنجر ٹرین ہی پکڑیں گے...... ابھی ٹرین کے چلنے میں ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے"۔

کچھ وقت وہ برآمدے میں بیٹھے اپنے مشن کے بارے میں مزید غور و فکر کرتے ...... اس کے بعد ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑے...... ستار سیٹھ کی گاڑی انہیں ں کے بوری بندر سٹیشن پر چھوڑ آئی...... بنگلور جانے والی ٹرین میں بڑا رش تھا...... وہ ا ایک ڈبے میں سوار ہو گئے...... ٹرین ٹھیک وقت پر روانہ ہو گئی...... بنگلور کا سفر کافی ل تھا، مگر عمران لمبے سفروں کا عادی ہو چکا تھا آخر وہ بنگلور پہنچ گئے...... وہاں سے ہیں کوچین ایکسپریس مل گئی جس نے انہیں صبح صبح کوچین پہنچا دیا...... سلیمان سیدھا نے دوست رجب علی کے گھر کی طرف روانہ ہوا...... وہ ٹیکسی میں سوار تھے...... ب علی کا چھوٹا سا مگر کوٹھی نما مکان کوچین کی بندرگاہ کے جنوب میں سمندر کے ب واقع تھا...... رجب علی ابھی اپنی کیسٹ شاپ پر نہیں گیا تھا...... سلیمان کو دیکھ وہ بہت خوش ہوا...... دونوں دوست بغل گیر ہو کر ملے...... سلیمان نے عمران کا ف کرواتے ہوئے کہا۔

"یہ میرا جگری دوست عمران ہے...... اس کے بارے میں باقی تعارف میں ناشتے واؤں گا"۔

رجب علی نے عمران کو بھی گلے لگا لیا اور بولا...... جو میرے دوست سلیمان کا ت ہے وہ میرا بھی دوست ہے...... ہم سب اکٹھے ناشتہ کریں گے...... میں دوکان

کھولنے کے لیے اپنے ملازم کو بھیج دوں گا...... تاکہ ہم اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کر سکیں"۔

ناشتے پر سلیمان نے رجب علی سے کہا۔

"دوست! ہم ایک خاص مشن پر کوچین آئے ہیں"۔

رجب علی نے سلیمان سے کہا۔

"مجھے تمہارے بارے میں علم ہو گیا تھا کہ بھارت کی سنٹرل انٹیلی جنس نے تمہیں کسی دور دراز مقام پر جلاوطن کر دیا ہے...... کیوں جلاوطن کیا ہے اس کی رپورٹ بھی مجھے مل گئی تھی...... تمہیں دیکھ کر مجھے اس لئے بھی خوشی ہوئی تھی کہ تم زندہ سلامت میرے پاس واپس آگئے ہو، کیونکہ بھارت کی سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی جس مسلمان کو پکڑ کر کسی بھی وجہ سے جلاوطن کرتی ہے تو پھر وہ شخص دوبارہ کسی کو زندہ نظر نہیں آتا"۔

سلیمان نے کہا۔

"میں بھی تمہیں زندہ نظر نہ آتا اگر عمران میری مدد کو نہ پہنچ جاتا"۔

اس کے بعد سلیمان نے رجب علی کو اپنی ساری کہانی بیان کر دی۔

رجب علی بولا۔

"تم بڑے خوش قسمت ہو سلیمان کہ اللہ نے تمہیں بچانے کے لئے ایک سبب پیدا کر دیا اور عمران کو فرشتے کے روپ میں تمہارے پاس بھیج دیا...... تم نے اس لئے سر منڈوا دیا ہے تاکہ پہچانے نہ جا سکو"۔

سلیمان نے کہا۔

"یہ احتیاط بڑی ضروری تھی رجب علی...... کیونکہ کنوئیں سے میرے غائب ہونے کی رپورٹ بھارت کی انٹیلی جنس کو مل چکی ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ پولیس ا انٹیلی جنس والے میری تلاش میں ہوں"۔

رجب علی کہنے لگا۔

"تم فکر نہ کرو...... میرے پاس ایک ایسی خفیہ جگہ ہے جہاں تمہیں کوئی باہر کا ں نہیں دیکھ سکے گا...... لیکن اب تمہارا ارادہ کیا ہے...... میرا مطلب ہے کہ میں ، نہیں سکا کہ ان حالات میں جبکہ تمہیں کسی جگہ روپوش ہو جانا چاہئے تھا تم خود ہی ین آگئے ہو جہاں تمہارے پکڑے جانے کا ہر وقت خطرہ موجود ہے"۔

سلیمان نے کہا۔

"اس کی ایک خاص وجہ ہے اور وہ وجہ میرا اور عمران کا مشن ہے...... ہمیں اس ن کے لئے تمہاری راہ نمائی اور امداد کی اشد ضرورت ہے...... اس لئے میں عمران کو ے کر تمہارے پاس آیا ہوں"۔

رجب علی بولا۔

"میں ہر طرح تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں، مگر وہ کون سا مشن ہے کیا میں پوچھ تا ہوں"۔

سلیمان نے کہا۔

"رجب علی! مجھے تم پر اندھا بھروسہ ہے کہ جو کچھ میں یا عمران تمہیں بتائے گا اس ذکر تم کسی سے نہیں کرو گے، کیونکہ یہ ایک انتہائی ٹاپ سیکرٹ مشن ہے"۔

رجب علی بولا۔

"سلیمان...... تم مجھے اچھی طرح سے جانتے ہو کہ میں دوستوں کے راز چھپانے ں سب سے آگے ہوں"۔

سلیمان نے کہا۔

"اور تم اس راز میں برابر کے شریک ہو گے اور تمہاری مدد اور تعاون کے بغیر ہم پنے مشن میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے...... اس لئے تمہیں اپنے مشن کی ایک ایک فصیل بتانی ضروری ہے"۔

اس کے بعد سلیمان نے اپنے مشن کے بارے میں سب کچھ بیان کر دیا...... اس کے ساتھ ہی سلیمان اور عمران نے رجب علی کو اس مشن کے لئے جن جن چیزوں کی اشد ضرورت تھی وہ بھی بتا دیں...... رجب علی نے پوری تفصیل بڑے غور سے سنی...... پھر کہنے لگا۔

"تمہارا یہ مشن بہت ضروری بھی ہے اور بڑا خطرناک بھی ہے...... خطرناک ان معنوں میں کہ ذرا سی بے احتیاطی ہم سب کو پھانسی کے تختے پر پہنچا سکتی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"ہمیں اس مشن کے تمام خطرناک پہلوؤں کا پورا احساس ہے...... ہماری ہر قدم پر کوشش ہوگی کہ ذرا سی بھی بے احتیاطی نہ ہو، لیکن اس میں ہمیں خطرات ضرور مول لینے پڑیں گے...... ان خطرات کو مول لئے بغیر ہم اپنے مشن پر عمل نہیں کر سکیں گے"۔

رجب علی کہنے لگا۔

"اس مشن کے لئے بڑے تربیت یافتہ کمانڈوز کی ضرورت ہے مگر تم دونوں میں سے کوئی بھی تربیت یافتہ کمانڈو نہیں ہے"۔

سلیمان نے کہا۔

"تم جو تجربہ کار اور تربیت یافتہ کمانڈو ہو...... تم ہماری راہ نمائی کر سکتے ہو...... یقین کرو تم جیسا کہو گے ہم ویسا ہی کریں گے اور ہمارا کوئی قدم غلط یا بے احتیاطی سے نہیں اٹھے گا"۔

عمران اسے بتا دینا چاہتا تھا کہ میں تربیت یافتہ کمانڈو ہوں، مگر وہ خاموش رہا......

رجب علی بولا۔

"سب سے پہلے تمہیں کسی ایسی جگہ اپنا بیس Base بنانا ہوگا جو انتہائی خفیہ جگہ پر اور سمندر کے کنارے ہونا چاہئے...... اس کے بعد تمہیں اعصابی گیس چیمبر کے گرد

ت لگانے والے سٹیمروں کے شیڈول کو نوٹ کرنا ہوگا...... پھر اپنے بیس Base پ سے سمندر کے نیچے اعصابی گیس چیمبر تک فاصلے کو ناپنا ہوگا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ تم وطہ لگا کر اپنے ٹارگٹ تک کتنی دیر میں پہنچ سکتے ہو...... میں تمہیں غوطہ خوری کا اس اور آکسیجن کا فالتو سلنڈر بھی مہیا کر دوں گا، لیکن اس کے باوجود تم سمندر کے نیچے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے تک رہ سکو گے...... اس ایک گھنٹے کے اندر اندر تمہیں نتہائی سخت سیکورٹی اور نیوی کے راڈار کو دھوکا دے کر اعصابی گیس چیمبر تک پہنچنا وگا اور وہاں دھماکہ خیز بم لگانا ہوگا...... یہ کام ایسا ہے کہ جیسے کوئی موت کے منہ میں ا کر پھر زندہ سلامت واپس آنے کی بھی توقع رکھے"۔

عمران نے کہا۔

"ہم کوشش کریں گے کہ ہم ایک گھنٹے کے اندر اندر گیس چیمبر میں بم پلانٹ ر کے دشمن کے راڈار کو دھوکا دے کر واپس آ جائیں"۔

رجب علی بولا۔

"اگر تم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تمہاری بہت بڑی خوش نصیبی ہو گی...... یکن مجھے شبہ ہے کہ کہیں تم پکڑے نہ جاؤ کیونکہ تم سمندر میں غوطہ لگا کر اپنے ٹارگٹ تک پہنچ جاؤ گے مگر دشمن نے اوپر زیر سمندر لہروں کی ذرا سی حرکت کو بھی رجسٹر رنے کے واسطے جو راڈار لگا رکھا ہے اس سے نہیں بچ سکو گے...... جیسے ہی تم گیس یمبر کے حساس خطے میں داخل ہوئے دشمن کو اوپر فوراً خبر ہو جائے گی کہ کوئی تخریب ار اعصابی گیس چیمبر تک پہنچ گیا ہے۔ انڈین نیوی کے پٹرولنگ سٹیمر اس وقت تمہارے ارد گرد سمندر کا محاصرہ کر لیں گے اور نیوی کے تجربہ کار غوطہ خور سمندر میں اتر کر تمہیں ڈھونڈ لیں گے اور وہ تمہیں پکڑیں گے نہیں، بلکہ وہیں پانی کے اندر ہی ہلاک کر دیں گے اور تھوڑی دیر بعد تمہاری مردہ لاش لے کر سمندر سے باہر آ جائیں گے"۔

کمانڈو عمران نے محسوس کیا کہ رجب علی کچھ زیادہ ہی مبالغے سے کام لے رہا ہے...... وگرنہ کمانڈو کا ہر مشن خطرناک ہوتا ہے اور کوئی بھی مشن ایسا نہیں ہوتا جس میں جان جانے کا خطرہ نہ ہو، لیکن عمران اس کی کسی بات کی تردید نہیں کرنا چاہتا تھا...... مصلحت کا یہی تقاضا تھا کہ وہ خاموش رہے اور رجب علی کی راہ نمائی میں اپنے مشن کو کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے...... جب رجب علی انہیں ہر قسم کے خطرات سے آگاہ کر چکا اور اس نے اپنی بات ختم کی تو سلیمان نے کہا۔

"دوست! تم نے ایک ایک بات بالکل صحیح کہی ہے اور ہم تمہاری ہدایت کے مطابق عمل کریں گے، لیکن اس مشن سے پیچھے نہیں ہٹیں گے...... ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ چاہے ہماری جانیں چلی جائیں لیکن پاکستان کے خلاف کسی نہ کسی شکل میں استعمال کی جانے والی دشمن کی اعصابی گیس کے ذخیرے کو تباہ و برباد کر کے ہی دم لیں گے"۔

رجب علی بولا۔

"میں تمہارے عزم و ہمت کی داد دیتا ہوں"۔

عمران نے اصل بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"سب سے پہلے تو آپ ہمیں وہ جگہ بتائیے جہاں ہم اپنا بیس Base یعنی بنیادی خفیہ کیمپ لگا سکیں...... اس کے بعد ہمیں غوطہ خوری کے لباس اور سلنڈر وغیرہ کی ضرورت ہو گی اور سب سے اہم ضرورت کسی ایسے ٹائم بم کی ہے جو ہمیں کسی حالت میں بھی دھوکہ نہ دے اور عین وقت پر پھٹ کر اعصابی گیس چیمبر کے پرخچے اڑا دے اور ساری اعصابی مائع گیس سمندر میں غرق ہو جائے"۔

سلیمان نے پوچھا۔

"یہ گیس مائع حالت میں چھوٹے چھوٹے گول بموں کی شکل میں ہے اور ان کے پھٹنے سے جو مائع اعصابی گیس سمندر کے پانی میں حل ہو گی اس سے سمندر کے اوپر کسی

ندہ شے کو نقصان نہیں پہنچے گا، لیکن سمندر کے نیچے ایک خاص دائرے کے اندر اندر جتنی سمندری مخلوق ہو گی وہ مر جائے گی"۔

"ایسا ہی ہو گا"۔

رجب علی نے کہا...... "میں تمہیں دھماکہ خیز مواد مہیا کر دوں گا...... یہ مواد ٹائم بموں کی شکل میں ہو گا...... میرے ذرائع اتنے ہیں کہ میں تمہیں یہ ٹائم بم کر دے دوں گا مگر ان کو سمندر کے نیچے جا کر اعصابی گیس چیمبر کے ساتھ چپکانا تم لوگوں کا کام ہو گا"۔

سلیمان نے ایک اور سوال کر دیا...... کہنے لگا۔

"کیا کوئی ایسا فارمولا نہیں ہے جس پر عمل کرنے سے ہم دشمن کے راڈار کو جام کر دیں...... انہیں خبر ہی نہ ہو کہ ہم سمندر کے اندر ہی اندر گیس چیمبر کی طرف بڑھ رہے ہیں"۔

رجب علی نے کہا۔

"اس کا ایک ہی فارمولا ہے کہ تم لوگ جب غوطہ خوری کے لباس میں سمندر میں اترو اور اپنے ٹارگٹ کی طرف بڑھو تو تیرنے کے لئے ہاتھ پیر نہ مارو اور اس طرح ٹارگٹ تک پہنچو جیسے لہریں خود بخود تمہیں بہائے لئے جا رہی ہیں...... تم خود نہیں تیر رہے"۔

سلیمان نے کہا۔

"میں تو تیرنا بالکل نہیں جانتا...... میں سمندر میں نہیں اتروں گا...... سمندر میں صرف عمران اترے گا...... کیوں عمران! کیا تم سمندر کے اندر مردہ تاری تیر سکو گے؟"۔

کمانڈو عمران ہر قسم کی تاری تیر سکتا تھا...... اس نے کہا۔

"میں مردہ تاری تیر سکتا ہوں"۔

رجب علی نے کہا۔

"اگر تم کامیابی اور مہارت کے ساتھ سمندر کے اندر اس طرح تیر سکتے ہو جس طرح ایک مردہ لاش تیرتی ہے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ دشمن کا راڈار تمہیں لوکیٹ نہیں کر سکے گا اور اسے بالکل خبر نہیں ہوگی کہ سمندر کے نیچے کوئی کمانڈو اعصابی گیس کے مرکز کی طرف بڑھ رہا ہے...... اب رہ گئی یہ بات کہ تمہیں اعصابی گیس چیمبر کے قریب جا کر ٹائم بم بھی لگانے ہوں گے اور اس کے لئے تمہیں اپنے ہاتھوں اور بازوؤں کو حرکت دینی پڑے گی...... اس کا صرف ایک ہی حل ہے کہ تم بازوؤں کو بہت آہستہ آہستہ اس طرح حرکت دو گے کہ تمہارے بازو ہلانے سے سمندر میں لہریں پیدا نہ ہوں...... تم بالکل سلوموشن میں حرکت کرو گے...... صرف اسی طرح تم راڈار پر چیک ہونے سے بچ سکو گے"۔

عمران نے پوچھا۔

"کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم پہلے صرف ٹارگٹ کو چیک کرنے کے لئے سمندر میں اتریں اور ضروری پوزیشنوں کی نشان دہی کر کے واپس آجائیں اور اس کے بعد پھر اپنا اصل آپریشن شروع کریں؟"۔

رجب علی نے کہا۔

"نہیں...... ایسا کرنے سے ممکن ہے تم پکڑے جاؤ...... تمہیں جس روز کمانڈو آپریشن شروع کرنا ہوگا وہی تمہارا فائنل دن ہوگا اور تم اسی روز سمندر کے نیچے جا کر اعصابی گیس کے ذخیرے میں بم لگاؤ گے"۔

عمران اور سلیمان نے رجب علی کے ساتھ تمام ضروری امور طے کر لئے...... آخر میں جب بیس Base کیمپ کی بات ہوئی کہ وہ کس جگہ پر قائم کیا جائے تو رجب علی بولا۔

"میرے ذہن میں ایک جگہ ہے... وہاں تمہارا بیس کیمپ قائم ہو سکتا ہے...... وہ سمندر کے ساحل پر بھی ہے اور وہ جگہ ویران غیر آباد بھی ہے"۔

سلیمان چونکہ رجب علی کو اچھی طرح سے جانتا تھا اس نے پوچھا۔

"کیا یہ کوئی نئی جگہ ہے؟"۔

رجب علی بولا۔

نئی جگہ نہیں ہے...... یہ میرا مکان ہے...... کوچین کی بندرگاہ سے چار میل کے ہلے پر میں نے کسی زمانے میں ایک چھوٹا سا مچھلی فارم بنایا تھا اور وہاں رہائش کے لئے ب کمرہ بھی ڈالا تھا...... باتھ روم اور کچن بھی بنوایا تھا مگر میرا مچھلی فارم چل نہ سکا اور ں نے اسے بند کر دیا، لیکن وہ کمرہ بمع کچن اور باتھ روم کے فارم پر ابھی تک موجود ہ...... تم اسے بطور بیس Base کیمپ استعمال کر سکتے ہو...... وہاں کوئی نہیں آتا جاتا ر سمندر میں وہ جگہ بھی قریب ہے جہاں زیر آب اعصابی گیس کا ذخیرہ دفن ہے"۔

دوپہر کے بعد رجب علی نے سلیمان اور کمانڈو عمران کو ساتھ لیا اور اسے سمندر ز ارے اپنے ویران مچھلی فارم میں لے گیا جہاں اس کے خیال میں عمران کو اپنا بیس Bas کیمپ بنانا چاہئے تھا...... عمران کو وہ جگہ بہت پسند آئی...... اس میں سب سے ی بات یہ تھی کہ ارد گرد کوئی آبادی نہیں تھی...... کوئی مکان نہیں تھا...... انہیں ں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا...... مچھلی فارم کے بڑے کمرے کی چھت بیٹھ چکی تھی...... ں تالاب میں مچھلیاں پائی جاتی تھیں اس میں بارش کا گدلا پانی جمع تھا...... صرف ایک ہ باقی تھا جس کے نیچے ایک کشادہ تہہ خانہ تھا۔

سلیمان نے عمران سے کہا۔

"یہ تہہ خانہ ہمارے مشن کے لئے بہت موزوں رہے گا"۔

چنانچہ اسی تہہ خانے کو عمران اور سلیمان نے اپنا بیس Base کیمپ بنا لیا...... ب علی ان کے مشن کے سلسلے میں ان کا بہت مددگار ثابت ہوا...... اس نے ایک ے کر کے وہ تمام چیزیں انہیں لا کر دے دیں جن کی اس مشن کے لئے عمران اور ہان کو ضرورت تھی...... چار دنوں کے اندر اندر ان کا غوطہ خوری کا لباس، آکسیجن

کے دو فالتو چھوٹے سلنڈر پانی کے اندر فائر کرنے والی دو چھوٹی گنیں جن کے آگے سائی لینسر لگے ہوئے تھے اور دوسری ضروری چیزیں وہاں لا کر رکھ دی گئیں...... اب رجب علی نے صرف تین ٹائم بم لا کر دینے تھے جس کا اس نے عمران سے وعدہ بھی کیا تھا...... رجب علی نے کہا۔

”جس روز تمہیں اپنے مشن پر روانہ ہونا ہوگا اس سے ایک دن پہلے میں تمہیں تینوں ٹائم بم لا کر دے دوں گا...... اس کی تم فکر نہ کرو“۔

سب سے پہلا کام یہ کرنے والا تھا کہ جس جگہ سمندر کے نیچے اعصابی گیس چیمبر بنایا گیا تھا اس جگہ کی سمندر کے اوپر نشان دہی کرنی تھی...... رجب علی کہنے لگا۔

”سمندر کی سطح پر تم کوئی نشان نہیں لگا سکتے...... کوئی جھنڈا بھی نہیں لگا سکتے...... اس جگہ کی نشان دہی تمہیں اندازے سے کرنی ہوگی“۔

دوسرے دن صبح صبح رجب علی سلیمان اور عمران کو اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا کر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ تین میل تک لے گیا...... ایک جگہ اس نے کشتی سمندر کے کنارے پر کھینچ لی اور دونوں کو اپنے قریب جھاڑیوں میں بٹھا لیا اور کہا۔

”تمہیں دور ایک سٹیمر نظر آ رہا ہوگا“۔

اس سٹیمر کو عمران اور سلیمان دونوں دیکھ رہے تھے...... عمران نے کہا۔

”کیا یہ وہی گشتی سٹیمر ہے جو اعصابی مرکز کی سیکورٹی کے لئے گشت لگاتا ہے؟“۔

رجب علی نے کہا۔

”تم نے بالکل ٹھیک پہچانا ہے...... یہ پٹرولنگ سٹیمر ہی ہے...... اس طرح دوسرے دو سٹیمر دوسری جانب کھڑے ہیں...... یوں سمجھ لو کہ جہاں یہ سٹیمر کھڑا ہے وہاں سے زیادہ سے زیادہ دو سو گز کے فاصلے پر شمال مشرق کی جانب سمندر کے نیچے اعصابی گیس چیمبر ہے جہاں اس وقت بھی نصف درجن سے زیادہ اعصابی گیس سلنڈر ذخیرہ کئے گئے ہیں اور موجود ہیں“۔

پھر رجب علی نے جیب سے چھوٹی سی پاکٹ بک نکال کر اس پر ساحل سمندر کی لکیر کھینچی اور شمال مشرق کی جانب دو تین ڈگریوں کے نشان بنانے کے بعد عمران سے کہا۔

”یہ سٹیمر یہاں سے زیادہ سے زیادہ چھ سات سو گز کے فاصلے پر ہے...... تمہیں یہاں سے سمندر میں غوطہ لگا کر پانی کے اندر ہی اندر سٹیمر تک پوری طرح سے ہاتھ پاؤں چلاتے ہوئے جانا ہوگا...... سٹیمر سے آگے اعصابی گیس چیمبر کا انتہائی حساس زون شروع ہو جاتا ہے...... وہاں تمہیں مردہ تاری لگانی ہوگی اور اپنے آپ کو سمندر کی اوپر نیچے ہوتی لہروں کے حوالے کر دینا ہوگا...... تم خود کوئی حرکت نہیں کرو گے...... بس اپنا رخ گیس چیمبر کی طرف رکھو گے...... سٹیمر تک پہنچنے کے بعد تمہیں گیس چیمبر کا چھوٹا سا پلاسٹک کا کمرہ نظر آ جائے گا...... تمہیں بالکل سلو موشن میں بہت ہی آہستہ آہستہ اور بے معلوم انداز میں صرف پاؤں کے پنجوں کو حرکت دینی ہوگی...... یہ حرکت بھی بہت ہی آہستہ ہوگی تاکہ لہروں میں تموج پیدا نہ ہو...... یعنی ہل چل پیدا نہ ہو، اگر ذرا بھی ہل چل پیدا ہوگئی تو اوپر سیکورٹی روم میں لگے ہوئے راڈار پر تمہاری نشان دہی ہو جائے گی اور دوسرے لمحے دشمن کے دس بارہ کمانڈو مشین گنیں اور پانی کے اندر چلائے جانے والے تیر کمان لے کر سمندر کے نیچے آ جائیں گے اور تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے“۔

عمران نے کہا۔

”میں اس بات کا خیال رکھوں گا کہ میرے جسم کی حرکت بے معلوم ہو...... اتنی بے معلوم ہو کہ خود مجھے بھی اس کا احساس نہ ہو کہ میرے جسم کا کوئی حصہ حرکت کر رہا ہے“۔

رجب علی بولا۔

”اگر تم ان باتوں پر عمل کر سکے تو یقین کرو تم ٹارگٹ مار لو گے، لیکن اگر تم سے

ذراسی بھی بے احتیاطی ہوگئی، تو تمہارے ساتھ تمہارا مشن بھی خاک میں مل جائے گا“۔

رجب علی نے پاکٹ بک کے جس کاغذ پر سمندر میں ٹارگٹ کا نقشہ بنایا تھا وہ کاغذ پاکٹ بک سے الگ کر کے عمران کو دے دیا...... سلیمان بولا۔

”ہو سکتا ہے جس رات عمران اپنے مشن پر روانہ ہو اس رات سمندر میں سٹیمر نظر نہ آئے...... تب کیا ہوگا؟“۔

رجب علی نے کہا۔

”یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے...... ٹارگٹ کی نشان دہی اندازے سے ہو سکتی ہے...... مثلاً میں اس وقت، سمندر میں سٹیمر کو کھڑے دیکھ رہا ہوں...... اگر کل میں یہاں آکر سمندر پر نگاہ ڈالوں اور وہاں سٹیمر نہ ہو تو میں اندازہ لگالوں گا کہ سٹیمر فلاں جگہ سمندر میں لنگر انداز تھا...... اندازے سے تو دنیا میں بڑے بڑے کام ہو جاتے ہیں اور یہ تو اندازہ بھی اتنا مشکل نہیں ہے“۔

رجب علی نے عمران کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

”عمران بھائی! جس جگہ اس وقت سٹیمر کھڑا ہے بس تم اس جگہ کو اپنے ذہن میں بٹھالو...... اگر کل یہاں سٹیمر نہ بھی ہو تو تمہیں ٹھیک اسی جگہ پہنچنا ہوگا اور وہاں پہنچ کر سمندر میں غوطہ لگانا ہوگا...... اس جگہ تک تم منہ پانی سے باہر رکھ کر جاؤ گے...... اس جگہ پہنچنے کے بعد سمندر میں غوطہ لگاجاؤ گے اور اعصابی مرکز کو تلاش کرو گے اور اپنے آپ کو سمندر کے حوالے کر دو گے۔

عمران نے کہا۔

”رجب علی بھائی! میں اچھی طرح سے سمجھ گیا ہوں...... آپ فکر نہ کریں...... مجھے اعصابی گیس چیمبر لوکیٹ کرنے میں انشاء اللہ کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی...... بس اب آپ ہمیں ٹائم بم لا کر دے دیں، کیونکہ میں اس آپریشن میں دیر نہیں لگانا چاہتا“۔

رجب علی بولا۔

”میں کل کسی وقت ٹائم بم لے کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا...... اب میں واپس جاتا ہوں“۔

تینوں دوست اپنی چھوٹی سی ماہی گیروں والی کشتی میں سوار ہوئے اور کشتی کو کنارے کنارے چلاتے اپنے ویران فارم ہاؤس کی طرف چل دیئے۔

کمانڈو عمران چاہتا تھا کہ کمانڈو آپریشن شروع کرنے سے ایک رات پہلے سمندر میں غوطہ لگا کر اپنے ٹارگٹ کا مشاہدہ کر آئے لیکن وہاں اس کی گنجائش نہیں تھی...... بہتر یہی تھا کہ جس روز وہ سمندر میں اترے وہی اس کا فائنل ایکشن ہو اور اسی وقت اعصابی گیس کے چیمبر میں بم بھی لگا آئے...... اسے ساری مہم آسان نظر آتی تھی...... اگر کوئی خطرہ تھا تو صرف اسی مقام پر تھا جہاں سے سمندر کے نیچے حساس زون شروع ہوتا تھا اور جہاں اس کے جسم کی ذرا سی حرکت اوپر بیٹھے ہوئے دشمن کو اس کی خبر دے سکتی تھی، لیکن کمانڈو عمران کو یقین تھا اور اسے اپنے اوپر اعتماد تھا اور اپنے اللہ پر بھروسہ تھا کہ وہ اس کی مدد سے ٹارگٹ پر بم لگا آئے گا...... اگر کسی چیز کی ضرورت تھی تو صرف اعتماد اور انتہائی احتیاط کی ضرورت تھی۔

دوسرے روز دوپہر کے وقت رجب علی تینوں ٹائم بم لے کر آگیا...... یہ ٹائم بم چھوٹی گیند کی شکل کے تھے جن کے نیچے انتہائی طاقتور میگنیٹ لگا ہوا تھا...... یہ میگنیٹ فولادی چادر کے علاوہ پلاسٹک کی دیوار کے ساتھ بھی چپک جاتا تھا...... اس کے اوپر ٹائم فیوز لگا ہوا تھا...... رجب علی نے کہا۔

”اس ٹائم فیوز کا دورانیہ یعنی ٹائم لمٹ صرف ایک گھنٹہ ہے...... یہ دورانیہ فکس کر دیا گیا ہے...... ٹائم بم لگانے کے بعد ایک گھنٹے کے اندر اندر تمہیں سمندر سے نکل آنا ہوگا...... اگر تم کسی وجہ سے نہ نکل سکے اور ٹائم بموں نے پھٹ کر گیس کے سلنڈروں کو پھاڑ دیا اور اعصابی مائع گیس سمندر میں بہہ گئی تو تم زندہ نہیں بچو گے...... یہ اعصابی گیس

تمہارے جسم کو ایک سیکنڈ سے بھی کم مدت میں موت کی نیند سلا دے گی"۔

سلیمان نے سوال کیا۔

"ہمیں کس طرح پتہ چلے گا کہ سمندر کے نیچے بم پھٹ گئے ہیں اور ان کے ساتھ ہی اعصابی گیس کے سلنڈروں کے بھی پرخچے اڑ گئے ہیں"۔

رجب علی کہنے لگا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ تینوں بموں کے پھٹنے سے سمندر میں زبردست دھماکہ ہو گا اور سمندر میں سے آگ کا شعلہ ایسے بلند ہو گا جیسے سمندر کے نیچے کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا ہو...... دوسرا ثبوت یہ ہو گا کہ سمندر کے نیچے ایک خاص دائرے کے اندر اندر ساری مچھلیاں، کیکڑے، کچھوے، تیندوے اور دیگر ساری کی ساری سمندری مخلوق مردہ ہو کر سمندر کی سطح پر آ جائے گی...... جب سمندر میں دھماکہ ہو گا تو یہ اس بات کا ثبوت ہو گا کہ تم لوگوں نے ٹارگٹ تباہ کر دیا ہے اور بھارت نے اعصابی گیس کے جو ہلاکت خیز سلنڈر وہاں ذخیرہ کئے ہوئے تھے وہ سارے کے سارے تباہ و برباد ہو گئے ہیں...... کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہو گا؟"۔

عمران بولا۔

"بالکل کافی ہو گا"۔

رجب علی نے عمران سے پوچھا۔

"تم کس رات کو یہ کمانڈو آپریشن شروع کرنا چاہتے ہو؟"۔

عمران نے کچھ سوچ کر کہا۔

"میں اس سلسلے میں تاخیر سے کام نہیں لینا چاہتا...... جب ہر شے تیار ہے تو میں بھی کمانڈو آپریشن کے لئے تیار ہوں...... میں آج رات کو ہی یہ کام کر ڈالنا چاہتا ہوں، آگے جو میرے اللہ کو منظور"۔

رجب علی نے کہا۔

"انشاءاللہ تم اپنے مشن میں کامیاب ہو گے...... اگر تم آج رات کو مشن پر نکلنا چاہتے ہو تو میری ایک اور بات سن لو...... تم اس مشن پر رات ایک بجے کے بعد نکلو گے...... نمبر دو یہ کہ ٹارگٹ پر بم لگانے کے بعد تم اور سلیمان یعنی تم دونوں بیس Base کیمپ کو خالی کر کے یہاں سے فرار ہو کر سیدھا میرے مکان پر آ جاؤ گے...... میرا مکان یہاں سے دور نہیں ہے...... تم زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں میرے پاس پہنچ جاؤ گے...... اس کے بعد مجھے جو کرنا ہو گا کروں گا...... بہرحال کل رات کو میں ایک بجے کے بعد اپنے مکان پر جاگ رہا ہوں گا اور تمہارا انتظار کر رہا ہوں گا"۔

رجب علی چلا گیا...... کمانڈو جبران کی طرح سلیمان بھی بڑا دلیر مسلمان نوجوان تھا...... رجب علی کے جانے کے بعد کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے ہمیں آج رات حملہ کر دینا چاہئے...... تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

کمانڈو عمران پہلے سے تیار بیٹھا تھا...... اس نے کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں"۔

شام ہوتے ہی انہوں نے کمانڈو آپریشن کی تیاری شروع کر دی...... پستولوں اور گنوں کو صاف کیا گیا...... میگزین چیک کیا...... دونوں نے اپنی اپنی گھڑیوں پر ٹائم ملایا...... دونوں کی گھڑیوں کا ایک ٹائم ہونا بڑا ضروری تھا...... غوطہ خوری کے لباس اور ٹینک کو چیک کیا گیا...... تینوں بموں کو عمران نے اپنی سائی لینسر والی پستول اور غوطہ خوری کے لباس کے پاس ہی رکھ دیا...... اس نے سلیمان سے پوچھا۔

"تمہارا کیا پروگرام ہے...... ظاہر ہے تم میرے ساتھ اس مہم پر نہیں جا رہے کیونکہ تمہیں تیرنا نہیں آتا"۔

سلیمان نے کہا۔

"میں تمہیں ٹارگٹ کے قریب سمندر کے کنارے چھوڑ کر واپس اسی جگہ آ جاؤں گا اور تمہارا انتظار کروں گا...... ہم رات کے ٹھیک ایک بجے یہاں سے نکل

پڑیں گے...... میں تمہیں ٹارگٹ کے قریب چھوڑ کر واپس آ جاؤں گا اور تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا...... اگر تم رات کے ڈھائی بجے تک واپس نہ آئے تو میں سمجھ جاؤں گا کہ تمہارے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا ہے اور تم نہیں آؤ گے، چنانچہ اس کے فوراً بعد میں یہاں سے نکل کر سیدھا رجب علی کے مکان پر پہنچوں گا...... اس کے بعد ہمیں کیا کرنا چاہئے اس کا فیصلہ رجب علی سے مشورے کے بعد کیا جائے گا"۔

ان دونوں کی گھڑیوں نے جب رات کے ٹھیک ساڑھے بارہ بجائے تو عمران کمانڈو آپریشن کے لئے تیاری کرنے لگا...... اس نے سب سے پہلے غوطہ خوری کا لباس پہنا...... صرف غوطہ خوری کے سلیپر جسے فلیپر کہتے ہیں نہیں پہنے تھے...... یہ فلیپر اس نے سمندر میں اترنے سے پہلے پہننے تھے...... تینوں ٹائم بم اس نے اپنی کمر سے بندھی ہوئی بیلٹ کے پاؤچ میں رکھ لئے...... سلیمان گھڑی برابر دیکھ رہا تھا...... جب رات کا ٹھیک ایک بج گیا تو سلیمان بولا۔

اب ہمیں چلنا چاہئے...... عمران نے کہا...... ٹھیک ہے۔

رات کے اندھیرے میں وہ سمندر کی جانب روانہ ہو گئے...... وہ سمندر کے ساتھ ساتھ ساحلی ریت پر چٹانوں کے درمیان سے ہو کر گزر رہے تھے...... کوئی ایک دوسرے سے بات چیت نہیں کر رہا تھا...... رات کی خاموشی میں صرف سمندر کی لہروں کا دھیما دھیما شور خلل ڈال رہا تھا...... تقریباً ایک میل چلنے کے بعد دور سے سمندر میں دو سٹیمروں کی روشنیاں نظر آنے لگیں...... یہ دونوں سٹیمر ایک دائرے کی شکل میں چکر لگا رہے تھے...... سلیمان کہنے لگا۔

"دوست! تم خوش قسمت ہو...... ہمیں ٹارگٹ تلاش نہیں کرنا پڑا...... دونوں سٹیمر ٹارگٹ کے ارد گرد گشت لگا رہے ہیں...... اعصابی گیس کا چیمبر اس دائرے کے وسط میں سمندر کے نیچے ہے...... کیا تم وہاں تک پہنچ جاؤ گے؟"۔

عمران کی نگاہیں حرکت کرتے سٹیمروں پر جمی ہوئی تھیں...... اس نے کہا۔

"کیوں نہیں پہنچوں گا"۔

وہ سمندر کے ساتھ ساتھ تھوڑی دور مزید چلتے گئے...... جہاں ٹارگٹ کا فاصلہ ب سے کم رہ گیا تھا...... وہ وہاں رک گئے...... عمران نے غوطہ خوری کے فلیپر پاؤں ں پہنے...... ٹارگٹ کی سیدھ کو اچھی طرح سے ذہن نشین کیا اور سلیمان سے کہا۔

"اب تم بے شک چلے جاؤ"۔

عمران نے گیس کا چھوٹا سلنڈر کمر کے ساتھ بیلٹ کی طرح باندھ لیا تھا...... اس نے گیس ماسک منہ پر چڑھایا اور اللہ کا نام لے کر سمندر میں اتر گیا...... کچھ دور تک وہ ی ہم آہنگی کے ساتھ تیرتا چلا گیا...... جب اسے محسوس ہوا کہ اب وہ سطح سمندر پر کھا جا سکتا ہے تو اس نے سمندر میں غوطہ لگا لیا۔

غوطہ لگانے کے ساتھ ہی وہ سمندر کی گہرائی میں اترنے لگا...... وہ سمندر میں اتنا نچے جانا چاہتا تھا کہ جب وہ سٹیمر کے نیچے سے گزرے تو راڈار اس کی نشان دہی نہ کے...... ایک خاص گہرائی پر پہنچ کر عمران سیدھا ہو گیا اور اس نے اپنے ٹارگٹ کی ف بڑھنا شروع کیا...... پستول اس کے ہاتھ میں تھا...... وہ اس طرح تیر رہا تھا کہ ف اس کے پاؤں کے فلیپر ہی گردش کر رہے تھے...... اس کی نگاہیں بالکل سامنے کی ف لگی تھیں...... وہ اندازے سے جا رہا تھا...... ابھی تک ٹارگٹ اسے نظر نہیں آیا ...... وہ سمندر کے اندر ہی اندر آگے بڑھتا چلا گیا...... یہاں تک کہ اسے پانی میں بر کے انجن کی دھیمی آواز سنائی دینے لگی...... یہ آواز اس کی دائیں جانب سے آ کر ا کے اوپر سے ہوتی ہوئی آگے نکل گئی...... وہ سمجھ گیا کہ گشت لگانے والا سٹیمر اس ا اوپر سے گزر گیا ہے...... اب ٹارگٹ کی نشان دہی ہو گئی تھی...... اس دائرے کے ر کی جگہ اعصابی گیس کا پلاسٹک کا چیمبر نصب تھا...... جب عمران نے محسوس کیا کہ ارگٹ کے حلقے کے حساس زون میں داخل ہو گیا ہے تو اس نے منصوبے کے بق سمندر میں پاؤں چلانے بند کر دیئے اور اپنے آپ کو لہروں کے حوالے

کر دیا...... سمندر میں تیرنے کے لئے بڑی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے...... خاص طور پر ساحل سے دور کھلے سمندر میں صرف تجربہ کار تیراک ہی آسانی سے تیر سکتے ہیں...... کیونکہ وہاں لہریں صرف اوپر نیچے ہو رہی ہوتی ہیں...... ساحل کے قریب آ کر تو لہروں کا بہاؤ ساحل کی طرف ہو جاتا ہے، لیکن ساحل سے دور سمندر کے اوپر لہریں ایک ہی جگہ پر اوپر اٹھتی ہیں اور پھر نیچے آ جاتی ہیں اور سمندر کے اندر سمندر تقریباً ساکن ہوتا ہے۔

جیسے ہی کمانڈو عمران نے پاؤں چلانے بند کر کے اپنے آپ کو سمندر کے حوالے کیا وہ ایک مردہ لاش کی طرح ایک ہی جگہ پر اوپر نیچے ہونے لگا...... وہاں کوئی ایسی لہر ہی نہیں تھی جو اسے ساحل کی طرف یا اس کے ٹارگٹ کی طرف لے جاتی...... اس کا حل عمران نے یہ نکالا کہ وہ گہرا سانس لے کر سینے کو پھلاتا اور پھر جسم کو بغیر ہاتھ پاؤں چلائے آگے کو دھکا دیتا...... اس طرح وہ تھوڑا تھوڑا کر کے سامنے کی طرف بڑھنے لگا...... اس کے گیس ماسک کے اوپر لگی ہوئی ٹارچ کی روشنی بالکل سامنے پڑ رہی تھی...... مچھلیاں اس کے دائیں بائیں، اوپر اور نیچے سے ہو کر گزر رہی تھیں...... کافی وقت کے بعد آخر اسے اپنا ٹارگٹ نظر آ گیا...... یہ ایک سفید چوکور بکس تھا، جو سمندر کے نیچے ایک ابھری ہوئی چٹان کے اوپر بنایا گیا تھا...... عمران سمندر کے اند. پانی کے زبردست دباؤ کو برداشت کرتا مردے کی طرح آہستہ آہستہ ٹارگٹ کی طرف بڑھ رہا تھا...... سمندر کے نیچے روشنی چند فٹ آگے تک ہی جاتی تھی...... وہ خود نہیں بڑھ رہا تھا بلکہ سمندر کا ہلکا ہلکا تموج اور اس کا دباؤ اسے آگے کی طرف دھکیل رہا تھا۔

آخر وہ ٹارگٹ کے سامنے آ گیا۔

ایک سفید رنگ کا چوکور بکس سمندری چٹان پر ٹکا ہوا تھا...... بکس کو سفید رنگ شاید اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ دور سے دکھائی دے جائے...... عمران اس طرح ٹارگٹ کے قریب آ کر پانی کی دبیز موجوں کے ساتھ اوپر نیچے ہو رہا تھا کہ اسے اپنے آپ پ

ی مردہ لاش کا گمان ہونے لگا تھا، مگر اب اسے اپنے ہاتھ ہلانے تھے...... کیونکہ اس نے اعصابی گیس کے ذخیرے والے بکس کے ساتھ تینوں ٹائم بم چسپاں رنے تھے...... وہ سانس اوپر نیچے کر کے کوشش کر رہا تھا کہ پانی کا دباؤ اسے ٹارگٹ کی رف دھکیلتا رہے...... خلا باز بھی خلا میں تھوڑی بہت حرکت کرتے ہیں مگر کمانڈو ران سمندر کے اندر اتنی حرکت بھی نہیں کر رہا تھا...... اس نے اپنے آپ کو سمندر کے اندر سمندر کے حوالے کر دیا ہوا تھا۔

لیکن اب اسے حرکت کرنی پڑ رہی تھی۔

اس نے سب سے پہلے تو اپنی بیلٹ کے پاؤچ میں سے تینوں ٹائم بم نکالنے تھے...... پھر ایک بازو کو آگے کر کے اعصابی گیس کے بکس کی دیوار کے ساتھ ایک یک کر کے انہیں چپکانا تھا...... اس کے پاس صرف ایک گھنٹے کی آکسیجن تھی...... ایک ھنٹے کے اندر اندر اسے اپنا آپریشن مکمل کر کے سمندر کی سطح پر آ جانا تھا...... اس نے پنی کلائی بے معلوم انداز میں آہستہ آہستہ اوپر کی اور وقت دیکھا...... اسے سمندر میں ئے آدھ گھنٹہ گزر چکا تھا...... اس کے پاس اب صرف تیس منٹ تھے...... اس نے ائم دیکھنے کے لئے جو ہاتھ اوپر اٹھایا تھا اسے اوپر ہی رہنے دیا...... پھر اسے آہستہ آہستہ سکا کر اپنی بیلٹ کے قریب کیا اور پورے دو منٹ لگا کر دس انچ کے فاصلے کو طے کر کے بیلٹ کے پاؤچ میں سے ایک ٹائم بم نکال لیا...... پانی اوپر نیچے حرکت کر رہا تھا ر عمران کو ایک جگہ رکنے نہیں دے رہا تھا...... آخر بے حد محنت اور کوشش کے ساتھ اس نے ایک ٹائم بم اعصابی گیس کے بکس کی دیوار سے چپکا دیا...... ایک مچھلی پیچھے سے آ کر اس کی آنکھوں کے بالکل سامنے آ گئی اور اس کی چھوٹی سی ٹارچ کی روشنی حیرانی سے تکنے لگی...... عمران نے دوسری بار اپنے بازو کو بے معلوم انداز میں حرکت کی اور دوسرا ٹائم بم پاؤچ میں سے نکال کر چسپاں کر دیا...... وہ تیسرے ٹائم بم کو نکالنے کے لئے کسی خلا باز کی طرح آہستہ آہستہ ہاتھ آگے بڑھا رہا تھا کہ اچانک گھوں گھوں

گڑگڑ کی آواز سن کر اس کا ہاتھ وہیں رک گیا...... یہ سٹیمر کے انجن کی آواز تھی...... سٹیمر اس کے اوپر سے گزر رہا تھا۔

جب سٹیمر گزر گیا اور آواز دور چلی گئی تو عمران نے انتہائی سست حرکت یعنی سلو موشن میں تیسرا بم بھی گیس چیمبر کی دیوار پر چسپاں کر دیا...... جیسے جیسے وہ بم لگاتا جا رہا تھا ویسے ویسے وہ ہر بم کا ٹائم فیوز والا بٹن دباتا جا رہا تھا...... اب تینوں بم لگ چکے تھے اور ان کی الٹی گنتی شروع ہو چکی تھی...... انہیں ایک گھنٹے بعد پھٹ پڑنا تھا...... جو رنگین خوبصورت مچھلی اس کے پاس آ کر اس گیس ماسک کی روشنی کو حیرت سے دیکھ رہی تھی عمران کو اس پر بڑا ترس آیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ایک گھنٹے بعد سمندر کے اس حصے میں سمندر کے اندر کوئی جان دار مخلوق زندہ نہیں بچے گی اور وہ رنگین مچھلی بھی مر جائے گی...... کمانڈو عمران اب جلدی سے واپس جانا چاہتا تھا، لیکن وہ اپنے آپ نہیں جا سکتا تھا...... وہ پانی میں لٹکا ہوا تھا...... اس نے لمبے لمبے دو چار سانس لئے اور پھر سانس چھوڑ کر اپنے آپ کو پیچھے کی طرف دھکیلا...... آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا...... دس پندرہ منٹ کے بعد وہ اعصابی گیس چیمبر کے حساس زون سے دور نکل آیا...... اس کے باوجود وہ ہاتھ پاؤں ہلا کر تیرتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔

لیکن وہ سونار لہروں کے راڈار کی گرفت سے نکل چکا تھا...... جب عمران کو یقین ہو گیا کہ اب حساس زون واقعی بہت پیچھے رہ گیا ہے تو اس نے تیرنا شروع کر دیا...... وہ کافی دور تک سمندر کے نیچے ہی نیچے تیرتا رہا...... پھر ایک جگہ سے اس نے اپنا سر باہر نکال کر دیکھا...... سمندر پر خاموشی چھائی ہوئی تھی...... اس نے گردن پلٹا کر دیکھا...... سٹیمروں کی روشنی کافی دور ہو گئی تھی...... اب عمران تیزی سے تیرنے لگا...... وہ سمندر سے نکل آیا...... اس نے پاؤں میں سے فلیپر نکال کر ہاتھ میں پکڑ لئے اور اپنے بیس Base کیمپ کی طرف تیز تیز چلنے لگا...... آکسیجن کا سلنڈر بھی کمر پر سے کھول کر اس نے دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا...... جب وہ بیس Base کیمپ میں پہنچا تو سلیمان اس

کے انتظار میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا...... عمران کو دیکھتے ہی اس نے اپنی گھڑی کو دیکھتے ہوئے عمران سے پوچھا...... "بم لگا دیئے؟"۔

عمران نے کہا...... "ہاں لگا دیئے"۔

سلیمان نے پوچھا۔

"ٹائم فیوز کس وقت آن کئے تھے؟"۔

عمران نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"یوں سمجھ لو کہ بموں کے دھماکوں میں صرف بیس منٹ باقی رہ گئے ہیں؟"۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں یہاں سے بھاگ جانا چاہئے" "تم جلدی جلدی غوطہ خوری کا لباس اتار کر چارپائی کے نیچے چھپا دو، بلکہ نہیں یہ ہم یہاں نہیں رکھیں گے...... اسے ہم اپنے ساتھ ہی لے جائیں گے"۔

عمران نے جلدی سے غوطہ خوری کے کپڑے اتار کر اپنے کپڑے پہنے اور پانچ منٹ کے اندر اندر سلیمان اور کمانڈو عمران بیس کیمپ سے نکل کر رجب علی کے مکان کی طرف تقریباً دوڑتے جا رہے تھے...... دوڑنے کی وجہ سے رجب علی کے گھر کا فاصلہ جلدی طے ہو گیا...... رجب علی جاگ رہا تھا...... اس وقت عمران نے گھڑی دیکھ کر رجب علی سے کہا۔

"علی بھائی...... بموں کے دھماکوں میں میرے اندازے کے مطابق صرف سات منٹ رہ گئے ہیں"۔

سلیمان نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو پھر یہاں تم لوگ کیا کر رہے ہو...... جلدی سے میرے ساتھ نکل پڑو"۔

رجب علی نے مکان کو تالا لگایا...... اس کی پرانی جیپ باہر کھڑی تھی...... وہ سب جیپ میں سوار ہو گئے اور رجب علی نے پوری رفتار کے ساتھ جیپ کو سمندر کی مخالف سمت پر ڈال دیا...... ہر پندرہ بیس سیکنڈ کے بعد تینوں اپنی اپنی گھڑیوں پر ٹائم دیکھ لیتے

تھے...... جب بموں کے پھٹنے میں صرف ایک منٹ رہ گیا تو رجب علی نے گاڑی سڑک سے اتار کر ایک طرف کھڑی کر لی اور کہا۔

"سمندر ہمارے پیچھے داہنی جانب کو ہے...... بموں کے پھٹنے میں صرف ایک منٹ رہ گیا ہے"۔

وہ تینوں جیپ میں ہی بیٹھے رہے...... ان کے چہرے افق پر داہنی جانب تھے...... رجب علی بولا۔

"اگر بموں نے دھوکا نہ دیا، جس کا مجھے یقین ہے کہ دھوکہ نہیں دیں گے تو آسمان کے داہنے افق پر روشنی بھی ہوگی اور دھماکے کی گونج بھی سنائی دے گی"۔

جب بموں کے پھٹنے میں صرف پانچ سیکنڈ رہ گئے تو رجب علی نے الٹی گنتی شروع کر دی۔

"پانچ...... چار سیکنڈ...... تین...... دو...... صرف ایک سیکنڈ رہ گیا ہے؟"۔

اس کے ساتھ ہی ان کے چہرے آسمان کے جنوبی افق کی طرف اٹھ گئے...... سب سے پہلے وہاں روشنی کی زبردست چمک پیدا ہوئی...... یہ سرخ روشنی تھی...... اس کے بعد بہت بڑے دھماکے کی گونج سنائی دی، چونکہ دھماکہ سمندر کے اندر ہوا تھا اس لئے اس کا اثر زمین پر نہ ہوا اور زمین بالکل نہ ہلی...... رجب علی نے بے اختیار ہو کر کمانڈو عمران کا ہاتھ پکڑ کر زور سے دبایا اور کہا۔

"زندہ باد...... پاکستان زندہ باد"۔

پھر چاروں طرف دیکھا کہ کسی نے پاکستان زندہ باد کے نعرے کی آواز تو نہیں سنی، مگر وہاں اس کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا...... سلیمان نے بھی عمران کو مبارک باد دی...... آسمان کے جنوبی افق پر پہلے سرخ روشنی چمکی...... اس کے بعد ایک اور گونج سنائی دی اور روشنی کا رنگ سفید ہو گیا...... رجب علی نے جیپ سٹارٹ کر دی اور کہا۔

"تمہارا کسی محفوظ مقام پر پہنچنا اب بڑا ضروری ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے اعصابی

گیس کے اتنے بڑے ذخیرے کی تباہی کے بعد پولیس اس سارے علاقے کو گھیرے میں لے لے...... میں یہاں اجنبی نہیں ہوں مگر تم دونوں اجنبی ہو"۔

بڑی تیزی سے جیپ چلاتا، کبھی کسی سڑک پر آتا کبھی کسی سڑک پر جیپ کو ڈالتا رجب علی آخر ایک ایسی چھوٹی سی بستی میں نکل آیا جہاں کہیں کہیں روشنی نظر آ رہی تھی...... ایک جانب جھونپڑی نما اک منزلہ مکان ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ دور تک چلے گئے تھے...... رجب علی جیپ کو جھونپڑی نما مکانوں کے عقب میں لے آیا جہاں اندھیرے میں ایک چھوٹی سی مسجد کا مینار دکھائی دیا...... اس علاقے کی مسجدوں کی چھتیں بھی کھپریل کی ڈھلانی ہوتی ہیں، کیونکہ ان علاقوں میں بڑی بارشیں ہوتی ہیں...... اگر ایک مینار نہ ہوتا تو عمران کو پتہ نہیں چل سکتا تھا کہ یہ مسجد ہے...... جیپ مسجد کے پیچھے لے جا کر رجب علی نے ناریل کے درختوں کے نیچے کھڑی کر دی اور سلیمان سے کہا۔

"اس مسجد کے حافظ جی گجرات کے رہنے والے ہیں...... وہ مسجد کے پیش امام ہیں اور میرے ان سے بڑے پرانے مراسم ہیں...... تم دونوں ان کے پاس اس وقت تک رہو گے جب تک کہ میں تمہیں سب اچھا ہے کا سگنل نہیں دیتا"۔

حافظ صاحب کا جھونپڑی نما مکان مسجد کے پیچھے مسجد کی دیوار کے ساتھ ہی تھا...... ہمیں جیپ میں بٹھا کر رجب علی حافظ صاحب کے مکان کی طرف بڑھا...... تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آ کر کہنے لگا۔

"حافظ صاحب سو رہے تھے...... میں نے انہیں جگا کر سب کچھ سمجھا دیا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"انہیں ہمارے مشن کے بارے میں تو نہیں بتایا ناں؟"۔

"بالکل نہیں" رجب علی بولا...... "مشن کے بارے میں کچھ بتانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... میں نے انہیں یہی کہا ہے کہ میرے دو پاکستانی دوست ہیں جن کے

پیچھے سی آئی ڈی لگی ہے...... یہ دونوں دوست کشمیر کے محاذ سے مجھے ملنے آئے تھے...... بہر حال میں نے حافظ صاحب سے کہہ دیا ہے کہ میرے دوست ان کے پاس پناہ لینے آئے ہیں اور جب تک میں خود نہ آؤں ان کی حفاظت کیجئے گا...... حافظ صاحب نے حامی بھرلی ہے...... آجاؤ میرے ساتھ"۔

حافظ صاحب ادھیڑ عمر بزرگ تھے...... رنگت سانولی تھی...... جسم دبلا پتلا تھا اور چہرے پر سفید داڑھی بڑی نمایاں تھی...... رجب علی نے عمران اور سلیمان کا ان سے تعارف کرایا اور کہا۔

"حافظ صاحب! یہ جہاد کشمیر کے غازی ہیں...... جہاد کے سلسلے میں ہی ایک ضروری کام سے اس طرف میرے پاس آئے تھے کہ خفیہ پولیس والے ان کے پیچھے پڑگئے ہیں"۔

حافظ صاحب بولے۔

"الحمد للہ کہ جہاد کشمیر کے مجاہدوں نے مجھے اپنی میزبانی کا شرف بخشا...... یہاں ان کی ہوا تک کسی کو نہیں لگے گی...... رجب علی تم فکر نہ کرو...... یہ جتنے دن چاہیں میرے پاس رہیں...... میں ان کی پوری پوری حفاظت کروں گا"۔

رجب علی نے عمران سے کہا۔

"میں اس دوران تم سے ملنے آتا رہوں گا...... جیسے ہی حالات سازگار ہوئے میں تمہیں یہاں سے نکال کر اپنے ساتھ لے جاؤں گا"۔

اس کے بعد رجب علی چلا گیا...... حافظ صاحب نے عمران اور سلیمان سے کہا۔

"تم لوگ اگر چاہو تو میں باہر سے تمہارے لئے چارپائیاں لے آتا ہوں تاکہ باقی رات تم آرام کر سکو"۔

عمران نے کہا۔

"آپ تکلیف نہ کریں...... ہم اس دری پر ہی سو جائیں گے"۔

رات حافظ صاحب کی کوٹھڑی میں گزر گئی...... اگلا دن بھی گزر گیا...... حافظ صاحب نے سلیمان اور عمران کے واسطے دوسرے کمرے کو خالی کر دیا تھا اور اندر دو چارپائیاں بچھا دی تھیں...... اس سے اگلے دن رجب علی رات کے وقت آگیا...... کہنے لگا۔

"تم لوگوں نے وہ کام کر دکھایا ہے کہ بھارت کے ایوان حکومت لرز کر رہ گئے ہیں...... کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا...... ہر محکمہ دوسرے محکمے کے سر الزام لگا رہا ہے کہ یہ سب اس کی غفلت کے باعث ہوا ہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"پولیس کی کیا پوزیشن ہے؟"۔

رجب علی نے کہا۔

"تم پولیس کی بات کرتے ہو...... کوچین شہر کو انڈین آرمی کی ایک پوری رجمنٹ نے گھیرے میں لے لیا ہے"۔

سلیمان کہنے لگا۔

"ہم نے کل کے اخبار دیکھے تھے...... اخبار میں کوئی خبر نہیں چھپی تھی اس واقعے کی"۔

رجب علی نے کہا۔

"حکومت نے اس ذلت آمیز خبر کو پریس میں نہیں جانے دیا...... اخباروں کے ایڈیٹروں اور ٹی وی وغیرہ کے میڈیا کو نیشنل سیکورٹی کا حوالہ دے کر کہا گیا ہے کہ وہ یہ خبر نہ تو چھاپیں اور نہ ٹی وی، ریڈیو پر نشر کریں...... اس میں حکومت کی سخت بدنامی ہے، لیکن شہر کے ہر آدمی کو پتہ چل گیا ہے کہ کوچین کے سمندر میں زیر آب دھماکے کا بھارتی فوج کا کوئی ایٹمی میزائل پھٹ گیا ہے جس کی وجہ سے سمندر میں پندرہ میل کے اندر اندر ساری مچھلیاں مر گئی ہیں...... مچھیرے حیران ہیں کہ اتنی ساری مچھلیاں

دھماکے سے کیسے مر گئیں"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہم یہاں نامعلوم مدت کے لئے نظر بند ہو گئے ہیں"۔

"یہ ہم سب کی مجبوری ہے...... لیکن میرا خیال ہے کہ دو تین دنوں تک حالات کچھ نارمل ہو جائیں گے...... اس کے بعد تم یہاں سے نکل سکو گے"۔

رجب علی نے حافظ صاحب سے یہی کہا کہ سمندر میں انڈین نیوی کا ایک جہاز دھماکے سے پھٹ گیا ہے جس کی وجہ سے شہر میں پولیس اور فوج اتر آئی ہے، کیونکہ بھارتی حکومت کا خیال ہے کہ یہ کام تخریب کاروں کا ہے...... اس لئے سلیمان اور عمران ابھی مزید کچھ دن وہاں رہیں گے...... حافظ صاحب نے کہا۔

"فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے...... رجب علی! دونوں مجاہد جب تک چاہیں میرے پاس رہیں...... میں کسی کو ان کی ہوا تک نہیں لگنے دوں گا"۔



حافظ صاحب نے اتنا ضرور کیا کہ سلیمان اور عمران کو رات کے وقت اپنے بستی والے مکان سے نکال کر قریبی گاؤں کے ایک خالی مکان میں منتقل کر دیا...... یہ مچھیروں کا گاؤں تھا...... حافظ صاحب نے یہاں ایک چھوٹا سا جھونپڑا نما مکان خرید رکھا تھا...... وہاں سلیمان اور عمران آزادی سے چل پھر بھی سکتے تھے اور خود ہی سبزی وغیرہ بھی بنا لیتے تھے...... یہاں ان کے پاس نہ کوئی اخبار آتا تھا نہ ریڈیو، ٹی وی تھا...... شہر میں سیکورٹی کی کیا صورت حال ہے؟ اس کی انہیں کوئی خبر نہیں تھی...... تین دن گزر گئے نہ حافظ صاحب آئے نہ رجب علی ہی آیا...... تیسرے دن شام کے وقت حافظ صاحب آ گئے...... کہنے لگے۔

"میں جان بوجھ کر تم لوگوں کے پاس نہیں آیا...... بڑا اچھا ہوا کہ میں تمہیں یہاں لے آیا ورنہ اس وقت تم میرے مکان پر ہوتے تو ضرور فوجی پولیس تمہیں پکڑ کر لے جاتی، کیونکہ فوجی پولیس کے سپاہی ہماری بستی میں گھر گھر تلاشی لے رہے تھے...... انہوں نے میرے مکان کی بھی تلاشی لی اور مجھ سے بھی سوال پوچھے کہ کہیں میں نے ادھر کشمیری مجاہد تو نہیں دیکھے"۔

اسی رات رجب علی بھی آ گیا...... اس کی شکل بتا رہی تھی کہ وہ کسی الجھن میں ہے...... حافظ صاحب اسے مچھیروں کی بستی والے مکان پر لے آئے تھے...... حافظ صاحب بھی موجود تھے...... رجب علی نے بات ہی یہاں سے شروع کی۔

"اس سارے علاقے میں فوج چھاؤنی ڈال کر بیٹھ گئی ہے...... سارے علاقے کو

کو چین شہر سمیت فوج نے گھیرے میں لے لیا ہے...... کوئی اس علاقے سے باہر نہیں جا سکتا...... نہ باہر سے اندر آ سکتا ہے...... حکومت کو بہت بڑا دھکا لگا ہے...... باجپائی کی حکومت ڈانواڈول ہو گئی ہے...... وزیر دفاع نے استعفیٰ پیش کر دیا تھا جسے پردھان منتری نے منظور نہیں کیا...... معلوم ہوا ہے کہ دو ایک دن کے اندر اندر فوج اس سارے علاقے میں گھر گھر تلاشی اور ہر ایک فرد سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کرنے والی ہے...... اس کا مطلب ہے کہ فوجی اس طرف بھی آئیں گے...... اگر تم اس جگہ بیٹھے رہے تو تم دونوں کا پکڑے جانا یقینی ہے"۔

سلیمان نے کہا۔

"میں تو اس علاقے کا رہنے والا ہوں اور ایک عرصے سے یہاں چھوٹا سا کاروبار کر رہا ہوں...... مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے مگر عمران کے لئے مشکل پیدا ہو سکتی ہے...... ایک تو یہ اس علاقے کا نہیں ہے، دوسرے پنجابی مسلمان ہے...... بھارتی فوج کو معلوم ہے کہ ان کی رجمنٹوں میں شاید ہی کوئی مسلمان پنجابی ہو، کیونکہ مسلمانوں کا پنجاب پاکستان میں ہے اور مشرقی پنجاب سے سن 47ء میں سارے مسلمان پاکستان ہجرت کر گئے تھے...... فوج اسے ضرور گرفتار کر لے گی اور یہ ایک بار گرفتار ہو گیا تو فوج اسے زندہ نہیں چھوڑے گی"۔

حافظ جی نے کہا۔

"پھر عمران کے لئے کیا کیا جائے؟"۔

رجب علی کہنے لگا۔

"یہی سوال مجھے پریشان کر رہا ہے"۔

سلیمان نے رجب علی سے کہا۔

"عمران کو ہم سمندر کے راستے سری لنکا سمگل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں"۔

سلیمان نے یہ بات اس لئے کی تھی کہ اسے علم تھا کہ رجب علی کے ایک ایسے

آدمی سے گہرے تعلقات ہیں جو انڈیا سے شراب، سگریٹ اور چاول، چینی وغیرہ سری لنکا سمگل کرواتا ہے...... اس شخص کی لانچیں رات کے اندھیرے میں بھارت کے جنوبی ساحل سے مال لے کر سری لنکا کے ساحل کی طرف جاتی رہتی ہیں...... رجب علی کو اپنے اس دوست کا خیال نہیں آیا تھا۔

جب سلیمان نے اسے اس کی یاد دلائی تو اس کے چہرے پر امید کی ہلکی سی چمک نمودار ہوئی...... کہنے لگا۔

"ہاں...... ایسا ہو سکتا ہے...... رستم خان سے بات کی جا سکتی ہے"۔

رستم خان اس آدمی کا نام تھا جس کی نگرانی میں سری لنکا اور انڈیا کے درمیان ناجائز طور پر مال کی سمگلنگ ہوتی تھی...... حافظ صاحب بولے۔

"سری لنکا کا ملک یہاں سے دور نہیں ہے...... سری لنکا کے ساتھ ویسے بھی پاکستان کے بڑے برادرانہ تعلقات ہیں اور وہاں مسلمان بھی بھاری تعداد میں آباد ہیں...... اگر تم عمران کو سری لنکا سمگل کرا سکو تو عمران کی زندگی محفوظ ہو جائے گی"۔

رجب علی کہنے لگا۔

"میں کل رستم خان سے بات کرتا ہوں"۔

اس کے بعد رجب علی چلا گیا...... دوسرے دن دوپہر کے بعد وہ آیا...... کہنے لگا۔

"فوج نے گھر گھر تلاشی اور پوچھ گچھ کا کام شروع کر دیا ہے...... میں نے رستم خان سے بات طے کر لی ہے...... اس نے عمران کو سری لنکا سمگل کرانے کی حامی بھر لی ہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"کہیں عین وقت پر وہ مکر تو نہیں جائے گا؟"۔

رجب علی مسکرایا...... کہنے لگا۔

"یہ لوگ اپنے عہد کے کس قدر پکے ہوتے ہیں...... اس کا تمہیں اندازہ نہیں ہے...... وہ تمہیں ایسے آدمیوں کے حوالے کر دے گا جو تمہیں اپنی ذمے داری پر ملک

سری لنکا کے ساحل پر پہنچادیں گے......اس کے بعد تم وہاں پاکستانی سفارت خانے میں
جا کر پناہ لے سکتے ہو"۔
عمران کو یہ منصوبہ بڑا صحیح اور اس وقت کی ضرورت کے عین مطابق لگا......
سمگلر بڑے مشاق اور تجربہ کار ملاح ہوتے ہیں...... عمران کو یقین ہو گیا کہ اس کے سوا
دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے...... رجب علی بولا۔
"اگر تم یہ سوچتے ہو کہ یہاں سے تم دلی یا بمبئی کی طرف جاسکو گے تو یہ ناممکن
ہے، کیونکہ چاروں طرف فوج بیٹھی ہے...... جگہ جگہ رکاوٹیں لگی ہیں اور گاڑیوں اور
پیدل چلنے والوں کو روک کر ان کے کاغذات اور شناختی کارڈ چیک کئے جاتے ہیں اور
ابھی کچھ معلوم نہیں کہ فوج کی یہ مہم کب تک جاری رہے گی...... اس لئے تمہارے
لئے یہی بہتر ہے کہ تم سمگل ہو کر سری لنکا چلے جاؤ...... کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟"۔
عمران نے کہا۔
"میں بالکل تیار ہوں...... سری لنکا پہنچ کر میں سیدھا کولمبو میں پاکستانی سفارت
خانے چلا جاؤں گا...... وہ لوگ ضرور میری مدد کریں گے اور مجھے پاکستان پہنچادیں گے"۔
سلیمان نے عمران کے خیال کی تائید کرتے ہوئے کہا۔
"کیوں نہیں...... آخر تم بھی پاکستانی ہو وہ تمہارے ملک کا سفارت خانہ ہے......
وہ لوگ تمہاری ہر ممکن مدد کریں گے"۔
عمران نے رجب علی سے پوچھا۔
"مجھے کب یہاں سے چلنا ہوگا؟"۔
"میں رستم خان سے مل کر سیدھا تمہارے پاس آرہا ہوں...... تمہیں تیسرے
دن آدھی رات کو یعنی آج سے دو دن بعد یہاں سے ایک آدمی اپنے ساتھ لے جائے
گا...... میں اس کے ساتھ آؤں گا...... تم تیار رہنا...... وہ آدمی تمہیں آگے کہاں لے
جائے گا اور تمہیں سری لنکا جانے والے سٹیمر پر کہاں سے سوار کیا جائے گا اس کی بابت

ں آدمی نے اور رستم خان نے بھی مجھے کچھ نہیں بتایا"۔
عمران نے کہا۔
"یہ ان لوگوں کے راز ہوتے ہیں...... یہ راز وہ اپنے گہرے سے گہرے دوست کو
ی جس کا تعلق اس کاروبار سے نہ ہو، نہیں بتاتے...... بہر حال میں تیار ہوں"۔
دو دن بھی گزر گئے...... اس دوران سلیمان اس کے ساتھ ہی رہا...... تیسرے
ن رات کے بارہ بجے کے بعد رجب علی آگیا...... اس کے ساتھ ایک دبلا پتلا کالے
گ کا آدمی تھا جو بیڑی پی رہا تھا اور جس نے پتلون قمیض پہن رکھی تھی...... شکل سے
کسی سرکاری دفتر کا کلرک لگتا تھا، مگر رجب علی نے عمران کو بتایا کہ یہ بڑا پرانا اور
بے کار سمگلر ہے اور اس نے سری لنکا کے ارد گرد سارا سمندر کھنگال رکھا ہے......
ں آدمی کا نام رجب علی نے جیکی بتایا اور کہا کہ جیکی تمہیں اپنے ساتھ لے جائے
...... جیکی نے بیڑی کا کش لگا کر اسے زمین پر پھینک کر پاؤں سے مسلا اور بولا۔
"تم ہمارے ساتھ چلے گا تو خاموش رہے گا...... خوامخواہ بولے گا نہیں...... کیا
ہیں منظور ہے؟"۔
عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"منظور ہے"۔
"او کے" جیکی بولا...... "پھر ہمارے ساتھ آجاؤ"۔
"تم ہمارے پاس رستم خان کا دوست ہے...... تم ہمارا بھی دوست ہے...... ہم
ہیں سری لنکا پہنچادے گا...... مگر تم زیادہ بولے گا نہیں...... ہم سے سوال نہیں پوچھے
...... تم کو منظور؟"۔
"او کے...... آجاؤ"۔
سلیمان اور رجب علی اور حافظ صاحب باری باری عمران سے بغل گیر ہو کر ملے
ر اس کے خیریت سے سری لنکا پہنچنے کی دعا کی...... جھونپڑے کے باہر جیکی کی جیپ

کھڑی تھی، جس کی ترپال کی چھت تھی...... رجب علی نے عمران کو انڈین کرنسی میں کچھ روپے دیئے اور کہا۔

"اسے سری لنکا پہنچ کر وہاں کی کرنسی میں تبدیل کروالینا...... باقی پاکستانی سفارت خانے والے تمہیں سنبھال لیں گے"۔

عمران سمگلر جیکی کے ساتھ جیپ میں بیٹھ گیا اور جیپ رات کے اندھیرے میں کسی نامعلوم منزل کی طرف چل پڑی...... کم از کم عمران کے لئے جیپ، کسی نامعلوم منزل کی طرف ہی جارہی تھی...... لیکن سمگلر جیکی کو معلوم تھا کہ اسے کہاں جانا ہے...... اس نے عمران کو سوال پوچھنے سے منع کر رکھا تھا...... چنانچہ عمران نے اس سے بالکل نہ پوچھا کہ جیپ کہاں جارہی ہے...... ہمیں سٹیمر کہاں سے ملے گا...... کیا بھارت کے جنوبی ساحل ہی سے ہم لوگ سٹیمر میں سوار ہوں گے یا آگے جاکر کسی دوسری جگہ سے روانہ ہوں گے۔

کچھ دور تک تو جیپ تاڑ کے درختوں کے درمیان ایک چھوٹی سی سڑک پر چلتی رہی...... پھر وہ سڑک کو چھوڑ کر ایک جنگل میں داخل ہوگئی...... سمگلر جیکی نے خود ہی کہا۔

"ہم کوچین شہر کی حدود سے نکل آئے ہیں...... اب ہم ٹریونڈرم کی طرف جارہے ہیں...... ہم دو گھنٹوں میں ٹریونڈرم کے ساحل پر پہنچ جائیں گے...... وہاں ایک جگہ ساحل سمندر سے ہمیں ایک سٹیمر ملے گا جو ہمیں تورانویل تک لے جائے گا...... یہ کوئی دو گھنٹے کا سمندری سفر ہوگا...... تورانویل سے تمہیں آگے ایک کشتی میں سفر کرنا ہوگا جو اگر حالات ٹھیک رہے تو تمہیں سری لنکا کے ساحل پر پہنچادے گا"۔

عمران نے صرف اتنا پوچھا۔

"اور اگر حالات ٹھیک نہ رہے تو کیا ہوگا؟"۔

جیکی نے جیپ کو ایک جگہ درختوں سے بچا کر آگے نکالتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوگا؟ وہی ہوگا جو ہوا کرتا ہے...... کوسٹ گارڈز ہم پر فائرنگ کریں گے...... ہم ان پر فائرنگ کریں گے...... نکل گئے تو نکل گئے...... نہیں تو پکڑے جائیں گے"۔

کمانڈو عمران نے اس کے بعد جیکی سے کچھ نہ پوچھا...... جب کوئی آدمی کسی کے لیے ناجائز طور پر کسی دوسرے ملک میں سمگل ہوتا ہے تو پھر ایسا ہی ہوا کرتا ہے...... یہ تو ایک ایسا خطرہ تھا جو ہر وقت سمگلروں کے سر پر منڈلاتا رہتا ہے...... عمران کو جیکی کے بیان سے کوئی تعجب نہیں ہوا تھا...... وہ صرف خدا سے دعا مانگنے لگا کہ وہ اسے خیریت سے بھارت سے نکال دے...... پونے دو گھنٹے کے بعد ان کی جیپ ٹریونڈرم پہنچ گئی...... ٹریونڈرم جنوبی بھارت میں ایک مشہور بندرگاہ ہے...... جیکی جیپ کو شہر سے دور رکھ کر جارہا تھا...... شہر کی روشنیاں کافی فاصلے پر نظر آرہی تھیں...... جیپ ایک کھلے میدان میں سے گزر رہی تھی...... جیکی نے کہا۔

"ہم سمندر کے ساتھ ساتھ جارہا ہے...... آگے ہمارا خفیہ آدمی کھڑا ہوگا...... تم گھبرانا نہیں...... جب تک ہم تمہارے ساتھ ہے تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں"۔

عمران نے کیا گھبرانا تھا...... بس وہ یہی دعا کر رہا تھا کہ جب ان کی کشتی انڈیا کے ساحل سے سمندر میں سری لنکا کے ساحل کی جانب روانہ ہو تو ساحلی گارڈز کے گشتی جہازوں کی نگاہوں سے بچ کر نکل جائے...... سمندر نظر آنے لگا...... رات کے اندھیرے میں سمندر کی سطح پر ابھر ابھر کر ساحل کی طرف آتی لہروں کی سفید جھاگ دور سے نظر آرہی تھی۔

ایک جگہ سمندر ساحل کے اندر ایک جھیل کی شکل میں آگیا ہوا تھا...... جیپ اس طرف گھوم گئی...... جھیل کے کنارے کنارے بے شمار درخت کھڑے تھے...... درختوں کے درمیان آکر جیکی نے جیپ کھڑی کر دی اور عمران سے کہا۔

"میرے ساتھ آجاؤ...... کوئی بات مت کرنا"۔

اس وقت رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا...... جیکی اور عمران ناریل کے درختوں کے درمیان چلے جا رہے تھے...... ایک درخت کے قریب آکر جیکی رک گیا...... عمران بھی رک گیا...... جیکی نے اندھیرے میں ایک طرف گھور کر دیکھا اور منہ سے کسی پرندے کی سیٹی نما آواز نکالی...... دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا...... جیکی نے دوسری بار سیٹی کی آواز نکالی تو سمندری جھیل کی جانب سے ویسی ہی سیٹی کی آواز میں جواب آگیا۔

جیکی نے عمران سے کہا۔

"اپنا آدمی ادھر کھڑا ہے"۔

وہ آگے چل پڑے...... ڈیڑھ دو سو قدم چلنے کے بعد عمران کو سمندری جھیل یا کھاڑی کے کنارے ایک چھوٹے سٹیمر کا دھندلا سا خاکہ نظر آیا...... جیکی نے اس طرف اشارہ کر کے آہستہ سے کہا۔

"سٹیمر ہمارا انتظار کر رہا ہے"۔

یہ سٹیمر چھوٹا سا تھا اور اس کا صرف اوپر والا عرشہ ہی کھلا تھا...... ایک آدمی اندھیرے میں سے نکل کر جیکی کے سامنے آگیا...... اس نے اس علاقے کی زبان میں کچھ پوچھا...... جیکی نے اسی زبان میں کچھ جواب دیا...... شاید انہوں نے آپس میں کوڈ ورڈز یعنی خفیہ زبان کے جملوں کا تبادلہ کیا تھا...... جب دونوں ایک دوسرے کی شناخت سے مطمئن ہو گئے تو جیکی آگے بڑھ کر سٹیمر پر سوار ہو گیا...... عمران اس کے ساتھ ہی تھا...... جیسے ہی یہ دونوں سٹیمر پر سوار ہوئے سٹیمر کا انجن سٹارٹ ہوا اور سٹیمر سمندر میں مشرق کی سمت چل پڑا...... جیکی اور عمران سٹیمر کے کھلے ڈیک یعنی عرشے پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے تھے...... جیکی کہہ رہا تھا۔

"یہ ہم لوگوں کا اپنا سٹیمر ہے...... ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سے جانتا ہے، مگر جب ملتے ہیں تو کوڈ ورڈ بول کر ایک دوسرے کو شناخت کرنے کی روایت ضرور

پوری کی جاتی ہے"۔

سٹیمر سمندری کھاڑی میں سے نکل کر ساحل کے ساتھ ساتھ اوپر کی طرف جا رہا تھا...... عمران چپ تھا اور نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں، مگر وہ سو نہیں سکتا تھا...... شہر کی روشنیاں بائیں جانب ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں اور سٹیمر آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا...... آسمان پر صبح کا نیلا نیلا اجالا نمودار ہونا شروع ہو گیا تھا...... جب ان کا سٹیمر ایک جگہ ساحل پر بنے ہوئے گھاٹ پر آکر رک گیا...... یہاں جیکی اور عمران اتر گئے...... جیکی ایک آدمی سے جو گھاٹ پر پہلے سے موجود تھا کچھ دیر باتیں کرتا رہا...... پھر عمران کے پاس آکر بولا۔

"ابھی دن نکلنے والا ہے...... تم ہمارے ساتھ یہاں ایک جگہ دن گزارے گا...... یہاں سے ہم ایک نئی پارٹی کے ساتھ بڑی کشتی میں بیٹھ کر سری لنکا کی طرف چلے گا...... آجاؤ میرے ساتھ"۔

گھاٹ سے دور ایک جگہ درختوں کے جھنڈوں میں دو تین جھونپڑیاں تھیں...... جیکی عمران کو ایک جھونپڑی میں لے آیا...... جھونپڑی میں زمین پر دری بچھی ہوئی تھی...... جیکی نے کہا۔

"تم ادھر آرام کرے گا...... ہم دوسری جھونپڑی میں سوئے گا...... پھر تمہیں ناشتے کے وقت آکر جگا دے گا...... او کے؟"۔

"او کے" عمران نے جواب دیا۔

جیکی چلا گیا...... عمران دری پر لیٹ گیا...... سمندر کی طرف سے مرطوب ہوا کے جھونکے آ رہے تھے...... عمران سو گیا، جس وقت جیکی نے آکر اسے جگایا باہر دن کی روشنی خوب پھیلی ہوئی تھی...... جیکی بولا۔

"آجاؤ...... ہم لوگ ناشتہ کرے گا...... اس وقت دن کے گیارہ بج رہے ہیں"۔

جھونپڑیوں کے درمیان ایک جگہ چولہے پر بڑی سی دیگچی رکھی ہوئی تھی......

تین چار آدمی ناشتہ تیار کرنے میں لگے ہوئے تھے...... ایک درخت کے نیچے لکڑی کے بنچ بچھے ہوئے تھے...... ان کے درمیان ایک لمبی سی میز لگی تھی...... جیکی اور عمران بنچ پر آ کر بیٹھ گئے...... جیکی بولا۔

"یہ سب اپنی پارٹی کے آدمی ہیں...... رات کو دوسری پارٹی مال لے کر آئے گی...... ہم وہ مال کشتی میں لاد کر لنکا لے جائیں گے"۔

عمران نے پوچھا۔

"اسلحہ کی کیا پوزیشن ہو گی؟ میرا مطلب ہے آپ لوگوں کے پاس ماڈرن مشین گنیں تو ضرور ہوں گی"۔

جیکی ہنس پڑا...... بولا۔

"ہمارے پاس ادھر توپ اور مارٹر گن تو نہیں ہوتا...... بس سٹین گنیں ہوتی ہیں؟"۔

پھر اس نے عمران سے پوچھا۔

"تم سٹین گن فائر کر لیتا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"ہاں...... میں سٹین گن فائر کر لیتا ہوں"۔

"ویری گڈ" جیکی بولا...... "ایک سٹین گن تمہیں بھی دے دے گا...... اگر کوسٹل گارڈز کا لوگ آ گیا تو تم بھی اس پر فائر کھول دے گا"۔

ایک آدمی ان کے پاس ناشتہ رکھ گیا...... ناشتے میں ڈبل روٹی تھی اور ابلے ہوئے چاول اور سبزی کی بھاجی بھی تھی...... دونوں نے مل کر ناشتہ کیا...... اس کے بعد کافی پی...... جنوبی بھارت میں چائے کے بجائے کافی پینے کا بڑا رواج ہے...... اس کے بعد جیکی چلا گیا اور اس نے عمران کو تاکید کر دی کہ وہ جھونپڑی میں ہی رہے...... باہر نکل کر ادھر ادھر نہ پھرے...... جیکی کوئی تین بجے دوپہر کو آیا...... عمران جھونپڑی میں ہی بیٹھا

رہا...... اس نے عمران سے کہا۔

"تم بڑی گڈ لک والا آدمی ہے...... مجھے ڈر لگا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مال تیار نہ ہو...... اگر مال تیار نہ ہوتا تو ہم لوگ آج رات سری لنکا کی طرف نہیں جا سکتا تھا...... پھر ہمیں تین دن تک یہاں انتظار کرنا پڑتا، لیکن معلوم ہوا کہ مال بالکل تیار ہے اور اس کے تھیلے گھاٹ پر رات کو پہنچا دیئے جائیں گے"۔

عمران نے پوچھا۔

"کیا ہم اسی گھاٹ سے چلیں گے جہاں ہمارا اسٹیمر ٹھہرا تھا؟"۔

جیکی نے کہا۔

"ہاں...... مگر ہم رات کے اندھیرے میں چلیں گے...... ہماری کشتی گھاٹ سے تھوڑے فاصلے پر ہو گی"۔

دن گزر گیا...... رات کو جیکی اور عمران نے کھانا کھایا تو جیکی کہنے لگا۔

"اب تم جھونپڑی میں جا کر بے شک سو جائے ہم آدھی رات کے بعد آئے گا اور تمہیں جگا کر اپنے ساتھ لے چلے گا...... او کے؟"۔

عمران نے جواب دیا...... "او کے"۔

جیکی چلا گیا...... عمران جھونپڑی میں لیٹ گیا...... شروع میں تو اسے بالکل نیند نہ آئی...... یہی سوچتا رہا کہ آج کی رات بڑی امتحان کی رات ہے...... اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو بڑی مشکل پیش آئے گی...... خدا جانے پھر کیا ہو...... کوسٹل گارڈز کو عام طور پر پتہ چل جاتا ہے کہ آج رات سمگلروں کی لانچ چینل سے گزرنے والی ہے...... ان کے پاس ہر قسم کا اسلحہ ہوتا ہے اور کافی تعداد میں ہوتا ہے...... وہ کشتی یا لانچ کو گھیرے میں لے کر اندھادھند فائر کھول دیں گے...... یہ سمگلر لوگ ہیں...... ان کے پاس پرانی قسم کی سٹین گنیں ہوں گی...... وہ کوسٹل گارڈز کے جدید اسلحے کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی۔

یہی کچھ سوچتے سوچتے عمران کو نیند آ گئی۔

وہ کافی دیر تک سویا رہا...... رات ایک بجے کے قریب جیکی نے آکر اسے جگا دیا اور بولا۔

"چلو دوست...... لانچ آگئی ہے"۔

یہ سمگلروں کی لانچ بڑی کشتی ٹائپ کی تھی...... اس میں چھ سات بڑے بڑے تھیلے لدے ہوئے تھے...... ان میں ظاہر ہے سمگلنگ کا مال ہوگا...... لانچ کھاڑی میں ایک طرف کنارے کے بالکل ساتھ لگی کھڑی تھی...... وہاں پہلے سے چار سمگلر موجود تھے...... ان کے پاس سٹین گنیں تھیں...... جیکی نے ان سے کوئی بات کی اور پھر عمران کو ساتھ لے کر لانچ میں سوار ہوگیا...... وہ بڑے بڑے تھیلوں کے درمیان بیٹھ گئے...... ان کے سوار ہوتے ہی لانچ کنارے سے آہستہ آہستہ ہٹنے لگی...... عام طور پر لانچوں میں انجن لگے ہوتے ہیں، مگر اس لانچ میں کوئی انجن نہیں تھا...... چار آدمی بڑے بڑے چپوؤں سے اسے چلا رہے تھے...... جیکی نے عمران کو بتایا تھا کہ جہاں سے لانچ روانہ ہوگی وہاں سے سری لنکا کا ساحل زیادہ سے زیادہ پچیس میل کے فاصلے پر ہے اور اگر حالات ٹھیک رہے تو وہ یہ فاصلہ تین گھنٹوں میں طے کرلیں گے۔

لانچ چلانے والے بڑے تجربہ کار ملاح لگتے تھے...... وہ بڑی مستعدی سے چپو چلا رہے تھے...... لانچ کھاڑی میں کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھی...... جیکی تھیلوں کے پاس عمران کے ساتھ بیٹھا تھا...... کہنے لگا۔

"دس پندرہ منٹ کے بعد ہم کھلے سمندر میں آجائیں گے...... تم نے کبھی سمندر میں سفر کیا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"نہیں" حالانکہ وہ اس سے پہلے سمندر میں سفر کر چکا تھا مگر وہ جیکی کے ساتھ لمبی گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا...... اس کا ذہن کچھ اور ہی سوچ رہا تھا...... اس وقت اسے بس یہی ایک خیال بار بار آرہا تھا کہ اگر راستے میں کوسٹل گارڈز نے گھات لگا کر ان پر

فائرنگ شروع کردی تو کہیں وہ اس اندھی فائرنگ میں دوسرے سمگلروں کے ساتھ خود بھی نہ مارا جائے...... اسے اس طرح مرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا، مگر اب مجبوری تھی...... اس نے سوچا کہ وہ کسی طرح اپنے آپ کو کوسٹل گارڈز کی فائرنگ سے بچانے کی کوشش کرے گا...... پندرہ بیس منٹ کے بعد ان کی لانچ کھاڑی سے نکل کر سمندر میں آگئی...... سمندر میں آتے ہی لانچ نے ہچکولے کھانے شروع کر دیئے...... کھلے سمندر کی موجوں کے مقابلے میں لانچ بہت ہی چھوٹی تھی...... بالکل ایک کھلونے کی حیثیت رکھتی تھی، لیکن سمگلر ملاح اسے بڑی مہارت سے چلا رہے تھے...... لانچ اوپر نیچے ہوتی سمندر کی لہروں پر سامنے کی طرف بہتی چلی جا رہی تھی۔

سمندر میں ہوا بڑی تیز تھی...... جیکی نے ایک سٹین گن خود رکھ لی تھی اور ایک سٹین گن عمران کو دے دی تھی...... وہ تھیلوں کی اوٹ میں بیٹھے تھے جہاں انہیں سمندر کی تیز ہوا سیدھی نہیں لگ رہی تھی...... ایک گھنٹہ گزر گیا...... اس دوران ان کے عقب میں انڈیا کی جنوبی تکون کے ساحل کی کہیں کہیں ٹمٹماتی روشنیاں بھی غائب ہوگئیں...... لانچ سمندر میں کافی دور نکل آئی تھی...... رات کی تاریکی میں سمندر کی بڑی بڑی موجیں لانچ کے پہلوؤں سے ٹکرا کر تیزی کے ساتھ شور مچاتی پیچھے کی طرف جا رہی تھیں...... جیکی کہنے لگا۔

"ایک گھنٹے کے بعد سامنے سے سری لنکا کے ساحل کی روشنیاں نظر آنے لگیں گی...... اگر گارڈز کی سرچ لائٹوں نے ہماری لانچ کو نہ دیکھا تو ہم دو ایک گھنٹے میں سری لنکا پہنچ جائیں گے"۔

ہماری لانچ انڈیا کے ساحل سے کافی دور نکل آئی تھی...... سری لنکا کے جزیرے کی روشنیاں اب نظر نہیں آرہی تھیں...... عمران نے جیکی سے پوچھا کہ سری لنکا کی روشنیاں دکھائی کیوں نہیں دے رہیں؟ اس نے کہا۔

"ہم لنکا کے جنوب مغربی ساحل کی طرف بڑھ رہے ہیں جہاں پہاڑیاں اور ٹیلے

ہیں...... روشنیاں پہاڑیوں کے بہت پیچھے رہ گئی ہیں“۔

اس وقت عمران کو احساس ہوا کہ وہ وسیع و عریض سمندر میں بالکل اکیلا ہے...... سمندر کی موجیں ان کی لانچ سے ٹکرا کر پیچھے کو جا رہی تھیں...... سمندر کے وسط میں وہ سمندر کے اتنا قریب کبھی نہیں ہوا تھا...... سمندر کا جاہ و جلال دیکھنا ہو تو سمندر کے وسط میں جانا چاہئے جہاں چاروں طرف سمندر ہی سمندر ہوتا ہے اور انسان کو خدا یاد آ جاتا ہے...... اچانک چپو چلاتے چلاتے ایک سمگلر ملاح نے چلا کر اپنی زبان میں کچھ کہا...... اسے سنتے ہی جیکی دوڑ کر لانچ کے سامنے والے کونے کی طرف گیا...... پھر تیزی سے واپس آیا اور عمران سے کہا...... ”سٹین گن تیار رکھو اور تھیلوں کے پیچھے پوزیشن سنبھال لو“۔

عمران فوراً سٹین گن لے کر بڑے بڑے تھیلوں کے پیچھے پوزیشن لے کر بیٹھ گیا...... جیکی نے کہا۔

”ہمارے آدمی نے ایک سٹیمر کے انجن کی آواز سنی ہے...... ہو سکتا ہے یہ کوسٹل گارڈ کی پٹرول پارٹی ہو“۔

جیکی کا اندازہ بالکل صحیح نکلا...... چند سیکنڈ کے بعد ہی اچانک سمندر کا وہ حصہ سرچ لائٹ کی روشنی سے روشن ہو گیا جہاں ان سمگلروں کی لانچ جا رہی تھی...... لانچ میں افراتفری مچ گئی اور دونوں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی...... ساحلی گشتی پولیس کا سٹیمر لانچ پر روشنی ڈالتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہاں سے مشین گن کا فائر بھی آنے لگا تھا...... سمگلر بھی فائرنگ کا جواب فائرنگ سے دے رہے تھے، مگر ان کے پاس اتنا ایمونیشن نہیں تھا...... ان کا ایک راؤنڈ فائر ہوتا تھا تو کوسٹل پولیس کی مشین گنیں دس راؤنڈ فائر کرتی تھیں...... کسٹم پولیس کا ایک سٹیمر بھی سرچ لائٹ کی روشنی ڈالتا وہاں آ گیا اور دونوں سٹیمر فائرنگ کرنے لگے کمانڈو عمران سمگلروں کے مال سے بھرے ہوئے بڑے بڑے تھیلوں کے پیچھے بیٹھ گیا، مگر اسے لگتا تھا کہ یا تو وہ

سارے پکڑے جائیں گے اور یا پھر کسٹم پولیس کی گولیاں انہیں چھلنی کر دیں گی...... پولیس اور ساحلی گارڈ کے دونوں سٹیمر ان کی لانچ کے دائیں بائیں آ گئے اور ایک سٹیمر میں سے کسی نے چلا کر کہا۔

”ہتھیار پھینک دو...... نہیں تو ایک ایک کو بھون دیں گے“۔

جیکی نے اپنے ساتھیوں سے چیخ کر کہا۔

”فائرنگ کیوں روک دی؟ فائر کھول دو“۔

ایک بار پھر دونوں طرف سے فائرنگ کے دھماکے ہونا شروع ہو گئے...... ایک سٹیمر لانچ کے بالکل سامنے آ گیا تھا...... اس نے لانچ کے اگلے حصے کو ٹکر ماری اور لانچ الٹ گئی...... یہ اتنی جلدی ہو گیا کہ عمران سنبھل بھی نہ سکا...... لانچ کے الٹتے ہی اس نے اپنے آپ کو سمندر کے اندر پایا...... وہ سمندر کے اندر ہی اندر تیرتا ہوا جنوب کی طرف دور نکل جانا چاہتا تھا، کیونکہ جہاں کشتی الٹی تھی پولیس کا سٹیمر اوپر موجود تھا اور اس کی گرفتاری یقینی امر تھا اور وہ گرفتار نہیں ہونا چاہتا تھا...... کمانڈو عمران ایک ماہر تیراک تھا اور سانس کو دیر تک روکے رکھنے کی اسے کافی مشق تھی، چنانچہ اس نے اپنا رخ جنوب کی طرف کر لیا اور تیزی سے بازو اور ٹانگیں چلانے لگا...... جنوب کی طرف سری لنکا کا ملک تھا اور یہ کوسٹل پولیس بھارت کی تھی اور انڈیا کے ساحل کی طرف سے آئی تھی...... تین چار منٹ تک وہ سانس روکے سمندر کے نیچے تیزی سے تیرتا چلا گیا...... جب اس کا سانس ختم ہونے لگا تو اس نے سطح سمندر سے سر باہر نکالا اور دیکھا کہ کسٹم کے دونوں سٹیمروں سے وہ تھوڑا آگے جنوب کی طرف نکل آیا تھا...... اس نے سانس اندر کو کھینچا اور سمندر میں ڈبکی لگا دی...... اسی طرح دو تین بار کرنے سے وہ کسٹم پولیس کے سٹیمروں سے دور نکل گیا۔

اس نے اندازے سے سری لنکا کے ساحل کی جانب تیرنا شروع کر دیا...... رات کی تاریکی میں سمندر پر تیرتے ہوئے اسے سرچ لائٹ کی روشنی کے بغیر دیکھا نہیں

جاسکتا تھا اور سٹیمروں کی سرچ لائٹ اس سے بہت پیچھے رہ گئی تھی...... فائرنگ کی آوازیں اب نہیں آرہی تھیں، جس کا مطلب تھا کہ کسٹم پولیس نے جیکی سمیت سارے سمگلروں کو پکڑ لیا تھا...... کھلے سمندر میں تیرنے کی کمانڈو عمران کو زیادہ مشق نہیں تھی...... اس کے منہ میں بار بار سمندر کا پانی داخل ہو رہا تھا جس سے اس کا حلق کڑوا ہو گیا تھا...... سمندر کا پانی کڑوا ہوتا ہے، مگر وہ تیرتا چلا جارہا تھا...... دور جنوب کی سمت وہ پہاڑ بھی اب نظر نہیں آرہے تھے...... عمران کے بدن میں ایک دم سے خوف کی ایک لہر دوڑ گئی...... یہ سوچ کر کہ کہیں وہ غلط سمت کو تو نہیں جارہا، کیونکہ سری لنکا کے چاروں طرف سمندر تھا اور یہ سمندر ہزاروں میل کی وسعت میں پھیلا ہوا تھا......اگر آپ نقشے پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو سری لنکا کے ملک کے جنوب میں بحر ہند، مشرق میں بحر الکاہل اور مغرب میں بحر اوقیانوس ایک دوسرے سے ملے ہوئے دکھائی دیں گے...... یہ تینوں اتنے بڑے سمندر ہیں کہ انہوں نے زمین کے تین چوتھائی حصے کو ڈھانپ رکھا ہے......ان سمندروں کی طرف بھٹک جانے کا مطلب یہ تھا کہ کمانڈو عمران موت کے منہ میں پہنچ گیا ہے اور اس کی لاش بھی سمندر سے باہر نہیں نکل سکے گی، مگر یہ خوف زدہ ہونے کا وقت نہیں تھا...... یہ وقت ہمت اور حوصلہ کرنے کا تھا۔

عمران نے تیرتے تیرتے خدا کے حضور دعا مانگی اور جس رخ پر تیر رہا تھا...... اس رخ پر تیرتا چلا گیا...... حقیقت یہ تھی کہ وہ بھٹک گیا تھا اور اس کا رخ سری لنکا کی طرف نہیں تھا بلکہ پچھتر ڈگری جنوب مغرب کی طرف ہو گیا تھا...... عمران کو اس کا احساس اس وقت ہوا جب اسے سمندر کی خوفناک موجوں میں تیرتے تیرتے آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت گزر گیا اور اسے سری لنکا کے ساحل کی ایک بھی روشنی نظر نہ آئی...... اب وہ تیرتے تیرتے تھک گیا تھا...... اس میں مزید تیرنے کی سکت نہیں رہی تھی...... سمندر کے وسط میں تیرتے ہوئے آدمی جلدی تھک جاتا ہے کیونکہ سمندر کے وسط

میں ساحل کے برعکس موجوں کا بہاؤ نہیں ہوتا، بلکہ موجیں اوپر نیچے ہو رہی ہوتی ہیں اور آدمی کو تیرتے ہوئے کافی طاقت خرچ کرنی پڑتی ہے۔

تیرتے تیرتے عمران نے چاروں طرف ایک نگاہ ڈالی...... آسمان پر نہ جانے کدھر سے بادل جمع ہو گئے تھے اور تیز ہوا بھی چلنے لگی تھی...... اسے چاروں طرف سمندر ہی سمندر نظر آیا...... تب اسے یقین ہو گیا کہ وہ سمندر میں بھٹک گیا ہے، لیکن اس نے حوصلہ نہ ہارا اور جس طرف وہ تیر رہا تھا اسی طرف تیرتا چلا گیا...... اب وہ آہستہ آہستہ بازو اور ٹانگیں چلا رہا تھا...... سمندر کا ایک فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ سمندر آدمی کو اتنی جلدی ڈوبنے نہیں دیتا...... ایک تو اس وجہ سے کہ نمک کی بے پناہ مقدار ہونے کے باعث سمندر کا پانی بہت بھاری ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ سمندر کی پہاڑ ایسی موجیں ہر وقت (وسط سمندر میں) اوپر نیچے ہوتی رہتی ہیں...... یہ موجیں نیچے جانے والی شے کو بار بار اوپر لاتی رہتی ہیں...... آدمی گھبرا کر ڈوب جائے تو یہ الگ بات ہے...... اچھا تیراک اور سمندر سے خوف نہ کھانے والا آدمی اگر تیرتے تیرتے تھک بھی جائے تو اتنی جلدی سمندر میں نہیں ڈوبتا لیکن اس کی بھی ایک حد ہوتی ہے...... اگر وہ حد گزر جائے تو پھر آدمی کا ڈوبنا یا کسی شارک مچھلی کا شکار بن جانا یقینی ہوتا ہے۔

کمانڈو عمران تیرتے تیرتے اتنا تھک گیا تھا کہ اس کے بازو شل ہو گئے تھے اور اس نے اپنے آپ کو سمندر کی موجوں کے اوپر الٹا لیٹا دیا...... یہ مردہ تاری ہوتی ہے...... اس کا اصول یہ ہوتا ہے کہ آدمی ذرا سی بھی حرکت نہ کرے...... اپنے سانس کو زور سے اندر کھینچ کر پھیپھڑوں کو پھلا لے اور پھر انہیں دیر تک پھولا رہنے دے اور آہستہ آہستہ سانس خارج کرے اور جب سانس خارج ہو جائے تو فوراً ایک بار پھر لمبا سانس لے کر پھیپھڑوں کو غبارے کی طرح پھلا لے...... پھیپھڑوں میں ہوا بھر جانے سے آدمی غبارے کی طرح سمندر کے اوپر رہتا ہے اور ڈوبنے سے بچ جاتا ہے، لیکن یہ

بھی ایک خاص مدت تک ہی کیا جا سکتا ہے...... یہ تمام حقائق عمران کے سامنے تھے، اس وقت اسے ایک بات کا یقین ہو گیا تھا کہ اگر ایک آدھ گھنٹے کے اندر اندر وہ خشکی کے کسی ٹکڑے پر نہ پہنچا تو یا سمندر اسے نگل لے گا اور یا پھر کوئی خونخوار شارک مچھلی اس کی تکا بوٹی کر دے گی...... شارک مچھلی کے ہاتھوں جو موت آتی ہے اس کا تصور ہی بڑا بھیانک ہوتا ہے...... عمران خدا سے اپنی زندگی کی دعا ہی مانگ سکتا تھا اور وہ مسلسل خدا کو یاد کر رہا تھا اور اس سے زندگی کی بقاء کی دعا مانگ رہا تھا۔

اللہ میاں نے اس کی دعا قبول فرمالی...... سمندر کی ایک بہت بڑی پہاڑ ایسی موج کے سینے پر عمران بالکل سیدھا آسمان کی طرف منہ کر کے لیٹا ہوا تھا اور سمندر کی موج اسے کبھی اوپر اٹھاتی تھی اور کبھی نیچے گہرائی میں لے جاتی تھی...... ایک بار وہ موج کے ساتھ سمندر کی گہرائی میں جا کر اوپر آیا تو اس کا پاؤں کسی چیز سے ٹکرا گیا...... پہلے تو وہ یہی سمجھا کہ اس کا پاؤں نہیں ٹکرایا بلکہ کسی شارک مچھلی نے اس کی ٹانگ کو پکڑنے کی کوشش کی ہے...... عمران گھبرا کر سیدھا ہو گیا اور تیرتے ہوئے پیچھے کی طرف آیا...... اسے کوئی سیاہ شے سمندر کے اوپر ابھری ہوئی دکھائی دی...... وہ تیر کر اس کے قریب گیا تو دیکھا کہ یہ کوئی بہت بڑا درخت تھا جو اکھڑ کر سمندر میں جا گرا تھا اور اب سمندر کی موجیں اسے بہائے لئے جا رہی تھیں...... یہ اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی مدد تھی...... عمران نے جلدی سے درخت کی شاخوں کو پکڑا اور اچھل کر درخت کی موٹی اور گنجان ٹہنیوں میں اس کے موٹے تنے سے لپٹ کر اس کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا...... وہ اتنا تھک کر چور ہو چکا تھا کہ درخت کے لپٹتے ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں اور خدا کا شکر ادا کرنے لگا...... یہ امداد واقعی اللہ کی طرف سے آئی تھی ورنہ درخت اس کے قریب سے بہتا ہوا آگے بھی نکل سکتا تھا...... سمندر کی بہت بڑی موج تھی جو درخت سمیت عمران کو اوپر نیچے کرتے ہوئے بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی...... عمران کو اتنا یقین ہو گیا تھا کہ اللہ نے اس کی دعا قبول فرمالی ہے اور اس کی زندگی بچ گئی ہے...... کم از

کم یہ درخت اسے ڈوبنے نہیں دے سکتا تھا اور اگر کوئی شارک اس پر حملہ بھی کرتی ہے تو وہ درخت کی بڑی بڑی شاخوں میں اپنے آپ کو چھپا سکتا تھا...... ویسے بھی سمندر میں ہر جگہ شارک مچھلیاں نہیں ہوتیں...... شارکوں کے خاص خاص سمندری زون ہیں جہاں وہ پائی جاتی ہیں...... جنوب مشرقی علاقے میں خلیج فارس کے سمندر میں شارک مچھلیاں بہت ہوتی ہیں، چنانچہ آج سے کئی برس پہلے جب دوبئی سے کراچی کی طرف آتے ہوئے دارا نام کا ایک جہاز آگ لگنے سے تباہ ہو گیا تھا اور مسافروں نے جان بچانے کے لئے سمندر میں چھلانگیں لگا دی تھیں تو ان میں سے بہت کم لوگ شارک مچھلیوں سے بچ سکے تھے۔

آسمان پر جو بادل چھائے ہوئے تھے ان میں اب بجلی بھی چمکنے لگی تھی...... ساتھ ہی بادل گرجنے لگے تھے اور ہوا بھی تیز ہو گئی تھی...... اس کا مطلب تھا کہ طوفان آ رہا ہے اور ایسا ہی ہوا...... ہوا کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی گئی...... بادل زور زور سے گرجنے لگے اور پھر بارش شروع ہو گئی...... یہ بڑی موسلادھار بارش تھی...... بادل گرج رہے تھے...... بجلی کڑک رہی تھی اور بارش ایسے ہو رہی تھی جیسے آسمان پر بھی کوئی سمندر ہے جو آبشار کی طرح زمین کے سمندر پر برس رہا ہے...... اس سمندری طوفان کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ عمران جس درخت سے لپٹا ہوا تھا اس کو سمندر کی موج بڑی تیزی سے ایک طرف کو بہانے لگی...... درخت کو دیکھ کر عمران کو حوصلہ ہوا تھا کہ زمین کہیں قریب ہی ہے...... درخت کی شاخیں اور پتے اتنے گلے سڑے نہیں تھے...... لگتا تھا کہ اسے سمندر میں گرے ایک دن سے زیادہ مدت نہیں گزری...... اس کا یہی مطلب نکلتا تھا کہ خشکی وہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔

طوفان میں موجوں کا بہاؤ بھی تیز ہو گیا۔

عمران درخت کی ٹہنیوں کے جال میں اپنے آپ کو الجھائے درخت سے چمٹ کر بیٹھا تھا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے ٹہنیوں کو پکڑ رکھا تھا...... گھنی شاخوں کی وجہ سے

درخت کا تنا گول گول گردش نہیں کر رہا تھا۔۔۔۔۔۔ اگر اس درخت کی گھنی شاخیں نہ ہوتیں تو عمران درخت کے تنے پر اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ وہ سمندر میں گر پڑتا اور صرف تنے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ہی تیر سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ ایسی صورت میں اس کے صرف بازو اور سر سمندر سے باہر ہوتا۔۔۔۔۔۔ باقی سارا جسم سمندر میں ڈوبا ہوا ہوتا اور ایسی حالت میں عمران زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا تھا۔

عمران محسوس کر رہا تھا کہ بارش اور تیز ہواؤں کے طوفان میں درخت ایک طرف کو تیزی سے بہتا چلا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔ چاروں طرف اونچی اونچی لہریں اٹھ رہی تھیں۔۔۔۔۔۔ عمران کو سمت کا بالکل اندازہ نہیں رہا تھا۔۔۔۔۔۔ اگر آسمان پر ستارے کھلے ہوئے ہوتے یا دھوپ نکلی ہوتی تو اسے مشرق مغرب کا اندازہ ہو سکتا تھا، مگر اس وقت آسمان بادلوں میں چھپا ہوا تھا اور رات کی تاریکی اور موسلا دھار بارش میں کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ درخت کھلے سمندروں کی جانب جا رہا ہے یا سری لنکا کے کسی جزیرے کی طرف جا رہا ہے۔۔۔۔۔۔ عمران نے سب کچھ خدا پر چھوڑ دیا تھا کہ اب وہ جہاں چاہے گا اسے لے جائے گا۔۔۔۔۔۔ عمران کی مرضی کو اس میں ذرا سا بھی دخل نہیں رہا تھا۔

عمران کی زندگی فی الحال ضرور بچ گئی تھی مگر وہ بڑے خوفناک سمندری طوفان کی زد میں تھا۔۔۔۔۔۔ نہ جانے رات کتنی گزر چکی تھی۔۔۔۔۔۔ طوفان بھی تھمنے کا نام نہیں لیتا تھا۔۔۔۔۔۔ عمران کسی وقت اندھیرے میں آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کرتا مگر بارش کا پانی اس کی آنکھوں کے آگے دھاروں کی طرح بہہ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ وہ آنکھیں بند کر لیتا اور خدا کو یاد کرنے لگتا۔۔۔۔۔۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا کہ بارش ہلکی ہوتے ہوتے تھم گئی۔۔۔۔۔۔ بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک بھی ماند پڑ گئی اور طوفانی ہواؤں میں بھی کسی قدر دھیما پن آ گیا۔۔۔۔۔۔ تب عمران نے بڑے غور سے سمندر کی اس سمت دیکھا جس سمت کو درخت بہا چلا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔ اسے سوائے تاریکی کے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔۔۔۔۔۔ اس نے درخت کی شاخوں میں اپنا آپ اس طرح پھنسایا ہوا تھا کہ وہ ایک جگہ

ں گیا تھا۔۔۔۔۔۔ اس نے اپنا سر پیچھے ایک ٹہنی کے ساتھ لگا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔۔۔۔۔۔ ہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسی حالت میں اسے نیند آ جائے گی، لیکن وہ حیران رہ گیا ب کچھ دیر کے بعد اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔۔۔۔۔۔ پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا۔

اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔۔۔۔۔۔ اسے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر تک سویا رہا ا۔۔۔۔۔۔ اس نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے سامنے کی طرف دیکھا تو اسے روشنی کا ایک نکتہ ٹماتا نظر آیا۔۔۔۔۔۔ اسے دیکھتے ہی عمران کی جیسے جان میں جان آ گئی۔۔۔۔۔۔ وہ بحر ہند اور ز الکاہل کے سمندروں میں بے بسی کی موت سے بچ گیا تھا۔۔۔۔۔۔ یہ روشنی کا نکتہ خشکی ر اس کی زندگی کی علامت تھی۔۔۔۔۔۔ جس درخت سے وہ چمٹا ہوا تھا اس کا رخ بھی شنی کے ٹمٹماتے نقطے کی طرف تھا۔۔۔۔۔۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جب ساحل قریب جاتا ہے تو سمندر کی بڑی بڑی موجوں کا رخ اپنے آپ اس ساحل کی طرف ہو جاتا ہے اور وہ اسی طرف تیزی سے بہنے لگتی ہیں۔۔۔۔۔۔ یہ بالکل ایسے ہوتا ہے جیسے خشکی ان وجوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا۔۔۔۔۔۔ روشنی کا نکتہ بڑا ہوتا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔ پھر اس کے پیچھے ب اور ٹمٹماتی ہوئی روشنی نظر آنے لگی۔۔۔۔۔۔ کچھ دیر کے بعد دونوں روشنیاں نمایاں طور نظر آنے لگیں۔۔۔۔۔۔ یہ بالکل ایسی روشنیاں تھیں جیسے کہیں آگ کا الاؤ روشن ہو۔۔۔۔۔۔ ب درخت خشکی کے اور قریب آ گیا تو یہ روشنیاں چھوٹی ہو کر الاؤ کی بجائے کسی شعل کے شعلے میں تبدیل ہو گئیں۔۔۔۔۔۔ یہ دو مشعلیں تھیں جو خشکی پر کسی مقام پر شن تھیں۔۔۔۔۔۔ پھر بھی درخت کو خشکی تک آتے آتے بہت وقت لگ گیا۔۔۔۔۔۔ اب ت کے اندھیرے میں ساحل کے درختوں کے خاکے دکھائی دینے لگے۔۔۔۔۔۔ یہ درخت احل سمندر سے کافی پیچھے ہٹ کر ایک فصیل کی طرح مغرب سے مشرق کی طرف ئے گئے تھے۔۔۔۔۔۔ عمران اسے سری لنکا کی سرزمین ہی سمجھ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ بہرحال خشکی ضرور ئی تھی اور وہ زندہ و پائندہ خشکی کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ ساحل کے قریب آ کر سمندر

کی موجوں کی رفتار بہت تیز ہوگئی تھی...... آخر ایک بہت بڑی موج نے عمران کو درخت سمیت خشکی پر لا کر پھینک دیا...... عمران نے اپنے آپ کو درخت کی شاخوں میں سے نکالا اور ساحل کی ریت پر پاؤں رکھا...... ٹھنڈی ریت پر پاؤں رکھتے ہی عمران کو محسوس ہوا کہ زندگی اپنی تمام رعنائیوں اور مسرتوں کے ساتھ اس کے پاس واپس آگئی ہے...... واقعی زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ بہت بڑی نعمت ہے اور انسان کو چاہئے کہ وہ اس نعمت کا جائز حدود میں رہتے ہوئے پورا پورا حق ادا کرے۔

اگرچہ آسمان کو بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا مگر اب بادلوں کے پیچھے صبح کا ہلکا ہلکا اجالا جھلکنے لگا تھا...... عمران ریت پر چند قدم چلنے کے بعد وہیں بالکل سیدھا ہو کر لیٹ گیا اور خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں...... اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کون سے ملک میں، کون سے جزیرے پر پہنچ گیا ہے...... اس کے لئے اتنا ہی بہت تھا کہ وہ ایک طوفانی اور بے کراں سمندر سے زندہ باہر نکل آیا ہے...... دیر تک وہ اسی ریت پر لیٹا گہرے سانس لیتا رہا...... پھر اٹھا اور ساحل کے درختوں کی طرف دیکھنے لگا...... یہ درخت ساحل کی ریت سے چھ سات سو گز کے فاصلے پر تھے...... صبح کے ہلکے ہلکے اجالے میں درختوں کے خاکے اب ابھرنے لگے تھے...... ان درختوں میں ناریل اور تاڑ کے درخت بھی تھے اور دوسرے بڑے گنجان اور اونچے اونچے چھتریوں والے درخت بھی تھے...... تاڑ اور ناریل کے درختوں کو دیکھ کر عمران سمجھ گیا کہ وہ جنوب مشرقی علاقے میں ہی ہے اور یہ سری لنکا کی سرزمین ہی ہو سکتی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ درختوں کی طرف بڑھنے لگا...... اس کی پتلون اور قمیض بارش اور سمندری طوفان میں بھیگ کر اکڑ سی گئی تھی...... اکڑاؤ اس لئے آگیا تھا کہ سمندر کا نمک بھی قمیض اور پتلون پر تہہ بن کر چمٹ گیا تھا...... اس کے پاؤں میں ربڑ کے تسمے والے شوز تھے...... اگر دوسرے شوز ہوتے جس کے تسمے نہیں ہوتے تو وہ سمندر کی نذر ہو چکے ہوتے...... اس نے کھڑے ہو کر اپنی جیبوں کی تلاشی لی...... اس کی پتلون کی

پچھلی جیب میں انڈین کرنسی میں دو بڑے نوٹ تھے جو گیلے ہو کر چپک گئے تھے...... دوسری جیب میں ایک چھوٹا پستول خدا جانے کیسے بچ گیا تھا...... یہ پستول جیکی نے اسے سمگلروں کی لانچ میں سوار ہونے سے پہلے دیا تھا...... عمران نے پستول کو کھول کر دیکھا...... وہ بھرا ہوا تھا...... اس میں چوبیس گولیوں کا میگزین تھا...... اس نے پستول اپنی پتلون کی بائیں پہلو والی جیب میں رکھ لیا تاکہ ضرورت کے وقت وہ اسے آسانی سے باہر نکال سکے۔

جب وہ جزیرے کے درختوں کے درمیان آیا تو پو پھٹ چکی تھی اور درختوں پر کہیں کہیں پرندوں نے چہچہانا شروع کر دیا تھا...... ابھی تک عمران کو کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس ملک یا کس جزیرے کے ساحل پر آگیا ہے...... وہ اسے سری لنکا کی سرزمین ہی سمجھ رہا تھا...... درختوں میں وہ دور تک چلتا گیا...... ایک جگہ درخت پیچھے پیچھے ہو گئے تھے، اس الاؤ کی روشنی کو اس نے سمندر میں بہتے ہوئے دیکھا تھا اب وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی...... کسی آبادی کے بھی ابھی تک کوئی آثار نظر نہیں آئے تھے...... جنگل میں ایک جگہ چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی...... عمران نے جھک کر اس کا پانی چکھا...... پانی میٹھا تھا...... اس نے پانی پیا...... منہ ہاتھ دھو کر سمندری نمک کو اپنے چہرے اور گردن پر سے اتارا اور ندی کے دوسرے کنارے پر آگیا...... ندی چھوٹی سی تھی...... پانی گھٹنوں تک ہی تھا...... عمران اس میں اتر کر دوسرے کنارے پر پہنچ گیا تھا۔

پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں بھی پیچھے رہ گئی تھیں...... اب وہ جن گھنے درختوں کے درمیان سے گزر رہا تھا ان پر ایک بھی پرندہ نہیں بول رہا تھا...... ایک جگہ اسے زمین پر گرے ہوئے چند تازہ ناریل مل گئے...... اس نے ایک ناریل کے کھوپے کو توڑ کر اس کا پانی پیا اور اس کا میٹھا گودا کھا کر اپنی بھوک مٹائی اور آگے چل پڑا...... کوئی آدھے گھنٹے بعد جنگل ختم ہو گیا اور جزیرے کا عقبی ساحل آگیا...... اس کا مطلب تھا کہ یہ کوئی چھوٹا سا جزیرہ تھا...... عمران وہاں سے مغرب کی طرف ہو کر دور تک چلتا

گیا..... ادھر بھی سمندر کا ساحل تھا..... وہ واپس جس طرف سے چلا تھا وہاں آ گیا..... اب اس نے جنگل سے نکل کر ساحل کے درختوں کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف چلنا شروع کر دیا..... بہت جلد اسے معلوم ہو گیا کہ یہ سمندر کے درمیان کوئی چھوٹا سا جزیرہ ہے اور سری لنکا کا ملک نہیں ہے..... اس انکشاف پر عمران کچھ فکر مند سا ہو گیا کہ خدا جانے سمندر کی موجیں اسے بہا کر کس علاقے میں لے آئی ہیں..... کہیں یہ کالے پانی کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ نہ ہو، لیکن عمران کو معلوم تھا کہ انڈیمان کے جزیرے خلیج بنگال میں واقع ہیں اور خلیج بنگال کا پانی سیاہ رنگ کا ہے اور جس سمندر میں وہ ساری رات تیرتا رہا تھا اس کا رنگ سبزی مائل نیلا تھا۔

اب اسے یہ تجسس ہوا کہ جزیرے پر اس نے مشعلوں کی جو روشنی دیکھی تھی وہ روشنی یہاں کس جگہ پر ہو رہی تھی..... اس روشنی کا مطلب یہ تھا کہ جزیرے پر آبادی موجود ہے، لیکن اب اسے وہ روشنی والا علاقہ بالکل نہیں مل رہا تھا..... وہ ساحل کے ساتھ ساتھ ٹہلتا دور تک چلا گیا..... کسی جگہ کوئی ایک جھونپڑا تک اسے نظر نہ آیا..... یہ بڑے تعجب کی بات تھی کہ جس چھوٹے سے جزیرے میں پھل دار درخت ہوں اور میٹھے پانی کی ندی بھی بہہ رہی ہو اور وہاں انسانی آبادی نہ ہو..... دن نکل آیا تھا اور روشنی چاروں طرف کے مناظر کو اجاگر کر رہی تھی..... عمران نے محسوس کیا کہ و جزیرہ بے آباد نہیں ہے..... اس کا ثبوت اسے ایک جگہ درختوں کے درمیان کچے راستے پر پہیوں کے نشان سے ملا..... یہاں سے بیل گاڑی یا کوئی دوسری گاڑی گزرتی ہوگی، لیکن آبادی کا کوئی نشان نظر نہیں آتا تھا۔

ساری رات سمندر میں طوفانی لہروں میں ہچکولے کھانے کے بعد عمران کا جسم سخت تھکاوٹ محسوس کرنے لگا تھا..... وہ چاہتا تھا کہ کسی جگہ لیٹ کر سو جائے، لیکن ایک اجنبی جزیرے پر اس طرح غافل ہو کر سو جانا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا..... عمران کا اب چلنے کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا..... وہ کسی جگہ بیٹھ کر کچھ دیر آرام کرنا چاہتا

تھا..... جزیرے پر خاموشی تھی..... کسی کسی وقت کسی درخت پر سے ایک دو پرندوں کے بولنے کی آواز آ جاتی تھی اور اس کے بعد پھر سناٹا چھا جاتا تھا..... موسم گرم تھا، مگر سمندر کی طرف سے ہوا چل رہی تھی جس کی وجہ سے حبس کم ہو گیا تھا..... ایک جگہ زمین پر تین چار کچے ناریل پڑے تھے..... عمران نے ایک ناریل کو توڑ کر اس کا پانی پیا اور نرم گودا کھایا، کھانے سے اس کے جسم میں کچھ توانائی آ گئی..... ناریل کچا یعنی سبز ہو اور ابھی اس کی چھال سوکھی نہ ہو تو اس کا گودا یعنی گری اندر سے نرم ہوتی ہے..... جب یہ کچا ناریل پک کر ہلکے نسواری رنگ کا ہو جاتا ہے تو اس کا گودا بھی سوکھ کر گری بن جاتا ہے جو چاقو یا چھری کے بغیر نہیں اترتی..... جسے ہم کچی گری بھی کہتے ہیں..... بھرا ہوا پستول اس کی جیب میں ہی تھا..... عمران کو بڑی تسلی تھی کہ کسی طرح سے پستول اس کے ساتھ ہی آ گیا تھا..... کم از کم وہ اس کی مدد سے اپنے آپ کو کسی بھی جنگلی درندے سے بچا سکتا تھا۔

عمران بہت آہستہ آہستہ چل رہا تھا..... وہ ایک ٹیلے کی ڈھال کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا..... اچانک اسے کسی کے دوڑنے کی آواز سنائی دی..... عمران فوراً رک گیا اور ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا، مگر آواز ٹیلے کی دوسری جانب سے آئی تھی..... دوسری بار کسی عورت کی آواز آئی..... وہ ٹوٹی پھوٹی اردو یا ہندی زبان میں کسی کو کہہ رہی تھی کہ مجھے چھوڑ دو..... مجھ پر رحم کرو..... عمران نے پہلا کام یہ کیا کہ جیب سے بھرا ہوا پستول نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا..... وہ ٹیلے کی ڈھال کے ساتھ اس طرف تیز قدموں سے چلنے لگا جس طرف سے عورت کی آواز آئی تھی..... ٹیلہ زیادہ بڑا نہیں تھا..... جیسے ہی وہ ٹیلے کی دوسری طرف پہنچا اس نے دیکھا کہ ایک فوجی وردی والے سپاہی نے ایک لڑکی کو پکڑ رکھا ہے اور اس کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کر رہا ہے..... لڑکی بالکل عریاں حالت میں تھی اور اس کا لہنگا ایک طرف پڑا تھا..... فوجی کی رائفل بھی وہیں زمین پر پڑی تھی..... لڑکی جزیرے کے جنگلی قبیلے کی لگتی تھی.....

اس کا رنگ گہرا سانولا تھا اور وہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں چیخ چیخ کر فوجی سپاہی کو کہہ رہی تھی...... مجھے چھوڑ دو...... مجھے کچھ نہ کہنا۔

عمران پہلے تو یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ فوجی سپاہی کی وردی کا رنگ سبز تھا...... یہ بھارتی فوجی تھا...... اس کا مطلب تھا کہ اس جزیرے میں بھارتی فوج کسی جگہ موجود ہے، مگر وہ وقت حیران ہونے کا نہیں تھا...... عمران اس لڑکی کو بھارتی درندے سے بچانا چاہتا تھا...... لڑکی نے چیخ کر کہا کہ میری شادی نہیں ہوئی...... مجھے کچھ نہ کہنا۔ کمانڈو عمران کے اندر جیسے ایک بگولا سا گردش کرنے لگا...... بغیر سوچے سمجھے...... بغیر یہ سوچے کہ اس کا انجام کیا ہوگا...... وہ دوڑ کر بھارتی سپاہی کی طرف بڑھا...... اس نے پستول اپنی جیب میں رکھ لیا تھا...... پستول کے فائر سے وہ جزیرے میں موجود دوسرے فوجیوں کو خبردار نہیں کرنا چاہتا تھا...... وہ کمانڈو تھا...... وہ دشمن کو گولی کے بغیر بھی جہنم میں پہنچانے کے طریقے جانتا تھا...... جب وہ بھارتی سپاہی کے عقب میں پہنچا تو سپاہی نے پلٹ کر اسے دیکھا...... اس کے بعد عمران نے اسے کچھ دیکھنے یا اپنے دفاع میں کچھ کرنے کی مہلت نہ دی...... اس نے پیچھے سے اپنا بایاں بازو بھارتی سپاہی کی گردن میں ڈال کر پوری طاقت سے اس کی گردن کو اوپر کی طرف جھٹکا دیا...... اس جھٹکے سے بھارتی سپاہی کی گردن کے مہرے ٹوٹ گئے اور سر گردن پر ڈولنے لگا۔

عمران اس کو چھوڑ کر الگ ہو گیا...... بھارتی سپاہی وہیں بے جان ہو کر گر پڑا...... لڑکی نے بھاگ کر گھاس پر سے اپنا لہنگا اٹھا کر کمر کے گرد باندھا اور عمران کو حیرت زدہ اور احسان مند نظروں سے دیکھنے لگی...... اس لڑکی کے جسم پر سوائے لہنگے کے اور کچھ نہیں تھا...... معلوم ہوتا تھا کہ اس قبیلے کی عورتیں کمر کے اوپر کچھ نہیں پہنتیں...... عمران نے سپاہی کی لاش کو گھسیٹ کر ایک درخت کے پیچھے جھاڑیوں میں ڈال دیا اور اس کی رائفل بھی اس کے اوپر رکھ دی...... لڑکی اسی طرح سہمی ہوئی کھڑی عمران کو تک رہی تھی...... وہ حیران ہو رہی تھی کہ یہ فرشتہ رحمت کہاں سے نمودار ہو گیا

ہے...... عمران نے لڑکی کے قریب آکر ٹوٹی پھوٹی اردو میں پوچھا کہ وہ کون ہے اور یہاں انڈین آدمی کہاں پر ہے...... لڑکی نے اسے کہا کہ میرے ساتھ آؤ...... وہ اسے ساتھ لے کر وہاں سے کوئی ایک میل کے فاصلے پر درختوں کے درمیان ایک کھلی جگہ پر لے آئی جہاں بانس کے چھ سات جھونپڑا نما مکان بنے ہوئے تھے...... لڑکی کو دیکھ کر وہاں عورتیں اور مرد عمران کے گرد جمع ہو گئے...... ان میں لڑکی کی ماں اور اس کا باپ بھی تھا...... لڑکی کو اس کی ماں سینے سے لگا کر پیار کر رہی تھی...... لڑکی نے روتے ہوئے اپنے ماں باپ اور وہاں موجود قبیلے کے دوسرے لوگوں کو سارا واقعہ بیان کر دیا...... سب آدمیوں نے عمران کے قریب باری باری آکر شانے پر تھپکی دی...... لڑکی کے باپ نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا۔

”تم نے ہماری بیٹی کی عزت بچائی ہے...... ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں...... تم کون ہو؟“۔

لڑکی کے باپ نے اتنے صاف جملے نہیں کہے تھے...... یہ ہم اپنی طرف سے ان لوگوں کے مکالمے لکھ رہے ہیں...... اس نے جو کچھ کہا تھا اس کا مطلب یہی نکلتا تھا جو ہم نے اوپر لکھا ہے...... عمران نے کہا۔

”بھارتی فوجی کی لاش وہیں پڑی ہے...... وہ لاش وہاں سے اٹھا کر زمین میں دبا دینی چاہئے تاکہ جزیرے میں جو بھارتی فوجی موجود ہیں انہیں پتہ نہ چل جائے“۔

لڑکی کے باپ نے دو آدمیوں کو اشارہ کیا...... لڑکی نے اپنی زبان میں انہیں بتایا کہ بھارتی سپاہی کی لاش فلاں جگہ درخت کے نیچے پڑی ہے...... دونوں آدمی جن کے ہاتھوں میں نیزے تھے اور کندھے پر کمان رکھی ہوئی تھی ایک طرف کو دوڑ پڑے...... لڑکی کا باپ عمران کو اپنی جھونپڑی میں لے آیا...... عمران نے لڑکی کے باپ سے پوچھا۔

”یہاں بھارتی فوج کہاں پر ہے؟“۔

لڑکی کے باپ نے عمران کو بتایا کہ جزیرے میں پچاس ساٹھ کے قریب بھارتی

فوجی موجود ہیں اور جزیرے کے مغربی کونے میں ان کا کیمپ ہے...... عمران نے پوچھا۔

"اس جزیرے کا نام کیا ہے اور یہ کس ملک کا جزیرہ ہے؟"۔

ہم اپنی طرف سے اس کے مکالمے سلیس اردو میں لکھ رہے ہیں۔

لڑکی کے باپ نے کہا۔

"یہ نکوبار کے جنوبی جزیروں میں سے ایک جزیرہ ہے جہاں بھارت کا قبضہ ہے...... اس جزیرے کا نام نکوبار پورم ہے، مگر تم یہاں کیسے آگئے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں جس جہاز پر لنکا کی طرف جارہا تھا وہ رات کے سمندری طوفان میں غرق ہو گیا تھا...... میں بڑی مشکل سے لکڑی کے ایک تختے پر بیٹھ کر اس جزیرے تک پہنچا ہوں"۔

لڑکی کے باپ نے لڑکی سے کہا۔

"مہمان کو کھانا کھلاؤ...... اسے بھوک لگی ہوئی۔ میں بھارتی سپاہی کی لاش ٹھکانے لگاتا ہوں"۔

لڑکی کے باپ نے مزید دو تین آدمیوں کو ساتھ لیا اور اس طرف چلا گیا جس طرف پہلے دو آدمی لاش کو ٹھکانے لگانے گئے تھے...... لڑکی نے عمران سے کہا۔

"میں کھانا لاتی ہوں...... تم بیٹھو"۔

عمران جھونپڑی میں بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھ گیا...... یہ چٹائی ناریل کی ٹہنیوں سے تیار کی گئی تھی...... لڑکی چلی گئی...... عمران سوچنے لگا کہ اس جزیرے میں بھارتی فوج موجود ہے اسے یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہئے...... اس کی مخبری ہو سکتی ہے...... ان قبیلے والوں میں کوئی مخبر ہو سکتا ہے...... وہ بھارتی فوج کو اس کی مخبری کر سکتا ہے...... عمران نے فیصلہ کر لیا کہ لڑکی کے باپ سے بات کرے گا کہ وہ اسے کسی طرح جزیرے سے فرار ہونے میں اس کی مدد کرے...... لڑکی کھانا لے کر آئی...... کیلے کے چوڑے

پتوں کی تھالی میں چاولوں کے اوپر تھوڑی سی بھاجی رکھی ہوئی تھی...... ساتھ وہ پانی بھی لائی تھی...... عمران نے خوب مزے لے کر وہ سارا کھانا کھا لیا اور لڑکی سے پوچھا۔

یہاں بھارتی فوج کیا کرتی ہے؟

لڑکی نے بتایا کہ بھارتی فوجی سپاہیوں نے وہاں سے دور سمندر کے کنارے درختوں میں ایک کیمپ بنایا ہوا ہے...... اس کیمپ کے اردگرد لوہے کی خاردار باڑ لگی ہوئی ہے جو زمین سے دس فٹ اوپر تک چلی گئی ہے...... اس کیمپ کی طرف جزیرے کے کسی مرد یا عورت کو جانے کی اجازت نہیں ہے...... عمران سوچنے لگا کہ اس جزیرے میں بھارتی فوج نے کس لئے گریژن بنایا ہوا ہے...... خاردار تاروں کی دیواروں کے اندر کیا ہو رہا ہے...... عمران کے لئے اس کی کھوج لگانا ضروری ہو گیا تھا...... اس نے لڑکی سے کہا۔

"میں پتہ لگانا چاہتا ہوں کہ یہاں فوج کس لئے رکھی گئی ہے اور کانٹے دار دیواروں کے اندر یہ فوجی کیا کر رہے ہیں"۔

لڑکی نے کہا۔

"ہم لوگ فوج کو تازہ دودھ اور تازہ مکھن سپلائی کرتے ہیں...... ہم نے کچھ گائیں پال رکھی ہیں...... ہمارا ایک آدمی روزانہ صبح کے وقت بیل گاڑی پر دودھ، مکھن لے کر جاتا ہے...... اور اس کی بیل گاڑی کو صرف کیمپ کے اندر لنگر تک جانے کی اجازت ہوتی ہے...... لانگری دودھ وغیرہ لے لیتا ہے اور ہمارا آدمی وہیں سے واپس آجاتا ہے"۔

کچھ دیر کے بعد لڑکی کا باپ قبیلے کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ واپس آگیا...... اس نے عمران سے کہا۔

"ہم نے بھارتی سپاہی کی لاش کو اس کی رائفل کے ساتھ ہی زمین میں گڑھا کھود کر دبا دیا ہے...... کسی کو پتہ نہیں چل سکے گا کہ وہ کہاں گم ہو گیا ہے"۔

یہ انہوں نے بڑا اچھا کیا تھا...... عمران نے لڑکی کے باپ سے کہہ دیا کہ اپنے فوجی

کی تلاش میں انڈین فوجی اس طرف ضرور آئیں گے...... جب وہ آئیں تو انہیں عمران کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔

"اگر آپ لوگوں نے میرے بارے میں بتا دیا تو بھارتی فوجی مجھے بھی گرفتار کر لیں گے اور آپ لوگوں کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

لڑکی کا باپ قبیلے کا سربراہ تھا...... وہ عمران کا زیر بار احسان تھا کہ عمران نے اس کی بیٹی کی عزت بچائی تھی...... وہ کہنے لگا۔

"ہمارے قبیلے کا کوئی آدمی تمہارے بارے میں زبان نہیں کھولے گا...... میں انہیں حکم دے دوں گا...... یہ لوگ میرے حکم پر عمل کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں"۔

لڑکی کے باپ کی باتوں سے عمران نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ لوگ بھارتی فوجیوں سے نفرت کرتے تھے، کیونکہ اس سے پہلے بھارتی فوج کے ایک دو فوجی قبیلے کی لڑکیوں کی عزت برباد کر چکے تھے...... قبیلے کے لوگوں کی بھارتی فوجیوں سے دشمنی عمران کے حق میں جاتی تھی...... وہ ابھی ان کے درمیان رہنا چاہتا تھا...... وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اتنی دور ایک جزیرے میں بھارتی فوج نے کس غرض کے لئے کیمپ لگایا ہوا ہے...... اس کیمپ میں ضرور کوئی پراسرار کام ہو رہا تھا، ورنہ صرف فوج کو مشق کرانے اور لیفٹ رائٹ کرانے کے لئے بھارتی ہائی کمانڈ کو اپنی ایک فوجی کمپنی اتنی دور سمندر کے ایک جزیرے میں بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی...... فوج کو ٹریننگ دینے اور قوائد کرنے کے لئے بھارت کے اپنے ملک میں بڑی جگہ تھی اور بڑے ٹریننگ سنٹر تھے۔

عمران صرف ان قبیلے والوں کی مدد سے ہی انڈین فوجی کیمپ کے اندر جا سکتا تھا...... اس کے لئے ان کی بھارتی فوج سے دشمنی کو استعمال کیا جا سکتا تھا...... کچھ ویسے بھی قبیلے کے لوگ عمران کی بڑی عزت کرنے لگے تھے کہ اس نے بڑی بہادری سے کام لے کر ان کے سربراہ کی بیٹی کی عزت بچائی تھی۔

اب ایسا ہوا کہ جب وہ فوجی سپاہی جس کو عمران نے ہلاک کیا تھا اور جزیرے کے قبیلے والوں نے جس کی لاش کو زمین میں دبا دیا تھا اپنے کیمپ میں واپس نہ آیا تو اس کی تلاش شروع ہو گئی...... ایک فوجی پارٹی قبیلے والوں کے گاؤں میں بھی آ گئی...... اس فوجی پارٹی کی آمد کی اطلاع قبیلے کے ایک آدمی نے پہلے ہی سردار کو دے دی...... عمران کو معلوم ہوا تو اس نے سردار سے کہا۔

"مجھے کسی جگہ چھپ جانا چاہئے...... آپ لوگ فوجی پارٹی کو میرے بارے میں کچھ نہ بتائیں، وہ آپ سے فوجی کی گمشدگی کا پوچھیں تو یہی کہیں کہ کوئی فوجی اس طرف نہیں آیا"۔

قبیلے کے سردار اور لڑکی کے باپ نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو"۔

اس کے بعد اس نے گاؤں کے سارے آدمیوں کو جمع کیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنے محسن کے بارے میں فوجیوں کو کچھ نہیں بتائیں گے...... سب قبیلے والوں نے اپنی زبان میں لڑکی کے باپ اور قبیلے کے سردار کے سامنے سر جھکا کر کہا کہ وہ اپنے مہمان اور محسن کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لائیں گے...... لڑکی کے باپ نے سب کو وہاں سے چلے جانے اور اپنا اپنا کام کرنے کی ہدایت کی اور عمران سے کہا۔

میرے ساتھ آؤ۔

وہ عمران کو لے کر جھونپڑی نما مکانوں کے پیچھے آ گیا...... یہاں ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا جس کی ڈھال میں ایک جگہ قدرتی غار بنا ہوا تھا...... لڑکی کے باپ نے عمران کو اس غار میں چھپا دیا اور کہا۔

"گھبرانا بالکل نہیں...... اس طرف کوئی بھارتی فوجی نہیں آئے گا"۔

وہ چلا گیا...... جانے سے پہلے غار کے منہ کے آگے جھاڑیوں کا ایک چھابہ سا رکھ

گیا جس سے غار باہر سے دکھائی نہیں دیتا تھا، لیکن اندر تازہ ہوا برابر آ رہی تھی......

عمران وہاں خاموش ہو کر بیٹھا رہا۔

کچھ دیر کے بعد اسے گاؤں کی جانب سے آدمیوں کی باتیں کرنے کی آوازیں آنے لگیں...... آوازیں ضرور اسے سنائی دے رہی تھیں مگر الفاظ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے...... وہ سمجھ گیا کہ اپنے سپاہی کی تلاش میں بھارتی فوجی پارٹی گاؤں میں آ گئی ہے...... دیر تک وہاں آوازیں سنائی دیتی رہیں...... پھر خاموشی چھا گئی...... کوئی آدھ گھنٹے بعد لڑکی کا باپ اور قبیلے کا سردار اس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"بھارتی فوجی آئے تھے...... کہہ رہے تھے کہ ان کا ایک لانس نائیک کہیں گم ہو گیا ہے...... اس طرف تو نہیں آیا؟ کسی نے اسے اس طرف آتے جاتے دیکھا تو نہیں؟ ہم نے کہا کہ اس طرف ہم نے کسی فوجی کو نہیں دیکھا...... اگر دیکھا ہوتا تو ہم آپ کو ضرور بتا دیتے...... بھارتی فوجی نے جو کیپٹن تھا کہا کہ ہم جھونپڑوں کی تلاشی لیں گے...... ہم کیسے انکار کر سکتے تھے...... ہم نے کہا...... ضرور تلاشی لیں...... ہم ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے...... وہ سات بھارتی فوجی تھے...... ہر ایک کے پاس ایک ایک رائفل تھی...... انہوں نے باری باری گاؤں کے تمام جھونپڑوں کی تلاشی لی...... گائیوں کے باڑے میں بھی جا کر دیکھا، مگر انہیں گم شدہ بھارتی سپاہی نہ ملا...... ان کے کیپٹن نے مجھے کہا کہ ہمارا انڈین آرمی کا ایک ایک سپاہی بڑا قیمتی ہے...... اگر تمہیں اس کا کوئی کھوج ملے تو ہمارے کیمپ میں آ کر کمانڈر صاحب کو فوراً خبر کرنا...... میں نے کہا...... ٹھیک ہے...... اس کے بعد وہ چلے گئے...... میرا خیال ہے کہ وہ اب نہیں آئیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"وہ اپنا کوئی جاسوس پیچھے نہ چھوڑ گئے ہوں...... اس لئے میرا ابھی غار سے نکلنا مناسب نہیں ہے...... میں اندھیرا ہونے کے بعد یہاں سے نکلوں گا...... اتنی دیر میں

تم یہ پتہ کرو کہ گاؤں میں ادھر ادھر کوئی اجنبی چہرے والا آدمی تو چل پھر نہیں رہا...... یا کسی بھکاری کے بھیس میں یا کسی سادھو جوگی کے بھیس میں تو کسی جگہ دھونی جما کر نہیں بیٹھا ہوا...... اگر تمہیں اپنے علاقے میں کوئی ایسا آدمی دکھائی دے تو اسے کچھ نہ کہنا...... صرف آ کر خبر کر دینا"۔

لڑکی کے باپ نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... ہم ایسا ہی کریں گے"۔

عمران سارا دن غار میں بند رہا...... دوپہر کو لڑکی آ کر اسے کھانا وغیرہ دے گئی...... شام ہو گئی تو لڑکی کا باپ خود آ گیا...... کہنے لگا۔

"ایک جوگی گاؤں سے تھوڑی دور ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔



عمران نے چونک کر کہا۔

”وہ بھارتی فوج کا جاسوس ہے...... اس سے خبردار رہنا، ہو سکتا ہے وہ رات کو تمہارے گاؤں میں تلاشی لینے کے لئے آئے...... تم لوگ اس سے خبردار رہنا...... میں ابھی اسی جگہ رہوں گا...... میرا گاؤں میں جا کر جھونپڑے مین رات گزارنا ہم سب کے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتا ہے“۔

لڑکی کے باپ کی سمجھ میں عمران کی بات آ گئی...... کہنے لگا۔

”تم جیسا کہہ رہے ہو ہم ویسے ہی کریں گے“۔

اس کے بعد وہ چلا گیا...... عمران سوچنے لگا کہ بھارتی کیمپ کمانڈر نے وہی کیا ہے جو اسے کرنا چاہئے تھا...... اس نے اپنا ایک جاسوس سادھو کے بھیس میں پیچھے چھوڑ دیا ہے...... عمران اس جاسوس کو ہلاک نہیں کر سکتا تھا...... اسے اب انتظار کرنا تھا کہ یہ جاسوس سادھو کب گاؤں کے باہر سے واپس جاتا ہے...... اتنی دیر تک وہ غار میں ہی رہنا چاہتا تھا...... اس کی شکل وہاں اجنبی تھی...... وہ قبیلے کے لوگوں سے ہر لحاظ سے مختلف تھا...... اس کا لباس مختلف تھا...... اس کا رنگ قبیلے والوں کی طرح گہرا سانولا نہیں تھا بلکہ گورا تھا...... وہ صاف پہچانا جا سکتا تھا کہ وہ اس قبیلے کا آدمی نہیں ہے۔

رات کو قبیلے کا ایک آدمی اسے غار میں ہی کھانا وغیرہ دے گیا...... رات گزر گئی...... دوسرے دن ناشتہ لے کر لڑکی کا باپ خود آ گیا...... اس نے کہا۔

”بھارتی فوج کا جاسوس کل گاؤں کے دو تین چکر لگا گیا تھا...... وہ بھیک مانگتا ہوا آیا

تھا اور بڑی گہری نگاہوں سے ہر ایک کو دیکھ رہا تھا“۔

عمران کہنے لگا۔

”میں نے اچھا کیا کہ گاؤں میں واپس نہیں گیا، ورنہ میرے ساتھ تم سب لوگوں پر بھاری مصیبت آ سکتی تھی...... بھارتی فوجی کمانڈو مجھے پکڑ کر لے جاتے اور اگرچہ میں نے انہیں گم شدہ سپاہی کے بارے میں کچھ نہیں بتانا تھا لیکن وہ تمہارے قبیلے کے سارے مردوں کو پکڑ کر کیمپ میں لے جاتے...... ان پر تشدد کرتے...... ہو سکتا ہے تشدد سے گھبرا کر کوئی آدمی یہ اعتراف کر لیتا کہ انہوں نے بھارتی فوجی کی لاش کو فلاں جگہ دفن کیا ہے...... اس کے بعد تم لوگوں کو ایک ایک کر کے پھانسی پر لٹکا دیا جاتا اور تمہاری عورتوں کو بھارتی فوجی اٹھا کر لے جاتے اور گاؤں کو آگ لگا دیتے“۔

عمران لڑکی کے باپ کو جس قدر ڈرا سکتا تھا اس نے اسے ڈرایا...... یہ بات کسی حد تک صحیح بھی تھی...... لڑکی کا باپ بہت ڈر گیا...... کہنے لگا۔

”تم فکر نہ کرو...... تمہارے بارے میں ہم کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیں گے“۔

عمران نے کہا۔

”جس وقت بھارتی جاسوس گاؤں سے چلا جائے تم مجھے آ کر خبر کر دینا...... میں گاؤں میں واپس آ جاؤں گا، اس کے بعد میں بھی تمہاری طرح گاؤں میں رہنے لگوں گا...... میں سارے کپڑے اتار کر تم لوگوں کی طرح جسم پر صرف ایک لہنگا پہن لوں گا اور ہاتھ میں نیزہ پکڑ لوں گا“۔

لڑکی کا باپ بولا۔

”تمہارا رنگ گورا ہے، مگر گھبراؤ نہیں...... ہم تمہارے جسم پر ایک درخت کی چھال کے رنگ کی مالش کر دیں گے...... تمہارے جسم کا رنگ بالکل ہماری طرح گہرا سانولا ہو جائے گا...... ہم تمہارے سر کے سارے بال کاٹ کر اپنے لوگوں کی طرح

کر دیں گے...... اس کے بعد تم جب تک چاہو ہمارے پاس رہ سکتے ہو...... اگر تم یہاں رہ کر بیاہ کرنا چاہو تو میں بڑی خوشی سے اپنی بیٹی کی شادی تم سے کر دوں گا"۔

عمران نے کوئی جواب نہ دیا...... لڑکی کا باپ کھانے کے برتن لے کر چلا گیا......

دوسری رات بھی عمران نے غار کے اندر ہی بسر کی...... اس کا اس جزیرے میں رہنا ضروری ہو گیا تھا...... ویسے بھی وہاں کوئی بحری جہاز نہیں آتا تھا جس پر سوار ہو کر عمران وہاں سے بھارت کے ہی کسی شہر کی طرف جا سکتا...... اسے ویسے بھی وہاں رہنا ہی تھا اور اب تو اسے ایک بہت بڑا جواز مل گیا تھا وہاں رہنے گا...... وہ پتہ لگانا چاہتا تھا کہ بھارتی فوج نے اس جزیرے میں کس غرض کے لئے کیمپ ڈال رکھا ہے اور کیمپ کے اردگرد کانٹے دار تاروں کی دیوار بھی کھڑی کر رکھی ہے۔

عمران کو غار میں رہتے ہوئے تین دن گزر گئے...... وہ صرف رات کے وقت غار سے نکل کر ٹیلے کی دوسری جانب کچھ دیر کے لئے ٹہلتا...... اس کے بعد پھر غار میں واپس آ جاتا...... لڑکی کا باپ ہر طرح سے اس کا خیال رکھ رہا تھا...... شاید اس نے اپنے دل میں اپنی بیٹی کی شادی عمران کے ساتھ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، کیونکہ جب اس نے عمران سے اپنی بیٹی کی شادی کی بات کی تھی تو عمران نے آگے سے نہ ہاں کہی تھی نہ ناں کہی تھی...... قبیلے کے سردار یعنی لڑکی کے باپ کو عمران کی شکل میں ایک خوش شکل جوان اور بہادر داماد مل رہا تھا...... اسے اور کیا چاہئے تھا، لیکن عمران کا اس طرف خیال تک نہیں جاتا تھا...... وہ اپنے مشن کے بارے میں ہی سوچتا رہتا تھا...... یہ مشن اس بات کی کھوج لگانا تھا کہ اس دور دراز جزیرے میں بھارت کی فوجی ہائی کمان نے اپنی فوج کی ایک کمپنی یا بریگیڈ کو کس لئے رکھا ہوا ہے، جبکہ اس طرف سے بھارت کو کوئی خطرہ بھی نہیں تھا...... یہ سارے جزیرے بھارت کے ملک کا حصہ تھے...... ان پر بھارت کی حکمرانی تھی...... یہی وہ معمہ تھا جس کو عمران نے حل کرنا تھا۔

جب عمران کو غار میں رہتے ہوئے چوتھا دن بھی گزر گیا تو پانچویں روز صبح کے

وقت لڑکی کا باپ یعنی قبیلے کا سردار عمران کے پاس آیا اور بولا۔

"جاسوس سادھو چلا گیا ہے...... وہ رات کو ہی چلا گیا تھا...... اب تم گاؤں میں آ سکتے ہو...... لیکن بہتر یہی ہو گا کہ تم قبیلے کے لوگوں کا حلیہ بنا کر گاؤں آؤ، کیونکہ اگر جاسوس سادھو پھر اچانک کسی وقت آ گیا تو وہ تمہیں شناخت نہ کر سکے گا، کیونکہ تمہارا حلیہ قبیلے کے دوسرے لوگوں کی طرح ہو گا"۔

لڑکی کے باپ کو قبیلے کے لوگ بھاتو کے نام سے پکارتے تھے...... یہ گاؤں کے قبیلے کا سردار بھی تھا...... اب ہم لڑکی کے باپ کو اسی نام سے یاد کریں گے...... بھاتو نے بالکل صحیح بات کی تھی...... عمران کو چونکہ ابھی اس گمنام جزیرے پر اس وقت تک رہنا تھا جب تک کہ جزیرے پر انڈین آرمی کی موجودگی کا معمہ حل نہیں ہو جاتا اس لئے وہ راضی ہو گیا...... اسی روز سردار بھاتو اپنے ساتھ ایک آدمی لایا جس نے عمران کے سارے جسم پر کسی درخت کی چھال کے نسواری رنگ روغن کی مالش کر دی...... یہ رنگ اس کے جسم کے مساموں میں گھس گیا اور عمران کے جسم کا رنگ گہرا سانولا ہو گیا، جس طرح کہ قبیلے کے دوسرے لوگوں کا تھا...... اس کے بعد اس کے سارے انگریزی فیشن کے کپڑے اتار کر اسے گھٹنوں تک ایک لہنگا پہنا دیا گیا...... سر پر سیمرغ کے دو پروں والی پٹی باندھی گئی...... باقی سارا جسم ننگا ہی رہنے دیا...... اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ دے دیا گیا...... جب عمران بالکل تیار ہو گیا تو سردار بھاتو نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اب تم میں اور قبیلے کے دوسرے آدمیوں کے حلیے میں کوئی فرق نہیں ہے...... اب تم میرے ساتھ گاؤں آ سکتے ہو"۔

اور عمران بھاتو کے ساتھ گاؤں میں آ گیا...... سردار نے قبیلے کے لوگوں کو ایک جگہ جمع کر کے کہا۔

"یہ نوجوان اب ہمارے قبیلے کا ایک فرد بن گیا ہے...... اس کا نام میں نے آمو رکھا ہے...... اس کے ساتھ میں نے اپنی بیٹی ساکشی کی شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا

ہے...... بہت جلد یہ شادی بڑی دھوم دھام سے کی جائے گی...... آمو میرے باپ کے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے...... یہ شہر میں پڑھا ہے، مگر اب یہ شہر چھوڑ کر ہمارے پاس رہنے کے لئے آگیا ہے...... تم لوگ جس طرح میری عزت کرتے ہو اس کی بھی عزت کرو گے، کیونکہ میری موت کے بعد یہی تمہارا سردار ہوگا"۔

قبیلے کے کل ساٹھ ستر کے قریب مرد تھے...... باقی ان کی عورتیں اور بچے تھے...... لوگوں نے کسی دیوتا کا نام لے کر نعرے بلند کئے اور اپنی خوشی کا اظہار کیا...... قبیلے کے سردار کی لڑکی ساکشی بھی وہاں موجود تھی...... سردار بھاتو نے کہا۔

"دیوتاؤں کی رسم کے مطابق میری بیٹی ساکشی اپنے ہونے والے دولہا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس بات کا اعلان کرے گی کہ اس نے آمو کو بطور اپنے جیون ساتھی کے قبول کرلیا ہے"۔

سردار کی بیٹی ساکشی شرماتی ہوئی آگے بڑھ کر کمانڈو عمران کے پاس آئی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا...... اس کے ساتھ ہی قبیلے کے لوگوں نے نعرے لگا کر اور نیزے ہوا میں لہرا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا...... سردار نے کہا۔

"اس خوشی میں دعوت شروع کی جاتی ہے"۔

وہاں پھل، بھنی ہوئی مچھلیاں اور ابلے ہوئے موٹے چاول مٹی کے برتنوں اور کیلے کے چوڑے پتوں میں پڑے تھے...... سب لوگ کھانے پر ٹوٹ پڑے...... کمانڈو عمران کو سردار نے کہا۔

"آمو! تم بھی دعوت میں شریک ہو جاؤ...... تم خاموش کیوں کھڑے ہو...... کیا تمہیں یہ شادی قبول نہیں؟"۔

عمران نے فوراً کہا۔

"کیوں نہیں سردار بھاتو...... مجھے تو یہ شادی دل و جان سے قبول ہے"۔

ساکشی عمران کے ساتھ لگ گئی...... کمانڈو عمران کو یہ سب کچھ کسی فلم کے سین

کی طرح لگ رہا تھا...... وہ ایک فرضی کردار ادا کر رہا تھا، جس کا نام آمو تھا اور جو ایک ویران جزیرے کے سردار کی بیٹی ساکشی سے بیاہ کرنے والا تھا...... اس کے لئے جزیرے پر ہر حالت میں اس وقت تک رہنا ضروری تھا جب تک کہ اسے یہ پتہ نہیں چل جاتا کہ وہاں انڈین آرمی نے کس غرض کے پیش نظر چھاؤنی ڈال رکھی ہے...... سردار کی بیٹی ساکشی بڑی خوش تھی کہ اسے ایک خوبصورت اور بہادر خاوند مل گیا ہے...... کمانڈو عمران نے بھی ان لوگوں کو یہی یقین دلایا تھا کہ اب وہ ان لوگوں کے پاس ہی باقی زندگی گزارے گا...... اسے ان لوگوں کا سادہ اور نیچرل طرز زندگی بہت اچھا لگتا ہے اور اب وہ کبھی شہر کی مصنوعی زندگی کی طرف واپس نہیں جائے گا...... کمانڈو عمران نے یہ سب جھوٹ بولا تھا، مگر یہ جھوٹ بھی بہت ضروری تھا اور اس کے مشن کا حصہ تھا۔

سردار بھاتو نے اعلان کر دیا کہ اگلے ماہ چاند کی پہلی تاریخ کو وہ اپنی بیٹی ساکشی کا بیاہ اپنے بعد سردار بننے والے بہادر نوجوان آمو کے ساتھ کر دے گا۔

پندرہ بیس دن گزر گئے...... اس دوران صرف ایک بار انڈین ملٹری انٹیلی جنس کا سادھو گاؤں میں بھیک مانگتے دیکھا گیا...... وہ یہ تصدیق کرنے آیا تھا کہ گاؤں میں کوئی اجنبی شخص تو موجود نہیں ہے، کیونکہ وہاں پر مقیم بھارتی فوجی یونٹ کا ایک سپاہی غائب ہو گیا تھا جس کا ابھی تک سراغ نہیں مل رہا تھا...... بھارتی فوج کے یونٹ کمانڈر کو شک تھا کہ ان کے سپاہی کو گاؤں کے کسی آدمی نے ہلاک کر کے غائب کر دیا ہے...... اسی وجہ سے انٹیلی جنس نے اپنا ایک آدمی سادھو کے بھیس میں گاؤں میں بھیجا تھا...... گاؤں میں وقفوں وقفوں سے تین چار چکر لگانے کے بعد انٹیلی جنس کے سادھو کو وہاں کوئی اجنبی شخص نظر نہ آیا تو اس نے یونٹ کمانڈر کو جا کر رپورٹ کر دی کہ اپنے فوجی جوان کو گاؤں کے کسی آدمی نے قتل نہیں کیا...... خیال ہے کہ اسے کوئی درندہ اٹھا کر جنگل میں لے گیا ہوگا اور وہیں اسے ہڑپ کر گیا ہوگا۔

جب گاؤں میں ملٹری انٹیلی جنس کے سادھو نے آنا جانا ترک کر دیا تو عمران نے بھی اپنے مشن کے بارے میں پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے...... اس نے اپنے ہونے والے خسر سردار بھاتو کو اس بات کا قائل کر لیا تھا کہ جزیرے میں مقیم انڈین ملٹری کے بارے میں یہ کھوج لگانی بہت ضروری ہے کہ وہ اس جزیرے میں کس لئے تعینات ہیں...... اس نے سردار بھاتو کو یہ کہہ کر بھی ڈرا دیا کہ ہو سکتا ہے بھارتی حکومت اپنی فوج کے ساتھ مل کر جزیرے پر کسی ایٹمی دھماکے کی تیاریاں کر رہی ہو۔

"سردار! اگر اس جزیرے کے آس پاس سمندر میں کسی جگہ بھارت نے ایٹمی دھماکہ کیا تو اس جزیرے میں ایٹمی تابکاری پھیل جائے گی اور جزیرے کے سارے مرد عورتیں اور بچے اور جانور اذیت ناک موت مر جائیں گے"۔

سردار بھاتو ڈر گیا تھا اور اس نے عمران کو کہہ دیا تھا کہ وہ کسی طریقے سے پتہ لگائے گا انڈین آرمی جزیرے میں کیا کر رہی ہے...... سردار نے کہا۔

"میں اس سلسلے میں تمہاری جو مدد ہو سکی کروں گا...... یہ ہم سب کی زندگی اور موت کا مسئلہ بن گیا ہے"۔

عمران نے سردار سے کہا۔

"اس کے لئے مجھے کسی طریقے سے بھارتی فوجی چھاؤنی کے اندر جانا ہوگا، اور یہ دیکھنا ہوگا کہ فوجی وہاں کیا کر رہے ہیں اور کیا انڈیا نے وہاں کوئی ایٹمی پلانٹ تو نہیں لگا رکھا"۔

سردار بولا۔

"آمو! یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے اور اس کی کھوج صرف تم ہی لگا سکتے ہو، کیونکہ تم پڑھے لکھے نوجوان ہو اور سب کچھ سمجھتے ہو...... تم جو کہو گے میں تمہارے لئے کروں گا"۔

عمران نے کہا۔

"فوجی کیمپ میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہفتے میں دو تین بار

گاؤں سے جو بیل گاڑی فوجیوں کے لئے سبزی، ترکاری اور تازہ مکھن وغیرہ لے کر جاتی ہے میں کسی طرح اس بیل گاڑی کے ساتھ کیمپ میں چلا جاؤں اور اپنی آنکھوں سے خود دیکھوں کہ کیمپ کے اندر کیا ہو رہا ہے"۔

سردار نے کہا۔

"یہ کوئی مشکل نہیں ہے...... جزیرے کے فوجی کیمپ میں میں ہی فوج کو دودھ، مکھن اور تازہ سبزیاں وغیرہ سپلائی کرتا ہوں...... میرے دو آدمی بیل گاڑی میں یہ چیزیں لے کر کیمپ میں جاتے ہیں...... اگرچہ انہیں کیمپ کے لنگر خانے سے کہیں ادھر ادھر جانے کی اجازت نہیں ہوتی، لیکن اگر تم بیل گاڑی کے ساتھ چلے جاؤ تو کیمپ کے لنگر کے قریب رہ کر بھی اندازہ لگا سکتے ہو اور بہت کچھ دیکھ سکتے ہو"۔

عمران بولا۔

"کیوں نہیں، مگر سردار کیمپ کے پہرے دار فوجی بیل گاڑی لے جانے والے آدمیوں کو تو پہچانتے ہوں گے...... کسی دوسرے آدمی کی جگہ میں بیل گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا تو انہیں شک پڑ جائے گا کہ یہ اجنبی آدمی کیوں اور کہاں سے آ گیا ہے"۔

سردار نے کہا۔

"یہ تمہارا اپنا خیال ہے...... وہاں اس قسم کے حالات نہیں ہیں...... ہمارے جو دو آدمی راشن سپلائی کرنے والی بیل گاڑی لے کر کیمپ میں جاتے ہیں وہ آدمی ہفتے دس دن کے بعد بدل دیئے جاتے ہیں، بلکہ خود کیمپ کمانڈر کا حکم ہے کہ ایک ہفتے بعد آدمیوں کی بدلی کر دی جائے...... اس لئے اگلے ہفتے جن آدمیوں کو بدل کر بھیجا جائے گا ان میں ایک تم بھی ہو گے"۔

دوسرے ہفتے جو دو آدمی دودھ، مکھن اور سبزی ترکاری کی تازہ سپلائی والی بیل گاڑی لے کر فوجی کیمپ کی طرف چلے ان میں ایک کمانڈو عمران تھا اور ایک دوسرا آدمی تھا...... عمران تھوڑی تھوڑی قبیلے کے لوگوں کی زبان سمجھنے لگا تھا...... باقی وہ اپنا مفہوم

اشاروں سے سمجھادیتا تھا۔

بیل گاڑی دوسرا آدمی چلا رہا تھا...... کمانڈو عمران قبیلے کے عام آدمیوں کے حلیے میں سبزی ترکاریوں کے بڑے ٹوکروں کے درمیان بیل گاڑی میں بیٹھا تھا...... بیل گاڑی معمول کے راستے پر سست رفتار کے ساتھ چلی جارہی تھی...... گاڑی کے آگے صرف ایک بیل جتا ہوا تھا...... قبیلے کے سردار بھاتو نے کمانڈو عمران کو تاکید کردی تھی کہ وہ کیمپ میں جاکر اپنے آپ کو گونگا ظاہر کرے...... یہ بات اس نے عمران کے ساتھ جان والے دوسرے آدمی کو بھی سمجھادی تھی...... یہ احتیاط اس لئے برتی گئی تھی کہ کمانڈو عمران ان لوگوں کی زبان نہیں بول سکتا تھا...... اس سے فوجیوں کو اس پر شک پڑسکتا تھا کہ یہ اجنبی آدمی کہاں سے آگیا ہے...... راستے میں عمران اپنے ساتھی سے تھوڑی باتیں کرتا رہا تاکہ اس کی زبان درست ہوجائے اور ان کی بولی اچھی طرح سے سمجھنے لگے...... کیمپ کا گیٹ دور سے نظر آیا تو اس کے ساتھی نے اشارے سے عمران کو منع کردیا کہ وہ اب نہ بولے اور گونگا بن جائے...... کیمپ کا گیٹ لکڑی اور بانس کے ڈنڈے لگاکر بنایا گیا تھا...... گیٹ کی دونوں جانب خاردار تار والی اونچی دیوار مشرق اور مغرب کی سمت چلی گئی تھی...... کیمپ کے گیٹ پر لکڑی کے تختے جوڑکر ایک گارڈ روم بنایا گیا تھا جہاں ایک فوجی سنتری رائفل لئے کھڑا تھا...... بیل گاڑی کو آتے دیکھ کر وہ گیٹ کے پاس آگیا۔

بیل گاڑی گیٹ کے باہر ہی کھڑی ہوگئی...... فوجی سنتری نے ایک نظر دونوں آدمیوں یعنی عمران اور اس کے ساتھی کو دیکھا...... پھر گاڑی کی مختصر سی تلاشی لی...... سبزی ترکاری کے ٹوکروں اور دودھ کے بڑے برتنوں کو اوپر نیچے دیکھا اور آدھا گیٹ کھول دیا...... بیل گاڑی کیمپ میں داخل ہوگئی...... عمران نے فوجی سنتری کی وردی اور اس کے کندھے کو غور سے دیکھا...... سنتری کی وردی انڈیا کی فوج کی سبز وردی تھی اور سنتری کے کندھے پر لانس نائیک کا نشان تھا...... کسی جگہ بھی وہاں رجمنٹ کا نام نہیں

ھا ہوا تھا...... بیل گاڑی ناریل کے درختوں کے درمیان بنائی ہوئی چھوٹی سی سڑک پر چلی جارہی تھی...... عمران خاموشی سے ایک ایک چیز کا مشاہدہ کررہا تھا...... کیونکہ ابھی تک اسے وہاں کسی جگہ مشین گن کا مورچہ دکھائی نہیں دیا تھا...... اس کی وجہ یہی ہوسکتی تھی کہ کیمپ کمانڈر اس خیال سے مطمئن تھا کہ وہ ملک سے دور ایک جزیرے میں ہے اور وہاں کسی تخریب کار کے آنے کا کوئی امکان نہیں تھا...... اسے کیا خبر تھی کہ اس کے سر پر کمانڈو عمران کی شکل میں قیامت منڈلانے لگی ہے۔

چھوٹی سڑک ایک طرف کو گھومی تو سامنے کھلی جگہ آگئی جہاں ایک جانب فوجی بارکیں بنی ہوئی تھیں...... دوسری جانب بھی بارکیں تھیں...... کچھ فوجی ادھر ادھر چلتے پھرتے دکھائی دے رہے تھے...... دو سنتری ایک بارک کے بند دروازے کے باہر پہرے پر کھڑے تھے...... شاید ان بارکوں میں اسلحہ وغیرہ کا ذخیرہ تھا...... بیل گاڑی کیمپ کے لنگر خانے یعنی بڑے کچن کے پاس ایک طرف ہوکر کھڑی ہوگئی...... طے شدہ پروگرام کے مطابق عمران اور دوسرا آدمی گاڑی سے اتر کر سبزیوں کے ٹوکرے اٹھا اٹھا کر لنگر خانے کے برآمدے میں رکھنے لگے...... دو لانگری بھی وہاں آگئے اور عمران کے ساتھی سے ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی زبان میں باتیں کرنے لگے...... پھر ان میں سے ایک فوجی نے عمران کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا۔

”تم کون ہو جوان...... تم کو پہلے نہیں دیکھا“۔

عمران احمقوں کی طرح ہنس پڑا اور گونگوں کی طرح غوں غاں شروع کردی...... دوسرے آدمی نے فوجیوں کو بتایا کہ یہ سردار کا بھانجہ ہے اور گونگا ہے...... دوسرے جزیرے سے رات کو ہی آیا ہے...... اب یہ ہمارے ساتھ ہی کام کرے گا...... ایک لانگری نے عمران کو بڑا فحش مذاق کیا...... عمران بے وقوفوں کی طرح بس اسے دیکھتا ہی رہا...... اس نے آگے سے کسی قسم کے رد عمل کا اظہار نہ کیا اور اپنے ساتھی کے ساتھ مل کر دودھ کے برتن کچن میں رکھوانے لگا۔

دونوں لانگری اب کچن میں آ گئے تھے...... عمران دوسرا پھیرا لگانے کے بعد طے شدہ منصوبے کے مطابق بیل گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا...... اس کی تیز عقابی نگاہیں کیمپ کی ایک ایک بارک کا جائزہ لے رہی تھیں...... بارکوں کے درمیان ایک لکڑی کے کمرے کے باہر ایک فوجی پہرے پر کھڑا تھا...... یہ شاید کیمپ کمانڈر کا آفس تھا...... اچانک عمران کی نظر ایک طرف گئی تو اس نے دو فوجی جوانوں کو دیکھا جو ایک رولر پر سٹین لیس سٹیل کی چمکیلی مشین سی رکھے اسے کمانڈر کے آفس کی بغلی دیوار کی طرف لے جا رہے تھے...... ان کے ساتھ ایک سفید لمبے کوٹ والا آدمی بھی تھا...... اس سفید لمبے کوٹ والے آدمی کو دیکھ کر عمران کا ماتھا ٹھنکا...... یہ سائنس دان ہی ہو سکتا تھا...... کمانڈر آفس کی دیوار کے ساتھ ایک راستہ نیچے زمین دوز جاتا تھا...... دونوں فوجی جوان چمکتی ہوئی گیند نما چھوٹی سی مشین کو رولر کے ذریعے کھینچتے زمین دوز راستے پر سے گزار کر زمین کے اندر چلے گئے...... سفید کوٹ والا سائنس دان بھی اس کے ساتھ ہی نیچے اتر گیا...... نیچے یقینی طور پر کوئی تہہ خانہ تھا جہاں کسی پراسرار منصوبے پر کام ہو رہا تھا۔

یہ کسی بہت بڑے فوجی راز کا معمولی سا سراغ تھا...... عمران سمجھ گیا کہ جو کچھ ہے زمین کے نیچے ہی ہے اور زمین کے نیچے ہی کسی بہت بڑے پراجیکٹ پر کام ہو رہا ہے...... اسے اس تہہ خانے میں جا کر کھوج لگانا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے...... یہی وہ خفیہ پراجیکٹ تھا جس کی خاطر بھارت کی فوجی ہائی کمان نے اس دور دراز جزیرے میں آ کر کیمپ لگوایا تھا اور اسی پراجیکٹ کی حفاظت کی خاطر کیمپ کے ارد گرد نوکیلے تاروں سے اونچی خاردار دیوار بنائی گئی تھی اور سیکورٹی کا اتنا زیادہ انتظام کیا گیا تھا...... اتنے میں بیل گاڑی کا سارا سامان لنگر خانے کے اندر رکھوا دیا گیا...... بیل گاڑی خالی ہو گئی تو عمران کا ساتھی گاڑی پر آ کر بیٹھ گیا...... اس نے بیل کو پیچھے کی طرف گھمایا اور واپس چل پڑا...... عمران کو اتنی کامیابی ضرور ہوئی تھی کہ اسے کسی خفیہ منصوبے کا ابتدائی سراغ مل گیا تھا...... اس زمین دوز تہہ خانے میں کس قسم کا منصوبہ زیر تکمیل تھا؟ اس فوجی

منصوبے کی نوعیت کیا تھی؟ اور وہاں کتنے سائنس دان کام کر رہے تھے؟ یہ وہ سوال تھے جن کے جواب کمانڈر عمران حاصل کرنا چاہتا تھا اور یہی اب اس کا مشن بن گیا تھا...... وہ ان سوالوں کے جواب حاصل کئے بغیر اور بھارتی فوجی ہائی کمان کے اس پراسرار منصوبے کا پورا سراغ لگائے بغیر اس جزیرے سے واپس نہیں جا سکتا تھا۔

واپس گاؤں میں آ کر اس سے سردار بھاتو نے پوچھا کہ کیا اسے فوجی کیمپ میں کوئی ایسی غیر معمولی شے نظر آئی کہ جو اس گاؤں کی تباہی کا باعث ہو سکتی ہو...... کمانڈو عمران سردار بھاتو کو اس لئے بھی زیادہ ڈرانا چاہتا تھا کہ وہ اس مشن کی تکمیل میں زیادہ سے زیادہ اس کی مدد کرے اور مکمل رازداری سے کام لے...... صرف اسی صورت میں قبیلے کا سردار اس کے ساتھ بھرپور تعاون کر سکتا تھا...... کمانڈو عمران سردار بھاتو کو لے کر ایک طرف بیٹھ گیا اور اس نے کہا۔

"میرا شک صحیح نکلا ہے سردار...... اس فوجی کیمپ میں بھارتی فوجی ایک بہت بڑا ایٹمی دھماکہ کرنے کے منصوبے پر کام کر رہے ہیں" یہ دھماکہ زمین کے اندر کیا جائے گا، جس وقت یہ خفیہ دھماکہ کیا جائے گا تو اس وقت جزیرے سے ساری بھارتی فوج جا چکی ہو"۔

سردار نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

"اس دھماکے کا کیا اثر ہو گا؟ وہ تو زمین کے اندر کیا جائے گا...... کیا اس کا اثر زمین کے باہر بھی پڑے گا؟"۔

عمران نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"یہی بھارتی فوجی دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس ایٹمی دھماکے کا زمین کے اوپر کیا اثر ہو گا...... اس مقصد کے لئے وہ خود تو جزیرے کو چھوڑ کر چلے جائیں گے لیکن اس گاؤں کے لوگوں یعنی آپ لوگوں کو یہ نہیں کہیں گے کہ ہم زمین کے اندر دھماکہ کرنے والے ہیں، اس لئے آپ لوگ جزیرے کو چھوڑ کر کسی دوسرے جزیرے میں چلے جاؤ"۔

"کیوں؟" سردار نے پوچھا...... "وہ ایسا کیوں کریں گے؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"وہ آپ لوگوں کو اس طرح استعمال کرنا چاہتے ہیں جس طرح کوئی نئی دوا چوہوں پر آزمائی جاتی ہے...... اگر اس دوائی سے چوہوں پر برا اثر پڑے یا چوہے مر جائیں تو اس دوائی کو انسانوں کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا...... اسی طرح وہ آپ لوگوں کو گاؤں میں ہی رکھ کر یہ تجربہ کریں گے کہ زیر زمین ایٹمی دھماکے کا زمین کے اوپر رہنے والے انسانوں پر کیا اثر ہوتا ہے"۔

سردار بھاتو نے کچھ خوف زدہ ہو کر کہا۔

"تمہارے خیال میں زمین کے اندر کئے جانے والے دھماکے کا زمین کے اوپر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"دھماکے کے بعد ایٹمی شعاعیں زمین کے اندر سے نکل کر باہر جزیرے پر بھی آجائیں گی اور اس کا بڑا خطرناک اثر بھی ہو سکتا ہے...... زمین کے اوپر سارے درخت ایک دم سوکھ جائیں...... ندی کا پانی زہر آلود ہو جائے اور انسانوں کے جسم پر آبلے پڑ جائیں، یا ان کی کھال اپنے آپ ادھڑنی شروع ہو جائے...... ایسا نہیں بھی ہو سکتا...... بس کہ فوجی ہائی کمان یہی دیکھنا چاہتی ہے کہ دھماکے کے بعد ایٹمی تابکاری کا اثر زمین کے اوپر کسی مخلوق پر کیا ہوتا ہے...... وہ ایک طرح سے ہمیں چوہوں کی طرح استعمال کرنا چاہتی ہے"۔

سردار بہت زیادہ خوف زدہ ہو گیا تھا...... کہنے لگا۔

"اگر یہ بات ہے تو ہم راتوں رات یہاں سے نکل کر کسی دوسرے جزیرے پر چلے جاتے ہیں"۔

کمانڈو عمران یہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ لوگ جزیرے سے چلے جائیں، کیونکہ ان

لوگوں کے تعاون ہی سے وہ بھارتی فوجی ہائی کمان کے خفیہ منصوبے کا سراغ لگا سکتا تھا...... اگر گاؤں کے لوگ چلے جاتے ہیں تو وہ وہاں اکیلا رہ کر کچھ نہیں کر سکتا تھا......

اس نے فوراً سردار سے کہا۔

"ابھی ہمیں جزیرہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ابھی یہ لوگ کم از کم دو مہینے تک دھماکہ نہیں کریں گے...... میں ان کی سراغ رسانی کرتا رہوں گا...... جب انہوں نے دھماکے کی تیاریاں شروع کیں ہمیں پتہ چل جائے گا...... سب سے پہلے یہ لوگ خود یہاں سے سمندری جہاز میں بیٹھ کر چلے جائیں گے...... جس وقت فوجیوں نے یہاں سے نکلنا شروع کیا سمجھ لینا کہ یہ دھماکہ کرنے والے ہیں...... اس کے ساتھ ہی ہم لوگ بھی رات کے اندھیرے میں یہ جزیرہ چھوڑ کر دوسرے جزیرے میں چلے جائیں گے...... ابھی ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب تک بھارتی فوجی یہاں پر ہیں...... یہ لوگ دھماکہ نہیں کر سکتے"۔

یہ بات سردار بھاتو کی سمجھ میں آگئی...... کہنے لگا۔

"اب ہم بے فکر ہو کر یہاں رہ لیں گے...... جس روز یہاں کے فوجیوں نے نکلنا شروع کیا اسی روز رات کو ہم خاموشی سے کشتیوں میں بیٹھ کر دوسرے جزیرے میں چلے جائیں گے جو یہاں سے کافی دور ہے...... یہ لوگ ہمیں وہاں تلاش نہیں کر سکیں گے"۔

سردار بھاتو کی طرف سے کمانڈو عمران مطمئن ہو گیا...... اب وہ سکون کے ساتھ بھارتی فوجی ہائی کمانڈ کے پراسرار منصوبے کی سراغ رسانی کر سکتا تھا، لیکن ایک طرح سے وہ بالکل بے بس تھا...... اس کے پاس سوائے ایک بھرے ہوئے پستول کے اور کچھ بھی نہیں تھا...... اس کے پاس کوئی ایسا دھماکہ خیز مواد بھی نہیں تھا کہ جسے وہ کسی طریقے سے فوجی کیمپ کے زیر زمین تہہ خانے میں لگا کر اسے دھماکے سے اڑا سکتا...... بلکہ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ فوجی کیمپ کے تہہ خانے میں جاسوسی کرنے کس

طرح جاسکے گا...... وہ اکیلا تھا اور اس کے پاس کوئی وسیلہ نہیں تھا...... صرف وہاں کے قبیلے کے لوگوں کا حلیہ بنا لینے سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا...... اگر کچھ ہو سکتا تھا تو یہی ہو سکتا تھا کہ وہ سبزی ترکاری کی سپلائی لے کر فوجی کیمپ میں جائے اور دور سے تہہ خانے میں جانے والے راستے کا مشاہدہ کر سکے کہ اندر کون جاتا ہے اور کون باہر آتا ہے...... یہ کوئی بات نہیں تھی...... اصل میں ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ کسی طریقے سے تہہ خانے میں جائے اور معلوم کرے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے...... ظاہر ہے وہاں کسی مہلک فوجی مواد یا ہتھیار کی تیاری ہو رہی تھی اور یہ مہلک جنگی مواد یا ہتھیار پاکستان کے خلاف استعمال کرنے کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔

تین دن کے بعد عمران پھر اپنے ساتھی کے ہمراہ بیل گاڑی میں بیٹھ کر فوجی کیمپ کی سپلائی لے کر گیا...... لنگر خانے میں سبزیوں، ترکاریوں کے ٹوکرے اتارتے ہوئے اس نے بار بار کمانڈر کے آفس کے پہلو میں واقع اس دروازے کو دیکھا جہاں سے زیر زمین تہہ خانے کو سیڑھیاں اترتی تھیں...... وہاں کسی قسم کی کوئی نقل و حرکت نہیں تھی...... صرف ایک فوجی رائفل سنبھالے پہرے پر کھڑا تھا...... کمانڈو عمران دور سے اسے تکتا رہا...... وہ اس کے قریب نہیں جا سکتا تھا...... اس طرف ایک قدم بھی جانے کی انہیں اجازت نہیں تھی...... اتنے میں سبزیوں کے ٹوکرے خالی کر کے بیل گاڑی میں رکھ دیئے گئے اور وہ بیل گاڑی میں بیٹھ کر جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے واپس چل پڑے۔

اس قسم کی بے بسی اور مجبوری کا کمانڈو عمران کو پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا...... اسے ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ چلتے چلتے ایک ایسے مقام پر آ گیا ہے جہاں اس کے سامنے پتھر کی دیوار کھڑی ہے اور وہ آگے نہیں جا سکتا...... صرف واپس آ سکتا ہے اور عمران واپس نہیں آنا چاہتا تھا...... آگے بڑھنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا...... اتنا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس فوجی کیمپ کے زیر زمین تہہ خانے میں پاکستان کے خلاف

کوئی مہلک ہتھیار تیار کیا جارہا ہے اور یہ اس قدر حساس اور تباہ کن ہتھیار ہے کہ اس کی تیاری بھارت کے کسی شہر کی بجائے ایک دور دراز جزیرے کی فوجی لیبارٹری میں ہو رہی ہے...... بھارت ایٹمی طاقت بن چکا تھا...... وہ جنگ کی صورت میں پاکستان کے کسی شہر پر ایٹم بم تو نہیں گرا سکتا تھا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے پاکستان پر ایٹم بم گرایا تو پاکستان بھی دلی پر ایٹم بم گرا دے گا...... اب بھارت کی فوجی ہائی کمانڈ اس کوشش میں تھی کہ ایٹمی توانائی کی مدد سے کوئی ایسی خطرناک چیز تیار کی جائے جو چھوٹے سے چھوٹے بم کی شکل میں ہو اور جس کے پھٹنے سے زبردست تباہی ہو لیکن ہزار تحقیق کے باوجود ماہر سائنس دان یہ معلوم نہ کرسکے کہ اس مہلک ہتھیار میں ایٹمی جوہر استعمال کیا گیا ہے تاکہ بھارت ایٹم بم چلانے کے الزام سے بچا رہے......

کمانڈو عمران کو یقین تھا کہ اس بھارتی فوجی کیمپ کی آرسنل لیبارٹری میں وارہیڈ قسم کا کوئی انتہائی تباہ کن جوہری بم تیار کیا جارہا ہے، جو دیکھنے میں چاول کے دانے کے سائز کا ہوگا، لیکن جب اسے عام روایتی میزائل کے آگے لگا کر فائر کیا جائے گا تو وہ ٹارگٹ پر پھٹنے کے بعد ایک ہزار دستی بموں کے برابر تباہی مچائے گا...... ضابطہ جنگ کی رو سے یہ ایک انتہائی کمینی حرکت تھی، مگر بھارت سے اس قسم کی حرکت کی توقع کی جاسکتی تھی۔

سب سے پہلے کمانڈو عمران کو اس منصوبے کی تصدیق کی ضرورت تھی...... یعنی اسے اس بات کا یقینی ثبوت مل جانا چاہئے تھا کہ کیمپ کے زمین دوز تہہ خانے یا لیبارٹری میں اسی قسم کا چھوٹے سے چھوٹا جوہری بم تیار کیا جارہا ہے...... اس کے بعد اسے زیر زمین لیبارٹری کو تباہ و برباد کرنے کی منصوبہ بندی کرنی تھی...... کمال کی بات یہ تھی کہ کمانڈو عمران کے پاس ٹائم بم تو بڑی دور کی بات ہے ایک عام پٹاخہ بھی نہیں تھا...... اتنی بے بسی کی حالت اس کی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی...... اس نے جس ٹارگٹ کو مارنا تھا اس تک پہنچنے کا بھی اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

وہ اسی الجھن میں جزیرے میں اکیلا ادھر ادھر نکل جاتا اور کسی جگہ بیٹھ کر سوچنے

لگتا کہ اسے کیا کرنا چاہئے اور وہ کیا کرسکتا ہے...... کوئی غیبی امداد ہی اس کا مسئلہ حل کرسکتی تھی اور آخر یہ غیبی امداد اس کو مل گئی...... ایک دن وہ اپنے خیالات میں الجھا ہوا ٹہلتا ٹہلتا جزیرے کے اس جانب نکل گیا جہاں فوجی کیمپ کی خاردار دیوار سوڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر تھی...... اس طرف بڑے بڑے درخت تھے اور سمندر کا کنارا وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا...... وہ ایک درخت کی اوٹ میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کہ اسے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی...... یہ آواز درختوں کے پیچھے سے آرہی تھی اور قریب ہوتی جارہی تھی...... یہ آدمی انگریزی اور اردو میں باتیں کررہے تھے۔

عمران سمجھ گیا کہ یہ فوجی کیمپ کے پڑھے لکھے آدمی ہیں اور پڑھے لکھے آدمی وہاں سائنس دان یا فوجی آفیسر ہی تھے...... باقی سارے عام سپاہی تھے...... عمران درخت کی اوٹ سے نکل کر جھاڑیوں کے پیچھے ہو گیا۔ جس طرف سے آوازیں آرہی تھیں اس طرف دیکھنے لگا...... اسے دو آدمی نظر آئے جنہوں نے ڈاکٹروں اور سائنس دانوں والے کپڑے کے سفید لمبے کوٹ پہن رکھے تھے...... دونوں کے ہاتھ میں ایک ایک چھڑی تھی اور وہ آرام آرام سے ٹہلتے چلے آرہے تھے...... وہ اسی طرف آرہے تھے جہاں عمران جھاڑیوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا...... عمران فوراً سمجھ گیا کہ یہ فوجی کیمپ کی لیبارٹری کے سائنس دان ہیں...... جب وہ ذرا قریب آئے تو عمران نے دیکھا کہ دونوں بوڑھے آدمی تھے...... آنکھوں پر نظر کی عینکیں لگی تھیں اور چھڑی ہاتھ میں لئے آرام آرام سے چہل قدمی کررہے تھے...... وہ انگریزی میں بات چیت کررہے تھے...... جب وہ عمران کے قریب سے گزرے تو ان میں سے ایک سائنس دان دوسرے کو کہہ رہا تھا...... وہ انگریزی میں کہہ رہا تھا۔

"میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ کلکتہ ہیڈ آفس کی جانب سے ہماری نگرانی کے لئے مسٹر داس گپتا نام کا ایک ملٹری انٹیلی جنس آفیسر کیوں بھیجا جارہا ہے"۔

دوسرے سائنس دان نے کہا۔

"میرا خیال ہے چونکہ یہ ٹاپ سیکرٹ پراجیکٹ ہے اس لئے فوج زیادہ سے زیادہ سیکیورٹی سے کام لے رہی ہے...... میرا خیال ہے یہاں تھوڑی دیر بیٹھا جائے...... بڑی خوشگوار تازہ ہوا چل رہی ہے"۔

دوسرے بوڑھے سائنس دان نے انگریزی میں کہا۔

"ہاں...... یہاں بیٹھ جاتے ہیں...... تہہ خانے کے مقابلے میں یہاں ہوا بڑی تازہ ہے"۔

اور وہ دونوں ایک گنجان درخت کے نیچے بیٹھ گئے...... کمانڈو عمران وہیں جھاڑیوں کی آڑ لے کر چھپا رہا...... یہاں وہ دونوں سائنس دانوں کو دیکھ بھی سکتا تھا اور ان کی آواز بھی انہیں پوری سنائی دے رہی تھی...... جزیرے کی فضا ویسے بھی بڑی خاموش تھی، جس سائنس دان نے ملٹری انٹیلی جنس کے افسر مسٹر داس گپتا کی بات کی تھی وہ بولا۔

"یہ مسٹر داس گپتا کوئی کوالی فائیڈ سائنس دان تو ہے نہیں...... یہ ہماری نگرانی کیا کرے گا؟"۔

دوسرے سائنس دان نے کہا۔

"بس ملٹری انٹیلی جنس والوں نے بھی خانہ پری کرنی ہے...... سو وہ کر رہے ہیں؟"۔

پہلا سائنس دان بولا۔

"سنا ہے یہ انٹیلی جنس آفیسر مسٹر داس گپتا پنجاب کا رہنے والا ہے اور چندی گڑھ کے نیوکلر سائنس کالج میں ایک سال لگا چکا ہے"۔

دوسرے بوڑھے سائنس دان نے اپنی ایک ٹانگ پھیلاتے ہوئے کہا۔

"چندی گڑھ کے نیوکلر سائنس کالج میں ایک سال لگانے سے آدمی نیوکلر فزکس کا سائنس دان تو نہیں بن جاتا"۔

پہلے والا بوڑھا سائنس دان بولا۔

"تمہیں کہا نا کہ یہ خانہ پری کی جا رہی ہے...... ویسے بھی کیمپ کی نگرانی اور سیکیورٹی کے لئے ایک انٹیلی جنس آفیسر کی موجودگی ضروری ہے"۔

"یہ کب آ رہا ہے؟" دوسرے سائنس دان نے پوچھا...... پہلا سائنس دان عینک کے شیشے صاف کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"پرسوں دوپہر کے بعد جو سٹیمر انڈیمان سے سپلائی لے کر جزیرے کی دوسری طرف جو فوجی جیٹی ہے وہاں آ رہا ہے اسی میں سوار ہو کر وہ خفیہ طریقے سے آئے گا"۔

دوسرا سائنس دان کہنے لگا۔

"مجھے تو اس جزیرے کی آب و ہوا موافق نہیں آئی...... ہو سکتا ہے میں اگلے مہینے واپس کلکتے چلا جاؤں"۔

"پراجیکٹ پر کام مکمل ہونے سے پہلے میرا خیال ہے ہماری چھٹی منظور نہیں ہو گی"۔

پہلے سائنس دان نے کہا اور پھر وہ دونوں ملٹری کینٹین پر ملنے والی ناقص غذا کی شکایت کرنے لگے...... عمران بالکل ساکت جھاڑیوں کے پیچھے بیٹھا انہیں دیکھ بھی رہا تھا اور ان کی گفتگو بھی سن رہا تھا...... اس نے سوچا کہ اگر وہ انگریزی زبان سے واقف نہ ہوتا تو ان سائنس دانوں کی باتیں بالکل نہیں سمجھ سکتا تھا اور کلکتے سے کسی مسٹر داس گپتا نام کے ملٹری انٹیلی جنس آفیسر کی آمد کا سن کر اچانک اس کے ذہن میں جو منصوبہ اپنے آپ تیار ہو گیا تھا وہ اس سے بے خبر رہتا...... یہ ایک غیبی امداد تھی جس نے اس کے ذہن میں امید کی شمع روشن کر دی تھی...... دونوں بوڑھے سائنس دان کچھ دیر بیٹھے اپنے گھربار اور بچوں کی باتیں کرتے رہے اور پھر آہستہ سے اٹھے اور فوجی کیمپ کی طرف واپس چل پڑے...... اس وقت کمانڈو عمران کے چہرے پر امید کی روشنی آ گئی تھی...... اسے یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ مایوسی کے اندھیروں میں بھٹک رہا تھا کہ

کسی نے اچانک اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندھیروں میں سے باہر نکال لیا تھا۔

وہ خاموشی سے اٹھا اور گاؤں کی طرف چل دیا وہ جنگلی قبیلے کے آدمی کے حلیے میں تھا..... اب اسے یہ حلیہ بدلنے کی اشد ضرورت تھی..... وہ گاؤں میں سیدھا سردار بھاتو کے جھونپڑے میں گیا..... سردار بھاتو اس وقت اکیلا بیٹھا تھا..... اس نے سردار بھاتو کو اصل منصوبہ نہ بتایا..... صرف اتنا کہا۔

"سردار! مجھے فوجی کیمپ کے اندر جا کر ایٹم بم کی تیاریوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا ایک ذریعہ مل گیا ہے..... میں تمہیں ابھی اس ذریعے کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا، لیکن یقین کرو کہ اگر تم نے میرا ساتھ دیا اور میں فوجی کیمپ کی لیبارٹری میں جانے میں کامیاب ہو گیا تو میں ایسا کام کروں گا کہ یہ لوگ تمہارے جزیرے میں کبھی ایٹمی دھماکہ نہ کر سکیں گے اور تم اور تمہارے جزیرے کی ساری مخلوق زندہ سلامت رہے گی"۔

سردار بولا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے..... مجھے بتاؤ کہ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟"۔

عمران نے کہا۔

"ابھی جو کچھ بھی کرنا ہے مجھے اکیلے ہی کرنا ہو گا، جس وقت تمہاری مدد کی ضرورت ہو گی تمہیں بتا دوں گا"۔

عمران نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس کے جسم پر جس سانولے رنگ کی مالش کی گئی تھی اسے سردار کی مدد سے بالکل صاف کر دیا..... اب اس کے جسم کا رنگ گورا یعنی اپنی اصلی حالت پر آ گیا تھا..... ساتھ ہی اس نے قبیلے کے لوگوں کا لہنگا اتار کر اس کی جگہ پتلون قمیض پہن لی..... پستول اس نے سردار کے پاس ہی رکھوا دیا ہوا تھا..... یہاں اسے پستول کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اس پر سائی لینسر نہیں چڑھا ہوا تھا اور عمران فائر کا دھماکہ نہیں کرنا چاہتا تھا..... ایک پلان اس نے پورے کا پورا اپنے ذہن

میں تیار کر لیا تھا..... اس پلان کی کامیابی پر اس کے مشن کی کامیابی کا دارومدار تھا..... یہ منصوبہ یا پلان اتنا آسان نہیں تھا..... اس میں ہر قدم پر پکڑے جانے کا امکان تھا، لیکن عمران کے سامنے یہی ایک راستہ تھا..... دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا..... اسے ہر حالت میں اس منصوبے کو کامیاب بنانا تھا..... پستول کی جگہ اسے ایک گز لمبی پتلی مگر بڑی مضبوط رسی کی ضرورت تھی جو اس کو سردار بھاتو نے مہیا کر دی..... اس رسی کی چھوٹی گچھی بنا کر اس نے اپنی پتلون کی جیب میں رکھ لی..... جزیرے کی گھاٹ کے پاس ایک بال کاٹنے اور شیو بنانے والا بیٹھتا تھا..... عمران نے دوسرے دن صبح صبح اس سے اپنے بال ترشوائے اور شیو بنوائی..... وہ اپنا حلیہ ایسا بنانا چاہتا تھا کہ اسے دیکھ کر یہی لگے کہ وہ کلکتے کا شہری اور انٹیلی جنس کا عہدے دار ہے۔

ملٹری انٹیلی جنس کا مسٹر داس گپتا دوسرے روز دوپہر کے بعد انڈیمان سے سپلائی کے سٹیمر پر سوار ہو کر آ رہا تھا..... عمران نے اپنے منصوبے کے مطابق مسٹر داس گپتا کو گھاٹ پر لینے جانا تھا..... گھاٹ پر سے اس نے معلوم کر لیا تھا کہ سٹیمر سپلائی لے کر کس وقت آ رہا ہے..... دوسرے روز وہ ایک گھنٹہ پہلے گھاٹ پر پہنچ گیا اور جیٹی کے گیٹ پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا اور مسٹر داس گپتا کی آمد کا انتظار کرنے لگا..... اس روز آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، لیکن بارش نہیں ہو رہی تھی..... جیٹی کے گیٹ کے اوپر ایک چھوٹا گول کلاک لگا ہوا تھا جو دوپہر کے ڈھائی بجا رہا تھا..... سوا تین بجے سٹیمر نے پہنچنا تھا..... مسٹر داس گپتا کو جس راستے سے کمانڈو عمران نے لے جانا تھا وہ راستہ اس نے پہلے سے طے کر رکھا تھا..... یہ راستہ ایک جنگل میں سے ہو کر گزرتا تھا۔

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد عمران اٹھ کر ٹہلنے لگا..... جیٹی پر مزدور اِدھر اُدھر اپنے کام میں لگے ہوئے تھے..... منصوبہ بڑا نازک تھا..... یوں سمجھ لیں کہ عمران کو مسٹر گپتا کو لے کر تنی ہوئی رسی پر چلنا تھا..... ہر قدم پر پاؤں کے پھسلنے کا خطرہ موجود تھا، لیکن عمران پُرامید تھا..... اس نے اپنے اندر بھرپور اعتماد پیدا کر لیا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ اپنے

منصوبے میں ضرور کامیاب ہوگا...... ناکامیاب ہونے کی صورت میں عمران کی موت یقینی تھی۔

ساڑھے تین بجے انڈیمان سے سپلائی اور مسٹر داس گپتا کو لانے والا سٹیمر جیٹی کے ساتھ آکر لگ گیا...... عمران مسٹر داس گپتا کی شکل سے ناواقف تھا...... اس نے داس گپتا کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، لیکن اسے ہر حالت میں جیسے بھی ممکن ہو بھارت کے اس انٹیلی جنس آفیسر کو پہچاننا تھا اور اسے اس کا خیر مقدم کرنا تھا...... عمران کو یقین تھا کہ وہ داس گپتا کو ضرور پہچان لے گا...... اس کی وجہ یہ تھی کہ داس گپتا پنجابی تھا اور پنجابی دور سے پہچانے جاتے ہیں...... دوسری یہ وجہ تھی کہ سٹیمر پر زیادہ سواریاں نہیں بیٹھتیں اور یہ سپلائی لانے والا سٹیمر تھا اور شہری آدمی سب سے الگ نظر آجاتا ہے۔

کمانڈو عمران ذہنی طور پر پوری طرح سے تیار ہو کر جیٹی کے گیٹ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا...... سٹیمر پر سے چند ایک سواریاں ہی اتری تھیں...... ان میں عمران کو ایک درمیانے قد مگر ذرا بھاری بدن والا آدمی نظر آیا جس نے پتلون اور بش شرٹ پہن رکھی تھی اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگایا ہوا تھا...... اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بریف کیس تھا...... یہ آدمی گیٹ سے باہر نکل کر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا...... جیسے اسے متوقع ہو کہ کوئی گاڑی اسے لینے آتی ہو گی...... کمانڈو عمران جلدی سے اس کے پاس گیا اور ہاتھ جوڑ کر پرنام کرنے کے بعد پنجابی میں کہا۔

"سر! آپ مسٹر داس گپتا ہیں؟"۔

اس آدمی نے عمران کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پوچھا۔

"تم کون ہو؟"۔

عمران نے فوراً جواب دیا۔

"سر! میرا نام کیپٹن سریندر مہتہ ہے...... میں بھی پنجابی ہوں اور آپ کے شہر چندی گڑھ کا ہی رہنے والا ہوں...... میں یہاں سنٹرل ملٹری انٹیلی جنس کی طرف سے

ملٹری کیمپ میں تعینات ہوں اور کیمپ کمانڈر کی طرف سے میں آپ کو لینے آیا ہوں"۔

داس گپتا نے کہا۔

"گاڑی کہاں ہے؟"۔

کمانڈو عمران نے مسٹر داس گپتا کی طرف جھک کر بڑے رازدارانہ انداز میں کہا...... اب عمران نے انگریزی میں بولنا شروع کر دیا۔

"سر! انتہائی سیکورٹی کی خاطر ہم نے آپ کی آمد صیغہ راز میں رکھی ہے...... کیندری سی آئی اے کی طرف سے ہمیں خفیہ لیٹر ملا ہے کہ جزیرے میں دو تخریب کار داخل ہو چکے ہیں...... سر! یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں...... آپ میرے ساتھ آئیں...... میں آپ کو راستے میں سب کچھ بتاتا ہوں"۔

کمانڈو عمران نے محسوس کیا کہ مسٹر داس گپتا اس کی انگریزی سے کافی متاثر ہوا ہے...... وہ عمران کے ساتھ چل پڑا...... کہنے لگا۔

"کیمپ یہاں سے کتنی دُور ہے؟"۔

اب وہ بھی انگریزی میں بات کر رہا تھا...... عمران نے انگریزی میں ہی جواب دیا۔

"سر! زیادہ دُور نہیں ہے...... میں آپ کو جنگل کے ایک شارٹ کٹ راستے سے لے جاؤں گا"۔

سر! کیمپ کمانڈر اس تکلیف کے لئے آپ سے معذرت طلب کر رہا تھا...... ورنہ آپ کو لینے وہ خود گاڑی لے کر یہاں آتا...... سر! کیمپ میں پہنچ کر آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ ہم نے یہاں سیکورٹی کا کس قدر سخت انتظام کیا ہوا ہے...... سر! پچھلے دنوں اس جیٹی پر مشتبہ آدمی گھومتے دیکھا گیا تھا، وہ پاکستانی تخریب کار کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا...... پولیس نے اس کو حراست میں لینے کی کوشش کی لیکن وہ روپوش ہونے میں کامیاب ہو گیا...... سر! آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ جزیرے کی پولیس ہماری

پنجاب کی پولیس کے مقابلے میں کس قدر نکمی ہے“۔

داس گپتا نے عمران سے پوچھا۔

”تم یہاں کب سے تعینات ہو؟ اور چندی گڑھ میں تمہارا گھر کہاں تھا؟“۔

کمانڈو عمران نے اپنے آپ کو داس گپتا کا ہم وطن یعنی چندی گڑھ کا رہنے والا ظاہر کر کے اس کی خوشنودی اور اعتماد حاصل کر لیا تھا...... پردیس میں کوئی ہم وطن خاص طور پر پنجابی کو پنجابی مل جائے تو دونوں بہت خوش ہوتے ہیں اور بڑی جلدی دوست بن جاتے ہیں، لیکن عمران اپنی گفتگو میں بڑا محتاط تھا...... کیونکہ اسے معلوم تھا کہ مسٹر داس گپتا کوئی عام پنجابی نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق بھارت کی سنٹرل انٹیلی جنس سے ہے اور یہ لوگ بڑے ہوشیار اور چالاک ہوتے ہیں۔

عمران نے کہا۔

”سر! چندی گڑھ کے سیکٹر نمبر 7 میں آریہ سماج ٹمپل کے قریب ہی ہمارا گھر تھا“۔

داس گپتا نے خوش ہو کر کہا۔

”ہمارا گھر سیکٹر 8 میں کتھولک چرچ کے پاس ہی تھا...... حیرانی کی بات ہے کہ مسٹر سریندر آپ سے کبھی آمنا سامنا نہیں ہوا“۔

عمران نے فوراً کہا۔

”دراصل میں پڑھائی ختم کرتے ہی فوج میں چلا گیا تھا“۔

عمران نے چندی گڑھ کے بارے میں بھارت کے محکمہ سیاحت کی طرف سے چھپی ہوئی ایک کتاب پڑھ رکھی تھی...... اس نے چندی گڑھ کے محلوں، پارکوں، سینما گھروں وغیرہ کے نام ضرور لینے شروع کر دیئے...... مسٹر داس گپتا اپنے شہر کی تعریف سن سن کر خوش ہو رہا تھا...... اس دوران عمران اسے پیدل چلاتا گھاٹ کے عقبی علاقے سے ہوتا ہوا جنگل کے قدرے دشوار گزار حصے میں لے آیا تھا...... ان

دونوں میں اب پنجابی میں باتیں ہو رہی تھیں۔

داس گپتا کہنے لگا۔

”یار اتنی مدت کے بعد اپنے شہر کا پنجابی ملا ہے...... انگریزی کو چھوڑو پنجابی میں باتیں کرو...... یہ بتاؤ کہ نیوکلر میزائل کے پراجیکٹ میں کام ٹھیک ہو رہا ہے۔

عمران نے کہا۔

”سائنس دان لگے ہوئے ہیں...... بڑی محنت سے کام کر رہے ہیں“۔

داس گپتا نے کہا۔

”اگروادیوں (تخریب کاروں) کا یہاں پہنچنا ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے...... ہمیں کیمپ میں بڑا الرٹ ہو کر رہنا ہو گا“۔

عمران بولا۔

”سر! ہماری سیکیورٹی بڑی سخت ہے اور انٹیلی جنس سارے جزیرے میں پھیلی ہوئی ہے...... ہمیں پل پل کی خبر مل جاتی ہے...... باتیں کرتے کرتے عمران مسٹر داس گپتا کو جنگل میں اس جگہ پر لے آیا جہاں نیچے گھاٹی میں ایک پہاڑی نالہ بہہ رہا تھا جس میں بے شمار نوکیلے پتھر پڑے تھے...... یہ نالہ کوئی دو منزل کی گہرائی میں تھا...... یہاں پہنچ کر عمران نے کہا۔

”سر! پچھلے سال ہم نے ایک اگروادی (تخریب کار) کو نیچے اس نالے کے پاس پکڑا تھا“۔

”کہاں کہاں؟“۔

مسٹر داس گپتا نے رُک کر پوچھا...... عمران نے نیچے نالے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”یہاں سر...... اس نالے کے پاس وہ ایک غار میں چھپ کر بیٹھا تھا“۔

”تم لوگوں نے ابھی اس غار کی تلاشی نہیں لی؟“۔

داس گپتا نے ایک ذمے دار انٹیلی جنس افسر کی طرح پوچھا...... عمران بولا۔

"سر! آپ خود نیچے دیکھیں...... ہمارا ایک آدمی یہاں ہر وقت پہرے پر موجود ہوتا ہے...... اس وقت بھی دیکھ لیں...... وہ دیکھیں...... کنارے کے بڑے پتھر کے پیچھے بیٹھا ہے"۔

"کہاں ہے؟ مجھے تو نظر نہیں آرہا"۔

مسٹر داس گپتا نے نیچے گھاٹی میں جھانکتے ہوئے کہا...... عمران نے کہا۔

"سر! وہ دیکھیں...... ذرا آگے ہو کر دیکھیں...... ہمارا آدمی جنگلی قبیلے کے آدمی کے بھیس میں بیٹھا ہوا ہے"۔

داس گپتا ذرا آگے ہو کر نیچے گھاٹی میں جھانکنے لگا...... عمران ذرا پیچھے ہو گیا...... داس گپتا اپنا آدھا دھڑ آگے کئے گھاٹی میں جھک کر دیکھ رہا تھا...... یہی وہ لمحہ تھا جس کا کمانڈو عمران کو انتظار تھا اور جس کی خاطر وہ بھارت کی مرکزی انٹیلی جنس کے افسر داس گپتا کو اس جنگل میں لایا تھا...... عمران نے پیچھے ہٹتے ہی داس گپتا کو نیچے دھکا دے دیا...... بمشکل ایک سیکنڈ لگا ہو گا...... عمران نیچے دیکھ رہا تھا...... داس گپتا نے ایک قلابازی کھائی اور نالے کے نوکیلے پتھروں پر میدے کی بوری کی طرح گرا اور لڑھک کر پتھروں کے درمیان پھنس کر بے حس ہو گیا۔

عمران تیز تیز قدم اٹھاتا اوپر سے ایک چکر لگا کر نیچے گھاٹی میں نالے کے کنارے آ گیا...... داس گپتا کا سر کھل گیا تھا اور بھیجا باہر نکل آیا تھا...... اس کا بریف کیس ایک طرف چھوٹے پتھروں پر پڑا تھا...... وہیں چند گز کے فاصلے پر اس کا آنکھوں کا سیاہ چشمہ بھی پڑا تھا...... پتھروں پر سے داس گپتا کا خون بہہ بہہ کر نالے کے پانی میں شامل ہو رہا تھا...... عمران نے قریب جا کر گپتا کی لاش کو غور سے دیکھا...... وہ مر چکا تھا...... اس نے اس کی جیبوں کی تلاشی لی...... ایک بٹوہ نکلا...... ایک رومال بھی تھا جس کے کونے پر سرخ دھاگے سے انگریزی میں ڈی اور جی کے حروف کاڑھے ہوئے تھے...... بٹوے

میں کچھ روپے تھے اور سٹیمر کا ٹکٹ تھا اور بریف کیس کی چابی تھی...... عمران نے بٹوے کو اپنی جیب میں رکھ لیا اور داس گپتا کی لاش کو پتھروں میں سے کھینچ کر نالے کے پانی میں پھینک دیا...... پہاڑی نالے کے پانی کا بہاؤ تیز تھا...... اس کی لاش آہستہ آہستہ آگے کو چل پڑی...... یہ نالہ آگے ایک دریا سے جا کر مل جاتا تھا اور دریا سمندر میں جا گرتا تھا۔

عمران کو باریک رسی استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی...... اس کا خیال تھا کہ مسٹر داس گپتا نیچے گرنے کے بعد اتنی جلدی مرے گا نہیں بلکہ بے ہوش ہو جائے گا اور وہ رسی سے اس کی گردن پھندے میں لے کر توڑ دے گا، مگر اب رسی کی ضرورت نہیں تھی...... عمران نے چابی لگا کر جلدی سے بریف کیس کھول کر دیکھا...... اس میں کلکتہ ہیڈ آفس کا ایک خط تھا جس میں اس کی عارضی طور پر جزیرے میں تبدیلی کر دی گئی تھی...... یہ خط کیمپ کمانڈو کو دکھا کر مسٹر داس گپتا نے اپنی آمد کی رپورٹ کرنی تھی...... یہ خط اور دوسرے کاغذات ایک فائل میں لگے ہوئے تھے...... عمران نے بریف کیس اسی طرح بند کر دیا اور اسے لے کر اس راستے پر جلدی جلدی چلنے لگا جو جنگل جنگل ہی سے سردار بھاتو کے گاؤں کی طرف چلا جاتا تھا...... اس نے داس گپتا کا سیاہ چشمہ اٹھا کر اپنی آنکھوں پر لگا لیا۔

گاؤں پہنچ کر جب وہ سردار کے جھونپڑے میں گیا تو سردار نے اس کا چشمہ اور بریف کیس دیکھ کر پوچھا۔

"یہ سب کچھ کہاں سے آ گیا ہے؟"۔

کمانڈو عمران جانتا تھا کہ اگر اس نے سردار کو اس راز سے آگاہ کر دیا کہ اس نے داس گپتا کو ہلاک کر دیا اور اب اس کی جگہ خود داس گپتا بن کر فوجی کیمپ میں جا رہا ہے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ اس راز کو اپنے تک نہیں رکھ سکے گا اور کسی نہ کسی کے آگے ضرور اس کا ذکر کر دے گا اور اس کے بعد نہ صرف یہ کہ عمران کا سارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا بلکہ خود اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی...... چنانچہ اس نے سردار کو

اصل بات بالکل نہ بتائی...... صرف اتنا کہا۔

"بھاتو! میں نے تم لوگوں کو بچانے کی خاطر اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا ہے...... بھارت سرکار تم لوگوں کو قربانی کا بکرا بنانا چاہتی ہے اور زمین کے اندر ایٹمی دھماکہ کر کے تم لوگوں پر اس کے اثرات کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہو...... فوجی خود تو کیمپ چھوڑ کر یہاں سے چلے جائیں گے لیکن تمہیں یہاں سے چلے جانے کے لئے بالکل نہیں کہیں گے...... وہ زمین کے اندر ایٹم بم لگا کر جائیں گے اور اس جزیرے سے کم از کم سو میل دور کسی جگہ بیٹھ کر ریموٹ کنٹرول کی مدد سے ایٹم بم چلا دیں گے...... زمین کے اندر بم کے پھٹنے سے جو تباہی مچے گی وہ تو اپنی جگہ پر ہو گی لیکن زمین کے اوپر جزیرے میں زبردست زلزلہ آئے گا اور ایٹمی تابکاری کی شعاعیں زمین کے اندر سے نکل کر سارے جزیرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی اور جانوروں اور انسانوں کے جسموں پر بڑے بڑے آبلے پڑ جائیں گے اور پھر ان کے ہاتھ پاؤں جھڑنا شروع ہو جائیں گے اور جزیرے کے سارے انسان اذیت ناک موت مر جائیں گے"۔

سردار بھاتو کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا...... اس نے کہا۔

"اگر ہم یہ جزیرہ چھوڑ کر کسی دوسرے جزیرے پر چلے جائیں تو کیا وہاں بھی ہمارے ساتھ یہی ہو گا؟"۔

عمران نے اسے مزید ڈراتے ہوئے کہا۔

"یہاں سے قریبی جزیرہ پچاس میل کے فاصلے پر ہے...... ایٹم بم کا اثر کم از کم سو میل تک جائے گا...... اس لئے میں نے جزیرے کے لوگوں کو بچانے کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگا دی ہے"۔

میں ابھی تمہیں نہیں بتاؤں گا کہ میرا منصوبہ کیا ہے...... صرف اتنا بتاؤں گا کہ میں کچھ دنوں کے لئے فوجی کیمپ میں جا رہا ہوں...... کیسے جا رہا ہوں؟ یہ بھی میں ابھی تمہیں نہیں بتاؤں گا...... یہاں اگر کوئی پوچھے تو تم اسے یہی کہنا کہ میں ایک ضروری

کام سے دوسرے جزیرے پر گیا ہوں"۔

سردار بھاتو کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد کمانڈو عمران نے بریف کیس سنبھالا...... آنکھوں پر چشمہ لگایا اور جھونپڑے سے نکل کر اس چھوٹی سی پگڈنڈی پر چل پڑا...... جو آگے جا کر فوجی کیمپ کی طرف جانے والی سڑک سے مل جاتی تھی...... سڑک بالکل خالی پڑی تھی...... یہ ایک کم آباد چھوٹا سا گمنام قسم کا جزیرہ تھا جہاں نہ کوئی ٹیکسی چلتی تھی نہ کوئی بس چلتی تھی...... صرف فوجی کیمپ سے نکلتی اور فوجی کیمپ کی طرف جاتی...... فوجی گاڑیاں کہیں کہیں نظر آ جاتی تھیں۔

فوجی کیمپ کے گیٹ پر پہرہ دیتے سنتری نے اسے روک لیا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہا ہے...... عمران نے بڑے رعب دار اور پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"ٹیلی فون پر میری کیمپ کمانڈر صاحب سے بات کراؤ"۔

لکڑی کا چھوٹا سا کھوکھا ساتھ ہی بنا ہوا تھا جس میں ٹیلی فون پڑا تھا...... سنتری سمجھ گیا کہ یہ کوئی افسر ہے جو کسی بڑے شہر سے آیا ہے...... اس نے فوراً کیمپ کمانڈر سے رابطہ پیدا کر کے کہا۔

"سر! صاحب سے بات کریں"۔

اور سنتری نے ریسیور عمران کو دے دیا...... عمران نے پہلے سے بھی زیادہ پر اعتماد لہجے میں انگریزی میں کہا۔

"سر! میں داس گپتا ہوں...... داس گپتا...... فرام سنٹرل ملٹری انٹیلی جنس...... میں کلکتے سے ابھی پہنچا ہوں...... یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ نے میرے لئے جیٹی پر گاڑی نہیں بھیجی"۔

دوسری طرف کیمپ کمانڈر نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"سر! ہم نے گاڑی بھیجی تھی، مگر پتہ چلا کہ آپ جیٹی پر نہیں ہیں...... تھوڑی دیر ہوئی گاڑی واپس آ گئی ہے...... آپ فوراً آ جائیں...... ہمیں آپ کا انتظار ہے"۔

عمران نے کہا۔

"سیکورٹی گارڈ کو آرڈر کریں"۔

اور عمران نے ریسیور سنتری کو دے دیا...... سنتری نے اٹن شن ہو کر کہا۔

"یس سر! ٹھیک ہے سر!"۔

سنتری نے ریسیور رکھ کر عمران سے کہا۔

"سر! ٹھیک ہے"۔

اور اس نے جلدی سے گیٹ کی رکاوٹ پیچھے ہٹا دی...... عمران کیمپ کی حدود میں داخل ہو گیا...... فوجی بارکیں اور کیمپ کمانڈر کا آفس اس نے دیکھ رکھا تھا، جب وہ گاؤں کے آدمی کے ساتھ سبزیاں، ترکاریاں وغیرہ لے کر کیمپ میں کچھ روز پہلے آیا تھا...... اس وقت عمران کو صرف لنگر خانے کے دو تین سپاہیوں نے ہی دیکھا تھا...... وہ بھی اب اسے نہیں پہچان سکتے تھے، کیونکہ اس وقت اس کے جسم اور چہرے کا رنگ نسواری تھا اور اس نے جسم پر صرف ایک تہہ بند لپیٹ رکھا تھا اور سر پر جانور کے پروں والی ٹوپی تھی، جبکہ اب وہ کلین شیو تھا...... اس نے قمیض پتلون پہن رکھی تھی اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگایا ہوا تھا اور بال بڑے سلیقے سے بنائے ہوئے تھے اور ہاتھ میں بریف کیس تھا۔

عمران لنگر خانے کے سامنے سے گزرتا ہوا بارکوں کے پاس آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک فوجی افسر فوجی چال چلتا اس کی طرف بڑھ رہا ہے...... عمران رُک گیا...... فوجی افسر تیز تیز قدم اٹھاتا عمران کے پاس آیا اور ہاتھ آگے بڑھا کر انگریزی میں کہنے لگا۔

"سر! میں کیپٹن چندر شیکھر کیمپ کمانڈر آپ کو اپنے کیمپ میں خوش آمدید کہتا ہوں"۔

عمران نے ہاتھ ملاتے ہوئے بڑے وقار کے ساتھ کہا۔

"میں داس گپتا ہوں...... چیف آفیسر سنٹرل ملٹری انٹیلی جنس سروس آف

انڈیا"۔

کیمپ کمانڈر چندر شیکھر نے بڑے معذرت بھرے لہجے میں کہا۔

"سر! آئی ایم سوری کہ ہماری گاڑی جیٹی پر لیٹ پہنچی اور آپ کو یہاں تک پیدل آنا پڑا"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"نو پرابلم! یہ بتائیں کہ نیوکلر لیبارٹری کا کام کیسا جا رہا ہے؟"۔

کیمپ کمانڈر کیپٹن چندر شیکھر عمران کے ساتھ آہستہ آہستہ چل رہا تھا اور بڑے رکھ رکھاؤ اور ادب آداب سے گفتگو کر رہا تھا...... اس کی ایک وجہ تھی...... وجہ یہ تھی کہ انڈیا کی سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی والوں سے تمام فوجی اور سول افسر ڈرتے تھے...... انٹیلی جنس سروس والوں کو حکومت نے وہی اختیارات دے رکھے تھے جو کسی زمانے میں ہٹلر نے گستاپو پولیس کو دے رکھے تھے...... ان لوگوں سے وزیر بھی اندر سے خوف کھاتے تھے، کیونکہ یہ لوگ جس کے خلاف ذرا سی بھی رپورٹ لکھ دیتے تھے اس کے خلاف حکومت فوراً ایکشن لے لیتی تھی اور اسے معطل کر کے اس کے خلاف محکمانہ تحقیقات شروع ہو جاتی تھی اور بعض حالتوں میں زیر عتاب افسروں کو نیشنل سیکورٹی کے پیش نظر گرفتار بھی کر لیا جاتا تھا، چنانچہ یہی وجہ تھی کہ کیمپ کمانڈر کیپٹن چندر شیکھر عمران سے دب کر اور بڑے ادب سے گفتگو کر رہا تھا...... اس کے طرز عمل سے کمانڈو عمران کو یہ فائدہ پہنچ رہا تھا کہ اس پر شک شبہ کرنے کی طرف کیپٹن شیکھر کا خیال تک نہیں جا رہا تھا...... کیمپ کمانڈر کے آفس میں جاتے ہی کمانڈو عمران نے بریف کیس کھول کر کیپٹن شیکھر کو اپنی تقرری کے کاغذات دکھائے...... یہ انڈیا کی مرکزی حکومت کے انتہائی حساس شعبے یعنی سنٹرل انٹیلی جنس کے کاغذات تھے جن پر باقاعدہ سرکاری مہریں لگی ہوئی تھیں اور مرکزی سیکرٹری ڈیفنس کے دستخطوں کے علاوہ کلکتہ ہیڈ آفس کے افسر اعلیٰ کے دستخط مع سرکاری مہر کے ثبت تھے...... کیپٹن

شیکھر کو کیسے شک پڑ سکتا تھا کہ یہ شخص داس گپتا نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ ایک کشمیری مجاہد کمانڈو ہے...... کیمپ کمانڈر نے اسی وقت ضروری کاغذی کارروائی مکمل کرتے ہوئے عمران سے کہا۔

"سر! ہمارے کیمپ میں آپ کی شان کے لائق تو رہائش کا انتظام نہیں ہے...... پھر بھی میں نے آپ کے رہنے کے لئے ایک بارک میں سپیشل بستر وغیرہ لگوا دیا ہے...... آپ چل کر معائنہ کر لیجئے"۔

عمران بڑا ہوشیار کمانڈو تھا...... اس نے کہا۔

"یہ باتیں بعد میں ہو جائیں گی سب سے پہلے میں نیوکلر لیبارٹری کے سائنس دانوں سے ملنا چاہتا ہوں...... آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ ہمیں خاص طور پر اس لیبارٹری کی سیکورٹی اور نگرانی کے لئے یہاں تعینات کیا گیا ہے"۔

کیپٹن چندر شیکھر بولا۔

"یس سر! آئیے...... میں آپ کو لیبارٹری لئے چلتا ہوں...... اس وقت ہمارے پاس چھ سائنس دان اور تین اسسٹنٹ نیوکلر میزائل کے پراجیکٹ پر کام کر رہے ہیں...... ان کے لئے"۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی زور سے بج اٹھی۔

کیپٹن شیکھر نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"ہیلو...... کیمپ کمانڈر سپیکنگ"۔

کیپٹن شیکھر نے ٹیلی فون پر ہی کہا۔

"یس میڈم! مسٹر داس گپتا یہاں پہنچ گئے ہیں...... ان سے بات کیجئے"۔

کیپٹن شیکھر نے ٹیلی فون کا ریسیور عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"سر! کلکتے سے آپ کی بیگم صاحبہ کا فون ہے...... وہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں"۔

ایک لمحے کے لئے عمران کا ذہن جیسے رُک سا گیا...... لیکن دوسرے لمحے وہ داس گپتا کی بیوی سے اس کا خاوند بن کر بات کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھا...... اس نے ریسیور قریب لاتے ہوئے اور جان بوجھ کر ذرا کھانستے ہوئے کہا۔

"ہیلو ڈارلنگ! میں تھوڑی دیر پہلے پہنچا ہوں"۔

دوسری طرف سے داس گپتا کی بیوی کی آواز آئی۔

"کیا بات ہے گپتا جی! آپ کی آواز کیوں بدلی ہوئی ہے؟"۔

عمران نے تھوڑا اور کھانس کر کہا۔

"سفر میں الٹ پلٹ چیزیں کھانے سے گلا تھوڑا خراب ہو گیا ہے...... تم سناؤ گھر میں سب ٹھیک ٹھاک ہے؟"۔

عمران کو نہ تو داس گپتا کی بیوی کا نام معلوم تھا اور نہ یہ پتا تھا کہ ان کے بچے بھی ہیں یا نہیں ہیں...... وہ بڑا محتاط ہو کر بات کر رہا تھا...... ذرا سی بھول چوک سے وہ فوراً پکڑا جا سکتا تھا...... اس کی "بیوی" نے کہا۔

"ماتا جی امرتسر سے چندی گڑھ آگئی ہیں...... میں تمہیں یاد کرتی ہوں...... میں بھی دو چار دن کے لئے کلکتے سے چندی گڑھ جا رہا ہوں...... مجھے آج ہی خط لکھنا اور اپنے گلے کا خیال رکھنا...... تمہاری آواز بالکل پہچانی نہیں جاتی"۔

عمران نے ایک بار پھر کھانستے ہوئے بیٹھی ہوئی آواز کے ساتھ کہا۔

"میں یہاں ڈاکٹر کو دکھا رہا ہوں...... تم فکر نہ کرنا...... او کے ڈارلنگ! اس وقت میں میٹنگ میں ہوں...... پھر فون کروں گا"۔

دوسری طرف سے داس گپتا کی بیوی نے کہا۔

"خط ضرور لکھنا...... تمہارا گلا بہت خراب لگتا ہے...... آواز بالکل بدلی ہوئی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"چنتا نہ کرو ڈیئر...... میں ٹھیک ہو جاؤں گا...... بائی"۔

اور عمران نے فون بند کر دیا...... کیپٹن شیکھر نے کہا۔

"سر! میرے ساتھ چلئے...... کیمپ کا ڈاکٹر شرما گلا چیک کر کے ابھی دوائی دے دے گا"۔

کمانڈو عمران نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی میں نیوکلر پراجیکٹ کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ سیکورٹی کا انتظام چیک کر سکوں...... ڈاکٹر شرما کے پاس اس کے بعد جائیں گے"۔

اور کیمپ کمانڈر کیپٹن چندر شیکھر عمران کو ساتھ لے کر نیوکلر لیبارٹری کے تہہ خانے کی طرف چلا جو چند قدموں کے فاصلے پر تھا...... عمران ابھی تک داس گپتا کی بیوی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ کہیں اسے عمران پر شک تو نہیں پڑ گیا؟ اس کی آواز داس گپتا کی آواز سے کافی مختلف تھی...... وہ یہ سوچ کر ایک لمحے کے لئے پریشان ہو گیا کہ اگر داس گپتا کی بیوی اپنے خاوند کی بیماری کی وجہ سے اس کی تیمارداری کے خیال سے وہاں پہنچ گئی تو پھر کیا ہو گا؟ وہ تو نقلی داس گپتا ہے...... اس کا راز فاش ہو جائے گا اور اسے وہاں سے شاید فرار ہونے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔

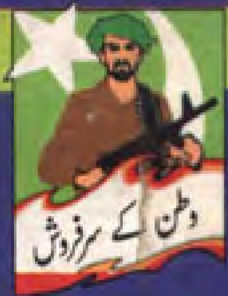
اس کے بعد کے ہوش ربا سنسنی خیز

واقعات کتاب

ضربِ مجاہد

میں ملاحظہ فرمائیں۔





ضربِ مجاہد

اے حمید

نکوبار کے اس جزیرے کا کیمپ کمانڈر کیپٹن چندر شیکھر کمانڈو عمران کے ساتھ چل رہا تھا اور عمران بھارت کی سنٹرل انٹیلی جنس سروس کے چیف آفیسر داس گپتا کے بھیس میں کیمپ کمانڈر سے زیر زمین نیوکلر میزائل پراجیکٹ کی سیکورٹی کی بابت بات چیت کرتا...... اس کے ساتھ جا رہا تھا...... بھارت کی یہ نیوکلر پراجیکٹ لیبارٹری زمین دوز تہہ خانے میں قائم کی گئی تھی...... یہاں زمین سے فضا میں دشمن کے لڑاکا بمبار طیاروں کو نشانہ بنانے کے لئے ایسے اچھے میزائل تیار کئے جا رہے تھے جن کے آگے مٹر کے دانے کے سائز کا نیوکلر وار ہیڈ لگایا جا رہا تھا...... یہ طیارے کے جیٹ انجن سے نکلنے والی گیس کی حرارت پر اس کے پیچھے جاتا تھا اور طیارے سے ٹکرا کر اسے اس طرح تباہ کرتا تھا کہ نیوکلر وار ہیڈ کے پھٹنے سے جو قیامت خیز حرارت پیدا ہوتی تھی اس سے طیارہ اس کے ہوا باز سمیت پگھل کر بھاپ بن کر اڑ جاتا تھا اور طیارے کا ملبہ بھی زمین پر نہیں گرتا تھا...... اس وار ہیڈ کا یہ فائدہ تھا کہ بھارت پاکستان کے کسی بھی طیارے کو کشمیر کی کنٹرول لائن کے باہر پاکستان کی حدود میں نشانہ بنا سکتا تھا اور چونکہ طیارے کا ملبہ بھاپ بن کر فضا میں تحلیل ہو جاتا تھا، اس لئے پاکستان یہ احتجاج بھی نہیں کر سکتا تھا کہ دشمن نے اس کے طیارے کو اس وقت نشانہ بنایا جب وہ اپنی حدود کے اندر پرواز کر رہا تھا، کیونکہ طیارے کا ملبہ ثبوت کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا تھا...... یہ ایک بڑی خطرناک ایجاد تھی۔

جنگ کی حالت میں بھی اس کے میزائل کا نشانہ کبھی نہیں چوک سکتا تھا، کیونکہ یہ جیٹ انجن کی حرارت پر طیارے کا پیچھا کرتا تھا اور طیارہ فضا میں اس سے بچ کر نہیں جا سکتا تھا...... اس خطرناک ترین نیوکلر وار ہیڈ پر بھارت کے انڈیمان نکوبار جزائر کے اس دور افتادہ جزیرے کے ایک تہہ خانے میں خفیہ طور پر کام ہو رہا تھا اور کمانڈو عمران کی اطلاعات کے مطابق ابھی نیوکلر وار ہیڈ کی تیاری کا عمل جاری تھا، کیونکہ ایٹمی توانائی کو مٹر کے دانے کے برابر چھوٹے سائز میں لانے کے لئے کافی وقت اور سائنسی مہارت درکار تھی...... اس کام کے لئے بھارت کو اسرائیلی حکومت کا تعاون حاصل تھا اور تین اسرائیلی یہودی سائنس دان اس پراجیکٹ پر شب و روز کام کر رہے تھے...... کمانڈو عمران ان میزائلوں کے تیار ہونے اور انہیں بھارتی فضائیہ کو سپلائی کئے جانے سے پہلے پہلے اس لیبارٹری کو تمام ساز و سامان اور سائنس دانوں سمیت تباہ کرنے کے مشن پر اس جزیرے میں آیا تھا۔

کمانڈو عمران کے جزیرے کے تہہ خانے کی لیبارٹری تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، کیونکہ اس خفیہ کیمپ میں سیکورٹی کا اتنا زبردست انتظام تھا کہ خود بھارتی فوجی کو بھی اس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی...... لیبارٹری کے اندر سائنس دانوں کے علاوہ دو ملٹری انٹیلی جنس کے افسر بھی نگرانی پر مقرر تھے...... عمران کی خوش قسمتی سے ایسا حسن اتفاق ہو گیا کہ عمران کو پتہ چلا کہ کلکتے سے انڈین سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی کا ایک سینئر چیف آفیسر جو چندی گڑھ کا پنجابی ہے...... خفیہ کیمپ کی نگرانی کے لئے جزیرے میں آ رہا ہے...... ظاہر تھا کہ یہ افسر دور دراز بھارتی ہیڈ آفس سے جزیرے میں بھیجا جا رہا تھا اور کیمپ کے فوجی عہدے دار اس کی صورت سے واقف نہیں تھے...... کمانڈو عمران نے اس سنٹرل خفیہ سروس کے افسر جس کا نام داس گپتا بتایا گیا تھا راستے میں ہی قابو کر کے اس کی جگہ خود اس فوجی کیمپ میں جانے کا فیصلہ کر لیا...... یہ کوئی آسان اور معمولی ایڈونچر نہیں تھا...... اس میں پکڑے

جانے کے بے شمار امکانات تھے، لیکن اس کے باوجود کمانڈو عمران کے لئے اس بھارتی فوجی کیمپ میں داخل ہونے کا یہی ایک راستہ تھا...... اسے پکڑے جانے کے تمام خدشات کو سامنے رکھتے ہوئے اس منصوبے پر ہر حالت میں عمل کرنا تھا...... اس کے نزدیک اس کی اپنی زندگی کی اس وقت کوئی اہمیت نہیں تھی...... اہمیت اگر تھی تو صرف اس بات کی تھی کہ ہمارے دشمن بھارت نے پاکستان کی ہوائی فوج کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے کے لئے جس مذموم منصوبے پر کام شروع کر رکھا ہے، اسے تباہ و برباد کر دیا جائے...... یہ اتنا مہنگا اور طویل عمل والا منصوبہ تھا کہ اگر اسے ایک بار نیوکلر مواد کی ساری مقدار کے ساتھ نیست و نابود کر دیا جاتا تو اسے دوسری بار شروع کرنے کے لئے ایک طویل ترین لمبی مدت درکار تھی اور اتنا زر مبادلہ خرچ کرنا پڑتا تھا کہ بھارت مالی اعتبار سے اس پر دوبارہ کام شروع کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اور اگر اپنے بھوکے عوام کے پیٹ کاٹ کر وہ اس پراجیکٹ پر دوبارہ کام شروع کر بھی دیتا تو اس کے پاس اتنا وقت اور اتنی لمبی مدت درکار تھی کہ اس دوران پاکستان جو خود ایک نیوکلر طاقت بن چکا تھا وہ بھارت کے اس نیوکلر میزائل کو فضا میں ہی تباہ کرنے والا جوابی نیوکلر میزائل تیار کر سکتا تھا، کیونکہ پاکستان اپنے دفاع سے غافل نہیں تھا...... اس کی ملٹری انٹیلی جنس اسے دشمن کے تمام پاکستان دشمن منصوبوں کی فوراً خبر کر دیتی تھی اور وہ جوابی کارروائی کے لئے فوراً کام شروع کر دیتا تھا۔

خاص طور پر فضا میں طیارے پر وار کرنے والے بھارت کے اس نیوکلر وار ہیڈ میزائل کے بارے میں فل رپورٹ کمانڈو عمران نے ایک خفیہ ذریعے سے پاکستان کی ملٹری انٹیلی جنس کو پہنچا دی تھی اور اسے یقین تھا کہ پاکستان میں دشمن کے اس ناپاک منصوبے کو خاک میں ملانے کے لئے اس کے خلاف جوابی پراجیکٹ پر کام شروع ہو چکا ہو گا...... چنانچہ اب یہ بھاری ذمے داری بھی عائد ہوتی تھی اور اس کا قومی اور دینی فرض بھی بن گیا تھا کہ وہ جان کی بازی لگا دے اور اگر اس کی موت اس کمانڈو آپریشن

میں یقینی ہو تو مرنے سے پہلے بھارت کے اس ناپاک پراجیکٹ کو تباہ و برباد کر دے اور اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو خود بھی اس پراجیکٹ کے ساتھ ختم ہو جائے......
چنانچہ جیسا کہ آپ نے کتاب نمبر 3 کے آخری صفحات میں پڑھا ہو گا...... کمانڈو عمران نے جزیرے کی جیٹی یعنی بندرگاہ پر ہی بھارت کے نووارد سنٹرل انٹیلی جنس کے افسر مسٹر داس گپتا کا بطور فوجی کیمپ میں پہلے سے متعین بھارتی سی آئی اے کے افسر کے خیر مقدم کیا اور کہا کہ سکیورٹی کے پیش نظر وہ فوجی کیمپ سے فوجی گاڑی میں آنے کی بجائے جنگل کے خفیہ راستے سے ہو کر بندرگاہ پر اسے لینے آیا ہے، کیونکہ جزیرے میں چند روز پہلے تخریب کاری کی ایک واردات میں فوجی کیمپ کا ایک فوجی افسر گم ہو چکا تھا جس کی لاش بھی نہیں ملی تھی...... (اس فوجی کو کمانڈو عمران نے قتل کر کے اس کی لاش جزیرے کے سردار بھاتو کی مدد سے زمین میں دفن کرا دی تھی...... اس کی تفصیل بھی ہم کتاب نمبر 3 میں دے چکے ہیں)۔

کمانڈو عمران نے بطور فوجی کیمپ کے چیف سکیورٹی آفیسر کے ایسی اداکاری کی...... ایسی چرب زبانی سے کام لیا کہ کلکتے سے آنے والا انڈین سنٹرل انٹیلی جنس کا چیف افسر مسٹر داس گپتا اس کے جال میں پھنس گیا اور اس نے عمران پر یقین کر لیا اور عمران اسے لے کر جنگل کے ایک دشوار گزار حصے میں لے آیا اور وہاں اسے قتل کر کے اس کی لاش پہاڑی پر تیز رفتار نالے میں بہا دی اور اس کے بریف کیس اور اس کے سیاہ چشمے پر قبضہ کر کے، سیاہ چشمہ خود لگا لیا اور بریف کیس کی تلاشی لی جس میں وہ کاغذات تھے جن میں بھارت کی مرکزی حکومت کی جانب سے اسے حکم دیا گیا تھا کہ بطور خفیہ نگران افسر کے نکوبار کے فوجی کیمپ میں اپنی ڈیوٹی پر پہنچ جائے اور دوسرے خط میں فوجی کیمپ کے کمانڈر کیپٹن چندر شیکھر کے نام سرکاری خط تھا جس میں مسٹر داس گپتا کے ڈیوٹی جوائن کرنے کے احکامات تھے، چنانچہ کمانڈو عمران داس گپتا کے بھیس میں جزیرے کے فوجی کیمپ میں داخل ہو گیا۔

وہاں اس کا استقبال کیمپ کمانڈر کیپٹن چندر شیکھر نے کیا...... عمران نے اسے تمام کاغذات دکھائے...... کیپٹن چندر شیکھر کو پہلے سے بھی مسٹر داس گپتا کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی...... سرکاری احکامات دیکھنے کے بعد اسے پوری طرح سے یقین ہو گیا کہ یہی شخص مسٹر داس گپتا ہے جو سنٹرل انٹیلی جنس کا چیف آفیسر ہے...... سنٹرل انٹیلی جنس سروس کے عہدیداروں سے بھارت کے فوجی اور سول افسر سخت ڈرتے تھے، کیونکہ حکومت ان خفیہ افسروں کی رپورٹ پر فوراً متعلقہ افسر کے خلاف ایکشن لے لیتی تھی، چنانچہ فوجی کیمپ کے کمانڈر چندر شیکھر کے لہجے میں عمران کی خوشامد کا پہلو نمایاں تھا...... وہ تو عمران کو بھارت کی مرکزی خفیہ ایجنسی کا چیف آفیسر داس گپتا ہی سمجھ رہا تھا...... اب ہم یہاں کمانڈو عمران کی داستان کو وہیں سے شروع کرتے ہیں جہاں سے ہم نے اپنی اس کتاب کے پہلے صفحے کا آغاز کیا تھا، جب کیمپ کمانڈر چندر شیکھر کمانڈو عمران کو مسٹر داس گپتا سمجھتے ہوئے کیمپ کی نیوکلر لیبارٹری کے معائنے کے لئے نیچے تہہ خانے کی طرف لے جا رہا تھا۔

عمران نے آنکھوں پر سیاہ چشمہ چڑھا رکھا تھا...... اپنا بریف کیس جو کہ اصل میں داس گپتا کا تھا...... عمران نے کیمپ کمانڈر کے آفس میں ہی رکھوا دیا تھا...... کیپٹن چندر شیکھر کہہ رہا تھا۔

”سر! ہم نے یہاں سکیورٹی کا اتنا زبردست انتظام کر رکھا ہے کہ کوئی فوجی افسر بھی یہاں بغیر پورے کاغذات دکھائے داخل نہیں ہو سکتا“۔

عمران نے کہا۔

”ایسا ہی انتظام ہونا چاہئے...... یہ ہماری بھارت سرکار کا اس وقت سب سے مہنگا...... سب سے اہم اور سب سے خفیہ پراجیکٹ ہے...... ہمیں بے حد احتیاط کی ضرورت ہے...... حکومت نے مجھے اس لئے یہاں بھیجا ہے“۔

وہ نیچے لیبارٹری میں آ گئے...... عمران بڑی گہری اور تیز نگاہوں سے لیبارٹری کی

ایک ایک شے کا جائزہ لے رہا تھا...... تہہ خانے میں کل پانچ کمرے تھے جہاں نیوکلر پراجیکٹ کا جدید ترین کمپیوٹرائزڈ ساز و سامان لگا تھا اور وہاں بھارتی اور اسرائیلی سائنس دان اپنے اپنے کام میں مصروف تھے...... تین کمروں میں نیوکلر بھٹیاں لگی تھیں، جہاں ایٹمی توانائی کو کم سے کم سائز میں بند کرنے کے لئے انتہائی پیچیدہ اور انتہائی دقت طلب عمل جاری تھا۔

لیبارٹری میں کیمپ کمانڈر نے اس خفیہ افسر سے عمران کو ملایا جو وہاں سرکاری طور پر پہلے سے خفیہ نگرانی کے لئے متعین تھا...... عمران کو معلوم تھا کہ یہ خفیہ افسر اس سے کم تر درجے کا ہے، چنانچہ اس نے گردن اٹھا کر بڑے رعب داب کے ساتھ اس سے بات کی...... اس خفیہ افسر کا نام مسٹر رام گنگولی تھا اور وہ صوبہ بہار کا رہنے والا تھا...... مسٹر گنگولی قدرتی طور پر عمران سے مرعوب تھا اور اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگا تھا...... عمران یہی چاہتا تھا...... عمران نے اسے کہا۔

"ہم لوگوں پر اس پراجیکٹ کی حفاظت کی بڑی بھاری ذمے داری عائد ہوتی ہے اور ہمیں یہاں کام کرتے ایک ایک سائنس دان کو اپنی کڑی نگرانی میں رکھنا ہوگا... خاص طور پر غیر ملکی سائنس دانوں کی باقاعدہ نگرانی کی بہت ضرورت ہے، کیونکہ دشمن بھاری سے بھاری رقم دے کر ان میں سے کسی کو خرید سکتا ہے اور یہ سائنس دان روپے کے لالچ میں آکر دشمن کو اس پراجیکٹ کے سارے خفیہ راز بتا سکتا ہے"۔

مسٹر رام گنگولی نے عمران کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"گپتا صاحب...... سر...... آپ بالکل درست فرما رہے ہیں...... میں پہلے یہاں پر کام کرنے والے اسرائیلی سائنس دانوں کی پوری نگرانی کر رہا ہوں اور ان لیبارٹری کے باہر کی نقل و حرکت پر بھی نگاہ رکھتا ہوں...... ابھی تک سب ٹھیک ہے، لیکن اگر مجھے کسی پر ذرا سا بھی شک پڑا تو میں فوراً آپ کو رپورٹ کروں گا کیونکہ جزیرے میں دشمن کے جاسوس داخل ہو چکے ہیں...... اس کا ثبوت یہ ہے

انہوں نے ہمارے کیمپ کے ایک فوجی کو جو روزانہ کی پٹرول ڈیوٹی پر تھا اغوا کر کے غائب کر دیا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"ہو سکتا ہے دشمن کے جاسوسوں نے اسے قتل کر دیا ہو؟"۔

رام گنگولی نے کہا۔

"سر! ایسی صورت میں ہمیں اپنے فوجی کی لاش ضرور مل جانی چاہئے تھی...... ہم نے جزیرے کا کونہ کونہ چھان مارا ہے مگر ہمیں کسی جگہ اپنے فوجی کی لاش کا نشان تک نہیں ملا"۔

"بہر حال" عمران نے کہا...... "ہمیں ہر لمحہ چوکس رہنے کی ضرورت ہے...... مجھے اسی لئے بھارت سرکار نے یہاں تعینات کیا ہے"۔

اس گفتگو کے دوران عمران نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی کہ جو درمیانی کمرہ تھا اس میں نیوکلر بھٹی کا سائز بڑا تھا اور اس کمرے میں دیوار کے ساتھ سلنڈروں کی قطار لگی تھی...... عمران نے مسٹر رام گنگولی اور کیمپ کمانڈر کی موجودگی میں سینئر خفیہ کی حیثیت سے دریافت کیا کہ ان سلنڈروں میں کس قسم کا مواد ہے، جو پختہ عمر کا سائنس دان اس بھٹی پر کام کر رہا تھا اس نے بتایا کہ ان سلنڈروں میں سے کچھ میں مائع آکسیجن گیس بھری ہوئی ہے اور باقی سلنڈروں میں ایسا کیمیاوی محلول بھرا ہوا ہے جو نیوکلر وار ہیڈ کے تعمیری عمل میں استعمال کیا جاتا ہے...... عمران نے جان بوجھ کر سوال کیا۔

"کیا یہ مواد کسی اعتبار سے دھماکہ خیز بھی ہے؟"۔

سائنس دان نے کہا۔

"جی ہاں...... یہ اتنا دھماکہ خیز ہے کہ اگر یہ پھٹ جائے تو اس کے ساتھ آکسیجن کے سلنڈر بھی پھٹ جائیں گے اور اس قدر خوفناک دھماکہ ہو گا کہ ہمارے سمیت اس

فوجی کیمپ کی کوئی شے باقی نہیں رہے گی“۔

عمران نے دوسرا اہم سوال پوچھا۔

”کیا اس لیبارٹری میں جو ایٹمی مواد ہے وہ بھی اس دھماکے سے پھٹ جائے گا“۔

سائنس دان نے جواب دیا۔

”جی نہیں...... ایٹمی مواد ہرگز نہیں پھٹے گا...... ایٹمی مواد کو پھاڑنے کے لئے ایک خاص پراسیس یعنی ایک خاص کیمیاوی عمل کی ضرورت ہوتی ہے، جو اس وقت ہم نے معطل کیا ہوا ہے...... اگر یہاں پڑا ہوا ایٹمی مواد بھی پھٹ جائے تو یہ ہمارے کا سارا جزیرہ سمندر میں غرق ہو جائے گا اور سمندر میں پندرہ میل کے اندر اندر کوئی مخلوق زندہ سلامت نہیں رہے گی“۔

عمران کو اطمینان ہو گیا کہ دھماکے کے بعد جزیرہ اور جزیرے کے لوگ سلامت رہیں گے، مگر یہ فوجی کیمپ اپنی لیبارٹری اور بھارت کے پاکستان دشمن منصوبے کے ساتھ نیست و نابود ہو جائے گا اور وہ یہی چاہتا تھا...... اس نے کیمپ کمانڈر سے کہا۔

”ہمیں ان سلنڈروں کی حفاظت کا پورا پورا انتظام کرنا چاہئے“۔

کیمپ کمانڈر کیپٹن چندر شیکھر نے کہا۔

”سر! یہاں کسی کو اپنے ساتھ ماچس یا سگریٹ لائٹر قسم کی کوئی چیز لانے کی اجازت نہیں ہے اور ویسے بھی کیمپ میں کوئی باہر کا آدمی داخل ہو کر کسی قسم کی تخریبی کارروائی کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ یہاں داخل ہونے سے پہلے ہماری گولیوں سے ہلاک ہو چکا ہوگا“۔

عمران نے خوش ہو کر کہا۔

”شاباش! ہماری بھارت سرکار کو ایسے ہی ذمے دار فوجی اور خفیہ سروس کے افسروں کی ضرورت ہے...... میں ہیڈ کوارٹر میں آپ کی اچھی رپورٹ بھیجوں گا“۔

کیمپ کمانڈر تو خوش ہو گیا...... کہنے لگا۔

”سر! بھارت ماتا کی رکھشا ہماری ذمے داری ہے اور ہم اپنا فرض...... اپنی ڈیوٹی پوری طرح سے نبھا رہے ہیں“۔

کمانڈو عمران کو اس بات کا بلکہ اس کمی کا شدت سے احساس تھا کہ اس لیبارٹری کو تباہ کرنے کے لئے اس کے پاس کسی قسم کا کوئی دھماکہ خیز مواد نہیں ہے...... بلکہ اس کے پاس تو ایک پٹاخہ تک نہیں تھا...... وہ جانتا تھا کہ چونکہ یہ فوجی کیمپ ہے اس لئے یہاں اسلحہ وغیرہ ضرور ہوگا...... اور اگر اسلحہ خانہ ہے تو اس میں میگزین کے علاوہ ہینڈ گرنیڈ قسم کا دھماکہ خیز مواد ضرور موجود ہوگا...... اگرچہ ہینڈ گرنیڈ اس کمانڈو آپریشن میں اس کے کسی کام کا نہیں تھا، کیونکہ ہینڈ گرنیڈ کا پن نکالنے کے لئے اس کے پھٹنے کا وقفہ چند سیکنڈ ہی ہوتا ہے، جبکہ اسے یہاں کسی انتہائی دھماکہ خیز ٹائم بم کی ضرورت تھی...... ایسے ٹائم بم کی جس کے پھٹنے کا دورانیہ کم از کم آدھا گھنٹہ ضرور ہو...... اسے یقین نہیں تھا کہ اس چھوٹے سے فوجی کیمپ کے اسلحہ خانے میں اس قسم کے ٹائم بم بھی ہوں گے لیکن وہ اسلحہ خانے کا ایک دفعہ معائنہ ضرور کرنا چاہتا تھا۔

وہ کیمپ کمانڈر کو لے کر لیبارٹری کے تہہ خانے سے باہر آ گیا...... باہر آ کر اس نے کیمپ کمانڈر کیپٹن چندر شیکھر سے پوچھا۔

”آپ نے یہاں اپنا ایمونیشن کہاں رکھا ہوا ہے؟ میرا مطلب ہے کہ کیا وہ کسی محفوظ جگہ پر ہے؟“۔

کیمپ کمانڈر نے فوراً جواب دیا۔

”سر! آپ چل کر خود معائنہ کر لیں...... آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے ایمونیشن کس قدر محفوظ جگہ پر رکھا ہوا ہے“۔

کمانڈو عمران یہی چاہتا تھا...... اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے...... میں ابھی چل کر ایمونیشن سٹور کی انسپکشن کرنا چاہتا ہوں“۔

عمران اس لئے بھی جلدی کر رہا تھا کہ وہ بڑے نازک حالات میں سے گزر رہا

تھا...... اس کا بھانڈا کسی بھی وقت پھوٹ سکتا تھا...... اس کے نقلی داس گپتا ہونے کا پول کسی وقت بھی کھل سکتا تھا...... اوپر سے داس گپتا کی بیوی نے فون پر کہہ دیا تھا کہ وہ اس سے ملنے کسی روز جزیرے پر ضرور آئے گی...... اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بطور مسٹر داس گپتا عمران نے اس کی بیوی سے فون پر بات کرتے ہوئے اپنی آواز کو کافی بدلنے کی کوشش کی تھی اور اس کوشش میں وہ کئی بار کھانسا بھی تھا اور اس نے اپنی آواز کے بدلنے کی یہ وجہ بتائی تھی کہ اس کا گلا خراب ہو گیا ہے جس کی اس کی بیوی کو فکر لگی تھی...... وہ اس کی خبر گیری کرنے کے خیال سے بھی آنا چاہتی تھی، چنانچہ اب عمران پر لازم ہو گیا تھا کہ اس نے جو کچھ کرنا ہے ایک دو دن کے اندر اندر کر ڈالے...... ورنہ سارا کام خراب ہو سکتا تھا...... جب عمران نے کیمپ کا ایمونیشن سٹور دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو کیمپ کمانڈر اسے اسلحہ خانے میں لے گیا جو کیمپ کے درمیان میں ایک زمین دوز تہہ خانے میں تھا...... یہ ایک چھوٹا سا سٹور تھا...... اس میں رائفلیں، سٹین گنیں اور ان کے میگزین بھاری تعداد اور مقدار میں تھا...... ایک کریٹ میں ہینڈ گرنیڈ تھے...... عمران کو یہ دیکھ کر انتہائی مایوسی ہوئی کہ وہاں اس کے کام کی کوئی شے نہیں تھی...... اچانک عمران کی نظر ایک کونے میں میز کے نیچے رکھے ہوئے لکڑی کے چھوٹے کریٹ پر پڑی...... اس نے کیمپ کمانڈر سے پوچھا۔

"اس کریٹ میں کیا ہے؟"۔

کیمپ کمانڈر نے کہا۔

"سر! اس میں کچھ ٹائم بم ہیں"۔

کمانڈو عمران کا دل خوشی سے اچھل پڑا، مگر اس نے اپنی خوشی کو اپنے چہرے ظاہر نہ ہونے دیا...... وہ حیران ضرور ہوا کہ یہاں ٹائم بموں کی کیا ضرورت ہو سکتی تھی...... اس نے رسمی طور پر کیپٹن چندر شیکھر سے پوچھ ہی لیا۔

"کیپٹن! میرا خیال ہے کہ یہاں آپ کو ان ٹائم بموں کی کوئی خاص ضرورت

نہیں ہے"۔

ایمونیشن سٹور میں وہ دونوں تنہا تھے...... رام گنگولی لیبارٹری میں ہی رہ گیا تھا...... کیپٹن چندر شیکھر نے کہا۔

"سر! یہ ایمرجنسی کی صورت میں استعمال کرنے کے واسطے کیمپ کو سپلائی کئے گئے ہیں"۔

"یہاں کس قسم کی ایمرجنسی پیدا ہو سکتی ہے؟" عمران نے پوچھا...... کیپٹن نے کہا۔

"بات اصل میں یہ ہے سر...... آپ ہماری بھارت کی سب سے بڑی سیکرٹ ایجنسی کے افسر ہیں...... ہم آپ کو سب کچھ بتا سکتے ہیں...... سر! ہمیں آرڈر ملے ہوئے ہیں کہ جب یہاں کی نیوکلر لیبارٹری کا پراجیکٹ ختم ہو جائے اور یہاں تیار کئے گئے تمام نیوکلر وار ہیڈ دوسرے سازوسامان اور کیمپ کی پوری یونٹ کے ساتھ انڈیا پہنچا دیئے جائیں تو اس کے بعد اس فوجی کیمپ اور تہہ خانے والی لیبارٹری میں ٹائم بم لگا کر اسے تباہ کر دیا جائے تا کہ اس کا نشان بھی باقی نہ رہے...... سر! یہ نیشنل سیکورٹی کی وجہ سے لیا جائے گا...... ہمیں اس کے تحریری آرڈر مل چکے ہیں...... اس مقصد کے لئے ہم نے یہ ٹائم بم کا کریٹ رکھا ہوا ہے"۔

کمانڈو عمران تو نیوکلر میزائلوں کو تیار کئے جانے سے پہلے ہی اس فوجی کیمپ اور اس کی نیوکلر لیبارٹری کو نیست و نابود کر کے اس کا تمام ایٹمی سازوسامان اور فوجی یونٹ سمیت نام و نشان تک مٹا دینا چاہتا تھا اور اس کے لئے اسے سامان مل گیا تھا...... اس نے پوچھا۔

"اس کریٹ میں کتنے ٹائم بم ہیں؟ میں انہیں چیک کرنا چاہتا ہوں"۔

عمران کی پوزیشن ایسی تھی کہ کیمپ کمانڈر انکار کر ہی نہیں سکتا تھا...... اس نے کہا۔

"سر! اس کریٹ میں پچاس ٹائم بم ہیں...... آپ چیک کر سکتے ہیں"۔

اور کیپٹن شیکھر نے چابی لگا کر کریٹ کو کھولا اور اسے میز کے اوپر رکھتے ہوئے کہا۔

"پلیز...... چیک کر لیجئے؟"۔

یہ ٹائم بم ماچس کی ڈبیا کے سائز کے تھے...... کمانڈو عمران نے ایک ٹائم بم اٹھا کر دیکھا...... اس کا ٹائم فیوز پیچھے ایک چھوٹے سرخ بٹن کی طرح تھا...... ہر ٹائم بم کے نیچے ایک طرف امریکہ کی ایک مشہور اسلحہ ساز فیکٹری کا نام لکھا ہوا تھا...... یہ وہ امریکی ٹائم بم تھے جو بھارت نے امریکہ سے اسرائیل کے ذریعے حاصل کیے تھے...... عمران نے کیپٹن شیکھر سے پوچھا۔

"اس کے ٹائم فیوز کا دورانیہ کتنا ہے؟"۔

اس نے کہا۔

"پورا ایک گھنٹہ ہے...... اس دوران ہمیں جزیرہ خالی کرنے کا وقت مل جائے گا"۔

کمانڈو عمران کو ایسے ہی ٹائم بموں کی ضرورت تھی...... وہ سوچنے لگا کہ اگر اس کی قسمت یاوری نہ کرتی اور اسے یہاں یہ ٹائم بم نہ ملتے تو اسے کس قدر پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا، مگر قدرت اس کی مدد کر رہی تھی...... اب سوال ان ٹائم بموں کو وہاں سے نکال کر لے جانے کا تھا...... وہ کسی کے سامنے ان میں سے چھ سات ٹائم بم نکال کر جیب میں نہیں رکھ سکتا تھا...... اس کے لئے اسے خاص طور پر اکیلے ایمونیشن سٹور میں آنے کی ضرورت تھی اور خاص طور پر اکیلے اس زمین دوز ایمونیشن ڈمپ میں آنے کے لئے اسے کوئی مضبوط بہانہ تراشنے کی ضرورت تھی، جو اتنا مشکل کام نہیں تھا...... اس نے ٹائم بم کریٹ میں واپس رکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں یہ سب سے اہم اور خطرناک اسلحہ ہے...... اسے کوئی بھی نکال کر کیمپ یا لیبارٹری میں لگا کر یہاں تباہی پھیلا سکتا ہے"۔

کیپٹن چندر شیکھر بولا۔

"سر! ہم یہاں کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیتے"۔

عمران نے کہا۔

"پھر بھی...... سیکورٹی کا تقاضا ہے کہ میں ان بموں کو دن میں کم از کم دو بار یعنی صبح شام آکر خود چیک کروں...... اس کو تالا لگا کر اس کی چابی مجھے دے دی جائے"۔

کیمپ کمانڈر چندر شیکھر کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا...... وہ تو بالکل الٹا خوش ہوا کہ ایمونیشن ڈمپ کی حفاظت کی ذمے داری کا بوجھ اس کے کندھوں سے اتر جائے گا...... اس نے اسی وقت سٹور سے تالا منگوا کر ٹائم بموں کے بکس کو لگایا اور چابی عمران کے حوالے کر دی...... اس وقت عمران کو احساس ہوا کہ اس نے آدھی مہم سر کر لی ہے...... اس نے واقعی بہت بڑی کامیابی حاصل کی تھی...... اب صرف وہاں سے چند ایک ٹائم بموں کو نکال کر لے جانا اور انہیں لیبارٹری کے سب سے بڑی ایٹمی بھٹی والے کمرے کے سلنڈروں کے ساتھ چپکانا باقی تھا اور یہ عمران جیسے تجربہ کار کمانڈو کے لئے کوئی ایسا مشکل کام نہیں تھا۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور آپ بھی محسوس کر رہے ہوں گے کہ کمانڈو عمران انتہائی نازک حالات سے گزر رہا تھا...... ایک طرح سے وہ تلوار کی دھار پر چلنے کی کوشش کر رہا تھا...... اس نے بھارت کی مرکزی خفیہ ایجنسی کے سینئر آفیسر مسٹر داس گپتا کو قتل کر کے اس کا روپ ضرور دھار کھا تھا مگر اس کا بھانڈا کسی لمحے بھی پھوٹ سکتا تھا...... کسی بھی وقت کوئی فوجی افسر وہاں آکر اسے پہچان سکتا تھا کہ یہ داس گپتا نہیں ہے...... یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس وقت کیمپ میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا کہ جس نے مسٹر داس گپتا کو پہلے سے دیکھ رکھا ہو...... چنانچہ عمران مزید تاخیر سے کام نہیں لینا چاہتا تھا...... مزید تاخیر اس کے حق میں قاتل ثابت ہو سکتی تھی۔

اس نے کیپٹن چندر شیکھر سے کہا۔

"میں آج شام کو دوبارہ آکر یہ اسلحہ چیک کرنا چاہوں گا"۔

کیپٹن شیکھر نے کہا۔

"سر! آپ جس وقت چاہیں آ سکتے ہیں...... میں گارڈ ڈیوٹی پر موجود سنتریوں کو

ابھی آرڈر ایشوع کر دوں گا اور آپ کے پاس اپنا آئی ڈی کارڈ تو موجود ہی ہے“۔

داس گپتا کا شناختی کارڈ اس کے بریف کیس سے مل گیا تھا جو عمران نے اپنے پاس رکھ لیا تھا...... اس پر داس گپتا کی فوٹو نہیں تھی...... یہ بھی ایک اچھی بات ہوئی تھی...... عمران نے کہا۔

”میرا آئی ڈی کارڈ میرے پاس ہی ہے“۔

کیپٹن شیکھر نے کہا۔

”بس سر! آپ اسے دکھا کر جس وقت چاہیں یہاں آ سکتے ہیں...... ویسے اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں“۔

عمران نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”نہیں...... میں اکیلا ہی چیک کرنا پسند کروں گا“۔

”جیسے آپ کی مرضی“ کیپٹن شیکھر نے کہا۔

عمران کی رہائش کا انتظام کیمپ کے اندر ہی ایک بارک کے چھوٹے سے کمرے میں کر دیا گیا تھا...... رات کو عمران نے کھانا کیمپ کمانڈر کے ساتھ ہی کھایا...... کھانے کے بعد وہ کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا...... پھر گھڑی پر وقت دیکھ کر کہنے لگا۔

”میں ایمونیشن سٹور میں چیکنگ کے لئے جا رہا ہوں...... وہاں سے سیدھا اپنی بارک میں چلا جاؤں گا“۔

کیپٹن شیکھر بولا۔

”ٹھیک ہے سر! صبح ناشتے پر آپ کیا پسند کریں گے؟“۔

عمران نے کہا۔

”میں ناشتے میں انڈا نہیں کھاتا...... باقی سب چلے گا“۔

اس کے بعد کمانڈو عمران سیدھا ایمونیشن سٹور کی طرف چل پڑا...... ایمونیشن سٹور وہاں سے چند قدموں کے فاصلے پر تھا...... باہر ایک سنتری گارڈ ڈیوٹی پر موجود

تھا...... اس نے عمران کو دن کے وقت کیمپ کمانڈر کے ساتھ اسلحہ خانے میں آتے دیکھا تھا...... پھر بھی عمران نے اسے اپنا شناختی کارڈ دکھا کر کہا۔

”میں سینئر انٹیلی جنس آفیسر داس گپتا ایمونیشن چیک کرنا چاہتا ہوں“۔

سنتری نے کارڈ دیکھ کر کہا۔

”ٹھیک ہے سر“۔

اور اس نے ایمونیشن سٹور کے دروازے کا تالا کھول دیا...... عمران نے کہا۔

”جب تک میں اندر چیکنگ کر رہا ہوں کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے“۔

گارڈ سنتری نے کہا۔

”ٹھیک ہے سر!“۔

عمران اسلحہ خانے میں داخل ہو گیا...... اس نے دروازہ بند کر دیا تھا...... سٹور میں ایک بلب جل رہا تھا...... وہ سیدھا ٹائم بموں کے کریٹ کی طرف گیا...... کریٹ کو میز کے نیچے سے اٹھا کر میز پر رکھا...... چابی نکال کر اس کا تالا کھولا اور ٹائم بموں کو غور سے دیکھنے لگا...... عمران نے اس مقصد کے لئے خاص طور پر ایسی ٹھنڈی جیکٹ پہن رکھی تھی جس کے چھ سات پاکٹ تھے اور اندر کی جانب بھی دو پاکٹ تھے...... عمران نے ایک ایک کر کے کریٹ میں سے چار ٹائم بم نکال کر جیکٹ کی اندر والی دو جیبوں میں رکھ لئے...... وہ چھ ٹائم بم نکالنا چاہتا تھا مگر ہر جیب میں تین تین ٹائم بموں کی وجہ سے اس کی جیبیں پھول گئی تھیں اور خواہ مخواہ وہ کسی مشکل میں پھنس سکتا تھا، جبکہ زیر زمین لیبارٹری کو تباہ کرنے کے لئے چار ٹائم بم ہی کافی تھے۔

اس نے کریٹ کو تالا لگا کر واپس میز کے نیچے رکھ دیا۔

اس کے بعد یونہی رائفلوں اور مشین گنوں اور میگزین کی چیکنگ کرنے لگا...... وہ کم از کم دس منٹ اندر ضرور لگانا چاہتا تھا...... جب دس منٹ گزر گئے تو وہ ایمونیشن سٹور سے باہر نکل آیا...... اس نے سنتری سے کہا۔

”سٹور کو تالا لگادو...... میں نے چیکنگ کر لی ہے...... سب ٹھیک ہے......اب میں
صبح چیکنگ کرنے آؤں گا“۔

”ٹھیک ہے سر“ سنتری نے کہا اور دروازہ بند کر کے تالا لگادیا۔

جب تک عمران سنتری کے پاس کھڑا رہا اسے یہی فکر رہی کہ کہیں سنتری کو اس پر شک نہ پڑ جائے...... یہ ایک قدرتی بات تھی، مگر عمران بڑا پرسکون اور پراعتماد ہو کر کھڑا تھا...... جیسے ہی سنتری دروازے کو تالا لگانے کے لئے گیا عمران وہاں سے چل پڑا...... وہ جلدی جلدی چلتا بارک والے اپنے کمرے میں آگیا...... کمرے میں آتے ہی اس نے دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھائی اور کرسی پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ یہ بم اسے کس جگہ چھپانے چاہئیں...... اگرچہ وہاں آکر کوئی اس کی تلاشی نہیں لے سکتا تھا...... پھر بھی عمران اپنی طرف سے بے حد احتیاط سے کام لینا چاہتا تھا...... اس کی نگاہ انتخاب بستر پر پڑی...... اس کے پلنگ پر سپرنگوں والی میٹرس یعنی گدیلا بچھا ہوا تھا...... اس نے چادریں ایک طرف ہٹا کر سپرنگوں والے گدیلے کا جائزہ لیا...... یہ پرانا گدیلا تھا...... کونے میں ایک جگہ سے کپڑا پھٹ گیا تھا اور اندر سے گدیلے کے سپرنگ نظر آرہے تھے...... ٹائم بموں کو چھپانے کے لئے یہ جگہ اسے سب سے محفوظ نظر آئی۔

اس نے پھٹی ہوئی جگہ سے ہاتھ ڈال کر دیکھا...... اندر سپرنگوں کے درمیان کافی جگہ تھی...... عمران نے چاروں ٹائم بم سپرنگوں کے درمیان چھپا دیئے اور گدیلے پر اسی طرح چادریں وغیرہ بچھا دیں...... ان بموں کو ٹارگٹ پر لگانے کا کام وہ دوسرے دن شام کے وقت یعنی لیبارٹری میں کام ختم ہو جانے کے بعد کرنا چاہتا تھا...... اس کام کے لئے اس کے ذہن میں ایک منصوبہ موجود تھا...... رات کو وہ سو گیا...... دوسرے دن

صبح اس نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کئے اور کمرے کو تالا لگا کر کیمپ کمانڈر کے کوارٹر کی طرف چل دیا...... اسے ناشتہ کیپٹن شیکھر کے ساتھ کرنا تھا...... کیپٹن اس کا انتظار ہی کر رہا تھا...... ناشتے پر سب کچھ تھا مگر انڈے نہیں تھے...... کیپٹن شیکھر

مسکرائے ہوئے بولا۔

”سر! آج سے میں نے بھی ناشتے پر انڈا لینا بند کر دیا ہے؟“۔

عمران نے کہا۔

”ارے بھئی اس کی کیا ضرورت تھی...... مجھے تو ڈاکٹر نے منع کیا ہوا ہے“۔

کیپٹن شیکھر نے کہا۔

”سر! انڈا دراصل مجھے بھی سوٹ نہیں کرتا“۔

حقیقت میں کیپٹن عمران کو خوش کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ ہیڈ کوارٹر میں اس کی رپورٹ اچھے الفاظ میں کرے...... عمران نے کہا۔

”رات میں ایمونیشن سٹور چیک کر آیا تھا...... سب ٹھیک تھا...... اب میں اس وقت تھوڑی دیر کے لئے چیکنگ کے لئے جاؤں گا...... یہ میری ڈیوٹی میں شامل ہے“۔

”کیوں نہیں سر! آپ ضرور چیکنگ کریں“۔

کیپٹن شیکھر نے کہا...... ناشتے کے بعد عمران محض رسم پوری کرنے کے لئے ایمونیشن سٹور میں گیا...... تھوڑی دیر اندر رہا...... پھر وہاں سے واپس اپنے کمرے میں آگیا...... مسٹر داس گپتا کا بریف کیس اب وہ اپنے کمرے میں ہی لے آیا تھا...... بریف کیس میں سے ایک فائل نکال کر وہ اسے دیکھنے لگا...... یہ عام قسم کی دفتری فائل تھی جس میں مسٹر داس گپتا کی ڈیوٹی اور اس کی کارکردگی کی رپورٹ درج تھی...... عمران نے فائل بند کر کے بریف کیس میں رکھ دی اور بستر پر لیٹ گیا...... اب اسے شام ہونے کا انتظار تھا...... شام کے چھ بجے لیبارٹری میں کام بند ہو جاتا تھا اور سارا سٹاف اپنی اپنی بارکوں میں چلا جاتا تھا۔

دوپہر کا کھانا بھی احتیاط کے طور پر عمران نے کیپٹن شیکھر کے ساتھ ہی کھایا...... وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کوئی غیر معمولی بات تو نہیں ہوئی...... ایسی ابھی تک کوئی بات نہیں ہوئی تھی اور اصلی مسٹر داس گپتا کو شناخت کرنے والا کوئی فوجی افسر یا

عہدے دار باہر سے فوجی کیمپ میں داخل نہیں ہوا تھا، لیکن ایسا کسی بھی وقت ہو سکتا تھا...... ایک سٹیمر صبح کو ہی کلکتے سے آکر گودی پر لگا تھا...... عمران کو ڈر تھا کہ کہیں اس سٹیمر میں کلکتے سے کوئی ایسا فوجی یا خفیہ ایجنسی کا اہل کار نہ آگیا ہو جو داس گپتا کی شکل سے واقف ہو مگر ایسا کوئی شخص ابھی تک وہاں نہیں آیا تھا اور عمران کے لئے ابھی تک سب خیریت تھی۔



کھانے پر کیپٹن شیکھر کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں...... دوپہر کو عمران اپنی بارک میں آکر بستر پر لیٹ گیا...... اسے نیند آگئی...... جب سو کر اٹھا تو شام ہو رہی تھی...... اس نے وہیں کیپٹن سے چائے منگوا کر پی اور گھڑی دیکھ کر لیبارٹری میں چھٹی ہونے کا انتظار کرنے لگا...... جب شام کے ٹھیک ساڑھے چھ بج گئے تو عمران نے کھڑکی میں سے باہر دیکھا...... کیمپ میں صرف کینٹین کی جانب کچھ فوجی ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے...... باقی ہر طرف خاموشی تھی...... عمران کے کمانڈو ایکشن کا وقت آگیا تھا...... اس نے دروازے کی طرف دیکھا...... بند دروازے کی کنڈی لگی ہوئی تھی...... اس نے جلدی سے بستر کی چادریں الگ کیں اور نیچے سپرنگوں والے گدیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک ایک کر کے چاروں ٹائم بم نکال کر اپنی جیکٹ کی اندرونی جیبوں میں رکھے اور جیکٹ کو زپ لگا کر آگے سے بند کر لیا۔

اس کے فوراً بعد وہ کمرے سے نکل کر خاموشی سے لیبارٹری کی طرف چلنے لگا...... لیبارٹری کے دروازے پر ایک فوجی سنتری پہرہ دے رہا تھا...... وہ عمران کی شکل سے پوری طرح سے آشنا تھا اور اس نے کیمپ کمانڈر کے ساتھ اسے لیبارٹری میں آتے جاتے دیکھا ہوا تھا...... عمران نے قریب جا کر کہا۔

”نیچے لیبارٹری میں اس وقت کون کون ہے؟“۔

سنتری نے اٹن شن ہو کر جواب دیا۔

"سر! چھٹی ہو چکی ہے...... سٹاف جا چکا ہے...... صرف دو سیکورٹی گارڈ نیچے ڈیوٹی پر ہیں"۔

عمران یہی معلوم کرنا چاہتا تھا...... اس نے اپنا شناختی کارڈ...... بلکہ اصلی مسٹر داس گپتا کا شناختی کارڈ دکھاتے ہوئے کہا۔

"میں سیکورٹی چیک اپ کے لئے نیچے جا رہا ہوں...... باہر سے کوئی آئے تو اسے باہر ہی روک لینا...... یہ کنفیڈنشل چیک اپ ہے...... ٹھیک ہے؟"۔

سنتری نے ایک پاؤں زمین پر مار کر کہا۔

"ٹھیک ہے سر"۔

عمران خاموشی سے دروازے میں سے گزر کر زینہ اترنے کے بعد لیبارٹری کے زمین دوز تہہ خانے میں آ گیا...... یہاں سامنے سٹول پر دو سیکورٹی گارڈ سنتری بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے...... وہ عمران کی شکل سے شناسا تھے اور اسے کیمپ کمانڈر کے ساتھ لیبارٹری کا معائنہ کرتے دیکھ چکے تھے...... عمران کو دیکھتے ہی دونوں سگریٹ پھینک کر جلدی سے سٹین گنیں سنبھال کر اٹھ کھڑے ہو گئے۔

عمران نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے...... میں روٹین کی چیکنگ پر آیا ہوں...... لیبارٹری میں اس وقت اور کون کون ہے؟"۔

ایک سنتری نے کہا۔

"سر! اس وقت کوئی نہیں ہے...... صرف ہم دونوں گارڈ ڈیوٹی پر ہیں"۔

عمران نے انہیں ہلکی سی ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر تم یہاں گارڈ ڈیوٹی پر ہو...... تمہیں یہاں بیٹھ کر سگریٹ پینے کے لئے نہیں رکھا گیا" سنتری نے فوراً کہا۔

"سر! غلطی ہو گئی...... معاف کر دیں"۔

عمران بولا۔

"ٹھیک ہے...... ڈسپلن کی پابندی کرو...... میں کمروں کی چیکنگ کرنے جا رہا ہوں...... کوئی آئے تو اسے یہیں روک لینا"۔

"ٹھیک ہے سر"۔

دونوں سنتری بیک وقت بولے...... عمران پتلون کی جیبوں میں ہاتھ دیئے خاموشی سے لیبارٹری کے پہلے کمرے میں داخل ہو گیا...... وہاں کوئی نہیں تھا، مگر عمران کو تیسرے کمرے میں جانا تھا...... اس کا ٹارگٹ تیسرا کمرہ تھا، مگر وہ ہر کمرے میں تھوڑا بہت وقت لگانا چاہتا تھا، تاکہ سیکورٹی گارڈ سمجھ جائیں کہ میں چیکنگ وغیرہ کر رہا ہوں...... پہلے کمرے کے بعد وہ دوسرے کمرے میں آ گیا...... یہ کمرہ بھی خالی تھا...... یہاں بھی اس نے دو تین منٹ لگائے اور اس کے بعد درمیان والے یعنی تیسرے کمرے میں آ گیا جہاں سب سے بڑی نیوکلر بھٹی لگی ہوئی تھی...... کمرہ خالی تھا...... کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک سیکنڈ ضائع کئے بغیر وہ سیدھا دیوار کے ساتھ لگے ہوئے سلنڈروں کے پاس گیا اور جیب میں سے ایک ٹائم بم نکال کر اس کا ٹائم فیوز کا بٹن دبایا اور اسے تیسرے سلنڈر کے ساتھ پیچھے چپکا دیا...... اس کے بعد دوسرا ٹائم بم نکال کر اس کا فیوز بٹن دبا کر اسے پانچویں سلنڈر کے پیچھے چپکا دیا...... اسی طرح اس نے چاروں ٹائم بم سلنڈروں کے پیچھے چپکا دیئے...... اس کے فوراً بعد وہ سلنڈروں سے پیچھے ہٹ گیا اور یونہی جھک کر کمپیوٹروں کو غور سے دیکھنے لگا...... یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ چیک اپ کر رہا ہے، مگر اب اس کا وقت بہت قیمتی تھا...... چاروں ٹائم بموں کے ٹائم فیوز آن ہو گئے تھے اور ان کے کلاکوں نے الٹی گنتی شروع کر دی تھی...... عمران کے پاس صرف ایک گھنٹہ تھا جس کے سیکنڈ تیزی سے گزرنے شروع ہو گئے تھے...... اس ایک گھنٹے کے دوران اس نے فوجی کیمپ سے نکل کر وہاں سے جتنی دور جا سکتا تھا چلے جانا تھا...... اس کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا کہ کسی کشتی وغیرہ میں بیٹھ

کر جزیرے سے نکل سکتا...... وہ گاؤں میں قبیلے کے سردار بھاتو کے پاس بھی ابھی نہیں جانا چاہتا تھا...... وہ دھماکوں کے بعد ان کے پاس جانا چاہتا تھا۔

عمران تیسرے کمرے سے نکل کر تہہ خانے کے زینے کی طرف بڑھا...... دونوں سیکورٹی گارڈ اٹن شن آمنے سامنے کھڑے تھے...... عمران بظاہر بڑے سکون کے ساتھ قدم اٹھاتا چلا آرہا تھا، حالانکہ اس کے اندر جذبات کا ایک طوفان مچا ہوا تھا...... مگر اس نے اپنے آپ کو پوری طرح سے کنٹرول میں رکھا ہوا تھا...... سیکورٹی گارڈ کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے انہیں کہا۔

"خبردار ڈیوٹی پر کھڑے رہا کرو...... نہیں تو میں تمہاری رپورٹ کروں گا"۔

"ٹھیک ہے سر!"۔

دونوں گارڈز نے بیک وقت کہا اور عمران آہستہ آہستہ چلتا زینے کے پاس آیا اور پھر زینہ طے کر کے لیبارٹری سے باہر آگیا...... باہر بھی دونوں سیکورٹی گارڈز اٹن شن کھڑے تھے...... عمران نے ان کے قریب سے گزرتے ہوئے بھی انہیں سب ٹھیک ہے کہا اور اپنی بارک کی طرف جانے کی بجائے فوجی کیمپ کے گیٹ کی طرف چل پڑا...... وہ تیز تیز قدم نہیں اٹھا رہا تھا کہ خواہ مخواہ کسی کو اس پر شک نہ پڑ جائے...... رات ہو گئی تھی...... کیمپ میں روشنی ہو رہی تھی...... وقت گزرتا جا رہا تھا...... عمران وہاں سے بھاگنا چاہتا تھا، مگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا...... اچانک اس کی نگاہ کیمپ کمانڈر کے آفس کی طرف گئی...... اس نے دیکھا کہ وہاں ایک فوجی جیپ کھڑی تھی...... چند قدموں کا فاصلہ تھا...... وہ جیپ کی طرف بڑھا...... دفتر بند تھا...... باہر ایک فوجی پہرہ دے رہا تھا...... اس نے فوجی سے پوچھا۔

"ویل جوان...... کیپٹن صاحب کدھر ہے؟"۔

فوجی نے بھی عمران کو کیپٹن شیکھر کے ساتھ دفتر میں آتے جاتے دیکھا تھا اور اسے معلوم تھا کہ ہیڈ آفس سے انٹیلی جنس کا ایک افسر معائنے کے لئے آیا ہوا ہے......

سنتری نے کہا۔

"سر! کیپٹن صاحب اپنی بارک میں چلے گئے ہیں"۔

عمران کو معلوم تھا کہ یہ جیپ کیپٹن شیکھر کی ہے...... اس نے سنتری سے کہا...... "جیپ کی چابی کہاں ہے؟"۔

سنتری بولا۔

"سر! اس کی چابی نہیں ہے"۔

"او کے" عمران نے کہا...... "میں جیپ لے جا رہا ہوں...... کیپٹن صاحب پوچھیں تو بولنا کہ گپتا صاحب ایک ضروری کام سے جیٹی تک گئے ہیں...... ابھی واپس آجائیں گے"۔

سنتری نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر!"۔

عمران جلدی سے جیپ میں بیٹھ گیا...... اس نے سیلف لگایا...... جیپ سٹارٹ ہو گئی...... اب اسے اطمینان تھا کہ وہ دھماکوں سے پہلے کیمپ سے زیادہ سے زیادہ دور جا سکتا ہے...... کیمپ سے نکلتے ہی اس نے جیپ کو جنگل کی طرف جانے والی چھوٹی سڑک پر ڈال دیا اور اس کی سپیڈ تیز کر دی...... اس نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی...... کلائی کی گھڑی کی سبز چمکیلی سوئیاں رات کے آٹھ بج کر دس منٹ بجا رہی تھیں...... عمران نے ٹھیک آٹھ بجے پانچ پانچ سیکنڈ کے وقفوں سے ٹائم بموں کے ٹائم فیوز دبائے تھے...... اس کا مطلب تھا کہ پہلے ٹائم بم کو ٹھیک نو بجے پھٹنا تھا اور اسے یقین تھا کہ پہلے ٹائم بم کے دھماکے اور سلنڈروں کے پھٹنے اور وہاں آگ لگنے سے باقی کے تینوں ٹائم بم بھی پھٹ جائیں گے...... اس کے پاس کیمپ سے زیادہ سے زیادہ دور چلے جانے کے واسطے صرف پچاس منٹ تھے...... وہ جیپ میں تھا اور یہ پچاس منٹ بہت تھے...... ہیڈ لائٹوں کی روشنی میں عمران اسے برابر آگے ہی آگے لئے جا رہا تھا...... اسے معلوم تھا کہ یہ

سڑک جنگل کے کنارے کنارے سے ہوتی ہوئی جزیرے کے جنوبی ساحل کی طرف نکل جاتی ہے...... وہ اسی طرف جا رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد جنگل کا کنارہ شروع ہو گیا۔

یہاں سڑک غیر ہموار تھی...... عمران نے جیپ کی رفتار کم کر دی...... وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد گھڑی پر وقت دیکھ لیتا تھا...... ابھی نو بجنے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا...... مزید پندرہ منٹ کے بعد جنگل ختم ہو گیا اور کھلا علاقہ آ گیا...... یہاں سے سمندر زیادہ دور نہیں تھا...... کچھ دیر کے بعد عمران جزیرے کے جنوبی ساحل کی سمندری چٹانوں کے قریب آ کر رک گیا...... وہ جیپ سے اتر کر ایک چٹانی پتھر پر بیٹھ گیا...... اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی...... بموں کے پھٹنے میں صرف سات منٹ باقی رہ گئے تھے...... عمران فوجی کیمپ کی طرف منہ کر کے بیٹھا ہوا تھا...... اس طرف جنگل کے اوپر آسمان پر چمکتے ستارے کہیں کہیں نظر آ رہے تھے...... اگر بم پھٹ جاتے ہیں تو سات منٹ کے بعد آسمان کا یہ حصہ سرخ ہونے والا تھا...... اسے یقین تھا کہ امریکہ کے بنائے ہوئے ٹائم بم اسے دھوکا نہیں دیں گے اور عین وقت پر پھٹ پڑیں گے۔

اور ایسا ہی ہوا...... ٹھیک نو بجے ایک خوفناک دھماکے کی آواز نے سارے جزیرے کو ہلا ڈالا...... اس کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے دھماکے شروع ہو گئے...... پھر ایک ایسا دھماکہ ہوا کہ عمران کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی اور وہ گرتے گرتے بڑی مشکل سے سنبھل سکا...... خدا جانے یہ کیمیاوی محلول والے سلنڈروں کے دھماکے تھے یا کسی ایٹمی مواد کے پھٹنے کا دھماکہ تھا کہ سارے جزیرے میں ایک زلزلہ سا آ گیا...... عمران جلدی سے زمین پر بیٹھ گیا، جس طرف فوجی کیمپ تھا اس طرف آسمان ایسے سرخ ہو گیا تھا جیسے نیچے کسی جہنم کا منہ کھل گیا ہو، یا کسی آتش فشاں نے زمین پھاڑ ڈالا ہو...... جنگل کے درختوں پر سوئے ہوئے پرندوں نے شور مچا دیا تھا اور وہ شور مچاتے ہوئے عمران کے سر کے اوپر سے گزر کر سمندر کی طرف جا رہے تھے۔

اس خوفناک دھماکے کے بعد ایک اور اس سے بھی زیادہ بھیانک دھماکہ ہوا...... عمران کو یوں لگا جیسے سارا جزیرہ پھٹ گیا ہو اور غرق ہو رہا ہو...... وہ زمین پر دونوں ہاتھ جمائے بیٹھا تھا اور خدا کو یاد کر رہا تھا...... آسمان کبھی سرخ ہو رہا تھا اور کبھی نیلا اور کبھی سبز ہو جاتا تھا...... دھوئیں میں بجلیاں سی چمک رہی تھیں۔

فضا میں عجیب قسم کی ناگوار سی جلی ہوئی بو پھیل گئی تھی۔

جزیرہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہل جاتا تھا...... اس کی زمین پر ایک لرزش سی طاری تھی...... جیسے جزیرے کی زمین بھی اپنی تباہی دیکھ کر کانپ رہی ہو...... عمران کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہاں کس قدر تباہی نازل ہوئی ہے...... اسے صرف قبیلے کے چھوٹے سے گاؤں کی فکر تھی جہاں قبیلے کا سردار اور اس کی بیٹی ساکشی رہتی تھی اور جن کی مدد سے اب اسے اس جزیرے سے فرار ہونا تھا...... جب ذرا زمین اور فضا کو سکون نصیب ہوا تو عمران نے کمانڈر کیپٹن چندر شیکھر کی جیپ کو وہیں چھوڑا اور پیدل ہی رات کی تاریکی میں گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا...... وہ چھوٹی خراب سڑک پر جنگل کے کنارے کنارے واپس جا رہا تھا جہاں سڑک تھوڑی پختہ ہو جاتی تھی...... وہاں سے سردار کے گاؤں کی طرف راستہ مڑتا تھا...... جب وہ جنگل میں سے گزرتا گاؤں میں پہنچا تو وہاں موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا...... پہلے تو وہ ڈر گیا کہ کہیں گاؤں کے سارے لوگ ہلاک نہ ہو گئے ہوں...... وہ گاؤں کے جھونپڑوں کے قریب گیا تو اس نے دیکھا کہ سردار کے بڑے جھونپڑے کے اندر روشنی ہو رہی تھی...... اس نے سردار کو آواز دی...... سردار ...ھا تو جلدی سے باہر آ گیا اور عمران کو اپنے ساتھ جھونپڑے کے اندر لے گیا۔

جھونپڑے میں اس کی بیٹی ساکشی سہمی ہوئی بیٹھی تھی...... سردار نے پوچھا۔

"یہ کیا ہوا...... سنا ہے آدھا جزیرہ ڈوب گیا ہے...... لوگ گاؤں چھوڑ کر دوسرے جزیرے کی طرف فرار ہو گئے ہیں...... مجھے تمہاری فکر تھی، نہیں تو ساکشی کو لے کر ہم بھی یہاں سے جا چکا ہوتا"۔

میں نے کہا۔

”میں نے اس گاؤں کے اور گاؤں کے لوگوں کے دشمنوں کو ختم کر دیا ہے۔۔۔۔ اب کوئی سائنس دان تمہارے جزیرے پر ایٹم بم کا تجربہ کر کے تمہیں موت کی نیند نہیں سلا سکے گا“۔

سردار بھاتو کو میرے مشن کے بارے میں صرف اتنا معلوم تھا کہ بھارت اس جزیرے میں کسی ایٹم بم کا تجربہ کرنے والا ہے۔۔۔۔ تجربے سے پہلے اس کی فوج جزیرے سے چلی جائے گی۔۔۔۔ صرف جزیرے کے مقامی لوگ ہی رہ جائیں گے۔۔۔۔ بھارت جزیرے کے لوگوں کو ایٹمی تجربے سے بے خبر رکھے گا کیونکہ وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کے ایٹمی دھماکے سے انسانوں پر کیا اثر پڑتا ہے۔۔۔۔ عمران نے سردار کو کچھ بتایا تھا تاکہ اس کی ہمدردی حاصل کر سکے۔۔۔۔ سردار کہنے لگا۔

”لیکن گاؤں کے لوگ کہہ رہے تھے کہ آدھا جزیرہ فوجی کیمپ اور بندرگاہ سمیت سمندر میں غرق ہو گیا ہے“۔

عمران نے کہا۔

”غرق ہوتا ہے تو ہو جائے۔۔۔۔ سب تمہارے اور اس گاؤں کے دشمن مر ہیں۔۔۔۔ تم لوگ زندہ سلامت ہو۔۔۔۔ بس میں یہی چاہتا تھا“۔

ساکشی محبت بھری لیکن ڈری ہوئی نظروں سے عمران کی طرف دیکھ رہی تھی۔۔۔۔ اس نے اپنے سردار باپ سے کہا۔

”بابا! آمی آ گیا ہے۔۔۔۔ اب ہمیں بھی یہاں سے چلے جانا چاہئے“۔

وہ عمران کو آمی کہہ کر بلاتی تھی۔۔۔۔ عمران کو سردار کی نوجوان لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، لیکن سردار نے اپنی بیٹی کی شادی عمران سے کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔۔۔۔ عمران وہاں صرف اپنے مشن کی تکمیل کی خاطر بیٹھا تھا۔۔۔۔ اس کا مشن مکمل ہو چکا تھا۔۔۔۔ اب اسے وہاں سے فرار ہونا تھا اور وہ صرف سردار بھاتو کی مدد ہی سے

ہو سکتا تھا، کیونکہ اگر بندرگاہ سلامت بھی ہوتی تو بھی وہ کسی جہاز پر سوار ہو کر کلکتے یا انڈیمان جزائر کی طرف واپس نہیں جا سکتا تھا۔۔۔۔ وہ راستے میں پکڑا جا سکتا تھا، کیونکہ اتنی بڑی تباہی کے بعد جزائر انڈیمان اور کلکتے کی بندرگاہوں پر تو ایمرجنسی نافذ کر دی گئی ہوگی اور فوج ہر اجنبی شخص کو پکڑ رہی ہو گی۔۔۔۔ سردار نے عمران سے کہا۔

”پتہ نہیں دن نکلنے کے بعد جزیرے میں کیا فساد برپا ہو۔۔۔۔ میرے آدمیوں نے بتایا ہے کہ جہاں فوجی کیمپ تھا وہاں اب بہت بڑا کنواں بن گیا ہے، جس کے اندر نیچے سے سمندر کا پانی آ گیا ہے، لیکن یہاں بھارت کی پولیس اور فوج کل تک ضرور آ جائے گی۔۔۔۔ وہ ہیلی کاپٹروں سے یہاں اترے گی اور ہو سکتا ہے ہم سب کو شک کی وجہ سے گرفتار کر لے۔۔۔۔ اس لئے میں ابھی یہاں سے چلے جانا چاہتا ہوں“۔

ساکشی بولی۔

”بابا! دیر مت کرو۔۔۔۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے ہم پر کوئی اور مصیبت آ جائے“۔

سردار نے ایک گٹھڑی اٹھائی۔۔۔۔ ایک گٹھڑی اپنی نوجوان بیٹی ساکشی کو دی اور ان دونوں کو ساتھ لے کر گاؤں سے نکل پڑا۔

رات کے اندھیرے میں یہ لوگ جنگل میں سے ہوتے ہوئے ایک گھنٹے کے بعد سمندر کے کنارے پہنچ گئے۔۔۔۔ وہاں دو تین بڑی بڑی کشتیاں کھڑی تھیں جن میں دوسرے گاؤں کے جنگلی لوگ اپنے بال بچوں کے ساتھ سوار ہو کر جزیرے سے بھاگ رہے تھے۔۔۔۔ سردار کو پہچان کر لوگوں نے فوراً ایک بڑی کشتی میں سردار، ساکشی اور عمران کے لئے جگہ بنا دی۔۔۔۔ رات کے اندھیرے میں ہی کشتی جنوب کی طرف سمندر میں روانہ ہو گئی۔۔۔۔ رات بھر کشتی سمندر میں چلتی رہی۔

پو پھٹ رہی تھی اور آسمان پر سپیدہ صبح نمودار ہو رہا تھا کہ دور سے کچھ ابھرے ہوئے جزیروں کی پہاڑیاں نظر آنا شروع ہو گئیں۔۔۔۔ یہ نکوبار کے انتہائی جنوبی

جزیرے تھے...... ان جزیروں میں کہیں کہیں صرف جنگلی لوگ ہی رہتے تھے...... کُ
ایک جزیرے کے ساحل کے ساتھ جا کر لگ گئی...... یہاں سمندر سے کچھ فاصلے
پہاڑی کے دامن میں کچھ جھونپڑوں پر مشتمل ایک چھوٹا گاؤں تھا جہاں سردار بھاتو
قبیلے کے لوگ پہلے سے بھاگ کر پہنچ چکے تھے...... وہ سردار کے خیر مقدم کے
ناچتے گاتے نیزے لہراتے وہاں پہنچ گئے اور سردار اس کی بیٹی اور عمران کو ساتھ لے
گاؤں میں آ گئے...... یہاں گاؤں کی سب سے آرام دہ تین جھونپڑیاں انہیں دے
گئیں...... ایک جھونپڑی میں سردار اور دوسری میں اس کی بیٹی ساکشی اور تیسر
جھونپڑے میں عمران رہنے لگا...... یہ جزیرہ انسانی تہذیب و تمدن سے کٹا ہوا تھا
وہاں نہ کسی کے پاس ریڈیو تھا نہ ٹیلی ویژن اور نہ کوئی اخبار ہی آتا تھا...... سردار نے ا
دو آدمی پیچھے گاؤں میں بھیج دیئے کہ جا کر پتہ کر لیں کہ وہاں کیا صورت حال ہے۔

اس آدمی نے تیسرے دن آ کر بتایا کہ جزیرے میں انڈیا کی فوج اتری ہوئی ہے ا
گاؤں کے کئی لوگ شک کی وجہ سے پکڑے گئے ہیں...... انہوں نے یہ بھی بتایا کہ فو
کیمپ سارے کا سارا فوجیوں سمیت تباہ ہو کر زمین میں غرق ہو گیا ہے اور وہاں ا
بھی آدمی زندہ نہیں بچا...... عمران کو اس خبر سے اطمینان ہو گیا کہ اس کا مشن کامیا
رہا...... وہ یہی چاہتا تھا، لیکن اس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہاں اس قدر تباہی نا
ہو گی...... اب اس کا مشن اس ویران اور گمنام جزیرے سے کلکتے کی طرف واپس جا
تا کہ دلی یا بمبئی جا کر اپنے ساتھی کمانڈو جبران سے مل جائے اور اُسے اپنے مشن
کامیابی کی رپورٹ دے، لیکن ادھر سردار عمران سے اپنی بیٹی ساکشی کی شادی کی تیار
کر رہا تھا...... اس کی وجہ یہ تھی کہ عمران نے اس شادی پر اپنی رضامندی کا اظہار کر
ہوا تھا، کیونکہ اسے سردار کی مدد کی ضرورت تھی اور اس کے لئے اس کی خوشنو
حاصل کرنا ضروری تھا...... اگر وہ سردار کی بیٹی سے شادی کرنے سے انکار کر د
سردار اس کے خلاف ہو جاتا اور عمران کی اپنے مشن میں کامیابی مشکوک ہو جاتی۔

ساکشی کو عمران سے محبت ہو گئی تھی...... ایک خوش شکل گورے چٹے شہری
نوجوان سے اس کو محبت ہونی ہی تھی...... جب اسے پتہ چلا کہ عمران شادی پر راضی
ہو گیا ہے تو وہ یہی سمجھی کہ عمران بھی اس سے محبت کرتا ہے...... عمران کو اتنا تو علم تھا
کہ یہ انڈیمان کے نیچے نکوبار کے جزائر کے سلسلے کے آخری دو تین ویران جزیرے ہیں
اور اس نے نقشے میں یہ بھی دیکھا ہوا تھا کہ ان جزائر کے آخری جنوبی جزیرے کے نیچے
ایک طرف انڈونیشیا سماٹرا کا ملک ہے...... مغرب کی جانب سری لنکا ہے اور مشرق کی
جانب تھائی لینڈ کا دارالحکومت بنکاک ہے...... ان میں سے صرف سری لنکا ایک ایسا
ملک تھا کہ اگر عمران کسی طرح وہاں پہنچ جائے تو وہ بالکل محفوظ ہو جاتا تھا، کیونکہ سری
لنکا کے پاکستان کے ساتھ بڑے دوستانہ تعلقات تھے، جبکہ تھائی لینڈ اور سماٹرا عمران
کے لئے اجنبی ملک تھے اور وہاں سے اس حالت میں بھارت جانا تقریباً ناممکن تھا جبکہ
اس کے پاس کوئی پاسپورٹ وغیرہ بھی نہ ہو...... ان تینوں میں سے صرف سری لنکا
ایک ایسا ملک تھا جہاں سے بھارت اور پاکستان پہنچنا آسان تھا اور وہاں اسے کسی مسلمان
کے ہاں پناہ اور مدد بھی مل سکتی تھی اور وہ وہاں کے لوگوں پر بھروسہ کر سکتا تھا، مگر اتنا
اسے معلوم تھا کہ سری لنکا وہاں سے بہت دور ہے...... وہاں سے سری لنکا کی طرف
فرار ہونے کے بارے میں وہ سردار سے مدد نہیں مانگ سکتا تھا...... اسے جو کچھ کرنا تھا
اکیلے ہی کرنا تھا...... اس جزیرے پر باہر سے کبھی کوئی جہاز وغیرہ بھی آ کر نہیں لگا
تھا...... یہ گمنام سا جزیرہ تھا اور دنیا کے ممالک کے تجارتی آبی راستوں سے ہٹ کر واقع
تھا...... ادھر سے کسی جہاز کے گزرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور کسی سمندری
جہاز کے بغیر عمران سری لنکا نہیں پہنچ سکتا تھا۔

دوسری طرف ساکشی کے عمران کے ساتھ بیاہ کی تیاریاں برابر ہو رہی
تھیں...... سردار نے عمران کو اپنی جھونپڑی میں بلا کر کہا۔

"آؤ بیٹا...... اگر میں اپنے گاؤں میں ہوتا تو یہ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوتی،

لیکن میں اپنے گاؤں میں نہیں ہوں...... پھر بھی یہاں مجھ سے جو ہو سکا کروں گا''۔

عمران اسے کہنا چاہتا تھا کہ بھائی صاحب میں یہ شادی نہیں کر سکتا...... آپ ک چکروں میں پڑے ہیں، لیکن اسے ڈر تھا کہ کہیں سردار اس فیصلے سے عمران کا دشمن نہ بن جائے...... ان جنگلی لوگوں کی دوستیاں اور دشمنیاں ایسی ہی ہوتی ہیں...... ا خاموش رہا...... ادھر اس کی شادی کا دن قریب آتا گیا...... سردار نے چاند کو دیکھ ک اس کے حساب سے شادی کی کوئی رات مقرر کر رکھی تھی۔

عمران نے اپنا معمول بنالیا تھا کہ وہ دن میں دو تین دفعہ جزیرے کے جنوبی ساحل کی چٹانوں کی طرف نکل جاتا تھا اور کسی چٹان پر بیٹھ کر سمندر میں تکتا رہتا تھا کہ شاید کوئی بھولا بھٹکا جہاز اس طرف نکل آئے اور وہ اس پر بیٹھ کر وہاں سے بھاگ جائے...... اب وہ اس ویران جزیرے سے اس قدر تنگ آ چکا تھا کہ وہ کسی بھی جہاز پر بیٹھنے کو تیا تھا...... خواہ وہ جہاز ساٹرا اور تھائی لینڈ کی طرف ہی کیوں نہ جا رہا ہو...... اسے ا جزیرے میں آئے کافی دن ہو گئے تھے...... وہاں کوئی کیلنڈر تو تھا نہیں...... مہینے ک تاریخ اور دن کا بھی عمران کو کچھ علم نہیں رہا تھا...... بس دن نکلتا تھا اور دن ڈھل ک رات ہو جاتی تھی...... جنگلی لوگ الاؤ جلا کر ناچنے گانے لگتے تھے...... مچھلیاں پکڑ ک کھاتے تھے...... صبح شام مچھلیاں کھا کھا کر بھی عمران بیزار ہو گیا تھا...... ایک رات ساکشی اس کی جھونپڑی میں آ گئی۔

''عمران نے پوچھا''۔

''تم کیسے اس وقت آ گئی ہو؟''۔

ساکشی نے کہا۔

''مجھے میرے بابا یہاں خود چھوڑ کر گئے ہیں''۔

عمران نے حیران ہو کر پوچھا۔

''وہ کس لئے؟''۔

''یہ ہمارے قبیلے کی رسم ہے کہ بیاہ سے پہلے ایک رات کو لڑکی کا باپ لڑکی کو دولہا کے جھونپڑے میں چھوڑ جاتا ہے تاکہ وہ دونوں شادی سے پہلے ایک دوسرے کو اچھی طرح سے دیکھ لیں اور یہ بھی معلوم کر لیں کہ ان میں سے کسی کو کوئی بیماری تو نہیں ہے...... یہ بڑی ضروری رسم سمجھی جاتی ہے...... اگر لڑکی کے جسم میں کوئی خرابی ہو تو لڑکے کو حق ہوتا ہے کہ وہ شادی سے انکار کر دے اور اگر لڑکے کے جسم میں کوئی خرابی ہو تو لڑکی کو حق ہوتا ہے کہ وہ شادی سے انکار کر دے''۔

عمران نے کہا۔

''مجھے کوئی بیماری نہیں ہے...... بہتر ہے کہ تم واپس چلی جاؤ''۔

ساکشی کہنے لگی۔

''یہ بدشگونی ہو گی...... مجھے آج کی رات تمہارے پاس رہنا ہو گا''۔

یہ ایک نئی مصیبت عمران پر نازل ہو گئی تھی...... عمران کو اس مصیبت سے نجات مشکل نظر آ رہی تھی، لیکن وہ اس قسم کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا...... اس نے جھوٹ موٹ ساکشی سے اظہار محبت شروع کر دیا...... اسے اپنی محبت کا یقین دلاتے ہوئے کہا۔

''ساکشی میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں اور میں تم سے ہی شادی کروں گا، لیکن ہمارے قبیلے میں اس بات کو سخت بدشگونی سمجھا جاتا ہے کہ شادی سے پہلے لڑکی لڑکا رات کو تنہائی میں ایک دوسرے سے ملیں اور ایک دوسرے کے جسم کو دیکھیں...... اگر ہم میں سے کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کی ہونے والی بیوی شادی کی رات مر جاتی ہے''۔

ساکشی ڈر گئی...... کہنے لگی۔

''لیکن ہمارے قبیلے میں اسے بدشگونی سمجھا جاتا ہے کہ لڑکی لڑکا شادی سے پہلے ایک رات ایک دوسرے کو قریب سے نہ دیکھیں''۔

عمران نے کہا۔

”میں نے تمہارے جسم کو دیکھ لیا ہے...... تمہارے جسم میں کوئی خرابی نہیں ہے...... میں تم سے ہی شادی کروں گا...... میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میرے جسم میں بھی کوئی نقص نہیں ہے...... مجھے کوئی بیماری بھی نہیں ہے...... بس یہیں بات ختم ہو جانی چاہئے...... اس طرح ہم دونوں کی شرط پوری ہو جائے گی“۔

ساکشی پہلے تو نہ مانی مگر میں نے اس کے ساتھ محبت کے ایسے ڈائیلاگ بولے کہ وہ مان گئی...... میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور اسے چارپائی پر سلا کر خود زمین پر بچھی ہوئی ناریل کی چٹائی پر سو گیا...... صبح صبح ساکشی اٹھ کر چلی گئی۔

میں دن میں دو بار اور بیچ میں بھی جب وقت ملتا جزیرے کے جنوبی ساحل کی طرف نکل جاتا اور کسی چٹان پر بیٹھ کر سمندر کی بیکراں وسعتوں کو دیکھتا رہتا کہ شاید کوئی جہاز اس طرف آتا نظر آ جائے، مگر میری یہ حسرت پوری نہیں ہو رہی تھی...... ادھر ساکشی سے میرے بیاہ کی تاریخ قریب آ رہی تھی...... چاند کے حساب سے شادی میں صرف چھ دن باقی رہ گئے تھے...... میں بھاگ بھی نہیں سکتا تھا...... بھاگ کر جاتا بھی تو کہاں جاتا...... ساکشی سے بلکہ ان حالات میں کسی بھی لڑکی سے اس کی شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، لیکن شادی کی تیاریاں جاری تھیں...... عمران ان تیاریوں کو دیکھ کر گھبرا رہا تھا...... وہ خدا سے دعا مانگتا کہ کوئی جہاز آ جائے اور اسے وہاں سے اٹھا کر لے جائے...... آخر اس کی دعا قبول ہو گئی۔

ایک دن دوپہر کے بعد وہ سمندر کے کنارے معمول کے مطابق یہ دیکھنے گیا کہ اس طرف سے کوئی جہاز تو نہیں گزر رہا...... وہ ایک چٹان کے پیچھے سے نکل کر ساحل پر آیا تو یہ دیکھ کر اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا کہ سمندر میں کنارے سے دور ایک جہاز لنگر ڈالے کھڑا تھا اور ایک کشتی کنارے کی طرف آ رہی تھی...... عمران زور زور سے ہاتھ ہلانے لگا...... وہ فرط مسرت سے ایسا کر رہا تھا، حالانکہ کشتی کنارے کی طرف ہی آ رہی تھی...... کشتی میں چھ سات آدمی سوار تھے...... دو آدمی چپو چلا رہے تھے......

انہوں نے عمران کو دیکھ لیا تھا...... کشتی کنارے پر ایک طرف کھڑی کرنے کے بعد تین آدمی عمران کی طرف بڑھے...... ان میں ایک دراز قد مضبوط جسم کا آدمی تھا...... شکل صورت سے یہ لوگ جاوا سماٹرا کے لگ رہے تھے...... انہوں نے پتلونیں اور رنگ برنگی بنیانیں پہن رکھی تھیں...... ان کے رنگ زردی مائل سانولے تھے...... دراز قد آدمی نے عمران کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور ٹوٹی پھوٹی اردو زبان میں پوچھا۔

”کیا یہ جزیرہ بے آباد ہے؟“۔

عمران نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ آدمی اردو جیسی بھی سہی مگر بول لیتا تھا...... عمران نے اسے بتایا کہ جزیرہ بے آباد نہیں ہے...... یہاں ایک جنگلی قبیلے کے لوگ آباد ہیں...... دراز قد آدمی نے عمران سے پوچھا۔

”تم کون ہو؟ تم جزیرے کے جنگلی نہیں لگتے“۔

عمران نے ایک سکیم پہلے سے ذہن میں تیار کر رکھی تھی...... اس نے کہا۔

”میں انڈیا کا رہنے والا ہوں...... نکوبار آئی لینڈ کی سیر کو آیا ہوا تھا...... ایک روز اکیلا کشتی میں سمندر کی سیر کر رہا تھا کہ سمندر میں طوفان آ گیا...... میری کشتی طوفان میں پھنس گئی اور میں بڑی مشکل سے اس جزیرے میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، لیکن یہاں کے جنگلی لوگوں نے مجھے پکڑ کر قید کر لیا...... آج میں ان لوگوں کی آنکھ بچا کر اس طرف آ گیا ہوں...... مجھے اپنے ساتھ جہاز پر لے چلیں...... یہاں رہا تو جنگلی لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے“۔

دراز قد آدمی نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

”اس کو کشتی میں لے چلو“۔

دونوں اس کے ساتھی ناٹے قد کے نوجوان تھے...... وہ عمران کو کشتی میں لے گئے...... عمران کشتی میں بیٹھ گیا...... کشتی میں پہلے سے ان لوگوں کے ساتھی بیٹھے تھے...... ان میں سے ایک نے اپنی زبان میں ان آدمیوں سے جو مجھے لائے تھے کچھ

پوچھا، جس کا جواب سن کر وہ مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگے...... دراز قد آدمی اس دورا
جزیرے کے درختوں کی طرف چلا گیا تھا...... اس کے ساتھ ایک آدمی تھا...... معلو
ہوتا تھا کہ وہ کسی شے کی تلاش میں وہاں آئے ہیں...... دیر تک دراز قد آدمی درختو
کے نیچے ادھر ادھر جھک کر زمین کو دیکھتا اور کچھ تلاش کرتا رہا...... پھر وہ کشتی میں آ
بیٹھ گئے...... دراز قد آدمی نے اپنی زبان میں کچھ کہا...... فوراً کشتی کو سمندر میں اتارا
اور وہ دور سمندر میں کھڑے جہاز کی طرف روانہ ہو گئی۔

عمران خدا کی قدرت پر حیران تھا کہ اسے کتنی جلدی ساکشی اور اس کے قبیلے
لوگوں سے نجات مل گئی...... کشتی سمندر میں کھڑے جہاز کے ساتھ جا کر لگ گئی...
کشتی کو آدمیوں سمیت رسوں کی مدد سے اوپر کھینچ لیا گیا...... یہ جہاز چھوٹا تھا اور اس
پیندا زنگ آلود تھا...... بڑا پرانا جہاز لگ رہا تھا...... جہاز کے ڈیک پر بھی رنگ برنگی
شرٹوں اور بنیانوں والے ناٹے قد کے سانولے اور کالے لڑکے ادھر ادھر کام کر رہ
تھے...... کسی نے سر پر رومال باندھ رکھا تھا...... کسی نے پرانی پی کیپ پہن رکھ
تھی...... عمران کو جہاز کا ماحول مشکوک سا لگا...... دراز قد آدمی نے عمران سے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ...... میں تمہیں جہاز کے کپتان سے ملاتا ہوں"۔



وہ اسے لے کر جہاز کے ایک کیبن میں آ گیا۔

کیبن میں ایک بھاری بھرکم لمبا تڑنگا کالے رنگ کا گھنگھریالے بالوں والا آدمی ایک عورت کو آغوش میں لئے لکڑی کے کاؤچ پر بیٹھا سگار پی رہا تھا...... یہ آدمی شکل ہی سے عمران کو جرائم پیشہ لگا...... یہ جہاز کا کپتان تھا...... دراز قد آدمی کا نام جاکی تھا...... اس نے کپتان سے کہا۔

"کیپٹن! یہ نوجوان جزیرے کے جنگلیوں کی قید سے نکل کر بھاگا ہے...... میں اسے اپنے جہاز پر لے آیا ہوں...... یہاں ہمارے ساتھ کام کرے گا"۔

کپتان نے عمران کو غور سے دیکھا اور بولا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"۔

"عمران نے کہا۔

"میرا نام عامی ہے"۔

ساکشی عمران کو عامی کے نام سے ہی بلاتی تھی...... عمران کو اپنے نام کا یہ مخفف اچھا لگا تھا، چنانچہ اس نے کپتان کو یہی نام بتا دیا...... کپتان نے پوچھا۔

"مسلمان ہو کہ کرسچین ہو"۔

عمران نے کہا۔

"میں مسلمان ہوں اور انڈیا کے صوبے پنجاب کا رہنے والا ہوں...... بدقسمتی سے

جزیرے کے جنگلیوں نے مجھے پکڑ کر قید کرلیا تھا...... اب میں واپس انڈیا جانا چاہتا ہوں"۔

کپتان نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم تمہیں مفت جہاز میں بٹھا کر انڈیا لے جائیں گے؟ تمہیں جہاز میں کام کرنا پڑے گا...... بولو تمہیں منظور ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"آپ جو کام کہیں گے میں کروں گا، لیکن مجھے سری لنکا یا انڈیا ضرور پہنچادیں"۔

کپتان بولا۔

"ابھی ہم ایک اور جگہ جارہے ہیں...... اس کے بعد سری لنکا جائیں گے...... پھر تمہیں وہاں اتار دیں گے"۔

اس نے جاکی سے مخاطب ہو کر کہا۔

"جاکی اس کو اوپر لے جاؤ اور کام پر لگادو...... جاؤ"۔

جاکی عمران کو جہاز کے ڈیک پر لے آیا...... اس کے ہاتھ میں ایک بالٹی اور جھاڑو پکڑادیا اور کہا۔

"ڈیک کا سامنے والا فرش صاف کرو...... چلو"۔

عمران کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا...... اسے اس بات کی خوشی تھی کہ وہ جزیرے کے مشکل حالات سے نکل آیا ہے...... وہ اپنا مشن کامیابی سے مکمل کرچکا تھا اور اب کسی نہ کسی طرح واپس دلی یا بمبئی اپنے ساتھی کمانڈو جبران کے پاس پہنچنا چاہتا تھا...... اسے یقین تھا کہ اگر اس جہاز نے اسے سری لنکا کے ساحل پر بھی اتار دیا تو وہ وہاں سے انڈیا پہنچ جائے گا...... اس نے مسٹر داس گپتا کو ٹھکانے لگانے کے بعد اس کا بٹوہ اپنے پاس رکھ لیا تھا...... اس بٹوے میں انڈین کرنسی میں چھ سات سو کے قریب رقم تھی...... یہ رقم عمران کے پاس ویسی کی ویسی پڑی تھی...... یہ سری لنکا میں اس کے

کام آسکتی تھی...... غنیمت تھی کہ جہاز کے کپتان اور جاکی نے اس کی تلاشی لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی اور یہ رقم ابھی تک عمران کے پاس محفوظ تھی۔

کچھ دیر کے بعد جہاز کا لنگر اٹھایا جانے لگا...... پھر جہاز کے انجن چلنے لگے اور جہاز نے سمندر میں چلنا شروع کردیا...... کپتان نے کہا تھا کہ ابھی انہیں ایک اور جگہ جانا ہے...... اس کے بعد وہ سری لنکا جائیں گے اور وہاں تمہیں اتار دیں گے...... عمران کو کپتان نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کس طرف جارہے ہیں...... سورج نکلا ہوا تھا...... کہیں کہیں آسمان پر بادل تیر رہے تھے...... سورج کو دیکھ کر عمران نے اندازہ لگایا کہ جہاز جنوب مغرب کی طرف جارہا ہے، جبکہ سری لنکا کا جزیرہ بھی اسی طرف تھا...... ابھی تک عمران کو یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ ان لوگوں کا کاروبار کیا ہے اور یہ جہاز لے کر سمندر میں کیا کرتے پھرتے ہیں...... جہاز پر کوئی تجارتی سامان بھی لدا ہوا نہیں تھا۔

جہاز سست رفتار کے ساتھ سمندر میں چلا جارہا تھا۔

رات ہوگئی...... عمران نے جہاز کے دوسرے کام کرنے والے ملاحوں کے ساتھ کینٹین سے باہر ڈیک پر بیٹھ کر کھانا کھایا...... معلوم ہوا کہ ان میں جاوا سماٹرا، تھائی لینڈ اور انڈیا کے تامل لڑکے ہیں...... سب اپنی اپنی زبان میں ایک دوسرے سے بول رہے تھے...... وہ ہندوستانی زبان یعنی ٹوٹی پھوٹی شکستہ اردو میں بھی ایک دوسرے سے بات کرلیتے تھے...... ایک دو آدمیوں نے عمران سے ہندوستانی میں بات کی، لیکن ان میں سے کسی نے عمران کی طرف زیادہ توجہ نہ دی...... رات کو عمران بھی دوسرے ملاحوں کی طرح ڈیک پر ایک طرف لیٹ گیا...... وہ لوگ تو جلدی سو گئے لیکن عمران ابھی تک جاگ رہا تھا...... جہاز بھی سمندری موجوں پر ڈول رہا تھا...... شروع میں عمران کو بڑے چکر آئے لیکن کافی پینے کے بعد اس کی طبیعت بحال ہوگئی...... وہ لیٹ ضرور گیا تھا مگر اس کی آنکھوں میں نیند بالکل نہیں تھی...... اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا کہ جس بٹوے میں چھ سات سو روپے کے نوٹ تھے وہ ابھی تک بٹوے

سمیت محفوظ تھے۔

اس سمندری جہاز کو سمندر میں سفر کرتے تیسرا دن جا رہا تھا...... ابھی تک اس
منزل نہیں آئی تھی...... خدا جانے وہ کہاں جا رہا تھا...... اس نے ایک بار جبکہ دراز
جاکی اس کے قریب سے گزر رہا تھا تو اس سے پوچھا کہ ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں۔
اس کے جواب میں جاکی نے عمران کو ڈانٹتے ہوئے کہا تھا۔

”اگر یہ سوال دوسری دفعہ پوچھا تو میں تمہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دوں گا۔
تم نئے نئے جہاز پر آئے ہو اس لئے تمہیں اس بار معاف کرتا ہوں“۔

اس لمحے عمران کو احساس ہوا کہ ہو نہ ہو یہ لوگ سمندری لٹیرے ہیں اور لوٹ
کرنا ان کا پیشہ ہے...... بہت جلد عمران کا یہ احساس سچ ثابت ہو گیا...... چوتھے روز
سے زمین نظر آنے لگی...... شام تک بہت دور سے کسی بندرگاہ کی اونچی اونچی عمارت
کی روشنیاں بھی دکھائی دینے لگیں...... جہاز سمندر میں ایک جگہ رک گیا...... جہا
لنگر ڈال دیا گیا...... ملاحوں میں ہلچل سی مچ گئی...... عمران ڈیک کے ایک طرف
گیا...... اتنے میں دراز قد جاکی نچلے کیبن سے اوپر ڈیک پر آ گیا...... اس نے پستول
رکھا تھا...... اس کے ساتھ چھ سات آدمی تھے...... انہوں نے بھی اپنی پتلونوں
بیلٹوں کے ساتھ پستول لٹکا رکھے تھے...... ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی جگہ ڈاکہ ما
جا رہے ہیں...... یہ لوگ ڈیک کے ساتھ لٹکی ہوئی ایک کشتی میں جا کر بیٹھ گئے اور
میں کھسر پھسر کرنے لگے...... جب سورج پوری طرح سے غروب ہو گیا اور اند
چھا گیا تو جاکی نے ملاحوں کو اشارہ کیا...... چھ سات ملاح ڈیک پر دوڑتے ہوئے
پاس گئے اور جن رسوں کے ساتھ کشتی بندھی ہوئی تھی انہیں کھول کر کشتی کو آ
آہستہ نیچے اتارنے لگے...... جب کشتی سمندر کی سطح کے ساتھ جا کر لگ گئی تو ر
اوپر کھینچ لئے گئے۔

تھوڑی دیر بعد کشتی ساحل کی طرف جاتی عمران کو نظر آئی...... پھر وہ را

تاریکی میں گم ہو گئی...... عمران اٹھ کر جہاز کی بوسیدہ سی کینٹین میں چائے پینے کے لئے
چلا گیا...... کینٹین میں ایک بوڑھا مدراسی چائے کے حمام کے پاس بیٹھا ہوتا تھا...... اس
کو سب انکل کہتے تھے...... کبھی کبھی عمران اس مدراسی بوڑھے انکل سے کوئی بات کر لیتا
تھا، چونکہ انکل مدراسی تھا اور عمران کو بھی وہ بھارت کا رہنے والا ہی سمجھتا تھا...... اس
لئے وہ عمران کے ساتھ اچھی طرح بولتا تھا...... عمران اس کے پاس آ کر لکڑی کے بنچ پر
بیٹھ گیا...... تام چینی کے مگ میں اس نے چائے لی اور پینے لگا...... چائے پیتے ہوئے اس
نے مدراسی انکل سے پوچھا۔

”انکل! یہ جس کی روشنیاں نظر آتی ہیں یہ کون سے شہر کی بندرگاہ ہے؟“

مدراسی انکل نے بے نیازی سے کہا۔

”معلوم نہیں“۔

عمران ایک لمحہ خاموش رہا...... پھر اس نے پوچھا۔

”انکل! یہ لوگ کشتی میں بیٹھ کر کہاں گئے ہیں؟“۔

مدراسی انکل نے گھور کر عمران کی طرف دیکھا اور بولا۔

”جہاز پر کبھی کسی سے یہ سوال نہ پوچھنا“۔

یہ مدراسی بھی دوسرے ملاحوں کی طرح ڈرا ڈرا اور سہما سہما سا تھا...... جہاز کے
ملاح بھی ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ بات چیت نہیں کرتے تھے...... عمران کسی
وقت سوچنے لگتا کہ کہیں وہ ایک مصیبت سے نکل کر کسی دوسری اس سے بڑی مصیبت
میں تو نہیں پھنس گیا، لیکن وہ ایک بہادر کمانڈو تھا...... وہ وقت پڑنے پر سمندر میں کود
کر بھی جان بچا سکتا تھا...... وہ بڑا اچھا تیراک تھا اور سمندر میں کافی دور تک تیر سکتا تھا۔

ایک گھنٹے بعد ملاحوں میں کھانا تقسیم کیا گیا...... کھانا ایسا بدذائقہ اور بے مزا ہوتا
تھا جیسے قیدیوں کے لئے تیار کیا گیا ہو...... اصل میں وہاں جتنے ملاح لڑ کے کام کر رہے
تھے ان کی حیثیت قیدیوں کی ہی تھی...... انہیں جہاز کے کپتان سے ملنے کی اجازت

نہیں تھی...... وہ گھل مل کر ایک دوسرے سے بات چیت اور دوستی نہیں کرسکتے تھے......اگر جہاز کسی بندرگاہ کے قریب سمندر میں لنگرانداز ہوتا تھا تو کسی ملاح کو جہاز سے اترنے کی اجازت نہیں تھی...... کپتان کا صرف اپنے آدمیوں کا ایک ٹولہ تھا جو جہاز میں جو چاہے کرسکتا تھا اور اسے کوئی پوچھنے والا نہیں تھا...... جہاز کا کپتان جس کو تمام ملاح چیف کے نام سے یاد کرتے تھے، جہاز کا مطلق العنان حکمران تھا...... جب وہ جہاز کے ڈیک پر آتا تھا تو کسی ملاح کو اجازت نہیں تھی کہ وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے...... سب کو نگاہیں نیچی رکھنی پڑتی تھیں اور وہ نیچی نظروں سے ہی کپتان کو جتنا دیکھ سکتے تھے صرف اتنا ہی دیکھ سکتے تھے...... دراز قد جاکی کپتان کا دست راست تھا اور بڑا سنگدل آدمی تھا...... ذراسی غلطی پر وہ ملاحوں کو مار مار کر لہولہان کر دیتا تھا...... عمران نے چند روز جہاز میں رہ کر وہاں بہت کچھ دیکھ لیا تھا...... کپتان اور جاکی وغیرہ کو عمران کے بارے میں بالکل علم نہیں تھا کہ وہ ایک تربیت یافتہ کمانڈو ہے۔

دراز قد جاکی اپنے ساتھ آٹھ آدمیوں کو کشتی میں لے کر جو رات کے اندھیرے میں بندرگاہ کی طرف گیا تھا تو وہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا...... نچلے ڈیک میں کپتان کے دو باڈی گارڈ اندھیرے میں چیزوں کو دیکھنے والی دوربین لئے بندرگاہ کی طرف سے سمندر کے وسیع پاٹ کی مسلسل نگرانی کر رہے تھے...... جہاز کی سب روشنیاں سوائے کیبنوں اور بند کچن کے اندر جلنے والی بتیوں کے گل کر دی گئی تھیں...... جاکی کو گئے چار گھنٹے ہو گئے تھے...... سب ملاح جہاز کے ڈیک کے فرش پر ادھر ادھر پڑ کر سو گئے تھے...... عمران ڈیک کے جنگلے کے ساتھ لگ کر لیٹا جاگ رہا تھا...... آسمان پر بادل چھائے تھے اور خوشگوار ہوا چل رہی تھی...... رات کے کوئی ایک بجے کے قریب سمندر میں بندرگاہ کی طرف سے روشنی ہو کر بجھ گئی۔

عمران نے دیکھا کہ روشنی دو بار ابھر کر بجھ جاتی تھی...... نیچے ڈیک سے بھی روشنی کے سگنل دیئے جانے لگے...... اس کا مطلب تھا کہ کپتان کا ٹولہ جو کہیں ڈاکہ

مارنے ہی گیا ہوا تھا واپس آ گیا ہے۔

عمران جنگلے کے ساتھ کھڑا نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ ایسی حالت میں وہ کشتی میں سوار جاکی اور اس کے آدمیوں کو نظر آ سکتا تھا اور کسی ملاح کو اجازت نہیں تھی کہ وہ انہیں دیکھ سکے، چنانچہ عمران جنگلے کے پاس ڈیک پر لیٹا رہا اور اس نے اپنا چہرہ جنگلے کے ساتھ ذرا سا اوپر اٹھا دیا تا کہ سمندر کو دیکھ سکے، کوئی ایک گھنٹے بعد اندھیرے میں سطح سمندر پر کشتی کا دھندلا ہیولا ابھرا...... یہ کشتی جہاز کی طرف آ رہی تھی...... جب وہ جہاز کے بالکل قریب آ گئی تو نچلے ڈیک میں سے اس پر روشنی ڈالی گئی اور نچلے ڈیک میں سے ہی رسے لٹکا دیئے گئے جن کے آگے لوہے کے ہک لگے ہوئے تھے...... عمران نے دیکھا کہ کشتی میں بہت سا لوٹا ہوا سامان بھرا تھا...... کچھ سامان ایک بوری میں بند تھا اور کچھ چاندی اور پیتل کے برتن اور نوادرات کشتی میں ویسے ہی ڈھیر کی شکل میں پڑے تھے، جس چیز نے عمران کو زیادہ متوجہ کیا وہ کشتی کے کونے میں ان سمندری لٹیروں کے درمیان سہمی ہوئی بیٹھی ایک لڑکی تھی...... اس کے بال کٹے ہوئے تھے اور اس نے نسواری رنگ کی ساڑھی پہنی ہوئی تھی...... جاکی اور تین دوسرے آدمیوں نے اوپر سے لٹکائے جانے والے رسے کو پکڑ کر اس کی ہکیں کشتی کے دونوں جانب بنی ہوئی ہکوں میں پھنسا دیں اور ہاتھ لہرا کر اوپر اشارہ کیا...... لوئر ڈیک سے کشتی اوپر کھینچی جانے لگی...... جب کشتی نچلے ڈیک کے جنگلے کے بالکل ساتھ لگ گئی تو سب سے پہلے جاکی کشتی میں سے اترا...... اس کے بعد لوٹا ہوا مال کشتی میں سے نکالا گیا...... آخر میں اغوا کر کے لائی گئی سہمی ہوئی لڑکی کو کشتی سے اتارا جانے لگا تو اس نے جہاز میں سوار ہونے سے انکار کر دیا اور کشتی کے رسوں کو پکڑ کر بیٹھ گئی اور رونے لگی...... وہ رو رو کر انگریزی میں بولی۔

"مجھے جانے دو...... مجھے جانے دو...... میرا باپ میرے بغیر مر جائے گا"۔

لیکن ان سنگ دل لوگوں پر اس لڑکی کی فریاد کا کوئی اثر پڑتا؟ اس کا سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا تھا...... انہوں نے لڑکی کو گھسیٹ کر کشتی میں سے نکال کر لوئر ڈیک پر کھڑے کپتان کے باڈی گارڈز کے حوالے کر دیا۔

عمران اوپر والے ڈیک کے جنگلے سے ذرا سا سر باہر نکالے نیچے یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا...... خدا جانے بے چاری یہ لڑکی کون تھی اور اس کا باپ شاید سخت بیمار تھا کہ لٹیرے اسے اٹھا کر لے آئے تھے...... ظاہر ہے اس لڑکی کی زندگی کی بربادی شروع ہو گئی تھی...... اس کے بعد عمران نے ڈیک پر سر پیچھے کر لیا اور آنکھیں بند کر کے بیٹھ کچھ سوچنے لگا...... اپنے بارے میں تو اسے یقین ہو چکا تھا کہ یہ لوگ اسے کسی بندرگاہ پر اترنے کی اجازت ہرگز ہرگز نہیں دیں گے...... عمران کو اپنے طور پر ہی اس جہاز سے مناسب موقع دیکھ کر فرار ہونا تھا...... سوچتے سوچتے عمران سو گیا...... صبح دوسرے ملاحوں کے ساتھ اسے بھی اٹھا دیا گیا...... وہ بالٹیوں میں پانی بھر کر ڈیک کا فرش دھونے لگے...... اس کے بعد انہیں ڈیک پر ہی قیدیوں کی طرح تین قطاروں میں بٹھا کر ڈبل روٹی کے دو دو ٹکڑے کالی چائے کے ساتھ دیئے گئے...... وہ سارے ملاح اور عمران سیاہ بد ذائقہ چائے کے ساتھ ڈبل روٹی کے باسی ٹکڑے کھا رہے تھے کہ اتنے میں جہاز کا کپتان اوپر آ گیا...... اس نے دو پستول کمر کے ساتھ لگا رکھے تھے...... اس کے ایک ہاتھ میں چمڑے کا ہنٹر تھا...... اس کے ساتھ جاکی اور اس کے چار باڈی گارڈ تھے...... یہ باڈی گارڈ بھی لمبے قد کے تھے...... انہوں نے ہاتھوں میں سٹین گنیں رکھی تھیں۔

جیسے ہی کپتان ڈیک پر نمودار ہوا سب ملاحوں نے سر نیچے ڈال کر نگاہیں نیچی کر لیں...... عمران نے بھی سر نیچے کر لیا...... وہ ان لوگوں کے ساتھ جھگڑا کر کے اپنے لئے خواہ مخواہ کوئی مصیبت کھڑی نہیں کرنی چاہتا تھا...... کپتان کے باڈی گارڈوں میں ایک سکھ سردار بھی تھا...... اس نے نیلی پگڑی بڑی کس کر باندھ رکھی تھی اور کپتان کے آگے آگے چل رہا تھا...... کپتان ملاحوں کا شاید معائنہ کرنے آیا تھا...... وہ عمران

کے قریب آکر کھڑا ہو گیا...... معلوم نہیں سکھ باڈی گارڈ کو کیسے علم ہو گیا کہ جیسے عمران نے نظر اٹھا کر کپتان کو دیکھا ہے...... وہ لپک کر عمران کے سر کے پاس آیا اور عمران کو پنجابی زبان میں ماں کی گالی دی...... گالی سنتے ہی عمران کے دماغ میں ایک چکر سا بڑے زور سے چلنے لگا...... اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا...... اس سے برداشت نہ ہو سکا...... وہ چائے کا مگ پھینک کر اٹھا اور اس نے سکھ باڈی گارڈ کو گریبان سے پکڑ کر زور سے دھکا دیا...... سکھ بھی ہٹا کٹا اور جوان تھا مگر عمران ایک کمانڈو تھا...... وہ اس کا دھکا برداشت نہ کر سکا اور دو قدم پیچھے کو لڑکھڑا گیا...... اس کے ساتھ ہی باڈی گارڈ نے عمران کو ایک زوردار مکا مارا...... عمران نے اس کے جواب میں سکھ باڈی گارڈ کے پیٹ میں مکا مارا...... وہ دوہرا ہو گیا...... اس نے سٹین گن سیدھی کر لی...... وہ عمران پر فائر کھولنے ہی والا تھا کہ کپتان نے ہاتھ اٹھا کر چلا کر کہا۔

"ٹھہرو...... تم گولی نہیں چلاؤ گے...... سٹین گن پھینک دو اور اس آدمی عامی کے ساتھ جوان مردوں کی طرح سٹین گن کے بغیر لڑائی کرو"۔

کپتان کا حکم پاتے ہی سکھ باڈی گارڈ نے سٹین گن نیچے رکھ دی اور باکسروں کی طرح مکے لہراتا عمران کی طرف بڑھا...... دونوں کا مقابلہ شروع ہو گیا...... باڈی گارڈ جوڈو کراٹے بھی جانتا تھا...... اس نے وار پر وار کرنے شروع کئے...... عمران نے بھی کراٹے کی تھوڑی بہت ٹریننگ لی ہوئی تھی، لیکن وہاں یہ ادھوری ٹریننگ اس کے کام نہیں آ سکتی تھی...... عمران کے اندر کا کمانڈو بیدار ہو گیا...... اتنی دیر میں سکھ باڈی گارڈ نے عمران کو ایک کک لگائی اور وہ نیچے گر پڑا...... باڈی گارڈ جلدی سے اس کے اوپر آ گیا اور عمران کی گردن پر پاؤں رکھ کر اس کا گلا گھونٹنا چاہتا تھا کہ عمران نے اس کی ٹانگ کھینچ کر اسے گرا دیا...... ایک دم سے دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے...... عمران کا ایک مکا لوہے کے ہتھوڑے کی طرح سکھ باڈی گارڈ کی کنپٹی پر لگا اور اس کی پگڑی کھل گئی...... سکھ باڈی گارڈ غصے سے پاگل ہو گیا...... وہ بڑک مار کر عمران کی طرف حملہ آور ہوا اور چاہتا

تھا کہ عمران کی گردن دونوں ہاتھوں میں لے کر کچل ڈالے کہ عمران نے زخمی شیر
طرح اچھل کر باڈی گارڈ کی گردن اپنے بائیں بازو کے شکنجے میں جکڑ لی...... یہ
غضب ناک کمانڈو کی آہنی گرفت تھی...... سکھ باڈی گارڈ کی آنکھیں باہر کو نکل آ
اور اس کے حلق سے غرغر کی آوازیں آنے لگیں...... عمران ایک ہی جھٹکے میں اس
گردن کا منکا توڑ دینا چاہتا تھا کہ کپتان نے چلا کر کہا۔

"رک جاؤ عامی!"۔

عمران نے شکنجے کی گرفت ڈھیلی کر کے سکھ باڈی گارڈ کو چھوڑ دیا...... باڈی گا
سر چکر کھا چکا تھا...... جیسے ہی عمران نے اس کی گردن چھوڑی وہ دھڑام سے ڈیک
گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا...... کپتان نے جاکی سے کہا۔

"جاکی! باڈی گارڈ کو یہیں پڑا رہنے دو"۔

پھر کپتان نے عمران کو اپنے قریب آنے کو کہا...... جب عمران اس کے قریب
تو کپتان نے عمران کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا...... تم بڑے طاقتور اور
آدمی ہو...... کیا تم اپنے ملک کی کمانڈو فورس میں تھے؟

عمران نے کہا۔

"نہیں...... میں کمانڈو فورس میں نہیں تھا...... لیکن میں نے کمانڈو کی ٹرین
لے رکھی ہے...... مجھے کمانڈو بننے کا بچپن ہی سے شوق تھا"۔

کپتان نے کہا۔

"آج سے تم میرے چیف باڈی گارڈ ہو"۔

اس کے بعد کپتان نے ڈیک پر بے ہوش پڑے سکھ باڈی گارڈ کی طرف ہاتھ
اشارہ کر کے جاکی سے کہا۔

"اسے اٹھا کر سمندر میں پھینک دو"۔

جاکی نے دوسرے باڈی گارڈز کو اشارہ کیا...... انہوں نے اسی وقت بے ہوش

باڈی گارڈ کو بازوؤں اور ٹانگوں سے پکڑ کر اٹھایا اور ڈیک کے جنگلے کے پاس جا کر سمندر میں پھینک دیا...... کپتان نے عمران سے کہا۔

"ایک سٹین گن اٹھالو...... آج سے یہ تمہاری گن ہے"۔

عمران نے سٹین گن اٹھالی اور کپتان کا شکریہ ادا کیا...... کپتان جاکی کو لے کر نیچے جانے والے زینے کی طرف بڑھا...... عمران اب اس کا چیف باڈی گارڈ تھا...... وہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا...... عمران کو جہاز کے نچلے ڈیک میں ایک علیحدہ چھوٹا کیبن دے دیا گیا...... کپتان عمران کی دلیری سے بڑا خوش ہوا تھا...... اسی رات جہاز نے لنگر اٹھا دیا اور سمندر میں روانہ ہو گیا...... عمران نے بھی کپتان کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی...... وہ اسی طرح وہاں سے فرار ہو سکتا تھا...... کپتان بھی عمران کو پسند کرتا تھا...... جہاز کی رفتار بہت کم تھی...... دوسرے دن عمران کپتان کے کیبن کے دروازے میں سٹین گن لئے پہرے دے رہا تھا کہ کپتان نے اسے اندر بلا لیا...... کہنے لگا۔

"عامی! میں نے تمہیں اپنا چیف باڈی گارڈ بنا لیا ہے...... تمہیں یہاں ہر طرح کی سہولت میسر ہو گی، لیکن اس کے عوض تمہیں مجھے لکھ کر دینا ہو گا کہ تم جہاز سے فرار ہونے کی کوشش نہیں کرو گے...... اگر ایسی کوشش کی اور تم پکڑے گئے تو پھر تمہارا بھی وہی انجام ہو گا جو سکھ باڈی گارڈ کا ہوا ہے"۔

کپتان نے کاغذ قلم نکال کر عمران کے سامنے رکھ دیا...... عمران کو لکھ کر دینے میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا...... اس نے اسی وقت لکھ کر دے دیا اور کپتان کا مزید اعتماد حاصل کرنے کے لئے کہا۔

"چیف! اب میری ساری زندگی تمہاری حفاظت میں گزرے گی...... تمہاری حفاظت کرتے ہوئے اگر میری جان بھی چلی جائے تو مجھے اس کا غم نہیں ہو گا"۔

کپتان بڑا خوش ہوا...... اس نے کہا۔

"مجھے تمہارے ایسے بہادر اور وفادار باڈی گارڈ کی ہی ضرورت تھی...... جاؤ اور

کونے والے کیبن سے اس لڑکی کو میرے پاس لے آؤ جو ہم نے بندرگاہ پر سے اغوا کی تھی"۔

عمران اسی وقت کیبن سے نکل گیا...... راہداری کے کونے والے کیبن کا دروازہ باہر سے چٹخنی چڑھا کر بند کیا گیا تھا...... وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا...... کیبن میں وہی بدنصیب لڑکی فرش پر سر گھٹنوں میں دیئے بیٹھی رو رہی تھی...... عمران نے کہا۔

"اٹھو میرے ساتھ چلو"۔

لڑکی نے سر اٹھا کر دیکھا...... بڑی بھولے بھالے چہرے والی معصوم سی لڑکی تھی...... عمر اٹھارہ سال کی ہو گی...... عمران کو دیکھ کر اس نے آنسو بہاتے ہوئے التجا کی۔

"مجھے میرے گھر پہنچا دو...... مجھے میرے گھر پہنچا دو"۔

عمران نے کہا۔

"تمہارا گھر کہاں ہے؟"۔

لڑکی شکستہ اردو یا ہندوستانی میں بات کر رہی تھی...... اس کا رنگ بھی زردی مائل سانولا تھا...... عمران یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جہاں سے لڑکی کو اغوا کیا گیا تھا وہ کون سا ملک تھا اور اس ملک کا کون سا شہر تھا...... لڑکی نے بتایا کہ وہ کنڈ کامی شہر میں رہتی ہے...... اس کا باپ بندرگاہ پر محنت مزدوری کرتا ہے...... عمران نے پوچھا۔

"تمہارا ملک کون سا ہے؟"۔

لڑکی نے بتایا وہ سری لنکا کی رہنے والی ہے...... تب عمران کو معلوم ہوا کہ جہاز رات کو سری لنکا کے شمال مغرب میں کنداملی شہر کی بندرگاہ کے قریب سمندر میں رکا تھا...... اس کا مطلب تھا کہ ان کا جہاز ابھی سری لنکا کے ساحل کے ساتھ ساتھ چالیس میل کے فاصلے پر آزاد پانیوں میں سفر کر رہا تھا...... چالیس میل تک کسی ملک کے سمندر کی حدود ہوتی ہے...... چالیس میل کے بعد آزاد سمندر شروع ہو جاتا ہے، مگر رات کی تاریکی میں ان سمندری لٹیروں کا جہاز سری لنکا کی سمندری حدود میں کافی اندر

آ کر رکا تھا۔

عمران نے لڑکی سے کہا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"۔

اس نے اپنا نام رتناولی بتایا...... عمران نے کہا۔

"میں کپتان کا باڈی گارڈ ہوں...... میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا...... میرے ساتھ چلو...... تمہیں کپتان نے بلایا ہے"۔

لڑکی وہیں بیٹھی رہی...... عمران نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور اسے کھینچتا ہوا کپتان کے کیبن میں لے گیا...... کپتان نے شراب پینی شروع کر دی تھی...... لڑکی کپتان کی شکل دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر دھڑام سے گر پڑی...... اسے ہوش میں لانے کی لاکھ تدبیر کی گئی مگر وہ ہوش میں نہ آئی...... کپتان نے عمران سے کہا۔

"عامی اسے کیبن میں واپس لے جاؤ...... تھوڑی دیر بعد اس کو دیکھتے رہنا، جس وقت اسے ہوش آئے میرے پاس لے آنا"۔

عمران لڑکی کو اٹھا کر اس کے کیبن میں واپس لے گیا...... لڑکی بے ہوش تھی...... اس نے لڑکی کو کیبن کی برتھ پر لٹا دیا اور کیبن کو باہر سے بند کر کے کپتان کے پاس آ گیا...... اس نے کپتان سے باتیں شروع کر دیں...... وہ کپتان کی بہادری کی یونہی تعریف کرنے لگا...... کپتان بڑا خوش ہوا...... عمران اس کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا تھا...... اس نے باتوں ہی باتوں میں معلوم کر لیا کہ ان کا جہاز سری لنکا کے ساحل کے ساتھ ساتھ جا رہا ہے اور آج رات سری لنکا کی جنوب مغربی بندرگاہ ٹرنکامالی کے قریب رکے گا...... کپتان نے کہا۔

"اس بندرگاہ کے سٹور میں ہماری اطلاع کے مطابق قیمتی ہیرے جواہرات رکھے ہوئے ہیں جو آسٹریلیا کے ایک سوداگر کی ملکیت ہیں اور جنہیں دوسرے سامان کے ساتھ دو دن بعد آسٹریلیا روانہ کر دیا جائے گا...... ہمارے آدمی وہ ہیرے اڑا کر لے

آئیں گے...... ان کی مالیت لاکھوں امریکی ڈالر ہے"۔

عمران نے وہیں فیصلہ کرلیا کہ وہ اسی رات جہاز سے فرار ہو جائے گا...... یہ اس کے لئے ایک آخری موقع تھا، کیونکہ اس کے بعد کچھ پتہ نہیں تھا کہ جہاز آگے کس ملک کی طرف نکل جائے گا...... ابھی وہ سری لنکا کے ساحل پر ہی تھا اور عمران سری لنکا سے واپس اپنے ملک پاکستان یا ہندوستان جاسکتا تھا...... عمران کے ذہن میں ایک سکیم آگئی...... اس نے کپتان سے کہا۔

"سر! جس وقت جہاز رات کی تاریکی میں لنگرانداز ہو گا تو اس وقت اس کا امکان ہے کہ جہاز کے ملاحوں میں کوئی ملاح فرار نہ ہو جائے...... وہ فرار ہو کر پولیس یا فوج کو ہمارے جہاز کے بارے میں پوری رپورٹ دے سکتا ہے کہ جہاز اس وقت سمندر میں اتنی دور کھڑا ہے"۔

کپتان بولا۔

"ہاں...... تم ٹھیک کہتے ہو...... ایسا ہو سکتا ہے...... یہ ملاح بڑے حرامی ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"سر! مجھے اجازت دیں کہ جب ہمارے آدمی بندرگاہ پر جواہرات اڑانے جائیں تو میں جہاز کے ڈیک پر پہرہ دوں اور ان کی نگرانی کرتا رہوں"۔

کپتان نے فوراً کہا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے...... میں تمہیں اجازت دیتا ہوں اور اس بات کی بھی اجازت دیتا ہوں کہ اگر کوئی باغی ملاح فرار ہونے کی کوشش کرے تو اسے وہیں گولی سے اڑا دو"۔

عمران نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر! ایسا ہی ہو گا"۔

ہر کام عمران کی سوچی ہوئی سکیم کے مطابق ہو رہا تھا...... آدھی رات کو جہاز

سمندر میں ایک جگہ لنگرانداز ہو گیا...... اس کے فوراً بعد جاکی نے چھ سات سمندری ڈاکوؤں کو اپنے ساتھ لیا اور کشتی میں سوار ہو کر ٹرنکامالی بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

عمران کپتان کی ہدایت کے مطابق پہرہ دینے کی غرض سے جہاز کے ڈیک پر آ کر ٹہل پھر کر پہرہ دینے اور ملاحوں کی نگرانی کرنے لگا جو ڈیک کے فرش پر ادھر ادھر پڑے سو رہے تھے...... اسے معلوم تھا کہ جاکی ڈاکہ مارنے جس مہم پر اپنے آدمی لے کر گیا ہے وہ چار پانچ گھنٹوں سے پہلے جہاز پر واپس نہیں آئے گا...... دو گھنٹے تو سمندر میں کشتی کے ذریعے آنے جانے میں لگ جاتے تھے...... جب سمندری لٹیروں کی کشتی سمندر کے اندھیروں میں گم ہو گئی تو عمران ہوشیار ہو گیا...... اس کے ایکشن کا وقت آ گیا تھا...... اسے علم تھا کہ عرشے پر کہاں کہاں کشتیاں لٹکی ہوئی ہیں...... ان میں سے ایک کشتی جہاز کے عقب میں ڈیک کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی...... وہ ٹہلتا ٹہلتا اس کشتی کے پاس چلا گیا...... ڈیک پر گہری خاموشی تھی...... نیچے لوئر ڈیک میں بھی اندھیرا تھا...... ڈاکہ مارنے سے پہلے جہاز کی تمام روشنیاں بجھا دی جاتی تھیں یا ڈھانپ دی جاتی تھیں تاکہ دور سے کسی کو جہاز دکھائی نہ دے...... جہاز کے عقب میں بھی گہرا اندھیرا تھا...... عمران کشتی کی رسی کھولنے لگا تو اچانک اسے اس لڑکی کا خیال آگیا، جس کو یہ لٹیرے ایک رات پہلے اغوا کر کے لائے تھے...... وہ جانتا تھا کہ لڑکی ایک محنت کش باپ کی شریف بیٹی ہے اور اگر اسے اس جہاز سے فرار نہ کرایا گیا تو یہ لوگ اس کی زندگی برباد کر دیں گے اور پھر خدا جانے کس ملک کے کسی قحبہ خانے میں بے چاری کی عبرت ناک موت واقع ہو۔

بس عمران نے ایک دم فیصلہ کر لیا کہ وہ لڑکی کو بھی اپنے ساتھ لے جائے گا...... وہ جلدی سے دبے پاؤں زینہ اتر کر لڑکی کے کیبن میں گیا...... لڑکی جاگ رہی تھی...... اس نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کون ہے...... مجھے کچھ نہ کہنا...... بھگوان کے لئے مجھے کچھ نہ کہنا"۔

عمران نے اس کے قریب ہو کر کہا۔

"خاموش رہو اور میرے ساتھ چلو...... میں تمہیں یہاں سے نکالنے آیا ہوں" لڑکی کے بدن میں جیسے ایک دم طاقت آ گئی...... وہ جلدی سے اٹھ کر ہوئی...... عمران نے آہستہ سے کہا۔

"میرے پیچھے پیچھے دبے پاؤں چلی آؤ...... خبردار! کوئی آواز مت نکالنا"۔

وہ لڑکی کو لیکر ڈیک پر آ گیا...... ڈیک پر ملاح اسی طرح بے سدھ ہو کر سو تھے...... عمران نے کشتی کے پاس جا کر لڑکی سے کہا۔

"اس میں بیٹھ جاؤ"۔

لڑکی کشتی میں بیٹھ گئی...... عمران کشتی کی رسی کو کھول کر اسے آہستہ آ چھوڑنے لگا...... کشتی لڑکی کو ساتھ لے کر تھوڑی دیر بعد سمندر کی سطح پر جا گئی...... اس کے بعد عمران نے رسی کو اوپر اچھی طرح سے باندھا اور خود اس کی مد اتر کر نیچے کشتی میں آ گیا...... کشتی میں آتے ہی اس نے رسی کو ہک میں سے نکا چھوڑ دیا...... کشتی سمندری لہروں پر ہچکولے کھانے لگی...... عمران نے چپو سنبھا اندھیرے میں کشتی کو جہاز سے دور لے جانے لگا...... اس نے اپنی سٹین گن کشتی رکھ دی تھی...... وہ اس طرح سے چپو چلا رہا تھا کہ ان کی آواز پیدا نہ ہو۔

تھوڑی دیر میں کشتی جہاز سے دور چلی گئی...... اب اس نے کشتی کا رخ ساحل طرف کر دیا اور پوری طاقت سے چپو چلانے لگا...... کشتی ساحل کی طرف بڑ لگی...... جیسے جیسے کشتی سمندر کے ساحل کے قریب ہو رہی تھی سمندری موجیں اپنے زور میں ساحل کی طرف لے جانے لگی تھیں...... یہ لہریں ساحل کے قریب تیز رفتار ہو جاتی ہیں...... اب عمران کو چپو کی مدد سے کشتی کو آگے لے جانے کی ضر اسے کنٹرول میں رکھنے کی ضرورت تھی کہ کہیں وہ لہروں کی لپیٹ میں آ کر الٹ جائے، لیکن خدا نے انہیں بچا لیا اور تیز رفتار موجیں کشتی کو ساحل کی جانب تیز

لے گئیں۔

عمران کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ قاتل اور خونی سمندری لٹیروں کے جہاز سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے اور اپنے ساتھ ایک بے گناہ معصوم لڑکی کو بھی بچا کر لے آیا ہے...... لڑکی ابھی تک ڈری ہوئی تھی...... عمران اس وقت تک کشتی کو کنٹرول میں رکھنے کی کوشش کرتا رہا جب تک کہ کشتی ساحل کی ریت پر نہیں چڑھ گئی...... جیسے ہی کشتی رکی...... عمران نے لڑکی سے کہا۔

"نیچے اتر آؤ"۔

لڑکی فوراً کشتی سے باہر نکل آئی...... عمران نے پوچھا۔

"ہم سری لنکا کے ساحل پر ہیں...... یہ تمہارا ملک ہے...... کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے ہم ملک کے کس حصے میں ہیں اور ہمیں یہاں سے کس طرف جانا چاہئے؟"۔

لڑکی نے کہا۔

"یہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے...... مجھے کوئی اندازہ نہیں ہے...... اتنا کہہ سکتی ہوں کہ اگر جہاز کنڈالی شہر کے قریب رکا ہے تو یہاں سے شمال کی جانب کولمبو کا شہر ہوگا، مگر وہ بہت دور ہوگا"۔

عمران نے لڑکی سے کہا۔

"ہم اندازے سے شمال کی طرف چلیں گے...... شاید کسی جگہ کوئی روشنی نظر آئے اور ہمیں کوئی مدد مل سکے"۔

عمران لڑکی کو لے کر ساحل کے ساتھ ساتھ شمال کی جانب چلنے لگا...... اسے اطمینان تھا کہ اس کے پاس اسٹین گن اور اس کا میگزین موجود ہے...... اگر رات کی تاریکی میں کسی درندے وغیرہ نے حملہ کر دیا تو وہ اس کا مقابلہ کر سکے گا...... کچھ دور چلنے کے بعد انہیں درختوں کے درمیان ایک پگ ڈنڈی کی لکیر سی رات کی تاریکی میں نظر آئی......

لڑکی رتناولی نے کہا۔

"ہمیں اس طرف چلنا چاہئے...... یہ پگ ڈنڈی کسی نہ کسی گاؤں میں پہنچادے گی"۔

وہ پگ ڈنڈی پر چلنے لگے...... پگ ڈنڈی آگے جاکر ایک چھوٹی سی سڑک کے ساتھ مل گئی...... یہاں انہیں دور روشنی ٹمٹماتی دکھائی دی...... لڑکی رتناولی نے کہا۔

"یہ کوئی گاؤں ہے"۔

انہوں نے تیز تیز چلنا شروع کردیا...... روشنی کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی گودام ہے جس کے بند دروازے کے اوپر بجلی کا بلب روشن تھا...... اردگرد کوئی انسان نہیں تھا...... کوئی آبادی بھی نہیں تھی...... رتناولی نے ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس طرف چلتے ہیں...... وہاں ناریل کا ذخیرہ لگتا ہے؟"۔

لڑکی اسی سرزمین کی رہنے والی تھی...... وہ اس سرزمین کے تمام اسرار و رموز کو پہچانتی تھی...... کہنے لگی۔

"جہاں ناریل کے درختوں کا ذخیرہ ہوتا ہے وہاں ناریل کی چھال اتارنے اور اس کی چھال کی رسیاں بٹنے والی مشین ضرور لگی ہوتی ہے اور اس مشین کی حفاظت کے لئے کوئی نہ کوئی چوکیدار ضرور ہوتا ہے"۔

لڑکی کا اندازہ بالکل صحیح نکلا...... جب وہ ناریل کے ذخیرے میں آئے تو وہاں درختوں کے نیچے جگہ جگہ ناریل کے اور ناریل کی چھال کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور ان کے درمیان ایک طرف تین چار مشینیں بھی لگی تھیں...... کونے میں ایک جھونپڑی کے باہر دھیمی سی روشنی والا بلب جل رہا تھا...... رتناولی نے کہا۔

"اس جھونپڑی میں کوئی نہ کوئی چوکیدار ضرور ہوگا"۔

وہ دونوں جھونپڑی کے پاس آئے تو دیکھا کہ جھونپڑی کا کوئی دروازہ نہیں تھا اور اس کے اندر چارپائی پر کوئی چادر تانے سو رہا تھا...... رتناولی نے جھونپڑی میں جاکر اس آدمی کو اٹھادیا...... وہ چوکیدار ہی تھا...... آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور اس نے سنہالی زبان میں جو سری لنکا کی زبان ہے کچھ پوچھا...... لڑکی نے بھی سنہالی زبان میں اسے کوئی جواب دیا۔

چوکیدار جلدی سے اٹھ کر جھونپڑی سے باہر آگیا...... اس نے عمران سے ہاتھ ملایا اور شکستہ ہندوستانی میں بولا۔

"جھونپڑی میں آجاؤ"۔

جھونپڑی میں آکر لڑکی رتناولی نے چوکیدار کو اپنی ساری داستان غم بیان کردی...... چوکیدار نے بڑی عقیدت بھری نگاہوں سے عمران کو دیکھا اور ایک بار پھر مسکراتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا...... لڑکی نے چوکیدار سے اردو میں کہا۔

"تم اردو زبان میں ہی بات کرو...... تاکہ عامی بھی سمجھ جائے"۔

چوکیدار کہنے لگا۔

"یہ گاؤں کولمبو سے چھ سو میل کے فاصلے پر جنوب میں ہے...... گاؤں یہاں دس میل پر ہے، مگر یہ راستہ جنگل میں سے ہو کر گزرتا ہے جو خطرناک جنگل ہے...... بہتر ہے کہ تم لوگ ادھر میرے جھونپڑے میں رات بسر کرو...... صبح گاؤں چلے جانا"۔

"کیا اس گاؤں سے کوئی ریل گاڑی کولمبو جاتی ہے؟"۔

چوکیدار بولا۔

"نہیں...... گاؤں میں کوئی ریلوے سٹیشن نہیں ہے، مگر وہاں سے تمہیں لاری جائے گی جو تمہیں اولنگا قصبے کے سٹیشن پہنچادے گی...... اولنگا سے تم لوگوں کو کولمبو جانے والی گاڑی مل جائے گی"۔

عمران نے چوکیدار سے کہا۔

"میرے پاس انڈین کرنسی میں کچھ روپے ہیں...... یہ کرنسی تو یہاں نہیں چلے گی"۔

چوکیدار بولا۔

"اولنگا کے لاری اڈے پر تمہیں کرنسی تبدیل کرنے والے مل جائیں گے...... ان سے تم انڈین کرنسی بدلوا سکتے ہو"۔

وہ رات انہوں نے جھونپڑی میں بسر کی...... صبح صبح رتناولی اور عمران چوکیدا
شکریہ ادا کرنے کے بعد گاؤں کی طرف چل دیئے...... دو ایک میل کے بعد ایک
آگیا...... یہ جنگل زیادہ گھنا نہیں تھا...... ناریل اور تاڑ کے بے شمار درخت تھے،
درختوں کے تنے پتلے اور اوپر تک چلے گئے تھے...... بالکل ستونوں کی طرح تھے
کے درمیان چلنے کے لئے بڑا راستہ تھا...... ایک پگ ڈنڈی لوگوں کے آنے جا
بن گئی تھی...... وہ اس پر چل رہے تھے...... دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی
تھی...... آسمان صاف تھا...... ایک جگہ انہیں کچھ مزدور درختوں کے نیچے بیٹھے
کی رسیاں بٹتے نظر آئے...... وہ ان کے قریب سے گزر گئے...... آخر جنگل ختم ہو
دھان کے کھیت شروع ہو گئے...... کھیتوں کی دوسری جانب ایک چھوٹا سا گاؤں تھ
اس گاؤں میں ایک جگہ لاری اڈہ تھا...... وہاں اس وقت کوئی لاری نظر نہیں آ رہی
رتناولی چونکہ وہاں کی زبان جانتی تھی...... اس نے ایک آدمی سے پوچھا...
نے بتایا کہ ایک لاری اولنگا قصبے کی طرف ابھی ابھی گئی ہے...... اب ایک دو گھ
بعد ادھر سے لاری آئے گی...... وہی واپس جائے گی...... رتناولی اور عمران وہیں
پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے...... فضا میں گرمی اور حبس تھا...... کسی کسی وقت ہوا
جھونکا آ جاتا تھا...... عمران کو جو چیز پریشان کر رہی تھی وہ اس کی سٹین گن تھی
گن کا اس کے پاس لائسنس نہیں تھا...... چیکنگ ہونے پر وہ پکڑا جا سکتا تھا، کیو
بھی ملک میں لائسنس کے بغیر سٹین گن رکھنا قانون کے خلاف ہے...... وہ اُ
چھپا چھپا کر رکھنے کی کوشش کرتا لیکن سٹین کوئی پستول نہیں تھا...... وہ نظ
تھی...... اس نے رتناولی سے مشورہ کیا تو وہ کہنے لگی۔

"اس کو کھیتوں میں جا کر پھینک آؤ...... یہ اب ہمارے کسی کام نہیں آ سکتی
رتناولی نے صحیح مشورہ دیا تھا...... عمران اٹھ کر گاؤں کے پیچھے کھیتوں
گیا...... وہاں اس نے موقع دیکھ کر سٹین گن ایک کھیت میں پھینک دی...... ا

یک علاج تھا...... سٹین گن سے نجات حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا
محسوس کرنے لگا...... اگرچہ ابھی تک اسے یہ فکر ضرور تھی کہ وہ سری لنکا میں بغیر کسی
گزا پاسپورٹ کے داخل ہوا ہے اور وہ کسی بھی جگہ چیکنگ کرنے پر کسی مصیبت میں
پھنس سکتا ہے، لیکن ابھی وہ خیریت سے تھا...... اس نے یہی سوچا تھا کہ کولمبو پہنچ کر وہ
یدھا پاکستانی سفارت خانے میں پہنچنے کی کوشش کرے گا...... وہاں وہ محفوظ ہو جائے
......اس کے بعد اسے جس طرف جانا ہوگا چلا جائے گا۔



دو گھنٹے گزر گئے...... پھر کہیں جاکر اولنگا قصبے کی جانب سے لاری آئی
لاری ایک گھنٹہ وہاں کھڑی مسافروں کا انتظار کرتی رہی...... تھوڑے سے مسافر
ہو گئے تھے...... آخر لاری چل پڑی...... اولنگا لاری ایک گھنٹے کے سفر کے بعد پہنچ
یہ ایک بڑا قصبہ تھا...... یہاں لاری اڈے پر کرنسی تبدیل کرنے والے بیٹھے تھے
عمران نے ساری انڈین کرنسی سری لنکا کی کرنسی میں تبدیل کروالی...... گاؤں سے
تک کا لاری کا کرایہ ان کو چوکیدار نے دے دیا تھا...... لاری اڈے سے وہ سیدھے
کے ریلوے سٹیشن پر آ گئے...... عمران نے کولمبو تک کے دو ٹکٹ لے لئے......
ہوا کہ ٹرین ایک گھنٹے بعد آئے گی، لیکن ٹرین دو گھنٹے انتظار کروانے کے بعد آ
دونوں ایک ڈبے میں سوار ہو گئے...... ٹرین کولمبو کی طرف روانہ ہو گئی۔

کولمبو وہاں سے کافی دور تھا...... شام ہو گئی...... انہوں نے ایک سٹیشن پر
بہت کھانا کھایا...... پھر ساری رات ٹرین چلتی رہی...... صبح کے وقت ٹرین کو
ایک سٹیشن مرادانہ پر آکر رک گئی...... بہت بڑا سٹیشن تھا...... کولمبو سری
دارالحکومت تھا اور بہت وسیع اور ماڈرن شہر تھا...... یہاں آکر رتناولی نے کہا۔

”مجھے میرے شہر جانے والی گاڑی یہاں سے مل جائے گی...... میں اس گا
بیٹھ کر اپنے شہر پہنچ جاؤں گی“۔

عمران نے کہا۔

”میں تمہیں گاڑی میں سوار کروانے کے بعد سٹیشن سے باہر جاؤں گا...... مجھے
اپنے شہر کا نام بتاؤ...... میں تمہارے لئے ٹکٹ لے کر آتا ہوں“۔

رتناولی نے نام بتایا اور عمران نے بکنگ آفس میں آکر اس شہر کا ٹکٹ خریدا اور
رتناولی کو جا کر دے دیا...... وہیں انہوں نے ناشتہ کیا...... رتناولی کہنے لگی۔

”تم نے مجھ پر جو احسان کیا ہے وہ میں ساری زندگی یاد رکھوں گی...... تم ایک
عظیم انسان ہو“۔

عمران نے کہا۔

”یہ تو میرا انسانی فرض تھا...... اس میں احسان والی کوئی بات نہیں ہے“۔

رتناولی نے پوچھا۔

”ابھی تک ہم اپنی اپنی پریشانی میں پھنسے ہوئے تھے...... اب اس سے چھٹکارا ملا
ہے...... تم نے مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا کہ تم کون ہو اور ان سمندری ڈاکوؤں
کے پاس کس طرح پہنچ گئے تھے؟“۔

عمران نے کہا۔

”میں مسلمان ہوں اور پاکستان کا رہنے والا ہوں...... سمندری لٹیروں کے پاس
کیسے پہنچا؟ یہ بڑی لمبی کہانی ہے...... اس کتاب کو بند ہی رہنے دو“۔

رتناولی کہنے لگی۔

”میرے دل میں پاکستان کے مسلمانوں کا رتبہ بہت بلند ہو گیا ہے...... میں اگرچہ
ہندومت کی ماننے والی ہوں، لیکن تمہارے لئے میرے دل سے ہمیشہ پرارتھنا ہی نکلے
گی...... کیا تم شادی شدہ ہو؟ تمہارے کتنے بچے ہیں؟“۔

عمران نے کہا۔

”میں نے ابھی شادی نہیں کی“۔

رتناولی نے کہا۔

"تم جس سے شادی کرو گے وہ عورت بڑی خوش قسمت ہو گی"۔

عمران کہنے لگا۔

"مگر میرا ارادہ شادی کرنے کا نہیں ہے"۔

"نہیں نہیں" رتناولی نے کہا...... "تم شادی ضرور کرنا...... تم بڑے بہادر، نیک دل خاوند ہو گے"۔

یہ لڑکی محنت کش کی بیٹی تھی مگر پڑھی لکھی لگتی تھی...... سری لنکا میں تعلیمی معیار بہت بلند ہے اور ہر بچے کو سکول میں تعلیم ضرور حاصل کرنی پڑتی ہے...... اس طرح باتیں کرتے کرتے وقت گزرتا چلا گیا اور رتناولی کے شہر جانے والی ٹرین آ گئی...... عمران نے اس کو ٹرین میں سوار کرا دیا تو لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

عمران نے اسے جیب سے سری لنکا کی کرنسی میں ایک سو روپے نکال کر دیئے...... وہ نہیں لے رہی تھی...... عمران نے کہا۔

"رکھ لو بہن...... تمہارے کام آئیں گے"۔

بہن کہنے پر لڑکی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا...... جب گاڑی چل پڑی تو رتناولی نے عمران کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"پیارے بھیا! میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی"۔

اور ٹرین پلیٹ فارم پر آگے نکل گئی۔

عمران فوراً پلیٹ فارم سے باہر آ گیا...... یہاں بے شمار ٹیکسیاں وغیرہ کھڑی تھیں...... عمران نے ایک ڈرائیور سے پوچھا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے پاکستان کا سفارت خانہ کہاں ہے؟"۔

یہ جملہ اس نے انگریزی میں ادا کیا تھا...... اسے معلوم تھا کہ یہاں کے لوگ انگریزی عام بول لیتے ہیں...... یہ سنہالی ڈرائیور بھی تھوڑی بہت انگریزی جانتا تھا۔ اس نے انگریزی میں ہی جواب دیا۔

"یس سر! مجھے معلوم ہے...... بیٹھیں...... میں آپ کو پاکستان کے ایمبیسی میں لے چلتا ہوں"۔

عمران نے خدا کا شکر ادا کیا اور ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

ٹیکسی کولمبو کی کشادہ اور بارونق سڑکوں پر روانہ ہو گئی...... عمران نے سٹیشن پر دیکھ لیا تھا کہ وہاں کوئی خفیہ سروس کا آدمی نہیں تھا...... ایسے آدمی کو عمران دور ہی سے پہچان لیتا تھا...... ٹیکسی نے عمران کو پاکستان کے سفارت خانے کے سامنے پہنچا دیا...... پاکستانی سفارت خانے پر سبز ہلالی پرچم لہراتا دیکھ کر عمران کا دل شیر ہو گیا...... اس نے ٹیکسی والے کو رخصت کیا اور سفارت خانے کے گیٹ کی طرف بڑھا...... گیٹ پر اسے گارڈز نے روک لیا...... عمران نے کہا۔

"میں پاکستانی ہوں اور مجھے پاکستانی سفیر صاحب سے ملنا ہے"۔

گارڈز نے گیٹ کے فون سے سفارت خانے کی چیک پوسٹ کو اطلاع کی جو قریب ہی ایک خوشنما کمرے کی شکل میں تھی...... چیک پوسٹ میں سے ایک خوش پوش نوجوان باہر نکل کر عمران کی طرف بڑھا...... وہ گیٹ سے باہر آ گیا...... اس نے اردو میں عمران سے پوچھا۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں اور سفیر صاحب سے کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں؟"۔

عمران نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"یوں سمجھ لیں کہ میں پاکستان ہی سے آیا ہوں اور میرا سفیر صاحب سے ملنا بہت ضروری ہے"۔

خوش پوش نوجوان نے پوچھا۔

"آپ کے پاس پاسپورٹ وغیرہ ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"میرے پاس کوئی پاسپورٹ وغیرہ نہیں ہے، لیکن میں پاکستانی ہوں...... اس

سے زیادہ میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا"۔

خوش پوش نوجوان عمران کو چیکنگ کرنے والے کمرے میں لے گیا...... یہاں ایک اور مدبر آدمی میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھا تھا...... خوش پوش نوجوان نے اس شخص کو ساری باتیں بتادیں جو اس کے اور عمران کے درمیان ہوئی تھیں اور بولا۔

"سر! یہ صاحب مسٹر ایمبیسڈر سے ملنا چاہتے ہیں؟"۔

مدبر شخص نے کہا۔

"میرا نام کیپٹن رحمان ہے...... آپ کا کیا نام ہے...... تشریف رکھیں"۔

عمران کرسی پر بیٹھ گیا اور اس نے کہا۔

"میرا نام عمران ہے...... میرا تعلق [illegible] سے ہے؟"۔

کیپٹن رحمان نے پوچھا۔

"آپ کولمبو کیسے آگئے ہیں اور سفیر صاحب سے کس سلسلے میں ملاقات کر چاہتے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"یہ ساری باتیں میں صرف سفیر صاحب کو ہی بتا سکتا ہوں، آپ کو نہیں بتا سکتا"۔

کیپٹن رحمان نے کہا۔

"ہم آپ کی مدد کرنے کے لئے ہی یہاں بیٹھے ہیں...... مجھے اپنی پرابلم بتائیے...... میں آپ کے لئے جو کچھ کر سکتا ہوں کروں گا"۔

عمران نے کہا۔

"میری پرابلم ایسی ہے کہ جسے میں صرف سفیر صاحب کو ہی بتا سکتا ہوں"۔

کیپٹن رحمان نے ایک لمحے کے لئے عمران کو غور سے دیکھا...... پھر کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ آئیے"۔

وہ عمران کو ایک کمرے میں لے گیا جہاں قائداعظم کی تصویر اور پاکستانی پرچم آویزاں تھا اور ایک خوش پوش نوجوان بڑی سی میز کے سامنے بیٹھا کسی فائل پر کچھ لکھ رہا تھا...... اس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔

کیپٹن رحمان نے عمران کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"یہ سری لنکا میں بغیر پاسپورٹ کے داخل ہوئے ہیں اور سفیر صاحب سے ملنا چاہتے ہیں"۔

اس شخص نے کہا۔

"میں فسٹ سیکرٹری ہوں...... مجھے بتائیے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں"۔

عمران نے یہاں بھی اصرار کیا کہ وہ صرف سفیر صاحب کو ہی اپنی پرابلم بتائے گا...... فسٹ سیکرٹری نے انکار کرنے کے انداز میں کہا کہ سفیر صاحب اس وقت نہیں مل سکتے۔

"آپ اپنے کوائف بتائیں کہ آپ بغیر پاسپورٹ ویزے کے اس ملک میں کیسے داخل ہوگئے؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کسی ملک میں بغیر ضروری کاغذات کے داخل ہونا جرم ہے؟"۔

عمران نے بات کو مختصر کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے ایک کاغذ کا ٹکڑا اور پنسل دیجئے"۔

فسٹ سیکرٹری نے کیپٹن رحمان کی طرف دیکھا اور پھر ایک کاغذ اور پنسل عمران کو دے دی...... عمران نے دوسری میز پر جا کر کاغذ پر ایک سیکرٹ نمبر لکھا...... یہ نمبر انٹیلی جنس کی کمانڈو یونٹ کا ٹاپ سیکرٹ نمبر تھا اور اس نمبر سے دوسرے ممالک میں تعینات اپنے سفیروں کو آگاہ کر دیا جاتا ہے تاکہ وقت پڑنے پر وہ ان کی مدد کر سکیں...... کسی دوسرے کے سامنے یہ نمبر ہرگز ظاہر نہیں کیا جاتا...... عمران نے کاغذ تہہ کیا اور فسٹ سیکرٹری سے ایک لفافہ مانگا...... اس نے لفافہ بھی دے دیا...... عمران نے تہہ کیا ہوا کاغذ لفافے میں ڈال کر لفافے کو گوند لگا کر اچھی طرح سے بند کیا اور فسٹ

سیکرٹری کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ لفافہ سفیر صاحب کو دے دیجئے...... مجھے اور کچھ نہیں کہنا...... میں نے اس کے اندر جو تحریر لکھی ہے اگر اسے پڑھنے کے بعد سفیر صاحب نے مجھے بلالیا تو ٹھیک ہے اگر نہ بلایا تو میں یہیں سے واپس چلا جاؤں گا، مگر مجھے یقین ہونا چاہئے کہ یہ لفافہ سوائے سفیر صاحب کے دوسرا کوئی نہیں کھولے گا"۔

فسٹ سیکرٹری نے لفافہ لے لیا اور کہا۔

"اگر آپ یہی چاہتے ہیں تو یہ لفافہ میں خود سفیر صاحب کو دے آتا ہوں"۔

فسٹ سیکرٹری کو معلوم تھا کہ ہر حکومت کے بعض ایسے ادارے ہوتے ہیں جو ملک کے تحفظ کی خاطر انتہائی خفیہ طور پر کام کرتے ہیں اور ان کی خبر حکومت کی اہم شخصیتوں کے سوائے اور کسی کو نہیں ہوتی، چنانچہ وہ اسی سیال کے تحت اٹھ کر سفیر صاحب کے کمرے کی طرف چلا گیا...... لفافہ دینے میں ویسے بھی کوئی حرج نہیں تھا...... ہر پاکستانی کو حق تھا کہ وہ اپنے ملک کے سفیر سے ملاقات کر سکتا تھا۔

فسٹ سیکرٹری نے سفیر صاحب کو لفافہ دیا تو انہوں نے پوچھا۔

"اس میں کیا ہے؟"۔

فسٹ سیکرٹری نے معاملے کی نوعیت کی تھوڑی سی تفصیل بیان کر دی...... سفیر صاحب نے لفافہ کھول کر کاغذ کے ٹکڑے پر لکھا ہوا خاص نمبر پڑھا تو اسے اسی وقت پرزے پرزے کر کے ٹوکری میں پھینک دیا اور فسٹ سیکرٹری سے کہا۔

"اس شخص کو میرے پاس فوراً بھیج دیں"۔

"یس سر!"۔

فسٹ سیکرٹری نے اپنے کمرے میں آکر عمران سے کہا۔

"آئیے...... سفیر صاحب نے آپ کو بلایا ہے"۔

عمران کو سفیر صاحب کے کمرے میں پہنچا کر فسٹ سیکرٹری اسی وقت واپس

گیا...... اس کے بعد سفیر صاحب اور عمران کی کچھ دیر تک گفتگو ہوتی رہی...... سفیر صاحب نے عمران سے کہا۔

"میں آپ کے لئے پاکستان جانے کے لئے عارضی پاسپورٹ بنوائے دیتا ہوں...... اس پر ویزا بھی لگ جائے گا...... اس طرح آپ پاکستان واپس پہنچ جائیں گے...... مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو بھارت نہیں پہنچا سکتا...... یہ میرے اختیار سے باہر ہے"۔

عمران نے کہا۔

"بہتر ہے...... میں پاکستان چلا جاتا ہوں"۔

اسی وقت عمران کے لئے ایک عارضی پاسپورٹ بنوا کر اس پر ویزا بھی لگا دیا گیا...... یوں عمران کی سری لنکا میں حیثیت قانونی ہو گئی...... رات کو ایک فلائٹ پاکستان جاتی تھی...... عمران کو اس میں سوار کرا دیا گیا...... یوں عمران پاکستان پہنچ گیا...... کراچی سے وہ سیدھا اسلام آباد آیا اور اس نے متعلقہ ادارے میں رپورٹ کی...... اگرچہ اس کی حیثیت غیر سرکاری تھی اور وہ اپنے طور پر ایک مجاہد کی حیثیت سے جہاد کشمیر میں شریک ہوا تھا اور اپنے طور پر ہی دشمن ملک میں کشمیری مجاہدین کی تحریک کے لئے کام کر رہا تھا، لیکن بلاواسطہ طور پر اس کا تھوڑا سا تعلق ایک خاص ادارے سے بھی ہو گیا تھا...... اس ادارے نے اس کے لئے صرف اتنا ہی کیا کہ اس کے پاسپورٹ پر بھارت کا ویزا لگوا دیا گیا، چنانچہ عمران تین دن بعد تھائی ایئر لائنز کی ایک فلائٹ کے ذریعے بمبئی پہنچ گیا...... بمبئی پہنچتے ہی وہ سیدھا اپنے خاص آدمی اور ایک قسم کے ماسٹر سپائی ستار سیٹھ کے ریسٹ ہاؤس میں آگیا...... وہ اس کے آفس میں نہیں جانا چاہتا تھا...... ریسٹ ہاؤس میں آکر اس نے ستار سیٹھ کو فون کیا تو اس نے کہا۔

"تم ٹھیک ہو ناں؟"۔

"بالکل ٹھیک ہوں...... جبران کہاں ہے؟"۔

ستار سیٹھ نے بتایا کہ جبران ابھی تک دلی میں بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا ہے......

عمران نے کہا۔

"میں صبح دلی روانہ ہو جاؤں گا...... آپ یہاں کس وقت آئیں گے؟"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"تم بڑے صحیح وقت پر آئے ہو...... مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ یہاں سے کہیں مت جانا...... میں ایک گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں...... اور فون بند ہو گیا۔

عمران ریسٹ ہاؤس کے ڈرائینگ روم میں بیٹھا اخبار وغیرہ پڑھتا رہا...... بوڑھا نوکر اس کے لئے چائے بنا کر لے آیا...... وہ چائے پینے لگا...... ایک گھنٹے کے بعد ستار سیٹھ بھی آ گیا...... کہنے لگا۔

"مجھے تمہارا شدت سے انتظار تھا...... لیکن مجھے تمہارے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا کہ تم کہاں پر ہو"۔

عمران نے پوچھا۔

"خیریت ہے نا؟"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"ہمارے کاروبار میں خیریت کبھی نہیں ہوتی...... اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا دشمن دن رات پاکستان دشمن سرگرمیوں میں مصروف ہے...... وہ نہ صرف باہر کے ملکوں سے روایتی اسلحہ خرید کر اس کے انبار لگا رہا ہے بلکہ کیمیکلز اور ایٹمی ہتھیار بھی تیار کر رہا ہے...... ہمیں دشمن کی سرگرمیوں کی ایک ایک لمحے کی خبر رکھنی پڑتی ہے"۔

عمران نے کہا...... "ہم نے دشمن کے سیکرٹ ایٹمی وار ہیڈ میزائلوں کی ورکشاپ کو مکمل طور پر تباہ کر دیا ہے"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"یہ تم نے ایک اہم کارنامہ سرانجام دیا ہے، لیکن دشمن امرتسر اور فیروز پور کی سرحد کے درمیان خفیہ طور پر ایک بیس میل لمبا رن وے تعمیر کر رہا ہے...... اس پر دن

رات کام ہو رہا ہے...... بھارت میں ہماری خفیہ سروس نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ یہ رن وے کسی بڑے اہم ہوائی اڈے کے طور پر تیار کیا جا رہا ہے...... اس کے تین حصے ہیں...... ایک حصے کے ارد گرد دونوں جانب طیارہ شکن توپیں نصب کر دی گئی ہیں اور اس کے رن وے پر ایسا رنگ کیا گیا ہے جو فضا سے نظر نہیں آتا اور ایسا لگتا ہے کہ نیچے رن وے کی بجائے کھیت ہی کھیت ہیں...... صرف اپنے جہازوں کے اترتے وقت رن وے کی دن کے وقت بھی خاص بتیاں روشن کر دی جاتی ہیں...... دوسرا حصہ عام رن وے کی طرح رکھا گیا ہے لیکن اس کی دونوں جانب بھی طیارہ شکن گنیں اور سرچ لائیٹیں نصب کر دی گئی ہیں...... سب سے اہم اس خفیہ اور پراسرار ہوائی اڈے کا تیسرا حصہ ہے...... اس کو جھاڑیوں وغیرہ سے کیمو فلاج کیا گیا ہے اور اس کے گرد دس فٹ اونچی خاردار باڑ لگائی گئی ہے...... ہمارا خیال ہے کہ انڈیا یہاں اپنے سیکرٹ وار ہیڈ والے طیارہ شکن میزائل نصب کر رہا ہے...... ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ اس ہوائی اڈے کا مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے اور خاص طور پر اس کے تیسرے حصے کے بارے میں تفصیلی رپورٹ مہیا کی جائے تاکہ ہم دشمن کے ناپاک عزائم سے جتنی جلدی ممکن ہو سکے پاکستان کو باخبر کر دیں...... یہ کام سوائے تمہارے دوسرا اس وقت اور کوئی نہیں کر سکتا...... اگر تم چاہو تو جبران کو بھی اپنے ساتھ اس مشن پر لے جا سکتے ہو، لیکن اتنا خیال رہے کہ جتنا یہ مشن بھارت کے مسلمانوں کی سلامتی اور پاکستان کے لئے اہم ہے اس سے زیادہ یہ خطرناک بھی ہے...... تمہیں بھارت کے اس ہوائی اڈے کی پوری تفصیل مہیا کرنی ہو گی...... کیا تم اس مشن کے لئے اپنے آپ کو تیار پاتے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں پاکستان اور مسلمانوں کی سلامتی اور استحکام کے ہر مشن کے لئے ہر وقت اپنے آپ کو تیار پاتا ہوں...... مجھے یہ بتائیں کہ اس ہوائی اڈے کی صحیح جغرافیائی پوزیشن کیا ہے"۔

ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"آج رات کو میں تمہیں ایک آدمی سے ملاؤں گا..... وہ تمہیں اس ہوائی اڈ صحیح پوزیشن سمجھادے گا..... اب یہ بتاؤ کہ تمہارے خیال میں تمہارے ساتھ جرا جانا ٹھیک رہے گا یا تم اکیلے ہی اس مشن پر جانا پسند کرتے ہو"۔

عمران نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ اس مشن کی نوعیت بڑی نازک اور حساس ہے..... میرا خیال اس کے لئے مجھ اکیلے کو ہی جانا چاہئے..... یہ دو آدمیوں کا کام نہیں ہے..... دو آدمی سے مختلف مسائل پیدا ہو سکتے ہیں"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے" ستار سیٹھ نے کہا..... "اب ایسا ہے کہ میں واپس جارہا ہوں..... تم ریسٹ ہاؤس میں ہی رہنا اور باہر مت نکلنا، کیونکہ تم ایئرپورٹ سیدھا یہاں آئے ہو اور ایک غیر ملکی ایئر کمپنی کے جہاز میں آئے ہو..... ہو سک ایئرپورٹ سے سی آئی ڈی کا کوئی آدمی تمہارے پیچھے لگ گیا ہو"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے اس حقیقت کا احساس تھا، چنانچہ میں سیدھا یہاں نہیں آیا ہوں..... ایئرپورٹ سے ٹیکسی لے کر سیدھا بمبئی کے میٹرو سینما میں چلا گیا تھا..... وہاں میں ٹیکسی چھوڑ دی تھی..... اس وقت وہاں میٹنی شو شروع ہونے والا تھا..... میں سیکنڈ کی ٹکٹ لے کر سینما ہال میں جاکر بیٹھ گیا تھا..... جیسے ہی فلم شروع ہونے سے پ کی بتیاں گل ہوئیں..... میں چپکے سے اٹھ کر ہال کے ایمر جنسی گیٹ میں سے باہر اور ایک ایرانی ہوٹل میں گھس گیا..... وہاں ایک کپ چائے پی اور ہوٹل کے دروازے سے باہر نکل کر ٹیکسی پکڑی اور یہاں پہنچ گیا..... میرا خیال ہے کہ اگر کو پیچھا کر بھی رہا ہوگا تو وہ ابھی تک سینما ہال کے باہر بیٹھا میرے باہر نکلنے کا انتظ ہوگا..... اس قسم کی احتیاطیں آپ کو معلوم ہیں کہ ہمیں کرنی ہی پڑتی ہیں"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"یہ تم نے بڑا اچھا کیا..... پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں کمرے کے اندر ہی ہو..... باہر لان میں بھی نہ نکلنا..... میں رات کا اندھیرا ہوتے ہی خاص آدمی کو لے کر یہاں پہنچ جاؤں گا"۔

اب میں جاتا ہوں۔

ستار سیٹھ واپس چلا گیا..... عمران ریسٹ ہاؤس کے کمرے میں ہی رہا..... اخبار اور رسالے وغیرہ دیکھتا رہا..... کچھ دیر ٹیلی ویژن پر وگرام دیکھتا رہا..... شام ہو گئی تو اس نے بوڑھے مسلمان ملازم سے کہہ کر کھانا منگوا کر کھالیا اور کمرے کی باقی بتیاں بجھا کر صرف ٹیبل لیمپ روشن کر کے ستار سیٹھ کا انتظار کرنے لگا..... رات کے پورے سوا آٹھ بج رہے تھے کہ ستار سیٹھ اپنے خاص آدمی کو لے کر آگیا..... ہم اس خاص آدمی کا حلیہ مصلحتاً یہاں بیان نہیں کریں گے..... ستار سیٹھ نے اس کا عمران سے تعارف کروایا..... اس آدمی نے جیب سے بھارت کے پنجاب کا چھوٹا سا نقشہ نکال کر میز پر کھول دیا اور اس پر ایک جگہ انگلی رکھ کر بولا۔

"یہ امرتسر ہے..... یہ فیروزپور ہے..... اس کے درمیان یہ سرخ لکیر دریائے ستلج کی ہے..... دریا کے دوسرے کنارے پر انڈیا اور پاکستان کے بارڈر سے ایک مناسب فاصلے پر جو تیس سے چالیس میل بھی ہو سکتا ہے..... بھارت یہ خفیہ ہوائی اڈہ تعمیر کر رہا ہے..... اس کا رن وے بارڈر کے ساتھ ساتھ تقریباً بیس میل لمبا ہے..... اس رن وے کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے..... پہلے حصے کے رن وے پر ایسا رنگ پھیرا گیا ہے جو فضا سے دیکھنے پر کھیت کی طرح لگتا ہے..... اس کی دونوں جانب طیارہ شکن توپیں نصب ہیں..... اس کے دوسرے حصے کے رن وے کے گرد جھاڑیاں ہیں اور بظاہر یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ حصہ بیکار ہے اور یہاں سوائے جھاڑیوں اور گھاس وغیرہ کے اور کچھ نہیں ہے، لیکن اس حصے کی دونوں جانب بھی طیارہ شکن

توپیں نصب ہیں اور مشین گنوں کے مورچے بنے ہوئے ہیں...... سب سے اہم
پراسرار اس رن وے کا تیسرا حصہ ہے...... اس حصے کے گرد اونچی خاردار دیوار کھ
کر کے اسے محفوظ کیا گیا ہے اور اس کے اندر رن وے ضرور ہے، مگر وہ باہر سے با
نظر نہیں آتا...... ہماری خفیہ رپورٹ کے مطابق بھارت یہاں انتہائی تیز رفتار ایٹمی
ہیڈ والے طیارہ شکن میزائل نصب کر رہا ہے...... اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی اطلاع
ہے کہ اس جگہ چند ایک مقامات پر بارڈر کے ساتھ مہلک کیمیاوی دور مار میزائل
لگائے جا رہے ہیں جن کا رخ پاکستان کے دو شہروں، بہاولپور اور لاہور کی جانب ہے"۔

عمران نقشے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا...... اس نے بعض مقامات کو اپنے ذ
میں محفوظ کر لیا تھا...... یہ ذہن میں نقش کرنے والے مقامات ہی تھے...... ان کو
نوٹ بک پر نوٹ کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا...... عمران نے پورے کے پورے نق
کو ایک طرح سے اپنے ذہن میں اتار لیا تھا...... اس خاص آدمی نے عمران سے پوچھا۔

"کیا تم کچھ اور معلوم کرنا چاہتے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"آپ مجھے اور جو کچھ بتا سکتے ہیں وہ بھی بتا دیجئے"۔

اس آدمی نے کہا۔

"مجھے جو کچھ بتانا تھا وہ میں نے بتا دیا ہے"۔

عمران بولا۔

"میں اس کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں"۔

اس آدمی نے نقشہ تہ کر کے جیب میں رکھا اور ستار سیٹھ سے کہا۔

"اب مجھے اجازت دیجئے"۔

ستار سیٹھ نے بھی اسے مزید رکنے کیلئے نہ کہا اور وہ خاص آدمی وہاں سے رخصت ہو گیا۔



اس کے جانے کے بعد ستار سیٹھ نے عمران سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے تمام صورت حال تم اچھی طرح سے سمجھ گئے ہو گے"۔

عمران نے کہا۔

"یہ بتایئے کہ امرتسر میں اپنا کوئی ایسا آدمی ہے جس کے پاس میں ٹھہر سکتا
ہوں؟ مجھے امرتسر میں لینڈ کرنے کے لئے تھوڑی سی جگہ کی ضرورت ہے...... آپ
کا مقصد سمجھ گئے ہوں گے"۔

ستار سیٹھ سوچنے لگا...... پھر بولا۔

"اس بارے میں میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا...... مجھے تھوڑی تحقیق کرنی
ہو گی...... مجھے کل دن کا وقت دے دو...... میں پنجاب میں اپنے دو ایک آدمیوں سے
یہ رابطہ پیدا کرتا ہوں...... اگر کچھ ہو سکا تو میں بہر حال کل اسی وقت رات کو آکر
تمہیں بتا دوں گا"۔

عمران نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... میں کل کا دن بھی اس کمرے میں ہی رہوں گا"۔

ستار سیٹھ عمران کو کمرے سے باہر نہ نکلنے کی خاص طور پر ہدایت کر کے چلا
...... اس کے بعد عمران نے کپڑے بدلے اور ٹیبل لیمپ بجھا کر سو گیا...... دوسرا دن
اس نے ریسٹ ہاؤس کے اسی کمرے میں گزار دیا...... اس قسم کی معمولی مشقت اور

قید تنہائی کا وہ عادی تھا......اس سے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی پریشان نہیں ہوتا تھ

رات کا کھانا اس نے شام ہوتے ہی کھالیا...... وہ کھانا کھا رہا تھا کہ ستار کا فون آگیا

کہنے لگا۔

"میں ایک گھنٹے میں تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"میں انتظار کر رہا ہوں"۔

ستار سیٹھ نے فون بند کر دیا...... ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ آگیا...... کہنے لگا۔

"تم نے کھانا کھالیا؟"۔

عمران بولا۔

"جب آپ کا فون آیا تھا تو میں کھانا کھا رہا تھا"۔

"اچھا کیا...... اب میرے پاس آکر بیٹھ جاؤ"۔

عمران اس کے پاس بیٹھ گیا...... ستار سیٹھ نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا
ہوئے کہا۔

"تمہارا امرتسر میں لینڈ کرنے کا بندوبست ہو گیا ہے"۔

عمران نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ بڑا اچھا ہوا...... بس مجھے وہاں اترنے کے لئے تھوڑی سی جگہ چا
آگے سارا کام میں خود کر لوں گا"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"تمہیں امرتسر میں اترنے کے لئے ایک محفوظ جگہ بھی مل جا
تمہارے مشن میں تمہیں مدد بھی فراہم ہو جائے گی...... ہم نے تمہارا بڑا پکا
ہے"۔

عمران خاموشی سے ستار سیٹھ کی جانب متوجہ رہا...... وہ عمران کی طرف

جھک کر کہنے لگا۔

"بھارت میں ویسے تو ہر مسلمان پاکستان کی سلامتی کا خواہاں ہے اور پاکستان کو طاقتور سے طاقتور دیکھنا چاہتا ہے، کیونکہ پاکستان کے طاقت ور ہونے میں ہی یہاں کے مسلمانوں کی طاقت کا راز پوشیدہ ہے...... یہاں بھارت میں ایسے سرفروش مسلمانوں کی بھی کمی نہیں ہے جو پاکستان کی سلامتی کی خاطر بڑے سے بڑا خطرہ بھی مول لے سکتے ہیں...... ان کا جذبہ اپنی جگہ پر بڑا قابل قدر ہے لیکن ہم نے ان میں سے تقریباً ہر بڑے شہر میں چند ایک ایسے آدمیوں کو چن رکھا ہے جو سرفروش ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی ہیں اور راز کو چھپا کر رکھنا چاہتے ہیں...... یہ لوگ کسی نہ کسی جگہ ضرورت پڑنے پر ہمارے کام آتے ہیں اور جو مشن ان کے سپرد کیا جاتا ہے اس کے لئے بڑی خاموشی اور انتہائی رازداری کے ساتھ کام کرتے ہیں...... ہمارا ایسا ہی ایک آدمی امرتسر شہر میں بھی ہے...... وہ مسلمان ہے لیکن ایک چھوٹے سے مندر کا ہندو پجاری بن کر ایک عرصے سے امرتسر شہر میں اکیلا رہ رہا ہے...... اسے ہندی کے علاوہ سنسکرت کے سینکڑوں اشلوک یاد ہیں اور وہ ہندو دھرم کے تمام نشیب و فراز سے واقف ہو گیا ہے اور بڑی ذمے داری سے مندر کے ذمے دار پجاری کی ڈیوٹی نبھا رہا ہے...... ہمارے دو تین آدمیوں کی اس نے وقت آنے پر بڑی رازداری کے ساتھ مدد کی تھی اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکی...... محلے کے ہندو سکھ اور عورتیں بطور پجاری کے اس کی بڑی عزت کرتی ہیں اور وہ بھی لوگوں سے بڑی شفقت اور محبت کا سلوک کرتا ہے...... تم اسے دیکھو گے تو تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ یہ شخص مسلمان ہے اور جہاد کشمیر اور اسلام کی سربلندی کی خاطر خفیہ طور پر اہم ترین ڈیوٹی بھی دے رہا ہے اور دشمنوں کے درمیان اپنی جان ہتھیلی پر لئے بیٹھا ہے، کیونکہ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا راز فاش ہو جاتا ہے تو اس کا زندہ بچنا ناممکن ہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"اس کا نام کیا ہے اور اس کے پاس جا کر مجھے کون سا کوڈ جملہ بول کر اپنی شناخت کروانی ہو گی"۔

ستار سیٹھ نے جیب سے اس کی تصویر نکال کر عمران کو دکھائی اور کہا۔

"یہ اس شخص کی فوٹو ہے...... اس کو اچھی طرح سے دیکھ لو...... باقی اس کے پاس جا کر بولنے والے خفیہ الفاظ میں تمہیں بتا دوں گا...... اس کا وہاں ہندووانہ نام......"

یہاں ہم اس سرفروش بھارتی مسلمان کا اصلی اور ہندووانہ نام جو ستار سیٹھ نے عمران کو بتایا...... نہیں لکھیں گے...... مصلحت کا یہی تقاضا ہے...... ہم اس کا ایک فرضی ہندووانہ نام رکھ لیتے ہیں...... عمران اس کو اسی نام سے بلائے گا...... ہم قارئین سے درخواست کریں گے کہ وہ بھی ہمارے رکھے ہوئے اس سرفروش مسلمان جاسوس کے ہندووانہ نام کو یاد کر لیں...... ہم اس کا فرضی ہندووانہ نام جے رام رکھتے ہیں...... عمران بھی اسے اسی نام سے پکارے گا اور ہم بھی آگے چل کر اس کا یہی نام لکھیں گے...... ستار سیٹھ نے کہا۔

"ہم جے رام کو امرتسر میں تمہارے بارے میں اور تمہارے مشن کے بارے میں فل رپورٹ کل شام تک اپنے خفیہ ذرائع سے پہنچا دیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"میں امرتسر شہر سے واقف ہوں، بلکہ قیام پاکستان سے پہلے میں دو تین سال امرتسر میں رہ چکا ہوں...... مجھے یہ بتائیں کہ یہ سرفروش بھارتی مسلمان جے رام پجاری کے روپ میں امرتسر کے کس مندر میں اپنے فرائض انجام دے رہا ہے"۔

ستار سیٹھ نے عمران کو امرتسر کا وہ محلّہ بتایا جس کے مندر میں بھارتی سرفروش مسلمان بطور مندر کے پجاری کے اپنا کام بلکہ اپنی ڈیوٹی ایک عرصے سے ادا کر رہا تھا...... یہاں ہم اس محلے کا بھی ذکر نہیں کریں گے جس کے مندر کا یہ شخص جس کا فرضی نام ہم نے جے رام رکھا ہے پجاری تھا...... عمران کو ستار سیٹھ نے اس محلے کا نام

وغیرہ بتایا تو اس نے کہا۔

"میں اس محلے سے اچھی طرح واقف ہوں"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"یہ اچھی بات ہے، جہاں تک اس معاملے کا تعلق ہے کہ تمہیں وہاں جا کر کون سا بھیس بدلنا ہو گا...... اس بارے میں تمہیں جے رام ہی گائیڈ کرے گا...... وہ تمہیں بہتر طور پر بتا سکے گا کہ تمہیں ٹارگٹ کے اردگرد جانے کے لئے کون سا بھیس بدلنا ہے اور تمہارے لئے کون سا بھیس مناسب رہے گا"۔

عمران نے پوچھا۔

"وہاں مجھے ہو سکتا ہے اسلحہ وغیرہ کی بھی ضرورت پڑے...... کیا جے رام اس سلسلے میں میری مدد کرنے کی پوزیشن میں ہو گا؟"۔

ستار سیٹھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جے رام ہمارا وہاں اکیلا آدمی نہیں ہے...... اس کا رابطہ پنجاب میں مقیم ہمارے دوسرے اہم مسلمان سرفروشوں سے ہے...... تمہیں جس قسم کے اسلحہ کی ضرورت پڑے گی وہ تمہیں وہاں مہیا ہو جائے گا...... بس اب تم جانے کی تیاری کرو...... کل شام تک تمہارے بارے میں فل رپورٹ اور تمہاری ایک پاسپورٹ سائز فوٹو جو اتفاق سے میرے پاس محفوظ پڑی تھی...... جے رام تک پہنچ جائے گی...... تم رات کی گاڑی سے امرتسر روانہ ہو سکتے ہو" تمہیں جتنی رقم کی ضرورت ہو گی مل جائے گی...... باقی اگر کوئی ضرورت پڑے گی تو جے رام امرتسر میں تمہارے لئے موجود ہے"۔

عمران نے کسی قدر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"بمبئی سے امرتسر گاڑی دو دن کے بعد تیسرے دن پہنچتی ہے...... آپ میری رپورٹ کل تک جے رام تک کیسے پہنچائیں گے؟"۔

ستار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہمارے آدمی اس قسم کی خفیہ دستاویزات لے کر کبھی ٹرین سے سفر نہیں کرتے...... وہ ہوائی جہاز کے ذریعے آتے جاتے ہیں"۔

اگلے دن بھی عمران ریسٹ ہاؤس میں ہی رہا...... ستار سیٹھ نے اسے کچھ رقم دی...... اس کے پاس کوئی خفیہ شے نہیں تھی...... نہ کوئی دستاویزات تھیں...... نہ نقشہ تھا...... نہ کوئی پستول تھا اور نہ کوئی کمانڈو چاقو تھا...... صرف وہ خود ہی ایک قابل اعتراض شے تھی...... سو وہ بے حد احتیاط سے کام لے رہا تھا...... بھارت کی گاڑیوں میں سفر کرنے کا اسے بہت تجربہ ہو چکا تھا...... امرتسر بمبئی لائن پر تو وہ سفر کر چکا تھا...... یہ بات بخوبی اس کے علم میں تھی کہ بھوپال سے دلی تک اور لدھیانے سے امرتسر تک کا علاقہ حساس علاقہ سمجھا جاتا تھا وہ ڈبے میں ہی مسافروں کے درمیان بیٹھا رہتا تھا...... زیادہ نقل و حرکت نہیں کرتا تھا۔

رات کے نو بجے وہ بمبئی کے بوری بندر سٹیشن سے ٹرین میں بیٹھ کر امرتسر کی طرف روانہ ہو گیا...... ساری رات...... دوسرا سارا دن اور تیسری ساری رات سفر میں گزر گئی...... تیسرے دن صبح کے وقت ٹرین امرتسر پہنچی تو وہ عام مسافروں کی طرح ڈبے سے اتر کر مسافروں کے ساتھ ہی گیٹ پر ٹکٹ ٹی ٹی کے حوالے کر کے سٹیشن کے باہر آگیا...... قیام پاکستان سے پہلے امرتسر ریلوے سٹیشن پر اتنی بھیڑ بھاڑ اور شور و غل نہیں ہوتا تھا...... اب آبادی بھی بہت بڑھ گئی تھی...... ریلوے سٹیشن کے سامنے کئی نئے ہوٹل کھل گئے تھے...... پولیس کے سنتری جگہ جگہ نظر آرہے تھے ان میں سکھ سپاہی زیادہ تھے...... عمران ان کی نظروں سے بلکہ کسی کی بھی نظروں سے بچنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا...... بالکل ایک نارمل اور عام مسافر کی طرح سٹیشن کے احاطے سے نکل کر ٹیکسی سٹینڈ پر آکر ایک موٹر رکشا لیا اور اسے جے رام کے مندر کی طرف جانے کو کہا...... یہ ہم آپ کو نہیں بتائیں گے کہ جے رام کا محلّہ کون سا تھا

یہ تو ہم بتا چکے ہیں کہ جے رام ایک بھارتی سرفروش مسلمان تھا جو ہندو پجاری بن کر جے رام پجاری کے روپ میں وہاں ایک عرصے سے رہ رہا تھا...... یہ محلّہ عمران کا دیکھا بھالا تھا...... وہ اس محلے کے شروع میں ہی ایک طرف رکشے سے اتر گیا۔

ایک دکاندار سے جے رام کے مندر کا نام لے کر پوچھا کہ یہ مندر یہاں کس جگہ پر ہے...... اور وہاں پہنچ گیا...... محلے کا چھوٹا سا مندر تھا...... اس کی ڈیوڑھی میں گھنٹا لٹک رہا تھا...... مندر میں پوجا کے دستور کے مطابق اس نے داخل ہوتے ہی ایک ہاتھ سے گھنٹے کو بجایا اور رام رام کرتا مندر کے چھوٹے سے صحن میں آگیا جہاں ایک جانب بیری کے تین چار درخت تھے...... ایک درخت کے نیچے گائے بندھی تھی...... پاس ہی چارپائی پر ایک درمیانی عمر کا دبلا پتلا پجاری ایک پوتھی نما کتاب کھولے بیٹھا تھا...... میلی سی صدری اور دھوتی پہن رکھی تھی...... ڈاڑھی مونچھ صفاچٹ تھی...... عمران نے اس کے پاس جا کر بڑے ادب سے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور کہا۔

"مہاراج مجھے جے رام پجاری جی سے ملنا ہے"۔

اس نے عمران کو غور سے دیکھا...... ذرا سا مسکرایا...... عمران سمجھ گیا کہ اس کے پاس اس کی تصویر پہنچ چکی ہے اور اس نے عمران کو پہچان لیا ہے...... عمران نے بھی اسے پہچان لیا تھا...... اس نے کہا۔

"بیٹھ جائیں مہاراج! میں ہی جے رام پجاری ہوں آپ کا داس"۔

وہ اس کے پاس چارپائی پر بیٹھ گیا...... اس نے پوچھا۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟"۔

وہاں اس وقت تیسرا کوئی آدمی نہیں تھا...... عمران نے آہستہ سے کہا۔

"میں بمبئی سے آیا ہوں...... ستار سیٹھ نے مجھے بھیجا ہے"۔

اس نے ستار سیٹھ کا نام سن کر کسی قسم کے رد عمل کا اظہار نہ کیا، بلکہ الٹا سوال کر دیا۔

"مہاراج! یہ کون مہاشے ہیں؟ میں تو انہیں بالکل نہیں جانتا"۔

تب عمران نے وہ خفیہ جملہ بولا جو ستار صاحب نے بتا رکھا تھا...... میرا جملہ
کر جے رام پر اطمینان کی ہلکی سی جھلک نمودار ہوئی...... اس نے بھی جواب میں
خفیہ جملہ بولا جو عمران کو ستار سیٹھ نے پہلے ہی بتا دیا تھا...... انہوں نے ایک دوسرے
شناخت کر لیا تھا اور ان کی تصدیق بھی ہو گئی تھی...... جے رام نے ایک نگاہ مندر
دروازے کی طرف ڈالی اور آہستہ سے کہا۔

"میری بائیں جانب جو پہلی کوٹھڑی ہے...... تم اس میں جا کر بیٹھو......
تھوڑی دیر میں آتا ہوں"۔

عمران خاموشی سے اٹھا اور کوٹھڑی کے اندر چلا گیا...... کوٹھڑی بڑی پرانی
خستہ حال تھی...... اندر صرف ایک چارپائی ہی بچھی تھی...... وہ چارپائی پر بیٹھ گیا
دروازہ کھلا تھا...... اس میں سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی...... کسی کسی وقت مندر
ڈیوڑھی کے ٹل کے بجنے کی آواز آ جاتی تھی...... کوئی ہندو مندر میں داخل ہونے
بعد اسے بجا کر پوجا پاٹ کے لئے جاتا تھا...... دس پندرہ منٹ گزر گئے...... اس کے
جے رام اندر آیا...... اس نے دروازے کا ایک کیواڑ بند کر دیا اور عمران کے پاس چار
پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"تمہارا یہاں زیادہ دیر میرے پاس ٹھہرنا مناسب نہیں...... میں تمہیں ایک
بتاتا ہوں تم وہاں جا کر میرا انتظار کرو...... میں زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں تمہار
پاس پہنچ جاؤں گا...... تم پہلے کبھی امرتسر آئے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں امرتسر میں دو تین برس رہ چکا ہوں"۔

جے رام بولا۔

"کیا تم نے بڑی نہر دیکھی ہے، جس کو بجلی والی نہر بھی کہتے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"بالکل دیکھی ہے...... بلکہ میں گرمیوں میں وہاں نہانے جایا کرتا تھا"۔

جے رام نے کہا۔

"یہ نہر جی ٹی روڈ پر ہے...... اس کے پل پر سے گزر کر تم آگے چلے جانا...... آگے
ایک فرلانگ کے فاصلے پر بائیں جانب سڑک سے اتر کر ایک پرانا کھنڈر ہے...... اس
کھنڈر کے پیچھے جا کر تم کسی جگہ بیٹھ جانا...... میں وہاں پہنچ جاؤں گا...... اب تم جاؤ"۔

عمران چارپائی سے اٹھا اور کوٹھڑی سے نکل آیا...... مندر کے باہر آ کر اس نے
رکشا پکڑا اور سیدھا بجلی والی نہر کے پل پر آ گیا...... وہاں اس نے رکشا چھوڑ دیا...... پل
کے آگے جی ٹی روڈ پر ایک فرلانگ پیدل چلنے کے بعد اس نے دیکھا کہ بائیں جانب
درختوں کے درمیان ایک پرانے کھنڈر کی عمارت کھڑی ہے...... وہ سڑک سے اتر کر
کھنڈر کے عقب میں آ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور جے رام کا انتظار کرنے
لگا...... آدھے گھنٹے کے بعد اسے ایک طرف سے جے رام آتا دکھائی دیا...... جے رام
اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"یہاں سے تم میرے ساتھ چلو...... آ جاؤ"۔

جے رام عمران کو لے کر کھیتوں کھیت ایک طرف کو روانہ ہو گیا...... آگے ایک
آبادی تھی...... وہ آبادی کے قریب سے ہو کر نکل گئے...... اس کے بعد یہ دونوں کس
طرف سے ہو کر کس طرف کو گئے...... ہم مصلحتاً آپ کو نہیں بتائیں گے...... صرف
اتنا بتائیں گے وہ دیر تک کھیتوں میں پیدل چلنے کے بعد ایک جگہ پہنچے جہاں فاصلے فاصلے
پر تین چار ایک منزلہ مکان بنے ہوئے تھے...... ایک مکان کے باہر ایک گائے بندھی
ہوئی تھی...... وہاں کوئی آدمی یا عورت یا بچہ نظر نہیں آ رہا تھا...... آخری مکان درختوں
کے پیچھے چھپا ہوا تھا...... ہم یہ بھی نہیں بتائیں گے کہ یہ درخت کون سے تھے......
بہرحال یہ مکان بند پڑا تھا...... جے رام نے جیب سے چابی نکال کر مکان کا تالا
کھولا...... اندر ایک چھوٹی سی ڈیوڑھی تھی...... ڈیوڑھی میں ایک جانب غسل خانہ تھا

جس کے اندر بالٹی میں نلکے کا پانی قطرہ قطرہ کر کے ٹپک رہا تھا...... اس کی آواز عمران نے پہچانا کہ یہ غسل خانہ ہے...... سامنے ایک مختصر سا کمرہ تھا جس میں ایک چارپائی پر بستر لپیٹ کر رکھا ہوا تھا...... چارپائی کے پاس لکڑی کی دو پرانی کرسیاں پڑی تھیں...... دیوار پر پنڈت نہرو کی تصویر والا کیلنڈر لٹکا ہوا تھا...... جے رام نے کھڑکی کھول دی...... اندر دن کی روشنی آنے لگی...... جے رام چارپائی پر بیٹھ گیا...... عمران اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

جے رام کہنے لگا۔

"یہ مکان میں نے کرائے پر لے رکھا ہے...... یہاں میں کبھی کبھی دو ایک دن آرام کرنے کے لئے آجاتا ہوں...... ہفتے میں زیادہ دن میں مندر میں ہی رہتا ہوں...... مجھے وہاں زیادہ وقت دینا پڑتا ہے...... یہ جگہ شہر سے دور اور الگ تھلگ ہے...... یہاں ہمسائے زیادہ نہیں ہیں...... اگر تم سے کوئی پوچھے تو کہہ دینا کہ میں جے رام جی کا بھانجا ہوں...... گورداسپور سے آیا ہوں...... میں بھی یہاں یہی بتاؤں گا...... اپنا نام اوم پرکاش بتانا...... میں انہیں یہی نام بتاؤں گا...... کہنا کہ گورداسپور میں میری سٹیشنری کی دکان ہے...... امرتسر میں میں اپنی دکان کے لئے کچھ سامان وغیرہ خریدنے آیا ہوں بس اس سے زیادہ کسی سے کوئی بات نہ کرنا"۔

عمران نے کہا۔

"یہاں مجھے اندازاً کتنے دنوں تک رہنا ہوگا"۔

جے رام بولا۔

"مجھے تمہارے مشن کے سلسلے میں کچھ ضروری انتظامات کرنے ہیں...... ہو سکتا ہے ایک ہفتہ لگ جائے...... میں اپنا نوکر بھیج دوں گا...... وہ تمہارے لئے کھانا وغیرہ دیا کرے گا...... میں تمہیں صبح صبح یا رات کے وقت آکر مل جایا کروں گا...... رسوئی یعنی کچن مکان کی دوسری طرف ہے...... وہاں آٹا چاول گھی وغیرہ ہر چیز موجود ہے...... اب

میں واپس جاتا ہوں...... مندر میں پہنچتے ہی میں نوکر بھیج دوں گا...... اس کا نام مکندا ہے...... وہ پہاڑیا ہے...... ہم اسے منڈو کہہ کر بلاتے ہیں...... لڑکا سا ہے...... ہندو طریقے کا کھانا بناتا ہے...... گوشت وغیرہ بالکل نہیں پکے گا...... تمہیں سبزی وغیرہ ہی کھانی پڑے گی...... اچھا...... میں چلتا ہوں"۔

جے رام چلا گیا...... اس کے جانے کے بعد لیٹے ہوئے بستر سے ٹیک لگا کر چارپائی پر نیم دراز ہو گیا اور سوچنے لگا کہ کہیں یہ سرفروش جے رام اس کے مشن میں تاخیر نہ کر دے، کیونکہ ابھی تک اس نے مشن کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی...... اس نے کہا تھا کہ اسے کچھ ضروری انتظامات کرنے ہیں جس میں ایک ہفتہ لگ جائے گا...... معلوم نہیں یہ کسی قسم کے انتظامات تھے...... ہو سکتا ہے اس نے دوسرے سرفروش جاسوسوں سے رابطہ قائم کرنا ہو...... ہو سکتا ہے کہ اس نے عمران کے مشن کے لئے اسلحہ وغیرہ کا بندوبست کرنا ہو...... جے رام نے ان انتظامات کے بارے میں عمران کو کچھ نہیں بتایا تھا۔

"عمران نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھا...... اس وقت دن کے پونے گیارہ بج رہے تھے...... جے رام کا پہاڑیا نوکر ایک گھنٹے کے بعد پہنچ گیا...... اٹھارہ انیس سال کا نوجوان لڑکا تھا...... اس نے عمران کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور بولا...... مہاراج میں سبزی وغیرہ لیتا آیا ہوں...... تھوڑی دیر میں بھوجن اور پھلکے تیار کردوں گا"۔

عمران کو اس تنہا مکان میں ایک دن اور ایک رات گزر گئی...... دوسرا دن بھی گزر گیا...... جے رام نہیں آیا تھا...... عمران بھی مکان سے باہر نہ نکلا کہ ہمسائے میں کس کس کو اپنے بارے میں بتاتا پھرے گا کہ میں جے رام کا بھانجا ہوں اور گورداسپور سے آیا ہوں...... دوسری رات بھی گزر گئی اور جے رام نہ آیا...... تیسرا دن آگیا۔

عمران ابھی تک مکان کے اندر ہی بیٹھا رہا تھا...... وہ ہر ممکن احتیاط برتنا چاہتا تھا...... اس لئے کہ اس کا مشن انتہائی اہم اور انتہائی حساس تھا...... تیسری رات کے دس

بجے کے بعد جے رام آ گیا...... اس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا جس نے ہندووانہ ط کا تنگ موری والا میلا سا پاجامہ...... بغیر کالر کے کرتا اور صدری پہن رکھی تھی اور پر صافہ باندھا ہوا تھا...... ماتھے پر ہندوؤں والی بندیا لگی تھی...... جے رام نے اس تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"یہ فیروز دین ہے...... (یہ نام ہم نے فرضی لکھا ہے...... اس آدمی کا نام کچھ تھا)...... یہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گا...... یہ صبح کو آئے گا...... تم تیار رہنا"۔

اتنا کہہ کر جے رام اور فیروز دین چلے گئے...... عمران کچھ دیر کے بعد سو گیا۔

صبح حسب عادت اس کی صبح صبح آنکھ کھل گئی...... قیام پاکستان سے پہلے جب امرتسر میں مسلمان رہتے تھے تو صبح کے وقت مسجدوں سے اذان کی آواز آیا کرتی تھ مگر اب امرتسر میں ایک بھی مسلمان نہیں تھا...... مسجدیں ہندو سکھوں نے شہ کر دی تھیں یا ان میں بت رکھ کر انہیں مندر بنا دیا تھا...... اذان کی آواز کہاں سے آتی

عمران منہ ہاتھ دھو کر جلدی سے تیار ہو گیا...... نوکر ابھی سو رہا تھا...... اس نے کچن میں جا کر خود ہی تھوڑا بہت ناشتہ بنایا اور فیروز دین کا انتظار کرنے لگا...... ابھی دن اجالا پوری طرح سے نہیں پھیلا تھا...... رات کا ہلکا ہلکا اندھیرا باقی تھا...... وہ مکان بیٹھک کی کھڑکی میں سے باہر دیکھ رہا تھا...... اسے اندھیرے اجالے میں فیروز دین دکھائی دیا...... اس کے ہاتھ میں پلاسٹک کا تھیلا تھا...... عمران کے پاس آ کر بولا۔

"تم تیار ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"بالکل تیار ہوں"۔

"تو پھر آ جاؤ"۔

یہ کہہ کر فیروز دین آگے آگے چلنے لگا...... اس علاقے سے نکلنے کے بعد آ ریلوے لائن آ گئی...... ریلوے لائن پار کر کے وہ بڑی سڑک پر آ گئے...... یہ جی ٹی

تھی...... فیروز دین نے آہستہ سے عمران کو کہا۔

"لاری میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا...... ضرورت پڑنے پر میں کچھ پوچھوں تو جواب دے دینا...... نہیں تو خاموش رہنا"۔

وہ دونوں سڑک پر ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے...... امرتسر کی جانب سے تھوڑی دیر بعد ایک لاری آئی...... فیروز دین نے ہاتھ دے کر اسے روکا...... دونوں لاری میں بیٹھ گئے...... فیروز دین نے کنڈکٹر سے کہا۔

"مہاراج! دو ٹکٹ ہری کے گاؤں کے دے دیں"۔

ٹکٹ لے کر فیروز دین نے ایک ٹکٹ عمران کو دے دیا...... لاری آگے چل پڑی...... آہستہ آہستہ دن کا اجالا چاروں طرف پھیل گیا...... لاری آدھے پونے گھنٹے تک جی ٹی روڈ پر چلتی رہی...... پھر وہ دائیں جانب سڑک سے اتر کر ایک چھوٹی سی کچی سڑک پر ہو گئی...... وہ ایک گھنٹے تک سفر کرتے رہے...... راستے میں چھوٹے چھوٹے کئی گاؤں آئے...... وہاں لاری تھوڑی دیر کو رکتی...... کچھ مسافر اتر جاتے...... ایک دو مسافر سوار ہو جاتے...... یونہی لاری کا سفر جاری رہا...... لاری ایک ریلوے پھاٹک سے گزر گئی...... راستے میں ایک بڑی نہر بھی آئی...... پھر دریا کا پل آ گیا...... یہ دریائے ستلج کا پل تھا...... بہت بڑا دریا ہے...... دیر تک لاری پل پر سے گزرتی رہی...... پھر دریا بھی پیچھے رہ گیا...... آخر ایک جگہ لاری رکی تو فیروز دین نے عمران کو ہلکا سا اشارہ کیا اور خود اتر گیا...... عمران بھی اس کے پیچھے لاری سے اتر پڑا...... کچی سڑک سے ہٹ کر دو ڈھائی فرلانگ کے فاصلے پر چند کچے مکانوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا گاؤں تھا...... وہ سڑک چھوڑ کر کھیتوں میں چل رہے تھے...... فیروز دین بالکل خاموش تھا...... عمران بھی خاموش تھا...... فیروز دین آگے آگے تھا...... یہ ہری کے گاؤں ہی تھا...... گاؤں ایک چھوٹے سے ٹیلے پر آباد تھا...... ٹیلے کی دوسری جانب کچھ کچے مکان تھے...... فیروز دین ان میں سے ایک مکان میں آ گیا۔

یہاں صحن میں ایک بوڑھی عورت چولہے کے آگے بیٹھی روٹیاں پکا
تھی...... فیروز دین نے کہا۔

"چاچی! گام کہاں ہے؟"۔

بوڑھی عورت نے نظریں اٹھا کر پہلے فیروز دین کو اور پھر عمران کی طرف د
اور بولی۔

"وہ اندر ہی ہے...... جاؤ مل لو"۔

تمہاری راہ دیکھ رہا تھا۔

فیروز دین عمران کے ساتھ کوٹھڑی میں داخل ہوا تو وہاں چارپائی پر ایک جو
آدمی جس نے تہمند باندھا ہوا تھا لیٹا ہوا تھا...... وہ ان دونوں کی آمد پر اٹھ کر بیٹھ گیا
فیروز دین نے اس آدمی سے کہا۔

"گام دین...... (یہ نام بھی فرضی ہے) میں تمہارا بندہ لے آیا ہوں"۔

گام دین نے عمران کا بھرپور جائزہ لیا اور اسے کہا۔

"یہاں بیٹھ جاؤ...... فیروز دین...... تم بے شک اب چلے جاؤ"۔

فیروز دین بغیر سلام علیک کئے خاموشی سے الٹے قدموں واپس چلا گیا
گام دین نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر لیا...... باہر کھیتوں کی طرف سے دن کی کافی رو
اندر آ رہی تھی...... گام نے کونے میں رکھے ہوئے کنستر میں سے ایک تہہ کیا ہوا کا
نکال کر اسے کھولا...... اس پر آڑی ترچھی لکیروں سے ایک نقشہ سا بنا ہوا تھا......
نے یہ نقشہ عمران کے سامنے چارپائی پر رکھتے ہوئے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم اس جگہ کو اپنے ذہن میں اچھی طرح سے بٹھا لو جہا
تمہیں جانا ہے...... یہ دیکھو"۔

گام نے عمران کو نقشے کے بارے میں سمجھانا شروع کر دیا...... یہ اسی پراسر
ہوائی اڈے کا نقشہ تھا جسے بھارتی حکومت پاکستان کے بارڈر کے قریب اپنے علا

میں تعمیر کر رہی تھی...... گام نے ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا۔

"یہاں اس ہوائی اڈے کا پہلا سیکشن ختم ہوتا ہے اور دوسرا سیکشن شروع ہوتا ہے
جس کے رن وے پر ہلکا اور گہرا سبز رنگ کیا گیا ہے جو اوپر سے دیکھنے سے بالکل کھیت لگتا
ہے...... اس کے آگے یہ وہ جگہ ہے جس کے گرد کانٹوں والی دیوار ہے...... اس مقام کو
بڑی چالاکی سے چھپانے کی کوشش کی گئی ہے...... اس علاقے میں کوئی باہر کا آدمی
داخل نہیں ہو سکتا...... یہاں تم جو نقشے پر کچھ دور کھیتوں کے دوسری جانب کانٹے کا
نشان دیکھ رہے ہو یہ سکھوں کا ایک چھوٹا سا گوردوارہ ہے...... ہم اس گوردوارے میں
مسافر بن کر جائیں گے...... گوردوارے کے پیچھے ایک پرانی سرائے ہیں جہاں باہر سے
آنے والے یاتری ٹھہرتے ہیں...... ہم بھی یاتری بن کر وہاں جا رہے ہیں...... ہم نے
پتہ کر لیا ہے...... آج کل یہ سرائے خالی پڑی ہے...... گورپرب کے موقع پر یہاں
بڑے یاتری آتے ہیں...... گوردوارے کا گرنتھی میرا دوست ہے...... میں یہاں ہندو
بن کر رہ رہا ہوں...... وہ مجھے میرے ہندو نام سے ہی بلائے گا...... تمہیں بھی میں ہندو
ہی ظاہر کروں گا...... تم خاموش رہنا...... سب کچھ مجھ پر چھوڑ دینا"۔

وہ رات عمران نے اسی مکان میں گزاری...... اگلے دن منہ اندھیرے گام اسے
لے کر پیدل ہی چل پڑا...... وہ ایک گھنٹے تک کھیتوں میں چلتے رہے...... پھر وہ گوردوارہ
آ گیا...... چھوٹا سا گوردوارہ تھا...... برجی کے اوپر زرد رنگ کا جھنڈا لگا تھا...... پرانی
عمارت تھی...... پیچھے ایک سرائے تھی جس کی کوٹھڑیاں خالی پڑی تھیں...... گام نے
عمران کو ایک کوٹھڑی میں بٹھایا اور خود گوردوارے کے گرنتھی سے ملنے چلا گیا......
تھوڑی دیر بعد واپس آیا...... کہنے لگا۔

"میں نے گرنتھی کو جو کچھ کہنا اور سمجھانا تھا سمجھا دیا ہے...... تمہیں کچھ بتانے کی
ضرورت نہیں ہے...... ہم دونوں صرف دو راتیں یہاں ٹھہریں گے...... اس دوران
تمہیں ہوائی اڈے کی طرف جا کر وہاں کا جائزہ لینا ہوگا...... اب تمہارا کام شروع ہوتا

ہے...... میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا...... یہاں سرائے میں ہی ٹھہروں گا
اس طرف سے تم بے فکر رہو...... یہاں تمہیں کوئی نہیں پوچھے گا...... ہوائی اڈے
سیکورٹی بڑی سخت ہے...... تمہیں خود وہاں جاکر دیکھنا ہوگا کہ تم کیا کر سکتے ہو......
پکڑے گئے تو یہ بالکل نہ بتانا کہ تم سرائے میں ٹھہرے ہوئے ہو...... جو تم مناسب
سمجھتے ہو بتادینا...... وہاں میں تمہاری حفاظت نہیں کر سکتا...... میں صرف
تمہاری حفاظت کر سکتا ہوں...... تم اگر چاہو تو دن کے وقت ہوائی اڈے کا جائزہ
جاسکتے ہو...... اگر مناسب سمجھو تو رات کے وقت بھی جاسکتے ہو...... یہ تم پر منحصر
ہے...... تم کس وقت جانا پسند کرو گے؟"۔

عمران نے کہا۔

"شام کے وقت جانا مناسب رہے گا"۔

"ٹھیک ہے" گام نے کہا۔ "تم شام کے وقت ہی جانا...... اب تم کوٹھڑی میں
آرام کرو...... میں گرنتھی کے پاس جاتا ہوں...... دوپہر کو تمہارے لئے کھانا لے کر
آجاؤں گا"۔

گام چلا گیا...... عمران کے لئے یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا...... اس کے پاس اپنے دفاع
کے لئے پستول وغیرہ کچھ بھی نہیں تھا...... ایک چاقو تک بھی نہیں تھا، لیکن ان چیزوں
کی اسے ضرورت بھی نہیں تھی...... اس نے صرف ہوائی اڈے کے تیسرے پراجیکٹ
حصے کا جائزہ لینا تھا اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی تھی کہ اسی جگہ بھارتی حکام
کس قسم کے پراجیکٹ پر کام شروع کروا رہی ہے...... سارا دن وہ کوٹھڑی میں
رہا...... وہیں اس نے کھانا کھایا اور کچھ دیر تک آرام کیا...... جب دن ڈھلنے لگا تو اس نے
گام سے کہا۔

"اب میں جاتا ہوں...... زیادہ اندھیرا ہو گیا تو میں ٹارگٹ کا اچھی طرح
جائزہ نہ لے سکوں گا"۔

یہ کہہ کر عمران خاموشی سے سرائے میں سے نکلا اور جس طرف گام نے اسے
بتایا تھا اسی طرف کھیتوں میں چل پڑا...... وہ اوپر سے ہو کر زیر تعمیر ایئرپورٹ کے
تیسرے حصے کے عقب میں نکل آیا...... یہاں اونچی فصل تھی...... کماد کے کھیت
تھے...... وہ کھیت میں گھس گیا اور فصل کی اوٹ میں بیٹھ کر ایئرپورٹ کے تیسرے
سیکشن کی خاردار دیوار کو غور سے دیکھنے لگا...... اس طرف کوئی فوجی چلتا پھرتا دکھائی
نہیں دے رہا تھا...... دس پندرہ منٹ گزر گئے...... کوئی گشتی پارٹی بھی اس طرف سے نہ
گزری...... جب عمران کو یقین ہو گیا کہ اس جانب کوئی پہرہ وغیرہ نہیں ہے تو وہ فصل
میں سے نکل کر آہستہ آہستہ چلتا خاردار دیوار کے قریب آکر زمین پر بیٹھ گیا۔

کانٹے دار تاروں کی دیوار کی دوسری طرف اسے کچھ نقل و حرکت نظر آئی......
وہ ایک جھاڑی میں چھپ کر جائزہ لینے لگا...... اس نے دیکھا کہ خاردار چار دیواری کے
اندر ایک جانب درخت کے نیچے دو ٹینک کھڑے تھے...... سامنے کافی کھلی جگہ تھی......
تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سیمنٹ کے چبوترے بنے ہوئے تھے...... ان چبوتروں
میں سے ہر چبوترے پر تین تین سیاہ رنگ کے بہت بڑے بڑے میزائل نصب تھے جن
کا رخ پاکستان کی سرحد کی جانب تھا...... ملٹری کی دو جیپیں ایک طرف سے آکر دوسری
جانب گزر گئیں...... عمران سمجھ گیا کہ یہ چبوترے میزائلوں کے لانچنگ پیڈ ہیں اور
بھارتی آرمی نے یہاں بڑے خطرناک قسم کے تباہ کن میزائل نصب کر رکھے ہیں......
اچانک اسے گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی...... وہ جھاڑی کے اور پیچھے ہو گیا...... تھوڑی دیر میں
ایک فوجی ہیلی کاپٹر شور مچاتا اس کے اوپر سے گزر گیا...... یہ ہیلی کاپٹر خاردار چار
دیواری کے اندر میزائل کے لانچنگ پیڈ کے قریب آکر اتر گیا...... اس میں سے کچھ
فوجی اترے اور لانچنگ پیڈ کی دوسری جانب چلے گئے...... ہیلی کاپٹر کے پر چل رہے
تھے...... دوسرے لمحے ہیلی کاپٹر دوبارہ فضا میں بلند ہوا اور عمران کی طرف چکر لگا کر
آیا...... عمران جھاڑی کے اندر چھپ گیا...... ہیلی کاپٹر اس کے اوپر سے گزر گیا۔

شام کا ہلکا اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا...... عمران نے جو کچھ دیکھنا تھا وہ دیکھ لیا تھا...... یہی اس کا مشن تھا...... اب اسے وہاں سے واپس جانا تھا...... وہ جھاڑی میں چھپا رہا...... جب ذرا اندھیرا گہرا ہوا تو وہ جھاڑی میں سے نکل کر کماد کے کھیت میں داخل ہو گیا...... وہ فصل کے اندر دس بارہ قدم ہی چلا ہو گا کہ اسے دو آدمیوں کے باتیں کرنے اور فصل میں چلنے کی آواز سنائی دی...... عمران وہیں فصل کے اندر چھپ کر بیٹھ گیا...... تھوڑی ہی دیر میں اس سے پندرہ بیس فٹ کے فاصلے پر کماد کی فصل میں سے کماد کے ڈانڈوں کو ادھر ادھر کرتے دو فوجی گزرے...... ان کے کندھوں پر سٹین گنیں لٹک رہی تھیں...... دونوں سکھ تھے اور باتیں کرتے جا رہے تھے...... عمران سانس روک کر وہیں بیٹھا رہا۔

جب دونوں فوجی کافی آگے چلے گئے تو عمران آہستہ سے اٹھا اور بڑی احتیاط کے ساتھ فصل کے اندر قدم اٹھاتا کھیت میں سے باہر نکل آیا...... شام کا اندھیرا زیادہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اسے دور سے دیکھا نہیں جا سکتا تھا...... وہ دوسرے کھیتوں میں سے ہو کر گزرنے لگا...... اس کا رخ گوردوارے کی سرائے کی جانب تھا...... وہ سرائے کی کوٹھڑی میں آیا تو گام وہاں پہلے سے موجود تھا...... اس نے عمران سے پوچھا۔

"کیا تمہیں اپنے مشن میں کچھ کامیابی حاصل ہوئی؟"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے جو معلومات چاہئے تھیں وہ مجھے مل گئی ہیں...... اب میں سمجھتا ہوں یہاں میرا کام ختم ہو گیا ہے"۔

گام نے کہا۔

"اگر ایسی بات ہے تو پھر ہمیں اسی وقت یہاں سے واپس روانہ ہو جانا چاہئے کیونکہ بغیر کسی کام کے یہاں رہنا خطرے کو بلانے والی بات ہو گی"۔

چنانچہ عمران اسی وقت وہاں سے واپس روانہ ہو گیا...... ایک گھنٹے کے سفر کے بعد وہ اس کچے مکان میں آ گئے جہاں فیروز دین ان کا انتظار کر رہا تھا...... عمران کو فیروز دین کے حوالے کر کے گام واپس چلا گیا...... فیروز دین نے عمران سے پوچھا۔

"کیا تمہیں جو کچھ معلوم کرنا تھا وہ تم نے معلوم کر لیا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"بالکل معلوم کر لیا ہے...... اب میں جتنی جلدی ہو سکے اس حساس علاقے سے نکل کر امرتسر جے رام کے پاس پہنچنا چاہتا ہوں تاکہ اپنی کارگزاری کی آگے رپورٹ کر سکوں"۔

فیروز دین بولا۔

"ہمیں اس وقت امرتسر جانے والی کوئی لاری نہیں ملے گی...... یہ رات ہمیں اسی جگہ کاٹنی پڑے گی"۔

وہ رات عمران نے اسی چھوٹے سے مکان میں گزاری اور دوسرے دن منہ اندھیرے دو گھنٹے کی پیدل مسافت کے بعد آخر وہ جی ٹی روڈ پر آ گئے جہاں سے وہ امرتسر جانے والی ایک لاری میں سوار ہو گئے...... امرتسر کے لاری اڈے پر پہنچ کر فیروز دین نے عمران سے کہا۔

"میں یہاں سے واپس چلا جاؤں گا...... جے رام کے پاس تم اکیلے ہی اس کے مندر میں جاؤ گے...... اس کے بعد اگر تمہیں کسی قسم کی کوئی ضرورت پڑے گی تو جے رام تمہیں مجھ تک پہنچا دے گا...... اب تم جاؤ"۔

فیروز دین امرتسر کے لاری اڈے پر جدا ہو گیا...... عمران نے رکشا لیا اور جے رام کے محلے میں آ کر رکشا چھوڑ کر پیدل ہی بازار میں سے گزرتا جے رام کے مندر کے اندر آ گیا...... جے رام اس وقت مندر میں پوجا پاٹھ میں مصروف تھا...... عمران اس کی کوٹھڑی کے باہر بچھی ہوئی چارپائی پر جا کر بیٹھ گیا...... وہاں کوئی بھی نہیں تھا...... عمران نے جے رام کو اپنا آپ دکھا دیا تھا...... پھر بھی جے رام کو پوجا پاٹھ سے فارغ

ہوتے ہوئے ایک گھنٹہ لگ گیا...... ایک گھنٹے بعد وہ رام رام سیتا رام کا پاٹھ کرتا عمران کے پاس چارپائی پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا...... وہ دونوں وہاں اکیلے تھے...... رام نے عمران سے مشن کے بارے میں پوچھا...... عمران نے اسے پوری تفصیل اور کہا۔

”میں اب بمبئی واپس جا کر اس کی فل رپورٹ کرنا چاہتا ہوں“۔

جے رام نے پوچھا۔

”تمہارے پاس بمبئی جانے کا کرایہ ہے؟“۔

عمران بولا۔

”میرے پاس کافی پیسے ہیں“۔

جے رام نے کہا۔

”تو پھر تم یہاں سے فوراً چل دو...... اس وقت تمہیں بمبئی جانے والی کوئی نہیں ملے گی، لیکن ایک گھنٹے بعد تمہیں امرتسر سے دلی جانے والی گاڑی مل جائے گی...... دلی سے تم بمبئی والی گاڑی پکڑ لینا“۔

عمران نے جے رام کا شکریہ ادا کیا اور اٹھ کھڑا ہوا...... جانے سے پہلے روایتی ہندوانہ انداز میں ہاتھ جوڑ کر جے رام کو پرنام کیا اور خاموشی کے ساتھ میں سے باہر آ گیا...... بازار میں اسے ایک رکشا مل گیا جس نے اسے امر ریلوے سٹیشن پر پہنچادیا...... وہ سیدھا بکنگ ونڈو پر گیا...... دلی جانے والی گاڑی ملنا شروع ہو گئے تھے...... عمران نے قطار میں کھڑے ہو کر دلی کا تھرڈ کلاس کا ایک خریدا اور خاموشی سے پلیٹ فارم پر آ کر ایک علیحدہ سے بنچ پر بیٹھ گیا...... پلیٹ پولیس کے دو سپاہی چائے کے سٹال پر کھڑے چائے پی رہے تھے...... ان میں ا تھا...... عمران چپ چاپ بنچ پر بیٹھا رہا...... بنچ پر اس کے ساتھ دو اور مسافر تھے...... ان میں ایک نوجوان سکھ لڑکا تھا اور دوسرا ہندو لالہ تھا...... سکھ نوجوان

کے ساتھ ہی بیٹھا ہندی کا اخبار پڑھ رہا تھا...... عمران بنچ کے کنارے پر بیٹھا تھا اور اس نے اپنا رخ دوسری طرف کر رکھا تھا تاکہ کسی مسافر سے باتیں نہ کرنی پڑیں۔

عمران کی نظریں ٹی سٹال پر کھڑے دونوں سپاہیوں کی طرف لگی تھیں...... دونوں سنتری ویسے تو آپس میں باتیں کرتے ہوئے چائے پینے میں مصروف تھے، لیکن عمران نے محسوس کیا کہ ان میں سے ہر ایک سنتری وقفے وقفے سے اس بنچ کی طرف نظریں لگا کر دیکھ لیتا تھا جس بنچ پر عمران ایک سکھ نوجوان اور ہندو لالے کے ساتھ بیٹھا تھا...... عمران کو یقین ہو گیا کہ وہ پولیس کی نگاہوں میں آ گیا ہے...... وہ وہاں سے اٹھ کر کسی دوسری جگہ جانے کی سوچ ہی رہا تھا کہ دونوں سنتری چائے کے کپ رکھ کر سیدھے عمران والے بنچ کی طرف چل پڑے...... عمران نے فوراً سوچ لیا کہ اسے پولیس کی پوچھ گچھ کے جواب میں کیا کہنا ہو گا...... اس نے اپنا ہندوانہ نام بھی سوچ لیا...... پھر بھی وہ تھوڑی دیر کے لئے پریشان ضرور ہو گیا تھا...... سپاہی عمران کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے...... تب ایک سپاہی نے جس نے حوالدار کا فیتہ لگا رکھا تھا...... سکھ نوجوان سے پوچھا۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“۔

سکھ نوجوان نے کہا...... ”کیوں...... کیا بات ہے...... تم میرا نام کیوں پوچھ رہے ہو؟“۔

حوالدار نے کہا۔

”ابھی بتاتے ہیں تم نے کیا کیا ہے...... پہلے اپنا نام بتاؤ“۔

سکھ نوجوان نے اپنا نام بتایا...... حوالدار نے کہا۔

”تم خالصہ کالج یونین کے سیکرٹری ہو؟“۔

سکھ نوجوان نے کہا۔

”ہاں...... کیوں...... تمہیں کوئی اعتراض ہے“۔

حوالدار نے لپک کر سکھ نوجوان کو گردن سے پکڑ لیا...... دوسرے سپاہی نے
کے بازو کو دبوچ لیا اور اسے گھسیٹتے ہوئے پلیٹ فارم کے گیٹ کی طرف لے گئے۔
عمران نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بلا ٹل گئی تھی...... پھر بھی وہ بنچ پر سے اٹھا اور پلیٹ فا
کے دوسرے سرے کی طرف چلا گیا...... وہاں ایک سٹال بند پڑا تھا...... وہاں ایک
طرف ہو کر ٹہلنے لگا...... یہ سپاہی کالج یونین کے کسی مظاہرے کے چکر میں
نوجوان کو پکڑنے آئے تھے اور اسے پکڑ کر لے گئے۔

کچھ دیر کے بعد دلی جانے والی گاڑی پلیٹ فارم پر آ کر لگ گئی...... دیکھتے دیکھتے
گاڑی مسافروں سے بھر گئی...... عمران ایک ڈبے میں چڑھ کر کونے میں جا کر
گیا...... جب گاڑی چل پڑی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا...... دلی تک خیریت
رہی...... دلی پہنچنے کے بعد اس نے بمبئی جانے والی گاڑی کا پتہ کیا...... معلوم ہوا کہ رات
کے دس بجے کلکتہ سے ایک ٹرین آئے گی...... وہ بمبئی جائے گی...... دلی
تھا...... پلیٹ فارم پر کافی لوگ تھے...... عمران ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا...... ابھی ٹرین
کے آنے میں دو گھنٹے تھے...... کھانا اس نے ٹرین سے اترتے ہی کھا لیا تھا...... ایک
گھنٹہ بیٹھنے کے بعد وہ اٹھ کر جگہ بدل کر سیکنڈ کلاس کے ویٹنگ روم میں چلا آیا...... وہ
اس وقت تک بیٹھا رہا جب تک کہ ٹرین نہ آ گئی۔

کلکتہ سے آنے والی ٹرین کا اعلان ہوا تو دوسرے مسافروں کے ساتھ وہ
ویٹنگ روم سے نکل آیا...... ٹرین میں پہلے ہی سے کافی رش تھا...... اس نے ٹکٹ
ہی سے لے لیا تھا...... ایک ڈبے میں اسے بھی جگہ مل گئی...... جب دلی سے ٹرین
عمران کو محسوس ہوا کہ وہ کسی حد تک حساس اور خطرے والے علاقے سے نکل آیا
بمبئی آ کر اس نے ستار سیٹھ کے ریسٹ ہاؤس میں پہنچتے ہی اسے فون پر بتایا
واپس آ گیا ہے...... ستار سیٹھ ایک گھنٹے کے بعد اس کے پاس پہنچ گیا...... اتنی دیر
عمران نے ایک کاپی کے دو کاغذوں پر اپنی کارکردگی کی پوری رپورٹ لکھ دی تھی

اس نے رپورٹ ستار سیٹھ کے حوالے کی اور کہا۔
"اسے پڑھ لیجئے"۔
ستار سیٹھ نے رپورٹ پوری توجہ سے پڑھی...... پھر اسے تہہ کر کے اپنی صدری
کی اندر والی جیب میں رکھا اور بولا۔
"تم نے اپنے مشن کی بخوبی تکمیل کی ہے...... میں یہ متعلقہ لوگوں تک پہنچا دوں
گا...... ان کی طرف سے جو جواب آیا...... اس سے تمہیں آگاہ کر دوں گا...... اتنی دیر
تک تمہیں اسی ریسٹ ہاؤس میں رہنا ہو گا اور باہر نہیں نکلنا ہو گا"۔
عمران بولا۔
"میں سمجھ گیا ہوں...... آپ کے خیال میں اس رپورٹ کا جواب کب تک آپ
کو مل جائے گا"۔
ستار سیٹھ نے کچھ سوچ کر کہا۔
"میرا خیال ہے ایک ہفتہ تو ضرور لگ جائے گا"۔
عمران نے اپنے ساتھی کمانڈو جبران کے بارے میں پوچھا تو ستار سیٹھ نے کہا۔
"میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا...... کمانڈو جبران کا دو روز پہلے مجھے پیغام ملا تھا کہ وہ
تین دن کے بعد بمبئی پہنچ رہا ہے...... میرا خیال ہے وہ کل شام تک کسی وقت پہنچ جائے
گا...... اچھا ہے...... تم اکیلے بور نہیں ہو گے"۔
دوسرے دن شام کو کمانڈو جبران بھی ریسٹ ہاؤس میں پہنچ گیا...... دونوں
پرانے ساتھی ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر ملے...... دونوں نے ایک دوسرے کو
اپنی اپنی داستان سنائی کہ ان کے ساتھ کیا کیا گزری...... کمانڈو جبران نے عمران کے
دونوں مشنوں کی بے حد تعریف کی اور کہا۔
"تم نے جو کام کیا ہے وہ ہر اعتبار سے قابل قدر محب الوطنی کے اعلیٰ جذبے کی
علامت ہے"۔

عمران بولا۔

”تم خواہ مخواہ تکلف کر رہے ہو...... یہ تو ہماری ڈیوٹی ہے...... سپاہی کو ہر حال میں اپنی ڈیوٹی ادا کرنی ہوتی ہے...... یہ اس کا فرض ہے“۔

جبران کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں سے سیدھا کشمیر کے محاذ پر چلنا چاہئے...... وہاں کے حالات کا تقاضا ہے کہ ہم وہاں جا کر جہاد میں شریک ہوں اور وہاں ہماری ڈیوٹی ہے اسے بھی ادا کریں“۔

عمران نے کہا۔

”میں بھی یہی چاہتا ہوں، لیکن میں نے ایئر پورٹ کی جو رپورٹ اوپر بھجوائی... اس کا جواب ستار سیٹھ کے کہنے کے مطابق ایک ہفتے کے بعد ملے گا...... اس کے بعد ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں“۔

جبران بولا۔

”ایک ہفتہ تو ہمیں ٹھہرنا ہی پڑے گا“۔

دونوں کمانڈو دوست بڑی دیر کے بعد ملے تھے...... دونوں کا وقت بڑی دل سے باتیں کرتے گزرنے لگا...... دو دن...... تین دن...... چار دن گزر گئے...... چو دن ستار سیٹھ نے رات کے گیارہ بجے آ کر بتایا کہ ان کی رپورٹ حکام بالا تک پہنچ ہے...... عمران نے پوچھا۔

”کیا وہ اس رپورٹ سے مطمئن ہیں؟“۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

”وہ اس رپورٹ سے پوری طرح مطمئن ہیں اور انہیں ایئر پورٹ کے بارے جو معلومات درکار تھیں وہ مل گئی ہیں...... لیکن تمہارے لئے اوپر سے ایک نئے آرڈر کیا ہے“۔

”نیا مشن؟“ عمران نے پوچھا۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

”ہاں...... لیکن یہ مشن میرا خیال ہے تمہارے پہلے تمام مشنوں سے زیادہ رناک مگر بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے“۔

عمران نے سوال کیا۔

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ مشن کیا ہے؟“۔

کمانڈو جبران بھی پاس بیٹھا یہ گفتگو بڑے غور سے سن رہا تھا...... ستار سیٹھ نے ریٹ سلگانے کے بعد کہا۔

”تم نے نیکوبار کے جزیرے کی ایٹمی ریسرچ لیبارٹری کو تباہ کر کے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، مگر تمہارے اس کارنامے سے یہ پراجیکٹ ختم نہیں ہوا...... اس ارٹری میں ایسے نیوکلر وار ہیڈ والے چھوٹے میزائل تیار کئے جا رہے تھے جو طیاروں فضا میں نشانہ بنا کر اس طرح تباہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں کہ تباہ ہونے والا طیارہ ہواباز سمیت نیوکلر بلاسٹ کی شدید حرارت سے پگھل کر بھاپ بن جائے اور اس نیچے نہ تو ملبہ گرے اور نہ کوئی ثبوت باقی رہے...... اس طرح بھارت ہمارے طیاروں ہماری حدود کے اندر بھی تباہ کر سکتا ہے اور چونکہ طیارے کا ملبہ بھی باقی نہیں نا...... اس لئے بھارت کا یہ جرم ثابت نہیں ہو سکتا کہ اس نے ہماری بین الاقوامی ود کے اندر آ کر یہ جارحانہ اقدام کیا ہے“۔

عمران نے کہا۔

”اس لئے تو میں نے بھارت کے اس پراجیکٹ کو ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد کر دیا“۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

”اس کی وضاحت میں کرنے والا تھا...... حقیقت یہ ہے کہ اس پراجیکٹ کا کام

کچھ وقت کے لئے رک ضرور گیا ہے، مگر پراجیکٹ ختم نہیں ہوا"۔

"وہ کیسے؟" عمران نے پوچھا۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"وہ ایسے کہ اسی پراجیکٹ پر کام کرنے والا دماغ ابھی زندہ ہے...... تم یوں
کہ تم نے درخت کو ضرور کاٹ ڈالا ہے مگر اس کو جڑ سے نہیں اکھیڑا...... اس کی ج
ابھی زندہ ہیں اور بہت جلد یہ درخت پھر سے اگ پڑے گا"۔

عمران نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"ہماری خفیہ انٹیلی جنس نے ہمیں جو رپورٹ بھیجی ہے اس کے مطابق فض
فضا میں مار کرنے والے اس خطرناک . نیوکلر میزائل کے پراجیکٹ کے پیچھے
سائنس دان کا دماغ کام کر رہا ہے اور جس کے پاس اس کا سائنسی فارمولا ہے
صرف یہ کہ ابھی زندہ ہے بلکہ اس نیوکلر پراجیکٹ پر اس نے بڑی گرم جوشی سے
کام بھی شروع کر دیا ہے...... اوپر سے ہمیں بریف کیا گیا ہے کہ جب تک یہ سا
دان زندہ ہے اور اس کی خفیہ لیبارٹری میں کام ہو رہا ہے پاکستان پر دشمن کا خطرہ م
رہے گا...... ہمیں یہ بھی رپورٹ ملی ہے کہ اس نیوکلر وار ہیڈ راکٹ کا فارمو
سائنس دان نے انتہائی سیکورٹی کے پیش نظر کسی جگہ لکھ کر نہیں رکھا ہوا، بلکہ ا
اس فارمولے کو زبانی یاد کر رکھا ہے اور سوائے اس سائنس دان کے دوسر
بھارتی سائنس دان کو اس فارمولے کا علم نہیں ہے...... ایک رپورٹ یہ بھی
اس سائنس دان کے ساتھ ایک بنگالی سائنس دان عورت بھی اس پراجیکٹ
کر رہی ہے...... اس کو بھی یہ فارمولا یاد کرا دیا گیا ہے، تاکہ کسی ناگہانی حاد
صورت میں اس بنگالی سائنس دان عورت کی سرکردگی میں نیوکلر وار ہیڈ پراج

م جاری رہے"۔

عمران اور جبران بڑے غور سے ستار سیٹھ کی گفتگو سن رہے تھے...... جبران
نے پوچھا۔

"اس سائنس دان کا نام کیا ہے اور یہ لوگ انڈیا کے اندر کس خفیہ جگہ پر اس
اجیکٹ پر کام کر رہے ہیں یا کسی دوسرے ملک مثلاً اسرائیل میں اس پر کام ہو رہا ہے"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ بھارت نے اسرائیل کے ساتھ خفیہ جنگی معاہدہ
ر کھا ہے اور اسرائیل ہی بھارت کو نیوکلر پلانٹ اور نیوکلر میزائلوں اور ایٹم بم کی
اری میں مدد دے رہا ہے...... اس کے باوجود کوئی ملک اپنے کسی دوست ملک کو بھی
یہ معاہدے کے ہوتے ہوئے بھی یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے ملک کے
ر بیٹھ کر اس قسم کے پراجیکٹ پر کام کرے...... یہ کام چھپے نہیں رہتے اور اس سے
ملک کی بدنامی ہو سکتی ہے اور دوسرا ملک اس کے خلاف یو این او میں بھی احتجاج
سکتا ہے، چنانچہ بھارت یہ کام اپنے ملک کے اندر ہی جاری رکھے ہوئے ہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"انڈیا میں وہ کون سی جگہ ہے جہاں اس پراجیکٹ پر یہ سائنس دان کام کو جاری
کھے ہوئے ہے؟"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"اس جگہ کو ہماری انٹیلی جنس بڑی گرم جوشی سے تلاش کر رہی ہے...... مجھے
ین دلایا گیا ہے کہ ایک ہفتے کے اندر اندر اس پراجیکٹ کے خفیہ مقام کا سراغ مل
ے گا"۔

ستار سیٹھ نے اس اہم موضوع پر اپنی بات ختم کی تو کمرے میں خاموشی
ا گئی...... عمران نے پوچھا۔

"وہ سائنس دان جو اس خفیہ پراجیکٹ میں کام کر رہا ہے اس کا نام کیا ہے ا
بھارت کے کس صوبے کا رہنے والا ہے؟"۔

ستار بولا۔

"ابھی مجھے یہ معلوم نہیں ہے...... میرا خیال ہے کہ جب مجھے اس بارے
مزید بریف کیا گیا یعنی ایک ہفتے کے بعد تو اس کا نام وغیرہ سب بتا دیا جائے گا"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"اگر خفیہ نیوکلر فارمولے کا علم صرف اس سائنس دان اور اس کی اسٹ
بنگالی سائنس دان عورت کو ہی ہے اور یہ پراجیکٹ اس قدر اہمیت کا حامل ہے تو ا
سیکورٹی کا بھی بے حد بندوبست کیا گیا ہو گا"۔

ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"بات یہ ہے کہ نکوبار جزیرے کے نیوکلر پراجیکٹ کی تباہی کے بعد اس
سائنسی ورکشاپ کی سیکورٹی بے حد سخت کر دی گئی ہو گی، لیکن یہ سیکورٹی کس
ہے...... اس کی نوعیت کیا ہے؟ کیا وہاں بھارت کی کوئی کمانڈو بٹالین تعینات
ہے...... اس بارے میں بھی مجھے ابھی کچھ نہیں بتایا گیا، لیکن بہر حال تم لوگوں
مشن کے لئے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر لینا چاہئے...... اس لئے کہ یہ بہت
مشن ہے اور اس مشن میں نہ صرف یہ کہ آپ کو یہ خفیہ سائنسی ورکشاپ تباہ کر
بلکہ دونوں سائنس دانوں کو بھی موت کے گھاٹ اتارنا ہو گا تاکہ ان کا ایجا
ہلاکت خیز فارمولا ان کے ساتھ ہی ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سو جائے"۔

کمانڈو عمران بولا۔

اس مشن کے لئے آپ ہمیں ہر وقت تیار ہی سمجھیں۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"بس ہم یہی چاہتے ہیں...... باقی تمام ضروری معلومات آپ کو انشاء اللہ آ

کے اندر اندر مل جائیں گی...... میری اطلاع کے مطابق ہمارے اعلیٰ سطح کے سراغ رساں اس سلسلے میں بڑی سرگرمی سے کام کر رہے ہیں"۔

اس کے تھوڑی دیر بعد ستار سیٹھ اگلے روز آنے کا کہہ کر چلا گیا...... اس کے جانے کے بعد عمران نے بوڑھے ملازم سے کہہ کر چائے بنوائی اور دونوں کمانڈو دوست اس نئے مشن کے نشیب و فراز پر باتیں کرنے لگے...... کمانڈو جبران کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ اتنے حساس پراجیکٹ کی سیکورٹی بہت زیادہ سخت ہو گی اور اگر یہ پراجیکٹ بھارت کے ملک کے اندر ہی کسی جگہ پر ہے تو مجھے یقین ہے کہ کچھ نہیں تو بھارت کی کمانڈو فورس کی ایک بٹالین ضرور تعینات ہو گی"۔

عمران نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"انڈین کمانڈو فورس سے نمٹنا ہم جانتے ہیں، بلکہ یہی ہمارا کام رہا ہے، لیکن اگر انہوں نے خفیہ پراجیکٹ کے اردگرد زمین دوز سرنگیں بچھائی ہوئی ہیں تو یہ ہمارے لئے مسئلہ بن سکتی ہیں، کیونکہ رات کے وقت تو ہمیں ان کا بالکل ہی پتہ نہیں چل سکتا، چنانچہ اس کے سدباب کے لئے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ زمین دوز سرنگیں کہاں کہاں زمین کے اندر بچھائی گئی ہیں اور یا پھر سرنگوں سے پاک کون سا راستہ پراجیکٹ تک جاتا ہے"۔

کمانڈو جبران کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ وہاں ان لوگوں نے بارودی سرنگیں نہیں بچھائی ہوں گی...... یہ ان کے لئے بھی خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں...... اس طرف دشمن کی کسی کمپنی نے تو ایڈوانس کرنا نہیں کہ انہیں تباہ کرنے کے لئے بارودی سرنگیں بچھائی جائیں...... انہیں اگر ڈر ہے تو صرف دوسرے ملک کے جاسوس کمانڈوز کا ہے اور ان کے لئے انہوں نے ہر قسم کی سیکورٹی کا انتظام کیا ہو گا...... خاردار باڑ لگائی ہو گی...... مشین گنوں کے پوشیدہ مورچے بنائے ہوئے ہوں گے...... درختوں اور اردگرد کے ٹیلوں ٹبوں پر

مچانوں کے واچ ٹاور تعمیر کئے ہوئے ہوں گے...... سفید کپڑوں میں اپنے جاسوسوں کو چھوڑ رکھا ہوگا جو ٹارگٹ کے آس پاس منڈلاتے رہتے ہوں گے"۔

"ہاں...... ایسا انتظام تو ضرور کیا ہوگا" کمانڈو عمران نے گہرا سانس لے
بہر حال اس ہفتے سب معلوم ہو جائے گا۔

ستار سیٹھ کا اعلیٰ خفیہ حلقوں سے برابر رابطہ تھا...... وہ ہر روز رات کو عمرا
کمانڈو جبران سے ملاقات کرنے ریسٹ ہاؤس میں آتا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا جا
اسی طرح ایک ہفتہ گزر گیا...... پھر ہفتے کے اوپر مزید دو دن گزر گئے...... عمرا
ستار سیٹھ سے کہا۔

"ستار صاحب! کہیں اوپر کے حلقوں کی انٹیلی جنس دشمن کے خفیہ پراج
سراغ لگانے میں ناکام نہ ہو گئی ہو"۔

اس نے ہلکے سے تبسم کے ساتھ کہا۔

"تم ہماری انٹیلی جنس کی حیرت انگیز کارکردگی سے واقف نہیں ہو...... یہ
لوگ ہیں جن کی نظریں بادلوں کے اوپر اور زمین اور سمندر کی گہرائیوں کے نیچے
کا پتہ چلا لیتی ہیں...... فکر نہ کرو...... ایک دو دن میں سب معلوم ہو جائے گا"۔

اور ایسا ہی ہوا...... جس وقت یہ لوگ ریسٹ ہاؤس میں بیٹھے باتیں کر رہے
اس وقت رات کے دس بجے کا وقت تھا...... ستار سیٹھ کمانڈو عمران وغیرہ سے
بجے رخصت ہو کر چلا گیا...... ٹھیک رات کے سوا بارہ بجے ستار سیٹھ کو خفیہ ذرائع
مطلوبہ سگنل موصول ہوا کہ ہمارا آدمی خفیہ ورکشاپ کے بارے میں مکمل
لے کر تمہارے پاس کل رات کے دس بجے پہنچ جائے گا...... ستار سیٹھ نے اسی
ریسٹ ہاؤس میں کمانڈو عمران کو فون کیا...... گھنٹی بجتی رہی...... پھر عمران
ریسیور اٹھایا اور نیند بھری آواز میں ہیلو کیا تو ستار سیٹھ نے کہا۔

"میں کل رات دس سوا دس بجے تمہارے پاس مطلوبہ معلومات لے کر

ہوں...... یہیں رہنا"۔

اور اس نے فون بند کر دیا...... ستار سیٹھ کی یہ ہدایات تھیں کہ ریسٹ ہاؤس کے فون پر ہمیشہ مختصر اور خفیہ زبان میں بات کی جائے...... کبھی بات کو کھول کر بیان نہ کیا جائے...... اس وقت کمانڈو جبران سو رہا تھا...... عمران نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا اور نیلی لیمپ بجھا کر خود بھی سو گیا...... دوسرے دن ناشتے پر اس نے جبران سے کہا۔

"رات ستار صاحب کا فون آیا تھا"۔

"مگر وہ تو رات دس بجے تک ہمارے پاس ہی بیٹھے تھے"۔

"ہاں" عمران نے کہا...... "وہ سوا دس بجے چلے گئے تھے...... مجھے ان کا فون رات ساڑھے بارہ بجے کے قریب آیا تھا"۔

اور پھر عمران اور ستار صاحب کے درمیان جو بات ہوئی تھی وہ اس نے کمانڈو جبران کو بتا دی...... جبران بولا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی ہے...... ورنہ ہم ایک عجیب سسپنس میں پھنسے ہوئے تھے"۔

عمران نے چائے بناتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ خفیہ ٹارگٹ کے بارے میں ہماری انٹیلی جنس نے پوری معلومات حاصل کی ہوں گی"۔

"ایسا ہی ہونا چاہئے" جبران نے کہا...... "اور اگر تھوڑی بہت کمی ہو گی تو باقی کا سراغ ہم خود لگا لیں گے"۔

عمران بولا۔

"بہر حال آج رات کو پتہ چل جائے گا"۔

رات کے ٹھیک سوا دس بجے ستار سیٹھ کی گاڑی ریسٹ ہاؤس کے گیٹ میں داخل ہوئی...... عمران اور کمانڈو جبران ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے پاس بیٹھے ان کا انتظار ہی

کر رہے تھے...... ستار صاحب کے ساتھ گاڑی میں سے ایک اجنبی بھی اترا جس
نسواری رنگ کا ڈھیلا ڈھالا ٹھنڈا سوٹ پہنا ہوا تھا...... چالیس پینتالیس سال کی
ہو گی...... دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے...... ستار صاحب نے اجنبی آد
کمانڈو عمران اور جبران سے تعارف کرایا...... ہم اس آدمی کا نام آپ کو نہیں بتا
گے...... آپ انہیں ملک صاحب کہہ سکتے ہیں...... ملک صاحب نے عمران اور جبران
باری باری گہری نظروں سے ایک مختصر سا جائزہ لیا اور صوفے پر بیٹھ گئے......
صاحب اس کے ساتھ بیٹھے تھے...... ان کے بالکل سامنے عمران اور جبران صوفے
بیٹھے تھے...... درمیان میں چھوٹی سی تپائی تھی جس پر ایش ٹرے رکھی ہوئی تھی۔

عمران نے پہلے ہی سے تینوں کھڑکیوں کے پردے گرا دیئے تھے...... ڈرا
روم میں صرف چھت کا بلب روشن تھا...... باقی تمام بلب بجھے ہوئے تھے......
سیٹھ نے کچن میں فون کر کے بوڑھے ملازم سے کہا۔

"بابا جان...... میرے ایک مہمان آئے ہوئے ہیں...... ہم بیٹھے بڑی ضر
کاروباری باتیں کر رہے ہیں...... ڈرائنگ روم میں ابھی کوئی نہ آئے"۔

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور عمران سے کہا۔

"عمران بھائی! ہمارے ملک صاحب انٹیلی جنس کی فل رپورٹ لے کر خو
تشریف لے آئے ہیں، کیونکہ اس خفیہ رپورٹ کی نوعیت اس قسم کی تھی کہ ا
لکھ کر بھیجا جا سکتا تھا اور نہ ہی وائرلیس پر یا ریڈیو ٹرانسمیٹر کے ذریعے بتانے کا خطرہ
لیا جا سکتا تھا"۔

اس دوران انٹیلی جنس کے ملک صاحب نے جیب سے ایک پیکٹ نکا
سگریٹ سلگا لیا تھا اور اس کے ہلکے ہلکے کش لگاتے ہوئے اپنی لال لال پراسرار آ
سے کبھی عمران کی طرف اور کبھی جبران کی طرف دیکھ رہے تھے...... ایسے لگتا
جیسے انہیں یقین نہیں تھا کہ اتنے بڑے اور خطرناک مشن کو یہ دونوں نوجوان

ہیں گے...... ان کے چہرے کا تاثر بتا رہا تھا کہ عمران اور کمانڈو جبران میں سے کسی نے
یں متاثر نہیں کیا۔

ستار سیٹھ نے تعارفی جملوں کے بعد انٹیلی جنس کے آدمی سے کہا۔

"ملک صاحب آپ خود ہی انہیں ضروری باتیں بتا دیجئے...... آپ بہتر طور پر
ن کر سکیں گے"۔

ملک صاحب نے سگریٹ کا ایک کش لگا کر دھواں چھوڑا اور صوفے پر عمران اور
ان کی طرف ذرا آگے کو جھک کر بولے۔

"کیا آپ لوگوں کا کبھی وسطی بھارت کے جنگلوں سے واسطہ پڑا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"جی ہاں تھوڑا بہت"۔

ملک صاحب نے ایش ٹرے میں سگریٹ کی راکھ چٹکی بجا کر جھاڑتے ہوئے کہا۔

"اوں ہوں...... تھوڑے بہت سے یہاں کام نہیں چلے گا...... یہ تھوڑا بہت کام
ں ہے"۔

عمران نے کہا۔

"محترم ملک صاحب! ہم بھارت کے سندر بن سے لے کر ست پڑا کے خطرناک
ن جنگلاتی سلسلے میں کئی کئی مہینے گزار چکے ہیں...... آپ اطمینان رکھیں...... ہم
اعدہ تربیت یافتہ کمانڈو ہیں، کوئی فیشن ایبل اناڑی سیاح نہیں ہیں...... آپ یہ
ائیے کہ ہمیں بھارت کے خفیہ پراجیکٹ کو تباہ کرنے کے لئے کہاں جانا ہو گا"۔

ڈرائنگ روم میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔



سات آٹھ سیکنڈ تک انٹیلی جنس کے ملک صاحب عمران اور کمانڈو جبرا خاموش نظروں سے دیکھتے رہے...... پھر انہوں نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈال کر ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر کھولا...... سگریٹ کو ایش ٹرے میں بجھادیا...... کاغذ کو اپنے سامنے تپائی پر پھیلادیا...... اس پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر عمرا طرف دیکھ کر کہا۔

"بمبئی کے ساحل سمندر سے نیچے جنوب کی طرف جائیں تو ساٹھ ستر میل فاصلے پر ایک جگہ سے سمندر کنارے کو کاٹ کر اندر جنگل کی طرف چلا گیا ہے جنگل میں اس نے پہاڑی ٹیلے کے دامن میں ایک جھیل کی شکل اختیار کرلی ہے۔ سے سمندر کنارے کو کاٹ کر جنگل میں داخل ہوتا ہے...... وہاں کنارے سے ہ جنگل میں سیاہ پتھروں سے بنا ہوا ایک چھوٹا سا مندر ہے جس کو رام جی کا مندر کہتے یہ مندر کئی سو برس پرانا ہے اور بالکل کھنڈر بن چکا ہے...... اس مندر سے بڑا گھنا اور دشوار گزار جنگل شروع ہو جاتا ہے...... یہ جنگل اتنا گھنا ہے کہ دن کے بھی وہاں اندھیرا چھایا رہتا ہے...... شدید بارشوں کی وجہ سے جنگل میں کئی دلدلیں تالاب بن گئے ہیں جن میں ہزار ہا جونکیں، سانپ اور مگرمچھ رہتے ہیں...... اس میں داخل ہونے کا بظاہر کوئی راستہ نہیں ہے، لیکن اس میں مغرب کی جانب بانس کے جھنڈوں میں ایک خفیہ راستہ بنا دیا گیا ہے جو بانس کے گنجان درختوں کے درمیان

تنگ سرنگ کی مانند ہے...... یہ راستہ آگے جا کر جب بانس کے جھنڈوں سے نکلتا ہے تو وہاں اونچے اور گھنے درختوں کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ انسان کی نگاہ درختوں کے اندر نہیں جا سکتی...... ان درختوں کے درمیان کافی آگے جا کر ایک جگہ سے درختوں کو گرا کر جگہ کو ہموار کر کے وہاں لکڑی اور پتھروں کی مدد سے ایک چھوٹی سی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ اس عمارت کی شکل ہندوؤں کے مندر کی طرح ہے، لیکن حقیقت میں یہ مندر نہیں ہے...... اس مندر کے اندر چھوٹے چھوٹے لکڑی کی دیواروں والے کمرے ہیں...... ایک زمین دوز جنریٹر لگا کر ان کمروں کو بجلی سپلائی کی گئی ہے...... وہیں ایک زمین دوز ٹیوب ویل لگا کر یہاں پانی کی سہولت بھی مہیا کی گئی ہے...... ہر کمرہ مکمل طور پر ایئر کنڈیشنڈ ہے...... ان کمروں میں ایک بڑا کمرہ بھی ہے...... یہ وہ خفیہ کمرہ ہے جہاں بھارت کے نیوکلر راکٹ کے پراجیکٹ پر دن رات کام ہو رہا ہے...... اس پراجیکٹ کا انچارج ایک مرہٹہ سائنس دان ہے جس کا نام ڈاکٹر رگھوپتی ہے...... ایک بنگالی سائنس دان عورت اس کی اسسٹنٹ بھی ہے جس کا نام ڈاکٹر کملاوتی ہے...... ان دونوں کی فوٹو تمہیں دکھادی جائیں گی...... ان کے سٹاف میں صرف پانچ چھ سائنس دان ہی ہیں...... ڈاکٹر رگھوپتی اور اس کے پانچ چھ سائنس دان سب کے سب پختہ عمر کے ہیں...... ڈاکٹر رگھوپتی کی عمر پینسٹھ برس کی ہو چکی ہے...... اس کے بارے میں ہمیں جو رپورٹ ملی ہے وہ یہ ہے کہ بھارت کے نیوکلر پروگرام کے پیچھے حقیقت میں اسی ڈاکٹر رگھوپتی کا دماغ کام کر رہا ہے...... مدراس کے ڈاکٹر عبدالکلام کو بھارت کی حکومت نے صرف اس لئے آگے کیا ہوا ہے کہ وہ دنیا کو یہ یقین دلا سکے کہ بھارت کا یہ مسلمان سائنس دان بھی پاکستان کے خلاف ہے...... ڈاکٹر عبدالکلام، جس کو ایٹمی دھماکے کے بعد بھارت سرکار نے اس کے ایٹمی پروگرام کے سربراہ کے طور پر مشہور کیا تھا...... اصل میں اسی مرہٹہ ڈاکٹر رگھوپتی کا اسسٹنٹ تھا...... لیکن محض پراپیگنڈہ اسسٹنٹ کے لئے بھارت اسے آگے لے آیا ہے...... حقیقت میں بھارت کو ایٹمی

طاقت بنانے والا یہ ڈاکٹر رگھوپتی ہے...... اب یہ شخص بھارت کی ایئر فورس کے انتہائی ہلاکت خیز نیوکلر وار ہیڈ والے راکٹ کی تیاریوں میں شب و روز مصر ہے...... اس نیوکلر راکٹ کے متعلق آپ لوگوں کو تفصیل ضرور معلوم ہو گئی ہوگی" عمران نے کہا۔

"جی ہاں...... ہمیں اس راکٹ کے بارے میں پوری معلومات مل چکی ہیں" انٹیلی جنس کے ملک صاحب نے اپنے سامنے رکھے ہوئے کاغذ پر لکھی ہوئی پڑھ کر کہا۔

"نکوبار آئی لینڈ میں اپنی ایٹمی لیبارٹری بلکہ ورکشاپ کی مکمل طور پر تباہی کے اس مندر والے خفیہ ورکشاپ میں نیوکلر وار ہیڈ کے راکٹوں پر از سر نو بڑی تیزی کام شروع ہو گیا ہے...... دوسری اہم بات جو آپ کو بتانی ضروری ہے یہ ہے کہ نیوکلر وار ہیڈ کا سائنسی فارمولا کسی جگہ لکھا ہوا نہیں ہے، کیونکہ لکھے ہونے کی صور میں اس کے چرائے جانے کا سو فیصدی امکان تھا، چنانچہ سیکورٹی کے پیش نظر فارمولا ڈاکٹر رگھوپتی نے یاد کر رکھا ہے...... اس خیال سے کہ اگر ڈاکٹر رگھوپتی ساتھ کوئی حادثہ ہو جاتا ہے اور وہ اچانک مر جاتا ہے تو یہ فارمولا اس کی اسسٹ سائنس دان ڈاکٹر کملاوتی کو بھی یاد کرا دیا گیا ہے...... یہ دونوں اس خفیہ پراجیکٹ سربراہ ہیں اور سارا کام ان کی نگرانی میں ہی ہو رہا ہے...... یہاں راکٹ نہیں تیار جا رہے، بلکہ یہاں وہ نیوکلر مادہ تیار کیا جا رہا ہے جس کی ساری کی ساری مقدار جزیرے کی زیر زمین لیبارٹری کی تباہی کے ساتھ ہی راکھ میں تبدیل ہو گئی اب یہی مواد یہاں پھر سے تیار کیا جا رہا ہے...... اگر اس خفیہ پراجیکٹ میں کام نہ تو خیال ہے کہ دو ماہ کے بعد بھارت ایک بار پھر پاکستان کے خلاف استعمال کئے والے سینکڑوں نیوکلر وار ہیڈ والے راکٹ تیار کرنے میں کامیاب ہو جائے گا پاکستان کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ثابت ہو سکتا ہے"۔

کمانڈو عمران نے جب ملک صاحب سے وہاں کی سیکورٹی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا۔

"اس قسم کے پراجیکٹ پر ظاہر ہے سیکورٹی بہت سخت ہوتی ہے...... ہماری خفیہ رپورٹ کے مطابق اس پراجیکٹ کی حفاظت کے لئے کمانڈو قسم کی کوئی بٹالین تعینات نہیں ہے...... چونکہ یہ پراجیکٹ بھارت کے جنوبی علاقے کے دشوار گزار جنگل میں انتہائی خفیہ جگہ پر ہے، اس لئے وہاں مہاراشٹر کی پولیس فورس کی تھوڑی سی نفری کو ہی کافی سمجھا گیا ہے، مگر یہ پولیس فورس کمانڈو کی طرز پر تربیت یافتہ جوانوں پر مشتمل ہے...... ان کے پاس خودکار ہتھیار ہر وقت موجود رہتے ہیں...... جھیل کی جانب پولیس فورس کے خفیہ جگہوں پر مشین گنوں کے دو مورچے بھی ہیں...... ان کا سراغ آپ لوگوں کو خود لگانا ہوگا، لیکن جھیل کی جانب سے رام جی کے مندر کے کھنڈر تک چونکہ کھلا میدان ہے اس لئے یہاں کوئی مورچہ وغیرہ نہیں ہے"۔

جبران نے سوال کیا۔

"یہ سائنس دان اور ان کا عملہ کیا وہیں رہتا ہے اور اگر وہیں رہتا ہے تو کیا وہ کبھی چھٹی پر شہر نہیں جاتا؟"۔

انٹیلی جنس کے ملک صاحب بولے۔

"چونکہ وہاں ہنگامی بنیادوں پر کام ہو رہا ہے...... اس لئے ابھی کچھ مدت تک کسی کو وہاں سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے...... انہیں باہر سے کوئی ضروری سامان وغیرہ منگوانا ہوتا ہے تو ایک ہیلی کاپٹر جوان کی سپلائی لے کر ہفتے میں ایک دن آتا ہے اور ان کی ضرورت کی اشیاء لے آتا ہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"آپ ہمیں پراجیکٹ کے چیف سائنس دان ڈاکٹر رگھوپتی اور اس کی اسسٹنٹ ڈاکٹر کملاوتی کی فوٹو کب تک دکھا سکیں گے؟"۔

ملک صاحب کاغذ کو تہہ کر کے جیب میں رکھتے ہوئے بولے۔

"یہ فوٹو کل شام تک ستار صاحب کو مہیا کر دی جائیں گی...... کچھ اور پوچھنا ہو تو پوچھ لیں"۔

عمران نے کہا۔

"ظاہر ہے ہمیں اس مشن کے لئے اسلحہ وغیرہ کی بھی ضرورت پڑے گی"۔

ملک صاحب نے ستار سیٹھ کی طرف اشارہ کیا اور بولے۔

"ستار صاحب اس سلسلے میں آپ کو ہر شے مہیا کر دیں گے...... آپ کو ہر قسم ایمونیشن سپلائی کر دیا جائے گا......اور کچھ؟"۔

عمران نے کہا۔

"بس......اس سے زیادہ ہمیں اور کچھ نہیں پوچھنا"۔

ملک صاحب نے ستار سیٹھ کی طرف دیکھا اور بولے۔

"او کے ستار صاحب......اب میں چلتا ہوں"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"میں آپ کو گیٹ تک چھوڑ آتا ہوں"۔

ملک صاحب نے ہاتھ سے انہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور کہا۔

"اس وقت آپ کا میرے ساتھ باہر نکلنا ٹھیک نہیں...... آپ یہیں رہیں......خدا حافظ!"۔

اور ملک صاحب کمرے سے نکل گئے......جب ان کی گاڑی ریسٹ ہاؤس سے نکل گئی تو ستار سیٹھ نے عمران سے کہا۔

"کیا خیال ہے تمہارا؟"۔

عمران بولا۔

"بڑا اچھا خیال ہے...... مشن پیچیدہ ہے، لیکن ہم انشاء اللہ اس میں کامیاب

گے......اس لئے کہ ہمیں اپنی جان کی پروا نہیں ہے...... ہمارے سامنے صرف اپنے وطن عزیز کی سلامتی ہے"۔

ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہیں ٹارگٹ تک پہنچنے کے لئے کون سا روٹ اختیار کرنا ہوگا...... بمبئی سے ریلوے کی ایک برانچ لائن کلابہ اور کھمبا گھاٹ سے ہوتی ہوئی آگے رتناگری کی طرف نکل جاتی ہے...... تم اسی ٹرین میں بمبئی سے چلو گے...... کھمبا گھاٹ پر تم ٹرین سے اتر جاؤ گے...... یہ جنگل میں ایک چھوٹا سا سٹیشن ہے...... سوائے آدھی باسی یعنی جنگلی لوگوں کی جھونپڑیوں کے وہاں اور کچھ نہیں ہے...... کھمبا گھاٹ سے مغرب کی طرف جے گڑھ گھاٹ تک ایک راستہ جنگل میں سے ہوتا ہوا جاتا ہے...... جے گڑھ وہ جگہ ہے جہاں سے سمندر کنارے کو کاٹ کر جنگل میں جا کر جھیل کی شکل اختیار کر گیا ہے...... تمہارا خطرناک مشن جے گڑھ گھاٹ سے شروع ہوگا، جب تم جھیل کے کنارے کنارے جنگل میں داخل ہو گے...... ذرا آگے جا کر تمہیں کالے پتھروں سے تعمیر کیا ہوا پرانا رام جی کا مندر ملے گا...... تمہیں اس مندر کے کھنڈر کو اپنا بیس کیمپ بنانا ہوگا......اس کے آگے ایک دارلی میدان ہے جس کے پیچھے بانسوں کا وہ گھنا جنگل ہے جس میں سے پراجیکٹ تک جانے کے لئے ایک سرنگ نما راستہ بنایا گیا ہے...... تمہارا منصوبہ اس سرنگ میں سے گزر کر خفیہ پراجیکٹ تک پہنچنا ہوگا...... یہاں بیٹھ کر تم یقینی طور پر کوئی پلاننگ نہیں کر سکتے...... ساری پلاننگ تمہیں مندر کے کھنڈر میں پہنچنے کے بعد وہاں کے حالات دیکھ کر بنانی ہوگی"۔

کمانڈو جبران نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے لئے ضروری بلکہ لازمی ہے کہ ہم وہاں جنگلی لوگوں کے بھیس میں جائیں...... یا وہاں جا کر وہاں کے جنگلی لوگوں کا حلیہ بنالیں...... اس طرح ہمیں ٹارگٹ کے قریب پہنچنے میں آسانی ہوگی......اس لباس میں ہم فوراً پکڑے جائیں

جائیں گے"۔

عمران نے اپنے ساتھی کمانڈو کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"میں بھی یہی سمجھتا ہوں، لیکن سوال یہ ہے کہ اس علاقے کے جنگلی لوگ
طور پر کس قسم کا لباس پہنتے ہیں...... یہ تو ستار صاحب ہی ہمیں بتا سکتے ہیں"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"میں ابھی بتاتا ہوں"۔

وہ اٹھ کر الماری تک گئے...... الماری میں سے انہوں نے انگریزی کا ایک ر
میگزین نکالا اور اسے لے کر صوفے پر آ کر بیٹھ گئے...... رسالے کی ورق گردانی کر
کرتے ایک جگہ انہوں نے عمران اور جبران کو ایک جنگلی آدھی باسی کی رنگین تہ
دکھائی جو رسالے کے فوٹو گرافر نے اتاری ہوئی تھی...... کہنے لگے۔

"یہ ان آدھی باسی جنگلی لوگوں کا حلیہ ہے۔ جو بمبئی سے رتناگری تک کے جن
میں رہتے ہیں"۔

عمران اور جبران غور سے تصویر کو دیکھنے لگے...... اس میں جو جنگلی آدھ
دکھایا گیا تھا...... وہ کوئی افریقہ کے جنگلوں کا جنگلی نہیں تھا...... اس تصویر میں جو
باسی جنگلی تھا اس کا حلیہ یہ تھا کہ اس نے سر کے بالوں کو اوپر اٹھا کر اس کا ایک جوڑ
کے درمیان بنایا ہوا تھا...... جسم پر ایک صدری تھی جس کے بٹن کھلے تھے......
کے نیچے اس نے گھٹنوں تک ایک میلی سی دھوتی باندھ رکھی تھی...... اس کے ہا
چار ساڑھے چار فٹ لمبا ایک بانس تھا جس کی ٹیک لگا کر وہ ایک درخت کے
تھا...... رنگ اس کا گہرا سانولا تھا۔

ستار صاحب بولے۔

"تم لوگ اگر وہاں جا کر اپنا یہ حلیہ بنا لو تو تمہیں بڑی آسانی رہے گی اور
پولیس تمہیں بھی جنگلی آدھی باسی ہی سمجھیں گے اور تم پر شک نہیں کریں

تک ان لوگوں کی زبان کا تعلق ہے...... ان کی اپنی کوئی علیحدہ زبان نہیں ہے......
ی شکستہ ہندی نما اردو بولتے ہیں جو عام طور پر بمبئی کے دور دراز دیہات میں بولی
ہے...... اس کا اندازہ تمہیں ٹرین میں سفر کرتے ہوئے ہو جائے گا، کیونکہ یہ
ی باسی ریل میں آتے جاتے رہتے ہیں...... چونکہ یہ بمبئی اور بھارت کے مغربی
کے پیشتر ماڈرن شہروں کے قریب آباد ہیں اس لئے یہ زیادہ جنگلی نہیں ہیں اور
بئی کے دیہاتوں والی زبان ہی بولتے ہیں جو تم آسانی سے بول سکتے ہو...... باقی
ں ان کا لباس اور جسم کو گہرا انسواری رنگ کرنے کے لئے ایک سپرے دیا جائے گا
کا رنگ پانی وغیرہ سے بالکل نہیں اترے گا اور ہاتھ لگانے سے بھی انگلیوں پر اس کا
نہیں آئے گا...... اس کے علاوہ تم جس قسم کا اسلحہ کہو گے تمہیں مل جائے گا"۔

جب ستار صاحب بھی چلے گئے تو کمانڈو جبران کہنے لگا۔

"ایک بات طے شدہ ہے کہ اس مشن میں ہمارے وسائل انتہائی ناکافی ہیں اور
ٹارگٹ کا مشاہدہ کر کے آپریشن پوائنٹ کی نشان دہی کرنے کا بھی موقع نہیں
"۔

عمران نے کہا۔

"میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے لئے ایک امتحان کا مقام ہے...... اس مشن میں
ں مکمل طور پر اپنی ذہانت اور تجربے سے کام لینا ہو گا جس کے لئے ہمیں ابھی سے
ہو جانا چاہئے"۔

کمانڈو جبران بولا۔

"میں تیار ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ہم اس مشن میں ضرور کامیاب ہوں
"...... جب انسان کسی مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے تو
مقصد حاصل ہو کر رہتا ہے"۔

کمانڈو عمران غور و فکر کے موڈ میں تھا...... کہنے لگا۔

”تمہارے خیال میں ہمیں یہاں کس قسم کے اسلحہ کی ضرورت پڑ سکتی ہے..... آٹومیٹک پستول جن پر سائی لینسر چڑھے ہوں اور ایک ایک کمانڈو چاقو تو لا چاہئے..... باقی“۔

جبران نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”باقی ہمیں انتہائی دھماکہ خیز مواد کی ضرورت ہوگی..... یہ مواد ایسا ہونا چا کہ جو مختصر ہو لیکن اس میں قیامت خیز اور ہمہ گیر تباہی کی صلاحیت ہو“۔

عمران بولا۔

”ایسا مواد ہمیں ٹائم بموں کی صورت میں مل جائے گا..... باقی اور ہمار ضرورت ہو سکتی ہے..... میرا خیال ہے یہی کافی ہے..... اس کے بعد ہمیں جرا موقع شناسی اور ذہانت کی ضرورت ہوگی جو میرا خیال ہے کہ ہمارے پاس موجود

دوسرے دن رات کو ستار سیٹھ آیا تو اس کے پاس پراجیکٹ کے چیف سا دان ڈاکٹر گھوپتی اور اس کی اسسٹنٹ ڈاکٹر کملاوتی کی تصویریں بھی تھیں..... ا بریف کیس میں سے دونوں پاسپورٹ سائز کی رنگین فوٹو نکال کر عمران اور جبر دکھائیں..... ڈاکٹر گھوپتی کی عمر پینسٹھ سے کچھ زیادہ ہی لگتی تھی..... اس کا سر د سے گنجا تھا..... بالوں میں سفیدی کثرت سے تھی..... ڈاکٹر کملاوتی اس کے مقا جوان لگتی تھی..... دونوں نے عینکیں لگائی ہوئی تھیں..... دونوں کے ماتھو ہندوؤں والے زعفرانی رنگ کے تلک لگے تھے۔

ستار صاحب بولے۔

”ان کی شکلیں اچھی طرح سے ذہن میں بٹھالو تاکہ ٹارگٹ پر پہنچ کر تم پہچان سکو“۔

عمران اور جبران..... دونوں کمانڈوز نے باری باری دونوں تصویروں کو غور سے دیکھا اور پھر انہیں ستار صاحب کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

”اتنا ہی کافی ہے..... اب ہم ان دونوں کو خواہ یہ کسی بھی بھیس میں ہوں پہچان لیں گے“۔

ستار سیٹھ نے دونوں تصویریں بریف کیس میں رکھ لیں اور بریف کیس بند کر کے کہا۔

”اب تم کس وقت اس مشن پر روانہ ہونا چاہو گے، کیونکہ اس میں زیادہ تاخیر سے کام لینا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے“۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

”ہمیں اسلحہ وغیرہ کی ضرورت ہے..... وہ جس وقت بھی ہمارے پاس آجائے گا ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے“۔

ستار سیٹھ نے پوچھا۔

”اسلحہ اور ایمونیشن کے معاملے میں تمہاری ضروریات کیا ہیں“۔

عمران نے ستار صاحب کو پوری تفصیل سے اپنی ضرورت سے آگاہ کر دیا۔

ستار سیٹھ بڑے غور سے سنتے رہے..... پھر بولے۔

”ٹھیک ہے..... مجھے صرف کل کا دن دے دو..... پرسوں دوپہر تک تمہیں یہ ساری چیزیں مل جائیں گی“۔

عمران نے کہا۔

”جہاں تک دھماکہ خیز مواد کا تعلق ہے اس کے بارے میں جاننا چاہوں گا کہ وہ ہمیں کس شکل میں مل سکے گا“۔

ستار سیٹھ بولے۔

”وہ ٹائم بموں کی شکل میں ہی ہوگا..... پرسوں انشاء اللہ آپ کو سب کچھ مل جائے مجھے یقین ہے کہ یہ ایمونیشن تمہاری ضرورت کے عین مطابق ہی ہوگا“۔

دوسرے روز ستار سیٹھ نہ آئے..... تیسرے دن دوپہر کے تین بجے ان کی گاڑی

ریسٹ ہاؤس میں داخل ہوئی...... گاڑی بند کر کے وہ سیدھے بیڈ روم میں آگئے۔ عمران اور جبران پہلے سے بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے...... ستار صاحب اپنے کچھ نہیں لائے تھے...... وہ صوفے پر بیٹھ گئے اور سگریٹ کو ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے بولے۔

"سب کچھ بڑی خوش اسلوبی سے تم لوگوں کی مرضی اور ضرورت کے مطابق ہو گیا ہے...... تم آج شام کو اندھیرا ہونے کے بعد میرے ساتھ چل کر اسلحہ وغیرہ کا معائنہ کر لینا...... میرا خیال ہے تمہیں سب کچھ پسند آئے گا"۔

ستار صاحب چلے گئے اور شام ہوتے ہی دوبارہ آئے اور بولے۔

"میرے ساتھ آجاؤ"۔

عمران اور جبران گاڑی میں بیٹھ گئے...... گاڑی بمبئی کے بارونق کشادہ اور روشن علاقوں سے نکل کر ایک غیر آباد سڑک پر آگئی...... اس سڑک پر کوئی روشنی کا کھمبا نہیں تھا...... کچھ دور جانے کے بعد شکستہ سڑک کی دونوں جانب جنگل سا شروع ہو گیا...... اس جنگل میں ستار صاحب نے ایک طرف گاڑی کو موڑا اور اسے ایک درختوں کی اوٹ میں کھڑی کر دیا اور عمران سے کہا۔

"چلے آؤ"۔

شام کا اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا...... ستار صاحب آگے آگے چل رہے تھے درختوں کے درمیان اونچی اونچی جنگلی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں...... وہ جھاڑیوں کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے قدم قدم چلے جا رہے تھے...... جھاڑیاں ختم ہو گئیں تو ایک سی کھلی جگہ آگئی جہاں آتے ہی ایک جانب اندھیرے سے نکل کر ایک آدمی سامنے آگیا...... ستار صاحب نے اس سے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے نا؟"۔

"یس باس...... سب او کے ہے...... یہ چابی لے لیں"۔

ستار سیٹھ نے اس آدمی سے چابی لے کر اپنی جیب میں رکھ لی اور عمران جبران کو ساتھ لے کر ایک ٹیلے کے پیچھے آگیا...... یہاں ایک کوٹھڑی بنی ہوئی تھی جس کا دروازہ بند تھا اور تالا لگا ہوا تھا...... ستار صاحب نے چابی لگا کر تالا کھولا اور تینوں کوٹھڑی میں داخل ہو گئے...... کوٹھڑی میں اندھیرا تھا...... ستار صاحب نے ہاتھ بڑھا کر دیوار کے ایک طاق میں رکھی ہوئی تیز روشنی والی ٹارچ نکال کر اسے روشن کر دیا...... کوٹھڑی میں بے شمار ٹوٹی پھوٹی پرانی چیزیں بھری ہوئی تھیں...... ستار صاحب نے ٹارچ عمران کو پکڑا دی اور کہا۔

"ٹارچ کی روشنی ڈالتے رہنا"۔

انہوں نے کباڑ خانے کے ڈھیر کے نیچے سے ایک چھوٹا سا بریف کیس نکال کر اسے کھولا اور کہا۔

"اس میں تمہاری ضرورت کی ہر شے موجود ہے"۔

پھر انہوں نے دو آٹو میٹک پستول دکھائے جن پر سائی لینسر چڑھے ہوئے تھے...... دو کمانڈو چاقو دکھائے...... آخر میں گتے کا ایک ڈبہ کھولا اس میں سیاہ رنگ کے مارکر رکھے ہوئے تھے...... یہ مارکر موٹی پنسلوں کی طرح کے تھے...... عمران اور جبران دونوں سمجھ گئے کہ یہ کیا چیز ہے...... ستار سیٹھ نے ایک سیاہ مارکر نکال کر عمران اور جبران کو دکھایا اور کہا۔

"یہ سب سے اعلیٰ کوالٹی کے میڈان امریکہ ٹائم بم ہیں...... اس سے زیادہ تباہ کن اور انتہائی دھماکہ خیز ٹائم بم ابھی تک سوائے امریکہ کے اور کسی ملک نے ایجاد نہیں کئے...... ان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اگر صرف ایک مارکر ٹائم بم امریکہ کی کسی پندرہ منزلہ عمارت کی پہلی منزل میں کسی جگہ رکھ دیا جائے تو یہ اپنے وقت پر پھٹ کر اس ساری کی ساری پندرہ منزل عمارت کو ایک سیکنڈ میں آگ اور ملبے کا ڈھیر بنا دے گا"۔

عمران اس مارکر ٹائم بم کو بڑی احتیاط سے انگلیوں میں پکڑے دیکھ رہا تھا...... ستار

صاحب بولے۔

"احتیاط برتنا عمران...... اس کا ٹائم فیوز اس کی کیپ ہے...... اس کی کیپ کو

دبانے سے اس کا کلاک چل پڑے گا"۔

جبران نے پوچھا۔

"اس کا دورانیہ کتنا ہے...... یعنی کیپ دبانے کے بعد یہ کتنی دیر کے بعد پ

جائے گا"۔

ستار صاحب نے کہا۔

"اس بم کا دورانیہ دو گھنٹے فکس کر دیا گیا ہے...... میرا خیال ہے کہ اتنا دورانیہ

مناسب ہو گا...... اس دوران تمہیں وہاں سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانے کے

کافی وقت مل جائے گا"۔

یہ کل بارہ ٹائم بم ہیں...... اگر تمہیں اس سے زیادہ کی ضرورت ہے تو وہ بھ

سکتے ہیں"۔

عمران نے مار کر بم ڈبے میں رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... میرا خیال ہے اتنے ہی کافی ہیں...... ستار سیٹھ نے ڈبہ بریف

میں رکھ دیا...... کمانڈو چاقو بھی عمران اور جبران نے اچھی طرح سے دیکھے......

سیٹھ نے بریف کیس بند کر کے کباڑ کے پاس نیچے کر کے رکھا اور عمران سے پوچھا۔

"تمہارا ارادہ کس وقت یہاں سے نکلنے کا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں کوئی ایسی ٹرین پکڑنی ہو گی جو ہمیں کھمبا گھاٹ دن

ہوتے پہنچا دے"۔

ستار سیٹھ بولا۔

پھر تمہیں کل رات کے وقت یہاں سے نکلنا ہو گا...... بمبئی سنٹرل سے ر

ی طرف ایک ٹرین رات کے سوا گیارہ بجے چلتی ہے...... وہ تمہیں صبح کے وقت کھمبا

گھاٹ پہنچا دے گی...... وہاں سے تم لوگ جے گھاٹ تک پیدل جاؤ گے جو اس مقام پر

قع ہے جہاں سمندر کنارہ کاٹ کر جنگل میں داخل ہوتا ہے...... جے گھاٹ سے تم

بھی جنگل میں داخل ہو جاؤ گے اور کچھ دور چلنے کے بعد سیاہ پتھروں والے رام جی کے

مندر کے کھنڈر میں پہنچ جاؤ گے...... تمہارے کھانے پینے کا وہاں کوئی انتظام نہیں

ہو گا...... یہ تمہیں خود پیدا کرنا ہو گا...... یہاں سے تمہیں بھنے ہوئے چنوں کا تھیلا بھر کر

ساتھ دے دیا جائے گا...... جتنی دیر اسے چلا سکتے ہو اسے چلانا...... اس کے بعد خود ہی

کھانے وغیرہ کا بندوبست کرنا...... ہو سکتا ہے تمہیں وہاں درختوں کے پتے بھی کھانے

یں...... پانی تمہیں وہاں مل جائے گا...... جھیل میں آکر سمندر کا پانی کسی حد تک میٹھا

د گیا ہوا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"ہم کہیں نہ کہیں سے زندہ رہنے کے لئے کچھ نہ کچھ کھا لیا کریں گے...... ہم

رختوں کے پتے کھا کر بھی زندہ رہ سکتے ہیں...... یہ مشن ہمیں اپنی زندگی سے زیادہ

زیز ہے"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"لیکن تمہیں زندہ بھی رہنا ہے تاکہ اپنے اس اہم مشن کو مکمل کر سکو...... اب

یا ہے کہ میں کل رات کے آٹھ بجے تمہارے لئے آدھی باسی جنگلی لوگوں کا لباس

لے کر آؤں گا اور وہ سپرے بھی جس کو تم اپنے جسموں پر چھڑک کر اپنا رنگ گہرا

انولا کرو گے...... یہ بریف کیس تم سنبھال کر اپنے پاس ہی رکھو"۔

پھر ستار سیٹھ نے دونوں کو ریسٹ ہاؤس پہنچا دیا اور خود چلا گیا...... دوسری رات

وہ ٹھیک آٹھ بجے ریسٹ ہاؤس پہنچ گیا...... وہ اپنے ساتھ ایک تھیلا لایا تھا جس میں

ونوں کے لئے جنگلی لوگوں کا پرانا لباس تھا...... ایک ایک میلی سی صدری جس کے بٹن

غائب تھے...... ایک ایک اسی رنگ کی پرانی سی دھوتی...... ایک ایک دیسی ساخ
بوسیدہ جوتا...... گلے میں ڈالنے کے لئے ایک ایک تعویذ اور ماتھے پر لگانے کے
سیندور کی ڈبی اور ایک سپرے کی چھوٹی بوتل...... عمران اور جبران کو اپنا حلیہ
کرتے ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا...... سب سے زیادہ وقت اپنے جسم کو گہرا سانولا
میں لگا...... یہ سپرے کا رنگ ایسا تھا کہ ایک بار جسم پر اس کی مالش کرنے کے
کے چھینٹے مارنے، صابن لگانے سے بھی نہیں اترتا تھا...... انہوں نے اپنے
کو اوپر اٹھا کر سروں کے درمیان ان کا جوڑا سا بنا کر باندھ لیا...... گلے میں تعوی
لئے...... ماتھوں پر سیندور کے تلک لگائے...... صدری پہن کر کمر کے گرد گھٹنو
اونچی دھوتی باندھ لی...... جوتے گیلے کر کے پاؤں میں پہن لئے، کیونکہ وہ سوکھ
گئے تھے...... پستول اور چاقو عمران نے بھنے ہوئے چنوں کے تھیلے میں نیچے کر کے
کر رکھ دیئے...... مارکر ٹائم بم عمران نے خاص طور پر ایک کپڑے میں لپیٹ کر
دھوتی کے اندر کمر کے ساتھ اس طرح کس کر باندھ لئے کہ باہر سے بالکل نظر
آتے تھے اور دیکھنے سے بھی معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس نے دھوتی کے نیچے کچھ
رکھا ہے...... صدری کے باہر بھی دو جیبیں تھیں اور اس کے اندر بھی ایک ایک
تھی...... ستار سیٹھ نے ان کو کچھ رقم چھوٹے کرنسی نوٹوں کی شکل میں دی
انہوں نے اپنی اپنی صدریوں کی اندر والی جیبوں میں رکھ لی...... جب وہ پوری
سے تیار ہو گئے تو ستار سیٹھ نے کہا۔

"تم بالکل آدھی باسی لگتے ہو...... تم میں اور جنگلی آدمیوں میں کوئی فر
رہا...... بس صرف بولنے میں تمہیں احتیاط کرنی پڑے گی اور ان لوگوں کی طرح
ٹوٹی پھوٹی اردو بولنی ہو گی جس میں ہندی وغیرہ کے الفاظ بھی ہوں گے...... خ
کہ تم ایسا کر سکو...... تمہارے لئے سب سے بہتر یہی ہو گا کہ تم میں سے ایک
جائے اور دوسرا بہت ہی کم بات کرے...... اب ایک اور ضروری بات تم سے

دں...... ہائی کمان کی طرف سے خاص طور پر ہدایت جاری کی گئی ہے کہ پراجیکٹ کو
کرنے کے ساتھ ساتھ دونوں چیف سائنس دانوں یعنی ڈاکٹر رگھوپتی اور اس کی
سٹنٹ ڈاکٹر کملاوتی کو بھی ہلاک کر دیا جائے...... ان کا قتل بہت ضروری ہے تاکہ
وکلر وار ہیڈ راکٹوں کا فارمولا ان کے ساتھ ہی دفن ہو جائے"۔

عمران بولا۔

"آپ تسلی رکھیں...... یہ کام ہم پہلی فرصت میں کر ڈالیں گے"۔

ستار سیٹھ نے گھڑی دیکھ کر کہا۔

"ابھی ٹرین کے چلنے میں پون گھنٹہ رہتا ہے...... مگر میرا خیال ہے کہ ہمیں چل
پڑنا چاہئے" پندرہ بیس منٹ بمبئی سنٹرل کے سٹیشن تک پہنچنے میں لگ جائیں گے"۔

عمران نے بھنے ہوئے چنوں کا تھیلا اپنے کندھے کے ساتھ لٹکایا اور ستار سیٹھ
کے ساتھ کمرے سے نکل کر گاڑی کی طرف بڑھے...... اس وقت کوئی دیکھتا تو اسے یہی
لگتا کہ ستار سیٹھ کے ساتھ دو آدھی باسی جنگلی چلے آ رہے ہیں...... ستار سیٹھ نے
عمران اور جبران سے کہا۔

"تم لوگ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ہی بیٹھو"۔

دونوں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے...... ستار سیٹھ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور
گاڑی رات کے اندھیرے میں ریسٹ ہاؤس سے نکل کر بمبئی کے سنٹرل سٹیشن کی
طرف چل پڑی...... سٹیشن پر آ کر ستار نے گاڑی ایک طرف کر کے ذرا اندھیرے میں
کھڑی کر دی اور عمران سے کہا۔

"یہاں سے میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا...... تم دونوں اکیلے اتر کر سٹیشن
پر جاؤ گے...... وہاں سے تمہیں معلوم ہے کہ ٹکٹ کہاں سے ملتے ہیں...... اگر کوئی
دقت ہوئی تو کسی قلی سے پوچھ لینا...... جاؤ...... خدا حافظ! میری دعائیں تمہارے
ساتھ رہیں گی"۔

عمران اور جبران خاموشی سے گاڑی میں سے نکل کر ریلوے سٹیشن کے گیٹ کی طرف چل پڑے...... وہ اس وقت مغربی گھاٹ کے رہنے والے آدھی باسی بنے ہوئے رہے تھے...... انہیں دیکھ کر کسی کو تعجب نہیں ہو رہا تھا...... بمبئی کے قریب کے جنگلوں اور دیہات میں رہنے والے آدھی باسی کبھی کبھار بمبئی آیا جایا ہی کرتے تھے...... عمران نے جبران سے کہا۔



"بکنگ ونڈو پر جا کر ہی معلوم ہوگا کہ رتناگری جانے والی ٹرین کون سے پلیٹ فارم سے چلے گی...... وہیں سے ہمیں ٹکٹ بھی مل جائیں گے"۔

عمران بمبئی کے ریلوے سٹیشن سے اچھی طرح واقف تھا...... وہ بکنگ ونڈو پر آگیا...... وہاں سے اسے معلوم ہوا کہ رتناگری پسنجر ایکسپریس پلیٹ فارم نمبر 9 پر سے روانہ ہوگی...... اس نے کھمبا گھاٹ تک کے دو ٹکٹ خریدے اور دونوں کمانڈو دوست پلیٹ فارم نمبر 9 پر آ کر کسی بنچ پر بیٹھنے کی بجائے ایک جگہ دیوار کے ساتھ زمین پر ہی بیٹھ گئے اور تھیلے میں سے بھنے ہوئے چنے نکال کر کھانے لگے...... عمران نے جبران سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم میں سے تمہیں گونگا بن جانا چاہئے...... میں اس علاقے کی بری بھلی زبان بول لیتا ہوں اور مجھے ہندی وغیرہ کے الفاظ سے ہی واقفیت ہوگئی ہے، جبکہ تمہیں اتنا تجربہ نہیں ہے...... تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ کسی دوسرے کے آگے نہ بولو اور گونگا بن جاؤ...... کیا خیال ہے تمہارا؟"۔

جبران نے کہا۔

"یہ میرے حق میں بہتر ہے...... میں دوسروں کے لئے گونگا بن جاؤں گا"۔

بھنے ہوئے چنوں کے تھیلے میں نیچے کر کے دو کمانڈو چاقو اور دو آٹومیٹک پستول چھپے ہوئے تھے...... مارکر ٹائم بموں کو عمران نے کپڑے میں لپیٹ کر اپنی دھوتی کے

نیچے کمر کے ساتھ باندھ رکھا تھا...... اگرچہ وہاں اس بات کا امکان نہیں تھا کہ کوئی ان کی تلاشی لے گا...... اس کے باوجود عمران بڑا چوکس ہو کر بیٹھا تھا اور نیچی نگاہوں سے ماحول کا برابر جائزہ لے رہا تھا کہ کوئی پولیس والا تو انہیں نہیں دیکھ رہا، لیکن ایسی بات نہیں تھی...... وہ بالکل دیہاتی آدھی باسی لگ رہے تھے اور کسی کو ان کی طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت نہیں تھی...... دس پندرہ منٹ کے بعد رتناگری برانچ لائن پر جانے والی گاڑی پلیٹ فارم پر آ کر لگ گئی...... وہ تھرڈ کلاس کے ڈبے میں سوار ہو گئے...... کسی سیٹ پر بیٹھنے کی بجائے وہ جان بوجھ کر ڈبے کے فرش پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے جس طرح کہ آدھی باسی لوگوں کو عمران نے ٹرین میں سفر کرتے دیکھا تھا...... یہ برانچ لائن پر چلنے والی مسافر گاڑی تھی...... بمبئی سے نکلی تو ہر سٹیشن پر کھڑی ہوتی رہی...... اسی طرح ساری رات سفر میں گزر گئی۔

دوسرا آدھا دن بھی گزر گیا...... ایک سٹیشن پر اتر کر عمران اور جبران نے کھانا وغیرہ کھایا اور چائے پی...... انہیں معلوم تھا کہ آگے انہیں جنگل کے پھل پھول اور پتوں پر ہی شاید گزارا کرنا پڑے...... ٹرین کھمبا گھاٹ کے چھوٹے سے سٹیشن پر رکی تو دونوں کمانڈو وہاں اتر گئے...... یہاں سے باہر نکل کر انہوں نے انٹیلی جنس ملک صاحب کی ہدایت کے مطابق مغرب کی طرف چلنا شروع کر دیا...... یہ جنگلی جھاڑیوں سے بھرا پڑا تھا...... دور سے انہیں سمندر نظر آیا...... یہاں سمندر کنارے ایک گھاٹ تھا...... یہاں سے سمندر کی نہر سی اندر جنگل میں چلی گئی تھی یہی نہر آگے جا کر پہاڑی ٹیلوں کے درمیان جھیل بن گئی تھی...... یہ جگہ ہی تھا...... یہاں جنگل کی طرف انہیں ایک پتلی سی پگ ڈنڈی جاتی نظر آئی...... عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے یہی راستہ رام جی کے مندر کو جاتا ہے"۔

وہ پگ ڈنڈی پر چل پڑے...... کچھ دور چلنے کے بعد سامنے ایک مندر کا

کھنڈر نظر آگیا...... یہ کالے پتھروں سے بنا ہوا تھا اور دن کے وقت بھی آسیبی مندر لگ رہا تھا۔ عمران نے کہا۔

"یہی رام جی کا مندر ہے"۔

وہ مندر کے کھنڈر کے اندر چلے گئے...... مندر کے اندر ایک چھوٹا سا کچا صحن تھا جس میں کہیں کہیں گھاس اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں...... ایک طرف دیوار کے ساتھ چار کوٹھڑیاں تھیں جن میں سے دو کوٹھڑیوں کی چھتیں ڈھے چکی تھیں...... عمران نے کہا۔

"ہمیں ان میں سے کسی ایک کوٹھڑی میں اپنا بیس کیمپ بنانا چاہئے"۔

ایک کوٹھڑی کو انہوں نے منتخب کر لیا...... اس کی چھت اور دیواریں سلامت تھیں...... اس کا دروازہ غائب تھا...... عمران نے ایک کونے میں بھنے ہوئے چنوں والا تھیلا رکھ دیا...... وہ دونوں فرش پر بیٹھ گئے...... فرش مٹی کا تھا...... جبران کہنے لگا۔

"سب سے پہلے ہمیں یہاں پانی تلاش کرنا چاہئے"۔

عمران بولا۔

"جھیل یہاں سے دور نہیں ہے...... ملک صاحب نے بتایا تھا کہ اس جھیل کا پانی میٹھا ہو چکا ہے...... چلو چل کر دیکھتے ہیں اور فرش پر بچھانے کے لئے کچھ پتے اور جھاڑیاں بھی لاتے ہیں"۔

تھیلے میں سے دونوں آٹومیٹک پستول اور کمانڈو چاقو نکال کر عمران نے ایک چاقو جبران کو دیا...... ایک خود رکھ لیا...... آٹومیٹک پستول اور مارکر ٹائم بموں کو کپڑے میں لپیٹ کر کوٹھڑی کے ایک کونے میں چھپا دیا...... وہ چاقو لے کر باہر جنگل میں آ گئے...... جنگل وہاں اتنا گھنا نہیں تھا...... اونچے اونچے درخت فاصلے فاصلے پر کھڑے تھے...... ان کے درمیان ہر قسم کی جنگلی جھاڑیاں اور گھاس اُگی ہوئی تھی...... آسمان پر ہلکے ہلکے بادل تھے جس کی وجہ سے دن کی روشنی مدھم تھی...... بڑی خاموشی تھی...... ہوا بھی

بند تھی...... فضا حبس آلود تھی...... ایک جگہ انہیں تالاب مل گیا...... جھیل میں
پانی نکل کر یہاں جمع ہو گیا تھا...... انہوں نے پانی چکھا...... پانی میٹھا تھا...... وہ وہیں
گئے اور آس پاس نظریں دوڑائیں...... وہاں انہیں کوئی دوسرا شخص نظر نہ آیا......
بھی وہ اونچی آواز میں باتیں نہیں کر رہے تھے...... عمران کہنے لگا۔

"پانی کا مسئلہ تو حل ہو گیا ہے...... اب اگر یہاں کہیں جنگلی کیلے کے د
درخت مل جائیں تو کھانے کا مسئلہ بھی حل ہو سکتا ہے"۔

وہ تالاب کے دوسری طرف گئے تو وہاں نہ صرف کیلے کے درختوں کا ایک
تھا بلکہ ناریل کے درخت بھی تھے...... ان درختوں کے نیچے ناریل گرے
تھے...... کیلے کے درختوں پر زرد رنگ کے چھوٹے جنگلی کیلوں کے گچھے لٹک
تھے...... انہوں نے ایک بڑا گچھا کاٹ کر رکھ لیا...... کچھ ناریل بھی سمیٹ لئے......
کے بعد وہ کیلے کے درخت کی بڑے بڑے پتوں والی شاخیں چاقو سے کاٹنے لگے
انہوں نے کافی پتے اکٹھے کر لئے...... پھر وہ یہ ساری چیزیں سمیٹ کر مندر والی کوٹھ
میں لے آئے...... کیلے کے پتے انہوں نے فرش پر بچھا دیئے...... ناریل اور کیلے
ایک طرف دیوار کے ساتھ لگا دیا...... دو چار کیلے کھائے...... دو ناریل توڑ کر ان کا
اور گری کاٹ کر کھائی...... ناریل میٹھا تھا۔

پندرہ بیس منٹ آرام کرنے کے بعد عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے ابھی دن کی روشنی ہے...... چل کر ہمیں ٹارگٹ کی تھوڑ
سراغ رسانی کرنی چاہئے...... تاکہ ہمیں کچھ اندازہ ہو جائے کہ ہمیں یہاں کر
پلاننگ کرنی ہو گی"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"پستول ساتھ لے جانے کی تو ضرورت نہیں ہو گی"۔

"نہیں" عمران بولا...... "کمانڈو چاقو ہی کافی ہیں...... اسے اپنے ساتھ

ہیں گے"۔

انہوں نے مندر کے کھنڈر سے نکل کر سب سے پہلے بانس کے ایک درخت پر
دو بانس کاٹ کر انہیں صاف کیا...... ان کے دو پانچ فٹ لمبے ڈنڈے بنائے...... ان
آگے سے تراش کر ان کو نیزوں کی طرح بنایا...... بانس کے یہ نیزے آدھی
نیزوں کی طرح ہاتھوں میں پکڑے اور جنگل میں اندازے سے ایک طرف روانہ
دیئے...... جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہے تھے جنگل زیادہ گھنا ہوتا جا رہا تھا...... درخت
قریب ہو رہے تھے...... جھاڑیاں گھنی ہو گئی تھیں...... دونوں کمانڈو جھاڑیوں
میں سے راستہ بناتے مغرب کی طرف چلے جا رہے تھے...... ایک جگہ آکر جھاڑیاں ختم
ہو گئیں...... یہاں انہیں بانس کے گھنے جھنڈوں کے درمیان ایک سرنگ نما راستہ
دکھائی دیا...... عمران نے کہا۔

"یہی راستہ خفیہ پراجیکٹ کو جاتا ہے"۔

جبران نے بڑا اچھا مشورہ دیا...... اس نے کہا۔

"ہمیں اس راستے سے ہٹ کر آگے جانا چاہئے...... ہو سکتا ہے...... یہاں سیکورٹی
کی خفیہ انتظام کیا گیا ہو"۔

عمران کو اس کا مشورہ اچھا لگا...... وہ سرنگ نما راستے سے بائیں جانب ہٹ کر
ڑ ستر گز دور چلے گئے...... وہاں بھی بانس کے بے شمار درخت اگے ہوئے تھے......
ں کے درخت چھوٹے تنوں کی شکل میں ساتھ ساتھ اگتے ہیں اور ان میں سے
رنا بڑا مشکل ہوتا ہے، لیکن دونوں کمانڈو اس قسم کے دشوار گزار راستوں کے عادی
...... یہ بانس اتنے سخت ہوتے ہیں کہ کمانڈو چاقو سے بھی مشکل سے کاٹے جاتے
...... ویسے بھی وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتے تھے جس سے جنگل کی خاموشی
آواز پیدا ہو...... وہ جانتے تھے کہ یہ سارا علاقہ حساس اور نازک علاقہ ہے اور یقینی
یہاں سیکورٹی کا زبردست انتظام کیا گیا ہو گا۔

وہ بڑی احتیاط سے کام لے رہے تھے اور چھ سات قدم چلنے کے بعد رک کر ا
کا جائزہ لیتے تھے...... ابھی تک انہیں کوئی سیکورٹی پولیس کا کوئی گارڈ یا گشتی پار
نہیں آئی تھی...... انہیں کوئی بات کرنی ہوتی تھی تو سرگوشیوں میں کرتے تھے...
کا رخ شمال مغرب کی طرف تھا۔

بانس کے ایک درخت کے بانسوں میں سے رک رک کر بڑی احتیاط سے
اٹھاتے ہوئے اچانک عمران وہیں بیٹھ گیا اور اس نے جبران کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا
اب جبران نے غور کیا تو اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی...... ایسے لگ رہا تھا جیسے
تین آدمی بھاری قدموں کے ساتھ پتوں پر سے گزر رہے ہیں...... پھر انہیں
آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی...... انہوں نے جلدی سے اپنے آپ
بانس کی شاخوں کے پیچھے چھپالیا...... وہ آہستہ آہستہ سانس لے رہے تھے...... ا
آوازیں آہستہ آہستہ قریب آرہی تھیں...... انہوں نے اپنے سر اور نیچے کر لئے
تھوڑی دیر کے بعد آوازیں ان کے قریب سے ہو کر گزر گئیں...... انہوں نے
کر دیکھا...... وہ تین آدمی تھے...... انہوں نے پولیس کمانڈوز والی کالی وردیاں پہن
تھیں...... ہر ایک کے ہاتھ میں سب مشین گن تھی...... سروں پر سیاہ کمانڈو ٹو
تھیں...... جب وہ دور نکل گئے تو عمران نے سرگوشی میں کہا۔

"یہ گشتی پارٹی کے کمانڈوز تھے...... ہم ٹارگٹ کے قریب پہنچ گئے ہیں"۔

کمانڈو جبران نے سرگوشی میں کہا۔

"آگے کسی نہ کسی خفیہ جگہ پر مشین گن کا مورچہ بھی ضرور ہوگا...... میر
ہے کہ دن کی روشنی میں ہمارا آگے جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے"۔

"پھر تم کیا مشورہ دیتے ہو؟" عمران نے سرگوشی میں ہی پوچھا۔

جبران بولا۔

"یہ کام ہمیں رات کے اندھیرے میں کرنا چاہئے"۔

"ٹھیک ہے" عمران نے کہا...... "واپس بیس کیمپ پر چلو"۔

اور وہ دونوں وہیں سے واپس ہوگئے۔

مندر کے کھنڈر کی کوٹھڑی میں آکر انہوں نے مزید احتیاط سے کام لیتے ہوئے
کام یہ کیا کہ کوٹھڑی میں سے آٹومیٹک پستول میگزین کی پوٹلی اور کپڑے میں لپٹا ہوا
ٹائم بموں کا ڈبہ نکالا اور ان چیزوں کو مندر کے پیچھے ایک گھنی جھاڑی کے اندر
یوں کی شاخوں اور جڑوں کے درمیان چھپا کر اوپر پتے اور شاخیں کاٹ کر ڈال
اب کوٹھڑی میں صرف بھنے ہوئے چنوں کا چھوٹا تھیلا...... چھ سات ناریل اور
کیلوں کا ایک گچھا ہی رہ گیا تھا...... انہیں خطرہ تھا کہ کہیں کوئی گشتی پارٹی اس
ف آکر یہ اسلحہ نہ دیکھ لے...... صرف کمانڈو چاقو انہوں نے اپنے پاس رکھے جو
ہوں نے اپنی آدھی باسی کی طرز کی دھوتیوں میں کمر کے ساتھ اڑس لئے تھے۔

وہ رات کا اندھیرا ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

کوٹھڑی کے اندر بیٹھ کر انتظار کرنے کی بجائے وہ کوٹھڑی سے نکل کر مندر سے
پاس چالیس گز کے فاصلے پر تالاب کے کنارے ایک جگہ جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر
ھ گئے...... کچھ چنے وہ دھوتی کے پلو میں باندھ کر لائے تھے...... جب دن کی
شنی ماند پڑنے لگی تو انہوں نے چنے کھا کر تالاب کا پانی پیا اور شام کا اندھیرا گہرا ہونے
انتظار شروع کر دیا...... جب اندھیرا ذرا گہرا ہو گیا اور درختوں میں بسیرا لیتے پرندے
ی خاموش ہو گئے تو وہ اٹھ کر بانس کے جھنڈوں والی سرنگ کی طرف چل پڑے......
ندھیرے میں انہیں جھاڑیاں اور درختوں کے خاکے نظر آرہے تھے...... بانس کے
جھنڈوں والی سرنگ کے قریب آکر وہ بائیں طرف مغرب کو ہٹ کر چلنے لگے...... وہ
یدھا راستہ چھوڑ کر کافی فاصلہ ڈال کر اس کے پہلو میں سے گزر رہے تھے...... ایک
طرح سے وہ سرنگ نما راستے کے متوازی چل رہے تھے...... چلتے چلتے جب وہ کافی
گے نکل آئے تو عمران ایک جگہ رک کر بیٹھ گیا...... جبران بھی اس کے ساتھ بیٹھ

گیا...... عمران نے سرگوشی میں کہا۔

"کہیں ہم غلط راستے پر تو نہیں نکل آئے؟"۔

جبران نے سرگوشی میں ہی جواب دیا۔

"میرا خیال ہے ہم سرنگ نما راستے کے بالکل متوازی چل رہے ہیں"۔

عمران خاموش ہو گیا...... جبران بھی خاموش تھا...... دونوں بیٹھے بیٹھے بانس کے موٹے تنوں میں سے آگے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"آگے اندھیرا ہی اندھیرا ہے" عمران نے سرگوشی کی...... پراجیکٹ پر تو روشنیاں تو ضرور ہونی چاہئیں۔

جبران سرگوشی میں بولا۔

"تھوڑا اور چل کر دیکھ لیتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے" عمران نے آہستہ سے کہا۔

وہ اٹھے اور پھر آگے کو چل پڑے...... وہ جھک کر قدم قدم بڑی مشکل سے چل رہے تھے...... ہر قدم پر بانس کی شاخیں، ان کے تنے اور زمین سے نکلی ہوئی شاخیں ان کا راستہ روک رہی تھیں، مگر وہ چلتے جا رہے تھے...... رات کا اندھیرا اچھا تھا، لیکن ان کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھ لیتی تھیں...... کچھ دور تک چلنے کے بانس کے درختوں کا سلسلہ اچانک ختم ہو گیا...... وہ بانس کے جھنڈوں سے باہر آئے تھے...... آگے قد آدم جھاڑیاں تھیں اور درخت ہی درخت تھے جن کی ٹہنیاں نیچے تک جھکی ہوئی تھیں...... جھاڑیوں میں گزرنے سے آواز پیدا ہوتی تھی، چنانچہ ایک ایک شاخ کو پکڑ کر آہستہ سے پیچھے ہٹاتے ہوئے چل رہے تھے...... ایک جگہ عمران نے جھاڑیوں کی ایک شاخ کو پیچھے ہٹایا تو وہ وہیں رک گیا۔

اس نے جبران کے کندھے کو دبا کر اسے اس طرف دکھایا...... کچھ فاصلے پر درختوں کے تنوں کے پیچھے روشنی ٹمٹما رہی تھی...... عمران نے سرگوشی میں کہا۔

"ہم ٹارگٹ کے قریب آگئے ہیں"۔

جبران نے کوئی جواب نہ دیا...... وہ درختوں کے پیچھے کچھ فاصلے پر ٹمٹمانے والی روشنی کے نقطے کو دیکھ رہا تھا...... عمران نے اس کا کندھا دبا کر سرگوشی میں کہا۔

"میرے پیچھے پیچھے آجاؤ"۔

وہ جھاڑیوں میں سے نکلے تو سامنے اونچے اونچے درختوں کے خاکے اندھیرے میں نظر آ رہے تھے...... ان درختوں کے آگے کھلی جگہ سی تھی جہاں ایک جگہ بانس کے ساتھ بندھا ہوا بجلی کا بلب جل رہا تھا...... وہ بیٹھ کر جائزہ لینے لگے...... بجلی کے بلب کی روشنی زیادہ نہیں تھی...... صرف اتنی ہی تھی کہ آس پاس کے تین چار کیبن سے نظر آ رہے تھے...... ایک کیبن کے آگے دو تین انسانی سائے سے چل پھر رہے تھے...... یہ سیکورٹی گارڈز تھے جو وہاں ٹہل کر پہرہ دے رہے تھے...... دونوں کمانڈو فوراً اوندھے ہو کر لیٹ گئے اور کہنیوں کے بل آہستہ آہستہ آگے کو رینگنے لگے...... پندرہ بیس قدم رینگنے کے بعد اچانک سامنے ایک دیوار سی آگئی...... انہوں نے اندھیرے میں اسے غور سے دیکھا...... یہ خاردار تاروں والی دیوار تھی جو آٹھ نو فٹ اونچی تھی...... دونوں آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے خاردار تاروں والی باڑ کے قریب ہو گئے...... یہ دہری دیوار تھی اور اس کے کانٹے اتنے گنجان تھے کہ ان میں سے ہاتھ بھی اندر نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔

عمران فوراً الٹا رینگتا ہوا دیوار سے چھ سات قدم پیچھے ہٹ گیا...... اس کے بعد اس نے کہنیوں کے بل خاردار دیوار کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف رینگنا شروع کیا...... جبران اس کے پیچھے پیچھے رینگتا چلا آ رہا تھا...... آہستہ آہستہ سانپ کی طرح رینگتے ہوئے عمران ایک جگہ رک گیا...... اس نے ہاتھ سے جبران کو آگے آنے کا اشارہ کیا...... جبران کہنیوں کے بل رینگتا عمران کے پہلو میں آگیا...... عمران نے سامنے کی طرف اشارہ کیا...... یہ وہ جگہ تھی جہاں کھلی جگہ میں بنے ہوئے پراجیکٹ کے

چار پانچ بارک نما کیبنوں یا لکڑی کے کمروں کی پچھلی دیواریں لگتی تھیں...... ان کیبن کی عقبی دیوار خاردار تاروں والی دیوار سے پندرہ بیس فٹ کے فاصلے پر تھیں...... کوئی روشنی نہیں تھی...... اندھیرے میں آنکھیں کھولے، جھاڑیوں اور گھاس پر اوندھے لیٹے ہوئے دونوں کمانڈو دوست پراجیکٹ کے کمروں یا بارکوں کی عقبی دیواروں کو تک رہے تھے...... جبران بالکل نہیں سمجھ سکا کہ عمران اسے وہاں خاص طور پر کیا دکھانے کی کوشش کر رہا ہے، مگر وہ اندھیرے میں خاردار باڑ کو دیکھ رہا تھا۔

اچانک بارکوں کے عقب میں دیواروں کے ساتھ روشنی سی چمک کر بجھ گئی

عمران اور جبران مگرمچھ کی طرح تیزی سے کہنیاں چلاتے پیچھے جھاڑیوں میں چھپ گئے...... جھاڑیوں کے پیچھے سے وہ غور سے دیکھ رہے تھے...... بارکوں کی عقبی دیوار کے ساتھ پھر وہی روشنی چمکی...... اس دفعہ روشنی ایک دائرے کی شکل میں گھومتی ہوئی کبھی اوپر اور کبھی بارکوں کی عقبی دیواروں کے نیچے آجاتی تھی...... یہ بڑی طاقتور ٹارچ کی روشنی تھی...... اس کے ساتھ ہی بھاری بوٹوں کی دھمک سنائی دینے لگی پھر کسی آدمی نے انگریزی میں کسی دوسرے آدمی سے کچھ کہا...... اس کے بعد ٹارچ کی روشنی کا دائرہ خاردار دیوار اور بارک کی عقبی دیواروں کے درمیان آگے بڑھتا قریب آنے لگا...... یہ سیاہ وردیوں والے پولیس کے چار کمانڈو تھے جو گشتی ڈیوٹی پر تھے

عمران اور جبران وہیں جھاڑیوں کے اندھیرے میں دبک کر لیٹے رہے...... جب چاروں گشتی کمانڈو ان کے سامنے سے گزرے تو عمران نے اپنا سانس روک لیا...... جبران نے بھی ایسا ہی کیا...... ان کی آنکھیں ان چاروں گشتی کمانڈوز کو اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں...... چاروں گارڈ کمانڈو طاقتور ٹارچ کی روشنی سامنے ادھر ادھر اردگرد ڈالتے جب کافی آگے نکل گئے تو عمران نے سرگوشی میں کہا۔

"واپس چلو"۔

دونوں گھاس پر اوندھے پڑے ہوئے مگرمچھ کی طرح پیچھے کو گھومے اور کہنیوں

کے بل پیچھے کو رینگنے لگے۔

اسی طرح رینگتے ہوئے وہ اس جگہ آگئے جہاں سے گھنی جھاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا...... جھاڑیوں میں آکر اٹھے اور جھک کر چلنے لگے...... جھاڑیاں ختم ہوئیں تو بانسوں کے جھنڈ شروع ہوگئے...... وہ ان جھنڈوں میں سے گزر کر ہی آئے تھے...... ایک ایک قدم احتیاط کے ساتھ اٹھاتے آخر وہ بانس کے جھنڈوں میں سے بھی باہر آگئے...... وہ اندھیرے میں بھی ان درختوں کو پہچان رہے تھے جن کے نیچے سے گزر کر وہ خاردار تاروں والی دیوار کی طرف گئے تھے...... ان درختوں کے درمیان اگی ہوئی جھاڑیوں میں سے گزرنا مشکل نہیں تھا...... ان جھاڑیوں کی شاخوں میں وہ لمبے لمبے کانٹے نہیں تھے جو بانس کے درختوں میں ان کی شاخوں اور تنوں میں سے باہر کو نکلے ہوتے ہیں...... یہاں وہ کھڑے ہو کر چلنے لگے...... عمران نے جبران کے کان کے پاس منہ لاتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

"ہم بانس کے سرنگ نما راستے کے ساتھ ساتھ ہی جا رہے ہیں...... فکر نہ کرنا"۔

جواب میں جبران نے صرف اپنا سر اثبات میں ہلا دیا...... عمران کا اندازہ بالکل صحیح تھا...... وہ اس مقام پر آگئے جہاں سے نیوکلیائی پراجیکٹ کو جانے والا سرنگ نما راستہ شروع ہوتا تھا...... یہاں سے وہ واپس اپنے مندر والے بیس کیمپ میں جانے کے لئے دشوار گزار جنگل میں داخل ہوگئے...... جنگل میں سے وہ بڑی جلدی گزر گئے...... مندر والی اپنی پناہ گاہ میں آکر وہ کوٹھڑی میں اندھیرے میں ہی بیٹھ گئے اور اس مشاہداتی مہم میں انہوں نے جو کچھ دیکھا تھا اس پر گفتگو کرنے لگے...... عمران کہنے لگا۔

"ابھی میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا کہ ہمیں اپنے مشن کی تکمیل کے لئے کون سے منصوبے پر عمل کرنا ہوگا"۔

جبران بولا۔

"کسی نتیجے پر تو میں بھی نہیں پہنچ سکا، لیکن ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے جلد ہو گا...... اس پراجیکٹ میں پاکستان دشمن نیو کلروار ہیڈ راکٹ کی تیاریوں پر بڑی سے کام ہو رہا ہے...... اگر ہم نے دیر کر دی تو یہ ہمارے ملک کے لئے خطرناک ہو سکتی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے حالات کی سنگینی کا احساس ہے، اس لئے میں نے کل دن کے وقت پراجیکٹ کی سراغ رسانی کا فیصلہ کیا ہے...... اس کے بعد ہی ہم کوئی پلاننگ کر گے"۔

"جیسے تمہاری مرضی" جبران نے جواب دیا۔

اس کے بعد وہ وہیں کیلے کے پتوں کے فرش پر لیٹ کر سو گئے...... صبح ان کی دن چڑھے آنکھ کھلی...... باہر آسمان اسی طرح ابر آلود تھا اور لگتا تھا کہ کسی وقت بارش شروع ہو جائے گی...... وہ باری باری مندر کی پناہ گاہ سے نکل کر تالاب پر جا کر منہ ہاتھ دھویا...... پانی پیا اور کوٹھڑی میں بیٹھ کر کچھ بھنے ہوئے چنے کھائے ناریل توڑ کر ان کا پانی پیا...... کمانڈو چاقو عمران کے پاس ہی تھا...... آٹو میٹک پستو مار کر ٹائم بموں کا ڈبہ انہوں نے مندر کے پیچھے ایک جھاڑی میں چھپا دیا تھا...... اکیلا سراغ رسانی کی مہم پر نکل گیا...... اس نے جبران کو ہدایت کر دی کہ وہ کوٹھ اندر بیٹھنے کی بجائے مندر کے کھنڈر کے باہر کسی جگہ چھپ کر بیٹھ جائے اور جب وہ واپس نہ آئے وہیں بیٹھا رہے۔

دن کی روشنی میں بھی جنگل کی ہیبت اور سکوت اسی طرح قائم تھا...... در پرندے بھی بول بول کر چپ ہو چکے تھے...... رات کے وقت وہ جس را پراجیکٹ تک گیا تھا اب اسی راستے پر جا رہا تھا...... کمانڈو چاقو اس نے دھوتی رکھا تھا...... اس کے ہاتھ میں صرف لمبا بانس تھا...... بالوں کو سر کے اوپر باند

ولی رنگت اور گھٹنوں سے اونچی میلی سی دھوتی اور پرانی صدری اور گلے کے تعویذ ے ساتھ وہ بالکل جنگل میں رہنے والا آدھی باسی لگ رہا تھا...... کسی کو شک نہیں سکتا تھا کہ وہ آدھی باسی جنگلی نہیں ہے بلکہ شہروں میں رہنے والا پڑھا لکھا اور رناک کمانڈو ہے...... عمران بڑی بے نیازی سے چل رہا تھا، لیکن حقیقت میں وہ دوں طرف سے چوکس اور چوکنا تھا...... ایک ایک آہٹ پر اس کے کان تھے...... ب ایک درخت اور جھاڑی پر اس کی نظر تھی...... وہ جانتا تھا کہ یہ رات نہیں بلکہ دن وقت ہے اور اسے کسی طرف سے بھی دیکھا جا سکتا ہے اور وہ ایک حساس ترین علاقے طرف جا رہا ہے...... مندر سے نکل کر وہ گھنے جنگل میں داخل ہو چکا تھا۔

آگے بانس کے درختوں کے درمیان بنی ہوئی سرنگ تھی...... رات کی طرح وہ ن کے وقت بھی اس سرنگ نما راستے سے نہیں گزرنا چاہتا تھا...... وہاں سے وہ مغرب طرف سو پچاس قدموں کے فاصلے پر سے آگے نکلنا چاہتا تھا...... جنگل میں رات کی رح خاموشی چھائی ہوئی تھی...... کبھی کبھی کسی درخت پر سے کسی پرندے کے ٹھک ک کرنے کی آواز آجاتی تھی...... اس کے بعد پھر وہی ہیبت ناک خاموشی چھا جاتی ی...... ابھی بانس کے جھنڈوں والا سرنگ نما راستہ دور تھا اور عمران سیاہ تنوں والے ائی کے گھنے درختوں کے نیچے سے گزر رہا تھا کہ اچانک اس کی چھٹی حس نے بیدار کر اس کو خبردار کیا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے...... عمران نے ایک دم پیچھے مڑ کر ھنے کی بجائے اپنی رفتار آہستہ کر دی اور پھر یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ جیسے تھک گیا ، ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا...... اسے معلوم تھا کہ اس کی چھٹی حس نے ی اسے غلط اطلاع نہیں دی...... دوسرے ہی لمحے اسے اپنے عقب میں قدموں کی ٹ سنائی دی...... وہ ہوشیار ہو گیا...... اس نے پہلا کام یہ کیا کہ بڑی چالاکی اور شیاری کے ساتھ اپنی دھوتی میں چھپایا ہوا کمانڈو چاقو نکال کر اسے ایک قریبی ڑی کی طرف پھینک دیا...... چاقو جھاڑی کے اندر چلا گیا۔

اسے یقین ہو گیا تھا کہ کوئی اس کی طرف آرہا ہے...... اس نے ان پڑھ جنگلی
آدھی باسیوں والی اداکاری شروع کر دی...... ایک ٹانگ پھیلا دی...... کبھی ہاتھ سے
سر کھجاتا...... کبھی سینہ کھجاتا اور کبھی اپنی پنڈلی پر اس طرح زور سے ہاتھ مارتا جیسے مچھر
مار رہا ہو...... اتنا اسے معلوم تھا کہ یہاں سے بھاگنے کا اب وقت نہیں رہا، جو کوئی بھی
اس کا پیچھا کر رہا تھا وہ اس کے سر پر پہنچ چکا تھا...... یہ علاقہ ہی ایسا تھا کہ کسی نہ کسی کو اس
کا پیچھا کرنا ہی چاہئے تھا...... اس کا خیال تھا کہ یہ کوئی ایک پولیس فورس کا آدمی ہوگا۔
اچانک درخت کے عقب میں سے دو پولیس کی کمانڈو فورس کے سپاہی اس کے سامنے
آ کھڑے ہوئے...... دونوں کالی سیاہ وردیوں میں تھے...... دونوں کے پاس سب مشین
گن تھی...... دونوں سب مشین گنوں کا رخ عمران کی طرف تھا...... انہیں دیکھ کر
عمران ہاتھ باندھ کر جلدی سے کھڑا ہو گیا اور گڑگڑاتے ہوئے بولا۔

"ماراج میری ہتیا نہ کریں...... مجھے نہ ماریں...... میں نے کچھ نہیں کیا ماراج"۔

دونوں پولیس کمانڈو اس کا گہری نظر سے جائزہ لے رہے تھے...... ایک سپاہی
آگے تھا...... دوسرا تین قدم پیچھے ایک طرف ہٹ کر کھڑا تھا جو سپاہی آگے کھڑا تھا اس
نے رعب دار آواز میں پوچھا۔

"کون ہو تم؟ یہاں کیا کر رہے ہو"۔

عمران نے رحم طلب انداز میں بڑی عاجزی سے کہا۔

"ماراج آدھی باسی ہوں...... کھاڑی کے پار جنگل میں کٹائی کا کام کرتا ہوں
راستہ بھول کر ادھر آنکلا ہوں"۔

کمانڈو سپاہی نے کہا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"۔

"شموگا مائی باپ...... شموگا میرا ناؤں ہے ماراج...... شوجی کا بھگت ہوں
دوسرے گاؤں سے محنت مزدوری کرنے یہاں آیا ہوں...... ماراج!"

سپاہی نے ایک سیکنڈ خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔

"تمہارے ساتھ اور کون ہے؟"۔

عمران بولا۔

"ماراج! میرا بڈھا باپو میرے ساتھ ہے جی...... ہم پیچھے ایک جھونپڑی میں رہتے
ہیں ماراج...... میرا بڈھا باپ وہاں روٹی وغیرہ پکاتا ہے"۔

عمران آخر ایک تجربہ کار کمانڈو تھا اور اس قسم کے کئی سپاہیوں کو بھگت چکا تھا،
دشمن کی قید میں بھی رہ چکا تھا...... اس پولیس کمانڈو فورس کے سپاہی کا انداز اور
اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اسے عمران پر شک پڑ چکا ہے اور وہ اسے یونہی نہیں چھوڑے گا
بلکہ آگے لگا کر اپنے ساتھ کسی جگہ پوچھ گچھ کے لئے لے جائے گا، چنانچہ اس نے
جان بوجھ کر اپنے ساتھ رہنے والے باپو کا ذکر کیا تھا کہ وہ اپنے باپو کے ساتھ جنگل
میں رہتا ہے...... دشمن کی خفیہ پولیس جب کسی جاسوس کو حراست میں لیتی ہے تو وہ
سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ اس جاسوس کے ساتھی کہاں کہاں روپوش
ہیں...... تاکہ اس پورے گینگ کو پکڑا جا سکے، چنانچہ اس پولیس کمانڈو نے بھی عمران
سے یہی سوال کیا تھا کہ تمہارے ساتھ اور کون ہے...... عمران نے جان بوجھ کر قصداً
اسے بتایا تھا کہ وہ اکیلا نہیں ہے، چنانچہ وہ پولیس کمانڈو فورس کا اناڑی کمانڈو اس کے
بچھائے ہوئے جال میں پھنس گیا اور سب مشین گن کی نالی کا منہ ایک طرف اشارہ
کرتے ہوئے بولا۔

"چلو...... ہم تمہارے باپو سے ملیں گے"۔

ایک سپاہی عمران کے دائیں جانب ہو گیا...... ایک اس کی بائیں جانب ہو گیا اور
دونوں اپنے اپنے اسلحے کی زد میں لے کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے...... عمران کو کیا
کرنا ہے، یہ اس نے پوری طرح سے سوچ لیا تھا...... وہ ہاتھ اوپر اٹھائے دونوں کمانڈو
سپاہیوں کے آگے آگے چل رہا تھا...... جنگل سے نکلتے ہی عمران رام جی کے مندر کی

طرف ہو گیا...... کمانڈو سپاہی نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"ارے اس طرف کہاں جا رہے ہو؟"۔

ادھر تو گھاٹ ہے"۔

عمران نے کہا۔

"ماراج وہ سامنے والے رام جی کے مندر میں میرا باپو رہتا ہے"۔

سپاہی نے سب مشین گن کی نالی عمران کی گردن سے لگاتے ہوئے کہا۔

"بھاگنے کی کوشش کی تو اڑا دوں گا"۔

اصل میں یہ دونوں سپاہی خفیہ پراجیکٹ کی سیکورٹی پولیس کمانڈو فور سپاہی تھے اور جو سپاہی عمران کو لے جا رہا تھا اسے عمران پر شک پڑ گیا تھا کہ یہ آدمی نہیں ہے...... عمران اس دوران رام جی کے مندر کے سامنے آگیا تھا...... اس لئے جبران کو کوٹھڑی کے باہر نکل کر ایک طرف چھپ کر بیٹھنے کی ہدایت کی اگر کوئی ایمر جنسی پیدا ہو گئی تو وہ دشمن کو گھیر کر یہاں لے آئے گا اور جبرا پوزیشن میں ہو گا کہ پیچھے سے دشمن کے سپاہی یا جاسوس پر وار کر کے اسے ختم کیونکہ یہاں دشمن کو زخمی کرنے یا اسے بھگانے یا اس سے بھاگنے کا سوال ہی پ ہوتا تھا...... عمران اور جبران کو مشن کو کامیاب بنانا تھا...... ہر حالت میں کامیاب اور اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی جان کی بازی لگا رکھی تھی اور راستے ہوئے دشمن کے کسی بھی جاسوس کو کسی حالت میں بھی زندہ نہیں چھوڑنا تھا مر جانا تھا یا اسے مار ڈالنا تھا...... مندر کے دروازے کے آگے آتے ہی عمران آواز دی۔

"ارے او باپو رے باپو...... باہر آئیو رے...... میری جان بچائیو باپو"۔

عمران کے آواز دینے سے پہلے ہی جبران نے عمران کو دیکھ لیا تھا کہ حراست میں ہے اور انہیں کسی ترکیب سے وہاں لے آیا ہے اور وہ انہیں وہا

تھا؟ کمانڈو جبران یہ بھی جانتا تھا، چنانچہ اس نے مندر کے دروازے کی ایک طرف رخت کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھنے سے پہلے مندر کے پیچھے والی جھاڑی میں جا کر اپنا پڑا ہوا آٹو میٹک پستول نکال لیا تھا...... اس وقت بھی پستول جس کے آگے سائی لینسر چڑھا تھا کمانڈو جبران کے ہاتھ میں تھا اور اس نے سوچ لیا تھا کہ ان دونوں پولیس کے سپاہیوں کو کس طرح ہلاک کرنا ہے...... جبران کو یہ فکر نہیں تھی کہ پستول کے فائر سے جنگل میں دھماکہ ہو گا جو اس کے ساتھیوں کو خبردار کر دے گا...... پستول کے آگے سائی لینسر لگا تھا اور اس میں سے فائر کے وقت صرف ہلکی سی ٹھک کی آواز ہی نکلتی تھی...... جہاں تک نشانہ لگانے کا سوال تھا جبران کوئی اناڑی اور معمولی پولیس کا سپاہی نہیں تھا...... وہ ایک تربیت یافتہ نشانے باز بھی تھا...... وہ دونوں پولیس کے سپاہیوں کی ایک جانب پہلو کی طرف تھا اور درمیان میں زیادہ سے زیادہ تین فٹ کا فاصلہ تھا...... دونوں سپاہی جبران کے نشانے کی زد میں تھے...... اس دوران عمران نے دوسری بار آواز دے کر کہا۔

"باپو! باپو! باہر آئیو...... باپو کہاں ہو تم رے؟"۔

وہ حقیقت میں جبران کو آواز دے رہا تھا کہ تم نے اتنی دیر کیوں لگا دی ہے...... تم دونوں کو شوٹ کیوں نہیں کرتے؟ کس کا انتظار کر رہے ہو؟ جبران کو خود بھی احساس تھا کہ اسے دیر نہیں لگانی چاہئے...... اگر ذرا سی بھی دیر ہو گئی تو بہت ممکن تھا کہ سپاہی عمران کو شوٹ کر دیتے۔

جبران نے سب سے پہلے اگلے سپاہی کا نشانہ لیا جس نے عمران کی طرف اپنی سب مشین گن تان رکھی تھی اور اب اسے گالیاں دینے لگا تھا...... جبران نے پہلا فائر کیا...... گولی اگلے سپاہی کی کھوپڑی میں ایک طرف سے گھس کر اس کے ٹکڑے اڑاتی ہوئی نکل گئی...... وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح گر پڑا...... اس کے ساتھ ہی جبران نے دوسرے سپاہی پر فائر کر دیا...... وہ بھی گر گیا...... اتنی دیر میں کمانڈو عمران نے دونوں

سپاہیوں کی سب مشین گنوں پر قبضہ کرلیا...... جبران نے پوچھا۔

"یہ دونوں کہاں سے تمہارے پیچھے لگے تھے؟"۔

عمران نے اسے ساری تفصیل بتائی اور اب ان لاشوں کو ٹھکانے لگاتے ہو

ہوسکتا ہے پولیس کی دوسری پارٹی ان کی تلاش میں اس طرف آجائے"۔

جبران بولا۔

"ابھی انہیں یہیں چھپادیتے ہیں...... شام کو اندھیرا ہوجانے کے بعد ا

جھیل میں پھینک دیں گے"۔

وقت وہ دونوں سپاہیوں کی لاشوں کو گھسیٹتے ہوئے مندر سے دور لے گ

انہیں ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپادیا...... سب مشین گنیں بھی لاشوں کے ساتھ

چھپادیں...... وہ کوئی ثبوت اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتے تھے۔

✿✿✿

اس کے بعد دونوں نے اپنے آٹومیٹک پستول بھی مندر سے چند قدموں کے
ٹیلے پر ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپادیئے...... ان کے ساتھ ہی کمانڈو چاقو بھی
پادیئے...... اب ان کے پاس سوائے بھنے ہوئے چنوں کے تھیلے کے اور کچھ نہیں
...... اتنے میں بوندا باندی ہونے لگی...... وہ کوٹھڑی میں بیٹھ کر غور کرنے لگے کہ
یں کس قسم کی منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہے...... عمران کہنے لگا۔

"ایک بات ظاہر ہے کہ ہم کسی دوسرے ذریعے سے پراجیکٹ کے اندر داخل
ں ہوسکتے...... یہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو ہماری اس سلسلے میں مدد کرسکتا......
کوئی دوسرا بھیس بھی نہیں بدل سکتے...... ہمارے پاس بھیس بدلنے کے لئے بھی
نہیں ہے"۔

جبران نے کہا۔

"توپھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"۔

کیونکہ وقت گزرتا جارہا ہے...... اور جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے بھارت کا نیوکلر
ٹراکٹ کا پلان تکمیل کے قریب پہنچتا جارہا ہے...... ہمیں فوری طور پر کچھ نہ کچھ
ہوگا۔

عمران نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"توپھر اس کی ایک ہی صورت ہے"۔

"وہ کیا؟" جبران نے پوچھا۔

عمران بولا۔

"وہ یہ کہ ہم زمین کے اندر سرنگ بنا کر پراجیکٹ کے بڑے کمرے تک پہنچ
کوشش کریں...... اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ مجھے نظر نہیں آتا"۔

جبران نے کس قدر تعجب کے ساتھ کہا۔

"ہم کتنی لمبی سرنگ کھود سکتے ہیں؟ یہ تو بڑا لمبا کام ہوگا"۔

عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ بیس پچیس فٹ ہی سرنگ کھودنی پڑے گی

"وہ کیسے؟" جبران نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"وہ اس طرح کہ ہم وہاں سے سرنگ کھودیں گے جہاں سے کانٹے دار تاروں
دیوار اور پراجیکٹ کے بڑے کمرے کا صرف بیس پچیس فٹ تک کا فاصلہ رہ جاتا ہے

جبران بولا۔

"لیکن یہ کام ہم وہاں بیٹھ کر کیسے کر سکیں گے جہاں پر پندرہ بیس منٹ بعد
پولیس فورس کی ایک پٹرول پارٹی گشت کرتی گزرتی ہے؟"۔

عمران کہنے لگے۔

"یہی تو ہمارا کمال ہوگا اور یہی ہماری ڈیوٹی بھی ہے...... ہمیں اسی دن کے
خاص طور پر ٹریننگ دی گئی ہے...... اگر ہم یہ نہیں کر سکتے تو ہمیں کمانڈو کہلوانے
حق نہیں ہے...... ہمارے پاس سرنگ کھودنے کے لئے کمانڈو چاقو خوش قسمتی
موجود ہیں...... ہم اسی سے کام لیں گے"۔

جبران سوچ میں پڑ گیا تھا...... سرنگ کھودنا اس کے نزدیک کوئی مشکل کا
تھا، لیکن اس میں خطرہ تھا کہ وہ پکڑے جائیں گے...... اس نے عمران سے جب

ہم سرنگ کی مٹی کہاں ڈالیں گے تو عمران نے کہا۔

"اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا...... یہ فیصلہ ٹارگٹ پر پہنچنے اور
کے لئے جگہ کا انتخاب کرنے کے بعد ہی کیا جائے گا"۔

دونوں اپنے اپنے خیالوں میں کھو گئے...... اس پلان میں کئی خطرات تھے...... کئی
بت تھے، لیکن انہیں ہر حال میں اس پلان پر عمل کرنا تھا...... ان کے سامنے اور
راستہ نہیں تھا...... عمران بولا۔

"اس رات ہم خاردار تاروں والی دیوار کے پاس کافی دیر تک لیٹے پراجیکٹ کے
کا جائزہ لیتے رہے تھے اور پولیس پارٹی پندرہ بیس منٹ کے بعد آئی تھی"۔

"ہو سکتا ہے جب ہم اپنا کام شروع کریں تو پولیس پارٹی جلدی وہاں پہنچ جایا
کرے"۔

عمران نے جبران کے ان خدشات پر صرف اتنا ہی تبصرہ کیا۔

"جبران! ایک بات میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر تم اس طرح سوچو گے تو
ہم کچھ نہیں کر سکیں گے...... میں آج رات ایک بار پھر مشاہداتی مہم پر جاؤں گا اور
جگہ کی نشاندہی کر کے آؤں گا جہاں سے ہمیں سرنگ کھودنی شروع کرنی ہوگی"۔

"کیا میرا تمہارے ساتھ جانا ضروری نہیں؟" جبران نے پوچھا۔

"نہیں" عمران نے جواب دیا...... "تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہوگی...... خواہ
تمہیں خطرے میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے"۔

وہ دونوں سارا دن مندر کی کوٹھڑی کے اندر ہی چھپ کر بیٹھے رہے...... کچھ تو یہ
جنگل میں ایک طرف ہٹ کر ویران جگہ پر تھا...... دوسرے بونداباندی شروع
تھی...... سارا دن وہاں کوئی پولیس پارٹی اپنے آدمیوں کی تلاش میں اس طرف نہ
یہ علاقہ ان کی گشت کی بیٹ میں بھی نہیں تھا...... وہ اپنے آدمیوں کو شاید کسی
طرف تلاش کرتے پھر رہے تھے...... ہو سکتا ہے وہ یہ بھی سمجھ رہے ہوں کہ

دونوں سپاہیوں کو کوئی شیر چیتا وغیرہ اٹھا کر لے گیا ہے...... شیر چیتا جب گھاڑ سے نکل کر ایک دم حملہ کرتا ہے تو اتنی اجازت نہیں دیتا کہ آدمی بندوق یا مشین فائر کر سکے...... وہ آناً فاناً شکار کو گرا کر اس کی گردن میں اپنے لمبے لمبے دانت گاڑ اور اسے گھسیٹتے ہوئے لے جاتا ہے۔

اندھیرا ہوتے ہی عمران اور جبران نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ پولیہ سپاہیوں کی دونوں لاشوں کو جھاڑیوں میں سے نکالا اور انہیں کندھوں پر لاد جھیل کی طرف لے گئے...... وہاں جھیل کے کنارے ایک طرف انہیں ڈال بڑے بڑے بھاری پتھر ان کی جیبوں اور پتلونوں کے اندر بھر دیئے اور اس انہیں جھیل میں گرا دیا...... جھیل بہت گہری تھی...... پتھروں کا بوجھ دونوں لا فوراً جھیل کی تہہ میں لے گیا...... سب مشین گنیں بھی ان کے ساتھ ہی جھ گرا دی گئیں۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ اپنی مندر والی پناہ گاہ میں واپس آ گئے...... تھوڑے بھنے ہوئے چنے کھائے...... دو تین کیلے کھائے...... ناریل کا پانی پیا او کے اندھیرے میں ہی پتوں کے فرش پر لیٹ گئے...... عمران نے آج رات کو کی نشاندہی کرنے کا پروگرام بنایا تھا جہاں سے وہ سرنگ کھودنے کا کام شروع تھا...... یہ بڑا دقت طلب کام تھا مگر اسے ہر حالت میں کرنا تھا...... یہ آزمائش اور امتحان کا وقت تھا اور وہ اس کے لئے پوری طرح سے تیار تھا...... کوئی حساب نہیں تھا...... اس کے اندازے کے مطابق جب رات کافی گزر گئی جبران سے کہا۔

"میرا خیال ہے مجھے چل دینا چاہئے...... رات کافی گزر گئی ہے"۔

جبران نے کوئی جواب نہ دیا...... وہ گہری نیند سو رہا تھا...... عمران نے ا کہا...... میں اپنے ریکی کے مشن پر جا رہا ہوں پیچھے خیال رکھنا"۔

کمانڈو عمران کوٹھڑی سے نکل آیا...... اس نے ہاتھ بڑھا کر دیکھا...... بوندا باندی م چکی تھی...... یہ اچھا شگون تھا...... اگرچہ بارش میں پولیس کی گشتی پارٹی کے آنے کا کان کم ہو جاتا تھا لیکن بارش میں عمران کو بھی جنگل میں راستہ تلاش کرنے میں شکل پیش آ سکتی تھی...... وہ مندر سے نکل کر سیدھا ان جھاڑیوں کی طرف گیا جہاں ہوں نے پوشیدہ جگہ پر مار کر ٹائم بموں کا ڈبہ...... اپنے آٹومیٹک پستول اور کمانڈو چاقو پائے ہوئے تھے...... عمران نے وہاں سے کمانڈو چاقو لے کر اسے اپنی دھوتی کے ڈب میں اچھی طرح سے چھپایا اور اللہ کا نام لے کر چل پڑا۔

جنگل کا راستہ اسے یاد ہو گیا تھا۔

وہ اندھیرے میں ایک طرف روانہ ہو گیا...... پہلے گھنا جنگل آیا...... پھر بانسوں کے جھنڈ شروع ہو گئے...... یہاں بانسوں کے جھنڈ میں وہ سرنگ نما راستہ تھا جو سیدھا کلر پلانٹ کی طرف جاتا تھا...... عمران اس جگہ سے بائیں جانب تیس چالیس گز تک ہٹ کر سامنے کی جانب چل پڑا...... کمانڈو چاقو اس نے دھوتی کے ڈھب میں سے نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا تاکہ اگر کوئی خطرہ پیش آ جائے تو اس سے نمٹا جا سکے...... اس جنگل میں شیر چیتے ہاتھی وغیرہ قسم کے جانور بالکل نہیں تھے...... شاید سمندر کا کنارا قریب ہونے کی وجہ سے وہ اس طرف نہیں آتے تھے اور جنگل کے اندر ہی رہتے تھے...... عمران بڑی سوجھ بوجھ اور عقل سے کام لیتے ہوئے آہستہ آہستہ اپنے ٹارگٹ کی طرف بڑھ رہا تھا...... آخر ایک بار پھر گھنا جنگل شروع ہو گیا...... یہ اس کے راستے کا آخری گھنا جنگل تھا...... وہ اس میں سے بھی گزر گیا...... بوندا باندی کی وجہ سے زمین، گھاس اور جھاڑیاں گیلی ہو گئی ہوئی تھیں اور اس کے چلنے سے پتوں کی آواز پیدا نہیں ہوتی تھی۔

اس کے باوجود وہ بڑی احتیاط سے پاؤں رکھ رہا تھا...... وہ چاروں طرف سے ہوشیار بھی تھا...... جنگل کی خاموشی پر اس کے کان برابر لگے ہوئے تھے...... ذرا سی

آہٹ بھی اسے سنائی دے سکتی تھی...... چلتے چلتے گھنے جنگل کا وہ ٹکڑا بھی ختم ہو گیا۔ یہاں اس نے دور درختوں کے تنوں کے درمیان سے دیکھا...... اسے نیوکلر پراجیکٹ کی اکلوتی بتی جھلملاتی نظر آ گئی...... وہ نیوکلر پراجیکٹ کے ارد گرد کے سب سے حسا علاقے میں داخل ہو چکا تھا...... اب وہ جھک کر چل رہا تھا...... پندرہ بیس قدم چلنے کے بعد سامنے خاردار تاروں کی باڑ آ گئی...... وہ وہیں بیٹھ گیا...... جھلملاتی بتی کی روشنی میں کھلی جگہ میں بنے ہوئے بارک نما کیبن دکھائی دے رہے تھے...... ان میں سے درمیان والا بڑا کیبن تھا اس کی پچھلی دیوار خاردار باڑ سے پندرہ بیس فٹ کے فاصلے پر تھی...... عمران کو اس جگہ سے سرنگ کھودنی شروع کرنی تھی...... اس نے وہیں جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھے بیٹھے سوچا کہ اسے اتنی لمبی سرنگ کھودنے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے...... اگر وہ دس پندرہ فٹ لمبی بھی سرنگ کھود لے تو خاردار تاروں والی دیوار کے اندر جا سکتا ہے...... اس کے بعد اسے صرف بڑے کمرے کے علاوہ ساتھ والے تینوں کمروں کے ساتھ مار کر ٹائم بم لگانے ہوں گے اور بموں کو لگانے سے پہلے مرہٹے چیف سائنس دان ڈاکٹر رگھو پتی اور اس کی اسسٹنٹ ڈاکٹر کملاوتی کو ہلاک کر ہو گا...... یہ کام اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ان کے کمروں کو تلاش کر کے وہاں ٹائم بم لگا دیئے جائیں...... یہ ساری باتیں ان کے مشن کا اہم ترین حصہ تھیں۔

عمران کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھا کہ جہاں جب وہ زمین کھود رہا ہو تو باہر اس کو کوئی نہ دیکھ سکے اور دن کی روشنی میں بھی پولیس پارٹی کے سپاہیوں کو وہ جگہ نہ آئے...... اندھیرے میں وہ خاردار باڑھ کے ساتھ ادھر ادھر دیکھنے لگا...... آخر ایک جگہ کانٹے دار دیوار کے بالکل ساتھ اُگی ہوئی تین چار جھاڑیاں نظر آ گئیں...... قریب جا کر بیٹھ گیا...... یہ کافی گھنی جھاڑیاں تھیں...... ان جھاڑیوں کے اندر سرنگ کھودی جا سکتی تھی...... اس نے کمانڈو چاقو سے زمین ذرا سی کھودی تو یہ د اسے بڑی خوشی ہوئی کہ زمین گیلی اور نرم تھی...... اس نے جھاڑیوں کے اندر ہی

ے چاقو کی مدد سے شاخیں کاٹ کر اتنی جگہ بنالی کہ وہ وہاں بیٹھ کر زمین کھود سکتا ......اس نے سوچا کہ کیوں نہ ابھی سے کام شروع کر دیا جائے، چنانچہ اس نے چاقو ے زمین کھودنی شروع کر دی...... زمین نرم ہونے کی وجہ سے اسے زیادہ دقت پیش ین آ رہی تھی...... زمین بڑی آسانی سے کھودی جا رہی تھی...... وہ مٹی جھاڑیوں کے ر ہی ادھر ادھر ڈالتا جا رہا تھا...... آدھے گھنٹے میں اس نے زمین میں اتنا گڑھا کھود لیا وہ اس میں بیٹھ کر چھپ سکتا تھا...... مٹی اس نے اس طرح سے جھاڑیوں کے اندر ر باہر بکھیر دی تھی کہ دن کی روشنی میں بھی وہ نظر نہیں آ سکتی تھی...... گڑھا تین ٹ گہرا ہو چکا تھا۔

اب اس نے خاردار باڑ کے رخ پر گڑھے کے اندر زمین کو کھودنا شروع کر دیا...... بھی اس نے تھوڑی سی زمین کھودی تھی کہ اسے دور سے آدمیوں کے باتیں کرنے کی واز آئی...... پولیس فورس کی گشتی پارٹی چلی آ رہی تھی...... عمران وہیں جھاڑیوں کی اخوں میں چھپ کر بیٹھ گیا...... باتیں کرنے کی آواز قریب ہوتی جا رہی تھی...... مران نے شاخ کو ذرا سا ہٹا کر دیکھا...... رات کی تاریکی میں اسے تین آدمیوں کے ائے سے دکھائی دیئے...... یہ پولیس فورس کے سپاہی تھے...... وہ ایک دوسرے باتیں رتے وہاں آ کر رک گئے جہاں عمران جھاڑیوں میں گڑھا کھود کر چھپا ہوا تھا...... اس نے سانس روک لیا اور بڑی آہستہ آہستہ سانس لینے لگا۔

پولیس کے سپاہی سگریٹ پینے لگے...... ایک سپاہی نے کہا۔

"گنگو اور رام دین کا کچھ پتہ نہیں چل سکا"۔

دوسرے سپاہی نے کہا۔

"بھیا میں تو جانتا ہوں کہ ان دونوں کو شیر اٹھا کر لے گیا ہے...... یہاں دشمن کا ئی دہشت گرد تو آ نہیں سکتا...... شیر چیتا ہی آیا ہو گا اور اس سے پہلے کہ وہ فائر کر سکتے نہیں اٹھا کر لے گیا"۔

تیسرے سپاہی نے کہا۔

"بھگوان کی باتیں بھگوان ہی جانے بھیا...... میری تو سمجھ میں یہ گورکھ دھ نہیں آیا"۔

پہلا سپاہی کہنے لگا۔

"ہماری انٹیلی جنس تفتیش کر رہی ہے"۔

دوسرا سپاہی بولا۔

"اس کی تفتیش سے کبھی کچھ ہوا ہے جواب ہوگا...... ارے بھیاجی! انہیں سب چھوڑ کر اپنے آدمیوں کی جنگل میں لاشیں تلاش کرنی چاہئیں"۔

تیسرا سپاہی کہنے لگا۔

"شیر چیتے نے لاش کہاں چھوڑی ہوگی...... بس وہاں چار چھ ہڈیاں ہی پڑ ہوں گی"۔

پہلا سپاہی بولا۔

"بھیا مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے...... کیا خبر کسی رات ہمیں بھی کوئی شیر چھلانگ لگا دبوچ لے"۔

دوسرے سپاہی نے کہا۔

"ہمیں رات کی ڈیوٹی پر چوکنا ہو کر رہنا چاہئے"۔

"کوشش تو یہی کرتے ہیں بھیاجی...... جو رام کرے وہی ہوگا"۔

اور تینوں سپاہی آگے چل دیئے...... عمران نے سکھ کا سانس لیا...... وہ ابھی تین فٹ گہرے گڑھے میں اکڑوں بیٹھا تھا...... اب گڑھے سے نکل آیا...... جب پارٹی کے سپاہی کافی دور نکل گئے اور ان کی آوازیں آنا بند ہو گئیں تو عمران دوبارہ کھودنے لگا...... آدھے گھنٹے تک وہ کام میں لگا رہا...... اس کے بعد اس نے کھدی جگہ کو ارد گرد کی جھاڑیوں کی شاخیں کاٹ کر اچھی طرح سے چھپایا اور واپس چل

جنگل میں وہ جس راستے سے آیا تھا اسی راستے سے چلتا ہوا واپس رام جی کے مندر پہنچ گیا...... حسب ہدایت جبران مندر کے باہر ایک جگہ چھپ کر اپنی ڈیوٹی دے ...اس نے اندھیرے میں عمران کو آتے دیکھا تو اس کے پاس آ گیا...... انہوں وہاں کوئی بات نہ کی اور کوٹھڑی میں آ گئے...... وہاں آ کر عمران نے اسے بتایا کہ اس نہ صرف سرنگ کھودنے والی جگہ کی نشاندہی کر دی ہے بلکہ تین فٹ گہرا گڑھا کھود رکی جانب دیوار میں ایک فٹ زمین بھی کھود ڈالی ہے...... جبران نے کہا۔

"کل رات میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا اور ہم باری باری سرنگ کھودیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"میں نے حساب لگایا ہے کہ ہمیں زیادہ لمبی سرنگ کھودنے کی ضرورت نہیں ہمیں صرف خاردار تاروں والی دیوار کے اندر جانا ہوگا اور اس کے لئے پانچ فٹ گ ہی کافی رہے گی...... ہم اس میں سے رینگ کر اندر جا سکیں گے"۔

جبران بولا۔

"یہ تم نے ٹھیک سوچا ہے...... اگر ہم نے کسی کمرے کے اندر پہنچنے کے لئے نہیں کھودنی تو پھر پانچ فٹ سرنگ ہی کافی رہے گی"۔

"اس کے بعد" عمران بولا...... "اس کے بعد ہمیں خود ہی اس کمرے کو تلاش کرنا جہاں پراجیکٹ کی خاص لیبارٹری ہے اور جہاں ہماری اطلاع کے مطابق رات کو کام جاری رہتا ہے"۔

جبران نے کہا۔

"خدا کرے کہ رات کی ڈیوٹی پر ہمیں چیف سائنس دان ڈاکٹر رگھو پتی اور اس کی ٹ ڈاکٹر کملاوتی بھی نظر آ جائیں...... اگر وہ نہ ہوئے تو ہمیں سب سے پہلے انہیں کے ہلاک کرنا ہوگا، کیونکہ نیوکلیائی راکٹ کا فارمولا ان دونوں کو یاد ہے......

صرف ان کی موت سے ہی یہ خطرناک فارمولا ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتا ہے"۔

عمران کہنے لگا۔

"معاملہ پیچیدہ ہے...... اگر فرض کر لیا کہ ہم سرنگ میں سے گزر کر اندھیرے میں لیبارٹری والے کمرے تک پہنچ جاتے ہیں اور اندر کسی درز سے جھانک کر دیکھتے ہیں اور وہاں ہمیں دونوں سائنس دان یعنی ڈاکٹر رگھوپتی اور کملاوتی نظر نہیں آتے تو ہمیں بم لگائے بغیر واپس آنا ہو گا، کیونکہ اگر ہم بم لگا کر اور وہ سارا پراجیکٹ تباہ بھی ہو جاتا ہے تو یہ کیسے ثابت ہو گا کہ ڈاکٹر رگھوپتی اور کملاوتی بھی پراجیکٹ کے ساتھ ہی ہلاک ہو گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ کسی دوسری جگہ ہوں...... ہو سکتا ہے وہ کسی دوسرے شہر گئے ہوں...... اس طرح ہمیں اپنا مشن کے لئے ملتوی کرنا پڑے گا جو ہم نہیں کر سکتے"۔

جبران نے کہا۔

"اب یہ تو چانس پر منحصر ہے...... خدا کرے کہ دونوں سائنس دان پراجیکٹ میں موجود ہوں اور جس رات ہم بم لگانے جائیں گے اس رات وہ دونوں بھی اس کے اندر کام کر رہے ہوں"۔

عمران بولا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا...... یہ تو کمانڈو ایریشن کی رات کو ہی معلوم ہو گا کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے"۔

جبران نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اگر ہم پراجیکٹ تباہ کرنے سے پہلے دونوں سائنس دانوں کو کسی طرح ہلاک کر دیتے ہیں تو کیا یہ مناسب نہیں رہے گا؟ میرا مطلب ہے کہ پراجیکٹ سائنس دانوں کی ہلاکت کے بعد تباہ کرنے کی کوشش کریں گے"۔

عمران نے اندھیرے میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"سیکورٹی والی پولیس فورس اتنی احمق نہیں ہے کہ ان کے اتنے اہم ترین پلانٹ کے دو چیف سائنس دان ہلاک کر دیئے جائیں اور وہ اس کے بعد ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہیں...... اس کے بعد تو عین ممکن ہے کہ بمبئی سے ہیلی کاپٹروں کے ذریعے آرمی کی پوری کی پوری کمانڈو بٹالین پراجیکٹ کی حفاظت کے لئے بلا لی جائے اور اس سارے علاقے کو فوج اپنے گھیرے میں لے کر ایک ایک جھاڑی کی تلاشی لینی شروع کر دے...... اس کے بعد ہمارے لئے یہاں رکنا ناممکن ہو جائے گا"۔

جبران بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو...... دونوں سائنس دانوں کی موت اور پراجیکٹ کی تباہی...... یہ دونوں کام ایک ساتھ ہی ہونے چاہئیں"۔

عمران کہنے لگا۔

"بس اب تو ہمارے مشن کی کامیابی کا انحصار اتفاق پر ہی ہے...... ہم اللہ کا نام لے کر آپریشن کی رات یہاں سے نکل پڑیں گے...... اگر ٹارگٹ پر دونوں سائنس دان موجود ہوئے تو ٹھیک ہے نہیں تو مشن کو ملتوی کر کے واپس آ جائیں گے اور ایک دو دن کے بعد پھر کوشش کر کے دیکھ لیں گے"۔

آخر اسی فیصلے پر دونوں کو اتفاق کرنا پڑا اور وہ سو گئے۔

دوسری رات جبران بھی عمران کے ساتھ گیا...... چھپتے چھپاتے...... کہیں جھک کر چلتے اور کہیں اندھیرے میں رینگ کر آگے بڑھتے اور پولیس فورس کی گشتی پارٹی سے بچتے اس جگہ پہنچ گئے جہاں جھاڑیوں کے اندر عمران نے تین فٹ گہرا گڑھا کھود رکھا تھا...... وہاں جاتے ہی عمران نے کمانڈو چاقو سے سرنگ کھودنی شروع کر دی...... نرم زمین ہونے کی وجہ سے زمین کھودنے کی آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی...... جبران اپنا کمانڈو چاقو لے کر وہاں سے ہٹ کر ایک اور جھاڑی کے پیچھے اندھیرے میں چھپ کر بیٹھ گیا تا کہ اگر کوئی گشتی پارٹی وہاں سے گزرے تو اس پر نظر رکھ سکے...... آٹومیٹک

پستول وہ خود ہی ساتھ نہیں لائے تھے...... اگرچہ سائی لینسر کی وجہ سے ان پستولوں کے فائر کا دھماکہ نہیں ہوتا تھا، اس کے باوجود وہ علاقہ ایسا تھا کہ وہاں پولیس فورس جگہ جگہ موجود تھی اور رات کو گشت لگاتی رہتی تھی اور کسی نہ کسی سپاہی تک سائی لینسر والے پستول کی آواز بھی پہنچ سکتی تھی اور یہ لوگ اس آواز کو خوب پہچانتے تھے۔

عمران اپنے کام میں بڑی جانفشانی سے لگا ہوا تھا...... پون گھنٹے میں اس نے کافی سرنگ کھود لی...... اتنے میں انہیں فوجی بوٹوں کی بھاری آواز سنائی دی...... دونوں کمانڈو اپنی اپنی جھاڑیوں میں دبک گئے...... ایک گشتی پارٹی آ رہی تھی...... یہ کوئی دوسرے تین سپاہی تھے...... انہوں نے کمانڈو فورس والی سیاہ وردیاں پہن رکھی تھیں اور رات کے اندھیرے میں سایوں کی طرح باتیں کرتے چلے آ رہے تھے...... سب مشین گنیں سب کے کاندھوں سے لٹک رہی تھیں...... وہ باتیں کرتے ادھر ادھر دیکھتے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے وہاں سے گزر گئے...... جب ان کے قدموں کی آواز دور چلی گئی تو جبران اپنی جھاڑی میں سے نکل کر عمران کے پاس آیا اور سرگوشی میں بولا۔

"تم باہر جا کر میری والی جھاڑی میں چھپ جاؤ...... اب میں سرنگ کھودوں گا......"

عمران اپنا چاقو لے کر جھاڑیوں میں سے نکل کر قریبی جھاڑیوں میں گھس کر بیٹھ گیا...... انہیں صرف پون گھنٹہ مزید سرنگ کھودنی تھی...... اس سے زیادہ وقت کا خطرہ وہ مول لے بھی نہیں سکتے تھے، چنانچہ اس پون گھنٹے میں کوئی گشتی پارٹی اس طرف نہ آئی...... ایسے لگتا تھا کہ وہاں پٹرول پارٹی ایک ایک گھنٹے کے بعد راؤنڈ لگاتی تھی...... اس حساب سے جب پون گھنٹہ گزر گیا تو عمران رات کی تاریکی میں جھاڑیوں میں سے نکل کر جبران کے پاس آیا اور سرگوشی میں اس سے کہا۔

"اب باقی کام کل رات کو ہوگا"۔

انہوں نے گڑھے میں سے نکل کر مٹی کو اٹھا اٹھا کر ادھر ادھر بکھیر دیا...... گڑھے کو بھی جھاڑیوں اور پتوں سے اچھی طرح سے چھپایا اور واپس چل پڑے...... رات

تاریک اور خاموش تھی...... ایک بات عمران نے بھی نوٹ کی تھی کہ خاردار تاروں والی دیوار کے اندر تینوں بارکوں میں سے ایک بڑے کمرے کے روشن دانوں میں ساری ساری رات روشنی رہتی تھی...... اس نے جبران کو یہ بات بتائی اور پھر سرگوشی میں کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہی پراجیکٹ کی لیبارٹری ہے اور اسی جگہ رات کے وقت بھی نیوکلیائی ریسرچ کا کام جاری رہتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ دونوں سائنس دان وہاں ضرور موجود ہوتے ہوں گے"۔

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو"۔

پراجیکٹ کے احاطے کی کانٹے دار تاروں والی دیوار کے قریب سے وہ رینگ رینگ کر نکلے...... کافی آگے آ کر وہ اٹھے اور جھک کر بڑی احتیاط سے چلتے گھنے جنگل کے درختوں کے نیچے سے ہو کر گزر گئے...... آگے بانسوں کے گھنے درخت تھے...... وہاں سے بھی چاروں طرف سے چوکنے ہو کر نکل گئے...... روز رات کو آنے جانے سے ان کو اندھیرے میں بھی ایک ایک درخت کی پہچان ہو گئی تھی اور انہیں راستہ تلاش کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی...... صرف انہیں رک رک کر بڑی احتیاط سے آہستہ آہستہ چلنا پڑتا تھا...... ان کے مشن کی نوعیت اس قسم کی تھی کہ وہ ذرا سی بھی غفلت سے کام نہیں لے سکتے تھے۔

دوسرا سارا دن انہوں نے مندر کے اندر ہی گزار دیا...... ان میں سے ہر ایک کی باری یہ ڈیوٹی دیتا تھا کہ اگر عمران مندر کے اندر ہوتا تو جبران مندر کے باہر آ کر کسی جگہ چھپ کر پہرہ دیتا اور جب جبران کوٹھڑی میں چلا جاتا تو عمران باہر آ کر پہرہ دینے لگتا، تاکہ اگر کوئی ایمرجنسی کی صورت پیدا ہو جائے اور کوئی سپاہی ادھر آ جائے تو کم از کم ایک کمانڈو باہر رہ کر دوسرے کی مدد کر سکے...... دوسری رات کو بھی وہ ٹارگٹ پر پہنچ کر سرنگ کی کھدائی کرتے رہے...... چوتھی رات انہوں نے اپنے حساب سے اتنی سرنگ کھود لی تھی کہ وہ خاردار باڑ کے اندر تین چار فٹ تک آگے آ گئے تھے......

عمران نے جبران کو بلایا...... وہ دوسری جھاڑی میں سے نکل کر اندھیرے میں رینگتا عمران کی جھاڑیوں میں آ گیا...... عمران نے سرگوشی میں کہا۔

"میرا خیال ہے ہم نے جتنی سرنگ کھودنی تھی اتنی کھود لی ہے...... تم یہاں جھاڑی میں ہی چھپ کر بیٹھے رہو...... میں اندر جا کر سرنگ کو اوپر سے کھودتا ہوں"۔

یہ کہہ کر عمران تین فٹ گہرے گڑھے میں اتر گیا اور پانچ فٹ لمبی سرنگ اندر رینگتا ہوا آگے تک چلا گیا...... یہاں آ کر اس نے چاقو اوپر کی طرف چلانا شروع کر دیا...... مٹی اس کے اوپر گرنے لگی...... وہ ایک ہاتھ سے مٹی سرنگ میں پیچھے ہٹانے لگا...... کافی دیر کی کوشش کے بعد اس نے اوپر زمین میں اتنا سوراخ کر لیا کہ اوپر سے تازہ ہوا نیچے آنے لگی...... عمران نے خوش ہو کر زیادہ زور سے چاقو چلانا شروع کر دیا...... اس نے سوراخ کو اتنا چوڑا کر لیا کہ وہ اس میں سے گردن نکال کر باہر دیکھ سکتا تھا...... اس نے گردن باہر نکال کر دیکھا...... اس کا خیال تھا کہ وہ خاردار باڑ سے کم از کم چار فٹ آگے نکل چکا ہو گا، مگر جب اس نے گردن باہر نکال کر دیکھا تو وہ خاردار باڑ سے بمشکل ڈیڑھ فٹ آگے تھا...... بڑی بیرک میں روشنی ہو رہی تھی...... باہر دو گاڑیاں بھی کھڑی تھیں...... یہ بیرک لیبارٹری تھی جہاں رات کو بھی ریسرچ پر کام ہوتا تھا۔

عمران سرنگ سے باہر آ گیا...... اس نے جبران کے پاس جا کر اسے بتایا کہ سرنگ اندر تک چلی گئی ہے اور میں نے گردن نکال کر باہر جائزہ لیا ہے اور سرنگ خاردار باڑ سے ڈیڑھ فٹ ہی آگے ہے...... اس نے کہا۔

"میں اسے ڈھانپنے جا رہا ہوں"۔

عمران نے جھاڑیوں کی کچھ شاخیں توڑیں اور انہیں لے کر سرنگ میں گھس گیا...... سرنگ کے اندر جہاں اس نے اوپر کی جانب سوراخ کیا تھا جھاڑیوں کی شاخیں اس سوراخ کے اندر سے گلدستے کی طرح باہر نکال دیں اور انہیں ہاتھ سے اوپر کی جانب اس طرح پھیلا دیا کہ سوراخ باہر سے پوری طرح ڈھک گیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر عمران سرنگ والے گڑھے سے باہر نکل آیا...... ادھر ادھر گھاس وغیرہ سے اس نے گڑھے کے دہانے کو بھی ڈھانپ دیا...... اگرچہ یہ گڑھا انہوں نے جھاڑی کے اندر کھودا تھا...... پھر بھی احتیاط کے طور پر عمران نے اس پر گھاس پھوس ڈال کر اسے ڈھانپ دیا تھا...... وہ رینگتا ہوا اس جھاڑی میں آ گیا جہاں جبران چھپ کر بیٹھا ہوا تھا...... اس نے سرگوشی میں کہا۔

"اب نکل چلو"۔

اس کے ساتھ ہی دونوں شبنم میں بھیگی گھاس اور جھاڑیوں کے درمیان رینگتے ہوئے واپس روانہ ہو گئے...... مندر والی پناہ گاہ میں آ کر وہ گھاس اور پتوں کے فرش پر لیٹ گئے...... عمران نے دھیمی آواز میں کہا۔

"جبران! کل اسی وقت ہمارا کمانڈو آپریشن شروع ہو جائے گا...... تمہیں اگر کوئی اعتراض یا شک شبہ ہو تو بتا دو"۔

جبران بولا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے...... اللہ کا نام لے کر چل پڑیں گے...... آگے جو ہو گا"۔

دوسرا دن بھی انہوں نے اپنے منصوبے پر مزید غور و فکر میں گزار دیا...... دونوں نے کوئی مندر کی حدود سے باہر نہ نکلا...... جب سورج غروب ہو گیا تو جبران مندر کے پیچھے گیا اور جھاڑیوں میں چھپایا ہوا مارکر ٹائم بموں کا ڈبہ اور آٹومیٹک پستول لے آیا۔ عمران نے پانچ ٹائم بم جبران کو دے دیئے اور باقی اپنے پاس رکھ لئے...... اس نے جبران سے کہا۔

"یاد رکھنا...... ان بموں کو لگانے کے بعد ان کی کیپ کو دو بار دبانا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کا ٹائم فیوز چل پڑے گا اور یہ بھی یاد رکھنا کہ ان کے پھٹنے کا وقفہ دو گھنٹے ہے"۔

جبران کہنے لگا۔

"عمران! اگر فرض کر لیا کہ جب ہم لیبارٹری والی بیرک کی طرف جائیں گے اندر دونوں سائنس دان موجود نہ ہوئے یا ان میں سے صرف ایک موجود ہوا تو صورت میں ہماری حکمت عملی کیا ہو گی؟"۔

عمران نے جواب دیا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں...... ایسی صورت میں ہمیں بم لگائے بغیر واپس آنا ہو گا...... کیونکہ فساد کی اصل جڑ تو دونوں سائنس دان ہیں جن کے دماغوں میں نیوکلیئر راکٹ کا فارمولا محفوظ ہے...... اگر ہم انہیں ہلاک نہیں کرتے تو لیبارٹری کو تباہ کرنا بے سود ہو گا...... ایسی صورت میں ہمیں دوسرے دن پھر جانا پڑے گا...... اس کے سوا چارہ نہیں ہے"۔

یہ ان کی سب سے بڑی مجبوری تھی...... وہ سوائے یہ دعا مانگنے کہ آج رات لیبارٹری میں دونوں چیف سائنس دان یعنی ڈاکٹر رگھوپتی اور اس کی اسسٹنٹ ڈاکٹر کملا موجود ہو اور کچھ نہیں کر سکتے تھے...... انہوں نے اپنے اپنے حصے کے مارکر ٹائم بم پستول دھوتی کے ڈھب میں چھپا کر رکھ لئے...... کمانڈو چاقو ہاتھوں میں پکڑ لئے اور گھری ہونے کا انتظار کرنے لگے...... عمران نے کہا۔

"یہ بھی یاد رکھنا کہ بم لگانے کے بعد ہمیں جتنی جلدی ہو سکے ٹارگٹ سے الگ ہو جانا ہے اور ہم نیچے جے گڑھ گھاٹ سے گزر کر آگے جنگل میں داخل ہو جائیں۔ رتناگری کے ساحلی شہر تک جتنی دور جا سکیں ہمیں نکل جانا ہو گا...... اگر ہم رتناگری بندرگاہ پر پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو وہاں سے ہمیں دن کے وقت کیرالہ کی جانے والا کوئی نہ کوئی سٹیمر مل جائے گا" اگر فرض کر لیا کہ ہم ٹارگٹ پر کسی وجہ سے ایک دوسرے سے بچھڑ جاتے ہیں تو ہمیں کوشش کر کے رتناگری تک پہنچنا ہو گا......؟ جو وہاں پہلے پہنچے گا وہ دوسرے کا انتظار کرے گا"۔

"ٹھیک ہے" جبران نے کہا۔

عمران نے کوٹھڑی سے باہر نکل کر دیکھا...... آسمان پر تارے نکلے ہوئے تھے...... تاروں سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ ابھی آدھی رات نہیں گزری...... اس نے اندر آکر جبران سے کہا۔

"ہمیں کم از کم آدھا گھنٹہ اور انتظار کرنا ہو گا"۔

آدھا گھنٹہ وہ کوٹھڑی کے اندر ہی بیٹھے دھیمی آواز میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے...... جب عمران نے محسوس کیا کہ اب انہیں ایکشن شروع کر دینا چاہئے، وقت ہو گیا ہے...... اس نے جبران سے کہا۔

"چلو"۔

جبران جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا...... دونوں کوٹھڑی سے باہر نکل آئے...... آسمان پر تارے چمک رہے تھے...... ان کی ہلکی نیلگوں روشنی میں جنگل کے درخت اور جھاڑیوں کے خاکے نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے...... وہ ایک دوسرے کے درمیان فاصلہ ڈال کر ٹارگٹ کی طرف روانہ ہو گئے...... یہ ان دونوں محب وطن کمانڈوز کی وہاں آخری رات تھی...... یہ ان کی زندگیوں کی آخری رات بھی ثابت ہو سکتی تھی...... دونوں الگ الگ ہو کر چل رہے تھے...... ایک مقام پر پہنچ کر وہ جھک کر پاؤں سمیٹ کر چلنے لگے...... اس کے بعد جنگل کا وہ خطرناک علاقہ شروع ہو گیا جہاں انہیں رینگ کر چلنا تھا...... وہ اوندھے لیٹ گئے کہنیوں کے بل آہستہ آہستہ رینگ کر فاصلہ طے کرنے لگے...... ٹارگٹ کے آس پاس کا علاقہ ان کا دیکھا بھالا تھا...... بادل چھٹ جانے کے بعد کھلے آسمان پر ستارے خوب چمک رہے تھے...... ان کی دھیمی دھیمی روشنی میں درختوں، جھاڑیوں کے خاکے صاف دکھائی دے رہے تھے...... خاردار باڑ سے پچاس فٹ کے فاصلے پر پہنچ کر وہ رینگتے ہوئے ایک دوسرے سے آ کر مل گئے...... اب وہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے رینگ رہے تھے...... انہیں معلوم تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے...... ہر چیز کی نشاندہی ہو چکی تھی۔

اب جبران کو کسی الگ جھاڑی میں پیچھے رہ کر چھپنے کی ضرورت نہیں تھی...... اسے عمران کے ساتھ ہی سرنگ میں سے گزر کر اندر ٹارگٹ تک پہنچنا تھا...... عمران آگے آگے تھا...... خاردار تاروں والی دیوار انہیں واضح طور پر دکھائی دینے لگی تھی...... وہ بائیں طرف سے ہو کر جھاڑیوں کی اوٹ میں رینگتے ہوئے اس جھاڑی کے قریب پہنچ گئے جہاں سے انہوں نے سرنگ میں اترنا تھا...... اچانک انہیں قدموں کی آہٹ سنائی دی...... وہ تڑپ کر جلدی سے ادھر ادھر جھاڑیوں میں چھپ گئے اور دم سادھ کر جھاڑیوں کی شاخوں میں سے دیکھنے لگے...... قدموں کی آہٹ قریب آ رہی تھی...... انہیں سگریٹ کے تمباکو کی بو محسوس ہوئی...... پھر کسی کے ہلکے سے قہقہے کی آواز سنائی دی...... کسی نے دوسرے کو کچھ کہا جو صاف سنائی نہ دے سکا...... یہ پولیس کمانڈ فورس کی پٹرول پارٹی تھی...... عمران اور جبران الگ الگ جھاڑیوں میں سانس روکے بالکل ساکت ہو کر بیٹھے تھے...... اندھیرے اور ستاروں کی مدھم روشنی میں چا آدمیوں کے خاکے ابھرے...... یہ پولیس فورس کی پٹرول پارٹی کے چار سپاہی تھے...... ان میں سے ایک سپاہی سگریٹ پی رہا تھا...... سگریٹ کا سرخ گل اندھیرے میں دو ایک بار چمک کر غائب ہو گیا...... چاروں سپاہی باتیں کرتے آہستہ آہستہ ان کے آگے سے گزر گئے...... جب ان کے قدموں کی آواز دور ہو گئی تو سب سے پہلے عمران اپنی جھاڑی میں سے رینگتا ہوا باہر نکلا۔

جبران بھی اسے دیکھ کر رینگتا ہوا جھاڑی میں سے باہر نکل آیا...... دونوں کا رُ سرنگ والی جھاڑی کی جانب تھا...... جھاڑی کے پاس آ کر وہ تیزی سے رینگ کر جھا میں داخل ہو گئے...... یہاں آ کر دونوں سمٹ کر لیٹے رہے...... عمران نے سرگو میں کہا۔

”میں سرنگ میں اتر رہا ہوں“۔

یہ کہہ کر عمران سرنگ میں اتر گیا...... وہ کہنیوں کے بل چلتا سرنگ کے اندر

م پر آ گیا جہاں اس نے اوپر والے سوراخ کو جھاڑیوں سے ڈھانپ رکھا تھا...... اس فوراً چاقو نکالا...... جھاڑیوں کو سوراخ میں سے اندر کھینچا اور چاقو سے سوراخ کو چوڑا نے لگا...... مٹی اس کے اوپر گر رہی تھی...... وہ سوراخ کو چوڑا کئے جا رہا تھا...... جب راخ اتنا چوڑا ہو گیا جس میں سے وہ باہر نکل سکتے تھے تو عمران نے دونوں ہاتھ باہر کر کہنیاں ٹکا کر سر بھی باہر نکال لیا اور غور سے چاروں طرف دیکھا۔

وہاں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی...... بیرک کے باہر دھیمی روشنی والا اکلوتا ب روز کی طرح روشن تھا...... درمیان والی بڑی بیرک کے روشن دان روشن اس کا مطلب تھا کہ لیبارٹری میں کام ہو رہا تھا...... جب عمران کو تسلی ہو گئی کہ پاس کوئی گارڈ یا سنتری وغیرہ نہیں ہے تو وہ سوراخ میں سے باہر نکل کر زمین پر ہی اوندھا لیٹ گیا...... اس کے پیچھے جبران بھی سوراخ میں سے نکل کر باہر آیا...... وہ خاردار تاروں والی دیوار سے ڈیڑھ فٹ آگے اندر کی طرف تھے...... پٹرول کے بارے میں انہیں معلوم تھا کہ اب وہ کم از کم آدھ پون گھنٹے کے بعد وہاں راؤنڈ ا گے...... عمران نے لیٹے لیٹے جبران کے کان کے پاس منہ لا کر سرگوشی میں کہا۔

”میں درمیان والی بارک کی طرف جا رہا ہوں...... تم میرے پیچھے پیچھے آؤ بیرک کے پاس جا کر تم ایک طرف رک کر چھپ جاؤ گے، لیکن اپنی نظریں مجھ و گے...... میں بیرک کے اندر جھانک کر دیکھنے کی کوشش کروں گا...... اس کے بعد ے تمہیں سگنل دوں گا...... اگر میں نے آل کلیئر کا سگنل دیا تو تم فوراً بیرک کی طرف والی دیوار کی طرف نکل جاؤ گے اور وہاں بم لگا کر ہر ٹائم بم کی کیپ دو دبا دو گے...... اس کام سے فارغ ہوتے ہی تم اپنے طور پر سرنگ کی جانب واپس گے...... میں بیرک کی دیوار کی بائیں جانب بم لگاؤں گا...... او کے...... جاؤ“۔

اور وہ آگے بڑھے...... اب وہ تیزی سے رینگ رہے تھے...... وہاں اندھیرا تھا...... سے نظر نہیں آ سکتے تھے...... پھر بھی وہ ایک سیکنڈ بھی ضائع نہیں کر سکتے تھے......

بیرک کی دیوار کے قریب پہنچ کر جبران ایک طرف اونچی گھاس میں چھپ گیا۔

یہاں سے عمران آگے بڑھا...... بیرک کے روشن دان میں سے روشنی آرہی تھی، مگر عقبی دیوار میں کوئی کھڑکی وغیرہ نہیں تھی...... عمران دیوار کے رینگتا دوسری طرف آگیا...... یہاں اسے بیرک کے اندر سے آدمیوں کے کرنے کی ایک دوبار آواز سنائی دی...... پھر ایسی مشین کی آواز آئی جیسے کوئی جارہی ہو...... مشین کی آواز رک گئی...... عمران نے سر اٹھا کر دیوار کو دیکھا...... میں زمین سے چار ساڑھے چار فٹ اونچی ایک کھڑکی تھی...... اس کھڑکی کے میں سے روشنی آرہی تھی...... کھڑکی بند تھی...... عمران دیوار کے ساتھ لگ کر ہو گیا اور آہستہ آہستہ کھڑکی کی طرف کھسکنے لگا...... کھڑکی کے پاس جا کر اس نے جانب سے سر ذرا سا آگے کر کے بند کھڑکی کے شیشے میں سے اندر نگاہ ڈالی۔

اندر تین چار بلب روشن تھے...... کافی روشنی ہو رہی تھی...... اس روشنی اسے لمبے لمبے سفید کوٹ میں ملبوس چھ سات آدمی نظر آئے...... تین آدمی میز رکھے کمپیوٹروں کے آگے بیٹھے تھے...... دو آدمی دیوار پر لگے شیشے کے ڈائیلوں آگے کھڑے نوٹ بک پر کچھ نوٹ کرتے جارہے تھے...... دو لمبے کوٹ والے سائنس دان ایک میز پر آمنے سامنے جھکے شیشے کی نلکیوں میں کوئی سیال محلول ڈال کر آہستہ آہستہ ہلا کر دیکھ رہے تھے...... عمران نے انہیں پہچان لیا...... ان میں سے بوڑھا چیف سائنس دان ڈاکٹر رگھوپتی تھا اور دوسری اس کی اسسٹنٹ ڈاکٹر تھی...... دونوں کے چہرے لیبارٹری کی تیز روشنیوں میں عمران کو صاف اور وا نظر آرہے تھے...... اس نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ دونوں سائنس دان پر موجود تھے...... وہ وہیں بیٹھ گیا اور رینگتے ہوئے پیچھے کی طرف آگیا...... یہ اسے وہ جھاڑی اور اونچی گھاس نظر آرہی تھی جس کے اندر چھپا ہوا کمانڈر جب کے سگنل کا بے تابی سے انتظار کر رہا تھا...... عمران نے اس طرف ہاتھ اٹھا کر

اندھیرے اور تاروں کی دھیمی روشنی میں ہاتھ کو ہلاتے ہوئے خاص سگنل دیا جس کا مطلب آل کلیئر اور یہ بھی تھا کہ دونوں سائنس دان ٹارگٹ پر موجود ہیں...... اس کے ساتھ ہی عمران تیزی سے ایک طرف کو رینگتا ہوا لیبارٹری کی مشرقی دیوار کی طرف ہو گیا...... جبران بھی اس وقت جھاڑیوں میں سے نکل آیا اور تیزی سے کہنیوں کے بل رینگتے ہوئے لیبارٹری کی مغربی دیوار کی طرف گھوم گیا۔

دونوں اپنے اپنے ٹارگٹ میں جا کر ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے...... اب انہیں ایک دوسرے کو کچھ کہنے اور کسی قسم کے سگنل دینے کی ضرورت نہیں تھی...... اب انہیں اپنے اپنے بم لگا کر اپنے طور پر وہاں سے نکل کر سرنگ کی طرف جانا تھا...... عمران لیبارٹری کی دیوار کے بالکل ساتھ لگ کر اوندھا لیٹا ہوا تھا...... اس نے دھوتی کی ڈھب میں سے مارکر ٹائم بم نکال کر اپنے سامنے گھاس پر رکھ لئے تھے...... سب سے پہلے اس نے سامنے دیوار کے ساتھ دو مارکر بم اس طرح لگا دیئے کہ وہ دیوار کے ساتھ اُگی ہوئی گھاس میں چھپ گئے تھے...... یہ بم دیوار کی بنیادوں کے پاس لگائے گئے تھے اور انہوں نے پھٹ کر لیبارٹری کی دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے لیبارٹری کے سائنس دانوں سمیت فضا میں منتشر کر دینا تھا...... دو بم لگانے کے بعد عمران رینگتا ہوا آگے بڑھا...... دو فٹ کے فاصلے پر اس نے مزید دو ٹائم بم جو مارکر پنسل کی شکل کے تھے دیوار کے ساتھ گھاس کے خوشوں کے پیچھے لگا دیئے...... پہلے دونوں بموں کے کیپ دو دو بار دبا کر اس نے ان کے ٹائم فیوز اُون کر دیئے تھے...... اسی طرح اس نے دوسرے دو بموں کے کیپ بھی دو دو بار دبائے اور ان کے ٹائم فیوز اون کر دیئے...... اس طرح عمران نے مزید دو بم دیوار کے کونے کے پاس چسپاں کر دیئے۔

اب اس کا مشن ختم ہو گیا تھا...... اپنے حصے کے چھ کے چھ ٹائم بم اس نے لیبارٹری کی عقبی دیوار کے ساتھ نیچے کر کے چسپاں کر دیئے تھے اور ٹائم فیوز نے اون ہو کر الٹی گنتی شروع کر دی تھی...... دو گھنٹوں کے بعد ان بموں کو پھٹ پڑنا تھا......

عمران کو اب واپس جانا تھا...... وہ تیزی سے واپس مڑا اور گیلی گھاس پر اوندھا لیٹا کہنیوں کے بل سرنگ کے دہانے کی طرف رینگنے لگا...... وہ سرنگ کے پاس پہنچ گیا...... اس نے تیزی سے اپنے جسم کا رخ بدل لیا...... اس نے سرنگ کے سوراخ میں اپنی دونوں ٹانگیں داخل کر دیں...... پھر گردن تک سرنگ میں اتر گیا اور لیبارٹری کی بیرک کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا...... جبران ابھی تک واپس آتا نظر نہیں آیا تھا...... وہ حیران تھا کہ اس نے اتنی دیر کیوں لگا دی ہے...... اس وقت تک اسے واپس آ جانا چاہئے تھا...... اچانک اسے جبران مغربی دیوار کی اوٹ میں سے رینگ کر باہر نکلتا دکھائی دیا...... جبران مغربی دیوار سے پندرہ بیس فٹ تک آگے نکل آیا...... سرنگ سے لیبارٹری والی بیرک کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ چالیس فٹ تک ہو گا۔

تب ایک ایسی بات ہو گئی جس کے بارے میں جبران اور عمران نے سوچا بھی نہیں تھا...... جیسے ہی جبران رینگتا ہوا لیبارٹری کی دیوار سے پندرہ بیس گز آگے کھلی جگہ میں آیا...... اچانک سامنے والی بیرک کا دروازہ کھلا اور اندر سے دو کمانڈو سپاہی باتیں کرتے باہر نکل آئے...... جبران وہیں دبک گیا، لیکن دروازہ کھلنے سے اندر کی روشنی باہر پڑی تھی اور اس روشنی میں ایک سپاہی نے جبران کو رینگتے ہوئے دیکھ لیا تھا...... اس نے وہیں سب مشین گن تانی چیخ کر ہالٹ کیا اور چھلانگ لگا کر دوڑتا ہوا جبران کے سر پر پہنچ گیا...... دوسرا سپاہی بھی دوڑتا ہوا وہاں آ گیا...... ایک سپاہی نے مشین گن کی نال جبران کے سر کے ساتھ لگا دی...... دوسرے نے جبران کو گردن سے دبوچ کر اٹھا لیا۔

عمران کی آنکھوں کے سامنے یہ سارا افسوس ناک ڈرامہ ہو رہا تھا اور وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا...... اس کے پاس آٹومیٹک پستول ضرور تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ پستول نکال کر فائر کرتا دونوں کمانڈو سپاہی جبران کو پکڑ کر سامنے والی بیرک کے اندر گھسیٹتے ہوئے لے گئے...... اگر عمران فائر بھی کرتا تو اتنی دور سے وہ زیادہ سے زیادہ ایک سپاہی کو مار سکتا تھا جبکہ دوسرا سپاہی ایک دم فائر کھول کر وہاں پر موجود پوری کمانڈو فورس

یس کو بیدار کر سکتا تھا اور پھر نہ صرف یہ کہ عمران بھی پکڑا جاتا بلکہ عین ممکن تھا کہ ن کا مشن بھی ناکام ہو جاتا، کیونکہ بیک وقت دو غیر ملکی جاسوسوں کا ٹارگٹ پر پکڑا جانا ن بات کی نشان دہی کرتا تھا کہ انہوں نے وہاں ضرور کوئی تخریب کاری کی ہے اور ت ممکن ہے کہ وہ لوگ لگائے ہوئے بم بھی تلاش کر لیتے۔

اب عمران کو ایک ہی فکر تھی کہ کہیں وحشیانہ اذیت سے گھبرا کر جبران راز فاش کر ڈالے، لیکن اس کا دل کہتا تھا کہ جبران ایک محبِ وطن کمانڈو ہے...... وہ خود جائے گا لیکن زبان نہیں کھولے گا...... جیسے ہی سپاہی جبران کو گھسیٹتے ہوئے بیرک کے اندر لے گئے عمران نے فوراً سر سرنگ کے اندر کیا اور سرنگ میں سے الٹا رینگتا باہر لا اور جنگل کی تاریکی میں ایک طرف کو دوڑنے لگا...... جنگل کے اندھیرے اور ختوں کی شاخوں کی رکاوٹوں کو ہاتھوں سے پرے ہٹاتا وہ اندھا دھند بھاگا جا رہا تھا تاکہ ن سے پہلے کہ پولیس کی پارٹی جبران کے ساتھیوں کی تلاش میں باہر نکلے وہ ٹارگٹ ے جتنی دور نکل سکتا ہے نکل جائے...... وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ ان کے لگائے ئے بم پھٹتے ہیں یا نہیں اور ان کا مشن کامیاب ہوتا ہے یا نہیں...... کہیں ایسا تو نہیں ہو جائے گا کہ جبران دشمن کی دی جانے والی اذیتوں سے گھبرا کر یہ بتا دے کہ انہوں نے بم لگائے ہیں اور ان کے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے...... عمران کو اپنی فتاری کی اتنی فکر نہیں تھی جتنی یہ جاننے کی پریشانی تھی کہ مار کر بم وقت پر پھٹتے ہیں نہیں۔

جبران پکڑا گیا تھا...... یہ ان کے مشن کا ایک حصہ تھا...... کئی بار کمانڈو اپنے رگٹ مارتے ہوئے دشمن کے ہتھے بھی چڑھ جاتے ہیں...... جبران بھی پکڑ لیا گیا ...... وہ خود بھی پکڑا جا سکتا تھا، لیکن وہ بچ گیا تھا...... اب وہ اپنے مشن کی کامیابی یا ی کا ثبوت چاہتا تھا...... جب عمران جنگل میں اس جگہ آ گیا جہاں سے جے گڑھ کا ٹ تھوڑی دور رہ گیا تھا تو وہ ایک گھنے درخت کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا...... اس نے

اپنے آپ کو درخت کی شاخوں میں اچھی طرح سے چھپالیا...... وہ جانتا تھا کہ اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا...... بموں کے ٹائم فیوز اُون کئے بیس منٹ گزر گئے تھے...... اب صرف ڈیڑھ گھنٹے کی بات تھی...... اتنے وقت میں ہی نتیجہ سامنے آنا تھا...... اگر اتنی مدت میں بم پھٹ جاتے ہیں تو پھر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ کوئی پولیس پارٹی اس کی تلاش میں عمران تک پہنچ سکے...... بم اتنے طاقتور تھے اور اتنے زیادہ تھے کہ ان کے پھٹنے سے آس پاس کی کوئی شے زندہ سلامت نہیں رہ سکتی تھی اور اگر اتنی مدت میں بم نہیں پھٹتے تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ جبران نے ناقابل برداشت اذیت سے گھبرا کر دشمن کو سب کچھ بتادیا ہے اور دشمن نے بم دیوار پر سے اتار کر انہیں ناکارہ بنا دیا ہے...... اس کے بعد عمران کو وہاں سے فرار ہو جانا تھا۔

کم از کم ڈیڑھ گھنٹے تک وہ درخت میں ضرور چھپا رہنا چاہتا تھا...... بموں کے دھماکوں کی صورت میں جبران کا زندہ رہنا بھی ناممکن تھا...... ادھر عمران ذہنی کش مکش میں گرفتار درخت میں چھپا ہوا تھا اور دوسری طرف جبران کو پولیس فورس کے کمانڈو نے زمین پر لٹا کر اس پر وحشیانہ تشدد شروع کر دیا تھا...... وہ اس سے پوچھ رہے تھے کہ وہ کس مشن پر پراجیکٹ میں آیا تھا اور اس کے ساتھ اور کون کون ہے...... پولیس فورس ساری کی ساری موجود تھی...... انہوں نے جبران کو پکڑتے ہی یہ معلوم کر لیا تھا کہ وہ مسلمان ہے...... جبران کو معلوم تھا کہ وہ اس لیبارٹری کی ساتھ بیرک میں ہے جس کی دیواروں پر انہوں نے انتہائی دھماکہ خیز بم لگائے ہیں اور جنہوں نے کچھ دیر بعد پھٹ کر اس سارے کے سارے علاقے کو نیست و نابود کر دینا ہے...... اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کی موت یقینی ہے...... پولیس کی کمانڈو فورس اس پر تشدد نہ کرے تب بھی اس کا زندہ بچنا ناممکن تھا...... کیونکہ بموں کے پھٹنے میں ڈیڑھ گھنٹہ رہ گیا تھا اور پولیس اسے وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ نہیں لے جا سکتی تھی، کیونکہ لوگ جنگل کے عین بیچ میں بیٹھے تھے...... انہیں اسی بیرک میں رہ کر جبران سے

رنی تھی اور ڈیڑھ گھنٹے بعد ان سب کے ساتھ اس بیرک کو فنا ہو جانا تھا...... جبران نے اپنی موت کو قبول کر لیا تھا...... وہ خوش تھا کہ وہ اپنے مشن کو پورا کرتے ہوئے اپنے وطن پاک کی خاطر جان دے رہا ہے...... اس سے اچھی موت اور کیا ہو سکتی تھی...... جبران کی یہی کوشش تھی کہ پولیس کے سپاہیوں کو کسی نہ کسی طرح کم از کم ڈیڑھ گھنٹے تک اسی بارک میں رکھے اور وہ عمران کی تلاش میں باہر نہ نکلیں۔

اس مقصد کو سامنے رکھ کر جبران انہیں بار بار یہی یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ اکیلا ہی اس پراجیکٹ کی جاسوسی کرنے آیا ہے...... پولیس فورس نے اس سے انڈو چاقو اور آٹومیٹک پسٹول برآمد کروالیا تھا اور اسے فرش پر لٹا کر اس کے جسم کے حصوں کو بجلی کے جھٹکے دینے شروع کر دیئے تھے...... وہ ہر جھٹکے کے بعد جبران پوچھتے تھے...... تم کس تخریبی مشن پر یہاں آئے تھے اور تمہارے ساتھی کہاں چھپے ہوئے ہیں...... جبران ہر بار یہی جواب دیتا کہ میں اکیلا پراجیکٹ کی سراغ رسانی کرنے آیا تھا...... مجھے کشمیری مجاہدین کی ہائی کمان نے یہ معلوم کرنے یہاں بھیجا تھا کہ جا کر سراغ لگاؤ کہ اس جگہ خفیہ طور پر کس قسم کے پراجیکٹ پر کام ہو رہا ہے اور کہ میں اکیلا ہوں...... میرے ساتھ کوئی مجاہد نہیں ہے...... جبران یہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح سے پولیس کا خیال اس کے کسی ساتھی کی طرف جائے اور وہ اس کی تلاش میں جنگل میں بھاگ دوڑ شروع کر دیں...... وہ جانتا تھا کہ عمران نے اسے گرفتار ہوتے دیکھ لیا تھا اور اب وہ جنگل سے فرار ہونے سے پہلے کم از کم بموں کے پھٹنے تک ضرور کسی جگہ چھپ کر بیٹھا رہے گا تا کہ واپس جا کر دشمن کے ایک پاکستان دشمن پراجیکٹ کی مکمل تباہی اور اپنے مشن کی کامیابی کی رپورٹ دے سکے۔

اس بارک کے اندر پولیس فورس کا چیف انسپکٹر بھی آ گیا تھا...... اسے سوئے ہوئے کو وہاں بلالیا گیا تھا...... وہ بھی جبران کے پاس سٹول پر بیٹھ کر اس سے پوچھ گچھ کر رہا تھا...... پولیس کے دو سپاہی مسلسل جبران کو تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے...... ایک اس

کے پاؤں کے ناخنوں میں کیل ٹھونک رہا تھا دوسرا اس کے جسم کے نازک حصوں
اب جلتے ہوئے سگریٹ سے داغ رہا تھا...... اس پوچھ گچھ اور تشدد کے عمل میں را
گزرتی جارہی تھی...... وقت گزرتا جارہا تھا...... جبران کے خیال میں بموں کے پھ
میں صرف تیس بتیس منٹ باقی رہ گئے تھے...... اسے کسی نہ کسی طرح یہ تیس بتیس
منٹ گزارنے تھے...... اس کی صرف اتنے ہی منٹ کی زندگی باقی رہ گئی تھی...... اگر
اسے کوئی خیال پریشان کررہا تھا تو یہی تھا کہ کہیں بموں میں کوئی نقص نہ پیدا ہو گیا
اور بم نہ پھٹیں، لیکن ایسی بات نہیں تھی۔

ٹھیک بتیس منٹ کے بعد جب دو پولیس فورس کے سپاہی جبران کے دونوں
ہاتھوں کو لکڑی کے فرش پر الٹا رکھ کر اس کی ہتھیلیوں میں کیل ٹھونک رہے تھے
بارک میں ایک زبردست کڑاکے کے ساتھ بجلی چمک گئی اور اس کے بعد یہ بارک
ساتھ والی بارکوں کے ساتھ چیف سائنس دان ڈاکٹر رگھوپتی، اس کی اسسٹنٹ کملا
اور دوسرے سائنس دانوں اور نیوکلر راکٹوں کے فارمولے اور جبران اور اس پر تش
کرنے والے سپاہیوں اور پولیس فورس کے چیف کے بھی پرخچے اڑ گئے اور یہ سب
ایک سیکنڈ سے بھی کم مدت میں پہلے ریزہ ریزہ ہو کر بکھرا اور پھر شدید ترین گرمی کی
کی وجہ سے پگھل کر بھاپ بن کر اڑ گیا۔

دھماکے کی شدت سے وہ درخت گر پڑا جس کی شاخوں میں عمران چھپا ہوا تھا
گرمی کی انتہائی شدید لہر کی وجہ سے جنگل میں آگ لگ گئی...... عمران گرے ہو
درخت میں سے نکل کر گھاٹ کی طرف بھاگا اور اس نے گھاٹ پر پہنچتے ہی سمندر
نکلی ہوئی نہر میں چھلانگ لگا دی...... وہ تیرتا ہوا نہر کے دوسرے کنارے پر چلا گیا
اس نے جنگل کی طرف دیکھا...... جنگل کے اندر جس جگہ پر نیوکلر پراجیکٹ تھا و
آسمان لال انگارے کی طرح سرخ ہو رہا تھا...... اس کے ارد گرد جنگل آگ کی لپیٹ
تھا اور شعلے آسمان کی طرف بلند ہو رہے تھے...... پرندے اپنے اپنے گھونسلوں سے

شور مچاتے سمندر کی طرف جارہے تھے...... جے گڑھ گھاٹ کی جنگلی آدھی باسیوں
جو تھوڑی سی آبادی تھی وہ ساری کی ساری بھاگتی ہوئی گھاٹ پر آگئی تھی اور لوگ
یوں میں بیٹھ کر بھاگ رہے تھے...... عمران خود آدھی باسیوں کے حلیے میں تھا،
نچہ وہ بھی ایک کشتی میں سوار ہو گیا اور کشتی تیزی سے گھاٹ سے نکل گئی۔
رات کی تاریکی میں چھ سات چھوٹی کشتیاں سمندر میں کنارے کے ساتھ ساتھ
با گھاٹ گاؤں کی طرف چلی جارہی تھیں...... یہ بڑے ماہر مچھیرے آدھی باسی
جے گڑھ گھاٹ سے کھمبا گھاٹ کے ریلوے سٹیشن کو جنگل میں سے بھی راستہ
تھا...... عمران اور جبران اسی راستے پر چل کر آئے تھے، مگر جنگل میں لگی ہوئی آگ
افراتفری اور دھماکوں کی وجہ سے لوگ جنگل میں نہیں گئے تھے...... آسمان کے
قی افق پر صبح کی سپیدی نمودار ہونے لگی تھی کہ آدھی باسیوں کی کشتیاں کھمبا گھاٹ
پہنچ گئیں...... عمران نے کھمبا گھاٹ سے بمبئی جانے والی گاڑی پکڑنی تھی...... اس کے
کمانڈو چاقو بھی تھا اور آٹومیٹک پستول بھی تھا...... یہ دونوں چیزیں اس نے دھوتی کی
ب میں چھپائی ہوئی تھیں...... اسے خطرہ ضرور محسوس ہو رہا تھا کہ جنگل میں
اری نیوکلر پلانٹ میں اتنی زبردست تباہی ہوئی ہے کہیں سٹیشن پر پولیس آکر
ل وغیرہ نہ کررہی ہو، لیکن معلوم ہوتا تھا کہ یہاں ابھی تک پولیس کو اس دھماکے
بارے میں خبر نہیں ہوئی تھی...... وہ کھمبا گھاٹ گاؤں کے چھوٹے سے سٹیشن پر
بیٹھ گیا۔

سٹیشن کا ایک ہی پلیٹ فارم تھا...... وہاں اور بھی کچھ آدھی باسی آکر بیٹھ گئے
...... سورج طلوع ہو رہا تھا کہ رتناگری سے بمبئی جانے والی پسنجر ٹرین آگئی......
نے ٹکٹ لے لیا تھا...... وہ ایک ڈبے میں گھس کر فرش پر ہی بیٹھ گیا...... وہ چاہتا
ٹرین جتنی جلدی ہو سکے اس علاقے سے نکل جائے...... ٹرین کے مسافروں کو
ے سوار ہونے والے آدھی باسیوں کی زبانی معلوم ہو گیا کہ جنگل میں بڑا

زبردست دھماکہ ہوا ہے...... مسافر آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے...... بمبئی تک پہنچتے پہنچتے اس خبر میں مسافروں نے اپنی طرف سے بھی بہت کچھ شامل کر لیا اور بمبئی میں یہ خبر گرم ہو گئی...... جے گڑھ کے جنگل میں فوج کا گولہ بارود کا ذخیرہ دھماکے سے اڑ گیا ہے اور ڈیڑھ دو سو فوجی ہلاک ہو گئے ہیں...... عمران بمبئی کے سٹیشن سے باہر آ گیا...... اس نے ایک رکشا پکڑا اور ستار سیٹھ کے ریسٹ ہاؤس سے کافی پیچھے سڑک پر اتر گیا...... وہاں سے وہ پیدل چل کر ستار سیٹھ کے ریسٹ ہاؤس میں آ گیا...... ریسٹ ہاؤس سے اس نے ستار صاحب کو فون کیا اور کہا کہ میں واپس پہنچ گیا ہوں...... اس کے علاوہ عمران نے اور کوئی بات نہ کی...... ستار سیٹھ نے کہا۔

"میں آ رہا ہوں"۔

تھوڑی دیر کے بعد ستار صاحب آ گئے...... عمران آدھی باسیوں کے حلیے میں چھوٹے کمرے میں بیٹھا تھا...... ستار صاحب نے آتے ہی کہا۔

"یہاں جے گڑھ کے جنگل کے بارے میں بڑی حوصلہ افزا افواہیں پھیلی ہوئی ہیں...... کیا یہ سب سچ ہے"۔

عمران نے کہا۔

"بالکل سچ ہے...... ہمارا مشن کامیاب رہا ہے، لیکن افسوس کہ میں کمانڈو جبران کو اپنے ساتھ نہیں لا سکا"۔

ستار سیٹھ سمجھ گیا کہ جبران شہید ہو گیا ہے...... وہ خاموش ہو گئے...... پھر آہستہ سے پوچھا۔

"کیا جبران شہید ہو گیا ہے؟"۔

عمران بولا۔

"جس قسم کے حالات میں وہ پکڑا گیا تھا وہ ضرور شہید ہو گیا ہوگا...... کیونکہ پولیس کے سپاہی اسے پکڑ کر پراجیکٹ کے ساتھ والے کمرے میں پوچھ گچھ کے

ئے تھے...... آدھے گھنٹے کے بعد ہمارے لگائے ہوئے سارے کے سارے ٹائم بم ئے تھے اور وہاں کی کوئی چیز سلامت نہیں رہی تھی...... اس اعتبار سے جبران کے نے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... مجھے یقین ہے کہ وہ شہید ہو گیا ہے...... اتفاق سے وہ بچ گیا ہے تو کسی نہ کسی طرح فرار ہو کر یہاں ضرور آ جائے گا، مگر کی امید نہیں ہے"۔

کے بعد عمران نے اپنے کمانڈو ایکشن کی ایک ایک تفصیل ستار صاحب کو دی...... ستار صاحب نے پوچھا۔

"تم لوگوں نے چیف سائنس دان ڈاکٹر رگھو پتی اور ڈاکٹر کملاوتی کو اچھی طرح پہچان لیا تھا نا؟"۔

"بالکل پہچان لیا تھا؟" عمران بولا...... "مجھے اس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں ہے"۔

ستار سیٹھ کہنے لگے۔

"صحیح اطلاع اوپر سے ملک صاحب ہی لا کر دیں گے...... میں ان سے آج ہی رابطہ اس مشن کے بارے میں فل رپورٹ معلوم کرتا ہوں...... تم ایسا کرو کہ فوراً اپنا بدل کر اپنی اصلی حالت میں آ جاؤ...... میں اپنے آفس جاتا ہوں...... رات کو لوں گا"۔

ستار صاحب چلے گئے...... عمران غسل خانے میں گھس گیا...... اس نے گیلے ئے رگڑ رگڑ کر اپنے جسم پر کئے ہوئے سپرے کا سانولا رنگ صاف کیا...... اچھی سے غسل کر کے دوسرے کپڑے بدلے اور ڈرائنگ روم میں آ کر ٹیلی ویژن پر کا چینل اون کر دیا...... خبریں شروع ہی ہوئی تھیں...... عمران نے ساری خبریں ...... جے گڑھ کے نیوکلر پراجیکٹ کی تباہی کی کوئی خبر نہیں دی گئی تھی...... وہ کہ حکومت اس حادثے کو عوام پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی...... اس نے ٹیلی ویژن اور اس روز کا اخبار اٹھا کر پڑھنے لگا...... اس نے سارا اخبار دیکھا...... کسی جگہ

بھی جے گڑھ کے حادثے کی خبر نہیں چھپی تھی...... صرف ایک جگہ یہ چھوٹی
چھپی ہوئی تھی کہ جے گڑھ کے جنگل میں کل اتفاق سے آگ لگ گئی، لیکن فائر
کے عملے نے بڑی محنت سے کام لے کر آگ پر قابو پالیا...... اس کے علاوہ کسی جگہ
گڑھ کے پراجیکٹ کی تباہی کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

سارا دن عمران ڈرائنگ روم میں صوفے پر لیٹا آرام کرتا رہا...... دوپہر کو
کھا کر وہ وہیں گہری نیند سو گیا اور رات کے آٹھ بجے اس کی آنکھ کھلی...... ٹیلی فون کی
بج رہی تھی...... اس نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے ستار صاحب کی آواز آئی۔

"کون ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں ہوں سر عمران"۔

ستار صاحب بولے۔

"میں آرہا ہوں"۔

اور ٹیلی فون بند ہو گیا۔

آدھے گھنٹے کے بعد ستار صاحب آ گئے...... کہنے لگے۔

"میرا ملک صاحب کے ساتھ رابطہ قائم ہو گیا تھا...... وہ ایک گھنٹے بعد یہاں
رہے ہیں...... ان کو تم لوگوں کے کمانڈو مشن کی فل رپورٹ مل چکی ہے...... اس
میں وہ کچھ خاص باتیں کرنے آرہے ہیں"۔

"کس قسم کی خاص باتیں؟" عمران نے پوچھا۔

ستار صاحب نے سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا۔

"انہوں نے مجھے مزید کچھ نہیں بتایا...... صرف اتنا کہا ہے کہ انہیں چند
خاص باتیں کرنی ہیں اور وہ دس بجے سے پہلے پہلے پہنچ جائیں گے...... میرا خیال
ہمیں اتنی دیر تک کھانا کھا لینا چاہئے...... تم نے تو کھانا نہیں کھایا؟"۔

"نہیں"۔

عمران نے جواب دیا۔

ستار سیٹھ نے اسی وقت بوڑھے ملازم سے کہہ کر کھانا منگوا لیا...... کھانا کھاتے
ستار صاحب بولے۔

"جبران کے بارے میں مجھے بڑا تجسس ہے"۔

عمران نے ستار صاحب کو جبران کے پکڑے جانے کا پورا واقعہ تفصیل سے بیان
کہنے لگے۔

"ان حالات میں تو جبران کا بچ جانا مشکل نظر آتا ہے...... بہر حال ملک صاحب
سکیں گے کہ ان کو جو رپورٹ ملی ہے اس میں جبران کا بھی کچھ ذکر ہے یا نہیں"۔

وہ کھانا کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے کہ باہر گاڑی کے ہارن کی ہلکی سی آواز
ستار صاحب بولے۔

"یہ ملک صاحب کی گاڑی ہے"۔

وہ اٹھ کر باہر نکل گئے...... واپس آئے تو ان کے ساتھ ملک صاحب بھی تھے......
نے ان سے ہاتھ ملایا...... وہ صوفے پر عمران کے بالکل سامنے بیٹھ گئے...... ستار
بھی صوفے پر بیٹھ گئے...... ملک صاحب نے وقت ضائع کئے بغیر اصل
بات پر گفتگو شروع کر دی...... انہوں نے عمران سے کہا۔

"جہاں تک رام جی کے مندر والے بھارت کے نیوکلر راکٹ پراجیکٹ کی تباہی کا
ہے...... وہ مکمل طور پر نیست و نابود ہو گیا ہے...... اس میں اسسٹنٹ سائنس
دان کلاوتی کے بھی پرخچے اڑ گئے ہیں...... اس کی ہماری انٹیلی جنس نے حتمی طور
تصدیق کر دی ہے، لیکن پراجیکٹ کا اصل سرغنہ اور چیف سائنس دان ڈاکٹر گھوپتی
گیا ہے"۔

عمران کو ایک دھکا سا لگا...... اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"وہ کیسے زندہ بچ گیا؟ وہ تو اس رات لیبارٹری میں کملاوتی کے ساتھ ہی
تھا...... ہم نے اسے خود دیکھا تھا"۔

ملک صاحب بولے۔

"یہی تم سے غلطی ہوئی ہے...... ڈاکٹر کملاوتی کو تو تم لوگوں نے پہچان لیا تھا
ڈاکٹر رگھوپتی کو نہیں پہچان سکے...... جو گنجا ڈاکٹر سفید کوٹ پہنے ڈاکٹر کملاوتی کے
لیبارٹری میں ریسرچ ورک کر رہا تھا وہ ڈاکٹر رگھوپتی نہیں تھا بلکہ اس کا ایک
سائنس دان تھا...... اس سائنس دان کا سر بھی درمیان سے گنجا تھا اور وہ ڈاکٹر رگھوپتی
کا ہم عمر تھا...... یہاں تم لوگوں کو مغالطہ لگا اور تم نے دوسرے ڈاکٹر کو رگھوپتی
لیا...... حقیقت میں ڈاکٹر رگھوپتی دو دن کی چھٹی پر تھا اور دلی گیا ہوا تھا"۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی...... ستار صاحب کے چہرے پر بھی عمران کے
ہی مایوسی چھا گئی...... ملک صاحب کہنے لگے۔

"جب پراجیکٹ کی تباہی کی خبر دلی پہنچی تو بھارت کی وزارت دفاع نے
کے اشارے پر اسی وقت چیف سائنس دان ڈاکٹر رگھوپتی کو غائب کر دیا تاکہ
کمانڈو مجاہدین کے یقینی حملے سے ان کو بچا لیا جائے، کیونکہ بھارت سرکار کو یقین
مجاہدین کو بہت جلد ڈاکٹر رگھوپتی کے بچ نکلنے کا علم ہو جائے گا اور اب وہ
کرنے کی سر توڑ کوشش کریں گے"۔

عمران نے دھیمی سی آواز میں پوچھا۔

"ڈاکٹر رگھوپتی کو کہاں چھپایا گیا ہے؟"۔

ملک صاحب نے کہا۔

"ہماری انٹیلی جنس اس کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہی ہے......
کے بارے میں ہمیں کوئی خبر ملی تمہیں اطلاع کر دی جائے گی، کیونکہ اس
رگھوپتی کا ہلاک کیا جانا بہت ضروری ہے...... اس کی وجہ نیوکلر راکٹ کا فار

صرف ڈاکٹر رگھوپتی کے ذہن میں ہی محفوظ ہے"۔

عمران نے کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ان ہنگامی حالات میں بھارت کی وزارت دفاع نے
کلر راکٹ کا فارمولا ڈاکٹر رگھوپتی سے معلوم کر کے کسی سیکرٹ فائل میں محفوظ
لیا ہو تاکہ اگر ڈاکٹر رگھوپتی بھی مارا جائے تو کم از کم فارمولا تو بچ جائے"۔

ملک صاحب کہنے لگے۔

"ہو سکتا ہے بھارت کی وزارت دفاع نے ایسا ہی کیا ہو، لیکن اس کا کوئی فائدہ
ہیں ہو گا...... اس کی وجہ یہ ہے کہ خالی فارمولے سے نیوکلر راکٹ تیار نہیں کیا
جا سکتا...... اس کے لئے ڈاکٹر رگھوپتی کے دماغ کی ضرورت ہے...... اس فارمولے کو
صرف رگھوپتی ہی سمجھتا ہے اور وہی اس کی مدد سے نیوکلر راکٹ تیار کر سکتا ہے"۔

کچھ دیر کے لئے کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی...... ملک صاحب نے کہا۔

"ایک بات ہمیں نہیں بھولنی چاہئے کہ یہ کوئی عام راکٹ نہیں ہے...... اگر عام
وار ہیڈ والا راکٹ ہوتا تو وہ بھارت کی دوسری نیوکلر لیبارٹریوں میں بڑی آسانی سے
تیار کیا جا سکتا تھا اور اس قسم کے وار ہیڈ والے میزائل بھارت تیار کر بھی چکا ہے، جہاں
تک نیوکلر راکٹ کا تعلق ہے...... یہ دوسرے راکٹوں سے بالکل مختلف ہے...... عام
نیوکلر راکٹوں یا میزائلوں کے آگے جو ایٹمی وار ہیڈ لگائے گئے ہیں ان کے ایٹمی مواد
کی حرارت کی شدت کو ایک خاص حد تک محدود کیا گیا ہے...... تاکہ اگر راکٹ یا
میزائل پاکستان کے کسی سرحدی شہر میں پھینکا جائے تو اس کے ایٹمی اثرات، اس کی
حرارت کی شدت اور اس کی ایٹمی تابکاری سے بھارت کے اپنے سرحدی گاؤں اور
قریبی شہر بالکل محفوظ رہیں، لیکن یہ نیوکلر راکٹ جو ڈاکٹر رگھوپتی کی زیر سرکردگی تیار
کیا جا رہا ہے اس کے آگے جو دال کے دانے سے بھی چھوٹا نیوکلر وار ہیڈ لگایا جاتا ہے
وہ فضا میں کسی دوسرے میزائل یا طیارے سے ٹکرا کر پھٹتا ہے، چنانچہ اس میں

پلانٹ کئے گئے ایٹمی وار ہیڈ میں ایک لاکھ ملی گرام کے حساب سے ایٹمی مواد رکھا گیا
جس نے فضا میں دشمن کے مسافر بردار یا لڑاکا یا بمبار طیارے سے ٹکرا کر پھٹنے کے
صرف اتنی ہی حرارت خارج کرنی ہے جس کی شدت سے طیارہ اپنے عملے سمیت پگھ
کر بھاپ بن کر اڑ جائے...... اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انتہائی باریک تر
ٹیکنالوجی کی ضرورت ہے جس کا اس وقت بھارت میں صرف ڈاکٹر رگھوپتی
ایکسپرٹ ہے، چنانچہ اگر بھارت کی وزارت دفاع کی ٹاپ سیکرٹ فائل میں فارمو
تحریری شکل میں موجود بھی ہوگا تو ڈاکٹر رگھوپتی کی ہلاکت کے بعد وہ کم از کم اتنی مد
تک ضرور بیکار ہو جائے گا، جب تک کہ بھارت کی حکومت ڈاکٹر رگھوپتی جیسا کو
دوسرا سائنس دان پیدا نہیں کرتی اور اس کام کو سال بھی لگ سکتا ہے اور دو سال بھ
لگ سکتے ہیں...... اگر ہمیں اتنی مدت مل جاتی ہے تو ہم بھی اس راکٹ کے جواب م
نیوکلر راکٹ ایجاد کر سکتے ہیں...... اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ اس سائنس دان ڈا
رگھوپتی کو قتل کرنا کس قدر ضروری ہے“۔



عمران نے آہستہ سے کہا۔
”میں اس پوائنٹ کو اچھی طرح سے سمجھ گیا ہوں...... آپ کے خیال میں ہماری
ی جنسی کتنی مدت تک ڈاکٹر رگھوپتی کے خفیہ ٹھکانے کا سراغ لگا لے گی“۔
ملک صاحب کہنے لگے۔
”اس بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا، لیکن اتنا مجھے اندازہ ہے کہ اس مشن میں
ماہ سے زیادہ وقت نہیں لگے گا“۔
عمران نے کہا۔
”اگر مجھے ڈاکٹر رگھوپتی کے خفیہ ٹھکانے کی خبر مل جاتی ہے تو میں اسے زندہ نہیں
ھوڑوں گا چاہے مجھے اپنے سینے پر بم باندھ کر اس کے ساتھ ٹکرانا ہی کیوں نہ پڑ جائے“۔
ستار صاحب اور ملک صاحب مسکرائے...... ملک صاحب نے کہا۔
”ہم تمہارے محب الوطنی کے اس جذبے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں“۔
اس کے بعد عمران نے اپنے دیرینہ ساتھی کمانڈو جبران کے ضمن میں پوچھا کہ
ان کے بارے میں آپ کی رپورٹ کیا ہے...... ملک صاحب نے افسوس کے ساتھ
نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
”ہمیں افسوس ہے کہ کمانڈو جبران زندہ نہیں بچے...... پراجیکٹ کی تباہی میں وہ
بھی شہید ہو گئے ہیں“۔

عمران نے پوچھا۔

”کیا یہ تصدیق شدہ رپورٹ ہے“۔

ملک صاحب بولے۔

”ہماری کوئی رپورٹ غیر تصدیق شدہ نہیں ہوتی...... اگر ایسا ہو جائے تو ہ انٹیلی جنس کوئی کام نہیں کر سکتی“۔

عمران پوچھنا چاہتا تھا کہ ان کی انٹیلی جنس کو کیسے پتہ چلا کہ جبران شہید ہو گیا لیکن اس نے نہ پوچھا...... آخر میں ملک صاحب کہنے لگے۔

”میں اب چلتا ہوں...... ڈاکٹر رگھو پتی کے خفیہ ٹھکانے کے سلسلے میں ہمیں یہ ہی انٹیلی جنس نے بتایا میں اسی وقت تمہیں آکر بتا دوں گا...... میں چاہتا ہوں کہ تم دوران بمبئی سے کہیں باہر نہ جاؤ تو اچھا ہے، کیونکہ ہمارے آدمی بڑی سرگرمی سے ہوئے ہیں...... وہ کسی وقت بھی اس شخص کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں“۔

ملک صاحب عمران سے ہاتھ ملا کر چلے گئے...... ان کے جانے کے بعد صاحب نے کہا۔

”جبران کا مجھے افسوس ہے، مگر اس بات کی خوشی بھی ہے کہ اس نے شہادت درجہ پایا“۔

عمران نے کوئی جواب نہ دیا...... جبران کے بچھڑ جانے کے بعد اسے اپنی ز میں ایک خلا سا محسوس ہونے لگا تھا، لیکن جس مشن پر وہ نکلے ہوئے تھے وہاں ا کے ساتھ کبھی بھی ہو سکتا تھا...... ستار صاحب کہنے لگے۔

”تمہیں یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی...... صرف اتنا کرنا کہ دن کے ریسٹ ہاؤس سے باہر نہ نکلنا...... جے گڑھ گھاٹ کا واقعہ بمبئی سے زیادہ دور پیش آیا...... اس لئے یقینی طور پر بمبئی کی سی آئی ڈی شہر میں سرگرم ہو گئی ہو گی...... ہا رات کے وقت تم باہر نکل کر ٹہل لیا کرنا“۔

عمران کو محسوس ہوا کہ وہ ہوا میں معلق ہو کر رہ گیا ہے، مگر یہ حالات کا تقاضا تھا...... دن کے وقت وہ ریسٹ ہاؤس والے اپنے کمرے میں جو اس کی خواب گاہ بھی تھا...... اخبار کتب اور رسالے وغیرہ پڑھتا اور ٹیلی ویژن دیکھتا رہتا...... رات کو کھانے کے بعد ریسٹ ہاؤس کے پیچھے جو چھوٹا سا باغ تھا وہاں جا کر چہل قدمی کر لیتا...... ایک روز وہ شام کے وقت ہی کھانا کھا کر باغ میں آکر درختوں کے درمیان ایک خالی خالی سی روش پر ٹہلنے لگا...... ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا...... ابھی دن کی روشنی باقی تھی...... ٹہلتے ٹہلتے وہ اس طرف نکل گیا جہاں درختوں کے جھنڈ تھے...... یہ علاقہ بمبئی شہر کے مضافات میں تھا اور یہاں بمبئی شہر کا شور و غل بالکل نہیں تھا...... ایک سڑک تھی جو ریسٹ ہاؤس سے دور تھی...... آس پاس بھی کوئی بنگلہ وغیرہ نہیں تھا...... کچھ فاصلے پر اونچے اونچے رہائشی فلیٹس تھے...... عمران ان درختوں کے نیچے جا کر ایک جگہ بیٹھ گیا اور جبران کے متعلق سوچنے لگا۔

وہ یہی سوچ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے ان لوگوں کی انٹیلی جنس کی رپورٹ غلط ہو اور جبران دھماکوں سے پہلے وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہو...... پھر سوچتا کہ وہ کیسے فرار ہو سکتا تھا...... کمانڈو پولیس کے سپاہی اس کی آنکھوں کے سامنے اسے گرفتار کر کے بارک میں لے گئے تھے...... وہ انہی خیالات میں گم تھا کہ اسے کسی لڑکی کی ہلکی سی چیخ سنائی دی...... اس نے چونک کر اس طرف دیکھا جس طرف سے آواز آئی تھی...... اس نے غروب ہوتے سورج کی روشنی میں دیکھا کہ دو آدمی ایک لڑکی کو جس نے پتلون اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی زبردستی پکڑ کر گھسیٹ رہے تھے...... عمران کے حالات اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ اس لڑکی کی مدد کے لئے دوڑتا، مگر لڑکی کو دیکھ کر اس کی انسانی ہمدردی کا جذبہ بیدار ہو گیا...... وہ بے اختیار ہو کر اٹھا اور لڑکی کو بچانے کے لئے دوڑ پڑا...... دونوں آدمی غنڈے لگتے تھے...... لڑکی کی کتابیں زمین پر گری ہوئی تھیں اور غنڈے اسے گھسیٹ رہے تھے...... عمران نے جاتے ہی

ایک غنڈے کی گردن میں بازو ڈال کر اسے پیچھے کھینچ کر گرا دیا اور دوسرے غنڈے
اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ وہ تیورا کر گر پڑا۔

دونوں غنڈے غضبناک ہو کر اٹھے اور انہوں نے عمران پر بیک وقت حم
کر دیا..... ایک غنڈے نے چاقو نکال لیا، مگر انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کا مقابلہ کر
عام آدمی سے نہیں بلکہ ایک خطرناک قسم کے کمانڈو سے ہے..... عمران نے سب
پہلے چاقو والے غنڈے کی کہنی کے نیچے اتنے زور سے الٹا ہاتھ مارا کہ نہ صرف چاقو اس
کے ہاتھ سے اچھل کر دور جا گرا بلکہ اس کی کہنی بھی شاید ٹوٹ گئی تھی..... وہ غنڈا کہنی
پکڑ کر ایک طرف کو بھاگ گیا..... دوسرے غنڈے نے اپنے ساتھی کو بھاگتے دیکھا
اس نے بھی دوڑ لگا دی..... لڑکی سہمی ہوئی ایک طرف کھڑی تھی..... عمران نے تی
چار قدم پیچھے جا کر اس کی کتابیں اٹھائیں اور انہیں جھاڑ کر لڑکی کے حوالے کر
ہوئے کہا۔

"شام کے وقت اس طرف سے نہ نکلا کرو تو اچھا ہے"۔

لڑکی عمران کا شکریہ ادا کرنے لگی..... وہ اس کی مردانہ بہادری سے بڑی م
ہوئی تھی..... کہنے لگی۔

"میں روز شام کو یہاں پڑھنے آتی ہوں..... ہم سامنے والی بلڈنگ میں ر
ہیں..... میرا نام کارمن ہے..... میں کالج میں پڑھتی ہوں..... ہمارے فلیٹوں میں
شور وغل ہوتا ہے اس لئے میں پڑھائی کرنے یہاں آجاتی ہوں..... آپ کہاں ر
ہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں یہاں سے بہت دور گیٹ وے آف انڈیا کے پاس رہتا ہوں..... ادھر
ایک دوست سے ملنے آیا تھا..... وہ گھر پر نہیں تھا..... میں اس باغ میں تھوڑی دیر
کرنے کے لئے بیٹھ گیا تھا"۔

کارمن کی عمر بیس بائیس سال کی تھی..... رنگ گورا اور بال گہرے سنہری رنگ
تھے..... چہرہ بڑا شگفتہ اور آنکھیں چمکیلی تھیں..... وہ واقعی بڑی خوبصورت تھی،
عمران کے پاس اس قسم کی باتوں کے لئے نہ تو وقت تھا اور نہ یہ اس کا مسلک تھا.....
نے کہا۔

"اچھا..... میں جاتا ہوں..... تم بھی اپنے گھر چلی جاؤ اور شام کو یہاں نہ ہی آؤ تو
ہے"۔

کارمن نے مسکراتے ہوئے عمران سے ہاتھ ملا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور دور سے
آنے والی اونچی عمارتوں کی جانب چل دی..... عمران اسے جاتے دیکھ رہا تھا کہ
لڑکی نے مڑ کر اسے دیکھا اور مسکرا کر ہاتھ ہلایا اور تیز تیز قدم اٹھاتی چلی گئی۔

عمران بھی جلدی سے باغ سے باہر نکل آیا اور سیدھے راستے سے ریسٹ ہاؤس
طرف جانے کی بجائے دوسری طرف سے ایک چکر لگا کر وہاں آیا..... دوسرے دن
اس طرف ٹہلنے نہ گیا..... تیسرے دن وہ شام کا اندھیرا ہو جانے کے بعد باغ میں
لنے کے لئے گیا تو اسے اسی جگہ درختوں کے نیچے بنچ پر کوئی انسان بیٹھا دکھائی دیا.....
لکے اندھیرے کی وجہ سے وہ اسے پہچان نہ سکا..... وہ خود بھی اس طرف نہ گیا اور
رختوں کی دوسری جانب چھوٹی سی پگ ڈنڈی پر ٹہلنے لگا..... اچانک پیچھے سے کسی نے
واز دی۔

"سر!"۔

یہ عورت کی آواز تھی..... عمران نے رک کر پیچھے دیکھا تو اس سے چند قدموں
ے فاصلے پر وہی لڑکی کارمن کھڑی تھی..... اس کے ہاتھ میں کتابیں تھیں.....
دھیرے میں اس کا گورا چہرہ غروب ہوتے چاند کی طرح معلوم ہو رہا تھا..... لڑکی
ان کے قریب آ گئی..... وہ مسکرا رہی تھی، کہنے لگی۔

"سر! آپ کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے..... کیا آپ اکثر ادھر آتے رہتے ہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ میں نے تمہیں شام کو آنے کے لئے منع کیا تھا...... پھر تم کیوں اس طرف آ گئی ہو؟ اور اب تو شام کا اندھیرا بھی گہرا ہو گیا ہے"۔

کارمن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سر! غلطی ہو گئی...... لیکن سر! مجھے معلوم تھا کہ آپ اس طرف آئیں گے...... اس لئے میں بھی آ گئی"۔

عمران اس جملے کے ظاہری اور چھپے ہوئے دونوں معنی سمجھتا تھا، مگر اس کے پاس اس قسم کی باتوں کے لئے وقت نہیں تھا...... اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے کارمن! اب تم گھر جاؤ...... اور آئندہ شام کے وقت ہرگز گھر سے باہر مت نکلنا"

یہ کہہ کر عمران وہیں سے واپس ہو گیا...... اس نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر دیکھا...... عمران نے ٹہلنے کے لئے اس طرف جانا ہی چھوڑ دیا...... دو تین دن وہ ریسٹ ہاؤس سے شام کے وقت بھی باہر نہ نکلا...... تیسرے چوتھے روز رات کو کھانا کھا کے بعد ریسٹ ہاؤس کے سامنے کی جانب جو خالی جگہ تھی وہاں آ کر کچھ دیر ٹہلتا رہا پھر ریسٹ ہاؤس میں واپس آ گیا، لیکن احتیاط کے طور پر اس نے رات کے وقت با جا کر ٹہلنا بھی بند کر دیا اور ریسٹ ہاؤس کے عقبی لان میں ہی رات کے اندھیرے میں کچھ دیر ٹہل لیتا۔

اس طرح دس پندرہ دن گزر گئے...... کسی روز رات کو ستار صاحب آ جاتے وہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھے باتیں کرتے رہتے...... وہ بھی احتیاط کے پیش نظر روز نہ آتے تھے...... ایک دن دوپہر کو عمران اپنے کمرے میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا کہ صاحب کا فون آ گیا...... کہنے لگے۔

"میں آج رات کسی بھی وقت تم سے ملنے آؤں گا"۔

صرف اتنا کہا اور فون بند کر دیا...... ستار صاحب اس قسم کے پر اسرار فون کال ت کیا کرتے تھے جب کوئی خاص بات ہوتی تھی...... عمران سمجھ گیا کہ ملک ب کی طرف سے کوئی خاص پیغام موصول ہوا ہے جس کو سنانے وہ آ رہے رات کے سوا دس بج رہے تھے کہ ستار صاحب کی گاڑی خاموشی سے ریسٹ ہیں داخل ہوئی...... دروازہ بند کرنے کی آواز سن کر عمران نے خواب گاہ کی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھا تو ستار صاحب کار کا دروازہ بند کر کے چلے آ رہے تھے۔

وہ سیدھے عمران کے بیڈ روم میں آ گئے...... کہنے لگے۔

"ملک صاحب کا پیغام آیا ہے...... وہ کل رات کو تمہارے پاس آ رہے ہیں...... تم ٹہلنے کے لئے مت جانا۔

عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ان کی انٹیلی جنس نے ڈاکٹر گھوپتی کا سراغ لگا لیا ہے"۔

ستار صاحب بولے۔

"میرا بھی یہی خیال ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں تو اب ٹہلنے کے لئے رات کو بھی نہیں نکلتا"۔

ستار صاحب کچھ دیر بیٹھے...... ایک سگریٹ پیا اور چلے گئے...... دوسری رات وہ صاحب کے ساتھ ہی آئے...... ملک صاحب عمران کے سامنے صوفے پر بیٹھ کہنے لگے۔

"اس ڈاکٹر گھوپتی کا پتہ چل گیا ہے...... ہماری اطلاع کے مطابق اسے بھارت کی وزارت دفاع نے شملہ ہل سٹیشن میں کسی خفیہ جگہ پر چھپا دیا ہے، جہاں اس نے نیوکلر فارمولے پر دوبارہ کام شروع کر دیا ہے...... کس جگہ پر اسے چھپایا ہوا کا سراغ نہیں مل سکا...... یہ سراغ تمہیں خود وہاں جا کر لگانا ہو گا...... کیا تم اس

مہم کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں دل و جان سے تیار ہوں، لیکن میں صرف اتنا جاننا چاہوں گا کہ کیا وہاں
ایسا خفیہ ٹھکانہ مل سکے گا جہاں میں خود اپنے آپ کو چھپا سکوں، کیونکہ صرف جنگل
چھپ کر بیٹھے رہنے سے کام نہیں چل سکتا"۔

ملک صاحب کہنے لگے۔

"شملہ ہل سٹیشن میں ہمارے ذرائع موجود ہیں...... وہاں ہمارا ایک کشمیری
تمہاری جتنی بھی مدد کر سکا کرے گا...... تمہیں اس کا ایڈریس اور اس کی فوٹو اور اس کے
ساتھ اپنا تعارف کروانے کا خفیہ کوڈ ورڈ بتا دیا جائے گا"۔

عمران نے کہا۔

"بس مجھے وہاں صرف سر چھپانے کو تھوڑی سی جگہ ملنی چاہئے...... باقی
کام...... ساری جاسوسی میں خود کر لوں گا"۔

ملک صاحب بولے۔

"یہ کشمیری مجاہد ایک مدت سے وہاں رہ رہا ہے اور اس کا اوپر کے طبقے سے ملنا
ہے...... اس کا بزنس ایسا ہے کہ اسے اپر کلاس کے لوگوں سے ملتے رہنا پڑتا ہے"۔

اس کے بعد ملک صاحب نے عمران کو اس کشمیری مجاہد کا نام بتایا جو ہم یہاں نہ
لکھیں گے...... اس کا فرضی نام فیروز رکھ لیتے ہیں...... ملک صاحب نے عمران کو
کا فوٹو دکھایا...... یہ ایک خوش شکل درمیانی عمر کا کشمیری تھا...... ملک صاحب نے ع
کو وہ خفیہ کوڈ ورڈ بھی بتایا جو عمران کو کشمیری مجاہد فیروز کے آگے جا کر اپنی شناخت
خاطر بولنا ہے اور اس کے جواب میں فیروز نے جو خفیہ الفاظ میں جواب دینا تھا
عمران کو بتا دیا گیا"۔

کمانڈو عمران نے کشمیری مجاہد فیروز کی فوٹو کو بڑے غور سے دیکھ کر ملک ص

واپس کر دیا...... خفیہ الفاظ کو تین چار بار دہرا کر اچھی طرح سے یاد کر لیا تو ملک
صاحب بولے۔

"تمہیں کل شام کو بمبئی سے شملے کی طرف روانہ ہو جانا چاہئے...... کیا تم تیار ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"کیوں نہیں...... میں بالکل تیار ہوں"۔

ملک صاحب کہنے لگے۔

"ٹھیک ہے...... کل صبح تمہیں وہ تمام چیزیں مل جائیں گی جو اس مہم کے لئے
ضروری ہیں"۔

عمران کو ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی پر اسرار قوت نے اس کی توانائیوں میں
اضافہ کر دیا ہے...... اگلے دن شام کو اسے بمبئی سے شملے کی جانب اپنی نئی ایڈونچر سی مہم
پر روانہ ہونا تھا...... دن کے دس بجے ستار سیٹھ نے اسے ایک پیکٹ لا کر دیا جس میں عمران
کے لئے ایک نئی گرم جیکٹ...... ایک نسواری کلر کی اونی ٹوپی اور ایک لمبا رین کوٹ تھا جو
اوور کوٹ کے طور پر بھی کام آ سکتا تھا...... ستار صاحب عمران کو گاڑی میں بٹھا کر
مارکیٹ میں لے گئے جہاں اس نے جوگر شوز کی بجائے ایک بڑا مضبوط مگر نرم اٹالین شو
خریدا جو شملے کی سردی اور شملے کے پہاڑی علاقے میں کام آ سکتا تھا...... ریسٹ ہاؤس پر
آ کر دونوں نے دوپہر کا کھانا ایک ساتھ بیٹھ کر کھایا...... ستار صاحب بولے۔

"تم بمبئی سے دلی جاؤ گے...... وہاں سے تم چندی گڑھ ایکسپریس کے ذریعے چندی
گڑھ جاؤ گے جہاں سے دوسری ٹرین پکڑ کر سولن سے ہوتے ہوئے شملے پہنچ جاؤ گے"۔

شملے میں تمہیں اپنے مجاہد فیروز کا ایڈریس بتا ہی دیا گیا ہے...... وہاں تم اس سے
ملو گے...... اسے تمہارے مشن کے بارے میں آج رات خفیہ رابطے سے بریف کر دیا
جائے گا...... اس کے بعد تمہارا سب سے پہلا کام ڈاکٹر رگھوپتی کا کھوج لگانا ہو گا کہ
انڈین ڈیفنس منسٹری نے اسے شملے میں کس جگہ چھپا کر رکھا ہوا ہے...... سراغ لگانے

کے بعد تمہیں اس کے قریب پہنچنے کی کوشش کرنی ہوگی، کیونکہ ظاہر ہے ڈاکٹر رگھو پتی اس وقت بھارت سرکار کے لئے بڑی قیمتی اور نایاب شے کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور حکومت کی جانب سے اس کی سیکورٹی کا بڑا زبردست انتظام کیا گیا ہو گا...... تمہیں سیکورٹی کی تمام رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے ڈاکٹر رگھو پتی کے صرف قریب ہی نہیں پہنچنا ہو گا بلکہ اسے پہلی فرصت میں ہلاک کر دینا ہو گا...... یہی تمہارا مشن ہے...... میرا خیال ہے تم ایسے تجربہ کار اور محبّ وطن کمانڈو کو مزید کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے''۔

کمانڈو عمران خاموش رہا...... صرف اس نے آہستہ سے سر ہلا دیا...... جیسے کہہ رہا ہو کہ ہاں میں جانتا ہوں کہ میرے مشن کی کیا اہمیت ہے اور مجھے کیا کرنا ہے...... شام کو وہ ستار سیٹھ کی گاڑی میں بیٹھ کر جسے ستار سیٹھ خود چلا رہے تھے بمبئی سٹیشن کی طرف چل پڑا...... سٹیشن سے تھوڑا پہلے ستار سیٹھ نے ایک طرف اندھیرے میں گاڑی کھڑی کر کے عمران سے کہا۔

''تم جانتے ہو تمہیں کیا کرنا ہے...... خدا حافظ!''۔

عمران نے اپنا چھوٹا اٹیچی کیس ہاتھ میں پکڑا اور گاڑی سے نکل کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا بمبئی کے سٹیشن کی عمارت کی طرف بڑھا جو اس سے چند قدموں کے فاصلے پر تھی...... اٹیچی کیس میں اس کے گرم کپڑے اور کچھ چھوٹی چھوٹی ضرورت کی چیزیں تھیں...... ایک خاص رقم ستار صاحب نے عمران کو دے دی تھی جو شملے تک اس کی ضروریات سے بہت زیادہ تھی...... بمبئی سے دلی تک عمران نے احتیاط کے طور پر سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لے لیا تھا...... دلی تک کا سفر معمول کے مطابق خیریت سے کٹ گیا...... وہاں سے اسے چندی گڑھ ایکسپریس پکڑنی تھی...... معلوم ہوا کہ یہ گاڑی صبح منہ اندھیرے چلتی ہے...... عمران سیکنڈ کلاس ویٹنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا...... کھانا اس نے سیکنڈ کلاس کے ریفریشمنٹ روم میں کھایا اور ویٹنگ روم میں آ کر ایک طرف بینچ

پر لیٹ گیا...... کچھ دیر بعد اسے نیند آ گئی...... اس نے ایک قلی کو کہہ دیا تھا کہ وہ ...گڑھ کی گاڑی کے ٹائم پر جگا دے۔

چنانچہ اس نے عمران کو منہ اندھیرے آ کر جگا دیا...... سیکنڈ کلاس کے ویٹنگ روم ...ندی گڑھ جانے والے کئی دوسرے مسافر بھی سو رہے تھے...... وہ بھی اٹھ بیٹھے ...پنا سامان پیک کرنے لگے...... چندی گڑھ ایکسپریس پلیٹ فارم پر آ کر لگ چکی ...یہ ٹرین دلی ہی سے تیار ہوتی تھی...... ٹھیک وقت پر ٹرین چل پڑی...... چندی ...بھی آ گیا...... یہ بھارتی پنجاب کا صدر مقام تھا...... بڑے پر فضا پہاڑی مقام پر بنایا ...یہاں سے چھوٹی لائن شملے سولن تک جاتی تھی...... عمران شملے جانے والی ...میں بیٹھ گیا...... ٹرین چل پڑی...... سارے کا سارا پہاڑی علاقے کا سفر تھا...... ...بڑی کشادہ اور خوبصورت وادیوں میں سے گزر رہی تھی...... ٹرین کی رفتار زیادہ ...تھی...... ایک جگہ پہنچ کر اس کے پیچھے بھی ایک انجن لگا دیا گیا، کیونکہ آگے شملے ...ائی تھی...... موسم بھی بدل گیا تھا...... میدانی علاقوں میں گرمی تھی لیکن شملے ...تے میں موسم ٹھنڈا تھا...... دن کے دس ساڑھے دس بجے عمران شملے پہنچا۔

...ے کشمیری مجاہد فیروز کا ایڈریس اس نے زبانی یاد کر لیا تھا...... وہ اس ایڈریس پر ...رکشے میں پہنچ گیا...... مجاہد فیروز اپنے چھوٹے سے مگر بڑے سجے سجائے جدید ...ے آفس میں موجود تھا...... اسے خفیہ رابطے سے کمانڈو عمران کے آنے کی ...چکی تھی...... اسے عمران کے مشن کے بارے میں بھی بتا دیا گیا تھا...... اسے ...را حلیہ بتا بھی دیا گیا تھا اور اس کی ایک فوٹو کا سکیچ فیکس بھی کر دیا گیا تھا...... ...دیکھتے ہی عمران کو پہچان لیا...... عمران نے بھی فیروز کو پہچان لیا...... مجاہد ...ا ایک ہندو نام سے کئی سالوں سے بزنس کر رہا تھا اور اکیلا رہتا تھا...... اس نے ...ے کو برہم چاری مشہور کر رکھا تھا...... برہم چاری ہندوؤں میں ایک خاص ...لوگ ہوتے ہیں جو ساری زندگی شادی نہیں کرتے اور کنوارے رہتے

ہیں...... ہم مجاہد فیروز کا ہندووانہ نام نہیں لکھیں گے...... اس کی ضرورت بھی بر
ہے...... ہم اسے فیروز کے فرضی نام ہی سے یاد کریں گے...... فیروز نے عمران کو کر
پر بیٹھنے کے لئے کہا...... اس وقت مجاہد فیروز کے آفس میں ایک سکھ سردار جی بیٹھے
تھے، جن کے ساتھ مجاہد فیروز کاروباری گفتگو میں مصروف تھا...... عمران خاموش
ہو کر کرسی پر بیٹھا رہا...... جب سردار جی اٹھ کر چلے گئے تو مجاہد فیروز نے کمانڈو عمران
کی طرف دیکھ کر خاص کوڈ جملہ بولا...... اس کے جواب میں عمران نے بھی خفیہ کوڈ
میں جواب دیا...... یہ کوڈ الفاظ صرف وہی دونوں کو معلوم تھے...... مجاہد فیروز نے عمران
سے ہاتھ ملاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"میں نے تمہیں پہچان لیا تھا...... تمہاری تصویر کی فیکس کاپی بھی مجھے مل
تھی...... تم نے بھی مجھے پہچان لیا ہوگا، کیونکہ تمہیں بھی بمبئی میں میری تصویر دکھا
گئی ہوگی"۔

عمران نے کہا۔

"جی ہاں...... مجھے آپ کی ایک فوٹو دکھادی گئی تھی"۔

مجاہد فیروز بولا۔

"اس کے باوجود کوڈ الفاظ کا تبادلہ ضروری تھا...... سیکورٹی کا یہی تقاضا تھا
بہر حال مسٹر عمران...... تم سے مل کر اور تمہارے مشن کے بارے میں سن کر
ہوئی...... خدا تمہیں کامیاب کرے...... ایک بات کبھی نہ بھولنا کہ میں یہاں ہندو
حیثیت سے کئی سالوں سے بزنس کر رہا ہوں...... کبھی بھول کر بھی مجھے میرے
اسلامی نام سے نہ بلانا اور مجھے پرنام ہی کرنا...... سلام علیکم کبھی نہ کہنا، کیونکہ تم بھی
ایک بھارتی ہندو کے بھیس میں آئے ہو"۔

عمران نے جواب میں کہا۔

"آپ فکر نہ کریں...... مجھے اس قسم کی باتوں کا بڑا تجربہ ہے"۔

"بڑی اچھی بات ہے" مجاہد فیروز نے کہا...... جہاں تک تمہاری رہائش کا تعلق
تم میرے ساتھ نہیں رہو گے...... شملے سے سولن جاتے ہوئے راستے میں
ے ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر پہاڑی کے دامن میں نئے فلیٹس بنائے گئے
تم وہاں ایک فلیٹ کرائے پر لے کر رہو گے اور یہ ظاہر کرو گے کہ تم شملے میں
بزنس آفس بنانے کے امکانات کا جائزہ لینے آئے ہو...... تم اپنا بزنس بھی وہی بتاؤ
جو میرا بزنس ہے، تاکہ تمہارا مجھ سے ملنے کا ایک جواز پیدا ہو جائے...... باقی تم
سمجھتے ہو کہ تمہیں کس قسم کی حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہو گی......
اپنا ڈائریکٹر فون نمبر تمہیں دے دوں گا...... اپنے فلیٹ کا بھی اور اپنے آفس کا
تم جب چاہو مجھ سے فون پر بات کر سکتے ہو...... سولن روڈ والی کالونی میں کئی
خالی پڑے ہیں...... میں اپنا منشی ہری رام تمہارے ساتھ کر دیتا ہوں...... وہ تمہیں
فلیٹ کرائے پر لے دے گا"۔

مجاہد فیروز نے کاؤنٹر کی دراز میں سے کچھ کرنسی نوٹ نکال کر عمران کو دیئے اور کہا۔

"اس میں سے ایک ماہ کا ایڈوانس کرایہ ادا کر دینا...... ان فلیٹوں میں فرنیچر اور
فون وغیرہ کی سب سہولتیں موجود ہیں...... تمہیں کوئی چیز خریدنی نہیں پڑے
سولن روڈ پر وہیں ایک ریستوران ہے...... وہاں سے تم کھانا وغیرہ کھا لیا کرنا......
رات تم وہیں آرام کرنا...... کل تم سے فون پر رابطہ کروں گا اور مشن کے سلسلے
باتیں کل ملاقات پر ہوں گی"۔

مجاہد فیروز نے ایک بوڑھا منشی جس کا نام ہری رام تھا عمران کے ساتھ کر دیا......
سولن روڈ والے فلیٹوں میں لے گیا...... دو منزلہ فلیٹوں کی تین قطاریں پہاڑی
دامن میں دور تک چلی گئی تھیں...... عمران نے کونے والا فلیٹ جو سب سے الگ
تھا کرائے پر لے لیا...... منشی ہری رام نے ضامن کے طور پر معاہدے پر دستخط
ئے تھے...... وہ چلا گیا...... فلیٹ میں دو کمرے ایک باتھ روم...... ایک کچن اور

ایک چھوٹا سا سٹور تھا...... ایک کمرہ بیڈ روم تھا جہاں بستر وغیرہ لگا تھا...... ڈرائنگ
میں درمیانے درجے کا صوفہ سیٹ پڑا تھا...... ٹیلی فون بھی تھا...... کچن میں سوئی گیس
سلنڈر بھی لگا ہوا تھا...... کچھ ضروری سامان بھی شیلف میں موجود تھا...... دوپہر کا
کھانے عمران سولن روڈ والے ریستوران میں گیا...... چھوٹا سا صاف ستھرا ریستو
تھا...... سبزی کا سالن اور پھلکے تیار تھے...... رات کو بھی عمران نے اسی ریستوران
کھانا کھایا اور فلیٹ میں آکر سو گیا۔

رات کو سردی ہو گئی تھی...... دو کمبل پلنگ پر پہلے سے رکھے ہوئے تھے
رات آرام سے گزر گئی...... صبح اٹھ کر عمران نے کھڑکی میں سے باہر دیکھا
خوبصورت پہاڑی شہر کی عمارتیں سورج کی سنہری دھوپ میں چمک رہی تھیں
ساتھ والے فلیٹ میں سے ایک سوٹ بوٹ میں ملبوس آدمی باہر نکل کر اپنی کار
بیٹھا اور اسے ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا...... باقی وہاں کافی سکون اور خا
تھی...... کمانڈو عمران کے لئے اس قسم کا ماحول بڑا مفید تھا...... ریستوران میں
اس نے ناشتہ کیا اور اپنے فلیٹ میں آکر مجاہد فیروز کے فون کا انتظار کرنے لگا۔
گیارہ بجے کے قریب اس کا فون آ گیا...... کہنے لگا۔

"میں ایک گھنٹے بعد تمہارے پاس آ رہا ہوں"۔

ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد مجاہد فیروز آ گیا...... وہ اور کمانڈو عمران بیڈ رو
دروازہ بند کر کے بیٹھ کر باتیں کرنے لگے...... عمران نے کہا۔

"بھارتی سائنس دان ڈاکٹر رگھو پتی ہماری اطلاع کے مطابق شملے یا شملے کے
وجوار میں ہی کسی جگہ روپوش ہے اور خفیہ طور پر اپنے نیوکلر وار ہیڈ فارمولے پر
ہے...... میرا مشن اس کا کھوج لگانا ہے...... آپ اس سلسلے میں میری کیا مدد کر
کیونکہ آپ یہاں ایک مدت سے مقیم ہیں جبکہ میرے لئے یہ علاقہ اجنبی ہے"۔
مجاہد فیروز بولا۔

"ہمارے کچھ مجاہد مختلف حلیوں میں شملے میں اور شملے کے دیہات میں اپنے
رائض ادا کر رہے ہیں...... میں ان سے آج ہی خفیہ رابطے پر بات کرتا ہوں......
ہو سکتا ہے انہیں ڈاکٹر رگھو پتی کا کوئی سراغ مل جائے...... اس دوران تمہیں میرے
بنس میں آنے کی ضرورت نہیں ہے...... اگر کوئی خاص بات پوچھنی ہو تو مجھے فون
ر دینا...... میں خود تمہارے پاس آ جاؤں گا...... زیادہ تر اپنے فلیٹ میں ہی رہنا...... میں
ج ہی اپنے آدمیوں کو سائنس دان رگھو پتی کے بارے میں بریف کر دوں گا"۔

اس بات کو دو دن گزر گئے...... کمانڈو عمران صبح سے رات تک اپنے فلیٹ میں ہی
ہتا...... صرف صبح کو ناشتہ کرنے اور رات کو اور دوپہر کو کھانا کھانے کے واسطے
یستوران میں جاتا...... خاموشی سے کھانا وغیرہ کھاتا اور واپس آ جاتا...... اس پہاڑی
مقام پر شہر سے سیاح اور دوسرے لوگ سیزن گزارنے آیا ہی کرتے تھے، اس لئے
یستوران کے مالک نے بھی عمران کو سمجھا کہ وہ شہر سے سیزن گزارنے یا شملے کی
ر سیاحت کرنے آیا ہوا ہے...... سیزن میں اس پہاڑی مقام پر سینکڑوں اجنبی چہرے
ے میں آتے تھے، چنانچہ کسی کو یہ شک نہ ہوا کہ یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے......
ا رہتا ہے...... ہمیشہ اکیلا کھانا کھانے آتا ہے...... اس کے ساتھ کوئی دوسرا کیوں
ا ہوتا۔

دوسرے دن رات کو مجاہد فیروز کا فون آیا...... کہنے لگا۔

"مسٹر کشوری لال کیا حال ہے تمہارا؟"۔

اس نے عمران کا ہندوانہ نام کشوری لال رکھا ہوا تھا...... عمران نے کہا۔

"مہاراج بالکل ٹھیک ہوں"۔

مجاہد فیروز بولا۔

"تمہارا کام ہو رہا ہے...... دو ایک دن کے بعد کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور سامنے
ئے گا"۔

اس کے بعد مزید دو دن گزر گئے۔

پانچویں روز مجاہد فیروز نے فون کیا۔

"کشوری لعل جی آپ کی کن سائمنٹ ہمیں مل گئی ہے...... آج رات مرا اکاؤنٹنٹ لیجر لے کر آپ کے پاس آرہا ہے...... آپ اپنا آرڈر بک کروا لیجئے گا"۔

کمانڈو عمران بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا...... اس نے کہا۔

"تھینک یو مہاراج!"۔

اور فون بند ہو گیا...... رات کے پہلے پہر جب پہاڑیوں اور وادیوں پر اندھیرا چھا ہوا تھا اور ہر طرف خاموشی اور سکوت تھا تو مجاہد فیروز آگیا...... اس نے آتے ہی عمران سے پوچھا۔

"یہاں تمہیں کسی چیز کی تکلیف تو محسوس نہیں ہوئی"۔

عمران نے کہا۔

"بالکل نہیں...... صرف یہ احساس ہر وقت رہتا تھا کہ وقت گزرتا جا رہا ہے معلوم نہیں بھارتی سائنس دان کا نیوکلر پراجیکٹ کا کام کہاں تک مکمل ہو گیا ہو گا ہمیں اس پراجیکٹ پر کام کو ہر حالت میں روکنا اور بھارتی سائنس دان کو جتنی جلد ہو سکے ختم کرنا ہے"۔

مجاہد فیروز بولا۔

"میں اس سلسلے میں تم سے بات کرنے آیا ہوں"۔

عمران نے پر امید نگاہوں سے مجاہد فیروز کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"کیا رگھو پتی کا کوئی سراغ ملا؟"۔

مجاہد فیروز نے کہا۔

"صرف اتنا سراغ ملا ہے کہ یہ بھارتی سائنس دان شملہ اور سولن کے در کسی جگہ زیر زمین اپنے فارمولے پر کام کر رہا ہے...... اس خاص جگہ کی ابھی تک

نہیں ہو سکی"۔

عمران نے پوچھا۔

"آپ کے آدمیوں کے سراغ لگانے کا طریقہ کار کیا ہے؟"۔

مجاہد فیروز بولا۔

"وہی جو ایک تجربے کار اور ذمے دار سراغ رساں کا ہوا کرتا ہے...... دوسری اہم یہ ہے کہ ہمارے آدمی اسی علاقے کے ایک طرح کے باشندے بن چکے ہیں...... سب پہاڑی آبادیوں سے واقف ہیں...... آگے ان کے اپنے آدمی ہیں جو انہیں سراغ رسانی سے مزید مفید معلومات فراہم کرتے ہیں...... اس طرح ہمارا ایک سا پھیلا ہوا ہے...... یہی وجہ ہے کہ مجھے پوری امید ہے کہ ہم بہت جلد ڈاکٹر پتی کے اصل ٹھکانے کا سراغ لگا لیں گے...... تمہیں اس کی اطلاع کر دی جائے اس کے بعد تمہارا کمانڈو مشن شروع ہو گا"۔

عمران نے محسوس کیا کہ مجاہد فیروز کی باتیں عقلی اور فنی اعتبار سے بالکل حق تھیں، مگر اس میں دیر لگ رہی تھی...... عمران چاہتا تھا کہ نیوکلر فارمولے پر عمل کو جلدی سے جلدی ختم کر دیا جائے، لیکن مجاہد فیروز اور اس کے آدمیوں کے ماحول کے مطابق اپنے طریقہ کار تھے...... انہیں ہر قدم بڑا سوچ سمجھ کر حد احتیاط کے ساتھ اٹھانا پڑتا تھا...... شملہ ایک طرح سے پنجاب اور ہماچل کا سرمائی دارالحکومت ہی تھا، جہاں سی آئی ڈی اور سول پولیس کی بھاری نفری تھی اور پولیس کا ہیڈ کوارٹر بھی تھا...... فوجی یونٹ بھی موجود تھے۔

عمران کو یہ ساری باتیں بتانے کے بعد مجاہد فیروز نے کہا۔

"تمہارے لئے اب اس سے زیادہ دیر فلیٹ میں بند رہنا بھی ٹھیک نہیں...... تم ت میرے آفس بھی بزنس کے بہانے آ جایا کرو اور شام کو کپڑے وغیرہ بدل کر مال روڈ کی تھوڑی بہت سیر بھی کر لیا کرو...... سیزن اگرچہ ختم ہو رہا ہے اور

پہاڑی پر آئے ہوئے میدانی علاقے کے لوگوں نے واپس جانا شروع کر دیا ہے، لیکن شملے کی اپنی کافی آبادی ہے اور شہر سے بھی کچھ لوگ صرف ستمبر میں یہاں کے موسم کا لطف اٹھانے آتے ہیں"۔

عمران بولا۔

"ٹھیک ہے...... میں کسی وقت آجایا کروں گا"۔

چنانچہ دوسرے روز عمران نے گرم جیکٹ پہنی اور تین چار بجے کے درمیان سہ پہر کو شملے کی مال روڈ کی طرف نکل آیا...... یہیں مجاہد فیروز کا بزنس آفس بھی تھا...... پندرہ بیس منٹ کے لئے وہ اس کے پاس بھی گیا اور دوسروں کے سامنے بزنس کی باتیں کرتا رہا اور بار بار یہی کہتا رہا۔

"سر! میرا یہاں بڑا خرچ ہو رہا ہے...... میرے مال کی سپلائی کا ذرا جلدی انتظام کر دیں تاکہ میں اس خرچے سے بچ سکوں اور واپس چلا جاؤں"۔

مجاہد فیروز خالص کاروباری انداز میں اس کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا...... کہنے لگا۔

"کشوری لعل جی! کاروبار میں تو ایسا ہوتا ہی ہے...... کبھی مال دو دن پہلے آجاتا ہے اور کبھی چار دن اوپر ہو جاتے ہیں...... بہر حال بھگوان نے چاہا تو اسی ہفتے آپ کے مال کی سپلائی ہمیں مل جائے گی"۔

اس قسم کی خالص کاروباری گفتگو کے بعد عمران مجاہد فیروز کے آفس سے نکل کر مال روڈ پر آگیا...... شام ہو چکی تھی...... مال کی دکانوں میں خوب روشنیاں ہو رہی تھیں...... عورتیں، مرد، بچے سب گرم کپڑوں میں ملبوس مال روڈ پر سیر کے لئے نکل آئے تھے...... شام اور رات کے وقت وہاں موسم سرد ہو جاتا تھا۔

عمران نے سوچا کہ رات کا کھانا یہیں کسی ریستوران میں کھا لینا چاہیے...... وہ ایک ریستوران میں داخل ہو گیا...... بڑا ماڈرن اور سجا ہوا ماحول تھا...... فضا میں ہلکی ہلکی موسیقی کی کوئی انگریزی دھن سنائی دے رہی تھی...... ٹیبل لیمپوں کی مدھم روشنی میں

رنگ برنگی ساڑھیوں اور گرم سویٹروں میں ملبوس عورتیں اور مرد چھوٹی گول میزوں کے گرد بیٹھے کافی پینے اور کھانا وغیرہ کھانے میں مصروف تھے...... عمران کونے والی ایک میز پر بیٹھ گیا اور بیرے سے کھانے کو سبزی اور چاول وغیرہ منگوا لئے...... کھانے سے فارغ ہو کر وہ کافی پی رہا تھا کہ اس کی دائیں جانب سے کسی لڑکی کی گڈ ایوننگ سر کی آواز آئی...... اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو ایک بار تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی...... اس نے اپنے آپ سے کہا...... یہ مصیبت یہاں کہاں سے آگئی ہے...... یہ وہی کارمن تھی جو عمران کو بمبئی میں ستار سیٹھ کے ریسٹ ہاؤس کے عقب میں جو چھوٹا سا سرکاری باغ تھا وہاں ملی تھی اور جسے اس نے غنڈوں سے بچایا تھا...... اس نے جینز کے اوپر گرم فل سویٹر پہن رکھا تھا اور عمران کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی...... کہنے لگی۔

"سر! آپ کو یہاں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی...... میں اپنی ممی کے ساتھ شملے آئی ہوئی ہوں"۔

وہ عمران کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی۔

"سر! ہم سیزن میں صرف ستمبر کے شروع میں شملے ایک مہینے کے لئے آتے ہیں...... ستمبر میں یہاں بڑا اچھا موسم شروع ہو جاتا ہے...... لوگ بھی کم ہو جاتے ہیں...... سر! آپ کب آئے"۔

عمران خاموشی سے کارمن کی باتیں سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی سے کیسے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے...... وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہاں اسے کوئی ایسا شخص دیکھ لے جس نے اسے بمبئی میں بھی دیکھا ہوا ہو...... اس نے کہا۔

"میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں...... دو ایک دن میں واپس چلا جاؤں گا"۔

کارمن نے پوچھا۔

"سر! آپ یہاں کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں...... ہم تو ہمیشہ بڑے ڈاک خانے کے

پیچھے ایک ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرتے ہیں...... ریسٹ ہاؤس کی مالک ایک کرسچین خاتون ہے، جو میری ممی کی سہیلی ہے...... ستمبر میں ہمیں دو کمرے رعایتی ریٹ پر مل جاتے ہیں...... سر! میں آپ کے لئے کافی منگواؤں؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں کافی پی رہا ہوں...... شکریہ"۔

"اچھا تو میں اپنے لئے منگوا لیتی ہوں...... دراصل میں یہاں کافی پینے ہی آئی تھی...... رات کو شملے میں سردی ہو جاتی ہے"۔

اس نے بیرے کو اشارہ کر کے ایک کافی لانے کو کہا...... عمران نے بیزاری سے ریستوران کے دروازے کی طرف دیکھا...... اب وہ وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا...... کارمن مسلسل بول رہی تھی...... کہنے لگی۔

"سر! جب میں نے اپنی ممی کو بتایا کہ آپ نے کس طرح مجھے غنڈوں سے بچایا ہے تو وہ بڑی خوش ہوئیں...... کہنے لگیں میں خود چل کر اس نوجوان کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں...... میں نے کہا ممی مجھے تو خود معلوم نہیں کہ وہ کہاں رہتے ہیں...... سر! آپ کسی روز شام کو ہمارے ساتھ کھانا کھائیں...... میری ممی آپ سے مل کر بڑی خوش ہوں گی"۔

عمران نے کہا۔

"ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا...... یہاں میں بہت مصروف ہوں"۔

کارمن بولی۔

"سر! آپ کو جب بھی فرصت ملے ہمیں فون کر دیجئے گا"۔

اس نے عمران کو اپنے ریسٹ ہاؤس کا فون نمبر بھی لکھ کر دے دیا...... عمران نے کاغذ لے کر جیب میں رکھ لیا اور کہا۔

"میں کوشش کروں گا"۔

پھر اس نے بیرے کو بلا کر کہا۔

"میرا اور میڈم کی کافی کا دونوں بل لاؤ"۔

"نہیں نہیں سر!" کارمن نے جلدی سے کہا...... "میں آپ کو بل نہیں دینے دوں گی...... میں خود بل ادا کروں گی"۔

عمران نے کہا۔

"اس وقت تم میری مہمان ہو...... مجھے بل ادا کر لینے دو...... اس کے بعد بے شک تم بل ادا کر دینا"۔

کارمن مسکرا دی تھی...... کہنے لگی۔

"سر! آپ بڑے اچھے انسان ہیں...... آج کل کے ماحول میں آپ ایسے انسان بڑی مشکل سے ملتے ہیں"۔

عمران خاموشی سے ریستوران کے دروازے کی طرف دیکھتا رہا، جہاں اسے مال روڈ پر سے گزرتے لوگ نظر آ رہے تھے...... اتنے میں بیرا بل لے کر آ گیا...... عمران نے بل ادا کیا اور اٹھتے ہوئے بولا۔

"اچھا کارمن گڈ لک! پھر ملاقات ہو گی" کارمن بھی اٹھ کھڑی ہوئی...... کہنے لگی۔

"سر! مجھے فون ضرور کریں...... میری ممی کو آپ سے مل کر بڑی خوشی ہو گی...... سر! مجھے بھی آپ سے مل کر خوشی ہو گی"۔

عمران نے کہا۔

"ضرور ضرور"۔

بیرا کارمن کے لئے بھی ایک کافی ساتھ ہی لایا تھا...... عمران تیزی سے ریستوران سے باہر نکل گیا...... مال پر آ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا اور سوچنے لگا کہ اس لڑکی سے دوبارہ ملاقات نہیں ہونی چاہئے...... خدا جانے یہ کون ہے...... اسے یہ بھی خیال آنے لگا کہ کہیں اس لڑکی کا تعلق سی آئی اے سے تو نہیں ہے اور کہیں ایسی

بات تو نہیں ہے کہ اس کا پیچھا کرتی ہوئی وہاں آ گئی ہو...... پھر اسے خیال آیا کہ اگر ایسی
بات ہوتی تو وہ اس کے سامنے نہ آتی...... بس اتفاق کی بات ہے کہ ستمبر میں جب عمران
شملے آیا ہے تو یہ لڑکی بھی اپنی ماں کے ساتھ وہاں آئی ہوئی تھی اور اتفاقاً اس کی ملاقات
عمران سے ہو گئی...... عمران نے اپنے آپ سے کہا، لیکن اب اس لڑکی سے مجھے بچ کر
رہنا ہو گا...... یہ باتیں بہت کرتی ہے اور کہیں اس کی وجہ سے وہ خواہ مخواہ کسی مصیبت
میں گرفتار نہ ہو جائے...... وہ ایک ایسے اہم مشن پر شملے آیا ہوا تھا کہ جس کا اولین تقاضا
تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی نظروں سے دور رہے...... اس نے مجاہد فیروز سے
کارمن کا بالکل ذکر نہ کیا...... اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

دوسرے روز عمران اپنے فلیٹ میں ہی رہا...... ناشتہ اور کھانا بھی اس نے کسی نہ
کسی طرح کچن میں خود ہی بنا لیا تھا...... اس سے اگلے روز بھی وہ فلیٹ میں ہی رہا......
مزید ایک دن گزر گیا...... پھر شام کو مجاہد فیروز کا فون آیا۔

"کشوری لعل جی! بدھائی ہو...... ہماری دوسری سپلائی بمبئی پہنچ گئی ہے...... اب
آپ کو بڑی جلدی مال مل جائے گا...... ایک ضروری کاغذ پر آپ کے سائن کروانے
ہیں...... میں اپنے منشی کو بھیج رہا ہوں...... کاغذ پر دستخط کر دیجئے گا"۔

عمران نے کہا۔

"میں ضرور کر دوں گا مہاراج!"۔

مجاہد فیروز کی آواز آئی۔

"اچھا جے رام جی"۔

عمران نے بھی جواب میں کہا۔

"جے رام جی کی"۔

اور فون بند ہو گیا...... عمران سوچنے لگا کہ مجاہد فیروز کو اپنا منشی بھیجنے کی
ضرورت تھی...... وہ خود آ سکتا تھا...... پھر اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کہ مجاہد فیروز

فون پر یہ نہ کہنا چاہتا ہو کہ میں خود کاغذ لے کر آ رہا ہوں، کیونکہ جب سے مجاہد فیروز
کے اپنے آدمیوں نے ڈاکٹر رگھو پتی کی سراغ رسانی شروع کی تھی مجاہد فیروز ٹیلی فون پر
بے حد محتاط ہو گیا تھا...... عمران نے دل ہی دل میں مجاہد فیروز کی عقل مندی کی داد
دی...... اس کی یہی ہوشیاری، موقع شناسی اور دانشمندی تھی کہ جس کی وجہ سے وہ کئی
سالوں سے وہاں جہاد کشمیر اور پاکستان کے لئے انتہائی کار آمد خفیہ خدمات سرانجام دے
رہا تھا اور آج تک کسی کو اس پر ذرا سا شک بھی نہیں پڑا تھا۔

اس ٹیلی فون کال کو ایک گھنٹہ ہی گزرا ہو گا کہ مجاہد فیروز خود اس کے فلیٹ پر
آ گیا...... اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھی...... اس کا لباس اس علاقے کے کاروباری
پڑھے لکھے ہندوؤں ایسا تھا...... اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی اور فائل میز
کی ایک طرف رکھ کر عمران کے سامنے بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"بھارتی سائنس دان ڈاکٹر رگھو پتی کس جگہ پر چھپ کر کام کر رہا ہے...... اس
جگہ کا سراغ ہزار کوشش کے باوجود نہیں مل سکا"۔

عمران نے مایوسی کے لہجے میں کہا۔

"یہ تو اچھا نہیں ہوا"۔

مجاہد فیروز بولا۔

"ایسا کبھی کبھی ہو جاتا ہے...... یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے...... ہمارے آدمی
کوئی باقاعدہ سی آئی اے کے تربیت یافتہ نہیں ہیں...... وہ عام دیہاتیوں کے لباس میں
مختلف دیہات میں رہ رہے ہیں...... ان کے وسائل محدود ہیں...... اس کے باوجود ہمیں
مایوس نہیں ہونا چاہئے"۔

عمران نے کہا۔

"پھر آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟"۔

مجاہد فیروز نے کہا۔

"لیکن ہمارے آدمیوں نے اس جگہ کا پتہ چلالیا ہے جہاں سے ڈاکٹر رگھوپتی کا سراغ مل سکتا ہے"۔

عمران نے جلدی سے پوچھا۔

"وہ کون سی جگہ ہے؟"۔

مجاہد فیروز بولا۔

"وہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں تک ہمارے عام دیہاتی حلیے میں رہنے والے آدمیوں کی پہنچ نہیں ہے...... اب آگے تمہارا کام شروع ہوتا ہے...... بات یہ ہے کہ یہاں پر مقیم اعلیٰ سرکاری اور فوجی افسروں نے شملے کے شور وغل اور ہنگاموں سے دور ایک دور افتادہ چھوٹی سی پہاڑی وادی میں ایک پرائیویٹ کلب بنایا ہوا ہے، جہاں یہ سب سرکاری اور فوجی افسر جو ریٹائرڈ ہو چکے ہیں شام کو بیٹھ کر سکون کے ساتھ ایک دوسرے سے پرانے دنوں کی باتیں کرتے ہیں...... اپنی اپنی پسند کا کھانا بنوا کر کھاتے ہیں اور اپنی اپنی پسند کے مشروبات پیتے ہیں...... یہ لوگ بوڑھے ہو چکے ہیں اور گھروں میں ان کی وہ آؤ بھگت اب نہیں ہوتی جو ان دنوں ہوا کرتی تھی جب وہ باقاعدہ سرکاری آرمی سروس میں تھے، چنانچہ وہ بے قدری اور تنہائی کے عذاب سے نجات حاصل کرنے اس کلب میں اپنے دوستوں کے پاس آجاتے ہیں اور اپنے جیسے ریٹائرڈ افسروں کے ساتھ پرانے دنوں کے قصے کہانیاں دہرا کر اپنی جوانی اور سروس کے دنوں کو یاد کر کے تسکین حاصل کرتے ہیں...... ان کی محفل شام کو شروع ہو جاتی ہے اور رات گئے تک جاری رہتی ہے...... ان میں سے کوئی صرف شمپین پیتا ہے...... کوئی صرف وائن کے ایک آدھ پیگ سے جی بہلاتا ہے...... کوئی صرف کافی پیتا ہے...... ان سے کوئی بھی بلانوش نہیں ہے...... تھوڑی تھوڑی ڈرنک کر کے ہلکا سا سرور حاصل کر کے اپنے ماضی کے دنوں کو یاد کرتے ہیں...... سب بوڑھے ہو چکے ہیں...... سے کشمیر میں مجاہدین کی سرگرمیاں تیز ہوئی ہیں یہ بوڑھے ریٹائرڈ افسر اپنے

گارڈز کے ساتھ آتے ہیں، جو کلب کے باہر بیٹھ کر سارا وقت پہرہ دیتے ہیں...... کلب کی جانب سے بھی سیکورٹی گارڈ کا پورا مسلح دستہ ہر وقت پہرے پر موجود رہتا ہے...... باہر کے کسی آدمی کو کلب کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے...... ہمارے آدمیوں کے خاص مخبروں نے انتہائی جانفشانی سے سراغ رسانی کرنے کے بعد ہمیں بتایا ہے کہ یہاں کبھی کبھی رات کے اندھیرے میں ایک جیپ آکر رکتی ہے جس میں سے ایک بوڑھا آدمی سیکورٹی گارڈز کی حفاظت میں اتر کر جلدی سے کلب کے اندر چلا جاتا ہے...... ہمارے آدمیوں کو اس جیپ والے بوڑھے پر اس لئے شک پڑا ہے کہ کلب کے باقی تمام بوڑھے افسر شملے کی جانب سے اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر آتے ہیں، لیکن صرف یہ بوڑھا ایسا ہے جس کی جیپ وہ شملے کی بجائے سولن کے شمال میں واقع پہاڑیوں کی جانب سے کچے پہاڑی راستے سے ہو کر آتی ہے...... ہمارے مخبروں کو شبہ ہے کہ شاید یہی وہ آدمی ہے جس کی ہمیں تلاش ہے، چونکہ تم نے ڈاکٹر رگھوپتی کی شکل دیکھی ہوئی ہے اس لئے صرف تم ہی ایک ایسے آدمی ہو جو اس کی شناخت کر سکتے ہو"۔

عمران نے پوچھا۔

"یہ بوڑھا شخص جیپ پر کلب میں کب آتا ہے اور کس وقت تک کلب میں رہتا ہے؟"۔

مجاہد فیروز نے کہا۔

"ہماری اطلاع کے مطابق اس بوڑھے کا کلب کے دوسرے بوڑھے افسروں کی طرح کوئی طے شدہ وقت نہیں ہے...... وہ ہفتے میں کسی بھی روز رات کے اندھیرے میں آجاتا ہے اور کچھ وقت کلب میں گزارنے کے بعد واپس چلا جاتا ہے...... اس کی جیپ بند ہوتی ہے جس کے آگے اور باہر سیکورٹی گارڈ کھڑے رہتے ہیں...... سب سے بڑی ضرورت تو اس بات کی ہے کہ تم خود وہاں جاؤ اور کسی جگہ چھپ کر اس بوڑھے کا انتظار کرو...... جب اور جس روز رات کو وہ آئے تو اسے غور سے دیکھو کہ کیا یہی ڈاکٹر

رگھو پتی ہے؟ اگر یہی وہ بوڑھا سائنس دان ہے جس کی تمہیں تلاش ہے تو پھر وہیں
کر یہ معلوم کرو کہ وہ کلب کے اندر کتنی دیر تک رہتا ہے...... اس کے بعد جو کچھ
چاہئے وہ تمہیں خود ہی کرنا ہوگا...... ہاں...... تمہیں اس مشن کے لئے جس قسم
بھی اسلحہ کی ضرورت ہوگی وہ تمہیں مل جائے گا"۔

مجاہد فیروز اپنی بات ختم کرنے کے بعد عمران کے چہرے کے تاثرات کا جا
لے رہا تھا...... عمران کو اپنا ٹارگٹ پوری تفصیل کے ساتھ سمجھ میں آ گیا تھا...... ا
نے کہا۔

"مجھے ایک ایسے گائیڈ کی ضرورت ہوگی جو مجھے بوڑھے ریٹائرڈ افسروں کا
پراسرار کلب روڈ سے دکھا دے...... کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں؟"۔

مجاہد فیروز کہنے لگا۔

"میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا...... البتہ میں ایک گائیڈ تمہارے سا
کر دوں گا"۔

"ٹھیک ہے" کمانڈو عمران نے کہا...... "میں کل رات کسی بھی وقت اس
ساتھ جانے کو تیار ہوں"۔

مجاہد فیروز عمران کو یہ کہہ کر چلا گیا کہ کل رات کے دس بجے ایک گائیڈ اس
فلیٹ پر پہنچ جائے گا جو بجلی درست کرنے والے الیکٹریشن کے بھیس میں ہوگا۔

اس کے جانے کے بعد عمران نے اس مشن کے نشیب و فراز پر غور شر
کر دیا...... بظاہر یہ مشن کوئی زیادہ مشکل اور پیچیدہ مشن نہیں تھا...... اسے رات
اندھیرے میں ڈاکٹر رگھو پتی کو شناخت کرنا اور پھر کسی جگہ گھات لگا کر بیٹھ جانا اور ک
سے اس کی واپسی پر اس کی جیپ پر اندھا دھند فائرنگ کر کے اسے ہلاک کر دینا
لیکن حقیقت میں یہ کام اتنا آسان نہیں تھا...... مخبروں کی رپورٹ کے مطابق یہ
سیکورٹی گارڈز کی سخت حفاظت میں وہاں آتا تھا...... رات کے اندھیرے میں ا

رتے وقت نشانہ چوک بھی سکتا تھا...... پھر یہ شخص جیپ میں ہوگا جو چاروں
ے بند ہوگی...... پہلے فائر پر ہی سیکورٹی گارڈ جوابی فائرنگ کھول دیں گے اور
یلا وہاں زیادہ دیر تک ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

ب سے زیادہ تشویش عمران کو اس بات کی تھی کہ اگر وہ پہلے حملے میں ڈاکٹر
و اپنی فائرنگ سے ہلاک نہ کر سکا (جس کے امکانات بہت کم تھے) تو اس کے
ں کلب میں کبھی نہیں آئے گا اور عین ممکن ہے کہ حکومت یہ دیکھ کر کہ
س کو ہلاک کرنے کی غرض سے وہاں بھی پہنچ گئے ہیں...... وہ ڈاکٹر رگھو پتی کو
غائب ہی کر دیں اور ملک کے کسی دوسرے حصے میں پہنچا دیں جس کا سراغ لگانا
ے لئے ناممکن ہو جائے...... اس وقت تو اس کا ٹارگٹ اس کے سامنے ہے......
چتا کہ اسے ڈاکٹر رگھو پتی کی جیپ پر دستی بم پھینکنے چاہئیں، لیکن اس میں بھی
چ جانے کے امکانات پچاس فی صد تھے...... کسی وقت سوچتا کہ اسے جس
ے جیپ کلب میں آتی ہے وہاں کسی جگہ بارودی سرنگ بچھا دینی چاہئے، لیکن یہ
تا تھا کہ جیپ کا پہیہ بارودی سرنگ کو بچا کر گزر جائے...... یا اگر بارودی سرنگ
ی جائے تو جیپ کا ڈرائیور یا باڈی گارڈز زخمی ہو جائے اور ڈاکٹر رگھو پتی بچ
یہ ایک ایسا ٹارگٹ تھا جسے پہلے حملے اور پہلے نشانے میں ہی مار ڈالنے کی
تھی...... ایک بار اگر یہ شخص بچنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر اس کا دوبارہ
یقینی طور پر ناممکن ہو سکتا تھا، کیونکہ بھارت سرکار ایسے قیمتی آدمی کے لئے
دوسرا خطرہ کبھی مول نہیں لے گی اور اسے کسی دوسری جگہ غائب کر دے
نڈو عمران کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا اور سو گیا۔

رے دن رات کو وہ اپنے فلیٹ کی صرف بیڈ روم کی بتی روشن کر کے گائیڈ کا
نے لگا...... رات کے ٹھیک گیارہ بجے دروازے پر کسی نے آہستہ سے دستک
مران نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو باہر ایک آدمی جس نے کھیس کی بکل مار رکھی

تھی ہاتھ میں تھیلا لئے کھڑا تھا...... کہنے لگا۔

"مہاراج! ہمیں شکایت ملی ہے کہ آپ کے فلیٹ کی بتیاں نہیں جلتیں... الیکٹریشن ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"اندر آ جاؤ"۔

وہ اسے بیڈ روم میں لے آیا...... درمیانی عمر کا آدمی تھا...... عمران نے پوچھا۔

"کیا تمہیں فیروز صاحب نے بھیجا ہے؟"۔

اس آدمی نے کہا۔

"جی ہاں...... آپ کا نام کیا ہے؟"۔

عمران نے اسے اپنا اصلی نام بتایا تو وہ آدمی بولا۔

"مجھے فیروز صاحب نے ہی بھیجا ہے...... میں آپ کو ٹارگٹ تک لے جا لئے آیا ہوں...... میں آپ کا گائیڈ ہوں...... میرا نام عثمان ہے"۔

مجاہد فیروز نے بھی عمران کو اس کا یہی نام بتایا تھا...... کہنے لگا۔

"اگر آپ تیار ہیں تو میرے ساتھ چل پڑیں...... ہمیں وقت ضائع نہ چاہئے"۔

عمران بولا۔

"میں بالکل تیار ہوں...... تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا"۔

وہ گائیڈ کو لے کر بیڈ روم سے باہر آ گیا...... پھر وہ دونوں فلیٹ سے نکل آ عمران نے فلیٹ کا تالہ لگایا اور گائیڈ کے ساتھ رات کے اندھیرے میں سولن فلیٹ علاقے سے نکل کر نیچے سولن روڈ کی طرف چلنے لگا...... گائیڈ خاموشی سے قدموں سے چل رہا تھا...... سولن کو جانے والی سڑک پختہ تھی...... سڑک پر کسی موٹر گاڑی کی روشنی دیکھ کر گائیڈ سڑک سے اتر کر نیچے جھاڑیوں اور درخ

عمران بھی اس کے ساتھ تھا...... جب گاڑی سڑک پر سے گزر گئی تو گائیڈ بولا۔

یں سڑک سے ہٹ کر چلنا چاہئے...... میرا خیال تھا کہ اس وقت شاید سڑک ہو لیکن سیزن ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوا...... لوگ آ جا رہے ہیں"۔

ڑک کی ڈھلان پر جھاڑیوں کے درمیان سے ہو کر سولن روڈ کے متوازی تھے...... میل ڈیڑھ میل چلنے کے بعد گائیڈ اسے ایک پہاڑی پگ ڈنڈی پر لے پگ ڈنڈی پر بھی وہ کافی دور تک چلتے رہے...... گائیڈ عمران کو اشارے سے روڈ کی بتیاں دکھا دیتا تھا...... اس کا مطلب تھا کہ وہ سولن روڈ کے ساتھ چل رہے تھے...... ایک جگہ پہنچ کر گائیڈ عمران کو لے کر ڈھلان پر نیچے اتر نچے ایک چھوٹی کچی سڑک آ گئی...... گائیڈ نے بتایا کہ یہ سڑک آگے جا کر روں کی کلب کے عقب میں اس پہاڑی راستے کے قریب جا نکلتی ہے جہاں ے سائنس دان کی جیپ آتی ہے...... عمران نے گائیڈ سے پوچھا۔

تم نے اس بوڑھے سائنس دان کو دیکھا ہے؟"۔

ر بولا۔

ں نے اپنے آدمی کے ساتھ چھپ کر اسے اس وقت دیکھا ہے جب وہ ڈز کے نرغے میں جیپ سے نکل کر کلب کے برآمدے میں جلدی سے یا تھا...... برآمدے کی روشنی میں مجھے صرف اس کا گنجا سر ہی نظر آیا تھا"۔

ن نے پوچھا۔

وڑھا نیچے کہاں سے آتا ہے؟"۔

بولا۔

ے متعلق ہم زیادہ کھوج اس لئے نہیں لگا سکے کہ جس طرف سے اس کی ے اس طرف آگے جا کر بہت بڑی فوجی چھاؤنی ہے جہاں کسی سویلین کو زت نہیں ہے...... ہمارا خیال ہے کہ اس آدمی کی جیپ فوجی چھاؤنی کے

اندر ہی سے آتی ہے"۔

اس طرح باتیں کرتے کرتے وہ ٹارگٹ کے قریب پہنچ گئے...... عمران کو دور سے
جگہ درختوں کے پیچھے روشنیاں ٹمٹماتی نظر آئیں...... یہ زیادہ تیز نہیں تھیں...... گ
نے عمران کو بتایا کہ یہی ریٹائرڈ بوڑھوں کا کلب ہے۔

"ہم کلب کے پیچھے کی جانب نکلیں گے"۔

گائیڈ آگے آگے جا رہا تھا...... عمران کی طرح گائیڈ کو بھی اندھیرے میں چلنے کی
عادت تھی...... وہ اونچی نیچی جھاڑیوں اور درختوں کے درمیان سے گزرتے کلب
پیچھے سے ہو کر ایک کچے راستے پر آ گئے جس پر گول گول چھوٹے بڑے بے شمار
بکھرے ہوئے تھے...... گائیڈ نے دھیمی آواز میں نیچے کی طرف اشارہ کر کے کہا
اس طرف سے گنجے ڈاکٹر کی جیپ آتی ہے اور یہاں سے ہوتی ہوئی اوپر کلب کی طر
مڑ جاتی ہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"اس کے ساتھ سیکورٹی گارڈز کی بھی جیپ ہوتی ہے یا سیکورٹی گارڈ ڈاکٹر
جیپ میں ہی بیٹھے ہوتے ہیں"۔

گائیڈ کہنے لگا۔

"عام طور پر اس کے آگے سیکورٹی گارڈز کی بھی فوجی جیپ ہوتی ہے جو کھلی
ہے...... اس کے پیچھے گنجے ڈاکٹر کی بند جیپ ہوتی ہے...... ایک بار میں نے اسے
اپنی جیپ میں آتے دیکھا تھا...... سیکورٹی کے محافظ جیپ کے پیچھے بھی سٹین گنیں
کھڑے تھے اور جیپ کے بونٹ پر بھی دائیں بائیں بیٹھے تھے"۔

گائیڈ عمران کو اس جگہ لے آیا جہاں کچھ فاصلے پر درختوں کے نیچے بوڑھو
اک منزلہ کوٹھی نما عمارت تھی جس کے برآمدے میں روشنی ہو رہی تھی......
دھندلا سا بلب عمارت کے باہر جل رہا تھا...... باہر چھوٹے سے لان میں ایک ط

ہ گاڑیاں کھڑی تھیں...... گائیڈ عمران کو لے کر ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپ کر
تھا، کیونکہ کلب کے برآمدے اور لان میں مسلح سیکورٹی گارڈز ادھر ادھر ٹہل
دے رہے تھے...... اوپر سے ایک سڑک شملے کی جانب سے بھی آ رہی تھی......
ے کلب کے سامنے سے ہوتی ہوئی آگے جا کر تھوڑی سی چڑھائی چڑھ کر سولن
ساتھ جا کر مل جاتی تھی...... عمران بڑے غور سے بوڑھے افسروں کے کلب
ت کے برآمدے اور وہاں چہل قدمی کرتے مسلح گارڈز کو دیکھ رہا تھا...... گائیڈ
نے کہا۔

گنجے ڈاکٹر کی جیپ یہاں سے مڑ کر کلب کے لان میں داخل ہوتی ہے...... وہ
یہاں نظر نہیں آئے گا...... تم اسے صرف اس وقت دیکھ سکو گے جب وہ
گارڈز کے نرغے میں جیپ سے نکل کر کلب کے برآمدے کی طرف بڑھتا
کیا تم اتنی دور سے اسے پہچان لو گے؟"۔

ران نے کہا۔

میں نے اسے پہلے بھی دیکھا ہوا ہے...... میں اسے اتنی دور سے دیکھ کر پہچان
... کیونکہ وہ برآمدے کی روشنی میں ہو گا"۔

ائیڈ بولا۔

خدا کرے کہ وہ آج رات آ جائے...... وہ عام طور پر رات کے دس سوا دس بجے
اور آدھ پون گھنٹہ کلب میں بیٹھ کر واپس چلا جاتا ہے...... میں نے دیکھ لیا ہے،
ت اس کی جیپ دوسری گاڑیوں کے ساتھ نہیں کھڑی...... اس کے سیکورٹی
ی نظر نہیں آ رہے...... ہم نے اسے یہاں تین چار مرتبہ آتے دیکھا ہے...... وہ
دو ایک بار ہی یہاں آتا ہے، لیکن آتا ضرور ہے...... معلوم ہوتا ہے کہ نیچے
ں اس کی کوئی تفریح نہیں ہے...... وہ تفریح کرنے اور شاید تھوڑی بہت
نے یہاں آ جاتا ہے"۔

کمانڈو عمران نے اردگرد کے ماحول کا بھی ایک کمانڈو کی نگاہ سے جائزہ لے لیا تھا اور کلب کی عمارت کا بھی بڑے غور سے جائزہ لے رہا تھا...... اس کا کسی بھی طرح میں کلب کے اندر جانے کے امکانات کم نظر آرہے تھے...... ایسا لگ رہا تھا کہ اسے جو کچھ کرنا ہے باہر ہی سے کرنا پڑے گا...... گائیڈ نے دھیمی آواز میں کہا۔

"اگر تم نے جگہ اچھی طرح سے دیکھ لی ہے تو میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے واپس چل دینا چاہئے...... یہاں زیادہ دیر رکنا ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے...... ویسے بھی آج تمہارا انچارج ڈاکٹر کلب نہیں آئے گا...... اس وقت تک وہ واپس جا چکا ہوتا ہے"۔

وہ اٹھ کر ڈھلان سے نیچے اترنے لگے...... عمران نے گائیڈ کو آہستہ سے کہا۔

"جس راستے سے تم مجھے لے کر آئے ہو، اسی راستے سے واپس چلنا...... میں اسے یاد رکھنا چاہتا ہوں، کیونکہ میں کل دن میں کسی وقت بھی آکر یہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں"۔

گائیڈ نے کہا۔

"میں تمہیں اسی راستے سے واپس لے جاؤں گا، لیکن میرا ایک مشورہ ہے۔ دن کے وقت یہاں جیکٹ اور پتلون میں نہ آنا...... کوئی بھیس بدل کر آنا...... یہاں دن کے وقت بھی سیکورٹی سٹاف کے آدمی دیہاتیوں کے لباس میں ادھر ادھر موجود ہوتے ہیں"۔

عمران نے پوچھا۔

"دن کے وقت اس کلب کی حفاظت کی کیا ضرورت ہے...... ویسے بھی بوڑھے ریٹائرڈ افسروں کا کلب ہے"۔

گائیڈ کہنے لگا۔

"اصل میں اس کلب میں بعض ایسے ریٹائرڈ فوجی افسر آتے ہیں جنہوں نے میں مظلوم کشمیریوں پر بڑا ظلم و ستم کیا تھا...... یہ سب کچھ انہوں نے صرف

کے لئے کر رکھا ہے...... انہیں ڈر ہے کہ دن کے وقت بھی کشمیری مجاہد کلب پر بم وغیرہ نہ لگا دیں...... اس لئے انہوں نے اپنے طور پر بڑی سخت سیکورٹی اور بس کا انتظار کر رکھا ہے"۔

گائیڈ جن راستوں سے عمران کو لے کر کلب تک گیا تھا ان ہی راستوں سے اسے واپس آیا...... اپنے فلیٹ کے قریب پہنچ کر عمران نے گائیڈ سے کہا۔

"اب تم واپس جا سکتے ہو"۔

گائیڈ نے کہا۔

"اگر تمہیں اسلحے کی ضرورت ہو تو میرے پاس اس وقت ایک آٹومیٹک پستول ہے...... وہ تم لے سکتے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے، جس وقت ضرورت ہو گی تمہیں اطلاع دوں گا"۔

گائیڈ خاموشی سے کھیس کی بکل مار کر اندھیرے میں گم ہو گیا۔



فلیٹ میں صرف بیڈروم میں ٹیبل لیمپ روشن تھا۔

کمانڈو عمران کمبل لے کر بستر پر لیٹ گیا...... کافی دیر تک وہ سوچتا رہا کہ اسے کس قسم کی منصوبہ بندی کرنی چاہئے کہ اس ٹارگٹ سے بھارتی سائنس دان ڈاکٹر رگھوپتی بچ کر نہ نکل سکے...... اگر اس بار وہ بچ کر نکل جاتا ہے تو پھر اس کا تلاش کرنا محال تھا...... ایک اعتبار سے سارا پلان اس کے سامنے واضح تھا...... اسے ہر رات ٹارگٹ پر جا کر بھارتی سائنس دان کی آمد کا انتظار کرنا تھا...... اگر وہ آجاتا ہے تو اندھیرے میں سیکورٹی گارڈز کے نرغے میں اس کو نشانے کی زد میں لے کر شوٹ کرنا تھا...... ایسا بھی نہیں ہونا چاہئے تھا کہ عمران کی فائرنگ سے سیکورٹی گارڈز زخمی ہو جائیں یا ان میں سے دو ایک مر جائیں اور ڈاکٹر رگھوپتی بچ جائے، کیونکہ یہ طے شدہ امر تھا کہ اس کے فائرنگ کھولنے کے ساتھ ہی سیکورٹی گارڈز نے اس پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دینی تھی اور پھر عمران ڈاکٹر رگھوپتی کو اپنے نشانے کی زد میں نہیں لے سکتا تھا...... اسی طرح غور و فکر کرتے وہ سو گیا...... اگلے روز مجاہد فیروز اس سے ملنے فلیٹ پر آ گیا۔

عمران نے اسے ساری صورت حال سے آگاہ کیا...... مجاہد فیروز کہنے لگا۔

”تمہیں ہر رات کلب کے باہر گھات لگا کر بھارتی سائنس دان کا انتظار کرنا ہوگا...... اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے“۔

عمران نے کہا۔

”میں نے موقع پر جا کر جو کچھ دیکھا ہے اس کے حساب سے کلب کے باہر زیادہ نہیں ہے...... بھارتی سائنس دان سیکورٹی گارڈز کے گھیرے میں جب جیپ ر کر کلب کے برآمدے کی طرف جائے گا تو اس کا مجھ سے فاصلہ میرے آٹومیٹک کی رینج سے زیادہ ہوگا“۔

مجاہد فیروز بولا۔

”اس کے لئے تمہیں ایک شاٹ گن مہیا کر دی جائے گی جو بیک وقت پندرہ آٹو فائر کرے گی...... میں تو سمجھتا ہوں کہ تمہیں اندھا دھند فائر کھولنا ہوگا...... اگر تی سائنس دان کے ساتھ اس کے باڈی گارڈ بھی ہلاک ہو جاتے ہیں تو کوئی پروا لیکن بھارتی سائنس دان کو زندہ نہیں بچنا چاہئے“۔

عمران بہت کچھ سوچ رہا تھا...... کہنے لگا۔

”میں شاٹ گن ہی ساتھ لے کر جاؤں گا...... پستول یہاں کام نہیں کرے گا“۔

مجاہد فیروز بولا۔

”تمہیں شاٹ گن شام تک مل جائے گی“۔

عمران نے دن کے وقت کلب کے اردگرد کے ماحول کا مشاہدہ کرنے کا خیال دیا تھا، کیونکہ اس کے لئے اسے بھیس بدلنا پڑتا تھا اور دوسرے دن کے وقت وہاں جود سی آئی ڈی کے آدمی اسے دیکھ کر اس سے پوچھ گچھ کر سکتے تھے...... وہ اس سے بچنا چاہتا تھا...... عمران نے مجاہد فیروز سے کہا۔

”میں آج رات سے اپنا مشن شروع کر دوں گا...... آخر کسی نہ کسی رات کو تو ی سائنس دان کلب میں ضرور آئے گا“۔

مجاہد فیروز نے کہا۔

”اس کے بارے میں بھی رپورٹ ملی ہے کہ وہ ہفتے میں ایک بار کلب میں ضرور ہے“۔

عمران بولا۔

"اس کے آنے کا وقت رات کے پونے دس بجے سے سوا دس بجے کے درمیان بتایا گیا ہے...... میرا خیال ہے مجھے نو بجے ہی وہاں گھات لگا کر بیٹھ جانا چاہئے"۔

ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد عمران نے کہا۔

"ایسا بھی نہیں ہو سکتا کہ میں کلب کے باہر اس پر حملہ کرنے کی بجائے اسے پیچھے پہاڑی راستے میں کسی جگہ اپنے نشانے میں لے لوں...... کیونکہ سارا راستہ وہ بند جیپ میں بیٹھا ہوا ہو گا اور سیکورٹی گارڈز اس کے آگے پیچھے ہوں گے...... صرف کلب کے برآمدے کے پاس آ کر ہی وہ جیپ سے باہر نکلے گا...... صرف وہی ایک لمحہ ہو گا جب میں اس پر حملہ کر سکتا ہوں"۔

مجاہد فیروز نے عمران کے خیال کی تائید کی اور کہا۔

"اللہ کا نام لے کر اسلام کے اس دشمن کو جہنم رسید کرنے کے مشن پر نکل پڑو...... اللہ نے چاہا تو تم اس مشن میں ضرور کامیاب ہو گے"۔

اسی شام کو ایک دیہاتی آدمی جو حقیقت میں مجاہد فیروز کی جماعت کا آدمی تھا دیہاتی کے بھیس میں آیا اور عمران کو ایک شاٹ گن دے گیا...... عمران نے اس کا اچھی طرح سے معائنہ کیا...... وہ اس شاٹ گن کو کئی بار آزما چکا تھا...... شاٹ گن لوڈڈ تھی۔

عمران نے آٹھ بجے رات ہلکا سا کھانا کھا کر کافی کے دو پیالے پیئے تا کہ اسے نیند نہ آئے...... سیاہ پتلون کے اوپر سیاہ جیکٹ پہنی اور شاٹ گن جیکٹ کے اندر چھپا کر اپنے مشن پر نکل پڑا...... گھڑی اس نے اپنی کلائی کے ساتھ باندھ لی تھی...... رات کے ساڑھے نو بجے وہ ریٹائرڈ آفیسرز کی کلب کے سامنے جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا...... یہ جگہ اس نے پہلے سے منتخب کر رکھی تھی...... ان جھاڑیوں سے کلب کے برآمدے کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا...... پھر بھی درمیان میں کلب کا پورا لان تھا...... کلب کے برآمدے کے باہر ایک دھیمی روشنی والا بلب روشن تھا...... اس کی دھندلی روشنی میں اسے بھارتی سائنس

دان کو پہچان کر اسے اپنی شاٹ گن کا نشانہ بنانا تھا...... وہاں سے نشانہ باندھ کر فائر کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا...... ایک تو ٹارگٹ دور تھا...... دوسرے وہاں اندھیرا تھا...... اس نے یہی سوچ رکھا تھا کہ جیسے ہی بھارتی سائنس دان سیکورٹی گارڈز کے گھیرے میں جیپ سے باہر نکلے گا وہ شاٹ گن سے اندھا دھند فائر کھول دے گا۔

یہی ایک طریقہ ان حالات میں قابل عمل تھا۔

کلب کے باہر خاموشی چھائی ہوئی تھی...... کلب کے سیکورٹی گارڈز چل پھر کر پہرہ دے رہے تھے...... گیٹ کے پاس بھی دو مسلح گارڈز بیٹھے تھے...... لان میں ایک طرف کاریں دیوار کے ساتھ ایک قطار میں لگی ہوئی تھیں...... کسی کسی وقت کلب کے دروازے میں سے وردی پوش بیرا نکل کر لان کے کونے میں جو کچن تھا اس طرف جاتا اور آجاتا تھا...... عمران بار بار اس پہاڑی راستے کی طرف دیکھ لیتا تھا جو وہاں سے نیچے چلا گیا تھا...... اسی راستے سے بھارتی سائنس دان کی جیپ نے آنا تھا...... جیپ کی روشنیاں بڑی دور سے نظر آ سکتی تھیں، مگر اس راستے پر اندھیرے چھایا ہوا تھا...... وہ جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھا رہا...... رات گزرتی جا رہی تھی...... اسے یقین نہیں تھا کہ اس رات بھارتی سائنس دان ضرور آئے گا، لیکن اسے ہر حالت میں اس کا انتظار کرنا تھا۔

لیکن بھارتی سائنس دان نہ آیا، جس پہاڑی راستے سے اسے آنا تھا اس پر بدستور اندھیرا چھایا ہوا تھا...... رات گزرتی جا رہی تھی...... رات کے گیارہ بج گئے...... جب ساڑھے گیارہ کا وقت ہو گیا اور بھارتی سائنس دان کی جیپ وہاں نہ آئی تو عمران کو یقین ہو گیا کہ آج رات وہ نہیں آئے گا، کیونکہ اسے بتایا گیا تھا کہ وہ ساڑھے گیارہ بجے تک واپس چلا جاتا ہے...... اس کے باوجود عمران وہاں بیٹھا انتظار کرتا رہا کہ شاید کسی وجہ سے رک گیا ہو اور اب آ جائے...... رات کے بارہ بج گئے مگر بھارتی سائنس دان نہ آیا...... کلب میں سے دو بوڑھے ریٹائرڈ افسر نکل کر اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر واپس چلے گئے...... اس کا مطلب تھا کہ ان لوگوں کے بھی کلب سے واپس جانے کا وقت

ہو گیا تھا۔

جب رات کے سوا بارہ بج گئے تو عمران کو یقین ہو گیا کہ بھارتی سائنس دان اب نہیں آئے گا، اس نے شاٹ گن جیکٹ کے اندر چھپائی اور جھاڑی میں سے نکل کر اندھیرے میں اوپر سولن روڈ کی جانب چڑھائی چڑھنی شروع کر دی...... وہ سڑک سے ہٹ کر درختوں والے سنسان علاقے میں سے ہو کر جا رہا تھا...... اس خیال سے کہ سڑک پر رات کو گشت لگانے والی پولیس اس کی چیکنگ کر سکتی ہے اور اس کے پاس شاٹ گن تھی، جس وقت وہ اپنے فلیٹ پر پہنچا رات کا سوا ایک بج رہا تھا۔

اسی طرح عمران دوسری رات بھی کلب کے باہر جھاڑیوں میں گھات لگا کر بیٹھ گیا اور رات کے بارہ بج گئے مگر بھارتی سائنس دان نہ آیا...... وہ ناامید ہو کر واپس آ گیا...... جب اس طرح چار راتیں گزر گئیں اور بھارتی سائنس دان کلب میں نہ آیا تو عمران نے مجاہد فیروز کو فلیٹ پر بلوا لیا اور اس سے کہا۔

"آپ کسی طرح یہ معلوم کریں کہ بھارتی سائنس دان کو کہیں یہاں سے کسی جگہ تو منتقل نہیں کر دیا گیا...... کیونکہ میں مسلسل چار راتوں سے اس کی گھات میں بیٹھ کر انتظار کر رہا ہوں اور وہ نہیں آیا"۔

مجاہد فیروز بولا۔

"یہ میں کل تک معلوم کر لوں گا...... تم کل رات بھی ٹارگٹ پر ضرور جانا۔ ہو سکتا ہے وہ کل رات کو آ جائے"۔

"وہ تو میں ضرور جاؤں گا" عمران نے کہا۔

مجاہد فیروز چلا گیا...... اگلی رات بھی عمران ہر طرح سے مسلح ہو کر سیاہ پتلون اور سیاہ جیکٹ پہن کر سوا نو بجے رات فلیٹ سے نکلا اور سولن روڈ کی نچان میں جنگل علاقے میں سے ہوتا ہوا کلب کے سامنے مخصوص جگہ پر گھات لگا کر بیٹھ گیا...... اس رات بھی بھارتی سائنس دان نہ آیا...... عمران رات کے سوا بارہ بجے وہاں سے واپس

آ گیا...... تیسرے روز دن کے وقت مجاہد فیروز فون کر کے عمران کے فلیٹ آ گیا...... کہنے لگا۔

"بھارتی سائنس دان کے بارے میں ہمیں جو رپورٹ ملی ہے اس کے مطابق اس کی طبیعت ناساز ہے اور وہیں چھاؤنی میں ہی آرام کر رہا ہے...... کسی دوسری جگہ اسے منتقل نہیں کیا گیا"۔

عمران نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ابھی اس کے کلب آنے کا کوئی امکان نہیں ہے"۔

"ایسا ہی لگتا ہے...... بہرحال تمہیں دو ایک دن کا وقفہ ڈال کر پھر رات کو جانا ہو گا"۔

اس سے اگلے روز عمران فلیٹ پر ہی سارا دن رہا...... شام کے بعد اس نے کپڑے تبدیل کئے...... گرم اوور کوٹ پہنا اور چھڑی ہاتھ میں لے کر شملے کی مال روڈ کی طرف چل پڑا...... موسم سرد ہو رہا تھا...... شام کے بعد سردی بڑھ جاتی تھی...... اس کا خیال تھا کہ وہ مال روڈ والے ریسٹوران میں بیٹھ کر چائے کا ایک گرم کپ پیئے گا اور مال پر تھوڑی سی چہل قدمی کرنے کے بعد واپس آ جائے گا۔

شملے کا موسم سرد ہو جانے کی وجہ سے کافی لوگ میدانی علاقوں میں واپس چلے گئے تھے...... مال روڈ شام کے بعد خالی ہو جاتی تھی...... بڑے بڑے شاپنگ سینٹر بند ہو جاتے تھے...... عمران اسی ریسٹوران میں آ کر بیٹھ گیا جہاں وہ اس سے پہلے دو ایک بار آیا تھا...... یہ درمیانے درجے کا پرسکون ریسٹوران تھا اور وہاں چائے بڑی اچھی ملتی تھی...... ان کی کافی بھی بہت اعلیٰ کوالٹی کی تھی، مگر اس شام عمران کا چائے پینے کو جی چاہ رہا تھا...... اس نے چائے منگوائی اور بڑے آرام سے ایک ایک گھونٹ کر کے پینے لگا...... وہ کونے والی میز پر بیٹھا تھا...... حسب معمول ریسٹوران میں دھیمی دھیمی روشنی تھی...... اچانک اس نے دیکھا کہ وہی لڑکی کارمن ہاتھ میں پلاسٹک کا بیگ لئے

ریستوران میں داخل ہو کر کاؤنٹر پر فون کرنے لگی ہے...... عمران دل میں دعا مانگنے لگا کہ یہ مصیبت کہیں اس کے پاس نہ آجائے، لیکن ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے اور بعض اوقات انسان کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ قدرت اس کے لئے کیا کر رہی ہے...... کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان جس چیز کو مصیبت سمجھتا ہے وہی اس کے لئے رحمت کا باعث بن جاتی ہے۔

فون کرنے کے بعد اچانک کارمن کی نظر عمران پر پڑ گئی...... خدا جانے اس لڑکی کو عمران پسند آگیا تھا یا غنڈوں سے اس کی عزت بچانے کے بعد وہ اس کی کچھ زیادہ ہی احسان مند ہو گئی تھی...... اس کی نظر جیسے ہی عمران پر پڑی وہ وہیں سے عمران کے پاس آگئی اور گڈ ایوننگ سر کہنے کے بعد بولی۔

"سر! آپ کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے...... سر...... اس رات میں نے اپنی ممی سے جب کہا کہ سر شملے میں آئے ہوئے ہیں تو وہ مجھ سے سخت ناراض ہوئیں کہ میں آپ کو گھر کیوں نہ لے کر آئی...... سر پلیز! آج میرے ساتھ ضرور چلیں...... میری ممی کو آپ سے ملنے کی زبردست خواہش ہے"۔

عمران نے بے اعتنائی سے کہا۔

"سوری کارمن! میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتا...... پھر کبھی سہی"۔

کارمن اصرار کرنے لگی...... بولی۔

"سر! میرا ایک کزن کیپٹن ہنری بھی اتفاق سے ہمارے ہاں آیا ہوا ہے...... سر! وہ کمانڈو بٹالین میں ہے اور آج کل اس کی ڈیوٹی کسی وی آئی پی انڈین سائنٹسٹ کے سیکورٹی سکوئیڈ کے کمانڈر کے طور پر لگی ہوئی ہے...... سر! کیپٹن ہنری بڑا جولی فیلو ہے...... اسے بڑے لطیفے یاد ہیں...... سر! آپ اس سے مل کر خوش ہوں گے...... سر! پلیز تھوڑی دیر کے لئے میرے ساتھ ہمارے ہاں چلے چلیں...... میری ممی کو آپ سے ملنے کی زبردست خواہش ہے"۔

کارمن کو اب اصرار کرنے کی بالکل ضرورت نہیں تھی...... جب عمران نے یہ ا کہ اس کا کزن کیپٹن ہنری کسی بھارتی سائنس دان کے سیکورٹی گارڈ کا کمانڈر ہے ں کی طبیعت ایک دم ہشاش ہو گئی تھی...... اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کالے سیاہ ں میں سے اچانک سورج کی کرنیں پھوٹ پڑی ہوں...... اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ ہنری بھارتی سائنس دان ڈاکٹر رگھوپتی کے سیکورٹی گارڈ کا ہی کمانڈر ہو سکتا ہے ونکہ بھارتی سائنس دان بیمار ہے اور وہ کلب میں نہیں آرہا، اس وجہ سے کیپٹن ں کو کارمن کی فیملی سے ملنے کا موقع مل گیا ہے...... لیکن عمران کارمن کے آگے دم اس کے ہاں جانے کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا، حالانکہ وہ اس کے ہاں جانے کو کارمن سے زیادہ بے تاب تھا...... اس نے کہا۔

"نہیں نہیں کارمن...... پھر کسی روز سہی...... میں ابھی شملے میں ہی ہوں"۔

کارمن حسب عادت پھر اصرار کرنے لگی...... تب عمران بولا۔

"ٹھیک ہے...... میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں"۔

کارمن خوشی سے اچھل پڑی۔

"سر! تھینک یو ویری ویری مچ...... پلیز میرے ساتھ آجائیں"۔

کارمن اپنی ممی کے ساتھ شملے کے جس بورڈنگ ہاؤس یا ریسٹ ہاؤس میں ری ہوئی تھی وہ مال روڈ سے زیادہ دور نہیں تھا...... صرف ایک تھوڑی سی چڑھائی ...... آگے ایک گرجا گھر تھا...... اس کے عقب میں اونچے درختوں کے نیچے ایک اک منزلہ عمارت تھی جس کے باہر چند ایک چھوٹی گاڑیاں اور چند ایک سکوٹر اور ٹر سائیکلیں کھڑی تھیں...... کارمن کی ممی نے یہاں دو کمرے لے رکھے تھے...... میں دونوں ماں بیٹی کا بیڈ روم تھا...... ایک ڈرائنگ روم تھا...... ڈرائنگ روم میں ت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر شیشے کے فریم میں کارنس کے اوپر لگی ہوئی تھی...... یر کے نیچے ایک کینڈل سٹک میں موم بتی روشن تھی...... کارمن کی ماں ادھیڑ عمر

کی بڑی خوش مزاج عورت تھی...... وہ بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ عمران سے ملی
عمران نے کارمن کو اپنا نام ابھی تک نہیں بتایا ہوا تھا...... شاید وہ اسے ہندو سمجھ رہی
تھی، لیکن عمران سمجھتا تھا کہ یہاں اسے اپنے آپ کو کرسچین ظاہر کرنا ہوگا...... اس
نے اپنا ایک کرسچین نام بھی سوچ لیا تھا...... کارمن کی ممی نے عمران کا ماتھا چوم لیا
بڑی شفقت کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"بیٹا! جب کارمن نے مجھے بمبئی میں بتایا کہ آج گارڈن میں جب وہ سٹڈی کر رہی
گئی تھی تو کچھ غنڈوں نے اسے پکڑ لیا لیکن ایک نوجوان نے بڑی بہادری سے غنڈوں کا
مقابلہ کر کے انہیں مار بھگایا تو میں اسی وقت سے تمہیں ملنے کو بے تاب تھی اور خود
کر تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی کہ تم نے میری بیٹی کی عزت بچالی"۔

عمران کو کارمن سے اور کارمن کی ممی کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر
خندہ پیشانی سے ان کی باتیں سن رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس کی نظریں کیپٹن ہنری
بھی تلاش کر رہی تھیں...... وہ اسے وہاں کہیں نظر نہیں آ رہا تھا...... عمران
مسکراتے ہوئے کہا۔

"آنٹی میں نے تو محض اپنا انسانی فرض ادا کیا تھا، اس میں کسی پر احسان کرنے
کوئی بات نہیں ہے"۔

کارمن عمران کی طرف دیکھ کر مسکرا دی تھی...... اس کی ممی نے کہا۔

"پھر بھی بیٹا آج کل کے زمانے میں کون کسی کے لئے غنڈوں کے ساتھ الجھ
اپنی جان خطرے میں ڈالتا ہے"۔

اتنے میں سامنے والے باتھ روم کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک دراز قد
شکل سانولے رنگ کا نوجوان نمودار ہوا...... اس نے گہرے رنگ کا گرم سوٹ پہن
تھا...... کارمن نے آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہنری! یہ ہیں وہ سر جنہوں نے بمبئی میں غنڈوں سے میری عزت بچائی تھی

کیپٹن ہنری نے مسکراتے ہوئے عمران کی طرف ہاتھ بڑھایا اور انگریزی میں کہا۔

"سر! آپ سے مل کر واقعی مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے"۔

کارمن بولی۔

"آئی ایم سوری ہنری! مجھے ابھی تک سر کا نام معلوم نہیں ہو سکا...... انہوں نے
نام بتایا ہی نہیں"۔

عمران نے اپنا ایک کرسچین نام پہلے ہی سے سوچ رکھا تھا...... اس نے بڑی گرم
جوشی سے کیپٹن ہنری سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"میرا نام جیمز ہے...... میرے دوست مجھے جمی کہتے ہیں...... آپ بھی مجھے جمی
کہہ سکتے ہیں"۔

کیپٹن ہنری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کارمن نے مجھے آپ کی بہادری کا سارا قصہ سنایا تھا کہ کس طرح آپ نے بمبئی
کے خطرناک غنڈوں کی مرمت کی اور کارمن کی عزت کو بچایا...... ہم سب فیملی والے
آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں...... آپ کو تو کمانڈو بٹالین میں ہونا چاہئے تھا"۔

عمران بولا۔

"کیپٹن صاحب مجھے بھی بھارت ورش کی کمزور عورتوں کا کمانڈو ہی سمجھئے"۔

کارمن اور کیپٹن ہنری قہقہہ لگا کر ہنس پڑے...... کارمن کی ممی نے کہا۔

"جمی بیٹا! اب ہم تمہیں کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دیں گے"۔

عمران خود وہاں زیادہ سے زیادہ دیر ٹھہرنا چاہتا تھا، لیکن تکلف بھی بہت ضروری
تھا، کہنے لگا۔

"نہیں آنٹی آپ اتنی تکلیف نہ کریں"۔

عمران کو کارمن کی زبانی اتنا معلوم ہو چکا تھا کہ یہ کیپٹن ہنری کسی بھارتی وی آئی
پی کی دان کی سیکورٹی سکوئیڈ کا کمانڈر ہے...... اب وہ یہ معلوم کرنے کو بے تاب تھا

کہ وہ بھارتی سائنس دان کون ہے...... کیا واقعی وہ ڈاکٹر رگھو پتی ہی ہے۔

کارمن کی ممی بولی۔

"تم بھی ہمارے بیٹے کی طرح ہو جمی...... تکلیف کی بھلا کیا بات ہے"۔

اس نے کارمن سے کہا۔

"کارمن بے بی...... جلدی سے کچن میں جاکر دیکھو کھانے میں کتنی دیر ہے"۔

کارمن کچن کی طرف چلی گئی...... اس کی ممی کھانے کی میز کو ٹھیک کر لگی...... کیپٹن ہنری عمران کو لے کر صوفے پر بیٹھ گیا اور باتیں شروع ہو گئیں کیپٹن ہنری نے پوچھا۔

"مسٹر جمی! آپ کیا کرتے ہیں؟ کیا کوئی بزنس یا سرکاری جاب؟"۔

عمران نے سارا سکرین پلے پہلے سے سوچ رکھا تھا، بلکہ اس کے دماغ میں کیپ ہنری کے ذریعے پاکستان دشمن بھارتی سائنس دان کو ٹھکانے لگانے کا پورے کا منصوبہ تیار ہو چکا تھا...... اس نے کہا۔

"اصل میں میں جرنلسٹ رائٹر ہوں اور میرا تعلق کلکتے کے انگریزی اخ "امرت بازار پتریکا" سے ہے"۔

کلکتے کے اس مشہور انگریزی اخبار کا ذکر عمران نے اس لئے کیا کہ کلکتہ وہاں بہت دور تھا، جبکہ اس فیملی کا تعلق بمبئی سے تھا...... اگر وہ بمبئی کے کسی انگریزی اخب نام لیتا تو بہت ممکن تھا کہ کیپٹن ہنری اور اس کی ممی وغیرہ اس اخبار کے شاف واقف ہوتے...... یہ پڑھے لکھے کرسچین تھے اور وہاں بھی ان کے میز پر ٹائم آف انڈ انگریزی اخبار موجود تھا۔

کیپٹن ہنری خوش ہو کر بولا۔

"فائن...... یہ تو بڑی اچھی بات ہے...... ایف ایس سی کرنے کے بعد میرا ارادہ جرنلزم جوائن کرنے کا تھا، لیکن ہمارے ڈیڈی کی خواہش تھی کہ میں انڈین

روں، چنانچہ میں نے فوج میں کمشن لے لی"۔

کیپٹن ہنری خود ہی اس طرف آگیا تھا جس طرف عمران اسے لانا چاہتا تھا...... نے فوراً سوال کر دیا۔

"تو آپ کا تعلق جیسا کہ آپ نے کہا ہے کمانڈو بٹالین سے ہے"۔

کیپٹن ہنری بولا۔

"یس...... گیارہ پونا رجمنٹ کی کمانڈو بٹالین سے...... لیکن آج کل میری بڑی ڈیوٹی لگی ہوئی ہے...... میں نے تو اپنے کمانڈنگ افسر سے درخواست کی تھی کہ بے شک کشمیر کے محاذ پر بھیج دو مگر اس نے مجھے ایک سیکورٹی سکوئیڈ کا کمانڈر لگا دیا"۔

عمران نے بے نیازی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ کا یہ سکوئیڈ کسی منسٹر...... میرا مطلب ہے کیندری منتری کا سیکورٹی ہے؟"۔

کیپٹن ہنری بے زاری سے بولا۔

"نہیں جمی بھائی...... ایسا ہوتا تو کوئی بات بھی تھی...... مجھے تو ایک بوڑھا گنجا سائنس دان دے دیا گیا ہے کہ اس کی چوبیس گھنٹے حفاظت کرو...... یہ کوئی دان ہے...... ہاں...... یاد آگیا...... کہتے ہیں یہ بھارت کے لئے ہائیڈروجن بم کے فارمولے پر کام کر رہا ہے"۔

عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو آپ کو تو پھر دلی راجدھانی میں ہونا چاہئے تھا، کیونکہ انڈین اٹامک کمشن کا ہیڈ وہیں ہے"۔

کیپٹن ہنری نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر عمران کو سگریٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔

"سگریٹ پلیز!"۔

عمران بولا۔

”شکریہ کیپٹن صاحب...... میں سگریٹ نہیں پیتا“۔

کیپٹن ہنری نے خود ایک سگریٹ سلگا لیا اور بولا۔

”بات یہ ہے کہ یہ سائنس دان جس کا نام رگھوپتی ہے، آج کل سولن کے پار ایک فوجی کیمپ میں مقیم ہے اور وہیں اپنے فارمولے پر کام کر رہا ہے...... ہفتے میں ایک بار وہ شملے کے اولڈ آفیسرز کلب میں برانڈی کے دو پیگ پینے اور بلیئرڈ کھیلنے آتا ہے...... کچھ دنوں سے وہ بیمار ہے...... اسے فلو ہو گیا ہے اور فوجی کیمپ میں ہی اس کو ٹریٹ منٹ دیا جا رہا ہے...... مجھے موقع مل گیا اور میں آنٹی اور کارمن سے ملنے آ گیا ہوں“۔

ہر شے واضح ہو گئی تھی...... ہر شے کی تصدیق ہو گئی تھی...... عمران کا راستہ بھی صاف ہو گیا تھا...... اس نے بھارتی سائنس دان کے موضوع کو الگ رکھ دیا اور اولڈ آفیسرز کلب کے بارے کہنے لگا۔

”ارے ہاں...... یاد آ گیا...... اس اولڈ آفیسرز کلب کی شہرت تو کلکتہ میں ہمارے انگریزی روزنامے ”امرت بازار پتریکا“ تک بھی پہنچ چکی ہے...... بلکہ مجھے چیف ایڈیٹر صاحب نے خط بھی لکھا تھا کہ اس اولڈ آفیسرز کلب کے بارے میں اگر ہو سکے تو ایک فیچر تیار کر کے بھجوا دو کیونکہ سنا ہے کہ وہاں تمام ریٹائرڈ سرکاری اور فوجی آفیسرز رات کو بیٹھتے ہیں اور اپنے اپنے زمانے کی بڑی دلچسپ کہانیاں اور سچے واقعات ایک دوسرے کو سناتے ہیں“۔

کیپٹن ہنری بولا۔

”ارے مسٹر جمی ان لوگوں کے پاس بڑی دلچسپ کہانیاں ہیں...... تم سنو تو حیران رہ جاؤ“۔

عمران بولا۔

”کیا میں وہاں جا سکتا ہوں...... کیپٹن صاحب؟ سنا ہے کہ وہاں سیکورٹی کا بڑا سخت انتظام ہے اور کسی اجنبی کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے“۔

کیپٹن ہنری کہنے لگا۔

”تم نے ٹھیک سنا ہے...... ان بڈھے ریٹائرڈ افسروں میں چھ سات فوجی جرنیل بھی ہیں، جو کشمیر کے محاذ پر اور خاص طور پر کارگل کے محاذ پر لڑتے رہے ہیں...... انہیں کشمیری کمانڈوز سے جان کا خطرہ لگا رہتا ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے طور پر گارڈز وہاں تعینات کئے ہوئے ہیں جو شام کے چار بجے سے لے کر رات کے دو بجے تک کسی کو کلب کے قریب نہیں پھٹکنے دیتے، لیکن تم میرے مہمان بن کر میرے ساتھ جاؤ گے...... میں تمہیں ان جرنیلوں سے بھی ملاؤں گا...... ان کے پاس بڑی جنگی کہانیاں ہیں جو تم اپنے اخبار میں چھاپ سکتے ہو“۔

عمران نے کہا۔

”میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ان کے کارنامے بھارت ورش کی جنتا تک بھی پہنچیں تا کہ انہیں پتہ چلے کہ ہماری سینا کتنی بہادر ہے“۔

کیپٹن ہنری بولا۔

”اس میں کوئی شک نہیں مسٹر جمی کہ کشمیر کے محاذ پر خاص طور پر کارگل میں ہماری سینا بڑی دلیری سے لڑی ہے، لیکن کشمیری مجاہدین اور ہمارے سپاہیوں میں ایک بڑا فرق ہے“۔

”وہ کیا؟ عمران نے پوچھا۔

کیپٹن ہنری کہنے لگا۔

”فرق یہ ہے کہ کشمیری مجاہدین جہاد کر رہے ہیں، وہ مرنا جانتے ہیں اور مرنے کے لئے آتے ہیں، جبکہ ہمارے سپاہی موت سے ڈرتے ہیں...... وہ مرنا نہیں چاہتے اور جب موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑے ہو جانے کا وقت آتا ہے تو ہمارے سپاہی بھاگ جاتے ہیں، جبکہ کشمیری مجاہدین ہمارے مورچوں میں گھس آتے ہیں اور چھ چھ سات سات کو مار کر خود بھی مر جاتے ہیں“۔

عمران نے کہا۔

"یہ تو ہمارے پریس نے بھی لکھا ہے کہ ہماری سینا کے سپاہی کشمیر کے محاذ پر جانے سے گھبراتے ہیں"۔

پھر اس نے جلدی سے موضوع بدل دیا اور اپنے موضوع پر آ گیا۔

"میں اس دلچسپ اولڈ آفیسرز کلب پر اپنے اخبار میں پورا فیچر لکھنا چاہوں گا..... آپ مجھے کب اپنے ساتھ کلب میں لے جا رہے ہیں؟"۔

کیپٹن ہنری کہنے لگا۔

"وہ بڈھا سائنس دان ابھی بیمار ہے..... میں اس کو لے کر ہی وہاں جاتا ہوں..... میرا خیال ہے دو ایک دن تک ٹھیک ہو جائے گا..... پھر تم میرے ساتھ چلے چلنا..... تمہارا کوئی فون نمبر ہو تو مجھے دے دو..... میں تمہیں فون پر اطلاع کر دوں گا"۔

اس کے ساتھ ہی کیپٹن ہنری نے اپنی جیب میں سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر عمران کو دیا اور کہا۔

"اس پر میرا فون نمبر لکھا ہوا ہے..... تم چاہو تو اس نمبر پر مجھ سے رابطہ کر سکتے ہو"۔

عمران نے اسے اپنے فلیٹ کا ٹیلی فون نمبر لکھوا دیا..... اتنے میں میز پر کھانا لگا دیا گیا تھا..... کارمن اور اس کی ممی خود کھانا لگوا رہی تھیں..... ممی نے آواز دی۔

"کیپٹن ہنری..... مسٹر جمی..... پلیز کم آن"۔

ڈنر تیار ہے"۔

کھانے پر کیپٹن ہنری نے بڑے لطیفے سنائے..... عمران کو بھی جتنے لطیفے یاد تھے سارے کے سارے سنا ڈالے..... وہ ان لوگوں میں زیادہ سے زیادہ گھل مل جانا چاہتا تھا..... بمبئی میں غنڈوں کے واقعے نے اس فیملی میں عمران کے لئے پہلے ہی کافی جگہ پیدا کر دی ہوئی تھی..... اب اس نے اپنی خوش اخلاقی اور لطیفہ بازی سے ان لوگوں

ں اور جگہ پیدا کر لی تھی..... ڈنر کے بعد کافی کا دور چلا..... عمران وہاں سے رات بجے کے قریب واپس آیا..... کیپٹن ہنری اور کارمن اسے باہر تک چھوڑنے ..... کارمن نے کہا۔

سر! آپ کے آنے سے ہم سب بڑے خوش ہوئے ہیں"۔

یپٹن ہنری نے کہا۔

یں تو کل واپس سولن فوجی کیمپ میں چلا جاؤں گا..... میں چاہتا ہوں کہ آپ ہاں آتے جاتے رہیں تا کہ ان کا دل لگا رہے..... یہاں کرسچین سوسائٹی بہت ..... ہندو سکھ لوگ زیادہ ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"میں ضرور آ جایا کروں گا..... مجھے تو ممی سے اپنی ممی کی طرح پیار ہو گیا ہے"۔

عمران اپنے فلیٹ میں واپس آیا تو بہت خوش تھا..... اب اسے اپنا ٹارگٹ اپنی ں کے بالکل سامنے اپنے سے چند فٹ کے فاصلے پر دکھائی دے رہا تھا..... اب گھوپتی کی موت یقینی تھی..... عمران سوچنے لگا کہ جو نئی صورت حال پیدا ہو گئی ں کے بارے میں مجاہد فیروز سے بات کرے یا نہ کرے..... آخر اس نے یہی فیصلہ ابھی اس سے اس کا ذکر نہیں کرنا چاہئے..... ابھی اس راز کو راز ہی رہنے دینا ..... جب ٹارگٹ مار لیا جائے گا تو پھر اسے بتا دوں گا۔

چنانچہ دوسرے روز جب مجاہد فیروز اس سے ملنے آیا تو عمران نے کیپٹن ہنری کا ذکر تک نہ کیا..... اس نے پوچھا۔

"رات کو مشن پر گئے تھے؟"۔

عمران بولا۔

"گیا تھا اور بارہ بجے رات تک گھات میں چھپ کر بیٹھا ڈاکٹر رگھوپتی کا انتظار کرتا وہ نہیں آیا"۔

مجاہد فیروز کہنے لگا۔

"اگرچہ وہ بیمار ہے، لیکن کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کب ٹھیک ہو کر کلب میں نمو
ہو جائے...... تمہیں ہر حالت میں اپنی ڈیوٹی پر موجود ہونا چاہئے"۔

عمران بولا۔

"میں تو ہر رات جاؤں گا اور جب تک اسے ختم نہیں کر لیتا جاتا رہوں گا"۔

"بالکل ٹھیک ہے" مجاہد فیروز نے کہا۔

عمران کو اب کسی شاٹ گن یا بڑے آٹو میٹک پستول یا ریوالور کی ضرورت نہ
تھی...... حالات نے جو نئی شکل اختیار کر لی تھی اس میں اسے ایک چھوٹے مگر آٹو میٹک
سائی لینسر والے پستول کی ضرورت تھی جسے وہ اپنے انڈر ویئر میں بھی چھپا سکے...... ا
نے مجاہد فیروز سے کہا۔

"میرے پاس شاٹ گن تو پہلے سے موجود ہے، لیکن کچھ پتہ نہیں عین موقع
کس قسم کی صورت حال پیدا ہو جائے...... میں سمجھتا ہوں کہ مجھے ایک چھوٹا آٹو میٹک
پستول بھی اپنے پاس رکھنا چاہئے جس پر سائی لینسر چڑھا ہوا ہو"۔

مجاہد فیروز نے کہا۔

"کوئی پرابلم نہیں...... کل شام کو تمہیں ایک جرمن آٹو میٹک پستول مل جا
گا...... وہ بارہ بور کا ہے...... اس پر سائی لینسر بھی چڑھا ہوا ہو گا...... تم شام کو باہر م
نکلنا"۔

میں شام کو اپنے فلیٹ میں ہی رہا...... شام ذرا گہری ہوئی تو دروازے کی گ
بجی...... میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک آدمی جس نے مستری والے کپڑ
پہن رکھے تھے ہاتھ میں تھیلا لئے کھڑا ہے...... کہنے لگا۔

"مجھے کشوری لعل سے ملنا ہے"۔

میں نے کہا۔

"میں ہی کشوری لعل ہوں...... تمہیں کس نے بھیجا ہے؟"۔

اس نے میرے سوال کا کوئی جواب نہ دیا...... تھیلے میں سے پلاسٹک کے لفافے
لپٹی ہوئی کوئی شے نکال کر مجھے دی اور کہا۔

"آپ یہ لفافہ ہماری دکان پر بھول آئے تھے"۔

اس نے لفافہ مجھے دیا اور خاموشی سے واپس چل دیا...... میں دروازہ بند کر کے بیڈ
م میں آگیا...... لفافہ کھولا تو اس میں چھوٹے سائز کا ایک جرمن آٹو میٹک پستول
اس پر سائی لینسر چڑھا ہوا تھا...... میں نے چیمبر کھول کر دیکھا...... اس میں
زین بھرا ہوا تھا...... پستول میں نے بیڈ روم کی ایک خفیہ جگہ پر چھپا دیا۔

مجاہد فیروز کو میں نے یہی کہا تھا کہ میں آج رات بھی بھارتی سائنس دان کی
اش میں جاؤں گا، مگر مجھے اب وہاں جانے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اس بات کی
ٹن ہنری نے تصدیق کر دی تھی کہ بھارتی سائنس دان بیمار ہے اور ابھی وہ کلب
یں جاتا...... میں نے خود ہی تھوڑا بہت کھانا بنا کر کھایا اور بیڈ روم کی بتی بجھا کر
و گیا...... اب مجھے کیپٹن ہنری کے ٹیلی فون کا انتظار تھا کہ وہ کب مجھے اپنے ساتھ لے
راولڈ آفیسرز کلب جاتا ہے...... اس روز اس کا ٹیلی فون نہ آیا...... دوسرا دن گزر
یا...... اس سے اگلے روز بھی ٹیلی فون نہ آیا تو مجھے بے چینی سی لگ گئی...... کہیں کیپٹن
ہنری واپس نہ چلا گیا ہو...... کہیں بھارتی سائنس دان کو کسی بڑے شہر کے فوجی ہسپتال
یں منتقل نہ کر دیا ہو...... طرح طرح کے خیال آرہے تھے...... آخر میں نے کیپٹن
ہنری کو خود ٹیلی فون کرنے کا فیصلہ کر لیا...... اس نے مجھے اپنا چھاؤنی کا نمبر دیا ہوا تھا......
یں نے اس نمبر پر فون کیا تو دوسری طرف گھنٹی بجنے لگی...... پھر کسی نے فوجی انداز
یں کہا۔

"تھرڈ بٹالین ہیڈ کوارٹر"۔

میں نے کہا۔

"کیا میں کیپٹن ہنری سے بات کر سکتا ہوں"۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ایک منٹ ہولڈ کریں"۔

تین چار سیکنڈ کے بعد کیپٹن ہنری کی آواز سنائی دی۔

"یس...... کیپٹن ہنری سپیکنگ"۔

میں نے انگریزی میں ہی کہا۔

"میں جیمز بول رہا ہوں"۔

کیپٹن ہنری نے خوش ہو کر کہا۔

"ہیلو جیمز! کیسے ہو"۔

میں نے کہا۔

"سر! میں نے اولڈ آفیسرز کلب کے بارے میں کلکتہ اپنے اخبار کے ایڈیٹر سے ٹیلی فون پر بات کی تو وہ بڑا خوش ہوا...... کہنے لگا، اس پر ایک فیچر لکھ کر بھیج دو...... ہم اسے سنڈے ایڈیشن میں شائع کریں گے"۔

کیپٹن ہنری بولا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے...... ڈاکٹر رگھوپتی ہیلتھ سینٹر سے صحت یاب ہو کر واپس آ گیا ہے...... میرا خیال ہے دو ایک روز بعد وہ کلب جائے گا...... میں تمہیں فون پر اطلاع کر دوں گا اور تمہارا کیا حال ہے؟"۔

میں نے کہا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں...... تھینک یو!"۔

کیپٹن ہنری نے پوچھا۔

"ممی کی طرف گئے تھے یا نہیں؟" میں نے معذرت کے انداز میں کہا۔

"آئی ایم سوری ہنری...... دو دن میں بہت مصروف رہا...... آج شام کو وہاں

ی کوشش کروں گا"۔

کیپٹن ہنری بولا۔

"ضرور جانا...... ممی تمہیں بہت پسند کرتی ہیں"۔

میں نے ہنس کر کہا۔

"وہ بڑی اچھی خاتون ہیں"۔

"او کے...... میں تمہیں خود فون کروں گا" کیپٹن ہنری نے بائی بائی کہہ کر فون
دیا۔

گاڑی سیدھے ٹریک پر جا رہی تھی...... اب صرف مجھے انتظار کرنا تھا اور انتظار کی بڑی تکلیف دہ ہوتی ہیں...... مزید دو دن گزر گئے...... اس دوران مجاہد فیروز شام کو فلیٹ پر آ کر مجھ سے مل گیا...... میں نے اسے یہی بتایا کہ میں ہر روز رات کے باہر جھاڑیوں میں چھپ کر بھارتی سائنس دان کا انتظار کرتا ہوں مگر وہ آ رہا...... شاید زیادہ ہی بیمار ہو گیا ہے...... مجاہد فیروز نے کہا کہ مجھے ہمت نہیں چاہئے...... ہر رات گھات لگا کر بیٹھے رہنا چاہئے...... کسی نہ کسی رات کو وہ ضرور
گا۔

آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں اور کیپٹن ہنری کا دوپہر کے بعد فون آ گیا......
گا۔

"میں آج رات سیکورٹی سکویڈ کے ساتھ اولڈ کلب آ رہا ہوں...... تم نے یہ کلب
ہوا ہے؟"۔

میں نے کہا۔

"بالکل نہیں دیکھا"۔

وہ بولا۔

"کوئی بات نہیں...... تم ایسا کرنا کہ رات کو نو بجے مال روڈ والے اشوک

ریستوران میں آکر بیٹھ جانا...... میرا اردلی تمہیں آکر لے جائے گا...... وہ ملٹری پولیس کی گاڑی میں ہوگا...... گاڑی کا نمبر لکھ لو"۔

اس نے مجھے گاڑی کا نمبر لکھوادیا...... کہنے لگا۔

"اردلی تمہیں اولڈ آفیسرز کلب پہنچادے گا...... تم وہاں ڈرائنگ روم میں بیٹھ جانا...... میں دس بجے تک آجاؤں گا...... او کے؟"۔

"او کے" میں نے جواب دیا۔

"بائی" اور کیپٹن ہنری نے فون بند کر دیا۔

مجھے پستول لے کر کلب میں جانا تھا...... یہ بات میرے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتی تھی...... ہو سکتا ہے وہاں کا سیکورٹی سٹاف میری تلاشی لے...... یہ خیال میرے لئے پریشان کن تھا...... دوسرا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا...... پستول کے بغیر میرا وہاں جانا بیکار تھا...... شام تک اسی الجھن میں مبتلا رہا...... کبھی کوئی خیال آتا...... کبھی کوئی خیال آتا...... پستول اندر لے جانے کا دوسرا کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا...... پستول لے جانا ضروری تھا...... اسی پستول سے مجھے بھارتی سائنس دان ڈاکٹر رگھوپتی کو ہلاک کرنا تھا۔

جب میری عقل نے جواب دے دیا تو میں نے مجاہد فیروز کو اس کے آفس میں فون کر دیا اور کہا۔

"بہت ضروری کام ہے...... تھوڑی دیر کے لئے آجائیں"۔

اس نے کہا۔

"آرہا ہوں"۔

پندرہ بیس منٹ بعد مجاہد فیروز آگیا...... عمران نے اسے ساری بات بیان کر دی...... وہ کہنے لگا۔

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا"۔

عمران نے کہا۔

"میں احتیاط کے طور پر اس بات کو راز میں رکھنا چاہتا تھا...... یوں سمجھ لیں کہ یہ ی ضرورت سے زیادہ احتیاط تھی...... میں نے سوچ رکھا تھا کہ مشن کی کامیابی کے نہیں بتادوں گا"۔

مجاہد فیروز بولا۔

"تمہیں مجھ سے ذکر کر دینا چاہئے تھا...... بہر حال مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے ندرت کی طرف سے تمہیں ایک سنہری موقع فراہم کیا گیا ہے...... تمہیں اس کا پر فائدہ اٹھانا ہوگا...... تم پاکستان کے دشمن نمبر ایک بھارتی سائنس دان کے بہت ب ہو گئے...... اسے کسی حالت میں بھی زندہ نہیں بچنا چاہئے"۔

عمران نے کہا۔

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا چاہے اس کے بدلے میں مجھے اپنی جان کی ی ہی کیوں نہ دینی پڑے...... سوال صرف یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کلب میں ل ہونے سے پہلے سیکورٹی سٹاف میری تلاشی لینی شروع کر دیں...... اگر انہوں ایسا کیا تو میرا پستول ضرور برآمد ہو جائے گا...... سیکورٹی سٹاف والے بڑے تربیت ہوتے ہیں...... بس یہی ایک مسئلہ میرے لئے پریشانی کا باعث ہے"۔

مجاہد فیروز بھی سوچ میں پڑ گیا...... کچھ دیر تک سوچنے کے بعد کہنے لگا۔

"اس کا ایک ہی حل میرے ذہن میں ہے...... یہ بات طے شدہ ہے کہ وہاں کا ورٹی سٹاف تمہاری تلاشی ضرور لے گا، کیونکہ تم کیپٹن ہنری کے ساتھ نہیں گے...... تم الگ گاڑی میں بیٹھ کر وہاں جاؤ گے اور یہ ان لوگوں کی ڈیوٹی ہے کہ وہ ہر نے کی تلاشی لیں کہ کہیں اس کے پاس کوئی اسلحہ وغیرہ تو نہیں ہے...... یہ لوگ ری مجاہدوں کے دلیرانہ حملوں سے بے حد خوف زدہ ہیں؟"۔

عمران نے بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کے ذہن میں اس مسئلے کا کیا حل ہے؟"۔

مجاہد فیروز بولا۔

"ایک حل ذہن میں آیا تھا مگر وہ قابل عمل نہیں ہے...... اس میں صرف دو؛ صد کامیابی کا امکان ہے...... بہتر یہی ہے کہ تم یہ معاملہ اللہ پر چھوڑ دو اور پستول اپ انڈر ویئر میں چھپا کر لے جاؤ...... ہو سکتا ہے وہ لوگ تمہیں ملٹری پولیس کی گاڑی می آتا دیکھ کر تمہاری تلاشی نہ لیں...... صرف تمہیں ایک احتیاط کرنی پڑے گی اور وہ ہے کہ تم پستول کو انڈر ویئر کے اندر اس طریقے سے چھپاؤ کہ تلاشی لینے والوں کا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچ سکے اور اگر ایسا ہو بھی گیا اور تمہارا پستول ان لوگوں نے برآمد کر بھی لیا تو تم یہی کہنا کہ میں اخبار نویس آدمی ہوں...... ہمیں اپنی حفاظت کے لئے ہر وقت اسلحہ اپنے پاس رکھنا پڑتا ہے...... زیادہ سے زیادہ وہ یہی کریں گے کہ تمہارا پستول اپ پاس رکھ لیں گے اور واپس جاتی دفعہ تمہیں دے دیں گے"۔

"اس کے بعد کیا ہو گا؟" عمران نے پوچھا۔

مجاہد فیروز نے کہا۔

"اس کے بعد تمہیں دوبارہ کیپٹن ہنری کے ساتھ کسی بہانے کلب میں جانا ہو گا اور بھارتی سائنس دان کو ہلاک کرنے کے واسطے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا ہو گا...... تم کمانڈو ہو...... موقع پا کر تم بازو کے ایک جھٹکے سے اس بوڑھے کی گردن توڑ سکتے ہو...... نائیلون کی باریک رسی سے اس کا گلا گھونٹ سکتے ہو...... بہر حال یہ بعد میں سوچ لیں گے...... میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ خدا پر بھروسہ کر کے تم آج رات پستول اپنے ساتھ ہی لیتے جاؤ...... تمہارا کیا ارادہ ہے؟"۔

عمران کہنے لگا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ پستول ساتھ لے جانے کا خطرہ مول لینا ہی ہو گا...... ممکن ہے وہاں تلاشی کی صورت حال پیدا نہ ہو"۔

مجاہد فیروز نے کہا۔

"یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اگر تم سے پستول برآمد ہو بھی جاتا ہے تو وہ لوگ ں گرفتار نہیں کریں گے...... جب تم انہیں بتادو گے کہ تم اخباری آدمی ہو اور تم ں کو اپنی حفاظت کے لئے اسلحہ ساتھ رکھنا پڑتا ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ یہی کریں گے ستول اپنے پاس رکھ لیں گے...... یا تمہیں اندر جانے کی اجازت نہیں دیں گے"۔

عمران بولا۔

"تو پھر مجھے پستول انڈر ویئر میں چھپانے کی بجائے جیکٹ کی جیب میں ہی رکھنا ے...... انڈر ویئر میں پستول چھپانے کا مطلب یہ ہو گا کہ میں کلب میں کسی کو قتل نے کے لئے پستول چھپا کر لے جا رہا ہوں"۔

مجاہد فیروز نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... تو پھر اللہ کا نام لے کر پستول اپنی جیکٹ کی یں ڈالو اور چل پڑو...... اللہ بہتر کرے گا"۔

عمران نے بھی یہی فیصلہ کیا...... اس کے بعد اس نے فیروز سے کہا۔

"اب ایک اور مسئلے پر تم سے بات کرنی بہت ضروری ہے...... وہ مسئلہ یہ ہے کہ کر لیتے ہیں کہ میری تلاشی نہیں ہوتی...... میں پستول ساتھ لے کر کلب میں ے میں کامیاب ہو جاتا ہوں اور میں بھارتی سائنس دان کو ہلاک کر کے وہاں سے ونے میں کامیاب بھی ہو جاتا ہوں...... ایسی صورت میں میرا کچھ وقت کے لئے جگہ روپوش ہونا ضروری ہو گا...... بھارتی سائنس دان کو قتل کرنے کے بعد میرا ہو کر اپنے فلیٹ میں آنا خودکشی کے مترادف ہو گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود ہنری اپنے سیکورٹی گارڈز کے ساتھ میرے پیچھے دوڑے"۔

مجاہد فیروز کہنے لگا۔

"اس کا بندوبست ہو جائے گا، جس وقت تم ملٹری پولیس کی گاڑی میں سوار ہو کر

اولڈ آفیسرز کلب کی طرف جاؤ گے...... میرے ''کشمیری کمانڈو ایک خاص مقام پر چھپ کر تمہارا انتظار کریں گے...... وہ جگہ تمہیں شام ہوتے ہی دکھادی جائے گی...... کوشش کرنا کہ فرار ہونے کے بعد اسی طرف کا ہی رخ کرو...... میرے آدمی تمہیں سنبھال لیں گے اور تمہیں ایک ایسے خفیہ ٹھکانے پر پہنچادیں گے جہاں تم پوری طرح سے محفوظ ہو گے''۔

عمران نے کہا۔

''بہتر ہے کہ دن کی روشنی میں ہی مجھے وہ جگہ دکھادی جائے جہاں ہمارے کشمیری مجاہد میرا انتظار کریں گے''۔

مجاہد فیروز بولا۔

''تم ایسا کرو کہ پتلون کی جگہ دھوتی پہن لو...... اوپر موٹا کمبل لے لو...... میرا وہی آدمی جو تمہارے لئے پستول لایا تھا ایک گھنٹے بعد آئے گا...... تم اس کے ساتھ چلے جانا...... وہ تمہیں وہ خاص جگہ دکھادے گا جہاں تم بھارتی سائنس دان کو قتل کرنے کے بعد فرار ہو کر آؤ گے''۔

عمران نے کہا۔

''میں ایک گھنٹے بعد اس حلیے میں بالکل تیار ہوں گا''۔

''ٹھیک ہے'' مجاہد فیروز بولا...... ''اب میں چلتا ہوں، خدا تمہیں اپنے مشن میں کامیاب کرے''۔

وہ چلا گیا...... عمران نے اسی وقت پتلون کی جگہ ایک کھدر کی نیلی چادر کو دھوتی کی طرح باندھ لیا...... سویٹر کے ساتھ گلے میں گلوبند لپیٹ کر اوپر کمبل کی بکل ماری اور کشمیری کمانڈو کا انتظار کرنے لگا...... ٹھیک ایک گھنٹے بعد دروازہ کی گھنٹی بجی...... اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا...... باہر وہی آدمی دیہاتی کے حلیے میں موجود تھا جو اس کے لئے پستول لایا تھا...... اس نے عمران سے پوچھا۔

''تیار ہو؟''۔

عمران بولا۔

''بالکل تیار ہوں''۔

''تو پھر آ جاؤ'' یہ کہہ کر وہ ایک طرف آہستہ آہستہ چل پڑا...... عمران نے دروازہ بند کیا...... دروازے کو بند کرتے ہی تالا خود بخود لگ جاتا تھا...... ایک چابی عمران ہر وقت اپنی جیب میں رکھتا تھا اور دوسری چابی اس نے فلیٹ کے دروازے کے پاس ہی گملے کے نیچے چھپا کر رکھی ہوئی تھی...... وہ اس کشمیری کمانڈو کے پیچھے پیچھے چل دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی...... کشمیری مجاہد عمران کو غیر آباد میں سے گزارتا ایک پہاڑی کی جانب بڑھتا گیا...... اب عمران بالکل دیہاتیوں کی طرح کشمیری مجاہد کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا...... پہاڑی کا چکر کاٹ کر وہ اس کی جانب آگئے جہاں ایک اور اونچا ٹیلا تھا...... ٹیلے کے گرد ایک پتلی سی پگ ڈنڈی تھی...... وہ اس پر چلتے گئے...... آگے تھوڑی سی چڑھائی آگئی...... چڑھائی کے ملان کی جھاڑیاں اور درخت شروع ہو گئے...... ان درختوں کے پار پہنچ کر کشمیری نے ایک طرف انگلی سے اشارہ کیا اور کہا۔

''وہ آفیسرز کلب ہے''۔

بائیں جانب درختوں کے پیچھے اک منزلہ کلب کی عمارت نظر آرہی تھی...... کمانڈو مجاہد کلب سے ڈیڑھ دو سو گز کے فاصلے پر کلب کی پچھلی طرف آکر ایک بیٹھ گیا...... اس نے عمران کو بھی اپنے ساتھ بٹھالیا کہنے لگا۔

''وہ سامنے کلب کی دیوار دیکھ رہے ہو''۔

عمران کو درختوں کے درمیان میں سے کچھ فاصلے پر ایک تین چار فٹ اونچی دیوار دی تھی جس پر کہیں کہیں جنگلی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں...... کشمیری مجاہد بولا۔

''تمہیں دیوار کے قریب ہی ایک خشک درخت بھی ضرور نظر آرہا ہوگا''۔

"ہاں" عمران نے کہا...... "میں دیکھ رہا ہوں اس درخت کو"۔
کشمیری مجاہد نے کہا۔
"ہم آج رات کے آٹھ بجے کے بعد اسی درخت کے نیچے ایک طرف چھپ کر بیٹھ جائیں گے میرے ساتھ میرا ساتھی کمانڈو ہوگا...... اگر تم اپنا مشن مکمل کرنے کے بعد فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے تو اس طرف سے دیوار پھاند کر سیدھے درخت کی طرف آجانا...... اس کے بعد ہم تمہیں سنبھال لیں گے...... اس جگہ کو اچھی طرح سے ذہن میں بٹھالو تاکہ رات کے اندھیرے میں بھی اس کی شناخت کرسکو"۔
عمران نے کہا۔
"میں نے یہ سارا نقشہ اپنے ذہن میں بٹھالیا ہے"۔
"پھر اب واپس آجاؤ"۔
یہ کہہ کر کشمیری مجاہد اٹھ کر آگے آگے چلنے لگا...... جب وہ دونوں ٹیلوں کے آگے نکل آئے تو کشمیری مجاہد رک گیا...... کہنے لگا۔
"یہاں سے تم اکیلے واپس جاؤ گے...... یاد رکھنا...... ہم دو آدمی رات آٹھ بجے کے بعد کلب کی پچھلی دیوار کے پاس سوکھے درخت کے نیچے چھپ کر بیٹھے ہوں گے"۔
یہ کہہ کر کشمیری مجاہد کمانڈو دوسری طرف کو چل دیا...... کمانڈو عمران نے شام کو ہی تھوڑا بہت کھانا کھالیا اور مشن پر جانے کی تیاری شروع کردی...... تیاری اس نے ذہنی طور پر ہی کرنی تھی...... باقی تیاری کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی...... ایک پستول اس کے پاس تھا جو اسے ساتھ لے جانا تھا...... وہ بھی اسے اب اس نے انڈرویئر میں نہیں چھپانا تھا بلکہ اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب میں ہی رکھنا تھا...... اس کے علاوہ اس نے صرف یہ کام کیا کہ نائیلون کی ڈیڑھ گز کی باریک رسی لے کر اس کاغذ کی گولی کے ساتھ لپیٹ کر اپنی پتلون کی جیب میں رکھ لی کہ اگر ایسی صورت حال بن جائے کہ پستول نہ فائر کرسکے تو نائیلون کی رسی سے کام لے سکے۔

کیپٹن ہنری نے کہا تھا کہ وہ ٹھیک نو بجے مال روڈ والے اشوکا ریستوران کے باہر
بھیج دے گا...... عمران ساڑھے آٹھ بجے ہی جاکر ریستوران میں بیٹھ گیا......
کا نمبر کیپٹن ہنری نے اسے لکھوادیا تھا، جو اس نے زبانی یاد کرلیا تھا...... وہ
ران میں دروازے کے ساتھ والی سیٹ پر شیشے کی دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا جہاں
روڈ کا منظر نظر آرہا تھا...... وہ گھڑی پر وقت دیکھ لیتا تھا...... ٹھیک نو بج کر دس
ایک فوجی جیپ آکر ریستوران کے باہر رکی...... اس کا نمبر وہی تھا جو کیپٹن
نے عمران کو لکھوایا تھا...... اسے ایک سکھ فوجی چلا رہا تھا...... فوجی جیپ ایک
کھڑی کرکے ریستوران کی طرف بڑھا...... عمران خود ہی نکل کر باہر آگیا......
لھ فوجی سے کہا۔
ل جوان تمہیں کیپٹن ہنری صاحب نے بھیجا ہے"۔
فوجی نے عمران کی طرف دیکھ کر کہا۔
سر! آپ کا نام؟"۔
ن بولا۔
را نام مسٹر جیمز ہے...... کیپٹن ہنری نے مجھے کہا تھا کہ میں اولڈ آفیسرز کلب
اس کا انتظار کروں"۔
فوجی بولا۔
ب ہے صاحب...... آجائیں"۔
نا جیپ میں بیٹھ گیا...... یہ ملٹری پولیس کی جیپ تھی اور سکھ فوجی بھی
کا جوان تھا...... جیپ شملے کی مال روڈ پر سے گزر کر سولن روڈ کی طرف
کچھ دیر کے بعد جیپ ایک کچی پہاڑی سڑک پر اتر کر چل پڑی...... یہ
پہاڑی کے گرد چکر لگا کر اولڈ آفیسرز کلب کے سامنے آگئی...... کلب پر
ک پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی...... صرف برآمدے کے اوپر والا

بلب روشن تھا...... لان میں دو ایک گاڑیاں ہی کھڑی تھیں...... ابھی ریٹائرڈ بوڑ
افسروں کی آمد شروع نہیں ہوئی تھی...... کلب کا سیکورٹی سٹاف گیٹ کے پاس مو
تھا...... چار پانچ گارڈ اسلحہ لئے ادھر ادھر کھڑے تھے...... پستول عمران کی جیک
جیب میں تھا...... نازک مرحلہ قریب آ رہا تھا...... ملٹری پولیس کی جیپ لان میں ا
طرف جا کر کھڑی ہوگئی...... ایک سیکورٹی گارڈ جلدی سے جیپ کے پاس آ گیا
اس نے سکھ فوجی سے پوچھا۔

"یہ کون صاحب ہیں؟"۔

سکھ فوجی نے کہا۔

"کیپٹن ہنری صاحب سیکورٹی سکویڈ کمانڈر کے بھائی ہیں"۔

سکھ فوجی نے سکہ شاہی سے کام لیتے ہوئے مجھے کیپٹن ہنری کا بھائی بنا دیا
اس کا بڑا اچھا اثر پڑا...... سیکورٹی گارڈ بولا۔

"ٹھیک ہے"۔

سکھ فوجی نے عمران سے کہا۔

"آؤ صاحب"۔

وہ عمران کو ساتھ لے کر کلب کے بڑے کمرے میں داخل ہو گیا...... کہنے لگا

"سر! ان لوگوں کو میں یہ نہ بتاتا تو یہ ہمیں خواہ مخواہ پریشان کرتے...... س
گارڈز ہیں اپنی بڑی شان دکھاتے ہیں"۔

یہ کمرہ پرانے زمانے کی کوٹھیوں جیسا تھا...... چھت اونچی تھی...... درمیا
تین چار ستون کھڑے تھے...... ستونوں کے گرد چھوٹی گول میزیں لگی تھیں
گلدان رکھے ہوئے تھے...... جگہ جگہ پرانے صوفے اس طرح رکھے ہوئے
سات آٹھ بوڑھے آفیسرز آمنے سامنے بیٹھ سکیں...... ہر ستون کے ساتھ بجلی
روشنی والا بلب روشن تھا...... کمرے کا ماحول بھی بوڑھا تھا...... معلوم ہوتا تھا

ے کی جوانی بھی گزر چکی ہے...... سامنے والی دیوار کے آگے ایک بڑا سا کاؤنٹر بنا ہوا
...... کاؤنٹر کے پیچھے لکڑی کے شیلفوں میں مختلف قسم کی شراب کی بوتلیں سجی ہوئی
ں...... کچھ بوتلیں اور شیشے کے چمکیلے گلاس، پیمانے اور بیئر پینے والے لمبوترے مگ
ٹر پر بھی ایک طرف قرینے سے لگے تھے...... تین چار بوڑھے ایک ستون کے پاس
فوں پر بیٹھے آگے کو جھک کر دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے...... شراب کا گلاس
کے ہاتھ میں تھا...... کسی نے اپنا گلاس سنگ مرمر کی گول چھوٹی میز پر رکھا ہوا تھا اور
یں سگار سلگ رہا تھا...... وردی پوش بیرے طشت لئے خاموش قدموں کے ساتھ
ادھر منڈلا رہے تھے...... فضا میں شراب اور سگار کے تمباکو کی بو رچی ہوئی تھی۔

سکھ فوجی نے عمران کو ایک طرف صوفے پر بٹھا دیا اور کہا۔

"کیپٹن صاحب نے بولا تھا کہ آپ کو یہاں بٹھا دوں...... کیپٹن صاحب ایک گھنٹے
آ جائیں گے"...... کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیرے کو کہہ دوں۔

عمران نے کہا۔

"تھینک یو جوان...... کسی چیز کی ضرورت نہیں"۔

عمران خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس کا آٹومیٹک پستول اس کی جیب میں محفوظ پڑا
...... صوفے کے کونے پر بیٹھنے کے بعد اس نے ہال کمرے کا جائزہ لیا...... وہ یہ معلوم
چاہتا تھا کہ کلب کے باتھ روم کس طرف ہیں...... کچھ دیر بیٹھنے کے بعد اس نے
ب سے گزرتے ہوئے ایک بیرے کو اشارے سے بلا کر پوچھا۔

"یہاں باتھ روم کہاں ہیں؟"۔

بیرے نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

"سر! اس طرف ہیں"۔

اور چلا گیا...... عمران بڑے اطمینان سے پتلون کی بیلٹ درست کرتا ہوا اٹھا اور
طرف چل پڑا جس طرف بیرے نے اشارہ کیا تھا...... یہ انگریزوں کے زمانے کا

کوئی بڑا بنگلہ تھا جہاں کبھی کوئی انگریز جرنیل وغیرہ رہتا ہوگا...... دروازے اونچے اونچے اور لکڑی کے پرانی طرز کے تھے...... سامنے ایک محراب دار دروازہ کھلا تھا...... بیرے نے اسی طرف اشارہ کیا تھا...... آگے ایک راہداری تھی جہاں بتی روشن تھی...... آگے آمنے سامنے دو چھوٹے بورڈ لکھے تھے جن میں سے ایک پر مردوں کے لئے اور دوسرے پر خواتین کے لئے لکھا تھا...... عمران خاموشی سے سر جھکائے مردانہ باتھ روم میں داخل ہو گیا...... کلب کی ساری عمارت پرانی اور خستہ حال تھی، لیکن باتھ روم ماڈرن فیشن کے تھے اور کشادہ تھے...... نصف دیواروں تک ٹائیل لگے تھے...... سینیٹری کی فٹنگ بھی اعلیٰ قسم کی تھی...... سات آٹھ الگ الگ کیبن بنے ہوئے تھے...... ہاتھ منہ دھونے والی جگہ پر بڑے بڑے چوکور آئینے لگے تھے...... شاید بوڑھے ریٹائرڈ فوجی اور غیر فوجی افسروں نے اپنی سہولت کے لئے خود پیسے خرچ کر کے اس باتھ روم کی تعمیر نو کرائی تھی۔

عمران نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بالوں میں کنگھی پھیری...... ہاتھ دھوئے اور تولئے سے ہاتھ پونچھ کر باتھ روم سے نکل آیا...... اس نے باتھ روم کے باہر والی راہداری کا بھی گہری نظر سے جائزہ لیا...... یہاں صرف اس جگہ روشنی تھی جہاں چھت کے ساتھ دھیمی روشنی والا بلب جل رہا تھا...... باقی جگہوں پر ہلکا اندھیرا چھایا ہوا تھا...... صرف باتھ روم کے دروازے کے اوپر آمنے سامنے چھوٹا سا سرخ بلب روشن تھا، جس نے راہداری کے ماحول کو اور زیادہ پراسرار بنا دیا تھا...... وہ اپنی جگہ پر واپس آکر بیٹھ گیا...... اب بوڑھے افسروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا...... تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد بوڑھے افسر گرم سوٹوں میں ملبوس ہال میں داخل ہوئے...... کوئی اپنے بوڑھے ساتھی سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا تو کوئی سگار منہ میں دبائے چھڑی کے سہارے چلا آرہا تھا...... ایک فوجی افسر بوڑھا ہونے کے باوجود سینہ تان کر چلنے کی کوشش کر رہا تھا...... صاف لگ رہا تھا کہ یہ ریٹائرڈ فوجی افسر ہے...... عمران کو کیپٹن

کا انتظار تھا، جس کے ساتھ بھارتی سائنس دان ڈاکٹر رگھو پتی کو آنا تھا جو اس کے ٹارگٹ تھا۔

عمران نے اپنے لئے کافی منگوالی تھی...... وہ ایک الگ میز پر اکیلا بیٹھا کافی پی کر زار رہا تھا...... نو بجے تک کلب کے ہال میں کافی بوڑھے افسر نظر آنے لگے...... سے دو تین فوجی افسر ہی اونچی آواز میں بول رہے تھے اور کبھی کبھی ان کے قہقہے کی آواز بھی آجاتی تھی...... باقی تقریباً سبھی بوڑھے افسر یا تو خاموشی سے شراب سے جی بہلا رہے تھے اور یا آپس میں دھیمی آواز میں گزرے زمانے کی باتیں کر رہے تھے...... ساڑھے نو بج گئے...... کیپٹن ہنری بھارتی سائنس کے ساتھ ابھی تک نمودار نہیں ہوا تھا...... اچانک عمران کو خیال آیا کہ کہیں اس کا لاک تو نہیں ہے...... اسے یاد نہیں تھا کہ اس نے پستول کا سیفٹی کیچ آگے کیا تھا یا ...... اس شک کو فوراً دور کرنے کی ضرورت تھی، چنانچہ عمران اٹھا اور باتھ روم ف چل دیا...... باتھ روم کے کیبن میں جا کر اس نے پستول نکال کر دیکھا...... اس درست نکلا...... پستول لاک کیا ہوا تھا...... اس نے جلدی سے اس کا سیفٹی کیچ کیا اور باتھ روم سے نکل کر تیز تیز قدموں کے ساتھ چلتا اپنی جگہ پر آکر بیٹھ پندرہ بیس منٹ کے بعد کیپٹن ہنری ایک گنجے سر والے ادھیڑ عمر آدمی کے ہال میں داخل ہوا...... اس گنجے سر والے کو عمران نے فوراً پہچان لیا۔

یہ بھارتی سائنس دان ڈاکٹر رگھو پتی تھا۔

کیپٹن ہنری نے ہال میں داخل ہوتے ہی ادھر ادھر نظر دوڑائی...... اس نے کو ایک جگہ بیٹھے دیکھ لیا اور اس کی طرف دیکھ کر ذرا سا مسکرا دیا...... عمران بھی بلند کر کے مسکرا دیا...... عمران کی نگاہیں بھارتی سائنس دان پر لگی ہوئی تھیں...... ان کے ساتھ لگی ہوئی میز پر جا کر بیٹھ گیا جہاں پہلے سے ایک بوڑھا بیٹھا برانڈی جی بہلا رہا تھا...... دونوں بوڑھوں نے مسکرا کر ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا اور

باتیں کرنے لگے...... کیپٹن ہنری بھارتی سائنس دان کو وہاں چھوڑ کر سیدھا عمران کے پاس آ گیا، بولا۔

"جیمز! تم بور تو نہیں ہوئے؟ ویسے اس ماحول میں ایک اخبار نویس کو بہت سا مواد مل سکتا ہے"۔

کیپٹن ہنری عمران کے سامنے بیٹھ گیا...... عمران بولا۔

"میں بالکل بور نہیں ہوا...... میں اس وقت سے یہاں کے دلچسپ اور پراسرار ماحول کا مطالعہ کر رہا ہوں...... میں سمجھتا ہوں کہ اپنے اخبار میں چھپے ہوئے میرے فیچر کی دھوم مچ جائے گی"۔

کیپٹن ہنری بولا۔

"تم اگر چاہو تو میں ایک دو ریٹائرڈ فوجی جرنیلوں سے تمہاری ملاقات کروا سکتا ہوں"۔

عمران اس جھنجھٹ میں نہیں پڑ سکتا تھا...... اس کا مشن کچھ اور تھا...... اس نے کہا۔

"نہیں کیپٹن ہنری...... ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے...... میں سمجھتا ہوں کہ اس دفعہ میں صرف برڈز آئی ویو سے ماحول کی سٹڈی کروں گا...... اس کے بعد دوسری مرتبہ آؤں گا تو ریٹائرڈ فوجی افسروں سے بھی ملاقات کروں گا...... یقیناً ان کے پاس فوجی زندگی کی بڑی حیران کن کہانیاں ہوں گی"۔

"کیوں نہیں" کیپٹن ہنری نے کہا...... "اور یہ جرنیل یہ کہانیاں بڑا مرچ مصالحہ لگا کر سناتے ہیں"۔

اور کیپٹن ہنری ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا...... پھر اس نے عمران سے پوچھا۔

"جیمز! تمہارے لئے کیا منگواؤں؟ میں تو صرف شمپین کا ایک گلاس پیوں گا... میں ڈیوٹی پر ہوں اور ڈیوٹی پر سکاچ نہیں پی سکتا...... تم اپنے لئے سکاچ منگوا لو"۔

عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہنری! دیکھا جائے تو میں بھی ایک طرح سے ڈیوٹی پر ہوں اور ڈیوٹی کے دوران میں شراب وغیرہ کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا...... اسی لئے یہ کافی پی رہا ہوں"۔

کیپٹن ہنری بولا۔

"کھانے کے بارے میں کیا خیال ہے...... اس کلب کا شیف بڑے عمدہ کھانے پکاتا ہے"۔ عمران نے کہا۔

"تھینک یو کیپٹن...... میں صرف کافی پیوں گا"۔

"تو پھر میں کافی کے ساتھ کچھ سنیکس منگوا لیتا ہوں"۔

کیپٹن ہنری نے اشارہ کر کے بیرے کو بلایا...... اسے اپنے لئے شمپین کے ایک گلاس اور عمران کے لئے کافی اور کچھ سنیکس لانے کے لئے کہا...... کیپٹن ہنری شملے کے موسم کی باتیں کرنے لگا...... عمران وقفے وقفے سے بھارتی سائنس دان کو دیکھ لیتا تھا...... اس کا ذہن اتنی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ کبھی کبھی وہ غیر حاضر ہو جاتا اور اسے کیپٹن ہنری سے دوبارہ پوچھنا پڑتا کہ سر تم کیا کہہ رہے تھے...... بڑے ہال روم میں اتنے سارے لوگوں کے سامنے وہ بھارتی سائنس دان کو ایک سیکنڈ میں ہلاک کر سکتا تھا...... اسے صرف اتنا کرنا تھا کہ اٹھ کر بھارتی سائنس دان کے پاس جائے اور جیب سے پستول نکال کر ساری گولیاں اس کے دماغ سے پار کر دے، لیکن ایسا کرنے کی صرف اس وقت ضرورت تھی جب اور کوئی چارہ کار نہ ہو...... عمران اسی الجھن میں تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے...... کیپٹن ہنری نے موضوع بدل کر اپنی کزن کارمن کی باتیں شروع کر دیں...... شمپین کے ایک گلاس سے وہ سرور میں آ گیا تھا...... کہنے لگا۔

"کارمن بڑی نوبل لڑکی ہے...... میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں، لیکن وہ مجھے شادی کے واسطے پسند نہیں کرتی...... اصل میں وہ اپنے ایک چچازاد سے محبت کرتی ہے جو دوبئی میں کاروبار کرتا ہے...... آئی لو کارمن یو نو"۔



عمران کو مجبوراً اس کی باتیں سننی پڑ رہی تھیں۔

وہ کیپٹن کی بے ربط سی گفتگو بھی سن رہا تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد بھارتی سائنس دان کو بھی دیکھ لیتا تھا...... اچانک بھارتی سائنس دان اٹھا اور جدھر باتھ روم تھے اس طرف جانے لگا...... کمانڈو عمران اس لمحے کا انتظار کر رہا تھا...... اس سے زیادہ بہتر موقع اسے کلب میں اور کہیں نہیں مل سکتا تھا...... جب بھارتی سائنس دان باتھ روم کی طرف جانے والی راہ داری کی طرف مڑا تو عمران بھی اٹھ کھڑا ہوا...... کیپٹن ہنری سے اس نے کہا۔

"میں ذرا باتھ روم تک جا رہا ہوں"۔

"نو پرابلم" کیپٹن ہنری نے آہستہ سے کہا...... شاید وہ اپنی محبوبہ کارمن کے تصور میں گم تھا...... کمانڈو عمران آہستہ آہستہ چل کر باتھ روم والی راہ داری میں آ گیا...... راہ داری میں ہلکا اندھیرا تھا اور وہ خالی پڑی تھی...... بھارتی سائنس دان باتھ روم میں جا چکا تھا...... عمران اب ایک سیکنڈ بھی ضائع کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا...... اس کا ایک ایک سیکنڈ بڑا قیمتی تھا...... وہ جلدی سے باتھ روم میں داخل ہو گیا...... باتھ روم خالی تھا...... ایک بند کیبن سے پانی کے گرنے کی آواز آ رہی تھی...... عمران نے کیبن کی درز کے ساتھ آنکھ لگا کر دیکھا...... بھارتی سائنس دان اندر موجود تھا...... عمران نے پستول جیکٹ کی اندر والی جیب سے نکال کر پتلون کی

جیب میں رکھ لیا اور منہ ہاتھ دھونے والے کاؤنٹر پر آ کر جیب سے کنگھی نکال کر یونہی بالوں کو درست کرنے لگا...... اسے یہی ڈر تھا کہ کوئی دوسرا بوڑھا باتھ روم میں نہ آ جائے...... کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا تھا...... منہ ہاتھ دھونے والے وہاں چار بیسن لگے تھے...... عمران جان بوجھ کر اس بیسن پر کھڑا بالوں میں کنگھی پھیر رہا تھا جو اس کیبن کے بالکل سامنے تھا۔ جس کیبن میں بھارتی سائنس دان گیا ہوا تھا...... کیبن کے اندر سے چٹخنی کھلنے کی آواز آئی...... عمران جلدی سے بیسن سے ہٹ کر ٹاول سٹینڈ کے پاس کھڑے ہو کر تولئے سے ہاتھ پونچھنے لگا...... وہ ترچھی آنکھوں سے کیبن کی طرف دیکھ رہا تھا...... بھارتی سائنس دان کیبن میں سے نکل کر سیدھا بیسن کے پاس آیا اور صابن سے ہاتھ دھونے لگا...... باتھ روم کی روشنیوں میں عمران نے اسے گہری نظر سے دیکھا...... یہ وہی بھارتی سائنس دان ڈاکٹر گھوش ہی تھا جس کی اسے ایک مدت سے تلاش تھی...... کاؤنٹ ڈاؤن ختم ہو چکا تھا...... اب ضائع کرنے کے واسطے ایک سیکنڈ بھی نہیں تھا...... عمران آہستہ سے ٹاول سٹینڈ سے ہٹ کر بھارتی سائنس دان کے پیچھے آ گیا...... اس نے پتلون کی جیب سے آٹومیٹک پستول نکالا اور ایک فٹ کے فاصلے سے بھارتی سائنس دان کے سر میں فائر کر دیا...... سائی لینسر کی وجہ سے فائر کا دھماکہ نہیں ہوا تھا...... گولی بھارتی سائنس دان کی کھوپڑی کے ایک حصے کو اڑاتی ہوئی سامنے دیوار پر لگے آئینے سے ٹکرائی اور آئینہ چکنا چور ہو گیا۔

بھارتی سائنس دان منہ کے بل آگے کو گر پڑا...... عمران نے جلدی سے اسے پیچھے سے بازوؤں میں ہاتھ ڈال کر اٹھایا اور گھسیٹ کر کیبن کے اندر ڈال دیا...... اس کی کھوپڑی کا ایک حصہ بالکل اڑ گیا تھا اور بھیجا بکھر چکا تھا...... بھارتی سائنس دان کی لاش کو کیبن میں ڈال کر اس نے کیبن کا دروازہ آہستہ سے بند کیا اور پستول جیکٹ کی جیب میں ڈال کر خاموشی سے باتھ روم سے باہر نکل گیا...... نیم روشن کوریڈور خالی پڑا تھا...... عمران جب پہلی بار باتھ روم کا جائزہ لینے آیا تھا تو اس نے دیکھ لیا تھا کہ راہ داری میں

سے ایک دروازہ دوسری طرف جاتا ہے...... یہ دروازہ کس طرف جاتا تھا یہ عمران کو معلوم نہیں تھا...... باتھ روم سے نکلتے ہی وہ بال روم کی طرف جانے کی بجائے راہ داری کے دوسرے دروازے کی طرف بڑھا...... دروازے کو تالا نہیں لگا ہوا تھا...... اس نے دروازے کا پٹ آہستہ سے کھولا اور اندر چلا گیا...... وہاں زیرو واٹ کا بلب جل رہا تھا...... یہ کوئی پرانی چیزوں کا سٹور تھا...... اس کا ایک اور دروازہ تھا جو سامنے کی جانب تھا...... عمران تیزی سے اس دروازے کی طرف آیا اور اس کی چٹخنی کھول کر باہر جھانک کر دیکھا...... باہر جھاڑیاں اور درخت تھے...... اندھیرا چھایا ہوا تھا...... وہ جھک کر جھاڑیوں میں سے گزرتا سامنے کی طرف چلنے لگا...... کوئی تیس پینتیس فٹ کے فاصلے پر دیوار آ گئی...... یہ اولڈ آفیسر کلب کی پچھلی دیوار تھی جو چار فٹ کے قریب اونچی تھی...... عمران کو اسی دیوار کے پار جانا تھا۔

وہ دیوار کو پھاند کر اس کی دوسری طرف جھاڑیوں میں آ گیا...... وہ دائیں جانب چلنے لگا...... اس کے اندازے کے مطابق دیوار کے پیچھے جس سوکھے درخت کے پاس آنے کے لئے کشمیری کمانڈو نے اسے کہا تھا وہ اسی طرف ہو سکتا تھا...... چند قدم چلا ہو گا کہ کسی نے جھاڑیوں میں سے نکل کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا...... عمران نے چونک کر پیچھے دیکھا...... اندھیرے میں اسے کھیس کی بکل والا ایک دیہاتی دکھائی دیا۔

"کدھر جا رہے ہو؟ ہم اس طرف تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔

عمران نے اسے پہچان لیا تھا...... یہ اپنا آدمی تھا...... اس نے کہا۔

"جلدی سے میرے پیچھے آ جاؤ"۔

کشمیری مجاہد اندھیرے میں تیز تیز قدموں سے ڈھلان اترنے لگا...... عمران بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا...... وہ بڑی تیزی سے ڈھلان اتر رہے تھے...... جھاڑیوں کی شاخیں عمران سے الجھ رہی تھیں...... نیچے ایک گھاٹی آ گئی...... وہاں ایک اور کشمیری مجاہد ان کے انتظار میں موجود تھا...... اس نے دونوں کو آتے دیکھا تو کچھ بولے بغیر تیز

ندموں سے کھائی میں ایک طرف چلنے لگا...... وہ تینوں رات کی تاریکی میں ایک رے کے آگے پیچھے چلے جا رہے تھے۔

عمران یہ سوچ کر ضرور پریشان ہو رہا تھا کہ ممکن ہے اس وقت تک کلب میں تی سائنس دان کے قتل کا علم ہو گیا ہو...... اس کا مطلب تھا کہ کیپٹن ہنری کے ورٹی سکوئیڈ اور کلب کے دوسرے سیکورٹی گارڈز نے کلب کے سارے علاقے کو ے میں لے کر قاتل کی تلاش شروع کر دی ہو گی...... عمران کی عدم موجودگی کیپٹن ہنری کو یقین ہو گیا ہو گا کہ عمران ہی نے بھارتی سائنس دان کو قتل کیا ...... عین ممکن ہے کہ اس نے فوجی کیمپ میں وائرلیس پر بھارتی سائنس دان کے ی اطلاع کر دی ہو اور پورا فوجی یونٹ عمران کی تلاش میں نکل آیا ہو...... فوج کے ئے رات کا اندھیرا کوئی حیثیت نہیں رکھتا...... وہ روشنی کے راؤنڈ فائر کر کے ے جنگل کو روشن کر سکتی ہے...... بھارتی سائنس دان بھارت کی حکومت اور فوج اہم آدمی تھا اور اسے فوج کی حفاظت میں دیا گیا تھا...... فوج کا اس طرح سے الرٹ جانا عمران کے لئے اس وقت تک مصیبت بن سکتا تھا جب تک کہ وہ کسی خفیہ ٹھکانے چھپ نہیں جاتا، لیکن معلوم ہو رہا تھا کہ خفیہ ٹھکانہ ابھی بہت دور ہے...... دونوں ری مجاہد اسے لے کر گھاٹی میں چلے جا رہے تھے...... عمران کو یہی فکر لگی تھی کہ ہیں اچانک روشنی راؤنڈ کے فائر ہونے کے ساتھ سارا آسمان اور جنگل روشن نہ جائے اور اسے دیکھ نہ لیا جائے۔

گھاٹی میں ایک خشک برساتی نالہ تھا جس کے پتھروں سے الجھتے وہ چلے جا رہے ...... آخر عمران سے نہ رہا گیا...... اس نے اپنے آگے جانے والے کشمیری مجاہد ے پوچھا۔

"ہمیں ابھی کتنا چلنا ہو گا؟"۔

کشمیری مجاہد نے چلتے چلتے پوچھا۔

"کیا تھک گئے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں تھک نہیں گیا...... مجھے صرف یہ ڈر ہے کہ میری تلاش میں نکلے ہو فوجی کہیں اس طرف نہ نکل آئیں"۔

کشمیری مجاہد نے کہا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے...... ہم محفوظ علاقے میں آگئے ہیں"۔

عمران کے خیال کے مطابق اس وقت وہاں کوئی علاقہ اس کے لئے محفوظ نہی تھا...... وہ بھارت کی ایک ایسی بڑی شخصیت کو قتل کر کے آیا تھا جس کی حفاظت کی ذ داری فوج کو سونپی گئی تھی...... یہ فوج کی شکست تھی کہ اس کی زیر حفاظت آئے ہو انسان کو قاتل قتل کر کے فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتا ہے، لیکن شاید یہ بات کشمی مجاہدوں کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی...... عمران نے انہیں صرف اتنا ہی کہا۔

"پلیز یہاں سے جلدی نکلیں"۔

کشمیری مجاہدین میں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا...... وہ اسی طرح چلتے رہے عمران بھی ان کے درمیان چلتا گیا...... پہاڑی کی ڈھلان ختم ہو گئی تھی...... وہ اد پہاڑوں کے درمیان ریتلے میدان میں سے گزرنے لگے...... ریتلا میدان ایک جنگل جاکر ختم ہو گیا...... اب وہ جنگل کے درختوں میں داخل ہو گئے...... یہ کوئی گھنا جنگ نہیں تھا...... فاصلے فاصلے پر درخت کھڑے تھے...... درمیان میں کہیں کہیں جھاڑیا اگی ہوئی تھیں...... آخر یہ جنگل بھی ختم ہو گیا...... عمران نے ستاروں کی پھیکی رو میں دیکھا کہ وہ ایک کچی پہاڑی سڑک پر آگئے ہیں جہاں ایک طرف جیپ کھڑ ہے...... عمران بھی کشمیری مجاہدوں کے ساتھ جیپ میں بیٹھ گیا...... جیپ کی بتیا روشن نہیں کی گئی تھیں...... جیپ کچے پہاڑی راستے پر ہچکولے کھاتی ایک طرف جتنی تیز رات کے اندھیرے میں چل سکتی تھی روانہ ہو گئی۔

جیپ ایک ٹیلے کے گرد چکر کاٹ کر دوسرے ٹیلے کی چڑھائی چڑھنے لگی...... سرے ٹیلے سے اترنے کے بعد جیپ ایک طرف درختوں میں جاکر رک گئی...... یری مجاہد جیپ سے اتر آئے...... ایک نے عمران سے کہا۔

"ہمارے درمیان میں آجاؤ"۔

عمران ان کے درمیان میں آکر چلنے لگا...... دو ٹیلوں کے درمیان ایک راستہ بنا اتھا...... اس میں سے گزر کر وہ دوسری طرف نکلے تو اچانک دونوں جانب سے دو می جنہوں نے منہ چھپا رکھے تھے شاٹ گنیں تان کر سامنے آگئے۔

"کون ہو؟ رک جاؤ"۔

جو کشمیری مجاہد آگے آگے تھا اس نے کشمیری زبان میں کچھ کہا...... دونوں جوان ھیرے میں ایک طرف ہٹ گئے...... آگے درختوں کے نیچے لکڑی کا ایک جھونپڑا بنا ہوا تھا جس کے باہر ایک آدمی پتھر پر کمبل اوڑھ کر بیٹھا ہوا تھا...... کشمیری مجاہدین دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا...... اس کے ہاتھ میں بھی شاٹ گن تھی...... اس نے آگے ھ کر لکڑی کے کیبن نما جھونپڑے کا دروازہ کھل دیا...... اندر ایک دھیمی روشنی والی لٹین روشن تھی...... فرش پر دری بچھی تھی...... ادھر ادھر چار پانچ موٹے کمبل تہہ کے رکھے ہوئے تھے...... جس آدمی نے دروازہ کھولا وہ باہر ہی رہا...... دونوں یری مجاہد عمران کے ساتھ اندر آگئے...... وہ بیٹھ گئے...... عمران بھی بیٹھ گیا...... ان ں سے ایک مجاہد نے عمران سے کہا۔

"یہاں تم محفوظ ہو گئے...... یہ بتاؤ...... کیا تمہارا مشن پورا ہو گیا تھا؟"۔

عمران نے کہا۔

"جی ہاں...... جس کام کے لئے میں وہاں گیا تھا وہ کام میں نے کر دیا ہے"۔

"مبارک ہو...... جزاک اللہ"۔

دونوں مجاہدوں نے بیک زبان کہا...... تھوڑی دیر میں وہاں پیالیوں میں سبز

چائے آ گئی..... وہ سبز چائے پینے لگے..... عمران کو سبز چائے نے تازہ دم کر دیا..... اسے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ اس نے پاکستان بلکہ عالم اسلام کے دشمن نمبر ایک بھارتی سائنس دان کو قتل کر دیا تھا..... اس کے قتل ہونے سے نیوکلر وار ہیڈ والے فضا میں مار کرنے والے راکٹوں کا فارمولا ہمیشہ کے لئے ضائع ہو گیا تھا..... بہ فرض محال اس فارمولے کی کوئی کاپی اگر اٹامک کمشن کی کسی سیکرٹ فائل میں موجود بھی تھی، پھر بھی بھارتی سائنس دان کی عدم موجودگی کے باعث نیوکلر وار ہیڈ راکٹوں کا منصوبہ کم از کم چھ سال کے لئے پیچھے چلا گیا تھا اور اس دوران پاکستان کو ان راکٹوں کا توڑ ایجاد کرنے کے لئے وقت مل گیا تھا۔

یہ بہت بڑی کامیابی تھی..... ان میں سے ایک مجاہد کا نام صمد تھا..... دوسرے مجاہد کا نام عبدالغنی تھا..... صمد نے عمران سے کہا۔

”تم صبح تک یہاں آرام کرو..... ہم یہیں موجود رہیں گے..... صبح فیروز بھائی کو تمہاری کامیابی کی رپورٹ پہنچا دی جائے گی..... اس کے بعد فیصلہ کیا جائے گا کہ تمہیں یہاں سے کہاں پہنچانا ہے“۔

دونوں مجاہد چلے گئے..... عمران کمبل اوڑھ کر وہیں لیٹ گیا..... سردی خوب پڑ رہی تھی..... وہ کافی پیدل چلا تھا..... کچھ دیر بعد ہی وہ سو گیا..... اسے بڑی گہری نیند آئی..... صبح وہ کافی دن چڑھے اٹھا..... جھونپڑے سے باہر نکل کر اس نے دیکھا کہ باہر ایک درخت کے نیچے چھوٹی سی الگ تھلگ جھونپڑی تھی جس کے باہر ایک بوڑھا آدمی چولہے کے پاس بیٹھا تھا..... چولہے پر ایلومنیم کا دیگچہ چڑھا ہوا تھا..... عمران کو دیکھ کر بوڑھا آدمی اٹھ کر اس کے پاس آ گیا..... کہنے لگا۔

”چائے پی لو“۔

معلوم ہوا کہ یہ وہی آدمی ہے جو رات کو انہیں لکڑی کے بڑے کیبن کے باہر پتھر پر کمبل اوڑھے گن لئے بیٹھا ملا تھا اور جس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تھا..... عمران نے

جاہد صمد اور عبدالغنی کے بارے میں پوچھا..... اس نے کہا۔

وہ منہ اندھیرے چلے گئے تھے..... کہہ گئے تھے تم یہاں سے کہیں مت جانا“۔

ران نے چائے اور دیسی گھی کے پراٹھے کا ناشتہ کیا اور کیبن کے اندر ہی دری پر ..... اس نے جیکٹ کی جیب میں سے پستول نکال کر دیکھا..... اس کے میگزین کو تو اس میں سے دو گولیاں فائر ہو چکی تھیں..... معلوم ہوا کہ رات کو اس نے ائنس دان کی کھوپڑی میں دو گولیاں فائر کی تھیں..... اس نے پستول کا سیفٹی ر اسے جیب میں رکھ لیا۔

ن روشن تھا..... دھوپ نکلی ہوئی تھی..... موسم سرد تھا..... درختوں میں ابھی تک چہچہا رہے تھے..... وہ کیبن میں کھڑکی کے پاس بیٹھا باہر کا منظر دیکھتا تنے میں دروازہ کھلا اور بوڑھا اندر آ کر بولا۔

فیروز بھائی آیا ہے“۔

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا..... دوسرے لمحے مجاہد فیروز اندر داخل ہوا..... وہ ا تھا..... اس نے اسلام علیکم کہہ کر بڑی گرم جوشی سے عمران کے ساتھ یا اور بولا۔

شن کی کامیابی پر میں تمہیں مبارک باد دینا چاہتا ہوں..... بھارتی سائنس دان کی خبر سارے شملے میں پھیل چکی ہے..... فوج اور سنٹرل انٹیلی جنس کے آدمی چھاپے مار رہے ہیں“۔

ران نے پوچھا۔

آپ کا آفس تو محفوظ ہے نا؟“۔

ہد فیروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ارے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور پھر ہم نے یہاں اپنا ایسا اثر و رسوخ بنا کسی کو ہم پر شک پڑ ہی نہیں سکتا“۔

عمران نے کہا۔

"لالہ!اب میں واپس جانا چاہتا ہوں...... میرا مشن یہاں ختم ہو چکا ہے"۔

"ابھی تمہارا باہر نکلنا مناسب نہیں...... کیپٹن ہنری نے، اس کے سکوڈیڑ ن
کلب کے سیکورٹی سٹاف کے آدمیوں نے تمہیں رات کو دیکھ لیا تھا...... وہ تمہیں پہچ
سکتے ہیں کیونکہ بھارتی سائنس دان کا قاتل تمہیں ہی کہا جا رہا ہے...... پولیس اور ملٹ
انٹیلی جنس تمہاری تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہی ہے"۔

عمران بولا۔

"میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور پھر یہاں بھی میرا زیادہ دیر ٹھ
میرے اور تمہارے اور دوسرے مجاہدین کے لئے خطرے کا باعث ہو سکتا ہے"۔

مجاہد فیروز نے پوچھا۔

"تم یہاں سے کس طرف جانا چاہو گے؟"۔

عمران بولا۔

"میں یہاں سے دلی اور دلی سے بمبئی اپنے بیس کیمپ میں ہی جاؤں گا"۔

مجاہد فیروز کے چہرے پر غور و فکر کے اثرات ابھر آئے تھے...... کہنے لگا۔

"میں تمہاری براستہ سولن، چندی گڑھ دلی جانے کے بارے میں سوچ بھی ن
سکتا، کیونکہ اس سارے راستے میں پولیس اور سی آئی ڈی پھیلی ہوئی ہے...... ص
ایک ہی کسی حد تک محفوظ راستہ مجھے نظر آتا ہے"۔

"وہ کون سا راستہ ہے؟" عمران نے پوچھا۔

مجاہد فیروز نے کہا۔

"وہ یہ کہ تم یہاں سے ڈیرہ دون جاؤ...... وہاں سے ہری دوار جاؤ اور ہری
سے براستہ نجیب آباد، نگینہ، بجنور، مراد آباد پہنچو، مراد آباد سے ہی تمہیں دلی جا
والی گاڑی مل جائے گی...... مراد آباد سے دلی زیادہ دور نہیں ہے...... راستے میں صر

یک بڑا اسٹیشن آتا ہے"۔

ران بولا۔

ٹھیک ہے...... میں اسی روٹ سے سفر کروں گا، مگر یہاں سے ڈیرہ دون کس
یا جائے گا...... کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے یہاں سے کوئی ٹرین وغیرہ تو
ں جاتی نہیں"۔

اہد فیروز نے کہا۔

تمہارے ساتھ مجاہد عبدالصمد جائے گا...... تم دونوں دیہاتی حلیے میں
...... عبدالصمد ان راستوں سے خوب واقف ہے...... یہاں سے تمہیں لاری
کرنا پڑے گا...... میں عبدالصمد سے بات کرتا ہوں...... اس کا مشورہ بھی
ہے...... اگر اس نے کہہ دیا کہ ہاں یہ راستہ کسی حد تک محفوظ ہے تو پھر تم اس
ھ یہاں سے نکل جانا...... اسے اس سارے علاقے کی خبر ہوتی ہے کہ سی آئی
ں کہاں زیادہ زور ہے"۔

رات اور اس سے اگلی رات بھی عمران نے وہیں جنگل میں گزار دی...... اس
رات کو عبدالصمد عمران کے پاس آ گیا...... کہنے لگا۔

اہد فیروز نے مجھے ساری بات بتا دی ہے...... میں تمہیں اپنے ساتھ مراد آباد
جاؤں گا"۔

ان نے کہا۔

ہارے خیال میں ہمیں کس وقت نکل جانا چاہئے"۔

الصمد بولا۔

ی طرف سے آج رات کے پچھلے پہر نکل چلو...... ہمیں شملے سے بیس
شرق کی جانب ایک جگہ سے لاری پکڑنی ہو گی...... یہ لاری ہمیں ڈیرہ دون
"۔

عمران نے جیکٹ کی جیب میں سے آٹومیٹک پستول نکال کر صمد کے حوالے کر
ہوئے کہا۔

"صمد بھائی! میرا خیال ہے اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے..... یہ مجاہد فی
کی امانت ہے..... اسے واپس کر دینا"۔

عبدالصمد نے پستول لے کر رکھ لیا..... کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے..... اب تم آرام کرو..... میں تمہیں تین بجے رات کو آکر جگا
گا..... ہمیں یہ بیس میل ٹٹوں پر سفر کرنا ہوگا"۔

اس نے کونے میں رسی پر لٹکے ہوئے دیہاتی ٹائپ کے کپڑے اتار کر عمران
حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"چلنے سے پہلے یہ لباس پہن لینا..... جیکٹ اور پتلون وغیرہ کسی گٹھڑی میں
کر ساتھ رکھ لینا"۔

عبدالصمد چلا گیا..... اس کے جانے کے بعد عمران نے پہلا کام یہ کیا ک
کپڑے اتار کر دیہاتیوں والے کپڑے پہن لئے..... اپنے کپڑوں میں سے صرف
پتلون اور اپنے شوز کو کپڑے میں لپیٹ کر اس کی گٹھڑی بنا کر ایک طرف رکھ
پاؤں میں پہننے کے لئے وہاں مونجھ یعنی پال کی بنی ہوئی چار پانچ چپلیں پڑی تھ
اسے ان میں سے ایک چپل پہن کر وہاں سے نکلنا تھا۔

عمران لالٹین بجھا کر سو گیا..... رات کے پچھلے پہر جبکہ باہر رات کا ا
عبدالصمد نے آکر اسے جگا دیا۔

"جلدی سے تیار ہو جاؤ"۔

اس نے دیہاتیوں کے کپڑے پہنے..... پاؤں میں مونجھ کی چپل پہنی جو
دیہاتی اور مزدور لوگ اکثر پہنتے ہیں اور صمد کے ساتھ کیبن سے باہر نکل آیا
پر ستارے پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہے تھے..... اندھیرا ابھی تھا او

دھندلی دھندلی نیلی روشنی بھی تھی..... رات سرد تھی..... شبنم گر رہی تھی......
جگہ درخت کے پاس ایک مجاہد تین خچر لئے کھڑا تھا..... وہ ان خچروں پر سوار
گئے..... راستہ دکھانے کے لئے وہ آدمی جو خچر لایا تھا اور جوان کا ایک طرح سے گائیڈ
آگے آگے چلنے لگا..... سپیدہ صبح کی نمودار ہونے تک وہ ہماچل پردیش کے ان
ری جنگلوں، وادیوں، گھاٹیوں اور کھڈ نالوں میں سفر کرتے رہے..... صبح نمودار
چکی تھی کہ وہ ایک پتلی سی پختہ پہاڑی سڑک پر نکل آئے..... جو بل کھاتی دوسرے
کی طرف چلی گئی تھی..... یہاں عبدالصمد نے گائیڈ کو رخصت کر دیا..... وہ تینوں
ں کو لے کر واپس چلا گیا۔

عمران کے لئے یہ سارا علاقہ اجنبی تھا..... وہ اس طرف کبھی نہیں آیا تھا..... اس
صمد سے پوچھا۔

"ہم کس جگہ پر آگئے ہیں لالہ؟"۔

اس نے کہا۔

"یہ ہماچل پردیش کا شمال مشرقی علاقہ ہے..... یہاں تھوڑا آگے جا کر ہمیں ڈیرہ
جانے والی کوئی نہ کوئی لاری مل جائے گی"۔

وہ سڑک کے کنارے کنارے ہو کر آگے کو چل پڑے..... آگے چڑھائی
..... اس کے بعد اترائی شروع ہو گئی..... اس کے بعد پھر تھوڑی سی چڑھائی آئی اور
گہ صمد سڑک کنارے پتھروں پر بیٹھ گیا..... کہنے لگا۔

"یہاں بیٹھ کر ہم ڈیرہ دون جانے والی لاری کا انتظار کریں گے"۔

صمد اور عمران نے پرانے بوسیدہ سے کمبل کاندھوں پر ڈال رکھے تھے..... کپڑوں
ی عمران نے کمبل کے اندر چھپائی ہوئی تھی جہاں وہ بیٹھے تھے وہاں کافی نیچے ایک
و شاداب وادی صبح کی دھوپ میں صاف دکھائی دے رہی تھی..... آسمان پر ایک
کھلے ہوا میں تیر رہی تھی..... عمران کو یہ منظر بڑا اچھا لگا، لیکن قدرت کے ان

حسین مناظر سے لطف اندوز ہونے کا اسے زیادہ موقع نہیں ملتا تھا، چنانچہ اس نے عبدالصمد سے کہا۔

"آگے ڈیرہ دون تک بھی چیکنگ وغیرہ کا خطرہ ہو سکتا ہے"۔

صمد بولا۔

"زیادہ تشویش کی بات نہیں ہے...... سی آئی ڈی اور ملٹری انٹیلی جنس کا زیادہ زور اور دباؤ شملے سے سولن چندی گڑھ اور جالندھر جموں وغیرہ تک ہی ہو سکتا ہے...... اس کے آگے اتر پردیش یعنی یوپی کا صوبہ شروع ہو جاتا ہے...... اس طرف ہمارے لئے زیادہ خطرہ نہیں ہوگا"۔

وہ کافی دیر تک پہاڑی سڑک کے کنارے دھوپ میں بیٹھے لاری کا انتظار کرتے رہے...... بہت انتظار کرانے کے بعد دور سے ایک لاری آتی دکھائی دی...... صمد نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ لاری آ گئی ہے...... ورنہ کبھی کبھی تو لاری کو دو دو گھنٹے لگ جاتے ہیں"۔

لاری قریب آئی تو عبدالصمد نے ہاتھ دے کر اسے روک لیا...... وہ دونوں اس میں سوار ہو گئے...... لاری چل پڑی...... راستے میں دو تین جگہوں سے پہاڑی سڑک ٹوٹی ہوئی تھی...... لاری نے دن کے گیارہ بجے انہیں ڈیرہ دون پہنچا دیا...... وہاں سے انہوں نے دوسری لاری پکڑی جو ہردوار تک جاتی تھی...... ہردوار پہنچنے کے بعد عبدالصمد نے کہا۔

"یہاں سے تم آگے اکیلے سفر کرو گے...... میں اب واپس چلا جاؤں گا...... میں تمہیں لاری اڈے سے نجیب آباد جانے والی لاری میں سوار کرا دوں گا...... نجیب آباد سے تم دلی جانے والی ٹرین پکڑ لینا"۔

عبدالصمد عمران کو نجیب آباد جانے والی لاری میں سوار کروا کر چلا گیا...... نجیب آباد تک پہنچتے پہنچتے دن غروب ہو گیا...... نجیب آباد اب بہت بڑا شہر بن گیا تھا...... اس

ٹن بھی کافی وسیع تھا...... یہ ایک جنکشن تھا...... معلوم ہوا کہ ایک پسنجر ٹرین رات دس بجے نگینہ، بجنور اور مراد آباد سے ہوتی ہوئی دلی جائے گی...... عمران اسی نی لباس میں دلی کا ٹکٹ لے کر پلیٹ فارم پر بیٹھ گیا...... رات ہو گئی تو اس نے ز خانے میں جا کر تھوڑا بہت کھانا کھایا اور پلیٹ فارم پر آ کر ٹرین کا انتظار کرنے ... آخر ٹرین آ گئی...... ابھی تک سفر خیریت سے کٹا تھا اور کوئی پریشان کر دینے والی ت حال پیدا نہیں ہوئی تھی...... رات کے بارہ بج چکے تھے جب ٹرین پہنچی۔

دلی کے سٹیشن پر پہنچ کر عمران نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ سیکنڈ کلاس کے ٹ روم کے باتھ روم میں جا کر اپنے دیہاتی کپڑے اتار کر جیکٹ اور پتلون پہن لی...... پڑوں کی اس نے گٹھڑی سی بنا کر وہیں ایک ٹریش کین میں پھینک دی...... یہاں سے بمبئی جانا تھا...... بمبئی جانے والی گاڑی صبح صبح روانہ ہوتی تھی...... باقی رات اس نے کلاس کے ویٹنگ روم میں گزار دی...... صبح ہوئی تو اس نے باہر جا کر بمبئی کا تھرڈ کا ٹکٹ خریدا اور واپس پلیٹ فارم پر آ گیا...... یہ کوئی ایکسپریس ٹرین تھی جو اسی پلیٹ پر آ کر رکی جہاں عمران بیٹھا تھا...... ٹرین میں کافی رش تھا...... وہ ایک ڈبے میں کونے یٹ پر بیٹھ گیا...... اب اس کا دلی سے بمبئی کی طرف سفر شروع ہو گیا۔

یہ سفر بھی کافی طویل تھا...... بہر حال وہ خیریت سے بمبئی پہنچ گیا...... اس وقت یں دن کے گیارہ بجے کا وقت تھا...... بمبئی میں ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی...... نے ٹیکسی پکڑی اور سیدھا ستار سیٹھ کے ریسٹ ہاؤس میں آ گیا...... وہاں سے اس ستار صاحب کو فون کر کے بتایا کہ وہ بمبئی پہنچ گیا ہے...... ستار صاحب نے کہا۔

"تم آرام کرو...... میں کچھ دیر بعد آ رہا ہوں"۔

ریسٹ ہاؤس کا بوڑھا ملازم عمران کے لئے چائے بنا کر لے آیا...... آدھے گھنٹے بعد یٹھ بھی آ گیا...... وہ بڑا خوش دکھائی دے رہا تھا، اس نے عمران کو گلے لگا لیا اور بولا۔

"تم نے جو کام کیا ہے وہ صرف تم ہی کر سکتے تھے...... بھارتی سائنس دان ڈاکٹر

رگھوپتی کے قتل کی خبر کو بھارت سرکار نے دبانے کی پوری کوشش کی تھی لیکن اخبار والوں نے کھوج لگا کر اسے جلی سرخیوں سے چھاپ دیا...... یہ خبر پاکستان بھی پہنچ گئی ہے...... ساری دنیا کو پتہ چل گیا ہے کہ نیوکلر راکٹوں پر کام کرنے والا بھارتی سائنس دان ڈاکٹر رگھوپتی قتل کر دیا گیا ہے...... اس قتل سے بھارتی حکومت کو شدید دھچکا بھی لگا ہے اور اس کی دوسرے ممالک میں بدنامی بھی ہوئی ہے کہ حکومت اپنے ملک کی اہم ترین شخصیات کی حفاظت نہیں کر سکتی"۔

عمران نے کہا۔

"یہ تو ہونا ہی تھا"۔

پھر اس نے ستار سیٹھ کو سارا واقعہ سنا دیا اور کہا۔

"اگر مجھے بمبئی کی لڑکی کارمن نہ ملتی اور وہ مجھے اپنے کزن کیپٹن ہنری سے نہ ملاتی تو میں اپنے مشن میں اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے کامیاب نہیں ہو سکتا تھا"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"یہ لڑکی کارمن ابھی تک میرا خیال ہے اپنی ماں کے ساتھ شملے میں ہی ہو گی...... اس کے کزن کیپٹن ہنری کو تو فوج نے حراست میں لے لیا ہو گا، کیونکہ اس کی وجہ سے ڈاکٹر رگھوپتی کا قتل ہوا ہے...... ہو سکتا ہے اس کے ساتھ ہی کارمن بھی اپنی ماں کے ساتھ بمبئی واپس آ جائے...... اس لئے تمہیں جب تک تم یہاں ہو باہر نہیں نکلنا چاہئے"۔

عمران نے کہا۔

"میرا اب یہاں رہنا بیکار ہے...... میں سوچ رہا ہوں کہ واپس کشمیر کے محاذ پر چلا جاؤں...... وہاں مجاہدین کو میری ضرورت ہو گی"۔

ستار سیٹھ نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"مجھے اوپر والوں سے رابطہ کر کے معلوم کر لینے دو کہ تمہارے لئے کوئی

رے احکامات تو نہیں ہیں...... یہ بہت ضروری ہے...... ہو سکتا ہے انہوں نے رے لئے کچھ اور سوچ رکھا ہو"۔

عمران بولا۔

"ٹھیک ہے، مگر مجھے اس بارے میں جلدی معلوم ہو جانا چاہئے"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"میں آج رات ہی معلوم کر لیتا ہوں، کیونکہ اوپر والوں کو ابھی پتہ نہیں چلا کہ تم ے بمبئی پہنچ گئے ہو...... انہیں تمہارے مشن کی کامیابی کا تو علم ہو چکا ہے"۔

عمران اور ستار صاحب نے رات کا کھانا وہیں کھایا...... پھر وہ یہ کہہ کر چلے گئے کہ کل تمہیں تمہارے اگلے پروگرام کے بارے میں کوئی حتمی بات بتا سکوں گا...... ن ایک طویل سفر کے بعد کافی تھک چکا تھا...... بتی بجھا کر سویا تو دوسرے دن گیارہ اٹھا...... نہا دھو کر ناشتے کی بجائے صرف چائے کی ایک پیالی پی اور ملازم سے معلوم ستار صاحب کا فون تو نہیں آیا تھا...... اس نے بتایا کہ ابھی تک کوئی فون نہیں آیا۔

دو بجے عمران بیڈ روم میں اکیلا بیٹھا کھانا کھا رہا تھا کہ ستار سیٹھ کا فون آ گیا...... اس کہا۔

"میں شام کو آؤں گا"۔

اور حسب عادت ساتھ ہی فون بند کر دیا...... عمران سوچنے لگا کہ اس کے لئے کسی دوسرے مشن کے احکامات آئے ہوں گے جو ٹیلی فون پر ستار صاحب نے بات نہیں کی...... اس کا اندازہ درست نکلا ستار سیٹھ جب شام کو آیا تو اس کے ے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ عمران کے لئے کوئی نیا پلان لے کر آ رہا ہے...... یٹھ عمران کے پاس بیٹھ گئے اور کہا۔

"لگتا ہے تمہارے اس مشن کی کامیابی اور بھارتی سائنس دان ڈاکٹر رگھوپتی کی ت کے ساتھ ہی بھارتی سرکار کے حالات سنگین صورت اختیار کر گئے ہیں"۔

"کیا کوئی خاص بات ہوئی ہے؟" عمران نے پوچھا۔

ستار سیٹھ بولے۔

"خاص بات کیا ہے...... یہ تو مجھے معلوم نہیں...... لیکن جس انداز میں اور جتنی تیزی سے مجھے ملک صاحب کا وائرلیس پیغام ملا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بھارت کی حکمران جماعت بی جے پی کے اندر اس قتل سے کھلبلی مچ گئی ہے"۔

عمران کے تجسس میں مزید اضافہ ہو گیا تھا...... اس نے ستار سیٹھ کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"ملک صاحب کا پیغام کیا تھا؟"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"لگتا ہے وہ بڑی جلدی میں تھے...... بس اتنا ہی کہا کہ کمانڈو عمران اگر بمبئی میں ہی ہے تو اسے ابھی کہیں نہ جانے دینا...... میں پہنچ رہا ہوں"۔

عمران سوچنے لگا کہ ملک صاحب ضرور کسی بڑی اہم مہم کا آغاز کروانے والے ہیں...... یہ مہم کس قسم کی ہو سکتی ہے؟ عمران کی سوچ فوری طور پر کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی...... اس نے ستار سیٹھ سے پوچھا۔

"آپ کے خیال میں اس نئے پراجیکٹ کی نوعیت کیا ہو سکتی ہے؟"۔

ستار سیٹھ نے کندھے اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا...... ملک صاحب میرا خیال ہے پہنچنے ہی والے ہوں گے...... اس بارے میں وہی کچھ بتا سکیں گے"۔

ستار سیٹھ نے نیا سگریٹ سلگا لیا اور نئے مشن کے بارے میں اپنے اپنے انداز- قیاس آرائیاں کرنے لگے...... ستار سیٹھ کا سگریٹ ختم ہوا ہی تھا اور انہوں نے ا- ایش ٹرے میں بجھا کر پھینکا ہی تھا کہ ریسٹ ہاؤس کے لان میں کالے رنگ کی چھو ماروتی کار داخل ہوئی...... ستار سیٹھ بولے۔

"ملک صاحب آ گئے ہیں؟"۔

تھوڑی دیر میں ملک صاحب کمرے میں داخل ہوئے اور عمران اور ستار سیٹھ کی ف دیکھ کر بولے۔

میرا خیال ہے اندر بیڈ روم میں چل کر بیٹھتے ہیں۔

وہ اٹھ کر چھوٹے سے بیڈ روم میں آ گئے جہاں صرف بستر کے ساتھ والا ٹیبل پ ہی روشن تھا اور کمرے میں بڑی پراسرار سی دھیمی روشنی پھیلی ہوئی ...... پلنگ کے پاس ہی دیوار کے ساتھ جو صوفہ سیٹ لگا تھا یہ لوگ اس پر بیٹھ ...... ملک صاحب نے حسب عادت سگریٹ سلگا کر اس کا ہلکا سا کش لیا اور عمران کی ف دیکھ کر بولے۔

"سب سے پہلے میں تمہیں اوپر والوں کی طرف سے اور اپنی طرف سے تمہارے رکہ آراء مشن کی کامیابی پر مبارکباد پیش کرتا ہوں"۔

عمران نے ہلکے سے تبسم کے ساتھ کہا۔

"شکریہ!"۔

ملک صاحب کہنے لگے۔

"تمہارے اس انتہائی اہم اور انتہائی حساس کمانڈو آپریشن کی کامیابی نے تمہیں پنے ایکٹو (Active) کمانڈوز کی صف اول میں کھڑا کر دیا ہے...... پاکستان کو اس وقت رے ایسے نڈر، جیری اور محبِّ وطن جوانوں کی ضرورت ہے، لیکن اب جو مہم، جو ن تمہیں سونپا جا رہا ہے وہ پہلے سے زیادہ اہم...... حساس اور خطرناک ہونے کے علاوہ ن عزیز کی سلامتی کے لئے زبردست اہمیت کا حامل ہے"۔

عمران نے پورے جوش و جذبے کے ساتھ کہا۔

"انشاء اللہ! میں اس کی کامیابی کے لئے بھی جان کی بازی لگا دوں گا...... مجھے یں کہ مجھے کیا کرنا ہوگا"۔

ملک صاحب اپنی عادت کے مطابق صوفے پر بیٹھے بیٹھے تھوڑا سا آگے ہو کر عمران کی طرف جھک گئے اور سگریٹ ایش ٹرے میں پھینک کر بولے۔

"بات یہ ہے کہ بھارت میں درمیانی مدت کے انتخابات ڈیڑھ دو مہینے کے بعد شروع ہو جائیں گے...... اس وقت صورت حال یہ ہے کہ بھارت کی حکمران پارٹی بی جے پی کے پردھان منتری اٹل بہاری باجپائی کو راجیہ سبھا میں اپنی پارٹی کی اکثریت ثابت کرنی مشکل ہو رہی ہے...... اس کے ساتھ ملی ہوئی پارٹیاں اس کا ساتھ چھوڑتی جا رہی ہیں...... کارگل کی جنگ باجپائی نے اس لئے شروع کی تھی کہ اس محاذ پر کچھ پیش قدمی کر کے اپنی سیاسی ساکھ کو برقرار رکھنے اور اپنی حکمران جماعت کو تقویت دینے میں کامیاب ہو جائے گا، لیکن کارگل کے محاذ پر بھارت کو ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا اور بھارتی فوج کو زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا...... یہاں تک کہ اپنی انتخابی مہم کے ایک جلسے میں کانگریس پارٹی کی صدر سونیا گاندھی نے چیخ چیخ کر کہا کہ کارگل کے محاذ پر ہماری فوج کٹ رہی ہے اور کارگل سے ہمارے فوجیوں کی لاشوں سے بھرے ہوئے ٹرکوں کے ٹرک آرہے ہیں...... باجپائی سرکار نے اس کے جواب میں اقتدار کی بساط پر ایک اور چال چلی اور بھارتی سائنس دان ڈاکٹر رگھو پتی کی زیر سرکردگی فضا میں مار کرنے والے نیوکلر وار ہیڈ راکٹ کی تیاری شروع کروادی اور اس کا درپردہ پراپیگنڈہ بھی شروع کر دیا...... یہ پراجیکٹ راجیو گاندھی کے زمانے میں روک دیا گیا تھا...... جیسا کہ تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا یہ نیوکلر وار ہیڈ راکٹ انتہائی مختصر، چھوٹا اور محدود پیمانے کا اٹامک بم ہی تھا...... اس وار ہیڈ راکٹ کے طیارے سے جا کر ٹکرانے سے نہ تو طیارہ فضا میں پھٹتا تھا اور نہ اس میں آگ ہی لگتی تھی، بلکہ طیارے پورے کا پورا راکٹ کے ٹکراتے ہی شدید ترین حرارت خارج ہونے سے بھاپ بن کر اڑ جاتا تھا، لیکن تمہارے جرات آمیز بہادرانہ کمانڈو آپریشن نے باجپائی کے اس مذموم منصوبے کو بھی کم از کم چھ سات سالوں کے لئے خاک میں ملا دیا...... باجپائی سرکار اس منصوبے کی کامیابی پر

کا پہلا تجربہ کر کے درمیانی مدت کے انتخابات میں بے پناہ سیاسی فائدے کرنا چاہتا تھا، لیکن اس کے سارے منصوبے پر اوس پڑ گئی ہے...... اب اس نے لیکشن میں اپنی پارٹی کی بھاری اکثریت کے ساتھ جیت کے لئے اقتدار کی بساط پر رمہرہ آگے بڑھایا ہے۔

لک صاحب اپنی عادت کے مطابق بڑی تسلی اور اعتماد کے ساتھ آہستہ آہستہ ررہے تھے تاکہ عمران اس کے ایک ایک پہلو کو اچھی طرح سے ذہن نشین ...... یہاں پہنچ کر وہ خاموش ہو گئے اور انہوں نے نیا سگریٹ سلگا لیا...... ستار ھی بڑی توجہ سے ملک صاحب کی باتیں سن رہے تھے...... عمران نے ملک کو خاموش ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

"بھارتی حکومت کے اس نئے مہرے کی نوعیت کیا ہے سر؟"۔

لک صاحب بولے۔

"یہی بتانے کے لئے میں نے یہ ساری تمہید باندھی ہے...... بات یہ ہے کہ...... ی شکست کی خفت کو مٹانے اور اپنی ساکھ کو بحال کرنے کی خاطر بی جے پی کی حکومت نے کثیر تعداد میں جنگی ساز و سامان مقبوضہ کشمیر کی پہاڑیوں میں ایک لہ پر جمع کرنا شروع کر دیا ہے...... یہ ایک بہت بڑے حملے کی تیاریوں کے سلسلے ے...... بھارتی حکومت ایک ہی حملے میں مجاہدین کی تمام پہاڑی چوکیوں پر قبضہ کرنا ہے...... اس جنگی ساز و سامان میں بھاری توپیں بھی ہیں اور اگنی میزائلوں کا ھی ہے...... ہماری اطلاع کے مطابق یہ سارا جنگی ساز و سامان وادی میں پہنچا دیا اس جنگی ساز و سامان کی کثرت سے مجاہدین کو نقصان پہنچ سکتا ہے...... تمہیں سونپا جا رہا ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے جنگی ساز و سامان کے اس ذخیرے کو تباہ ئے...... یہ کام تمہارے سوا اور شاید ہی کوئی کر سکے...... تمہاری مدد کے لئے کشمیر میں مجاہد حیدر علی تمہارے ساتھ شامل ہو جائے گا...... یہ مجاہد اس سے

پہلے بھی اس نوعیت کی کئی مہمیں کامیابی سے انجام دے چکا ہے"۔

کمانڈو عمران بڑے غور سے سن رہا تھا..... اس نے پوچھا۔

"مجھے کب وہاں جانا ہوگا؟"۔

ملک صاحب بولے۔

"ہماری طرف سے تم ابھی روانہ ہو جاؤ..... ویسے تم کل صبح یہاں سے نکل جا
بہتر ہے"۔

عمران نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا"۔

ملک صاحب کہنے لگے۔

"تمہارا مشن کامیاب ہو گیا تو ہمیں اس کی اطلاع مل جائے گی..... بس مجھے یہ
کہنا تھا..... خدا تمہارا حامی و ناصر ہو"۔

"آمین!" ستار سیٹھ نے کہا۔

ملک صاحب عمران اور ستار سیٹھ سے ہاتھ ملا کر چلے گئے..... ستار سیٹھ کہنے لگے۔

"صبح پہلی گاڑی سے تم نکل جانا..... یہ منہ اندھیرے سوا چار بجے کے قریب
پنجاب کی طرف جاتی ہے..... مجاہد حیدر علی تمہیں وہاں مجاہدوں کے خفیہ ہیڈ کوار
میں ہی مل سکے گا"۔

عمران نے کہا۔

"میں سمجھ گیا ہوں"۔

ستار سیٹھ نے عمران کو ایک لفافہ دیا اور بولے۔

"اس میں تمہارے اخراجات کے لئے کچھ رقم ہے"۔

کمانڈو عمران سائنس دان رگھوپتی کو ہلاک کرنے والے کمانڈو مشن کے بعد خ
بھی بمبئی میں زیادہ دن نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا، کیونکہ وہاں کسی بھی وقت کارمن سے آ

منا ہو سکتا تھا..... وہ خوش تھا کہ اسے ایک اور مشن مل گیا ہے جو اس کے لئے جہاد
ے کم نہیں تھا..... عمران ہر مشن کو جہاد کے جذبے کے ساتھ ہی سرانجام دیتا تھا.....
جلدی سو گیا..... رات کو تین بجے اسے گھڑی کے الارم نے جگا دیا..... اس نے
ی جلدی چائے بنا کر پی..... منہ ہاتھ دھو کر پتلون قمیض اور جیکٹ پہنی اور
موشی سے ریسٹ ہاؤس کے عقبی دروازے سے نکل گیا..... اس وقت سارا علاقہ
نسان تھا..... وہ بڑی سڑک پر آکر مارکیٹ کے چوک کی طرف چل پڑا..... وہاں
ٹیکسی رکشا مل سکتا تھا..... چوک کی سب دکانیں بند تھیں..... ایک ریستوران کھلا
..... ریستوران کے باہر دو ایک موٹر رکشا اور ایک خالی ٹیکسی کھڑی تھی..... عمران
ٹیکسی لی اور ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑا..... یہ ٹرین بوری بندر سے روانہ ہوتی
..... یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ بمبئی کے دو بڑے ریلوے سٹیشن ہیں.....
بمبئی سنٹرل اور ایک بوری بندر..... بوری بندر زیادہ کشادہ اور پرانا سٹیشن ہے.....
ن ساڑھے چار بجے روانہ ہوئی..... یہ صرف دلی تک جا رہی تھی..... دوسرے دن
رج غروب ہونے سے ذرا پہلے عمران دلی پہنچ گیا..... اب وہاں سے جموں کے لئے
ٹرین پکڑنی تھی..... معلوم ہوا کہ سیدھی جموں جانے والی گاڑی دن کے بارہ بجے
چکی ہے..... ایک گاڑی شام کو چلتی تھی جو امرتسر تک جاتی تھی..... عمران اسی گاڑی
سوار ہو گیا..... امرتسر وہ اگلے روز سہ پہر کے وقت پہنچا۔

ابھی شام نہیں ہوئی تھی، چنانچہ اسے امرتسر پٹھان کوٹ سروس کی ایک لاری
گئی جو جموں جاتی تھی..... اس روٹ پر سفر کرنے کا عمران کو کافی تجربہ ہو چکا تھا.....
ے یہ بھی بخوبی معلوم تھا کہ اس روٹ پر سفر کرتے ہوئے کس قسم کی احتیاط کی
ارت ہوتی ہے..... ان تدابیر پر وہ پوری طرح سے عمل کر رہا تھا..... یہ سارے کا
احساس علاقہ تھا اور یہاں سی آئی ڈی کی سرگرمیاں بہت زیادہ تھیں..... لاری
ں کی طرف روانہ ہو گئی..... عمران نے تمام مسافروں کا باری باری جائزہ لیا..... اس

کے تجربے نے اسے بتایا کہ لاری میں سی آئی ڈی کا کوئی آدمی نہیں ہے...... جموں تک لاری کا سفر اطمینان سے کٹ گیا...... جموں میں انٹیلی جنس کا خطرہ بہت زیادہ تھا۔

لیکن عمران بھی کوئی اناڑی نہیں تھا...... وہ لاری اڈے میں ہی بیٹھا رہا، کیونکہ وہیں سے کشمیر کی طرف لاریاں چلتی تھیں...... اسے ڈیڑھ گھنٹے بعد کشمیر جانے والی لاری مل گئی...... اس لاری میں کافی رش تھا...... یہ بات عمران کے لئے اطمینان بخش تھی...... لاری نے ایک رات بانیال کے مقام پر قیام کیا اور دوسرے دن صبح صبح وادی کی طرف روانہ ہوئی...... سری نگر پہنچنے کے بعد عمران نے شہر کے گنجان علاقے میں آکر ادھر ادھر گلیوں میں دو تین چکر لگائے اور ایک چھوٹے سے ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھایا...... چائے پی اور شام کا اندھیرا گہرا ہونے کا انتظار کرنے لگا...... اس نے اپنے حساب سے یہ اطمینان کر لیا تھا کہ اس کے پیچھے سی آئی ڈی کا کوئی آدمی نہیں لگا ہوا...... اب اسے مجاہدوں کے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں پہنچنا تھا جس کے بارے میں ہم یہاں نہیں لکھیں گے کہ وہ وادی میں کس جگہ پر واقع تھا۔

یوں سمجھ لیں کہ عمران خفیہ ہیڈ کوارٹر میں پہنچ گیا...... وہاں اسے تقریباً سبھی مجاہد جانتے اور پہچانتے تھے اور اس کے معرکوں سے واقف تھے...... ان میں لیڈر بھی تھا...... اس کا نام کچھ اور تھا مگر سب مجاہد اسے لیڈر کہہ کر بلاتے تھے...... لیڈر کو عمران کے خطرناک اور اہم ترین مشن سے آگاہ کر دیا گیا تھا...... وہ عمران کو اپنے ساتھ ایک الگ جگہ پر لے گیا...... دونوں چنار کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے...... عمران نے کہا۔

"مجھے حیدر علی مجاہد سے ملنے کی ہدایت کی گئی ہے"۔

لیڈر نے کہا۔

"وہ بھی تمہارے انتظار میں ہے...... تھوڑی دیر میں آ جائے گا"۔

عمران نے پوچھا۔

"بھارتی حکومت نے بھاری تعداد میں جو جنگی اسلحے اور ساز و سامان کا ذخیرہ

سٹور کیا ہے...... کیا اس کے بارے میں کوئی رپورٹ مل سکتی ہے کہ وہ کس مقام ؟"۔

لیڈر بولا۔

"ہم نے اس کا پورا سراغ لگا لیا ہے...... یہ کام حیدر علی نے ہی کیا ہے...... وہ اس سراغ رسانی کا ماہر ہے...... وہ آکر خود ہی تمہیں بتائے گا کہ یہ مقام صحیح طور پر ہ واقع ہے اور وہاں تک کون کون سا راستہ جاتا ہے...... وہ دو بار وہاں جا کر جنگی امان کا جائزہ لے چکا ہے"۔

تنے میں ایک مجاہد ان کے لئے سبز چائے کی دو پیالیاں لے کر آ گیا...... لیڈر اور چائے پیتے ہوئے نئے مشن پر باتیں کرتے رہے...... کچھ دیر گزری ہو گی کہ ا مجاہد بھی آ گیا...... خوبصورت کشمیری جوان تھا...... لیڈر نے اس کا عمران سے کروایا تو اس نے عمران کو گلے لگا لیا اور بولا۔

"میں آپ کو اپنا استاد مان چکا ہوں...... اس لئے آپ کو استاد جی ہی کہوں گا...... ے تمام کمانڈو مشن اور جرات مندانہ کارناموں سے میں پوری طرح سے آگاہ جہاد کشمیر کے لئے آپ ضرب مجاہد کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

ران نے کہا۔

یدر بھائی جہاد کشمیر میں دشمنوں سے جنگ کرنے والے تمام کشمیری مجاہدوں ے سنہری حروف سے لکھے جائیں گے...... آپ لوگوں نے وہ کام کر دکھایا پ کی جرات اور دلیری اور جذبہ حریت پر ساری دنیا حیران ہے اور آپ کی تعریف کرتی ہے"۔

نے حیدر علی سے مخاطب ہو کر کہا۔

ران بھائی اس مشن کے لئے یہاں آیا ہے جس کے بارے میں ہم اپنے طور پر رہے تھے"۔

اس کے بعد لیڈر نے حیدر علی کو بھارت کی طرف سے وادی کشمیر میں کثیر تعدا
میں مہلک اسلحہ کی ذخیرہ اندوزی کے بارے میں بتایا اور کہا۔

”تمہیں عمران بھائی کو ساتھ لے جا کر اس جگہ کی نشان دہی کرانی ہو گی جہاں
بھارتی فوج نے خفیہ طور پر بے پناہ جنگی ساز و سامان ذخیرہ کیا ہوا ہے“۔

حیدر علی نے کہا۔

”اس ٹارگٹ تک پہنچنے کے لئے ہمیں آدھی رات کو یہاں سے نکل پڑنا ہو گا تا
سورج نکلنے سے ذرا پہلے ہم ان پہاڑیوں میں پہنچ جائیں جہاں ایک خفیہ مقام پر بھا
فوجی ہائی کمانڈ نے یہ جنگی ساز و سامان ڈمپ کیا ہوا ہے“۔

عمران نے کہا۔

”ہم آج رات کو چل پڑتے ہیں“۔

مجاہد حیدر علی نے کہا۔

”مجھے کوئی اعتراض نہیں“۔

عمران نے اس سے پوچھا۔

”حیدر بھائی! کیا تم نے یہ جنگی ساز و سامان اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟“۔

حیدر علی کہنے لگا۔

”یوں سمجھ لو کہ میں نے اس کی ایک جھلک ضرور دیکھی ہے...... باقی ا
سارے شواہد موجود ہیں جن کی رُو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنگی ساز و سامان ا
جگہ ڈمپ کیا ہوا ہے...... جہاں میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا...... وہاں سے
بھی ٹارگٹ کی ایک جھلک ہی دیکھ سکو گے...... اصل ٹارگٹ کے قریب پہنچنا میر
خیال میں ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے“۔

کمانڈو عمران بولا۔

”اپنے وطن کی آزادی اور اسلام کی حرمت پر جان کی بازی لگا دینے والے کما

لئے کوئی مشن مشکل نہیں ہوتا“۔

حیدر علی نے کہا۔

”میں خود اسی عقیدے کا آدمی ہوں...... اس لئے میں چاہتا تھا کہ میرے ساتھ
مانڈو عمران جیسا مجاہد ہو اور ہم دونوں بھارت کے اس ناپاک منصوبے کو تباہ و برباد
ں...... خدا نے میری دعا سن لی اور تمہیں یہاں بھیج دیا“۔

عمران نے پوچھا۔

”کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ یہ جنگی اسلحہ کس نوعیت کا ہے“۔

چائے کی پیالی حیدر علی کے ہاتھ میں تھی...... کہنے لگا۔

”میں نے لانگ رینج کی توپوں کی کچھ نالیاں ضرور دیکھی ہیں...... دو ٹینک بھی
ہیں...... بھارت یہاں ٹینک بھی لے آیا ہے، حالانکہ ٹینک پہاڑی علاقوں میں
لائے جاتے...... شاید ان ٹینکوں سے توپوں کا کام بھی لیا جائے گا“۔

لیڈر نے کہا۔

”اسلحے کی اس بھاری مقدار میں سپلائی کے ساتھ ہی ہماری رپورٹ کے مطابق
ے سول اور ملٹری انٹیلی جنس بھی مکھیوں کی طرح اس علاقے کے ارد گرد منڈلانے
ہے...... اس لئے تم دونوں کو ٹارگٹ پر جاتے وقت بڑی احتیاط سے کام لینا ہو گا“۔

حیدر علی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”اس کا مجھے احساس ہے...... میں عمران بھائی کو ایسے راستے سے لے کر جاؤں گا
ں سی آئی ڈی والوں کی موجودگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... اس سارے
قے، ساری وادی کا چپہ چپہ میرا دیکھا بھالا ہے...... میرا بچپن اسی وادی میں کھیل
گزرا ہے“۔

شام ذرا گہری ہوئی تو مجاہد حیدر علی یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ رات کو گیارہ بجے تک
ے گا...... تم تیار رہنا...... اس کے جانے کے بعد عمران نے لیڈر کے ساتھ اس

کمانڈو مشن کے وسائل کے امکانات کے بارے میں گفتگو کرنے لگا...... لیڈر نے کہا۔
"ہمارے وسائل اگرچہ محدود ہیں لیکن ہمارے پاس بھارتی کیمپوں پر شب خوا
مار کر چھینا ہوا ہر قسم کا اسلحہ موجود ہے...... آپ لوگوں کو اس بارے میں فکر مند ہو
کی ضرورت نہیں ہے"۔

رات پڑتے ہی سردی بڑھ گئی تھی...... وہ چنار کے درخت کے نیچے سے اٹھ
لکڑی کے بنے ہوئے ایک پرانے کیبن کے اندر جا کر بیٹھ گئے...... کشمیری مجاہدوں ک
ایک جماعت بھی لیڈر کو اپنی کارکردگی کی رپورٹ دینے اور مزید ہدایات لینے وہا
آ گئی...... ان سب نے مل کر کھانا کھایا...... پھر عشاء کی نماز پڑھی...... نماز کے بع
مجاہدوں کی جماعت رخصت ہو گئی...... عمران نے دیکھا کہ مجاہدوں کے چہرے جہ
کے جوش اور نور ایمان سے چمک رہے تھے...... ان سے مل کر کمانڈو عمران کے جذ
ایمانی کو مزید تقویت ملی...... لیڈر نے عمران سے کہا۔

"میرا خیال ہے تم تھوڑی دیر آرام کر لو...... تمہیں ساری رات دشوار گزا
پہاڑیوں میں سفر کرنا ہے"۔

عمران بولا۔

"میں سارا دن سوتا رہا ہوں...... بالکل تازہ دم ہوں...... ویسے بھی کمانڈو زیا
نہیں سویا کرتے اور میدان جہاد میں تو ایک مجاہد نیند سے بے نیاز ہوتا ہے"۔

"جیسے تمہاری مرضی" لیڈر نے مسکراتے ہوئے کہا...... "مجھے ایک خفیہ
ٹھکانے پر ضروری جانا ہے...... ایک گھنٹے تک واپس آ جاؤں گا...... اتنی دیر تک حید
علی بھی آ جائے گا"۔

اتنا کہہ کر لیڈر چلا گیا...... عمران وہیں کمبل اوڑھ کر کونے میں بیٹھ گیا...... نیند اُ
سے کوسوں دور تھی...... وہ اپنے نئے مشن کے بارے میں سوچ رہا تھا...... اگرچہ حیدر عل
کی شکل میں ایک تجربہ کار پرجوش مجاہد کمانڈو اس کے ساتھ تھا، لیکن عمران کو اپنا پرا

تھی کمانڈو جبران بہت یاد آنے لگا...... وہ خوش قسمت تھا کہ آزادی کشمیر کی خاطر
ے کرتا ہوا میدان جہاد میں شہید ہو گیا...... کاش مجھے بھی شہادت کا مقام نصیب
...... اس نے خدا کے حضور اپنی شہادت کی دعا مانگی اور آنکھیں بند کر کے دل میں کلمہ
کا ورد کرنے لگا...... رات کے ساڑھے دس بجے کا وقت ہوگا کہ کمانڈر حیدر علی آ گیا۔
وہ اپنے ساتھ دو پہاڑی خچر لایا تھا...... عمران پہلے سے تیار بیٹھا تھا...... اس کے
ھ لیڈر بھی جاگ رہا تھا...... حیدر علی نے سیاہ شلوار قمیض پہن رکھی تھی...... سر پر
سیاہ رومال بندھا تھا...... گلے میں دوربین لٹک رہی تھی...... اس نے گرم جیکٹ کی
میں سے ایک پستول نکال کر مجھے دیا۔

"استاد جی! یہ اپنے پاس رکھو...... شاید اس کی ضرورت پڑ جائے"۔

عمران نے نسواری قمیض شلوار پہنی ہوئی تھی...... یہ کپڑے اسے لیڈر نے دیئے
...... اوپر اپنی پرانی جیکٹ پہن لی تھی...... عمران نے پستول اپنے پاس رکھ لیا......
نے حیدر علی سے کہا۔

"فاصلے کا خیال رکھنا...... سیکورٹی زیادہ ٹائٹ ہو تو واپس آ جانا"۔

"او کے لیڈر"۔

یہ کہہ کر حیدر علی خچر پر سوار ہو گیا...... عمران بھی سوار ہو گیا...... وہ آگے آگے
پیچھے پیچھے رات کی تاریکی میں اپنے ٹارگٹ کی مشاہداتی مہم پر روانہ ہو گئے......
ن کا یہ خفیہ ٹھکانہ جہاں سے وہ روانہ ہوئے تھے پہاڑیوں سے گھرے ہوئے جنگل
...... وہیں سے ایک گھاٹی میں اتر گئے...... حیدر علی نے کہا۔

"یہ خچر پہاڑی راستوں پر چلنے کے عادی ہیں...... انہیں رات کے اندھیرے میں
ستہ نظر آ جاتا ہے"۔

عمران خاموش رہا...... پہاڑی جنگل کی گھاٹیوں، کھڈوں اور دشوار گزار دروں میں
ر کرتے رہے...... حیدر علی مشکل مگر محفوظ راستے سے لے جا رہا تھا...... جھاڑیاں

ان کے گھٹنوں سے ٹکرا رہی تھیں...... درختوں کی لٹکتی ہوئی شاخیں چہروں کو چھو رہی تھیں، جہاں ڈھلان آجاتی خچر بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی ٹانگوں کو سمیٹ کر اترتے...... بالکل تجربہ کار پہاڑی دیہاتیوں کی طرح وہ ایک ہموار میدان میں آگئے...... یہاں ایک جانب کھیتوں میں شاید دھان کی فصل کھڑی تھی...... آسمان پر ستارے خوب چمک رہے تھے...... ان کی دھیمی روشنی ہمیں راستہ دکھانے کے لئے کافی تھی...... فضا ٹھنڈی اور ہوا میں شبنم کی نمی تھی...... وہ دھان کے دو کھیتوں کے درمیان ایک تنگ راستے پر سے گزر رہے تھے...... کھیتوں میں کچھ دور چلنے کے بعد انہیں سردی لگنے لگی تو انہوں نے خچروں کے جھولے میں سے کمبل نکال کر اوڑھ لئے...... خچر ایک دوسرے کے آگے پیچھے نپی تلی رفتار سے جا رہے تھے...... کھیتوں اور میدان کا سلسلہ دور سے نظر آنے والی پہاڑیوں کے دھندلے خاکوں تک پھیلا ہوا تھا...... کھیتوں سے نکلنے کے بعد ہم نے خچروں کی رفتار تیز کر دی...... اب وہ ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو چل رہے تھے۔

راستے میں ایک دو گاؤں بھی آئے...... کسی کسی مکان کے باہر بانس کے ساتھ لٹکی ہوئی لالٹین جل رہی تھی...... خچر گھوڑوں کی طرح دوڑ نہیں رہے تھے...... ہلکی رفتار پر چلنے کی کوشش کر رہے تھے...... فاصلہ جلدی طے ہو گیا اور وہ پہاڑی سلسلے کے دامن میں پہنچ گئے...... یہاں سے معمولی چڑھائی شروع ہو گئی...... ڈھلان پر ادھر ادھر چنار اور چیڑھ کے درخت رات کی تاریکی میں خاموش کھڑے تھے...... وہ پہاڑی پر چڑھنے کی بجائے اس کے گرد بنے ہوئے چھوٹے سے پہاڑی راستے پر چل رہے تھے...... علاقہ سنسان پڑا تھا...... ابھی تک سب ٹھیک ٹھاک تھا...... ایک جگہ چشمہ بہہ رہا تھا...... حیدر علی وہاں رک گیا...... وہ خچروں سے اتر پڑے...... ٹھنڈے میٹھے پانی کے ایک دو گھونٹ پیئے...... خچروں نے بھی تھوڑی بہت گھاس چر کر پانی پیا...... حیدر علی نے ایک طرف اشارہ کیا...... کہنے لگا۔

"ہمیں ان پہاڑیوں میں جانا ہے...... ہم اصل راستے سے ہٹ کر جا رہے ہیں"۔

دس منٹ وہاں بیٹھنے کے بعد ہم آگے چل پڑے۔

ایک پہاڑی کے دامن سے نکل کر وہ دوسری پہاڑی کے دامن میں آگئے...... پھر اس پہاڑی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور تیسری پہاڑی کے پاس آکر اس کی چڑھائی چڑھنے لگے...... یہ پہاڑی زیادہ بلند نہیں تھی مگر درخت بہت تھے...... حیدر علی راستے سے واقف تھا...... وہ اس طرح خچر کو آگے آگے چلا رہا تھا، جیسے دن کا وقت ہو...... پہاڑی کی چوٹی پر آکر ہم دوسری طرف اس کی ڈھلان سے اترنے لگے...... سامنے ساتھ ساتھ دو اونچے ٹیلے کھڑے تھے...... ان کے درمیان ایک تنگ اور تاریک راستہ سرنگ کی طرح نظر آ رہا تھا...... حیدر علی نے کہا۔

"ہم اس درّے میں سے جائیں گے"۔

انہوں نے خچر پہاڑی درّے کی سرنگ میں ڈال دیئے...... بڑا تنگ راستہ تھا...... صرف ایک خچر ہی گزر سکتا تھا...... یہ درہ کافی طویل تھا...... اس درے سے باہر نکلے تو حیدر علی ایک گھاٹی میں اتر گیا...... عمران نے اپنا خچر اس کے پیچھے ڈال دیا...... گھاٹی کے نیچے خشک ریتلا راستہ بنا ہوا تھا...... حیدر علی نے آہستہ سے کہا۔

"یہ برساتی نالا ہے...... برسات میں یہاں پانی اتنا تیز ہوتا ہے کہ آدمی کو بہا کر لے جاتا ہے"۔

نالہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا...... وہ تقریباً آدھا گھنٹہ نالے میں چلتے رہے...... نالہ ختم ہو گیا...... وہ ایک بڑے پہاڑ کی ڈھلان چڑھنے لگے...... یہ پہاڑ ایسا تھا کہ کچھ اوپر تک چڑھائی کے بعد ہموار جگہ آجاتی تھی...... اس کے بعد پھر چڑھائی شروع ہو جاتی تھی...... آخر وہ پہاڑی کی چوٹی پر آگئے...... یہاں چیڑھ کے درخت ستونوں کی طرح ساتھ ساتھ کھڑے تھے...... یہاں سے وہ ایک بار پھر دوسری طرف کی ڈھلان اترنے لگے...... ڈھلان اترتے اترتے ایک ہموار جگہ آئی تو حیدر علی نے خچر کو روک دیا...... عمران کا خچر اگلے خچر کو رکتے دیکھ کر خود بخود رک گیا...... وہ نیچے اتر کر بیٹھ گئے...... حیدر

علی نے دھیمی آواز میں کہا۔

"یہاں سے حساس اور سیکورٹی کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے...... ہم خچر اس جگہ باندھ دیں گے اور آگے پیدل چلیں گے"۔

چنانچہ وہ اپنے خچر کو درختوں کے نیچے لے گئے اور انہیں وہیں درخت کے ساتھ باندھ دیا...... انہوں نے اپنا اپنا کمبل اتار کر خچروں پر ڈال دیا...... حیدر علی نے خچروں کی رسی اتنی ڈھیلی رکھی تھی کہ وہ دو تین قدم آگے پیچھے ہٹ کر گھاس وغیرہ چر سکتے تھے...... وہ درختوں کے ساتھ ساتھ ہو کر اندھیرے میں چل رہے تھے...... حیدر علی ایک تجربے کار گائیڈ کی طرح عمران کی راہ نمائی کر رہا تھا...... آگے نچان تھی...... حیدر علی ایک پہاڑی پگ ڈنڈی کو تلاش کر کے نیچے اترنے لگا...... عمران اس کے پیچھے پیچھے تھا...... پگ ڈنڈی ایک کھڈ میں اتر گئی...... وہ جھاڑیوں کو پکڑ پکڑ کر کھڈ میں اتر رہے تھے۔

اس کھڈ میں کسی جگہ سے پانی کے گرنے کی آواز آ رہی تھی...... حیدر علی رک گیا...... اس نے عمران کے کان کے قریب ہو کر سرگوشی میں کہا۔

"اس چشمے سے خطرناک ایریا شروع ہو جاتا ہے...... ہرگز ہرگز کوئی آواز نہ نکالنا"۔

حیدر علی اب پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا اور رک رک کر اندھیرے میں دوربین لگا کر دیکھتا ہوا چل رہا تھا...... یہ دوربین اندھیرے میں بھی دیکھ لیتی تھی...... وہ راستہ نہیں دیکھ رہا تھا...... راستہ اسے سارا یاد تھا...... وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ آگے کوئی گشتی پارٹی تو گشت نہیں لگا رہی...... وہ اس جگہ آ گئے جہاں پہاڑ کی ڈھلان میں سے پانی کی پتلی سی دھار نیچے گر رہی تھی...... دونوں کھڈ میں اترنے کے بعد دوسرے کنارے پر چڑھ گئے...... اس کے آگے ایک چھوٹی سی ہموار جگہ تھی...... اوپر درختوں نے چھتریاں ڈال رکھی تھیں...... حیدر علی نے عمران کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

"میرے پیچھے پیچھے جھک کر چلے آؤ"۔

عمران نے ایسا ہی کیا...... دس بارہ قدم چلنے کے بعد حیدر علی بیٹھ گیا...... اس نے دوربین آنکھوں کے آگے لگا کر نیچے دیکھا...... عمران اس کے بالکل قریب ہو کر بیٹھ گیا...... حیدر علی نے دوربین عمران کی طرف بڑھائی...... عمران نے دوربین لگا کر نیچے دیکھا...... نیچے ایک چوڑی اور لمبی کھڈ تھی جہاں کہیں کہیں دو ایک بڑی دھیمی روشنی والے بلب روشن تھے...... وہ شیڈ سے ڈھکے ہوئے تھے...... دوربین کی وجہ سے منظر رات کی تاریکی اور دھندلی روشنی میں بھی سبز رنگ کے ساتھ صاف نظر آ رہا تھا...... کھڈ کے اندر جگہ جگہ چھتیں بنی ہوئی تھیں جن کے اوپر جھاڑیوں پتوں والے جال ڈال رانہیں کیموفلاج کیا گیا تھا...... کھڈ ساری کی ساری شروع سے آخر تک ان کیموفلاج ا ہوئی چھتوں سے بھری ہوئی تھی...... حیدر علی نے عمران کے کان میں سرگوشی رتے ہوئے کہا۔

"یہ بھارتی فوج کے جنگی سازوسامان کا خفیہ ذخیرہ ہے...... غور سے دیکھو...... ہیں کھڈ کے شروع کے اور آخری سروں پر توپوں اور ٹینکوں کی نالیاں باہر نکلی ہوئی ظر آئیں گی"۔

عمران نے کھڈ کے دونوں سروں پر نگاہ دوڑائی...... حیدر علی نے ٹھیک کہا تھا...... ڈ کے دونوں سروں پر توپوں اور ٹینکوں کو کیموفلاج کر کے رکھا گیا تھا...... ان میں ے چند ایک توپوں کی نالیوں کے منہ اوپر کی طرف تھے اور وہ دوربین میں صاف نظر ہی تھیں...... حیدر علی نے عمران سے سرگوشی کی۔

"یہ ساری کی ساری کھڈ اسلحہ اور گولہ بارود اور توپوں اور دورمار میزائلوں سے بھری ئی ہے...... کچھ ایمونیشن کھڈ کے غاروں میں بھی ڈمپ کیا ہوا ہے...... کھڈ کے مغربی ے کی طرف دیکھو...... ہمارا کمانڈو آپریشن اس طرف سے بھی ہو سکتا ہے"۔

عمران کھڈ کے مغربی سرے کو دوربین میں دیکھنے لگا۔



حیدر علی نے عمران کو آہستہ سے کہا۔

"واپس چلو"۔

عمران نے دوربین اپنے گلے میں ڈال لی اور اٹھ کر جھکے جھکے پیچھے آ گئے...... پھر وہ دوسری طرف سے پہاڑی کی ڈھلان اترنے لگے...... ڈھلان عمودی نہیں تھی...... پھر بھی وہ جھک کر بڑی احتیاط کے ساتھ قدم رکھتے اتر رہے تھے...... ڈھلان پر جھاڑیاں بہت زیادہ تھیں جو انہیں اچھی آڑ مہیا کر رہی تھیں...... اس طرح پہاڑی کھڈوں نالوں اور پہاڑی دروں میں سے گزرتے وہ واپس اس جگہ پر آ گئے جہاں وہ اپنے خچر درختوں کے ساتھ باندھ گئے تھے...... خچر بڑے آرام سے گھاس وغیرہ چر رہے تھے...... انہوں نے اپنے اپنے کمبل خچروں پر سے اتار کر کندھوں پر ڈالے اور خچروں کو کھول کر ان پر سوار ہو کر واپس چل پڑے...... وہ خاموش تھے...... آپس میں کوئی بات نہیں کر رہے تھے...... جب وہ پہاڑیوں کو پیچھے چھوڑ کر کھلے میدان میں داخل ہوئے تو حیدر علی نے کہا۔

"استاد جی! کیا خیال ہے؟"۔

عمران بولا۔

"بہت سوچ سمجھ کر کوئی منصوبہ بنانا پڑے گا"۔

حیدر علی نے کہا۔

"کچھ اور باتیں ہیں جو میں اپنے ہیڈ کوارٹر پر چل کر بتاؤں گا"۔

عمران نے کہا۔

"حیرانی کی بات ہے کہ اتنا بڑا ایمونیشن کا ڈمپ ہے اور اوپر جہاں ہم بیٹھے تھے وہاں ایک بھی جوان پہرے پر نہیں تھا...... ادھر سے کسی پٹرول پارٹی کا بھی گزر نہیں ہوا"۔

حیدر علی کہنے لگا۔

"استاد جی! ایسی بات نہیں ہے...... تمہارے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ جہاں ہم بیٹھے تھے وہاں ہمارے نیچے پندرہ بیس گز اتر کر پہاڑی کی دیوار میں کھڈ کے شروع سے لے کر آخر تک چھ سات مشین گنوں کے مورچے تھے...... فوج کی گشتی پارٹی رات کو جہاں ہم بیٹھے تھے وہاں سے بھی گزرتی ہے مگر میں تمہیں ایسے وقت وہاں لے کر گیا تھا جب وہاں گشتی پٹرول کا کم از کم آدھ گھنٹے کا وقفہ ضرور ہوتا ہے...... یہ میں نے کئی راتوں کے مشاہدے اور سراغ رسانی کے بعد پتہ چلایا تھا...... اس کے علاوہ میں تمہیں ایسے راستے سے لے کر گیا تھا کہ جس طرف سے گشتی پارٹی کا صرف دن کے وقت گزر ہوتا ہے"۔

جس وقت دونوں مجاہد اپنے جنگل کے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں پہنچے تو پو پھٹ رہی تھی...... جیسے ہی وہ خفیہ ٹھکانے کی حدود میں داخل ہوئے گھات لگا کر بیٹھے ہوئے مجاہدوں میں سے ایک سٹین گن لئے ان کے سامنے آ گیا...... حیدر علی نے کوڈ لفظ بولا تو وہ مجاہد ایک طرف ہٹ گیا اور جھاڑیوں میں غائب ہو گیا، اسی طرح خفیہ ٹھکانے کے بالکل قریب آ کر بھی دو مجاہد جنہوں نے منہ سر لپیٹ رکھا تھا مشین گنیں تان کر سامنے آ گئے...... حیدر علی نے کوڈ لفظ بولنے کے بعد ان میں سے ایک کا نام لے کر کہا۔

"لیڈر کہاں ہے؟"۔

مجاہد نے کہا۔

"مکان میں ہے"۔

مکان سے اس کی مراد لکڑی کا بوسیدہ کیبن تھا...... انہوں نے خچروں سے اتر کر انہیں ایک طرف درختوں کے ساتھ باندھا اور کیبن کی طرف بڑھے...... کیبن کی کھڑکی اور دروازہ بند تھا...... اوپر روشن دان میں سے لالٹین کی مدھم روشنی باہر آنے کی کوشش کر رہی تھی...... حیدر علی نے کھڑکی پر تین بار دستک دی...... تیسری دستک کے بعد کیبن کا دروازہ کھلا...... سامنے لیڈر موجود تھا۔

"اندر آجاؤ"۔

اندر لالٹین جل رہی تھی...... کیبن کی فضا میں مٹی کے تیل کی بو پھیلی ہوئی تھی...... لالٹین کی بتی نیچی تھی...... لیڈر نے بتی اونچی کر دی اور حیدر علی سے پوچھا۔

"راستے میں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی؟"۔

"ہم محفوظ راستے سے گئے تھے...... حیدر علی نے کمبل ایک طرف ڈال کر بیٹھتے ہوئے کہا...... عمران بھی کمبل ایک طرف رکھ کر فرش پر بچھے ہوئے نمدے پر بیٹھ گیا...... لیڈر نے اب عمران سے سوال کیا"۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

عمران کہنے لگا۔

"میں ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا...... صرف اتنا اندازہ ہوا ہے کہ اس مشن کے لئے بڑی سوچ سمجھ کر پلاننگ کرنی پڑے گی"۔

"وہ تو ہے" لیڈر نے کہا...... "لیکن ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہئے کہ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے...... انڈین آرمی نے اتنا زبردست اور کثیر تعداد میں جنگی سازوسامان یہاں ذخیرہ کرنے کے لئے نہیں رکھا ہوا...... وہ بہت جلد اسے مجاہدین کشمیر کے خلاف یا پاکستان کے خلاف استعمال کرنے والے ہیں...... ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کرنا ہو گا"۔

حیدر علی کہنے لگا۔

"عمران بھائی! میرا خیال ہے کہ اگر ہم ٹارگٹ کی دونوں جانب سے کمانڈو آپریشن شروع کریں تو کامیابی کے زیادہ امکانات ہیں"۔

عمران بولا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم اتنے بڑے اور پھیلے ہوئے ٹارگٹ کو صرف ایک دو جگہ پر ٹائم بم لگا کر تباہ نہیں کر سکتے، کیونکہ وہاں میرے اندازے کے مطابق اتنا گولہ بارود کا ذخیرہ نہیں ہے جتنی توپیں...... مارٹر گنیں...... لانگ رینج گنیں اور ٹینک ہیں...... ان توپوں، مارٹر گنوں، لانگ رینج گنوں اور ٹینکوں کو صرف ٹائم بموں سے تباہ نہیں کر سکتے...... ٹائم بم تو خالی ایک ٹینک پر جا کر بھی پھٹے گا تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا"۔

حیدر علی نے عمران کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... پھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے"۔

عمران چند لمحے خاموش رہا...... پھر آہستہ سے پہلو بدل کر بولا۔

"ہم اگر پہاڑی کے اوپر سے جہاں ہم چھپ کر بیٹھے تھے...... راکٹ لانچر بھی فائر کر دیں تو وہ اتنے زیادہ جنگی سامان کو معمولی نقصان پہنچانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے...... اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ دشمن وہاں بھنگ پی کر نہیں بیٹھا...... ہمارے دوسرے راکٹ فائر کرنے پر ہی ہم پر مشین گنوں کے فائر کی بارش شروع ہو جائے گی اور ہمیں چند لمحوں کے اندر اندر گھیرے میں لے لیا جائے گا اور ہمارے اس اور کوئی راستہ نہیں ہو گا کہ یا شہید ہو جائیں اور یا اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیں"۔

لیڈر بڑی توجہ سے عمران کی گفتگو سن رہا تھا...... عمران نے اپنی بات ختم کی تو اس نے عمران سے کہا۔

"اگر ہم ٹارگٹ کے نیچے سرنگ کھود کر اس میں بارود بھر کر اڑا دیں تو کیا خیال

ہے؟"۔

عمران نے جواب دیا۔

"یہ ٹارگٹ دو پہاڑیوں کے درمیان ایک لمبی کھڈ یا درے کی شکل میں ہے..... وہ پہلے ہی زمین کی سطح سے نیچے ہے..... اس کے نیچے زمین کھودنے کے لئے بڑا وقت..... زیادہ آدمی اور زیادہ سازوسامان کی ضرورت ہوگی..... ایک تو یہاں زمین پتھریلی ہے دوسرے ہم خفیہ راستے سے کام نہیں کر سکیں گے..... بہت جلد ہمارا راز کھل جائے گا..... ہمیں کوئی اور تدبیر سوچنی ہوگی"۔

حیدر علی کہنے لگا۔

"ہم یہ بھی نہیں کر سکتے کہ دونوں طرف کی پہاڑیوں کے اوپر کے حصوں کو اس طرح اڑا دیں کہ سارے کا سارا ملبہ جنگی سامان سے بھرے ہوئے درے میں گر کر اسے بھر دے"۔

عمران نے کہا۔

"ان حالات میں ایسا ناممکن ہے..... ہمیں تو کسی ایسے پلان کی ضرورت ہے جو تیزی سے عمل پذیر ہونے والا ہو اور آناً فاناً ٹارگٹ کو تباہ کر دے..... پہاڑیوں کے آمنے سامنے کے دونوں حصوں کو نیچے لمبی کھڈ میں گرانے کے لئے ہمیں پہاڑوں کی دونوں جانب لمبی سرنگ کی شکل میں بارود بچھانا ہوگا جو ہمارے لئے ناممکن ہے"۔

حیدر علی کہنے لگا۔

"یہاں تو کوئی ایسی تدبیر ہونی چاہئے کہ جنگی سامان سے بھرے ہوئے درے میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک اوپر سے پٹرول اور بارود کی آگ برسائی جائے..... تب جا کر یہ سارے کا سارا جنگی سازوسامان تباہ و برباد ہو سکتا ہے"۔

حیدر علی کی بات سن کر اچانک عمران کو ایک خیال سوجھا..... اس نے لیڈر سے پوچھا۔

"کیا ہمیں کسی طریقے سے چند ایک کلوسٹرول بم مل سکتے ہیں؟"۔

عمران کے اس سوال پر حیدر علی اور لیڈر اس کا منہ تکنے لگے..... لیڈر نے کہا۔

"اگر فرض کر لیا ہم تمہیں کسی طریقے سے دو چار ایسے بم مہیا بھی کر دیں تو تم انہیں لے کر کیا کرو گے؟ بم گرانے کے لئے تو ایک طیارے کی بھی ضرورت ہوتی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"اگر کسی چھوٹے سے طیارے کا بھی انتظام ہو جائے تو سمجھ لو کہ ہمارا مشن میاب ہو گیا ہے"۔

حیدر علی اور لیڈر اب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے..... لیڈر نے عمران کی طرف تے ہوئے کہا۔

"اگر فرض کر لیا کوئی طیارہ یا ہیلی کاپٹر بھی ہم اغوا کر کے لے آتے ہیں تو اسے ائے گا کون؟ ہم میں سے تو کوئی بھی پائلٹ نہیں ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میں طیارہ اور ہیلی کاپٹر چلا سکتا ہوں..... میں نے کراچی کی ایک فلائنگ کلب با قاعدہ تربیت حاصل کی ہوئی ہے اور میں ایک آئل کمپنی میں ملازمت کے دوران ٹا سینہ طیارہ اور ہیلی کاپٹر چلاتا رہا ہوں..... اگر مجھے کوئی چھوٹا طیارہ مل جائے تو میں یں کلوسٹرول بم رکھ کر ٹارگٹ کے اوپر پرواز کر کے شروع سے آخر تک بم گرا کر ے تباہ کر سکتا ہوں..... کلوسٹرول بم میں یہ خوبی یا صلاحیت ہوتی ہے کہ اس کی لیکویڈ ے اینٹ پتھر اور لوہے سے چمٹ کر اسے آگ لگا دیتی ہے اور اس کی آگ میں اتنی رت ہوتی ہے کہ وہ لوہے کو بھی چند سیکنڈوں میں پگھلا دیتی ہے..... اس طریقے د دشمن کی ساری توپوں..... مارٹر گنوں ٹینکوں اور دوسرے جنگی سامان کو ں میں نیست و نابود کیا جا سکتا ہے..... دوسری بات یہ ہے کہ نیچے درے میں جو آگنی ائل دشمن نے سٹور کئے ہوئے ہیں کلوسٹرول بموں کی آگ سے وہ بھی پھٹ یں گے اور رہی سہی کسر وہ پوری کر دیں گے..... اب سوال یہ ہے کہ کوئی چھوٹا

طیارہ اور کلوسٹر بم کہاں سے حاصل کیے جائیں"۔

حیدر علی اور لیڈر اب عمران کے منصوبے پر کم از کم غور ضرور کرنے لگے تھے۔

عمران نے پوچھا۔

"جہاں تک مجھے معلوم ہے کشمیر میں سوائے سرینگر کے اور کوئی ہوائی اڈہ نہیں ہے، جہاں جہاز اترتے اور چڑھتے ہوں...... لیکن ہمیں کسی چھوٹے طیارے یا ہیلی کاپٹر کی ضرورت ہے اور اس بات کا امکان کم ہے کہ سرینگر کے ایئرپورٹ پر کوئی چھوٹا طیارہ یا ہیلی کاپٹر موجود ہو...... اگر کوئی فوجی مشاہداتی طیارہ یا ہیلی کاپٹر موجود بھی ہوا تو وہاں سیکورٹی اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ وہاں سے ان کو اغوا کر کے لانا بڑا مشکل ہے...... دوسری بات یہ ہے کہ اس ایئرپورٹ پر کلوسٹر ول بموں کا میسر آنا ناممکن ہے...... یہ ب اس قسم کے کمرشل ہوائی اڈوں پر نہیں رکھے جاتے"۔

لیڈر اس دوران بہت کچھ سوچ رہا تھا...... اسے عمران کا یہ منصوبہ کارگر نظر آر تھا...... اگرچہ مشکل ضرور تھا...... اس کا دماغ اسی وقت سے اس پر کام کرنے لگا تھا جب سے عمران نے کلوسٹر ول بموں کا ذکر کیا تھا، کیونکہ یہ وہ بھی جانتا تھا کہ اتنے بڑے ا پہاڑیوں کے درمیان درے کی شکل میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پھیلے ہوئے ٹارگٹ کو تباہ کرنا اتنا آسان نہیں تھا اسے صرف اوپر سے بمباری کر کے ہ تباہ کیا جا سکتا تھا...... اس نے عمران سے کہا۔

"بھارت مجاہدین کشمیر کی تحریک آزادی کو ختم کرنے کے لئے ہر قسم کے و اور مذموم حربے استعمال کر رہا ہے...... اس کی فوج نے کشمیر کے ایک گاؤں کو کرنے کے لئے آتش گیر کلوسٹر ول بم بھی گرائے تھے...... یہ بم فوجیوں نے ایک کاپٹر کے ذریعے گرائے تھے...... بھارت کئی بار یہ وحشیانہ حربہ استعمال کر چکا ہے اس مقصد کے لئے بھارتی فوج نے یہاں سے کچھ دور جنوب کی پہاڑیوں میں ایک کاپٹر پیڈ بنا رکھا ہے...... اس ہیلی پیڈ کے ایک گودام میں کلوسٹر ول بموں کا ایک مح

یرہ ہر وقت موجود رہتا ہے...... جب تم نے کلوسٹر ول بموں کا ذکر کیا تھا اور میں نے ہیں کہا تھا کہ ان کا انتظام ہو سکتا ہے تو میرے ذہن میں ہیلی پیڈ کا یہ ذخیرہ ہی تھا، ن سوال یہ ہے کہ اگر ہم کسی نہ کسی طرح وہاں سے کلوسٹر بم نکال لانے میں کامیاب جائیں تو ہیلی کاپٹر لاتے وقت وہاں سب کو پتہ چل جائے گا اور ہمارے اغواء شدہ ہیلی ٹر کو ہمارے سمیت مار گرانے یا اسے زبردستی نیچے اتروانے کے لئے راکٹوں سے لیس ین ہیلی کاپٹر ہمارے پیچھے لگ جائیں گے اور ہم نیچے اترنے پر مجبور ہو جائیں گے اور اسارا مشن شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا...... باقی جہاں تک سرینگر کے ئی اڈے کا تعلق ہے وہاں سے کسی ہیلی کاپٹر یا چھوٹے فوجی طیارے کو ہائی جیک کے یہاں تک لانا آسان نہیں ہے...... علاقے کی ساری فوج الرٹ ہو جائے گی اور ا کسی نہ کسی جگہ نیچے سے راکٹ فائر کر کے گرایا جا سکے گا"۔

لیڈر بھی خاموش ہو گیا...... حیدر علی اور عمران بھی سوچ میں پڑ گئے...... اچانک ر علی بولا۔

"ایک ترکیب ہو سکتی ہے"۔

"وہ کیا؟" لیڈر نے پوچھا۔

حیدر علی نے کہا۔

"یہاں سے کچھ دور زعفران کے کھیتوں کا ایک بہت بڑا فارم ہے...... اس فارم کا ایک ہندو ہے...... آپ کو بھی معلوم ہے کہ زعفران بے حد قیمتی ہوتا ہے...... لالہ زعفران کو ملک سے باہر یورپ اور جنوبی ایشیا کے ممالک کو بھی برآمد کرتا س سے اس کو لاکھوں کی آمدنی ہوتی ہے...... اس نے اپنے فارم کے زعفران کے ںمیں کیڑے مار دوائی چھڑکنے کے لئے ایک چھوٹا سا سیسنہ طیارہ رکھا ہوا ہے...... طیارے سے وہ ایک خاص وقت پر زعفران کی فصل پر دوائیوں کا سپرے کرواتا ...... اگر ہم کسی طریقے سے یہ سیسنہ طیارہ ہائی جیک کر کے لے آئیں تو ہماری مشکل

آسان ہو سکتی ہے..... کم از کم طیارے کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

عمران نے کہا۔

"یہ تجویز میرے دل کو لگی ہے"۔

لیڈر بولا۔

"لیکن ہم سینہ طیارے کو لا کر چھپائیں گے کہاں؟ اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ادھر سے ہم طیارہ ہائی جیک کر کے لائیں اور ادھر سے ہم اس میں کلوسٹر ول بم لاد کر ٹارگٹ پر گرانے کے لئے چل دیں..... طیارے کو لانے کے بعد اسے اتارنے کے لئے بھی کم از کم چھوٹے موٹے رن وے کی ضرورت ہو گی..... وہ ہم کہاں سے لائیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"یہ سب کچھ آپ لوگ مجھ پر چھوڑ دیں..... سینہ طیارہ کھیتوں میں بھی اتارا جا سکتا ہے اور کھیتوں میں سے ہی اڑایا بھی جا سکتا ہے..... مجھے اس طیارے کا تجربہ ہے..... اب میں آپ کو ساری سکیم بتاتا ہوں..... ہو گا یہ کہ ہم طیارے کو جہاں اتاریں گے... وہیں سے اس میں کلوسٹر ول بم رکھ دیئے جائیں گے..... یہ بڑی حوصلہ افزا بات ہے کہ یہ طیارہ کسی فوجی ایئر پورٹ کی بجائے ایک عام سویلین زمیندار کے فارم میں رکھا ہوتا ہے..... جہاں سیکورٹی کا اتنا زیادہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا..... زیادہ سے زیادہ وہاں رات کے وقت ہندو لالے کا ایک چوکیدار ہو گا جس پر آسانی سے قابو پایا جا سکتا ہے اور ہندو لالے کو اور اگر وہاں اس کی فیملی موجود ہو گی تو اسے بھی قابو کیا جا سکتا ہے..... اس طرح سے ہم آسانی کے ساتھ طیارے پر بم رکھ سکیں گے، لیکن ہمیں یہ بم جو تعداد میں کم از کم چھ سات ہونے چاہئیں پہلے سے لا کر فارم میں کسی جگہ چھپا کر رکھ دینے ہوں گے..... تاکہ وقت پر ہم انہیں وہیں سے اٹھا کر طیارے میں لاد دیں..... آپ مجھے یہ بتائیں کہ کلوسٹر ول بم ہمیں کتنی دور سے لانے پڑیں گے"۔

حیدر علی نے کہا۔

"اس کے لئے ہمیں جنوب کی طرف یہاں سے کم از کم چھ سات میل کے فاصلے پر جانا ہو گا..... اگرچہ پہاڑی علاقے کے چھ سات میل بڑے لمبے ہوتے ہیں اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ ہم انہیں خچروں پر لاد کر دو تین گھنٹوں میں ہندو لالے کے زعفران کے فارم میں کسی جگہ لا کر چھپا سکیں گے..... ہمیں صرف کلوسٹر ول بم فوجی ہیلی پیڈ سے نکالنے میں ضرور دشواری پیش آ سکتی ہے، کیونکہ وہاں سیکورٹی کا باقاعدہ انتظام کیا گیا ہو گا، لیکن اگر ہم گہرے مشاہدے کے بعد سوچ سمجھ کر اس کی پلاننگ کریں تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں"۔

عمران بولا۔

"تو یہ طے ہو گیا کہ ہمیں کیا کرنا ہے..... اب ایسا ہے کہ ہم سب سے پہلے جنوبی پہاڑیوں میں جا کر فوجی ہیلی پیڈ پر اس گودام کے محل وقوع کا جائزہ لیں گے جہاں کلوسٹر ول بم سٹور کئے گئے ہیں..... اس جائزے اور مشاہدے کی روشنی میں اور دن کی روشنی میں سیکورٹی کے انتظامات کو دیکھنے کے بعد منصوبہ تیار کریں گے کہ ہمیں کس طرف سے اور کیسے بموں کے سٹور تک پہنچنا ہو گا اور کس طریقے سے وہاں سے بم نکال کر ہندو لالے کے فارم تک لے جانے ہوں گے..... اتنا مجھے معلوم ہے کہ آج کل جو کلوسٹر ول بم بنائے جاتے ہیں وہ زیادہ وزنی نہیں ہوتے، لیکن وہ کارکردگی میں بڑے دھماکہ خیز اور آتش گیر ہوتے ہیں..... ان کی لگائی ہوئی آگ پانی یا کسی کیمیاوی مادے سے بھی نہیں بجھتی، اس کی آگ ربڑ کی طرح کسی توپ یا ٹینک سے چمٹتی ہے تو اسے راکھ کا ڈھیر بنا کر ہی چھوڑتی ہے"۔

لیڈر کہنے لگا۔

"یہ بم تم لوگ ان خچروں پر لاد کر لاؤ گے جن پر سوار ہو کر تم ہیلی پیڈ تک جاؤ گے"۔

عمران نے حیدر علی سے کہا۔

"اگر ہم ہیلی پیڈ کے گودام سے بم نکال لانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ بتاؤ کہ وہاں سے ہندو لالے کے زعفران کے فارم تک لانے میں کتنا وقت لگے گا اور ہمیں کتنا فاصلہ طے کرنا پڑے گا، کیونکہ صورت حال ایسی بن جائے گی کہ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہوگا...... ہمیں ایک رات میں سینہ طیارے پر قبضہ بھی کرنا ہوگا...... کلوسٹر ول بموں کو بھی اس میں رکھنا ہوگا اور طیارے کو فارم سے اڑ کر ٹارگٹ کے اوپر لا کر بموں کو جنگی ساز و سامان اور توپوں، ٹینکوں اور راکٹوں سے بھرے ہوئے درے میں سارے کے سارے بم ایک سرے سے دوسرے سرے تک گرانے بھی ہوں گے...... ہمیں اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ نیچے سے ہم پر مشین گنوں کی فائرنگ ہو سکتی ہے اور سینہ طیارے کو مشین گن کی گولیاں نقصان بھی پہنچا سکتی ہیں...... چنانچہ ہمیں بڑی تیزی سے یہ آپریشن کرنا ہوگا"۔

لیڈر نے کہا۔

"ظاہر ہے کہ ان تمام باتوں کو آپ کو اپنے ذہن میں رکھ کر یہ آپریشن کرنا ہوگا"۔

حیدر علی تمہارا کیا خیال ہے...... کیا ایک رات میں ایسا ہو سکے گا"۔

حیدر علی بولا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا سر؟ ہم کوئی نو آموز نہیں ہیں اور پھر یہ مشن کس قدر اہمیت رکھتا ہے، اس کا بھی ہمیں احساس ہے...... ہم اپنی جان لڑا دیں گے"۔

"بہت خوب" لیڈر نے کہا...... "اب تم ایسا کرو کہ سب سے پہلے عمران کو اپنے ساتھ لے جا کر اس فوجی ہیلی پیڈ کا مشاہدہ کراؤ جہاں ایک سٹور میں کلوسٹر ول بم رکھے جاتے ہیں...... اس کے بعد اسے ہندو لالے کا وہ فارم دکھاؤ جہاں سے تمہیں سینہ طیارہ اغوا کرنا ہے...... اس کے بعد تمہیں اس اہم ترین کمانڈو آپریشن کا وقت طے کرنا ہوگا"۔

حیدر علی نے عمران سے کہا۔

"استاد جی! میرا خیال ہے کہ ہم رات بھر کے جاگے ہوئے ہیں...... ہمیں کچھ دیر

رام کرنا چاہئے...... اس کے بعد ہم سب سے پہلے فوجی ہیلی پیڈ کی مشاہداتی مہم پر دانہ ہوں گے"۔

وہ لکڑی کے کیبن میں جا کر سو گئے...... وہ دن اور رات انہوں نے پوری طرح ے آرام کیا...... دوسرے دن منہ اندھیرے حیدر علی کمانڈو عمران کو ساتھ لے کر ڑبی پہاڑیوں کی طرف چل پڑا...... ان پہاڑیوں میں ایک جگہ وہ ہیلی پیڈ تھا جہاں ایک رے میں کلوسٹر ول بم سٹور کئے ہوئے تھے...... دونوں خچروں پر بیٹھ کر جا رہے ئے...... انہوں نے کشمیر کے دیہاتیوں اور لکڑ ہاروں کا لباس پہن رکھا تھا...... ساتھ وٹی کلہاڑیاں بھی لکڑیاں کاٹنے کے لئے رکھ لی تھیں...... حیدر علی نے شارٹ کٹ ڑی راستہ اختیار کر رکھا تھا...... ابھی سورج نہیں نکلا تھا کہ حیدر علی نے ایک ٹیلے کی ف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہیلی پیڈ اس ٹیلے کی اوٹ میں ہے"۔

اتنے میں اسی ٹیلے کے پیچھے سے گڑگڑاہٹ کی آواز آئی اور ایک ہیلی کاپٹر بلند ہوتا ائی دیا...... حیدر علی نے کہا۔

"لکڑیاں کاٹنی شروع کر دو"۔

وہ خچروں سے اتر پڑے اور ایک درخت کی شاخیں کاٹنے لگے...... ہیلی کاپٹر ان اوپر سے ہو کر نکل گیا...... جب ہیلی کاپٹر کافی دور چلا گیا تو حیدر علی بولا۔

"یہاں سے آگے ہم پیدل جائیں گے"۔

انہوں نے خچروں کو وہیں باندھا اور لکڑیوں کا ایک ایک گٹھا کندھے پر ڈال کر ل طرف کا جائزہ لیتے ہوئے ٹیلے کی طرف بڑھنے لگے۔

وہ ٹیلے کی چڑھائی پر آ گئے...... سکیم کے مطابق وہ چڑھائی بھی چڑھ رہے تھے اور ہیں کہیں رک کر جھاڑیوں کو بھی کاٹ رہے تھے...... دور سے دیکھنے والے کو یہی لگتا غریب لکڑ ہارے ہیں ایندھن کے واسطے سوکھی لکڑیاں اکٹھی کر رہے ہیں......

سورج نکل آیا تھا...... ٹیلوں کی ڈھلانوں پر اجالا ہو گیا تھا...... وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو کر اوپر جا رہے تھے......ٹیلے کی چوٹی پر پہنچنے کے بعد دونوں ایک جگہ بیٹھ گئے...... حیدر علی نے سامنے کی طرف اشارہ کیا......دونوں اوندھے ہو کر لیٹ گئے اور پیٹ کے بل رینگتے وہاں آ گئے جہاں سے ٹیلے کی دوسری طرف کی ڈھلان شروع ہوتی تھی۔

انہوں نے اپنے آپ کو جھاڑیوں اور گھاس میں چھپا رکھا تھا...... حیدر علی نے نیچے اشارہ کیا...... عمران نے دیکھا کہ ٹیلے کی دوسری طرف ایک کھلی جگہ تھی...... درمیان میں گول دائرے کی شکل میں ہیلی پیڈ بنا ہوا تھا جس پر سفید روغن پھرا ہوا تھا...... حیدر علی نے سرگوشی میں عمران سے کہا۔

"اس طرف دیکھو......ٹیلے کے نیچے دائیں جانب تمہیں جو کوٹھڑیاں نظر آ رہی ہیں یہی وہ سٹور ہے جہاں کشمیریوں کے گاؤں کو نذر آتش کرنے کے لئے کلوسٹر ول بم سٹور کئے ہوئے ہیں"۔

عمران نے اپنی نظریں کوٹھڑی پر جما دیں...... یہ پتھر کی دیواروں اور پرالی کی ڈھلواں چھت والی چھوٹی سی کوٹھڑی تھی......اس کے باہر کوئی پہرے دار وغیرہ نہیں تھا...... ہیلی پیڈ پر اس وقت کوئی ہیلی کاپٹر نہیں تھا...... کچھ فاصلے پر ایک فوجی جیپ اور ٹرک کھڑے تھے...... ہری ہری وردیوں والے تین چار فوجی بھی نظر آ رہے تھے...... حیدر علی دھیمی سرگوشیوں ایسی آواز میں کہنے لگا۔

"میں نے رات کے وقت بھی آ کر دیکھا ہے......ایمونیشن سٹور کے باہر رات کو بھی کوئی پہرے دار نہیں ہوتا......شاید اس لئے کہ فوج کا یہ خیال ہے کہ کلوسٹر ول بم مجاہدین کے کسی کام نہیں آ سکتے...... ویسے ہیلی پیڈ کے اردگرد فوجی گارڈ موجود ہوتے ہیں اور ایک گشتی دستہ سیکورٹی کے خیال سے رات کو گشت بھی لگاتا رہتا ہے"۔

عمران اس جگہ کا اور خاص طور پر بموں کے سٹور کا گہری نظر سے جائزہ لے رہا تھا اور اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا...... وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرف سے اور

کس طریقے سے سٹور کو کھول کر اندر سے بم نکال کر لے جائے جا سکتے ہیں...... عمران نے کوٹھڑی کی طرف اشارہ کیا جہاں ٹیلے کی ڈھلان سے پانچ چھ فٹ کے فاصلے پر کوٹھڑی کی عقبی دیوار تھی اور اسی میں ایک کھڑکی سی بنی ہوئی تھی...... عمران نے دھیمی آواز میں کہا۔

"اس کھڑکی سے ہم سٹور میں داخل ہو سکتے ہیں"۔

حیدر علی نے کہا۔

"اور اگر کھڑکی کو اندر سے چٹخنی لگی ہوئی ہو تو پھر کیا کریں گے؟"۔

عمران نے آہستہ سے کہا۔

"ہم اسے بے حد احتیاط کے ساتھ توڑنے کی کوشش کریں گے"۔

حیدر علی خاموش رہا اور نیچے کوٹھڑی کی عقبی دیوار والی کھڑکی کو دیکھتا رہا...... عمران نے سرگوشی میں کہا۔

"ہم ٹیلے کی دوسری جانب سے آئیں گے...... صرف ایک خچر ہمارے ساتھ ہوگا...... ہم کھڑکی میں سے سٹور میں داخل ہوں گے اور چھ سات کلوسٹر ول بم اٹھا کر انہیں خچر کے جھولے میں ڈالیں گے اور نکل جائیں گے"۔

حیدر علی اس سکیم سے کچھ زیادہ متاثر نظر نہیں آ رہا تھا...... وہ کچھ کہنے لگا تھا کہ عمران نے نیچے ایک طرف اشارہ کر کے اسے چپ کرا دیا...... نیچے ہیلی پیڈ کی طرف دو فوجی چلے آ رہے تھے...... وہ سیدھے کلوسٹر ول بموں والی کوٹھڑی کے پاس آئے......ان میں سے ایک فوجی نے تالا کھولا اور دونوں کوٹھڑی میں داخل ہو گئے۔

عمران نے سرگوشی میں کہا۔

"شاید یہ ایمونیشن کی روٹین کی چیکنگ کرنے آئے ہیں"۔

"ایسا ہی لگتا ہے" حیدر علی نے سرگوشی میں جواب دیا۔

ان کی نظر مسلسل ایمونیشن والی کوٹھڑی پر جمی ہوئی تھی...... اتنے میں کوٹھڑی

کی کھڑکی کھل گئی...... کوٹھڑی کے پٹ باہر کی طرف کھلے تھے...... کوٹھڑی اندر سے لکڑی کے بکسوں کو ادھر ادھر گھسیٹنے کی آواز آنے لگی...... دس پندرہ منٹ بعد ایک فوجی نے بازو باہر نکال کر کھڑکی کے پٹ بند کر دیئے...... اس کے بعد دونو کوٹھڑی سے باہر نکل آئے...... دروازے پر انہوں نے تالا لگایا اور ایک دوسرے ہنسی مذاق کی باتیں کرتے سامنے والی بارکوں کی طرف چلے گئے...... عمران نے کہا۔

"انہوں نے کھڑکی کی چٹخنی ضرور اندر سے لگادی ہو گی، لیکن ہمارے کوٹھڑی کے اندر جانے کا صرف یہی ایک راستہ ہے...... ہم کھڑکی کے کسی ایک پٹ باہر کی طرف کھینچ کر اسے اکھاڑنے کی کوشش کر سکتے ہیں، لیکن دروازے کا توڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے...... رات کے وقت بارک کے باہر ضرور کوئ کوئی فوجی پہرہ دے رہا ہو گا...... تالا توڑنے کی آواز سے وہ الرٹ ہو سکتا ہے...... و بھی دروازے کی جانب کوئی نہ کوئی بلب روشن ہو گا...... ہم اس بلب کی روشنی دیکھے جا سکتے ہیں...... اب واپس آجاؤ"۔

وہ اسی طرح پیٹ کے بل لیٹے لیٹے پیچھے کی طرف گھوم گئے اور رینگتے ہوئے ٹیلے چوٹی پر اس جگہ آگئے جہاں سے ڈھلان شروع ہوتی تھی...... وہ جھک کر جھاڑیوں اونچی جنگلی گھاس کی آڑ لیتے ٹیلے سے نیچے اترنے لگے...... ٹیلے کے دامن میں آکر انہو نے کلہاڑیوں سے ادھر ادھر بکھری ہوئی سوکھی جھاڑیوں کی شاخوں کو کاٹنا شر کر دیا...... جھاڑیوں کی خشک ٹہنیوں کا ایک ایک گٹھا سا بنا کر کلہاڑی کے دستے میں پھنس اسے کندھے پر اٹھایا اور واپس اس جگہ پر آگئے جہاں ان کے خچر کھڑے تھے...... انہو نے سوکھی جھاڑیوں کا گٹھا اپنے اپنے خچروں پر رکھا اور پھر خود بھی ان پر سوار ہو گئے۔

دور سے دیکھنے والے کو وہ یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ ہم دیہاتی لکڑہارے ہیں۔ سوکھی لکڑیاں جمع کرنے آئے تھے اور اب انہیں خچروں پر لاد کر واپس لے جا ہیں...... خچر آہستہ آہستہ چل رہے تھے...... حیدر علی بولا۔

"اب تمہیں اس پہاڑی راستے سے ہندو لالے کے زعفران کے فارم تک لے جاؤں گا جس پر سے ہمیں کمانڈو آپریشن کی رات کو گزر کر فارم پر جانا ہو گا"۔

یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پگ ڈنڈی تھی جو ٹیلوں کے درمیان سے ہو کر شمال مغرب کی طرف جاتی تھی...... یہ پگ ڈنڈی کچھ دور جا کر ایک کھڈ میں اتر گئی...... حیدر علی نے اپنا خچر کھڈ میں اتارتے ہوئے کہا۔

"یہ سب سے آسان شارٹ کٹ ہے...... اس طرف کوئی فوجی وغیرہ نہیں آتا...... دیہاتی لوگ ہی سفر کرتے ہیں"۔

دھوپ نکل آئی تھی...... دن خوب روشن تھا...... ان کے خچر کھڈ کے اندر جو کسی خشک سیلابی نالے کی شکل کی تھی دیر تک چلتے رہے...... کھڈ سے باہر نکلے تو سامنے چنار ور چیڑھ کے اونچے اونچے درخت تھے...... دھوپ درختوں میں سے چھن کر نیچے آرہی تھی...... اس کے آگے پھر چھوٹا سا پہاڑی جنگل شروع ہو گیا...... وہ اس جنگل سے بھی گزر گئے...... اس کے بعد کھیت تھے...... کھیتوں کے کناروں پر سفیدے کے رو نما درخت کھڑے تھے...... حیدر علی کہنے لگا۔

"ان کھیتوں کے پیچھے تم جو گھنے درختوں کے جھنڈ دیکھ رہے ہو یہی ہندو لالے کا نارم ہے"۔

وہاں سے فارم کے درختوں کے جھنڈ میل ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھے...... ان رختوں میں آکر حیدر علی خچر پر سے اتر گیا...... عمران بھی اتر پڑا...... حیدر علی نے کہا۔

"یہاں سے ہم پیدل چلیں گے"۔

انہوں نے خچروں کو ایک درخت کی اوٹ میں باندھ دیا اور کلہاڑیاں کندھوں پر رکھے وہ ایک طرف کو چلنے لگے...... حیدر علی درختوں کے جھنڈ کے پیچھے سے ہو کر لے جا رہا تھا...... درختوں کے جھنڈ ان کی بائیں جانب تھے...... کچھ دیر تک چلنے کے بعد عمران کو ایک کاٹج نما مکان دکھائی دیا جس کی ڈھلواں چھت پر درختوں نے سایہ

ڈال رکھا تھا...... حیدر علی اسے لے کر وہیں بیٹھ گیا اور کاٹج کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"وہ مکان ہندو لالے کا کاٹج ہے...... اس کے پیچھے دور دور تک زعفران کے کھیت پھیلے ہوئے ہیں"۔

عمران نے آہستہ سے پوچھا۔

"سینہ طیارہ کس طرف ہے؟"۔

حیدر علی نے کہا۔

"وہ بھی تمہیں دکھاتا ہوں"۔

وہ اٹھ کر آگے چل پڑا...... عمران اس کے پیچھے ہو گیا...... وہ فارم کے کاٹج سے کافی دور ہٹ کر پتھریلی بنجر زمین پر سوکھی جھاڑیوں میں چل رہے تھے...... چلتے چلتے حیدر علی کاٹج کے عقب میں آ گیا...... ں سے تیس چالیس قدم آگے جا کر وہ کلہاڑی سے سوکھی جھاڑیاں کاٹنے لگا...... اس نے عمران سے کہا۔

"بائیں جانب دیکھو"۔

عمران نے بائیں جانب دیکھا تو اسے زعفران کے کھیتوں کے کنارے ایک چھوٹا سینہ طیارہ دکھائی دیا...... حیدر علی نے کہا۔

"جھاڑیاں بھی کاٹتے رہو"۔

عمران نے ایسا ہی کیا، مگر اس کی نگاہیں طیارے پر تھیں...... طیارے کے آگے کھیتوں کے درمیان رن وے کی چھوٹی سی پٹی بنی ہوئی تھی جو کچھ دور تک چلی گئی تھی...... عمران نے حیدر علی سے پوچھا۔

"اس میں کتنا پٹرول ہوتا ہے عام طور پر؟"۔

حیدر علی کہنے لگا۔

"اس کی ٹینکی ہر وقت بھری ہوتی ہے...... پٹرول کے کین اس طرف درختوں میں جو گیراج ہے اس میں پڑے ہوتے ہیں"۔

چھ سات منٹ تک وہ وہاں کھڑے جھاڑیوں میں کلہاڑیاں چلاتے رہے...... حیدر نے کہا۔

"اب واپس چلتے ہیں"۔

انہوں نے سوکھی شاخوں کا گٹھا سا بنا کر کلہاڑی میں پھنسا کر اپنے اپنے کندھوں پر ما اور جس طرف سے آئے تھے اسی طرف واپس چل پڑے...... حیدر علی نے کچھ ر آ کر عمران سے پوچھا۔

"کیا خیال ہے تمہارا؟"۔

عمران بولا۔

"اگر تو طیارے کی ٹینکی میں پٹرول موجود ہے تو میں اسے اڑ کر لے جاؤں گا...... ی تم فکر نہ کرو"۔

حیدر علی بولا۔

"اگر پٹرول نہ بھی ہوا تو ہم گیراج سے کین اٹھا لائیں گے...... رات کے وقت اں صرف ایک چوکیدار ہی ہوتا ہے...... ہندو لالہ یہاں ہفتے میں صرف اس روز آتا ہ جس روز فصل پر کیڑے مار دواؤں کا چھڑکاؤ کرنا ہوتا ہے"۔

وہ خچروں کے پاس آ گئے...... انہوں نے اپنا اپنا سوکھی لکڑیوں کا گٹھا خچروں پر ھا...... عمران نے درختوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہم اگر فوجی سٹور سے کلوسٹرول بم لانے میں کامیاب ہو گئے تو انہیں اس جگہ یں چھپا دیں گے...... یہ جگہ مجھے محفوظ لگتی ہے"۔

حیدر علی بولا۔

"انہیں چھپانے کی کیا ضرورت ہے...... ہم نے بم خچروں کے جھولے میں رکھے یں گے...... خچروں کو لے کر طیارے کے پاس چلے جائیں گے اور بم طیارے میں لاد یں گے"۔

"ایسا ہی کریں گے" عمران بولا...... لیکن اگر کوئی دوسری صورت حال پیدا ہو گئی تو ہم بم واپس ساتھ لے کر نہیں جائیں گے...... انہیں اسی جگہ چھپا دیں گے۔

"ٹھیک ہے" حیدر علی نے درختوں کے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔

عمران خچر پر بیٹھ گیا...... حیدر علی بھی اپنے خچر پر بیٹھ گیا...... وہاں سے وہ واپس اپنے خفیہ ہیڈ کوارٹر کی طرف چل پڑے...... وہاں لیڈر ان کے انتظار میں تھا...... انہوں نے خفیہ ٹھکانے پر پہنچ کر خچر درختوں کے نیچے چھوڑ دیئے اور لکڑی کے کیبن میں آ کر بیٹھ گئے۔

لیڈر نے عمران سے پوچھا۔

"مجھے امید ہے کہ تمہاری یہ مشاہداتی مہم ضرور کامیاب رہی ہو گی"۔

عمران نے کہا۔

"تقریباً"۔

لیڈر نے پوچھا۔

"تقریباً سے تمہاری کیا مراد ہے؟"۔

حیدر علی بھی عمران کی طرف دیکھنے لگا...... عمران بولا۔

"اپنی طرف سے تو ہم نے بالکل صحیح سوچا ہے اور سکیم بھی تیار کر لی ہے لیکن عین موقع پر حالات بدل بھی سکتے ہیں...... اس لئے یقینی طور پر ہم کچھ نہیں کہہ سکتے"۔

لیڈر مسکرانے لگا...... بولا۔

"ایک تجربہ کار کمانڈو کو اسی طرح سوچنا چاہئے"۔

اس کے بعد عمران نے لیڈر کو اپنی مشاہداتی مہم کی ساری تفصیل بیان کر دی...... ایک مجاہد سبز چائے کی چینک اور تین پیالیاں رکھ گیا...... وہ چائے پینے اور اپنے مشن کے بارے میں گفتگو کرنے لگے...... طے یہ پایا کہ اس رات حیدر علی اور کمانڈو عمران آرام کریں گے...... اس سے اگلی رات کو وہ اپنے مشن پر نکل پڑیں گے۔

رات کو کھانا کھانے کے بعد لکڑی کے کیبن میں بیٹھ کر حیدر علی اور عمران اپنے
ن کے ایک ایک پہلو پر غور و فکر کرنے لگے...... حیدر علی کہنے لگا۔

"تمہارے خیال میں ہمیں اپنے ساتھ کس قسم کا اسلحہ لے جانا چاہئے"۔

عمران بولا۔

"ایک ایک پستول جس پر سائی لینسر چڑھا ہو گا اور ایک ایک کمانڈو چاقو ساتھ لے
یں گے...... اس کے علاوہ ہمیں کسی قسم کے اسلحہ کی ضرورت نہیں ہو گی...... ایک
ت میں تمہیں ضرور بتانا چاہتا ہوں"۔

"وہ کیا؟" حیدر علی نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"میں کلوسٹرول بموں کے سیفٹی فیوز نکال کر انہیں طیارے میں رکھوں گا......
طیارہ چلا رہا ہوں گا...... میں بم نیچے نہیں گرا سکوں گا"۔

یہ بم تمہیں گرانے ہوں گے...... اس وقت رات کا اندھیرا ہو گا...... ٹارگٹ تم
نے بھی اچھی طرح سے دیکھا ہوا ہے اور میں نے بھی دیکھ کر اس کا نقشہ ذہن میں
الیا ہے...... یہ دو پہاڑیوں کے درمیان ایک لمبی ہَدیا درے کی شکل میں ہے......
ت کے اندھیرے میں طیارے کو دو پہاڑیوں کے درمیان سے گزارنا بڑا وقت طلب
ر محنت طلب کام ہے...... میں ایک سیکنڈ کے لئے بھی اپنا ہاتھ انجن کی سٹک سے
یں ہٹا سکوں گا...... مجھے طیارے کو بڑی توجہ اور مہارت کے ساتھ کنٹرول میں رکھنا
گا...... نیچے بم تم گراؤ گے...... یہ کام تمہیں بڑی احتیاط کے ساتھ کرنا ہو گا...... بم کو
پر کے رخ سے پکڑ کر بالکل سیدھ میں نیچے چھوڑ دینا ہو گا...... جب میں تمہیں "یس"
اشن دوں تو تم فوراً بم ہاتھ سے چھوڑ دو گے...... بس اسے یاد رکھنا باقی میں سنبھال
ں گا"۔

حیدر علی بولا۔

"استاد جی! فکر نہ کرو...... جس طرح کہو گے اسی طرح کروں گا"۔

"دوسری بات یہ ہے کہ...... عمران نے کہا" خچر ہم ایک نہیں دونوں ہی لے کر جائیں گے......اس سے ہمارے وقت کی بچت ہو گی...... ہمیں ایک خچر کے ساتھ پیدل نہیں چلنا چاہئے...... ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہوگا، لیکن تمہیں ایک کام کرنا ہوگا......دونوں خچروں کے کھروں کے ساتھ کپڑے کی گدیاں بنا کر لپیٹنی ہوں گی تاکہ پتھروں پر ان کے چلنے سے رات کے وقت آواز پیدا نہ ہو"۔

"ٹھیک ہے سر! ایسا ہی ہوگا" حیدر علی نے جواب دیا۔

جس رات ان دونوں کمانڈو مجاہدوں کو اپنے مشن پر نکلنا تھا اس روز شام کو ہی حیدر علی دونوں خچر خفیہ ٹھکانے پر لے آیا...... وہیں اس نے ان کے کھروں کے ساتھ بڑی اچھی طرح سے کپڑے کی گدیاں بنا کر لپیٹ کر باندھ دیں...... ایک ایک پستول اور کمانڈو چاقو انہوں نے اپنے پاس رکھ لیا...... رات کو انہوں نے لیڈر کے ساتھ بیٹھ کر صرف سبز چائے کی ایک ایک پیالی خشک ٹوسٹ کے ساتھ پی...... کھانا انہوں نے اس خیال سے نہ کھایا کہ کہیں ان پر کسی وقت غنودگی نہ طاری ہو جائے...... دونوں نے اپنا دیہاتی لباس اتار کر سیاہ کمانڈو پتلونیں اور جیکٹیں پہن لیں...... سروں پر سیاہ رومال باندھ لئے......اندھیرے میں بھی منظر دکھانے والی دوربین حیدر علی کی بجائے عمران نے اپنے گلے میں ڈال لی...... لیڈر انہیں رخصت کرنے خفیہ ٹھکانے کے آخری کنارے تک آیا...... تینوں نے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے مشن کی کامیابی کی دعا مانگی...... لیڈر سے ہاتھ ملایا اور خچروں پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے...... حیدر علی کا خچر آگے آگے تھا۔

رات کی تاریکی میں بھی وہ بڑے تجربہ کار گائیڈ کے فرائض نبھا رہا تھا...... وہ سارے خفیہ راستوں کو جانتا تھا...... انہیں جنوب کی پہاڑی وادی والے ٹیلے کی طرف جانا تھا...... وہیں فوجی ہیلی پیڈ تھا...... وہ درختوں کے نیچے پہاڑی راستوں پر جھاڑیوں میں سے گزرتے جا رہے تھے...... ہیلی پیڈ کے ٹیلے تک پہنچتے پہنچتے انہیں کافی وقت لگ

گیا...... اس دفعہ وہ ٹیلے کے عقب میں آنے کی بجائے اس کے مشرقی جانب خچروں کو لے کر آ گئے...... یہاں انہوں نے ایک محفوظ فاصلے پر خچروں کو روکا اور نیچے اتر کر درختوں کے پاس بیٹھ گئے...... عمران نے دوربین لگا کر دیکھا...... اندھیرے میں اسے جنگل کا زرد رنگ کا منظر نظر آ رہا تھا...... سامنے ٹیلے کی جانب کوئی فوجی پہرے دار نہیں تھا...... اس نے دوربین حیدر علی کو دیتے ہوئے کہا۔

"اس وقت ٹارگٹ خالی ہے...... شاید کچھ دیر بعد کوئی گشتی دستہ اندھیرے سے گزرے...... ہمیں اسی جگہ کچھ دیر بیٹھے رہنا چاہئے"۔

حیدر علی دوربین لگا کر دیکھنے لگا...... ٹیلے کے آس پاس کوئی حرکت نہیں تھی...... اس نے دوربین آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے مجھے ٹیلے کی دوسری طرف ایک نگاہ ڈال کر دیکھ آنا چاہئے کہ ہیلی پیڈ پر سیکورٹی گارڈ کی کیا صورت حال ہے...... ہو سکتا ہے رات کے وقت کلوسٹرول ہوں والے کمرے کے باہر فوجی پہرہ لگا دیا گیا ہو"۔

عمران نے آہستہ سے کہا۔

"دھیان سے جانا"۔

"اللہ حافظ و ناصر ہے"۔

یہ کہہ کر حیدر علی اٹھا اور اندھیرے میں درختوں کے نیچے جھکے جھکے ٹیلے کی طرف بڑھنے لگا...... حیدر علی بھی تربیت یافتہ کمانڈو مجاہد تھا...... اسے معلوم تھا کہ رات کے اندھیرے میں دشمن کے مورچوں کی طرف ایڈوانس کرنے میں کن حفاظتی تدابیر کو اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے...... وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا...... ٹیلے کے پاس آ کر وہ ٹیلے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور اندھیرے میں دوربین لگا کر دیکھنے لگا...... یہ دوربین وہ اپنے ساتھ ہی لایا تھا...... جب اسے اطمینان ہو گیا کہ وہاں کوئی پہرہ وغیرہ نہیں ہے تو وہ ٹیلے پر چڑھنے لگا...... ٹیلے کی چوٹی کے قریب آ کر وہ زمین پر

پیٹ کے بل لیٹ گیا...... وہاں بھی اس نے دور بین لگا کر ماحول کا پورا جائزہ لیا...... کچھ دیر وہیں جھاڑیوں اور گھاس میں چھپا گردن اٹھا کر لیٹا رہا...... اس کا خیال تھا کہ شاید اوپر کوئی گشتی دستہ دوسری طرف سے نمودار ہو، مگر ایسا نہ ہوا...... تب اس نے چوٹی کے آخری کنارے پر آکر دور بین لگا کر نیچے نظر ڈالی...... کمانڈو عمران کا اندیشہ درست نکلا...... کلوسٹرول بموں والے کمرے یا کوٹھڑی کے باہر ایک فوجی پہرے پر موجود تھا...... حیدر علی پہرے دار کو بڑے غور سے دیکھتا رہا...... پھر وہ پیچھے ہٹ گیا اور مغرب کی جانب ٹیلے کی ڈھلان سے اترنے لگا...... نیچے وہ اس جگہ پر آگیا جہاں سے انہوں نے ٹارگٹ پر شب خون مارنا تھا...... اس نے ٹیلے کی دیوار کی اوٹ میں سے گردن نکال کر دوسری طرف دیکھا۔

دوسری طرف چند گزوں کے فاصلے پر بموں والی کوٹھڑی کی عقبی دیوار تھی...... وہ زمین پر لیٹ کر سانپ کی طرح رینگتا ہوا کوٹھڑی کے قریب ہو گیا اور اب اس نے کوٹھڑی کے سامنے کی جانب دور بین لگا کر دیکھا...... اس طرف کوٹھڑی کا دروازہ تھا اور دروازے کے باہر ایک بھارتی سپاہی پہرہ دے رہا تھا...... اس کے ہاتھ میں سٹین گن تھی اور وہ چل پھر کر یا ٹہل کر پہرہ دے رہا تھا...... سامنے ہیلی پیڈ پر ہیلی کاپٹر خاموش کھڑا تھا...... دور پیچھے بارک کے باہر کھمبے پر بلب جل رہا تھا...... کوٹھڑی کے باہر بھی دروازے کے اوپر ایک بلب روشن تھا۔

حیدر علی خاموشی کے ساتھ وہیں سے پیچھے ہٹ گیا اور زمین پر رینگتا ہوا ٹارگٹ سے کافی پیچھے آکر اٹھا اور جھک کر چلتا عمران کے پاس آگیا...... عمران نے اندھیرے میں اسے دور سے آتے دیکھ لیا تھا...... اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"کیا صورت حال ہے؟"۔

حیدر علی نے آہستہ سے کہا۔

"اس طرف سے ٹارگٹ تک راستہ صاف ہے...... صرف ایک فوجی پہرے پر

ہے"۔

عمران نے کہا۔

"ہمیں کھڑکی کا پٹ اکھاڑ کر اندر داخل ہونا پڑے گا...... اس سے آواز ضرور پیدا گی...... ہمیں پہلے پہرے پر کھڑے سپاہی کو قابو کرنا ہو گا"۔

حیدر علی بولا۔

"یہ کوئی اتنا بڑا فوجی کیمپ نہیں ہے...... ہو سکتا ہے فوجی آدھی رات کے بعد چلا ئے"۔

"وہ نہیں بھی جا سکتا" عمران نے کہا۔

حیدر علی بولا۔

"تو پھر اسے قابو کرنے کے بعد بے ہوش کر کے ایک طرف ڈال دیں گے"۔

"یہی کرنا پڑے گا"۔

عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں چل پڑنا چاہئے...... ادھر مجھے کوئی فوجی گشتی دستہ بھی ملا"۔

"چلو"۔

یہ کہہ کر عمران اور حیدر علی اٹھے اور ایک دوسرے کے دائیں بائیں ہو کر چلنے ...... سنبھل سنبھل کر رک رک کر دائیں بائیں سے چوکنے ہو کر چلتے چلتے وہ ٹیلے کی لی دیوار کے پاس آگئے...... یہاں وہ جھک کر چلنے لگے...... ٹیلے کی دیوار کی دوسری ب کلوسٹرول بموں والی کوٹھڑی کی عقبی دیوار تھی...... حیدر علی نے ایک کالی چادر کر کے ساتھ باندھ رکھی تھی...... وہ زمین پر اوندھے لیٹ گئے اور رینگتے ہوئے ڑی کی عقبی دیوار کی طرف بڑھے...... انہوں نے دیکھا کہ کوٹھڑی کے آگے جو پہرہ دے رہا تھا وہ ایک سٹول پر سر جھکائے اس طرح بیٹھا تھا کہ صاف لگ رہا تھا کہ

سو رہا ہے...... اس کی سٹین گن اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گری ہوئی تھی...... حیدر علی نے عمران کے کان میں سرگوشی کی۔

"میں اس کی سٹین گن اٹھا لاتا ہوں"۔

عمران نے سرگوشی میں کہا۔

"خبردار! یہ غلطی نہ کرنا...... میرے پیچھے آ کر دیوار سے پانچ فٹ کے فاصلے پر چھپ کر لیٹ جاؤ"۔

حیدر علی نے ایسا ہی کیا...... عمران نے کوٹھڑی کی عقبی دیوار کے نیچے آ کر جیب سے کمانڈو چاقو نکال لیا...... کھڑکی اس سے چار فٹ اونچی تھی...... کھڑکی کے دونوں پٹ بند تھے...... عمران چاقو ہاتھ میں لے کر اٹھا اور کھڑکی کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا...... اس نے دوربین لگا کر ایک نظر چاروں طرف ڈالی...... وہاں کوئی نہیں تھا...... اسے چاقو کی مدد سے کھڑکی کے ایک پٹ کو چٹخنی والی جگہ سے کاٹنا تھا...... اس نے چاقو کی نوک کھڑکی کے ایک پٹ کے ساتھ لگا کر ذرا دبایا تو کھڑکی کا پٹ کھل گیا۔

عمران حیران سا ہو کر رہ گیا...... کھڑکی اپنے آپ کیسے کھل گئی...... وہ سمجھ گیا کہ دن کے وقت جو دو فوجی ایمونیشن کی چیکنگ وغیرہ کے لئے آئے تھے اور انہوں نے کھڑکی کھولی تھی تو اسے بند کرنے کے بعد چٹخنی لگانا بھول گئے تھے...... عمران نے کھڑکی کا ایک پٹ کھول دیا اور حیدر علی کو اندھیرے میں ہاتھ ہلا کر آگے آنے کا اشارہ کیا...... وہ جلدی سے کھڑکی کے پاس آ گیا...... دونوں کھڑکی میں سے اندر اتر گئے...... عمران نے جلدی سے کھڑکی کا پٹ بند کر دیا، کیونکہ کوٹھڑی میں ایک کمزور روشنی والا بلب چھت کے ساتھ روشن تھا...... کوٹھڑی میں چھ سات لکڑی کے بکس پڑے تھے...... سارے بکس کھلے ہوئے تھے...... انہوں نے بکسوں کو جھک کر دیکھنا شروع کر دیا...... ایک بڑے بکس میں کلوسٹرول بم رکھے ہوئے تھے...... عمران نے اشارہ کیا...... حیدر علی نے کمر کے ساتھ بندھی ہوئی چادر کھول کر فرش پر بچھا دی...... عمران نے بڑی

احتیاط سے ایک ایک کر کے بکس میں سے سات کلوسٹرول بم نکال کر چادر پر ساتھ ساتھ جوڑ کر رکھ دیئے...... اس کے بعد اس نے خود بڑی احتیاط کے ساتھ انہیں چادر میں باندھا اور حیدر علی کو اشارہ کیا...... حیدر علی نے گٹھڑی اٹھا لی...... یہ بم زیادہ بڑے نہیں تھے...... میڈیم سائز کے تھے مگر بے حد تباہ کن اثرات رکھتے تھے...... اس قسم کے بم عمران پہلے بھی دیکھ چکا تھا اور وہ ان کی تباہی کا بھی مشاہدہ کر چکا تھا...... وہ خاموشی کے ساتھ ایک ایک کر کے کھڑکی سے باہر اتر گئے...... کھڑکی کے باہر آنے کے بعد عمران نے کھڑکی کے دونوں پٹ اچھی طرح سے بند کر دیئے اور دوربین لگا کر ماحول کا جائزہ لیا...... جنگل میں اسے کوئی ہلتا ہوا ٹارگٹ دکھائی نہ دیا...... حقیقت یہ تھی کہ یہ ایک عام فوجی ہیلی پیڈ تھا اور کوئی اتنا بڑا ایمونیشن سینٹر بھی نہیں تھا کہ وہاں فوج کو زیادہ پہرہ لگانے یا گشتی دستے کے گشت کروانے کی ضرورت محسوس ہوتی...... یہی وجہ تھی کوٹھڑی کے باہر پہرہ دینے والا جوان بھی سو گیا تھا۔

وہ کلوسٹرول بموں کی گٹھڑی کے ساتھ اس جگہ آ گئے جہاں درختوں کے نیچے ان کے خچر کھڑے تھے...... عمران نے بموں والی گٹھڑی اپنے خچر پر رکھی اور پھر دونوں جلدی سے خچروں پر سوار ہو کر درختوں میں ایک طرف چل پڑے...... آگے راستہ پتھریلا تھا...... خچروں کے کھروں پر کپڑے کی گدیاں لپیٹی ہونے کی وجہ سے چلنے میں آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی...... ہندو لالے کے فارم تک پہنچتے پہنچتے انہیں آدھا گھنٹہ لگ گیا...... خچروں پر لدے ہوئے بموں کی وجہ سے وہ انہیں تیز نہیں چلا رہے تھے...... عمران کو احساس تھا کہ ان کے لئے وقت بے حد قیمتی ہو گیا ہے اور انہیں جو کچھ بھی کرنا ہے ایک آدھ گھنٹے کے اندر اندر کر ڈالنا ہو گا...... ہندو لالے کے فارم کے قریب آ کر انہوں نے ایک خچر کو وہیں چھوڑ دیا...... جس خچر پر بم لدے ہوئے تھے، اسے ساتھ لیا اور ایک کھیت میں سے گزر کر ہندو لالے کے کاٹیج کے پیچھے اندھیرے میں رک گئے...... عمران نے حیدر علی سے سرگوشی میں کہا۔

"یہ معلوم کرنا بڑا ضروری ہے کہ اس لکڑی کے مکان کے اندر کوئی سو تو نہیں رہا...... دوسرے چوکیدار کہاں پر ہیں...... تم یہیں ٹھہرو...... میں جا کر دیکھتا ہوں"۔

حیدر علی کو وہیں اندھیرے میں چھوڑ کر عمران تیزی سے ہندو لالے کے کاٹج کی باڑھ پھلانگ کر مکان کے عقبی لان میں آگیا...... مکان میں اندھیرا چھایا ہوا تھا...... رات سرد تھی...... مکان کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند تھیں...... اس کاٹج نما مکان کے دو کمرے تھے...... دونوں کے دروازے بند تھے اور باہر تالے لگے ہوئے تھے...... مکان کے عقبی برآمدے کی دیوار کی کھڑکی کے اوپر سے ٹیلی فون کی تار جا رہی تھی...... عمران کے ہاتھ میں پہلے سے کمانڈو چاقو تھا...... اس نے تار کو نیچے کھینچ کر کاٹ دیا تاکہ اگر اتفاق سے یہاں کوئی چوکیدار وغیرہ موجود ہو تو وہ طیارے کے انجن کی گڑگڑاہٹ سے جاگ کر کسی جگہ ٹیلی فون نہ کر دے...... چوکیدار اسے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا...... کاٹج کی کھیتوں والی دیوار کے پیچھے ایک چھوٹی سی جھونپڑی نما کوٹھڑی تھی...... عمران دوڑ کر حیدر علی کے پاس گیا...... اسے ساری بات سمجھائی اور اسے ساتھ لے کر کوٹھڑی کے پاس آگیا...... کوٹھڑی کے اندر مدھم روشنی کو عمران نے دیکھ لیا تھا...... کوٹھڑی کا دروازہ بند تھا...... اس پر تالا بھی نہیں پڑا ہوا تھا...... حیدر علی نے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا...... عمران کے ہاتھ میں چاقو تھا...... عمران نے دروازے پر دستک دی...... چوتھی پانچویں بار دستک دینے کے بعد اندر سے کسی نے نیند بھری آواز میں پوچھا۔

"کون ہو بھیا؟"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے لالہ جی نے ایک ضروری پیغام دے کر بھیجا ہے...... جلدی سے دروازہ کھولو"۔

دروازہ کھلا...... سامنے ایک دبلا پتلا ادھیڑ عمر پہاڑیا کمبل اوپر کیے کھڑا تھا...... ایک

طرف سے حیدر علی نے پستول اور دوسری طرف سے عمران نے چاقو اس کی گردن کے ساتھ لگا دیا اور کہا۔

"چپ چاپ پیچھے آ جاؤ"۔

یہ چوکیدار تھا...... وہ تھر تھر کانپ رہا تھا...... سمجھ گیا کہ یہ کشمیری مجاہدین ہیں، اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے...... عمران نے حیدر علی سے کہا۔

"اسے چارپائی کے ساتھ باندھ دو"۔

حیدر علی نے جلدی جلدی چارپائی کی رسی نکال کر چوکیدار کو چارپائی کے ساتھ باندھ دیا...... حیدر علی اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسنے لگا تو عمران نے اسے روک دیا اور چوکیدار سے پوچھا۔

"گھر میں اور کون کون ہے؟"۔

چوکیدار نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"کوئی نہیں مہاراج! لالہ جی شہر میں ہوتے ہیں"۔

عمران نے حیدر علی کو اشارہ کیا...... اس نے چوکیدار کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا...... کوٹھڑی کی بتی عمران نے بجھا دی...... باہر نکل کر کوٹھڑی کو کنڈا لگایا اور حیدر علی سے کہا۔

"خچر کو طیارے کے پاس لے آؤ"۔

سیسنہ طیارہ کچھ فاصلے پر کھیت کے کنارے کھڑا تھا۔



عمران طیارے کے پاس آ گیا۔

اس نے سب سے پہلے طیارے کا تیل چیک کیا...... طیارے کی ٹینکی بھری ہوئی تھی...... اس کے بعد عمران نے انجن اور طیارے کے ضروری آلات چیک کئے...... وہ بھی اپنی جگہ پر درست حالت میں تھے...... یہ دو سیٹوں والا طیارہ تھا...... ایک سیٹ آگے تھی جو پائلٹ کی سیٹ تھی...... ایک سیٹ پیچھے تھی جہاں کینوں میں سپرے کرنے والا یا اوپر سے اشتہار وغیرہ پھینکنے والا بیٹھتا تھا...... عمران نے طیارے سے اتر کر کاٹج کی طرف دیکھا...... اندھیرے میں اسے حیدر علی خچر کو لے کر آتا ہوا دکھائی دیا...... اس نے آتے ہی پوچھا۔

"تیل کی کیا پوزیشن ہے؟"۔

"ٹینکی فل ہے" عمران نے کہا...... "اب جلدی سے بم نیچے اتارو"۔

انہوں نے بڑی احتیاط سے کلوسٹر ول بموں والی گٹھڑی خچر پر سے اتار کر طیارے کے قریب ہی رکھ دی...... عمران نے اسے کھولا...... ساتوں کلوسٹر ول بم نکال کر وہیں ایک قطار میں رکھ دیئے اور ان کے قریب بیٹھ کر ایک ایک کر کے ان کے سیفٹی فیوز نکال دیئے...... پھر حیدر علی نے کہا۔

"میں طیارے میں جاتا ہوں...... مجھے اوپر پکڑا دینا"۔

وہ طیارے کی پچھلی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا...... سیٹ کا دروازہ کھلا تھا...... اس نے

توں کے ساتوں بم سیٹ کے آگے ایک قطار میں رکھ دیئے اور حیدر علی سے کہا۔

"اوپر آ جاؤ"۔

حیدر علی اوپر آ گیا...... عمران طیارے کی اگلی سیٹ پر حیدر علی کی طرف رخ کے بیٹھ گیا...... اس نے ایک کلوسٹر ول بم بڑی احتیاط کے ساتھ دونوں ہاتھوں میں یا اور اس کی نوک کا رخ نیچے کی طرف کر کے حیدر علی سے کہا۔

"جب میں تمہیں "یس" کا اشارہ کروں تو تم بالکل اس پوزیشن میں بم کو دونوں ھوں میں اٹھا کر نیچے چھوڑ دینا"۔

اس کے بعد عمران نے آہستہ سے بم کو نیچے دوسرے بموں کے ساتھ لٹا دیا...... یسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں...... یہ بم نہ تو زیادہ وزنی تھے اور نہ ہی حجم میں بڑے ے...... بس انہیں ایک ٹیکنیک کے ساتھ سیدھے رخ پر پکڑ کر ہاتھ سے چھوڑ دینا ...... یہ ٹیکنیک عمران نے حیدر علی کو اچھی طرح سے سمجھا دی تھی...... حیدر علی کوئی ی نہیں تھا...... تربیت یافتہ کمانڈو تھا...... اس کے بعد عمران نے حیدر علی سے کہا۔

"کھڑکی بند کر لو اور یہیں بیٹھے رہو...... میں انجن سٹارٹ کرنے لگا ہوں"۔

اس نے طیارے کے چھوٹے انجن کا بٹن دبا دیا اور نیچے اتر کر طیارے کے ایک پر پکڑ کر زور سے نیچے کیا...... دو تین بار ایسا کرنے سے طیارے کے پر چلنے لگے...... ان جلدی سے پائلٹ کی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا اور اس نے طیارے کو آگے بڑھایا...... رہ بالکل ایک موٹر کار کی طرح رن وے پر چل پڑا...... اس کی فلائنگ کلب کی ننگ اس کے کام آ رہی تھی...... طیارہ زعفران کے کھیتوں کے درمیان چھوٹی سی پٹی وڑنے لگا...... انجن کی آواز ضرور پیدا ہو رہی تھی مگر وہاں سوائے ان دونوں کے کی آواز سننے والا صرف ایک چوکیدار ہی تھا جو اپنی جھونپڑی میں بندھا پڑا تھا۔

عمران نے آہستہ آہستہ طیارے کی رفتار بڑھانی شروع کر دی...... پھر چھوٹے روشن ڈائیل پر سرخ سوئی ایک خاص مقام پر آئی تو عمران نے طیارے کی سٹک کو

اپنی طرف کھینچا...... طیارے نے زمین چھوڑ دی اور آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے ل عمران بتدریج سٹک کو کھینچتا جا رہا تھا...... طیارہ فضا میں اوپر ہی اوپر بلند ہوتا جا رہا عمران نے طیارے کی آگے پیچھے کی دونوں بتیاں بجھادی تھیں...... وہ طیارے ک اونچا لے جانے کی بجائے اسے زمین سے ایک خاص بلندی پر لے آیا اور پھر اس جنوبی پہاڑیوں کی طرف کر دیا...... یہ بڑا نازک وقت تھا...... عمران کو معلوم تھا نیچے سے اس کے طیارے پر مشین گنوں نے فائر کھول دیا اور گولیاں پٹرول کی لگ گئیں تو طیارہ آگ کا گولا بن کر جل کر تباہ ہو جائے گا...... طیارے کی روشنیا نے اس لئے بجھادی تھیں کہ رات کی تاریکی میں مشین گنوں کے زمینی مورچوں فوجیوں کو طیارہ دکھائی نہ دے...... اس کے باوجود اگر گنوں کا رخ اوپر کو کر کے بوچھاڑیں شروع ہو گئیں تو ان دونوں کی طیارے کے ساتھ تباہی یقینی تھی۔

لیکن یہ خطرات تو ہر مشن میں آیا ہی کرتے ہیں اور انہیں مول لے کر ہی اپنے مشن پر نکلتے ہیں...... اندھیرے میں عمران نیچے درختوں کے جھنڈوں اور ٹ غور سے دیکھتا ہوا طیارے کو آگے لے جا رہا تھا...... اسے اچھی طرح معلوم ٹارگٹ پر پہاڑی درے کے ایک سرے پر بجلی کا بلب رات کو روشن رہتا ہے۔ اس کا ٹارگٹ تھا...... پھر بھی اتنے پیچیدہ اور نازک مشن کی کامیابی یقینی نہیں تھی ٹارگٹ پر پہنچنے کے بعد ہر قسم کی صورت حال پیش آسکتی تھی...... عمران کا طیارے کی سٹک پر تھا جو انجن کی تھرتھراہٹ کے ساتھ آہستہ آہستہ تھرتھر تھی...... صرف یہ خیال اسے تھوڑا سا اطمینان دلا رہا تھا کہ نیچے مورچوں میں ہوئے بھارتی فوجی اس کے طیارے کو اپنا طیارہ ہی سمجھیں گے...... کسی دوسرے کے چھوٹے طیارے کے وہاں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... وہ صرف وقت طیارے پر فائر کھولیں گے جب ٹارگٹ پر پہلا بم گرے گا، لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوگی۔

عمران کی عقابی نگاہیں اندھیرے میں آگے کی جانب ٹارگٹ کی روشنی کو تلاش کر رہی تھیں...... ابھی تک وہ روشنی اسے نظر نہیں آئی تھی...... اس کا طیارہ درختوں کے تین جھنڈوں اور ایک پہاڑی ٹیلے کے اوپر سے گزر گیا تھا...... یہی اس کی نشانیاں تھیں...... اس کے آگے وہ پہاڑیاں آجاتی تھیں جو ایک دوسرے کے متوازی کھڑی تھیں اور جن کے درمیان لمبی کھڈ یا درے میں بھارتی فوج نے کثیر تعداد میں توپیں، راکٹ، ٹینک اور دوسرا جنگی ساز و سامان جمع کیا ہوا تھا...... عمران طیارے کو نیچے سے تھوڑا سا اوپر اٹھا کر اندازے کے مطابق پہاڑیوں کی بلندی تک لے آیا تھا...... اس کو دور دونوں پہاڑی نظر آگئی تھیں، لیکن ابھی تک ان کے درمیان جلنے والی روشنی نظر نہیں آئی تھی...... اس روشنی کو دیکھ کر اس نے نیچے درے میں بم گرانے تھے...... طیارہ آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا...... جب دونوں پہاڑیوں اور طیارے کے درمیان چند سو گز کا فاصلہ رہ گیا تو عمران کو پہاڑیوں کے درمیان ایک جانب روشنی کا نقطہ جھلملاتا نظر آگیا...... اس نے اونچی آواز میں حیدر علی سے کہا۔

"حیدر علی! تیار ہو جاؤ...... ہم ٹارگٹ پر پہنچ گئے ہیں"۔

عمران کو حیدر علی نظر نہیں آ رہا تھا...... اسے صرف حیدر علی کی آواز سنائی دی...... اس نے اونچی آواز میں کہا۔

"میں تیار ہوں"۔

عمران طیارے کو آہستہ آہستہ نیچے لانے لگا...... پھر وہ اسے روشنی کے نقطے کی سیدھ میں لے آیا...... روشنی کے اس نقطے سے کھڈ شروع ہوتی تھی...... حیدر علی نے ایک بم اٹھا کر دونوں ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال دیئے تھے...... طیارہ روشنی کے نقطے سے تقریباً تیس فٹ کے فاصلے پر پہنچا تو عمران نے چلا کر کہا۔

"حیدر علی! یس"۔

حیدر علی اسی کاشن کا انتظار کر رہا تھا...... اس نے بم ہاتھ سے چھوڑ دیا...... ابھی بم

نیچے ٹکرایا نہیں تھا کہ عمران نے چیخ کر کہا۔

"حیدر علی! بم گراتے جاؤ...... بم گراتے جاؤ"۔

نیچے کھڈ میں ایک زبردست دھماکہ ہوا...... اس کے ساتھ ہی آگ کے شعلے بلند ہونے لگے...... اس کے دس سیکنڈ بعد دوسرا دھماکہ ہوا...... پھر تیسرا اور چوتھا دھماکہ ہوا...... نیچے سے مشین گنوں کی فائرنگ شروع ہو گئی...... عمران کے طیارے کو گولیاں لگیں...... طیارہ تھر تھرانے لگا، مگر اس دوران حیدر علی نے ساتوں کے ساتوں بم نیچے گرا دیئے تھے اور نیچے پہاڑیوں کے درمیان جہنم کے شعلے بلند ہونے لگے تھے...... ساتھ ہی تھوڑی تھوڑی دیر بعد قیامت خیز دھماکہ بھی ہو رہے تھے...... یہ ایمونیشن ڈمپ کے راکٹ پھٹ رہے تھے...... عمران نے کھڈ کے اوپر سے نکلتے ہی طیارے کو دائیں طرف موڑ کر نصف چکر لگایا اور طیارے کو اوپر لے گیا...... حیدر علی نے چلا کر کہا۔

"استاد جی! ہم نے ٹارگٹ مار لیا ہے...... نعرہ تکبیر! اللہ اکبر!"۔

طیارے کے ایک کونے کے پر کو مشین گن کی گولیاں لگی تھیں اور وہ بری طرح چھلنی ہو گیا تھا جس کی وجہ سے طیارے کا توازن بگڑ گیا تھا اور عمران اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا...... حیدر علی نے بلند آواز میں کہا۔

"طیارے کو اپنی دائیں جانب موڑ کر آگے لے چلو...... آگے ایک اونچا پہاڑ ہے...... اس کی دوسری جانب اگر ہم چلے گئے تو ہم محفوظ ہوں گے"۔

عمران نے طیارے کو دائیں طرف موڑا اور سامنے دیکھا...... ستاروں کی دھندلی روشنی میں اسے کچھ فاصلے پر ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی کا خاکہ سا نظر پڑا...... طیارہ ایک طرف کو جھکا جھکا اڑ رہا تھا...... ایک پر چھلنی ہونے کی وجہ سے اس کا توازن بگڑ چکا تھا، اس کے پر بدستور چل رہے تھے...... عمران نے اسے اونچے پہاڑ کی طرف ڈال دیا تھا...... پہاڑ قریب آتا جا رہا تھا...... ساتھ ہی طیارہ بھی ایک طرف کو زیادہ جھکتا چلا جا رہا تھا۔

عمران کو خطرہ تھا کہ اگر وہ پہاڑی کی چوٹی تک طیارے کو بلند نہ کر سکا تو طیارہ پہاڑ سے ٹکرا کر تباہ ہو جائے گا...... وہ سٹک کو بڑی مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا اور آہستہ آہستہ اسے اوپر کی طرف کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا مگر طیارے کی بلندی کم ہو رہی تھی...... عمران نے چلا کر کہا۔

"حیدر علی! طیارہ کنٹرول سے باہر ہو رہا ہے...... میں اسے نیچے لا رہا ہوں"۔

حیدر علی نے اونچی آواز میں جواب دیا۔

"نیچے دشمن کا خطرہ ہے...... کسی طرح طیارے کو پہاڑ کی دوسری طرف لے جاؤ"۔

عمران نے ایک بار پھر طیارے کو اوپر اٹھانے کی جدوجہد شروع کر دی...... طیارہ ایک ایک فٹ کر کے بلند ہو رہا تھا...... عمران کو پسینے آ رہے تھے...... وہ اپنی پوری طاقت اور جان لڑا رہا تھا...... پہاڑ کی چوٹی نزدیک سے نزدیک ہوتی جا رہی تھی...... اسے ستاروں کی روشنی میں چوٹی پر کھڑے درختوں کی قطار صاف دکھائی دینے لگی...... اس نے دل میں کلمہ شریف کا ورد شروع کر دیا...... درختوں کی چوٹیاں طیارے کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھیں...... عمران نے سٹک دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑ رکھی تھی...... طیارہ بری طرح تھر تھرا رہا تھا...... وہ ایک طرف کو جھک بھی گیا تھا...... پہاڑ کی چوٹی کے درخت طیارے کے اتنے قریب آ گئے کہ اندھیرے میں بھی عمران کو ان کی ایک ایک ٹہنی نظر آنے لگی...... پچھلی سیٹ پر سے حیدر علی نے نعرہ لگایا۔

"نعرہ تکبیر! اللہ اکبر! یا علیؓ مدد!"۔

عمران کو ایسے لگا جیسے طیارہ درختوں سے ٹکرا گیا ہے، لیکن طیارے کے صرف ایک پر ایک درخت کی اوپر والی شاخوں سے ٹکراتے ہوئے آگے نکل گئے تھے...... دوسرے لمحے طیارہ ایک وادی کے خلا میں داخل ہو چکا تھا...... حیدر علی نے چیخ کر کہا۔

"استاد جی! ہم نکل آئے ہیں...... طیارے کو جہاں چاہو نیچے اتار دو"۔

عمران کو طیارہ نیچے اتارنے کی ضرورت نہیں تھی...... وہ خود بخود ایک طرف کو جھکا نیچے ہی نیچے ہوتا جارہا تھا...... عمران صرف اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا...... وہ بار بار کھڑکی میں سے نیچے دیکھ لیتا تھا...... ستاروں کی دھندلی مدھم مدھم روشنی میں اسے نیچے کھیت نظر آنے لگے...... ایک کھیت میں دیا ہوا پانی چمک رہا تھا...... عمران طیارے کو صرف ایک پر کے سہارے نیچے اترتے ہوئے کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا تھا...... طیارہ گلائیڈ کر رہا تھا مگر جس طرف کا اس کا پر چھلنی ہو چکا تھا اس طرف سے طیارہ بہت زیادہ جھکا ہوا تھا...... نیچے کھیتوں میں کھڑی فصل بھی نظر آنے لگی تھی...... طیارہ نیچے ہی نیچے ہوتا جارہا تھا...... کھیت اوپر کو آرہے تھے...... کھیتوں میں شاید مکئی کی فصل کھڑی تھی...... عمران کی کوشش تھی کہ طیارہ ان کے اوپر اترے...... اس طرح طیارے کو تھوڑی سی مزاحمت مل سکتی تھی اور وہ زمین سے ٹکرانے سے بچ سکتا تھا۔

طیارے کو اچانک ایک دھچکا لگا...... طیارے کے دونوں پہیے کھڑی فصل سے ٹکرا گئے تھے اور طیارہ فصل کو روندتا ہوا آگے ہی آگے گھسیٹتا جارہا تھا...... پھر طیارہ ایک جگہ چکر کھا کر دائیں جانب کو جھک کر رک گیا...... اس کا وہ پر جو چھلنی ہو چکا تھا کھیت سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا تھا۔

چند سیکنڈ کے لئے عمران کاک پٹ میں ہی جیسے پتھر کا بت بنا بیٹھا رہا...... حیدر علی نے پچھلی کھڑکی کھول کر طیارے میں سے چھلانگ لگادی اور آگے دوڑ کر کاک پٹ کی دائیں جانب والی کھڑکی کھول دی...... عمران اس طرف کو جھکا ہوا تھا...... وہ سنبھلتے سنبھلتے سیٹ میں سے نکل کر نیچے گر پڑا حیدر علی نے اسے اٹھایا تو عمران نے کہا۔

"طیارے سے دور بھاگ چلو...... ٹینکی پھٹنے کا خطرہ ہے"۔

دونوں کھیت میں دوڑتے ہوئے دور نکل گئے...... وہ وہیں کھیت میں بیٹھ گئے...... حیدر علی نے عمران کے بازو کو دباتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی چوٹ تو نہیں لگی؟"۔

عمران نے لمبا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"نہیں حیدر علی! اللہ نے بچالیا ہے...... خدا کا شکر ہے کہ ہم اپنے مشن میں ہوگئے ہیں"۔

حیدر علی نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"استاد جی! تم نے آج وہ کارنامہ کیا ہے جو آزادی کشمیر کی تاریخ میں سنہری سے لکھا جائے گا"۔

عمران نے پوچھا۔

"ٹارگٹ پوری طرح تباہ ہو گیا تھا ناں؟ میں تو سامنے دیکھ رہا تھا"۔

حیدر علی بولا۔

"استاد جی! نیچے پہاڑیوں کے درے میں جہنم کے شعلے تھے اور قیامت خیز تھے جن کی آواز سے پہاڑ گونج رہے تھے"۔

"خدا کا شکر ہے" عمران نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اب یہاں سے نکل چلو...... یہ بتاؤ کہ ہم کون سے علاقے میں آگئے ہیں"۔

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے...... حیدر علی بولا۔

"عمران بھائی! ہم خطرے کے مقام سے نکل آئے ہیں...... یوں سمجھو کہ یہ اپنا قہ ہے"۔

حیدر علی کمانڈو عمران کو گائیڈ کرنے لگا...... عمران کو خود یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ پیچیدہ مرحلے سے کامیابی و کامرانی کے ساتھ نکل آیا ہے...... رات کافی گزر چکی...... آسمان پر ستاروں کا وہ منظر بدل گیا تھا جس کو دیکھ کر وہ اپنے خفیہ ہیڈ کوارٹر نکلے تھے...... زمین کا منظر بھی بدلا ہوا تھا...... جنگل کی جگہ دور تک کھیتوں کا سلسلہ ہوا تھا۔

وہ کھیتوں میں سے گزر رہے تھے...... راستے میں ایک گاؤں بھی آیا...... ایک جانب پہاڑی ڈھلان پر سیڑھیوں کی طرح کھیت تھے جن میں ایک دو دیہاتی مکانوں کے باہر روشنی ہو رہی تھی...... ایک چشمہ آگیا...... یہ چشمہ ایک کشادہ کم گہرے نالے کی شکل کا تھا...... انہوں نے بیٹھ کر پانی پیا...... منہ ہاتھ دھویا...... خدا کا شکر ادا کیا اور آگے چل پڑے...... حیدر علی ان راستوں سے واقف تھا...... دیر تک وہ کھیتوں میں چلتے رہے...... کسی کھیت میں فصل کھڑی تھی...... کسی میں ہل چلایا ہوا تھا...... کسی میں پانی کھڑا تھا...... کھیتوں کا سلسلہ ختم ہوا تو بائیں جانب ایک پہاڑی کی وادی شروع ہو گئی...... اس وادی میں ناشپاتی اور سیب، خوبانی کے باغ تھے...... وہ ایک سیب کے باغ میں سے گزرے تو حیدر علی نے دو سیب توڑ کر ایک سیب عمران کو دیا اور کہا۔

"یہ تمہارا انعام ہے"۔

سیب بڑا میٹھا تھا...... باغوں کے آگے ایک ٹیلے کی چڑھائی تھی...... چڑھائی چڑھ کر وہ ٹیلے کی دوسری جانب اترے تو وہاں مختلف منظر تھا اونچے اور گھنے چناروں کے درخت ساتھ ساتھ اگے ہوئے تھے...... حیدر علی عمران کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا...... کہنے لگا۔

"دشمن پر بمباری کرنے کا یہ میرا پہلا موقع تھا، مگر استاد جی! تم نے بھی جہاز کو پورے کنٹرول میں رکھا...... میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ ہمارا طیارہ پہاڑی سے ٹکرا کر تباہ ہو جائے گا"۔

عمران بولا۔

"صورت حال ایسی ہی تھی...... اللہ کی مدد ہمارے ساتھ تھی کہ زندہ بچ گئے...... سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ ہم جس مشن کو لے کر نکلے تھے اس میں کامیاب ہو گئے ہیں اور دشمن کے ایک بہت بڑے اسلحہ کے ذخیرے کو برباد کر دیا ہے"۔

اس طرح باتیں کرتے وہ چناروں کے وسیع جنگل کی دھندلی تاریکی میں چلتے

جا رہے تھے...... جس وقت وہ اس پہاڑی جنگل کے قریب پہنچے جس کے اندر ایک پہاڑی کھوہ میں مجاہدین کا خفیہ ہیڈ کوارٹر تھا تو آسمان پر پچھلے پہر کا نور پھیلنا شروع ہو چکا تھا اور اس نور میں ستارے سفید ہونے لگے تھے۔

خفیہ پناہ گاہ کے لکڑی کے کیبن کے روشن دان میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی...... دو مجاہد کمانڈو لباس میں چاق و چوبند ایک طرف کھڑے پہرہ دے رہے تھے...... انہیں دیکھ کر ایک مجاہد آگے بڑھا...... اس نے بتایا کہ لیڈر ان کے انتظار میں جاگ رہا ہے...... حیدر علی نے کیبن کے دروازے پر خاص دستک دی...... ایک مجاہد نے دروازہ کھولا...... حیدر علی اور کمانڈو عمران اندر داخل ہو گئے...... لیڈر صف پر کمبل اوڑھے بیٹھا جاگ رہا تھا...... اس کے آگے سبز کشمیری چائے کا سماوار اور پیالیاں پڑی تھیں...... وہ اٹھ کر دونوں مجاہدوں سے ملا...... اس کی آنکھوں میں ایک سوال تھا...... عمران نے کہا۔

"الحمدللہ! ہم کامیاب واپس آئے ہیں"۔

لیڈر نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے باری باری دونوں کو گلے لگا لیا، جس مجاہد نے دروازہ کھولا تھا وہ باہر نکل گیا...... لیڈر نے پیالیوں میں سماوار میں سے گرم چائے ڈالی اور ایک ایک پیالی خود حیدر علی اور عمران کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

"مجھے تم لوگوں کے جذبہ جہاد اور مہارت سے یہی امید تھی"۔

"اللہ پاک کی مدد بھی ہمارے ساتھ تھی" عمران نے کہا۔

"اس کی مدد ہمیشہ اس کی راہ میں جان قربان کرنے والے مومنین کے ساتھ رہی ہے" لیڈر نے بڑے جذبے کے ساتھ کہا...... پھر عمران نے لیڈر کو اپنے معرکے کی پوری روداد سنائی...... لیڈر نے کہا۔

"تم لوگوں نے قابض بھارتی فوج کو اتنا زبردست نقصان پہنچایا ہے کہ جس کی تلافی اتنی آسانی سے نہیں ہو سکے گی...... اس کارنامے کے لئے تم دونوں کی جرات اور

بہادری کی جتنی داد دی جائے کم ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میرے خیال میں...... میں اس وقت جتنی جلدی یہاں سے نکل سکوں مجھے نکل جانا چاہئے...... دیر ہو گئی تو سیکورٹی اور زیادہ سخت ہو جائے گی اور اس کا جال دور دور تک پھیل جائے گا۔

لیڈر نے پوچھا۔

"اب تم کہاں جانا چاہتے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"میرا ہیڈ کوارٹر اس وقت بمبئی میں ہی ہے...... میں یہاں سے بمبئی جاؤں گا تاکہ اپنے کمانڈو آپریشن کی فل رپورٹ کر سکوں"۔

لیڈر کہنے لگا۔

"موجودہ صورت حال میں تو پھر تمہیں آج ہی سورج نکلنے سے پہلے یہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے...... ابھی تک تو بھارتی فوج کو اتنی ہوش نہیں ہو گی کہ وہ سیکورٹی کا دائرہ دور تک پھیلا سکیں...... حیدر علی جموں توی تک تمہارے ساتھ جائے گا"۔

عمران کو بھی لیڈر کا یہ فیصلہ وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے مناسب اور بروقت لگا...... چنانچہ ابھی سورج نہیں نکلا تھا اور اندھیرا ہی تھا کہ عمران اور حیدر علی ایک خفیہ راستے سے نکل کر ایک پہاڑی جنگل میں سے گزر رہے تھے...... اب انہوں نے دیہاتی کپڑے نہیں پہنے ہوئے تھے...... ان کی بجائے وہ اس علاقے کے عام ہندو پہناوے یعنی کرتہ پاجامہ اور صدری کے لباس میں تھے...... حیدر علی نے اوپر پرانا گرم کوٹ پہن رکھا تھا...... عمران کو چونکہ پنجاب سے آگے وسطی ہند کے علاقے میں سفر کرنا تھا جہاں سردی معمولی ہوتی ہے اس لئے اس نے کوٹ نہیں پہنا تھا...... اوپر ایک کھیس لے لیا تھا۔

سورج نکلنے سے پہلے پہلے حیدر علی ایک شارٹ کٹ سے ہوتا ہوا عمران کو ساتھ ے کر اس چھوٹی سی سڑک پر آ گیا جو پیچھے سرینگر سے آتی تھی اور آگے بانہال تک تی تھی...... یہاں وہ ایک لاری میں سوار ہو گئے...... بانہال میں انہوں نے دوسرے سافروں کے ساتھ ایک رات لاری اڈے کی ایک سرائے میں گزاری اور اگلے دن ری میں بیٹھ کر جموں کی طرف روانہ ہو گئے...... جموں تک راستہ خیریت سے ہی گزر ا...... راستے میں انہیں عام فوجی نقل و حرکت نظر آئی، لیکن جموں پہنچ کر انہیں وس ہوا کہ سڑکوں پر فوجی جوانوں کی گشت کچھ غیر معمولی ہے...... سرینگر سے نے والی لاریوں کو جموں میں داخل ہونے سے پہلے ایک طرف کھڑا کر کے ان کی نگ ہو رہی تھی...... حیدر علی اور عمران نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا...... اس ت لاری سے اتر کر کسی طرف غائب ہو جانے کا مقام نہیں تھا، کیونکہ ان کی لاری ب اور لاری کے پیچھے کھڑی ہو چکی تھی اور دو مسلح فوجی سامنے آ کر کھڑے ہو گئے ے کہ کوئی مسافر لاری سے اتر کر ادھر ادھر نہ چلا جائے...... ہمارے دونوں کمانڈو تھی اس وقت لاری میں بیٹھے رہنے پر مجبور تھے...... وہ یہ سوچ رہے تھے کہ چیکنگ نے پر وہ اپنے نام کیا بتائیں گے اور کیا بتائیں گے کہ وہ کہاں سے آ رہے ہیں اور کہاں رہے ہیں...... لاری میں ان کے ارد گرد دوسرے مسافر بھی بیٹھے تھے جن میں ہندو ھوں کی تعداد زیادہ تھی...... وہ ان کے سامنے ایک دوسرے سے صلاح مشورہ بھی ں کر سکتے تھے۔

ان کی لاری کے آگے دو لاریاں کھڑی تھیں...... تین چار فوجی لاری کی چیکنگ رہے تھے...... وہ اس طرح چیکنگ کر رہے تھے کہ مسافروں کو نیچے نہیں اتارتے ے...... ایک فوجی لاری میں داخل ہو کر مسافروں کو غور سے دیکھتا تھا، جس کسی سے ے کچھ پوچھنا ہوتا تھا پوچھ لیتا تھا اور لاری کو آگے بڑھنے کی اجازت دے دیتا ...... یہ دیکھ کر حیدر علی اور عمران کو قدرے اطمینان ہوا...... اب خطرہ یہی تھا کہ

بھارتی فوجی کو ان پر کسی قسم کا کوئی شک نہ پڑ جائے...... اگر شک پڑ گیا تو وہ جانتے تھے کہ فوجی دونوں کو نیچے اتار لیں گے...... آخر ان کی لاری کی باری بھی آ گئی...... ایک فوجی باہر کھڑا ہو گیا...... ایک فوجی لاری کے اندر آ گیا...... اس نے بڑی گہری نگاہوں سے مسافروں کے چہروں کو دیکھنا شروع کیا...... حیدر علی اور عمران اپنے پہناوے اور ڈوگری ٹوپیوں سے اس علاقے کے ڈوگرہ ہندو ہی لگتے تھے، لیکن بھارتی فوجی بھی ملٹری انٹیلی جنس کے عہدے دار تھے...... ان کی نظریں بھی بڑی تیز تھیں، لیکن عمران اور حیدر علی کی قسمت اچھی تھی کہ بھارتی فوجی نے دوسرے مسافروں کی طرح ان دونوں پر بھی ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور لاری سے اتر گیا...... لاری آگے چل پڑی۔

حیدر علی اور عمران نے خدا کا شکر ادا کیا۔

یہاں سے حیدر علی نے عمران سے جدا ہو جانا تھا...... لاری اڈے پر بس رکی تو یہ دونوں کمانڈو مجاہد بھی باہر آ کر ایک طرف بیٹھ گئے...... عمران نے کہا۔

”حالات بڑے نازک ہیں...... تمہیں واپس جاتے ہوئے بڑی احتیاط سے کام لینا ہو گا“۔

حیدر علی نے کہا۔

”جموں کے علاقے سے نکلنے کی دیر ہے...... اس کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا...... یہ بتاؤ کہ تم آگے جالندھر تک کس طرح سفر کرو گے“۔

عمران بولا۔

”میرا تو خیال ہے کہ لاری میں ہی چلا جاؤں“۔

حیدر علی نے کہا۔

”لاری کسی بھی جگہ روک کر چیک کی جا سکتی ہے...... میرا مشورہ ہے کہ تم ٹرین میں جاؤ“۔

آخر یہی فیصلہ ہوا کہ عمران کو ٹرین میں ہی جموں سے جالندھر تک سفر کرنا

چاہئے...... حیدر علی اس کے ساتھ ریلوے سٹیشن تک جانا چاہتا تھا، لیکن عمران نے اسے روک دیا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے...... تم یہیں سے واپس چلے جاؤ“۔

حیدر علی نے پوچھا۔

”تمہارے پاس پیسے ہیں ناں؟“۔

”ہاں“ عمران نے کہا...... ”کافی سے زیادہ پیسے ہیں...... یہ کمبل تم اپنے ساتھ ہی لے جاؤ...... آگے اس کی ضرورت نہیں پڑے گی...... میدانی علاقوں میں اتنی سردی نہیں ہے“۔

عمران نے کمبل تہہ کر کے حیدر علی کو دے دیا...... اس نے کندھے پر ڈال لیا۔

”اب تم جاؤ“ عمران نے کہا۔

حیدر علی نے دبی زبان میں اللہ حافظ کہا اور اٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گیا......

عمران کچھ دیر لاری کے اڈے پر ہی رہا...... ایک کھوکھے میں بیٹھ کر اس نے ناشتہ وغیرہ کیا...... ایک آدمی سے جالندھر جانے والی گاڑی کا پوچھا...... معلوم ہوا کہ ایک ٹرین دوپہر ایک بجے جالندھر جاتی ہے...... اس وقت دن کے دس بجے تھے...... عمران کو وقت گزارنے کے لئے محفوظ جگہ ریلوے سٹیشن ہی لگا...... اس نے وہیں سے ایک رکشا پکڑا اور جموں توی کے ریلوے سٹیشن پر آ گیا...... جموں کا ریلوے سٹیشن اب کافی بڑا ہو گیا تھا...... کچھ نئے پلیٹ فارم بھی بن گئے تھے...... ایک پلیٹ فارم صرف فوجی گاڑیوں کی آمدورفت کے لئے مخصوص تھا...... اس طرف کسی شہری کو جانے کی اجازت نہیں تھی...... عمران مسافر خانے میں جا کر دوسرے مسافروں کے ساتھ بیٹھ گیا...... ان میں سکھ مسافر زیادہ تھے...... اپنے خاص لہجے میں ایک دوسرے سے پنجابی میں باتیں کر رہے تھے۔

بارہ بجے عمران نے وہیں ایک ڈھابے کے باہر بیٹھ کر دال روٹی کھائی...... اس

کے بعد بکنگ آفس میں آ کر جالندھر کا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا اور پلیٹ فارم پر آ کر دوسرے مسافروں کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گیا...... پلیٹ فارم پر جموں پولیس کے تین چار کانسٹیبل ادھر ادھر ڈنڈے ہاتھوں میں لئے چل پھر رہے تھے...... ملٹری پولیس کا بھی ایک جوان پلیٹ فارم کے گیٹ کے پاس کھڑا تھا اور آنے جانے والے مسافروں کو دیکھ رہا تھا...... ایک بجے ٹرین آ کر پلیٹ فارم پر لگی اور دو بجے روانہ ہوئی...... جالندھر تک کا سفر بھی خیریت سے کٹ گیا...... مشرقی پنجاب کا علاقہ بھی حساس علاقہ تھا، لیکن صرف انبالے تک...... اس کے آگے سی آئی ڈی والوں کا اتنا خطرہ نہیں تھا...... جالندھر سے عمران کو دلی جانے والی گاڑی پکڑنی تھی...... جالندھر سٹیشن پر سکھ ہی سکھ نظر آ رہے تھے...... ان میں پولیس والے بھی تھے...... لیکن عمران اس قسم کے سفر کا عادی تھا...... اس نے ایک قلی کو پیسے دے کر باہر سے ٹکٹ منگوا لیا...... وہ خود سٹیشن سے باہر نہیں جانا چاہتا تھا...... گاڑی کو امرتسر سے آنا تھا...... گاڑی آ گئی...... عمران اس میں سوار ہو گیا اور گاڑی دلی کی طرف روانہ ہو گئی۔

انبالے تک عمران کو کچھ تشویش رہی...... اس کے بعد وہ کسی حد تک مطمئن ہو گیا...... دلی گاڑی رات کے وقت پہنچی...... رات اس نے ریلوے پلیٹ فارم پر گزار دی...... دوسرے روز صبح صبح بمبئی جانے والی گاڑی میں سوار ہو گیا...... دلی سٹیشن پر اس نے تقریباً جاگ کر ہی رات گزاری تھی...... چنانچہ بمبئی جانے والی گاڑی میں وہ اوپر والی خالی برتھ پر جا کر لیٹ گیا...... لیٹتے ہی اسے نیند آ گئی...... آگرہ سٹیشن پر ٹرین رکی تو تھوڑی دیر کے لئے اس کی آنکھ کھلی اور وہ پھر سو گیا...... وہ زیادہ سے زیادہ آرام کرنا چاہتا تھا...... دوسری بار ٹرین رکی تو اس نے برتھ پر سے جھک کر باہر دیکھا...... کوئی بڑا سٹیشن لگتا تھا...... وہ برتھ سے اتر آیا...... معلوم ہوا کہ گوالیار کے سٹیشن پر رکی ہے...... یہاں اس نے ایک انگریزی کا اخبار خریدا اور ایک طرف کھڑے ہو کر پڑھنے لگا...... اس میں کشمیر میں فوجی ایمونیشن ڈمپ میں دھماکے

کی خبر چھپی ہوئی تھی...... خبر کے آخر میں لکھا تھا کہ ملٹری اور سول انٹیلی جنس اس تباہی کے ذمہ دار کشمیری مجاہدین کو گرفتاری کے لئے وسطی بھارت تک پھیل گئی ہے اور توقع ہے کہ بہت جلد اس دھماکے کے ذمے دار دہشت گردوں کو گرفتار کر لیا جائے گا...... وسطی بھارت کا پڑھ کر عمران کو تشویش ہوئی...... انٹیلی جنس نے اپنا دائرہ کار بھارت کے وسطی علاقے تک پھیلا دیا تھا اور عمران اس وقت بھارت کے وسطی علاقے میں ہی سفر کر رہا تھا...... اس کا مطلب تھا کہ وہ خطرے کے علاقے میں سے گزر رہا تھا اور اسے انتہائی محتاط رہنے کی ضرورت تھی...... وہ جانتا تھا کہ انڈین آرمی کا کشمیر میں اتنا زیادہ اور تقریباً ناقابل تلافی نقصان ہوا تھا کہ وہ مجاہدین کی گرفتاری کے لئے کچھ بھی کر سکتی تھی۔

عمران نے اخبار اپنے سامنے رکھے...... پلیٹ فارم کا جائزہ لیا...... اب اسے معلوم ہوا کہ پلیٹ فارم پر ملٹری پولیس کے چھ سات جوان موجود تھے...... اس کا مطلب تھا کہ انٹیلی جنس بھی سفید کپڑوں میں وہاں ضرور موجود ہو گی...... عمران نے اخبار تہہ کر کے صدری کی جیب میں رکھا اور خاموشی سے اپنے ڈبے میں داخل ہو کر اپنی برتھ والی سیٹ پر چڑھ کر لیٹ گیا...... وہ انٹیلی جنس والوں کی نظروں سے دور رہنا چاہتا تھا...... اتنے میں ایک پولیس کانسٹیبل ڈبے کی کھڑکی میں سے اندر جھانکتا ہوا آگے نکل گیا...... گاڑی چلنے کا نام نہیں لیتی تھی...... گوالیار بڑا سٹیشن تھا...... یہاں گاڑی کو زیادہ دیر رکنا تھا...... ایک ایک منٹ بڑی مشکل سے گزر رہا تھا...... ہر لمحے عمران کو کھٹکا لگا تھا کہ کہیں کوئی انٹیلی جنس والا یا ملٹری پولیس کا جوان اندر آ کر مسافروں کی چیکنگ نہ شروع کر دے...... اگرچہ عمران کا لباس ہندوانہ تھا...... پھر بھی پکڑے جانے کا خطرہ اس کے سر پر برابر منڈلا رہا تھا...... سٹیشن پر ملٹری پولیس کو دیکھ کر عمران کو اس بات کا ثبوت مل گیا تھا کہ سی آئی ڈی کی ایجنسیوں نے اپنا جال دور دور تک پھیلا دیا ہے......

آخر گارڈ کی آواز آئی۔

اس کے بعد ٹرین چل پڑی...... آگے بڑا سٹیشن جھانسی کا تھا...... جھانسی بھی خطرناک سپاٹ تھا اور یہاں فوج کی بہت بڑی چھاؤنی بھی تھی...... ٹرین اپنی مخصوص رفتار سے آگے بڑھتی رہی...... عمران کے ذہن میں طرح طرح کے خدشات پیدا ہو رہے تھے......اس نے بہت کچھ سوچ لیا تھا کہ اگر کسی جگہ اس سے پوچھا گیا کہ وہ کون ہے کہاں سے آ رہا ہے تو وہ کیا جواب دے گا......اپنی طرف سے تو عمران نے بہت کچھ سوچ رکھا تھا، لیکن موقع پر ہر قسم کی صورت پیدا ہو سکتی تھی...... بہر حال عمران نے اپنے آپ کو پوری طرح سے ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا......ایک خیال اسے یہ بھی آیا کہ کسی سٹیشن پر وہ گاڑی سے اتر جائے اور رات کے وقت بمبئی جانے والی گاڑی پکڑ لے، لیکن اس میں خطرہ زیادہ تھا...... ٹرین وسطی بھارت کے جنگلاتی نیم پہاڑی علاقے میں سے گزر رہی تھی......ٹرین کی رفتار ہلکی ہونی شروع ہو گئی...... عمران نے نیچے جھک کر ایک مسافر سے پوچھا کہ کون سا سٹیشن آ رہا ہے......اس نے کہا۔

”جھانسی آ رہا ہے بابو“۔

جھانسی کے سٹیشن پر گاڑی رکی تو عمران ڈبے کے اندر برتھ پر ہی لیٹا رہا......اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ سو رہا ہے، لیکن تھوڑی تھوڑی آنکھیں کھول کر سامنے والی کھڑکیوں میں سے باہر پلیٹ فارم کا جائزہ لے رہا تھا...... جھانسی پر بھی ٹرین کافی دیر تک کھڑی رہی...... ڈبے کے آگے سے دو ایک پولیس کانسٹیبل ضرور گزرے لیکن ڈبے کے اندر کوئی نہ آیا...... آخر جھانسی سے بھی گاڑی چل پڑی۔

جھانسی کے بعد بڑا سٹیشن بھوپال تھا......دن کی روشنی ماند پڑ رہی تھی، جب ٹرین بھوپال کے سٹیشن پر رک گئی...... عمران برتھ پر لیٹے لیٹے تھک گیا تھا...... وہ باہر کی صورت حال کا بھی جائزہ لینا چاہتا تھا...... بس یہیں اس سے غلطی ہو گئی، لیکن قسمت میں جو بات لکھی ہوتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے...... عمران برتھ سے نیچے اتر آیا...... ڈبے میں مسافر بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے...... باہر پلیٹ فارم پر کافی

رونق تھی...... عمران کو بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی......اس نے سوچا کہ یہاں کچھ تھوڑا بہت کھا لینا چاہئے، اس کے بعد تو رات ہو جائے گی اور آگے اتنی جلدی کوئی بڑا سٹیشن بھی نہیں آئے گا، چنانچہ وہ ڈبے سے نکل آیا...... کچھ فاصلے پر اسے چائے کی کینٹین نظر آئی جہاں دو چار مسافر کھڑے چائے وغیرہ پی رہے تھے...... عمران نے سوچا کہ کھانا کیا کھانا ہے...... ایک بند مکھن چائے کے ساتھ کھا لیتا ہوں...... رات گزر جائے گی تو صبح دیکھا جائے گا......وہ کینٹین پر آ کر کاؤنٹر کی ایک طرف کھڑا ہو گیا...... اس نے کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے آدمی سے بند مکھن اور چائے کے لئے کہا...... یہ چیزیں سٹیشن پر گاڑی آنے سے پہلے تیار رکھی ہوتی ہیں...... کاؤنٹر والے نے ایک پلیٹ میں بند مکھن رکھ کر چائے کے گلاس کے ساتھ عمران کی طرف بڑھایا...... عمران نے وہیں بل بھی ادا کر دیا اور خاموشی سے بند مکھن کھانے اور ساتھ ساتھ چائے کے گھونٹ پینے لگا۔

اتنے میں ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اس کے پاس آ کر کاؤنٹر سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے چائے کا ایک گلاس لے لیا...... عمران خاموشی سے چائے پیتا رہا......اس دوران عمران نے محسوس کیا کہ ادھیڑ عمر کا آدمی اسے مسلسل تک رہا ہے...... عمران کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا...... اس نے ابھی آدھا گلاس ہی چائے کا پیا تھا...... باقی کا آدھا گلاس رکھ کر عمران اپنے ڈبے کی طرف چل دیا...... ڈبے میں آ کر وہ چپکے سے برتھ پر چڑھ کر لیٹ گیا...... اسے برتھ پر لیٹے پانچ سات منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ڈبے میں دو پولیس کانسٹیبل ایک انسپکٹر پولیس کے ساتھ داخل ہو گئے...... عمران سمجھ گیا کہ وہ ادھیڑ عمر کا آدمی سی آئی ڈی کا تھا اور اسے اس پر شک پڑ گیا تھا...... پولیس انسپکٹر نے کسی مسافر سے کوئی بات نہ کی...... ڈبے میں داخل ہوتے ہی اس نے سیدھا عمران کی برتھ کی طرف دیکھا اور پھر اس کے قریب آ کر کہا۔

”باہر آ جاؤ“۔

عمران کو معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے...... اس نے سب سے پہلے اپنے اعتماد کو بحال کیا اور برتھ پر سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا بات ہے"۔

پولیس انسپکٹر نوجوان تھا اور اس نے پستول لگا رکھا تھا...... وہ اسی علاقے کا لگتا تھا...... اس کے ہاتھ میں بید کا ایک فٹ لمبا ڈنڈا تھا...... اس نے ڈنڈے سے عمران کو نیچے اترنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے...... تھوڑی دیر کے لئے باہر آ جاؤ"۔

دونوں پولیس کانسٹیبل اس کے پیچھے کھڑے تھے...... عمران سمجھ گیا کہ وہ پھنس گیا ہے، لیکن اتنی جلدی وہ بھی ہار ماننے والا نہیں تھا...... اس نے برتھ سے اترتے ہوئے کہا۔

"میں بھارت ورش کا آزاد شہری ہوں...... پہلے آپ لوگ مجھے بتائیں کہ مجھے باہر کیوں لے جایا جا رہا ہے"۔

پولیس انسپکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مہاراج! پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں ہے...... آپ سے دو ایک سوال پوچھنے ہیں، اس کے بعد آپ بے شک برتھ پر آ کر لیٹ جایئے گا"۔

عمران ڈبے سے باہر نہیں نکلنا چاہتا تھا، لیکن باہر نکلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا...... وہ پولیس انسپکٹر کے ساتھ باہر آیا تو دیکھا کہ سامنے چھ سات مسلح پولیس کانسٹیبل کھڑے تھے...... ڈبے کے مسافر بھی حیرانی اور دلچسپی سے عمران کو دیکھ رہے تھے...... عمران کے کان میں کسی مسافر کا یہ جملہ بھی پڑا کہ مہاراج کوئی پاکستانی جاسوس ہو گا...... پولیس انسپکٹر عمران کو پولیس کی معیت میں پلیٹ فارم پر ایک کمرے میں لے گیا جہاں وہی ادھیڑ عمر آدمی پہلے سے کرسی پر بیٹھا تھا جس نے کاؤنٹر پر چائے پیتے ہوئے عمران کا گہری نظر سے جائزہ لیا تھا...... پولیس انسپکٹر نے عمران کو ایک کرسی پر

بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا...... عمران نے ایک بار پھر بڑے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"آخر آپ لوگ مجھے یہاں کس لئے لائے ہیں...... میری گاڑی چھوٹ جائے گی...... مجھے بڑا ضروری بمبئی پہنچنا ہے"۔

پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"فکر نہ کریں مہاراج! ٹرین یہاں کافی دیر تک ٹھہرتی ہے"۔

سی آئی ڈی والا ادھیڑ عمر آدمی مسلسل عمران کو گھور رہا تھا...... اس نے عمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"مہاراج! آپ مجھے ہندو لگتے ہیں...... آپ کا شبھ نام کیا ہے"۔

یہ ایک جال تھا جو عمران کی طرف پھینکا گیا تھا کہ اگر وہ مجاہد کمانڈو ہوا تو فوراً کہے گا کہ ہاں میں ہندو ہوں اور طبی معائنے میں اس کا پول کھل جائے گا کہ وہ ہندو نہیں مسلمان ہے اور یوں پکڑا جائے گا، مگر عمران ایک بار یہ غلطی کر چکا تھا...... اب وہ اس دام میں آنے والا نہیں تھا...... اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں مسلمان ہوں اور میرا نام عزیزالدین ہے...... سی آئی ڈی والے نے انسپکٹر کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

اب پولیس انسپکٹر نے عمران سے پوچھا۔

"تم کہاں سے آ رہے ہو؟"۔

"میں امرتسر سے آ رہا ہوں"۔

"تمہارا اردو بولنے کا لہجہ بتا رہا ہے کہ تم پنجابی ہو، مگر امرتسر میں تو کوئی مسلمان پنجابی نہیں ہے...... سارے مسلمان پنجابی سن سنتالیس میں پاکستان چلے گئے تھے۔

عمران نے کہا۔

"مگر ریاست مالیر کوٹلہ کے پنجابی مسلمان مالیر کوٹلہ میں ہی رہے تھے...... میں بھی مالیر کوٹلے کا ہوں اور امرتسر میں سٹیشنری کی دکان کرتا ہوں...... میری دکان مائی

سیواں کے بازار میں ہے"۔

پولیس انسپکٹر کافی ہوشیار نوجوان تھا..... کہنے لگا۔

"جس طرح تم اردو بولتے ہو مالیر کوٹلے والے اس طرح اردو نہیں بولتے..... تمہارا لہجہ تو لاہور کے رہنے والے پنجابیوں کا لہجہ ہے..... میں صرف ایک بار لاہور گیا ہوں..... مجھے یہ شہر بڑا اچھا لگا تھا..... تم لاہور میں کہاں رہتے ہو؟"۔

عمران کو پھنسانے کی پوری کوشش کی جا رہی تھی مگر وہ باتوں میں ان سے ہار ماننے والا نہیں تھا..... اس نے کہا۔

"اصل میں میرے والد صاحب لاہور کے رہنے والے پنجابی تھے..... مالیر کوٹلہ میں وہ اپنی جوانی میں ہی اپنے بڑے بھائی کے پاس آ کر کاروبار کرنے لگے تھے..... میں مالیر کوٹلے میں ہی پیدا ہوا تھا"۔

سی آئی ڈی والے نے عمران کو ڈائریکٹ سوال کر دیا۔

"یہ بتاؤ تمہارے ساتھ اور کون کون پاکستان سے بھارت میں داخل ہوا تھا"۔

عمران نے فوراً بڑے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔

"میں نہیں جانتا آپ کس قسم کا سوال پوچھ رہے ہیں..... میرا پاکستان سے کوئی تعلق نہیں..... میں نے آپ کو بتا دیا کہ میں مالیر کوٹلے کا رہنے والا ہوں..... امرتسر میں سٹیشنری کی میری دکان ہے اور مارکیٹ کا جائزہ لینے بمبئی جا رہا ہوں..... اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا"۔

اتنے میں باہر ٹرین کے انجن نے وسل دیا..... ساتھ ہی گارڈ کی سیٹی کی آواز بھی سنائی دی..... عمران نے کہا۔

"آپ لوگ ایک بھارتی شہری کو ناحق پریشان کر رہے ہیں..... میری گاڑی چل پڑی ہے..... میں جاتا ہوں"۔

جیسے ہی عمران کرسی پر سے اٹھا پولیس انسپکٹر نے عمران کے پیچھے کھڑے دو

کانسٹیبلوں کو اشارہ کیا..... انہوں نے آگے بڑھ کر عمران کے دونوں بازوؤں کو اپنے شکنجے میں لے لیا..... پولیس انسپکٹر بولا۔

"مسٹر عزیز الدین آپ کو ہمارے ساتھ پولیس سٹیشن چلنا ہوگا"۔

"آپ مجھے کس جرم میں پولیس سٹیشن لے جا رہے ہیں؟" عمران نے بڑے رعب سے پوچھا..... پولیس انسپکٹر نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کو تھانے چل کر معلوم ہو جائے گا"۔

کانسٹیبل نے عمران کو دونوں بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا..... وہ اسے کمرے سے باہر لے آئے..... پلیٹ فارم پر گاڑی آہستہ آہستہ بمبئی کی طرف چل پڑی تھی..... باہر جو کانسٹیبل کھڑے تھے..... انہوں نے بھی عمران کو اپنے نرغے میں لے لیا..... پولیس انسپکٹر نے اپنا ریوالور نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا..... ایک کانسٹیبل کے پاس جو یقیناً حوالدار تھا..... سٹین گن تھی..... اس نے سٹین گن کا رخ عمران کی طرف کر رکھا تھا..... بھوپال سٹیشن کے باہر پولیس کی دو گاڑیاں کھڑی تھیں..... ایک جیپ اور ایک ویگن..... عمران کو ویگن میں دھکیل کر تین کانسٹیبل اس کے ساتھ بیٹھ گئے..... ان میں ایک مسلح حوالدار بھی تھا..... انسپکٹر دوسرے سپاہیوں کے ساتھ جیپ میں بیٹھ گیا اور دونوں گاڑیاں بھوپال کے پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف تیزی سے روانہ ہو گئیں۔

عمران نے سٹیشن اور سٹیشن کے باہر ویگن تک پہنچنے سے پہلے فرار ہونے کے امکانات پر غور کیا..... بہت جلد اسے احساس ہو گیا کہ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی گئی تو پولیس اس پر اندھا دھند فائرنگ کر کے اسے ہلاک کر ڈالے گی، کیونکہ فرار ہونے کی کوشش سے پولیس کو یقین ہو جائے گا کہ وہ پاکستانی جاسوس ہے..... فرار کو اس نے کسی دوسرے موقعے کے لئے ملتوی کر دیا اور خاموشی سے پولیس کی ویگن میں سوار ہو گیا جو چاروں طرف سے بند تھی..... صرف اوپر جالی دار پٹی لگی ہوئی تھی جس میں سے ہوا اندر آ رہی تھی..... دونوں گاڑیاں بھوپال شہر کی ایک کشادہ سڑک پر چلی

جا رہی تھیں...... اس وقت شام ہو چکی تھی اور شہر میں جگہ جگہ روشنی ہو گئی تھی...... بھوپال مسلمانوں کی اکثریت کا شہر ہے...... اس مسلمان ریاست سے تحریک پاکستان کی بہت سی روایات وابستہ ہیں...... اس مسلمان ریاست کے مرحوم حکمران نے قیام پاکستان کے لئے بڑا اہم کردار ادا کیا تھا...... علامہ اقبال بھوپال اکثر آیا کرتے تھے اور ریاست کے حکمرانوں کے ہاں قیام فرماتے تھے...... حضرت علامہ نے کئی نظمیں بھوپال میں ہی لکھی تھیں...... آج بھی ریاست بھوپال مسلم اکثریت کا شہر ہے مگر یہاں کے مسلمانوں کی بیشتر تعداد پسماندگی کا شکار ہے...... بھارت کی ہندو حکومت نے ان کی تعمیر و ترقی کے تمام راستے مسدود کر رکھے ہیں اور بھارت کے دوسرے بڑے شہروں کے مسلمانوں کی طرح ان کے ساتھ بھی سوتیلی ماں ایسا سلوک کیا جا رہا ہے...... فوج اور سول ایڈمنسٹریشن میں ہندو سکھوں کو لیا جاتا ہے...... مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اور ان کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ سول سروس کی بجائے چھوٹے موٹے کاروبار اور کلرک کی نوکری پر ہی اکتفا کریں...... کاروبار میں بھی ہندوؤں کو ترجیح دی جاتی ہے...... انہیں بلا تاخیر لائسنس ایشوع ہو جاتے ہیں جبکہ مسلمانوں کے لئے تجارتی ترقی کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے ہیں، جس کی وجہ سے بھارت کے مسلمان معاشی ناانصافی اور بدحالی کا شکار ہیں...... اوپر سے ان پر پولیس کی تلوار بھی لٹکتی رہتی ہے...... پولیس کسی بھی بھارتی مسلمانوں کو پاکستان کے لئے جاسوسی کرنے کے جھوٹے الزام میں جب چاہے پکڑ کر لے جا سکتی ہے اور اس کے بعد اس کے لواحقین کو اس کی کوئی خبر نہیں ملتی۔

عمران اس سے پہلے ایک بار بھوپال آیا تھا...... اسے ایک جگہ دو دن کے لئے رہنا پڑا تھا...... بھوپال کی مسجدیں بڑی باوقار اور خوبصورت ہیں اور یہاں کے مسلمان نمازی، پرہیزگار اور ان کی اکثریت پابند صوم و صلوۃ ہے...... عمران کو بھوپال کے پولیس ہیڈ کوارٹر کی حوالات میں لے جا کر بند کر دیا گیا...... تقریباً ایک گھنٹے بعد دو

پولیس والے اسے ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گئے جہاں ایک سکھ فوجی کیپٹن بیٹھا تھا...... سکھ فوجی کیپٹن نے عمران سے پوچھ گچھ شروع کر دی...... سکھ فوجی نے پوچھا۔

”امرتسر میں تمہاری سٹیشنری کی دکان مائی سیواں کے بازار میں ہے؟“۔

عمران نے کہا۔

”جی ہاں...... دربار صاحب کے بالکل قریب ہی ہے“۔

”اس کا مطلب ہے تم امرتسر میں ہی رہتے ہو“ سکھ فوجی کیپٹن نے دوسرا سوال کیا...... عمران یہ کہنے پر مجبور تھا کہ ہاں میں امرتسر میں ہی رہتا ہوں...... فوجی کیپٹن نے کاغذ پنسل عمران کی طرف بڑھا کر کہا۔

”اس پر اپنے امرتسر والے گھر کا ایڈریس لکھ دو“۔

عمران کے گرد تفتیش کا دائرہ تنگ ہوتا جا رہا تھا...... ہندی زبان میں لکھنا پڑھنا عمران کو تھوڑا بہت آ گیا تھا...... اس نے یونہی امرتسر کے ایک مشہور محلے کرموں کی ڈیوڑھی کی فرضی گلی کا پتہ لکھ دیا...... مکان کا نمبر بھی غلط تھا...... گلی کا نام بھی غلط تھا...... سکھ فوجی نے پولیس انسپکٹر کو ایڈریس والا کاغذ دے کر کہا۔

”فوراً امرتسر کوتوالی پولیس سٹیشن وائرلیس کر کے معلوم کریں کہ اس نام کی گلی اور اس نمبر کے مکان میں کون رہتا ہے“۔

عمران سمجھ گیا کہ یہاں وہ مار کھا گیا ہے اور اس کا پول بڑی جلدی کھل جائے گا...... پولیس انسپکٹر کاغذ لے کر کمرے سے نکل گیا...... اب سکھ فوجی کیپٹن نے عمران کو ایک طرح سے اعتماد میں لینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”دیکھو عزیز الدین! ہمارا دھرم تمہارے دھرم کے بڑا قریب ہے...... ہم بھی واہگورو کو ایک مانتے ہیں...... تم بھی اللہ کو ایک مانتے ہو...... اس ناطے سے میں تمہیں اپنی طرف سے یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا...... تم صرف اتنا بتا دو کہ تمہارے ساتھ اور کون کون ہے اور کس جگہ پہ چھپے ہوئے ہیں...... اگر تم نے ٹھیک

ٹھیک بتادیا تو میں خود تمہیں بارڈر کراس کروا کر پاکستان پہنچادوں گا...... یہ میں تم سے پکا وعدہ کرتا ہوں“۔

اس قسم کا سوال ہر بار اس سے کیا جاتا تھا...... اسے معلوم تھا کہ یہ فوجی جھوٹ بول رہا ہے...... عمران یہ کہتے کہتے رک گیا کہ اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے...... وہ پاکستانی جاسوس نہیں ہے...... اسے اچانک ایک خیال سوجھ گیا...... اس نے سکھ فوجی کیپٹن کی طرف دیکھ کر کہا۔

”سردار جی! اگر آپ مجھے یقین دلادیں کہ میں نے آپ کو اپنے ساتھیوں کے نام اور ان کے بھارت میں خفیہ اڈوں اور اپنے مشن کے بارے میں بتادیا تو آپ میری جان بخشی کرادیں گے تو میں یہ سب کچھ صحیح صحیح بتانے کو تیار ہوں“۔

سردار جی آخر سردار جی تھے...... عمران کے انکشاف سے انہیں ان کے خیال میں دہشت گردوں کے ایک پورے گروہ کو پکڑنے کا موقع مل رہا تھا اور اس کارنامے پر انہیں میجر کے عہدے پر ترقی بھی مل سکتی تھی...... وہ فوراً بولے۔

”عزیزالدین! میں واہگورو کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم نے مجھے اپنے ساتھیوں کے نام ان کے خفیہ اڈوں اور اپنے مشن کے بارے میں سب کچھ بتادیا تو میں تمہیں سلطانی گواہ بنادوں گا اور اپنے کمانڈنگ افسر سے کہہ کر تمہاری جان بخشی کرادوں گا“۔

عمران نے اندھیرے میں جو تیر چلایا تھا وہ اگر ٹھیک نشانے پر نہیں بیٹھا تھا مگر نشانے کے قریب ضرور لگا تھا...... عمران کا اس قسم کے بیان سے مقصد صرف اتنا تھا کہ اس سے اسے اتنی سہولت مل جائے کہ اسے ہتھکڑی وغیرہ نہ لگے اور فرار ہونے میں قدرے آسانی ہو...... اپنے ساتھیوں کے نام اور خفیہ اڈوں کے بارے میں کچھ بتانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... عمران نے سکھ کیپٹن سے کہا۔

”سردار جی! میں نیا نیا جہاد کشمیر میں آیا ہوں...... مجھے اس قسم کی جاسوسی کا تجربہ نہیں ہے...... مجھے کوئی تربیت بھی نہیں ملی...... میں دل کا مریض بھی ہوں اور مجھے بلڈ

پریشر کی شکایت بھی ہے...... میں نے آپ کے سامنے سب کچھ بتادینے کا اعتراف کیا ہے تو میں آپ کو سب کچھ بتادوں گا، لیکن ابھی مجھ پر اچانک پکڑے جانے کے صدمے کا گہرا اثر ہوا ہے اور میرا دل بار بار ڈوب سا رہا ہے...... میری آپ سے درخواست ہے کہ مجھے کوئی ایسی دوائی لادیں جو میرے دل کو ذرا طاقت دے...... دوسری مہربانی یہ کریں کہ مجھے کسی ایسی جگہ رکھیں جہاں باہر سے مجھے تازہ ہوا آتی رہے...... اگر یہ سب کچھ نہ کیا گیا تو مجھے ڈر ہے کہ مجھ پر دل کا دورہ پڑ جائے گا اور میں تین چار روز تک بے ہوش رہوں گا...... پہلے ایک بار مجھ پر ایسا دورہ پڑ چکا ہے“۔

سکھ کیپٹن نے کہا۔

”میں اس کا انتظام کردوں گا“۔

یہ کہہ کر سکھ فوجی کیپٹن اٹھ کر چلا گیا...... کمرے کا دروازہ بند کردیا گیا اور باہر ایک مسلح فوجی پہرے پر کھڑا ہوگیا...... ایک گھنٹے بعد سکھ کیپٹن آیا...... اس نے دو گولیاں عمران کو دیں اور کہا۔

”اسے نگل جاؤ...... تمہارا دل بالکل ٹھیک ہوجائے گا...... یہ بڑی پیٹنٹ دوائی ہے میں نے اپنے کمانڈنگ افسر سے بات کرلی ہے...... اس کی اجازت سے ہم تمہیں شہر سے باہر ایک کھلی جگہ پر لے جارہے ہیں“۔

رات گہری ہوتی جارہی تھی...... عمران کو اس بند کمرے میں کھانے کے لئے ابلے ہوئے چاول اور کسی سبزی کا بدذائقہ شوربہ دیا گیا...... اس کے بعد سکھ کیپٹن آیا...... اس کے ساتھ دو مسلح فوجی بھی تھے...... سکھ کیپٹن نے کہا۔

”ہم تمہیں یہاں سے ایک دوسری جگہ لے جارہے ہیں...... چلو“۔

پولیس ہیڈکوارٹر کے باہر ایک فوجی گاڑی کھڑی تھی...... عمران کو ہتھکڑی نہیں لگائی گئی تھی...... صرف اس کے دونوں ہاتھ پیچھے لے جاکر رسی سے باندھ دیئے گئے تھے اور رسی ایک فوجی نے پکڑ رکھی تھی...... فوجی گاڑی میں بھی دو مسلح فوجی عمران

کے دائیں بائیں بیٹھے تھے اور گاڑی رات کی روشنیوں اور اندھیرے میں کسی نامعلوم مقام کی طرف جا رہی تھی...... سکھ فوجی کیپٹن فوجی ڈرائیور کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا...... گاڑی شہر سے باہر نکل کر اونچی نیچی سڑکوں پر سے گزر رہی تھی...... ان سڑکوں پر درخت جھکے ہوئے تھے اور اندھیرا بھی تھا...... پندرہ بیس منٹ تک فوجی گاڑی ان سڑکوں پر چلتی رہی...... پھر ایک عمارت کے احاطے میں داخل ہو کر رک گئی......

عمران کو نیچے تارا گیا...... سامنے ایک پرانی اک منزلہ بارک نما عمارت تھی جس کے گرداگرد دس پندرہ فٹ اونچی دیوار چلی گئی تھی...... احاطے کے گیٹ پر دو مسلح فوجی آمنے سامنے کھڑے پہرہ دے رہے تھے...... عمارت کے ایک کمرے میں عمران کو لایا گیا...... سکھ کیپٹن نے عمران سے کہا۔

"میں کھڑکی کھول دیتا ہوں...... یہاں تمہیں جنگل کی طرف سے تازہ ہوا آتی رہے گی"۔

اس نے کھڑکی کھول دی...... کھڑکی میں سے واقعی تازہ ہوا اندر آنے لگی...... یہ چھوٹی سی بارک تھی جس میں صرف یہی ایک کھڑکی تھی...... ایک دھیمی روشنی والا بلب روشن تھا...... عمران نے دیکھ لیا تھا کہ کھڑکی میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہیں...... یہاں اس کے لئے ایک چارپائی ڈال دی گئی تھی...... ایک پرانا سا کمبل چارپائی پر بچھا ہوا تھا...... ایک پرانا بوسیدہ کمبل پائنتی کی طرف پڑا تھا...... سکھ کیپٹن نے کہا۔

"میں اس سے زیادہ تمہارے لئے اور کچھ نہیں کر سکتا، لیکن جس وقت تم نے اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتا دیا اس کے بعد میں کوشش کروں گا کہ تمہیں کسی فوجی ہسپتال میں پہنچا دیا جائے، جہاں تمہارا باقاعدہ علاج ہو سکے"۔

عمران نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ایک گہرا سانس لیا اور بولا۔

"سردار جی! اب میں لیٹ جانا چاہتا ہوں...... آپ کی دوائی نے مجھے کچھ فائدہ دیا ہے"۔

سکھ کیپٹن بولا۔

"بے شک تم آرام کرو...... میں صبح تمہارے پاس آؤں گا...... میرے ساتھ انٹیلی جنس کا ایک میجر بھی ہو گا...... کل تمہیں اپنے ساتھیوں کے نام اور ان کے خفیہ اڈوں کا پتہ ضرور بتا دینا ہو گا"۔

عمران نے کہا۔

"میں نے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کروں گا...... فکر نہ کریں"۔

سکھ فوجی کیپٹن باہر نکل گیا...... اس نے دروازہ بند کر دیا...... عمران کو باہر کوئی فوجی پہرے پر کھڑا دکھائی نہ دیا...... سکھ کیپٹن نے دروازہ بند کر دیا...... عمران کو دروازے کو تالا لگانے کی آواز آئی...... جب وہاں خاموشی چھا گئی تو عمران آہستہ سے چارپائی سے اٹھ کر دروازے کے پاس گیا...... دروازہ بڑا بھاری اور مضبوط لکڑی کا تھا...... اس میں کوئی درز وغیرہ بھی نہیں تھی کہ وہ باہر دیکھ سکتا...... اس نے کان لگا دیا...... باہر سے کسی فوجی کے چل پھر کر پہرہ دینے کی آواز نہیں آ رہی تھی...... بارک کے باہر فوجی گارڈ ضرور موجود تھی...... عمران نے دروازے کو باہر کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی مگر دروازہ چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم تھا...... عمران وہاں سے کھڑکی کے پاس آ گیا...... اس نے کھڑکی میں لگی ہوئی سلاخوں کا جائزہ لیا...... اس نے دیکھا کہ سلاخیں کھڑکی کے چوکھٹے کی بجائے چوکھٹ کی اینٹوں میں دھنسی ہوئی تھیں...... یہ اینٹیں پتھر کی تھیں...... عمران نے ایک سلاخ کو پکڑ کر ہلایا...... سلاخ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلی...... اس نے سلاخوں کے قریب منہ لے جا کر دوسری طرف دیکھا...... باہر اندھیرا تھا...... اندھیرے میں اسے کھڑکی کے نیچے ایک ڈھلان سی دکھائی دی...... وہ چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا۔

اس کا ذہن بہت کچھ سوچ رہا تھا...... کچھ دیر وہ چارپائی پر بیٹھا سوچتا رہا...... پھر اٹھا اور دوبارہ کھڑکی کے پاس آ گیا...... وہ ایک بار پھر سلاخوں کو باری باری پکڑ کر ہلانے کی

کوشش کرنے لگا...... اس نے محسوس کیا کہ ایک سلاخ تھوڑا سا ہلی تھی...... اس نے اسی سلاخ پر اپنی توجہ مرکوز کر لی...... اس نے سلاخوں میں سے ہاتھ باہر نکال کر اس پتھر کو ٹٹولا جہاں سلاخ نیچے تک ٹھنسی ہوئی تھی...... سلاخ دو پتھروں کے درمیان دھنسی ہوئی تھی...... عمارت کے بوسیدہ ہونے کی وجہ سے پتھروں کے کنارے جھڑ گئے تھے اور سلاخ اپنی جگہ سے تھوڑا سا ہل گئی تھی...... عمران نے سلاخ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر آگے پیچھے دو تین جھٹکے دیئے...... جھٹکے دینے سے سلاخ تھوڑا سا اور ہل گئی......

عمران نے چارپائی پر تہہ کیا ہوا پرانا کمبل اٹھایا...... اس کو اپنے ہاتھ کے گرد جتنا لپیٹا جا سکتا تھا لپیٹا اور اپنی جگہ سے ہلی ہوئی سلاخ کے ساتھ زور آزمائی کرنے لگا، بار بار ایسا کرنے سے جن پتھروں کے درمیان سالہا سال سے سلاخ پھنسی ہوئی تھی ان کے کنارے اور جھڑ گئے اور سلاخ پہلے سے زیادہ ہلنے لگی...... عمران کا حوصلہ بڑھ گیا...... اس کے سامنے فرار کا یہی ایک راستہ تھا اور یہی ایک رات تھی...... ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی تھا...... جب وہ سلاخ کو بار بار دبانے اور ہلکے ہلکے جھٹکے دینے سے تھک گیا تو اس نے کمبل کو لپیٹا اور چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا۔

وہ اٹھ کر دروازے کے پاس گیا...... دروازے کے ساتھ کان لگا کر باہر کی آوازیں سننے کی کوشش کی...... باہر سناٹا تھا...... صاف معلوم ہو رہا تھا کہ مقفل دروازے کے باہر کوئی فوجی جوان پہرہ نہیں دے رہا...... ورنہ اس کے بوٹوں کی آواز ضرور کسی وقت آ جاتی...... دور سے کسی فوجی کے دوسرے فوجی کو اونچی آواز میں کچھ کہنے کی آواز ضرور آئی اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی...... عمران نے بارک کا جائزہ لیا...... وہاں سوائے چارپائی کے اور کچھ نہیں تھا...... عمران ایک بار پھر ہمت کر کے اٹھا...... کمبل کے ایک پلو کو اپنے ہاتھوں کے گرد لپیٹا اور کھڑکی کے پاس جا کر پہلے سے ہلی ہوئی سلاخ کے ساتھ لگایا اور سلاخ کو ہلکے ہلکے جھٹکے دینے شروع کر دیئے...... سلاخ نے عمران کو بتا دیا تھا کہ اگر تم تھوڑی اور جان ماری سے کام لو تو میں اپنی جگہ سے

اکھڑ سکتی ہوں...... عمران پوری طاقت سے سلاخ کو آگے کی طرف جھٹکے دینے لگا...... سلاخ پتھروں کے درمیان سے اچانک کھسک کر باہر کی طرف نکل گئی...... یہ بہت بڑی کامیابی تھی...... عمران پتھروں کو ٹٹول کر اکھاڑنے کی کوشش کرنے لگا...... یہ پتھر بھوپال کی تیز بارشوں کی مار کھا کھا کر ختم ہو چکے تھے...... ایک پتھر تھوڑی کوشش کرنے کے بعد اپنی جگہ سے اکھڑ گیا...... عمران نے اکھڑی ہوئی سلاخ کو آگے کی طرف کافی ٹیڑھا کر دیا تھا...... اس نے پتھر اندر کھینچ لیا...... پھر دوسری سلاخ کے ساتھ کمبل کی گدی بنا کر رکھی اور پتھر کی اینٹ زور سے کمبل کی گدی پر ماری...... کمبل کی گدی کی وجہ سے آواز پیدا نہ ہوئی...... عمران یہی چاہتا تھا...... چھ سات ضربوں کے بعد دوسری سلاخ بھی اپنی جگہ سے ہل گئی...... عمران اپنے کام میں لگا رہا...... یہاں تک کہ دوسری سلاخ کا پتھر بھی اپنی جگہ سے باہر کی طرف اکھڑ گیا اور سلاخ باہر نکل گئی...... عمران نے اسے بھی دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کافی اوپر تک ٹیڑھا کر دیا۔

اتنی کامیابی کے بعد عمران جلدی سے پیچھے ہٹ گیا...... اس نے پہلا کام یہ کیا کہ دیوار کے ساتھ لگا ہوا بٹن دبا کر کوٹھڑی کی بتی بجھا دی...... اب اس نے پوری تن دہی سے اپنا کام شروع کر دیا...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ دروازے کے پاس جا کر کان دروازے کے ساتھ لگا کر دیکھ لیتا تھا کہ باہر کوئی آواز تو نہیں آ رہی...... باہر خاموشی چھائی ہوئی تھی...... عمران طاقتور اور مضبوط ڈیل ڈول کا جوان تھا...... وہ تھک ضرور گیا مگر اس نے ہمت نہیں ہاری تھی...... یہ اس کی زندگی اور موت کا سوال بھی تھا...... قدرتی بات ہے کہ آدمی کو سامنے موت نظر آ رہی ہو تو ایک بار اس کے اندر زبردست طاقت بیدار ہو جاتی ہے۔

ایک گھنٹے کی کوشش کے بعد عمران کھڑکی کی چار سلاخیں اکھاڑنے میں کامیاب ہو گیا...... اس نے کندھوں تک اپنا جسم کھڑکی سے باہر کر کے اندازہ لگا لیا کہ وہ اب کھڑکی میں سے گزر سکتا ہے...... اب سوال یہ تھا کہ کھڑکی کے نیچے کیا ہے...... کھڑکی

کے نیچے جو کچھ بھی ہو اسے ہر حالت میں باہر کود جانا تھا...... اس نے سر باہر نکال کر اندھیرے میں بڑے غور سے دیکھنے کی کوشش کی...... اسے محسوس ہوا کہ جھاڑیاں ہی جھاڑیاں ہیں جو ڈھلان پر نیچے چلی گئی ہیں...... چار سلاخوں کے اکھڑ جانے سے کھڑکی میں کافی جگہ پیدا ہو گئی تھی...... اب وہ ایک سیکنڈ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا...... اس نے کمبل کو اپنے گرد اچھی طرح سے لپیٹا اور کھڑکی کے پاس آکر پہلے اپنی ٹانگیں باہر نکالیں...... اس کے بعد انتہائی احتیاط سے کام لیتے ہوئے اس نے کھڑکی کی چوکھٹ کو مضبوطی سے پکڑ کر اپنے آپ کو اوندھا کر لیا...... وہ منہ سامنے کی رخ کر کے نیچے نہیں کودنا چاہتا تھا...... اس طرح کودنے سے وہ زخمی ہو سکتا تھا...... وہ اس طرح کودنا چاہتا تھا کہ اس کا چہرہ کھڑکی کی جانب ہو...... یہ کام بڑا مشکل تھا، لیکن اس نے بڑی مہارت سے کام لیتے ہوئے کھڑکی میں اپنے آپ کو گھما کر اپنا چہرہ کھڑکی کی طرف کر لیا...... ایسا کرنے کے فوراً بعد اس نے دونوں ہاتھوں سے چوکھٹ کو مضبوطی سے پکڑ کر اپنا جسم نیچے لٹکا دیا...... کمبل اس کے جسم سے کھسکنے لگا تھا۔

عمران نے دونوں ہاتھ چھوڑ دیئے...... نیچے گرتے وقت اس نے بڑی تیزی کے ساتھ کمبل اوپر کر کے اپنا سر بازوؤں میں چھپا لیا تھا اور خود کو گیند کی طرح بنا لیا تھا...... وہ جھاڑیوں کے اوپر جا کر گرا...... ایک جھاڑی سے دوسری اور دوسری سے تیسری جھاڑی پر وہ گرتا ہی چلا گیا...... یہاں زمین کی ڈھلان تھی جس کی وجہ سے وہ سیدھا زمین پر گرنے سے بچ گیا...... وہ گیند کی طرح لڑھکتا ہوا ایک جگہ رک گیا...... کمبل نے بھی اسے بچا لیا تھا...... وہ فوراً اٹھا...... کمبل اتار کر پرے پھینکا اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا کہ وہ کس جگہ پر ہے...... وہاں جھاڑ جھنکاڑ اور گھاس کے سوا اور کچھ نہیں تھا...... اندھیرے میں اس نے ایک طرف دوڑنا شروع کر دیا...... وہ قید خانے کی چار دیواری سے جتنی دور ہو سکے نکل جانا چاہتا تھا...... جھاڑیوں سے ٹکراتا...... گھاس کو روندتا...... اندھیرے میں سامنے آتے ہوئے درختوں سے اپنے آپ کو بچاتا ہوا

بھاگتا چلا جارہا تھا...... یہاں تک کہ وہ ایک چھوٹی سی سڑک پر نکل آیا...... اس کا سانس پھول گیا تھا، مگر دم لینے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے بھی رکنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا...... سڑک کی دوسری جانب کافی دور اسے شہر کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں...... وہ شہر کی طرف نہیں جانا چاہتا تھا...... اس نے دوسری طرف دوڑنا شروع کر دیا...... آگے ایک نالہ سا آگیا...... اس پر پل بنا ہوا تھا...... وہ پل پار کر گیا...... ایک کتا کسی طرف سے نکل کر اس کے پیچھے کچھ دور بھاگا...... پھر ایک جگہ رک کر زور زور سے بھونکتا رہا۔

عمران بدستور دوڑتا رہا...... چھوٹی کچی سڑک کھیتوں کے درمیان آگئی...... دونوں جانب کھیتوں میں فصل کھڑی تھی...... وہ بری طرح ہانپ رہا تھا...... پندرہ بیس سیکنڈ کے لئے وہ رک گیا...... اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا...... جس فوجی بارک کے قید خانے سے وہ نکل کر فرار ہوا تھا وہ اسے نظر نہیں آرہا تھا...... اس طرف کوئی روشنی بھی نہیں تھی...... اتنا اسے اندازہ تھا کہ وہ کافی دور نکل آیا ہے...... صبح سے پہلے اس کے فرار کا کسی کو علم ہونے کا بھی امکان نہیں تھا، لیکن اس کے فرار کا علم ہوتے ہی پولیس اور فوج نے سارے شہر کو گھیرے میں لے کر تمام راستوں کی ناکہ بندی کر کے اس کی تلاش شروع کر دینی تھی...... اس نے دوبارہ بھاگنا شروع کر دیا...... کھیتوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا...... وہ دوڑنے کی بجائے اب تیز تیز چلنے لگا تھا...... دوڑنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے...... تیز چلنے سے اسے کچھ سکون ملا...... کھیتوں کی اونچی فصل سے وہ باہر آیا تو یہ دیکھ کر اسے تشویش ہوئی کہ جس طرف وہ جارہا تھا اس طرف بھی دور جھلملاتی روشنیوں کی قطار مغرب سے مشرق تک چلی گئی تھی...... اس کا مطلب تھا کہ آگے بھی بھوپال شہر کی آبادی تھی...... وہ جنگل میں کسی طرف نکل جانا چاہتا تھا...... وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بھوپال شہر کے ارد گرد گھنے جنگلات ہیں، لیکن وہ ابھی تک شہر کی حدود کے اندر ہی تھا۔

اس کے سامنے اور کوئی راستہ نہیں تھا...... یہ سوچ کر کہ وہ ان روشنیوں کے درمیان سے گزر کر جنگل کا کوئی راستہ تلاش کرے گا وہ روشنیوں کی طرف چلنے لگا...... اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا تھا...... اس نے اپنی صدری کے بٹن کھول رکھے تھے...... تیز چلنے سے اسے ٹھنڈی ہوا ضرور لگ رہی تھی...... آبادی کی روشنیاں قریب ہوتی جا رہی تھیں اس نے دیکھا کہ ایک جگہ روشنیاں ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھیں...... وہ ان کے درمیان جو خالی اور تاریک جگہ تھی وہاں سے آگے نکلنا چاہتا تھا کہ شاید آگے کوئی جنگل شروع ہو جائے...... وہ ایک میدان میں سے گزر رہا تھا...... ایک جگہ اسے دو خالی ٹرک کھڑے نظر آئے...... وہ ان سے ہٹ کر نکل گیا...... روشنیوں کے درمیان جو خالی جگہ تھی وہاں ایک گراؤنڈ تھی...... گراؤنڈ کی دونوں جانب جدید وضع کی چند ایک بلند عمارتیں تھیں جن میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی...... عمران گراؤنڈ میں داخل ہو گیا...... وہ گراؤنڈ کی دوسری طرف نکل گیا...... دوسری طرف کسی کالونی کی آبادی شروع ہو گئی...... وہاں دو ایک دکانیں کھلی تھیں...... وہاں انڈیا کے فلمی گانوں کی ریکارڈنگ ہو رہی تھی...... شاید یہ کوئی ریستوران تھا۔

عمران ان سے بچتا ہوا آگے نکل گیا...... آگے ایک بستی آ گئی جو کافی بڑی تھی...... اس کے مکان ٹیلے کی ڈھلان تک پھیلتے چلے گئے تھے جہاں روشنیاں جھلملا رہی تھیں...... عمران ایک طرف کھڑے ہو کر سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہئے...... کس طرف جانا چاہئے...... وہ ان روشنیوں میں سے اس آبادی میں سے نکل جانا چاہتا تھا، لیکن بھوپال کی ان مضافاتی بستیوں اور کالونیوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا...... یہ اسے اندازہ تھا کہ مغرب کس طرف ہے اور جنوب کس طرف ہے...... بمبئی جو اس کی منزل تھی مغرب کی طرف تھا...... عمران کے لئے وہاں رکنا کسی طرح بھی ٹھیک نہیں تھا...... اس نے مغرب کی جانب جس طرف بمبئی شہر تھا چلنا شروع کر دیا...... مضافاتی آبادیوں کے مکان قریب ہوتے جا رہے تھے...... وہ ایک طرف کو

ہٹ کر چلنے لگا...... وہ ان مکانوں کے پہلو سے ہو کر نکل جانا چاہتا تھا...... اس کے سامنے ایک سڑک تھی جس کی دونوں جانب فاصلے فاصلے پر کھمبوں پر روشنی ہو رہی تھی...... وہ ان کھمبوں کے درمیان میں سے گزر کر سڑک کی دوسری جانب چلا گیا...... سڑک کے آگے دور تک اندھیرے کا خلا تھا...... عمران نے اس طرف رخ کر لیا...... کچھ دور چلنے کے بعد دونوں جانب سے درخت قریب آنے لگے...... عمران نے پیچھے مڑ کر دیکھا...... بھوپال کی مضافاتی کالونی کی روشنیاں اس سے دور ہوتی جا رہی تھیں...... وہ یہی چاہتا تھا...... وہ کہیں رکے بغیر چلتا گیا...... جھاڑیاں اور درخت گھنے ہونا شروع ہو گئے۔

وہ سمجھ گیا کہ جنگل شروع ہو گیا ہے...... پیچھے پولیس کا ڈر تھا اب آگے جنگلی درندوں کا خطرہ تھا...... شیر وغیرہ عام طور پر رات کو ہی اپنے شکار کی تلاش میں نکلا کرتے ہیں، مگر وہ رکے بغیر جنگل کے اندر چلتا رہا...... جھاڑیاں اور درختوں کی شاخیں اور درختوں سے لپٹی اور لٹکتی ہوئی بیلیں بار بار اس کا راستہ روک رہی تھیں...... ذرا آگے آ کر اسے پانی کے چلنے کی آواز آئی...... اس کو پیاس لگ رہی تھی...... وہ پانی کی آواز کے رخ پر چلنے لگا...... یہ ایک چھوٹا سا نالہ تھا...... پیچھے کی طرف سے پانی آ کر پتھروں سے ٹکراتا ہوا آگے کو بہہ رہا تھا...... عمران نے بیٹھ کر منہ ہاتھ پاؤں دھوئے...... پانی پیا...... ذرا سا تازہ دم ہوا اور نالا پار کر کے چلنے لگا...... وہ چند قدم چلا ہو گا کہ آگے درختوں کے درمیان سے اسے دور کچھ روشنیاں جھلملاتی نظر آئیں...... شاید جنگل کے اس چھوٹے سے ٹکڑے کے پار کسی نئی کالونی کی آبادی شروع ہو گئی تھی...... بھوپال بہت بڑا صنعتی شہر بن گیا ہوا تھا اور اس کی آبادی دور دور تک پھیل گئی تھی...... یہ روشنیاں عمران کے لئے خطرے کی علامت تھیں۔

عمران اس آبادی سے بھی آگے نکل جانے کے خیال سے روشنیوں کی طرف چل پڑا...... جنگل ختم ہونے کے بعد ایک چھوٹا سا میدان تھا...... اس کے بعد ایک پکی سڑک آ گئی...... اس سڑک پر بجلی کے کھمبے نہیں تھے...... اندھیرا تھا...... اس نے

سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر روشنیوں کا جائزہ لیا...... یہ عمارتوں کی روشنیاں تھیں اور مغرب سے مشرق تک نصف دائرے کی شکل میں پھیلی ہوئی تھیں...... ایک طرح سے ان روشنیوں نے عمران کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا...... روشنیوں کی طرف جانے کی بجائے عمران نے سڑک پر چلنا شروع کر دیا...... اس کا رخ مغرب کی جانب یعنی بمبئی کی طرف تھا...... اسے بھوپال سے بمبئی جانے والی ریلوے لائن کی تلاش تھی، تاکہ اس کی سمت بھی صحیح ہو جائے اور وہ شہر سے دور کسی جنگل میں نکل جائے...... سڑک پر کوئی روشنی نہیں تھی...... عمران سڑک کے کنارے کنارے تیز تیز قدم اٹھاتا چلا جارہا تھا...... آبادی کی روشنیاں اس کی بائیں جانب پیچھے کی طرف جارہی تھیں...... جب وہ آبادی کی آخری روشنی کے قریب پہنچا تو اسے پولیس کی گاڑی کے سائرن کی آواز سنائی دی...... اس نے رک کر پیچھے دیکھا...... سڑک پر کسی گاڑی کی روشنی دکھائی نہ دی...... پولیس کی گاڑی کے سائرن کی آواز آبادی کی جانب سے آرہی تھی...... اس کا مطلب تھا کہ پولیس کو اس کے فرار کا پتہ چل گیا تھا اور وہ اس کی تلاش میں نکل آئی تھی۔

بڑی خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی تھی...... سائرن کی آواز قریب آتی جارہی تھی...... ایسے لگتا تھا کہ تھوڑی دیر بعد پولیس کی گاڑی اسی سڑک پر آنے والی تھی جس سڑک پر وہ چلا جارہا تھا...... عمران فوراً سڑک سے ہٹ کر کھیتوں میں دوڑ پڑا...... کھیت ختم ہو گئے...... بنجر زمین شروع ہو گئے...... پولیس کے سائن کی آواز زیادہ قریب سے سنائی دینے لگی تھی...... پولیس کی گاڑی شاید سڑک پر آگئی تھی...... عمران کو محسوس ہوا کہ پولیس اس کے سر پر پہنچ گئی ہے...... وہ اور تیز بھاگنے لگا...... سائرن کی آواز مسلسل اس کا پیچھا کر رہی تھی...... جیسے پولیس نے اسے دیکھ لیا تھا اور اب اس کو پکڑنے اس کی طرف تیزی سے بڑھی چلی آرہی تھی...... وہ بنجر میدان عبور کر گیا...... اب سائرن کی آواز کے ساتھ پولیس کے سپاہیوں کے اونچی آواز میں بولنے کی آوازیں بھی آنے لگی

تھیں...... وہ سمجھ گیا کہ اب اس کا بچنا مشکل ہے...... رات کے اندھیرے میں اندھا دھند بھاگتے ہوئے اسے ایک عمارت کا ہیولا سا دکھائی دیا...... جو تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی...... گھبراہٹ میں بغیر سوچے سمجھے وہ اس عمارت میں گھس گیا...... اس کا دروازہ کھلا تھا...... جیسے ہی وہ عمارت کی تاریک ڈیوڑھی میں آیا اسے ایک عورت کی آواز سنائی دی۔

"اوپر آجاؤ"۔

اس نے اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھا...... اسے اپنے قریب کوئی عورت دکھائی نہ دی...... عورت کی آواز دوبارہ آئی۔

"کونے میں سڑھیاں ہیں...... سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آجاؤ"۔

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے...... اس نے سوچا شاید یہ عورت کوئی رحم دل خاتون ہے اور اسے کہیں چھپا لے...... وہ کونے کی طرف بڑھا...... وہاں ایک زینہ اوپر کو جاتا تھا...... عمران زینہ چڑھ کر اوپر کی منزل میں آگیا...... اوپر ایک دالان تھا...... یہاں بھی اندھیرا تھا...... اندھیرے میں دالان کے ستون اور ایک طرف کو جھکا ہوا چھجہ عمران کو دھندلا دھندلا نظر آرہا تھا...... اسے وہ عورت کہیں نظر نہیں آرہی تھی جس نے اسے اوپر بلایا تھا...... اس دوران پولیس کے سائرن کی آواز بند ہو گئی تھی لیکن سپاہیوں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں جو دور سے قریب آتی جارہی تھیں...... عمران پچھتانے لگا کہ خواہ مخواہ اوپر آگیا...... اسے اس عمارت میں داخل ہی نہیں ہونا چاہئے تھا...... وہ بھاگ رہا ہوتا تو اب تک دور نکل گیا ہوتا...... پولیس تو اسی عمارت کی طرف آرہی تھی...... عمران نے اسی وقت وہاں سے نکل کر اندھیرے میں بھاگ جانے کا فیصلہ کر لیا...... جیسے ہی وہ دالان کے زینے کی طرف بڑھا...... اسے عورت کی آواز ایک بار پھر آئی۔

"یہ غلطی مت کرنا...... پکڑے جاؤ گے"۔

عمران نے کہا۔

"پولیس اسی طرف آرہی ہے...... میں یہاں بھی پکڑا جاؤں گا...... تم کون ہو؟"۔

عورت کی آواز آئی۔

"یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی کہ میں کون ہوں...... ابھی میں جیسے کہتی ہوں وہی کرو...... دالان کے کونے میں ایک کوٹھڑی ہے وہاں جاکر چھپ جاؤ"۔

سپاہیوں کی آوازیں عمارت کے باہر سے آنے لگی تھیں...... کسی نے اونچی آواز میں کہا۔

"عمارت کو گھیرے میں لے لو...... مفرور جاسوس اسی عمارت میں چھپا ہوا ہے"۔

اب عمران باہر نہیں جاسکتا تھا...... وہ دوڑ کر دالان کے کونے والی کوٹھڑی میں گھس گیا اور اس نے دروازہ بند کرلیا...... وہ اندر سے کنڈی لگانے لگا تو عورت کی آواز آئی۔

"کنڈی نہ لگانا کونے میں بیٹھ جاؤ"۔

آواز نہ نکالنا۔

عمران جلدی سے کوٹھڑی کی دیواروں کو اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا کونے میں جاکر بیٹھ گیا...... کوٹھڑی میں گھپ اندھیرا تھا...... کچھ نظر نہیں آرہا تھا...... سپاہیوں کے زینے پر چڑھنے کی آواز آئی...... عمران کے دل کی دھڑکن قدرتی طور پر تیز ہوگئی...... اسے اس عورت پر کوئی اعتبار نہیں تھا جو سامنے نہیں آرہی تھی اور اسے گائیڈ کررہی تھی...... عمران سے جو حماقت ہونی تھی ہوگئی تھی...... اس کے سوا اب کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ خاموشی سے اللہ پر بھروسہ کرکے وہیں دبکا رہے۔

سپاہی دالان میں آگئے تھے...... کسی نے کہا۔

"یہاں تو کوئی نہیں ہے"۔

اس کے جواب میں ایک کرخت آواز آئی۔

"دو آدمی اوپر چھت پر جاؤ"۔

اس کے ساتھ ہی کوٹھڑی کے دروازے کی درزوں میں سے عمران کو ٹارچ کی روشنی نظر آئی...... پولیس کے سپاہی ٹارچ کی روشنی میں اسے تلاش کررہے تھے...... کوٹھڑی کا دروازہ بند تھا...... پولیس باہر دالان میں تھی...... پولیس کے پاس ٹارچیں تھیں...... عمران کو یقین ہوگیا کہ اب وہ بچ نہیں سکتا...... وہ اپنی حماقت پر افسوس کرنے لگا، لیکن اب پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا...... جو ہونا تھا ہوگیا تھا...... اتنے میں کسی سپاہی نے کوٹھڑی کے دروازے کو لات مار کر چوپٹ کھول دیا اور کوٹھڑی میں بیک وقت دو تین ٹارچوں کی روشنی پڑی...... کوٹھڑی روشن ہوگئی...... کونے میں دبک کر بیٹھا ہوا عمران صاف نظر آنے لگا...... عمران نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے تیار کرلیا تھا...... ایک ٹارچ کی تیز روشنی براہ راست اس پر پڑی...... کسی نے پیچھے سے آواز دے کر پوچھا۔

"ابے سالو اندر کوئی ہے کہ نہیں؟"۔

جو سپاہی کوٹھڑی کے دروازے میں کھڑے اندر ٹارچ کی روشنی ڈال رہے تھے ان میں سے ایک نے کہا۔

"نہیں صاب اندر کوئی نہیں...... کوٹھڑی خالی پڑی ہے"۔

پیچھے سے وہی کرخت آواز دوبارہ سنائی دی۔

"ابے تو یہاں کیا کررہے ہو دوسری کوٹھڑیوں میں جاکر دیکھو"۔

ٹارچوں کی روشنیاں کوٹھڑی سے باہر چلی گئیں...... کوٹھڑی میں اندھیرا چھا گیا...... عمران ہکا بکا سا ہوکر بیٹھا رہا...... وہ حیران تھا کہ جب ٹارچ کی روشنیاں براہ راست اس پر پڑی تھیں تو سپاہیوں نے اسے دیکھا کیوں نہیں...... وہ انہیں نظر کیوں نہیں آیا؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا...... باہر دالان میں بھی اندھیرا چھا گیا...... پولیس کے سپاہی اس کی تلاش میں عمارت میں دوسری طرف چلے گئے تھے...... عمران

اپنی جگہ پر ساکت سا ہو کر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ وہ بچ گیا ہے، لیکن یہ معمہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ بچ کیسے گیا؟ کوٹھڑی کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا...... پولیس کے سپاہیوں کی آوازیں عمارت کے دوسرے کمروں کی طرف سے آ رہی تھیں...... سپاہی ٹارچ کی روشنی ڈالتے واپس دالان میں آ گئے...... کسی نے بلند آواز میں کہا۔

"وہ یہیں آس پاس ہی ہو گا...... علاقے کی ناکہ بندی کرو...... چلو"۔

سپاہی سیڑھیاں اترنے لگے...... اب عمارت کے باہر سے ان کی آوازیں آ رہی تھیں...... جو آہستہ آہستہ دور ہوتے ہوئے غائب ہو گئیں...... عمارت پر سناٹا چھا گیا...... وہ اس پراسرار عمارت سے باہر نہیں جا سکتا تھا...... پولیس نے باہر ناکہ بندی کر لی تھی...... وہ کوٹھڑی کے گھپ اندھیرے میں بیٹھا اس معمے پر غور کر رہا تھا کہ اتنی تیز روشنی میں وہ سپاہیوں کو کیسے نظر نہیں آیا...... اتنے میں اسی عورت کی آواز پھر آئی۔

"میں نے تمہیں پولیس کی نظروں سے چھپا لیا تھا"۔

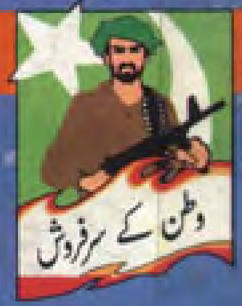
یہ پراسرار عورت اس کے خیالات کو جیسے پڑھ رہی تھی...... عمران نے بے اختیار ہو کر پوچھا۔

"خاتون! تم کون ہو؟"۔

اس سوال کا کوئی جواب نہ آیا...... کوٹھڑی کی خاموشی اور گہری ہو گئی۔



یہ پراسرار عورت کون تھی؟ کیا کمانڈو عمران اس عمارت سے بچ کر نکل سکا؟ یہ اور اس کے آگے کے سنسنی خیز واقعات آخری جلد **یلغارِ مومن** میں ملاحظہ فرمائیں۔



یلغارِ مومن





اے حمید

کمانڈو عمران نے ایک بار پھر پوچھا۔

خاتون! تم کون ہو اور یہ کیسے ہو گیا کہ پولیس مجھے روشنی میں بھی نہیں دیکھ سکی؟

کوٹھڑی میں خاموشی چھائی رہی ...... پراسرار عورت کی کسی طرف سے کوئی آواز نہ آئی...... عمران کو خیال گزرا کہ شاید وہ مجھے پولیس سے بچا کر جا چکی ہے...... اس نے ایک بار پھر اندھیرے میں اسے آواز دی...... اس بار پراسرار عورت کی آواز آئی۔

''تم بہت بولتے ہو...... چپ نہیں رہ سکتے؟''۔

وہ چپ ہو گیا، اسے تسلی ہو گئی تھی کہ یہ عورت کوٹھڑی میں موجود ہے اور اسے ضرور کوئی ایسا خفیہ راستہ بتا دے گی جہاں سے وہ پولیس کی ناکہ بندی توڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو سکے گا...... جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں...... کمانڈو عمران بھارتی فوج کی قید سے سلاخیں توڑ کر فرار ہوا تھا اور یہ بھوپال شہر کے آس پاس کے علاقے کی ایک کھنڈر نما عمارت تھی جہاں اس نے بھاگ کر پناہ لی تھی، کیونکہ اس کے فرار کا انڈین آرمی کو پتہ چل گیا تھا اور پولیس اس کا پیچھا کرتے اس کھنڈر نما عمارت میں پہنچ گئی تھی...... وہ اس پراسرار عورت کی غیبی آواز کی ہدایت پر کھنڈر کی دوسری منزل کی ایک کوٹھڑی میں چھپ گیا تھا...... پولیس بھی اوپر آ گئی تھی...... سپاہی دروازہ دھڑاک سے کھول کر کوٹھڑی میں آ گئے تھے...... انہوں نے ٹارچ کی روشنیاں ڈالی تھیں...... عمران ان کے بالکل سامنے دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھا تھا...... اس پر ان کی ٹارچوں کی روشنی

پڑ رہی تھی، مگر حیرت کی بات تھی کہ وہ انہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

یہ کیسے ہو گیا تھا؟ یہ معمہ اس کی سمجھ سے باہر تھا...... پولیس کو وہ نظر نہیں آیا تھا لیکن پولیس انسپکٹر کو یقین تھا کہ وہ اسی عمارت میں کسی جگہ چھپا ہوا ہے، چنانچہ اس نے سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ کھنڈر کے ارد گرد پھیل جاؤ اور چاروں طرف کی ناکہ بندی کر لو...... اس وقت صورت حال یہ تھی کہ عمران کھنڈر کی اندھیری کوٹھڑی میں حیرت زدہ بیٹھا تھا...... وہاں سے باہر نہیں نکل سکتا تھا...... باہر پولیس نے ناکہ بندی کی ہوئی تھی...... اگر اس نے نکل کر بھاگنے کی کوشش کی تو چاروں طرف سے اس پر گولیاں برسنے لگیں گی...... یہ عورت کوئی ماورائی مخلوق تھی...... نظر نہیں آتی تھی...... صرف اس کی آواز سنائی دیتی تھی اور اب اس کی آواز بھی خاموش ہو گئی تھی۔ بلکہ اس نے عمران کو بھی چپ رہنے کا حکم صادر کر دیا تھا۔

یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ عمران نے اپنا کمانڈو مشن کامیابی سے مکمل کر لیا تھا مگر پکڑا گیا تھا اور انڈین فوج نے اسے قید کر لیا تھا...... وہ اسے اذیتیں دے کر پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کر چکے تھے، لیکن اسے موقع مل گیا اور اس نے قید خانے کی کھڑکی کی سلاخیں اکھاڑ کر دوسری منزل سے نیچے کھائی میں چھلانگ لگا دی اور فرار ہو گیا...... وقت رات کا تھا...... اسے ممبئی پہنچنا تھا اور اپنے ماسٹر سپائی عبدالستار کے ریسٹ ہاؤس میں جانا تھا، جو ان کا خفیہ ہیڈ کوارٹر بھی تھا۔

عمران اندھیری کوٹھڑی میں خاموش ہو کر بیٹھ گیا تھا...... سوچ رہا تھا کہ رات گزرتی جا رہی ہے...... اگر صبح تک پراسرار عورت کے انتظار میں بیٹھا رہا تو دن کی روشنی میں فرار نہ ہو سکے گا...... گھات لگا کر بیٹھی ہوئی پولیس اسے دیکھتے ہی بھون کر رکھ دے گی...... آخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ پراسرار عورت کا انتظار بیکار ہے...... وہ عمارت سے جا چکی ہے...... اسے خود ہی اندھیرے میں نکل جانے کی کوشش کرنی چاہئے، جیسے ہی وہ اٹھ کر کوٹھڑی کے بند دروازے کی طرف بڑھا...... پراسرار عورت کی آواز آئی۔

"کہاں جا رہے ہو؟"۔

عمران وہیں رک گیا...... اس نے کہا۔

"جان بچا کر بھاگنے کی کوشش کرنے لگا ہوں"۔

اس کی آواز آئی۔

"مارے جاؤ گے"۔

اس نے کہا۔

"پھر تم ہی کوئی راستہ بتاؤ"۔

وہ بولی۔

"باہر نکلو...... دالان کے مغربی کونے میں ایک کوٹھڑی ہے...... اس میں ایک چھوٹی کھڑکی ہے...... کھڑکی کھولو گے تو تمہیں ایک زینہ نیچے اترتا ملے گا...... وہاں سے نیچے اتر جاؤ...... نیچے ایک خفیہ سرنگ ہے...... یہ سرنگ تمہیں پولیس کی ناکہ بندی سے دور لے جائے گی...... جاؤ"۔

عمران نے کہا۔

"خاتون! تمہارا شکریہ!"۔

اس کا کوئی جواب نہ آیا...... دبے پاؤں کوٹھڑی سے نکل کر دالان میں آیا...... وہاں سے مغرب کی جانب گیا تو ایک کوٹھڑی تھی جس کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا...... وہ اس کے اندر چلا گیا...... باہر کی طرح اندر بھی تاریکی تھی...... وہ دیوار کو ٹٹول کر آگے بڑھا...... اس کا ہاتھ ایک کھڑکی سے ٹکرایا جو بند تھی...... اس نے آہستہ سے کھڑکی کھول دی...... اندر جھانک کر دیکھا...... کچھ دکھائی نہ دیا...... ایک پاؤں آگے کر کے نیچے کیا تو نیچے زینہ تھا...... وہ بڑی احتیاط کے ساتھ زینے پر آ گیا اور ایک ایک زینے پر پاؤں رکھتا نیچے اترنے لگا...... دس بارہ سیڑھیاں اترنے کے بعد زینہ ختم ہو گیا...... وہ اندھیرے میں دیوار پر ہاتھ رکھتا آگے بڑھنے لگا...... مکڑیوں کے جالے چہرے سے

ٹکرا رہے تھے اور وہ انہیں ہاتھ سے پیچھے ہٹا رہا تھا...... یہ کوئی سرنگ نما خفیہ راستہ تھا...... فضا میں گھٹن اور سیلن تھی...... شاید وہ زمین کے نیچے چل رہا تھا...... عجیب ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی...... سرنگ کا فرش کچا تھا اور جگہ جگہ اس کے پاؤں مٹی کی چھوٹی بڑی ڈھیریوں سے ٹکرا رہے تھے...... یہ قدیم زمانے کے کسی سردار یا راجے کے کسی محل کا کھنڈر تھا جس نے ہنگامی حالات میں فرار ہونے کے واسطے محل کے نیچے ایک خفیہ سرنگ بنا رکھی تھی۔

عمران کو سانپ بچھو کا بھی ڈر لگا ہوا تھا، مگر خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک کسی سانپ بچھو نے اسے نہیں کاٹا تھا...... سرنگ ایک طرف کو گھوم گئی...... اس نے سرنگ میں کافی فاصلہ طے کر لیا تھا...... ایک جگہ پہنچ کر سرنگ دوسری مرتبہ گھومی تو سامنے سے تازہ ہوا کا جھونکا آ کر چہرے سے چھوا...... وہ سمجھ گیا کہ سرنگ ختم ہو رہی ہے اور تازہ ہوا کا جھونکا اس کے دہانے سے آیا ہے...... اس نے اپنی رفتار تیز کر دی...... وہ سامنے کی جانب دیکھ رہا تھا...... کچھ فاصلے پر اندھیرے میں سلیٹی رنگ کا دھندلا دھندلا غبار سا دکھائی دینے لگا...... اس طرف سے تازہ ہوا برابر آ رہی تھی...... وہ سلیٹی رنگ کا دھندلا غبار ستاروں کی مدھم روشنی تھی سُرنگ وہاں جا کر ختم ہو گئی تھی...... اس کے دہانے کے آگے جھاڑیاں تھیں...... اس نے سُرنگ سے باہر آ کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی...... ارد گرد اُونچے اُونچے درخت اور جھاڑیاں تھیں...... سناٹا چھایا ہوا تھا...... عمران اندازے کے مطابق مغرب کی طرف چل پڑا...... ابھی تک کسی جانب سے اس پر فائر نہیں ہوا تھا...... اس کا مطلب تھا کہ وہ پولیس کی ناکہ بندی سے بہت آگے نکل آیا تھا۔

عمران نے خدا کا شکر ادا کیا اور تیز تیز چلنے لگا۔

آسمان پر ستاروں کا نقشہ ظاہر کر رہا تھا کہ رات کافی ڈھل چکی ہے اور کچھ دیر بعد آسمان پر صبح کا نور جھلکنے والا ہے...... وہ صبح ہونے سے پہلے پہلے جتنی دور نکل سکتا تھا

نکل جانا چاہتا تھا...... بس چلتا چلا جا رہا تھا...... درختوں کے جھنڈ پیچھے رہ گئے تھے...... وہ اونچی اونچی گھاس میں سے گزر رہا تھا...... گھاس اس کے کندھوں سے بھی دو فٹ اونچی تھی...... اس میں دیہاتی لوگوں نے آنے جانے کے لئے تنگ سا راستہ بنا رکھا تھا...... وہ اسی راستے پر چل رہا تھا...... گھاس کا یہ میدان ختم ہو گیا...... سامنے کھلی جگہ آ گئی...... آگے ایک معمولی سی چڑھائی تھی...... چڑھائی چڑھ کر اوپر آیا تو دیکھا کہ یہ ریلوے لائن تھی...... وہ ریل کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ مغرب کی سمت چلنے لگا...... عمران کو اسی سمت جانا تھا۔

ریلوے لائن دیکھ کر اس کے دل کو یہ حوصلہ ہو گیا تھا کہ آگے کوئی نہ کوئی سٹیشن ضرور آئے گا...... ہو سکتا ہے وہاں سے ممبئی کی طرف جانے والی گاڑی بھی مل جائے...... اتنی اسے تسلی تھی کہ وہ پولیس کے گھیرے سے کافی دور نکل آیا ہے...... وہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلتا رہا...... ریلوے لائن کی دونوں جانب جو گھنے درختوں والا جنگل سا تھا وہ ختم ہو گیا اور کھیت شروع ہو گئے...... کھیت انسانی آبادی کی نشانی تھے...... چلتے چلتے آسمان پر صبح کا نور نمودار ہونے لگا...... ریلوے ٹریک پر دور سے سگنل کی سرخ بتی دکھائی دی...... آگے جو بھی کوئی سٹیشن تھا وہ اس کے قریب آ گیا تھا...... سگنل کے پاس پہنچتے پہنچتے آسمان پر صبح کا پہلا اجالا پھیل چکا تھا...... یہ ایک چھوٹا سا سٹیشن تھا...... دو ریلوے ٹریک تھے، لیکن پلیٹ فارم صرف ایک طرف تھا...... پلیٹ فارم پر دو ایک آدمی ہی نظر آ رہے تھے...... عمران نے ایک آدمی سے جو ریلوے کا مزدور لگتا تھا پوچھا کہ وہاں سے آگے کس طرف کو گاڑی جاتی ہے...... اس نے کہا۔

”آگے ہوشنگ آباد...... کھنڈوہ...... ناسک اور ممبئی کو گاڑیاں جاتی ہیں...... تمہیں کہاں جانا ہے؟“ عمران نے کہا۔

"مجھے ممبئی جانا ہے...... ممبئی جانے والی گاڑی کس وقت آتی ہے؟"۔

ریلوے مزدور بولا۔

"ممبئی جانے والی پسنجر میل دوپہر کے ڈیڑھ بجے آئے گی...... ابھی ایک مال گاڑی آرہی ہے...... وہ بھی ممبئی جارہی ہے، مگر اس میں تم نہیں بیٹھ سکتے...... ویسے بھی مال گاڑی یہاں دو ایک منٹ ہی ٹھہرے گی، اس میں ریلوے کا ایک بکس رکھوانا ہے"۔

ریلوے مزدور چلا گیا...... اتنے میں دو قلی ٹرالی پر ایک بڑا بکس رکھ کر لائے اور اسے پلیٹ فارم کے کنارے ایک طرف کرکے رکھ دیا...... عمران نے مال گاڑی پر سوار ہونے کا فیصلہ کرلیا...... سٹیشن ماسٹر بھی لال اور سبز جھنڈیاں ہاتھ میں پکڑے پلیٹ فارم پر آگیا...... اس کا مطلب تھا کہ مال گاڑی آنے والی تھی...... وہ پلیٹ فارم کی طرف سے مال گاڑی کے کسی ڈبے میں داخل نہیں ہوسکتا تھا...... اس طرح وہ دیکھا جاسکتا تھا...... وہ بنچ پر سے اٹھا اور ٹہلتے ٹہلتے پلیٹ فارم کے آخری سرے پر پہنچ کر لائن میں اتر گیا اور اس کی دوسری طرف کچھ فاصلے پر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا...... وہ دوسری جانب سے مال گاڑی میں سوار ہونا چاہتا تھا...... پلیٹ فارم پر دو قلی ریلوے کے بڑے بکس کے پاس آکر کھڑے ہوگئے تھے...... اس بکس کو مال گاڑی کے کسی ڈبے میں رکھنا تھا جس کی خاطر وہاں مال گاڑی پل دو پل کے لئے رک رہی تھی...... اس کی نظریں مشرق کی جانب ریلوے لائن پر جمی ہوئی تھیں، اسی طرف سے مال گاڑی کو آنا تھا...... دور سے ریل گاڑی کے انجن کی سیٹی کی آواز سنائی دی...... کچھ دیر بعد ریل گاڑی کا انجن بھی دور سے نظر آنے لگا...... مال گاڑی آہستہ آہستہ قریب ہوتی جارہی تھی۔

عمران خاموشی سے بیٹھا رہا...... مال گاڑی پلیٹ فارم پر پہنچ گئی...... دیوہیکل کوئلے کا انجن شاں شاں کرتا عمران کے قریب سے گزرا اور آگے جاکر رک گیا...... قلی اور سٹیشن ماسٹر مال گاڑی کے ڈبوں کے پیچھے چھپ گئے تھے...... عمران جلدی سے اٹھا اور مال گاڑی کے ڈبوں کے ساتھ ساتھ پیچھے کی طرف چلنے لگا...... مال گاڑی کے

ڈبے بند تھے...... ایک ڈبے کا آدھا دروازہ کھلا تھا...... عمران اس میں گھس کر کونے میں بیٹھ گیا...... مال گاڑی کا یہ ڈبہ بالکل خالی تھا...... یہ ڈبہ گاڑی کے انجن سے دو تین بوگیاں چھوڑ کر تھا...... اسے انجن میں سے سٹیم کے خارج ہونے کی آواز آرہی تھی...... ایک دو منٹ کے بعد ہی انجن نے سیٹی دی اور پھر چھک چھک کرتا چل پڑا......

جب تک مال گاڑی سٹیشن سے کافی آگے نہیں نکل گئی عمران کونے میں ہی بیٹھا رہا...... مال گاڑیاں عام طور پر تیز نہیں چلا کرتیں...... ان کی ایک خاص سپیڈ ہوتی ہے...... وہ اسی رفتار سے چلتی ہیں...... یہ مال گاڑی بھی ایک خاص سپیڈ پر جارہی تھی...... اس میں صرف ایک ہی خوبی تھی کہ اس نے کسی چھوٹے سٹیشن پر نہیں رکنا تھا۔

مال گاڑی جیسے جیسے بھوپال سے دور ہوتی جارہی تھی...... عمران اپنے آپ کو خطرے سے دور محسوس کررہا تھا...... چھوٹے چھوٹے کئی سٹیشن آئے...... مال گاڑی وہاں سے رن تھرو گزر گئی...... ریلوے مزدور کی زبانی عمران کو معلوم ہوچکا تھا کہ آگے بڑا شہر ہوشنگ آباد ہے...... مال گاڑی ہوشنگ آباد کے سٹیشن پر رک گئی...... عمران نے سر ذرا سا باہر نکال کر دیکھا...... مال گاڑی ریلوے یارڈ کے ایک پلیٹ فارم پر کھڑی تھی اور پیچھے ایک بوگی میں سے مال نکالا جارہا تھا...... گاڑی یہاں دیر تک کھڑی رہی...... عمران کونے میں چھپ کر بیٹھا رہا...... پھر انجن نے وسل دیا اور مال گاڑی چل پڑی...... آگے کھنڈوہ اور ناسک کے بڑے شہر تھے...... مال گاڑی ان شہروں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی گزر گئی...... اس کے بعد ممبئی تھا...... سورج غروب ہورہا تھا کہ مال گاڑی ممبئی پہنچ گئی...... جیسے ہی گاڑی رکی...... عمران خاموشی سے اتر گیا اور گاڑی سے ہٹ کر آگے کو چل پڑا...... گاڑی ایک چھوٹے سے پلیٹ فارم پر رکی تھی جہاں ریل کی پٹڑیوں کا وسیع جال بچھا ہوا تھا...... وہ بڑے اعتماد کے ساتھ اس طرف جارہا تھا جدھر ممبئی کے بڑے سٹیشن کی عمارت غروب ہوتے سورج میں نظر آرہی تھی...... وہ کسی نہ کسی طرح سٹیشن سے باہر ایک سڑک پر نکل آیا...... ایک جگہ نلکے پر اس نے پانی پیا۔

اس کا پیٹ خالی تھا...... اسے بھوک بھی لگ رہی تھی لیکن کمانڈو بھوک پر قابو پانا جانتا ہے...... اب اسے اپنے خفیہ ہیڈ کوارٹر یعنی ماسٹر سپائی عبدالستار کے ریسٹ ہاؤس پر پہنچنا تھا...... عبدالستار کا آفس وہاں سے کافی دور ممبئی شہر کے دوسرے کنارے پر تھا لیکن اس کا ریسٹ ہاؤس وہاں سے تین چار میل کے فاصلے پر ہی تھا۔

عمران ریسٹ ہاؤس کی طرف چل پڑا۔

ڈھلتے سورج کی گلابی روشنی میں ممبئی شہر کی عمارتیں چمک رہی تھیں...... عمران کی جیب خالی تھی...... وہ رکشا ٹیکسی پر نہیں جاسکتا تھا...... پیدل ہی چلتا رہا...... آخر اسے دور سے ناریل کے درختوں کا وہ جھنڈ نظر آگیا جس کے قریب ہی ماسٹر سپائی عبدالستار کا ریسٹ ہاؤس تھا...... عمران نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ خیریت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا...... وہ پیچھے کی جانب سے ہوتا ہوا ریسٹ ہاؤس میں داخل ہونا چاہتا تھا...... ریسٹ ہاؤس کے پیچھے ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا جس کے سامنے سے ایک کچا راستہ گزرتا تھا...... اس وقت اردگرد کی بلڈنگوں کے فلیٹوں کی بتیاں روشن ہوگئی تھیں...... عمران نے دیکھا کہ ریسٹ ہاؤس پر اندھیرا چھایا ہوا تھا...... صرف عقبی لان کی ایک بتی جل رہی تھی...... عمران باغیچے کے باہر آکر رک گیا...... اسے کچھ شک ہوا...... عام طور پر اس وقت ریسٹ ہاؤس کی بتیاں روشن ہوجایا کرتی تھیں...... وہ باغیچے کی باڑھ کے ساتھ ساتھ چلتا کونے میں آکر جھاڑیوں کی اوٹ میں سے سامنے دیکھنے لگا۔

اس کا شک درست نکلا...... ریسٹ ہاؤس کے گیٹ پر ممبئی پولیس کے تین سپاہی نظر آئے...... ایک سپاہی سٹول پر بیٹھا تھا اور دو سپاہی اس کے پاس کھڑے سگریٹ پی رہے تھے...... عمران جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور کچی سڑک پر پیچھے کی جانب تیز تیز چل پڑا...... شام کا ہلکا ہلکا اندھیرا ہوگیا تھا...... اس نے دیکھا کہ سامنے ایک درخت کے پاس ایک سکھ موسمبیوں کی چھابڑی آگے رکھے بیٹھا ہے...... وہ خاموشی سے سر جھکائے اس کے قریب سے گزر گیا...... دو قدم آگے گیا ہوگا کہ اسے پیچھے سے سردار جی نے

آواز دی۔

"آگے نہ جانا"۔

عمران وہیں رک گیا...... اس نے تعجب سے گردن موڑ کر سکھ سردار جی کو دیکھا...... درمیانی عمر کا دبلے بدن کا سکھ تھا جس نے سر پر نسواری رنگ کی پگڑی باندھ رکھی تھی...... عمران حیران تھا کہ سردار جی نے اسے آگے جانے سے کیوں روکا ہے اور یہ کون ہے...... اتنے میں سردار جی نے کہا۔

"میرے پاس آؤ...... دیر نہ کرو"۔

عمران سردار جی کے پاس چلا گیا۔

"بیٹھ جاؤ" سردار جی نے کہا۔

عمران نے بیٹھنے کی بجائے اس سے پوچھا۔

"تم کون ہو؟ کیا بات ہے"۔

اس وقت سکھ سردار جی نے ایک خاص جملہ بولا...... یہ جملہ عبدالستار کے خفیہ ہیڈ کوارٹر کا خاص کوڈ جملہ تھا...... یعنی یہ خفیہ جملہ تھا اور اس کو بول کر ممبئی کے علاقے میں کام کرنے والے جاسوس اپنی شناخت کرواتے تھے...... عمران کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ اپنا ہی آدمی ہے...... وہ جلدی سے اس کی چھابڑی کے پاس بیٹھ گیا اور ایک موسمبی اٹھا کر اسے چھیلنے لگا...... سکھ سردار نے کہا۔

"صرف تمہارے لئے میری ڈیوٹی یہاں لگائی گئی تھی...... یہاں سے میرے ساتھ نکل آؤ"۔

سکھ سردار نے چھابڑی وہیں چھوڑی اور عمران کو ساتھ لے کر تیز تیز قدموں سے اس طرف چلنے لگا جس طرف سے عمران آیا تھا...... شام کا اندھیرا گہرا ہوگیا تھا...... سکھ سردار بڑی تیز چل رہا تھا...... عمران سمجھ گیا کہ وہاں کوئی خاص بات ہوگئی ہے، ورنہ آج تک ریسٹ ہاؤس میں پولیس کا سپاہی نظر نہیں آیا تھا۔

سکھ سردار عمران کو لے کر اس علاقے میں آ گیا جہاں مزدوروں کی جھونپڑیاں بھی تھیں اور ایک ایک کمرے والے فلیٹوں کی پرانی عمارتیں بھی کھڑی تھیں...... یہاں آ کر سکھ سردار نے ایک آٹو رکشا لے لیا...... عمران کو اپنے ساتھ بٹھایا اور رکشے والے کو ایک خاص علاقے میں چلنے کو کہا...... ہم مصلحتاً اس علاقے کا نام نہیں لکھ رہے...... اس علاقے میں ایک چھوٹے سے گوردوارے کے پچھواڑے آ کر سردار نے رکشا چھوڑ دیا...... وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک جانب ایک کوارٹر تھا جس کے باہر بتی جل رہی تھی...... سکھ سردار نے جیب سے چابی نکال کر کوارٹر کا تالا کھولا اور کمرے میں آ کر بتی روشن کر دی...... یہ ایک چھوٹا کمرہ تھا جس میں ایک چارپائی بچھی تھی...... چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا...... تین چار بانس کی چھوٹی کرسیاں پڑی تھیں...... سکھ سردار نے کہا۔

"یہاں بیٹھ جاؤ عمران"۔

"عمران کا نام بھی جانتا تھا"...... عمران بیٹھ گیا...... سکھ سردار نے کہا۔

"پہلے میں تمہارے لئے کچھ کھانے کو لاتا ہوں...... اس کے بعد بات کروں گا"۔

کھانے سے فارغ ہو کر اس نے ہاتھ دھوئے اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے سکھ سردار نے پوچھا۔

"بات کیا ہوئی ہے؟"۔

سکھ سردار نے کہا۔

"کسی نے مخبری کر دی...... سی آئی اے نے پولیس کے ساتھ چھاپہ مارا اور بوڑھے خانساماں عبدل کو پکڑ لیا...... عبدالستار وہاں نہیں تھا...... پولیس نے اس کے شہر والے آفس پر بھی چھاپہ مارا...... سیٹھ کو بھی خبر ہو گئی تھی...... وہ پولیس کے آنے سے پہلے ہی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا...... اب پولیس کی گارد ریسٹ ہاؤس کے باہر بیٹھی ہے...... جو کوئی وہاں آتا ہے اسے وہیں گرفتار کر لیتی ہے"۔

عمران کو تعجب بالکل نہ ہوا، کیونکہ پولیس کا چھاپہ جو گیم وہ کھیل رہے تھے اس کا حصہ تھا...... اسے افسوس ہو رہا تھا کہ ممبئی پولیس نے ان کے خفیہ ہیڈ کوارٹر پر قبضہ کر لیا ہے...... اسے یہ اطمینان تھا کہ سیٹھ عبدالستار یعنی اس کا ماسٹر سپائی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا...... اس نے سکھ سردار سے پوچھا۔

"عبدالستار بھائی اس وقت کہاں ہیں"۔

سکھ سردار بولا۔

"وہ جہاں ہیں وہاں میں تمہیں لے چلوں گا...... رات اور زیادہ گزر جائے...... اتنی دیر تم یہاں آرام کرو...... یہاں تم بالکل محفوظ ہو...... یہاں کوئی نہیں آئے گا، لیکن تم اندر سے کنڈی لگا لینا"۔

سکھ سردار چلا گیا...... اس کے جانے کے بعد عمران نے کنڈی لگائی اور بستر پر لیٹ گیا...... خدا جانے وہ کب کا جاگا ہوا تھا...... بستر پر لیٹتے ہی اسے نیند آ گئی...... آنکھ اس وقت کھلی جب سکھ سردار نے اسے جگایا۔

"کیا ٹائم ہوا ہے؟" عمران نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

سکھ سردار نے کہا۔

"رات کے دو بج رہے ہیں...... میں دو بار تمہیں جگانے آیا...... مگر تم بڑی گہری نیند سو رہے تھے...... میں نے نہ جگایا، لیکن اب جگانا ضروری تھا...... میرے ساتھ آ جاؤ"۔

کوارٹر کے باہر ایک پرانے ماڈل کی کالے رنگ کی گاڑی کھڑی تھی...... سکھ سردار نے عمران کو اپنے ساتھ والی سیٹ پر بٹھا لیا اور گاڑی سٹارٹ کر دی...... دور ممبئی شہر کی عمارتوں میں خوب روشنی ہو رہی تھی، جس سڑک پر ان کی گاڑی جا رہی تھی وہ تقریباً خالی تھی...... کسی کسی وقت کوئی گاڑی گزر جاتی تھی...... آہستہ آہستہ شہر کی روشنیاں پیچھے ہٹتی گئیں...... ایک جگہ پہنچ کر سکھ سردار نے گاڑی پکی سڑک سے اتار

لر ایک کچی سڑک پر ڈال دی...... اس سڑک پر گاڑی کافی دیر تک چلتی رہی...... شہر کی عمارتیں بہت پیچھے رہ گئی تھیں...... سڑک کی دونوں جانب کہیں کھیت اور کہیں درخت ہی درخت تھے...... ہر طرف رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا...... ستاروں کی دھندلی دھندلی سی روشنی تھی جس میں درختوں کے ہیولے سے دکھائی دیتے تھے...... گاڑی اب ایک جنگل میں داخل ہو چکی تھی...... یہاں زمین اونچی نیچی تھی اور ادھر ادھر اونچے اونچے ٹیلے بھی تھے...... سکھ سردار بڑی توجہ اور خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا...... گاڑی درختوں کے درمیان بنائے گئے چھوٹے سے راستے پر چل رہی تھی اور اسے ہلکے ہلکے دھچکے لگ رہے تھے۔

ایک جگہ گاڑی ذرا سا گھوم کر رک گئی۔

عمران نے اندھیرے میں غور سے دیکھا...... اسے درختوں کے نیچے کٹے ہوئے درختوں کے بڑے بڑے شہتیر پڑے ہوئے دکھائی دیئے...... ان کے عقب میں ذرا اونچی جگہ پر ایک کوٹھڑی سی اندھیرے میں نظر آ رہی تھی...... سکھ سردار نے گاڑی سے اترتے ہوئے عمران سے کہا۔

"آجاؤ"۔

سکھ سردار کوٹھڑی کی طرف بڑھا...... یہ کوٹھڑی کھپریل کی ڈھلواں چھت والا ایک بڑا کھوکھا سا تھا جس کے آگے تنگ سے برآمدے میں دو بانس کی کرسیاں پڑی تھیں...... سکھ سردار نے کوٹھڑی کے دروازے پر آہستہ سے تین بار دستک دی...... عمران سکھ سردار کے پاس ہی کھڑا تھا...... تیسری بار دستک دینے پر کوٹھڑی کا دروازہ کھل گیا...... کوٹھڑی میں دھیمی روشنی والا بلب جل رہا تھا...... عمران کے سامنے ان کا ماسٹر سپاہی سیٹھ عبدالستار کھڑا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا...... دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ کر ملے...... سکھ سردار چلا گیا...... کوٹھڑی میں لوہے کی چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا...... پاس ہی دو کرسیاں پڑی تھیں...... ستار سیٹھ چارپائی پر اور عمران

کرسی پر بیٹھ گیا...... عمران نے پوچھا۔

"ستار صاحب! یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟"۔

اسلام کے لئے اپنی جان تک قربان کر دینے والے ماسٹر سپاہی ستار صاحب مسکرائے...... کہنے لگے۔

"میرے عزیز! جو خطرناک کھیل ہم کھیل رہے ہیں...... اس میں تو ایسا ہوتا ہی رہتا ہے...... بس کسی جگہ ہم سے کہیں غفلت ہو گئی اور ہماری کمزوری سے دشمن نے فائدہ اٹھایا اور ہماری مخبری ہو گئی"۔

"آپ کے کاروبار کا کیا ہوا؟" عمران نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

وہ بے نیازی سے بولے۔

"ارے عمران بھائی! کشمیر کی آزادی اور پاکستان کی سربلندی کی خاطر کاروبار تو کیا ہماری جان بھی چلی جائے تو ہمیں کچھ پروا نہیں...... تم سناؤ...... تمہارے مشن کی کامیابی کی خبر تو ہم نے اخباروں میں پڑھ لی تھی...... اگرچہ خبر انڈین پریس نے بڑی گول مول کر کے دی تھی، لیکن میں سمجھ گیا تھا کہ میرے بہادر شیر نے میدان مار لیا ہے"۔

عمران نے انہیں بتایا کہ آخری وقت پر مجھے انڈین آرمی نے پکڑ لیا تھا اور وہ بڑی مشکل سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا...... عمران نے انہیں اپنے پکڑے جانے اور بھوپال کے نزدیک قدیم زمانے کے کھنڈر میں کسی پراسرار عورت کے عین وقت پر چھپا لینے کی کہانی سنائی تو وہ ہنس پڑے...... کہنے لگے۔

عمران...... "تم نور محل کنیز کے محل کی بات تو نہیں کر رہے؟"۔

جب عمران نے انہیں اس تاریخی عمارت کا محل وقوع بتایا تو وہ سنجیدہ ہو گئے...... کہنے لگے۔

"اس عمارت کے بارے میں کئی قسم کی ماورائی کہانیاں مشہور ہیں...... کہتے ہیں کہ جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں اس محل میں کسی نور محل نام کی کنیز کو محلاتی سازش

کے تحت زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا تھا...... اور اس کی روح آج بھی اس عمارت کے اردگرد منڈلاتی ہے...... اسی نے تمہاری مدد کی ہو گی...... بہر حال خدا نے تمہیں پولیس سے بچانا تھا اس نے کسی بہانے تمہیں بچالیا"۔

اتنے میں ایک دراز قد جوان جس نے پستول لگا رکھا تھا ہمارے لئے چائے کی چینک اور دو پیالیاں لے کر آ گیا...... جب وہ چائے رکھ کر چلا گیا تو عمران نے ستار صاحب سے پوچھا۔

"یہاں آپ کے ساتھ اور کون کون لوگ ہیں؟"۔

ستار صاحب بولے۔

"یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا...... یوں سمجھ لو کہ میں یہاں اکیلا نہیں ہوں...... جہاد کشمیر کے کچھ اور مجاہد بھی میرے ساتھ ہیں...... مجھے معلوم تھا کہ تمہارا مشن مکمل ہو گیا ہے اور تم سیدھا میرے ریسٹ ہاؤس پر آؤ گے...... میں نے اپنے ایک کارکن سردار گوبند سنگھ کی وہاں ڈیوٹی لگادی تھی کہ تم جس وقت بھی آؤ تو وہ تمہیں ریسٹ ہاؤس جانے سے پہلے حالات سے باخبر کردے اور اپنے ساتھ یہاں لے آئے"۔

عمران نے کہا۔

"وہی سردار جی مجھے یہاں لائے ہیں"۔

ستار صاحب نے کہا۔

"ہاں...... وہی سردار جی...... ان کا نام گوبند سنگھ ہے اور وہ خالصتان کی تحریک خالصہ دل کے سرگرم کارکن ہیں اور مقبوضہ کشمیر پر بھارتی فوجی قبضے کے خلاف بھی بڑی سرگرمی سے کام کر رہے ہیں...... بھارت میں سکھوں کی آزاد ریاست خالصتان کے قیام کے علاوہ وہ کشمیر کو بھی بھارتی فوجی تسلط سے آزاد کرانے کے حامی ہیں؟"۔

وہ چائے پیتے ہوئے باتیں کر رہے تھے...... عمران نے ان سے کہا۔

"میں یہاں سے واپس اپنے کشمیری مجاہد بھائیوں کے پاس جانا چاہتا ہوں......

انہیں میری ضرورت ہو گی"۔

اس پر ستار صاحب ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گئے...... پھر کہنے لگے۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم جہاد کشمیر میں کفار کے خلاف اپنے مجاہد بھائیوں کے شانہ بشانہ لڑو، لیکن ہیڈ کوارٹر سے ابھی کل ہی مجھے ایک سگنل موصول ہوا تھا جس میں تمہارے بارے میں پوچھا گیا تھا...... شاید تمہیں کوئی اور مشن دیا جانے والا ہے...... مجھے ان سے بات کر لینے دو...... اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کر سکیں گے...... تھوڑی رات باقی رہ گئی ہے...... میں چاہتا ہوں کہ تم اتنی دیر تھوڑا آرام کر لو...... میں صبح دن نکلنے سے پہلے ہیڈ کوارٹر کے ساتھ رابطہ قائم کر کے تمہارے بارے میں اطلاع کر دوں گا"۔

ستار صاحب نے آواز دی...... وہی دراز قد جوان کوٹھڑی میں داخل ہوا...... ستار صاحب نے عمران سے کہا۔

"تم عبداللہ کے ساتھ جاؤ...... یہ تمہیں تمہاری کوٹھڑی میں پہنچا دے گا"۔

دراز قد کے جوان کا نام عبداللہ تھا...... وہ عمران کو قریب ہی ایک ٹیلے کے عقب میں واقع ایک کوٹھڑی میں لے گیا...... وہاں بھی ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی...... عمران بستر پر لیٹ کر بہت کچھ سوچتا ہوا آخر سو گیا۔

صبح درختوں پر چڑیوں کے شور نے اسے جگادیا...... صبح ہو چکی تھی...... درختوں میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی...... کسی طرف سے لکڑی کے شہتیروں کو تراشنے والی آرا مشین کے چلنے کی آواز آ رہی تھی...... عمران کلمہ شریف پڑھتے ہوئے چارپائی سے اٹھ کر کوٹھڑی سے باہر روشنی اور تازہ ہوا میں آ گیا...... سامنے سے عبداللہ آ رہا تھا...... قریب آ کر بولا۔

"تمہیں سیٹھ صاحب یاد کر رہے ہیں"۔

ستار سیٹھ اپنی کوٹھڑی میں بیٹھا ایک نوٹ بک کھول کر پڑھ رہا تھا...... کمانڈو

عمران سلام کر کے بیٹھ گیا...... ستار سیٹھ نے نوٹ بک بند کر دی اور عمران کی طرف پوری طرح سے متوجہ ہو کر بولا۔

"عمران! تمہیں ایک بڑے اہم مشن پر بھیجا جا رہا ہے"۔

اتنا کہہ کر ستار صاحب خاموش ہو گئے...... کمانڈو عمران بھی خاموش تھا...... وہ ان کی زبان سے یہ سننا چاہتا تھا اس بار اسے کس قسم کے اہم مشن کے لئے بھیجا جا رہا ہے...... اس کے لئے تو ہر مشن اہم ہوتا تھا، لیکن ستار صاحب نے اس بار خود اپنی زبان سے کہا تھا کہ یہ ایک اہم مشن ہے...... ستار صاحب نے ایک دو لمحے کے توقف کے بعد کہا۔

"یہ مشن اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اس میں تمہاری ذہانت اور تمہاری سراغ رسانی کی صلاحیتوں کا بھی امتحان ہے"۔

اس کے بعد ستار صاحب نے ایک بار پھر سلسلہ کلام روک دیا اور سرہانے کے نیچے سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگایا اور عمران کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولے۔

"اس حقیقت سے تم سے زیادہ اور کون باخبر ہو گا کہ بھارت نے شروع دن ہی سے پاکستان کے وجود کو دل سے تسلیم نہیں کیا...... وہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک اپنی مذموم کوششوں میں مصروف ہے کہ کسی طرح سے پاکستان کے وجود کو ختم کر دیا جائے...... اس نے کئی بار اپنی پوری فوجی طاقت کے ساتھ پاکستان پر حملہ بھی کیا، لیکن ہر بار اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا...... بھارت کے جارحانہ عزائم میں کمی واقع نہیں ہوئی، بلکہ ان عزائم نے پہلے سے زیادہ شدت اختیار کر لی ہے...... ایٹمی طاقت بننے کے بعد وہ طاقت کے نشے میں آپے سے باہر ہو رہا ہے...... اگر اس کے جواب میں پاکستان بھی ایٹمی دھماکہ نہ کرتا تو بھارت ہمارے خلاف کچھ بھی کر سکتا تھا...... اس کے باوجود وہ اپنی ایٹمی طاقت کو جدید سے جدید ترین مہلک ٹیکنالوجی میں دن رات اضافہ کرنے

میں مصروف ہے...... پاکستان بھارت کے ان مذموم عزائم سے بے خبر نہیں ہے...... پاکستان اپنی بقاء اور سلامتی کے لئے دشمن کی نقل و حرکت پر گہری نظر رکھے ہوئے ہے اور اس کے ہر نئے حربے کو ناکام بنانے کے واسطے جوابی اقدام کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھتا ہے...... اپنے دفاع کے لئے پاکستان کو ایسا کرنا پڑتا ہے...... اس کے لئے ہمیں بھارت کی خفیہ ایجنسیوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنی پڑتی ہے۔

اس سلسلے میں ہمیں اپنے خفیہ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بھارت کی حکومت نے اپنے حلیف اور عالم اسلام کے دشمن اسرائیل کی مدد سے فرانس کی حکومت سے ایک خفیہ معاہدہ کیا ہے جس کی رو سے بھارت بھاری مقدار میں نیوکلر میٹریل اسرائیل کے توسط سے حاصل کر رہا ہے...... یہ نیوکلر میٹریل بھارت کی ایٹمی طاقت میں اس قدر اضافہ کر دے گا کہ وہ جتنے چاہے نیوکلر بم تیار کر سکے گا اور ان میں سے ہر بم ہیروشیما پر گرنے والے ایٹم بم سے ایک ہزار گنا طاقتور ہو گا"۔

ستار صاحب نے سگریٹ کا کش لگانے کے لئے سلسلہ کلام تھوڑی دیر کے لئے منقطع کیا تو کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"کیا امریکی سی آئی اے اس خطرناک معاہدے سے بے خبر ہے؟"۔

ستار صاحب بولے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امریکہ کے خفیہ ادارے کو خبر نہ ہو، لیکن امریکہ خاموش ہے...... اس لئے کہ امریکہ اسلام کا دشمن نمبر ایک ہے...... وہ مسلمانوں کے خلاف بھارت کو زیادہ سے زیادہ طاقتور دیکھنا چاہتا ہے"۔

عمران نے دوسرا سوال کیا۔

"کیا یہ نیوکلر میٹریل انڈیا پہنچ چکا ہے؟"۔

ستار صاحب نے کہا۔

"ہماری خفیہ اطلاعات کے مطابق یہ نیوکلر میٹریل اسی ہفتے بھارت پہنچ جائے گا

اور اس کے فوراً بعد اس کی پروسیسنگ کا کام شروع ہو جائے گا“۔

عمران نے پوچھا۔

”یہ ایٹمی مواد کیسے انڈیا لایا جائے گا...... کہاں لایا جائے گا اور اس کی پروسیسنگ کا عمل کس مقام پر ہوگا؟“۔

ستار صاحب بولے۔

”وہی میں تمہیں بتانے والا تھا...... یہ ایٹمی مواد انتہائی خفیہ طریقے سے بھارت لایا جارہا ہے...... یہاں تک کہ ہمارے آدمیوں کو بھی علم نہیں ہوسکا کہ یہ مواد بھارت میں سمندری راستے سے داخل ہوگا یا اسے ہوائی راستے سے لایا جائے گا، لیکن یہ کس جگہ پہنچایا جائے گا اور کس جگہ اس کی پروسیسنگ کا عمل شروع ہوگا؟ یہ ساری رپورٹ ہمیں حاصل ہوگئی ہے...... اب میری بات غور سے سننا...... وسطی بھارت کے جنوب مشرقی خطے میں صوبہ آندھرا پردیش واقع ہے...... یہ سینتالیس سے پہلے بھارت میں مسلمانوں کی سب سے بڑی اسلامی ریاست تھی...... بھارت نے آزادی ملنے کے بعد اس پر چاروں طرف سے چڑھائی کر دی...... ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا اور دکن کی اس عالمگیر شہرت کی حامل اسلامی ریاست پر قبضہ کر لیا اور اسے صوبہ آندھرا پردیش کا نام دے دیا...... حیدر آباد اس صوبے کا صدر مقام ہے...... حیدر آباد سے اگر ہم ریل گاڑی میں بیٹھ کر جنوب کی طرف جائیں تو آگے وجے داڑہ کا شہر آتا ہے جو بہت بڑا شہر ہے...... وجے داڑہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر گنٹور نام کا ایک ساحلی شہر ہے جو بھارت کے مشرقی ساحل کی ایک بندرگاہ ہے...... حیدر آباد دکن سے گنٹور کی بندرگاہ کا فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا لاہور اور راولپنڈی کا درمیانی فاصلہ ہے...... اس بندرگاہ کے جنوب میں چھ سات سال میل دور بے شمار چھوٹی بڑی چٹانیں پھیلی ہوئی ہیں...... ان میں سے ایک اونچی چٹان پر ایک پرانے لائٹ ہاؤس کا مینار ہے...... یہ لائٹ ہاؤس مدت ہوئی بند ہو چکا ہے...... اب اس پر روشنی نہیں ہوتی...... اس کی جگہ وہاں سے بہت آگے سمندر کے

اندر جا کر دوسرا لائٹ ہاؤس تعمیر کیا گیا ہے...... یہ پرانا لائٹ ہاؤس ویران پڑا ہے...... ہمیں بتایا گیا ہے کہ اس لائٹ ہاؤس کے نیچے جو تہہ خانہ ہے، جہاں کبھی لائٹ ہاؤس کا سٹور تھا...... وہاں خفیہ طور پر ایک عارضی لیبارٹری بنائی گئی ہے جہاں انتہائی رازداری میں فرانس سے درآمد کئے جانے والے نیوکلر میٹریل کی پروسیسنگ کا کام ہوگا“۔

ستار صاحب نے کہا۔

”اس بارے میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا، لیکن یقینی طور پر اس کام میں ڈھائی تین ماہ ضرور لگیں گے، کیونکہ یہ بڑا نازک اور حساس عمل ہوتا ہے“۔

اتنے میں عبداللہ چائے کی چینک اور دو پیالیاں لے کر آگیا...... ستار صاحب خاموش ہوگئے...... عبداللہ چائے کا سامان رکھ کر چلا گیا تو انہوں نے اپنے اور عمران کے لئے چائے پیالیوں میں ڈالی اور کہنے لگے۔

”یہاں بس ایسی ہی چائے ملتی ہے“۔

پھر مسکراتے ہوئے بولے۔

”میاں تمہیں یہاں میں اپنے ریسٹ ہاؤس والی چائے پیش نہیں کرسکتا“۔

عمران نے کہا۔

”انشاءاللہ بہت جلد ریسٹ ہاؤس میں بیٹھ کر بھی چائے پئیں گے“۔

ستار صاحب نے چائے کے دو تین گھونٹ بھرے اور پیالی تپائی پر رکھتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے میں نے اب تک تمہیں جو کچھ بتایا ہے اسے تم نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا ہوگا“۔

”جی ہاں...... آپ فکر نہ کریں“ عمران نے جواب دیا۔

ستار صاحب نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”تمہارا مشن یہ ہے کہ تمہیں پرانے لائٹ ہاؤس والے تہہ خانے کو نیوکلر میٹریل سمیت دھماکے سے اڑانا ہے، لیکن اس سے بھی اہم مشن یہ ہے کہ تمہیں اس

نیوکلر میٹریل کا خفیہ کوڈ نمبر معلوم کرنا ہوگا...... جب اس قسم کا ایٹمی مواد کسی دوسرے ملک کو برآمد کیا جاتا ہے تو اس کا ایک خفیہ کوڈ نمبر ہوتا ہے...... یہ خفیہ کوڈ نمبر برآمد کرنے والے ملک کے سائنس دانوں نے نیوکلر مواد کی پوری قوت اور اس کی مہلک صلاحیتوں کو سامنے رکھ کر رکھا ہوتا ہے...... چنانچہ اس کی پروسیسنگ کا عمل بھی اس نمبر کے حوالے سے اور اس کے مطابق کام کرنے والے فارمولے کے ذریعے کیا جاتا ہے...... یہ ایک طرح سے ٹیکنیکل نمبر بھی ہوتا ہے...... اگر ہمیں یہ خفیہ کوڈ نمبر دستیاب ہو جاتا ہے تو ہم اس نیوکلیائی مواد سے تیار ہونے والے ہتھیاروں اور میزائلوں کا بڑی آسانی سے توڑ معلوم کر سکتے ہیں اور اس طرح سے ہم دشمن کے اس تباہ کن حربے کو بے اثر کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں...... چنانچہ تمہارے سامنے اس وقت دو مشن ہیں...... نمبر ایک تمہیں گنٹور کی بندرگاہ کے ساحل سمندر والے پرانے لائٹ ہاؤس کو اس وقت دھماکے سے تباہ کرنا ہے جس وقت اس کے تہہ خانے میں نیوکلیر میٹریل کی پروسیسنگ کا کام جاری ہو...... نمبر دو...... تمہیں اس نیوکلر مواد کا خفیہ کوڈ نمبر معلوم کرنا ہوگا“۔

عمران نے سوال کیا۔

”یہ نیوکلر میٹریل کس شکل میں ہیں اور کس حالت میں وہاں سٹور کیا جائے گا؟“۔

ستار صاحب بولے۔

”مجھے یہی بتایا گیا ہے کہ یہ مواد بڑے بڑے سلنڈروں کی شکل میں بھارت پہنچایا جائے گا...... ان سلنڈروں کی تعداد دس بھی ہو سکتی ہے اور بارہ بھی ہو سکتی ہے...... یہ سلنڈر پرانے لائٹ ہاؤس کے تہہ خانے میں رکھے جائیں گے“۔

عمران نے پوچھا۔

”جب ہم لائٹ ہاؤس کو اڑا دیں گے تو کیا یہ سلنڈر بھی ساتھ ہی پھٹ جائیں گے؟“۔

ستار صاحب نے کہا۔

”یہ سلنڈر بڑے زبردست دھماکوں کے ساتھ پھٹیں گے“۔

”کیا ان کے پھٹنے سے تابکاری بھی پھیلے گی؟“۔

عمران نے پوچھا...... ستار صاحب کہنے لگے۔

”میں نے بھی اپنے متعلقہ خفیہ ادارے سے پوچھا تھا...... مجھے بتایا گیا تھا کہ نیوکلر مواد والے سلنڈر بارود کے دھماکے سے پھٹیں گے ضرور اور بڑے قیامت کے دھماکوں سے پھٹیں گے، لیکن ان سے تابکاری پیدا نہیں ہوگی...... کیونکہ ابھی یہ میٹریل خام ہوگا...... سلنڈروں کے پھٹنے سے یہ میٹریل جل کر راکھ ضرور ہو جائے گا...... لیکن اس کا ایٹمی دھماکہ نہیں ہوگا“۔

دونوں آہستہ آہستہ چائے پینے لگے...... ستار صاحب بولے۔

”ظاہر ہے یہ کام تم اکیلے نہیں کر سکتے...... اتنے بڑے مشن کے لئے تمہارے ساتھ کسی گائیڈ یا مددگار کا ہونا ضروری ہے...... خاص طور پر ایسے آدمی کا ہونا لازمی ہے جو اس علاقے کی زبان روانی سے بول سکتا ہو اور جو اس سارے علاقے سے واقف ہو“۔

”یہی بات میں آپ سے پوچھنے والا تھا“ عمران نے کہا۔

ستار صاحب کہنے لگے۔

”اس کی تم فکر نہ کرو...... اس کا پورا انتظام کر دیا گیا ہے...... تم ممبئی سے حیدر آباد اور حیدر آباد دکن سے وجے واڑہ تک اکیلے سفر کرو گے...... وجے واڑہ کے سٹیشن پر تمہیں ہمارا ایک آدمی ملے گا...... اس کی فوٹو تمہیں دکھادی جائے گی اور اسے بھی تمہاری فوٹو پہنچا دی جائے گی...... اس کے باوجود تمہارے درمیان خفیہ کوڈ جملوں کا تبادلہ ہوگا تاکہ ایک دوسرے کی شناخت مکمل طور پر ہو جائے...... اس آدمی کا نام میں تمہیں ابھی بتائے دیتا ہوں“۔

ستار صاحب نے عمران کو اس آدمی کا نام بتایا جو ہم صیغہ راز میں رکھنا چاہتے

ہیں.... ہم اس کا ایک فرضی نام رکھ لیتے ہیں.... یوں سمجھ لیں کہ اس مجاہد کا نام ہاشم خان ہے.... ستار صاحب نے عمران کو ہاشم کا حلیہ زبانی بھی بتادیا اور کہنے لگے۔

"ہاشم خان دھماکہ خیز مواد تیار کرنے کا ماہر ہے اور اسلام اور پاکستان کی سلامتی اور بقاء کی خاطر اپنی جان تک قربان کرنے کا جذبہ رکھتا ہے.... وجے واڑہ کے سٹیشن سے وہ خود تمہاری راہنمائی کرے گا.... اب مجھے تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم اس کے بعد کیا کرو گے.... ہاشم خود تمہیں گائیڈ کرے گا"۔

عمران نے پوچھا۔

"آپ کے خیال میں مجھے کب اس مشن پر روانہ ہونا چاہئے، کیونکہ بقول آپ کے فرانس سے خطرناک نیوکلر میٹریل کی بھارت میں درآمد ابھی دو تین ہفتوں بعد ہو گی"۔

ستار صاحب بولے۔

"بھائی! وہاں تم لوگوں کو بہت تیاری کرنی ہو گی.... تمہیں وہاں پہلے پہنچ جانا چاہئے"۔

"آپ حکم کریں.... میں آج ہی جانے کو تیار ہوں۔"

عمران نے کہا.... ستار صاحب کچھ سوچ کر کہنے لگے۔

"بمبئے سینٹرل سے دکن کوئین رات کے دس یا سوا دس بجے چلتی ہے.... سردار جی جو تمہیں یہاں تک لائے ہیں وہی تمہیں اپنی حفاظت میں ٹرین میں سوار کرادیں گے"۔

کمانڈو عمران نے وہ سارا دن ستار صاحب کی خفیہ قیام گاہ میں گزارا.... رات دونوں نے کوٹھڑی میں بیٹھ کر اکٹھے کھانا کھایا اور آئندہ کے مشن کے بارے میں مزید گفتگو کرتے رہے.... ستار صاحب نے ایک آدمی کے ہاتھ سکھ سردار جی کو پیغام بھجوادیا تھا.... وہ ٹھیک رات کے ساڑھے آٹھ بجے اپنی پرانی سی گاڑی لے کر آگیا۔

ستار صاحب نے عمران کو ایک لفافہ تھماتے ہوئے کہا۔

"اس میں تمہارے اخراجات کے لئے کچھ روپے ہیں.... باقی تمہیں جس چیز

بھی ضرورت ہو گی ہاشم خان فوراً مہیا کر دے گا.... اس کی تم فکر نہ کرو.... وجے واڑہ میں تم لباس بھی تبدیل کر لینا اب جاؤ.... اللہ کے حوالے.... خدا تمہیں اپنے مشن میں کامیاب کرے"

کمانڈو عمران ستار صاحب سے ہاتھ ملا کر گاڑی میں بیٹھ گیا.... سردار جی پہلے سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے.... انہوں نے گاڑی سٹارٹ کی اور گاڑی چل پڑی.... سردار جی رات کے اندھیرے میں ایک نسبتاً کھلے راستے سے گئے.... اس طرف درخت اتنے زیادہ نہیں تھے.... انہیں ممبئی شہر کے آس پاس کے علاقے میں پہنچتے پہنچتے رات کے پونے دس بج گئے جس وقت یہ لوگ بمبئے سنٹرل سٹیشن پر پہنچے تو سٹیشن کی گھڑی رات کے دس بجا رہی تھی.... سٹیشن پر کافی رش تھا.... سردار جی نے عمران کو ایک طرف ستون کے پیچھے کھڑے ہونے کو کہا اور خود ٹکٹ لینے چلے گئے.... تھوڑی دیر بعد ٹکٹ لے کر واپس آگئے اور بولے۔

"ٹرین ٹھیک وقت پر روانہ ہو رہی ہے"۔

جس پلیٹ فارم پر دکن کوئین کھڑی تھی وہاں کافی مسافر تھے.... عمران ارد گرد کے ماحول کا بھی جائزہ لے رہا تھا.... پلیٹ فارم پر حسب معمول ریلوے پولیس کے سپاہی ادھر ادھر موجود تھے.... ملٹری پولیس کا کوئی جوان نظر نہیں آرہا تھا.... عمران ٹرین کے ایک تھرڈ کلاس کے ڈبے میں سوار ہو گیا.... سردار جی کہنے لگے۔

"ٹرین صبح کے وقت حیدر آباد پہنچے گی.... یہی گاڑی آگے وجے واڑہ بھی جائے گی"۔

اس کے بعد سردار جی نے جیب سے ایک چھوٹا لفافہ نکال کر عمران کو دیا اور آہستہ سے کہا۔

"اس میں اپنے اس آدمی کی فوٹو ہے جو تمہیں وجے واڑہ کے سٹیشن پر لینے آیا ہوا ہو گا.... اسے تمہاری فوٹو پہنچادی گئی ہے.... باقی خفیہ کوڈ کے الفاظ یہ ہوں گے"۔

اس کے بعد سردار جی نے عمران کو ایک مختصر سا جملہ بتایا اور کہا۔

"یہ جملہ اپنا آدمی ہاشم خان تم سے بولے گا...... اس کے جواب میں تم یہ جملہ بولو گے"۔

اور سردار جی نے وہ جملہ بھی عمران کو بتا دیا جو اسے ہاشم خان کے جملے کے جواب میں بولنا تھا...... سردار جی نے کہا۔

"ان جملوں کو اچھی طرح یاد کر لینا"۔

اتنی دیر میں گارڈ نے سیٹی بجادی...... جو مسافر پلیٹ فارم پر کھڑے تھے وہ دوڑ کر ٹرین میں سوار ہو گئے...... چند لمحوں کے بعد ٹرین بمبئے سینٹرل کے سٹیشن سے نکل کر اپنی منزل کی طرف جا رہی تھی۔

عمران نے سب سے پہلے سردار جی کا دیا ہوا لفافہ کھول کر اس میں سے ہاشم خان کی فوٹو نکال کر دیکھی...... چالیس پینتالیس سال کا آدمی لگتا تھا...... ڈاڑھی مونچھیں صاف تھیں...... نقش بڑے تیکھے تھے اور آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی...... سر کے بال گھنے اور گھنگھریالے تھے...... رنگ گہرا سانولا لگتا تھا...... یہ وہ شخص تھا جو وجے واڑہ کے سٹیشن پر اس سے ملنے والا تھا اور جس نے اس مشن میں گائیڈ اور مددگار کا اہم رول ادا کرنا تھا...... عمران نے اس کی شکل اچھی طرح سے ذہن میں نقش کر لی...... دوسرا لفافہ کھولا جو اسے ستار صاحب نے دیا تھا...... اس لفافے میں سو سو اور دس دس روپے کے نوٹوں کی شکل میں چار ہزار روپے تھے...... عمران نے دونوں لفافے اپنی ٹھنڈی جیکٹ کی اندر والی جیب میں سنبھال کر رکھ لئے۔

دکن میل یا دکن کوئین پوری رفتار سے رات کی تاریکی میں کسی جنگل میں سے شور مچاتی گزر رہی تھی...... ڈبے میں زیادہ تر درمیانے طبقے اور مزدور پیشہ مسافر سوار تھے...... کچھ اوپر برتھ پر سونے کے واسطے چڑھ گئے تھے...... کچھ بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے...... کچھ اپنی اپنی سیٹ پر اونگھ رہے تھے...... عمران کھڑکی کے

پاس والی سیٹ پر سر کھڑکی سے لگائے خاموش بیٹھا باہر دیکھ رہا تھا اور جو اہم ترین مشن اسے درپیش تھا اس کے نشیب و فراز پر غور کر رہا تھا...... اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ یہ ایک اہم ترین مشن تھا اور اس میں کمانڈو آپریشن کے ساتھ بڑی ہوشیاری سے جاسوسی اور سراغ رسانی کی بھی ضرورت تھی۔

حیدر آباد دکن کے ارد گرد کے جنگلات سے وہ واقف تھا، لیکن ساحلی علاقے گنٹور کی طرف جانے کا یہ اس کا پہلا موقع تھا...... اتنا وہ جانتا تھا کہ اس علاقے کو آندھرا پردیش کہا جاتا ہے اور یہاں تامل کے علاوہ تلگو زبان بھی بولی جاتی ہے، بلکہ اس علاقے کی اکثریت کی زبان تلگو تھی...... اس کے نیچے تامل ناڈو کا صوبہ تھا جس کا صدر مقام مدراس تھا...... تامل ناڈو میں تامل زبان بولی جاتی تھی...... آندھرا پردیش والے اپنی تلگو زبان کے بارے میں تعصب کی حد تک حساس تھے اور تامل زبان کو وہ دوسرے ملک کی زبان سمجھتے تھے...... زبان کے معاملے میں دونوں صوبوں کی یعنی صوبہ آندھرا پردیش اور صوبہ تامل ناڈو کی آپس میں دیرینہ چپقلش بھی چلی آ رہی تھی...... عمران تھوڑی تھوڑی تلگو زبان سمجھ لیتا تھا جو کہ آندھرا پردیش میں بولی جاتی تھی، مگر مدراس کی زبان تامل اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی...... صوبہ آندھرا پردیش میں مسلمان کافی تعداد میں آباد تھے اور وہاں کے کلچر اور تہذیب و تمدن پر اسلامی تہذیب و تمدن کا اثر نمایاں تھا...... اس کی وجہ یہ تھی کہ اس صوبے پر نظام حیدر آباد کے خاندان نے صدیوں تک حکومت کی تھی...... یہاں کی مسجدوں اور تاریخی عمارتوں میں اسلامی طرز تعمیر کا رنگ غالب تھا اور تلگو کے علاوہ اردو زبان بھی عام بولی اور سمجھی جاتی تھی...... اسلامی عہد میں دکن نے اردو زبان و ادب کے لئے بے مثال تاریخی کام کیا تھا بلکہ کہا جاتا ہے کہ اردو زبان کا پہلا شاعر دکن میں ہی پیدا ہوا جس نے اردو کی پہلی غزل لکھی۔

ایک اور بات یہاں بیان کرتا چلوں کہ حیدر آباد دکن میں مشرق وسطیٰ مصرو

شام اور شمالی افریقہ کے کئی خاندان بھی صدیوں سے آباد چلے آ رہے ہیں..... اس کی وجہ یہ ہے کہ نظام دکن یعنی سلطنت آصفیہ کے درباری امرا اور فوج میں ان ملکوں کے سپاہی غلام، کنیزیں اور دانشور لوگ ملازم تھے..... ان کی نسلیں اب تک یہاں آباد تھیں اور آج کل بھی آباد ہیں..... ہاشم خان کی فوٹو میں اس کے گھنگریالے سیاہ بال دیکھ کر عمران کو خیال آیا تھا کہ شاید اس مجاہد کا تعلق بھی نظام حیدر آباد کی فوج کے افریقی دستے سے رہا ہوگا..... یا ہو سکتا ہے کہ اس کے والد سوڈان کے ملک سے آ کر دکن کے شاہی دربار سے وابستہ ہوگئے ہیں..... یہ بات بھی یاد رکھنے والی ہے کہ جب سن 1947ء میں بھارت نے چاروں طرف سے حیدر آباد دکن کی ریاست پر چڑھائی کر دی تھی تو دکن کے مسلمانوں نے وسائل کی کمی کے باوجود بھارتی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا اور سلطان ٹیپو شہید کی جرات و شجاعت کی روایت کو ایک بار پھر زندہ کر دکھایا تھا، لیکن توپوں اور ٹینکوں کے مقابلے میں دکن کے شیر دل مجاہد رضاکار اپنے معمولی اسلحہ کے ساتھ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے اور بھارت نے ریاست پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں پر بے پناہ ظلم و تشدد کا بازار گرم کر دیا..... یہ بھارت کی سب سے بڑی اسلامی ریاست حیدر آباد دکن کی تاریخ کا آخری خونین باب ہے جس سے پاکستان کی نئی نسل کے نوجوان بالکل واقف نہیں ہیں۔

ٹرین اپنے سفر پر رواں دواں تھی..... رات گہری ہوتی جا رہی تھی..... کمپارٹمنٹ کے تقریباً سبھی مسافر سو رہے تھے..... موسم خوشگوار تھا..... اس علاقے میں ویسے بھی سردی نہیں پڑتی..... سردیوں کے موسم میں بھی فضا خوشگوار رہتی ہے..... گرمی کا موسم زیادہ طویل ہوتا ہے..... پھر بارشیں شروع ہو جاتی ہیں..... بارشیں بھارت کے جنوبی علاقے میں بہت زیادہ ہوتی ہیں..... عمران کو نیند آنے لگی..... وہ بھی ڈبے کی کھڑکی کے ساتھ سر لگائے سو گیا..... کسی سٹیشن پر گاڑی رکتی تو اس کی نیند ٹوٹ جاتی اور وہ ماحول کا جائزہ لے لیتا..... ٹرین چلتی تو وہ پھر سو جاتا یا اونگھنے

لگتا..... اس طرح وہ اپنی نیند پوری کر رہا تھا..... اسی طرح رات کے اندھیرے میں ٹرین کا سفر شروع رہا۔

ٹرین کسی سٹیشن پر رکی تو عمران کی آنکھ کھل گئی۔

اس نے دیکھا کہ آسمان پر صبح کی سفیدی پھیل رہی تھی اور باہر مکان اور عمارتیں نظر آ رہی تھیں..... معلوم ہوا کہ حیدر آباد کا سٹیشن آ رہا ہے..... ٹرین حیدر آباد دکن کے سٹیشن پر پہنچ کر رک گئی..... کافی بارونق اور وسیع و عریض پلیٹ فارم تھا..... یہاں سے عمران کو وجے واڑہ جانے والی ٹرین پکڑنی تھی..... ٹرین سے اتر کر اس نے ٹی سٹال پر کھڑے ہو کر چائے کا گلاس لیا اور سٹال والے سے وجے واڑہ جانے والی گاڑی کے بارے میں پوچھا..... اس نے بتایا کہ دن کے سوا آٹھ بجے پلیٹ فارم نمبر پانچ سے وجے واڑہ جانے والی گاڑی چلے گی..... یہاں سب لوگ اردو میں بات کر رہے تھے..... تلگو زبان بھی سننے میں آ رہی تھی مگر اردو بولنے والوں کی تعداد زیادہ تھی اور یہ لوگ ظاہر ہے کہ مسلمان تھے..... یہاں مسلمانوں کا پہناوا اچکن ہے..... مسلمان سرخ ترکی ٹوپی بھی پہنتے ہیں۔

عمران نے سٹیشن پر ہی تھوڑا بہت ناشتہ کر لیا اور پلیٹ فارم نمبر پانچ پر آ کر ایک کونے میں بیٹھ گیا..... ٹرین کے آنے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا..... اس نے انگریزی کا ایک اخبار خرید لیا تھا اور بنچ پر بیٹھا اسے پڑھتا رہا..... درمیان میں وہ اخبار سے نظریں ہٹا کر دائیں بائیں دیکھ بھی لیتا تھا کہ کہیں کوئی خفیہ پولیس والا آدمی تو اس کے پیچھے نہیں لگا ہوا، لیکن ابھی تک ایسی کوئی خطرے کی بات نہیں تھی..... کسی نہ کسی طرح ایک گھنٹہ گزر گیا اور وجے واڑہ جانے والی گاڑی آ گئی..... اس ٹرین میں بھی بھارت کی دوسری ریل گاڑیوں کی طرح کافی رش تھا..... عمران ایک ڈبے میں بیٹھ گیا..... ٹرین حیدر آباد کے سٹیشن پر کافی دیر ٹھہری رہی..... پھر روانہ ہو گئی..... یہ سارا سطح مرتفع کا علاقہ تھا..... کھیت بھی تھے، مگر زیادہ زمین پتھریلی تھی..... تاڑ اور ناریل کے درخت

زیادہ دکھائی دیتے تھے...... اونچے نیچے ٹیلے بھی تھے...... آسمان صاف تھا...... دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ ٹرین دن کے بارہ بجے کے قریب وجے واڑہ پہنچی...... یہ شہر بھی جنوبی بھارت کے اہم شہروں میں سے ایک شہر ہے...... بڑی بڑی عمارتیں ہیں...... آبادی بہت زیادہ ہے...... سمندر کے قریب ہونے کی وجہ سے یہاں مچھلی کی بڑی بھاری منڈی ہے...... یہاں سے جنوب کی جانب گنٹور، نیلور اور مدراس کو گاڑیاں جاتی ہیں...... اس علاقے میں دریائے گوداوری سمندر میں گرتا ہے۔

یہاں عمران کو ہاشم خان سے ملنا تھا۔

وہ ٹرین سے اتر کر ایک آہنی ستون کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور آنے جانے والوں کو غور سے دیکھنے لگا...... اس ٹرین کو وہیں سے حیدر آباد واپس جانا تھا، چنانچہ اس کے پہلے مسافر سارے کے سارے اتر گئے اور حیدر آباد جانے والے مسافر سوار ہونے لگے۔ عمران نے ایک درمیانے قد کے آدمی کو دیکھا کہ وہ ہر ڈبے کے قریب سے گزرتے ہوئے اندر جھانک کر دیکھ لیتا تھا...... اسے دیکھتے ہی عمران نے ہاشم خان کو پہچان لیا...... گھنگھریالے سیاہ بالوں اور گہری سانولی رنگت والا یہ مضبوط جسم والا آدمی ہاشم خان ہی تھا...... عمران ستون سے ہٹ کر آگے ایک ڈبے کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا...... ہاشم خان ڈبوں میں جھانکتا ہوا اس کے قریب آ کر ٹھٹھک گیا...... اس نے بھی عمران کو پہچان لیا تھا، کیونکہ عمران کی فوٹو اس کے پاس بھی پہنچ چکی تھی...... دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ایک دوسرے کو تکتے رہے...... پھر ہاشم خان عمران کو اشارے سے ایک طرف لے گیا...... اس نے کوڈ کا خفیہ جملہ بولا...... اس کے جواب میں عمران نے بھی خفیہ جملہ بول دیا...... اس کے فوراً بعد ہاشم خان نے عمران سے ہاتھ ملایا اور اردو میں کہا۔

”میرے ساتھ آ جاؤ“۔

ہاشم خان نے سیاہ پتلون اور بھورے رنگ کی بش شرٹ پہنی ہوئی تھی...... وہ

عمران کو مال گودام والے چھوٹے دروازے میں سے باہر لے گیا...... باہر ایک طرف ٹیکسی کھڑی تھی...... ہاشم خان نے کہا۔

”یہ میری اپنی ٹیکسی ہے...... میں یہاں ٹیکسی چلاتا ہوں“۔

عمران خاموشی سے ہاشم کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ گیا اور ٹیکسی ایک طرف روانہ ہو گئی۔ اس سے پہلے عمران کو اس شہر میں آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا...... ٹیکسی شہر کی بڑی سڑکوں پر آ گئی جس پر سے بھاری ٹریفک گزر رہی تھی...... ہاشم خان نے کہا۔

”یہ سڑک گنٹور کو جاتی ہے“۔

عمران سڑک کی دونوں جانب ان درختوں کو دیکھ رہا تھا جنہوں نے سڑک پر سایہ کر رکھا تھا...... کچھ دور چلنے کے بعد درختوں کے جھنڈ ختم ہو گئے اور ان کی گاڑی نسبتاً کم آباد علاقے میں سے گزرنے لگی...... دونوں جانب کھیت بھی تھے...... دور دور عمارتیں بھی تھیں اور ان کے عقب میں بھورے رنگ کی پہاڑیاں تھیں جو شمال مشرق کی طرف پیچھے ہٹتی چلی گئی تھیں۔

شہر کی آبادی بہت پیچھے رہ گئی تھی اور گاڑی ویران علاقے میں داخل ہو گئی تھی۔ سامنے دو تین چھوٹی پہاڑیاں تھیں...... ان کے درمیان خودرو جھاڑیاں اور درخت تھے۔ ہاشم خان بولا۔

”ہمیں ان پہاڑیوں کے پیچھے جانا ہے“۔

ان پہاڑیوں کے پیچھے ایک تالاب تھا جس کے کناروں پر اونچی گھاس اور جھاڑیاں تھیں...... تالاب کے عقب میں ٹین کی چھت والا ایک گیراج سا تھا...... باہر ایک گاڑی کا ڈھانچہ ایک طرف پڑا تھا...... قریب ہی دو سکوٹر تھے جن میں سے ایک اگلا ٹائر غائب تھا اور دوسرے کی گدی اکھڑی ہوئی تھی...... صاف لگتا تھا کہ یہ کوئی آٹو ورکشاپ ہے۔

ہاشم خان نے گاڑی ایک طرف کر کے کھڑی کر دی...... گاڑی کی آواز سن کر

گیراج میں سے ایک مستری ٹائپ کا آدمی باہر نکلا...... اس کے ہاتھ میں پانا تھا جس سے ٹائروں کے پیچ وغیرہ کسے جاتے ہیں اس نے تلگو زبان میں کچھ کہا...... ہاشم خان نے اسی زبان میں اسے کوئی جواب دیا...... وہ آدمی گیراج میں واپس چلا گیا...... ہاشم نے عمران سے کہا۔

"یہ اپنا سیکورٹی گارڈ ہے اور مسلمان ہے"۔

عمران نے ٹیکسی میں سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

"یہ ورکشاپ اسی کی ہے"۔

ہاشم نے آہستہ سے کہا۔

"یہ ورکشاپ نہیں ہے"۔

عمران ہاشم خان کے پیچھے پیچھے ورکشاپ میں داخل ہو گیا...... وہاں دیوار کے ساتھ دو تین ڈرم رکھے ہوئے تھے...... ایک میلی سی میز پر گاڑیوں کی مرمت کرنے والے اوزار پڑے تھے...... فضا میں پٹرول اور ڈیزل آئل کی بو پھیلی ہوئی تھی...... ورکشاپ کی عقبی دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ تھا...... مستری ٹائپ کا آدمی جو سیکورٹی گارڈ تھا دروازے کے پاس کھڑا تھا...... اس نے دروازہ کھول دیا...... ہاشم خان اور عمران دروازے میں سے گزر کر دوسری طرف آ گئے...... دوسری جانب ایک تنگ سی کوٹھڑی تھی جس میں گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں کے پرانے ٹائروں کا کونے میں ڈھیر لگا تھا...... دیوار کے ساتھ ایک دھیما سا بلب جل رہا تھا...... سیکورٹی گارڈ نے ورکشاپ کا دروازہ بند کر دیا تھا اور خود باہر ہی رہا۔

ہاشم خان ٹائروں کے ڈھیر کے پیچھے آ گیا...... عمران اس کے ساتھ تھا...... ہاشم نے ایک جگہ سے تین چار ٹائروں کو ہٹا دیا...... ان کے نیچے فرش تھا...... فرش لکڑی کا تھا...... ہاشم نے جھک کر ایک جگہ سے فرش کا تختہ اٹھا دیا اور عمران سے کہا۔

"ہم نیچے جائیں گے"۔

نیچے ایک سرنگ سی بنی ہوئی تھی...... یہ ایک قدرتی سرنگ لگتی تھی...... یہاں بھی چھت پر ایک مدہم بلب روشن تھا...... سرنگ کی دیواروں میں سے پتھر باہر کو نکلے ہوئے تھے...... یہ پہاڑوں کے نیچے بنی ہوئی کوئی قدرتی سرنگ لگتی تھی...... پندرہ بیس قدم چلنے کے بعد سرنگ ایک جانب مڑ گئی...... آگے دیوار میں ایک زینہ اوپر کو جاتا تھا...... ہاشم خان اور عمران زینہ طے کر کے اوپر ایک کمرے میں آ گئے...... آمنے سامنے دیواروں کے ساتھ بانس کی دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں...... درمیان میں ایک نیچی پرانی میز تھی...... کونے میں لکڑی کی بوسیدہ سی الماری تھی...... صرف ایک دیوار میں چھت کے قریب روشن دان تھا جس میں سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی......

ہاشم خان چارپائی پر بیٹھ گیا...... عمران بھی سامنے والی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

ہاشم خان بولا۔

"یہ ہمارا خفیہ ہائیڈ آؤٹ ہے"۔

سامنے والی دیوار میں ایک کھڑکی تھی جو بند تھی...... عمران نے پوچھا۔

"یہاں سے باہر جانے کا کوئی راستہ بھی ہے؟"۔

ہاشم خان نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"اس کھڑکی میں سے باہر کو راستہ جاتا ہے مگر یہ خفیہ راستہ ہے اور گھنے جنگل میں جا کر نکلتا ہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"اس طرف سیکورٹی کا کیا انتظام ہے؟ پولیس اس طرف سے بھی حملہ کر سکتی ہے"۔

ہاشم خان مسکرانے لگا۔

"یہ راستہ جنگل کی ایک گہری گھاٹی میں جاتا ہے...... گھاٹی کی دونوں جانب ہمارے مسلح مجاہد دن رات موجود رہتے ہیں"۔

اتنے میں کھڑکی کا ایک پٹ کھلا اور ایک آدمی اندر آ گیا...... اس نے خاکی رنگ کی بش شرٹ اور اسی رنگ کی پتلون پہن رکھی تھی...... مضبوط بدن کا آدمی تھا...... عمر پینتیس اور چالیس کے قریب تھی...... اس نے عمران سے ہاتھ ملایا اور اس کے پاس چارپائی پر بیٹھتے ہوئے اردو میں کہنے لگا۔

"تمہارے مشن کے بارے میں ہمیں تمام تفصیلات مل گئی تھیں...... اس سلسلے میں ہم نے ابتدائی تحقیقات کا کام بھی مکمل کر لیا ہے...... یہ مشن اپنی نوعیت کے اعتبار سے کچھ پیچیدہ ہے، کیونکہ ہمیں ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون لوگ ہیں جو گنٹور کے پرانے لائٹ ہاؤس تہہ خانے میں نیوکلر میٹریل کی پروسیسنگ کے فرائض انجام دیں گے، لیکن ہمارے آدمی اس کا بہت جلد پتہ چلا لیں گے"

عمران بولا۔

"کیا پرانے لائٹ ہاؤس کے تہہ خانے میں پروسیسنگ پلانٹ کا ضروری سامان لگا دیا گیا ہے؟"۔

اس مجاہد نے اپنا نام عمران سے ہاتھ ملاتے وقت بتا دیا تھا، لیکن اس کا اصلی نام نہیں لکھیں گے...... ایک فرضی نام مراد خان لکھتے ہیں...... مراد خان نے کہا۔

"پرانے لائٹ ہاؤس کے تہہ خانے اور اس کے آس پاس کے علاقے سے ہم بخوبی واقف ہیں...... ہم اسی علاقے کے رہنے والے ہیں اور مچھلی کے شکار کو کبھی کبھی پرانے لائٹ ہاؤس کے پاس جایا کرتے تھے...... ایک دو بار تہہ خانے میں بھی اترے تھے...... جب تمہارے مشن کے بارے میں ہمیں رپورٹ ملی تو ہم مچھلی کے شکار کے بہانے پرانے لائٹ ہاؤس پر گئے تھے تاکہ معلوم کریں کہ وہاں کیا ڈیویلپمنٹ ہو رہی ہے...... ہم نے دیکھا کہ پرانے لائٹ ہاؤس کے چاروں طرف سو ڈیڑھ سو فٹ کے احاطے میں دس بارہ فٹ اونچی خاردار باڑھ لگا دی تھی...... ایک طرف دو فوجی ٹرک کھڑے تھے اور تین چار فوجی ایک جگہ مورچے کھود رہے تھے...... دو فوجی خاردار باڑھ

کے گیٹ پر پہرے دے رہے تھے...... ہم قریب سے گزرے تو فوجیوں نے ہمیں وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا...... ہم وہاں سے چلے گئے تھے"۔

عمران نے کہا...... "لیکن اس بات کا سراغ لگانا بہت ضروری ہے کہ پرانے لائٹ ہاؤس کے تہہ خانے میں نیوکلر میٹریل پہنچا ہے یا نہیں"۔

"وہ تو ہم ہر حالت میں سراغ لگا لیں گے...... میں نے تو تمہیں صرف موجودہ صورت حال سے آگاہ کیا ہے" مراد خان بولا...... "اس وقت ہم تمہیں یہاں صرف اس لئے لائے ہیں کہ ایک تو تم سے ملاقات ہو جائے گی اور دوسرے تمہیں اپنا یہ خفیہ ہیڈ آؤٹ بھی دکھانا تھا...... یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں ہنگامی صورت حال میں ہم میں سے کوئی آ کر چھپ سکتا ہے...... میں تمہیں اس کا جنگل والا وہ راستہ بھی دکھا دوں گا جس راستے سے میں اندر آیا ہوں...... ابھی ہاشم خان تمہیں اس جگہ لے جائے گا جہاں تمہاری رہائش وغیرہ کا انتظام کیا گیا ہے...... میرے ساتھ آ جاؤ"۔

ہاشم خان اور مراد خان دونوں عمران کو ساتھ لے کر کمرے کی کھڑکی میں سے گزر کر ایک دوسری سرنگ میں سے ہوتے ہوئے اس پراسرار ورکشاپ کی پچھلی جانب جنگل میں نکل آئے۔



یہ چھوٹا سا جنگل دو پہاڑی ٹیلوں کے درمیان واقع تھا۔

وہ درختوں اور جھاڑیوں میں سے گزرتے ہوئے ایک کچی سڑک پر آ گئے۔۔۔۔ یہاں آ کر ہاشم خان نے کہا۔

"میں گاڑی لے کر آتا ہوں"۔

وہ چلا گیا تو مراد خان کہنے لگا۔

"یہاں ہم اکیلے نہیں ہیں۔۔۔۔ ہمارے دوسرے ساتھی بھی ہیں۔۔۔۔ وہ وقت کے ساتھ ساتھ تمہیں ملتے رہیں گے۔۔۔۔ یہ تمام لوگ اپنے اندر اسلام اور پاکستان کی سلامتی کی خاطر اپنی جان قربان کر دینے کا جذبہ رکھتے ہیں۔۔۔۔ ان سب کا تعلق دکن یعنی آندھرا پردیش سے ہے اور تربیت یافتہ فوجی ہیں۔۔۔۔ اپنا ہاشم خان دھماکہ خیز مواد تیار کرنے میں ماہر ہے، اسی طرح دوسرے مجاہد بھی اپنے اپنے کام کے ماہر ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"اسلحہ اور دھماکہ خیز میٹریل تیار کرنے کی ٹکنیک دنیا میں بہت ترقی کر گئی ہے اور تیار شدہ حالت میں ایسے ٹائم بم اور ریموٹ کنٹرول بم مل سکتے ہیں جو سائز میں ماچس کی ڈبیا کے سائز کے ہوتے ہیں لیکن تباہی میں بڑے سے بڑا بم بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔۔۔۔ ہمیں ایسے بم دستیاب ہو سکیں تو بہت اچھا ہوگا"۔

مراد خان نے جواب میں کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو۔۔۔۔ اس وقت بھارت کے فوجی اسلحہ خانوں میں جدید سے جدید ترین اسلحہ اور ہر قسم کے تباہ کن بم موجود ہیں اور ان اسلحہ خانوں سے ہم نے شب خون مار کر اتنا اسلحہ اور بم جمع کر رکھے ہیں کہ جو انڈین آرمی کی پوری چھاؤنی کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہے۔۔۔۔ یہ سارا ذخیرہ ہم نے ایک جنگل میں خفیہ جگہ پر چھپا رکھا ہے۔۔۔۔ تمہیں وہ دکھا دیا جائے گا۔۔۔۔ پھر اپنی ضرورت کے مطابق تم وہاں سے جو چاہو لے سکتے ہو۔۔۔۔ اگر اس کے علاوہ تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو وہ بھی تمہیں مہیا کر دی جائے گی"۔

اتنے میں ہاشم خان اپنی پرانے ماڈل کی ٹیکسی لے کر آ گیا۔۔۔۔ مراد خان نے عمران سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"ہاشم خان تمہیں تمہاری نئی رہائش گاہ پر لے جائے گا۔۔۔۔ ابھی تم کھانا وغیرہ کھا کر آرام کرو۔۔۔۔ رات کو ملاقات ہوگی"۔

مراد خان یہ کہہ کر فوراً واپس چلا گیا۔

عمران ہاشم خان کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ کر اپنی نئی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔۔۔۔ یہ رہائش گاہ وہاں سے تین چار میل کے فاصلے پر ایک درمیانے درجے کی کالونی کے کونے میں تھی۔۔۔۔ نیچے سکوٹروں، موٹروں وغیرہ کی مرمت کی دکان تھی اور اوپر رہنے کے لئے ایک کمرہ تھا جس کے ساتھ ہی باتھ روم اور چھوٹا سا باورچی خانہ بھی تھا۔۔۔۔ آٹو ورکشاپ میں دو لڑکے ایک رکشا انجن کی مرمت کر رہے تھے۔۔۔۔ ایک بوڑھا آدمی قریب ہی سٹول پر بیٹھا بیڑی پی رہا تھا۔۔۔۔ ہاشم خان کو آتے دیکھ کر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔۔۔۔ ہاشم خان نے اسے کہا۔

"شبراتی چچا! ہمارے ساتھ اوپر آ جاؤ"۔

اوپر چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ایک پرانا صوفہ اور ایک پرانا پلنگ پڑا تھا۔۔۔۔ پلنگ پر بستر لگا ہوا تھا۔۔۔۔ اوپر آنے کے بعد ہاشم خان نے بوڑھے چچا شبراتی سے کہا۔

"چچا! یہ ہمارے مہمان ہیں بنگلہ دیش میں ان کا بہت بڑا آٹو ورکشاپ ہے...... یہاں وجے واڑہ میں یہ اپنا ایک ورکشاپ کھولنا چاہتے ہیں...... یہ کچھ روز ہمارے ہاں ٹھہریں گے...... ان کا خاص خیال رکھنا ہوگا"۔

شبراتی چچا نے عمران کو سلام کیا اور کہا۔

"جناب ہم آپ کو ہر طرح سے آرام پہنچانے کی کوشش کریں گے...... مرغ بریانی پکانے میں میرا سارے دکن میں کوئی ثانی نہیں...... اس کے علاوہ آپ جو کہیں گے میں آپ کو پکا دوں گا"۔

عمران بولا۔

"ٹھیک ہے چچا...... مگر میں سادہ غذا کھاتا ہوں"۔

ہاشم خان نے شبراتی سے کہا۔

"اس وقت جو کچھ پکا ہے لے آؤ...... مجھے بھی سخت بھوک لگ رہی ہے"۔

"ابھی لایا جناب"۔

یہ کہہ کر شبراتی چچا کچن کی طرف چلا گیا...... ہاشم خان کرسی پر اور عمران پلنگ پر بیٹھ گیا...... اس نے دبی زبان میں ہاشم خان سے پوچھا۔

"کیا شبراتی اپنا رازدار آدمی ہے"۔

ہاشم خان نے کہا۔

"نہیں! مگر یہ ہمارا بڑا پرانا ملازم ہے...... یہ ہماری رازداری کا کمال ہے کہ اس کو آج تک ہماری خفیہ سرگرمیوں کا علم نہیں ہو سکا...... ہمیں یہاں بے حد رازداری سے کام لینا پڑتا ہے"۔

عمران خان نے کہا۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا کہ اس بوڑھے ملازم کو آپ کی خفیہ سرگرمیوں کا علم نہیں ہے؟"۔

ہاشم خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عمران بھائی! ہم کوئی اناڑی نہیں ہیں...... ہمیں دوسروں کے دل میں جھانک کر ں کے دل کا حال معلوم کرنا آتا ہے...... بہر حال تمہیں شبراتی کے آگے محتاط ہی رہنا گا...... میں ٹیکسی چلاتا ہوں اور مراد خان نے یہاں نیچے اپنا ورکشاپ قائم کر رکھا ہے ہم یہاں یہ کام پندرہ بیس سالوں سے کر رہے ہیں...... اس کالونی میں زیادہ تر لمانوں کی آبادی ہے...... کالونی کے سارے لوگ ہماری بڑی عزت کرتے ہیں...... دونوں یعنی میں اور مراد خان غیر شادی شدہ ہیں...... ہم دونوں نے کالونی میں یہاں ے چند قدموں کے فاصلے پر ایک کوارٹر کرائے پر لے رکھا ہے...... ہم دونوں وہاں تے ہیں...... ورکشاپ کے اوپر والا یہ کمرہ ہم نے مہمانوں کے لئے بنایا ہوا ہے اور ے مہمان اکثر ہماری تنظیم کے مجاہد ہی ہوتے ہیں"۔

بوڑھا شبراتی کھانا لے آیا...... عمران اور ہاشم خان نے مل کر کھانا کھایا...... اس بعد بوڑھا شبراتی نیچے جانے لگا تو بولا۔

"صاحب! چائے بنا دوں یا بازار سے لے آؤں؟"۔

ہاشم خان نے کہا۔

"بازار سے لے آؤ"۔

وہ چلا گیا تو ہاشم خان نے کہا۔

"شبراتی کو ہم نے خاص طور پر ہدایت کر رکھی ہے کہ جب بھی ہمارا کوئی مہمان ٹھہرے تو تم ضرورت سے زیادہ اوپر نہیں رہو گے، اپنا کام ختم کر کے نیچے چلے جاؤ...... وہ رات کو سوتا بھی نیچے ورکشاپ میں ہے"۔

شبراتی کچھ دیر بعد چائے لے آیا...... چائے میز پر رکھ کر چلا گیا...... ہاشم خان چائے پیتے ہوئے کہا۔

"میرے جانے کے بعد تم آرام کرنا...... میں شام ہوتے ہی آجاؤں گا...... میں

اپنی ٹیکسی نیچے ورکشاپ میں ہی کھڑی کرتا ہوں“۔

چائے پینے کے فوراً بعد ہاشم خان بھی چلا گیا...... عمران نے کمرے کا د بند کر کے کنڈی لگائی اور بستر پر لیٹ گیا...... ٹرین کے سفر کا تھکا ہوا تھا...... اسے نیند آ گئی۔

دروازے پر دستک کی آواز سے وہ جاگ پڑا...... اس نے دیوار پر لگے کلا طرف دیکھا...... شام کے سات بج رہے تھے...... اس نے دروازہ کھولا۔

ہاشم خان اندر آ گیا...... کہنے لگا۔

”نیند آ گئی تھی یا نہیں؟“۔

عمران نے کہا۔

”میں تو سارا وقت سوتا رہا ہوں...... تمہارے آنے سے میری آنکھ کھلی ہے“

وہ پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

”رات پڑتے ہی مراد خان بھی آ جائے گا...... وہ شام کو اپنے ورکشاپ ہوتا ہے، لیکن اپنے نئے مشن کے سلسلے میں اسے ایک جگہ ضروری جانا تھا“۔

باورچی خانے میں شبراتی رات کا کھانا تیار کر رکھا تھا...... ہاشم خان نے اسے دے کر چائے بنانے کو کہا...... وہ عمران سے باتیں کرنے لگا، عمران نے کہا۔

”ہاشم بھائی! ہمیں اس بات کی پوری خبر رکھنی ہو گی کہ باہر سے نیو کلر پرانے لائٹ ہاؤس کے تہہ خانے والی لیبارٹری میں کب آتا ہے...... یہ بہت ض ہے“۔

ہاشم خان بولا۔

”مراد خان اس سلسلے میں مصروف ہے تم بے فکر رہو...... ہمارے مجاہد تو پردیش سرکار کے ہر ادارے میں موجود ہیں...... ہمیں پل پل کی خبر ملتی رہتی نیو کلر مواد کا بھی ہمیں بروقت پتہ چل جائے گا“۔

بوڑھا شبراتی چائے کی دو پیالیاں رکھ کر کچن میں واپس چلا گیا...... ہاشم خان کہنے لگا۔

”تمہیں یہاں باہر آتے جاتے بڑی احتیاط سے کام لینا ہو گا...... تمہیں یہاں اگر نے پوچھا تو اپنا نام کمال احمد بتاؤ گے اور یہی کہو گے کہ بنگلہ دیش کے شہر رنگ پور تمہارا آٹو ورکشاپ ہے...... تم کاروباری سلسلے میں یہاں آئے ہوئے ہو...... اس ے زیادہ کسی سے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... ہم نے یہاں تمہارا یہی م ایک دو دکاندار کو بتایا ہے“۔

عمران بولا۔

”ہاشم بھائی! تم جس طرح کہتے ہو میں ویسے ہی کروں گا...... میری طرف سے ی تم بے فکر رہو...... یہ میرا پہلا مشن نہیں ہے“۔

ہاشم خان مسکرانے لگا...... بولا۔

”ہمیں اچھی طرح سے معلوم ہے کہ تم ایک انتہائی تجربہ کار اور دلیر کمانڈو ہو ر تم نے بڑے معرکے مارے ہیں اور ہمیں تم پر فخر ہے...... تمہارے کارناموں کی ری تاریخ ہمیں معلوم ہے...... پھر بھی جو احتیاطی تدابیر میں نے تمہیں بتائی ہیں ان ا بتانا بہت ضروری تھا“۔

عمران نے تکلفاً کہا۔

”اس کے لئے میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں“۔

رات ذرا گہری ہوئی تو مراد خان بھی آ گیا...... مراد خان نے ہاشم سے کہا۔

”ہاشم خان! تم نیچے ورکشاپ میں جاؤ...... کاریگر جانے والے ہیں...... میں عمران کے پاس بیٹھتا ہوں“۔

ہاشم خان نیچے چلا گیا...... مراد خان نے عمران سے پوچھا کہ وہاں اسے کوئی دقت تو محسوس نہیں ہو رہی...... عمران بولا۔

”مراد بھائی! ہم کمانڈو لوگ ہیں...... ہم تو رات کو پتھروں پر بھی سو جاتے

ہیں...... یہاں تو مجھے ہر طرح کا آرام ہے"۔

مراد خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہیں آرام کی ہی ضرورت ہے، کیونکہ جو مشن ہمارے سامنے ہے ہو سکے اس میں ہمیں راتوں کو ویران علاقوں میں جاگنا بھی پڑ جائے"۔

"میں اس کے لئے تیار ہوں مراد بھائی" عمران بولا۔

"یہ مجھے معلوم ہے" مراد خان نے کہا...... "بلکہ ہم سب تیار ہیں...... ہر طرح سے تیار ہیں"۔

عمران کہنے لگا...... "ہمارے مشن کا جو سب سے مشکل مرحلہ ہے وہ اس میٹریل کا خفیہ کوڈ نمبر معلوم کرنا ہے، کیونکہ صرف اس خفیہ کوڈ نمبر سے ہی ہمارا دشمن کے اس خطرناک حربے کا توڑ دریافت کر سکے گا...... اس خفیہ کوڈ نمبر میں رازداری برتی جاتی ہے اور جس ملک کو یہ ایٹمی مواد فراہم کیا جاتا ہے اس کا صرف یا زیادہ سے زیادہ دو سائنس دانوں کو ہی اس کوڈ نمبر کا علم ہوتا ہے...... نیوکلر مواد ملک کسی نہ کسی طرح اپنے ملک میں منگوا سکتا ہے، لیکن جب تک اس کے پاس اس میٹریل کا خفیہ کوڈ نمبر نہیں ہوتا وہ نہ تو اس کی پروسیسنگ کر سکتا ہے اور نہ کوئی ملک اس کا کوئی توڑ تیار کر سکتا ہے...... نیوکلر میٹریل کے بھارت میں سمگل ہونے ہمیں سب سے پہلے اس بات کا پتہ چلانا ہوگا کہ اس ایٹمی مواد کا کوڈ نمبر کس کے ہے...... ہمیں اس آدمی کا کھوج لگا کر اس سے یہ خفیہ کوڈ نمبر حاصل کرنے کے باقاعدہ منصوبہ تیار کرنا ہوگا...... اس کے بعد یہ خفیہ نمبر ہمیں اپنے خفیہ ادارے ذریعے اپنے ملک پہنچانا ہوگا...... اس کے بعد ہمارا دوسرا مشن پرانے لائٹ ہاؤ لیبارٹری کو تباہ کرنا ہوگا تاکہ بھارت اس کی پروسیسنگ کرنے کے بعد ہمارے ملک خلاف ایٹمی میزائل تیار نہ کر سکے...... ہمیں جو رپورٹ ملی ہے اس کے مطابق جو میٹریل بھارت کو سپلائی کیا جا رہا ہے یہ انتہائی تباہ کن اور خطرناک ترین اور بے پناہ

پھیلانے والا میٹریل ہے اور اس کی وجہ سے ہمارے ملک کی سلامتی کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا ہے"۔

مراد خان نے عمران کی ساری بات سننے کے بعد کہا۔

"میں خفیہ کوڈ نمبر کی اہمیت کو اچھی طرح سے سمجھتا ہوں، چنانچہ ہمارا پہلا مشن اس آدمی کا سراغ لگانا ہوگا جس کو اس کوڈ نمبر کا علم ہے...... وہ ایک آدمی ہو یا دو آدمی ہوں، ہم ہر حالت میں اس کا سراغ لگا لیں گے اور پھر جیسے بھی ہو اور ہمیں جو کچھ بھی کرنا پڑا ہم اس سے خفیہ کوڈ نمبر معلوم کر لیں گے...... لیکن اس وقت ہمیں کچھ کھانے کی ضرورت ہے"۔

مراد خان نے شبراتی کو جو کچن میں تھا...... آواز دے کر کہا۔

"شبراتی چچا جو کچھ پکایا ہے لے آؤ"۔

اس دوران ورکشاپ بند کر کے نیچے سے ہاشم خان بھی آ گیا...... شبراتی نے دال چاول بنائے تھے...... انہوں نے کھانا وغیرہ کھایا...... اس کے بعد چائے پی اور ہاشم خان اور مراد خان دونوں عمران کو خدا حافظ کہہ کر چلے گئے۔

اس مکان میں عمران کو رہتے ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا...... اس دوران وہ بہت کم گھر سے باہر نکلتا تھا...... ایک دو بار مراد خان اسے ساتھ لے کر وجے واڑہ کی آٹو مارکیٹ میں بھی گیا تاکہ اگر کوئی خفیہ ایجنسی کا آدمی اس کی نگرانی کر رہا ہو تو اسے یقین ہو جائے کہ عمران واقعی اپنے آٹو ورکشاپ کے سلسلے میں وجے واڑہ آیا ہوا ہے...... مراد خان مسلسل اپنے آدمیوں کے ذریعے یہ معلوم کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا کہ فرانس سے سپلائی کیا جانے والا نیوکلر مواد بھارت میں پہنچا ہے یا نہیں...... رات کو تقریباً روزانہ ایک دو گھنٹے عمران کے ساتھ مراد خان اور ہاشم خان کی میٹنگ ہوتی تھی...... دوسرے ہفتے کا پہلا دن بھی گزر گیا...... دوسرے روز عمران شام کے وقت مکان کے چھوٹے سے کمرے میں اکیلا بیٹھا سوچ رہا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ نیوکلر

مواد بھارت پہنچ گیا ہو اور مراد خان کے آدمیوں کو اس کی خبر ہی نہ ہوئی ہو...... یہ بڑی تشویش کی بات تھی، اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔

عمران نے اپنے پریشان خیالات سے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا...... دوسری بار دستک ہوئی تو اس نے دروازے کے پاس جا کر پوچھا کہ کون؟ وہ مراد خان تھا...... عمران نے دروازہ کھول دیا...... مراد خان اندر آ گیا...... اس نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی اور خاموشی سے عمران کے سامنے والی کرسی کو آگے کھینچتے ہوئے بیٹھ گیا...... مراد خان نے عمران کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کچھ پریشان تھے"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے صرف ایک ہی پریشانی ہے کہ کہیں ہماری بے خبری میں نیوکلر میٹریل بھارت نہ پہنچ گیا ہو"۔

مراد خان نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"ایسا ہو بھی سکتا تھا، لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایسا نہیں ہوا...... جب ایٹمی مواد ایئر فرانس کے ایک طیارے کے ذریعے ممبئی کے ہوائی اڈے پر پہنچا تھا تو ہمارے آدمیوں نے ممبئی سے اسی وقت ہمیں خبر کر دی تھی"۔

عمران نے اطمینان کا سانس لیا اور کہا۔

"خدا کا شکر ہے...... میں تو بہت پریشان تھا"۔

مراد خان بولا۔

"ایئر فرانس کا طیارہ...... یہ ایٹمی میٹریل لے کر ایک گھنٹہ پہلے ممبئی پہنچا تھا اور مجھے پندرہ منٹ ہوئے اس کی اطلاع ہمارے خفیہ ریڈیو ٹرانسمیٹر پر ملی ہے اور میں سیدھا تمہارے پاس آ گیا ہوں"۔

عمران نے پوچھا۔

"کیا یہ میٹریل عام فلائٹ میں لایا گیا ہے؟"۔

مراد خان نے کہا۔

"ایسی حماقت کوئی بھی حکومت نہیں کرے گی...... اس مقصد کے لئے خاص طور پر ایئر فرانس کا طیارہ چارٹرڈ کیا گیا تھا...... ہمیں جو رپورٹ ملی ہے اس کے مطابق یہ ایٹمی مواد چھ سلنڈروں میں سیل بند ہے اور ان سلنڈروں کو لکڑی کے سلنڈر سائز کے چھ کریٹوں میں پیک کر کے لایا گیا ہے...... طیارے کے ساتھ انڈین سنٹرل سیکورٹی فورس کا ایک سپیشل دستہ بھی آیا ہے جسے خاص طور پر اس قیمتی مواد کی حفاظت کے لئے بھارت سے فرانس بھیجا گیا تھا۔

عمران نے پوچھا۔

"یہ میٹریل سیدھا گنٹور کے پرانے لائٹ ہاؤس میں پہنچایا جائے گا یا ممبئی سے دلی لے جایا جائے گا"۔

مراد خان نے کہا۔

"ہماری اطلاع کے مطابق یہ سلنڈر ممبئی سے اٹامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی میں لے جائے جائیں گے...... اس کے بعد انہیں گنٹور کی زیر زمین لیبارٹری میں منتقل کر دیا جائے گا"۔

"نئی دہلی میں یہ سلنڈر کتنے دن رکھے جائیں گے؟"۔

عمران نے پوچھا...... مراد خان نے جواب میں کہا۔

"اس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں، لیکن جب یہ میٹریل گنٹور پہنچے گا تو ہمیں اسی وقت خبر ہو جائے گی"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے ممبئی میں بتایا گیا ہے کہ گنٹور کی لیبارٹری میں اس میٹریل کی پروسیسنگ میں کم از کم ڈیڑھ دو ماہ ضرور لگ جائیں گے"۔

"تمہیں ٹھیک بتایا گیا ہے...... مراد خان نے کہا" یہ ہمارے حق میں ایک اچھی بات ہے...... اس دوران ہمیں نیوکلر میٹریل کا خفیہ کوڈ نمبر معلوم کرنے کا وقت مل جائے گا۔

عمران نے کسی قدر تشویش کے ساتھ کہا۔

"مراد بھائی! خفیہ کوڈ کی سراغ رسانی کے کام میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے...... اگر ہمیں کسی وجہ سے یہ کوڈ نمبر معلوم نہ ہو سکا تو نیوکلر میٹریل تباہ کرنے سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا...... بھارت اسی کوڈ نمبر کا ایٹمی مواد فرانس سے دوبارہ منگوا کر اس پر کام شروع کر سکے گا"۔

مراد خان بولا۔

"عمران بھائی! ہماری کوشش تو یہی ہوگی کہ جتنی جلدی ہو سکے ہم اس خاص آدمی کا سراغ لگالیں جس کے پاس کوڈ نمبر ہوگا...... آگے جو اللہ کو منظور"۔

مراد خان کے اس جواب نے عمران کو مطمئن نہ کیا، مگر اس بارے میں اپنے عدم اطمینان کو عمران نے مراد خان پر ظاہر نہ کیا...... کبھی اسے خیال آتا کہ یہ لوگ اپنے سراغ رسانی کے مشن میں کامیاب ہو جائیں گے ...... کبھی اسے خیال آتا کہ یہ کام ان لوگوں کی پہنچ سے باہر ہے...... اس نے مراد خان سے کہا۔

"اس سلسلے میں...... اگر میری مدد بھی درکار ہو تو مجھے خوشی ہوگی"۔

مراد خان نے کہا۔

"عمران بھائی! تمہاری مدد کی ہمیں بڑی ضرورت ہوگی، لیکن جب ضرورت ہوگی تو اس وقت تمہیں بتا دیں گے...... اس کی تم فکر مت کرو"۔

عمران کو آٹو ورکشاپ والے مکان میں رہتے ہوئے مزید ایک ہفتہ گزر گیا...... اس دوران بھی حسب معمول عمران زیادہ تر مکان کے اندر ہی رہا...... مراد خان سے اس کی دن میں ایک بار رات کو ضرور ملاقات ہوتی...... مراد خان اپنی اور اپنے آدمیوں

کارگزاری کے بارے میں عمران کو بتاتا، ایک رات کو عمران سے ملنے آیا تو کہنے لگا۔

"ہم نے اس آدمی کا سراغ لگالیا ہے جس کے پاس نیوکلر مواد کا خفیہ کوڈ نمبر ہے"۔

عمران نے کہا...... "یہ تو بہت اچھا ہوا...... کون ہے وہ؟"۔

مراد خان نے کہا۔

"اس کا نام کانتی لال ہے...... گجرات کاٹھیاواڑ کا رہنے والا ہے...... اس کا تعلق ...ت کی سنٹرل نیشنل سیکورٹی کونسل سے ہے...... چالیس برس کا دبلا پتلا تجربہ کار ...ی ہے...... بڑا زیرک اور خاموش طبع آدمی ہے...... صوبہ گجرات کی انٹیلی جنس ...ی کا سربراہ بھی رہ چکا ہے...... ہم صرف کانتی لال کی اسی ایک کمزوری سے فائدہ ...نے کی کوشش کر سکتے ہیں"۔

"وہ کمزوری کیا ہے؟" عمران نے پوچھا۔

مراد خان بولا۔

"کانتی لال شراب اور عورتوں سے میل جول رکھنے کا بہت شوقین ہے، مگر یہ ...کچھ وہ بڑی احتیاط کے ساتھ کرتا ہے...... عام محفلوں میں شراب کو ہاتھ نہیں ...... یہاں وجے واڑہ میں اس کی ایک پرانی دوست کیسر بائی شہر کے فیشن ایبل ...تے کے ایک فلیٹ میں رہتی ہے...... نیم طوائف ہے...... اونچی سوسائٹی کی آزاد ...عورتیں اس کے ہاں آتی جاتی رہتی ہیں...... شہر کے دولت مند عیاش طبع لوگ کیسر بائی کے فلیٹ پر آتے ہیں، مگر ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے...... کیسر بائی بڑی ...ط اور سمجھ بوجھ کے ساتھ یہ کاروبار چلا رہی ہے...... کانتی لال کے ساتھ چونکہ ...بائی کی بڑی پرانی دوستی ہے اور کیسر بائی جانتی ہے کہ کانتی لال شراب اور عورتوں ...قین ہونے کے باوجود لوگوں کے ساتھ میل جول پسند نہیں کرتا، اس لئے ...ائی نے اپنے فلیٹ میں ایک الگ چھوٹا کمرہ کانتی لال کو دے رکھا ہے جہاں کانتی ...مرف رات کے وقت خاموشی سے آتا ہے...... کیسر بائی کبھی خود اس کے ساتھ

بیٹھ جاتی ہے...... کبھی کسی خوبصورت لڑکی کو اس کے پاس بھیج دیتی ہے جو ش کباب سے کانتی لال کی خدمت کرتی ہے...... کیسر بائی کے ہاں دو تین گھنٹے گز کے بعد کانتی لال وجے واڑہ پولیس لائنز والے اپنے فلیٹ پر واپس چلا جاتا ہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"کیا آپ کے آدمیوں نے اس بات کی تصدیق کرلی ہے کہ نیو کلر مواد کا کو نمبر کانتی لال کے پاس ہی ہے اور دوسرے کسی سائنس دان کے پاس نہیں ہے"۔

"اس کی تصدیق ہو چکی ہے" مراد خان نے کہا۔

عمران کہنے لگا۔

"کیا کانتی لال نیو کلر فزکس کا آدمی بھی ہے؟"۔

مراد خان نے کہا۔

"بالکل نہیں...... وہ نیو کلر سائنس کا آدمی نہیں ہے...... اس کا تعلق نیشنل سیکورٹی سے ہے اور اپنی ڈیوٹی کے معاملے میں بڑا سخت گیر آدمی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"اگر نیو کلر مواد کا کوڈ نمبر صرف ایک آدمی کانتی لال کے پاس ہے دوسرے کسی بھارتی سائنس دان کو اس کا علم نہیں ہے تو پھر یہ سائنس دان نیو کی پروسیسنگ کیسے کریں گے؟"۔

مراد خان نے کہا۔

"پروسیسنگ کرنے والے سائنس دانوں کو خفیہ کوڈ نمبر ڈی مائیفر کرنے ایک فارمولے کی شکل میں دیا جاتا ہے...... یہ فارمولا بھی کسی ایک سائنس پورے کا پورا نہیں دیا جاتا، بلکہ ہر سائنس دان کو فارمولے کا صرف وہ حصہ د جس کی پروسیسنگ میں سائنس دان کو ضرورت ہوتی ہے...... اس طرح کسی دان کو پورا فارمولا معلوم نہیں ہوتا"۔

عمران نے ایک سیکنڈ کے توقف کے بعد مراد خان سے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں ہمیں کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے"۔

مراد خان کہنے لگا۔

"کانتی لال بے حد احتیاط پسند آدمی ہے...... کسی سے بے تکلف بھی نہیں تا...... یہ اس کے سیکورٹی کے فرائض کا تقاضا بھی ہے اور کانتی لال کا مزاج بھی ایسا لیکن جیسا کہ میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں اس شخص کی شراب اور عورت بہت بڑی وری ہے...... خاص طور پر اعلیٰ ترین شراب کا کانتی لال عاشق ہے...... اعلیٰ شراب کو ھ کر وہ بے تاب ہو جاتا ہے...... ہم نے کانتی لال کی اس کمزوری کو سامنے رکھ کر ب منصوبہ بنایا ہے...... اس منصوبے میں تمہیں مرکزی کردار ادا کرنا ہوگا"۔

عمران کی ساری توجہ مراد خان کی طرف تھی۔ اس نے پوچھا۔

"یہ منصوبہ کیا ہے؟"۔

مراد خان نے عمران کو پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ سارا منصوبہ دیا...... عمران بڑے غور سے سنتا رہا...... اس نے پوچھا۔

"اس منصوبے کے لئے کافی وسائل کی ضرورت ہے...... کیا یہ سارے وسائل رے ہو سکیں گے؟"۔

مراد خان نے کہا۔

"یہ سوچنا ہمارا کام ہے...... تمہارا نہیں...... اتنا میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہیں جس چیز کی ضرورت ہوگی وہ تمہیں مہیا کر دی جائے گی...... ہمارے پاس وقت تا ہے...... اس لئے تمہیں کل ہی اس کی تیاری شروع کر دینی ہوگی"۔

عمران نے کہا۔

"میں تیار ہوں...... میں اپنی ڈیوٹی پوری ذمے داری سے ادا کرنی جانتا ہوں"۔

مراد خان بولا۔

"سب سے پہلے تو تمہیں کل صبح منہ اندھیرے یہاں سے واپس اپنی جنگ
خفیہ کیمپ گاہ میں چلنا ہوگا...... وہاں تمہیں وہ تمام ضروری اشیاء مہیا کر دی جا
جن کی تمہیں اس مشن کے لئے ضرورت ہے...... تمہیں تھوڑی سی بریفنگ بھ
جائے گی...... اس کے بعد تم شہر کے ایک فیشن ایبل ہوٹل میں قطر کے ایک
صنعت کار کی حیثیت سے منتقل ہو جاؤ گے...... تمہارا نام گوپی چند اگروال ہوگا...
ظاہر کرو گے کہ قطر میں تمہارا آٹو سپیئر پارٹس کا بہت بڑا کاروبار ہے اور تم آ
پردیش میں آٹو سپیئر پارٹس بنانے کا ایک کارخانہ قائم کرنے کے امکانات کا جائز
آئے ہو...... تم اپنے آپ کو امرتسر کا ہندو پنجابی ظاہر کرو گے جسے قطر میں کا
کرتے پندرہ بیس برس گزر چکے ہیں...... ہمارا ایک آدمی تمہارے پرسنل سیکرٹر
طور پر تمہارے ساتھ ہوگا...... اس کا ہمارے ساتھ مسلسل رابطہ ہوگا اور ہمارے
سے تمہیں بتاتا رہے گا کہ آگے تمہیں کیا کرنا ہے...... اس آدمی کا نام سکندر علی
مگر وہ راج کمار کے نام سے تمہارے ساتھ ہوگا...... اس آدمی سکندر علی سے تمہیں
خفیہ کیمپ گاہ میں ملا دیا جائے گا...... وہ اورنگ آباد کا رہنے والا ایک پڑھا لکھا ذ
نوجوان ہے...... یہاں اس کی صورت سے کوئی بھی واقف نہیں ہے...... اسے ہم
خاص طور پر اورنگ آباد سے منگوایا ہے...... وہ آج رات ہماری خفیہ کیمپ گاہ میں
جائے گا"۔

عمران نے پوچھا۔

"مگر یہ منصوبہ تو بہت مہنگا ہے...... اس کے لئے روپیہ کہاں سے آئے گا؟"

مراد خان نے کہا۔

"روپے کی ہمارے پاس کمی نہیں ہے...... اس کی بھی ایک جھلک تمہیں
دکھا دی جائے گی...... میں صبح چار بجے آؤں گا تم تیار رہنا"۔

مراد خان کے جانے کے بعد عمران دیر تک اس نئے منصوبے کے بارے میں

کرتا رہا...... اگرچہ ان لوگوں کی اسلامی تنظیم کو دکن کے دولت مند مسلمانوں کی مالی
امداد حاصل تھی لیکن جو منصوبہ مراد خان نے عمران کو بتایا تھا اس پر بے دریغ روپیہ
بہانے کی ضرورت تھی۔

عمران ٹائم پیس کو صبح ساڑھے تین بجے کا الارم لگا کر سویا تھا...... گھڑی کے الارم
نے اسے ٹھیک وقت پر جگا دیا...... اس نے اٹھ کر جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا...... خود
ہی کچن میں جا کر چائے بنا کر پی...... اتنے میں مراد خان بھی آ گیا...... ہاشم خان کی ٹیکسی
نیچے ورکشاپ کے گیراج میں موجود تھی...... ہاشم خان نے ٹیکسی باہر نکالی...... مراد
خان اور عمران اس میں بیٹھ گئے اور ٹیکسی پچھلی رات کے اندھیرے میں وجے واڑہ کی
خالی خالی سڑکوں پر روانہ ہو گئی...... خفیہ کیمپ گاہ میں سکندر علی نامی ایک سانولے رنگ
کا ذہین آنکھوں اور تیکھے نقش و نگار والا لڑکا پہلے سے ان کا انتظار کر رہا تھا...... مراد خان
نے عمران سے اس کا تعارف کروایا۔

"یہ سکندر علی ہے...... بڑا جانباز قسم کا مجاہد ہے...... کشمیر کے جہاد میں بھی تین
بار شریک ہونے کی سعادت حاصل کر چکا ہے...... اس کو سب کچھ سمجھا دیا گیا ہے"۔

پھر مراد خان نے سکندر علی سے عمران کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

"سکندر علی! یہ ہمارا سرفروش کمانڈو عمران ہے جس کے کارنامے ہم مجاہدوں کی
تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جائیں گے، مگر اب یہ تمہارے پاس گوپی چند اگروال
ہیں اور تم ان کے پرسنل سیکرٹری راج کمار ہو...... باقی تمہیں جو کچھ کرنا ہے تمہیں بتا دیا
گیا ہے"۔

سکندر علی نے عمران کے ساتھ بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

"آپ کی میں نے کشمیر کے محاذ پر بھی مجاہدوں سے بڑی تعریف سنی تھی...... یہ
میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے آپ کے ساتھ. اسلام دشمن کافروں کے خلاف جہاد
کرنے کا موقع مل رہا ہے"۔

مراد خان نے سکندر علی سے کہا۔

"سکندر علی! چارپائی کے نیچے دو سوٹ کیس رکھے ہیں، انہیں کھینچ کر باہر نکالو"۔

سکندر علی نے دونوں سوٹ کیس چارپائی کے نیچے سے باہر نکال دیئے...... مراد خان نے کہا۔

"انہیں کھول کر عمران کو دکھاؤ"۔

سکندر علی نے باری باری دونوں سوٹ کیسوں کو کھول دیا...... نیچی چھت والی کمین گاہ میں بجلی کا بلب جل رہا تھا...... عمران نے اس کی روشنی میں جو کچھ دیکھا اس پر اسے یقین نہیں آ رہا تھا...... دونوں سوٹ کیس بڑے سائز کے تھے اور بھارت کے کرنسی نوٹوں سے بھرے ہوئے تھے...... مراد خان نے نوٹوں کی ایک گڈی اٹھا کر عمران کے ہاتھ میں دے دی اور کہا۔

"یہ والا سوٹ کیس ہزار ہزار روپے کے کرنسی نوٹوں کی گڈیوں سے اور دوسرا سوٹ کیس پانچ پانچ سو والے بھارتی کرنسی نوٹوں سے بھرا ہوا ہے...... ساتھ والی کوٹھڑی میں اس سے بھی بڑا ایک اور سوٹ کیس ہے جو سو سو کے نوٹوں سے بھرا ہوا ہے...... تم اس مشن پر ضرورت کے مطابق جتنا چاہو خرچ کر سکتے ہو اور اگر روپیہ پانی کی طرح بہانا چاہو تو وہ بھی کر سکتے ہو...... اب تمہیں یقین آ گیا ہو گا کہ ہمارے وسائل لامحدود ہیں"۔

عمران ہزار ہزار کے بھارتی کرنسی نوٹوں کو ایک ایک کر کے دیکھ رہا تھا...... مراد خان بولا۔

"یہ بالکل اصلی نوٹ ہیں...... اس کی تم فکر نہ کرو"۔

عمران نے نوٹوں کی گڈی سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ اتنے سارے نوٹ آپ کے پاس کہاں سے آ گئے؟"۔

مراد خان مسکرایا، کہنے لگا۔

"یہ سب کے سب جعلی نوٹ ہیں، لیکن انہیں ایسی ٹیکنیکل مہارت سے چھاپا گیا ہے کہ ان میں اور اصلی کرنسی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے...... کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی انہیں نقلی نوٹ ثابت نہیں کر سکتا"۔

پھر ہنستے ہوئے بولا۔

"ہمارے جن کاری گروں نے یہ جعلی نوٹ تیار کئے ہیں وہ اپنے کام میں اتنے ماہر ہیں کہ اگر انہیں کہا جائے تو وہ اصلی آدمی کے مقابلے میں بالکل ویسے کا ویسا نقلی آدمی بھی تیار کر سکتے ہیں"۔

مراد خان نے سکندر علی کو اشارہ کیا...... اس نے دونوں سوٹ کیس بند کر کے انہیں چارپائی کے نیچے چھپا دیا...... اس کے بعد مراد خان عمران کو دوسری چھوٹی کوٹھڑی میں لے گیا...... وہاں بھی ایک بلب روشن تھا...... چارپائی پر جو کچھ پڑا تھا ایک سونے کی زنجیر والی گھڑی ان میں دو انگریزی سمر سوٹ تھے...... یعنی کوٹ پتلون ایک نسواری رنگ کا دوسرا گرے رنگ کا جوتوں کے دو جوڑے تھے...... دو چپل تھے...... چار سلیپنگ سوٹ تھے...... چار نک ٹائیاں اور ریشمی جرابیں تھیں...... چار ہی خوبصورت نئی مردانہ قمیضیں تہہ کر کے رکھی ہوئی تھیں...... دو رومال تھے...... ایک مردانہ بٹوہ تھا جس میں نوٹ اور وزیٹنگ کارڈ اور چیک بک وغیرہ رکھی جاتی ہے...... مراد خان نے عمران سے کہا۔

"یہ وہ لباس ہے جسے پہن کر تم نے اپنے مشن کا پہلا مرحلہ شروع کرنا ہے"۔

اس نے چارپائی پر سے بٹوہ اٹھا کر کھولا اور اس میں رکھے ہوئے پندرہ بیس وزیٹنگ کارڈوں میں سے ایک کارڈ نکال کر عمران کو دکھایا...... یہ سنہری کناروں والا بڑا خوبصورت کارڈ تھا جس پر انگریزی میں جے سی اگروال منیجنگ ڈائریکٹر اگروال آٹو انڈسٹریز قطر چھپا ہوا تھا...... مراد خان بولا۔

"یہ تمہارے وزیٹنگ کارڈ ہیں"۔

اس نے سکندر علی سے دوسری کوٹھڑی میں رکھے ہوئے سوٹ کیسوں میں سے ہزار ہزار کے بیس اور پانچ پانچ سو کے چالیس نوٹ منگوا کر بٹوے کے دو خانوں میں ڈال دیئے...... پھر جس چارپائی پر عمران کا نیا لباس پڑا تھا اس کے نیچے سے سو سو کے نوٹوں سے بھرا ہوا سوٹ کیس کھلوا کر اس میں سے سو سو کے دس بارہ نوٹ بٹوے کے دوسرے خانے میں ڈالے اور بٹوے کو نسواری رنگ کے ٹھنڈے یعنی سمر انگریزی سوٹ کے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھتے ہوئے عمران سے کہا۔

"اس وقت تم یہ سوٹ پہن کر قطر کے دولت مند صنعت کار گوپی چند اگروال کی حیثیت سے وجے واڑہ کے سب سے مہنگے اور ماڈرن فائیو سٹار ہوٹل میں جاؤ گے"۔

مراد خان نے سکندر علی سے کہا۔

"سکندر علی! تم ہاشم خان کے ساتھ جاؤ اور گوپی چند اگروال کے پرسنل سیکرٹری راج کمار کی حیثیت سے تیار ہو کر آ جاؤ...... تمہیں جیسا بتایا گیا ہے ویسے ہی کپڑے پہننا...... یعنی تمہارا لباس عمران کے لباس سے کوالٹی میں سادہ اور ہلکا ہونا چاہئے"۔

سکندر علی ہاشم خان کے ساتھ چلا گیا...... مراد خان نے عمران کو ساتھ لیا اور کمین گاہ کے پہلے والے چھوٹے سے کمرے میں آ کر چارپائیوں پر بیٹھ گئے۔

مراد خان کہنے لگا۔

"عمران بھائی! تمہیں اپنے مشن کے بارے میں تقریباً سب کچھ بتا دیا گیا ہے...... تمہارے لئے ہندو کا روپ دھارنا اور ہندوؤں کی طرح باتیں کرنا بقول تمہارے کوئی نیا تجربہ نہیں ہے...... اس سے پہلے تم کئی بار بھارت میں یہ روپ دھار کر اپنے مشن میں کامیابیاں حاصل کر چکے ہو...... تم انگریزی پڑھے لکھے ہو...... ہندوؤں کے مذہب اور ان کی دیومالا یعنی ان کے دیوی دیوتاؤں اور ان کی مذہبی رسومات سے بھی واقف ہو...... مجھے پورا یقین اور اطمینان ہے کہ تم اپنا کردار بڑی خوبی سے نبھاؤ گے اور کانتی لال سے نیوکلر میٹریل کا خفیہ کوڈ نمبر حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے"۔

"انشاء اللہ" عمران نے جواب دیا...... "لیکن مراد خان" اس مشن میں تمہیں تاخیر سے کام نہیں لینا چاہئے...... ہمارے پاس جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں وقت بہت کم ہے اور اس کے بعد ہمارے سامنے نیوکلر میٹریل کے ساتھ پرانے لائٹ ہاؤس اور اس میں کام کرنے والے سائنس دانوں کو دھماکے سے اڑانے کا مشن بھی ہے...... ہمیں اس مشن کے لئے بھی بہت کام کرنا ہے"۔

مراد خان بولا۔

"عمران بھائی! تمہاری طرح ہم بھی پریکٹیکل آدمی ہیں...... باعمل مجاہد ہیں...... ہمیں وقت کی قدر بھی ہے اور اس کی قیمت کا اندازہ بھی ہے...... آج تم فائیو سٹار ہوٹل میں جا کر دو بیڈ روم والا سویٹ لو گے...... کل شام کو ہی ہاشم خان تمہاری پرائیویٹ ٹیکسی کے ڈرائیور کی حیثیت سے تمہیں بتا دے گا کہ ہمارا اگلا پروگرام کیا ہے...... بے فکر رہو...... ہاشم خان کے لئے ایک نئے ماڈل کی گاڑی کا انتظام کر دیا گیا ہے...... یہ وجے واڑہ میں بہت سی پرائیویٹ ٹیکسیاں چلتی ہیں...... ان میں سے یہ گاڑی بھی ایک پرائیویٹ ٹیکسی ہو گی جس کا ڈرائیور ہاشم خان ہو گا...... تم جب تک ہوٹل میں قیام کرو گے یہ پرائیویٹ ٹیکسی تمہارے ساتھ رہے گی"۔

ہاشم خان اپنی پرانی ٹیکسی میں سکندر علی کو لباس تبدیل کروانے لے کر گیا تھا...... وہ سکندر علی کو لے کر آ گیا...... سکندر علی نے گرے رنگ کی بش شرٹ اور اسی کلر کی پتلون پہن رکھی تھی...... پاؤں میں سمر کے شوز تھے...... گلے میں سنہری زنجیر کے ساتھ نظر کی عینک لٹکی ہوئی تھی...... ہاتھ میں چمڑے کا نیا بریف کیس تھا...... اس نے عمران کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتے ہوئے کہا۔

"سر! آپ کا سیوک آپ کا پرسنل سیکرٹری راج کمار آپ کی سیوا کے لئے موجود ہے"۔

مراد خان اور عمران دونوں مسکرانے لگے...... مراد خان نے ہاشم سے کہا۔

"ہاشم! تم گاڑی لے کر نہرو پارک والے گیراج میں جاؤ...... وہاں جا کر اپنی پرانی ٹیکسی گیراج میں بند کر کے وہاں پر موجود نئے ماڈل کی گاڑی لے کر فوراً یہاں واپس آ جاؤ...... میں چاہتا ہوں کہ دن کے ساڑھے نو بجے سے پہلے پہلے تم لوگ فائیو سٹار ہوٹل میں پہنچ جاؤ، کیونکہ قطر سے ایک فلائٹ دن کے ساڑھے آٹھ بجے وجے واڑہ کے ایئرپورٹ پر پہنچتی ہے...... تم یہی ظاہر کرو گے کہ اس فلائٹ سے آئے ہو"۔

"لیس سر!" ہاشم نے کہا۔

اور ہاشم خان چلا گیا...... مراد خان نے عمران سے کہا۔

"میرا خیال ہے اب تمہیں دوسری کوٹھڑی میں جا کر یہ کپڑے اتار کر نئے کپڑے پہن لینے چاہئیں...... کیونکہ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور ہاں...... نسواری کلر کا سمر سوٹ پہننا"۔

عمران دوسری کوٹھڑی میں چلا گیا...... مراد خان مجاہد سکندر علی سے باتیں کرنے لگا...... اس نے سکندر علی سے پوچھا۔

"اس کی تصدیق یعنی کنفرمیشن بڑی ضروری ہے سکندر علی کہ کیا کانتی لال پرسوں رات کو کیسر بائی کے فلیٹ پر آ رہا ہے"۔

سکندر علی بولا۔

"سر! ہم نے اس کی پوری تصدیق کر لی ہے...... ویسے میں آج مزید تصدیق کر لوں گا"۔

مراد خان کہنے لگا۔

"اس چھوٹے سے ایڈونچر کے بارے میں میں نے کمانڈو عمران کو سب کچھ بتا دیا ہے...... تم اسے مزید بریف کر دینا...... یہ ایڈونچر تم لوگوں کو بڑی ہوشیاری سے کرنا ہوگا...... تم عمران کو اس جگہ پہنچا کر جہاں سے کانتی لال رات کے وقت کیسر بائی کے ہاں جاتے ہوئے گاڑی میں گزرتا ہے دور ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ گے...... ہمارے تینوں

آدمی سڑک پر اس جگہ رکاوٹ کھڑی کر دیں گے جہاں سے کانتی لال کی گاڑی گزرا کرتی ہے...... جب ہمارے آدمی کانتی لال کی گاڑی کے رکتے ہی اسے گاڑی میں سے گھسیٹ کر باہر نکالیں گے اور اسے لوٹنے کی کوشش کرتے ہوئے تشدد کریں گے تو اس کے بعد تمہیں جو کچھ کرنا ہے اور عمران کو جو کچھ کرنا ہے تم دونوں کو یہ بتا دیا گیا ہے"۔

سکندر علی نے کہا۔

"میں جانتا ہوں سر!"۔

عمران دوسری کوٹھڑی میں سے نیا سوٹ پہن کر آ گیا ہے...... نئے سوٹ کے ساتھ اس نے نئی ٹائی لگائی ہوئی تھی...... کلائی پر گولڈن زنجیر والی گھڑی بندھی تھی...... پاؤں میں سمر شوز تھے...... وہ ایک خوش شکل اور دولت مند نوجوان لگ رہا تھا...... مراد خان نے بے اختیار کہا۔

"لیکن تمہارے نئے بھیس میں ایک کمی رہ گئی ہے"۔

"وہ کیا؟" عمران نے پوچھا۔

مراد خان نے اپنی واسکٹ کی جیب میں سے ایک چھوٹی سی ڈبی نکال کر اس کا ڈھکن کھولا...... اس میں اپنی چھوٹی انگلی ڈالی اور عمران کے ماتھے پر چھوٹی سی بندیا لگا کر کہا۔

"اب تم پورے گوپی چند اگروال لگ رہے ہو...... یہ ڈبی اپنے پاس رکھو اور منہ ہاتھ دھونے اور نہانے کے بعد اس کا چھوٹا سا ٹیکا ماتھے پر ضرور لگا لیا کرو"۔

اتنے میں باہر سے گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی...... مراد خان نے کہا۔

"ہاشم خان پرائیویٹ ٹیکسی لے کر آ گیا ہے...... اب تم دونوں کو اپنے مشن پر روانہ ہو جانا چاہئے"۔

وہ خفیہ کمیں گاہ کے جنگل والے خفیہ دروازے سے باہر نکل آئے...... کچھ فاصلے پر نیلے رنگ کی ایک چمکیلی کار کھڑی تھی...... کار کے پاس ہاشم خان شوفر کی سفید وردی میں موجود تھا...... اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا...... عمران پچھلی نشست پر اور اس

کا پرسنل سیکرٹری راج کمار یعنی سکندر علی آگے ڈرائیور کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا...... مراد خان نے گاڑی کی کھڑکی پر جھکتے ہوئے عمران سے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں کیا کرنا ہے...... خدا حافظ!"۔

"خدا حافظ!" عمران نے کہا اور گاڑی آگے بڑھ گئی...... اس وقت دھوپ خوب نکلی ہوئی تھی...... وجے واڑہ شہر کی گنجان آبادی والی سڑکوں پر سے گزر کر گاڑی شہر کے جدید فیشن ایبل علاقے میں داخل ہو گئی...... یہاں بڑی عالی شان جدید فلیٹوں والی بلند عمارتیں تھیں...... بڑے بڑے سپر سٹور اور شاپنگ سینٹر تھے...... ہاشم خان کو معلوم تھا کہ اسے کون سے ہوٹل میں جانا ہے...... یہ ہوٹل شہر کے ایک پر فضا علاقے میں واقع تھا...... تین منزلہ ماڈرن فائیو سٹار ہوٹل تھا...... وہ اپنے شیڈول کے مطابق ہوٹل میں پہنچے تھے۔

ہاشم خان نے گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر دی...... اتر کر عمران کے لئے دروازہ کھولا...... سکندر علی بھی جو عمران کے پرسنل سیکرٹری کا کردار ادا کر رہا تھا جلدی سے باہر نکل آیا...... اس نے بریف کیس تھام رکھا تھا...... ہاشم خان گاڑی میں ہی رہا...... عمران اور سکندر علی ہوٹل کے لان میں سے گزرتے ہوئے ہوٹل کی لابی میں آ گئے...... دونوں سیدھا کاؤنٹر پر گئے...... کاؤنٹر گرل ان کی طرف متوجہ ہوئی...... سکندر علی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"میڈم! مجھے اپنے باس شری جی سی اگروال صاحب کے لئے ایک ڈبل بیڈ والا کمرہ چاہئے"۔

اس کے ساتھ ہی عمران نے بٹوے میں سے اپنا کارڈ نکال کر کاؤنٹر گرل کے آگے رکھ دیا...... کاؤنٹر گرل نے کارڈ کو ایک نظر دیکھا اور عمران کی طرف ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا اور اپنے سامنے رکھے ہوئے پیڈ پر عمران کے وزیٹنگ کارڈ کے مندرجات لکھنے کے بعد ایک رجسٹر کھول کر عمران کے سامنے رکھ دیا اور کہا۔

"پلیز یہاں اپنا نام اور ایڈریس لکھ دیجئے"۔

یہ جملہ اس نے انگریزی میں کہا تھا...... عمران نے رجسٹر کے ایک خانے میں جی سی اگروال کے دستخط کرنے کے بعد قطر کا اپنا ایک فرضی ایڈریس لکھ دیا...... کاؤنٹر گرل نے رجسٹر بند کرتے ہوئے عمران سے کہا۔

"سر! ڈبل بیڈ روم کے ہم ساڑھے پانچ ہزار روپے لیتے ہیں"۔

عمران نے بٹوے میں سے ساڑھے پانچ ہزار کے نوٹ نکال کر کاؤنٹر گرل کے حوالے کئے جس نے ایک رسید بنا کر عمران کو دی اور چابی سکندر علی کو دیتے ہوئے ہوٹل کے بیل بوائے سے کہا۔

"صاحب کو 13-A روم میں لے جاؤ"۔

"سر! پلیز کم"۔

ہوٹل کے پورٹر یا بیل بوائے نے بھی انگریزی بولنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا...... ڈبل بیڈ روم نمبر 13-A ہوٹل کی دوسری منزل کے کونے میں واقع تھا...... کمروں میں ہر قسم کی جدید سہولت موجود تھی...... سکندر علی نے پورٹر کو دس روپے ٹپ دیا...... وہ چلا گیا تو سکندر علی نے دروازہ بند کر دیا اور بولا۔

"میرا خیال ہے سر کہ ناشتہ اوپر ہی منگوا لیا جائے"۔

عمران آرام دہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا، کہنے لگا۔

"ناشتے کی ضرورت تو مجھے بھی محسوس ہو رہی ہے"۔

سکندر علی نے فون کا ریسیور اٹھا کر سروس کا نمبر گھمایا اور کمرے میں دو ناشتوں کا آرڈر دے دیا...... عمران نے کہا۔

"میرا خیال مجھے یہ سوٹ اتار کر کرتہ پاجامہ پہن لینا چاہئے، کیونکہ مجھے کہیں باہر تو جانا نہیں ہے"۔

سکندر علی بولا۔

"اچھا خیال ہے؟"۔

ایک چھوٹا سوٹ کیس وہ اپنے ساتھ لائے تھے جس میں سلیپنگ سوٹ کے علا سلک کے کرتا پاجامے کے دو جوڑے بھی تھے...... جتنی دیر میں عمران نے بیڈ روم میں جا کر لباس تبدیل کیا اتنی دیر میں بیرے نے ناشتہ لا کر کافی ٹیبل پر بڑے سلیقے سے لگا دیا تھا...... بیرا پرنام کر کے چلا گیا...... عمران نے ٹوسٹ پر شہد اور مکھن لگاتے ہوئے سکندر علی سے کہا۔

"سکندر علی! ایک مدت کے بعد اس قسم کی آسائشیں دیکھی ہیں"۔

سکندر علی نے کہا۔

"سر! کیسا لگ رہا ہے؟"۔

عمران بولا۔

"سخت الجھن محسوس ہو رہی ہے...... ایک مدت سے کمانڈو کی سخت اور رف ٹف زندگی کا عادی ہو چکا ہوں"۔

سکندر علی چائے بنا رہا تھا، کہنے لگا۔

"سر! یہ بھی تو آپ کی کمانڈو لائف کا ایک حصہ ہے"۔

"ہاں...... یہ تو ٹھیک ہے" عمران نے کہا...... "لیکن ہمیں یہاں بے حد احتیاط برتنی ہوگی...... تمہیں یہ نہیں بھولنا ہوگا کہ ہم دونوں ہندو ہیں...... تمہارا نام راج ہے...... میرا نام جے سی اگروال ہے...... تم میرے پرسنل سیکرٹری ہو اور میں تمہارا باس ہوں اور ہم انڈیا میں آٹو مینوفیکچرنگ کا جائزہ لینے کے سلسلے میں وجے واڑہ میں آئے ہیں"۔

سکندر علی بولا۔

"سر! آپ بے فکر رہیں"۔

عمران نے کہا۔

"ہمیں دن میں دو ایک بار ضرور جانا ہوگا...... تم کاؤنٹر پر یہی کہو گے کہ باس اگروال صاحب بزنس کے سلسلے میں شہر کی مارکیٹوں میں جا رہے ہیں...... تاکہ ہوٹل والوں کو یقین ہو جائے کہ ہم واقعی قطر سے انڈیا میں اپنے بزنس ٹور پر آئے ہوئے ہیں"۔

"ایسا ہی کریں گے سر" سکندر علی نے کہا۔

ناشتہ کرنے کے بعد عمران میز پر رکھے ہوئے اس دن کے اخبار دیکھنے لگا...... سکندر علی تھوڑی دیر کے لئے نیچے ہاشم خان کے پاس چلا گیا...... دوپہر کے بعد سکندر علی اور عمران ہاشم خان کے ساتھ پرائیویٹ ٹیکسی میں بیٹھ کر شہر کی سیرگاہ کی طرف نکل گئے...... سکندر علی نے کاؤنٹر پر چابی دیتے ہوئے یہی کہا کہ اگروال صاحب بزنس کے سلسلے میں شہر جا رہے ہیں...... ایک دو گھنٹے شہر کی مختلف سڑکوں اور پارکوں میں گھومنے کے بعد وہ ہوٹل واپس آ گئے۔

دو دن اور دو راتیں گزر گئیں...... دوسرا دن طلوع ہو گیا...... اس دن عمران نے ایک ایسا ڈرامہ کرنا تھا جس کے ذریعے اس نے نیوکلر میٹریل اور خفیہ کوڈ نمبر والے کانتی لال کی ہمدردی حاصل کرنی تھی اور اس کے قریب ہونا تھا...... عمران دن بھر ہوٹل کے کمرے میں ہی رہا...... سکندر علی یہ تصدیق کرنے چلا گیا کہ کیا کانتی لال اس رات کو کیسر بائی کے فلیٹ پر جا رہا ہے...... وہ دوپہر کے بعد واپس آیا...... عمران نے پوچھا۔

"کیا خبر لائے ہو؟"۔

سکندر علی نے کہا۔

"سر! ہر شئے پروگرام اور ہمارے شیڈول کے مطابق جاری ہے...... کانتی لال آج رات کے نو اور دس بجے کے درمیان چڑیا گھر کے پچھواڑے والی سڑک پر سے گزرے گا...... ہمارے تینوں آدمی وہاں پہلے سے موجود ہوں گے"۔

"اس سڑک پر لوگوں کی زیادہ آمد و رفت تو نہیں ہوتی؟" عمران نے پوچھا۔
سکندر علی نے بتایا کہ وہ سڑک چھوٹی سی ہے اور رات کے وقت تو بالکل سنسان ہوتی ہے...... وہ کہنے لگا۔
"کانتی لال نہیں چاہتا کہ اسے کوئی کیسر بائی کے فلیٹ پر جاتے دیکھے، اسی لئے اس سنسان سڑک پر سے گزرتا ہے...... اس کی یہ احتیاط ہمارے حق میں بڑی مفید ثابت ہوئی ہے"۔
رات کا کھانا انہوں نے کمرے میں ہی کھایا...... کافی بھی کمرے میں ہی منگوا لی...... اس کے بعد انہوں نے اپنے ایڈونچر کی تیاریاں شروع کر دیں...... تیاری صرف عمران کو ہی کرنی تھی...... اس نے سلک کا ریشمی کرتہ پاجامہ اتار کر ان کی جگہ پتلون اور بش شرٹ پہن لی...... اپنے ساتھ اسے اسلحہ یا کمانڈو چاقو رکھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، کیونکہ وہاں صرف ڈرامہ ہونے والا تھا...... ساڑھے آٹھ بجے عمران پتلون قمیض اور سمر شوز میں ملبوس اپنے پرسنل سیکرٹری راج کمار یعنی سکندر علی کے ساتھ لفٹ کے ذریعے لابی میں آیا...... سکندر علی نے کاؤنٹر پر جا کر چابی دی اور کہا کہ اگروال صاحب ایک بزنس پارٹنر سے ملنے جا رہے ہیں...... پورچ میں شوفر کی وردی میں ہاشم خان نیلی گاڑی کے پاس ادب سے کھڑا تھا...... جیسے ہی عمران گاڑی کی طرف بڑھا اس نے جلدی سے پچھلی نشست کا دروازہ کھول دیا...... عمران پیچھے اور سکندر علی آگے ہاشم خان کے ساتھ بیٹھ گیا اور گاڑی شہر کے سب سے بڑے چڑیا گھر کی طرف روانہ ہو گئی...... یہ چڑیا گھر شہر سے باہر واقع تھا۔
چڑیا گھر کے پیچھے سے جو چھوٹی سڑک گزرتی تھی اس پر ناریل اور بانس کے درخت جھکے ہوئے تھے...... رات کے وقت ادھر سے کوئی نہیں گزرتا تھا...... ہاشم خان نے منصوبے کے مطابق چڑیا گھر کی عقبی سڑک سے کچھ فاصلے پر گاڑی کھڑی کر دی...... ہاشم خان...... سکندر علی بھی عمران کے ساتھ گاڑی سے باہر آ گئے

ران نے ان سے کہا۔
"تم لوگ درختوں کے پیچھے چھپ کر یہاں جو ڈرامہ کھیلا جانے والا ہے اسے یکھو گے اور پھر میری واپسی تک اسی جگہ کھڑے رہو گے"۔
اس نے سکندر علی سے پوچھا۔
"اپنے آدمی کہاں چھپے ہوئے ہیں؟ کیا وہ موقع پر پہنچ چکے ہیں؟"۔
سکندر علی بولا۔
"جی ہاں...... وہ پہنچ گئے ہوں گے اور سڑک پر جہاں چھوٹی پلیا ہے اس کے آس پاس گھات لگائے بیٹھے ہوں گے...... کانتی لال پر اسی پلیا کے پاس حملہ کیا جائے گا"۔
عمران نے کہا۔
"ٹھیک ہے...... تم لوگ اپنی اپنی پوزیشنوں پر چلے جاؤ"۔
ہاشم اور سکندر علی اندھیرے میں پیچھے درختوں کی طرف چلے گئے...... ان کے جانے کے بعد عمران گاڑی میں بیٹھ کر سڑک پر گاڑی کو آہستہ آہستہ چلاتا آگے بڑھا...... اس نے گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشن کر رکھی تھیں...... ان کی روشنی میں اسے کچھ فاصلے پر چڑیا گھر کے اندر جانے والے پانی کے نالے کی چھوٹی پلیا نظر آئی تو اس نے ہیڈ لائٹیں بند کر کے گاڑی ایک طرف درختوں کے نیچے کھڑی کر دی...... خود ڈرائیونگ سیٹ پر ہی بیٹھا رہا...... اس کی نگاہیں سامنے سڑک پر لگی ہوئی تھیں...... اس نے گھڑی پر وقت دیکھا...... کانتی لال کے وہاں سے گزرنے کا وقت ہو گیا تھا، مگر ابھی تک سڑک پر اندھیرا تھا...... کسی گاڑی کی دور سے روشنی دکھائی نہیں دی تھی۔
دس پندرہ منٹ کے بعد دور سے سڑک پر گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی نمودار ہوئی...... عمران بالکل تیار ہو کر بیٹھ گیا...... ڈراما شروع ہونے والا تھا...... وہ گاڑی کی روشنی کو آگے بڑھتا دیکھ رہا تھا...... اس کو خیال آیا کہ یہ کسی دوسرے آدمی کی گاڑی بھی ہو سکتی ہے، ہو سکتا ہے کانتی لال کی گاڑی نہ ہو، لیکن اپنے جو تین آدمی پلیا کے پاس

گھات لگا کر بیٹھے تھے وہ کانتی لال کو پہچانتے تھے...... وہ اسے دیکھ کر ہی حملہ کر گئے...... گاڑی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی......اب گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دینے لگی تھی...... نالے کی پلیا سے پندرہ بیس گز آگے اپنے آدمیوں نے درخت کاٹ کر ڈال رکھا تھا...... کانتی لال کی گاڑی کٹے ہوئے درخت کے پاس رک گئی...... عمران کو گاڑی کے بریک لگنے کی آواز رات کی خاموشی میں صاف سنائی دی...... گاڑی میں سے ایک آدمی باہر نکلا...... گاڑی کی بتیاں روشن تھیں...... وہ گاڑی کے آگے آکر سڑک پر پڑے درخت کو دیکھنے لگا...... اس کے ساتھ ہی درختوں سے تین آدمی تیزی سے باہر نکلے...... ان کے پاس بندوقیں تھیں اور چہروں پر کپڑا لپیٹ رکھا تھا...... دو آدمیوں نے کانتی لال کو دبوچ لیا اور تیسرے نے بندوق کی نالی اس کی طرف کر دی اور گرج کر کہا۔

"تمہارے پاس جو کچھ ہے خاموشی سے ہمارے حوالے کر دو"۔

"کانتی لال کو انہوں نے پہچان کر ہی اس پر حملہ کیا تھا...... کانتی لال نے کہا۔

"میرے پاس ڈیش بورڈ میں صرف دو ہزار روپے ہیں...... وہ لے لو اور مجھے چھوڑ دو"۔

ٹھیک اس وقت عمران نے انجن سٹارٹ کیا اور گاڑی کو تیزی سے چلاتا ہوا کانتی لال کی مدد کو پہنچ گیا...... گاڑی کھڑی کر کے وہ تیزی سے باہر نکلا اور ایک ڈاکو کی کمر پر مکا مار کر اسے نیچے گرا دیا، بلکہ وہ ڈاکو خود ہی نیچے گر پڑا...... عمران نے فوراً اس کی بندوق اٹھالی اور جن دو ڈاکوؤں نے کانتی لال کو دبوچ رکھا تھا ان کی طرف بندوق کی نالی کا رخ کر کے گرج کر کہا۔

"اس شریف آدمی کو چھوڑ دو نہیں تو میں تم دونوں کی کھوپڑیاں اڑا دوں گا"۔

جیسا کہ آپ بھی سمجھ گئے ہوں گے یہ سارا ڈراما تھا اور یہ تینوں ڈاکو مراد خان کی تنظیم کے آدمی تھے...... دونوں ڈاکوؤں نے یہ سنتے ہی کانتی لال کو چھوڑ دیا اور درختوں کی

طرف دوڑتے ہوئے اندھیرے میں غائب ہو گئے...... جو ڈاکو زمین پر گرا ہوا تھا وہ بھی جان بچا کر فرار ہو گیا...... اس کے بعد عمران نے کانتی لال سے کہا۔

"آپ کو چوٹ تو نہیں لگی؟"۔

کانتی لال نے اپنا سلکی کرتہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی صاحب عین وقت پر اگر آپ نہ آجاتے اور میری مدد نہ کرتے تو جانے یہ لوگ میرا کیا حال کرتے"۔

عمران نے بندوق درختوں کی طرف پھینکتے ہوئے کانتی لال کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"میرا نام جی سی اگروال ہے...... میں بزنس مین ہوں...... قطر میں میرا آٹو کا بزنس ہے...... میں وجے واڑہ میں کاروباری دورے پر آیا ہوا ہوں...... فائیو سٹار میں ٹھہرا ہوں...... کھانا کھانے کے بعد یونہی اس شہر کی سیر کرنے نکل آیا تھا...... یہاں سے گزر رہا تھا کہ دیکھا ڈاکوؤں نے آپ کو دبوچ رکھا ہے اور میں فوراً آپ کی مدد کو پہنچ گیا"۔

کانتی لال نے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"اگروال جی! میں آپ کا بڑا ابھاری ہوں...... آپ نے مجھے ان ڈاکوؤں سے بچالیا"۔

عمران نے کہا۔

"یہ میرا انسانی فرض تھا سر جو میں نے پورا کیا...... میں ابھی کافی دن وجے واڑہ میں ہوں...... میرا روم نمبر 13-A ہے...... کبھی شام کو میرے ہاں تشریف لائیں...... آپ کو سکاٹ لینڈ سے ڈائریکٹ امپورٹ کی ہوئی سکاچ پلائیں گے"۔

اور عمران قہقہہ لگا کر ہنس دیا...... یہ جملہ اس نے جان بوجھ کر کانتی لال کے کان میں ڈالا تھا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اعلیٰ امپورٹیڈ وسکی کانتی لال کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور ویسے بھی بھارت میں کسی کو شراب کی دعوت دینا معیوب نہیں سمجھا جاتا...... یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے ہم کسی کو تکلفاً کہہ دیتے ہیں کہ کسی روز ہمارے

ہاں آیئے آپ کو عمدہ چائے پلائیں گے...... کانتی لال پر عمران کے امپورٹڈ والے جملے کا اثر ہو چکا تھا...... اس نے دوبارہ عمران سے پوچھا۔

"کیا نمبر بتایا تھا آپ نے کمرے کا؟"۔

عمران نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر کانتی لال کو دے دیا جو اس نے مقصد کے لئے رکھا ہوا تھا...... کانتی لال نے ایک بار پھر عمران کا شکریہ ادا کیا محبت سے اس سے ہاتھ ملا کر بولا۔

"پلیز! یہ درخت سڑک پر سے ہٹانے میں میری مدد کیجئے گا"۔

"ضرور ضرور...... اس کی مجھے بھی ضرورت ہے"۔

دونوں نے مل کر سڑک پر ڈالا ہوا درخت ایک طرف کر دیا...... کانتی لال ایک بار پھر عمران کا شکریہ ادا کیا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر آگے چل دیا...... عمران گاڑی میں بیٹھ گیا...... گاڑی سٹارٹ کی اور آگے بڑھ گیا۔

❁❁❁

سڑک پر کچھ دور آگے جا کر عمران نے گاڑی ایک طرف کھڑی کر دی۔

جب اسے یقین ہو گیا کہ کانتی لال کی گاڑی چڑیا گھر کی عقبی سڑک پر سے گزر گئی ہو گی...... اس نے گاڑی کو موڑا اور آہستہ آہستہ گاڑی چلاتا سڑک کا موڑ گھوم کر اس جگہ پر آ کر رک گیا جہاں ہاشم اور سکندر علی درختوں کے پیچھے چھپ کر اس کا انتظار کر رہے تھے...... عمران کی گاڑی کو دیکھ کر دونوں اس کے پاس آ گئے...... سکندر علی نے پوچھا۔

"سر! ڈرامے کا انجام کیسا رہا؟"۔

عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" کانتی لال نے میرا کارڈ لے لیا ہے...... وہ مجھ سے ملنے ہوٹل ضرور آئے گا...... میں نے اسے امپورٹڈ وسکی کا لالچ دیا ہے"۔

سکندر علی اور ہاشم خان بھی گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی ہوٹل کی طرف چل پڑی۔

ہاشم خان...... عمران اور سکندر علی کو ہوٹل میں چھوڑ کر گاڑی لے کر چلا گیا......

عمران اور سکندر علی ہوٹل میں اپنے کمرے میں آ کر کچھ دیر باتیں کرتے رہے......

عمران نے وہ تمام مکالمے سنائے جو اس کے اور کانتی لال کے درمیان ہوئے تھے...... سکندر علی کہنے لگا۔

"مجھے یقین ہے کہ ایک دو دن گزر جانے کے بعد کانتی لال امپورٹڈ وسکی پینے

آپ کے پاس ضرور آئے گا"۔

عمران نے کہا۔

"جال پھینک دیا ہے..... کسی نہ کسی وقت مچھلی پھنس ہی جائے گی"۔

دوسرے دن عمران اور سکندر علی اپنے کمرے میں ہی ناشتہ کر رہے تھے کہ مرا
خان کا فون آ گیا، عمران نے ریسیور اٹھایا..... دوسری طرف سے مراد خان کی آواز آئی۔

"سر! کیا میں شری جی سی اگروال سے بات کر سکتا ہوں..... میں سیٹھ گھنشام دا
بول رہا ہوں"۔

ان لوگوں نے آپس میں طے کر رکھا تھا کہ ہوٹل میں دن میں دو تین بار م
خان کے آدمی عمران کو فون ضرور کریں گے اور اپنے آپ کو وجے واڑہ کے بڑ
صنعت کار ظاہر کریں گے، کیونکہ ہوٹل کے ٹیلی فون ایکسچینج پر ان کی گفتگو سنی جا
تھی..... عمران نے مراد خان کی آواز بھی پہچان لی تھی اور اسے مراد خان نے بتا دیا
کہ وہ جب بھی فون کرے گا سیٹھ گھنشام داس کے نام سے فون کرے گا۔

عمران نے فون پر کہا۔

"جی سیٹھ جی..... میں اگروال ہی بول رہا ہوں"۔

مراد خان نے کہا۔

"مہاراج! مجھے آج کا کوئی ٹائم دیجئے..... بڑی کرپا ہو گی..... میں کاروباری سل
میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"آپ ابھی آ جائیں سیٹھ جی..... اس وقت میں بالکل فارغ ہوں"۔

دوسری جانب سے مراد خان نے کہا۔

"آپ کی بڑی مہربانی ہے..... بڑی کرپا ہے..... میں آ رہا ہوں"۔

عمران نے ریسیور رکھتے ہوئے سکندر علی سے کہا۔

"مراد خان کا فون تھا..... وہ آ رہا ہے"۔

سکندر علی بولا۔

"اپنے آدمیوں نے جو ڈاکوؤں کے روپ میں آئے تھے مراد خان کو یہ تو بتا دیا ہو گا کہ ڈرامہ بڑا کامیاب رہا، لیکن مراد خان یہ معلوم کرنا چاہتا ہو گا کہ آپ اور کانتی لال کے درمیان کیا باتیں ہوئی ہیں"۔

مراد خان نے کہیں قریب ہی سے فون کیا تھا..... بمشکل پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ نیچے کاؤنٹر گرل نے فون پر کہا۔

"سر! سیٹھ گھنشام داس جی آپ سے ملنا چاہتے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"انہیں اوپر میرے کمرے میں بھیج دیں"۔

عمران نے فون بند کرتے ہوئے سکندر علی سے کہا۔

"مراد خان پہنچ گیا ہے"۔

تھوڑی دیر بعد مراد خان آ گیا..... اس نے وجے واڑہ کے کاروباری ہندو سیٹھوں کی طرح بنگلور کا سلکی کرتہ اور پاجامہ پہن رکھا تھا..... ماتھے پر تلک لگا تھا..... گلے میں سونے کی زنجیری تھی..... سر پر گاندھی کیپ تھی..... کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے پرنام کیا اور صوفے پر بیٹھ گیا..... ابھی دروازہ آدھا کھلا تھا..... سکندر علی نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا..... جب وہ تینوں مجاہد کمرے میں اکیلے رہ گئے تو مراد خان نے عمران سے پوچھا۔

"کانتی لال کے ساتھ کیا باتیں ہوئیں؟ اس ڈرامے کا اس پر اثر ہوا یا نہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"ایسا اثر ہوا کہ وہ اسے ہمیشہ یاد رکھے گا..... وہ میرا بار بار شکریہ ادا کر رہا تھا کہ میں نے ڈاکوؤں سے اس کی جان بچائی"۔

"کیا تم نے امپورٹیڈ وسکی کا پتہ پھینکا تھا؟" مراد خان نے پوچھا۔

عمران بولا۔

"یہ تو اس گیم کا ترپ کا پتہ تھا...... یہ میں نے آخر میں پھینکا اور میں بازی جیت گیا...... جب میں نے کانتی لال سے کہا کہ کبھی میرے ہوٹل میں ضرور آئیے...... میں آپ کی سیوا امپورٹیڈ وسکی سے کروں گا تو اس نے نہ صرف مجھ سے میرا روم نمبر دوسری بار پوچھا بلکہ میرا وزیٹنگ کارڈ بھی لے کر رکھ لیا تھا"۔

"یہ بڑا اچھا ہوا" مراد خان نے کہا...... "ہم یہی چاہتے تھے"۔

عمران کہنے لگا۔

"اب امپورٹیڈ سکاچ وسکی کی کم از کم ایک بوتل کہیں سے منگوا دیجئے گا، کیونکہ کچھ پتہ نہیں کہ کانتی لال آج رات کو ہی آجائے"۔

مراد خان بولا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے"۔

عمران نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن کرنسی نوٹوں کی طرح وسکی نقلی نہیں ہونی چاہئے"۔

مراد خان ہنس کر کہنے لگا۔

"ارے بھائی! بھارت میں وسکی کا تو سمندر بہہ رہا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے موقعوں پر کام آنے کے لئے خالص امپورٹ کی ہوئی سکاچ وسکی کی چار بوتلیں ہر وقت موجود رہتی ہیں...... میں آج ہی ہاشم خان کے ہاتھ دو بوتلیں پہنچا دوں گا...... یہ ہمارے آدمیوں نے ہمیں باہر کے ملکوں سے لا کر دی ہیں ہم نے یہاں کی کسی وائن شاپ سے نہیں خریدیں" سکندر علی نے چائے کا کپ بنا کر مراد خان کو دیا...... عمران کہنے لگا۔

"اس کے بعد ہمیں کیا کرنا ہوگا...... ہمارے منصوبے کا پہلا مرحلہ تو کامیابی سے

طے ہو گیا ہے"۔

مراد خان نے چائے کا گھونٹ بھرا اور بولا۔

"منصوبے کا اصل مرحلہ اب شروع ہوگا"۔

تم دونوں میں سے کسی ایک کو اس کمرے میں ضرور موجود رہنا پڑے گا، کیونکہ معلوم نہیں کانتی لال کا کس وقت فون آجائے...... امپورٹیڈ وسکی کا لالچ اسے چین سے نہیں بیٹھنے دے گا...... جب اس کا فون آئے تو تم میں سے جو کوئی بھی کمرے میں ہو گا وہ کانتی لال کو رات کے کھانے کی دعوت دے گا...... تم لوگ کھانا نیچے ڈائننگ روم میں نہیں کھاؤ گے بلکہ اپنے کمرے میں ہی منگواؤ گے...... سکندر علی تم دونوں کو اکیلا چھوڑ کر چلا جائے گا...... تم کانتی لال کو امپورٹیڈ وسکی کی بوتل پیش کرو گے ہو سکتا ہے وہ بوتل اپنے ساتھ ہی لے جائے...... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بوتل کھول کر وسکی کے دو ایک پیگ پی لے...... وہ زیادہ شراب نہیں پیتا...... پہلی ملاقات میں تم اس کے ساتھ صرف دوستی اور اپنے کاروبار کی باتیں کرو گے اور اسے قطر آنے کی بھی دعوت دو گے...... جب وہ جانے لگے تو تم اسے ایک دو روز بعد دوبارہ ہوٹل میں ڈنر کرنے اور وسکی پیش کرنے کی دعوت دو گے اور باتوں باتوں میں کانتی لال کے کان میں یہ بات بھی ڈال دو گے کہ اگلی بار آپ کو شراب پلانے والی ایک حسین و جمیل لڑکی بھی ہو گی...... پھر سمجھ لینا کہ مچھلی تمہارے جال میں پھنس گئی ہے"۔

عمران خاموشی سے یہ ساری باتیں سن رہا تھا...... کہنے لگا۔

"تم جس طرح کہتے ہو میں اسی طرح کروں گا لیکن یہ سوال اپنی جگہ پر ابھی تک قائم ہے کہ کانتی لال سے خفیہ کوڈ نمبر کیسے معلوم کیا جائے گا...... کیا یہ خفیہ کوڈ نمبر ہم اس عورت کے ذریعے معلوم کریں گے جو کانتی لال کو شراب پلائے گی؟"۔

مراد خان نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... وہ خوبصورت عورت ایک پیشہ ور عورت

ہو گی...... اس کا ہمارے منصوبے کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہو گا...... اس کے سامنے تم اپنے آپ کو سیٹھ جی سی اگروال ہی ظاہر کرو گے“۔

عمران نے پوچھا۔

”تو پھر ہم کانتی لال کے منہ سے خفیہ کوڈ نمبر کا راز کیسے اُگلوائیں گے؟“۔

مراد خان کہنے لگا۔

”یہ میں تمہیں کانتی لال کو دی گئی دوسری ڈنر پارٹی کے بعد بتاؤں گا...... ابھی تمہیں کانتی لال کے ساتھ دوستی کے رشتے کو مزید گہرا کرنا ہے، لیکن ایک بات ہمیشہ دھیان میں رکھنا کہ اگرچہ اعلیٰ شراب اور عورت کانتی لال کی سب سے بڑی کمزوری ہے لیکن اس کے باوجود وہ ایک بے حد ذہین اور چالاک آدمی ہے...... اس کے علاوہ نشے کی حالت میں بھی اسے اپنی سرکاری اور حساس ذمے داریوں کا احساس رہتا ہے...... اگر اسے ذرا سا بھی شک پڑ گیا تو یہ پنچھی تمہارے ہاتھ سے اُڑ جائے گا اور ایسا غائب ہو گا کہ ہم سب مل کر بھی اسے تلاش نہ کر سکیں گے“۔

عمران نے کہا۔

”مجھے بھی اپنے فرائض اور ذمے داریوں کا احساس ہے...... میں ایسی کوئی بات زبان پر نہیں لاؤں گا جس سے کانتی لال کو ذرا سا بھی شک پڑنے کا امکان ہو“۔

”بس میں بھی یہی چاہتا ہوں...... اسی میں ہمارے منصوبے اور ہمارے مشن کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے“ مراد خان نے کہا...... ”باقی تم خود سمجھدار ہو...... تمہیں اس قسم کی صورت حال کا تجربہ بھی ہے...... مجھے یقین ہے کہ تم اپنا کردار بڑی احتیاط اور کامیابی سے نبھاؤ گے“۔

”انشاءاللہ“ عمران نے جواب دیا۔

وہ دن گزر گیا...... رات بھی گزر گئی...... دوسرا دن آ گیا...... سکندر علی کچھ دیر کے لئے باہر چلا جاتا تھا، مگر عمران ہوٹل کے کمرے میں ہی رہا دوسرا دن بھی گزر گیا

اور کانتی لال کا ٹیلی فون نہ آیا...... تیسرے روز شام کے وقت عمران پلنگ پر لیٹا اخبار پڑھ رہا تھا...... سکندر علی ہوٹل والوں کی طرف سے بھجوائے گئے کچھ بلوں کو چیک کر کے ان پر دستخط کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی...... عمران اخبار ایک طرف رکھ کر اٹھ بیٹھا...... سکندر علی بھی ٹیلی فون کی طرف دیکھنے لگا...... عمران نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تو کاؤنٹر گرل کی آواز آئی۔

”سر! آپ کی کال ہے“۔

”ملا دو“ عمران نے کہا۔

دوسرے لمحے عمران کے کان میں کانتی لال کی مانوس آواز سنائی دی۔

”کیا میں سیٹھ جی سی اگروال جی سے بات کر سکتا ہوں؟“ اس نے انگریزی میں پوچھا...... عمران نے کہا۔

”میں جی سی اگروال ہی بول رہا ہوں“ عمران نے انگریزی میں ہی جواب دیا...... ”آپ کون صاحب ہیں؟“۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔

”میں کانتی لال بول رہا ہوں“۔

عمران نے خوش ہو کر کہا۔

”ہیلو کانتی لال جی...... کہئے کیا حال ہے؟“۔

سکندر علی نے بل ایک طرف کر دیئے اور پوری توجہ سے عمران کی طرف دیکھنے لگا...... عمران کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

”مہاراج! ہم تو آپ کے سیوک ہیں...... جب اور جس وقت جی چاہے آجائیں...... ہم سے آپ کی جو سیوا ہو سکے گی ضرور کریں گے...... جی...... جی...... ٹھیک ہے...... بالکل ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا...... جی...... جی...... اس کی آپ فکر نہ کریں...... آپ اور میرے علاوہ کوئی نہیں ہو گا...... مہاراج میں تو اس شہر میں اجنبی

ہوں...... کوئی دوست میسر نہیں ہے...... نہ نہ...... یہ نہ کہیں...... وہ تو میں نے اپنا انسانی فرض نبھایا تھا...... آپ مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہیں...... بس آپ آجائیے...... مجھے آپ سے دوبارہ مل کر خوشی ہوگی...... بائی!"۔

عمران نے ریسیور رکھ دیا اور سکندر علی کی طرف دیکھنے لگا...... عمران کی آنکھوں میں مسرت اور کامیابی کی ہلکی ہلکی چمک تھی...... سکندر علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کانتی لال کا فون تھا سر؟"۔

عمران نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور کس کا ہو سکتا تھا؟"۔

عمران پلنگ سے اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گیا اور بولا۔

"کانتی لال آج رات کے نو بجے آ رہا ہے...... اس نے خاص طور پر کہا ہے کہ کمرے میں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہ ہو...... کہہ رہا تھا کہ میں نے اس رات ڈاکوؤں سے اس کو بچا کر اس پر ایسا احسان کیا ہے جسے وہ ہمیشہ یاد رکھے گا"۔

سکندر علی کہنے لگا۔

"اب جو ہم اس کے ساتھ کرنے والے ہیں اسے تو شاید اس کی اولادیں بھی یاد رکھیں گی"۔

عمران نے مراد خان کی بھجوائی ہوئی غیر ملکی وسکی کی دو بوتلوں کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں رکھی ہیں...... سکندر علی کہنے لگا۔

"سر! وہ کیبنٹ کے نچلے خانے میں اسی طرح پڑی ہیں"۔

"بس ٹھیک ہے" عمران بولا...... "اب ایسا ہے کہ کانتی لال رات کے نو بجے آنے والا ہے...... تم اس سے پہلے یہاں سے نکل جانا...... میرا خیال ہے کہ کانتی لال گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ضرور بیٹھے گا...... وہ اتنی جلدی بے تکلف ہونے والا آدمی نہیں ہے عین ممکن ہے کہ وہ آج رات میرے پاس بیٹھ کر شراب نہ پئے اور میری طرف سے

غیر ملکی وسکی کی بوتلوں کا تحفہ لے کر چلا جائے...... بہر حال تم گیارہ بجے کے بعد مجھے فون کر کے معلوم کر لینا"۔

سکندر علی بولا۔

"سر! میرا خیال ہے کہ میں ہاشم خان کو لے کر سیدھا مراد خان کے پاس جاتا ہوں اور اسے بتائے دیتا ہوں کہ کانتی لال آج رات ہوٹل میں آ رہا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"مراد خان کو جا کر تم ضرور بتا دو، لیکن ہاشم خان کو گاڑی سمیت ہوٹل کی پارکنگ میں ہی رہنے دو...... تم ٹیکسی لے کر چلے جاؤ...... کیونکہ ہو سکتا ہے مجھے اس دوران گاڑی کی ضرورت پڑ جائے"۔

"ٹھیک ہے سر!" سکندر نے کہا...... "میں ٹیکسی لے کر چلا جاتا ہوں...... ہاں نیچے کاؤنٹر پر ان بلوں کی پے منٹ کرتے جاؤ"۔

اس کے ساتھ ہی عمران نے سرہانے کے نیچے سے اپنا بٹوہ نکال کر کھولا اور سکندر سے پوچھا۔

"کل کتنا ٹوٹل ہے؟"۔

سکندر بولا۔

"ڈھائی ہزار روپے ہے"۔

عمران نے بٹوے میں سے ہزار ہزار روپے کے تین نوٹ نکال کر سکندر کے حوالے کئے اور کہا۔

"باقی کے پانچ سو اپنے کمرے کی سروس کرنے والے نوکروں اور بیروں میں تقسیم کر دینا...... یہ بہت ضروری ہے اور ہماری کون سی یہ اپنی کمائی ہے...... یہ ایک ہزار روپے تم بھی اپنے پاس رکھ لو"۔

اور عمران نے مزید ایک ہزار کا نوٹ نکال کر سکندر کے حوالے کر دیا...... سکندر

علی نے ساری رقم اپنے بٹوے میں رکھ لی اور بولا۔

"سر! میں گیارہ بجے فون کر کے پتہ کر لوں گا"۔

"بالکل ٹھیک ہے" عمران نے کہا۔

سکندر علی چلا گیا۔

عمران دوبارہ پلنگ پر نیم دراز ہو گیا اور آنکھیں بند کر کے ذہن میں وہ پوائنٹ تیا کرنے لگا جن پر اسے کانتی لال کے ساتھ گفتگو کرنی تھی...... ایک بات اسے اچھ طرح معلوم تھی کہ وہ چاہے کانتی لال کے ساتھ دُنیا جہان کی باتیں کرے لیکن اسے بھول کر بھی اپنے منہ سے ایسی کوئی بات نہیں نکالنی ہو گی جس پر بلی کی طرح چالاک اور لومڑی کی طرح عیار کانتی لال کو ذرا سا بھی شک پڑے...... آخر کانتی لال بھارت کی مرکزی انٹیلی جنس سروس میں رہ چکا تھا...... یونہی نیوکلر میٹریل کا خفیہ کوڈ نم صرف اسی کو نہیں دیا گیا تھا، لیکن عمران بھی کوئی نو آموز کھلاڑی نہیں تھا...... اس میدان میں وہ بھی کئی معرکے مار چکا تھا اور آدمی کے چہرے سے اس کے دل کے احساسات پہچان لیتا تھا...... عمران نے اس جہاں دیدہ خفیہ جاسوس سے ذہنی طور پر نبر آزما ہونے کے اپنے آپ کو پوری طرح تیار کر لیا تھا۔

اس نے نیچے کاؤنٹر پر پیغام دے دیا تھا کہ میرا ایک مہمان رات کے نو بجے مجھ سے ملنے آئے گا...... اسے اوپر بھیج دیجئے گا...... اس دوران عمران نے شاور لے سلک کا نیا قیمتی کرتہ پاجامہ پہن کر گلے میں سونے کی زنجیر ڈال لی...... کلائی پر سونے کی چین والی انتہائی بیش قیمت گھڑی بھی لگا لی، جس طرح ان لوگوں کے بنائے ہوئے کرنسی نوٹوں کو کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا تھا کہ یہ جعلی نوٹ ہیں، اسی طرح عمران کی گھڑی کے نقلی ہیروں کو بھی کوئی نہیں پہچان سکتا تھا...... کانتی لال وقت کا واقعی پابند نکلا...... ٹھیک نو بجکر دو منٹ پر دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی...... عمران نے اٹھ کر دروازہ کھولا...... سامنے کانتی لال کھڑا دونوں ہاتھ جوڑے مسکرا رہا تھا۔

"پرنام اگروال جی!"۔

عمران نے بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ارے دروازے میں کیوں کھڑے ہیں کانتی لال جی اندر پدھاریئے نا...... میں تو آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا"۔

کانتی لال جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں درمیانی عمر کا ذہین چمکیلی آنکھوں اور چہرے کے تیز نقوش والا آدمی تھا...... اس نے کھدر کا کانگریسی کرتہ پاجامہ اور نہرو کٹ واسکٹ پہن رکھی تھی...... ایک ہاتھ میں بریف کیس تھا...... وہ مسکراتا ہوا بریف کیس اٹھائے کمرے میں آ کر صوفے پر بیٹھ گیا...... عمران نے دو لیمونیڈ کے لئے نیچے سروس والوں کو فون کر دیا...... پھر پوری طرح سے کانتی لال کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"کانتی لال جی! یہاں تو ہم مسافر ہیں...... آپ ہمارے ہاں قطر تشریف لایئے تو جی کھول کر آپ کی خاطر سیوا کریں گے"۔

کانتی لال نے بریف کیس کافی ٹیبل کے نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

"مہاراج! میں تو پہلے ہی آپ کا ابھاری (احسان مند) ہوں...... آپ کیوں مجھے شرمندہ کر رہے ہیں"۔

اس کے بعد موسم، پھر سیاست اور پھر بھارت کی صنعتی ترقی کی بات شروع ہو گئی...... صنعتی ترقی کا موضوع جان بوجھ کر عمران نے چھیڑا تھا...... اتنے میں ہوٹل بوائے خاموشی سے دو لیمونیڈ کے نازک اور خوبصورت گلاس ٹشو پیپرز کے ساتھ میز پر رکھ کر چلا گیا...... دونوں لیمونیڈ پیتے ہوئے باتیں کرنے لگے...... کانتی لال نے عمران سے پوچھا۔

"اگروال جی! قطر میں آپ کب سے آٹو بزنس کا کام کر رہے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"پندرہ بیس برس تو ہو گئے ہوں گے...... چھوٹا سا تھا جب پتا جی مجھے اور ماتا جی کو

امرتسر سے قطر لے آئے..... پتا جی نے وہاں موٹر مکینک کی مزدوری شروع
کر دی..... بڑے محنتی اور دیالو آدمی تھے..... بھگوان کی کرپا سے وہ ترقی کرتے چلے گئے
اور انہوں نے اپنا ایک آٹو ورکشاپ بنالیا..... تب میں بھی بڑا ہو گیا تھا اور کاروبار میں پتا
جی کا ہاتھ بٹانے لگا تھا، مگر بھگوان کی اچھیا تھی..... ایک سال کے اندر اندر ماتا جی اور پتا
جی دونوں سورگباش ہو گئے..... میں اکیلا رہ گیا..... میں نے ہمت نہ ہاری اور پہلے سے
زیادہ جی لگا کر کام کرنے لگا..... بس یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس وقت میرا شمار قطر کے
چار بڑے آٹو ڈیلرز میں ہوتا ہے"۔

کانتی لال نے پوچھا۔

"ہمارے بھارت میں تو اس آٹو بزنس کا بڑا اسکوپ ہے"۔

"جی کیوں نہیں" عمران نے فوراً جواب دیا..... "اسی خیال کو لے کر تو میں
بھارت آیا ہوں..... دراصل کانتی لال جی میں اپنے دیش بھارت میں آٹو مینو فیکچرنگ
کا ایک بہت بڑا کارخانہ لگانا چاہتا ہوں، اسی غرض سے میں بھارت کے بڑے بڑے
شہروں کا دورہ کر کے آٹو بزنس کے سکوپ کا اندازہ لگا رہا ہوں..... میں اب اپنے دیش
کی سیوا کرنا چاہتا ہوں..... میں چاہتا ہوں کہ میں قطر کے خزانے میں جو ہر سال
کروڑوں روپے کا ٹیکس جمع کراتا ہوں وہ میرے دیش کے خزانے میں جائے"۔

"یہ بڑی دیش بھگتی کی بات ہے" کانتی لال نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال
کر ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

عمران بڑی عاجزی سے بولا۔

"مہاراج! میں کوئی اتنا بڑا دیش بھگت تو نہیں ہوں، لیکن جتنی بھی میری حیثیت
ہے..... میں بھارت ورش کی سیوا کرنا چاہتا ہوں"۔

"ضرور کیجئے" کانتی لال نے کہا..... "ہمارے دیش کو آپ ایسے صنعت کاروں کی
ہی ضرورت ہے..... یہ بتائیے آپ نے بھارت کے کن کن شہروں کا دورہ کیا ہے"۔

کانتی لال ان باتوں سے عمران کی حیثیت کا اندازہ لگانا چاہتا تھا اور یہ بھی دیکھنا
چاہتا تھا کہ اس آدمی پر کس حد تک اعتبار کیا جا سکتا ہے، کیونکہ کانتی لال کا یہ اصول تھا
وہ ہر ایرے غیرے کے ساتھ نہ تو تعلقات استوار کرتا تھا اور نہ اس کے ساتھ
شراب کی محفل لگاتا تھا..... مفت میں ملنے والی امپورٹیڈ وسکی کا کانتی لال ایسے محدود
آمدنی والے سرکاری ملازم کے لئے بہت بڑا لالچ تھا، لیکن کانتی لال اپنے حساس
منصب سے بھی غافل نہیں تھا..... چنانچہ وہ سیٹھ اگروال کی شخصیت کی پوری طرح
سے جانچ پڑتال کر لینا چاہتا تھا..... عمران بھی سب کچھ سمجھ رہا تھا کہ کانتی لال اس کے
ساتھ اس قسم کی گفتگو کیوں کر رہا ہے اور وہ کانتی لال کے ہر سوال کا ایسا مدلل جواب
دے رہا تھا کہ کانتی لال کا عمران پر اعتماد بحال ہوتا جا رہا تھا۔

عمران نے کاروبار کے متعلق اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"بس مہاراج صرف ایک بات کا ڈر لگا رہتا ہے"۔

"ڈر؟" کانتی لال نے سوال کیا..... "کس بات کا؟"۔

عمران نے خالص کاروباری انداز میں کہا۔

"آپ تو جانتے ہیں کہ ہم بزنس مین لوگ ہیں..... ملک میں امن شانتی ہو تو
ہمارا بزنس بھی ترقی کرتا ہے..... اگر دیش میں امن شانتی نہ ہو تو سب سے زیادہ
نقصان ہمیں ہی ہوتا ہے"۔

کانتی لال بولا۔

"لیکن ہمارے دیش میں تو امن شانتی ہے..... پھر آپ کو کس بات کا ڈر ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"مہاراج! آپ تو جانتے ہیں کہ ہماری سرکار کے پاس ایٹمی شکتی آچکی ہے..... یہ
بڑے حوصلے کی بات ہے، لیکن اب پاکستان نے بھی ایٹم بم بنالیا ہے.....
بھگوان نہ کرے کہ اگر دونوں ملکوں میں جنگ چھڑ گئی تو یہ پرمانو شکتی کی جنگ ہوگی اور

بڑی تباہی ہو گی...... بس اسی خیال سے میں بھارت میں کاروبار شروع کر
گھبراتا ہوں...... ورنہ میرا تو پکا ارادہ ہے کہ وجے واڑہ، ممبئی اور کلکتے میں
فیکچرنگ کا ایک ایک کارخانہ چالو کروں"۔

کانتی لال نے بڑے اعتماد کے ساتھ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اگروال جی! آپ یہ فکر کرنا چھوڑ دیں...... بھارت کی مرکزی سرکار نے
کے ایٹم بم کا توڑ دریافت کر لیا ہے...... ہم ایسے پرمانو (ایٹمی) میزائل تیار کر رہے
جو پاکستان کے گرائے ہوئے ایٹم بم کو فضا میں ہی بھسم کر دیں گے"۔

کانتی لال اس طرف آ رہا تھا جس طرف عمران اسے لانا چاہتا تھا......
اسے کریدنے کی مزید کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ایسا میزائل تو ابھی تک امریکہ بھی دریافت نہیں کر سکا مہاراج جی! پھر
سرکار کے پاس یہ کہاں سے آ گیا؟"۔

کانتی لال بولا۔

"امریکہ نے ایٹم بم کو فضا میں ہی ہٹ کر کے اسے بھسم کر دینے والے
تیار کر لئے ہوئے ہیں اور ہماری سرکار نے بھی ایسے راکٹ تیار کرنے کا کام
کر دیا ہے"۔

"آپ یہ کیسے یقین سے کہہ سکتے ہیں؟" عمران نے جان بوجھ کر یہ سوال
شاید دیش بھگتی کے جوش میں کانتی لال اصلی بات اُگل دے، لیکن وہ بڑا ہوشیار
تھا...... کہنے لگا۔

"ہم نے بھی لوگوں سے سنا ہی ہے...... یقین کے ساتھ تو کوئی بھی
کہہ سکتا"۔

عمران سمجھ گیا کہ کانتی لال نے اس موضوع پر جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا اور اب
سے زیادہ زبان نہیں کھولے گا...... اس نے موضوع بدل دیا...... ایک دم

سے اٹھا اور بولا۔

"میں آپ کو تحفہ دینا تو بھول ہی گیا...... ایک منٹ ٹھہریں"۔

اتنا کہہ کر عمران جلدی سے بیڈ روم میں گیا اور کلوزٹ کے نچلے خانے میں سے
پورا ئیڈ وسکی کی بوتل نکال کر لے آیا...... اس نے سنہری ڈبے میں بند وسکی کی بوتل
نتی لال کے سامنے میز پر رکھ دی اور کہا۔

"مہاراج! میری طرف سے اسے سوئیکار کریں...... میں تو شراب پیتا نہیں......
لیکن ہمیں اپنے کاروبار کے سلسلے میں اس کی ضرورت پڑ جاتی ہے...... یہ میری طرف
سے آپ کو تحفہ ہے"۔

اعلیٰ کوالٹی کی سکاچ وسکی کی بوتل کو دیکھ کر کانتی لال کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا
...... اس نے ڈبہ کھولتے ہوئے کہا۔

"اگروال جی اس کی کیا ضرورت تھی...... آپ کے تو پہلے ہی مجھ پر بڑے
احسان ہیں"۔

عمران بولا۔

"ایسا نہیں کانتی لال جی! آپ کی ہماری اب دوستی ہو گئی ہے اور دوستی میں کوئی
بھید بھاؤ نہیں ہوتا...... آپ کولڈ واٹر کے ساتھ شوق کرتے ہیں یا میں آپ کے لئے
سوڈا منگواؤں؟"۔

کانتی لال بڑی دلچسپی کے ساتھ وسکی کی خوبصورت بوتل کو دیکھ رہا تھا...... اس
نے بوتل کو ڈبے میں دوبارہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"آج پینے کا موڈ نہیں ہے...... ایک جگہ مجھے ڈنر پر بھی جانا ہے...... پھر کسی روز
آپ کے پاس بیٹھ کر ضرور شوق پورا کروں گا...... میں نے آپ کو بتایا نہیں میرے
ی ٹیلی ویژن اور کیسٹ پلیئرز کی چھوٹی سی ایجنسی ہے...... بھگوان کا شکر ہے......
ال روٹی چل رہی ہے"۔

پھر عمران نے کہا۔

"ٹھہریئے..... میں آپ کو وسکی ایک تھیلے میں ڈال دیتا ہوں"۔

کانتی لال نے کافی ٹیبل کے نیچے سے بریف کیس نکالتے ہوئے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی...... میرے بریف کیس میں"۔
یہ ڈبہ آجائے گا"۔

اور کانتی لال نے وسکی کا ڈبہ بریف کیس میں بڑی احتیاط سے رکھ کر بریف ک
بند کیا اور بولا۔

"اب مجھے اجازت دیں، پھر کسی روز آؤں گا اور دیر تک بیٹھ کر باتیں کریں گے"

کانتی لال کے ساتھ ہی عمران بھی اٹھ کھڑا ہوا اور کانتی لال کی طرف جھک
اس نے بڑی رازداری سے کہا۔

"اگلی بار آپ آئیں گے تو امپورٹیڈ وسکی کی نئی بوتل بھی ہو گی اور وسکی پلا
والی ایک حسین دیوداسی بھی ہو گی"۔

اور عمران قہقہہ مار کر ہنس پڑا...... کانتی لال کے لئے شراب کے ساتھ شرا
پلانے والی کی موجودگی، ایسی ہی بات تھی جیسے کوئی جلتی ہوئی آگ پر مٹی کا تیل
دے...... کہنے لگا۔

"دیوداسی نہ بھی ہو تو کوئی بات نہیں اگروال جی ہم تو صرف آپ کی محبت
خاطر آئیں گے"۔

عمران جانتا تھا کہ کانتی لال جھوٹ بول رہا ہے...... اگر وہ آئے گا تو صرف شرا
اور شراب پلانے والی دیوداسی کی وجہ سے آئے گا اور عمران کو یقین تھا کہ کانتی لال ا
بڑی جلدی آئے گا۔

کانتی لال عمران کو گلے لگ کر ملا اور بڑا خوش خوش چلا گیا۔

عمران نے دروازہ بند کیا اور صوفے میں دھنس کر ان باتوں پر غور کرنے لگ

اس کے اور کانتی لال کے درمیان ہوئی تھیں...... سکندر علی پارکنگ لاٹ میں کھڑی گاڑی کے اندر ہاشم خان کے ساتھ ہی بیٹھا تھا...... اس نے کانتی لال کو ہوٹل کی لابی سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر جاتے دیکھا تو ہاشم خان سے بولا۔

"کانتی لال چلا گیا...... میں اوپر عمران بھائی کے پاس جاتا ہوں"۔

اور سکندر علی اوپر عمران کے پاس آ گیا...... اس نے آتے ہی دروازہ زور سے بند کر دیا اور عمران سے پوچھا۔

"سر! کوئی بات بنی؟"۔

عمران نے سکندر کو اول سے آخر تک جو جو باتیں کانتی لال سے ہوئی تھیں بتا دیں اور یہ بھی کہا کہ غیر ملکی برآمد شدہ وسکی کا تحفہ اس نے بڑی خوشی سے لے لیا تھا...... سکندر کہنے لگا۔

"آپ نے کانتی لال سے جو دیوداسی کا ذکر کیا ہے تو اس سلسلے میں مراد خان کو اطلاع دینی بڑی ضروری ہے، تاکہ شہر کی اعلیٰ سوسائٹی کی پیشہ ور عورتوں میں سے کسی کا انتظام کر دیا جائے"۔

"یہ اطلاع تو مراد خان کو تم ہی دے سکتے ہو" عمران نے کہا۔

سکندر علی کہنے لگا۔

"ہاشم خان گاڑی میں موجود ہے...... ہم ابھی مراد خان کے پاس جا کر انہیں ساری بات بتاتے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"تم اگر مراد خان کو میرے پاس لے آؤ تو میں اس سے زبانی بات کرنا چاہوں گا"۔

سکندر علی بولا۔

"ہم انہیں لے آتے ہیں سر! اگر انہوں نے ہمارے ساتھ آنا مناسب نہ سمجھا تو وہ کسی ٹیکسی میں بیٹھ کر آ جائیں گے"۔

سکندر علی اس کے بعد چلا گیا۔

عمران نے کھانا منگوا کر کھایا...... وہ کافی پی رہا تھا کہ مراد خان کا ٹیلی فون آ گیا کہنے لگا۔

"مہاراج! میں آ رہا ہوں...... آپ سے بزنس کے بارے میں بڑی ضروری بات کرنی ہے"۔

عمران نے جواب دیا۔

"ضرور آئیں مہاشہ جی! لیکن میں آپ کو پندرہ بیس منٹ سے زیادہ ٹائم نہ دے سکوں گا"۔

مراد خان کی آواز آئی۔

"میرے لئے آپ کے دس پندرہ منٹ بھی بہت ہیں...... اگروال جی...... کی بڑی کرپا ہے"۔

تھوڑی دیر کے بعد مراد خان آ گیا...... اس نے وجے واڑی کے سیٹھوں لباس یعنی سلک کا کرتا پاجامہ پہن رکھا تھا...... گلے میں سونے کی زنجیر بھی تھی۔ عمران کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا اور عمران سے پوچھا کہ کانتی لال کے ساتھ کیا باتیں ہوئی ہیں...... عمران نے ساری باتیں بیان کر دیں۔

"میں نے اسے غیر ملکی وسکی کی بوتل کا تحفہ دیا تو وہ بہت خوش ہوا اور جب میں یہ دانہ ڈالا کہ اگلی بار آپ آئیں گے تو آپ کے لئے ولایتی وسکی بھی ہو گی اور پلانے والی ایک حسین دیوداسی بھی ہو گی تو کانتی لال کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں"۔

مراد خان نے پوچھا۔

"اس نے آنے کی کوئی ڈیٹ تو طے نہیں کی؟"۔

عمران نے کہا۔

"ڈیٹ تو کوئی طے نہیں کی، لیکن شراب اور عورت کا لالچ کانتی لال کو زیادہ

چین سے بیٹھنے نہیں دے گا...... کوئی پتہ نہیں کہ کل ہی اس کا فون آ جائے"۔

مراد خان کچھ سوچ رہا تھا...... کہنے لگا۔

"کوئی بات نہیں...... ہم اپنے آدمیوں کو اطلاع کر دیں گے...... دیوداسی کی جس وقت بھی ضرورت ہو گی وہ یہاں تمہارے کمرے میں پہنچ جائے گی...... تم صرف سکندر علی کو بتا دینا کہ کانتی لال آج رات آ رہا ہے...... وہ ہمیں خبر کر دے گا اور سارا انتظام ہو جائے گا"۔

مراد خان کچھ دیر بیٹھنے کے بعد چلا گیا۔

دوسرا دن بھی گزر گیا...... کانتی لال کا کوئی فون نہ آیا...... عمران ہوٹل میں ہی رہا...... اس سے اگلے دن دوپہر کے بعد کانتی لال کا فون آ گیا، کہنے لگا۔

"اگروال جی آج شام آپ کا کیا پروگرام ہے؟"۔

عمران نے فوراً کہا۔

"مہاراج! آج اتفاق سے میرا کوئی پروگرام نہیں ہے...... آپ پدھاریئے...... بلکہ کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھائیں"۔

کانتی لال کی آواز آئی۔

"آپ کہتے ہیں تو میں آ جاؤں گا"۔

عمران نے کہا۔

"ضرور آیئے...... مجھے بڑی خوشی ہوئی"۔

کانتی لال نے کہا۔

"میں رات کے نو بجے تک پہنچوں گا"۔

"میں آپ کا انتظار کروں گا"۔

اور عمران نے فون بند کر دیا...... اس کے فوراً بعد اس نے سروس کو فون کر کے ہوٹل بوائے کو کمرے میں بلایا اور اسے دس روپے ٹپ دیتے ہوئے کہا۔

"نیچے پارکنگ لاٹ میں جاؤ...... وہاں میری گاڑی میں میرا ڈرائیور گنگا داس موجود ہو گا...... اسے میرے پاس بھیج دو"۔

عمران نے وہاں ہاشم خان کا نام گنگا داس بتایا ہوا تھا...... اس نے ہوٹل بوائے کو گاڑی کا نمبر بتایا...... ہوٹل بوائے چلا گیا...... تھوڑی دیر بعد ہاشم خان آگیا...... عمران نے ہاشم کو اپنے پاس بٹھا کر ساری بات بتائی اور کہا۔

"تم اسی وقت مراد خان کے پاس جاؤ اور اسے اپنے ساتھ لے کر یہاں آجاؤ...... یہ بہت ضروری ہے"۔

ہاشم خان بولا۔

"میں ابھی اسے جا کر لے آتا ہوں...... مجھے معلوم ہے وہ اس وقت کہاں ہو گا"

ہاشم خان چلا گیا اور عمران نے مراد خان کا انتظار شروع کر دیا...... اس وقت دوپہر کے تین بجے تھے...... پونے چار بجے کے قریب مراد خان آگیا...... عمران نے کہا۔

"کانتی لال کا فون آیا تھا...... وہ آج رات نو بجے آرہا ہے...... دیوداسی کا موجود ہونا ضروری ہے"۔

مراد خان بولا۔

"دیوداسی پہنچ جائے گی...... امپورٹڈ وسکی تو تمہارے پاس ہے نا؟"۔

"ایک بوتل پڑی ہوئی ہے" عمران نے کہا۔

مراد خان نے کہا۔

"میں سکندر کے ہاتھ ایک اور بوتل بھجوا دوں گا"۔

عمران نے پوچھا۔

"آج کے ڈرامے میں مجھے کس نوعیت کا کردار ادا کرنا ہو گا؟"۔

مراد خان کہنے لگا۔

"تمہیں کانتی لال کے ایک خوش اخلاق میزبان کا کردار ادا کرنا ہو گا...... تم

صرف اس کے آرام و آسائش کا خیال رکھو گے...... یہ ہمارے منصوبے کا دوسرا مرحلہ ہے...... اس مرحلے سے ہمیں صرف یہی فائدہ پہنچے گا کہ کانتی لال ہمارے بچھائے ہوئے جال میں اور زیادہ پھنس جائے گا اور اسے یقین ہو جائے گا کہ اگروال کا ہوٹل بیڈروم اس کی محتاط عیاشی کے لئے ایک محفوظ جگہ ہے اور یہ کہ اگروال اس کا ایسا دوست ہے جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور جسے کانتی لال سے کوئی غرض اور کوئی مطلب نہیں ہے...... تمہارا اصل کام ہمارے منصوبے کے تیسرے مرحلے میں شروع ہو گا...... یہی وہ مرحلہ ہے جس کی خاطر ہم نے یہ سارا جال بچھایا ہے اور سارا ڈرامہ کھیلا ہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"تیسرے مرحلے کی خاص بات کیا ہو گی؟"۔

مراد خان بولا۔

"یہ تمہیں تیسرے مرحلے کے شروع ہونے سے پہلے بتا دی جائے گی...... اب میں جاتا ہوں"۔

مراد خان نے گھڑی پر ایک نگاہ ڈالی اور کہنے لگا۔

"دیوداسی تمہارے پاس رات کے ٹھیک نو بجے پہنچ جائے گی"۔

عمران نے پوچھا۔

"اس کے ساتھ اس کا کوئی محافظ بھی ہو گا کیا؟"۔

مراد خان نے کہا۔

"جو دیوداسی نو بجے آرہی ہے اس کا تعلق اعلیٰ طبقے کی ماڈرن پیشہ ور کلاس سے ہے...... یہ عورتیں اپنے طور پر اور اپنی مرضی سے یہ دھندا کرتی ہیں اور بھارت کی اونچی سوسائٹی میں اس قسم کے دھندے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا، بلکہ اسے اس ملک کی اونچی سوسائٹی کے کلچر میں شمار کیا جاتا ہے...... یہ دیوداسی تمہارے پاس اکیلی آئے گی"۔

"اس کا نام کیا ہے؟" عمران نے پوچھا۔

مراد خان نے کہا۔

"یہ مجھے خود معلوم نہیں ہے...... وہ خود ہی آکر تمہیں بتائے گی...... تمہارا کام یہ ہو گا کہ تم کانتی لال اور دیوداسی کو زیادہ سے زیادہ تنہائی کا موقع دو تاکہ کانتی لال تمہیں اپنا بہترین اور قابل اعتماد دوست سمجھنے لگے...... ہمارا اس وقت ایک ہی مقصد ہے کہ کانتی لال کا تم پر اعتماد حاصل کیا جائے...... تم پر اس کا جتنا زیادہ اعتماد ہو گا ہمارے مشن کی کامیابی کے امکانات اتنے ہی زیادہ روشن ہو جائیں گے...... اس کے علاوہ تمہیں ایک فوٹو کیمرہ بھی پہنچا دیا جائے گا...... یہ ایک ماچس کے سائز کا انتہائی طاقتور فلیش کیمرہ ہو گا...... اگر ہو سکے تو تم کسی طریقے سے کانتی لال کی دیوداسی کے ساتھ عالم سرم کی ایک فوٹو اتار لو گے؟"۔

"یہ فوٹو کس لئے؟" عمران نے پوچھا۔

مراد خان بولا۔

"یہ صرف ہم احتیاط کے طور پر کریں گے تاکہ اگر کوئی چارہ کار باقی نہ رہے تو ہم کانتی لال کو بلیک میل کر کے اس سے اپنے مطلب کی معلومات حاصل کر سکیں"۔

"ٹھیک ہے" عمران نے کہا۔

مراد خان جانے لگا تو دروازے کے قریب آکر بولا۔

"یہ سارا کام تم نے بڑی ہوشیاری سے کرنا ہے...... یہ کبھی نہ بھولنا کہ کانتی لال ایک چالاک لومڑی کی طرح ہے...... اسے تمہاری گفتگو سے ذرا سا بھی شک پڑ گیا تو چھوئی موئی کے پودے کی طرح اپنے آپ کو بند کر لے گا اور پھر ہم اس سے کچھ معلوم نہ کر سکیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"میں اس بات کو ہر لمحہ اپنے پیش نظر رکھوں گا"۔

"سکندر علی تمہیں امپورٹیڈ وسکی اور کیمرہ دے جائے گا...... میں کل تمہیں فون کروں گا...... خدا حافظ"۔

"خدا حافظ!"۔

مراد خان چلا گیا...... اس کے جانے کے کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد سکندر علی کیمرہ اور امپورٹیڈ وسکی لے کر آ گیا...... عمران نے دونوں چیزیں اپنے بیڈ روم کے کلوزٹ میں رکھ دیں جہاں اس کے کپڑے وغیرہ لٹکے ہوئے تھے...... ڈرائنگ روم میں آکر انہوں نے نیچے سے کافی منگوائی اور بیٹھ کر بعض اہم امور پر تبادلہ خیال کرنے لگے۔

رات آٹھ بج کر اڑتیس منٹ پر کانتی لال کا فون آ گیا...... کہنے لگا۔

"اگروال جی! میں ہوٹل کی لابی میں ہوں...... اگر آپ کی اجازت ہو تو اوپر آ جاؤں"۔

عمران نے کہا۔

"مہاراج! یہ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں...... آپ ہمارے دوست ہیں...... ہمارے مہمان ہیں...... فوراً اوپر تشریف لے آئیے...... میں تو آپ کے انتظار میں بیٹھا ہوں"۔

"شکریہ شکریہ اگروال جی" کانتی لال نے ہنستے ہوئے کہا اور فون بند کر دیا......

عمران سکندر سے کہنے لگا۔

"وہ آ گیا ہے...... شراب کے علاوہ آج دیوداسی کے پروگرام نے اسے معمول سے زیادہ بے چین کیا ہے...... وہ وقت سے آدھا گھنٹہ پہلے آ گیا ہے...... تم نوٹ بک نکال کر جو میں بولوں اس کی نوٹیشن لیتے جانا"۔

بریف کیس سکندر علی اپنے پاس ہی رکھتا تھا...... اس نے فوراً بریف کیس میں سے نوٹ بک نکالی اور بال پوائنٹ لے کر بیٹھ گیا...... چند لمحوں کے بعد دروازے پر دستک ہوئی اور کانتی لال سامنے کھڑا ہاتھ جوڑ کر پرنام کر رہا تھا...... وہ اپنے ساتھ

پھولوں کا گلدستہ لایا تھا...... کہنے لگا۔

"اگروال جی! یہ آپ کے کمرے کی بیوٹی کو بڑھائے گا"۔

"شکریہ کانتی لال جی!"۔

عمران نے گلدستہ لے کر گلدان میں لگا دیا اور کانتی لال سے کہا۔

"آپ تشریف رکھیں، میں اپنے سیکرٹری کو دو ایک ضروری پوائنٹس لکھوا دوں"

"ضرور ضرور مہاراج"۔

یہ کہہ کر کانتی لال صوفے پر بڑے آرام سے بیٹھ گیا...... عمران نے سکندر کی طرف متوجہ ہو کر تھوڑی سی انگریزی بولی اور کہا۔

"یہ لیٹر راجن کمار اینڈ سنز کو قطر صبح ہی پوسٹ کر دیا جائے"۔

سکندر نے جو اس وقت عمران کے پرسنل سیکرٹری راج کمار کے روپ میں جلدی سے نوٹ بک بریف کیس میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے سر!"۔

عمران نے اسے کہا۔

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ...... صبح باقی کے بھی بزنس لیٹرز پوسٹ کرنے کے لئے میرے پاس آ جانا"۔

"ٹھیک ہے سر"۔

یہ کہہ کر سکندر علی بریف کیس اٹھا کر گڈ نائٹ کہہ کر باہر نکل گیا...... اب عمران کانتی لال کی طرف متوجہ ہوا، کہنے لگا۔

"شما کر دیجئے گا کانتی لال جی! یہ بڑے ضروری بزنس لیٹرز تھے...... آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ ہم کاروباری لوگ ہیں...... ہماری مصروفیات صبح سے رات تک جاری رہتی ہیں اور سنائیے آپ کیسے ہیں؟"۔

یہ جملے عمران نے انگریزی میں کہے تھے...... کانتی لال نے اردو میں جواب دیا۔

"پرماتما کا شکر ہے"۔

ایک بات یہاں ضرور یاد رکھی جائے کہ حیدر آباد دکن کے آس پاس کے علاقے میں آج بھی ہندو لوگ بڑی صاف ستھری اردو بولتے ہیں اور اس اردو میں ہندی بھاشا کے الفاظ بہت کم ہوتے ہیں...... اب عمران نے بھی اردو بولنی شروع کر دی...... اس نے پوچھا۔

"ولایتی وسکی پسند آئی آپ کو؟"۔

کانتی لال نے جواب میں کہا۔

"اگروال جی! بہت اعلیٰ وسکی تھی...... اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ پچاس سال پرانی تھی...... آپ نے شاید پڑھا نہیں تھا...... اس کے اوپر لکھا ہوا تھا کہ اسے پچاس سال تک اوک درخت کی لکڑی کے سیلر میں بند رکھا گیا ہے"۔

عمران نے ہنس کر کہا۔

"ارے مہاراج! ہماری قسمت میں دیوتاؤں کا یہ سوم رس نہیں ہے"۔

کانتی لال نے از راہ مذاق کہا۔

"میں تو آپ کو مشورہ دوں گا کہ کاروبار کی ذہنی مصروفیات کے بعد رات کو دیوتاؤں کے سوم رس کے دو پیگ لے لیا کیجئے...... اس سے آپ کا ذہن بالکل فریش ہو جائے گا"۔

عمران بولا۔

"ارے مہاراج ہماری بات چھوڑیئے...... آپ کے لئے میں نے ایک اور بوتل منگوا کر رکھی ہوئی ہے"۔

کانتی لال بہت خوش ہوا...... کہنے لگا۔

"اس کے درشن تو کرائیں"۔

عمران بیڈ روم کے کلوزاٹ سے ایک بوتل نکال کر لے آیا...... کانتی لال نے

بوتل کو دیکھا تو اس کے چہرے پر رونق آ گئی...... کہنے لگا۔

”آج بھی یہی چلے گی“۔

عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ کی دیوداسی بھی تو آ رہی ہے...... آج وہ آپ کی خاطر مدارت کرے گی“۔

کانتی لال ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا...... کہنے لگا۔

”اگر وال جی! آپ میرے لئے اتنا کچھ کر رہے ہیں مجھ پر تو آپ کے پہلے ہی بڑے احسان ہیں...... میں اس کا بدلہ کیسے چکا سکوں گا؟“۔

عمران نے کانتی لال کا آگے بڑھ کر ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

”چھوڑیں کانتی لال جی! اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے...... کہئے میں آپ کے لئے کیا منگواؤں؟ کافی یا ٹھنڈا“۔

کانتی لال بولا۔

”کافی منگوا لیجئے“۔

”جو آگیا مہاراج!“۔

یہ کہہ کر عمران نے اسی وقت سروس کا نمبر ڈائیل کر کے اپنے کمرے میں دو کافی اور کچھ چکن سینڈوچز کا آرڈر دے دیا...... اس کے بعد اس نے وجے واڑہ کے موسم پھر بھارت میں آٹو مینوفیکچرنگ کے سکوپ کی باتیں شروع کر دیں...... عمران کانتی لال پر یہ اثر ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے سوائے اپنے کاروبار کے اور کسی شے کی زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی...... عمران نے ریسیور اٹھایا تو نیچے سے کاؤنٹر کلرک نے کہا۔

”سر! آپ سے راگنی مہرہ نام کی خاتون ملنے آئی ہیں“۔

عمران فوراً سمجھ گیا کہ یہ دیوداسی ہی ہو سکتی ہے...... اس نے کہا۔

”ہاں! پلیز انہیں میرے کمرے میں بھیج دیں“۔

”او کے سر“۔

عمران نے ریسیور رکھتے ہوئے کانتی لال کی طرف دیکھ کر کہا۔

”لیجئے مہاراج! آپ کی دیوداسی آ گئی ہے“۔

”یہ تو بہت اچھا ہوا“ کانتی لال نے خوش ہو کر کہا۔

چند لمحوں کے بعد دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی...... عمران نے کہا۔

”کم ان“۔

دروازہ کھلا اور ایک نوجوان خوبصورت لڑکی اندر داخل ہوئی...... اس کے بال سنہری اور کٹے ہوئے تھے...... سیاہ ریشمی سکرٹ اور بلیو رنگ کی کھلے گریبان والی قمیض پہن رکھی تھی...... ہاتھ میں پرس تھا...... چہرے پر خوب میک اپ کیا ہوا تھا...... گڈ ایوننگ سر کہنے کے بعد بولی۔

”سر! مجھے جی سی اگروال جی سے ملنا ہے“۔

عمران نے کہا۔

”میں ہی جی سی اگروال ہوں...... آ جاؤ...... یہاں بیٹھو“۔

وہ صوفے پر بیٹھ گئی...... کہنے لگی۔

”مجھے کشن کپور جی نے بھیجا ہے“۔

مراد خان نے عمران کو بتا دیا تھا کہ دیوداسی کشن کپور کا نام لے گی...... سمجھ جانا کہ یہ دیوداسی ہی ہے...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”شریمتی جی میں سمجھ گیا ہوں...... آپ شانت ہو کر بیٹھیں...... کہئے آپ کے لئے کیا منگوایا جائے؟“۔

دیوداسی نے جس کا نام راگنی مہرہ تھا اپنا پرس کافی ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

”میں تو اس وقت صرف سکاچ وسکی پیتی ہوں...... سکاچ منگوا دیجئے“۔

دیوداسی سمجھ گئی تھی کہ اسے جس ماحول میں بھیجا گیا ہے وہ اس ماحول میں
ہے، چنانچہ وہ بے تکلف ہو گئی تھی...... یہاں اسے شرم وحیا سے کام لینے کی ضرور
نہیں تھی...... ویسے بھی اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ پیشہ ور عورت ہے اور شرم وحیا
چیز اس کے پاس نہیں ہے...... عمران نے کانتی لال کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"آپ کی وسکی کے ساتھی تو یہ سامنے بیٹھے ہیں...... ہم تو ویشنو جی کے
والے ہیں"۔

اس کے ساتھ ہی عمران نے کافی ٹیبل کے نیچے سے اعلیٰ کوالٹی کی وسکی کی بو
کا خوبصورت ڈبہ نکال کر میز پر رکھ دیا...... دیوداسی نے اپنے پرس میں سے سگر
پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگا لیا تھا...... وسکی کی بوتل پر ایک نظر ڈال کر بولی۔

"یہ تو بڑی نایاب وسکی ہے"۔

عمران نے ہنس کر کہا۔

"دیوی جی! آپ کو ہمارے ہاں بھگوان نے چاہا تو ہر شے نایاب ملے گی"۔

کانتی لال نے عمران کو گفتگو کے دوران دیوداسی کو اپنا نام بتانے سے منع کر دیا
چنانچہ عمران نے کانتی لال سے دیوداسی کا کوئی تعارف نہ کرایا...... تعارف کی
ضرورت بھی نہیں تھی...... کافی اور سینڈوچز آ گئے...... دیوداسی بولی۔

"میں کافی بناؤں گی"۔

وہ بڑی جلدی بے تکلف ہو گئی...... اس نے کانتی لال کی طرف دیکھ کر کہا۔

"شریمان! آپ کے لئے چینی کتنی ڈالوں؟"۔

کانتی لال نے کہا۔

"صرف آدھا چمچ"۔

"اور آپ شریمان جی؟" دیوداسی نے عمران سے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"مجھے بھی آدھا چمچ ہی ڈال دو"۔

آدھ گھنٹہ کافی کے ساتھ شغل چلتا رہا...... اس کے بعد دیوداسی نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمارے وسکی پینے کا وقت ہو گیا ہے"۔

کیبنٹ پر شیشے کا ایک جگ اور شیشے کے بڑے خوبصورت گلاس پڑے تھے......
داسی نے گلاس اور جگ ٹیبل پر رکھ دیا...... اس نے عمران سے پوچھا۔

"سر! آپ پانی کے ساتھ پسند کریں گے یا سوڈا کے ساتھ؟"۔

عمران نے کہا۔

"دیوی جی! میں تو ڈرنک نہیں کرتا، میرے دوست شریمان جی سے پوچھ لیں"۔

کانتی لال نے دیوداسی سے کہا۔

"پلین سوڈا ٹھیک رہے گا"۔

عمران نے دیوداسی سے کہا۔

"ریفریجریٹر میں پلین سوڈا موجود ہے"۔

دیوداسی رانگنی مہرہ نے اٹھ کر فریج کا دروازہ کھولا...... یہ چھوٹا سا فریج صرف پانی
مشروبات ٹھنڈا کرنے کے لئے بنایا گیا تھا...... دیوداسی اس میں سے اپنے لئے کوکا
لا کی بوتل اور کانتی لال کے لئے پلین سوڈے کی بوتل نکال کر لے آئی...... پھر اس
نے بڑی خاص ادا کے ساتھ کانتی لال کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر ڈبہ کھول کر
میں سے وسکی کی بوتل نکالی...... مروڑ کر اس کا ڈھکن کھولا اور دو گلاسوں میں تھوڑی
ڑی وسکی ڈال کر اپنے گلاس میں کوکا کولا اور کانتی لال کے گلاس میں پلین سوڈا واٹر
لا...... پھر کانتی لال کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پیشہ وارانہ مسکراہٹ کے
تھ کہا۔

جام حاضر ہے پیجئے صاحب۔

کانتی لال نے گلاس تھام لیا...... دونوں نے اپنے اپنے گلاس ایک دوسرے سے

ٹکرائے اور چیئرز کہہ کر وسکی کا ایک ایک گھونٹ پیا اور گلاس میز پر رکھ دیئے
دیوداسی نے سگریٹ سلگا لیا...... کانتی لال نے بھی سگریٹ سلگا لیا اور گفتگو شروع
ہو گئی...... دیوداسی نے ممبئی کی فلموں کا ذکر چھیڑ دیا...... ظاہر ہے اب وہاں کاروباری
گفتگو تو ہو نہیں سکتی تھی، عمران بھی اس گفتگو میں شریک ہو گیا...... دیوداسی کہنے لگی

"مجھے مادھوری ڈکشٹ بڑی پسند ہے...... آپ کو کون سی ہیروئن پسند ہے... آپ نے ابھی تک مجھے اپنا نام نہیں بتایا"۔

دیوداسی نے کانتی لال سے مخاطب ہو کر کہا...... کانتی لال کم بول رہا تھا... نے کچھ شرماتے ہوئے کہا۔

"میرا نام جگدیش رائے ہے"۔

دیوداسی بڑی بے باکی سے باتیں کر رہی تھی...... شاید یہ اس کے پیشے کا تقاضا تھا...... اس نے اپنا سوال دہرایا تو کانتی لال بولا۔

"مجھے فلمیں دیکھنے کا زیادہ شوق نہیں ہے...... کبھی وقت ملے تو دیکھ لیتا ہوں ویسے مجھے بھی مادھوری ڈکشٹ پسند ہے...... اچھی اداکاری کرتی ہے"۔

دیوداسی نے دوسرا پیگ بنا کر کانتی لال کو دیا...... عمران نے دیکھا کہ دیوداسی نے کانتی لال کا دوسرا پیگ ڈبل بنایا تھا جبکہ اپنا سنگل بنایا تھا...... شاید اس لئے کہ وہ دھندا کرنے آئی تھی، لیکن کانتی لال بھی شراب پینے میں بڑی احتیاط سے کام لے رہا تھا...... جب تک دیوداسی نے دوسرا سنگل پیگ پیا، کانتی لال کا گلاس ابھی آدھا تھا...... دیوداسی نے کہا۔

"رائے صاحب! آپ گلاس خالی کریں ناں تاکہ آپ کے لئے ایک اور بناؤں"۔

کانتی لال نے گلاس میں سے ایک گھونٹ بھرا اور گلاس میز پر رکھ کر کہا۔

"رانی جی! میں شراب پینے میں بڑا سست ہوں"۔

دیوداسی نے اپنے لئے تیسرا سنگل پیگ بنایا اور نیا سگریٹ سلگا لیا...... دو پیگ پینے کے بعد دیوداسی کافی بے تکلف ہو گئی...... عمران کی طرف تو اس کا بالکل دھیان نہیں تھا...... اس کی ساری توجہ کانتی لال کی طرف تھی، کیونکہ وہ سمجھ گئی تھی کہ اسے کانتی لال کے لئے ہی وہاں منگوایا گیا ہے...... وہ اٹھ کر کانتی لال کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی...... اس وقت عمران کو محسوس ہوا کہ کانتی لال واقعی اس قسم کی باتوں میں بے حد محتاط واقع ہوا ہے...... وہ ذرا سا سمٹ گیا، مگر دیوداسی اپنے موڈ میں تھی...... اس نے اپنے گلاس میں سے وسکی کے مزید تین چار گھونٹ پئے اور کانتی لال کے کالے اور تھوڑے سفید بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

"رائے صاحب! آپ کے بال بڑے خوبصورت ہیں"۔

کانتی لال مزید شرمانے لگا...... دیوداسی نے کانتی لال کا آدھا بھرا ہوا گلاس اٹھا کر اس کے ہونٹوں کے ساتھ لگایا اور ہنستے ہوئے بولی۔

"اتنی ہائی کلاس وسکی آپ کے سامنے پڑی ہے اور آپ اسے پی نہیں رہے...... میں خود آپ کو پلاتی ہوں"۔

اب کانتی لال اسے پینے پر مجبور ہو گیا...... اس نے ادھا گلاس بھی خالی کر دیا...... عمران یہ سارا کھیل ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ رہا تھا اور کسی کسی وقت ان کی باتوں میں شریک بھی ہو جاتا تھا...... جب وہ دونوں چار چار پیگ پی چکے تو کانتی لال نے عمران سے کہا۔

"اگروال جی کھانا منگوالیں...... مجھے بھوک محسوس ہو رہی ہے"۔

دیوداسی نے اپنا سگریٹ ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے کہا۔

"I am also feeling hungry"

(بھوک مجھے بھی لگ رہی ہے)

عمران نے اسی وقت تین آدمیوں کا کھانا اوپر بھجوانے کا آرڈر دے دیا...... کھانا

آ گیا...... کھانے کے بعد بھی دیوداسی نے ایک ایک سنگل پیگ بنایا اور ایک گلا
لال کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"رائے صاحب اس کو پی جائیں...... میری خاطر یہ دیوتاؤں کا سوم رس

کانتی لال وہ گلاس بھی پی گیا...... اس کے بعد وہ دونوں بیڈ روم میں آرا
چلے گئے...... عمران ان کے جانے کے بعد پانچ دس منٹ تک وہیں بیٹھا ٹی و
چینل کا پروگرام دیکھتا رہا...... پھر وہ آہستہ سے اٹھا اور دوسرے بیڈ روم میں آ
اس نے کلوزاٹ میں سے ماچس کے سائز کا انتہائی طاقتور کیمرہ نکال کر اس
فلیش کی چھوٹی ٹیوب کا بٹن آف کر دیا، کیونکہ اب وہ فلیش کی روشنی کے سا
لال کی دیوداسی کے ساتھ تصویریں نہیں بنا سکتا تھا...... اس نے سکندر کی
دوسرے بیڈ روم کے دروازے کی ایک جانب ایک چھوٹا گول سوراخ بنا لیا ہوا
پہلے تو اس نے سوراخ کے ساتھ آنکھ لگا کر اندر کا نظارہ کیا، وہ جس حالت میں کا
کی تصویریں بنانی چاہتا تھا کانتی لال اسی حالت میں تھا...... عمران نے کیمرے
سے سوراخ کے ساتھ لگایا اور یکے بعد دیگرے اندر کی دس بارہ تصویریں اتار
اگرچہ بیڈ روم میں زیادہ روشنی نہیں تھی، لیکن کیمرے کی اعلیٰ صلاحیتوں کے
اسے معلوم تھا کہ تصویریں اچھی آ جائیں گی۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے کیمرے کو دوبارہ کلوزاٹ میں چھپایا اور
روم میں آ کر ٹی وی کے سامنے بیٹھ گیا...... ٹی وی اسنے اون ہی رکھا تھا...... ز
عورتیں ڈانس کر رہی تھیں...... اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی...... رات کے گیارہ
تھے...... اس کا خیال تھا کہ دیوداسی تو پیشہ ور عورت ہے...... وہ تو چلی جائے گی،
لال شاید رات ہوٹل ہی میں گزارے...... وہ ٹی وی دیکھتا رہا...... گھڑی نے
گیارہ بجائے تو بیڈ روم کا دروازہ کھول کر دیوداسی باہر آئی...... اس نے پرس کن
لٹکا رکھا تھا...... کہنے لگی۔

"سر! I am going"

"میں جا رہی ہوں"۔

اور وہ کمرے سے نکل گئی...... عمران اٹھ کر بیڈ روم کے دروازے پر گیا...... اس
دروازہ تھوڑا سا کھول کر دیکھا...... کانتی لال بستر پر نہیں تھا...... باتھ روم میں سے
کے منہ دھونے کی آواز آ رہی تھی...... عمران نے آہستہ سے دروازہ بند کر دیا اور
ٹی وی کے سامنے آ کر بیٹھ گیا...... کوئی پندرہ بیس منٹ کے بعد بیڈ روم کا دروازہ
اور کانتی لال نمودار ہوا...... وہ بالکل ٹھیک ٹھاک لگ رہا تھا...... کہنے لگا۔

"اگروال جی! آپ کا بہت بہت شکریہ...... اب مجھے اجازت دیں...... کافی دیر
گئی ہے...... مجھے گھر بھی پہنچنا ہے"۔

عمران نے بڑی گرم جوشی سے کانتی لال کو رخصت کیا اور سوچنے لگا کہ اس نے
کانتی لال کی جو تصویریں اتاری ہیں وہ ٹھیک ہونی چاہئیں...... تھوڑی دیر بعد ہاشم
خان...... سکندر اور مراد خان بھی آ گئے۔



کمانڈو عمران نے مراد خان کو کلوزاٹ میں سے کیمرہ نکال کر دیا اور کہا۔

"میں نے فلیش کے بغیر کانتی لال کی قابل اعتراض حالت میں بہت تصویریں اتاری ہیں..... میرا خیال ہے ان کا رزلٹ ٹھیک ہی ہوگا"۔

مراد خان نے کیمرہ جیب میں رکھ لیا اور کہنے لگا۔

"لگتا ہے ہمارے منصوبے کا دوسرا مرحلہ بھی کامیابی سے گزر گیا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میرے خیال میں میں کامیاب ہی رہا ہوں..... کانتی لال کو یقین ہو گیا ہے میں قطر کا ایک بے ضرر سا کاروباری سیٹھ ہوں جو خود تو عیاشی نہیں کرتا لیکن دوستوں کو عیاشی کروا کر خوش ہوتا ہے"۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے" مراد خان بولا..... "اب ہمارے منصوبے کا تیسرا اہم مرحلہ شروع ہو رہا ہے..... یہ بڑا نازک اور حساس مرحلہ ہے..... اس میں ہم ایک ایک قدم بڑا سوچ سمجھ کر اٹھانا ہوگا"۔

عمران خاموشی سے مراد خان کی طرف متوجہ تھا..... مراد خان نے جیب ایک چھوٹا سا سرخ رنگ کا کیپسول نکال کر عمران کو دکھایا۔

"یہ ایک ایسا حربہ ہے جو کبھی ناکام نہیں ہوا..... اب تمہیں اس سے کام لینا ہے"

عمران نے کیپسول کو ہتھیلی پر رکھ کر بڑے غور سے اس کا معائنہ کیا اور مر

سے پوچھا۔

"اس میں کیا ہے؟"۔

سکندر علی بھی بڑی توجہ سے مراد خان کی گفتگو سن رہا تھا..... مراد خان نے کیپسول عمران سے لے کر چھوٹے سے لفافے میں بند کر کے میز پر رکھ دیا اور کہنے لگا۔

"اس میں کھل جا سم سم کا راز پوشیدہ ہے..... اس میں ایک ایسا طلسمی منتر بند ہے جو ناممکن کو ممکن کر دکھاتا ہے..... اس میں سفید رنگ کا ایک سفوف ہے جو ایک تنکے کے برابر کسی بھی مشروب میں ڈال کر کسی ایسے آدمی کو پلا دیا جائے جس نے اپنا کوئی راز دل کی گہرائیوں میں دفن کر رکھا ہو اور جو وہ کسی صورت نہ اگلتا ہو تو وہ اس سفوف کے اثر سے اس راز کو اپنی زبان پر لانے کے لئے مجبور ہو جائے گا..... یہ سفوف یورپ اور امریکہ کی خفیہ ایجنسیاں آج کل ان جاسوسوں پر استعمال کر رہی ہیں جو انتہائی تجربہ کار اور سخت جان ہوتے ہیں اور بڑی سے بڑی جسمانی اذیت برداشت کر جاتے ہیں، لیکن دل کا راز زبان پر نہیں لاتے..... اس سفوف کے اثر سے ایک بار وہ بھی چکرا جاتے ہیں..... وہ ایک دو لمحات کے لئے بھول جاتے ہیں کہ وہ اپنے ملک کے جاسوس ہیں اور انہیں ملک کے خفیہ راز نہیں بتانے چاہئیں اور اگر پوچھ گچھ کرنے والا ذرا چالاکی اور صبر سے کام لے تو ان سے سب کچھ اگلوا سکتا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہ سفوف مجھے کانتی لال پر آزمانا ہوگا"۔

مراد خان بولا۔

"بالکل اسی پر آزمانا ہوگا، لیکن کانتی لال بڑا ہوشیار اور عیار ہے..... اس میں مزاحمت کا مادہ ضرورت سے زیادہ ہے..... ہو سکتا ہے اس کی طبیعت اس سفوف کے پینے کے بعد بھی مزاحمت کرے، لیکن تمہیں ہمت نہیں ہارنی ہوگی..... صبر سے کام لینا ہوگا اور اپنی کوشش جاری رکھنی ہوگی..... مجھے یقین ہے کہ وہ اس سفوف کے اثر کا

زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کر سکے گا اور ہتھیار ڈال دے گا...... یہ سب سے ترقی یافتہ جدید ترین سفوف ہے اور امریکہ کے سی آئی اے کی ایجاد ہے...... اس کے چند ایک کیپسول خفیہ اداروں کے ذریعے ہمارے ہاتھ لگے ہیں...... یہ تم اپنے پاس رکھ لو اب تمہیں ایک بار پھر کانتی لال کے ٹیلی فون کال کا انتظار کرنا ہوگا، جس وقت اس فون آئے تمہیں...... ایک بار پھر ولایتی وسکی اور دیوداسی کا جال اس پر پھینکنا ہوگا مجھے یقین ہے وہ اس جال سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکے گا...... عورت اور شراب کمزوری انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے اور اس کمزوری نے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کے تختے پلٹ دیئے ہیں"۔

مراد خان نے کیپسول کا لفافہ عمران کے حوالے کر دیا...... عمران خان نے لفافہ کو اسی وقت اپنے بیڈ روم میں جا کر سنبھال کر رکھ لیا...... واپس آ کر اس نے مراد خان سے کہا۔

"میرے پاس ولایتی وسکی کی ابھی ایک بوتل اسی طرح پڑی ہے...... کانتی لال صرف ایک بوتل اپنے ساتھ لے گیا ہے"۔

مراد خان کہنے لگا۔

"کوئی بات نہیں...... میں ایک اور بوتل سکندر کے ہاتھ بھجوا دوں گا...... محاذ لڑتے ہوئے سپاہی کے پاس جتنا اسلحہ ہو کم ہے...... اب میں جاتا ہوں جس وقت بھی کانتی لال کا فون آئے تم سکندر یا ہاشم کے ذریعے مجھے اطلاع کر دینا...... یہ بہت ضروری ہے"۔

عمران نے کہا۔

"ٹھیک ہے"۔

مراد خان نے جیب سے ایک اور لفافہ نکال کر عمران کو دیا اور کہا۔

اس میں پچیس ہزار کے کرنسی نوٹ ہیں...... تم انہیں بھی اپنے پاس رکھو

یہاں کھانے وغیرہ کا بل روز کے روز ادا کرنا پڑتا ہے"۔

عمران لفافہ کھول کر کرنسی نوٹوں کو غور سے دیکھ رہا تھا...... مراد خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی نقلی کرنسی نوٹ ہیں، لیکن فکر نہ کرو ان میں اور اصلی کرنسی نوٹوں میں ذرا سا بھی فرق نہیں ہے"۔

اور مراد خان عمران اور سکندر علی کو کمرے میں چھوڑ کر ہاشم خان کو ساتھ لے کر چلا گیا...... ہاشم خان جاتے ہوئے عمران کو کہہ گیا کہ وہ پارکنگ لاٹ میں گاڑی میں موجود ہوگا۔

عمران اس کے بعد پلنگ پر لیٹ کر کچھ دیر ایک فلمی رسالہ پڑھتا رہا...... پھر سو گیا...... دوسرے دن ناشتے کے وقت سکندر علی آ گیا...... دونوں نے مل کر ناشتہ کیا...... سکندر علی کہنے لگا۔

"ہاشم خان گاڑی لے کر مراد خان کی طرف گیا ہے...... مراد خان نے پارکنگ لاٹ میں ٹیلی فون کر کے اسے بلایا تھا...... میرا خیال ہے رات والی تصویریں ڈیویلپ ہو گئی ہیں...... مراد خان تصویریں لا رہا ہوگا"۔

دن کے گیارہ بج رہے تھے...... سکندر علی کمرے میں ہی عمران کے سامنے بیٹھا اس روز کے اخبارات دیکھ رہا تھا کہ مراد خان آ گیا...... وہ حسب معمول وجے واڑہ کے مراٹھی کاروباری سیٹھوں کے لباس میں تھا...... وہ اسی بھیس میں آیا کرتا تھا تاکہ کسی کو شک نہ پڑے کہ وہ بار بار عمران سے ملنے کیوں آتا ہے۔

مراد خان عمران کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا...... سکندر علی نے دروازہ ذرا سا کھول کر باہر کوریڈور میں جھانک کر دیکھا اور پھر دروازہ بند کر کے وہ بھی مراد خان اور عمران کے پاس آ کر بیٹھ گیا...... مراد خان نے جیب سے لفافہ نکالتے ہوئے کہا۔

"تمہاری رات کی اتاری ہوئی تصویریں ڈیویلپ ہو کر آ گئی ہیں"۔

عمران نے پوچھا۔

"رزلٹ خراب تو نہیں آئے؟"۔

مراد خان نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

" کانتی لال کو ضرورت کے وقت بلیک میل کرنے کے لئے اتنا رزلٹ ہی کا ہے"۔

اور اس نے لفافے میں سے دس بارہ درمیانے سائز کی رنگین فوٹو نکال کر عمرا کے سامنے رکھ دیں...... ساری تصویریں صاف اور واضح تھیں...... صرف دو تصویر ذرا دھندلی تھیں...... باقی کی ہر تصویر میں کانتی لال اور دیوداسی بالکل صاف دکھا دے رہے تھے...... عمران کہنے لگا۔

"میرا خیال تھا کہ میں نے بیڈ روم کے دروازے کے سوراخ میں سے تصویر اتاری ہیں، رزلٹ ٹھیک نہیں آئیں گے، لیکن یہ تو بڑی صاف تصویریں آئی ہیں"۔

مراد خان بولا۔

"یہ اس کیمرے کا کمال ہے جو میں نے تمہیں دیا تھا...... اب یہ ہے کہ ہم نے ا کی چار چار کاپیاں نکلوا کر اپنے پاس رکھ لی ہیں...... ایک کاپی تمہیں دے دی ہے...... تم چاہو تو ان تصویروں کو اپنے پاس رکھ سکتے ہو"۔

عمران کچھ سوچ کر بولا۔

"نہیں مراد خان! میرا خیال ہے کہ ابھی ان تصویروں کو میرے پاس رکھنا ٹھ نہیں...... اگر ضرورت پڑی تو میں تم سے منگوالوں گا...... انہیں تم اپنے پاس ہی رکھ بہتر ہے"۔

"بہتر ہے کہ تم انہیں اپنے پاس نہ رکھو" مراد خان نے کہا...... "کیپسول ک سفوف کے بارے میں ایک بات بہت ضروری ہے جو تمہیں یاد رکھنی ہوگی"۔

"وہ کیا؟"۔

عمران نے پوچھا۔

مراد خان نے کہا۔

"جب تم کانتی لال کو شراب کے ذریعے کیپسول کا سفوف پلا چکو تو کانتی لال کو تم نے بار بار یہی بات کہنی ہوگی کہ تم صرف اس ڈر سے بھارت میں آٹو مینو فیکچرنگ کا کارخانہ نہیں لگا رہے کہ پاکستان کے پاس ایٹم بم موجود ہے اور دونوں ملکوں میں جنگ چھڑ سکتی ہے...... جیسے جیسے تم محسوس کرو کہ سفوف کا اثر زیادہ ہو رہا ہے تم نے لائن بدل کر ڈائریکٹ بات شروع کر دینی ہوگی...... تم کانتی لال کو کہو گے کہ بھارت کے پاس پاکستان کے مقابلے میں ایٹمی طاقت بہت کم ہے اور بھارت ایٹمی طاقت میں پاکستان سے کمزور ہے...... سفوف کے اثرات کی وجہ سے کانتی لال پر اس بات کا شدید رد عمل ہوگا اور اس کا ذہن مزید مزاحمت نہیں کر سکے گا...... اس کے بعد تم موقع محل دیکھ کر بات کو آگے بڑھاؤ گے...... میرا خیال ہے تم سمجھ گئے ہو گے"۔

"میں سمجھ گیا ہوں" عمران نے جواب دیا۔

اس کے بعد مراد خان چلا گیا...... سکندر علی عمران کے پاس ہی رہا...... اب عمران کو ایک بار پھر کانتی لال کے فون کے انتظار کا مرحلہ درپیش تھا...... یہ انتظار ایک دن کا بھی ہو سکتا ہے...... دو دن کا اور ایک ہفتے کا بھی ہو سکتا تھا، لیکن شراب اور دیوداسی کا لالچ ایسا تھا کہ عمران کو یقین تھا کانتی لال زیادہ دیر نہیں انتظار نہیں کرائے گا"۔

اس کا اندازہ درست نکلا۔

دو دن کانتی لال نے شاید بڑی مشکل سے گزارے اور تیسرے دن عمران کو فون کر دیا...... فون پر کانتی لال کی آواز سن کر عمران خوش ہو گیا...... اس وقت سکندر علی اس کے پاس نہیں تھا...... وہ کمرے میں اکیلا ہی تھا...... اس نے کانتی لال سے کہا۔

" کانتی لال جی آپ کہاں ہیں؟...... میں تو آپ کے ٹیلی فون کا انتظار ہی کرتا رہا...... آپ نے مجھے اپنا نمبر نہیں دیا ورنہ میں خود آپ کو فون کر کے بتاتا کہ آپ کی

پسند کی شے میرے پاس آگئی ہے"۔

دوسری طرف سے کانتی لال کی آواز آئی۔

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے...... بس میں کام میں مصروف رہا جس کی وجہ سے آپ کو فون نہ کر سکا...... فرمایئے میں کب حاضر ہو جاؤں؟"۔

عمران نے فوراً کہا۔

"میری طرف سے آج رات کو ہی آجائیں کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھائیں ...... باقی سب بندوبست ہو جائے گا...... آپ بالکل فکر نہ کریں...... بس آپ تشریف لے آئیں...... آپ کے ساتھ بڑا اچھا وقت گزرے گا...... میرا ابھی یہاں اب ایک ہفتے کا قیام ہی ہے...... اس کے بعد ہو سکتا ہے میں واپس قطر چلا جاؤں"۔

کانتی لال نے کہا۔

"میں رات کو ٹھیک نو بجے پہنچ جاؤں گا"۔

اور کانتی لال نے فون بند کر دیا...... اس کے فون بند کرتے ہی عمران نے نیچے پارکنگ لاٹ میں فون کر دیا...... ہوٹل میں جہاں عمارت کے نیچے گاڑیاں کھڑی رہتی تھیں وہاں ایک ٹیلی فون بوتھ تھا جہاں چوبیس گھنٹے ایک آدمی ٹیلی فون سننے کے لئے موجود رہتا تھا...... اس کو گاڑی کا نمبر بتا کر گاڑی کا مالک ڈرائیور کو بلا لیتا تھا...... عمران نے ٹیلی فون بوتھ کے ڈیوٹی افسر کو اپنی پرائیویٹ ٹیکسی کا نمبر بتا کر کہا کہ میرے ڈرائیور کو اوپر بھیج دیں۔

تھوڑی دیر میں ہاشم خان اوپر آگیا...... عمران نے اس سے سکندر علی کا پوچھا...... ہاشم خان نے کہا۔

"وہ کسی کام سے باہر گیا ہوا ہے"۔

عمران نے ہاشم خان کو بتایا کہ ابھی ابھی کانتی لال کا فون آیا ہے...... وہ رات کو آرہا ہے...... تم فوراً مراد خان کو جا کر خبر کر دو...... ہاشم خان اسی وقت چلا گیا...... کوئی

ایک گھنٹے کے بعد وہ مراد خان کو لے کر آگیا...... مراد خان مسکرا رہا تھا...... کہنے لگا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ کانتی لال زیادہ دیر مزاحمت نہیں کر سکے گا...... شراب اور دیوداسی کا لالچ اسے بڑی جلدی اس طرف کھینچ لائے گا...... پھر بھی آدمی بڑا ہوشیار ہے...... اس نے دو دن لگا دیئے...... کیا کہہ رہا تھا؟"۔

مراد خان اور ہاشم دونوں عمران کے سامنے بیٹھ گئے...... عمران نے کہا۔

"وہ رات کے نو بجے آرہا ہے"۔

مراد خان بولا۔

"اس کا ہمیشہ سے تھوڑی بہت تفریح کرنے کا یہی وقت ہوتا ہے...... بس تم بڑے ہوشیار رہنا...... اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے ابھی بتا دو، کیونکہ یہ ہمارے منصوبے کا بڑا اہم مرحلہ ہے اور ہمارے سامنے منصوبے کی کامیابی کا دارومدار اسی آخری مرحلے پر ہے...... مجھے پورا یقین ہے کہ اگر تم نے ہوشیاری اور عقل مندی سے کام لیا تو ہم نیوکلر میٹریل کے خفیہ کوڈ نمبر معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔

عمران کسی سوچ میں تھا...... جب مراد خان نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے تو عمران خان نے کہا۔

"مجھے صرف ایک بات تھوڑا سا پریشان کر رہی ہے"

"وہ کون سی بات ہے؟" مراد خان نے پوچھا۔

عمران کہنے لگا۔

"بات یہ ہے کہ کانتی لال نو بجے میرے پاس آجائے گا...... میں کوشش کروں گا کہ وہ میرے پاس ہی بیٹھ کر شراب پیئے...... آج کوئی دیوداسی تو آ نہیں رہی...... ہو سکتا ہے کہ وہ میرے پاس بیٹھ کر شراب کی بوتل نہ کھولے"۔

مراد خان نے کہا۔

تو اس میں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے...... اگر وہ شراب نہیں پیتا تو نہ

پئے۔ اسے شراب کی بوتل بے شک اپنے ساتھ لے جانے دو...... وہ تمہارے ساتھ
بیٹھ کر کھانا تو کھائے گا ہی...... تم کسی بہانے اس کے پانی کے گلاس میں یہ کیپسول
تھوڑا سا سفوف ملا کر اسے پلا سکتے ہو"۔

عمران بولا۔

"لیکن سفوف پینے کے بعد کیا وہ تمام باتیں اگل سکے گا جن کی ہمیں ضرورت
ہے؟"۔

مراد خان نے جواب دیا۔

"یہ کام سفوف خود کرے گا...... میں نے اس سفوف کا تجربہ کر کے دیکھا ہ
ے...... اس کے پینے کے بعد کانتی لال پر ایک قسم کی غنودگی اور خود فراموشی
کیفیت طاری ہو جائے گی...... یہ کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے کسی کو ہپناٹائز کر د
جاتا ہے...... یہ کیفیت کانتی لال پر کم از کم ایک گھنٹے تک طاری رہے گی...... اس دوران
وہ بول رہا ہو گا مگر اسے کچھ معلوم نہیں ہو گا کہ وہ کیا بول رہا ہے...... آدمی ہوشیار اور
ذہین ہے...... ہو سکتا ہے دس پندرہ منٹ تک اس کا دماغ مزاحمت کرے لیکن یقین کر
کہ اس کے بعد یہ مزاحمت بھی ختم ہو جائے گی...... دوسری بات یہ ہے کہ کانتی لال
یہ بالکل یاد نہیں رہے گا کہ وہ کہاں بیٹھا ہے اور کس کے سامنے بیٹھا ہے"۔

عمران نے مراد خان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اور ایک گھنٹے بعد جب سفوف کا اثر ختم ہو جائے گا تو پھر کیا اسے خیال نہ
آئے گا کہ اس پر کیا حالت طاری تھی؟ کیا وہ یہ نہیں سوچے گا کہ میں نے اسے
پلا دیا تھا؟"۔

مراد خان نے ہنس کر کہا۔

"یہ سفوف ہمارے کسی دیسی یونانی دواخانے کی بنائی ہوئی نہیں ہے...... یہ امر
کی جدید ترین خفیہ لیبارٹریز میں جدید ترین تجربات اور تحقیقات کے بعد تیار کی گئی

اور اس کے نتائج ہماری خفیہ اطلاعات کے مطابق انتہائی کامیاب ثابت ہو رہے ہیں،
بلکہ روس کی خفیہ ایجنسی کے جی بی اس امریکی فارمولے کو چرانے کی سرتوڑ کوشش
کر رہی ہے...... اس لئے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے...... جب ایک
گھنٹے بعد اس سفوف کا اثر ختم ہو جائے گا تو کانتی لال کو ایک لمحے کے لئے بھی یہ محسوس
نہیں ہو گا کہ وہ ایک گھنٹے تک ایک خاص کیفیت کے زیر اثر رہا ہے...... یہ ایک گھنٹہ اس
کی زندگی سے ایسے گزر گیا ہو گا جیسے آدمی سو رہا ہو اور اسے کچھ خبر نہ ہو کہ وہ کہاں تھا
اور کیا کر رہا تھا...... جب وہ اپنی اصلی حالت میں واپس آئے گا تو یہی سمجھے گا کہ جیسے ایک
سیکنڈ ہی گزرا ہے...... اسے بالکل یاد نہیں رہے گا کہ تمہارے ساتھ اس نے کیا باتیں
کر لی تھیں...... وہ یہی سمجھے گا کہ جیسے وہ بیٹھا تھا، اب بھی ویسے ہی بیٹھا ہے...... یہ ایک
گھنٹہ کانتی لال کی زندگی سے اس کو بتائے بغیر خاموشی سے گزر گیا ہو گا...... ویسے تم
کوشش کرنا کہ وہ تمہارے پاس بیٹھ کر ایک دو پیگ وسکی کے ضرور پی لے...... اس سے
تمہارا کام مزید آسان ہو جائے گا، جہاں تک دیوداس کا تعلق ہے تم اسے کہہ سکتے ہو کہ
دیوداس کو اطلاع کر دی گئی ہے...... بس آتی ہی ہو گی...... دیوداس کے خیال سے ہو سکتا
ہے وہ ایک دو پیگ وسکی کے چڑھا لے...... یہ بات ہمارے حق میں جائے گی، کیونکہ
دیوداس کو ہم نہیں بلا سکتے...... اس کی موجودگی میں ہم کچھ نہیں کر سکتے...... وہ ضرور تم
سے پوچھے گا کہ دیوداس کیوں نہیں آ رہی؟ تم اسے کسی نہ کسی بہانے ٹرخاتے جانا اور
آخر میں کہہ دینا کہ اسے کوئی کام پڑ گیا ہو گا...... کوئی اور سوال تمہارے ذہن میں ہو تو
کچھ پوچھ سکتے ہو"۔

مراد خان نے عمران کو اتنا کچھ بتا دیا تھا کہ اب عمران کے ذہن میں کوئی سوال باقی
نہیں رہا تھا...... اس نے کہا۔

"مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے...... مجھے جو کچھ کرنا ہے میں اسے بڑی ذمے
داری سے کروں گا...... باقی معاملہ میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں"۔

مراد خان نے کہا۔

"شاباش! یاد رکھو! اپنی ذمے داریاں محنت اور دیانت داری سے پوری کر
شخص انجام اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کبھی مایوس نہیں کرتا...... اب
جاتا ہوں...... ہاشم خان نیچے گاڑی میں رہے گا...... سکندر علی تمہارے پاس ہوگا
ایک کام سے گیا ہوا ہے...... واپس آ جائے گا"۔

مراد خان اور ہاشم خان چلے گئے۔

اصل ڈرامہ اب شروع ہونے والا تھا...... بڑی غیر یقینی اور نازک سی بنیا
جس پر سارے ڈرامے کی عمارت کھڑی کی جا رہی تھی...... کسی وقت عمران کو خیا
کہ یہ ڈرامہ شروع ہوتے ہی ناکام ہو جائے گا اور کانتی لال اس کو کچھ نہیں بتائے گا
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے عمران پر شک پڑ جائے اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر
بہانے اٹھ کر چلا جائے اور کبھی دکھائی نہ دے...... مراد خان نے اگرچہ عمران کو کہ
کے سفوف کی خاصیتوں کے بارے میں بڑی مبالغہ آرائی والی باتیں بتائی تھیں،
آخر وہ ایک معمولی سی دوائی تھی...... ہو سکتا ہے کہ اس کانتی لال کے مزاج پر کوئی
ہو، کیونکہ بعض دوائیاں آدمی پر کوئی اثر نہیں کرتیں...... لیکن اب ان حالات
عمران کو اپنے مرحلے کو انجام تک پہنچانا تھا...... دوسرا کوئی وسیلہ اس کے پاس
تھا...... دوسرا کوئی راستہ اس کے سامنے نہیں تھا...... وقت گزرتا جا رہا تھا...... کان
کے آنے کا وقت قریب آتا جا رہا تھا...... اس دوران سکندر علی آکر اپنی رپورٹ
تھا اور اسے بتا گیا تھا کہ وہ نیچے پارکنگ میں ہاشم خان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا
اس کی ضرورت پڑے تو اسے فون کر کے بلا لیا جائے۔

عمران ڈرائنگ روم میں اکیلا بیٹھا بہت کچھ سوچ رہا تھا...... اگر اسے کوئی
ہوتا...... کوئی فوجی گودام بارود کا ذخیرہ اڑانا ہوتا یا دشمن کے ٹھکانے پر شب خو
ہوتا تو اسے ذرا سی بھی پریشانی یا الجھن نہ ہوتی، مگر یہاں ایسی کوئی بات نہیں تھ

ے جو مہم درپیش تھی اس میں زیرکی، چالاکی اور لومڑی ایسی عیاری کی ضرورت تھی
س کا عمران کو زیادہ تجربہ نہیں تھا، لیکن آخر یہ ملکی سلامتی اور ملک کے استحکام کا
معاملہ تھا اور اس کی خاطر عمران اپنی جان بھی قربان کر سکتا تھا...... چنانچہ اس نے بہت
بعد اپنے آپ کو سنبھال لیا اور رات کے نو بجے کے بعد پیش آنے والی مہم کو کامیابی
ے سر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

حسب عادت کانتی لال ٹھیک نو بجے پہنچ گیا۔

اس نے بڑے نئے کپڑے پہن رکھے تھے...... ہلکے نیلے رنگ کی ریشمی قمیض اور
ہرے نسواری رنگ کی پتلون تھی...... آج اس نے کوئی عطر بھی لگایا ہوا تھا...... شاید
ں رات دیوداسی نے اسے کہا ہوگا کہ تمہارے کپڑوں سے بو آ رہی ہے...... سچ ہے......
ورت آدمی کو بہت کچھ سکھاتی بھی ہے اور بہت کچھ سیکھا سکھایا بھلا بھی دیتی ہے......
مران نے حسب معمول بڑی گرم جوشی سے کانتی لال کا استقبال کیا...... کانتی لال کو
را یقین تھا کہ آج رات بھی دیوداسی آئی ہوئی ہوگی، چنانچہ وہ کپڑوں پر خوشبو لگانے
کے علاوہ رجنی گندھا کے پھولوں کا گلدستہ بھی لایا تھا۔

"سیٹھ جی! آپ میری جو سیوا کر رہے ہیں میں اسے کبھی نہیں بھلا سکوں گا......
مجھے بتائیں کہ میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں"۔

کانتی لال کے اس جملے پر عمران نے اپنے دل میں کہا تم میرے لئے جو کر سکتے ہو
وہ میں آج رات تم سے کروا کر ہی رہوں گا...... لیکن اوپر سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کانتی لال جی! آپ اب ہمارے دوست ہی نہیں بلکہ ہمارے بھائی ہیں...... آپ
کی باتیں کر کے ہمیں شرمندہ نہ کریں...... میں جو کچھ کر رہا ہوں اپنے ایک دوست
کے لئے اور اپنی خوشی سے کر رہا ہوں...... اس میں احسان کرنے والی کوئی بات نہیں
ہے...... کہئے میں آپ کے لئے کافی منگواؤں یا ٹھنڈا چلے گا؟"۔

کانتی لال بڑے آرام دہ صوفے میں دھنس کر بیٹھ گیا تھا اور اس نے

سگریٹ بھی سلگالیا تھا...... اب وہ اس ماحول میں اپنے آپ کو محفوظ محسوس کرنے تھا...... اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس ہوٹل کے کمرے میں وہ جو کچھ کرتا ہے اس کی کانو کان کسی کو خبر نہیں ہوتی...... کانتی لال ایسے آدمی کے لئے اس سے زیادہ تحفظ کی کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی...... اس نے کہا۔

"اس وقت چائے پینے کو جی چاہتا ہے چائے منگوا لیجئے"۔

"جیسے آپ کی مرضی مہاراج!"۔

عمران نے فوراً سروس کو فون کر کے دو آدمیوں کی چائے کا آرڈر دے دیا عمران فوراً اپنے بیڈ روم میں گیا اور وہاں سے امپورٹیڈ وسکی کی بوتل نکال کر لے آیا ڈرائنگ روم میں آکر کہنے لگا۔

"کانتی لال جی! یہ آپ کا تحفہ میں نے کل ہی منگوا کر رکھ لیا تھا...... اصل یہاں ایئر پورٹ پر ہماری فیملی کا ایک کزن کسٹم میں لگا ہوا ہے...... اپنے پرسنل سیکر کے ذریعے میں اس سے منگوا لیتا ہوں"۔

کانتی لال نے وسکی کی بوتل کو دیکھا تو اس کے چہرے پر مزید رونق آگئی...... نے بوتل لے کر اس کے ڈبے کو چوما اور جلدی سے صوفوں کے درمیان بچھی کافی ٹیبل کے نیچے ایک طرف کر کے رکھ دیا...... چائے آگئی...... دونوں چائے پی باتیں کرنے لگے...... اس خیال سے کہ کانتی لال جم کر بیٹھا رہے، عمران نے اس طرف ذرا سا جھک کر رازداری سے کہا۔

"دیوداسی کو فون کر دیا گیا ہے...... وہ دس سوا دس بجے تک پہنچ جائے گی...... رہی تھی کہ میں جلدی آجاتی لیکن لندن سے میری ایک کزن آئی ہوئی ہے اس کو ڈنر پارٹی دی ہے"۔

کانتی لال یہ خوش خبری سن کر مزید خوش ہو گیا...... کہنے لگا۔

"یہ آپ نے تکلف کیوں کیا اگروال جی؟"۔

عمران بولا۔

"ارے کانتی بھائی! آپ نے پھر وہی بات کی...... آپ ہمارے متر ہیں...... ہمارے دوست ہی نہیں بلکہ بھائی ہیں...... آپ کی سیوا کر کے تو مجھے خوشی ہوتی ہے"۔

پھر کانتی لال کو پھلانے کے لئے عمران نے کہا۔

"کانتی بھائی! آپ نے معلوم نہیں دیوداسی راگنی مہرہ پر کون سا جادو کر دیا ہے۔ کہ وہ تو آپ کی دیوانی ہو گئی ہے"۔

"سچ کہہ رہے ہیں؟" کانتی لال نے خوش ہو کر پوچھا۔

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا...... عمران نے کہا۔

"تو اور کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں...... آج آئے گی تو آپ کو خود ہی معلوم ہو جائے گا...... فون پر مجھ سے کہنے لگی اگروال جی آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ وہ آرہے ہیں...... پہلے بتاتے تو میں آج کی ڈنر پارٹی کینسل کر دیتی...... میں نے کہا...... کوئی بات نہیں...... تم دس سوا دس بجے تک تو پہنچ ہی جاؤ گی...... کہنے لگی کہ میں بڑی جلدی آجاؤں گی"۔

کانتی لال پھول کر کپا ہو رہا تھا...... عورت مرد کی مردانگی یا اس کی بہادری کی تعریف کرے تو وہ واقعی پھول کر کپا ہو جاتا ہے...... جب انہیں باتیں کرتے کرتے رات کے پونے دس بجے کا وقت ہو گیا تو عمران نے موقع کی نزاکت کے پیش نظر کانتی لال سے کہا۔

"کانتی بھائی! دیوداسی تو اور آدھے گھنٹے میں پہنچ جائے گی...... اس دوران آپ ایک آدھ وسکی کا پیگ لگا لیں...... ذرا موڈ بن جائے گا...... پھر آپ لوگوں کو کھانا بھی کھانا ہے"۔

کانتی لال شاید خود ولایتی وسکی کی بوتل کھولنے کو بے تاب ہو رہا تھا، چونکہ اس جگہ اسے مکمل تحفظ کا احساس تھا...... اس لئے اسے عمران کی یہ تجویز پسند آگئی اور اس

نے کافی ٹیبل کے نیچے سے وسکی کا ڈبہ نکال لیا...... ڈبہ کھول کر اس نے وسکی کی بوتل نکال کر میز پر رکھ دی...... عمران نے جلدی سے ریفریجریٹر میں سے کوکا کولا کی بوتل اور گلاس نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا...... کانتی لال نے گلاس میں ایک سنگل پیگ بنایا اور اس کا ایک گھونٹ بھر کر بولا۔

"مہاراج! آپ میرے لئے گندھر دیوتاؤں سمان ہیں، جس طرح آکاش پر گندھر دیوتا سنگیت گاتے ہیں اور سوم رس پلاتے ہیں آپ بھی ویسے ہی میرے لئے کر رہے ہیں"۔

عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کانتی بھائی! مجھے شرمندہ نہ کریں"۔

عمران یہ دیکھ کر مطمئن ہو گیا تھا کہ کانتی لال نے وسکی پینی شروع کر دی تھی...... اب اسے یقین تھا کہ اس کو دی گئی دوائی اپنا کام ضرور کرے گی...... ابھی تک عمران کو مراد خان کی دی ہوئی سی آئی اے امریکہ کی خفیہ طور پر تیار کردہ کیپسول کے معجزاتی اثرات کا کوئی اندازہ نہیں تھا...... یہ تو اسے آگے چل کر معلوم ہوا کہ وہ کیا شے تھی...... کانتی لال شراب نوشی میں جان بوجھ کر دیر لگا رہا تھا تاکہ دیوداسی آجائے...... ویسے بھی وہ شراب زیادہ نہیں پیتا تھا...... دوسرے وہ کچھ گلاس دیوداسی کے ساتھ پینا چاہتا تھا، مگر دیوداسی ابھی تک کیوں نہیں آئی تھی...... اسے کیا معلوم تھا کہ دیوداسی کو اس رات نہیں آنا تھا...... وہ عمران سے یہ کہتے ہوئے شرما رہا تھا کہ دیوداسی ابھی تک کیوں نہیں آئی...... آدمی طبعاً شرمیلا تھا...... یہ سوچتا تھا کہ عمران یا اگروال کیا خیال کرے گا، لیکن جب رات کے سوا دس بج گئے اور دیوداسی نہ آئی کانتی لال کے صبر کا پیمانہ چھلکنے لگا اس سے نہ رہا گیا...... اس نے شراب کے دو گلاس چڑھا لئے تھے...... آخر اس نے عمران سے پوچھ ہی لیا۔

"اگروال جی! دیوداسی نے اتنی دیر کیوں لگا دی ہے"۔

عمران بولا۔

"مہاراج! اس نے اپنی کزن کو ڈنر پارٹی جو دے رکھی ہے...... فکر نہ کریں...... پندرہ منٹ میں آجائے گی، مگر آئے گی ضرور...... وہ تو خود آپ سے ملنے کو بے تاب ہو رہی تھی"۔

مزید بیس پچیس منٹ گزر گئے اور دیوداسی نہ آئی تو کانتی لال نے کسی قدر بے تاب سا ہو کر کہا۔

"اگروال جی! ذرا اس کو فون کر کے تو دیکھیں"۔

عمران نے کہا۔

"ابھی معلوم کئے دیتا ہوں...... اس کا نمبر تو مجھے مل گیا تھا"۔

عمران نے نیچے ہوٹل کی ایکسچینج کو ایک فرضی نمبر دے کر کہا۔

"یہ نمبر ملا دیں"۔

دوسرے لمحے ایکسچینج نے کہا۔

"سر! یہ نمبر غلط ہے...... شاید آپ اصل نمبر بھول گئے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"او کے...... او کے"۔

اور فون بند کر دیا...... کانتی لال نے جلدی سے پوچھا۔

"کیا کہہ رہی تھی راگنی جی؟"۔

عمران نے کہا۔

"اس کی کوئی ملازمہ بول رہی تھی...... کہہ رہی تھی کہ وہ اپنی کزن کے ساتھ باہر گئی ہے...... ابھی آجائے گی"۔

کانتی لال کے چہرے پر مایوسی سی چھانے لگی تھی...... عمران نے اس کو اطمینان دلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کریں کانتی لال جی! وہ ضرور آئے گی چاہے رات کے گیارہ بج جائیں"۔ کانتی لال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے سیٹھ جی! مجھے فکر کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے...... نہیں آئے گی تو شک نہ آئے...... میرے لئے یہ خوشی کیا کم ہے کہ آپ ایسے دوست کے پاس بڑا اعلیٰ سوم رس انجوائے کر رہا ہوں"۔

کانتی لال کو ہلکی ہلکی چڑھنے لگی تھی...... تیسرے گلاس کو آدھا ختم کرنے کے بعد کانتی لال پورے موڈ میں آگیا تھا...... اب وہ دیوداسی کو شاید بھول چکا تھا اور بڑی بے تکلفی کے ساتھ عمران کو اپنے جوانی کے عشق معاشقوں کی کہانیاں خوب بڑھ چڑھ کر سنانے لگا تھا...... عمران نے محسوس کیا کہ اب ڈرامے کی کلائی میکس یعنی اس کے نقطہ عروج کا وقت آگیا ہے...... وہ موقع کا انتظار کرنے لگا...... جیسے ہی کانتی لال اٹھ کر باتھ روم میں گیا...... عمران بھی جلدی سے اٹھا...... اپنے بیڈ روم میں گیا...... کلوزٹ کے ایک خانے میں اس نے کیپسول کے سفوف کی تنکے برابر مقدار کیپسول میں سے نکال کر ایک کاغذ میں لپیٹ کر وہاں رکھ دی ہوئی تھی...... اس نے کاغذ کی چھوٹی سی پڑیا اٹھائی اور الٹے قدموں ڈرائنگ روم میں واپس آکر صوفے پر بیٹھ گیا۔

کانتی لال ابھی تک باتھ روم میں ہی تھا...... عمران نے فوراً جیب سے پڑیا نکالی اس کا سفید رنگ کا سفوف کانتی لال کے گلاس میں ڈالا...... کاغذ کی گولی بنا کر اپنی جیب میں رکھی اور گلاس کو دو تین بار ہلا کر واپس میز پر رکھ دیا...... اتنے میں باتھ روم کا دروازہ کھلا اور کانتی لال بڑے موڈ میں گنگناتا ہوا باہر آگیا...... کہنے لگا۔

"اگروال جی! تم میرے سچے متر ہو...... میرے سچے سنگھی ساتھی ہو...... اٹھو میرے گلے لگ جاؤ"۔

کانتی لال پورے موڈ میں آچکا تھا...... عمران کو اسی موڈ کا انتظار تھا...... وہ بنتا ہوا اٹھا اور اس نے کانتی لال کو اپنے گلے سے لگا لیا...... کانتی لال بولا۔

"اگروال! جی سی اگروال! میں اپنی سور گباش ماتا کی سپت (قسم) کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے میرے من کو جیت لیا ہے...... کانتی لال نے آج تک...... آج تک کبھی کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا، لیکن آج کے بعد سے تم میرے ایسے دوست ہو جس پر آدمی کو اپنے بھائی سے بڑھ کر بھروسہ ہوتا ہے"۔

عمران نے بھی اداکاری شروع کر دی تھی، کیونکہ اس ڈرامے کا کلائی میکس شروع ہو چکا تھا...... اس نے کہا۔

"کانتی لال جی! آپ مجھے بھی ہمیشہ اپنا بھروسے کا دوست اور سنگی ساتھی پائیں گے"۔

کانتی لال بڑا جذباتی ہو رہا تھا...... شاید زندگی میں اسے کبھی کوئی قابل اعتبار دوست نہیں ملا تھا یا اس نے کسی کو دوست بنانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی...... وہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا...... عمران بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا...... عمران اس انتظار میں تھا کہ وہ کب گلاس میں بچی ہوئی شراب حلق میں انڈیلتا ہے...... کانتی لال خلاف توقع عمران کے ساتھ بڑی کھل کر باتیں کر رہا تھا اور ان عورتوں کے قصے سنا رہا تھا جن سے اس نے جوانی میں محبت کی لیکن ان عورتوں نے اسے دھوکا دیا اور کسی دوسرے کے ساتھ چل دیں...... جب دیر تک کانتی لال نے گلاس کی طرف توجہ نہ دی تو عمران کو فکر ہوئی کہ کہیں کانتی لال گلاس کا مشروب چڑھائے بغیر نہ اٹھ بیٹھے اور کہے کہ بس اگروال جی اب میں جاتا ہوں، کیونکہ اب دیوداسی بھی اسے یاد نہیں رہی تھی...... کانتی لال باتیں کرتے کرتے ذرا سگریٹ کا کش لگانے کے لئے رکا تو عمران نے مشروب کا گلاس اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اس کا اثر ضائع ہو رہا ہے میرے پیارے دوست...... اس کو بھی پی جاؤ"۔

کانتی لال نے خوش ہو کر گلاس پکڑ لیا اور بولا۔

"اگروال! افسوس کہ تم نہیں پیتے...... شاید کسی روز تم بھی میرے ساتھ شروع

کر دو"۔

اب وہ عمران کو تو کہہ کر بلانے لگا تھا...... منصوبے کا تیسرا مرحلہ اپنے آخ
قدرے آسان ہوتا جا رہا تھا...... کانتی لال دیکھتے دیکھتے گلاس میں پڑی ہوئی ساری د
پی گیا عمران نے اطمینان کا سانس لیا...... عمران نے کھانا منگوالیا...... کانتی لال بھ
عمران کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کھانے لگا...... اس دوران اس نے صرف ایک بار دیو
کے بارے میں پوچھا کہ۔

"راگنی جی ابھی تک نہیں آئیں...... لگتا ہے انہیں کوئی ضروری کام پڑ گیا ہوگا"

"میرا بھی یہی خیال ہے" عمران نے کہا۔

اس کے بعد کانتی لال دیو داسی کو بالکل بھول گیا...... عمران تھوڑی تھوڑی
بعد اس کے چہرے کا جائزہ لے لیتا تھا کہ کیپسول کے سفوف نے اپنا اثر کرنا شروع
ہے یا نہیں...... عمران کا خیال تھا کہ کانتی لال مزید نہیں پیئے گا، کیونکہ صاف لگ رہا
کہ اس کو کافی نشہ چڑھ چکا تھا...... اوپر سے اس کو کیپسول کا سفوف بھی پلا دیا گیا تھا، لیکن
خدا جانے کانتی لال کے دل میں کیا خیال آیا...... یا اس نے ام الخبائث کا لالچ کیا...... کھ
کھاتے ہوئے اس نے مشروب کا ایک بھرپور ڈبل گلاس بنایا اور اس میں کوکا کولا
ملائے بغیر سارے کا سارا چڑھا گیا...... عمران کو فکر پڑ گئی کہ کہیں اس کی حالت خراب
ہو جائے یا وہ بے ہوش نہ ہو جائے...... یا بے سدھ نہ ہو جائے...... ایسی حالت م
عمران اس سے کچھ نہیں پوچھ سکتا تھا...... کانتی لال کی زبان سفوف پینے کے تھوڑی
بعد ہی لڑکھڑانے لگی تھی...... اوپر سے وہ ایک پورا گلاس چڑھا گیا تھا...... آخر وہی ہوا
جس کا عمران کو خدشہ تھا...... عمران نے پروگرام کے مطابق بھارت کے ایٹمی پروگرا
کے موضوع پر بات کرنی شروع کی ہی تھی کہ کانتی لال نے کھانا کھاتے کھاتے ہاتھ
جھٹک کر کہا۔

"اگر وال! بھارت کا مقابلہ امریکہ بھی نہیں کر سکتا...... پاکستان کی کیا حیثیت

تمہیں معلوم ہے...... تمہیں معلوم ہے"۔

اور بولتے بولتے اس کی زبان لڑکھڑائی...... عمران نے جلدی سے کہا۔

"کیا معلوم ہے کانتی لال جی؟ آپ کچھ کہہ رہے تھے...... اگر ہمیں یقین دلا دو کہ بھارت پر پاکستان ایٹمی حملہ نہیں کرے گا تو ہم اسی مہینے بھارت میں کارخانے لگانے شروع کر دیں"۔

کانتی لال بار بار سر ہلائے جا رہا تھا اور روسٹ مرغ کی ٹانگ بھی چبا رہا تھا...... ان کی بات اس نے سن لی تھی...... اس نے مرغ کی ٹانگ پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اگر وال! کارخانے لگاؤ...... جتنے لگا سکتے ہو لگاؤ...... ہمارے پاس ایک ایسا طاقتور ایٹمی میٹریل آ گیا ہے کہ اس کے پہلے میزائل کا تجربہ کرنے کے ساتھ ہی پاکستان ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جائے گا اور...... اور...... میں کیا کہہ رہا تھا؟"۔

کانتی لال بار بار بات کو بھول رہا تھا...... عمران نے کہا۔

"آپ کہہ رہے تھے کہ پاکستان ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جائے گا"۔

"ہاں...... ہاں" کانتی لال نے زور سے سر ہلا کر کہا...... "پاکستان کو ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہیں ہوگی"۔

عمران نے جلدی سے پوچھا۔

"یہ ایٹمی میٹریل کیا شے ہے کانتی لال جی؟"۔

کانتی لال گلاس میں مشروب ڈالنے لگا...... کم بخت وہ گلاس پر گلاس چڑھائے جا رہا تھا...... عمران نے اسے روکنا چاہا تو اس نے ترش روئی سے کہا۔

"اگر وال! تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے...... میں آج ساری پی جاؤں گا...... ہاں...... میں کیا کہہ رہا تھا؟"۔

عمران نے اسے بات یاد دلائی تو وہ بولا۔

"یہ ایٹمی میٹریل...... پرمانو شکتی کا پتا ہے...... اس کا باپ ہے"۔

عمران نے فوراً کہہ دیا۔

"لیکن کانتی بھائی! پاکستان بھی ایسا پرمانو یعنی ایٹمی میٹریل تیار کر سکتا ہے پھر وہ بھی باہر سے منگوا سکتا ہے"۔

اس پر کانتی لال پاکستان کے سائنس دانوں کو برا بھلا کہنے لگا...... پھر سر ہلکا سا جھٹکا دے کر بولا۔

"اگروال! اس پرمانو سامگری (میٹریل) کا ایک خفیہ کوڈ نمبر ہے...... جب پاکستان کو اس کا کوڈ نمبر نہیں معلوم ہو گا وہ کچھ نہیں کر سکے گا...... ہم اس کے فضا میں ہی بھسم کرنے والا میزائل تیار کر لیں گے اور پاکستان دیکھتا رہ جائے گا"۔

عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن کانتی لال جی یہ خفیہ کوڈ نمبر چوری بھی تو ہو سکتا ہے...... آخر ملک کی انٹیلی جنس بھی ہوتی ہے...... وہ لوگ بھی اپنے کام کے ماہر ہوتے ہیں"۔

کانتی لال نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

"اگروال! سن لو...... اس خفیہ کوڈ نمبر کا سوائے میرے اور کسی کو علم نہیں میں مر جاؤں گا مگر یہ نمبر دشمن کو نہیں بتاؤں گا"۔

عمران نے کہا۔

"لیکن اگروال جی! اگر بھگوان نہ کرے کہ آپ کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے کی موت ہو جاتی ہے تو پھر تو وہ ایٹمی میٹریل بیکار ہو جائے گا"۔

کانتی لال نے گلاس میں سے ایک گھونٹ بھرنے کے بعد کہا۔

"اس کا بھی ہم نے انتظام کر رکھا ہے اور ایک خفیہ جگہ پر یہ کوڈ نمبر لکھ گیا ہے...... اس کی یا مجھے خبر ہے اور یا ہمارے سب سے بڑے سائنس دان ہے...... ہاں"۔

عمران نے کہا۔

"دوسرے ملک کے خفیہ جاسوس اس کا پتہ نہیں لگا لیں گے کیا؟"۔

کانتی لال نے عمران کی طرف سر اٹھا کر دیکھا...... وہ اپنی آنکھوں کے ڈیلے یا خود ہما رہا تھا یا سفوف کے اثر سے گھومنے لگے تھے...... کانتی لال نے کھاتے کھاتے ہاتھ کھینچ لیا...... اس کے دونوں ہاتھ کانپنے لگے...... اس کی گردن ٹیڑھی ہو گئی...... عمران نے اٹھ کر کانتی لال کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"کانتی لال! کیا ہو گیا ہے؟"۔

کانتی لال نے کوئی جواب نہ دیا...... اس کے حلق سے غراہٹ کی سی آواز نکلی اور اس کی گردن ڈھلک گئی...... پہلے تو عمران کو یہ لگا کہ وہ مر گیا ہے...... اس نے کانتی لال کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا...... اس کا دل دھڑک رہا تھا...... اگرچہ دل کے دھڑکنے کی رفتار ست تھی...... عمران نے اسے بہت آوازیں دیں...... ہلایا جھلایا...... اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے مگر کانتی لال بے ہوش ہو چکا تھا...... اسے کوئی ہوش نہیں رہا تھا...... عمران نے اسے وہیں صوفے پر لٹا دیا...... پھر اسے خیال آیا کہ ہوٹل بوائے بل پر دستخط کرانے آ گیا تو یہ منظر دیکھ کر اسے کوئی شک نہ پڑ جائے...... یا وہ نیچے انتظامیہ کو خبر نہ کر دے...... عمران نے بے ہوش کانتی لال کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور دوسرے بیڈ روم میں لے جا کر بستر پر ڈال دیا...... اسے بستر پر ڈالتے ہوئے اس کی پتلون کی پچھلی جیب میں سے ایک پاکٹ بک نکل کر باہر گر پڑی...... عمران نے اسے اٹھا کر کھولا...... اس میں کچھ لوگوں کے نام اور ٹیلی فون نمبر لکھے ہوئے تھے...... ایک جگہ ہندی میں کچھ لکھا تھا...... اس نے پاکٹ بک کے صفحوں کو مزید کھولا تو اس نے دیکھا کہ ایک جگہ بادامی رنگ کا بٹر پیپر یعنی روغنی کاغذ تہہ کر کے رکھا ہوا تھا...... عمران نے اسے کھول کر دیکھا...... یہ چھوٹی کتاب کے سائز کا روغنی کاغذ تھا...... اس پر نیلے رنگ سے کچھ لکیریں کھنچی ہوئی تھیں...... ان لکیروں میں کہیں کہیں لال رنگ مار کر کے چھوٹے چھوٹے گول دائرے بنائے گئے تھے...... ایک نیلی لکیر لکیر اوپر والے کونے سے چل کر ذرا

ٹیڑھی ہوتی ہوئی کاغذ کے نیچے والے کونے کی طرف آگئی تھی...... اس لکیر کے
میں ایک چھوٹا سا سرخ گول دائرہ تھا...... اس گول دائرے کے پاس ہندی میں ایک لفظ
ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی انگریزی کے حروف میں Anchor لکھا ہوا تھا۔

عمران سمجھ گیا کہ یہ کسی اہم اور خفیہ جگہ کا نقشہ ہے...... اس نے فوراً ایک
کیا...... روغنی کاغذ اپنے بیڈ روم میں لے گیا...... اسے میز پر پھیلا کر رکھ دیا...... اس
میں سے اپنا کیمرہ نکالا اور روغنی کاغذ پر بنے ہوئے نقشے کی چھ سات تصو
اتار لیں...... یہ تصویریں فلیش گن کی روشنی میں اتری تھیں...... عمران کو یقین تھا
اس کے رزلٹ بڑے اچھے نکلیں گے...... اب وہ کانتی لال سے تو کچھ نہیں پوچھ
تھا...... اس نے سوچا کہ یہ پراسرار نقشہ سامل گیا ہے، اس کی ہی کاپیاں بنا لیتا ہوں
ہو سکتا ہے یہی کسی کام آجائے...... اس نے کیمرہ الماری میں بند کر کے تالا لگا دیا
روغنی کاغذ لے کر دوسرے بیڈ روم میں آگیا۔

کانتی لال بستر پر بالکل بے ہوشی کی حالت میں اسی طرح پڑا تھا جس طرح اس
اسے ڈال گیا تھا...... عمران نے کاغذ کو تہہ کر کے پاکٹ بک میں بڑی احتیاط سے رکھا
پاکٹ بک کانتی لال کی پتلون کی پچھلی جیب میں ڈال دی۔

اس کے بعد عمران نے کانتی لال کو سیدھا کر کے بستر پر لٹا دیا اور کمرے
دوسری بتیاں بجھا کر صرف ٹیبل لیمپ کی دھیمی روشنی رہنے دی...... بیڈ روم
دروازے کو آہستہ سے بند کیا اور ڈرائنگ روم میں آکر سروس کو فون کیا کہ کسی کو
کر برتن اٹھوا دیے جائیں...... تھوڑی دیر میں ہوٹل بوائے آگیا...... اس کے ہاتھ
سنہری جلد والی کاپی بھی تھی جس میں دو آدمیوں کے کھانے اور چائے کا بل
تھا...... عمران نے بل پر دستخط کر دیے...... ہوٹل بوائے برتن ٹرے میں رکھ کر
نائٹ کہہ کر چلا گیا...... عمران کی نیند غائب تھی...... وہ بڑی بے تابی سے صبح ہو
انتظار کر رہا تھا تاکہ مراد خان کو بلوا کر اسے کیمرہ دے کر روغنی کاغذ والے پراسرار

کی تصویریں ڈیویلپ کروائے، مگر ابھی رات کے سوا بارہ ہی بجے تھے...... اس نے ڈش
اون کر دی اور ٹی وی کے پروگرام دیکھنے لگا...... اسے باقی رات گزارنی مشکل ہو رہی
تھی...... ایک دوبارہ وہ دوسرے بیڈ روم میں جھانک کر دیکھ آیا تھا...... کانتی لال اسی
طرح بے ہوش پڑا تھا...... عمران اندر سے کچھ پریشان بھی ہو رہا تھا کہ اگر کانتی لال کو
کچھ ہو گیا تو یہاں کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں...... بڑی پرابلم کھڑی ہو سکتی تھی۔

وہ رات کے ڈیڑھ بجے تک صوفے پر بیٹھا ٹی وی پروگرام دیکھتا رہا...... آخر اسے
بھی نیند آنے لگی...... اس نے ڈرائنگ روم کی بتیاں بجھا دیں...... ٹی وی آف کیا اور
اپنے بیڈ روم میں آکر بستر پر لیٹ گیا...... کچھ دیر کے بعد اسے بھی نیند آگئی...... خواب
میں اس نے دیکھا کہ وہ ایک پہاڑی پر چڑھ رہا ہے...... چڑھتے چڑھتے اچانک اس کا پاؤں
پھسل گیا اور وہ نیچے گرنے لگا...... وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا...... اس نے ٹیبل پر پڑی گھڑی پر
نگاہ ڈالی...... صبح کے چھ بج رہے تھے...... اسے ہوٹل کی عقبی سڑک پر سے کسی کسی
وقت بھاری ٹریفک کے گزرنے کی دبی دبی آواز آجاتی تھی...... اسے اچانک کانتی لال کا
خیال آگیا...... وہ جلدی سے دوسرے بیڈ روم میں چلا گیا...... اس نے دیکھا کہ کانتی نے
پہلو بدل لیا ہوا تھا اور اب اس کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی...... عمران نے
خدا کا شکر ادا کیا...... یہ اس بات کی علامت تھی کہ کانتی لال کی بے ہوشی ختم ہو چکی تھی
اور اب وہ گہری نیند سو رہا تھا...... ڈرائنگ روم میں آکر اس نے پردہ ہٹا کر باہر کی جانب
دیکھا...... سڑک پر گاڑیاں آجا رہی تھیں...... صبح کی سپیدی چاروں طرف پھیلی ہوئی
تھی...... وہ کھڑکی سے ہٹ کر صوفے پر آکر بیٹھ گیا...... اس نے سروس کو فون کر کے
کافی کی ایک پیالی کا آرڈر دیا اور ریسیور رکھ کر سوچنے لگا کہ وہ پارکنگ لاٹ میں ہاشم
وغیرہ کو فون کرے یا نہ کرے...... اس کا خیال تھا کہ ہاشم خان اور سکندر علی ابھی اپنے
اپنے گھروں سے پارکنگ لاٹ میں نہیں پہنچے ہوں گے...... ہوٹل بوائے کافی رکھ کر
چلا گیا۔

عمران نے ٹی وی اون کرنے کی بجائے میز پر رکھا ہوا انگریزی کا اخبار اٹھایا اور ا
کا مطالعہ کرنے لگا...... یہ اخبار ہاکر دروازے کے نیچے سے اندر ڈال گیا تھا جسے کا
لانے والے ہوٹل بوائے نے اٹھا کر میز پر رکھ دیا تھا...... عمران کو دوسرے بیڈ روم ک
باتھ روم میں سے پانی گرنے کی آواز آئی...... اس نے اخبار ایک طرف رکھا...... جلد
سے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر دیکھا...... کانتی لال بستر پر نہیں تھا...... اب باتھ
روم میں سے اس کے کھانسنے اور دانت صاف کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں
عمران خدا کا شکر بجا لایا کہ یہ شخص زندہ تھا...... مرا نہیں تھا...... وہ جلدی سے واپ
صوفے پر آ کر بیٹھ گیا...... کوئی پندرہ منٹ کے بعد بیڈ روم کا دروازہ کھلا اور کانتی لا
نمودار ہوا...... وہ بالکل ٹھیک ٹھاک لگ رہا تھا...... عمران کے ہاتھ میں کافی کا پیالہ دیکھ
کر بولا۔

"اگروال جی! ہمیں بھی چائے کافی وغیرہ پلا دیجئے...... سر بڑا بھاری ہو رہا ہے"۔

عمران نے ہنس کر کہا۔

"کانتی لال جی! میں تو اس انتظار میں تھا کہ آپ اٹھیں تو اکٹھے کافی پئیں، لیک
آپ بڑی گہری نیند سو رہے تھے"۔

کانتی لال صوفے پر آ کر بیٹھ گیا...... اس کی آنکھیں ابھی تک لال تھیں
کہنے لگا۔

"رات اپنے کوٹے سے زیادہ پی گیا تھا...... بس اچھی چیز دیکھ کر دل للچا گیا
آپ کو میں نے بڑی زحمت دی ہے...... مجھے شما کر دیجئے گا"۔

عمران نے کہا۔

"ایسی بات نہ کریں...... آپ ہمارے دوست ہیں...... دوست کی سیوا کر کے
خوشی ہوتی ہے"۔

کانتی لال کو کچھ یاد نہیں تھا کہ رات اس نے کیا کیا باتیں کی تھیں...... ا

صرف اتنا ہی یاد تھا کہ اس نے زیادہ پی لی تھی اور پھر وہ سو گیا تھا...... عمران نے اسی وقت
اس کے لئے کافی کا آرڈر دے دیا...... کانتی لال نے سگریٹ سلگا لیا تھا...... ایک ہاتھ
سے وہ اپنے سر کو ذرا سا دباتے ہوئے بولا۔

"اگروال جی! میری یہ شروع ہی سے عادت رہی ہے کہ میں اچھی چیز پیتا ہوں
اور کبھی دو یا زیادہ سے زیادہ تین سنگل پیک سے زیادہ کبھی نہیں پیتا، لیکن رات میں لالچ
میں آ کر کچھ زیادہ ہی چڑھا گیا...... یہ بتائیں کہ میں بستر پر جا کر خود لیٹ گیا تھا یا یہاں
صوفے پر ہی سو گیا تھا؟ سچ پوچھیں تو مجھے کچھ یاد نہیں"۔

عمران نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں اگروال جی! آپ تو بڑے آرام سے سوم رس سے جی بہلاتے رہے
تھے...... آپ نے کھانا بھی کھایا میرے ساتھ...... بڑی مزے مزے کی باتیں بھی
کیں...... پھر جب آپ کو نیند آنے لگی تو آپ نے کہا کہ اب میں سو جانا چاہتا ہوں اور
پھر آپ خود ہی اٹھ کر بیڈ روم میں چلے گئے اور جب میں آپ کی خیریت معلوم کرنے آیا تو
آپ گہری نیند سو رہے تھے"۔

کانتی لال بولا۔

"بس یہ مجھے میرے پرماتما کی دین ہے کہ میں کبھی کبھی زیادہ بھی چڑھا لوں تو
دوسروں کی طرح کوئی غلط حرکت کبھی نہیں کرتا"۔

وہ بیڈ روم سے تیار ہو کر آیا تھا...... کافی کی آدھی پیالی پینے کے بعد بولا۔

"اب مجھے چلنا چاہئے...... مجھ سے کوئی بھول ہو گئی ہو تو مجھے شما کر دیجئے گا"۔

عمران نے کہا۔

"ارے کانتی لال جی! آپ ہمارے دوست بھی ہیں اور بھائی بھی ہیں...... آپ
ایسی باتیں نہ کیا کریں...... ایک منٹ ٹھہریں...... میں نے آپ کے لئے ایک خاص چیز
رکھی ہوئی ہے"۔

عمران جلدی سے بیڈ روم میں جا کر ولایتی وسکی کی نئی مہر بند بوتل لے آیا۔

"یہ آپ کے لئے میری طرف سے تحفہ ہے"۔

اگروال بڑا خوش ہوا...... کہنے لگا۔

"میں کیسے آپ کا شکریہ ادا کروں"۔

عمران بولا۔

"شکریئے کی کوئی ضرورت نہیں ہے"۔

کانتی لال عمران کے گلے ملا اور چل دیا۔

عمران دروازہ بند کرنے کے بعد سیدھا ٹیلی فون کے پاس آیا اور نیچے پار لاٹ کا نمبر ڈائیل کیا...... پارکنگ بوتھ میں گھنٹی بجی...... وہاں پر موجود لڑکے نے

"یس سر! پارکنگ بوتھ"۔

عمران نے اپنی گاڑی کا نمبر بتا کر کہا کہ میرے ڈرائیور سے کہو کہ میرے میں آ جائے...... عمران نے اسے کمرے کا نمبر بھی بتا دیا...... پانچ منٹ بھی گزرے تھے کہ ہاشم خان اور سکندر علی آ گئے...... سکندر نے آتے ہی کہا۔

"ہم نے کانتی لال کو ہوٹل سے نکلتے دیکھ لیا تھا...... کیا مشن کامیاب رہا؟"۔

عمران نے کہا۔

"ابھی اس بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا"۔

اور اس نے سکندر علی اور ہاشم خان کو رات کی ساری روداد سنا دی۔

پھر بیڈ روم سے کیمرہ لا کر سکندر کو دیا اور کہا۔

"یہ اسی وقت مراد خان کو پہنچا دو...... میں نے جو فوٹو اتاری ہیں مراد خان سے کہ انہیں جتنی جلدی ہو سکے ڈیویلپ کروا کر میرے پاس آ جائے"۔

سکندر علی اور ہاشم خان کیمرہ لے کر اسی وقت نکل گئے...... آدھ گھنٹے کے مراد خان کا فون آ گیا...... کہنے لگا۔

"تمہاری بھیجی ہوئی شے مجھے مل گئی ہے...... میں آ رہا ہوں"۔

اور مراد خان نے فون بند کر دیا...... مزید آدھا گھنٹہ گزر گیا...... اس دوران ن ناشتے سے فارغ ہو گیا...... پھر مراد خان کمرے میں داخل ہوا...... اس کا چہرہ کافی دہ تھا...... عمران کے پاس بیٹھ گیا اور بولا۔

"سکندر علی نے مجھے وہ ساری باتیں بتا دی ہیں جو رات تمہارے اور کانتی لال کے بیان ہوئی ہیں...... میں نے نیگیٹو ڈیویلپ ہونے کے لئے دے دیا ہے...... میں لی یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے کانتی لال کی پاکٹ بک سے جو کاغذ نکال کر اس تصویریں لی ہیں اس کاغذ پر کیا لکھا ہوا تھا؟"۔

عمران نے کہا۔

"روغنی کاغذ تھا...... نیلے مارکر سے لکیریں بنی ہوئی تھیں...... کہیں کہیں لال سے چھوٹے گول دائرے بنائے گئے تھے...... ایک لکیر کاغذ کے اوپر والے کونے سے نیچے والے کونے تک آتی تھی...... جہاں لکیر ختم ہوتی تھی وہاں انگریزی میں Anch لکھا ہوا تھا...... ایک جانب ہندی زبان میں بھی کچھ لکھا تھا...... نیگیٹو ڈیویلپ ہو آئے گا تو تم خود دیکھ لینا...... میرا تو خیال ہے کہ یہ کسی جگہ کا نقشہ بنایا گیا ہے اور یقین ہے کہ یہ وہی جگہ ہو سکتی ہے جہاں کانتی لال نے نیوکلر میٹریل کا خفیہ کوڈ نمبر ہوا ہے، کیونکہ اس نے باتوں ہی باتوں میں مجھے کہا تھا کہ میں نے یہ خفیہ کوڈ نمبر ایسی جگہ رکھ دیا ہے جہاں کسی کا خیال بھی نہیں جا سکتا"۔

مراد خان کے چہرے پر گہری سوچ کے اثرات نمایاں تھے...... کہنے لگا۔

"اب یہ تو نیگیٹوز کے ڈیویلپ ہونے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا کہ اس کاغذ پر قسم کا نقشہ بنایا گیا تھا...... حیرت کی بات ہے کہ کیپسول کے سفوف نے اپنا زیادہ اثر دکھایا اور کانتی لال بجائے اس کے کہ تمہارے آگے اپنے دل کے راز اگلتا، وہ بے فر ہو گیا"۔

عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ بہت زیادہ پی گیا تھا طور پر سفوف پلانے کے بعد جو اس نے وسکی کا ایک پورا گلاس چڑھایا تھا اس کا وہ فوراً بے سدھ ہو گیا اور پھر اسے کوئی ہوش نہیں رہا"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے" مراد خان بولا۔

عمران نے کہا۔

"میں نے اسے بہت منع کیا مگر اس نے میری ایک نہیں سنی اور پیگ پر میں انڈیلتا گیا"۔

مراد خان بولا۔

"بس اعلیٰ شے دیکھ کر وہ لالچ میں آ گیا ہو گا...... خیر کوئی بات نہیں کانتی لال ہمارے ہاتھ میں ہی ہے...... اگر کاغذ پر بنی ہوئی لکیروں سے ہمارا نہ پڑا تو ہم کانتی لال سے خفیہ کوڈ نمبر اگلوانے کی ایک بار پھر کوشش کریں گے"

"اس کا مطلب ہے کہ مجھے ابھی ہوٹل میں ہی ٹھہرنا چاہئے"۔

عمران نے پوچھا۔

مراد خان کہنے لگا۔

"بالکل...... تمہیں یہاں سے اس وقت تک نہیں ہلنا چاہئے جب تک خفیہ کوڈ نمبر کا سراغ نہیں مل جاتا...... تم ہوٹل میں ہی رہو گے"۔

عمران نے پوچھا۔

"نیگیٹو کب تک ڈیویلپ ہو کر آ جائے گا؟"۔

مراد خان نے کہا۔

"اسے ہم اپنی خاص لیبارٹری میں ڈیویلپ کروا رہے ہیں...... میرا اندازہ ہے گھنٹے میں سکندر اور ہاشم تصویریں لے کر آ جائیں گے"۔

دونوں ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے...... ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچے تھے کہ ان کے منصوبے کا تیسرا مرحلہ کامیاب ہوا ہے یا ل ہوا...... ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد ہاشم خان اور سکندر دونوں نیگیٹوز کے پرنٹ لے گئے...... مراد خان نے عمران کو اشارہ کیا...... عمران نے اسی وقت نیچے کاؤنٹر پر فون کے کہا۔

"میں سیٹھ جی سی اگروال بول رہا ہوں...... میرے کچھ کاروباری سجن آئے ہوئے میں ان کے ساتھ مصروف ہوں...... مجھ سے کوئی ملنے والا آئے تو اسے نیچے بٹھائیں...... کمرے کی سروس کرنے والوں میں سے بھی کسی کو اوپر نہ بھیجیں"۔

اور اس نے فون بند کر دیا...... اس دوران مراد خان، ہاشم خان اور سکندر علی بیڈ میں جا چکے تھے...... عمران نے کمرے کے دروازے کو اندر سے لاک کیا اور وہ بھی روم میں آ گیا...... بیڈروم کی ساری بتیاں روشن تھیں...... کافی ٹیبل پر ڈیویلپ کئے گئے پرنٹ پڑے تھے...... ان میں ایک انلارج کیا ہوا پرنٹ بھی تھا...... تینوں مجاہد انچ یعنی بڑے سائز کے پرنٹ یعنی فوٹو کو بڑے غور سے جھک کر دیکھ رہے تھے...... ن بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا...... مراد خان نے کہا۔

"یہ کسی جگہ کا نقشہ معلوم ہوتا ہے"۔

پھر اس نے فوٹو پر اس جگہ انگلی رکھ دی جہاں ہندی میں کچھ لکھا ہوا تھا...... اس ہاشم خان سے پوچھا۔

"ہاشم! یہ کیا لکھا ہوا ہے؟"۔

ہاشم خان نے غور سے ہندی میں لکھے ہوئے لفظ کو دیکھا اور بولا۔

"یہ ہندی میں پاتال لکھا ہے...... پاتال کا مطلب ہے سب سے نیچے...... اس کا لب تہہ خانہ بھی ہو سکتا ہے"۔

مراد خان نے انگریزی کے لفظ پر انگلی رکھ دی اور بولا۔

"یہ لفظ Ancohr لکھا ہوا ہے.....اس کا مطلب جہاز کا لنگر ہے"۔

"سر! میرا خیال ہے کہ یہ کسی سمندری جہاز کی طرف اشارہ ہے..... یہ کہ یہ جہاز کا نام بھی ہو"۔

مراد خان نے سکندر علی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سکندر علی! وجے واڑہ کے ڈرائی پورٹ آفس میں تمہارے دوایک کرتے ہیں..... تم ایک کام کرو..... کسی طرح ان سے یہ معلوم کرو کہ پچھلے میں یہاں اینکر Anchor نام کا کوئی بحری جہاز لنگر انداز ہوا تھا..... یہ معلو کے بعد ہی اس معمے کے حل کی کوئی راہ نکل سکے گی"۔

سکندر علی کہنے لگا۔

"یہ میں آج ہی معلوم کر لیتا ہوں"۔

مراد خان بولا۔

"آج نہیں..... تمہیں ابھی ایک گھنٹے کے اندر اندر یہ معلومات حاصل کر گی..... کیا تمہیں اپنے ڈرائی پورٹ والے دوست کا کوئی ٹیلی فون نمبر معلوم ہے

"معلوم تو نہیں ہے" سکندر نے کہا..... لیکن معلوم کیا جا سکتا ہے۔

مراد خان نے کہا۔

"تو پھر ایسا کرو کہ ڈرائنگ روم میں جاؤ..... وہاں ٹیلی فون بھی ہے ا کی ڈائریکٹری بھی ہے، جس طرح بھی ہو سکے اپنے دوست سے رابطہ پیدا کر کرو کہ اینکر نام کا کوئی جہاز بندرگاہ پر لگا تھا کیا؟"۔

سکندر علی اسی وقت بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں ٹیلی فون لے کر بیٹھ گیا..... اس کے بعد ہاشم خان..... عمران اور مراد خان دوبارہ ہوئے نقشے کی لکیروں اور گول دائروں پر غور و فکر کرنے لگ گئے..... ہاشم علی کے بار بار ٹیلی فون ڈائل کرنے..... کسی سے بات کرنے اور ٹیلی فون

دوبارہ کوئی نمبر گھمانے اور کسی سے کچھ پوچھنے کی ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں...... عمران نے نقشے کے گول دائروں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ان دائروں کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"۔

ہاشم خان بھی بڑے غور سے ان دائروں کو دیکھ رہا تھا..... کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے نقشے پر جو لکیریں بنی ہوئی ہیں..... یہ کوئی راستہ دکھاتی ہیں اور یہ گول دائرے اس راستے کی نشانیاں ہیں..... یہ دیکھیں..... ایک لکیر نقشے کے اوپر والے کونے سے سیدھی نیچے والے کونے تک جاتی ہے..... نیچے والے کونے میں جہاں لکیر ختم ہو جاتی ہے وہاں اینکر کا نام لکھا ہے جو جہاز کا نام بھی ہو سکتا ہے..... اس کے بالکل ساتھ ہی ہندی میں پاتال لکھا ہے..... اس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ اگر یہ کوئی جہاز ہے تو خفیہ کوڈ اس جہاز کے پاتال یعنی تہہ خانے میں ہے"۔

مراد خان کہنے لگا۔

"جو مطلب تم نے نکالا ہے اس کا وہ مطلب بھی نکل سکتا ہے، لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اینکر نام کا کوئی جہاز ہی نہ ہو اور اینکر کا مفہوم لنگر ہی ہو..... ہم لنگر کو کہاں تلاش کرتے پھریں گے؟"۔

اتنے میں سکندر علی بیڈ روم میں داخل ہوا..... اس کا چہرہ مسرت سے چمک رہا تھا..... وہ سب اس کی طرف دیکھنے لگے..... مراد خان نے پوچھا۔

"لگتا ہے تمہیں کوئی خاص بات معلوم ہو گئی ہے"۔

سکندر علی ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"ہمارا آدھے سے زیادہ معمہ حل ہو گیا ہے"۔



مراد خان نے سکندر علی سے کہا۔

"جلدی سے بتاؤ تم نے کیا معلوم کیا ہے؟"۔

سکندر علی کہنے لگا۔

"میرے دوست کا آفس کا نمبر مجھے مل گیا تھا...... خوش قسمتی سے وہ اپنی سیٹ پر ہی بیٹھا تھا"۔

مراد خان نے بے تاب ہو کر کہا۔

"سکندر! خدا کے لئے اصل بات بتاؤ کہ تمہارے دوست نے تمہیں کیا بتایا"۔

سکندر علی بولا۔

"میرے دوست نے مجھے بتایا ہے کہ اینکر Anchor نام کا ایک بحری جہاز انڈونیشیا سے چاول لے کر آج سے چھ مہینے پہلے بھارت کی طرف آ رہا تھا...... اسے گنٹور کی بندرگاہ پر دو دن کے لئے لنگر انداز ہونا تھا...... جب وہ گنٹور کی بندرگاہ میں داخل ہوا تو جہاز میں کوئی ایسی خرابی پیدا ہو گئی کہ وہ کپتان کے کنٹرول سے باہر ہو گیا...... کپتان نے جہاز کو قابو میں رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ مست ہاتھی کی طرح ایک طرف سمندر میں بڑھتا ہی چلا گیا اور آخر پوری طاقت کے ساتھ ریت کے ایک تودے سے ٹکرا کر اس میں دھنس گیا...... اس ٹکر سے جہاز کا انجر پنجر ہل گیا اس کا اگلا حصہ بالکل تباہ ہو گیا...... جہاز کی کمپنی نے ایک دوسرا جہاز بھیج کر مال اس میں

لدوا لیا اور اس تباہ شدہ اینکر نام کے جہاز کو وہیں لوہے کے سکریپ کے ایک ڈیلر کے پاس فروخت کر دیا...... میرے دوست نے بتایا ہے کہ یہ جہاز آج بھی گنٹور کی بندرگاہ سے کچھ فاصلے پر ریت کے تودے میں اسی طرح دھنسا ہوا موجود ہے...... اس کا کافی سکریپ اور انجن اور دوسرا قیمتی سامان ٹھیکیدار اتار کر لے جا چکا ہے...... اب اس کا صرف زنگ آلود ڈھانچہ ہی باقی رہ گیا ہے"۔

سکندر علی کا بیان سن کر مراد خان کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی...... اس نے عمران کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ سکندر علی کے دوست کی اس وضاحت کے بعد معمہ حل ہو گیا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"بات کسی حد تک میری سمجھ میں بھی آ گئی ہے، مگر بہتر ہے کہ تم اسے کھول کر بیان کر دو"۔

مراد خان نے نقشے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ نقشہ اس جگہ کا ہے جہاں کانتی لال نے کسی وجہ سے...... کسی ضرورت کے تحت یا خفیہ کوڈ نمبر کو پوشیدہ رکھنے کی خاطر اسے چھپایا ہوا ہے...... یہ مقام جیسا کہ سکندر علی کے دوست نے بتایا گنٹور کی بندرگاہ کے قریب واقع ہے جہاں اینکر نام کا باربردار سمندری جہاز انجن میں خرابی کے باعث بے قابو ہو کر ریت کے تودے میں گھس گیا تھا...... جہاں یہ جہاز ریت کے تودے میں دھنسا ہے اس جگہ کو گول دائرہ لگا کر ظاہر کیا گیا ہے اور اوپر جہاز کا نام اینکر انگریزی کے حروف میں لکھ دیا گیا ہے...... ہندی میں اس کے ساتھ ہی جو پاتال لکھا ہے اس کا مطلب ہے کہ خفیہ کوڈ نمبر جہاز کے کسی تہہ خانے میں چھپایا گیا ہے...... بس...... یہ ہے اس نقشے کا راز...... میرا خیال ہے اس سے زیادہ ہمیں اور کچھ نہیں چاہئے...... اب ہمارا کام پاتال یعنی جہاز کے اس تہہ خانے

کی کھوج لگانا ہے جہاں نیوکلر میٹریل کا کوڈ نمبر رکھا گیا ہے“۔

ہاشم خان کہنے لگا۔

”اس سلسلے میں ہمیں دیر نہیں لگانی چاہئے...... ہمیں آج ہی گنٹور روانہ ہو
چاہئے“۔

سکندر علی نے عمران سے سوال کیا۔

”سر! کیا آپ کو یقین ہے کہ کانتی لال کو آپ پر کسی قسم کا شک نہیں پڑا
کیونکہ اگر اسے ذرا سا بھی شک پڑ گیا ہے تو وہ پہلی فرصت میں خفیہ کوڈ نمبر کو وہاں
نکال لے گا“۔

عمران نے کہا۔

”مجھے پورا یقین ہے کہ اسے میری کسی بات یا میری کسی حرکت پر کسی قسم کا
شک شبہ نہیں پڑا اور اگر پڑ بھی گیا ہے تو اب ہم سوائے اس کے اور کچھ نہیں کر سکتے
تباہ شدہ جہاز کے ڈھانچے میں جا کر خفیہ کوڈ نمبر کو تلاش کریں اور اگر ہمیں وہاں کوڈ
نہیں ملتا تو اس صورت میں ہمیں دوبارہ کانتی لال کی طرف رجوع کرنا ہو گا اور
منصوبے کے تیسرے مرحلے کو ایک بار پھر سے شروع کرنا ہو گا“۔

مراد خان کہنے لگا۔

”میں عمران سے متفق ہوں...... ہمیں آج ہی گنٹور کی طرف چل پڑنا چاہئے
گنٹور یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے“۔

عمران نے مراد خان سے پوچھا۔

”کیا مجھے بھی آپ کے ساتھ چلنا ہو گا؟“۔

مراد خان بولا۔

”تمہارا ہمارے ساتھ جانا ضروری ہے...... ہم صرف سکندر علی کو پیچھے
جائیں گے“۔

اس نے سکندر علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

”تم یہاں ہوٹل میں ہی ٹھہرو گے...... تم عمران کے پرسنل سیکرٹری ہو...... اگر
اس دوران کانتی لال کا فون آیا تو تم اسے یہی کہو گے کہ سیٹھ جی کو کاروبار کے سلسلے میں
اچانک ناگ پور جانا پڑ گیا ہے...... وہ ایک دو روز تک واپس آ جائیں گے تا کہ کانتی لال
بھی ہمارے ہاتھ میں رہے...... تم سمجھ رہے ہو ناں؟“۔

”سمجھ گیا ہوں سر!“ سکندر نے جواب دیا۔

مراد خان نے تباہ شدہ جہاز کے نقشے کی ساری تصویروں کو اکٹھا کر کے لفافے میں
ڈالا...... لفافے کو اپنی قمیض کے اندر چھپایا اور سکندر علی سے کہا۔

” گاڑی ہم لے جا رہے ہیں...... ہمیں گنٹور میں زیادہ دیر نہیں لگے گی......
یہاں سے گاڑی میں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کا سفر ہے...... ہو سکتا ہے ہم شام تک
واپس آ جائیں“۔

عمران نے مراد خان کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ ہمیں گاڑی ساتھ نہیں لے جانی چاہئے...... وہاں کچھ بھی
حالات پیدا ہو سکتے ہیں...... بہتر یہی ہے کہ ہم گاڑی ہوٹل میں سکندر کے پاس ہی چھوڑ
جائیں اور خود لاری یا کوئی ٹرین پکڑ کر چلے جائیں گے“۔

مراد خان کو عمران کا مشورہ اچھا لگا...... اس نے سکندر سے کہا۔

”ٹھیک ہے...... گاڑی تم اپنے پاس رکھو گے“۔

اسی وقت ہاشم خان نے چابیاں سکندر علی کو دے دیں...... مراد خان نے کہا۔

”لیکن ہمیں تم لاری کے اڈے تک چھوڑ آؤ گے“۔

”ٹھیک ہے سر“ سکندر علی نے چابیاں جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

چند لمحوں کے بعد یہ چاروں مجاہد ہوٹل کی پارکنگ میں آ گئے...... وہاں ان کی
پرائیویٹ ٹیکسی موجود تھی...... وہ اس میں سوار ہوئے اور سکندر علی نے جو گاڑی چلا رہا

تھا گاڑی کا رخ وجے واڑہ شہر کے سب سے بڑے لاریوں کے اڈے کی طرف کر دیا۔

مراد خان بولا۔

”تم نے بڑی اناڑیوں والی بات کی ہے سکندر...... ہمیں یہاں سے پہلے اپنی خفیہ کمیں گاہ میں جانا ہے جہاں سے ہم اس مہم کے لئے پوری تیاری کریں گے“۔

”سوری سر! میں بھول گیا تھا“۔

سکندر علی نے معذرت کے انداز میں کہا اور گاڑی کو اپنی خفیہ کمیں گاہ کی طرف موڑ دیا...... خفیہ کمیں گاہ میں پہلے سے چار مجاہد موجود تھے...... مراد خان...... عمران اور ہاشم خان نے کمیں گاہ میں آتے ہی اپنے کپڑے بدلے اور ریشمی لباس کی جگہ مٹیالے رنگ کی پرانی پتلونیں اور جیکٹیں پہن لیں...... جیکٹوں کی خفیہ جیبوں میں ایک ایک بھرا ہوا پستول چھپا لیا...... عمران اور مراد خان نے ایک ایک کمانڈو چاقو بھی رکھ لیا...... جعلی کرنسی میں سے انہوں نے اپنے پاس کچھ روپے بھی رکھ لئے اور جب گاڑی میں سوار ہو کر شہر کو جانے والی سڑک پر آئے تو مراد خان نے سکندر سے کہا۔

”تم ہمیں لاری اڈے پر چھوڑ کر فوراً ہوٹل چلے جانا، ہو سکتا ہے کانتی لال کا فون آ جائے“۔

”ٹھیک ہے سر!“۔

اس وقت آسمان پر ہلکے ہلکے بادل آنا شروع ہو گئے تھے...... ہاشم خان نے کہا۔

”ہم چھوٹی ٹارچ ہائیڈ آؤٹ میں ہی بھول آئے ہیں“۔

سکندر علی بولا۔

”میرے پاس ایک چھوٹی ٹارچ ہے“۔

اور اس نے اپنی جیکٹ کی جیب سے چھوٹی ٹارچ نکال کر ہاشم خان کے حوالے کر دی...... بادلوں کی وجہ سے دھوپ غائب ہو گئی تھی...... وجے واڑہ کی سڑکوں پر کافی رونق اور ٹریفک تھی...... لاریوں کا اڈہ شہر کے گنجان علاقے میں تھا...... سکندر علی نے

اپنے تینوں ساتھیوں عمران...... مراد خان اور ہاشم خان کو اڈے کے باہر اتارا اور گاڑی لے کر فائیو سٹار ہوٹل کی طرف چل دیا۔

یہ لوگ اڈے میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے...... مراد خان نے ہاشم خان کو اڈے کے بکنگ آفس کی طرف بھیج دیا...... اس نے آکر بتایا کہ ایک لاری آدھے گھنٹے بعد گنٹور سے آئے گی...... وہی واپس گنٹور جائے گی...... میں تین ٹکٹ لے آیا ہوں...... تینوں مجاہد بڑی مسکین صورتیں بنائے وہیں بیٹھے رہے...... گنٹور کی لاری آ گئی...... سارے مسافر اتر گئے...... لاری کی صفائی وغیرہ کرنے کے بعد اس جگہ کھڑی کر دیا گیا جہاں سے اسے واپس گنٹور روانہ ہونا تھا...... مسافروں نے لاری میں سوار ہونا شروع کر دیا...... تینوں مجاہد بھی سوار ہو گئے...... لاری مسافروں سے بھر گئی تھی...... اس کے بعد لاری گنٹور کی طرف روانہ ہو گئی۔

وجے واڑہ کے شہر سے نکلنے کے بعد راستہ اونچا نیچا اور نیم پہاڑی تھا...... کہیں کہیں کوئی چھوٹا سا جنگل بھی آ جاتا تھا...... دھان کے کھیت بھی نظر آ رہے تھے...... آسمان پر بادلوں نے گہرا ہونا شروع کر دیا تھا...... مراد خان نے گردن عمران کی طرف موڑ کر کہا۔

”میرا خیال ہے کہ گنٹور میں بارش ہو رہی ہو گی...... اس طرف بادل بڑے سیاہ ہیں“۔

لاری پرانی تھی...... ایک تو اس کی رفتار کم تھی دوسرے شور بہت کر رہی تھی...... سڑک پر کوئی سواری ہاتھ دیتی تو رک کر اسے بھی چڑھا لیتی تھی...... اس طرح لاری کی چھت پر بھی کافی مسافر بیٹھ گئے تھے...... ایک جگہ سڑک کا موڑ کاٹتے ہوئے دھماکہ ہوا اور لاری رک گئی...... مسافر سہم گئے...... معلوم ہوا کہ پچھلا ایک ٹائر پھٹ گیا ہے...... ایک گھنٹہ لگا کر لاری کا ٹائر بدلا گیا...... اس کے بعد لاری آگے چل پڑی...... اس دوران ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی تھی...... ایک گھنٹے کا سفر اس پرانی

لاری نے ڈھائی گھنٹوں میں طے کیا اور آخر گنڈور پہنچ گئی...... عمران یہاں پہلی بار آیا تھا...... ہاشم خان اور مراد خان اس چھوٹے سے ساحلی شہر سے اچھی طرح واقف تھے...... گنڈور میں تیز بارش ہو رہی تھی...... وہ لاری اڈے پر ہی رکے رہے...... وہیں انہوں نے ایک ویشنو ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھایا...... کچھ دیر کے بعد بارش رک گئی...... مراد خان کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں اپنے ٹارگٹ کی طرف چل پڑنا چاہئے"۔

گنڈور کی بندرگاہ کے آس پاس کا علاقہ کافی گنجان آباد تھا...... کافی اونچی اونچی عمارتیں تھیں، لیکن بندرگاہ سے کچھ دور نکلنے کے بعد ریتلی زمین شروع ہو گئی...... تینوں ساتھی پیدل چلے جا رہے تھے...... انہوں نے جیبوں میں ہاتھ دے رکھے تھے اور ایسے جا رہے تھے جیسے اس علاقے کی سیر کرنے آئے ہوئے ہوں تاکہ کسی کو شک نہ پڑے...... وہ آپس میں ہنس ہنس کر باتیں بھی کر رہے تھے۔

ہاشم خان کہنے لگا۔

"ہمیں پرانے لائٹ ہاؤس کی طرف نہیں جانا چاہئے...... ادھر فوجی پہرہ ہے اور ممکن ہے انٹیلی جنس والے بھی دیہاتیوں کے بھیس میں گھوم پھر رہے ہوں"۔

مراد خان بولا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو...... ہم لائٹ ہاؤس والے علاقے سے ہٹ کر چل رہے ہیں...... یہ سارا علاقہ میرا دیکھا ہوا ہے"۔

چلتے چلتے وہ بندرگاہ کے جنوب میں کافی دور نکل آئے تھے...... عمران نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے ابھی ہم اپنے ٹارگٹ سے کافی دور ہیں"۔

مراد خان نے کہا۔

"وہ سامنے والے ٹیلے دیکھ رہے ہو؟ ان کے پیچھے سمندر کا وہ ساحل ہے جہاں

ندری جہاز ریت کے تودے میں دھنسا ہوا ہے، مجھے یقین ہے کہ یہی وہ جگہ ہے"۔

چلتے چلتے وہ بھورے رنگ کے چھوٹے ٹیلوں کے دامن میں پہنچ گئے...... یہاں جگہ سے وہ ٹیلے کی دوسری طرف نکلے تو عمران نے دیکھا کہ سامنے حد نگاہ تک ندر پھیلا ہوا تھا اور اس کی ایک جانب ایک بحری جہاز اس طرح ریت کے تودے میں ھنسا ہوا تھا کہ ایک طرف سے جھک گیا تھا...... مراد خان نے سب کو وہیں رکنے کا ارہ کیا...... مراد خان ٹیلے کی ڈھلان کے پاس جھاڑیوں میں بیٹھ گیا...... عمران اور ہاشم ن بھی اس کے پاس بیٹھ گئے...... مراد خان کہنے لگا۔

"اگر کانتی لال کے بنائے ہوئے نقشے کے مطابق واقعی ایٹمی میٹریل کا خفیہ کوڈ ن جہاز کے کسی تہہ خانے میں چھپایا ہوا ہے تو اس جہاز کی خفیہ طور پر ضرور نگرانی رہی ہو گی"۔

عمران بولا۔

"میں تم سے اتفاق کرتا ہوں"۔

ہاشم خان نے کہا۔

"یہ کیسے معلوم ہو کہ اس کی نگرانی ہو رہی ہے یا نہیں...... کیونکہ ہم یہاں بیٹھے نے کے لئے نہیں آئے...... ہمیں جہاز میں داخل ہونا ہے"۔

مراد خان نے عمران سے پوچھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے عمران؟"۔

عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں جہاز کا سکریپ کاٹنے والوں کا بھیس بدل کر آنا چاہئے"۔

مراد خان بولا۔

"میں ٹارگٹ کے اتنا قریب پہنچ کر واپس نہیں جانا چاہتا اور پھر ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ہم بھیس بدلنے کے واسطے ایک اور دن ضائع کریں"۔

"تو پھر" عمران بولا...... آپ لوگ یہیں چھپ کر بیٹھے رہیں...... میں آگے
ہوں...... اگر مجھے شک پڑا کہ اس جہاز کی نگرانی ہو رہی ہے تو میں ادھر ادھر کا چکر
واپس آجاؤں گا اور اگر دس منٹ تک میں واپس نہ آیا تو آپ لوگ سمجھ جانا کہ مید
صاف ہے اور تم دونوں بھی آجانا"۔

مراد خان نے عمران کے تجربے اور کمانڈو کی پیشہ وارانہ مہارت کے پیش
اسے جانے کی اجازت دے دی۔

عمران نے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ دیئے اور سیر کرنے کے انداز میں
پڑا...... ریت میں دھنسا ہوا بحری جہاز "اینکر" اس کی بائیں جانب پانچ چھ سو گز
فاصلے پر نظر آرہا تھا...... عمران نے جہاز کی طرف جانے کی بجائے سمندر کی طرف
شروع کر دیا...... آسمان پر بدستور بادل چھائے ہوئے تھے...... بارش رکی ہوئی تھی
چلتے چلتے وہ سمندر کے قریب پہنچ گیا...... سمندر کی موجیں دور دور سے آکر ساحل
ریت پر کچھ دور جاکر واپس سمندر کی طرف پلٹ جاتی تھیں...... عمران جھک کر ری
بکھری ہوئی سیپیاں چننے لگا...... ایک دو سیپیاں اس نے ہاتھ میں پکڑ لیں اور باقی
سمندر میں پھینک دیں...... ان حرکات سے، اگر کوئی اس کی خفیہ طور پر نگرانی کر رہا
عمران اس کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ وہ کوئی مشتبہ شخص نہیں ہے بلکہ کوئی سیاح
ساحل سمندر کی سیر کرتا پھر رہا ہے۔

ساحل سمندر کی ریت پر ٹہلنے کے انداز میں چلتے چلتے اس نے اپنا رخ
مغرب کی سمت کر لیا تھا...... اسی سمت میں آگے جاکر ریت کا وہ تودہ آجاتا تھا جس
بحری جہاز کا ڈھانچہ دھنسا ہوا تھا...... آہستہ آہستہ چلتے عمران جہاز کے اتنا قریب
کہ اس نے جہاز کی زنگ آلود آہنی چادر پر انگریزی کے موٹے حروف میں "
Anchor لکھا ہوا صاف پڑھ لیا...... اس نے اپنا چہرہ سمندر کی طرف کر لیا اور
تھوڑا اچھلتے ہوئے ورزش شروع کر دی...... دو منٹ تک ورزش کرنے کے

ساحل سمندر کی ریت پر ٹانگیں پسار کر بیٹھ گیا...... دو تین چار منٹ تک بیٹھا رہا......
اسے یقین تھا کہ اگر اس جہاز کی خفیہ طور پر نگرانی کی جارہی ہے تو کوئی نہ کوئی آدمی اس
کے پاس یہ پوچھنے ضرور آئے گا کہ وہ کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے...... اس نے گھڑی
پر نگاہ رکھی ہوئی تھی...... سمندر کی جانب سے تیز ہوا چل رہی تھی اور اس ہوا میں
عمران کے سر کے بال لہرا رہے تھے...... اسے وہیں بیٹھے ہوئے جب پورے پانچ منٹ
گزر گئے تو عمران اٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے پلٹ کر جہاز کے ڈھانچے کی طرف دیکھا...... جہاز کے آس پاس اسے
کوئی انسان دکھائی نہ دیا...... سمندر کا ساحل دور دور تک ویران پڑا تھا...... عمران کو کچھ
یقین سا آگیا کہ اس جہاز کی نگرانی نہیں کی جارہی اور اس کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ کانتی
لال نے کسی کو نہیں بتایا ہوگا کہ اس نے ایٹمی میٹریل کا خفیہ کوڈ نمبر اس تباہ شدہ جہاز
کے ڈھانچے میں کسی جگہ چھپا رکھا ہے...... اگر اس نے اپنے کسی بھی متعلقہ افسر کو یہ
بات بتائی ہوتی تو پھر خفیہ پولیس اس جہاز کی نگرانی پر ضرور تعینات کر دی جاتی، مگر
وہاں ایسی کوئی بات نہیں تھی...... جہاز پر سے جہاز کو توڑنے والے اس کا کافی حصہ اتار
کر لے جا چکے تھے اور جہاز کے عقبی حصے کی لوہے کی چادریں اتر چکی تھیں اور وہ کھلا ہوا
تھا...... عمران نے قریب جاکر دیکھا...... جہاز کے کھلے ہوئے حصے کے اندر دائیں جانب
لوہے کی ایک گھومتی ہوئی سیڑھی اوپر ڈیک یعنی عرشے تک چلی گئی تھی...... جہاز خالی پڑا
تھا اور اس پر ایک عجیب سا آسیبی سناٹا چھایا ہوا تھا...... دس منٹ گزر چکے تھے۔

مراد خان اور ہاشم پیچھے ٹیلے کی اوٹ میں بیٹھے عمران کی واپسی کا انتظار کر رہے
تھے...... جب دس منٹ گزر گئے بلکہ دو منٹ اوپر ہو گئے اور عمران واپس نہ آیا تو وہ سمجھ
گئے کہ آگے کوئی خطرہ نہیں ہے...... وہ ٹیلے کی اوٹ سے نکلے اور آہستہ آہستہ جہاز کی
سمت چل پڑے...... عمران جہاز کی آہنی دیوار کے ساتھ کھڑا انہیں اپنی طرف آتے
دیکھ رہا تھا...... دونوں مجاہد عمران کے پاس آگئے...... عمران نے کہا۔

"مجھے آس پاس کوئی انٹیلی جنس کا آدمی نظر نہیں آیا...... میرا خیال ہے جہاز
نگرانی نہیں ہو رہی"۔

مراد خان اور ہاشم جہاز کے اندرونی ڈھانچے کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔

ہاشم خان بولا۔

"نقشے کے مطابق ہمیں اس کے پاتال یعنی تہہ خانے کو تلاش کرنا ہو گا"۔

عمران نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"آگے چل کر دیکھتے ہیں، کوئی نہ کوئی راستہ نیچے تہہ خانے کو ضرور جاتا ہو گا"۔

مراد خان بولا...... "جہاز کا اگلا حصہ ریت میں آدھا دھنسا ہوا ہے...... ہمیں با
طرف سے ہو کر آگے جانا چاہئے"۔

وہ جہاز کے ڈھانچے میں آہستہ آہستہ آگے چلنے لگے...... جگہ جگہ جہاز اتارے ہوئے سکریپ اور لوہے کی چادریں اور لوہے کے بڑے بڑے کٹے ہو ٹکڑے پڑے تھے...... ایک بہت بڑا پسٹن اوپر کو جاتے پیچ دار زینے کے ساتھ لگا تھا...... جہاز کے درمیان میں لکڑی کے تختے ڈال کر سکریپ کے ٹھیکیدار نے سا اتار کر لے جانے کے لئے چھوٹا سا راستہ بنا رکھا تھا...... تینوں مجاہد اس پر چلتے ہو جہاز کے اگلے حصے میں آ گئے...... یہاں ایک طرف چھ سات سیڑھیاں نیچے ا تھیں...... نیچے اندھیرا تھا۔

مراد خان آگے آگے تھا...... زینے کے پاس آ کر رک گیا...... کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے یہ راستہ جہاز کے لوئر ڈیک کو جاتا ہے"۔

اور وہ زینہ اتر کر نیچے آ گئے...... یہ لوئر ڈیک تھا...... یہاں ہلکا ہلکا اندھیرا چھا تھا...... وہ ایک کشادہ ہال کمرے میں آ گئے...... یہاں بھی جگہ جگہ جہاز پر سے کا اتارے گئے لوہے کے سازوسامان کے ڈھیر پڑے تھے...... عمران نے کہا۔

"یہ لوئر ڈیک ہے...... یہاں سے نیچے کوئی اور تہہ خانہ نہیں ہو سکتا......

کے پیندے میں ہیں...... اس کے نیچے تو سمندر ہوتا ہے"۔

اد خان نیم روشنی میں چاروں طرف بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا......
بولا۔

شے پر پاتال کا ہندی لفظ یونہی نہیں لکھ دیا گیا...... کوئی نہ کوئی خفیہ تہہ خانہ
نہ کہیں ضرور ہو گا"۔

وئر ڈیک کے کشادہ ہال کمرے میں ادھر ادھر تہہ خانے کا راستہ تلاش کرنے
ایک جگہ لوہے کے کٹے ہوئے زنگ آلود سکریپ کے ٹکڑوں کا بہت بڑا ڈھیر
مراد خان اس ڈھیر کے پیچھے چلا گیا...... عمران اور ہاشم بھی وہاں آ گئے......
و سکریپ کے ڈھیر کے پیچھے لوہے کی دیوار کے قریب آہنی فرش کی چادر کا
اپنی جگہ سے تھوڑا سا کھڑا ہوا دکھائی دیا...... اس نے چھوٹی ٹارچ روشن کر کے
دیکھا...... اکھڑے ہوئے چادر کے ٹکڑے کے کونے میں لوہے کی ایک تار
ی جو اس کے اندر دھنسا دی گئی تھی...... مراد خان نے اس تار کو اپنی گرفت
ر جھٹکے سے باہر کو کھینچا تو فرش کی آہنی چادر کا ٹکڑا ایک طرف سے اوپر اٹھ
ں نے اسے اور اوپر اٹھا دیا اور نیچے ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

ئی دس فٹ نیچے فرش پر پرانا سامان پڑا ہوا نظر آیا...... مراد خان نے کہا۔

ہو سکتا ہے یہی پاتال کا تہہ خانہ ہو"۔

ہمیں نیچے اتر کر دیکھنا چاہئے" عمران بولا۔

یب بات تھی کہ نیچے کوئی زینہ وغیرہ نہیں تھا...... ایسے لگتا تھا کہ یہاں جو کوئی
ائی پہاڑی کی سیڑھی ساتھ لاتا ہو گا۔

اشم نے کہا۔

ایک سیکنڈ ٹھہریں...... ابھی کوئی انتظام ہو جاتا ہے"۔

لوئر ڈیک کے کونے کی طرف گیا...... وہاں لوہے کا ایک کھمبا پڑا تھا...... اس

نے عمران سے کہا۔

"ذرا میرے ساتھ ہاتھ بڑھانا"۔

دونوں نے مل کر لوہے کے کھمبے کو اٹھایا اور تہہ خانے کے دہانے پر گزار کر اسے ترچھا کر کے لگا دیا...... اب وہ اس کھمبے کی مدد سے نیچے اتر سب سے پہلے مراد خان نیچے اترا...... اس کے بعد عمران اترا اور اس کے نیچے اتر گیا۔

یہ جہاز کا کوئی چھوٹا سا سٹور لگتا تھا جہاں جہاز کی ہر ٹوٹی پھوٹی شے ا کے اوپر بے ترتیبی سے پڑی تھی...... مراد خان کے ہاتھ میں چھوٹی ٹار تہہ خانے کی تاریکی میں ٹارچ کی روشنی دائیں بائیں اور آگے ڈال رہا تھا عمران بھی جہاں ٹارچ کی روشنی پڑتی تھی اس جگہ کو غور سے دیکھتے پرانے ٹوٹے پھوٹے سامان کے نیچے ایک جگہ کوئی چیز چمکی...... عمران نے

"یہ کیا چیز ہے؟"۔

مراد خان نے ٹارچ کی روشنی اس چمکتی ہوئی شے پر مرکوز کر دی جھک کر دیکھا...... یہ سٹیل کا چھوٹا سا ہینڈل تھا...... مراد خان نے اسے ہا باہر کو کھینچا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک سٹیل کا چھوٹا اٹیچی کیس ہے...... مراد بیٹھے عمران اور ہاشم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے ہمیں وہ شے مل گئی ہے جس کی ہمیں تلاش تھی"

سٹیل کا چھوٹا اٹیچی کیس اٹھا کر وہ تینوں اس جگہ آ گئے جہاں اوپر تہہ دہانہ تھا...... اوپر سے لوئر ڈیک کے ہال کمرے کی ہلکی ہلکی روشنی نیچے مراد خان نے چھوٹا اٹیچی کیس کاٹھ کباڑ کے ڈھیر کے اوپر رکھ دیا...... غور سے دیکھنے لگے...... اٹیچی کیس کو کوئی ایسا تالا نہیں لگا ہوا تھا جو باہر لگ تالا اس کے اندر لگا ہوا تھا...... مراد خان نے ہاشم کی طرف دیکھا اور کہا

شم تم اس معاملے میں کاریگر ہو...... کوشش کر کے دیکھو، شاید تالا کھل ہم اسے توڑنا نہیں چاہتے"۔

م خان کو اس کام میں بڑی مہارت حاصل کی تھی...... کمپیوٹرائزڈ تالے کے قسم کے تالے کو اس کے اندر تار ڈال کر کھول دیتا تھا...... اس نے وہیں سے ڈھونڈھ لی اور اس کو ایک خاص زاویئے سے ٹیڑھا کر کے تالے میں جہاں کنجی بنا ہوا تھا...... ڈال دیا اور بڑی مہارت سے آہستہ آہستہ کبھی دائیں اور کبھی انے لگا...... یہ بڑے صبر آزما لمحات تھے...... انہیں یہ بھی خطرہ تھا کہ سکریپ والے لوگ جہاز میں نہ آ جائیں...... ابھی تک وہاں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

شم نے کہا۔

بڑا پیچیدہ قسم کا تالا ہے۔

ران نے کہا۔

کوشش کرو"۔

شم نے تار کو باہر نکال لیا...... اس کو ایک دوسرے طریقے سے ذرا سا ٹیڑھا کیا خاص زاویئے سے تالے کے سوراخ کے اندر ڈال کر آہستہ آہستہ کبھی آگے دائیں جانب گھمانے لگا...... دو منٹ لگ گئے...... اس کے بعد کلک کی آواز کے تالا کھل گیا...... مراد خان نے جلدی سے اٹیچی کیس کو کھول دیا...... اٹیچی کیس ر ایک بادامی رنگ کا لفافہ پڑا تھا...... سب بے تاب نظروں سے لفافے کو دیکھنے مراد خان نے ٹارچ عمران کو پکڑا دی اور لفافے کو بڑے آرام سے کھولا...... ے اندر تہہ کیا ہوا کاغذ تھا...... اس کو کھولا تو کاغذ پر ایک جانب نمبر ڈال کر ئے ہیں لکھا تھا...... سلنڈر نمبر ون...... سلنڈر نمبر ٹو...... سلنڈر نمبر تھری...... اس یچے سلنڈر تک لکھا ہوا تھا...... ہر سلنڈر کے آگے الجبرے کے تین تین حروف سلنڈر کا فارمولا اور درج تھا...... ان سب کے نیچے ایک لکیر ڈالی ہوئی تھی اور اس

لکیر کے نیچے سات ہندسوں میں ایک نمبر لکھا تھا...... مراد خان نے آہستہ سے
"یہی ایٹمی میٹریل کا کوڈ نمبر لگتا ہے اور یہ سلنڈر ایٹمی میٹریل کو ظاہر کر
ہاشم خان بولا۔
"ہمیں یہ سب کچھ الگ کاغذ پر اتار لینا چاہئے"۔
عمران بولا۔
"افسوس کہ ہم اپنے ساتھ کوئی کاغذ پنسل وغیرہ نہیں لائے"۔
مراد خان نے اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔
"ایک بات ثابت ہوگئی ہے کہ تم لوگوں کو ابھی مزید تربیت کی
ہے...... یہ بات تمہیں چلنے سے پہلے سوچنی چاہئے تھی، لیکن میں اس نکتے
نہیں تھا...... میں چھوٹا کیمرہ اپنے ساتھ لایا ہوں"۔
مراد خان نے جیب سے کیمرہ نکال لیا...... یہ وہی ماچس کے سائز کا
جس سے عمران نے کانتی لال کی اور اس کی جیب سے برآمد ہونے وا
تصویریں اتاری تھیں...... عمران اور ہاشم نے اطمینان کا سانس لیا...... م
کیمرے میں لفافے میں سے نکلے ہوئے کاغذ کو فوکس کیا اور فلیش کی چمک
اس کی چھ سات تصویریں اتار لیں...... اس کے بعد اس نے کاغذ کو بڑی ا
کر کے لفافے میں ڈالا...... لفافے کو اسی طرح بند کر کے اٹیچی کیس میں
کیس کو واپس جس جگہ سے نکالا تھا اسی جگہ اسی انداز میں کاٹھ کباڑ کے
رکھ دیا...... اٹیچی کیس کا سٹیل کا چھوٹا ہینڈل اسی طرح ذرا سا باہر کو نکلا
خان بولا۔
"خدا کرے کہ یہی ایٹمی میٹریل کا خفیہ کوڈ نمبر ہو"۔
تینوں مجاہد کھمبے کی مدد سے تہہ خانے سے باہر نکل آئے۔
باہر آکر عمران اور ہاشم خان نے بڑے آرام سے لوہے کے کھمبے ک

اوپر کھینچا اور جس جگہ سے اسے اٹھایا تھا اسی جگہ پر لے جا کر رکھ دیا...... مراد خان
تہہ خانے کے اوپر فرش کی اٹھائی ہوئی آہنی چادر اسی پوزیشن میں اچھی طرح سے
دی اور اس کا تار اندر کی طرف کر دیا...... چھ سات سیکنڈ تک وہ اس جگہ کو غور سے
تا رہا...... پھر اس نے عمران سے پوچھا۔
"کیا خیال ہے عمران...... اگر کانتی لال یہاں آیا تو اسے کسی قسم کا شک تو نہیں
ے گا کہ تہہ خانے میں کوئی دوسرا شخص بھی داخل ہوا ہے؟"۔
عمران نے دونوں ہاتھوں سے فرش کے اوپر آہنی چادر کو اچھی طرح سے جماتے
ے کہا۔
"میرا خیال ہے تہہ خانے کی چادر بالکل پہلی والی پوزیشن میں آگئی ہے"۔
مراد خان بولا۔
"اب واپس چلو"۔
وہ لوئر ڈیک کے کشادہ ہال کمرے میں بڑی احتیاط سے چلتے ہوئے پیچ دار زینے کی
رف بڑھے...... زینے پر چڑھ کر وہ جہاز کے اوپر والے حصے میں آگئے...... اوپر آتے
مراد خان نے کہا۔
"ایک ایک کر کے پندرہ پندرہ سیکنڈ کا وقفہ ڈال کر باہر نکلو"۔
انہوں نے ایسا ہی کیا...... سب سے پہلے عمران جہاز سے باہر نکلا اور جس طرف
ریلا ٹیلا تھا اس طرف چل پڑا...... اس کے پندرہ سیکنڈ کے بعد ہاشم خان اور آخر میں
اد خان باہر نکل آیا...... تینوں الگ الگ چلتے جہاز سے کچھ فاصلے پر جو پتھریلا ٹیلا تھا اس
کے پاس آکر بیٹھ گئے...... مراد خان نے عمران سے کہا۔
"عمران! ریکی کر کے دیکھو کہ آس پاس کوئی آدمی تو نہیں چل پھر رہا ہے؟"۔
عمران وہاں سے نکل کر سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگا...... پھر جھک
ریت پر سے یونہی گھونگھے اور سیپیاں اٹھا اٹھا کر دیکھنے اور انہیں دور سمندر کی لہروں

کی جانب پھینکنے لگا...... اس دوران اس کی تیز نگاہوں نے چاروں طرف دیکھ لیا تھا وہاں دور دور تک اسے کوئی انسان چلتا پھرتا نظر نہیں آیا تھا...... اسی طرح ٹہلتے ٹہلتے مراد خان اور ہاشم کے پاس واپس چلا آیا۔

”مجھے کوئی آدمی نظر نہیں آیا“۔

”ٹھیک ہے“ مراد خان بولا۔

”اب ہم کم از کم دس منٹ کا وقفہ ڈال کر واپس جائیں گے اور جہاں سے ہم پتھریلے ٹیلوں کا موڑ گھوما تھا وہاں بیٹھ کر ایک دوسرے کا انتظار کریں گے“۔

انہوں نے ایسا ہی کیا...... سب سے پہلے عمران گیا اور سمندر کے کنارے چلتا پتھریلے ٹیلوں کے پیچھے آکر بیٹھ گیا...... اس کے دس منٹ بعد ہاشم خان باہر آیا...... وہ بھی عمران کے پاس آکر بیٹھ گیا...... آخر میں ہاشم خان بھی آگیا...... سے وہ تینوں اٹھے اور تیز تیز قدموں سے گنٹور کی بندرگاہ کی طرف روانہ ہوگئے اس دوران آسمان پر سیاہ گھٹائیں چھانے لگی تھیں اور کسی بھی وقت بارش ش ہوسکتی تھی...... مراد خان کہنے لگا۔

”ہمیں وجے واڑہ جانے والی جو بھی لاری مل جائے پکڑ لینی چاہئے...... اب یہاں کوئی کام نہیں ہے...... ویسے بھی ہمیں اس علاقے میں زیادہ دیر تک نہیں چاہئے“۔

پیدل چلتے چلتے وہ بندرگاہ کے آس پاس کی آبادی والے علاقے میں ہوگئے...... لاری اڈہ یہیں پر تھا...... ایک لاری ابھی ابھی آکر رکی تھی...... سے مسافر اتر رہے تھے...... معلوم ہوا کہ یہی لاری واپس وجے واڑہ جائے انہوں نے ٹکٹ خریدے اور جیسے ہی لاری خالی ہوئی اس میں داخل ہوکر ا نشستوں پر بیٹھ گئے...... مراد خان نے خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ واپسی کا س الگ الگ سیٹوں پر بیٹھ کر کریں گے...... لاری میں وجے واڑہ جانے والے مسافر

گئے...... تھوڑی دیر میں لاری بھر گئی...... ڈرائیور اور کلینر بھی آگئے...... لاری اڈے سے نکلی اور ایک قریبی پٹرول پمپ پر پٹرول لینے کے لئے رک گئی...... تیل کی ٹینکی فل کروانے کے بعد لاری وجے واڑہ کی جانب روانہ ہوگئی۔

یہ بھی کھڑکھڑاتی ہوئی پرانی لاری تھی...... ڈرائیور راستے میں رک کر سواریاں بھی اٹھا رہا تھا...... آتی دفعہ بھی لاری نے ایک گھنٹے کا سفر پونے دو گھنٹوں میں طے ......وجے واڑہ پہنچنے کے بعد تینوں مجاہد اکٹھے ہوگئے اور اپنے ہائیڈ آؤٹ کی طرف پڑے...... ایک خاص مقام پر آکر معمول کے مطابق وہ الگ الگ ہوگئے اور الگ راستوں سے جنگل میں داخل ہونے کے بعد خفیہ کیمپ گاہ میں پہنچے...... وہ کوٹھڑی بیٹھ گئے...... مراد خان نے کیمرہ نکال کر ہاشم سے کہا۔

”تم اور عمران دونوں یہاں سے شہر کی طرف روانہ ہوجاؤ گے...... تم ٹیکسی لے جاؤ گے، کیونکہ گاڑی سکندر ہوٹل لے گیا ہوا ہے...... راستے میں تم نیگیٹوز اپنے خاص آدمی کے حوالے کرتے جاؤ گے تاکہ وہ جتنی جلدی ہوسکے ہمیں نیگیٹو ڈیویلپ کرکے دے سکے...... اس کے بعد تم دونوں اپنے ہوٹل جاؤ گے“۔

پھر اس نے عمران کی طرف متوجہ ہوکر کہا۔

”میں شام کو تمہارے پاس ہوٹل آؤں گا اور اپنے ساتھ خفیہ کوڈ نمبر کی اتاری ہوئی فوٹو بھی لیتا آؤں گا...... وہیں بیٹھ کر یہ طے کریں گے کہ اب ہمیں آگے کیا کرنا ہے“ ”لیکن یہاں سے نکلنے سے پہلے اپنا اپنا لباس تبدیل کرنا نہ بھولنا...... تم وہی لباس پہن کر یہاں سے نکلو گے جس لباس میں تم فائیو سٹار ہوٹل سے نکلے تھے...... ٹھیک ہے؟“۔

”ٹھیک ہے“ عمران نے جواب دیا۔

وہ دونوں دوسری چھوٹی کوٹھڑی میں چلے گئے...... وہاں ہاشم خان نے شوفر والی سفید وردی پہن لی اور عمران نے پرانی پتلون جیکٹ اتار کر سیٹھ اگروال کا ریشمی کرتا پاجامہ پہن لیا...... گلے میں سونے کی زنجیر اور انگلیوں میں قیمتی انگوٹھیاں بھی پہن

لیں...... اس کے بعد دونوں کوٹھڑی کی کھڑکی میں سے نکل کر خفیہ کمین گاہ کے جنگل میں سے گزرنے کے بعد بڑی سڑک پر آکر کسی ٹیکسی کا انتظار کرنے لگے وجے واڑہ بہت بڑا شہر تھا...... وہاں شہر کی تقریباً ہر سڑک پر ٹیکسی وغیرہ آسانی سے جاتی تھی، چنانچہ ایک خالی ٹیکسی دیکھ کر ہاشم نے اسے اشارہ کیا...... ٹیکسی ان کے قریب آکر رک گئی...... ہاشم خان آگے ڈرائیور کے ساتھ اور عمران پچھلی نشست بیٹھ گیا...... ہاشم یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ یہ میرے باس سیٹھ صاحب ہیں اور میں ان کا شوفر ہوں۔

ہاشم نے ٹیکسی ڈرائیور کو ایک خاص جگہ پر چلنے کو کہا...... اس جگہ اسے فلم کے نیگیٹوز دینے تھے...... کیمرے میں سے نیگیٹو نکال کر اس نے اس کا چھوٹا سا رول جیب میں رکھ لیا تھا...... گاڑی شہر کے ایک بارونق علاقے میں سے گزر رہی تھی...... ایک شاپنگ پلازہ کی بلند و بالا عمارت کے کونے میں ہاشم نے گاڑی رکوائی اور گردن موڑ کر عمران سے کہا۔

"سیٹھ جی! میں ایک منٹ میں آتا ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"زیادہ دیر نہ لگانا"۔

"ابھی آیا سر!"۔

یہ کہہ کر ہاشم خان گاڑی سے اتر کر شاپنگ پلازا میں داخل ہو گیا...... وہ فلم کا نیگیٹو دینے گیا تھا...... یہاں ان کا ایک خاص کاٹھیاواڑی مسلمان مجاہد تھا جس سے وہ اس قسم کی رازداری کا کام کروایا کرتے تھے...... عمران کو اس نے اس لئے سیٹھ صاحب کہہ کر مخاطب کیا تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور کو کسی قسم کا کوئی شک نہ پڑے...... نیگیٹو کی فلم دے کر واپس آگیا اور گاڑی فائیو سٹار ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئی...... فائیو سٹار ہوٹل کی پارکنگ میں ان کی گاڑی اسی طرح کھڑی تھی...... ٹیکسی کو انہوں نے ہوٹل کے باہر ہی

چھوڑ دیا تھا...... عمران نے کہا۔

"سکندر علی اوپر کمرے میں ہی ہو گا...... تم یہاں گاڑی میں ہی رہو...... میں سکندر کو نیچے بھیج دیتا ہوں...... تم نیچے ہی کھانا کھا لینا"۔

عمران اوپر کمرے میں آگیا...... سکندر علی اس کا انتظار کر رہا تھا...... عمران کو دیکھتے ہی بولا۔

"سر! مشن کیسا رہا؟"۔

عمران نے اسے ساری کہانی سنا دی اور کہا۔

"ہمیں پاتال کی نشانی والے جہاز کے تہہ خانے سے خفیہ کوڈ نمبر مل گیا...... اب خدا کرے کہ یہی کوڈ نمبر ہو"۔

سکندر علی نے پوچھا۔

"یہ کیسے ثابت ہو گا کہ یہی کوڈ نمبر اصلی کوڈ نمبر ہے؟"۔

عمران کہنے لگا۔

"ہم یہ نمبر یہاں سے بذریعہ خفیہ فیکس اوپر اپنی ہائی کمانڈ ایجنسی کو بھیج دیں گے...... اس کوڈ نمبر کے ساتھ ایٹمی میٹریل کے سلنڈروں کے اپنے سیریل نمبر بھی لکھے ہوئے تھے...... ہم وہ بھی کوڈ نمبر کے ساتھ ہی بھیجیں گے...... ان کی مدد سے ہائی کمانڈ کو فوراً علم ہو جائے گا کہ یہ کوڈ نمبر اصلی ہے یا نہیں"۔

سکندر علی بولا۔

"خدا کرے کہ یہ کوڈ نمبر اصلی ہو"۔

عمران نے کہا۔

"میرا تجربہ کہتا ہے کہ یہ نمبر اصلی ہی ہے، باقی اگر یہ نقلی نمبر نکلا تو ہمیں ایک بار اصلی نمبر کی تلاش کا کام شروع کرنا ہو گا...... ہم ہمت ہارنے والے نہیں ہیں اور ہم ہمت ہارنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہیں"۔

عمران نے نیچے سروس کو فون کر کے اوپر کھانا منگوالیا...... وہ دونوں مجاہد کھانا کھانے اور باتیں کرنے لگے...... کھانے کے بعد وہ کافی پی رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی...... عمران نے ریسیور اٹھایا...... دوسری طرف سے ٹیلی فون آپریٹر کی آواز آئی۔

"سر! آپ سیٹھ اگروال جی بول رہے ہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"ہاں...... میں ہی جی سی اگروال ہوں"۔

آپریٹر نے کہا۔

"سر! آپ سے راگنی مہرہ جی بات کریں گی"۔

عمران نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر دھیمی آواز میں سکندر علی سے کہا۔

"یہ کم بخت وہی رات والی دیوداسی ہے"۔

پھر اس نے ہاتھ ہٹا کر آپریٹر سے کہا۔

"بات کراؤ"۔

دوسرے لمحے دیوداسی راگنی مہرہ کی آواز آئی۔

"سر! جی سی اگروال جی بول رہے ہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"ہاں راگنی جی! میں اگروال آپ کا سیوک بول رہا ہوں...... کہیے...... کیسے ہماری یاد آگئی؟"۔

راگنی مہرہ نے فکر آمیز لہجے میں کہا۔

"سیٹھ جی! ہم تو آپ کو اسی دن سے یاد کر رہے ہیں جس دن آپ کے پہلی درشن ہوئے تھے...... آپ ہی نے ہمیں بھلا دیا ہے"۔

عمران نے بھی تکلفاً کہہ دیا۔

"ارے نہیں راگنی جی! ہم نے آپ کو کہاں بھلایا ہے"۔

اس نے کانتی لال کا وہ نام لے کر جو راگنی کو بتایا گیا تھا کہا۔

"ان کا کیا حال ہے...... مہاشے جی کیسے ہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہیں...... آپ نے پتہ نہیں ان پر کیا جادو کر دیا ہے کہ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں"۔

راگنی مہرہ نے کہا۔

"ہم تو صرف آپ کو یاد کرتے ہیں"۔

میں آج رات فارغ ہوں...... کہیں تو میں آجاؤں...... چائے کے ایک کپ پر باتیں کریں گے...... کچھ اپنا حال سنائیں گے...... کچھ آپ کا حال سنیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"آج رات ایک بزنس پارٹی کے ساتھ اپوائنٹ منٹ ہے...... ایسا کریں آپ اپنا نمبر مجھے لکھوا دیں...... اگر پارٹی وجے واڑہ کی فلائٹ نہ پکڑ سکی تو میں آپ کو بلوالوں گا"۔

راگنی نے کہا۔

"میرا نمبر لکھ لیجئے"۔

اور راگنی مہرہ نے اپنا نمبر عمران کو لکھوا دیا...... اس کے بعد فون بند کر کے عمران نے سکندر علی سے کہا۔

"اس مصیبت سے بھلا میں کیسے مل سکتا ہوں"۔

سکندر علی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"سر! مجھے اس عورت پر کچھ شک سا پڑ رہا ہے"۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" عمران نے پوچھا۔

سکندر بولا۔

"اس قسم کے پیشے سے جو عورتیں وابستہ ہوتی ہیں...... وہ صرف ایک رات کے لئے دوست بننے والوں کو بعد میں کبھی اس طرح یاد نہیں کیا کرتیں...... اس عورت نے آپ کو اور کانتی لال کو یاد ہی نہیں رکھا، بلکہ ٹیلی فون کر کے دوبارہ ملنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا ہے...... عام طور پر ایسی عورتیں اس قسم کا رویہ اختیار نہیں کرتیں...... اس طرح سے ان کے بزنس میں فرق پڑ جاتا ہے...... یہ عورتیں تو اپنے ملنے والوں کے آتش شوق کو اس طرح بھڑکاتی ہیں کہ وہ خود ان کو فون کرتے ہیں...... مجھے ایسے لگتا ہے کہ اس عورت راگنی مہرہ کے دل میں کچھ اور ہی ہے"۔

عمران ہنس پڑا۔

"ارے سکندر بھائی! تم بھی نوجوان ہو...... تمہیں اس قسم کے معاملات کا اتنا تجربہ نہیں ہے...... ایسی کوئی بات نہیں ہے...... ان عورتوں کا تو کاروبار ہی یہی ہے...... ویسے تمہارا تجسس دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی ہے...... تمہیں راگنی پر اتنا شک شبہ کرتے دیکھ کر مجھے اچھا لگا ہے...... ایک کمانڈو بلکہ خاص طور پر ایک جاسوس دوسرے پر جس قدر شک کرے وہ اتنی ہی ترقی کرتا ہے...... راگنی مہرہ کو بھول جاؤ"۔

سکندر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سر! آپ مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہیں...... مجھ سے سینئر ہیں...... ہو سکتا ہے آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"چلو مجھے چائے کی ایک اور پیالی بنا دو...... آج چائے بڑی تازہ تھی"۔

سکندر علی چائے بنا رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی...... عمران سمجھ گیا کہ یہ مراد خان ہی ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ دروازے پر تین بار دستک ہی دیتا تھا...... گھنٹی کبھی نہیں بجاتا تھا...... اس نے سکندر سے کہا۔

"چائے بعد میں بنانا پہلے دروازہ کھولو...... مراد خان آ گیا ہے"۔

سکندر نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا...... مراد خان گجرات کاٹھیاواڑ کے کاروباری سیٹھوں کے لباس میں داخل ہوا...... سکندر نے دروازہ بند کیا تو مراد خان نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا چھوٹا بریف کیس کافی ٹیبل پر رکھ دیا اور سکندر سے کہا......

"اب کوئی بھی آئے دروازہ مت کھولنا"۔

عمران نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر کہا۔

"میں کاؤنٹر پر بھی کہہ دیتا ہوں کہ مجھ سے کوئی ملنے آئے یا کوئی ٹیلی فون کال آئے تو اسے Later On کر دیں، میں ایک ضروری کاروباری میٹنگ میں بیٹھا ہوں"۔

عمران نے فون پر نیچے یہ پیغام دے دیا۔

اس دوران مراد خان نے بریف کیس کے ایک خانے سے فلم کے نیگیٹو کی بڑی انلارج کی ہوئی فوٹو نکال کر میز پر رکھ دی تھی۔

"ہمارے دوست نے بڑے اچھے پرنٹ نکالے ہیں...... یہ دیکھو...... میں نے اس کو درمیانے سائز پر بڑا بھی کروا لیا ہے...... اس کی چھ کاپیاں نکلوائی ہیں...... تین کاپیاں ہم اپنے پاس رکھیں گے اور تین اوپر ہائی کمانڈ کو بھجوا دیں گے"۔

عمران کہنے لگا۔

"کیا ہم اسے ہائی کمانڈ کو بذریعہ فیکس نہیں بھیج سکتے؟ میرا خیال ہے فیکس کا طریقہ محفوظ رہے گا"۔

مراد خان بولا۔

"یہ میٹریل بذریعہ فیکس بھیجنے کا میں خطرہ مول نہیں لے سکتا...... فیکس کے سگنلز کی چوری ہو سکتی ہے...... بھارت کی خفیہ ایجنسیاں فیکس سگنلز کو چیک کر سکتی ہیں...... یہ ہمارا ایک خاص آدمی خود لے کر جائے گا"۔

پھر وہ تصویروں کو دیکھنے لگے...... بالکل اصل کے مطابق تھیں، بلکہ اصل کے مقابلے میں زیادہ صاف اور واضح تھیں...... عمران نے پوچھا۔

"اس کے نیگیٹو کی ہمیں سخت حفاظت کرنی ہو گی"۔

مراد خان بولا۔

"نیگیٹو ہمارے فوٹو گرافر مجاہد کے پاس ہمیشہ محفوظ رہے گا...... ہم دس سال بعد بھی اس کو طلب کریں گے تو ہمیں مل جائے گا"۔

سکندر نے مراد خان کے لئے بھی چائے بنا دی تھی...... مراد خان نے تصویریں لفافے میں ڈال کر اپنے بریف کیس کے خفیہ خانے میں سنبھال کر لیں...... عمران نے مراد خان سے کہا۔

"میں اور سکندر علی یہی باتیں کر رہے تھے کہ خدا کرے یہ کوڈ نمبر وہی کوڈ نمبر ہو جو ہماری ہائی کمانڈ کو مطلوب ہے...... میرا خیال ہے اس نقشے میں جو ایٹمی میٹریل سلنڈروں کے آگے ان کے کیمیاوی تجزیئے کے نمبر لکھے ہوئے ہیں ان کی مدد سے کمانڈ کو فوراً علم ہو جائے گا کہ یہ کوڈ نمبر اصلی کوڈ نمبر ہے یا نہیں...... تمہارا کیا خیال مراد خان؟"۔

مراد خان کہنے لگا۔

"تمہارا خیال بالکل صحیح ہے...... نقشے میں جو سلنڈروں کے نمبر شمار کے ہندسے لکھے ہوئے ہیں وہ ان سلنڈروں میں موجود ایٹمی میٹریل کے کیمیاوی تجزیئے کے نمبر ہیں...... ان کی مدد سے ہمارے سائنس دانوں کو فوراً پتہ چل جائے گا کہ کوڈ نمبر جو نقشے کے نیچے لکھا ہوا ہے صحیح ہے یا نقلی نمبر ہے...... اگر سلنڈروں پر کیمیاوی نمبر نہ لکھے ہوتے تو ہمارے ہائی کمانڈ کے سائنس دانوں کو دقت پیش آ سکتی تھی...... اب ان کا کام آسان ہو جائے گا"۔

عمران نے پوچھا۔

"ہمیں اس کا علم کب تک ہو جائے گا کہ یہ خفیہ کوڈ نمبر اصلی ہے یا نہیں جب تک ہمیں اس نمبر کی حقیقت معلوم نہیں ہو جاتی ہم اپنے مشن کا آخری

اہم ترین مرحلہ یعنی پرانے لائٹ ہاؤس کی زیر زمین لیبارٹری کو اڑانے کا آپریشن شروع نہیں کر سکتے"۔

مراد خان چائے کا گھونٹ پینے کے بعد بولا۔

"اس کام میں کچھ نہیں تو ایک ہفتہ ضرور لگ جائے گا...... ہمارا جو آدمی یہ فوٹو کاپی لے کر جائے گا اسے کہیں ہوائی جہاز سے، کہیں ٹرین سے اور کہیں دشوار گزار جنگلاتی راستوں پر پیدل سفر کرنا پڑے گا...... بہر حال یہ ایک ہفتہ تو ہمیں بہر صورت انتظار کرنا ہی پڑے گا...... یہ دعا کرو کہ ایٹمی میٹریل کا یہ کوڈ نمبر اصلی ہو...... اس کے بعد پاکستان بھی بھارت کے نئے ایٹمی ہتھیار کا توڑ دریافت کرنے کے قابل ہو جائے گا"۔

سکندر علی نے کہا۔

"اگر یہ کوڈ نمبر اصلی نکل آتا ہے تو ہمارا ملک تو بھارت کے نئے ہتھیار کا دندان شکن جواب دے سکے گا...... پھر پرانے لائٹ ہاؤس والی لیبارٹری کو تباہ کرنے کی کیا ضرورت ہے...... بھارت اگر نیا ایٹمی راکٹ ایجاد کرتا ہے تو اسے کرنے دیں...... ہمارے پاس تو اس کا توڑ موجود ہو گا اور یہ بات بھارت کی خفیہ ایجنسی معلوم کرے گی کہ پاکستان نے ان کے نئے ہتھیار کا توڑ دریافت کر لیا ہے اور یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھارت پاکستان کے خلاف کبھی یہ ایٹمی راکٹ استعمال نہیں کرے گا"۔

مراد خان نے کہا۔

"اصولی طور پر تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن بھارت کو معلوم ہو بھی گیا کہ پاکستان نے اس کے ایٹمی راکٹ کا توڑ دریافت کر لیا ہے تو پھر بھی وہ یہ ایٹمی راکٹ ضرور بنائے گا...... لائٹ ہاؤس والی لیبارٹری کو تباہ کرنے کا فائدہ یہ ہو گا کہ اس تباہی کے ساتھ ہی فرانس سے منگوائے گئے ایٹمی میٹریل کے سارے سلنڈر بھی بھسم ہو جائیں گے اور بھارت کا نئے ایٹمی راکٹ کی تیاری کا کام کم از کم دو تین برس کے لئے کھٹائی میں پڑ جائے گا...... یعنی وہ کم از کم دو برس تک تو یہ ایٹمی راکٹ دوبارہ تیار نہیں

کر سکے گا اور آج کے جدید سائنسی دور میں ایٹمی اسلحے کی تیاری میں دو سال کا وقفہ
کوئی معمولی بات نہیں ہوتی...... اس دوران دوسرا ملک ایٹمی ٹیکنالوجی میں بہت
نکل سکتا ہے“۔

عمران نے سکندر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ خفیہ کوڈ نمبر معلوم کرنے کے علاوہ پرانے ا
ہاؤس کو اڑانا کس قدر ضروری ہے“۔

مراد خان نے کانتی لال کے بارے میں سکندر سے پوچھا کہ ان کی عدم مو
میں کانتی لال کا کوئی فون آیا تھا یا نہیں، جس کے جواب میں عمران نے کہا۔

”اس کا تو فون نہیں آیا تھا، مگر اس کی دیوداسی راگنی مہرہ کا تھوڑی دیر ہوا
آیا تھا“۔

مراد خان نے کسی قدر تعجب سے پوچھا۔

”اس نے کس سلسلے میں فون کیا تھا؟“۔

”اپنے دوست کانتی لال کا پوچھ رہی تھی“ عمران نے جواب دیا۔

”جب میں نے اسے کہا تو وہ تو یہاں نہیں ہے تو کہنے لگی سیٹھ جی آپ تو
ہیں...... کیا میں شام کو آجاؤں“۔

”پھر تم نے کیا جواب دیا؟“ مراد خان نے پوچھا۔

”یہی کہ ایک بزنس پارٹی مجھ سے ملنے شام کو آرہی ہے...... میں نہیں مل
گا“ عمران نے کہا۔

سکندر کہنے لگا۔

”سر! مجھے تو یہ عورت کچھ مشکوک لگتی ہے“۔

عمران نے سکندر علی کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”سکندر کا خیال ہے کہ اس عورت کا تعلق ممکن ہے بھارت کی کسی خ

“۔

مراد خان بولا۔

”اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا، لیکن ایسا ممکن نہیں لگتا، کیونکہ جس آدمی کے
ہم نے راگنی مہرہ کو یہاں بھجوایا تھا اس کے کہنے کے مطابق راگنی مہرہ ایک مدت
ں دھندے سے وابستہ ہے، لیکن بہرحال اس عورت سے خبردار رہنے کی
ت ہے“۔

عمران کہنے لگا۔

”میرا تو خیال ہے کہ اب ہمیں ہوٹل چھوڑ دینا چاہئے...... ہمارا یہاں اب کوئی
ں ہے“۔

مراد خان بولا۔

”میں سمجھتا ہوں کہ جب تک اپنے ہائی کمانڈ کی طرف سے خفیہ کوڈ نمبر کی
ہ نہیں ہو جاتی تمہیں ہوٹل میں ہی قیام کرنا چاہئے تاکہ تمہیں کانتی لال کی
میوں کے بارے میں علم ہوتا رہے، کیونکہ آج نہیں تو کل وہ تمہیں فون ضرور
گا...... اسے اعلیٰ ترین شراب اور راگنی مہرہ ایسی دیوداسی کے درشن صرف اسی
و سکتے ہیں“۔

سکندر علی نے کہا۔

”خفیہ کوڈ ہمارے ہاتھ آچکا ہے...... اب ہمیں کانتی لال کی سرگرمیوں پر نظر
کیا ضرورت ہے؟“۔

عمران بولا۔

”سکندر کا خیال درست ہے مراد خان...... ایسی بات بھی نہیں ہے کہ کانتی لال کو
ی طرح کا کوئی شک شبہ ہو، کیونکہ ہم نے تباہ شدہ جہاز میں ایسی کوئی شہادت یا
بھی چھوڑی جس سے کانتی لال کو یہ شک پڑے کہ اس کے خفیہ کوڈ والے اٹیچی

کیس کو کسی نے کھول کر دیکھا ہے"۔

مراد خان تفکرانہ انداز میں آہستہ آہستہ سر ہلا رہا تھا...... کہنے لگا۔

"یہ ساری باتیں اپنی جگہ پر درست ہیں...... اس کے باوجود ہمیں اس
کانتی لال پر نگاہ رکھنی ہو گی جب تک کہ ہائی کمانڈ تصدیق نہیں کر دیتا کہ ہمار
کوڈ نمبر بالکل صحیح پایا گیا ہے"۔

"جیسے تمہاری مرضی" عمران خان یہ کہہ کر خاموش ہو گیا...... مراد خا

"ہمارا کون سا یہاں خرچہ ہو رہا ہے...... ہم تو سارا کام جعلی کرنی
ہیں، جہاں اتنے دن بیٹھے ہو وہاں دو چار دن اور بیٹھے رہو...... جیسے ہی اوپر
ہوئی ہم بوریا بستر اٹھا کر یہاں سے غائب ہو جائیں گے"۔

مراد خان مزید تھوڑی دیر بیٹھ کر عمران سے باتیں کرتا رہا...... اس

"اب میں جاتا ہوں...... کل کسی وقت چکر لگا جاؤں گا...... آج رات
خاص آدمی کے ہاتھ فوٹو کاپی دے کر اسے بھی خفیہ طور پر روانہ کرنا
دوران اگر کانتی لال کا کوئی فون آیا تو مجھے ہاشم کے ذریعے اطلاع کر دینا"۔

"مراد خان چلا گیا...... عمران نے سکندر سے کہا۔

"میرا خیال ہے میں کچھ دیر آرام کر لوں...... تم یہیں بیٹھے رہنا
منگوا لینا...... کانتی لال کا کوئی فون آیا تو مجھے جگا دینا"۔

اس کے بعد عمران بیڈ روم میں جا کر لیٹ گیا۔

وہ شام تک سویا رہا...... اس کی آنکھ کھلی تو ڈرائنگ روم میں سے ٹی
گانے کے پروگرام کی آواز آ رہی تھی...... وہ اٹھ کر بیڈ روم سے باہر آ گیا
صوفے پر نیم دراز اخبار پڑھ رہا تھا...... عمران کو دیکھ کر اس نے اخبار ایک
دیا...... عمران نے پوچھا۔

"کانتی لال کا فون تو نہیں آیا تھا"۔

"بالکل نہیں" سکندر نے جواب دیا۔

عمران صوفے پر بیٹھ گیا...... سکندر کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے میں مراد خان کی طرف ایک چکر لگا آؤں"۔

"ضرور جاؤ...... میں ہوٹل میں ہی ہوں" عمران نے کہا۔

سکندر بولا۔

"میں گاڑی لے جاؤں گا...... ہاشم خان بھی میرے ساتھ ہو گا"۔

"ٹھیک ہے...... زیادہ دیر نہ لگانا" عمران نے کہا۔

سکندر علی چلا گیا۔



اس وقت شام ہو چکی تھی۔

عمران کچھ دیر تک اخبار پڑھتا رہا...... پھر اس نے چائے منگوائی اور ٹیلی
پروگرام دیکھنے لگا...... اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی...... عمران نے ریسیو
دوسری طرف سے دیوداسی راگنی مہرہ کی آواز آئی۔

"ہیلو سیٹھ جی! نمسکار"۔

"نمسکار" عمران نے اس کی آواز پہچان لی تھی۔

راگنی مہرہ نے کہا۔

"آپ اس وقت کیا کر رہے ہیں"۔

عمران نے یونہی کہہ دیا۔

"چائے پی رہا ہوں"۔

راگنی نے ہنس کر پوچھا۔

"کس کے پاس بیٹھ کر چائے پی رہے ہیں؟"۔

عمران نے جواب دیا۔

"اپنے ساتھ ہی بیٹھا ہوں"۔

"راگنی بولی۔

"چائے تو میں بھی پیوں گی...... میں آ رہی ہوں"۔

عمران اسے کوئی بہانہ بنانے ہی والا تھا کہ راگنی نے فون بند کر دیا...... پانچ منٹ
بعد دروازے کی گھنٹی بجی...... عمران نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے راگنی کھڑی
...... حسب معمول وہ خوبصورت اور نیم عریاں لباس میں تھی...... اس نے عمران
گال پر بوسہ دیا اور کہنے لگی۔

"میں ادھر سے گزر رہی تھی کہ آپ سے ملنے کو بہت دل چاہا...... کاؤنٹر سے
ن کیا اور اب آپ کے سامنے بیٹھی ہوں"۔

عمران کو اس کا آنا ناگوار گزرا تھا، مگر اس نے ظاہر نہ ہونے دیا۔

اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا...... راگنی نے بڑا گہرا میک اپ کیا ہوا تھا
خوب پرفیوم لگا رکھا تھا، عمران نے ریموٹ کا بٹن دبا کر ٹی وی بند کر دیا اور کہنے لگا۔

"جگدیش رائے جی تو اس دن سے غائب ہیں...... ویسے ایک دو بار فون کر کے
ہارا پوچھ لیا تھا"۔

عمران نے راگنی مہرہ کو کانتی لال کا یہی نام بتایا تھا۔

راگنی نے سگریٹ سلگانے کے بعد کہا۔

"جگدیش جی کی بات نہ کریں...... اس وقت تو میں صرف آپ سے ملنے آئی
ں"۔

اور وہ عمران کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی...... عمران نے کہا۔

"ارے دیوی جی! ہم تو برہمچاری قسم کے لوگ ہیں...... ہم سے مل کر کیا کریں
"۔

"مجھے تو آپ میں برہمچاریوں والی کوئی بات دکھائی نہیں دیتی"۔

عمران کسی طرح اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا لیکن وہ لگتا تھا کہ کافی دیر تک بیٹھنے
ے لئے آئی ہے...... عمران نے بے دلی سے یونہی تکلفاً پوچھا۔

"تمہارے لئے چائے منگواؤں؟"۔

راگنی مہرہ نے ایک خاص ادا کے ساتھ گردن ایک طرف کر کے کہا۔

"منگوا لیجئے چائے...... ویسے یہ وقت تو دیوتا دیویوں کے سوم رس پینے کا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں یہ چیزیں بالکل نہیں پیتا"۔

اور اس نے سروس کو فون کر کے چائے کا آرڈر دے دیا...... راگنی مہرہ ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی...... پھر گہرا سانس لینے کے بعد بولی۔

"سیٹھ جی! آپ میرے مہربان ہیں...... آپ نے میرے ساتھ اچھا سلوک ہے"۔

عمران نے کہا۔

"بھئی تمہاری سیوا تو ہمارا فرض تھا"۔

کچھ دیر کے بعد چائے آ گئی...... راگنی چائے بناتے ہوئے کہنے لگی۔

"آپ کا وجے واڑہ میں ابھی اور کتنے دن ٹھہرنے کا پروگرام ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"بزنس کے سلسلے میں مختلف پارٹیوں سے مل رہا ہوں، ہو سکتا ہے ابھی کچھ دن لگ جائیں"۔

راگنی کہنے لگی۔

"دراصل میں آپ کو اپنے ہاں ڈنر دینا چاہتی ہوں...... میری سہیلیاں آپ سے ملنے کی خواہش مند ہیں...... ایسا کرتے ہیں، آپ کل رات کا کھانا میرے ہاں کھائیں...... فکر نہ کریں...... میں آپ کو سوم رس بالکل نہیں پلاؤں گی"۔

عمران نے فوراً کہا۔

"راگنی جی! آپ کا بہت بہت شکریہ۔ لیکن کل میرے پاس ایک پارٹی ہے...... ان کو ٹائم دیا ہوا ہے"۔

راگنی بولی۔

"تو پھر پرسوں شام کا وقت رکھ لیتے ہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"آئی ایم سوری راگنی جی! بات اصل میں یہ ہے کہ میں یہ سارا ہفتہ بہت ہی مصروف ہوں...... آپ ایسا کریں، اگلے ہفتے کوئی بھی دن رکھ لیں...... اگلے ہفتے میں بالکل فارغ ہوں"۔

راگنی مایوسی کے ساتھ بولی۔

"ٹھیک ہے اگروال جی! اگلے ہفتے سہی...... لیکن اگلے ہفتے میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی"۔

"بالکل نہیں...... بالکل نہیں" عمران نے کہا۔

راگنی نے عمران کے بزنس کے بارے میں باتیں شروع کر دیں، کہنے لگی۔

"اگروال جی! وجے واڑہ میں آپ کے بزنس کا کافی سکوپ ہے...... یہاں آپ نے آٹو مینوفیکچرنگ پلانٹ لگایا تو آپ کو بہت فائدہ ہو گا"۔

عمران بولا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں...... کل ایک پارٹی اس سلسلے میں آ رہی ہے...... اگر ان سے بزنس طے ہو گیا تو کام شروع کر دیں گے"۔

راگنی نے اچانک موضوع بدل کر پوچھا۔

"اگروال جی! آپ امرتسر کے رہنے والے ہیں ناں؟"۔

"بالکل امرتسر کا رہنے والا ہوں" عمران نے کہا "کیوں...... تمہیں کوئی شک ہے"۔

راگنی ہنس پڑی۔

"نہیں نہیں سیٹھ جی! مجھے بھلا کوئی شک کیوں ہونے لگا...... میں نے تو اس لئے پوچھا ہے کہ میں بھی امرتسر کی رہنے والی ہوں"۔

"اچھا!" عمران نے خوش ہو کر کہا۔

راگنی نے کہا۔

"جی ہاں! ہمارا پرانا گھر بازار درشنی ڈیوڑھی میں تھا...... آپ کا مکان کس محلے میں ہے؟"۔

عمران کو امرتسر کے چند ایک محلوں کے نام ہی یاد تھے...... اس کے ذہن میں ایک محلے کا نام آیا...... اس نے کہہ دیا۔

"ہمارا گھر سنگھ پورے میں ہے"۔

یاد رہے کہ امرتسر میں قیام پاکستان سے پہلے شہر کے مشرق میں کمپنی باغ کے قریب امرتسری مسلمانوں کی ایک بہت بڑی کالونی تھی جس کا نام شریف پورہ تھا۔ جب پاکستان بننے کے بعد شریف پورے کے سارے مسلمان امرتسر کے دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ ہجرت کر کے پاکستان آگئے تو شریف پورے میں سکھ شرنارتھی آباد ہو گئے اور انہوں نے اس کا نام سنگھ پورہ رکھ دیا...... عمران نے یہ سب کچھ سن رکھا تھا...... راگنی نے خوش ہو کر کہا۔

"ارے واہ! سنگھ پورہ کے رانی بازار میں تو میری بڑی بہن کا مکان بھی ہے۔ آپ کا گھر سنگھ پورے کے کون سے بازار میں ہے؟"۔

عمران کو بھی رانی بازار کا نام ہی یاد تھا...... دوسرے کسی بازار کا نام یاد نہیں تھا۔ اتنا اسے معلوم تھا کہ شریف پورے کے پیچھے سے ریلوے لائن گزرتی تھی...... اس نے کہہ دیا۔

"بازار کا نام بڑا عجیب سا تھا...... مسلمانوں والا نام تھا اتنا یاد ہے کہ ہمارے گھر کے پیچھے سے ریل گاڑیاں گزرتی ہیں...... اصل میں مجھے امرتسر سے نکلے کئی سال ہو گئے ہیں...... میں زیادہ تر دلی اور کان پور میں ہی رہتا ہوں...... ان دونوں جگہوں پر ہمارے آفس ہیں"۔

راگنی کہنے لگی۔

"یہاں آپ کون سی بزنس پارٹی سے معاملے طے کر رہے ہیں؟"۔

اس سے عمران کو شک ہوا کہ یہ عورت اس کے کاروبار کے بارے میں اتنا کرید کرید کر کیوں پوچھ رہی ہے...... اس نے کہا۔

"مجھ سے اس پارٹی کی فون پر ہی بات ہوئی ہے...... کل پتہ چلے گا کہ یہ پارٹی کیسی ہے مگر راگنی جی آپ کیوں پوچھ رہی ہیں، کیا آپ بھی کوئی بزنس کرنا چاہتی ہیں؟"۔

راگنی ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی...... کہنے لگی۔

"ارے نہیں سیٹھ جی! میں جو بزنس کر رہی ہوں میرے لئے وہی کافی ہے"۔

پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی...... کہنے لگی۔

"اچھا! اب میں چلتی ہوں...... میں پرسوں آپ کو فون کروں گی...... اگلے ہفتے میرے ہاں ڈنر پر آنے کی آپ کو کوئی ڈیٹ ضرور دینی ہو گی...... ہاں میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی"۔

عمران بھی اٹھ کھڑا ہوا، کہنے لگا۔

"ارے نہیں...... شریمتی جی! اگلے ہفتے میں آپ کے ہاں ضرور آؤں گا"۔

راگنی مہرہ نے آگے بڑھ کر عمران کے رخسار پر ہلکا سا بوسہ دیا اور بائی بائی کرتی کمرے سے نکل گئی...... عمران نے دروازہ بند کر دیا اور صوفے پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ یہ عورت کیوں آئی تھی اور اس کے بزنس کے بارے میں اتنا کرید کر کیوں پوچھ رہی تھی...... بہر حال اسے معلوم تھا کہ اسے راگنی سے نہیں ملنا، کیونکہ تین چار دنوں کے بعد وہ ہوٹل چھوڑ رہا تھا...... راگنی کے جانے کے کوئی ایک گھنٹے بعد سکندر آ گیا...... اس نے آتے ہی عمران سے پوچھا۔

"وہ دیوداسی آئی تھی؟"۔

عمران نے کہا۔

"ہاں...... مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"۔

سکندر عمران کے سامنے بیٹھ گیا، کہنے لگا۔

"مجھے کاؤنٹر گرل نے بتایا ہے...... میں نے اوپر آتے ہوئے یونہی کاؤنٹر گرل سے پوچھ لیا کہ جی سی اگروال جی سے ملنے کوئی پارٹی تو نہیں آئی یا کسی پارٹی کا فون تو نہیں آیا...... یہ میں کبھی کبھی اوپر آتے وقت کاؤنٹر پر پوچھ لیا کرتا ہوں...... مجھے کاؤنٹر گرل نے بتایا کہ مس راگنی مہرہ سیٹھ صاحب سے ملنے آئی تھیں...... میں نے پوچھ لیا...... کیا وہ اکیلی تھی...... اس پر کاؤنٹر گرل نے بتایا کہ اس کے ساتھ ایک آدمی بھی تھا جو نیچے ہوٹل کی لابی میں بیٹھا رہا تھا اور جب راگنی جی سیٹھ صاحب سے مل کر واپس آئی تھیں تو دونوں کچھ دیر لابی میں بیٹھے آپس میں باتیں کرتے رہے تھے...... پھر اٹھ کر چلے گئے تھے"۔

عمران کہنے لگا۔

"کمال ہے سکندر! کاؤنٹر گرل نے اتنی باتیں تمہیں کیسے بتا دیں؟"۔

سکندر علی بولا۔

"میں نے اس سے تھوڑی دوستی ڈال رکھی ہے...... یہ بہت ضروری ہے...... اسی وجہ سے اس نے مجھے راگنی مہرہ کی نقل و حرکت کے بارے میں پوری تفصیل بتا دی ہے...... وہ کیا کرنے آئی تھی؟"۔

عمران نے کہا۔

"لگتا ہے وہ مجھ سے بہت کچھ پوچھنے اور میرے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کرنے آئی تھی...... اس نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ میں پیچھے کون سے شہر کا رہنے والا ہوں اور یہاں کس پارٹی سے بزنس کی بات کر رہا ہوں"۔

سکندر علی کہنے لگا۔

"سر! مجھے تو اس عورت پر پہلے ہی شک تھا...... اب یقین ہو گیا ہے کہ وہ یہاں کی

خفیہ پولیس کے لئے بھی کام کرتی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو...... اگر اس کا تعلق کسی خفیہ ایجنسی سے بھی ہے...... پھر بھی وہ مجھ سے کچھ حاصل نہیں کر سکے گی اور پھر ہم یہاں زیادہ سے زیادہ چار دن مزید ٹھہریں گے...... اس دوران ہمیں ہائی کمانڈ کی تصدیق معلوم ہو جائے گی اور ہم بوریا بستر لپیٹ کر یہاں سے غائب ہو جائیں گے، سکندر علی کہنے لگا۔

"پھر بھی سر ہمیں بے حد محتاط رہنے کی ضرورت ہے...... اس کی ایک خاص وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ گنتور کا پرانا لائٹ ہاؤس یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے اور اس پرانے لائٹ ہاؤس میں بھارت سرکار خفیہ طور پر ایک انتہائی اہم ایٹمی مشن پر کام شروع کرنے والی ہے اور اس ایٹمی مشن کی سکیورٹی کی خاطر یہاں بھی سی آئی ڈی والوں کا جال پھیلا دیا ہو گا، کیونکہ پرانے لائٹ ہاؤس کے قریب ہی یہ شہر ہے"۔

عمران بولا۔

"مجھے صورت حال کی نزاکت کا پورا پورا احساس ہے سکندر علی! ہم اپنی طرف سے ایسی کوئی حرکت نہیں کریں گے جس سے کسی کو ہم پر شک پڑ سکے...... تم یہ بتاؤ کہ مراد خان سے ملاقات ہوئی؟"۔

سکندر نے کہا۔

"ہاں سر! مراد خان نے بتایا ہے کہ ان کا خاص آدمی ایٹمی میٹریل کے خفیہ کوڈ نمبر کی فوٹو کاپی لے کر آج رات روانہ ہو رہا ہے"۔

عمران کہنے لگا۔

"اس صورت میں ہمیں کم از کم مزید چار دن اس ہوٹل میں رکنا پڑے گا"۔

سکندر علی بولا۔

"سر! میرا تو خیال ہے کہ ہمیں یہ ہوٹل چھوڑ دینا چاہئے...... مجھے ایسا لگ رہا ہے

کہ ہم یہاں کی سی آئی ڈی کی نگاہوں میں آ گئے ہیں“۔

عمران متفکر سا ہو کر کہنے لگا۔

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں...... اب ہمیں کانتی لال سے کیا سروکار جو اس کے فون کا انتظار کرنے کے لئے یہاں بیٹھے رہیں...... ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہئے...... میں مراد خان سے بات کرتا ہوں“۔

”ضرور کریں“ سکندر نے کہا...... ”مراد خان جی کل کسی وقت آئیں گے...... بات یہ ہے سر کہ ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ کسی قسم کا خطرہ مول لیں“۔

”تم ٹھیک سوچ رہے ہو سکندر“ عمران نے جواب میں کہا۔

وہ رات گزر گئی۔

دوسرے دن دس بجے کے قریب مراد خان آ گیا...... سکندر علی اس کے ہمراہ تھا...... اس نے مراد خان کو راگنی مہرہ کے ہوٹل میں آنے کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا تھا...... مراد خان خاموشی سے بیٹھ گیا...... سکندر علی نے دروازہ لاک کر دیا تھا...... وہ عمران سے کہنے لگا۔

”مجھے سکندر نے ساری باتیں بتا دی ہیں...... اب مجھے بھی راگنی مہرہ پر کچھ شک پڑ گیا ہے“۔

عمران بولا۔

”تو پھر ہم کس بات کا انتظار کر رہے ہیں...... میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں آج ہی ہوٹل چھوڑ دینا چاہئے“۔

مراد خان کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اس کے ذہن میں متضاد قسم کے خیالات آ رہے ہیں کہنے لگا۔

”میں یہی سوچ کر ہوٹل میں بیٹھا تھا کہ کانتی لال کے بریف کیس سے حاصل کئے ہوئے خفیہ کوڈ نمبر کی تصدیق اوپر ہائی کمانڈ سے آ جاتی تو ہم یہاں سے غائب

ہو جاتے...... اگر فرض کر لیا ہائی کمانڈ سے ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ جو خفیہ کوڈ نمبر ہم نے انہیں بھیجا ہے وہ نقلی ہے اور اس کا دنیا کے کسی ایٹمی فارمولے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ مخالف پارٹی کو محض گمراہ کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں ہمیں ایک بار پھر کانتی لال کو پکڑنا ہو گا اور کوئی نیا منصوبہ تیار کرنا ہو گا تاکہ اس سے کوڈ نمبر معلوم کیا جا سکے، کیونکہ یہاں سے چلے جانے کے بعد کانتی لال کا ملنا مشکل ہو جائے گا“۔

سکندر کہنے لگا۔

”مشکل کیوں ہو گا سر! ہم اسے کیسر بائی کے فلیٹ پر پکڑ سکتے ہیں...... وہاں تو وہ آتا جاتا ہی ہے“۔

مراد خان بولا۔

”یہ میں بھی جانتا ہوں کہ ہم کیسر بائی کے ہاں اس سے دوبارہ ملاقات کر سکتے ہیں، لیکن وہاں ہمیں ایک نیا جال بچھانا پڑے گا، جبکہ یہاں ہم نے پہلے ہی سے جال بچھا رکھا ہے...... یہاں ہم اسے آسانی سے پھانس سکتے ہیں“۔

عمران نے کہا۔

”لیکن مراد خان! یہاں صورت حال خطرناک بھی تو ہو گئی ہے...... اگر اس دوران پولیس ہوٹل میں آ گئی اور اس نے ہم سے پوچھ گچھ شروع کر دی تو معاملہ بگڑ سکتا ہے“۔

مراد خان کہنے لگا۔

”تم بھی ٹھیک کہتے ہو...... پھر ایسا کرتے ہیں کل کا دن دیکھ لیتے ہیں...... اس دوران اگر کانتی لال کا فون آ گیا تو تم اسے کہہ دینا کہ مجھے کاروباری سلسلے میں اچانک جانا پڑ گیا ہے...... تین دن بعد واپس آ جاؤں گا...... اس دوران ہمیں ہائی کمانڈ سے کوڈ نمبر کے بارے میں اطلاع مل جائے گی...... کیا خیال ہے؟“۔

عمران نے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی...... کل کا دن دیکھ لیتے ہیں...... پرسوں ہوٹل چھوڑ دیں گے"۔

جب یہ طے ہو گیا کہ وہ صرف کل کا دن ہی ہوٹل میں ٹھہریں گے اور پرسوں صبح سویرے ہوٹل سے اپنی خفیہ کمیں گاہ میں چلے جائیں گے تو مراد خان چلا گیا...... اس کے بعد سکندر اور ہاشم خان اور عمران نے مل کر کمرے میں ہی کھانا کھایا...... ہاشم خان کھانے کے بعد نیچے چلا گیا...... سکندر علی بھی یہ کہہ کر ہاشم خان کے ساتھ ہی نیچے چلا گیا کہ اسے شہر میں ایک آدھ گھنٹے کا کام ہے وہاں جا رہا ہے۔

عمران کمرے میں اکیلا رہ گیا...... اس وقت رات کے نو بجنے میں دس منٹ رہ گئے تھے...... عمران نے سلک کا ریشمی کرتا پاجامہ اتار کر کھدر کا کرتا پاجامہ پہن لیا...... اس کا خیال تھا کہ وہ بھی آج جلدی سو جائے گا...... سکندر علی کے پاس ڈپلی کیٹ چابی تو ہوتی ہی ہے...... آئے گا تو وہ بھی دوسرے بیڈ روم میں جا کر سو جائے گا۔

عمران ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ٹی وی کی خبریں سننے لگا...... اتنے میں دروازے کی گھنٹی بجی...... وہ سمجھا کہ ہاشم خان کسی کام سے آیا ہے...... اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے راگنی مہرہ کھڑی مسکرا رہی تھی...... اس نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور بولی۔

"اگروال جی! آپ کا کوئی مہمان تو نہیں اندر بیٹھا؟ کیا میں آ جاؤں"۔

راگنی مہرہ نے آج معمول سے زیادہ ہی میک اپ کیا ہوا تھا اور وہ بہت حسین لگ رہی تھی...... صوفے پر بیٹھ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے بولی۔

"آئی ایم سوری اگروال جی! لیکن آج آپ سے ملنے کو میرا بہت ہی من چاہ رہا تھا، بس مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا اور میں بے اختیار آپ کے پاس چلی آئی ہوں آپ کو برا تو نہیں لگا؟

عمران نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں راگنی جی! بالکل برا نہیں لگا...... آپ کے لئے کیا منگواؤں؟"۔

راگنی مہرہ نے اپنے پرس میں سے ولایتی شراب کی چھوٹی بوتل نکالتے ہوئے کہا۔

"میں اپنے پینے کا سامان ساتھ لے کر آئی ہوں...... آج میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کے پاس بیٹھ کر پیوں اور میرے اور آپ کے سوا کمرے میں اور کوئی نہ ہو"۔

عمران سوچنے لگا کہ اس بلا سے کیونکر چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے...... وہ سوچ ہی رہا تھا کہ راگنی نے ٹیبل پر پڑے ہوئے گلاس میں سوم رس ڈال کر جگ میں سے اس میں پانی ڈالا اور اس کے دیکھتے دیکھتے آدھا گلاس چڑھا گئی...... اب اس نے حسب عادت باتیں شروع کر دیں...... آج وہ کچھ زیادہ ہی باتیں کر رہی تھی...... ایک بات ختم ہوئی تو دوسری شروع کر دیتی...... عمران سامنے بیٹھا سخت بور ہو رہا تھا اور صرف ہوں ہاں کرتا جاتا تھا...... راگنی مہرہ نے خود ہی نیچے سروس والوں کو فون کر کے اپنے لئے چکن سینڈوچز منگوا لئے...... سینڈوچز آ گئے تو وہ مزے لے لے کر کھانے لگی...... عمران نے محسوس کیا کہ آج اس کے تیور کچھ بدلے ہوئے تھے...... اسے وہاں آئے آدھا گھنٹہ گزر گیا تھا مگر اس دوران اس نے شراب کا صرف آدھا گلاس ہی پیا تھا...... عمران کو آخر ایک ترکیب سوجھی...... اس نے راگنی سے کہا۔

"راگنی جی! مجھے یاد آ گیا ہے...... مجھے آج ساڑھے دس بجے ایک ضروری جگہ جانا ہے...... مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے معاف کر دیں گی"۔

راگنی مہرہ نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مگر اگروال جی! ابھی تو ساڑھے دس نہیں بجے...... پندرہ منٹ رہتے ہیں...... بس مجھے پندرہ منٹ اور بیٹھنے کی اجازت دے دیں...... اس کے بعد میں چلی جاؤں گی"۔

عمران نے سوچا کہ چلو دس منٹ بعد اس مصیبت سے چھٹکارا مل جائے گا...... ایک تو عمران کو راگنی مہرہ سے ویسے ہی کوئی دلچسپی نہیں تھی...... دوسرے ان لوگوں کو اس پر شک پڑ چکا تھا کہ اس کا تعلق سی آئی ڈی یا بھارت کے کسی دوسرے سرکاری خفیہ

ادارے سے ہے...... وہ دس منٹ گزرنے کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔

ٹھیک اسی وقت ہوٹل کے پورچ میں پولیس کی دو گاڑیاں داخل ہوئیں...... تیزی سے داخل ہو کر رکیں...... ان میں سے دو پولیس سارجنٹ اور سات آٹھ کانسٹیبل جو مسلح تھے نکلے اور ہوٹل کی لابی میں گھس گئے...... سکندر علی اس وقت ہاشم کے ساتھ اپنی گاڑی میں بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا...... وہ ابھی ابھی شہر سے واپس آئے تھے اور سکندر علی ہاشم کے پاس بیٹھ کر سگریٹ پینے کے لئے رک گیا تھا، کیونکہ وہ مراد خان اور عمران کے سامنے سگریٹ نہیں پیتا تھا۔

گاڑی میں سے ان کو ہوٹل کا پورچ کچھ فاصلے پر صاف دکھائی دے رہا تھا...... انہوں نے پولیس کی گاڑیاں اور ان میں سے پولیس کی گارد اترتے دیکھی تو سکندر علی نے کہا۔

”یہ پولیس کس لئے آئی ہے“۔

ہاشم خان نے کہا۔

”کسی کام سے آئی ہوگی...... ہو سکتا ہے ہوٹل میں کوئی وی آئی پی ٹائپ کی شخصیت یا کوئی لیڈر ٹھہرنے کے لئے آرہا ہو اور پولیس اس کی سکیورٹی کا انتظام کرنے آئی ہو“۔

سکندر علی بولا۔

”ہاں! یہی ہو سکتا ہے“۔

سکندر علی بولا۔

اب ہم واپس اوپر عمران یعنی سیٹھ اگروال کے کمرے میں جاتے ہیں...... اس وقت عمران سخت بوریت کی حالت میں صوفے کے کونے میں سر پکڑ کر بیٹھا تھا اور اس کے سامنے صوفے پر بیٹھی ہوئی راگنی مہرہ نے کوئی لمبی کہانی چھیڑ رکھی تھی...... اسی میں دروازے کی گھنٹی بجی...... عمران سمجھا کہ سکندر علی آیا ہوگا...... اس نے وہیں

بلند کر کے کہا۔

”اندر آجاؤ دروازہ لاک نہیں ہے“۔

ایک دم سے دروازہ کھلا اور دو سارجنٹ اور چھ سات پولیس کے سپاہی اندر داخل ہوئے...... دو سپاہیوں کے ہاتھوں میں سٹین گنیں تھیں...... انہوں نے ان کا رخ عمران کی طرف کر دیا اور کھڑے ہو گئے...... ایک سارجنٹ کے ہاتھ مین ریوالور تھا...... وہ ان کے سر کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا...... دوسرے سارجنٹ کے ہاتھ میں بید تھا...... اس دوران راگنی مہرہ خاموشی سے پرس اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی...... عمران سب کچھ سمجھ گیا تھا کہ اس کی گرفتاری کے لئے یہ جال بچھایا گیا تھا۔

وہ یہ بھی سمجھ گیا کہ اب وہ بھاگ نہیں سکتا اور پوری طرح سے پھنس چکا ہے...... ایک سیکنڈ میں اس نے سوچا کہ اس کے بیڈ روم میں کوئی قابل اعتراض شے تو نہیں ہے...... مثلاً کمانڈو چاقو...... پستول یا جاسوسی کیمرہ...... اس کے پاس ان تینوں چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں تھا...... اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ سارجنٹ سے کہا۔

”سارجنٹ! شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے...... یہ وہ کمرہ نہیں ہے جہاں آپ کو جانا چاہئے تھا“۔

سارجنٹ عمران کے سامنے میز پر بیٹھ گیا...... اس نے کہا۔

”ہم صحیح کمرے میں آئے ہیں...... آپ کا نام کیا ہے؟“۔

عمران نے کہا۔

”میرا نام گوپی چند اگروال ہے اور میں آٹو سپیئر پارٹس کا ڈیلر ہوں“۔

”اس کا مطلب ہوا کہ آپ ہندو ہیں“۔

عمران فوراً سمجھ گیا کہ یہ لوگ ساری تحقیق کر کے آئے ہیں اور انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ میں ہندو نہیں ہوں بلکہ مسلمان ہوں، مگر اب عمران اپنی زبانی اعتراف کر چکا تھا کہ وہ ہندو ہے...... اب وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں مسلمان ہوں...... ویسے

بھی وہ ہندو گوپی چند اگروال کے نام سے ہی ہوٹل میں مقیم تھا...... عمران نے سارجنٹ سے پوچھا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"۔

سارجنٹ نے کہا۔

"ہم آپ کو پولیس سٹیشن لے جانے کے لئے آئے ہیں"۔

"آپ مجھے کس جرم میں گرفتار کر رہے ہیں؟"

سارجنٹ نے کہا۔

"آپ پاکستان کے جاسوس ہیں اور ہوٹل میں ہندو کے فرضی نام سے ٹھہرے ہوئے ہیں"۔

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں پاکستانی جاسوس ہوں؟" عمران نے کہا۔

سارجنٹ نے کہا۔

"ثبوت آپ کو تھانے میں چل کر بتا دیا جائے گا"۔

اس نے اپنے قریب کھڑے کانسٹیبل کو اشارہ کیا۔

"اسے گرفتار کر کے لے چلو"۔

عمران نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے...... آپ غلطی کر رہے ہیں...... میں مسلمان ضرور ہوں، لیکن میں نے محض کاروباری مصلحت کی وجہ سے اپنے آپ کو یہاں ہندو ظاہر کیا ہوا ہے...... میرے دوست سرکار کے بڑے بڑے افسر ہیں...... آپ کو بعد میں پچھتانا پڑے گا"۔

سارجنٹ نے عمران کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور دوسرے سارجنٹ کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا...... کانسٹیبل نے اسی وقت عمران کو ہتھکڑی لگا دی اور اسے گرفتار کر کے باہر لے آیا۔

سکندر علی پارکنگ میں ہاشم کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ اچانک

اس کی نظر ہوٹل کے پورچ کی طرف گئی جہاں پولیس کی گاڑیاں کھڑی تھیں...... اس نے دیکھا کہ سپاہی عمران کو لئے چلے آ رہے ہیں...... عمران کو ہتھکڑی لگی ہوئی ہے......

یہ منظر ہاشم خان نے بھی دیکھ لیا تھا...... وہ بولا۔

"سکندر! یہ کیا دیکھ رہا ہوں میں؟"۔

سکندر نے نیم مردہ سی آواز میں کہا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا...... اب خاموش بیٹھے رہو"۔

"عمران کو پولیس نے پکڑ لیا ہے...... یہ سب کیسے ہو گیا؟" ہاشم بولا۔

سکندر نے سر کو ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ مجھے اس طوائف راگنی مہرہ پر شک ہے...... یہ ساری مخبری اسی نے کی ہے"۔

"اب کیا کریں؟" ہاشم نے پوچھا۔

سکندر بولا۔

"ابھی تو اسی جگہ خاموشی سے بیٹھے رہو...... نہیں تو ہم بھی پکڑ لئے جائیں گے"۔

پولیس نے عمران کو ایک گاڑی میں سوار کرایا...... باقی سپاہی بھی گاڑیوں میں بیٹھ گئے اور گاڑیاں تیزی سے ہوٹل کے گیٹ سے باہر نکل گئیں...... سکندر علی بولا۔

"ہمارا راز فاش ہو گیا ہے...... ہمیں ایک سیکنڈ کے لئے بھی یہاں نہیں رکنا چاہئے...... گاڑی نکالو"۔

ہاشم نے اسی وقت انجن سٹارٹ کیا اور تیزی سے گاڑی کو پارکنگ کے علاقے سے نکال کر ہوٹل کے باہر سڑک پر لے آیا...... سکندر علی نے کہا۔

"پولیس کی گاڑیاں جس طرف گئی ہیں، اسی طرف چلو...... کم از کم یہ تو معلوم ہو جائے کہ عمران کو کون سے تھانے میں لے جایا گیا ہے"۔

پولیس کی گاڑیاں کشادہ سڑک پر ابھی زیادہ دور نہیں گئی تھیں...... ان کے اوپر

گھومنے والی سرخ اور نیلی روشنی ان کی دور ہی سے نشان دہی کر رہی تھی...... ہاشم
ان کے پیچھے اپنی گاڑی ڈال دی...... سڑک پر دوسری گاڑیاں بھی جا رہی تھیں
پولیس کی دونوں گاڑیاں ہاشم خان اور سکندر کو صاف نظر آ رہی تھیں...... انہوں
تعاقب جاری رکھا...... ہاشم خان اور سکندر اسی شہر کے رہنے والے تھے...... ہاشم
کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے عمران کو نیام پلی کے پولیس ہیڈ کوارٹر لے جایا جا رہا ہے"۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا" سکندر علی بولا۔

اس کی نظریں ڈیڑھ دو سو گز کے فاصلے پر جاتی پولیس گاڑیوں کی نیلی
روشنیوں پر جمی ہوئی تھیں...... پولیس کی گاڑیاں مختلف سڑکوں پر سے ہوتی ہو
ایک دو منزلہ پرانی عمارت کے احاطے میں داخل ہو گئی...... ہاشم اس عمارت کے آ
سے گاڑی نکال کر آگے لے گیا، کہنے لگا۔

"میرا انداز درست تھا...... یہ نیام پلی پولیس ہیڈ کوارٹر ہے...... اب
کریں...... ہوٹل میں واپس جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

سکندر نے کہا۔

"فوراً اپنے ہائیڈ آؤٹ کی طرف چلو...... اس حادثے کی خبر مراد خان کو
بہت ضروری ہے"۔

ہاشم خان نے ایک چوک میں سے گاڑی کو موڑا اور اس سڑک پر ڈال دیا جو
کے جنوب کی طرف جاتی تھی...... سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں تھی...... ہاشم کافی
سے گاڑی چلا رہا تھا...... وہ شہر سے باہر نکل آئے تھے اور ویران علاقہ شروع
تھا...... پندرہ بیس منٹ کے بعد وہ اس چھوٹے سے پہاڑی جنگل میں داخل ہو گئے
کے ایک ٹیلے کے دامن میں ان کی خفیہ کمیں گاہ تھی...... ہاشم خان نے گاڑی اندھ
میں ایک جگہ کھڑی کر دی اور دونوں تیز تیز جھاڑیوں اور درختوں میں سے ہو

ہوئے اس تنگ سے راستے میں آ گئے جو خفیہ ہائیڈ آؤٹ کی عقبی کوٹھڑی کو جاتا تھا......
مراد خان اس وقت کمیں گاہ میں موجود تھا۔

ہاشم خان اور سکندر علی کو دیکھ کر بولا۔

"خیریت تو ہے...... تم دونوں اس وقت کیسے آ گئے؟"۔

سکندر علی نے کہا۔

"عمران کو پولیس گرفتار کر کے لے گئی ہے"۔

چند لمحوں کے لئے مراد خان سکندر کے منہ کو تکتا رہ گیا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"۔

ہاشم خان بولا۔

"ہم نے خود عمران کو پولیس کے نرغے میں گاڑی میں سوار ہوتے ہوئے دیکھا
ہے...... عمران کو ہتھکڑی لگی ہوئی تھی"۔

"مگر...... مگر یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟"۔

سکندر علی اور ہاشم خان چارپائی پر بیٹھ گئے تھے...... سکندر بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ ساری مخبری اسی بدکار عورت راگنی مہرہ نے کی ہے...... میں
نے پہلے دن ہی کہہ دیا تھا کہ یہ خطرناک عورت ہے اور ہمیں ہوٹل چھوڑ دینا چاہئے"۔

مراد خان گہری سوچ میں ڈوب چکا تھا...... ہاشم خان کہہ رہا تھا۔

"پولیس عمران کو نیام پلی کے پولیس ہیڈ کوارٹر لے گئی ہے"۔

مراد خان بولا۔

"یہ بہت برا ہوا...... ہمیں اس وقت عمران کی بڑی ضرورت تھی...... خدا جانے
اس کے ساتھ پولیس کس قدر تشدد کرے گی"۔

سکندر علی بولا۔

"سر! ہمیں عمران کو ہر حالت میں پولیس کی قید سے نکالنا ہو گا...... اس میں کوئی

شک نہیں کہ عمران موت کو سینے سے لگالے گا لیکن ہمارے نام زبان پر نہیں لائے گا
لیکن ہم عمران کو بھارتی پولیس کے مظالم کے حوالے بھی نہیں کر سکتے"۔

مراد خان نے کہا۔

"اس کو تو ہم ہر حالت میں نکال کر لے آئیں گے، لیکن ابھی ہمیں یہاں سے نکل کر اپنی دوسری ہائیڈ آؤٹ میں چلے جانا ہو گا چلو...... اٹھو...... اپنے آدمیوں کو آرڈر کر دو کہ یہ جگہ خالی کر کے فوراً نمبر دو خفیہ ہائیڈ آؤٹ میں پہنچ جائیں"۔

مراد خان نے اسی وقت ہاشم خان کو ساتھ لیا اور کمیں گاہ کے عقبی راستے سے باہر جنگل میں نکل آیا...... سکندر علی نے اسی لمحے اپنے مجاہدوں کو مراد خان کا آرڈر سنادیا اس کمیں گاہ کو خالی کر کے دوسری خفیہ ہائیڈ آؤٹ میں پہنچا جائے...... اس کے بعد دوسرے راستے سے ہو کر جہاں ان کی گاڑی کھڑی تھی وہاں آگیا...... اتنے میں ہاشم خان اور مراد خان بھی آگئے...... وہ تینوں مجاہد گاڑی میں بیٹھے اور گاڑی رات کی تاریکی میں دوسری خفیہ کمیں گاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

ہمیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ دوسری خفیہ کمیں گاہ یا خفیہ ٹھکانہ وجے واڑہ میں کس جگہ پر تھا...... اس دوسری کمیں گاہ میں چند ایک دکن کے مجاہد موجود تھے جو رضاکارانہ طور پر اس جہاد میں شریک تھے اور جن کے سینوں میں اسلام آزادی کشمیر اور استحکام پاکستان کا شعلہ روشن تھا...... مراد خان ان سب کا کمانڈر تھا اس نے وہاں آتے ہی ان سب کی ایک میٹنگ بلائی اور انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ ہمارا مجاہد کمانڈو عمران اس وقت پولیس کی حراست میں ہے اور ہر حالت میں دشمن کی قید سے آزاد کرانا ہے...... یہ سر فروش رضاکار اسلام کے سر فروش تھے...... انہوں نے اپنی زندگیاں اسلام اور پاکستان کی سلامتی کی خاطر قربان کر دینے کا عزم کر رکھا تھا، لیکن آج کل کے جدید سائنسی دور میں جذبے کے ساتھ وسائل کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جن کی ان رضاکاروں کے پاس کمی تھی...... اس

بے شک نہیں کہ ان کا دائرہ کار آندھرا پردیش میں کافی پھیلا ہوا تھا...... اس کے وجود حکومت کی طاقت اور حکومت کے بے پناہ وسائل کا یہ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے ان کے تدارک کے لئے انہیں بڑی دانشمندانہ حکمت عملیاں اپنانی پڑتی تھیں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے...... مراد خان نے ان سر فروش مجاہدوں کو جن میں ہاشم خان اور سکندر علی بھی موجود تھے، مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کمانڈو عمران کو اس وقت پولیس نے نیام پلی کے پولیس ہیڈ کوارٹر میں رکھا ہوا ہے...... آج نہیں تو کل اسے وہاں سے پوچھ گچھ کے لئے کسی ٹارچر سینٹر میں لے جایا جائے گا، جہاں اس کو اذیتیں دے دے کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ اس کے ساتھی کہاں کہاں روپوش ہیں...... یہ میں بھی جانتا ہوں اور تم بھی جانتے ہو کہ عمران موت کو ترجیح دے گا مگر اپنی زبان بند رکھے گا، لیکن ہم عمران کو زندہ نکال لانا چاہتے ہیں...... میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے اپنے وسائل کو کام میں لاتے ہوئے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ پولیس عمران کو پولیس سٹیشن سے کس جگہ لے جا رہی ہے...... اس کے بعد ہم اسے وہاں سے نکال لانے کا کوئی منصوبہ بنائیں گے...... صبح ہوتے ہی تمہیں سب سے پہلا کام یہی کرنا ہو گا کہ سارے شہر میں پھیل جاؤ، جہاں جہاں ہمارے ہمدرد موجود ہیں ان سے رابطہ پیدا کرو اور سب کو ہوشیار کر دو کہ وہ اس بات پر نظر رکھیں کہ عمران کو کون سے ٹارچر سیل میں لے جایا جا رہا ہے یا لے جایا گیا ہے، کیونکہ کچھ پتہ نہیں کہ پولیس اسے راتوں رات کسی ٹاچر سینٹر میں منتقل کر دے...... یہ ٹارچر سینٹر وجے واڑہ میں بھی ہو سکتا ہے اور کسی دوسرے شہر میں بھی ہو سکتا ہے"۔

مراد خان نے میٹنگ برخاست کر دی...... اس کے بعد وہ ہاشم خان اور سکندر علی کو لے کر ایک کوٹھڑی میں بیٹھ گیا اور تینوں بدلی ہوئی صورت حال پر غور کرنے لگے۔

سکندر علی کہنے لگا۔

"یہ خبر کانتی لال کو بھی ہو جائے گی کہ سیٹھ اگروال اصل میں مسلمان تھا اور

اسے پولیس نے جاسوسی کے شبے میں گرفتار کرلیا ہے"۔

مراد خان بولا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... فرق اس صورت میں پڑ سکتا تھا......اگر لال نے عمران کو خود خفیہ کوڈ نمبر بتادیا ہوتا، مگر ایسی کوئی بات نہیں ہوئی......کائی اپنی جگہ پر مطمئن ہے کہ اس کا خفیہ کوڈ نمبر اس کے پاس محفوظ ہے اور اس بارے اس نے عمران کو کچھ نہیں بتایا تھا"۔

ہاشم خان نے کہا۔

"وجے واڑہ میں پرانے گھاٹ والا ٹارچر سینٹر بڑا اہم ٹارچر سینٹر ہے اور خطر مجرموں کو اسی ٹارچر سینٹر میں لے جاکر پوچھ گچھ کی جاتی ہے...... میرا خیال ہے عمران کو بھی اسی ٹارچر سینٹر میں رکھا جائے گا"۔

"اس کی تصدیق اپنے سرفروش کل تک کرلیں گے"۔

سکندر علی نے کہا۔

"اگر فرض کرلیا عمران کو اسی پرانے گھاٹ والی عقوبت گاہ میں رکھا گیا تو سے اسے نکالنے کے لئے کون سی ترکیب کارگر ہو سکتی ہے، کیونکہ اس ٹارچر سینٹر چاروں طرف پندرہ فٹ اونچی پختہ دیوار ہے جس پر واچ ٹاور بنے ہوئے ہیں سکیورٹی پولیس کی بھاری نفری وہاں دن رات موجود ہوتی ہے"۔

مراد خان بولا۔

"سکیورٹی گارڈ اور پولیس کی نفری تو ہر ٹارچر سینٹر میں ہوگی...... دیکھنا یہ ہم کون سی حکمت عملی اختیار کرتے ہیں"۔

پھر اس نے ہاشم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاشم خان! تم یہ معلوم کرو کہ پرانے گھاٹ والے ٹارچر سینٹر میں داخل عمران کو نکال لانے کے کیا امکانات ہو سکتے ہیں"۔

ہاشم خان بولا۔

"میں صبح پہلا کام یہی کروں گا"۔

سکندر علی کہنے لگا۔

"وجے واڑہ کے بعد دوسرا بدنام زمانہ ٹارچر سینٹر حیدر آباد میں ہے جس سے ہم واقف ہیں...... ہو سکتا ہے عمران کو پولیس وہاں لے جائے"۔

مراد خان نے کہا۔

"ہمیں اپنے اپنے طور پر اس کا سراغ لگانا ہوگا کہ عمران کو پولیس کہاں لے جاتی اس کے بعد ہی ہم کوئی حکمت عملی طے کر سکیں گے"۔

رات کے ایک بجے کے بعد یہ لوگ وہیں کوٹھڑی میں لیٹ کر سو گئے...... دوسرے روز خفیہ کمیں گاہ کے سرفروش اپنی اپنی ڈیوٹی پر نکل گئے...... ہاشم خان بھی گیا...... سکندر کو مراد خان نے اپنے پاس ہی رکھا...... دوپہر تک سارے مجاہد اپنے اپنے طور پر سراغ رسانی کرنے کے بعد کمیں گاہ پر واپس آگئے...... ان سب کی زبانی معلوم ہوا کہ عمران کو پولیس پرانے گھاٹ والے ٹارچر سینٹر میں لے گئی ہے۔

ایک گھنٹے بعد ہاشم خان آگیا...... اس نے بھی یہی بتایا کہ عمران اس وقت پرانے گھاٹ والے ٹارچر سینٹر میں ہے اور اسے تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے، مراد خان نے پوچھا۔

"تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا پرانے گھاٹ والے ٹارچر سینٹر میں اپنا کوئی ہمدرد موجود ہے؟ ایسا ہمدرد کہ جس پر ہم بھروسہ بھی کر سکیں؟"۔

ہاشم خان کہنے لگا۔

"یہ میں آج شام تک معلوم کرلوں گا"۔

مراد خان نے کہا۔

"لگتا ہے ہم لوگ دیر کر رہے ہیں...... ہمیں اس کام میں دیر نہیں کرنی چاہئے...... ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے ہنگامی بنیادوں پر کرنا ہے...... تمہیں ہر حالت میں آج شام تک

یہ معلوم کرنا ہوگا کہ پرانے گھاٹ میں ہمارا کوئی قابل اعتماد آدمی ہے یا نہیں"۔

ہاشم خان اسی وقت چلا گیا...... سکندر علی نے کہا۔

"سر! میرا خیال ہے کہ اس ٹارچر سینٹر میں اپنا کوئی آدمی نہیں ہے"۔

مراد خان بولا۔

"یہ تم بھی جانتے ہو، سکندر علی کو آندھرا پردیش میں مسلمانوں کی اچھی اکثریت ہے اور میری اطلاع کے مطابق پرانے گھاٹ کے ٹارچر سینٹر میں کچھ مس ملازم ہیں...... اگر ہمارا وہاں کوئی آدمی نہیں ہے تو ہم کسی قابل اعتماد مسلمان ہمدردیاں حاصل کر سکتے ہیں...... اسلام کے نام پر تو ہر مسلمان اپنی جان تک ق کرنے پر تیار رہتا ہے"۔

"اس میں وقت لگ سکتا ہے اور وقت ہمارے پاس زیادہ نہیں ہے" سکندر علی جواب دیا۔

مراد خان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے...... لیکن اس کا فیصلہ ہاشم خان کے آنے کے بعد ہوگا، ممکن ہے ہاشم خان کسی اپنے آدمی کا سراغ نکال کر لے آئے"۔

اور ایسا ہی ہوا...... شام کو ہاشم خان آیا تو وہ بہت پرامید دکھائی دے رہا تھا

تینوں ایک کوٹھڑی میں بیٹھ گئے...... مراد خان نے پوچھا۔

"ہاشم خان! لگتا ہے کہ تم کوئی اچھی خبر لائے ہو"۔

ہاشم خان نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ قدرت بھی ہمارا ساتھ دے رہی ہے...... وہ اس طر پرانے گھاٹ والے ٹارچر سینٹر میں اپنا ایک آدمی موجود ہے"۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی ہے"...... "مراد خان بولا...... وہ آدمی کون ہے؟"

ہاشم خان نے کہا۔

"اسے ہم سب جانتے ہیں اور ہماری تنظیم کا بڑا پرانا اور تجربے کار مجاہد ہے"۔

جب ہاشم خان نے اس مجاہد کا نام بتایا تو مراد خان اور سکندر علی کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے...... ہم اس مجاہد کا اصلی نام نہیں لکھیں گے...... ہم اس کا فرضی نام کمال بیگ رکھ لیتے ہیں...... مراد خان نے کہا۔

"مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ کمال بیگ آج کل پرانے گھاٹ ٹارچر سینٹر میں کام کر رہا ہے"۔

ہاشم خان بولا۔

"وہ پہلے وجے واڑہ کے بڑے ہسپتال کی ڈسپنسری میں تھا، مگر پچھلے ایک سال سے پرانے گھاٹ ٹارچر سینٹر کی ڈسپنسری میں پوسٹ کر دیا گیا ہے"۔

"کیا تمہاری اس سے ملاقات ہوئی ہے؟" سکندر نے پوچھا۔

ہاشم خان نے جواب دیا۔

"بڑی تفصیل سے ملاقات ہوئی ہے...... جب میں نے اس سے عمران کا ذکر کیا تو کہنے لگا کہ ہاں ہمارے ٹارچر سینٹر میں ایک پاکستانی جاسوس کو لایا گیا ہے...... پھر اس نے مجھے اس کا حلیہ بتایا جو عمران ہی کا تھا"۔

مراد خان نے ہاشم سے کہا۔

"ہاشم خان کیا اس وقت تم کمال بیگ کو یہاں لا سکتے ہو؟ گاڑی تمہارے پاس موجود ہے"۔

ہاشم بولا۔

"کیوں نہیں...... میں ابھی جا کر لے آتا ہوں"۔

"یہی بہتر ہے" مراد خان نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ کمال بیگ کے ساتھ ساری بات زبانی ہو...... تم ابھی نکل

ہاشم خان اسی وقت خفیہ کمیں گاہ سے نکل گیا...... مراد خان سکندر سے کہنے لگا
"سکندر! میں اس مجاہد کمال بیگ کو جانتا ہوں...... یہ ہماری کمیں گاہوں میں کبھی نہیں آیا...... یہ ہمارے ان سرفروشوں میں سے ہے جو باہر رہ کر ہمارے لئے کام کرتے ہیں اور جن سے ضرورت کے مطابق کبھی کبھار ملاقات ہوتی ہے"۔

سکندر نے کہا۔

"سر! یہی وجہ ہے کہ میں نے کمال بیگ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا"۔

مراد خان بولا۔

"بڑا غازی مجاہد ہے...... دس بارہ برس سے ہماری خفیہ تنظیم میں شامل ہے ضرورت کے وقت ہماری تنظیم کو بڑی مفید معلومات مہیا کرتا ہے...... عمر پچاس برس سے اوپر ہے...... بڑا کم سخن اور نماز روزے کا پابند اور اپنی ڈیوٹی کا پکا ورکر ہے...... اسی وجہ سے اس پر کبھی کسی کو شک نہیں ہوا...... وہ لوگوں سے ملتا ملاتا بھی بہت کم ہے"۔

سکندر علی نے سوال اٹھایا۔

"سر! کمال بیگ جیسا کہ ہاشم خان کی زبانی معلوم ہوا ہے بڑے ہسپتال کی ڈسپنسری میں کام کرتا رہا ہے اور ظاہر ہے کہ پرانے گھاٹ ٹارچر سینٹر میں بھی ڈسپنسری میں ہی کام کر رہا ہوگا...... اس سے ہم کیا کام لے سکتے ہیں؟"۔

مراد خان بولا۔

"مجھے معلوم ہے کہ کمال بیگ بڑے ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ کی ڈسپنسری کا ہیڈ ڈسپنسر تھا اور یہاں ٹارچر سینٹر کی ڈسپنسری میں بھی وہ چیف ڈسپنسر ہوگا۔ اب کمال بیگ کے آنے کے بعد خود اس کی زبانی ہی معلوم ہو سکے گا کہ وہ موجودہ صورت حال میں ہماری کیا مدد کر سکتا ہے"۔

ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ہاشم خان...... کمال بیگ کو لے کر آ گیا...... درمیانہ قد کا دبلا پتلا ادھیڑ عمر آدمی تھا...... آنکھوں پر نظر کی عینک لگی تھی...... داڑھی

تھی...... آنکھوں میں بڑی ذہانت کی چمک تھی...... اس نے کھدر کی بادامی رنگ کی اچکن کے ساتھ کھدر ہی کا پاجامہ پہن رکھا تھا...... سر پر کھدر ہی کی میلی سی ٹوپی تھی...... شکل سے وہ مسلمان بالکل نہیں لگتا تھا، لیکن وہ اپنی خفیہ تنظیم کے لئے جو فرائض انجام دے رہا تھا ان کا تقاضا تھا کہ وہ شکل صورت سے مسلمان نہ ہو۔

کمال بیگ مراد خان سے گلے لگ کر ملا...... مراد خان نے اس کا سکندر سے تعارف کروایا کہ یہ اپنا ایک جیالا مجاہد ہے...... اتنے میں وہاں ایک مجاہد چائے سے بھری چینک اور چار پیالیاں رکھ کر چلا گیا...... سکندر چائے بنانے لگا۔

کمال بیگ نے گاندھی کیمپ اتار کر اچکن کی جیب میں رکھ لی اور مراد خان سے کہا۔

"ہاشم خان نے مجھے بہت کچھ بتا دیا ہے...... ایک رات پہلے ہمارے ٹارچر سینٹر میں ایک پاکستانی جاسوس کو نیام پلی پولیس سٹیشن سے منتقل کیا گیا ہے...... میں نے اسے اس طرح دیکھ لیا تھا کہ جب اسے جس کا نام ہاشم خان نے عمران بتایا ہے، ٹارچر سینٹر کی ایک کوٹھڑی میں لایا گیا اور ٹارچر سینٹر کا ڈاکٹر پرکاش مہتہ اس کے میڈیکل چیک اپ کے لئے گیا تو میں ڈاکٹر مہتہ کے ساتھ ہی تھا...... ٹارچر سینٹر میں جب بھی کوئی جاسوس یا خطرناک مجرم لایا جاتا ہے تو سب سے پہلے اس کا میڈیکل چیک اپ ہوتا ہے تاکہ سینٹر کے چیف ریٹائرڈ میجر کرشن کپور کو معلوم ہو سکے کہ مجرم کو پہلے ہی سے کوئی خطرناک بیماری تو نہیں ہے...... ڈاکٹر پرکاش مہتہ جب مجرم کے میڈیکل چیک اپ کے لئے جاتا ہے تو مجھے ساتھ ضرور لے جاتا ہے تاکہ اگر وہ مجرم کے لئے کوئی دوا تجویز کرے تو میں وہ دوائی مجرم تک پہنچا دوں، چنانچہ اس طرح سے مجھے عمران کو دیکھنے کا موقع مل گیا تھا"۔

اتنا کہہ کر کمال بیگ چائے پینے لگا...... مراد خان نے کہا۔

"کمال بیگ! یہ آدمی عمران ہمارا خاص مجاہد اور کمانڈو ہے...... ہمیں ہر حالت میں

اسے ٹارچر سینٹر سے فرار کروانا ہے...... تم ہمیں یہ بتاؤ کہ اس سلسلے میں تم ہماری
کر سکتے ہو؟"۔

کمال بیگ اپنی نظر کی عینک کو ناک پر ٹھیک طرح سے جماتے ہوئے بولا۔

"یہ میرے لئے ابھی بتانا مشکل ہے...... مجھے دو ایک دن موقع دیں...... ا
بعد ہی میں کچھ بتا سکوں گا کہ میں کیا مدد کر سکتا ہوں"۔

مراد خان خاموش ہو گیا...... سکندر علی اور ہاشم خان بھی خاموش تھے......
کی پیالی نیچے رکھتے ہوئے مراد خان نے کہا۔

"کمال بیگ ان دو ایک دنوں میں تو عمران کو ٹارچر کرنے کا سلسلہ شروع ہو
گا اور اس ٹارچر سینٹر میں تو پاکستانی اور کشمیری مجاہدوں کے ساتھ درندگی کا سلو
جاتا ہے"۔

کمال بیگ نے آہستہ سے کہا۔

"پہلے دو تین دن تک مجرم پر زیادہ تشدد نہیں کیا جاتا...... اس سے بڑے
طریقے سے پوچھ گچھ کی جاتی ہے...... اسے مختلف قسم کے لالچ بھی دیئے جاتے
اگر وہ اپنے ساتھیوں کے نام اور ان کے ایڈریس بتا دے گا اور یہ بتا دے گا کہ
مشن پر بھارت میں داخل ہوئے ہیں تو اسے انعام و اکرام دے کر چھوڑ دیا جائے
اسے پاکستان جانے کی بھی اجازت دے دی جائے گی...... یہ طریقہ دو تین د
جاری رکھا جاتا ہے...... اگر مجرم اس پر بھی کچھ نہ بتائے اور اپنی زبان بند رکھے
آہستہ آہستہ اس پر تشدد کرنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے"۔

ہاشم خان نے کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ عمران کو اس دوران کسی دوسرے ٹارچر
میں منتقل کر دیں...... مثال کے طور پر حیدر آباد لے جائیں"۔

کمال بیگ نے اپنی عینک کا ایک شیشہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اس ٹارچر سیل سے کوئی زندہ مجرم مشکل سے ہی گیا ہے...... عام طور پر اس کی
ی جاتی ہے"۔

سکندر علی نے فوراً کہا۔

"لیکن چچا ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ہمارے مجاہد کی یہاں سے لاش ہی نکلے"۔

کمال بیگ بولا۔

"خدا نہ کرے...... یہ تو میں بھی نہیں چاہتا...... تم لوگ فکر نہ کرو، مجھے ذرا
ات کا جائزہ لے لینے دو...... مجھ سے جو ہو سکا کروں گا...... ضرور کروں گا"۔

اس کے بعد کمال بیگ چلا گیا...... ہاشم خان نے مراد خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا خیال ہے تمہارا مراد"۔

مراد خان نے کندھے ہلاتے ہوئے کہا۔

کچھ کہہ نہیں سکتا...... کمال بیگ ضرورت سے زیادہ محتاط آدمی ہے، لیکن میرا
ال ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔

ہاشم خان بولا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔

کمال بیگ تین دن کے بعد آیا...... یہ تین دن مراد خان، ہاشم اور سکندر علی نے
ی بے چینی سے گزارے...... مراد خان نے اس کے آتے ہی پوچھا۔

"ہمارے آدمی کا کیا حال ہے چچا؟ ان لوگوں نے اس پر زیادہ تشدد تو نہیں کیا؟"۔

کمال بیگ مراد خان کے پاس بیٹھ گیا اور بولا۔

"ابھی تو اسے پیار محبت سے سیدھی راہ پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں...... ابھی
ر شروع نہیں ہوا، لیکن لگتا ہے کہ دو ایک دن میں شروع ہو جائے گا، کیونکہ عمران
نے کچھ نہیں بتا رہا"۔

سکندر علی بولا۔

"وہ انہیں کچھ بتائے گا بھی نہیں"۔

تمہاری اس سے ملاقات ہوئی ہے؟" مراد خان نے پوچھا۔

کمال بیگ نے جواب میں کہا۔

"ہمارے لئے مجرموں سے وہاں ملاقات کرنا آسان بھی ہے اور مشکل بھی ہے...... آسان ان معنوں میں ہے کہ وہ ہمارے سامنے کوٹھڑیوں میں بند ہوتے ہیں اور ہم دوائی دینے کے بہانے انہیں جب چاہیں مل سکتے ہیں...... مشکل ان معنوں میں ہے کہ ہمارے ملنے سے وہاں کے لوگوں کو شک پڑ سکتا ہے...... اس لئے ہمیں بڑی احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے، کیونکہ اس ٹارچر سیل میں کشمیری مجاہدین آتے جاتے رہتے ہیں...... وہ مسلمان ہوتے ہیں اور میں بھی مسلمان ہوں...... ٹارچر سیل کے حکام کو مجھ پر بڑی آسانی سے شک پڑ سکتا ہے"۔

"پھر اب تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" مراد خان نے پوچھا۔

کمال بیگ بولا۔

"میں عمران کی مدد کرنا چاہتا ہوں، لیکن وہاں میرے وسائل محدود ہیں...... میں سوشل اعتبار سے بھی اور اپنی ڈیوٹی کے اعتبار سے بھی اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ رات کے وقت پہرے پر موجود گارڈز پر فائرنگ کر کے انہیں ہلاک کر ڈالوں اور کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر عمران سے کہوں کہ بھاگ جاؤ...... مجھے افسوس ہے کہ خواہش رکھنے کے باوجود میں ایسا نہیں کر سکتا"۔

سکندر نے کمال بیگ کی سائیڈ لیتے ہوئے اس کا حوصلہ بڑھانے کے لئے کہا۔

"چچا کمال بیگ ٹھیک کہتا ہے"۔

مراد خان نے کہا۔

"تو پھر کمال بیگ تم کیا کر سکتے ہو؟ ہم نے تو اپنی ساری امیدیں تم پر لگا رکھی ہیں"۔

کمال بیگ کہنے لگا۔

"میں زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہوں کہ تم مجھے کوئی پیغام لکھ کر دے دو تو میں وہ اسے پہنچا دوں"۔

قاسم خان اور مراد خان جانتے تھے کہ کمال بیگ اب اس عمر میں نہیں ہے کہ وہ ہٹ کر کمانڈو مجاہدوں کی طرح کوئی دلیری کا ایڈونچر کر سکے...... اس کے علاوہ یہ بھی علم تھا کہ کمال بیگ بال بچوں اور پوتے پوتیوں والا آدمی ہے اور مدت سے وجے واڑہ میں ایک محتاط اور بے ضرر سی گھریلو زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس کا جذبہ حریت اپنی جگہ پر لیکن وہ کوئی ایسا قدم بھی نہیں اٹھانا چاہتا تھا کہ جس سے اس کا خاندان اور اس کی آل اولاد کی زندگیاں اور ان کا مستقبل خطرے میں پڑ جائے، چنانچہ مراد خان نے یہی فیصلہ کیا کہ کمال بیگ سے اس کی استطاعت کے مطابق کام لینا چاہئے۔

اسی لمحے مراد خان کے ذہن میں ایک منصوبہ آ گیا، اس نے کمال بیگ سے پوچھا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ عمران کو جس کوٹھڑی میں بند کیا گیا ہے اس کا حدود اربعہ کیا ہے"۔

کمال بیگ بولا۔

"یہ عقوبت گاہ کے احاطے کی جنوبی سمت میں ہے"۔

"وہاں سے ٹارچر سینٹر کے احاطے کی دیوار کتنے فاصلے پر ہے"۔

کمال بیگ نے کہا۔

"وہاں سے عقوبت گاہ کے احاطے کی دیوار میرے اندازے کے مطابق دس گز ہی دور ہو گی"۔

"یہ دیوار کتنی اونچی ہے؟"۔

"یہی کوئی تیرہ چودہ فٹ اونچی ہو گی" کمال بیگ نے جواب دیا۔

مراد خان نے پوچھا۔

"رات کو وہاں سکیورٹی اور پہرے کا کیا انتظام ہوتا ہے؟"۔

کمال بیگ کچھ سوچ کر بولا۔

"اس ٹارچر سیل میں کل آٹھ کوٹھڑیاں ہیں جو ایک دوسرے کے آ
بنی ہوئی ہیں...... درمیان میں سات فٹ چوڑی راہداری ہے...... رات کے
چار پہرے دار چل پھر کر پہرہ دیتے ہیں...... ان کے پاس بندوقیں ہوتی ہیں"۔

"کیا یہ لوگ فوجی ہوتے ہیں؟" ہاشم نے پوچھا۔

کمال بیگ نے کہا۔

"نہیں...... یہ ٹارچر سیل کے ہی ملازم ہوتے ہیں، لیکن انہیں تھوڑی
تربیت دی گئی ہوتی ہے اور وہ خاکی وردی میں ہوتے ہیں"۔

مراد خان نے پوچھا۔

"رات کے وقت ٹارچر سیل کے احاطے میں اور کہاں کہاں پہرے
ہوتے ہیں؟"۔

کمال بیگ بولا۔

"چار پہرے دار تو بڑے گیٹ پر ہوتے ہیں...... گیٹ کا سلاخوں دا
رات کو بند کر دیا جاتا ہے...... دو پہرے دار گیٹ کے اندر کی جانب اور دو
گیٹ کے باہر کی جانب پہرے پر ہوتے ہیں...... اس کے علاوہ دو پہرے دا
احاطے کی دیوار کے اندر کی جانب گشت لگا کر پہرہ دیتے ہیں"۔

ہاشم خان نے کہا۔

"سنا ہے اس ٹارچر سیل کے احاطے کی دیوار پر واچ ٹاور بھی ہیں جہاں
مورچہ بنا کر بیٹھے ہوتے ہیں"۔

کمال بیگ نے کہا۔

"یہ مچان والے دو مورچے تھے...... آج سے دو برس پہلے وہاں مشین

نہیں...... اس زمانے میں کشمیر کے محاذ سے کشمیری مجاہدین کو لایا جاتا تھا، مگر اب
مجاہدین کو وجے واڑہ کی بجائے حیدر آباد کے ٹارچر سینٹر میں لایا جاتا ہے...... وہ
کا مجاہد ان کے ہاتھ آتے ہیں...... چنانچہ اس کے بعد سے یہ مچان والے
بیکار ہو گئے ہیں اور وہاں سے مشین گنیں ہٹا دی گئی ہیں"۔

مراد خان نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ رات کے وقت صرف احاطے کے اندر ہی پہرے پر آدمی
ہیں اور ان کے پاس بھی صرف بندوقیں ہی ہوتی ہیں...... سٹین گنیں نہیں

"جو سپاہی گیٹ پر پہرہ دیتے ہیں ان کے پاس سٹین گنیں ضرور ہوتی ہیں...... باقی
ر کے پاس سٹین گن نہیں ہوتی...... بندوقیں ہی ہوتی ہیں...... اس کی ایک وجہ یہ
ہے کہ آج تک اس پرانے گھاٹ والے ٹارچر سیل سے کبھی کوئی مجرم یا ملزم فرار
ہوا"۔

مراد خان نے کمال بیگ سے کہا۔

"چچا! تمہیں اب کچھ نہیں کرنا پڑے گا...... ہم تمہاری پوزیشن کو بخوبی سمجھتے
...... تمہاری صرف اتنی مدد ضرور کرو کہ ہمیں اس ٹارچر سیل کا ایک اندرونی نقشہ
دو تاکہ ہمیں اندازہ ہو جائے کہ کون سی کوٹھڑی کس جگہ پر ہے"۔

کمال بیگ بولا۔

"ضرور بنائے دیتا ہوں...... کاغذ پنسل لا کر دے دو، میں کوئی نقشہ نویس تو نہیں
لیکن میرے نقشے سے آپ لوگ سارا اندرونی حدود اربع سمجھ جائیں گے"۔

سکندر علی اسی وقت دوسری کوٹھڑی سے ایک رجسٹر اور مارکر لے آیا...... کمال
نے رجسٹر کھول کر سامنے رکھ لیا اور اس کے سفید صفحے پر مارکر کی مدد سے سب
سے پہلے ٹارچر سیل کی چار دیواری بنائی...... اس کے بعد درمیان میں آمنے سامنے والی

ٹھ کوٹھڑیاں چوکور ڈبوں کی شکل میں بنائیں...... ان میں سے ایک کوٹھڑی پر
شان بنا کر کہنے لگا۔

"یہ وہ کوٹھڑی ہے جس میں عمران کو رکھا گیا ہے...... یہ جنوب کی سمت
بس تیسری کوٹھڑی ہے"۔

مراد خان ہاشم اور سکندر علی بڑے غور سے کراس کے نشان والے
یکھنے لگے۔



کمال بیگ نے لکیروں کی صورت میں ٹارچر سیل کا بڑا گیٹ بھی بنایا۔
کوٹھڑیوں کے پیچھے جنوبی سمت اس نے دو چھوٹے گول دائرے بناتے ہوئے کہا۔

"یہاں املی کے دو درخت ساتھ ساتھ اُگے ہوئے ہیں...... یہ بہت بڑے
نت ہیں اور ان کی شاخیں احاطے کی دیوار پر جھکی ہوئی ہیں"۔

مراد خان اور ہاشم وغیرہ نے ان درختوں کی پوزیشن کو بھی بڑے غور سے
ھا...... مراد خان نے کہا۔

"یہاں پولیس کی بارک کہاں ہے"۔

کمال بیگ نے کہا۔

"پولیس کی یہاں کوئی بارک نہیں ہے...... انہیں رات کو سونے وغیرہ کے لئے
ے گیٹ کے پاس ہی دو کوٹھڑیاں ملی ہوئی ہیں...... یہ لوگ رات کو وہیں سوتے ہیں
ان کا اسلحہ بھی ان کوٹھڑیوں میں ہی ہوتا ہے"۔

"پولیس کی کل نفری کتنی ہے اور ان کے پاس ہر وقت کتنا اسلحہ موجود رہتا ہے؟"۔

کمال بیگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے پندرہ بیس پولیس کے سپاہی ہیں...... ان میں چھ سات ٹارچر
ٹا کے اپنے باوردی پہرے دار ہیں...... باقی پولیس کے پاس اسلحے کی بھاری تعداد
نہیں ہوتی...... چند ایک کے پاس سٹین گنیں ہیں، باقی بندوقیں ہیں...... دن کی

ہم تینوں کا ایک ساتھ جانا مناسب نہیں ہوگا“۔

پہلے روز سکندر علی اس مشاہداتی مہم پر گیا...... دوسرے روز ہاشم خان اور میں مراد خان خود گیا...... اس علاقے سے وہ خوب واقف تھا، لیکن آج وہ ٹارچر یز چار دیواری کا بڑی گہری نگاہ سے مشاہدہ کر رہا تھا...... وہ گھاٹ کے عام مزدور لوگوں کے بھیس میں گیا تھا...... اس نے دیکھا کہ احاطے کی جنوبی دیوار کے اوپر املی دو درختوں نے اپنا سایہ ڈال رکھا ہے...... ان درختوں کا ذکر کمال بیگ نے بھی کیا تھا مراد خان دیوار کے قریب سے ہو کر گزر گیا...... اس دوران اس نے دیکھ لیا احاطے کی دیوار پر درختوں کے جو مضبوط ٹہن جھکے ہوئے تھے وہ دیوار سے کم از کم سات فٹ اونچے تھے...... دیوار پتھر کی بڑی بڑی اینٹوں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی اور ان پر کہیں بھی کوئی اینٹ اپنی جگہ سے اکھڑی ہوئی نہیں تھی...... یہ تمام چھوٹی چھوٹی چیزیں مراد خان نے اپنے ذہن میں نوٹ کر لیں اور واپس آگیا...... سکندر اور ہاشم اس کے انتظار میں تھے...... مراد خان آیا تو تینوں ایک جگہ بیٹھ گئے...... ہاشم نے کہا۔

”کیا خیال ہے مراد خان؟“۔

مراد خان نے جواب دینے کی بجائے سوال کر دیا۔

”تمہارا کیا خیال ہے؟“۔

ہاشم کہنے لگا۔

”احاطے کی دیوار پھاندنے کے لئے میرے خیال میں املی کے درختوں کی مدد لینی پڑے گی“۔

مراد خان نے سکندر سے پوچھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے“۔

اس نے بھی یہی کہا کہ املی کے درختوں سے کام لیا جا سکتا ہے...... مراد خان نے سب سے آخر میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں...... یہ مشن ہمیں رات کی تاریکی میں شروع کرنا ہوگا، مگر اس سے پہلے عمران کو اس آپریشن سے خبردار کرنا ضروری ہے، تاکہ وہ فرار ہونے کے لئے تیار رہے“۔

”یہ پیغام ہم عمران کو کمال بیگ کے ذریعے پہنچا سکتے ہیں“ ہاشم خان نے کہا۔

سکندر کہنے لگا۔

”لیکن اس سے پہلے ہمیں اس کمانڈو آپریشن کا دن اور وقت طے کرنا ہوگا“۔

”جہاں تک وقت اور دن کا تعلق ہے“ مراد خان بولا تو میرے خیال میں وقت میں رات کے دو بجے کا رکھنا ہوگا، کیونکہ اس وقت گشت کرنے والے پہرے دار بھی قدرتی طور پر سست ہو جاتے ہیں...... وہ سوتے تو نہیں لیکن ان پر نیند کا تھوڑا تھوڑا اثر ضرور ہو رہا ہوتا ہے...... ہم ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھائیں گے“۔

”دن کون سا رکھیں؟“ ہاشم نے پوچھا۔

مراد خان نے کہا۔

”آج کل چاند رات کے ایک بجے کے بعد غروب ہو جاتا ہے اور اندھیرا چھا جاتا ہے...... اس لئے میرا خیال ہے کہ ہم ہفتے کی رات کو یہ آپریشن کریں گے...... آج بدھوار ہے...... ہفتے میں ابھی دو دن باقی ہیں...... اس دوران ہم عمران کو پیغام بھی پہنچا سکیں گے“۔

سب نے مراد خان کی اس تجویز کو پسند کیا...... سکندر علی نے پوچھا۔

”اس آپریشن میں ہمیں تھوڑا بہت اسلحہ اپنے ساتھ ضرور لے جانا پڑے گا“۔

مراد خان نے کہا۔

”اسلحہ تو ضرور لے جائیں گے...... ہماری کوشش تو یہی ہوگی کہ اسلحہ استعمال نہ کرنا پڑے...... ہم کمانڈو چاقو سے اپنا راستہ صاف کرنے کی کوشش کریں گے لیکن احتیاط کے طور پر اسلحہ ضرور اپنے پاس رکھیں گے بلکہ ہم میں سے ہر ایک مجاہد چھ چھ

ہینڈ گرنیڈ بھی ساتھ لے جائے گا...... اگر وہاں مقابلہ شروع ہو گیا تو دستی بم ہمارے بہت کام آئیں گے"۔

ہاشم خان کہنے لگا۔

"اس کے علاوہ ہمیں ایک مضبوط رسی بھی ساتھ لے جانی ہو گی جس کے ذریعے ہم ٹارچر سینٹر کی دیوار پر چڑھ سکیں"۔

"وہ تو ضرور لے جائیں گے" مراد خان بولا۔

پھر اس نے ہاشم خان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میں چاہتا ہوں جمعرات کو عمران کو یہ خفیہ پیغام پہنچا دیا جائے کہ ہم ہفتے کی رات اسے نکال کر لے جانے کے لئے آ رہے ہیں...... وہ تیار رہے...... اس کے لئے تمہیں کل کسی وقت کمال بیگ سے مل کر اسے یہاں بلانا ہو گا تاکہ ہم اسے عمران کے نام رقعہ لکھ کر دے دیں"۔

ہاشم خان نے کہا۔

"میں صبح صبح اس کے گھر جا کر یہ پیغام پہنچا دوں گا...... وہ کل رات کو ہماری کمین گاہ میں پہنچ جائے گا"۔

اس کے بعد یہ تینوں مجاہد بھی سونے کے لئے چل دیئے۔

ہاشم خان صبح صبح اٹھ کر سیدھا کمال بیگ کے گھر گیا اور اسے رات کو کسی وقت خفیہ کمین گاہ میں آنے کی تاکید کر کے واپس آ گیا اور مراد خان کو بتا دیا کہ کمال بیگ رات کو کسی وقت پہنچ جائے گا۔

مراد خان نے کہا۔

"ہمیں عمران کے نام بڑا مختصر رقعہ لکھنا ہو گا اور یہ تحریر خفیہ الفاظ میں ہو گی، تا اگر یہ خط دشمن کے ہاتھ بھی لگ جائے تو وہ کچھ نہ سمجھ سکے کہ اس میں کیا لکھا ہے"۔

ہاشم خان بولا۔

"ہمیں اپنے خفیہ کوڈ میں یہ خط لکھنا چاہئے، عمران اپنی خفیہ کوڈ سے واقف ہے"۔

سکندر علی بھی وہاں آ گیا تھا...... مراد خان نے سکندر سے کہا۔

"سفید کاغذ کا ایک چھوٹا ٹکڑا رجسٹر میں سے کاٹ کر لاؤ"۔

سکندر اسی لمحے کوٹھڑی میں گیا اور رجسٹر میں سے کاغذ کی ایک پرچی کاٹ کر لے آیا...... مراد خان نے پنسل سے اس پر خفیہ کوڈ میں دو سطریں لکھیں اور مراد خان اور سکندر کو دکھائیں۔

"میرا خیال ہے اتنے الفاظ ہی ٹھیک رہیں گے...... میں نے لکھ دیا ہے کہ ہم ہفتے کی رات کو ایک بجے کے بعد تمہیں نکالنے آ رہے ہیں، تیار رہنا"۔

یہ تحریر الفاظ کی شکل میں نہیں بلکہ اردو کے ہندسوں کی شکل میں تھی...... یہ ان لوگوں کی اپنی خفیہ کوڈ تھی جس سے عمران اچھی طرح واقف تھا...... ہاشم خان بولا۔

"ٹھیک ہے...... اتنی تحریر کافی ہے"۔

مراد خان نے کاغذ کی پرچی کو اچھی طرح سے تہہ کر کے اپنی واسکٹ کی جیب میں رکھ لیا...... رات کو کوئی ساڑھے نو بجے کے قریب کمال بیگ آ گیا...... مراد خان نے اسے خفیہ کوڈ والی پرچی دیتے ہوئے کہا۔

"چچا! اس میں عمران کے نام خفیہ کوڈ میں یہ پیغام ہے کہ ہم ہفتے کی رات کو ٹارچر سینٹر پر شب خون مار کر اسے چھڑانے آ رہے ہیں"۔

کمال بیگ نے پرچی کھول کر اس پر لکھے ہوئے ہندسوں کو غور سے دیکھا اور پھر تہہ کر کے اپنی صدری کی جیب میں رکھ لیا اور مراد خان سے کہنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے تم لوگوں نے ہفتے کی رات کو ٹارچر سینٹر پر حملہ کرنے کا پروگرام طے کر لیا ہے"۔

"بالکل طے کر لیا ہے" مراد خان بولا...... "چچا! تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے"۔

کمال بیگ نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے...... یہ بتائیں کہ آپ کس طرف سے احاطے میں داخل ہوں گے"۔

مراد خان نے ہاشم خان کی طرف دیکھا...... ہاشم خان نے آنکھوں آنکھوں میں اسے یہ بات بتانے سے منع کر دیا...... اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں تھا کہ انہیں کمال بیگ پر بھروسہ نہیں تھا...... نہیں...... ایسی بات نہیں تھی...... بات اصل میں یہ تھی کہ وہ اس راز کو اپنے تین آدمیوں کے علاوہ اور کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے...... آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ان کی خفیہ کمانڈو ٹریننگ کا ایک حصہ تھا...... مراد خان نے کمال بیگ سے کہا۔

"چچا! ابھی یہ ہم نے طے نہیں کیا...... آج یا کل رات کو موقع پر جا کر چار دیواری کا مشاہدہ کریں گے...... اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کریں گے کہ ہمیں کس طرف سے چار دیواری کے اندر داخل ہونا چاہئے...... بہر حال تم یہ پیغام جس طرح بھی ہو سکے عمران کو پہنچا دینا"۔

"یہ خط تو میں اسے پہنچا دوں گا" کمال بیگ نے کہا...... "تم اس کی فکر نہ کرو...... ایک بات یاد رکھنا کہ عمران کی کوٹھڑی جنوبی قطار میں دائیں جانب سے تیسری ہے اور دو سنتری رات کو کوٹھڑی کی درمیانی راہ داری میں گشت کرتے رہتے ہیں"۔

"رات کے وقت کوٹھڑیوں پر تو تالا لگا دیا جاتا ہو گا؟" سکندر نے کمال بیگ سے پوچھا...... اس نے جواب میں کہا۔

"تالا تو ان کوٹھڑیوں پر دن کے وقت بھی لگا رہتا ہے...... یہ کافی مضبوط تالا ہوتا ہے...... تم اسے کیسے کھولو گے؟"۔

مراد خان نے ہاشم خان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہاشم خان ہر قسم کے تالے کھولنے کا ماہر ہے"۔

کمال بیگ بولا۔

"میرا نہیں خیال کہ ہاشم خان سے وہ تالا کھل سکے گا...... وہ دیسی حیدر آبادی تالا ہے اور اس میں پیچ دار چابی ڈالی جاتی ہے"۔

مراد خان نے کہا۔

"ہم کسی نہ کسی طرح تالا کھول لیں گے...... نہ کھولا گیا تو اسے توڑ دیں گے...... ں کی فکر نہ کرو...... بس تم کسی نہ کسی طرح یہ رقعہ عمران کو دے دینا...... باقی ہم خود ل لیں گے"۔

"یہ پہنچ جائے گا اور کوئی بات؟" کمال بیگ نے کہا۔

مراد خان بولا۔

"چچا! تمہارا بہت بہت شکریہ!"۔

کمال بیگ کہنے لگا۔

"میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں...... اس میں شکریے کی کیا ضرورت ہے؟"۔

کمال بیگ عمران کے نام خط لے کر اپنے گھر آ گیا...... رات کو بھی وہ سوچتا رہا کہ ڈ وہ عمران کو کیسے پہنچا سکے گا، کیونکہ اپنے انچارج ڈاکٹر مہتہ کی اجازت کے بغیر وہ مجرم کی کوٹھڑی میں نہیں جا سکتا تھا...... کافی دیر غور و فکر کرنے کے بعد آخر ایک ب اس کے ذہن میں آ گئی اور وہ سو گیا۔

دوسرے روز کمال بیگ حسب معمول بس میں سوار ہو کر ٹارچر سینٹر اپنی ڈیوٹی پر ...... ڈاکٹر مہتہ کچھ دیر کے بعد آیا اور اپنے چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر اپنے کام صروف ہو گیا...... کمال بیگ نے معلوم کر لیا تھا کہ عمران کو رات پوچھ گچھ کے ئے کوٹھڑی میں لے گئے تھے اور صبح اسے اس کی کوٹھڑی میں واپس لا کر بند کر دیا ...... اس نے یہ بھی پتہ کر لیا کہ عمران پر ابھی تھرڈ ڈگری تشدد کا سلسلہ شروع ہوا لیکن رات اسے بجلی کے جھٹکے دیئے گئے تھے...... کمال بیگ ڈسپنسری میں اپنی میز کے پاس کرسی پر بیٹھا روزانہ کے کام میں مصروف تھا، لیکن اس کا ذہن اپنی

سوچی ہوئی ترکیب کے بارے میں غور کر رہا تھا...... اس کا اسسٹنٹ راموایک شیشی میں کوئی مکسچر ڈال رہا تھا...... جب مکسچر ڈال چکا تو کمال بیگ نے اسے کہا۔

"راموا کینٹین میں جاؤ اور میرے لئے چائے کی ایک گرم پیالی بنوا کر لے آؤ آج سر میں کچھ درد محسوس ہو رہا ہے"۔

رامو اسی وقت کینٹین کی طرف چل دیا۔

اس کے جانے کے بعد کمال بیگ نے الماری میں سے انٹی بائٹک گولیوں کا نکال کر اس میں سے دس بارہ گولیاں نکال کر ایک چھوٹے لفافے میں ڈالیں اور اپنے قریب ہی رکھ لیا...... یہ گولیاں کوٹھڑیوں میں بند زیر تفتیش خطرناک مجرموں دن میں ایک بار ضرور کھلائی جاتی تھیں...... رامو چائے لے کر آگیا...... کمال بیگ چائے کے تین چار گھونٹ پیئے اور اینٹی بائٹک گولیوں والا لفافہ لے کر ڈاکٹر مہتہ کمرے میں آگیا۔

ڈاکٹر مہتہ ایک فائل پر کچھ لکھ رہا تھا...... اس نے سر اٹھا کر کمال بیگ کی طر دیکھا اور پوچھا۔

"کیا بات ہے کمال بیگ؟"۔

کمال بیگ نے لفافہ دکھا کر کہا۔

"سر! آپ کہیں تو میں اینٹی بائٹک کوٹھڑیوں میں دے آؤں؟"۔

ڈاکٹر مہتہ کو معلوم تھا کہ یہ گولیاں روزانہ دن میں کسی وقت کوٹھڑیوں میں مجرموں کو دی جاتی ہیں...... ڈاکٹر مہتہ نے کہا۔

"جا کر دے آؤ"۔

"ٹھیک ہے سر!"۔

اور کمال بیگ گولیوں والا چھوٹا لفافہ لے کر قیدیوں کی کوٹھڑیوں کی طرف بڑا...... کوٹھڑیوں کی راہداری میں دو مسلح سنتری ایک جانب اور دو مسلح سنتری دوسری

موجود تھے...... کمال بیگ کو وہ سبھی جانتے تھے...... انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ بیگ دن میں ایک بار قیدیوں میں گولیاں تقسیم کرنے ضرور آتا ہے...... کمال کو دیکھ کر سنتری نے پہلے قیدی کی کوٹھڑی کا دروازہ کھول دیا...... یہ ایک ہندو تھا جس نے دو قتل کئے تھے...... کمال بیگ نے اسے معمول کے مطابق ایک گولی کر کہا۔

"اسے نگل جاؤ"۔

اور کوٹھڑی سے باہر آگیا...... سنتری نے دوسری کوٹھڑی کا تالا کھول دیا...... بیگ نے اس کوٹھڑی کے خطرناک قیدی کو بھی ایک گولی دے دی اور روزانہ کا بولا۔ "اس کو نگل جاؤ" اور اب وہ تیسری کوٹھڑی کی طرف بڑھا...... اس کوٹھڑی عمران بند تھا...... اس دوران کمال بیگ نے عمران کو دی جانے والی پرچی ہاتھ میں لی تھی...... اس نے پرچی کی گولی سی بنا رکھی تھی...... سنتری نے عمران کی کوٹھڑی کا کھول دیا تھا اور حسب عادت باہر ہی کھڑا رہا...... کمال بیگ کوٹھڑی میں داخل ہوا...... عمران فرش پر کونے میں بیٹھا ہوا تھا...... کمال بیگ اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا لفافے میں سے گولی نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

"اس کو نگل لینا"۔

اس کے ساتھ ہی اس نے پرچی کی گولی بھی اس کے ہاتھ میں تھما دی اور آہستہ سے کہا۔

"اس کو پڑھ لینا"۔

اور فوراً اٹھا اور واپس چلتا کوٹھڑی میں سے باہر آگیا...... سنتری نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا...... کمال بیگ چوتھی کوٹھڑی کی طرف بڑھا۔

عمران کے ہاتھ میں دو گولیاں تھیں...... ایک اینٹی بائٹک دوائی کی گولی تھی جو روز کھلائی جاتی تھی، لیکن دوسری گولی وہ پرچی تھی جس پر خفیہ کوڈ میں ایک پیغام

لکھا ہوا تھا اور جس کے بارے میں کمال بیگ نے اسے آہستہ سے کہا تھا۔

"اس کو پڑھ لینا"۔

عمران فوراً سمجھ گیا کہ اس کے فرار کا مراد خان وغیرہ نے کوئی منصوبہ تیار کیا ہے اور یہ آدمی کمال بیگ یا تو ان کی تنظیم کا آدمی ہے اور یا اسے خریدا گیا ہے۔

اس نے اینٹی بائٹک گولی اسی وقت نگل لی اور پرچی والی گولی اپنی مٹھی میں بند رکھی اور انتظار کرنے لگا کہ سنتری اِدھر اُدھر ہو تو اسے کھول کر پڑھے...... ایک سنتری تو کمال بیگ کے ساتھ تھا جو کوٹھڑیوں کے تالے کھولتا اور پھر بند کرتا تھا۔ اس کی جگہ دوسرے مسلح سنتری نے لے لی تھی اور اس نے آہستہ آہستہ کوٹھڑیوں کے آگے ٹہلنا شروع کر دیا تھا...... دوسری جانب سے بھی ایک سنتری ٹہلتا ہوا آ گیا تھا۔ دونوں ٹہلتے اور کوٹھڑیوں کے اندر نگاہیں ڈالتے ہوئے دس پندرہ سیکنڈ کے وقفے کے بعد آگے سے گزر جاتے تھے...... عمران کو پرچی پڑھنے کا موقع نہ مل سکا...... اس نے اسے اپنے کرتے کی جیب میں رکھنے کی بجائے فرش پر جو کمبل بچھا ہوا تھا اور جس پر بیٹھا ہوا تھا اس کا کونہ اٹھا کر پرچی کی گولی اس کے نیچے چھپا دی...... دوپہر کے وقت لانگری اس کے لئے بھی دو روٹیاں لے کر آ گیا، جس کے اوپر دال ڈال دی گئی تھی۔

عمران کونے میں بیٹھ کر خاموشی سے روٹی کھانے لگا۔

پہرے دار سنتری آگے سے گزرتے ہوئے تھوڑی تھوڑی دیر بعد عمران کو سلاخوں میں سے جھانک کر دیکھ لیتا تھا...... سارا دن اسی طرح گزر گیا...... رات ہو گئی۔ عمران یہ پڑھنے کو بے تاب تھا کہ اس کے نام جو پرچی لکھ کر بھیجی گئی ہے اس میں کیا لکھا ہے...... اتنا اسے یقین تھا کہ یہ مراد خان وغیرہ نے ہی بھیجی ہے اور اس میں کوئی اہم پیغام لکھا ہوا ہو گا...... آخر رات کے نو دس بجے کے درمیان اسے موقع مل گیا۔ اس وقت سنتری راہداری کے دونوں کونوں پر سٹولوں پر بیٹھ چکے تھے۔

کوٹھڑی میں بجلی کا بلب روشن تھا...... عمران آہستہ سے اٹھا اور دروازے

کے پاس آ گیا...... اس نے سلاخوں میں سے دائیں بائیں جتنا دیکھ سکتا تھا دیکھا...... راہداری خالی پڑی تھی...... وہ جلدی سے واپس آ کر فرش پر بیٹھ گیا...... کمبل کا کونہ اٹھا کر اس نے پرچی باہر نکالی...... اسے کھول کر دیکھا...... کاغذ پر خفیہ کوڈ کے ہندسے لکھے ہوئے تھے...... عمران نے ایک بار ہندسوں کو پڑھا...... دوسری اور تیسری بار پڑھا اور اس کے ذہن نے ان کوڈ ہندسوں کو کھول کر اسے ان کا مفہوم بتا دیا...... پرچی پر لکھا تھا۔

"ہم ہفتے کی رات کو ایک بجے کے بعد تمہیں نکالنے آ رہے ہیں...... تیار رہنا"۔

عمران نے جلدی سے پرچی کی گولی بنا کر اسے دوبارہ کمبل کے نیچے چھپا دیا...... اب وہ غور کرنے لگا کہ آج کون سا دن ہے...... اسے دن اور تاریخ کا کچھ پتہ نہیں تھا...... رات کو کوٹھڑیوں کے آگے ایک بار پھر پہرے دار سنتریوں کی گشت شروع ہو گئی...... عمران سلاخوں کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا...... جب سنتری اس کے قریب سے گزرا تو اس نے پوچھا۔

"بھیا! آج کون سا دن ہے؟"۔

سنتری نے چلتے چلتے بے نیازی سے جواب دیا۔

"آج بدھ وار ہے"۔

عمران واپس کونے میں آ کر کمبل پر لیٹ گیا...... اس نے سوچا کہ اگر آج بدھ وار ہے تو اس کا مطلب ہے کہ دو دن بعد ہفتہ ہے اور اور اسی رات کو مراد خان اپنی پارٹی کے ساتھ اسے وہاں سے نکالنے آ رہا ہے...... یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ مراد خان وغیرہ اسے وہاں سے کس طرح نکالیں گے؟ کیا وہ باقاعدہ گیٹ پر حملہ کر کے اندھا دھند فائرنگ کرتے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں گے یا کوئی دوسرا طریقہ استعمال کریں گے...... عمران ان مجاہدوں کی کمانڈو ایکشن کی صلاحیتوں سے پوری طرح واقف نہیں تھا...... کبھی اسے خیال آتا کہ وہ اس مشن میں کامیاب ہو جائیں گے اور کبھی خیال آتا کہ اس کے ساتھ وہ بھی پکڑے جائیں گے...... اسے یہ

بھی خیال آتا کہ یہاں ہر کوٹھڑی پر تالا لگا رہتا ہے اور مسلح پولیس اور ٹارچر سینٹر کے پہرے داروں کی کافی نفری ہر وقت موجود رہتی ہے...... مراد خان اور ہاشم اور سکندر...... صرف تین مجاہد ان پر کس طرح قابو پا سکیں گے...... اس نے کاغذ کے پرزے کو پرزے پرزے کر کے کمبل کے نیچے بکھیر دیا اور خود گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

اس دوران مراد خان، ہاشم اور سکندر علی...... تینوں مجاہد ایک بار پھر ٹارگٹ پر جا کر پرانے گھاٹ والے ٹارچر سینٹر کی اس جگہ کا مشاہدہ کر آئے جہاں سے انہوں نے ہفتے کی رات کو دیوار پھاند کر احاطے میں داخل ہونا تھا...... دیوار کو پھاندنا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا، جس بات کی ان کو فکر تھی اور جس کے بارے میں وہ مسلسل غور و فکر کر رہے تھے یہ تھی کہ ان کا کمانڈو آپریشن بغیر گولی چلائے کامیاب ہو جائے...... ان کی کوشش بھی یہی تھی اور سارا پلان انہوں نے اسی مقصد کو سامنے رکھ کر تیار کیا تھا...... اسلحہ وہ ضرور ساتھ لے جا رہے تھے لیکن یہ صرف اس وقت استعمال کیا جانا تھا جب کوئی چارہ کار نہ رہے۔

جمعرات اور جمعہ کا دن بھی گزر گیا۔

ہفتے کا دن آ پہنچا...... مراد خان، ہاشم خان اور سکندر علی نے تمام تیاری مکمل کر لی تھی...... اپنی مدد کے لئے انہوں نے دو اور مجاہدوں کو تیار کر لیا تھا، جن کا کام چار دیواری کے باہر کچھ فاصلے پر موجود رہنا تھا اور صرف ضرورت کے وقت ایک سگنل کے ملنے پر ان کی مدد کو پہنچنا تھا...... ہفتے کی رات ٹھیک سوا بارہ بجے وہ اس خفیہ کمین گاہ سے نکل کر اپنے ٹارگٹ کی طرف روانہ ہو گئے...... وہ دو جیپ گاڑیوں میں سوار تھے...... دونوں گاڑیوں کی باڈیاں بند تھیں...... باہر سے دیکھنے والے کو اندر کچھ نظر نہیں آ سکتا تھا۔

وہ ایک خاص راستے سے ہو کر پرانے گھاٹ کی طرف جا رہے تھے...... یہ اگرچہ ذرا لمبا راستہ تھا مگر ویران اور غیر آباد تھا...... ٹھیک پونے ایک بجے رات وہ پرانے

ٹ پر پہنچ گئے...... دونوں گاڑیاں انہوں نے ٹارچر سینٹر سے کچھ دور ایک ٹیلے کی ں میں کھڑی کر دیں اور منصوبے کے مطابق ایک دوسرے کے درمیان پندرہ فٹ ہلہ ڈال کر جھک کر ٹارچر سینٹر کی عقبی دیوار کی طرف بڑھنے لگے...... دیوار کے ب آ کر مراد خان نے ہاتھ سے اشارہ کیا...... اس اشارے کے ساتھ ہی دو مجاہد ییں کمک کی حیثیت سے باہر رہنا تھا تیزی سے ایک طرف اندھیرے میں غائب گئے اور ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے...... ان مجاہدوں کے ہاتھوں میں سٹین گنیں یں، جبکہ ہاشم خان، مراد خان اور سکندر علی خالی ہاتھ تھے...... ان کی کمانڈو جیکٹوں بھرے ہوئے ریوالور اور ایک ایک کمانڈو چاقو تھا...... اس کے علاوہ چھ چھ دستی بم تھے...... یہ اسلحہ انہوں نے ہنگامی صورت حال میں استعمال کرنا تھا...... انہوں نے نگ پتلونیں اور اسی رنگ کی جیکٹ پہن رکھی تھی...... ٹارچر سینٹر کی دیوار سے رہ فٹ کے فاصلے پر جا کر وہ زمین پر بیٹھ گئے اور ماحول کا جائزہ لینے لگے...... رات موش تھی...... چاند غروب ہو چکا تھا...... ہر طرف تاریکی تھی...... احاطے کی دیوار ے اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی...... شاید یہ بجلی کے ان کھمبوں کی روشنی تھی جو رچ سیل کی کوٹھڑیوں کی دونوں جانب لگے ہوئے تھے۔

احاطے کے اندر سے کوئی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔

مراد خان نے ہاتھ سے اشارہ کیا...... ہاشم خان اشارہ پاتے ہی دوڑ کر دیوار کے ا جا کر بیٹھ گیا...... پھر اس نے اپنی جیکٹ کے اندر کمر کے گرد لپٹی ہوئی نائیلون کی ایک رسی کھولی...... زمین پر سے ایک پتھر لے کر اس کے سرے پر باندھا اور کھڑے کر کانٹی کی طرح رسی کو تین چار مرتبہ گھما کر اوپر املی کے درخت کی ٹہنیوں کی ف اچھال دیا...... رسی درخت کی ٹہنیوں میں جا کر اٹک گئی...... ہاشم خان نے رسی کو ں دو جھٹکے دیئے...... پتھر کی وجہ سے رسی نے درخت کے ٹہن کے گرد تین بل لئے تھے، جس کی وجہ سے وہ وہاں جکڑی گئی تھی...... درخت کا یہ ٹہن احاطے کی

دیوار کے بالکل اوپر تھا..... اس کام سے فارغ ہو کر ہاشم خان نے منہ سے آہستگی کے
ساتھ تین بار سی سی کی آواز نکالی..... مراد خان اور سکندر گھات میں بیٹھے ہاشم خان کی
طرف مسلسل دیکھ رہے تھے..... سی سی کی آواز سنتے ہی وہ جھک کر دیوار کی طرف
دوڑے..... اس دوران ہاشم خان رسی کو پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا تھا..... وہ دیوار کے ساتھ
دونوں پاؤں ٹکا کر اوپر چڑھ رہا تھا..... جب دیوار کے اوپر پہنچا تو اس نے دیوار کی دوسری
جانب دیکھا اور اسی رسی کی مدد سے دیوار کی دوسری طرف اتر گیا۔

زمین پر اترتے ہی اس نے رسی کو دیوار کے باہر اچھال دیا..... اب مراد خان اس
طرح رسی کے ذریعے احاطے کے اندر آ گیا..... اس کے بعد سکندر علی آ گیا..... وہاں
جھاڑیاں اور گھاس تھی..... انہوں نے رسی کو اسی طرح درخت کے ساتھ لٹکی رہنے
اور وہیں بیٹھ کر ان کوٹھڑیوں کو دیکھنے لگے جن میں سے ایک کے اندر عمران قید تھا
جن کی آمنے سامنے کی قطاروں کے دونوں سروں پر کھمبوں کے ساتھ بجلی کے بل
روشن تھے..... ان کی کافی روشنی تھی..... ٹارچر سینٹر کے بڑے گیٹ کی طرف
بھی کسی بتی کی روشنی آ رہی تھی..... اس روشنی میں انہوں نے دو سنتریوں کو کوٹھڑ
کے پیچھے سے آتے دیکھا..... دونوں سنتریوں نے بندوقیں تھامی ہوئی تھیں، وہ آہ
آہستہ چل رہے تھے..... پھر وہ بجلی کے کھمبے کے نیچے سے ہو کر کوٹھڑیوں کی دو
قطار کی طرف چلے گئے..... مراد خان نے ہاشم خان سے دھیمی آواز میں کہا۔

"یہ سنتریوں کی گشتی پارٹی ہے جو قیدیوں کی کوٹھڑیوں کے پیچھے گشت لگاتی ہے۔"

انہوں نے اپنے اپنے کمانڈو چاقو نکال کر ہاتھوں میں پکڑ لئے..... جیسے ہی د
سنتری کوٹھڑیوں کی دوسری قطار کے عقب میں نظروں سے اوجھل ہوئے مراد
اور ہاشم خان پنجوں کے بل جھکے جھکے دوڑ کر اپنی طرف والے قیدیوں کی کوٹھڑیوں
پیچھے آ کر بکھر گئے..... ہاشم خان مراد خان سے پندرہ فٹ کے فاصلے پر الگ
اندھیرے میں کسی جگہ گھات لگا کر بیٹھ گیا..... مراد خان بھی ایک طرف ہو کر ز

طرح بیٹھ گیا کہ اندھیرے میں وہ ایک جھاڑی کی طرح نظر آ رہا تھا..... کوٹھڑیوں کا
ازہ ہونے کی وجہ سے وہاں بجلی کی روشنی نہیں پڑ رہی تھی..... یہ کمانڈو ایکشن کے
آئیڈیل جگہ تھی..... تھوڑی دیر کے بعد گشت لگانے والے دونوں سنتری
ڑیوں کی قطار کے دوسرے سرے پر نمودار ہوئے..... وہ آہستہ آہستہ باتیں بھی
ے تھے اور قدم قدم چلے بھی آ رہے تھے..... ان میں سے ایک سگریٹ پی رہا تھا۔

انہیں دیکھتے ہی مراد خان گھٹنوں کے بل جھک کر اندھیرے میں چلتا ہاشم خان
پیچھے آ گیا..... پہلا حملہ ہاشم خان نے کرنا تھا جو دشمن پر اچانک چاقو کا وار کرنے میں
تھا..... دوسرے کو مراد خان نے قابو کرنا تھا، جس سنتری نے سگریٹ سلگایا ہوا تھا
را ایک قدم پیچھے آ رہا تھا..... اسی وجہ سے اس کی موت پہلے واقع ہوئی..... دوسرا
ی ایک قدم آگے آگے ڈھیلا ڈھالا سا ہو کر چل رہا تھا..... بندوقیں دونوں نے
ے کندھوں کے ساتھ لٹکائی ہوئی تھیں..... یہ معمول کی ڈیوٹی تھی..... ویسے بھی یہ
ی فوجی چھاؤنی نہیں تھی..... ایک ٹارچر سینٹر تھا اور وہاں آج تک کبھی کوئی سنگین
ہ بھی نہیں ہوا تھا اور یہ دونوں سنتری کوئی باقاعدہ فوجی یا کمانڈو بھی نہیں تھے.....
ارتی فوجی کمانڈو بھی ہوتے تو ہاشم خان اور مراد خان جس غضبناک جذبہ کے
تھ وہاں اترے تھے ان سے بچ نہیں سکتے تھے۔

دونوں سنتری قدم قدم چلتے ہاشم خان کے قریب سے گزرے..... اس وقت
شم خان اندھیرے میں زمین کے بالکل ساتھ لگ کر چپکا ہوا تھا..... جیسے ہی وہ اس
دو قدم آگے بڑھے، ہاشم چیتے کی طرح گھات میں سے نکلا اور اس نے ایک قدم
ھے چلنے والے سنتری کی گردن میں اپنا ایک بازو بجلی کی تیزی کے ساتھ ڈال کر ایک
کا دیا اور اس کے سینے میں چاقو گھونپ دیا..... اس سے شور سا پیدا ہوا..... دوسری
نے رک کر پیچھے دیکھا، لیکن اسی دوران مراد خان اس پر چھلانگ لگا چکا تھا۔

چھلانگ اس نے ایسے لگائی تھی کہ سنتری کی گردن مراد خان کے بازو کے شکنجے

میں جکڑی گئی تھی...... اس کے ساتھ ہی مراد خان نے اپنا چاقو سنتری کی گردن پر پھیر کر اس کی شہ رگ کاٹ دی تھی اور اسے دھکا دے کر پرے پھینک دیا تھا۔

اس کے فوراً بعد دونوں کوٹھڑیوں کی مخالف سمت کے کونوں کی طرف دوڑے...... ایک کونے کی جانب ایک مسلح سنتری اور دوسرے کونے پر دوسرا سنتری پہرہ دے رہا تھا...... انہیں قابو کرنا بظاہر بڑا آسان تھا...... ہاشم خان نے ادھر والے سنتری کے پیچھے سے اسے دبوچ کر اس کی گردن میں چاقو گھونٹ کر اسے گرا لیکن مراد خان اس طرف والے سنتری کی طرف بڑھا تو آہٹ پا کر اس نے گردن م کر مراد خان کو دیکھ لیا...... سنتری نے گھبرا کر بندوق سنبھالی اور اس سے پہلے کہ وہ کرتا مراد خان نے پوری طاقت سے اس کو دھکا دے کر گرا دیا اور اس کے سینے پر چڑھ اس کے دل پر چاقو کے مسلسل چار پانچ وار کیئے...... سنتری کے ہاتھ سے بندوق گر دور جا پڑی تھی...... اس کا دل کٹ گیا تھا اور بدن بری طرح لرزنے لگا تھا۔

مراد خان نے اسے تو وہیں چھوڑا اور دونوں کوٹھڑیوں کے درمیان جو راہ دار بنی ہوئی تھی اس کی طرف آ گیا...... سامنے کی جانب سے ہاشم خان دوڑتا ہوا آ تھا...... یہاں روشنی تھی، لیکن اس جگہ رات کو پہرہ دینے والے چاروں سنتری مر چ تھے...... عمران نے باہر کسی کے دوڑنے کی آواز سنی تو سلاخوں کے پاس آ کر باہر دیکھ لگا، ہاشم خان نے قریب سے گزرتے ہوئے عمران کو پہچان لیا اور اس کے پاس آ کر بولا

"فکر نہیں عمران...... ہم آ گئے ہیں"۔

اور ہاشم خان جیب سے ایک خاص قسم کی مڑی ہوئی پیتل کی تار نکال کر تا کھولنے کی کوشش کرنے لگا...... اتنے میں مراد خان بھی اس کے پاس آ گیا...... اس عمران سے کہا۔

"تم ٹھیک ہو ناں؟"۔

"ہاں"

عمران نے آہستہ سے جواب دیا۔

ہاشم خان زبردست کوشش کر رہا تھا مگر تالا نہیں کھل رہا تھا...... مراد خان نے کہا۔

"یہ دیسی پیچ دار چابی والا تالا ہے ہاشم...... یہ اس طرح سے نہیں کھلے گا"۔

ہاشم خان نے جیب سے ریوالور نکال کر اس کی نالی تالے کے کنڈے میں ڈال کر کنڈے کو توڑنے کی کوشش کی، مگر تالے کا کنڈا تالے سے زیادہ مضبوط نکلا...... مراد خان نے دھیمی آواز میں عمران سے پوچھا۔

"کیا گارڈز کے پاس اس کی چابی ہوتی ہے؟"۔

عمران نے آہستہ سے کہا۔

"دن کے وقت ہوتی ہے...... رات کے وقت چابی گارڈز روم میں جمع کرا دی جاتی ہے"۔

ہاشم خان سر توڑ کوشش کر رہا تھا مگر تالا اور اس کا کنڈا اپنی جگہ پر قائم تھا...... ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا...... وقت گزرتا جا رہا تھا...... کسی وقت بھی کوئی دوسرا سنتری یا رات کے وقت پہرہ دینے والا وہاں آ سکتا تھا...... وہاں سے پولیس کی بارک بھی زیادہ دور نہیں تھی اور وہاں پولیس کی پوری گارد موجود تھی اور ان کے پاس ایمونیشن کا ذخیرہ موجود تھا۔

مراد خان نے جھنجھلا کر کہا۔

"ہاشم! کیا کر رہے ہو...... کہیں سے اینٹ لا کر تالے پر مارو"۔

عمران نے سرگوشی میں کہا۔

"ریوالور کا دستہ کیوں نہیں مارتے"۔

ہاشم خان نے ریوالور کا دستہ تالے پر مارا تو اس سے کافی آواز پیدا ہوئی...... مراد خان نے کہا۔

"اس پر کپڑا رکھ کر ضرب لگاؤ"۔

ہاشم خان نے جیب سے رومال نکال کر تالے کے کنڈے میں ٹھونسا اور اوپر سے
ریوالور کے دستے کی دو تین ضربیں لگائیں...... اس سے شور سا پیدا ہوا اور دوسرے
لمحے کوٹھڑیوں کی قطار کے اس طرف والے کونے سے ایک مسلح سنتری نمودار ہوا
جس نے بندوق تان رکھی تھی...... اس نے سامنے آتے ہی کہا۔

"کون ہو تم؟"۔

اور ایک ہوائی فائر کر دیا...... فائر کے دھماکے سے خاموش رات گونج اٹھی
ہاشم نے فوراً ریوالور سنتری کی طرف کر کے فائرنگ شروع کر دی...... اس دوران مراد
خان نے بھی اپنا ریوالور نکال لیا تھا...... سنتری ان کے بالکل سامنے بجلی کی روشنی میں
تھا...... ہاشم کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا تھا...... سنتری گولیاں کھا کر زمین پر گر پڑا...
مراد خان نے جلدی سے تالے پر دو گولیاں فائر کر دیں...... تالا ٹوٹ کر گر پڑا...
عمران سلاخوں والا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا...... فائرنگ کے دھماکوں نے باہر
میں موجود پولیس گارد کو ہوشیار کر دیا...... اس طرف سے بھی فائرنگ شروع ہوئی
دس بارہ سپاہی قیدیوں کی کوٹھڑیوں کی طرف دوڑ پڑے...... مراد خان نے کہا۔

"ہاشم گرنیڈ! گرنیڈ!"۔

وہ دوڑ کر کوٹھڑیوں کی راہ داری سے باہر نکل آئے...... دیوار کے پیچھے سے اس
طرف آنے والے سپاہیوں پر اوپر تلے چھ سات دستی بم پھینک دیئے...... دستی بموں
کے دھماکے بلند ہوئے اور سنتریوں کی فائرنگ رک گئی، مراد خان نے عمران سے کہا۔

"اس طرف عمران"۔

دوسری جانب سے چار سنتری فائرنگ کرتے آگے بڑھے...... انہیں سکندر علی
نے اوپر تلے تین دستی بم پھینک کر وہیں بھسم کر دیا...... وہ رسی کی مدد سے دیوار
پر چڑھنے لگے تو رسی ٹہنی میں سے نکل گئی...... ہاشم خان بولا۔

"زمین پر لیٹ جاؤ"۔

سکندر بھی وہیں آ گیا تھا...... وہ تمام اسی وقت زمین پر لیٹ گئے...... ہاشم خان نے
ایک دستی بم نکال کر اس کا پن نکالا اور اسے دیوار کی طرف لڑھکا دیا اور خود بھی
زمین کے ساتھ چپک گیا...... ایک زبردست دھماکہ ہوا اور دوسرے لمحے دیوار میں
شگاف نمودار ہو چکا تھا...... وہ اس شگاف میں سے نکل کر اس طرف دوڑ پڑے جہاں ان
کی جیپیں کھڑی تھیں...... عمران چونکہ نہتا تھا اس لئے اسے انہوں نے اپنے درمیان
لے رکھا تھا...... دو مجاہد جو باہر گھات میں بیٹھے تھے فوراً گھات سے نکل کر آئے اور
جیل کی جانب سٹین گنوں کا رخ کر کے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے...... اس خیال سے کہ اگر
باہر سے پولیس آئے تو یہ انہیں سنبھال لیں، لیکن وہاں تھوڑی سی دیر میں اس قدر
فائرنگ ہوئی تھی اور دستی بموں کے اتنے دھماکے ہوئے تھے کہ آدھے سے زیادہ
پولیس کی نفری مر گئی تھی اور باقی جو بچے تھے وہ ادھر ادھر بھاگ دوڑ کر فائرنگ کر رہے
تھے مگر آگے نہیں آ رہے تھے، کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ بڑا زبردست کمانڈو حملہ ہوا
ہے اور کمانڈو دستی بموں سے مسلح ہیں اور ان کے قریب جانا اپنی موت کو آواز دینا
ہے...... وہ سرکاری ملازم تھے اور چند روپوں کی خاطر اپنی جان گنوانے کے حق میں
نہیں تھے۔

دونوں مجاہد فائرنگ کرتے...... سٹین گنوں کی بوچھاڑیں مارتے اٹھ کر پیچھے کو ہٹتے
ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں دونوں جیپیں کھڑی تھیں...... اس دوران ہاشم خان......
مراد خان...... سکندر علی اور عمران ایک جیپ میں بیٹھ چکے تھے...... مراد خان نے بلند
آواز میں مجاہدوں سے کہا۔

"گاڑی میں بیٹھ کر نکل چلو"۔

دونوں مجاہد دوسری جیپ میں سوار ہوئے اور دونوں گاڑیاں تیزی سے ٹیلوں کی
طرف دوڑنے لگیں...... پانچ منٹ کے بعد دونوں گاڑیاں بڑی سڑک پر پوری رفتار
سے دوڑ رہی تھیں...... ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد گاڑیاں ایک جنگل

میں داخل ہو گئیں...... ان کے پیچھے پولیس کی ایک گاڑی اس وقت نکلی جب یہ او
جنگل میں داخل ہو چکے تھے...... آدھے گھنٹے تک دونوں گاڑیاں جنگل میں سے گز
رہیں...... آخر وہ ان دو پہاڑی ٹیلوں کے دامن میں آکر ایک محفوظ جگہ پر ر
گئیں...... یہاں مراد خان نے گاڑیوں کے دونوں مجاہدوں سے کہا کہ وہ واپس
جائیں اور خود وہاں سے پیدل چلتے درختوں اور دشوار گزار جھاڑیوں والے خفیہ راس
سے ہوتے ہوئے اپنی کمیں گاہ میں آگئے۔

رات کافی گزر چکی تھی...... مراد خان نے عمران کے لئے اسی وقت چا
بنوائی...... عمران کہنے لگا۔

"تم لوگ بڑے صحیح وقت پر آئے...... اگر ایک دن کی دیر کر دیتے تو پرسوں
صبح وہ لوگ مجھے حیدر آباد کے ٹارچر سینٹر میں لے جانے والے تھے، کیونکہ میں
انہیں کچھ نہیں بتایا تھا"۔

"انہوں نے زیادہ تشدد تو نہیں کیا؟" مراد خان نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"کل مجھے بجلی کے کچھ جھٹکے ضرور دیئے تھے، مگر ابھی وہ مجھ سے ناامید نہ
ہوئے تھے...... ان کا خیال تھا کہ حیدر آباد کے ٹارچر سینٹر میں وہ مجھ سے سارے
اگلوانے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔

ہاشم خان بولا۔

"اچھا ہوا کہ ہم وقت پر پہنچ گئے...... ورنہ حیدر آباد کے ٹارچر سینٹر میں سیکور
سارا انتظام فوج کرتی ہے...... وہاں ہمیں مشکل پیش آسکتی تھی"۔

چائے پینے کے بعد عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے اب مجھے سو جانا چاہئے...... کئی راتوں سے جاگ رہا ہوں"۔

"تم آرام کرو...... باقی باتیں پھر ہوں گی"۔

یہ کہہ کر مراد خان...... ہاشم اور سکندر کوٹھڑی سے نکل گئے۔

دوسرے دن عمران تیسرے پہر تک سویا رہا...... سورج غروب ہونے کی تیاریاں
ں کہ وہ بیدار ہو کر کوٹھڑی سے باہر آیا...... مراد خان...... سکندر علی اور ہاشم خان
وجود تھے...... انہوں نے مل کر کھانا کھایا...... اس کے بعد کوٹھڑی میں آگئے......
نے نہانے کے بعد کپڑے تبدیل کر لئے تھے...... اب وہ کافی حد تک تازہ دم تھا۔
مراد خان کہنے لگا۔

"ہمارا دوسرا مشن پرانے لائٹ ہاؤس کی زیر زمین لیبارٹری کو تباہ کرنا ہے، لیکن
ن کے لئے ہمیں اب بہت زیادہ سوچ بچار کی ضرورت ہے، کیونکہ عمران کے
ے بعد لائٹ ہاؤس کے اردگرد بھی سیکورٹی بہت سخت کر دی گئی ہو گی"۔

سکندر علی بولا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں کچھ دن خاموش رہنا چاہئے...... ہم ایسا کر سکتے ہیں......
ٹریل کا خفیہ نمبر ہم نے اوپر ہائی کمانڈ کو بھجوا دیا ہے...... اس وقت تک اوپر سے
ے بارے میں کوئی اطلاع بھی آجائے گی...... دوسرے یہ بھی ہمیں معلوم ہو چکا ہے
نے لائٹ ہاؤس کی زیر زمین لیبارٹری میں ایٹمی میٹریل کی پروسیسنگ کا کام ایک
ہ بعد شروع ہو گا اور اس کام کے مکمل ہونے میں مہینہ ڈیڑھ مہینہ لگ جائے گا"۔
ہاشم نے کہا۔

"لیکن ہمیں غافل ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے...... کچھ پتہ نہیں عمران کے فرار کے
ل سیکورٹی کے خیال سے بھارت سرکار ایٹمی میٹریل کے سلنڈر لائٹ ہاؤس
ہا کر کسی دوسرے شہر پہنچا دیں"۔

"ایسا امکان ہے" عمران نے کہا...... "ایسا ہو سکتا ہے...... اس کے لئے ہمیں
نئے لائٹ ہاؤس کے اردگرد کے علاقے کی نگرانی کرنی ہو گی"۔

مراد خان بولا۔

"وہ ہم ضرور کریں گے، کیونکہ ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ پرانے گھ
والے ٹارچر سینٹر کے واقعے کے بعد وہاں سیکورٹی کتنی سخت ہو گئی ہے اور ہمارے
کمانڈو ایکشن کرنے کے کتنے امکانات ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"اس نگرانی کے لئے ہمیں بڑے تجربہ کار اور ہوشیار مجاہدوں کی ضرورت ہے

مراد خان بولا۔

"ایسا انتظام ہو جائے گا...... ہمارے پاس ایسے تجربہ کار مجاہد موجود ہیں جنھ
سراغ رسانی اور اس قسم کی جاسوسی کا بہت تجربہ ہے...... وہ نہ صرف آندھرا پردیش
تلگو زبان بلکہ تامل ناڈو کی تامل زبان بھی بڑی روانی سے بول لیتے ہیں اور انہیں ہر
کے بھیس بدلنے میں زبردست مہارت حاصل ہے...... یہ مجاہد چاہے اس علاقے
کسی ماہی گیر کے بھیس میں آتے جاتے رہیں یا کوئی مجذوب سادھو بن کر وہاں قر
ہی دھونی رمائیں یا کوئی اور طریقہ اختیار کریں...... وہ ہمیں وہاں کی سرگرمیوں کی
ایک پل کی رپورٹ یہاں پہنچاتے رہیں گے...... اگر بھارت سرکار نے وہاں سے
مواد کے سلنڈر نکالے اور کسی دوسری جگہ منتقل کئے تو ہمارے آدمی نہ صرف
فوراً اطلاع کر دیں گے بلکہ وہ یہ بھی معلوم کر لیں گے کہ سلنڈر لائٹ ہاؤس کے
خانے سے نکال کر کس شہر میں اور کس جگہ پر لے جائے گئے ہیں، کیونکہ ایک
سلنڈر لے جانے والوں کا باقاعدہ پیچھا کرلے گا...... اگر بھارت سرکار ان سلنڈر
ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی پر بھی لے جائے گی تو ہمارے آدمی وہاں تک ان کا پیچھا کریں۔

عمران نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو ہم کچھ دن یہاں خاموشی سے گزار سکتے ہیں"۔

مراد خان نے اسی روز اپنے چار تجربہ کار جاسوس مجاہدوں کی ڈیوٹی لگا
گنٹور جا کر پرانے لائٹ ہاؤس کے ارد گرد کے علاقے کی چوبیس گھنٹے نگرانی کریں

دوں مجاہد آندھرا پردیش یعنی حیدر آباد، دکن کے ہی رہنے والے بڑے سرفروش
نم کے مسلمان نوجوان تھے...... وہ تلگو اور تامل اور اردو ہندی یہ ساری زبانیں پوری
طرح سے جانتے تھے اور بڑی روانی سے بول سکتے تھے اور سمجھ سکتے تھے...... انگریزی
زبان سے بھی انہیں واقفیت تھی اور ہندوؤں میں رہنے کی وجہ سے وہ ہندو دھرم سے
اور دیوی دیوتاؤں کے نام اور ان کے مندروں کو بھی جانتے تھے۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں...... پرانا لائٹ ہاؤس اب بیکار ہو چکا تھا...... اس کے
ارد گرد فوج نے خاردار تار کی دیوار کھڑی کر دی تھی...... عمران کے فرار کے بعد
ں سیکورٹی بہت سخت کر دی گئی تھی اور اب کسی غیر ملکی ٹورسٹ یعنی سیاح کو بھی
ٹ ہاؤس کے قریب بھٹکنے کی اجازت نہیں تھی...... وہاں زبردست فوجی پہرہ لگا دیا
یا تھا...... مراد خان کے دو مجاہدوں نے یہ کام کیا کہ پرانے لائٹ ہاؤس سے کچھ
صلے پر سمندر کے کنارے ناریل کے درختوں کے نیچے اپنے لئے ایک چھوٹی سی
جھونپڑی ڈال لی...... درختوں پر سے کچھ ناریل گرائے...... کچھ گرے پڑے ناریل
یک جگہ جمع کر کے لمبے چھروں سے انہیں چھیل کر ان کی چھال الگ کر کے ایک
طرف لگا دی...... درختوں سے کچھ فاصلے پر ریت پر جہاں دھوپ تھی ناریل کی چھال
وہاں سکھانے کے لئے بکھیر دیا...... دو تین گچھے بٹی ہوئی ناریل کی رسیوں کے وہ اپنے
ساتھ لے گئے تھے...... وہ انہوں نے جھونپڑی میں ڈال لئے...... جھونپڑی کے باہر
درختوں کے نیچے ایک چھوٹا سا لوہے کا پرانا چرخہ لگا لیا...... پندرہ بیس گز کے فاصلے پر
ی کا ایک پتلا سا کھمبا گاڑا...... چرخے کے پہیے پر ناریل کی چھال کی بنی ہوئی رسی کا
ایک چھوٹا سا گچھا چڑھا دیا اور اسے ہاتھ سے پھیرنے لگے...... یہ سارا ڈرامہ انہوں نے
نے یہ بتانے کے لئے بنایا تھا کہ وہ کھیت مزدور ہیں...... کھیتوں کا کام ختم ہو گیا
...... اب وہ ناریل کی چھال کی رسیاں بٹ کر انہیں بازار لے جا کر بیچتے ہیں اور جو
روپے ملتے ہیں ان سے اپنے گھر بار کا خرچہ چلاتے ہیں...... ان کے پاس ایک

بڑی طاقتور دوربین بھی تھی جس سے وہ تھوڑی دیر بعد پرانے لائٹ ہاؤس کا جائزہ لیتے تھے کہ وہاں کوئی غیر معمولی سرگرمی تو نہیں ہو رہی...... دوربین کو وہ ایک درخت کی کھوہ کے اندر چھپا دیتے تھے۔

دوسرے دو مجاہدوں نے یہ کیا کہ ان میں سے ایک سر منڈوا کر سادھو بن کر سمندر کے کنارے ایک چٹان کے قریب آلتی پالتی مار کر اور سامنے دھونی لگا کر بیٹھ گیا...... دوسرا مجاہد گیروا چولا پہن کر ماتھے پر تلک لگا کر اس کا چیلا بن کر بیٹھ گیا...... وہ ایسی جگہ بیٹھے تھے جہاں سے پرانے لائٹ ہاؤس پر اور اس کے خاردار تاروں والے گیٹ کے سامنے نگاہ پڑ سکتی تھی...... ان کے پاس بھی ایک چھوٹی مگر طاقتور دوربین تھی جس کی مدد سے وہ دن میں تین چار بار پرانے لائٹ ہاؤس کے علاقے کا جائزہ لے لیتے تھے...... اس کے بعد دوربین کو چٹان کی ایک کھوہ میں چھپا دیتے تھے...... ہر روز رات کے وقت ان سادھوؤں کے بھیس والے مجاہدوں اور ناریل کے درختوں کے نیچے ناریل کی چھال کی رسیاں بنانے والے مجاہدوں میں سے ایک مجاہد بڑی خاموشی اور رازداری کے ساتھ وہاں سے نکل کر مراد خان کے پاس خفیہ کمیں گاہ میں پہنچ جاتا تھا اور اسے دن بھر کی جاسوسی کی پوری رپورٹ دے آتا تھا۔

سادھو اور چیلے کے بھیس میں سمندر کنارے چٹان کے پاس بیٹھے ہوئے مجاہدوں میں سے صرف وہ مجاہد رات کو مراد خان کے پاس دن بھر کی سرگرمیوں کی رپورٹ دینے جاتا تھا...... جو چیلا بنا ہوا تھا...... سادھو وہیں رہتا تھا اور رات کو بھی چٹان کے پاس ہی ہرن کی کھال بچھا کر اور الاؤ روشن کر کے سو جاتا تھا...... ان کا چیلا گنٹور کی مارکیٹ میں جا کر کچھ سبزی وغیرہ لے آتا تھا اور وہیں پکا لیتا تھا...... انہیں مراد خان کی طرف سے سخت آرڈر تھے کہ وہ ناریل کی رسیاں بٹنے والے مجاہدوں سے بالکل نہیں ملیں گے...... ناریل کی رسیاں بنانے والے مجاہدوں کو بھی سادھو مجاہدوں کو ملنے سے منع کر دیا گیا تھا...... مراد خان نے انہیں کہا تھا۔

”تم ایک دوسرے کے قریب سے بھی نہیں گزرو گے...... ہاں اگر وہاں کسی قسم گامی حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو تم جو چاہے کر سکتے ہو...... پھر اس کا تم لوگوں کو ختیار ہو گا“۔

مراد خان کی تنظیم کی اپنی خفیہ کمیں گاہ تو وجے واڑہ کے ایک جنگل میں تھی لیکن یں بھی ان کے ایک مجاہد کے ہاں انہوں نے خفیہ قیام گاہ بنا لی تھی...... ہاشم اور ر علی تو وجے واڑہ میں ہی تھے، لیکن مراد خان اور عمران گنٹور میں اپنے مجاہد کے ٹھکانے پر آ گئے ہوئے تھے، تاکہ وہ لائٹ ہاؤس کے آس پاس ہونے والی فوجی میوں کے بارے میں اپنے مجاہد جاسوسوں کی مدد سے معلومات حاصل کرتے ...... عمران اور مراد خان نے اپنے ساتھیوں کے مشورے سے یہی فیصلہ کیا تھا کہ م انہیں ایک ہفتہ بالکل خاموش رہ کر حالات کا جائزہ لینا چاہئے۔

ابھی تک ایٹمی خفیہ کوڈ کے بارے میں اوپر ہائی کمانڈ کی جانب سے کوئی اطلاع خان کو موصول نہیں ہوئی تھی، لیکن ایک دو روز میں اس اطلاع کے خفیہ سگنل ول ہونے کی توقع ضرور تھی، جس روز یہ چاروں مجاہد پرانے لائٹ ہاؤس کے ب جنگل اور سمندر کے کنارے رسیاں بنانے والوں اور سادھوؤں کے بھیس بدل یٹھے اسی رات انہوں نے آ کر اطلاع دی کہ لائٹ ہاؤس کی خفیہ تنصیبات کے رد سکیورٹی سخت کر دی گئی ہے اور خاردار تاروں کی چار دیواری کے گیٹ کے ے فوج نے مشین گن کا ایک مورچہ بھی بنا لیا ہے۔

اس اطلاع کے ملتے ہی مراد خان نے ان دو مجاہدوں کو واپس بلا لیا جو ناریل کے توں کے نیچے ناریل کی چھال کی رسیاں بنانے والوں کا بھیس بدل کر کام کر رہے ور ان کی جگہ ان دو مجاہدوں کو جو سادھو کے بھیس میں تھے کہا کہ وہ لائٹ ہاؤس امنے سے ہٹ کر ناریل کے درختوں کے نیچے چلے جائیں...... راتوں رات ں مجاہد جو سادھو بن کر لائٹ ہاؤس کے گیٹ سے کچھ فاصلے پر چٹان کے پاس

دھونی رمائے بیٹھے تھے، وہاں سے اٹھ کر ناریل کے درختوں کے نیچے چلے گئے...... وہاں ایک جھونپڑی پہلے سے بنی ہوئی تھی...... انہوں نے وہاں اپنے فرضی گیان دھیان کا ڈرامہ شروع کر دیا۔

اس کے تیسرے دن بعد مراد خان کو رات کے دو بجے ایک آدمی ملنے آیا...... مراد خان اس وقت عمران کے پاس بیٹھا اس سے اپنے مشن کے بارے میں ہی فکر مند ہو کر باتیں کر رہا تھا، کیونکہ مشن کے شروع کرنے میں دیر واقع ہو رہی تھی جو نہیں ہونی چاہئے تھی...... مراد خان اٹھ کر باہر چلا گیا...... تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو عمران کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"عمران! ہم نے ایک معرکہ تو مار لیا ہے...... ابھی یہ آدمی مجھے پیغام دے گیا ہے کہ ہم نے اوپر ہائی کمانڈ کو جو ایٹمی میٹریل کا کوڈ نمبر بھیجا تھا وہ صحیح اور اصلی ہے"۔

عمران کا چہرہ بھی خوشی سے کھل اٹھا...... یہ بہت بڑی کامیابی تھی...... مراد خان اس کے پاس بیٹھ گیا اور بولا۔

"ہائی کمانڈ کی طرف سے یہ ہدایت بھی ملی ہے کہ لائٹ ہاؤس کی زیر زمین ایٹمی تنصیب کو تباہ کرنے میں مزید تاخیر سے کام نہ لیا جائے اور جتنی جلدی ہو سکے اس برباد کر دیا جائے"۔

عمران کہنے لگا۔

"اب ہمارے پاس تاخیر سے کام لینے کی کوئی وجہ نہیں ہے...... سوائے اس کے کہ ہمیں باقاعدہ اس اہم مشن کا منصوبہ تیار کرنا ہوگا" اس میں ایک دو دن کی لگ سکتی ہے"۔

مراد خان نے کہا۔

"اپنے جو دو مجاہد اس وقت ٹارگٹ کے قریب سادھوؤں کے بھیس میں بیٹھے ہیں سراغ رسانی اور جاسوسی میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے...... میں ابھی انہیں پیغام

ا ہوں کہ وہ سورج نکلنے سے پہلے پہلے مجھے آکر مل جائیں...... تم آرام کرو...... ے ملاقات ہو گی"۔

مراد خان نے اسی وقت اپنا ایک خاص آدھی سادھوؤں کی طرف روانہ کر دیا اور نی کوٹھڑی کے باہر ایک طرف ہو کر چارپائی پر بٹھ کر انتظار کرنے لگا...... ایک بعد دونوں مجاہدوں میں سے سینئر مجاہد جو سادھو مہاتما کے بھیس میں تھا...... چادر نہ سر لپیٹے مراد خان کے پاس پہنچ گیا...... مراد خان اسے اندر کوٹھڑی میں لے اس نے دروازہ بند کر لیا اور اسے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

"اکبر علی! ہائی کمانڈ نے حکم دیا ہے کہ ہمیں مزید دیر نہیں کرنی چاہئے...... لہٰذا ہم شن کو جتنی جلدی ہو سکے مکمل کرنا چاہتے ہیں"۔

جو مجاہد سادھو مہاتما بنا ہوا تھا اس کا نام اکبر علی تھا...... اس نے کہا۔

"سر! مجھے حکم کریں...... میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں"۔

مراد خان نے کہا۔

"تمہیں کل سے اس بات کا مشاہدہ کرنا ہوگا کہ پرانے لائٹ ہاؤس کے پراجیکٹ ہاں پھر کون کون آتا جاتا ہے اور اندر جانے کے لئے چیکنگ کا طریق کار کیا ہے...... ے کیا خاردار چار دیواری کے اندر صرف فوجی ہی آتے جاتے ہیں یا سویلین والے بھی آتے جاتے ہیں...... نمبر تین تمہیں یہ بھی مشاہدہ کرنا ہوگا کہ رات ت وہاں پہرے کا کیا انتظام ہوتا ہے اور کیا رات کو کوئی سرچ لائٹ روشن کی ے؟"۔

مجاہد اکبر علی عرف سادھو مہاتما نے کہا۔

"سر! یہ تو میں نے دیکھ لیا ہے کہ رات کو خاردار چار دیواری کے اندر یا باہر کوئی نہیں ہوتی...... صرف گیٹ پر ایک تیز روشنی والا بلب روشن ہوتا ہے...... ئد کہ لائٹ ہاؤس کے مینار کے نیچے بھی اندھیرا چھایا رہتا ہے...... باقی

سرگرمیوں کی رپورٹ میں رات کو آکر دوں گا"۔

اکبر علی چلا گیا اور سورج نکلنے سے پہلے پہلے اندھیرے میں ہی ناریل کے درختو
کے نیچے اپنی جھونپڑی کے باہر ہرن کی کھال کی چٹائی پر جا کر لیٹ گیا...... اس کا ساتھی
مجاہد جو چیلا بنا ہوا تھا اور جسے آئندہ سے ہم چیلے کے نام ہی سے یاد کریں گے وہ آگ کے
کچھ بجھے اور کچھ سلگتے ہوئے الاؤ کے قریب ہی چٹائی بچھا کر لیٹا ہوا جاگ رہا تھا...... اس
نے اکبر علی سے پوچھا۔

"کیا بات ہوئی ہے؟"۔

اکبر علی سادھو نے اسے ساری بات بتا دی اور کہا۔

"مراد خان کا حکم ہے کہ ہمیں اپنی مشاہداتی سرگرمیاں تیز کر دینی ہوں گی......
دن کے وقت تم ایسا کرنا کہ سمندر میں اشنان کرنے سورج کی پوجا پاٹھ کرنے کے
بہانے لائٹ ہاؤس کی دوسری طرف چٹانوں کے پاس سمندر کے کنارے چلے جانا
وہیں اشنان کے بعد گیان دھیان اور تپسیا میں مصروف رہنا...... اگر وہاں کوئی آکر
سے کوئی سوال کرے تو تم جانتے ہو تمہیں کیا جواب دینا ہوگا...... دوربین میرے پا
ہی رہے گی...... تم ساتھ نہیں لے جاؤ گے، کیونکہ وہاں کھلی جگہ پر دوربین چھ
تمہارے لئے مشکل ہوگا"۔

اس کے کچھ دیر کے بعد صبح کی روشنی ہوگی...... اکبر علی سادھو نے چیلے سے کہا

"جاؤ اپنا کام شروع کر دو...... اس بات پر نگاہ رکھنا کہ اس جانب سے لائٹ ہا
کی چار دیواری کے اندر کتنے فوجی پہرے پر ہوتے ہیں اور ان کی سرگرمیاں اور
حرکت کس نوعیت کی ہے"۔

اس کے بعد دونوں مجاہدوں نے جھونپڑی کے اندر بیٹھ کر رات کے بچے
نمکین شوربے میں پکائے ہوئے چاول کھائے...... اکبر علی مجاہد سادھو مہاتما کے
میں جھونپڑی سے نکل کر ایک خاص زاویئے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا جس

لوگ سمندر کے کنارے گیان دھیان میں آسن جما کر بیٹھا کرتے ہیں...... اس کا
اور چیلا حسب حکم ترشول ہاتھ میں تھام کر سمندر کے کنارے کنارے ہری
ہری اوم کا جاپ کرتا سمندر کی اس جانب چلا گیا جہاں سے لائٹ ہاؤس کی
چار دیواری کا مغربی پہلو صاف دکھائی دیتا تھا...... وہ ایسے رخ پر بیٹھا تھا کہ لائٹ
کے ارد گرد کا سارا علاقہ اسے صاف نظر آ رہا تھا۔

دوسری جانب اکبر علی بھی سادھو مہاتما بن کر جھونپڑی کے آگے چند قدموں
اصلے پر دھونی رمائے بیٹھا تھا...... چھوٹی دوربین اس نے اپنے قریب سوکھے پتوں
اڑیوں کی ڈھیری میں چھپا کر رکھی ہوئی تھی...... اس طرف کسی سویلین کی
رفت نہیں تھی...... وہ لائٹ ہاؤس کی جانب تھوڑی تھوڑی دیر بعد دیکھ لیتا تھا......
کافی اوپر آگیا ہوا تھا...... دھوپ نکلی ہوئی تھی...... سمندر کی لہریں آہستہ
کی طرف آتیں اور کنارے پر جھاگ کی لکیر چھوڑ کر واپس چلی جاتی تھیں......
میں اسے ٹرک کے انجن کی آواز سنائی دی۔

اکبر علی سادھو نے گردن موڑ کر اپنی دائیں جانب دیکھا...... آواز اس طرف سے
تھی...... اس نے دیکھا کہ ساحل سمندر پر ایک ٹرک اس کی طرف چلا آ رہا ہے......
شیار ہو کر بیٹھ گیا اور ہری اوم ہری اوم کا جاپ کرتے ہوئے بالکل ساکت ہو گیا
بھگوان کی بھگتی اور پوجا کرتے ہوئے سادھو لوگ اسی طرح خاموش اور ساکت
یا کرتے ہیں...... ٹرک قریب آگیا تھا...... اکبر علی سادھو نے گوشہ چشم سے ٹرک
تھا...... یہ ایک فوجی ٹرک تھا...... اس کے اوپر ترپال کی چھت پڑی ہوئی تھی......
اس سے سو ڈیڑھ سو فٹ کے فاصلے پر سے آگے گزر گیا...... جب ٹرک آگے
تو اس نے ذرا سی آنکھیں کھول کر دیکھا...... ٹرک کے اندر آمنے سامنے نڈین
بیٹھے ہوئے تھے۔

فوجی ٹرک لائٹ ہاؤس کے قریب پہنچ کر خاردار چار دیواری کے گیٹ میں داخل

ہو گیا...... تب اکبر علی سادھو نے دوربین پتوں کے ڈھیر سے نکال کر آنکھوں پر لگا
دیکھا...... فوجی ٹرک دائیں جانب خاردار چار دیواری کے اندر مڑ گیا تھا......اب وہ ا
کے چیلے کی رینج میں تھا...... اس سے دوسرا مجاہد یعنی اکبر علی کا ساتھی مجاہد چیلا بھی
چوکس ہو گیا ہوا تھا...... اس نے بھی فوجی ٹرک کو گیٹ میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا
ٹرک لائٹ ہاؤس کے مینار کے قریب آکر رک گیا......اس کے اندر سے چار فوجی نکلے
جنہوں نے سٹین گنیں کندھوں پر لٹکا رکھی تھیں...... وہ ایک دوسرے سے باتیں بھی
کر رہے تھے...... ان کی بہت بے معلوم سی آوازیں چیلے کو سنائی دے رہی تھیں......
سارے فوجی ایک قطار کی شکل میں لائٹ ہاؤس کی پہلی منزل والے دروازے میں
داخل ہو گئے...... یہ وہ راستہ تھا جو نیچے لائٹ ہاؤس کے تہہ خانے میں جاتا تھا جہاں ایٹمی
میٹریل کی پروسیسنگ کا عمل شروع ہونے والا تھا۔

مجاہد اکبر علی سادھو نے فوجی ٹرک کو خاردار چار دیواری میں جاتے دیکھ لیا تھا۔
اس کے چیلے نے ٹرک کو لائٹ ہاؤس کے مینار کے عقب میں کھڑے ہوئے اور اس
میں سے فوجی جوانوں کو نکل کر لائٹ ہاؤس کے تہہ خانے والے دروازے میں داخل
ہوتے دیکھا تھا...... تھوڑی دیر بعد لائٹ ہاؤس کے دروازے میں سے وہی چار فوجی باہر
نکلے اور ٹرک کے اندر سے لکڑی کے دو بکس اٹھا کر نیچے لے گئے...... ایک گھنٹے تک
وہاں مکمل خاموشی چھائی رہی...... نہ کوئی آیا، نہ کوئی گیا...... لائٹ ہاؤس کے دروازے
کے باہر ہر ایک فوجی پہرے پر کھڑا تھا...... اس کے بعد وہی چاروں فوجی ایک بار پھر
باہر آگئے...... وہ ٹرک میں چڑھ گئے اور ٹرک سٹارٹ ہو گیا...... تھوڑا سا بیک ہو کر
سیدھا ہوا اور خاردار چار دیواری کے گیٹ میں سے نکل کر جس طرف سے آیا تھا اسی
طرف کو چل دیا......اسے واپس جاتے مجاہد اکبر علی سادھو نے بھی دیکھا...... وہ اس کے
سامنے سے گزر گیا۔

ماحول پر ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

اس خاموشی میں صرف سمندر کی موجوں کی ہلکی ہلکی یکساں آواز ہی سنائی دے
رہی تھی یا کسی وقت کوئی سمندری بگلا قیں قیں کرتا اوپر سے گزر جاتا تھا...... دوپہر کے
دو بجے کے قریب چیلا اٹھ کر اکبر علی سادھو کے پاس آگیا...... اکبر علی نے پوچھا۔
"ٹرک میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا...... اس میں کیا چیز لائی گئی تھی...... تم
نے ضرور دیکھا ہوگا"۔

چیلے نے کہا۔

"اس میں سے پہلے چار فوجی جوان نکلے تھے...... وہ لائٹ ہاؤس کے اندر چلے گئے
...... کچھ دیر کے بعد وہی فوجی جوان دوبارہ باہر آئے اور ٹرک میں سے لکڑی کے دو
بڑے بکس اٹھا کر لائٹ ہاؤس کے اندر لے گئے تھے...... اس کے بعد وہ باہر آئے تو
ٹرک میں سوار ہو کر چلے گئے......اس کے بعد کچھ نہیں ہوا"۔

مجاہد اکبر علی سادھو نے اپنے ساتھی چیلے کو ہدایت کی کہ وہ اپنی آنکھیں اس طرح
کھلی رکھے اور مشاہدہ کرتا رہے...... چیلا تھوڑے سے چاول کھانے کے بعد واپس اپنی
جگہ پر جا کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور کسی کسی وقت اپنے دونوں بازو آسمان کی طرف
بلند کر کے سر کو جھٹک دیتا تھا...... اس نے دریائے گنگا کے کنارے سادھوؤں کو ایسا
کرتے دیکھا تھا...... وہ برابر لائٹ ہاؤس پر نگاہ رکھے ہوئے تھا...... سورج غروب ہونے
لگا...... پھر دن کی روشنی ماند پڑ گئی...... وہاں کوئی سرگرمی دیکھنے میں نہیں آئی تھی......
ایسا لگ رہا تھا جیسے وہاں جو کچھ ہو رہا ہے لائٹ ہاؤس کے اندر زیر زمین ہی ہو رہا
تھا...... گیٹ کے باہر مشین گن کی پوسٹ کے جوان بھی اسی طرح خاموش بیٹھے
تھے...... مورچے کے باہر نکلے ہوئے صرف ان کے سر ہی نظر آ رہے تھے۔



مجاہد چیلا اپنے استھان سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

وہ آہستہ آہستہ سمندر کے پانی میں کنارے کنارے چلتا ذرا اونچی آواز میں ہری اوم...... ہری اوم کا منتر پڑھتا واپس ناریل کے درختوں میں مجاہد اکبر علی سادھو کے پاس آ گیا...... اکبر علی سادھو نے خشک ٹہنیاں جمع کر کے دھونی رمائی تھی...... چیلا خاموشی سے اپنے گورو کے چرنوں میں بیٹھ گیا...... اکبر علی نے پوچھا۔

"کوئی نئی خبر؟"۔

چیلے نے کہا۔

"اکبر علی! مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ وہاں ابھی کسی قسم کا کوئی بھی کام شروع نہیں ہوا...... سوائے ان چار فوجیوں کے نہ کوئی وہاں آیا ہے اور نہ گیا ہے...... خاردار چار دیواری کے باہر تین فوجی جوان گشت لگاتے رہے ہیں...... مشین گن کے مورچے میں بھی فوجی موجود تھے، مگر اس کے علاوہ وہاں کوئی انسان نظر نہیں آیا نہ کسی کی آواز ہی سنائی دی ہے"۔

مجاہد اکبر علی نے کہا۔

"بہر حال ہمیں آج کی پوری رپورٹ مراد خان کو پہنچانی ہو گی...... میں رات کے پچھلے پہر اٹھ کر جاؤں گا...... تمہیں جگا دوں گا تم ہوشیار ہو کر بیٹھنا...... یہاں کسی نہ کسی کو ہم پر شک پڑ سکتا ہے...... یہ انتہائی سیکورٹی کا علاقہ ہے...... میں تو حیران ہوں کہ

ابھی تک ہم سے پوچھ گچھ کرنے کوئی کیوں نہیں آیا...... بہر حال ہمیں ہر اعتبار سے چوکس ہو کر بیٹھنا ہو گا"۔

یہ دونوں صرف جھونپڑی کے اندر دیا جلاتے تھے...... اسے جھونپڑی سے باہر نہیں لاتے تھے اور الاؤ بھی روشن نہیں کرتے تھے بلکہ اسے اس طرح جلاتے تھے کہ شعلہ بلند نہ ہو...... صرف دھواں نکلتا رہے...... یہ دھواں انہیں رات کو مچھروں سے بھی بچاتا تھا...... الاؤ کا شعلہ دور سے نظر آ سکتا تھا...... وہ جان بوجھ کر کسی کو اپنی طرف توجہ نہیں کرنا چاہتے تھے...... انہوں نے سلور کی پتیلی میں پکائے ہوئے چاول نکال کر تھوڑے تھوڑے کھائے...... پانی پیا اور سو گئے...... رات کے پچھلے پہر مجاہد اکبر علی بیدار ہوا اٹھا...... اس نے اپنے ساتھی مجاہد کو بھی جگا دیا...... کہنے لگا۔

"میں جا رہا ہوں...... تم ہوشیار رہنا"۔

یہ کہہ کر وہ چلا گیا...... وہ ایک خاص غیر آباد ویران راستے سے ہوتا ہوا رات کے اندھیرے میں ہی مراد خان کے خفیہ ٹھکانے پر پہنچ گیا...... مراد خان اور عمران سو رہے تھے...... ان کے باڈی گارڈ نے انہیں جگا دیا...... اکبر علی مجاہد چادر سے منہ سر لپیٹے ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور جو کچھ دن بھر میں اس نے اور اس کے ساتھی مجاہد چیلے نے دیکھا تھا وہ لفظ بہ لفظ مراد خان اور عمران کو سنا دیا اور کہا۔

"سر! وہاں تو ہر وقت خاموشی چھائی رہتی ہے...... مجھے تو لگتا ہے کہ اصل کام کسی اور جگہ ہو رہا ہے...... یہاں صرف کوئی سٹور وغیرہ ہی ہے"۔

مراد خان نے عمران کی طرف دیکھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

عمران بولا۔

"میرا خیال ہے کہ جیسا کہ ہمیں اطلاع مل چکی ہے ابھی لائٹ ہاؤس کی زیر زمین لیبارٹری میں پروسیسنگ کا عمل شروع نہیں ہوا...... یہ عمل ہفتے دو ہفتوں میں شروع

ہو گا...... ابھی وہاں صرف ضروری ساز و سامان جمع کیا جا رہا ہے، لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ ایٹمی میٹریل پر جو عمل بھی ہو گا اسی لائٹ ہاؤس کے نیچے تہہ خانے میں ہو گا اور چھ سات جتنے بھی ایٹمی مواد کے سلنڈر ہیں وہ اسی جگہ تہہ خانے میں ہی ہیں"۔

مراد خان نے مجاہد اکبر علی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

"یہ بتاؤ کہ تم میں سے کسی نے لائٹ ہاؤس کے مینار میں کسی کو دیکھا ہے...... لائٹ ہاؤس کے مینار کی تین منزلیں ہیں...... ہر منزل کے گرد چھوٹا سا گول جنگلا لگا ہوا ہے...... کیا کبھی اس جنگلے میں تمہیں کوئی فوجی یا سویلین نظر آیا ہے"۔

مجاہد اکبر علی بولا۔

"ابھی تک تو مجھے وہاں کوئی آدمی نظر نہیں آیا...... ویسے میں اب اسے بھی نگاہ میں رکھوں گا"۔

عمران نے پوچھا۔

"لائٹ ہاؤس پراجیکٹ کے گیٹ میں سے اندر داخل ہوتے ہوئے گارڈز کس طرح چیکنگ کرتے ہیں؟"۔

اکبر علی نے جواب دیا۔

"ابھی تک تو ہمارے سامنے کل ایک فوجی ٹرک ہی اندر داخل ہوا ہے...... اس کی گیٹ پر چیکنگ نہیں ہوئی"۔

"ٹھیک ہے"...... مراد خان نے کہا...... "تم اپنی ڈیوٹی پر جاؤ"۔

اکبر علی سادھو منہ سر لپیٹ کر چلا گیا۔

دوسرے روز دن کے بارہ بجے کے قریب ایک فوجی ٹرک آیا اور لائٹ ہاؤس کے گیٹ میں داخل ہو گیا...... وہ لائٹ ہاؤس کے مینار کے پہلو میں رُک گیا...... اس میں سے تین فوجی باہر نکلے...... اس کے بعد چار سویلین کپڑوں والے باہر نکلے جنہوں نے ڈاکٹروں والے لمبے سفید کوٹ پہنے ہوئے تھے...... یہ چاروں آدمی لائٹ ہاؤس کے

چلے گئے...... ان کو چھوڑ کر فوجی ٹرک واپس چلا گیا...... اکبر علی مجاہد نے ٹرک جیکٹ کے گیٹ میں جاتے دیکھا تھا...... اس کے بعد وہ لائٹ ہاؤس کے پیچھے جا کر ی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا اور اسے کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اس کے اندر کون باہر نکلا ہے...... یہ منظر دوسرے مجاہد یعنی اکبر علی سادھو کے چیلے نے دیکھ لیا کیونکہ لائٹ ہاؤس کا عقبی حصہ اس کی نظروں کے سامنے تھا...... اس نے کچھ دیر بعد اکبر علی کو جا کر بتایا کہ فوجی ٹرک میں سے چار سفید کوٹ والے درمیانی عمر کے ی نکلے تھے اور لائٹ ہاؤس کے اندر چلے گئے تھے...... اکبر علی نے کہا۔

"وہ سائنس دان ہی ہو سکتے ہیں...... ہمیں یہ خبر مراد خان اور عمران کو فوراً ہانی ہو گی...... میں رات کا اندھیرا ہوتے ہی ان کی طرف چل پڑوں گا"۔

اکبر علی سادھو نے رات کے پچھلے پہر کا انتظار نہ کیا اور گیروے رنگ کی چادر ٹ کر رات پڑتے ہی مراد خان کے خفیہ ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گیا...... مراد خان ے شروع رات میں وہاں دیکھ کر کچھ حیران سا ہوا، اس نے پوچھا۔

"خیریت تو ہے ناں؟"۔

مجاہد اکبر علی نے کہا۔

"سر! آج دوپہر کو لائٹ ہاؤس پراجیکٹ میں ایک فوجی ٹرک آیا تھا جس میں سے سفید کوٹ والے آدمی اترے تھے، وہ چاروں لائٹ ہاؤس کے اندر چلے گئے تھے"۔

عمران نے کہا۔

"وہ سائنس دانوں کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے...... اس کا مطلب ہے کہ وہاں ٹا میٹریل کی پروسیسنگ کا کام شروع ہو گیا ہے...... اب ہمیں خاموش نہیں بیٹھنا ئے"۔

مراد خان نے مجاہد اکبر علی کو واپس اس کے ڈیوٹی سپاٹ پر بھیج دیا اور تاکید کی کہ ٹ ہاؤس کے آس پاس کی فوجی اور غیر فوجی نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھے......

اس کے جانے کے بعد وہ آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے، مراد خان نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں ہاشم اور سکندر کو وجے واڑہ سے بلا لینا چاہئے...... ان کے ساتھ بھی مشورہ ضروری ہے"۔

دوسرے ہی روز صبح صبح مراد خان نے ایک آدمی کو وجے واڑہ روانہ کر دیا......

وجے واڑہ زیادہ دور نہیں تھا...... دن کے دس بجے ہاشم خان اور سکندر گنتور کی خفیہ قیام گاہ پر پہنچ چکے تھے...... عمران اور مراد خان نے انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ لائٹ ہاؤس کے پراجیکٹ پر سائنس دانوں کی ایک کھیپ پہنچ گئی ہے اور پروسیسنگ کا عمل شروع ہو گیا ہے...... ہاشم خان کہنے لگا۔

"ہمارا مشن بالکل واضح ہے...... ہمیں لائٹ ہاؤس کو اس طرح تباہ کرنا ہے کہ یہ اپنی بنیادوں سمیت اڑ جائے، تاکہ اس کے نیچے جو تہہ خانہ ہے اور جہاں سارا کام ہو رہا ہے اس کے بھی پرخچے اڑ جائیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم یہ کیسے کر سکتے ہیں؟ اس کے دو طریقے میری سمجھ میں آتے ہیں...... نمبر ایک یہ کہ ایسا ہو کہ ہم میں سے کوئی مجاہد کسی طریقے سے کسی وسیلے سے...... کسی بھیس میں لائٹ ہاؤس کے تہہ خانے میں جا کر انتہائی دھماکہ خیز مواد لگانے میں کامیاب ہو جائے...... نمبر دو یہ کہ ہم باہر سے حملہ کریں...... اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ کسی جگہ سے چھپ کر رات کے وقت راکٹ لانچر سے لائٹ ہاؤس پر راکٹ فائر کئے جائیں...... ایسا کرنے سے زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ لائٹ ہاؤس اڑ جائے گا مگر اس کا تہہ خانہ محفوظ رہے گا...... اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، چنانچہ یہ دوسرا طریقہ ہمارے لئے فائدے مند نہیں ہے، بلکہ الٹا اس سے ہمیں یہ نقصان ہو گا کہ حکومت فوری طور پر ایٹمی میٹریل کے سلنڈر یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دے گی، چنانچہ ہمیں پہلے طریقے پر غور کرنا چاہئے کہ اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں"۔

مراد خان کہنے لگا۔

"لائٹ ہاؤس کے اندر ہم میں سے کسی کے لئے داخل ہونا بظاہر ناممکن ہے"۔

ہاشم خان بولا۔

"ہمیں ناممکن کو ہی ممکن بنانا ہے، ورنہ ہم اپنے مشن میں ناکام ہو جائیں گے"۔

مراد خان نے عمران کی طرف دیکھا۔

"عمران...... اس سلسلے میں تمہارا کیا مشورہ ہے؟"۔

عمران نے آہستہ سے کہا۔

"ہاشم ٹھیک کہتا ہے...... ہمیں ناممکن کو ممکن کر دکھانے کی ضرورت ہے...... ہمیں صرف اس لائن پر سوچنا ہو گا کہ ہم لائٹ ہاؤس پراجیکٹ کے اندر کیسے داخل ہو سکتے ہیں"۔

سکندر کہنے لگا۔

"مراد خان جی! ہم نے اپنے جو آدمی لائٹ ہاؤس کی نگرانی کے لئے لگائے ہوئے ہیں ان کی کیا رپورٹ ہے؟"۔

مراد خان نے سکندر کو اپنے دونوں جاسوس مجاہدوں کی دو دن کی کارگزاری تفصیل سے بیان کر دی...... سکندر خاموشی سے سنتا رہا، پھر بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہاں سیکورٹی انتہائی سخت ہے...... ہم سائنس دانوں کے لباس میں بھی اندر داخل نہیں ہو سکتے اور فوجی وردیوں میں بھی اندر جانے کا کوئی امکان نہیں ہے، کیونکہ لائٹ ہاؤس کی زیر زمین لیبارٹری میں جانے کے لئے فوجی جوانوں کی بھی زبردست چیکنگ ہوتی ہو گی...... آئی ڈی کارڈ چیک کیا جاتا ہو گا...... پے بک چیک کی جاتی ہو گی"۔

"ایک منٹ" مراد خان نے سکندر کی بات درمیان میں سے کاٹ دی اور کہنے لگا۔

"مجھے ایک خیال آیا ہے"۔

ہاشم...... سکندر اور عمران اس کی طرف دیکھنے لگے...... مراد خان نے کہا۔

"اپنے مجاہد اکبر علی نے جو سادھو کے بھیس میں ٹارگٹ کے سپاٹ پر دھونی رمائے بیٹھا ہے، بتایا ہے کہ سائنس دانوں کے آنے کے بعد فوجی سیکورٹی گارڈز کی نفری میں اضافہ کر دیا گیا ہے اور اب لائٹ ہاؤس کے مینار کی تینوں منزلوں پر بھی فوجی جوان پہرے پر کھڑے کر دیئے گئے ہیں...... ان حالات میں ظاہر ہے ان فوجی گارڈز کی بدلی بھی ضرور ہوتی ہو گی اور ان کی جگہ لینے دوسرے دن نئے فوجی جوان آتے ہوں گے...... اگر ہمیں یہ پتہ چل جائے کہ یہ نئے فوجی جوان کس وقت اور کس طرف سے فوجی گاڑی میں بیٹھ کر اپنی ڈیوٹی پر آتے ہیں تو ہم انہیں راستے میں ہی ختم کر کے ان کی وردیاں پہن کر لائٹ ہاؤس کے اندر جانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں...... ہمارے پاس ان فوجیوں کے شناختی کارڈ اور پے بکس بھی موجود ہوں گی"۔

ہاشم نے کہا۔

"خیال اچھا ہے...... اگرچہ اس میں خطرہ زیادہ ہے...... پھر بھی موجودہ حالات میں ہمیں ہر قسم کا خطرہ مول لینا ہو گا...... تم ایسا کرو کہ اپنے جاسوس مجاہدوں کو بریف کر دو کہ وہ یہ دیکھتے رہیں کہ ڈیوٹی گارڈز کے جوان کس وقت تبدیل ہوتے ہیں اور ان کی جگہ لینے کے لئے دوسرے جوان کس وقت وہاں آتے ہیں"۔

"یہ پیغام انہیں ابھی پہنچا دیا جائے گا" مراد خان بولا۔

یہ پیغام ٹارگٹ پر تعینات دونوں مجاہد جاسوسوں کو پہنچا دیا گیا...... دو دن تک دونوں جاسوس سادھوؤں کے بھیس میں الگ الگ جگہوں پر بیٹھے لائٹ ہاؤس پراجیکٹ کا گہری نگاہوں سے جائزہ لیتے رہے...... وہ خاص طور پر یہ دیکھتے رہے کہ گارڈ سنتریوں کی بدلی کب اور کس وقت ہوتی ہے، لیکن ان دونوں دنوں میں انہوں نے محسوس کیا کہ گارڈ سنتریوں کی بدلی نہیں ہوئی تھی...... انہوں نے دور بین کی مدد سے بھی دیکھا کہ جو سنتری یا فوجی جوان لائٹ ہاؤس کے تہہ خانے والے دروازے اور لائٹ ہاؤس کے مینار کی تینوں منزلوں پر پہلے دن پہرے پر کھڑا کئے گئے تھے، دوسرے اور تیسرے دن بھی

ی فوجی جوان پہرہ دے رہے تھے...... صرف اتنا فرق پڑتا تھا کہ دن کے وقت پہرہ ینے والے شام کو چلے جاتے تھے اور ان کی جگہ رات کو وہ فوجی جوان آجاتے تھے ہوں نے ایک دن پہلے رات کے وقت ڈیوٹی دی ہوئی تھی...... اس طرح ان آٹھ ں فوجی جوانوں میں ہی جو وہاں مستقل رہ رہے تھے ادلی بدلی ہوتی رہتی تھی۔

جب یہ رپورٹ انہوں نے مراد خان اور عمران کو دی تو وہ سوچ میں پڑ گئے...... ہوں نے سوچ رکھا تھا کہ جو فوجی دستہ دن کے وقت یا رات کے وقت بدلی کے لئے تا ہے اس کو راستے میں ہی ختم کر دیں گے اور خود ان کی فوجی وردیاں پہن کر پراجیکٹ ے گیٹ میں داخل ہو جائیں گے، لیکن اب انہیں اپنے اس منصوبے سے دستبردار نا پڑ گیا تھا...... اب کسی دوسری سکیم پر انہوں نے سوچنا شروع کر دیا...... وہ سخت ھن میں تھے...... کوئی دوسری قابل عمل اور قابل اعتبار سکیم ان کی سمجھ میں نہیں رہی تھی۔

اگلے دن شروع رات میں مجاہد اکبر علی جو سادھو کے بھیس میں ٹارگٹ کے یب دھونی رمائے بیٹھا تھا آیا اور اس نے بتایا کہ آج دوپہر کے وقت ایک فوجی گاڑی ادو اور سائنس دان لائٹ ہاؤس کی لیبارٹری میں آئے ہیں جن میں سے ایک رت ہے...... انہوں نے سفید کوٹ پہن رکھے تھے اور ان کے ہاتھوں میں بریف س تھے...... ہاشم اور سکندر اور عمران بھی وہاں موجود تھے...... مراد خان سخت پریشان ھائی دے رہا تھا، کیونکہ وقت گزرتا جا رہا تھا اور پراجیکٹ تباہ کرنے کی کوئی کارگر کیب ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی...... وہ اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے...... ہد اکبر علی ان کی گفتگو بڑے غور سے سن رہا تھا۔

مراد خان کہنے لگا۔

"آج صبح بھی اپنے ہائی کمانڈ سے ایک سگنل موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے چھا ہے کہ لائٹ ہاؤس مشن کے سلسلے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے...... ہائی کمانڈ بھی

فکر مند ہے کہ ہم لائٹ ہاؤس پراجیکٹ کو برباد کرنے میں تاخیر سے کیوں کام لے رہے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"ہمیں یہ معلوم کرنا چاہئے کہ جو سائنس دان لیبارٹری میں کام کر رہے ہیں وہ کہاں رہتے ہیں...... ان میں سے کسی کو اغوا کر کے ہم ان کی جگہ کوئی اپنا آدمی بھیج سکتے ہیں"۔

مراد خان کہنے لگا۔

"یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو اور وہاں جو فوجی لوگ بیٹھے ہیں وہ بے وقوف نہیں ہیں...... ہمارا آدمی اندر داخل ہوتے ہی پکڑا جائے گا"۔

مجاہد اکبر علی بولا۔

"میں نے تو ان دنوں میں کسی سائنس دان کو لائٹ ہاؤس پراجیکٹ سے باہر نکلتے نہیں دیکھا...... مجھے یقین ہے کہ یہ سائنس دان لائٹ ہاؤس کے احاطہ میں ہی کسی بارک وغیرہ میں رہتے ہیں"۔

ہاشم کہنے لگا۔

"پھر کیا کرنا چاہئے ہمیں؟"۔

مراد خان نے مایوسی کے لہجے میں کہا...... "ابھی تک میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا...... وقت تیزی سے گزرتا جا رہا ہے"۔

اس موقع پر مجاہد اکبر علی نے ایک ایسی تجویز پیش کر دی جس کو سن کر سب مجاہد اس کی طرف دیکھنے لگا...... مراد خان نے کہا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو اکبر علی؟"۔

مجاہد اکبر علی نے جواب میں کہا۔

"اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے سر"۔

مجاہد اکبر علی نے جو تجویز پیش کی تھی وہ یہ تھی کہ وہ اپنے جسم کے ساتھ انتہائی تباہ کن اور انتہائی طاقتور دھماکہ خیز مواد باندھ کر کسی بڑے فوجی افسر کی وردی میں پراجیکٹ میں داخل ہو گا...... ظاہر ہے وہ میجر یا کرنل یا جنرل کی وردی میں ہو گا...... اس کو کوئی فوجی نہیں روک سکے گا...... یوں وہ سیدھا لائٹ ہاؤس کے تہہ خانے والے دروازے میں سے گزر کر نیچے لیبارٹری میں آ جائے گا اور وہاں آتے ہی ایٹمی مواد کے سلنڈروں کا معائنہ کرنے کے بہانے ان کے پاس جائے گا اور اپنے جسم کے ساتھ بندھے ہوئے تباہ کن مواد کا خفیہ بٹن دبا دے گا...... وہاں ایک بھیانک دھماکہ ہو گا اور خود بھی شہید ہو جائے گا اور اپنے ساتھ ایٹمی پراجیکٹ کو بھی تباہ کر دے گا...... یہ ایک خودکشی مشن تھا جس کی تجویز مجاہد اکبر علی نے پیش کی تھی...... اس پر کوئی بھی راضی نہ ہوا...... مجاہد اکبر علی کہنے لگا۔

"مراد خان جی! آپ مجھے صرف اتنا بتا دیں کہ کیا ایسا کرنے سے بھارت کا یہ ایٹمی پراجیکٹ مکمل طور پر تباہ ہو جائے گا؟ مجھے صرف میرے اس سوال کا جواب دیجئے گا"۔

مراد خان نے ہاشم خان کی طرف دیکھا، کیونکہ مراد خان دھماکہ خیز مواد کی ٹیکنالوجی کا ایکسپرٹ تھا...... ہاشم خان نے آہستہ سے کہا۔

"دھماکہ خیز مواد کی سائنس انتہائی ترقی کر چکی ہے...... ہمارے پاس ایسا خطرناک ترین دھماکہ خیز مواد موجود ہے کہ جس میں بارود بالکل استعمال نہیں ہوتا...... بعض ایسے کیمیکلز استعمال کئے جاتے ہیں جن کا دھماکہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ جہاں یہ مواد پھٹتا ہے وہاں دو دو سو گز تک کوئی بلڈنگ سلامت نہیں رہتی...... ان کے بھی پرخچے اڑ جاتے ہیں"۔

مجاہد اکبر علی نے بڑے پرجوش انداز میں کہا۔

"بس ٹھیک ہے...... میں بھی یہی چاہتا ہوں...... میں اس قومی سلامتی اور اسلام کی سربلندی کی خاطر اس مشن کے لئے اپنے آپ کو رضاکارانہ طور پر پیش کرتا

ہوں...... اگر میری جان چلی جانے سے میرا محبوب وطن پاکستان دفاعی اعتبار سے زیادہ طاقتور ہو جائے گا اور بھارت کا پاکستان دشمن پروگرام نیست و نابود ہو جائے گا تو میرے نزدیک اس سے زیادہ میری خوش قسمتی اور کوئی نہیں ہو سکتی"۔

سکندر نے کہا۔

"لیکن اکبر علی"۔

مجاہد اکبر علی نے بڑے جلالی لہجے میں سکندر کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"لیکن کچھ نہیں سکندر علی...... میں جانتا ہوں تم کیا دلیل پیش کرو گے، لیکن محض دلیل بازی سے ہم اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتے جو نہ صرف بھارت کے مسلمانوں بلکہ پورے پاکستان کی بقاء کا مسئلہ ہے...... مجھے ایک نہ ایک دن تو مرنا ہی ہے...... اگر بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کی بجائے مجھے شہادت کی موت نصیب ہوتی ہے تو ایسی موت کو ایک ہزار ایک دفعہ گلے لگانے کو تیار ہوں"۔

مجاہد اکبر علی کے جذبے اور اس کے جلال کو دیکھ کر وہ سب خاموش ہو گئے...... مراد خان نے کہا۔

"اکبر علی! ابھی تم اپنی ڈیوٹی پر جاؤ...... اس معاملے پر کل غور کریں گے"۔

مجاہد اکبر علی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"خان جی! اس میں غور کرنے والی کوئی بات نہیں رہی...... میں فیصلہ کر چکا ہوں اور میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ جس مشن کو کامیاب بنانے کے لئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے میں اس میں یقیناً کامیاب ہوں گا...... خدا حافظ!"۔

اور مجاہد اکبر علی چادر کی بکل مار کر خفیہ کمیں گاہ سے نکل گیا...... اس کے جانے کے بعد وہ سب دس پندرہ سیکنڈ تک بالکل خاموش سے ہو کر بیٹھے رہے...... ہر شخص اپنے طور پر یہی محسوس کر رہا تھا کہ اکبر علی مجاہد ان سے بازی لے گیا ہے، جو تجویز اس

ہے وہ ان میں سے خود کسی کو پیش کرنی چاہئے تھی...... جو مجاہدانہ اور دلیرانہ
کبر علی نے کیا ہے وہ ان میں سے کسی کو کرنا چاہئے تھا، لیکن یہ بات طے ہے
نے جس کی قسمت میں شہادت کا رتبہ لکھ دیا ہوتا ہے، یہ بلند رتبہ اسی کو ملتا
ندر نے خاموشی کی فضا کو توڑتے ہوئے کہا۔

ر علی بہت جذباتی ہو رہا ہے"۔

ن بولا۔

جیسے جذبات کہہ رہے ہو میں اسے جذبہ اسلام کی سب سے بڑی طاقت
یہی وہ جذبہ ہے جو مسلمانوں کو دشمن پر فتح و کامرانی عطا کرتا ہے......
ہے جس کی طاقت سے ہم اپنے سے تین گنا زیادہ طاقتور دشمن پر فتح حاصل
یہ محض جذبات نہیں ہیں سکندر...... بلکہ یہ ایک مسلمان کی ہیبت و
...... مومن کی یلغار ہے جس کے آگے دشمن کے مورچے اور دشمن کے بنکر
ی قلعہ بندیاں خس و خاشاک کی طرح اڑنے لگتی ہیں"۔

ان پر بھی جلالی کیفیت طاری ہو رہی تھی...... اس نے کہا۔

ر ہم اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں تو کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہم مجاہد اکبر
لک کرتے ہیں...... کیا ہم یہ نہیں سوچ رہے کہ جو فیصلہ اس نے کیا ہے وہ ہم
ی کو کرنا چاہئے تھا...... میرے دوستو! یقین کرو کہ اکبر علی ہم سے بازی لے
اس نے جنت کا دروازہ دیکھ لیا ہے...... اب وہ پیچھے نہیں ہٹے گا"۔

ڑی میں ایک تقدس آمیز خاموشی چھا گئی...... اس وقت ان چاروں مجاہدوں
ں کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے ان میں سے ہر ایک اپنے سینے پر بم باندھ کر
ے مورچے میں کود پڑنے اور اس کے پرخچے اڑا دینے پر تیار ہے...... کچھ دیر
اد خان نے خاموشی کے طلسم کو توڑا اور کہا۔

ئے مجاہد اکبر علی کا جذبہ شہادت قابل قدر ہے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ

وہ ہم سب میں سے آگے نکل گیا ہے، لیکن میں تقاضائے بشری کے تحت چاہتا ہوں
اکبر علی کے ساتھ ابھی اس موضوع پر کوئی بات نہ کی جائے"۔

ان سب نے ایسا ہی کیا...... جب ایک دن گزر گیا اور پھر دوسرا دن بھی گزر
مجاہد اکبر علی شام کو خفیہ کمیں گاہ پر آیا اور مراد خان سے کہا۔

"خان صاحب! معاملہ نازک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے...... ہم نے دور
سے دیکھا ہے کہ لائٹ ہاؤس میں ایک بہت بڑا سلنڈر لایا گیا ہے...... اگر ہم لوگوں
کچھ کرنا ہے تو ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے...... کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ
نکل جائے اور ہم دیکھتے ہی رہ جائیں"۔

مراد خان بولا۔

"ہم اسی سلسلے میں کوئی سکیم بنا رہے ہیں"۔

مجاہد اکبر علی ان کے قریب بیٹھ گیا، کہنے لگا۔

"میں بھی ایک عرصے سے اس جہاد میں آپ کے ساتھ شامل ہوں......
بھی کافی تجربہ ہے...... میں نے اپنی شہادت کی جو تجویز آپ کے سامنے رکھی
بہت سوچ سمجھ کر میں نے فیصلہ کیا تھا...... یہ بات میں بھی جانتا ہوں اور آپ بھی
گئے ہوں گے کہ یہ مشن کسی ایک مجاہد کی شہادت دیئے بغیر کامیاب نہیں ہو
کیونکہ وہاں سیکورٹی اتنی سخت ہے کہ ہم میں سے کسی کا پراجیکٹ کے اندر جا کر اس
کو اڑانا ناممکنات میں سے ہے اور یہ مشن ایسا بھی نہیں ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں
کچھ دیر کے لئے ملتوی کر دیں...... جیسے جیسے ہم دیر کر رہے ہیں ویسے ویسے دشمن
ایٹمی طاقت میں زبردست اضافہ کرتا چلا جا رہا ہے اور بھارت اور پاکستان کے مسلمانوں
کے لئے خطرہ بڑھتا چلا جا رہا ہے...... ہمارا اسلامی فرض ہے کہ ہم اپنی جان
کر کے دشمن کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیں...... اگر آپ نے میری تجویز نہ
کی تو میں اپنے طور پر سینے پر بم باندھ کر دشمن کے مورچوں میں گھس جاؤں گا"۔

کہنے کے بعد مجاہد اکبر علی ایک جلالی کیفیت کے ساتھ اٹھ کر چلا گیا......
مراد خان سے کہا۔

"مراد خان! اب ہم اسے نہیں روک سکتے...... اگر یہ اپنے طور پر ہمیں بتائے بغیر
دستی بم ڈال کر لائٹ ہاؤس پراجیکٹ کی چار دیواری میں گھس گیا تو اس کا
ن کے تہہ خانے تک پہنچنا ممکن نہیں ہوگا...... انڈین فوجی اسے لائٹ ہاؤس
ے تک پہنچنے سے پہلے پہلے گولیوں کی بوچھاڑیں فائر کر کے گرا دیں گے......
ند اس پراجیکٹ پر آیا تو فوج کی پوری بٹالین سیکورٹی کے لئے بلالی جائے گی اور یا
ت ہی لائٹ ہاؤس سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے گا، کیونکہ بھارتی حکام
ں گے کہ کشمیری کمانڈو مجاہد گنٹور میں داخل ہو چکے ہیں...... یوں ہمارا کام اور
ل ہو جائے گا"۔

اد خان نے ہاشم سے پوچھا۔

اشم تم کیا سوچ رہے ہو؟"۔

م خان کہنے لگا۔

یں یہ سوچ رہا ہوں کہ اکبر علی ابھی نوجوان ہے...... ابھی اسے زندگی میں بہت
ہے...... میں زندگی کی کافی بہاریں دیکھ چکا ہوں...... اس کی جگہ مجھے اس مہم پر
ے"۔

ران نے کہا۔

ہم سب تمہاری طرح سے ہی سوچ رہے ہیں ہاشم خان...... ہم میں سے ہر کوئی
کا رتبہ حاصل کرنا چاہتا ہے، لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر قائم ہے کہ ہم میں
ہ کوئی بھی مجاہد اکبر علی کو اس خودکشی مشن پر جانے کی اجازت نہیں دے گا"۔

بات کو مجاہد اکبر علی نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ مراد خان، ہاشم خان، سکندر
ن کوئی بھی اس کی تجویز پر راضی نہیں ہوگا...... اگرچہ دل سے وہ بھی محسوس

کر رہے ہیں کہ اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ دشمن کے پاکستان دشمن عزائم کو خاک میں ملانے کا نہیں ہے، لیکن مجاہد اکبر علی کو موقع کی نزاکت کا پورا احساس تھا...... وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اس وقت دشمن پر ضرب کاری نہ لگائی گئی تو اس کے بعد برِ صغیر میں ایٹمی طاقت کا توازن بگڑ جائے گا...... بھارت کو پاکستان کے مقابلے میں برتری حاصل ہو جائے گی اور کشمیر پر بھارت کا دباؤ دس گنا زیادہ بڑھ جائے گا...... نہ صرف کشمیر کی آزادی کی تحریک کمزور پڑ جائے گی، بلکہ پاکستان کی سلامتی کو بھی خطرہ لاحق ہو جائے گا، چنانچہ ان حقائق کے پیش نظر مجاہد اکبر علی نے فیصلہ کر لیا کہ جو کام مراد خان اور ہاشم خان کی مدد سے کرنا چاہتا تھا وہ کام خود کرے گا۔

وہ دکن کی اس زیر زمین رضاکار تنظیم کے ساتھ ایک مدت سے وابستہ تھا۔ دوسرے رضاکار مجاہدوں کی طرح اسے بھی خطرناک دھماکہ خیز مواد کی تربیت دی گئی تھی...... اسے یہ بھی علم تھا کہ وہ کون کون سا کیمیاوی دھماکہ خیز مواد کہاں کہاں سے حاصل کر سکتا ہے...... سب سے پہلا کام تو اکبر علی مجاہد نے یہ کیا کہ معمول کے مطابق رات کو اپنے سادھوؤں والے استھان سے اٹھ کر وہاں اپنے چیلے کو بٹھا کر خفیہ کیمپ کی طرف چل پڑا...... کمیں گاہ میں آ کر اس نے مراد خان سے کہا۔

خان صاحب! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ میں سے ہر کوئی مجھے اس خود کش مہم کی اجازت دینے سے ہچکچا رہا ہے...... لہٰذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اس تجویز کو واپس لیتا ہوں"۔

مراد خان، ہاشم خان، سکندر اور عمران بڑے تعجب سے اکبر علی کو دیکھنے لگے انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ اکبر علی نے یہ فیصلہ کیا ہے...... مجاہد اکبر علی کہنے لگا۔

"مجھے تو ایک نہ ایک دن شہید ہونا ہی ہے، کیونکہ میں میدان جہاد میں ہوں اس طرح نہ سہی کسی اور محاذ پر شہادت کے رتبے کی سعادت حاصل کر لوں گا...... کوئی دوسری سکیم سوچیں اور جو سب سے مشکل کام ہو وہ مجھے دیں...... میں جان کی

بازی لگا کر بھی وہ کر گزاروں گا"۔

تمام مجاہدوں نے اپنے اپنے طور پر اطمینان کا سانس لیا، کیونکہ اکبر علی کی خود کش مہم کی ناکامیابی کے ننانوے فی صد امکانات تھے، کیونکہ اس کا سینے پر بم باندھ کر لائٹ ہاؤس کے تہہ خانے تک پہنچنا بہت مشکل بلکہ ناممکن تھا...... مراد خان نے اکبر علی کو سینے سے لگا لیا اور کہا۔

"اکبر علی! ہم تمہارے جذبہ شہادت پر رشک کرتے ہیں...... ہم سب یہاں شہید ہونے کے لئے آئے ہوئے ہیں، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے مشن میں بھی کامیاب ہوں...... سرخرو ہو جائیں...... تم فکر نہ کرو...... ہم بہت جلد کوئی دوسرا منصوبہ تیار کر لیں گے جس پر فوری عمل ہو گا اور تم بھی ہمارے ساتھ ہو گے"۔

مجاہد اکبر علی سب سے ہاتھ ملا کر خاموشی سے وہاں سے چل دیا...... اس کے دل میں کیا تھا؟ اس کی ان مجاہدوں میں سے کسی کو بھی خبر نہ ہو سکی تھی...... وہ رات مجاہد اکبر علی نے ناریل کے درختوں کے نیچے اپنے سادھوؤں والے استھان پر ہی بسر کی جہاں وہ اپنے دوسرے ساتھی مجاہد اور چیلے کے ساتھ جاسوسی کی ڈیوٹی دے رہا تھا۔

اگلے دن صبح صبح اس نے اپنے ساتھی مجاہد سے کہا۔

"میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں...... ہو سکتا ہے مجھے وہاں دیر لگ جائے...... تم پیچھے ہوشیار ہو کر بیٹھنا...... اگر کوئی غیر معمولی نقل و حرکت نظر آئے تو فوراً مراد خان کو جا کر خبر کر دینا"۔

مجاہد اکبر علی وہاں سے سیدھا ایک اور مجاہد کے مکان پر آ گیا...... وہاں اس نے اپنا سادھوؤں والا لباس بدل کر کرتہ پاجامہ پہنا اور ایک چمڑے کا تھیلا ساتھ لے کر لاریوں کے اڈے پر آ گیا...... یہاں سے وہ وجے واڑہ جانے والی بس میں سوار ہو کر وجے واڑہ کی طرف چل پڑا...... ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ وجے واڑہ میں تھا...... وہ اس شہر کی جم پلا تھا...... شہر کے تمام بازاروں اور مارکیٹوں سے واقف تھا...... اسے اچھی طرح سے

علم تھا کہ کون سی چیز کس بازار اور کس مارکیٹ سے مل سکتی ہے...... وہ شہر کے ایک گنجان علاقے میں سے گزر رہا تھا...... یہاں ایک بازار میں دنیا جہان کی چیزیں مل جاتی تھیں...... وہ ایک پرانی دکان میں گھس گیا...... یہاں فوجیوں کی وردیاں مل جاتی تھیں......ان میں فوج کے ہر عہدے اور ہر رینک کے افسر کی وردیاں اور ان کے تمغے سٹار اور پھول وغیرہ موجود تھے......اکبر علی نے اپنی عمر کے حساب سے بھارتی فوج کے کیپٹن کی وردی خرید لی...... وردی کے کندھوں پر کیپٹن رینک کے تین پھول لگے ہوئے تھے......وردی کے ساتھ اس نے کیپٹن کی ٹوپی بھی خریدی...... یہ سبز رنگ کی وہی وردی تھی جو بھارتی فوج میں پہنی جاتی تھی...... اس نے فوجی بوٹوں کا ایک جوڑا بھی ساتھ ہی خرید لیا......ان سب چیزوں کو مجاہد اکبر علی نے اپنے تھیلے میں سنبھالا اور خاموشی سے واپس لاری اڈے پر آیا...... وہاں سے گنتور جانے والی بس پکڑی اور گنتور پہنچ گیا...... وہاں سے وہ سیدھا اپنے ایک زیر زمین کام کرنے والے خاص رضاکار کے ہاں چلا آیا...... تنہائی میں رازداری کے ساتھ اس سے کچھ دیر باتیں کرتا رہا......رضاکار نے ایک ٹرنک میں سے کچھ چیزیں نکال کر ایک لفافے میں ڈال کر اکبر علی کے حوالے کیں اور کہا۔

"تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت تو نہیں ہے اکبر علی، کیونکہ تم ان چیزوں کی نوعیت کو اچھی طرح جانتے ہو پھر بھی یہ کہنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ذرا سی بے احتیاطی سے اس کا کہیں بھی دھماکہ ہو سکتا ہے اور یہ دھماکہ کتنا شدید ہوگا تم یہ مجھ سے بہتر جانتے ہو"۔

مجاہد اکبر علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں...... تم فکر نہ کرو......اللہ کے حوالے"۔

"اللہ کے حوالے"۔

اس رضاکار کے زیر زمین ٹھکانے سے نکل کر اکبر علی نے گنتور شہر کی آبادی سے

ر والے علاقے کا رخ کیا...... ایک جگہ سے اس نے آٹو رکشا لے لیا...... بھارت میں ور رکشا کو صرف آٹو کہتے ہیں...... رکشا نہیں کہتے......اکبر علی شہر سے باہر والی آبادی اں سرکاری کوارٹر شروع ہوتے تھے وہاں آکر اس نے رکشا چھوڑ دیا اور ایک کوارٹر ے دروازے پر گھنٹی کا بٹن دبا دیا...... اندر سے ایک تیس بتیس برس کے دبلے پتلے انو لے جوان نے دروازہ کھول کر اکبر علی کو دیکھا تو اسے فوراً اندر بلا لیا اور دروازہ بند کے کنڈی لگا دی۔

"خیریت ہے ناں اکبر؟" اس جوان نے پوچھا۔

اکبر علی نے اپنا تھیلا نیچے رکھا اور وہ لفافہ جس میں دھماکہ خیز مواد تھا اپنے پاس ہی کھا اور اپنے دوست سے کہا۔

"حسن علی! ایک نہایت اہم مشن کے سلسلے میں مجھے فوجی کیپٹن کی وردی پہن کر ہاں سے نکلنا ہے...... میں وردی اور ضروری سامان اپنے ساتھ لایا ہوں...... مجھے کوئی الی کمرہ دکھا دو"۔

حسن علی اس تنظیم کا خفیہ ممبر تھا...... وہ اس قسم کی باتوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا، ہنے لگا۔

"اوپر والا چھوٹا کمرہ خالی پڑا ہے...... وہاں چلے جاؤ...... فکر نہ کرو...... آج میں گھر ں اکیلا ہوں"۔

مجاہد اکبر علی اپنا تھیلا اور لفافہ اٹھا کر اوپر والے کمرے میں آگیا...... کمرے میں نے کے بعد اس نے دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگا دی...... سب سے پہلے اس نے غسل خانے میں جا کر شیو کی...... منہ ہاتھ دھویا...... اس کے بعد اپنی جیب سے فید رومال نکال کر اس کو صابن سے دھو کر پاک صاف کیا...... ساتھ ہی اس نے وضو کیا...... رومال کو اچھی طرح سے نچوڑ کر سکھانے کے لئے ایک کرسی پر ڈال کر پنکھا چلا دیا...... اس کے بعد اس نے سب سے پہلے اپنا کرتا اتار کر ایک طرف رکھ دیا...... پھر

بڑی احتیاط سے میز پر رکھا ہوا دھماکہ خیز مواد والا لفافہ کھولا...... اس میں سے باریک نسواری تاروں کا چھوٹا سا گچھا اور اس کے ساتھ منسلک کیا ہوا کنڈنسر قسم کا چھوٹا سا آلہ بڑی احتیاط سے نکال کر میز پر رکھ دیا...... وہ اس کنڈنسر قسم کے چھوٹے سائز کے آلے کی تباہ کن صلاحیتوں کو جانتا تھا...... اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ تاروں کے گچھے کو کھولنا شروع کر دیا...... پھر تاروں کے سرے کو باہر نکال لیا جس کو آگے سے مروڑ کر اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی ہک لگادی گئی تھی...... یہ ہک اس تباہ کن بم کا کنٹرول پوائنٹ تھا۔

مجاہد اکبر علی بیٹھ گیا اور ان تاروں کو اپنے سینے کے گرد آہستہ آہستہ لپیٹنے لگا...... دس پندرہ منٹ میں اس نے ساری تاریں اپنے سینے کے گرد لپیٹ لیں...... اس کے بعد بھارت کے فوجی کیپٹن کی وردی پہننی شروع کر دی...... اسی دوران وہ زبردست احتیاط برت رہا تھا کہ اس کے ہاتھ سے لگ کر تار کے سرے پر لگی ہوئی ہک نیچے نہ کھینچ آئے، کیونکہ اس کے نیچے کو کھینچنے کے ساتھ ایک قیامت خیز دھماکہ کے ساتھ اسے اور اس کے ساتھ تین چار کوارٹروں کو بھی بھک سے اڑ جانا تھا۔

فیوز کنٹرول کا چھوٹا سا آلہ اس نے تاروں کے درمیان اپنے سینے پر بالکل دل کے اوپر اچھی طرح سے فٹ کر دیا تھا...... اس آلے میں نائٹرک ایسڈ کے ساتھ دوسرے کیمیکل مادے تھے جنہوں نے ایک ساتھ پھٹ کر قیامت خیز تباہی مچانی تھی...... سب سے پہلے مجاہد اکبر علی نے فوجی پتلون پہنی...... اس کے بعد فوجی بوٹ پہنے...... اس دوران اس کا رومال سوکھ چکا تھا...... اس نے رومال کو دونوں ہاتھوں میں کھولا اور آنکھیں بند کر کے سورۃ فاتحہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی...... رومال پر پھونک ماری اور اسے تہہ کر کے ایک طرف رکھ دیا...... پھر اس نے فوجی بش شرٹ پہنی جس کے کندھوں پر کیپٹن رینک کے تین تین سٹار بنے ہوئے تھے، پھر اس نے رومال اٹھا کر اسے چوما اور بش شرٹ کی سامنے والی جیب میں ڈال لیا۔

اس نے اوپر کی طرف نگاہیں اٹھا کر کہا۔

"یا اللہ پاک! یہ میرا کفن ہے...... اسے قبول فرمالینا"۔

سب سے آخر میں اس نے سر پر کیپٹن کی ٹوپی رکھی اور غسل خانے میں جا کر آئینے میں اپنے آپ کا جائزہ لیا...... وہ انڈین آرمی کا باقاعدہ کیپٹن بن چکا تھا...... اپنا کرتہ پاجامہ اور چپل وغیرہ وہیں کمرے میں پلنگ کے نیچے چھوڑ کر نیچے اتر آیا...... حسن علی رضا کار نے اسے دیکھا تو بولا۔

"اکبر علی! تم انڈین آرمی کے پورے کیپٹن لگ رہے ہو...... خدا تمہیں تمہاری مہم میں کامیاب کرے...... مشن کی کامیابی کے بعد مجھے ضرور خبر کر دینا"۔

اکبر علی مجاہد نے زیر لب کہا۔

"تمہیں معلوم ہو جائے گا"۔

اس کے بعد مجاہد اکبر علی نے حسن علی سے ہاتھ ملایا...... وہ اس کے گلے لگ کر ملنے لگا تو مجاہد اکبر علی نے اسے فوراً پیچھے کر دیا۔

"نہیں نہیں دوست! اس کی ضرورت نہیں ہے"۔

"خدا حافظ!"۔

اور اکبر علی بھارتی فوج کے کیپٹن کی وردی میں کوارٹر سے نکل کر سڑک پر آ گیا...... نائٹرک ایسڈ اور دوسرے کیمیاوی اجزاء والا انتہائی طاقتور دھماکہ خیز مواد جس کو ہم بم ہی لکھیں گے اس کی بوشرٹ کے اندر سینے کے ساتھ بندھا ہوا تھا...... تار کے سرے کے ساتھ بندھا ہوا ہک اکبر علی کی فوجی کیپٹن والی بوشرٹ کے اندر تیسرے بٹن کے نیچے تھا...... اس کو ذرا سا دبانے سے بم نے پھٹ کر تباہی مچا دینی تھی...... مجاہد اکبر علی بڑی فوجی شان کے ساتھ گنٹور کی گنجان آبادی کے ایک چوک میں آ گیا...... اسے کسی خالی ٹیکسی کی تلاش تھی...... فوجی گاڑی تو اس کے پاس نہیں تھی...... یہ اس کی مجبوری تھی، لیکن وہ کسی اچھی سی ٹیکسی میں پرانے لائٹ ہاؤس کے پراجیکٹ تک جانا

چاہتا تھا...... آخر اسے ایک نسبتاً بہتر شکل و صورت والی ٹیکسی مل گئی۔

وہ اس میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور کو لائٹ ہاؤس کی طرف چلنے کو کہا...... ٹیکسی گنٹور کے گنجان علاقے سے نکل کر ساحل سمندر کی طرف چل پڑی...... مجاہد اکبر علی کو اس بات کا احساس تھا کہ وہ غیر ملکی بھارتی فوجی کیپٹن ہے، یعنی اس کے پاس نہ تو کوئی فوجی شناختی کارڈ ہے نہ کوئی پے بک ہے اور نہ پراجیکٹ کے معائنے کے ضروری کاغذات ہیں...... اگر وہاں کوئی اس سے بڑا افسر...... کوئی میجر وغیرہ اسے چیک کر لیتا ہے تو وہ پکڑا جا سکتا تھا...... اکبر علی یہ بھی جانتا تھا کہ وہ شہادت کی مہم پر جا رہا ہے اور اسے یہ کارروائی لائٹ ہاؤس کے زیر زمین تہہ خانے میں جا کر کرنی ہے...... تہہ خانے یعنی ایٹمی میٹریل والی لیبارٹری کے باہر دھماکہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا...... اس کا پروگرام یہ تھا کہ وہ ایک سخت مزاج فوجی افسر کی طرح پراجیکٹ کے گیٹ پر اترتے ہی سیدھا لائٹ ہاؤس کے تہہ خانے والے دروازے کا رخ کرے گا...... گیٹ پر موجود فوجی جوان اس کو دیکھ کر سلیوٹ ہی کریں گے، اس کو چیک نہیں کریں گے...... اس کو اپنا یہ تیزی کا عمل جاری رکھنا ہوگا اور گردن اکڑائے...... سینہ تانے سیدھا تہہ خانے کے دروازے پر جا کر وہاں پر موجود فوجی گارڈ کے سلیوٹ کا سر ہلا کر جواب دیتا فوراً نیچے تہہ خانے میں اتر جائے گا...... اگر نیچے یا دروازے پر کوئی اس سے سینئر فوجی افسر موجود ہوا اور اس نے اسے چیک کرنے کی کوشش کی تو وہ اسے سپیشل ملٹری انٹیلی جنس کا حوالہ دے کر خاموش رہنے کی کوشش کرے گا اور اس کے رد عمل کی پروا کئے بغیر سیدھا لیبارٹری میں چلا جائے گا اور جہاں ایٹمی مواد کے سلنڈر پڑے ہوں گے وہاں جاتے ہی فیوز کنٹرول کی ہک کو دبا دے گا۔

بات یہ ہے کہ جو آدمی مرنے مارنے پر اتر آتا ہے تو پھر وہ دلیر ہو جاتا ہے...... وہ چھوٹی چھوٹی مصلحتوں پر وقت ضائع نہیں کرتا...... مجاہد اکبر علی تو خود شہید ہونے جا رہا تھا...... وہ تو اگر ایسی صورت حال ہو گئی تو کسی بھی فوجی کو دھکا دے کر پرے گراتا

ہوا نیچے اتر جائے گا...... اتنا اس نے ضرور سوچ لیا تھا کہ ہنگامی صورت حال میں وہ اتنی احتیاط ضرور کرے گا کہ ٹارگٹ کے عین اوپر پہنچنے سے پہلے پہلے کوئی اس پر گولی نہ چلا دے...... وہ ٹارگٹ پر گر کر اس کے ساتھ دھماکے سے اڑ جانا چاہتا تھا...... ٹیکسی چٹیل ٹیلوں کی اوٹ سے نکل کر سمندر کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی...... اسے دور سے پرانا لائٹ ہاؤس نظر آنے لگا تھا...... ٹیکسی ساحل کی ریت پر دوڑی جا رہی تھی......

جب ٹیکسی ناریل کے اس جھنڈ کے قریب سے گزری جہاں وہ ایک رات پہلے سادھو کے بھیس میں دھونی لگائے بیٹھا تھا تو اس نے گردن موڑ کر دیکھا...... اس کا ساتھی مجاہد یعنی چیلا جھونپڑی کے باہر سادھو کے بھیس میں آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا...... مجاہد اکبر علی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے الوداعی سلام کیا اور ٹیکسی آگے نکل گئی...... لائٹ ہاؤس پراجیکٹ کا گیٹ قریب آتا جا رہا تھا...... مجاہد اکبر علی نے ٹیکسی ڈرائیور کو تلگو زبان میں کہا۔

"ٹیکسی گیٹ کے باہر روک دینا"۔

ٹیکسی خاردار چار دیواری کے گیٹ کے سامنے جا کر رک گئی...... مجاہد اکبر علی نے ٹیکسی ڈرائیور کو بیس روپے دیئے اور بڑی شان سے گردن اکڑائے ٹیکسی سے باہر نکل آیا...... گیٹ پر کھڑے دونوں فوجیوں نے جو سٹین گنیں لئے پہرہ دے رہے تھے فوجی کیپٹن کو دیکھ کر زور سے ایڑیاں بجا کر اس کی تعظیم کی...... یاد رہے کہ جب فوجی جوان پہرے پر ہوتے ہیں تو فوجی افسر کو ہاتھ اٹھا کر روایتی انداز میں سلیوٹ نہیں کرتے...... صرف ایڑیاں بجا کر تعظیم بجا لاتے ہیں...... مجاہد اکبر علی نے ہاتھ کے اشارے سے ان کی تعظیم کا جواب دیا اور بڑے رعب سے پوچھا۔

"اندر کون کون سینئر افسر موجود ہے جوان؟"۔

بائیں جانب والے فوجی جوان نے کھڑے کھڑے کہا۔

"سر! اندر لفٹین صاحب ہیں"۔

اکبر علی کو یہی معلوم کرنا تھا کہ اندر کوئی اس سے سینئر افسر یعنی کوئی میجر یا کرنل وغیرہ تو نہیں ہے...... جب اسے معلوم ہوا کہ ایسی بات نہیں ہے اور پراجیکٹ میں اس سے جونیئر افسر تعینات ہے تو اسے اطمینان ہو گیا کہ اس کی راہ میں کوئی سنگین رکاوٹ حائل نہیں ہوگی...... مجاہد اکبر علی نے ایک لمحے کے لئے بھی اپنے آپ کو ڈھیلا نہ ہونے دیا اور گیٹ پر سے سینہ تان کر تیز تیز چلتا سیدھا لائٹ ہاؤس کے گیٹ پر آ گیا۔

یہ لائٹ ہاؤس کے تہہ خانے یعنی ایٹمی لیبارٹری والا گیٹ تھا...... اس کے باہر بھی ایک فوجی پہرے پر کھڑا تھا...... اپنی فوج کے ایک کیپٹن رینک کے افسر کو فوجی انداز میں اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ بھی اٹین شن ہو گیا اور جب اکبر علی اس کے قریب پہنچا تو فوجی نے ایڑیاں جوڑ کر تعظیم کی، اکبر علی نے اونچی اور رعب دار آواز میں پوچھا۔

"لفٹین صاحب کدھر ہیں جوان؟"۔

پہلے گیٹ والے فوجی نے اکبر علی کو بتا دیا تھا کہ اس وقت پراجیکٹ میں صرف ایک لیفٹیننٹ ہی بطور انچارج موجود ہے...... وہ فوجی جوان سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ لیفٹیننٹ نیچے تہہ خانے میں ہی ہے یا کسی دوسری جگہ پر ہے...... فوجی سنتری نے ایک بار پھر ایڑیاں بجاتے ہوئے کہا۔

"سر! لفٹین صاحب نیچے ہی ہیں"۔

"او کے...... ٹھیک سے ڈیوٹی دو جوان"۔

"یس سر!" فوجی سنتری نے جواب دیا۔

میدان صاف تھا...... تہہ خانے میں اترتی سیڑھیاں خالی تھیں...... مجاہد اکبر علی کو شہادت کی منزل چند قدموں کے فاصلے پر دکھائی دے رہی تھی...... وہ جذبہ جہاد میں سرشار جلدی جلدی سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا...... جیسے ہی وہ نیچے آیا ایک نوجوان لیفٹیننٹ دائیں جانب سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا...... اس نے فوراً اکبر علی کو سلیوٹ کیا...... اکبر علی نے اس کے سلیوٹ کا جواب دے کر تیز لہجے میں پوچھا۔

"سب کام ٹھیک ہے؟"۔

لیفٹیننٹ نے کہا۔

"سب ٹھیک ہے سر!"۔

مجاہد اکبر علی نے گردن سیدھی کرتے ہوئے رعب سے پوچھا۔

"آفیسر! تم کو معلوم ہے کہ ادھر دشمن کے کشمیری کمانڈوز کا خطرہ بڑھ گیا ...... میرا نام کیپٹن تارا چند سپیشل آفیسر سینٹرل ملٹری انٹیلی جنس ہے...... میں رونگ آفیسر کی حیثیت سے یہاں آیا ہوں...... تمہارا کیا نام ہے"۔

نوجوان لیفٹیننٹ نے کہا۔

"سر! میں لیفٹیننٹ شانتی کمار سولہ مہاراشٹرا انفنٹری رجمنٹ ہوں"۔

مجاہد اکبر علی کو وہاں ایٹمی میٹریل والے سلنڈر اور کوئی دوسرا پلانٹ نظر نہیں اتھا...... اس نے لیفٹیننٹ سے کہا۔

"ویل آفیسر! ہم کو یہاں کے انچارج سائنس دان سے ملاؤ...... ہم اس سے کچھ ل معلوم کرنا چاہتا ہے"۔

نوجوان لیفٹیننٹ نے بڑی معذرت کے ساتھ کہا۔

"سر! آئی ایم سوری، مگر یہ میری ڈیوٹی ہے...... کیا میں آپ کے کاغذات دیکھ اہوں؟"۔

کاغذات سے مراد شناختی کارڈ کے علاوہ وہ تحریری احکامات تھے جن کے تحت مجاہد علی وہاں اس قدر حساس پراجیکٹ کا معائنہ کرنے آیا تھا...... اگرچہ اس نوجوان جونیئر سے مجاہد اکبر علی کو اس سوال کی توقع نہیں تھی، لیکن وہ اس قسم کی صورت حال کے مقابلے کے لئے تیار ہو کر آیا تھا...... یہ سوال تو اس پراجیکٹ کے اندر ڈیوٹی پر موجود کوئی بھی فوجی جوان کر سکتا تھا...... مجاہد اکبر علی نے فوراً انگریزی میں جواب دیا۔

"کاغذات میرے بریف کیس میں باہر گاڑی میں پڑے ہیں...... تم مجھے یہاں

کے انچارج ڈاکٹر کے پاس لے چلو"۔

اتنی دیر میں مجاہد اکبر علی نے چند قدم آگے ایک کمرے سے سفید کوٹ والے ایک سائنس دان کو نکل کر دوسرے کمرے میں جاتا دیکھ لیا تھا...... ایک سیکنڈ ضائع کئے بغیر مجاہد اکبر علی اس کمرے کی طرف چل پڑا...... وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا ٹارگٹ جس کو وہ تباہ کرنے اور اس کے ساتھ خود بھی تباہ ہو جانے کے لئے آیا ہے وہ اسی کمرے میں ہے...... جیسے ہی وہ آگے بڑھا نوجوان لیفٹیننٹ نے اسے کہا۔

"سر! آئی ایم سوری...... میں کاغذات دیکھے بغیر آپ کو اندر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا...... سر! یہ میری ڈیوٹی ہے"۔

لیکن مجاہد اکبر علی نے اس کی بات پر کوئی دھیان نہ دیا اور تیز تیز قدموں سے چلتا کمرے کے دروازے پر آگیا...... نوجوان لیفٹیننٹ بھی اسے آوازیں دیتا تیز تیز قدموں سے اس کے پیچھے ہی آیا۔

"سر...... سر! آئی ایم سوری سر! آپ اندر نہیں جاسکتے"۔

مجاہد اکبر علی کو معلوم تھا کہ اسے اب وہاں ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں رکنا...... اس وقت اگر لیفٹیننٹ شانتی کمار پیچھے سے مجاہد اکبر علی کو شوٹ بھی کر دیتا تو اسے کوئی پروا نہیں تھی، کیونکہ وہ کمرے کے اندر داخل ہو چکا تھا جہاں تین چار سائنس دان اپنے اپنے کام میں مصروف تھے اور اس نے ایٹمی میٹریل کے سلنڈر اور المونیم کے بڑے بکس بھی دیکھ لئے تھے۔

نوجوان لیفٹیننٹ دوڑ کر اندر آگیا...... اس نے اپنا پستول نکال لیا تھا...... مجاہد اکبر علی المونیم کے بڑے بکس کے پاس کھڑا ہو گیا...... نوجوان لیفٹیننٹ کی اسے آواز سنائی دی...... اس نے انگریزی میں کہا۔

"سر! اگر آپ نے اپنے کاغذات نہ دکھائے تو میں آپ کو شوٹ کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا"۔

مجاہد اکبر علی نے پلٹ کر نوجوان ہندو لیفٹیننٹ کی طرف دیکھا۔

اس لمحے مجاہد اکبر علی کے چہرے پر ایک ایسا نور آگیا تھا کہ اگر اس ہندو فوجی افسر کے پاس چشم بصیرت ہوتی تو وہ پستول پھینک کر ہاتھ باندھ کر مجاہد اکبر علی کے سامنے کھڑا ہو جاتا، لیکن وہ ہندو فوجی نور ایمان کی سعادت سے محروم تھا...... اس نے یہ ضرور نوٹ کیا کہ اس کے سامنے جو فوجی وردی میں جوان کھڑا تھا اس کے چہرے سے روشنی کی کرنیں سی پھوٹ رہی تھیں...... اس نے کوئی خیال نہ کیا اور اسی فوجی لہجے میں مجاہد اکبر علی سے کہا۔

"سر! میرے ساتھ باہر گاڑی میں چلیں میں آپ کے کاغذات دیکھنا چاہتا ہوں"۔

مجاہد اکبر علی کا دایاں ہاتھ اس وقت اپنی فوجی بوشرٹ کے درمیانی بٹن کے اوپر تھا...... اس کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا...... افسوس کہ اکبر علی کے چہرے کی اس سرمدی تبسم کی زیارت کرنے والا وہاں کوئی صاحب ایمان موجود نہیں تھا...... یہ ایک غازی کی شہید ہونے سے ذرا پہلے کی مسکراہٹ تھی...... یہ اس مرد مومن کی مسکراہٹ تھی جو اپنے سامنے جنت کے دروازے کھلتے دیکھ رہا ہو...... مجاہد اکبر علی پر اس وقت ایک عجیب کیفیت طاری ہو چکی تھی...... اس نے بلند آواز میں کلمہ شریف پڑھا اور بم کے بک پر رکھا ہوا ہاتھ زور سے دبا دیا...... اس کے ساتھ ہی وہاں ایک دھماکہ ہوا...... یہ دھماکہ اس قدر قیامت خیز اور اس قدر شدید تھا کہ وہاں پر موجود کسی انسان نے اس کی آواز نہ سنی...... دھماکے کی پہلی لہر نے ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصے میں وہاں پر موجود سب کے کانوں کے پردے پھاڑ دیئے تھے...... وہ سننے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے تھے...... وہاں جو کچھ ہوا وہ صرف اتنا ہی تھا کہ آنکھوں کے آگے ایک بجلی سی کوند گئی...... اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کی وہاں پر موجود کسی انسان کو کوئی خبر نہ ہو سکی...... یہ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ وہاں کیا ہوا...... مجاہد اکبر علی کے سینے کے ساتھ بندھے ہوئے دھماکہ خیز مواد کے پھٹتے ہی وہاں یہ ہوا کہ زمین پھٹ گئی......

دیواریں پھٹ گئیں...... وہاں جو کچھ تھا پھٹ کر پرزے پرزے ہو گیا اور یہ سب کچھ ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصے میں ہوا اور اس کے ساتھ ہی بیک وقت زمین کے نیچے سے ہزار میل، دو ہزار میل، پانچ ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ہوا کہ دباؤ کا ایک طوفان اوپر کو اٹھا اور باہر پراجیکٹ کے گیٹ پر جو فوجی پہرہ دے رہے تھے وہ ہوا کے دباؤ سے اچھل کر سو فٹ دور جا گرے اور پرانے لائٹ ہاؤس کے مینار کے اور وہاں جو کچھ بھی تھا سب کے پرزے اڑ گئے اور جہاں پہلے ایک لائٹ ہاؤس کھڑا تھا اور فوجی گاڑیاں تھیں اور بھارتی فوجی پہرہ دے رہے تھے اور تہہ خانے میں سائنس دان ایٹمی میٹریل کی پروسیسنگ کا کام کر رہے تھے وہاں اب ایک ہزار فٹ قطر کا اور ہزار فٹ گہرا ایک ایسا گڑھا پڑ چکا تھا جس کی تہہ سے پانی نکلنا شروع ہو گیا تھا۔

لائٹ ہاؤس پراجیکٹ کے اندر تو دھماکے کی آواز کسی نے نہیں سنی تھی، لیکن گنٹور شہر میں سب سے پہلے زمین ہلی تھی...... اس کے بعد ایک گونج پیدا ہوئی تھی...... ایسی گونج جیسے سارا شہر اچانک پھٹ گیا ہو...... لوگ بدحواسی کے عالم میں گھروں، دکانوں، دفتروں سے نکل کر جس طرف منہ اٹھا بھاگنے لگے تھے...... مجاہد اکبر علی کا چیلا جو سادھو کے بھیس میں ناریل کے جھنڈ تلے بیٹھا تھا جس وقت بم پھٹا تو اس کے نیچے سے جیسے زمین کھسک گئی تھی اور وہ آگے کو گر پڑا تھا...... پھر اس نے اپنے ہوش و حواس درست کئے اور پرانے لائٹ ہاؤس کی طرف دیکھا...... وہاں نہ کوئی لائٹ ہاؤس تھا اور نہ خاردار چار دیواری تھی...... بس آگ کے شعلے تھے اور سفید نیلا اور سیاہ دھواں تھا جس کے مرغولے تیزی سے گردش کرتے ہوئے اوپر کو اٹھ رہے تھے۔

دھماکے کی آواز مراد خان...... ہاشم خان...... سکندر اور عمران نے بھی سن
تھی...... اس وقت وہ اپنی خفیہ قیام گاہ کی کوٹھڑی میں بیٹھے لائٹ ہاؤس پراجیکٹ کو تبا
کرنے کے منصوبے پر غور کر رہے تھے...... وہاں بھی سب سے پہلے زمین ہلی جیسے زلزلے کا جھٹکا لگا ہو...... عمران کہنے ہی والا تھا کہ زلزلہ ہے کہ ایسا دھماکہ ہوا جیسے د

ں فشاں پہاڑ ایک ساتھ پھٹ پڑے ہوں...... کوٹھڑی کی کھڑکیاں اور دروازہ
انے لگا...... چاروں مجاہد کمانڈوز خالی خالی آنکھوں سے ایک دوسرے کو تکنے
وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ کیا ہوا ہے، لیکن کہاں ہوا ہے...... یہ انہیں معلوم نہیں
ر علی بولا۔

"پورٹ پر کھڑا کوئی آئیل ٹینکر پھٹ گیا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"یہ کچھ اور ہوا ہے"۔

در اس کے ساتھ ہی چاروں مجاہد کوٹھڑی سے باہر نکل آئے...... عمران نے باہر
ں اس طرف آسمان پر نظریں اٹھا کر دیکھا جس جانب پرانا لائٹ ہاؤس تھا، وہاں
ہی دھواں تھا...... عمران نے ہاشم خان...... مراد خان اور سکندر کو بھی وہ دھواں
...... مراد خان نے پوچھا۔

"یہ کیا ہوا ہے"۔

سکندر بولا۔

"بڑا خوفناک دھماکہ تھا...... شاید بندرگاہ پر کوئی بوائلر پھٹا ہے"۔

عمران مسلسل دھوئیں سے سیاہ ہوتے آسمان کو تک رہا تھا، اس نے آہستہ سے کہا۔

"مراد خان! مجھے کچھ شک ہو رہا ہے"۔

"کیا شک" مراد خان نے پوچھا۔

"اندر آ جاؤ" عمران بولا۔

چاروں مجاہد کوٹھڑی میں واپس جا کر بیٹھ گئے...... وہ عمران کی طرف دیکھنے

ہاشم خان نے پوچھا۔

"تمہیں کیا شک ہوا ہے عمران؟"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے اب یقین ہے کہ مجاہد اکبر علی کو شہادت کا رتبہ مل گیا ہے"۔

کسی نے آگے سے کچھ نہ کہا...... تینوں کے ہونٹ ذرا ذرا کھلے تھے اور وہ حیر
استعجاب سے عمران کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"تمہارا مطلب ہے کہ" مراد خان کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں" عمران بولا...... "وہ جو کرنا چاہتا تھا وہ اس نے کر دکھایا ہے"۔

مراد خان نے سکندر سے کہا۔

"فوراً لائٹ ہاؤس کی طرف جاؤ اور معلوم کرو کہ وہاں کیا ہوا ہے"۔

سکندر جا ہی رہا تھا کہ وہ مجاہد جو اکبر علی کے ساتھ ٹارگٹ کے قریب اس حلیے کا بھیس بدل کر بیٹھا ہوا تھا کوٹھڑی میں داخل ہوا...... اس نے منہ سر چادر لپیٹ رکھا تھا...... اس کا سانس پھولا ہوا تھا...... لگتا ہے وہ پرانے لائٹ ہاؤس ٹارگٹ سے دوڑتا ہوا وہاں تک آیا ہے...... اسے دیکھتے ہی مراد خان نے پوچھا۔

"غلام علی کیا ہوا ہے...... یہ دھماکہ کیسا تھا؟"۔

اس مجاہد کا نام غلام علی تھا...... اس نے اپنے سانس کو درست کرتے ہوئے کہا

"خان جی! لائٹ ہاؤس اڑ گیا ہے"۔

"وہ کیسے؟" ہاشم خان نے پوچھا۔

غلام علی بولا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آرہا...... دھماکے سے کچھ دیر پہلے میں نے اکبر علی کو ٹا
میں لائٹ ہاؤس کی طرف جاتے دیکھا تھا...... اس نے فوجی وردی پہن رکھی تھی"۔

عمران نے کہا۔

"میرا اندازہ صحیح تھا...... اکبر علی نے شہادت کا وہ درجہ حاصل کر لیا ہے جس
ہم سب خواہش ہی کرتے رہ گئے"۔

عمران نے مجاہد غلام علی سے پوچھا۔

لائٹ ہاؤس پورے کا پورا تباہ ہو گیا ہے ناں؟ اس کا کوئی حصہ بچا تو نہیں؟"۔

لام علی بولا۔

سر! وہاں لائٹ ہاؤس تو کیا کسی چیز کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا...... اتنا بڑا اور
ں پڑ گیا ہے کہ لگتا ہے وہاں کوئی شہاب ثاقب گرا ہے"۔

ہمیں خود جا کر چیک کرنا پڑے گا اور اس بات کی تسلی کرنی پڑے گی کہ جس
زیل کو ہم تباہ کرنا چاہتے تھے وہ بھی تباہ ہو گیا ہے"۔

راد خان نے عمران سے کہا۔

عمران تم میرے ساتھ آؤ...... سکندر، غلام علی اور ہاشم خان...... تم یہیں بیٹھ
نظار کرو"۔

سری کوٹھڑی میں جا کر دونوں نے اپنا حلیہ ماہی گیروں ایسا بنایا اور خاموشی سے
ے نکل گئے...... دن کا وقت تھا...... دھوپ نکلی ہوئی تھی...... وہ خفیہ قیام گاہ
تی علاقے سے نکل کر بندرگاہ کو جاتی سڑک پر آئے تو تین فوجی ٹرک بڑی
ڑک پر سے گزر گئے...... ان کا رخ بندرگاہ کی طرف تھا، مراد خان نے کہا۔

علوم ہوتا ہے بڑی زبردست تباہی ہوئی ہے...... نوجوان مجاہد اکبر علی نے
کھایا ہے"۔

ڑک کے کنارے کنارے پرانے لائٹ ہاؤس کی طرف چلے جا رہے تھے......
یک گاڑی سائرن بجاتی تیزی سے آگے کی جانب نکل گئی...... عمران کہنے لگا۔

غ اکبر علی کے تیور بدلے بدلے لگتے تھے...... میری چھٹی حس نے مجھے بتادیا
ہ کوئی زبردست کارنامہ کرنے والا ہے"۔

ی ہسپتال کی ایمبولینس سائرن بجاتی ان کے قریب سے گزر گئی...... اس کا
نے لائٹ ہاؤس کی طرف تھا۔



جس وقت وہ پرانے لائٹ ہاؤس کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں افراتفری کا سماں تھا...... پولیس اور فوج کی گاڑیاں شور مچاتی ادھر سے ادھر آجا رہی تھیں...... ایک جانب تین چار ایمبولینسیں کھڑی تھیں جن کے دروازے چوپٹ کھلے تھے اور ان میں لاشوں کو یا لاشوں کے ٹکڑوں کو سٹریچروں میں لاد لاد کر ڈالا جا رہا تھا...... بے شمار فوجی جوان بیلچے اور کدالیں لئے کام میں لگے ہوئے تھے...... ایک جانب شہر سے آئے ہوئے لوگ کھڑے تھے اور ایک دوسرے کو ہاتھوں کے اشاروں سے نیچے کچھ دکھا رہے تھے...... مراد خان نے عمران سے کہا۔

"اس طرف سے آؤ"۔

وہ دوسری جانب سے چلتے ہوئے جہاں شہری لوگ کھڑے تھے وہاں آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ جہاں پہلے پرانا لائٹ ہاؤس ہوا کرتا تھا وہاں ایک اتنا چوڑا اور اتنا گڑھا پڑ گیا تھا کہ نیچے دیکھتے ہوئے خوف آتا تھا...... گڑھے کی تہہ میں پانی نکل آیا تھا وہاں فوجی جوان رسوں کی مدد سے نیچے اتر رہے تھے...... مراد خان نے عمران کندھے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا...... اس نے آہستہ سے اس کے کندھے کو دبایا اور لوگوں کے جمگھٹے سے باہر نکل آیا...... عمران بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گیا...... مراد نے اسے آہستہ سے کہا۔

"خدا کا شکر ہے...... مشن کامیابی سے مکمل ہو گیا ہے...... اب یہاں رکنا ٹھیک نہیں

ہیں...... واپس چلو"۔

وہاں سے نکل کر وہ اپنی خفیہ کمیں گاہ میں آ گئے...... انہوں نے ہاشم خان اور سکندر علی کو بھی بتا دیا کہ جو کام ہم کرنا چاہتے تھے اور جس کے ہم منصوبے تیار کر رہے تھے وہ کام ایک مرد مومن نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے کر دیا ہے...... ہاشم خان کہنے لگا۔

"اب ہمیں اس علاقے سے نکل جانا چاہئے...... مجھے یقین ہے کہ پولیس اور فوج لائٹ ہاؤس کے اردگرد کے علاقے کو گھیرے میں لے کر پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع کر دے گی"۔

مراد خان بولا۔

"ہاشم خان نے ٹھیک مشورہ دیا ہے...... سکندر علی تم عمران کو لے کر وجے واڑہ پہنچو...... ہم تمہارے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں...... فوراً نکل جاؤ"۔

عمران نے اپنا ماہی گیروں والا حلیہ ہی رہنے دیا...... سکندر علی کھدر کے کانگریسی کرتے پاجامے میں تھا...... دونوں خفیہ قیام گاہ سے نکلے اور ایک رکشے میں سوار ہو کر لاریوں کے اڈے پر آ گئے...... گنٹور شہر میں اس خوفناک دھماکے کے بعد خوف و ہراس پھیل چکا تھا اور طرح طرح کی سنسنی خیز افواہیں گشت کر رہی تھیں۔

لاریوں کے اڈے پر مسافروں کا ہجوم تھا جو شہر چھوڑ کر وجے واڑہ کی طرف جا رہے تھے...... سکندر علی اس علاقے کی دونوں زبانیں یعنی تامل اور تلگو جانتا تھا...... اس نے عمران کو بتایا کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ کشمیری مجاہدوں نے گنٹور کی بندرگاہ کو دھماکے سے اڑا دیا ہے...... ٹکٹ خریدنے کا وہاں موقع نہیں تھا...... دو لاریاں دیکھتے دیکھتے مسافروں سے بھر گئیں...... کنڈکٹر تلگو زبان میں اونچی آواز لگا رہا تھا کہ لاری میں بیٹھ جاؤ...... ٹکٹ راستے میں ملیں گے...... سکندر علی نے عمران کو ساتھ لیا اور وہ ایک لاری میں گھس کر بیٹھ گئے...... ابھی تک لاری کے اڈے پر پولیس یا فوج نہیں

پہنچی تھی...... بعد میں مراد خان کی زبانی معلوم ہوا کہ وجے واڑہ کو جانے والی وہ دو آخری لاریاں تھیں جن کے مسافروں کی پولیس اور فوج نے چیکنگ نہیں کی تھی...... اس کے بعد فوج نے لاریوں کے اڈے اور سٹیشن کو بھی گھیرے میں لے لیا تھا۔

عمران اور سکندر خیریت سے وجے واڑہ اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچ گئے...... مراد خان ایک دن کے بعد آیا...... معلوم ہوا کہ اس نے پوری ایک رات ایک جنگل میں بسر کی اور دوسرے دن پندرہ میل پیدل سفر کرنے کے بعد ایک بس پکڑ کر وجے واڑہ پہنچا...... ہاشم خان کو وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا تاکہ وہاں کے حالات کی انہیں خبر ملتی رہے...... وجے واڑہ میں بھی صورتحال تشویش ناک تھی...... شہر میں جگہ جگہ فوجی سپاہی نظر آ رہے تھے...... ذرا کسی پر شک پڑتا تھا تو اس سے پوچھ گچھ شروع کر دیتے تھے...... زیادہ شک پڑتا تھا تو اسے گاڑی میں ڈال کر لے جاتے تھے...... یہ ساری رپورٹیں شہر سے انہیں مل رہی تھیں...... عمران نے واپس ممبئی جانے کا پروگرام طے کر لیا تھا مگر شہر میں پولیس، فوج اور انٹیلی جنس کی سرگرمیوں کے پیش نظر مراد خان نے اسے کچھ روز ٹھہر جانے کا مشورہ دیا تھا۔

اس حالت میں عمران کو خفیہ ٹھکانے پر چھپے ہوئے پورا ایک ہفتہ گزر گیا...... ایک ہفتے کے بعد ان کے آدمیوں نے رپورٹ دی کہ شہر میں حالات کچھ بہتر ہوئے ہیں اور فوج نے بسوں کے اڈوں اور ریلوے سٹیشن پر سے گھیرا اٹھا لیا ہے...... عمران نے مراد خان سے کہا۔

"میرا خیال ہے اب مجھے نکل جانا چاہئے"۔

مراد خان نے اسے اجازت دے دی اور کہا۔

"وجے واڑہ سے ایک پسنجر ٹرین رات کے دو بجے چلتی ہے...... سکندر علی تمہیں اس ٹرین میں خود سوار کرا آئے گا...... یہ وجے واڑہ سے وایا حیدر آباد شولا پور پونا ممبئی جاتی ہے...... یہ تمہیں دوسرے دن رات کو کسی وقت ممبئی پہنچا دے گی"۔

چنانچہ ایک رات عمران نے سکندر علی کو ساتھ لیا اور خفیہ کمیں گاہ سے نکل
... سکندر علی اسی شہر کا رہنے والا تھا...... وہ اسے کسی دوسری طرف سے لے
... جہاں کسی نئی کالونی کی عمارتیں تھیں جن میں روشنی ہو رہی تھی...... یہاں ایک
تھا...... سکندر علی نے کہا۔

"یہاں سے ہمیں ٹیکسی مل جائے گی"۔

ایک چائے کی دکان کے باہر خالی ٹیکسی انہیں مل گئی اور وہ شہر کی خاموش مگر
ن سڑکوں پر سے گزرتے ہوئے وجے واڑہ کے ریلوے سٹیشن پر پہنچ گئے......
ر علی خود جا کر وجے واڑہ سے ممبئی تک کا ٹکٹ لے آیا...... اپنے لئے اس نے ایک
فارم کا ٹکٹ خرید لیا تھا...... عمران کرتے پاجامے میں تھا جو اس علاقے کا عام پہناوا
... سکندر علی کے ساتھ وہ پلیٹ فارم پر آ گیا...... یہاں کافی مسافر پہلے سے موجود
...وہ ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئے...... سکندر علی بولا۔

"میں چائے لاتا ہوں اور فضا کا جائزہ بھی لے کر آتا ہوں"۔

وہ چلا گیا...... عمران وہیں بیٹھا ادھر ادھر بیٹھے ہوئے مسافروں کو دیکھتا رہا......
ی دیر بعد سکندر مٹی کے آبخوروں میں چائے لے آیا...... کہنے لگا۔

"اس پلیٹ فارم پر مجھے ملٹری پولیس کے صرف دو جوان ہی نظر آئے ہیں، لیکن
فارم نمبر 4 پر کافی ملٹری پولیس ہے...... خدا کا شکر ہے کہ تمہاری ٹرین اس پلیٹ
پر آئے گی"۔

وہ خاموشی سے مٹی کے آبخوروں میں چائے پینے لگے...... سکندر علی کہنے لگا۔

"آندھرا پردیش کے علاقے سے نکل کر تم مہاراشٹر کے صوبے میں داخل
ئے تو پھر صورتحال بدل جائے گی...... اس علاقے میں انٹیلی جنس والوں کا کافی زور
ہے"۔

عمران نے آہستہ سے کہا۔

"دھماکہ بھی تو بڑا زبردست ہوا ہے"۔

سکندر بولا۔

"میں شہید کی روح کو سلام کرتا ہوں...... اکبر علی سچا مرد مومن تھا"۔

اتنے میں پلیٹ فارم پر قلیوں کی بھاگ دوڑ شروع ہو گئی...... سکندر نے کہا۔

"لگتا ہے ٹرین آ گئی ہے"۔

دور سے ریلوے انجن کے وسل کی آواز سنائی دی اور پھر ٹرین پلیٹ فارم میں داخل ہونے کے بعد رک گئی...... مسافروں نے اپنے اپنے سامان کے ساتھ ٹرین پر جیسے دھاوا بول دیا...... عمران نے کہا۔

"میں سب سے آخری بوگی میں بیٹھوں گا"۔

وہ دونوں تیز تیز قدموں سے ٹرین کی آخری بوگی کی طرف بڑھے...... وہاں بھی کافی رش تھا، لیکن عمران ڈبے میں سوار ہو گیا...... اس نے سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ہاتھ ہلا کر سکندر علی کو خدا حافظ کہا...... سکندر علی بھی پلیٹ فارم پر کھڑا ہاتھ ہلانے لگا...... پھر وہ مسافروں کے ہجوم میں غائب ہو گیا...... وہ خود بھی وہاں زیادہ دیر نہیں رکنا چاہتا تھا...... ٹرین چل پڑی...... سفر لمبا تھا...... ڈبے میں کافی مسافر تھے...... کچھ سو رہے تھے...... کچھ جاگ بھی رہے تھے اور اونگھ بھی رہے تھے...... عمران نے بھی کھڑکی کے ساتھ سر لگا لیا اور آنکھیں بند کر لیں...... سوتے جاگتے میں سفر کٹتا گیا...... دن نکل آیا تھا جب ٹرین شولا پور پہنچی...... مہاراشٹر کا صوبہ شروع ہو چکا تھا...... تقریباً آدھا سفر طے ہو گیا تھا...... رات ہو گئی تھی کہ پونا شہر آ گیا...... یہاں ٹرین کافی دیر تک رکی رہی...... یہاں سے چلی تو اگلی منزل ممبئی تھی، جس وقت ٹرین ممبئی کے سٹیشن میں داخل ہوئی تو رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا...... پہلے تو وہ ممبئی سٹیشن پر اترنے کے بعد ٹیکسی رکشا پکڑ کر سیدھا اپنے ماسٹر سپائی ستار صاحب کے ریسٹ ہاؤس پہنچ جاتا تھا، لیکن اب ریسٹ ہاؤس ممبئی پولیس کے قبضے میں تھا...... وہاں چھاپہ پڑنے کے بعد ستار صاحب

ممبئی سے چند کوس کے فاصلے پر واقع ایک جنگل کی خفیہ کمیں گاہ میں منتقل ہو چکے تھے جہاں عمران کے لئے اتنی رات گئے پہنچنا مشکل تھا...... وہ جانتا تھا کہ کوئی ٹیکسی ڈرائیور اس ویران علاقے کی طرف جانے پر رضامند نہیں ہوگا۔

صبح ہونے تک عمران کو وہیں سٹیشن پر ہی رہنا تھا...... دن نکلنے میں ابھی تین ساڑھے تین گھنٹے باقی تھے...... اتنا وقت وہ خالی پلیٹ فارم پر بیٹھے رہنے سے لوگوں کی نظروں میں آ سکتا تھا...... پلیٹ فارم بھی ٹرین خالی ہونے کے بعد مسافروں سے خالی ہو گیا تھا...... دو پولیس کانسٹیبل بھی ڈنڈے گھماتے پلیٹ فارم پر چہل قدمی کر رہے تھے...... آخر عمران نے یہی فیصلہ کیا کہ اسے سیکنڈ کلاس ویٹنگ روم میں ہی یہ وقت گزارنا چاہئے...... ویٹنگ روم میں سیکنڈ کلاس کے کچھ مسافر پہلے سے ہی آرام کر رہے تھے...... عمران بھی ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا...... جب بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو اٹھ کر غسل خانے میں چلا گیا...... منہ ہاتھ دھویا اور واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا...... جب رات کے چار بج گئے تو وہ اٹھا اور ریفرشمنٹ روم میں آ گیا...... یہاں دو ایک مسافر بیٹھے چائے وغیرہ پی رہے تھے...... عمران نے بھی چائے منگوا لی اور آہستہ آہستہ چائے پیتے ہوئے وقت گزارنے لگا۔

آخر صبح ہو گئی...... وہ سٹیشن سے باہر آ گیا...... اسے ستار صاحب کے خفیہ ٹھکانے کا راستہ یاد تھا جہاں سے سڑک بڑے پل کے نیچے سے ہو کر آگے نکلتی تھی اسی جگہ پل کے نیچے سے ایک چھوٹی سی پگ ڈنڈی جنگل کی طرف جاتی تھی...... سردار جی اسی پگ ڈنڈی پر سے ہوتے ہوئے اسے ساتھ لے کر ستار کے خفیہ ٹھکانے پر گئے تھے...... عمران نے ایک ٹیکسی والے کو سمجھایا کہ وہ ممبئی کے جنوب میں چند کوس کے فاصلے پر بڑے پل تک جانا چاہتا ہے...... پہلے تو ڈرائیور کی سمجھ میں کچھ نہ آیا...... جب عمران نے بڑے پل کی تفصیل بتائی تو وہ سمجھ گیا، کہنے لگا۔

"دو سو روپے لوں گا"۔

عمران ٹیکسی میں سوار ہو گیا اور بولا۔

ٹھیک ہے چلو"۔

بڑے پل تک پہنچتے پہنچتے دن کافی نکل آیا تھا...... وہاں عمران نے ٹیکسی چھوڑ دی اور پل کے نیچے سے ہوتا ہوا اس چھوٹی پگ ڈنڈی پر آ گیا جو درختوں اور گھاس جھاڑیوں میں سے ہوتی ہوئی ستار صاحب کے خفیہ ٹھکانے تک جاتی تھی...... ستار صاحب وہاں موجود تھے، عمران کو دیکھتے ہی انہوں نے اسے گلے لگالیا اور ماتھا چوم کر کہا۔

"شاباش میرے مرد مجاہد! تم نے اتنا بڑا معرکہ مارا ہے کہ تمہاری جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے...... ہائی کمانڈ کو اسی روز علم ہو گیا تھا کہ تم اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے ہو اور گنتور کے لائٹ ہاؤس والی لیبارٹری کشمیری کمانڈوز نے مکمل طور پر تباہ کر دی ہے...... بھارت سرکاری نے اصل حقیقت کو ظاہر نہیں ہونے دیا کہ لائٹ ہاؤس کے ساتھ ان کا جدید ترین نیوکلیائی پراجیکٹ بھی تباہ ہو گیا ہے...... فوج کی طرف سے بھی پریس کو یہی خبر دی گئی تھی کہ کشمیری کمانڈوز نے تخریبی کارروائی کر کے گنتور کے لائٹ ہاؤس والی فوجی چوکی کو شدید نقصان پہنچایا ہے...... یہ خبر بھی زیادہ نمایاں کر کے نہیں چھاپی گئی"۔

عمران نے کہا۔

"وہاں کی تباہی کا حال آپ وہاں جاکر دیکھتے تو آپ کو اندازہ ہوتا کہ وہاں کیا قیامت برپا کی گئی تھی"۔

ستار صاحب نے پوچھا۔

"تمہارے ساتھ اس کمانڈو آپریشن میں اور کون کون تھا؟"

عمران نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"آندھرا پردیش کے دوسرے جانباز رضا کار بھی تھے...... بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمارے مشن میں کامیاب کیا...... ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں"۔

وہاں ناشتہ آگیا، دونوں ناشتہ کرتے ہوئے باتیں کرنے لگے...... عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب مجھے واپس کشمیر کے محاذ پر اپنے مجاہد ساتھیوں کے پاس جانا ہے...... انہیں میری ضرورت ہو گی"۔

ستار صاحب بولے۔

"اوپر سے بھی تمہارے لئے یہی آرڈر آیا ہے کہ جیسے ہی عمران ممبئی پہنچے اسے کشمیر کی طرف روانہ کر دیا جائے"۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے" کہ اوپر سے بھی لائن کلیئر کا سگنل مل گیا ہے...... اب میں انشاءاللہ کل رات کی گاڑی سے یہاں سے نکل جاؤں گا"۔

ستار صاحب بولے۔

"تمہیں بھوپال گوالیار دلی کے علاقے میں سے گزرتے وقت بڑی احتیاط کی ضرورت ہو گی...... بہت بڑا دھماکہ ہوا ہے...... اس دھماکے نے بھارت کی منسٹری آف ڈیفنس کو ہلا کر رکھ دیا ہے...... اس سارے علاقے میں انٹیلی جنس کا جال بچھ گیا ہو گا"۔

عمران نے کہا۔

"اپنی طرف سے تو میں ہر قسم کی احتیاط کرتا ہوں باقی جو اللہ کو منظور"۔

ستار صاحب نے تاکید کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے کشمیر پہنچنے کی مجھے اطلاع مل جائے گی...... جب تک تم وہاں نہیں پہنچو گے مجھے تمہاری طرف سے فکر لگی رہے گی"۔

وہ دن عمران نے ستار صاحب کی خفیہ کمیں گاہ میں ہی گزارا...... پنجاب کی طرف گاڑی ممبئی کے دوسرے بڑے سٹیشن بوری بندر سے رات کے نو سوا نو بجے روانہ ہوتی تھی...... عمران سوا آٹھ بجے ہی ستار صاحب کو خدا حافظ کہنے کے بعد چل پڑا...... ٹیکسی رکشا تو رات کے وقت اسے کہیں نہ ملا...... پیچھے سے آتی ہوئی ایک بس مل گئی...... وہ اس میں بیٹھ گیا...... بس نے اسے دادر کے سٹیشن کے پاس اتار دیا...... وہاں

سے اس نے ٹیکسی پکڑی اور سیدھا بوری بندر ریلوے سٹیشن پر آ گیا...... عمران سیدھے سادھے عام لباس میں تھا...... ایک پرانی پتلون...... بش شرٹ اور پاؤں میں جوگر کے شوز...... چپل کی بجائے جوگر کے شوز وہ اس لئے پہنتا تھا کہ معلوم نہیں کب اسے بھاگنا پڑ جائے، جوگر شوز سے بھاگنے میں آسانی ہوتی تھی...... چپل ساتھ نہیں دیتی تھی۔

سٹیشن کے بکنگ آفس سے کچھ دور ایک کھمبے کی اوٹ میں کھڑے ہو کر عمران سوچنے لگا کہ اسے کس جگہ کا ٹکٹ لینا چاہئے...... جالندھر اتر کر جموں توی والی گاڑی یا لاری پکڑے یا امرتسر اتر کر وایا پٹھانکوٹ جموں جائے...... جالندھر حساس زون تھا...... وہاں جموں جانے والے مسافروں پر نظر رکھی جاتی تھی اور ان حالات میں، جبکہ جنوب میں بھارت کا ایک بہت بڑا پراجیکٹ تباہ کر دیا گیا تھا...... سی آئی ڈی کی سرگرمیاں پہلے سے دس گنا تیز ہو گئی ہوں گی...... عمران نے جالندھر کا خیال دل سے نکال دیا اور امرتسر کا ٹکٹ لے لیا...... بوری بندر کے سٹیشن پر ہر وقت مسافروں کا ہجوم رہتا تھا...... ریلوے پولیس اور ملٹری پولیس کے جوان بھی موجود ہوتے تھے...... عمران اردگرد کے ماحول کا بڑی گہری نگاہ سے جائزہ لیتا اس پلیٹ فارم پر آ گیا جہاں سے ٹرین روانہ ہونے والی تھی۔

پلیٹ فارم مسافروں سے بھرا ہوا تھا...... عمران کو خیال آیا کہ بھارت کی غربت کی وجہ یہاں کی بڑھتی ہوئی آبادی ہے...... بھارت کے ہر شہر میں جدھر نظر جاتی تھی آدمیوں کا ایک سیلاب دکھائی دیتا تھا...... ایک بنچ پر ایک ہندو لالہ اپنی فیملی کے ساتھ سامان سامنے رکھے بیٹھا تھا...... عمران خاموشی سے اس کے قریب بنچ پر جو تھوڑی سی جگہ تھی وہاں بیٹھ گیا...... لالہ جی امرتسر کے رہنے والے تھے...... انہوں نے عمران سے باتیں شروع کر دیں...... عمران ہوں ہاں میں جواب دیتا رہا...... ہمارے ہاں یہ عجیب دستور ہے کہ سفر کے دوران ریل یا لاری میں جب دو مسافر ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے سے باتیں کرنے کا موقع ملتا ہے تو وہ ایک دوسرے کا

را شجرہ نسب معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں چاہے سفر ختم ہونے کے بعد وہ ایک سرے کو ساری زندگی نہ ملیں...... لالہ جی بھی عمران سے پوچھنے لگا۔

"مہاراج! آپ کا نام کیا ہے...... کیا کام کرتے ہیں...... کتنے بہن بھائی ہیں...... پتا ں کا بزنس ہے یا ریٹائر ہو چکے ہیں"۔

جب عمران نے محسوس کیا کہ یہ شخص آسانی سے اس کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہے تو وہ بولا۔

"میں ایک منٹ میں سگریٹ لے کر آتا ہوں"۔

اور عمران پلیٹ فارم کے دوسرے سرے پر جا کر ایک خالی بنچ پر بیٹھ گیا...... ٹرین ر لگ گئی...... حسب رواج مسافروں نے اپنے اپنے قلیوں اور سامان کے ساتھ ٹرین ہ حملہ کر دیا...... عمران کو اس کا تجربہ ہو چکا تھا کہ اگر وہ ایک طرف کھڑا یہ سوچتا رہا کہ وسرے مسافر سوار ہو جائیں تو وہ بھی سوار ہو جائے گا تو اسے شاید دلی تک کھڑے ہو کر سفر کرنا پڑے گا...... چنانچہ اس نے بھی ٹرین کے ایک ڈبے پر مسافروں کے اتھ ہی دھاوا بول دیا...... اس ایڈونچر کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے کونے میں باتھ روم کے ن کھڑکی والی سیٹ مل گئی۔

ممبئی سے ٹرین ٹھیک وقت پر روانہ ہوئی، لیکن راستے میں ریلوے لائن کی جگہ ہ مرمت ہو رہی تھی جس کی وجہ سے ٹرین لیٹ ہوتی چلی گئی...... چنانچہ اگلے روز برے پہر ٹرین بھوپال پہنچی...... عمران ڈبے میں بیٹھے بیٹھے تنگ آ گیا تھا...... اسے وک بھی لگ رہی تھی...... صبح اس نے ایک سٹیشن پر اتر کر جلدی جلدی ناشتہ ہی کیا ا...... بھوپال میں ویسے بھی گاڑی دیر تک رکتی تھی...... وہ ٹرین سے اتر کر چائے وغیرہ ے سٹال پر آ گیا...... یہاں آ کر اس نے محسوس کیا کہ پلیٹ فارم کی فضا کچھ بدلی بدلی سی ہے...... اسے اس قسم کی باتوں کا کافی تجربہ ہو چکا تھا...... اس نے فضا میں خطرے کی بو گھ لی تھی...... وہ ٹی سٹال کے کاؤنٹر پر کہنی ٹکائے ذرا سا جھک کر کھڑا تھا اور گوشہ چشم

سے پلیٹ فارم کا برابر جائزہ لے رہا تھا...... پہلی غیر معمولی بات اس نے یہ دیکھی کہ وہاں ملٹری پولیس کے جوان معمول سے زیادہ تھے اور ریلوے پولیس کے علاوہ بھوپال پولیس کے سپاہی بھی جگہ جگہ اور خاص طور پر پلیٹ فارم کے گیٹ پر کھڑے آنے جانے والے مسافروں کا جائزہ لے رہے تھے۔

عمران چائے اور بند مکھن کا آرڈر دے چکا تھا...... وہاں کھڑے رہنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا...... وہ واپس مڑنے لگا تو سٹال والے نے چائے کا کپ اور بند مکھن کی پلیٹ اس کے سامنے رکھ دی...... عمران پلیٹ فارم کی طرف پشت کر کے منہ نیچے کر کے جلدی جلدی کھانے لگا...... چھ سات نوالوں میں اس نے بند مکھن ختم کر کے چائے کے دو گھونٹ پیئے...... کاؤنٹر پر پیسے رکھے اور ہونٹوں پر ہاتھ پھیرتا اپنے ڈبے کی طرف بڑھا...... ڈبے کے دروازے سے ذرا ہٹ کر ایک پولیس کانسٹیبل اور اس کے ساتھ ایک سویلین کپڑوں والا درمیانی عمر کا بھاری جسم والا آدمی کھڑا سگریٹ پی رہا تھا...... اس نے تنگ موری والا کھدر کا میلا سا پاجامہ اور کھدر کے کرتے کے اوپر نہرو کٹ واسکٹ پہن رکھی تھی...... عمران نے شکل ہی سے اسے پہچان لیا...... یہ یقینی طور پر سی آئی ڈی کا آدمی تھا...... عمران عام مسافروں کی طرح بے نیازی سے قدم اٹھاتا ڈبے کے دروازے کے پاس آیا تو کسی نے آواز دے کر پوچھا۔

”کہاں جا رہے ہو؟“۔

عمران وہیں رک گیا...... اس نے گردن موڑ کر اس طرف دیکھا جہاں کانسٹیبل کے پاس سی آئی ڈی والا کھڑا تھا...... وہ عمران کو گھور رہا تھا...... جب عمران نے اس سے پوچھا کہ تم نے مجھ سے کچھ کہا ہے؟ تو اس سی آئی ڈی والے نے مسکراتے ہوئے معذرت پیش کی اور کہا۔

”جی نہیں...... میں نے آپ سے نہیں بلکہ آپ کے پیچھے جو مسافر تھا اس سے پوچھا تھا...... شما کر دیجیے“۔

سی آئی ڈی والا اور کانسٹیبل مسلسل عمران کو تک رہے تھے...... یہ اس سی آئی ڈی لے کی چال تھی اور وہ اس میں کامیاب ہو گیا تھا اس کا احساس عمران کو بھی ہو گیا کہ املہ بگڑ سکتا ہے، لیکن ڈبے میں سوار ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا...... وہ اپنی نے والی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا...... ٹرین ابھی تک بھوپال سٹیشن پر رکی ہوئی تھی...... لنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی...... اس دوران سی آئی ڈی کا آدمی پولیس کانسٹیبل کے اتھ دو تین بار ڈبے کے آگے سے گزرا...... ہر دفعہ اس نے ڈبے میں جھانک کر ران کو دیکھا...... یہ آدمی ابھی پلیٹ فارم پر ہی ٹہل رہا تھا کہ ٹرین چل پڑی...... ران نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس مصیبت سے جان چھوٹی...... بھوپال شہر سے نکلتے ہی ین کی رفتار تیز ہو گئی تھی، بھوپال سے آگے جھانسی اور گوالیار دو بڑے شہر آتے تھے۔

یہ سارے کا سارا عمران کے لئے اب خطرناک علاقہ ثابت ہو رہا تھا...... ٹرین انسی پہنچی تو کچھ مسافر اتر گئے اور کچھ نئے مسافر چڑھ گئے...... عمران اپنی سیٹ پر ہی ٹھا رہا...... وہ ٹرین سے اتر کر خواہ مخواہ کسی مشکل میں نہیں پھنسنا چاہتا تھا...... اس کی ڑکی پلیٹ فارم کی طرف نہیں تھی...... بلکہ دوسری طرف تھی...... اس لئے وہ پلیٹ رم کے صرف اسی حصے کو دیکھ سکتا تھا جو ڈبے میں سے اسے نظر آ رہا تھا...... مسافر بے کے آگے سے گزر رہے تھے...... اچانک وہی آدمی ڈبے کے آگے سے گزرا جو ھوپال کے سٹیشن پر پولیس کانسٹیبل کے پاس کھڑا تھا اور جس نے عمران کو نظر بھر کر یکھا تھا اور جس کے بارے میں عمران کو یقین تھا کہ وہ سی آئی ڈی کا آدمی ہے...... اس دی نے ڈبے کے آگے سے گزرتے ہوئے اندر جھانک کر عمران پر ایک نظر ڈالی اور گے نکل گیا۔

عمران کچھ پریشان ہو گیا...... اس کا مطلب تھا کہ یہ شخص بھوپال سے اس کے یچھے لگ گیا ہے...... یہ لوگ کبھی کبھی ایسا بھی کرتے تھے کہ مشتبہ آدمی کا مسلسل رے سٹیشنوں تک پیچھا کرنے کی بجائے اس کا چہرہ اپنے کسی ساتھی سی آئی ڈی

والے کو دکھا دیتے تھے جو آگے کے علاقے کا آدمی ہوتا ہے اور پھر دوسرا آدمی تعاقب شروع کر دیتا تھا، لیکن یہ شخص بھوپال سے خود ہی عمران کے پیچھے لگ گیا تھا...... عمران سوچنے لگا کہ اسے ٹرین سے کسی طرح اتر جانا چاہئے اور کوئی دوسری ٹرین پکڑنی چاہئے...... یہ سوچ کر عمران سیٹ سے اٹھ کر ڈبے کے دروازے پر آ گیا...... اس نے پلیٹ فارم پر نگاہ ڈالی...... ڈبے سے ذرا ہٹ کر وہی سی آئی ڈی والا آدمی دو پولیس والوں کے پاس کھڑا ایک آدمی سے باتیں کر رہا تھا...... اس کا خفیہ پولیس کا آدمی ہونا تو ثابت ہو گیا تھا، لیکن اب عمران کے لئے جھانسی کے سٹیشن پر اترنا زیادہ خطرے کا باعث بن سکتا تھا۔

وہ واپس آکر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا...... اس دوران انجن نے وسل دیا...... گارڈ کی سیٹیوں کی آواز بلند ہوئی اور ٹرین کھسکنے لگی...... ٹرین ذرا آگے گئی تو ایک آدمی جس نے قمیض پتلون پہنی ہوئی تھی چلتی ٹرین میں عمران کے ڈبے میں سوار ہو گیا...... یہ وہی آدمی تھا جو پلیٹ فارم پر سی آئی ڈی والے آدمی سے باتیں کر رہا تھا...... عمران فوراً سمجھ گیا کہ پہلے سی آئی ڈی والے نے اسے اس دوسرے خفیہ پولیس والے کے حوالے کر دیا ہے...... عمران کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا...... وہ ٹرین سے اتر بھی نہیں سکتا تھا اور خفیہ پولیس کا ایک آدمی اس کے ڈبے میں سوار بھی ہو چکا تھا...... یہ آدمی کچھ دیر تک تو دروازے کے پاس ہی کھڑا رہا...... پھر وہ مسافروں کے درمیان سے گزرتا عمران کے قریب آکر بولا۔

"مہاراج! کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں"۔

عمران کے ساتھ ہی سیٹ پر کسی مسافر کا سوٹ کیس رکھا ہوا تھا، عمران نے کہا۔

"یہ سوٹ کیس"۔

وہ آدمی بولا۔

"کیا یہ آپ کا ہے؟"۔

مران نے کہا۔

جی نہیں...... میرا نہیں ہے"۔

تنے میں پچھلی قطار میں سے ایک مسافر نے کہا۔

مہاراج یہ میرا ہے"۔

ی آئی ڈی والے نے کہا۔

بھیا اسے اپنے پاس نیچے رکھو...... یہ جگہ بیٹھنے کے لئے ہے سوٹ کیس رکھنے ے نہیں ہے"۔

ور اس نے سوٹ کیس اٹھا کر اس کے مالک کو پکڑا دیا اور خود عمران کے پاس ہی ...... مصیبت عمران کے سر پر پہنچ چکی تھی، مگر عمران بڑے اعتماد سے بیٹھا کھڑکی ے باہر دیکھ رہا تھا...... باہر سورج غروب ہو رہا تھا اور دن کی روشنی شام کے ملگجی لے میں تبدیل ہو رہی تھی...... عمران کو یقین تھا کہ یہ خفیہ پولیس والا جو اس کے ر بیٹھا ہے تو اس سے ضرور پوچھے گا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں...... کہاں سے ہیں وغیرہ وغیرہ...... عمران نے ان تمام سوالوں کے جواب اپنے ذہن میں سوچ ے...... ایک بات اس نے طے کر لی تھی کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی بتائے گا، لاہر نہیں کرے گا اور ایسا ہی ہوا...... اس آدمی نے عمران کی طرف دیکھ کر تے ہوئے کہا۔

"مہاراج آپ کہاں جا رہے ہیں؟"۔

عمران نے بے دلی سے مختصر سا جواب دیا۔

"دلی"۔

ہ آدمی بولا۔

"کیسا اتفاق ہے...... میں بھی دلی جا رہا ہوں...... میرا نام عبدالرحیم ہے...... میں ٹیلی فون کے محکمے میں ملازم ہوں...... آپ دلی میں کیا کرتے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"میں دلی اپنے ایک دوست سے ملنے جا رہا ہوں"۔

عبدالرحیم کہنے لگا۔

"اچھا اچھا...... تو آپ دلی کے رہنے والے نہیں ہیں...... میں نے آپ کی ا
سے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ آپ دلی کے رہنے والے نہیں ہیں...... میرا خیال ہے آ
ممبئی میں رہتے ہیں"۔

"جی ہاں" عمران نے کہا...... "وہاں دادر میں میرے والد صاحب کا چھوٹا
ریستوران ہے...... میں ان کے ساتھ ہی کام کرتا ہوں"۔

"آپ مجھے مسلمان لگتے ہیں" عبدالرحیم نے کہا۔

عمران نے کہا۔

"جی ہاں"۔

اور کھڑکی سے باہر غروب ہوتے سورج کو دیکھنے لگا...... اندر سے وہ پریشان تھا
یہ آدمی اتنی آسانی سے اس کی جان نہیں چھوڑے گا اور دلی تک اس کی نگرانی کرتا
کے ساتھ جائے گا...... عمران نے یہی سوچا تھا کہ اگر یہ شخص شک شبے میں اسے گوال
یا آگرے میں پولیس کے حوالے نہیں کرتا اور دلی تک اس کے ساتھ جاتا ہے تو وہ
پہنچ کر اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" عبدالرحیم نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"عبدالکریم"۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے"۔

سی آئی ڈی والے عبدالرحیم نے زبردستی عمران سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

ٹرین گوالیار کے سٹیشن پر رکی تو رات ہو چکی تھی...... عمران نے دل میں

کیا کہ وہ اسی سٹیشن پر اتر کر غائب ہو جاتا ہے...... گوالیار کافی بڑا شہر ہے...... یہ
اسے تلاش نہ کر سکے گا...... عمران اٹھ کر باہر جانے لگا تو عبدالرحیم نے کہا۔

"میرا خیال ہے آپ چائے پینے جا رہے ہیں...... مجھے بھی چائے کی طلب محسوس
ہی ہے...... چلئے اکٹھے چل کر چائے پیتے ہیں"۔

یہ بلا عمران کے ساتھ ہی چپک گئی تھی...... عبدالرحیم بھی عمران کے ساتھ ہی
سے اتر کر چائے کے سٹال پر آ گیا...... اس نے خود ہی چائے اور پیسٹری وغیرہ کا
دیا...... عمران بولا۔

"میں صرف چائے پیوں گا"۔

عبدالرحیم مسکرانے لگا...... بولا۔

"بھائی جان! گوالیار کی پیسٹری بڑی مشہور ہے...... ذرا چکھ کر تو دیکھیں"۔

دو پولیس کے سپاہی وہاں سے گزرے تو انہوں نے عبدالرحیم کی طرف دیکھ کر
کیا...... عبدالرحیم نے سر ہلا کر سلام کا جواب دیا اور عمران سے کہنے لگا۔

"بھائی صاحب...... بات اصل میں یہ ہے کہ میرے والد صاحب گوالیار میں کسی
نے میں پولیس انسپکٹر کے طور پر تعینات رہے ہیں...... یہ کانسٹیبل مجھے جانتے ہیں،
لئے انہوں نے مجھے سلام کیا ہے، ورنہ میرا پولیس والوں سے کوئی تعلق نہیں
...... والد صاحب تو مجھے پولیس میں ہی بھرتی کرانا چاہتے تھے، لیکن مجھے یہ محکمہ
پسند نہیں ہے...... میں نے والد صاحب کے آگے انکار کر دیا تھا"۔

عمران کے لئے اب وہاں سے کھسکنا یا بھاگنا ناممکن ہو گیا تھا...... اگر وہ وہاں سے
ہے تو یہ شخص کوئی نہ کوئی بہانا بنا کر ضرور اس کے ساتھ جائے گا...... اگر عمران
م بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ شخص پولیس کے سپاہیوں کو حکم دے سکتا ہے
آدمی یعنی عمران کو گرفتار کر لو۔

گارڈ نے سیٹی بجا دی...... انہوں نے ابھی آدھی چائے ہی پی تھی...... عمران

چائے کا بل ادا کرنے لگا تو عبدالرحیم نے اسے روک دیا اور کہا۔

"بھائی صاحب کیوں مجھے شرمندہ کر رہے ہیں"۔

اور خود بٹوے سے پیسے نکال کر بل ادا کر دیا...... گاڑی کھسکنے لگی تھی...... عمران بادل نخواستہ اپنے ڈبے کی طرف بڑھا...... اس وقت بھی وہ وہاں سے ایک دم بھاگ جانے کے لئے موقع کی تلاش میں تھا لیکن سی آئی ڈی والا اس کے پیچھے پیچھے تھا...... اس نے پہلے عمران کو ڈبے میں سوار ہونے دیا اور اس کے بعد خود ڈبے میں داخل ہوا...... عمران نے محسوس کر لیا تھا کہ اس سی آئی ڈی والے عبدالرحیم نے اسے اپ خفیہ حصار یا گھیرے میں لے رکھا ہے اور اس شخص سے کم از کم دلی تک جان چھڑا مشکل ہے...... دلی بہت بڑا اسٹیشن ہے...... وہاں مسافروں کا ہجوم ہو گا اور عمران کو وہا فرار ہونے کا موقع مل جائے گا۔

دلی اور گوالیار کے درمیان ایک ہی بڑا اسٹیشن آگرہ تھا...... ٹرین بھی رن تھ ہو گئی تھی اور چھوٹے چھوٹے سٹیشن چھوڑتی جا رہی تھی...... آگرے پہنچ کر تھوڑی د کے لئے رکی اور دلی کی طرف روانہ ہو گئی...... عبدالرحیم سی آئی ڈی والا سائے طرح عمران کے ساتھ لگا رہا...... عمران نے اب ساری امید دلی سٹیشن پر لگا رکھ تھی...... ٹرین دلی آدھی رات کے بعد پہنچی...... ابھی ٹرین پلیٹ فارم پر رکی نہیں تھ کہ عمران پہلے ہی اٹھ کھڑا ہوا، کہنے لگا۔

"باہر سے بڑا رش پڑے گا...... جلدی اتر جاتے ہیں"۔

"بالکل ٹھیک سوچا آپ نے"۔

یہ کہہ کر عبدالرحیم بھی عمران کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا...... ٹرین کے رکتے دونوں ایک ساتھ ٹرین سے اتر پڑے...... کافی مسافر تھے، مگر عمران کو وہاں سے فر ہونے کا موقع نہ مل سکا...... عمران کو پورا یقین تھا کہ یہ شخص اس کو اتنی دور سے گھیر یہاں تک لایا ہے تو اب بھی اس کے ساتھ ہی چپکا رہے گا، لیکن عجیب بات ہوئی

لیٹ فارم پر اترنے کے بعد عبدالرحیم نے عمران سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

"آپ کے ساتھ بڑا اچھا سفر کٹا عبدالکریم بھائی...... انشاء اللہ زندگی رہی تو پھر ھی ملاقات ہو گی"۔

عمران ایک لمحے تو حیران سا ہو کر رہ گیا...... پھر بڑی خوشی کے ساتھ اس نے وسری بار عبدالرحیم سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"انشاء اللہ پھر بھی ضرور ملاقات ہو گی"۔

"اچھا! خدا حافظ"۔

یہ کہہ کر سی آئی ڈی والا عبدالرحیم ایک طرف چلا گیا...... عمران کو یقین نہیں رہا تھا کہ اس مصیبت سے اس کی جان چھوٹ گئی ہے...... وہ باہر جانے والے گیٹ کی رف بڑھا...... دل میں سوچنے لگا کہ ہو سکتا ہے مجھے غلط فہمی ہو گئی ہو اور یہ آدمی سی ئی ڈی کا بندہ نہ ہو، یا اگر سی آئی ڈی کا آدمی ہی ہو تو اس نے میری (یعنی عمران) کی توں سے اندازہ لگا لیا ہو کہ میں وہ شخص نہیں ہوں جس کی انہیں تلاش ہے...... ہر حال عمران کے سر پر سے ایک بھاری بوجھ اتر گیا تھا، لیکن عمران کو یہ علم ہی نہیں تھا ہ سی آئی ڈی والے عبدالرحیم نے عمران سے جدا ہوتے عمران کو ایک اور آدمی کے والے کر دیا تھا...... یہ دوسرا آدمی دلی کی خفیہ پولیس کا انسپکٹر بدری پرشاد تھا جس کے ال میں پھنسا ہوا آدمی کبھی نہیں نکل سکا تھا...... سی آئی ڈی والے عبدالرحیم نے جس ا اصلی نام رام کرشن تھا...... پلیٹ فارم پر موجود سی آئی ڈی انسپکٹر بدری پرشاد کو والیار ہی سے ریلوے پولیس کے خفیہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے پیغام پہنچا دیا تھا کہ وہ ایک طرناک مشتبہ کو لے کر دلی پہنچ رہا ہے...... اس آدمی رام کرشن نے یہ پیغام گوالیار کے ٹیشن پر چائے پیتے ہوئے ٹی سٹال کے مالک کو خفیہ کوڈ میں کاغذ کے ایک پرزے پر لکھ ر اور عمران کی آنکھ بچا کر دیا تھا...... جسے ٹی سٹال کے مالک نے ٹرین کے روانہ ہونے کے بعد ریلوے پولیس کے ہیڈ کانسٹیبل کو پہنچا دیا تھا...... ہیڈ کانسٹیبل نے خفیہ کوڈ کو

پڑھنے کے فوراً بعد دلی خفیہ پولیس کے انسپکٹر بدری پرشاد کو خفیہ سگنلز کے ذریعے یہ پیغام ارسال کر دیا تھا، چنانچہ بدری پرشاد پلیٹ فارم پر موجود تھا...... عمران کو معلوم ہی نہیں تھا کہ سی آئی ڈی والوں کا گھیرا اس کے گرد اتنا تنگ ہو گیا ہے کہ اب وہ اس میں سے نکل نہیں سکتا...... وہ اپنی طرف سے مطمئن ہو کر دلی کے ریلوے سٹیشن سے باہر آ گیا...... رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا، لیکن دلی سٹیشن کے باہر کافی رونق تھی۔

اس کا دلی کے سٹیشن پر اترنے کا پروگرام نہیں تھا...... اس نے ممبئی سے امرتسر تک کا ٹکٹ لے رکھا تھا، لیکن سی آئی ڈی کے عبدالرحیم کی وجہ سے اسے دلی اترنا پڑ گیا تھا...... اگرچہ اسے کسی حد تک سی آئی ڈی کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا لیکن پھر بھی تھوڑا سا شک اس کے دل میں ضرور تھا کہ کہیں یہ بھی عبدالرحیم کی کوئی چال نہ ہو، چنانچہ اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ سٹیشن سے سیدھا چاندنی چوک حاجی صاحب کے ہوٹل پر چلا جاتا ہے اور کل رات کی گاڑی پکڑ کر امرتسر روانہ ہو جائے گا۔

سٹیشن کے سامنے باغ کے کونے پر ٹیکسی اور رکشا سٹینڈ تھا...... عمران ٹیکسی لینے کے واسطے سٹینڈ کی طرف چلنے لگا...... جیسے ہی وہ ٹیکسی سٹینڈ کے قریب آیا...... پیچھے سے ایک سٹیشن ویگن اس کے پاس آ کر ایک دم بریک لگا کر رکی...... اس میں سے چار آدمی نکلے اور نکلتے ہی عمران کی طرف بڑھے...... اس سے پہلے کہ عمران سنبھل سکتا ان میں سے ایک نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھیلے کو زور سے عمران کے سر کے پچھلے حصے پر مارا...... تھیلے میں کوئی سخت چیز بھری ہوئی تھی...... یہ ضرب اتنی شدید اور اچانک تھی کہ عمران وہیں گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا...... ان آدمیوں نے عمران کو اٹھا کر سٹیشن ویگن کے پچھلے دروازے سے اندر ڈالا...... دروازہ بند کیا اور سٹیشن ویگن جس کا انجن چل رہا تھا شور مچاتی آگے کو نکل گئی...... ریلوے سٹیشن کے علاقے سے نکلتے ہی سٹیشن ویگن اس سڑک پر آ گئی جو چاندنی چوک اور جامع مسجد کو جاتی تھی...... خالی سڑک پر رات کی خاموشی میں سٹیشن ویگن دوڑتی چلی جا رہی تھی...... ڈرائیور کی سیٹ

ے ساتھ والی سیٹ پر دلی خفیہ پولیس کا بدنام زمانہ انسپکٹر بدری پرشاد بیٹھا تھا...... الیار سے دلی تک عمران کے ساتھ آنے والے سی آئی ڈی کے رام کرشن نے دلی کے شن پر اترنے کے بعد عمران کو خفیہ طور پر اسی انسپکٹر بدری پرشاد کے حوالے کیا تھا۔

جامع مسجد کے چوک میں آ کر سٹیشن ویگن لال قلعے کی طرف مڑ گئی...... تھوڑی ر بعد سٹیشن ویگن لال قلعے میں داخل ہو چکی تھی...... ان دنوں دلی کی خفیہ پولیس کا ب سے خطرناک ٹارچر سیل لال قلعے میں ہی تھا...... بعد میں یہ ٹارچر سیل دلی شہر کے ل کی جانب پرانے قلعے میں منتقل ہو گیا تھا...... عمران ویگن کے اندر ابھی تک بے ش پڑا تھا...... اسے سٹریچر پر ڈال کر قلعے کے ایک تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا...... ایک کٹر نے تہہ خانے میں آ کر بے ہوش عمران کا معائنہ کیا اور اس کے سر کے اس حصے کو یکھا جہاں ضرب لگائی گئی تھی...... وہاں سوج پڑ گئی تھی مگر زخم نہیں ہوا تھا...... انسپکٹر ری پرشاد ڈاکٹر کے پاس کھڑا تھا...... ڈاکٹر نے عمران کی نبض بھی دیکھی اور کہا۔

"میں اسے انجکشن لگا رہا ہوں...... کچھ دیر بعد یہ ہوش میں آ جائے گا"۔

ڈاکٹر نے عمران کے بازو پر انجکشن لگایا اور چلا گیا...... انسپکٹر بدری پرشاد بھی ران پر تہہ خانے میں جلتے ہوئے بلب کی روشنی میں ایک نظر ڈالنے کے بعد باہر گیا...... باہر دو مسلح سنتری پہرے پر کھڑے تھے...... انسپکٹر نے انہیں کہا۔

"یہ بڑا خطرناک ڈاکو ہے...... ہوشیار ہو کر پہرہ دینا"۔

"ٹھیک ہے سر"۔

دونوں میں سے ایک سنتری نے زور سے ایڑیاں بجاتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر بدری پرشاد قلعے کی اوپر والی منزل میں اپنے آفس میں آ گیا اور الماری میں ے گزشتہ پانچ سال میں کشمیری کمانڈوز جو پکڑے گئے تھے اور ان میں سے کچھ شہید گئے تھے اور کچھ فرار ہو گئے تھے ان کا ریکارڈ نکال کر دیکھنے لگا...... اتنے میں انٹیلی جنس فیسر رام کرشن بھی آ گیا...... یہ وہی سی آئی ڈی کا آدمی تھا جس نے گوالیار سے دلی

تک عمران کے ساتھ عبدالرحیم بن کر سفر کیا تھا اور دلی آ کر اسے خفیہ طور پر انسپکٹر بدری پرشاد کے حوالے کر دیا تھا...... کمرے میں داخل ہونے کے بعد انٹیلی جنس آفیسر رام کرشن نے نمسکار کیا اور کہا۔

"سر! اسے ہوش آیا ہے کہ نہیں؟"۔

انسپکٹر نے ریکارڈ کی ضخیم فائل ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"وہ ابھی تک بے ہوش ہے...... ڈاکٹر نے انجکشن لگا دیا ہے"۔

رام کرشن نے کہا۔

"حوالدار مکند لال نے کچھ زیادہ ہی زور سے چوٹ لگائی تھی...... میں دور سے دیکھ رہا تھا"۔

"ڈاکٹر نے کہا ہے اسے تھوڑی دیر میں ہوش آ جائے گا"۔

انسپکٹر نے ریکارڈ کی ضخیم فائل کھول کر اس کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہا۔

"میں یہ پرانا ریکارڈ دیکھ رہا تھا...... شاید اس میں اس پاکستانی کمانڈو کا کوئی سابقہ ریکارڈ موجود ہو"۔

انٹیلی جنس آفیسر رام کرشن بولا۔

"سر! پرانا ریکارڈ اس کا ہو یا نہ ہو، لیکن ہمیں بہت جلد اس بات کے ثبوت مل جائیں گے کہ گنتور کے دھماکے میں اس دہشت گرد کا سب سے بڑا ہاتھ ہے اور یہ کشمیری مجاہد نہیں ہے...... پاکستانی کمانڈو ہے...... میں نے اس کی بول چال سے اندازہ لگا لیا تھا"۔

انسپکٹر بدری پرشاد کہنے لگا۔

"اس آدمی کے ذریعے ہمیں ان لوگوں کے پورے گینگ کا سراغ مل سکتا ہے اور یہ دلی انٹیلی جنس کی بہت بڑی جیت ہو گی"۔

رام کرشن بولا۔

"یہ سب کچھ بتا دے گا...... اس سے اس کے ساتھیوں کا پتہ چلانا ہمارے بائیں ہاتھ کا کام ہے...... لال قلعے کا ٹارچر اس سے برداشت نہیں ہو گا"۔

کچھ دیر کے بعد ایک حوالدار نے آ کر انہیں بتایا کہ ملزم کو ہوش آ گیا ہے...... دونوں انٹیلی جنس افسر اسی وقت اٹھ کر قلعے کے تہہ خانے کی طرف چل پڑے۔

اس وقت عمران کو ہوش آ چکا تھا...... ہوش میں آتے ہی اسے اپنے سر کے پچھلے حصے میں درد کی ٹیسیں محسوس ہوئیں...... اس کے سر کا پچھلا حصہ جہاں ضرب لگی تھی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا...... اس نے دیکھا کہ وہ ایک نیم روشن کمرے میں زمین پر بچھی ہوئی چٹائی پر پڑا ہے...... چھت کے ساتھ ایک دھیمی روشنی والا بلب روشن ہے اور اس کی چاروں جانب دیواریں اوپر کو اٹھی ہوئی ہیں...... کہیں کوئی کھڑکی نہیں ہے...... صرف ایک طرف چھت کے قریب ایک روشن دان ہے جس میں سے باہر سے کسی بلب کی روشنی اندر آ رہی ہے...... ایک ہی دروازہ ہے جو بند ہے...... عمران ہمت کر کے اٹھا...... دروازے تک گیا اور اس پر زور سے ہاتھ مار کر چلایا۔

"مجھے یہاں کیوں بند کیا گیا ہے؟ مجھے باہر نکالو"۔

باہر سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا...... دونوں سنتریوں نے اس کی آواز سن لی تھی...... ان میں سے ایک نے اسی وقت جا کر انسپکٹر بدری پرشاد کو اطلاع کر دی...... عمران مایوسی کے عالم میں واپس آ کر چٹائی پر لیٹ گیا...... زیادہ دیر کھڑے رہنے سے اس کا سر چکرانے لگا تھا...... اتنے میں دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے...... ان میں سے ایک کے ہاتھ میں پستول تھا...... یہ انسپکٹر بدری پرشاد تھا...... اس کے ساتھ والے آدمی کو عمران نے بلب کی روشنی میں فوراً پہچان لیا...... یہ وہی سی آئی ڈی والا تھا جس نے عمران کو اپنا نام عبدالرحیم بتایا تھا۔

مسلح سنتری نے دو لوہے کی کرسیاں لا کر اندر رکھ دیں اور دروازہ بند کر دیا...... دونوں انٹیلی جنس افسر کرسیوں کو قریب کر کے بیٹھ گئے...... عمران نے پوچھا۔

"مجھے یہاں کیوں بند کیا گیا ہے...... تم لوگ کون ہو؟"۔

عمران کو معلوم تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور اسے وہاں کیوں اور کس لئے لایا گیا ہے، لیکن حالات سے لاعلمی کا اظہار کرنا اور یہ سوال پوچھنا بہت ضروری تھا...... انسپکٹر بدری پرشاد نے بڑے آرام سے کہا۔

"تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہیں یہاں کیوں بند کیا گیا ہے اور تم کون ہو"۔

انٹیلی جنس افسر رام کرشن نے کہا۔

"ہمارے پاس تمہارا سارا پچھلا ریکارڈ موجود ہے...... تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم ہمیں بتادو کہ گنٹور کے دھماکے میں تمہارے ساتھ اور کون کون تھا...... تمہارے گینگ کے ممبئ والے ساتھی تو ہم نے پکڑ لئے ہیں"۔

عمران جانتا تھا کہ یہ ان لوگوں کی بلف چال ہے...... اس نے کہا۔

"میں نہیں جانتا تم کیا کہہ رہے ہو...... میرا کسی گینگ سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

"تمہارا نام...... میرا مطلب ہے اصلی نام کیا ہے؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"میں نے اپنا نام تمہارے اس آدمی کو بتا دیا تھا...... میرا نام عبدالکریم ہے"۔

انٹیلی جنس افسر رام کرشن نے پوچھا۔

"ممبئ میں تمہارے باپ کے ریستوران کا کیا نام ہے؟"۔

عمران نے یونہی کہہ دیا۔

"ساگر ریسٹورنٹ"۔

"یہ ریسٹورنٹ دادر میں ہے؟" رام کرشن نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"ہاں...... اور ہمارا مکان بھی ریستوران کے اوپر ہی ہے"۔

رام کرشن نے کہا۔

"مگر تمہارا لہجہ پنجابی مسلمانوں والا ہے اور ممبئ میں پنجابی مسلمان نہیں ہوتے کیا تم پاکستان سے آئے ہو؟"۔

عمران بولا۔

"میرے والد صاحب امرتسر کے تھے...... پاکستان بننے کے بعد وہ پاکستان جانے کی بجائے ممبئ میں آکر آباد ہوگئے تھے، کیونکہ ممبئ میں ان کے ایک چچا کے بیٹے ہوٹل کا کاروبار کرتے تھے...... میں بھی ممبئ میں پیدا ہوا...... ہم گھر میں پنجابی ہی بولتے ہیں"۔

انسپکٹر بدری پرشاد نے ایک دم سے سوال کر دیا۔

"گنٹور میں تمہارے ساتھ اور کون کون پاکستانی کمانڈو تھا"۔

عمران نے فوراً جواب دیا۔

"مجھے نہیں معلوم تم کس گنٹور کی بات کر رہے ہو...... تم لوگوں نے مجھے ناجائز طور پر یہاں حبس بے جا میں رکھا ہے...... میں تمہارے خلاف کیس کروں گا"۔

انٹیلی جنس افسر رام کرشن نے انسپکٹر بدری پرشاد کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سر! سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلے گا...... اسے پرانے قلعے میں لے چلیں"۔

"ٹھیک ہے"۔

اور وہ دونوں اٹھ کر وہاں سے چلے گئے...... ان کے جانے کے بعد گارڈ سنتری اندر آکر دونوں کرسیاں اٹھا کر لے گیا اور دروازے کو بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا...... اسی روز عمران کو ایک بند گاڑی میں ڈال کر پرانے قلعے کے ٹارچر سیل میں لے جایا گیا جہاں اس پر تشدد اور ایذا رسانی کا سلسلہ شروع ہو گیا...... تین روز تک اس پر تشدد ہوتا رہا، لیکن عمران نے انہیں اپنے ساتھیوں کے بارے میں کچھ نہ بتایا...... اسی دوران پرانے قلعے کے سی آئی اے انچارج کو بھوپال کے انسپکٹر جنرل انٹیلی جنس کی طرف سے ایک ارجنٹ ٹیلکس ملا کہ عمران کو بھوپال سنٹرل جیل میں پہنچایا جائے...... ہمیں گنٹور دھماکہ کیس کے کچھ دوسرے ملزموں کا سراغ مل گیا ہے...... ہم اس ملزم سے اس

بارے میں ضروری پوچھ گچھ کرنا چاہتے ہیں...... دلی کی سنٹرل انٹیلی جنس نے فیصلہ کیا کہ عمران ایک خطرناک کمانڈو ہے اور اس سے پہلے کئی مرتبہ پولیس کی تحویل سے فرار ہو چکا ہے...... اس لئے اسے بذریعہ طیارہ بھوپال لے جایا جائے...... اس مقصد کے لئے سول ایوی ایشن کا ایک سات نشستوں والا طیارہ چارٹر کیا گیا جس میں عمران کو بٹھا کر بھوپال روانہ کر دیا گیا...... انسپکٹر بدری پرشاد اور انٹیلی جنس آفیسر رام کرشن دوسرے باڈی گارڈز کے ساتھ خود بھی عمران کے ساتھ طیارے میں سوار ہو گئے۔

جس رن وے سے عمران کے طیارے نے ٹیک آف کرنا تھا اس رن وے کی تمام پروازیں وقتی طور پر منسوخ کر دی گئی تھیں...... اسے آپ اتفاق کہہ لیں یا سیکورٹی کے عملے کی نااہلی کہہ لیں یا یہ کہہ لیں کہ قسمت عمران کا ساتھ دے رہی تھی کہ عمران کو طیارے میں جس نشست پر بٹھایا گیا اس کی بائیں جانب طیارے کا ایمر جنسی دروازہ تھا...... یہ وہ دروازہ تھا کہ ہنگامی حالات میں اس پر لگی ہوئی ایک ہتھی کو گھمانے سے ایک دم دروازہ کھل جاتا تھا اور مسافر جان بچانے کے لئے اس میں سے باہر کود سکتے تھے...... عمران نے ایمر جنسی ڈور کو غور سے دیکھا...... اس کے اوپر ہندی اور انگریزی اور اردو میں لکھا تھا کہ ہنگامی حالات میں اس دروازے کی ہتھی کو نیچے کر دیں...... دروازہ کھل جائے گا...... ایک خیال اچانک اس کے ذہن میں بجلی کی طرح لہرا گیا...... اس نے سوچا کہ ان لوگوں نے مجھے زندہ تو کبھی نہیں چھوڑنا...... میں انہیں مرتے دم تک کچھ نہیں بتاؤں گا اور یہ مجھے اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیں گے...... مرنا تو مجھے اس طرح بھی ہے...... تو ان کافروں کے ہاتھوں مرنے کی بجائے کیوں نہ اپنی مرضی سے موت کو گلے لگا لیا جائے۔

عمران نے جہاز میں سے چھلانگ لگانے کا فیصلہ کر لیا...... یہ فیصلہ بھی ایک طرح سے خودکشی کے برابر تھا، لیکن اس میں ایک فی صد بچنے کی امید تھی...... اس کی دو وجوہات تھیں...... ایک تو عمران جانتا تھا کہ چھوٹا طیارہ زیادہ بلندی پر پرواز نہیں

تا...... دوسرے اسے یہ بھی علم تھا کہ دلی اور بھوپال کے درمیان دریا بھی آتے ہیں گھنے جنگل بھی آتے ہیں، بلکہ بھارت کے سب سے زیادہ خطرناک اور گھنے جنگل پال کے اردگرد کے علاقے میں ہی واقع ہیں...... طیارے سے چھلانگ لگانے کے اگر وہ کسی جنگل میں درختوں کے اوپر گرتا ہے تو وہ شدید زخمی تو ضرور ہوگا، لیکن بات کا امکان موجود ہے کہ وہ زندہ رہے...... اس کے مقابلے میں اگر وہ طیارے میں کسی دریا میں چھلانگ لگاتا ہے تو اس میں زخمی ہونے کے بھی امکانات کم تھے، لیکن رف اسی صورت میں زخمی ہونے سے بچ سکتا تھا کہ وہ طیارے میں سے کودنے کے اپنے جسم کے توازن کو اس طرح اپنے کنٹرول میں رکھے کہ جب وہ فضا میں قلا یاں کھاتا دریا میں گرے تو سب سے پہلے اس کے پاؤں دریا کی سطح پر پڑیں...... سر اور کے بل دریا کی سطح سے ٹکرانے کی صورت میں اس کی موت واقع ہو سکتی تھی، نکہ فضا میں چھلانگ لگانے کے بعد جیسے جیسے آدمی زمین کی طرف گرتا ہے اس کی یڈ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور وہ اتنے زور سے دریا کی سطح سے ٹکراتا ہے کہ اس کا جسم سکتا ہے اور اگر آدمی کے سب سے پہلے پاؤں پانی کی چادر سے ٹکرائیں تو پانی کی زیادہ مزاحمت نہیں کرتی اور آدمی بڑی تیزی سے سیدھا گہرائی میں اتر جاتا ہے۔

طیارہ فوراً ہی ٹیک آف کر گیا۔

طیارے نے اُڑان بھرنے کے بعد ایک چھوٹا سا چکر لگایا اور اپنا رخ بھوپال کی ف کر لیا...... طیارے نے آگرہ، گوالیار اور جھانسی کے اوپر سے گزر کر بھوپال پہنچنا ...... عمران ان علاقوں کے کوہستانی رینج سے کسی حد تک واقف تھا...... اسے معلوم لہ آگرہ اور گوالیار کے درمیان وادی چمبل کے گھنے اور دشوار گزار جنگل ہیں جو رع ہی سے ڈاکوؤں اور جرائم پیشہ افراد کی آماجگاہ رہا ہے اور اس جنگل میں دو یا تین بہتے ہیں جن میں سے ایک دریائے جمنا بھی ہے...... عمران کو طیارے کے فضائی ٹے کا اندازہ نہیں تھا...... طیارے کی رفتار سے اس نے حساب لگا لیا تھا کہ یہ چھوٹا

طیارہ کم از کم گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وادی چمبل کے جنگل کے اوپر سے گزرے گا...... یہ بھی اس کی خوش قسمتی تھی کہ طیارہ زیادہ بلندی پر نہیں اڑ رہا تھا اور کھڑکی کے شیشے میں سے اسے نیچے مکان...... سڑکیں اور سڑکوں پر دوڑتی گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

دس پندرہ منٹ کے بعد وہ گول کھڑکی کے شیشے میں سے نیچے دیکھ لیتا تھا......

پائلٹ نے ایک رفتار سیٹ کرلی تھی اور اسی رفتار سے پرواز کر رہا تھا...... عمران کی اگلی سیٹ پر بھی ایک کانسٹیبل بیٹھا تھا...... پچھلی سیٹ پر بھی ایک کانسٹیبل تھا اور اس کی ساتھ والی سیٹ پر انسپکٹر بدری پرشاد خود بیٹھا ہوا تھا...... ان لوگوں نے عمران کو اس طرح اپنے حصارے میں لے رکھا تھا کہ عمران کے لئے اٹھ کر باتھ روم جانا بھی مشکل نظر آتا تھا، لیکن ہنگامی دروازہ اس کی بائیں جانب تھا...... یہی دروازہ اس کی امید کی آخری کرن تھی...... عام حالات میں عمران اس دروازے میں سے بغیر پیراشوٹ کے چھلانگ لگانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، لیکن اب اس کے لئے جان کا خطرہ مول لینا ضروری ہو گیا تھا...... نیچے سے ایک شہر کی عمارتیں سڑکیں وغیرہ گزر رہی تھیں...... کسی سپاہی نے دوسرے سے کہا...... آگرہ ہے، اس کے آگے گوالیار تھا اور ان دونوں شہروں کے درمیان چمبل کے گھنے جنگلات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا...... عمران نے اسی جگہ کہیں چھلانگ لگانی تھی...... یہ تشویش اسے ضرور تھی کہ ایمرجنسی ڈور نہ کھلا تو پھر وہ کیا کرے گا...... بہر حال اسے دروازہ کھولنے کی کوشش ضرور کرنی تھی۔

آگرہ شہر پیچھے رہ گیا...... طیارہ غیر آباد ویرانوں کے اوپر سے گزر رہا تھا...... اس کے بعد زمین پر درختوں کے جھنڈ شروع ہو گئے...... یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ آگے چمبل رینج کے جنگلات آ رہے ہیں...... عمران نے اپنے آپ کو تیار کرلیا...... ایک دریا بھی نیچے سے گزر گیا...... ایک پرابلم یہ بھی تھی کہ عمران کو طیارے کی رفتار کو سامنے رکھتے ہوئے نیچے کودنا تھا، کیونکہ جب کوئی طیارہ دو سو میل کی رفتار سے پرواز کر رہا ہوتا ہے تو اس کے اندر بیٹھے ہوئے مسافر بھی دو سو میل کی رفتار سے جا رہے ہوتے ہیں اور

آدمی اس طیارے میں سے باہر چھلانگ لگاتا ہے تو وہ دو سو میل کی رفتار سے ہی آگے جائے گا، چنانچہ عمران کو یہ سب کچھ ذہن میں رکھتے ہوئے کسی دریا یا جنگل کے ختوں کے کسی جھنڈ پر چھلانگ لگانی تھی...... اس حساب کتاب میں چند سیکنڈ کا فرق نے سے ایسا ہو سکتا ہے کہ عمران اپنی طرف سے دریا کے اوپر چھلانگ لگائے اور وہ دو سو ں کی رفتار سے اتا دریا کے آگے زمین پر گر پڑے...... ایسی صورت میں اس کی موت نی تھی۔

چنانچہ جب وادی چمبل کے چھوٹے چھوٹے جھنڈوں کا سلسلہ شروع ہوا تو عمران ، اپنے ذہن میں طیارے کی رفتار اور اس حساب سے باہر کودنے کا حساب کتاب کرنا وع کر دیا...... وہ باقاعدہ پیمائش تو نہیں کر سکتا تھا...... اسے اندازے سے ہی کام لینا تھا، ن وہ اندازہ بالکل صحیح رکھنا چاہتا تھا...... عمران نے ایک بار کھڑکی کے شیشے میں سے انک کر نیچے دیکھا کہ جنگل شروع ہو گئے تھے...... درختوں کے جھنڈوں کا ایک سمندر دکھائی دے رہا تھا...... اس نے بلندی کا اندازہ لگایا...... یہ بلندی اتنی تھی کہ عمران دس یا دہ سے زیادہ بارہ تیرہ قلابازیاں کھانے کے بعد درختوں پر گر سکتا تھا...... وہ کسی دریا کا انتظار کر رہا تھا...... درختوں پر گرنے کی بجائے وہ کسی دریا میں گرنا چاہتا تھا...... اس رح اس کے زخمی ہونے کے امکانات کم تھے، مگر نیچے درختوں کے جھنڈ سبز بادلوں کی رح چھائے ہوئے تھے...... ان کے درمیان کوئی خالی جگہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔

طیارہ پرواز کرتا بھوپال کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

عمران بے چینی سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد نیچے جھانک لیتا تھا۔

ایک دفعہ اس نے نیچے دیکھا تو درختوں کے جھنڈ چھٹ گئے تھے اور ان کے یان ایک دریا بہہ رہا تھا...... عمران نے سوچا کہ اسے اللہ کا نام لے کر چھلانگ لگا دینی ہئے...... کسی دوسرے دریا کا انتظار نہیں کرنا چاہئے، ہو سکتا ہے اس کے بعد کوئی دریا ئے...... دریا کا کنارہ ابھی دور تھا، لیکن عمران کے ذہن میں ایک ہیجان سا مچ رہا

تھا...... اس کی ساری ذہنی پیمائشیں اور اندازے ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہو گئے تھے...... اس نے نیچے نگاہ ڈالی...... دریا کا کنارہ قریب ہوتا جا رہا تھا...... عمران نے ایکشن کا فیصلہ کر لیا...... یہ زندگی اور موت کا ایکشن تھا...... اس نے ایک سیکنڈ کے لئے اپنی ساتھ والی سیٹ پر انسپکٹر بدری پرشاد کو دیکھا...... وہ دوسری قطار میں بیٹھے انٹیلی جنس آفیسر رام کرشن سے کوئی بات کر رہا تھا...... وہ لمحہ آن پہنچا تھا جس کے لئے عمران پچھلے ایک گھنٹے سے اپنے آپ کو تیار کر رہا تھا...... اس کے بعد اس نے نہ کچھ سوچا اور نہ کسی کی طرف دیکھا...... سوچنے اور دیکھنے کا وقت گزر چکا تھا...... اس نے ایک لمبا سانس بھرا اور جتنی تیزی سے بجلی کوندتی ہے اس سے بھی زیادہ تیزی سے اس نے ایمرجنسی ڈور کی ہتھی کو پکڑ کر پوری طاقت سے نیچے کر دیا...... ہتھی کا نیچے ہونا تھا کہ طیارے کا ایمرجنسی دروازہ کھل گیا اور تیز ہوا کے تھپیڑے عمران سے ٹکرائے مگر اتنی دیر میں عمران طیارے سے باہر چھلانگ لگا چکا تھا...... طیارہ جس رفتار سے جا رہا تھا ہوا کے تھپیڑے اسے اتنی رفتار سے اٹھا کر آگے کو لے گئے لیکن اب وہ قلابازیاں کھاتا نیچے کی طرف جا رہا تھا...... وہ اپنے جسم کو کنٹرول میں رکھنے کی جان توڑ کوشش کر رہا تھا، لیکن اس کا جسم اس کے کنٹرول سے باہر ہو رہا تھا...... جیسے جیسے وہ نیچے گر رہا تھا اس کا وزن اور اس کی نیچے گرنے کی رفتار بڑھتی جا رہی تھی...... اس نے دیکھ لیا تھا کہ وہ دریا کے اوپر ہی ہے...... پھر اس کے کانوں میں ایک دھماکے کی آواز آئی اور دوسرے لمحے وہ بھاری بے جان پتھر کی طرح پانی کے اندر نیچے ہی نیچے جا رہا تھا...... اس کے کانوں میں آندھیوں کا شور بلند ہو رہا تھا...... بڑے زور سے اس کے پاؤں دریا کی تہہ سے ٹکرائے اور ریت میں دھنس گئے...... عمران کا یہ محسوس کر کے حوصلہ بلند ہو گیا تھا اور اس میں نئی طاقت آ گئی تھی کہ وہ زندہ ہے اور مرا نہیں...... اس نے دو تین جھٹکوں سے اپنے پاؤں دریا کی تہہ کی ریت میں سے باہر نکالے اور دونوں بازوؤں اور ٹانگوں کو چلاتا دریا کی سطح پر آنے کی جدوجہد کرنے لگا...... کوئی بیس پچیس سیکنڈ کے بعد اس نے سر دریا کی

طح سے باہر نکالا اور دیکھا کہ دریا کا دوسرا کنارا اس سے زیادہ دور نہیں تھا...... اس کا طلب تھا کہ اگر وہ طیارے سے کودنے میں چند سیکنڈ کی دیر کر دیتا تو وہ دریا کے بجائے سرے کنارے کے پتھروں پر گرتا اور چکنا چور ہو جاتا۔

اس نے تیرتے تیرتے محسوس کر لیا تھا کہ وہ زخمی نہیں ہوا تھا...... اس کی وجہ یہ ا کہ وہ پاؤں کے بل دریا کی سطح پر گرا تھا اور دریا نے ایک دم اسے اپنے اندر نگل لیا ...... اس کے جوگر شوز تیرنے میں رکاوٹ بن رہے تھے، لیکن وہ تیرتے ہوئے بں اتار نہیں سکتا تھا...... دریا کے دوسرے کنارے پر اگی ہوئی اونچی اونچی گھاس اس قریب ہوتی جا رہی تھی...... کنارے پر پہنچ کر وہ وہیں گیلی ریت پر اوندھا پڑ گیا...... یہ اسے کوئی زخم نہیں آیا تھا، لیکن اتنی بلندی سے دریا میں گرنے سے اس کا سارا ہل گیا تھا اور سارے جسم میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں...... وہ جانتا تھا کہ اسے گرفتار نے والے ابھی تک جہاز کے اندر ہی ہوں گے...... وہ اتنی جلدی اس کے پیچھے نہیں تے تھے...... ہاں یہ ضرور ہو سکتا تھا کہ انسپکٹر بدری پرشاد طیارے میں سے نیچے لیس کے ذریعے کسی قریبی شہر یا قصبے کی پولیس کو خبر کر دے کہ ایک خطرناک انی جاسوس طیارے سے دریا میں کود گیا ہے...... ساتھ ہی وہ عمران کا حلیہ بھی ے اور یہ بھی بتا دے کہ وہ طیارے میں سے دریا میں کس جگہ کودا تھا...... اس تے کی پولیس اس کی تلاش میں ضرور دریا کے کنارے پہنچ سکتی تھی، لیکن یہ دریا ے گھنے جنگل میں بہہ رہا تھا اور چمبل کے دشوار گزار جنگلوں میں سے گزر کر ا کا دریا پر اتنی جلدی پہنچ جانا مشکل تھا...... اس کے باوجود عمران وہاں زیادہ دیر رہنا چاہتا تھا...... وہ درد کرتے جسم کے ساتھ اٹھا اور سامنے درختوں کی طرف ڑا...... اس کے دونوں ٹخنے بھی درد کر رہے تھے، لیکن وہ درد کی پروا کئے بغیر ں کے جھنڈ میں گھس گیا۔

جنگل کے گھنے سایہ دار درختوں اور اونچی اونچی جنگلی جھاڑیوں نے اسے اپنے

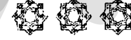
اندر چھپالیا...... وہ اس حقیقت سے بھی بے خبر نہیں تھا کہ علاقے کی پولیس ان جنگلوں کے چپے چپے سے واقف ہو گی اور وہ کچھ دیر کے بعد ہی سہی لیکن عمران کی تلاش میں دریا کے دوسرے کنارے کے جنگل میں پہنچ سکتی ہے، جبکہ عمران کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کس طرف جا رہا ہے اور کہاں جا کر نکلے گا، مگر ابھی وہ بڑے بڑے گنجان درختوں والے گھنے جنگل میں ہی تھا...... وہ کہیں رکے بغیر اس جگہ سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتا تھا...... چلنے سے اس کا بدن گرم ہو گیا تھا اور جسم کے دُکھنے کا احساس کم ہو رہا تھا...... سامنے آنے والی جھاڑیوں اور اونچی گھاس کو ہاتھوں سے پرے ہٹاتا وہ آگے بڑھ رہا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد جھاڑیاں اور درخت پرے پرے ہٹنے لگے...... تھوڑی د کھلی جگہ آ گئی...... یہاں سلیٹی رنگ کے بڑے بڑے پتھروں کے درمیان ایک نالہ بہ رہا تھا...... عمران ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں نالے کے کنارے بیٹھ گیا...... اس کے کپڑے جو دریا سے نکلتے وقت پانی میں شرابور تھے چلنے کی وجہ سے جسم کی گرمی سے تھوڑے تھوڑے سوکھ گئے تھے...... عمران نے سب سے پہلے اپنی پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا چھوٹا کالا بٹوہ نکالا...... گرفتار ہونے سے پہلے اس بٹوے میں اس نے کچھ کرنسی نوٹ اور ریل گاڑی کا ٹکٹ رکھا ہوا تھا، مگر اب وہ بالکل خالی تھا...... دلی کی پولیس نے اس کا بٹوہ خالی کر دیا تھا...... اس نے اپنے جوگر کے جوتے اتار کر ان کے اندر تھوڑا بہت پانی گیا ہوا تھا اسے باہر نکالا اور فوراً ہی پہن لئے...... اس کے بدن کی ٹیسیں اب کم ہو گئی تھیں...... وہ خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اتنی بلندی سے دریا میں گرنے کے باوجود وہ نہ صرف زندہ سلامت رہا بلکہ زخمی بھی نہیں ہوا...... خدا نے اسے بچایا تھا...... شاید اس لئے کہ ابھی اللہ میاں نے کمانڈو عمران سے بڑے بڑے مجاہدانہ کام لینے تھے...... عمران اٹھ کھڑا ہوا اور برساتی نالے کے ساتھ ساتھ آگے کی طرف چل پڑا...... وہ کسی طرح اس جنگل سے نکل جانا چاہتا تھا...... یہ جنگل اس کے لئے خطرناک

یونکہ پولیس دریا کے دوسرے کنارے والے اس جنگل کو اپنے گھیرے میں لے تھی...... کسی آبادی والے علاقے میں پہنچ کر وہ لوگوں میں غائب ہو سکتا تھا......
چلتے وہ جنگل میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں اونچے اونچے درختوں کے سائے میں ہی کٹے ہوئے درخت پڑے تھے...... عمران جلدی سے دوسری طرف ہو گیا اور توں کے پیچھے سے ہو کر آگے نکل گیا...... کٹے ہوئے درخت اس بات کی علامت کہ یہاں آس پاس کٹائی کا کام کرنے والے مزدور ضرور ہوں گے...... راستے میں اور برساتی نالہ آ گیا جس کے اوپر درخت کا بہت بڑا تنا ڈال کر پل بنایا ہوا تھا...... ن اس پر سے گزر کر نالے کے دوسرے کنارے پر آیا تو اسے ایسی آواز سنائی دی کوئی مزدور درخت کاٹ رہا ہو...... ایک لمحے کے لئے رک کر اس نے اندازہ لگایا واز اس کی دائیں جانب سے آ رہی تھی...... یہاں جھاڑیاں بہت گنجان تھیں...... وہ جانب چلنے لگا۔

گھنی جھاڑیوں سے باہر نکلا تو اسے کچھ فاصلے پر ایک جھونپڑی دکھائی دی...... وہ جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ گیا اور غور سے جھونپڑی کی طرف دیکھنے لگا...... جھونپڑی باہر کوئی آدمی نہیں تھا...... دُور سے درخت پر کلہاڑا چلانے کی آواز آ رہی تھی...... یہ مزدور جو درخت کاٹ رہا تھا اس جھونپڑی میں رہتا تھا...... عمران کو جب یقین یا کہ جھونپڑی کے آس پاس کوئی انسان نہیں ہے تو وہ آگے بڑھا اور جھونپڑی کے سے ہوتا ہوا آگے نکل گیا...... چلتے رہنے سے اس کی پتلون اور بش شرٹ کافی گئی تھی...... کچھ دور چلنے کے بعد عمران ایک جگہ جھاڑیوں میں سے باہر نکلا تو نے ایک چھوٹی سی کچی سڑک تھی...... وہ وہیں رک گیا اور سڑک کے دائیں بائیں ھا...... سڑک بالکل خالی پڑی تھی...... وہ سمجھ گیا کہ یہ سڑک محکمہ جنگلات والوں نائی ہے...... اس قسم کی چھوٹی چھوٹی سڑکیں محکمہ جنگلات کی جانب سے بنائی جاتی ا کہ اگر جنگل کے ایک حصے میں آگ لگ جائے تو بیچ میں سڑک آ جانے سے آگ

جنگل کے دوسرے حصے تک نہ پہنچنے پائے...... ایسی سڑکوں کو محکمہ جنگلات والوں کی اصطلاح میں فائر لائن کہتے ہیں...... عمران سڑک پر چلنے کی بجائے سڑک سے ذراہٹ کر جھاڑیوں کی اوٹ میں ایک طرف چلنے لگا......اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس جانب آگے کوئی نہ کوئی بستی ضرور آئے گی اور آخر ایسا ہی ہوا...... کچھ دیر تک چلتے رہنے کے بعد عمران سڑک کے ساتھ ہی دائیں جانب بڑھا تو اسے درختوں کے نیچے چھ سات جھونپڑے دکھائی دیئے...... وہ ایک بار پھر وہیں رک کر بیٹھ گیا اور ان جھونپڑیوں کی طرف دیکھنے لگا۔



اتنے میں سامنے والے جھونپڑے سے ایک بوڑھا ناریل کا حقہ پکڑے باہر نکلا اور ب طرف بیٹھ کر حقہ پینے لگا...... بوڑھے نے صدری اور چار خانہ دھوتی پہنی ہوئی ی اور اس کی دور سے چھوٹی ڈاڑھی بھی دکھائی دے رہی تھی...... اپنے حلیئے سے وہ ندو نہیں لگتا تھا اور جنگلی یعنی آدھی واسی بھی نہیں معلوم ہوتا تھا...... دوسرے ھونپڑے میں سے ایک عورت بچہ اٹھائے باہر نکلی اور کسی کو اونچی آواز میں پکارا اور ری جانب چلی گئی...... پھر وہاں خاموشی ہوگئی...... عمران نے سوچا کہ یہ بوڑھا لمان لگتا ہے......اس سے معلوم کرنا چاہئے کہ یہ کون سا علاقہ ہے اور کوئی بڑا شہر اں سے کتنی دور ہے۔

عمران جھاڑیوں کی آڑ میں سے نکل کر بوڑھے کے پاس آگیا...... بوڑھے کی ڑھی شرعی اور مسلمانوں ایسی تھی...... عمران نے جاتے ہی اسے اسلام و علیکم کہا...... ڑھے نے حقہ منہ سے پرے ہٹاتے ہوئے عمران کی طرف وعلیکم السلام کہا اور عمران طرف ٹکٹکی باندھ کر تکنے لگا...... عمران کو یہ معلوم کر کے تسلی ہوئی کہ یہ بوڑھا لمان ہے، اس نے پوچھا۔

"بابا! میں اپنے ایک دوست کے ساتھ دریا پر مرغابی کا شکار کھیلنے آیا تھا...... اپنے ت سے بچھڑ کر راستہ بھول گیا ہوں...... مجھے بتاؤ کہ یہ کون سی جگہ ہے"۔

بوڑھے نے سوال کیا۔

"بیٹا! تم کہاں سے آئے ہو؟"۔

"بابا" عمران نے جواب دیا...... "میں آگرہ سے اپنے دوست کے گاؤں آیا تھا...... میں یہاں اجنبی ہوں"۔

بوڑھے نے اپنے پیچھے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم ایسا کرو یہاں سے آگے ٹیکم گڑھ کا قصبہ ہے...... وہاں سے تمہیں اٹاوہ جانے والی لاری مل جائے گی...... تم آگرہ شہر سے بہت دور نکل آئے ہو"۔

عمران نے کہا۔

"بابا! اٹاوہ سے آگے کون سا شہر آتا ہے؟"۔

بوڑھا حقے کا کش لگاتے ہوئے بولا۔

"اتر کی طرف کو آگرہ ہے...... دکھن میں سیتاپور اور لکھنؤ ہے...... تمہیں تو آگرہ جانا ہے نا"۔

"جی ہاں" عمران نے کہا۔

"بس پھر ٹیکم گڑھ سے لاری پکڑ لینا...... چار چھ گھنٹوں میں آگرہ پہنچ جاؤ گے"۔

اب عمران کو اندازہ ہوا کہ دریا کی موجیں اسے کہاں سے کہاں لے آئی تھیں...... اس نے بابا کو سلام کیا اور جس طرف جانے کو اس نے کہا تھا اس طرف چل پڑا...... آہستہ آہستہ جنگل ختم ہونا شروع ہو گیا اور کھیت آ گئے...... دوپہر کی دھوپ نکلی ہوئی تھی...... کھیتوں کے پیچھے ایک گاؤں نظر آیا...... یہ کافی بڑا گاؤں تھا...... عمران کے پاس لاری کا کرایہ بھی نہیں تھا...... آگرہ وہاں سے بذریعہ لاری جیسا کہ بوڑھے نے بتایا تھا چار پانچ گھنٹوں کا سفر تھا...... اس کا کرایہ بھی کافی ہو گا...... اس نے سوچا کیا کرے...... وہاں سے پیدل بھی آگرے یا کسی دوسرے بڑے شہر جانا مشکل تھا...... اگر ٹرین میں بغیر ٹکٹ بیٹھ جاتا ہے اور راستے میں پکڑا جاتا ہے تو ایک نئی مصیبت میں پھنس سکتا تھا...... وہ کچھ سوچ کر گاؤں میں داخل ہو گیا...... گاؤں کا ایک ہی چھوٹا سا

بازار تھا جہاں چند ایک دکانیں تھیں...... بازار کے آخر میں ایک چھوٹی سی مسجد دیکھ کر عمران کو حوصلہ ہوا...... وہ سیدھا مسجد میں داخل ہو گیا...... ایک مولوی صاحب مسجد کے صحن میں بیٹھے روٹی کھا رہے تھے...... عمران بوٹ اتارنے کے بعد ان کے قریب چلا گیا اور سلام کر کے بڑے ادب سے بیٹھ گیا...... مولوی صاحب نے عمران کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا اور کہا۔

"مسافر معلوم ہوتے ہو...... کھانا کھاؤ"۔

اور مولوی صاحب نے عمران کے جواب کا انتظار کئے بغیر روٹیوں کی چنگیر عمران کی طرف بڑھا دی اور ایک روٹی پر آم کا اچار رکھ کر عمران کو دی...... عمران کو سخت بھوک لگ رہی تھی...... اس نے تکلف کئے بغیر روٹی کھانی شروع کر دی...... ساتھ ساتھ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ مولوی صاحب سے مطلب کی بات کیسے شروع کرے...... مولوی صاحب نے پوچھا۔

"کہاں سے آ رہے ہو بیٹا"۔

عمران نے کہا۔

"مولوی جی! مسافر ہوں...... آگرہ جانا ہے...... لاری کا کرایہ پاس نہیں ہے...... مجھے کرایہ مل جائے تو آپ کے حق میں دعا کروں گا"۔

مولوی صاحب پر عمران کی صاف اور سچی بات کا بہت اثر ہوا...... کہنے لگے۔

"کوئی بات نہیں بیٹا...... روٹی کھا لو...... پھر تمہیں کرایہ بھی مل جائے گا"۔

روٹی کھا کر عمران کی ساری نقاہت دور ہو گئی...... مولوی صاحب اٹھ کر اپنے حجرے کی کوٹھڑی میں گئے...... واپس آ کر انہوں نے عمران کو دس دس روپے کے دو نوٹ دیئے اور کہا۔

"ٹیکم گڑھ سے آگرہ تک لاری کا پندرہ روپے کرایہ لگتا ہے...... پانچ روپے سفر خرچ کے لئے رکھ لینا"۔

عمران نے پوچھا۔

"لاریوں کا اڈہ کہاں ہے مولوی جی"۔

مولوی صاحب بولے۔

"اڈہ یہاں کوئی نہیں ہے...... گاؤں کے پیچھے آگرہ جانے والی سڑک ہے...... وہاں سے آگرہ جانے والی لاریاں گزرتی رہتی ہیں...... کسی بھی لاری میں بیٹھ جانا"۔

عمران نے مولوی صاحب کا بہت شکریہ ادا کیا اور سلام کر کے مسجد سے باہر آگیا...... سوچنے لگا کہ وہ جس طرف سے فرار ہو کر آرہا ہے اسی طرف جانے والا ہے...... راستے میں ضرور پولیس چیکنگ کر رہی ہوگی...... کہیں پھنس نہ جائے...... اس نے فیصلہ کرلیا کہ اسے آگرہ کی طرف جانے کی بجائے مخالف سمت میں کسی شہر میں جانے کی کوشش کرنی چاہیے...... اسے یاد آگیا کہ جنگل میں جھونپڑے والے بوڑھے نے بتایا کہ اتر یعنی شمال کی طرف آگرہ کا شہر ہے اور دکھن یعنی جنوب کی جانب سیتاپور کا شہر ہے...... اتنا اسے علم تھا کہ سیتاپور کا چھوٹا سا شہر لکھنؤ سے دلی کی طرف جاتے ہوئے آتا ہے...... لکھنؤ سے زیادہ دور نہیں ہے...... مجھے سیتاپور کی طرف جانا چاہیے...... اس نے اپنے آپ سے کہا اور گاؤں کے باہر سڑک پر آکر کھڑا ہوگیا...... وہ سڑک کی دوسری جانب کھڑا تھا جہاں آگرہ کی طرف سے آنے والی لاریاں گزرتی تھیں...... کیونکہ سیتاپور پیچھے کی جانب تھا...... اسے اچانک پولیس کی کسی گاڑی کے آجانے کا بھی خطرہ تھا، لیکن وہاں کی پولیس اس کی شکل وصورت سے واقف نہیں تھی...... ہاں اگر طیارے کے سنتریوں یا انٹیلی جنس آفیسر رام کش یا انسپکٹر بدری پرشاد میں سے کوئی گاڑی میں بیٹھا ہوا آگیا تو اس کا پکڑا جانا یقینی تھا۔

وہ سڑک سے ذرا پیچھے ہٹ کر ایک درخت کی آڑ لے کر بیٹھ گیا...... اس کی نظریں پیچھے کی جانب سے آنے والی گاڑیوں پر لگی ہوئی تھیں...... تین چار پرائیویٹ کاریں گزر گئیں...... ایک دو ٹرک بھی گزرے...... آگرہ کی طرف سے آتی ایک

پرائیویٹ کار بھی گزری...... کچھ دیر کے بعد ایک لاری آگرہ کی طرف سے آتی دکھائی دی...... لاری کے اوپر مسافروں کا سامان لدا ہوا تھا...... یہ سوچ کر کہ یہ لاری سیتاپور ہی جائے گی...... اس نے سڑک پر نکل کر لاری کو ہاتھ دے دیا...... لاری چند گز آگے جا کر رُک گئی...... عمران دوڑ کر اس میں سوار ہوگیا...... اس نے کنڈکٹر سے کہا۔

"سیتاپور کا ٹکٹ دے دو"۔

اور دس دس کے دونوں نوٹ اس کی طرف بڑھائے...... کنڈکٹر نے نوٹ لے کر جیب میں رکھ لئے اور ایک ٹکٹ کاٹ کر عمران کو دیا...... پھر جیب سے دو روپے نکال کر عمران کو واپس کر دیئے...... عمران سمجھ گیا کہ وہاں سے سیتاپور کافی دور ہوگا...... ورنہ اٹھارہ روپے کرایہ نہ لگتا...... لاری چل پڑی...... عمران کو راستے میں پولیس کی چیک پوسٹ کا بھی خطرہ تھا، لیکن خیریت ہی رہی اور لاری سیتاپور کے تاریخی شہر پہنچ گئی...... اس وقت شام کا ہلکا ہلکا اندھیرا چھا رہا تھا...... سیتاپور میں مسلمانوں کی اکثریت نہیں ہے...... عمران کا پروگرام یہی تھا کہ وہ آگرہ سے جموں کشمیر کی طرف نکلنے کی کوشش کرے گا...... اس کے پاس صرف دو روپے باقی بچے تھے اور اب جموں تک اس کا سفر اور لمبا ہوگیا تھا...... اب اسے سیتاپور سے وایا شاہ جہاں پور...... بریلی...... رامپور...... مراد آباد...... سہارنپور...... انبالہ اور جالندھر سے ہوتے ہوئے امرتسر اور پھر امرتسر سے بذریعہ لاری جموں پہنچنا تھا...... ایک اچھی بات یہ تھی کہ اس روٹ کے راستے میں دلی یعنی بھارت کی راجدھانی نہیں آتی تھی...... جہاں عمران کے پکڑے جانے کا بہت زیادہ خطرہ تھا...... اتنا لمبا سفر وہ ٹرین میں بغیر ٹکٹ نہیں کر سکتا تھا...... اس کے پاس کرائے کے لئے پیسے بھی نہیں تھے...... اوپر سے رات آرہی تھی...... سوچنے لگا کہ کیا کرے...... آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ سیتاپور اگر کوئی مسجد ہو تو اس کے امام صاحب سے مدد کی درخواست کی جائے۔

وہ ایک بازار میں سے گزر گیا...... وہاں اسے کوئی مسجد نظر نہ آئی...... ایک دکان

پر ضرور اس کی نظر پڑی...... بہت بڑی دکان تھی...... میں یہ نہیں بتاؤں گا کہ وہ کس چیز کی دکان تھی...... دکان کا نام اسلامی تھا اور دکان کے اندر کاؤنٹر پر ایک شرعی ڈاڑھی والے بزرگ بیٹھے قرآن پاک سامنے رکھے تلاوت کر رہے تھے...... ان کے مسلمان ہونے میں کسی شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... دکان میں ان کے ملازم مختلف گاہکوں کو چیزیں دکھا رہے تھے...... دکان میں بجلی کے بلب روشن تھے...... عمران دکان کے سامنے ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا اور انتظار کرنے لگا کہ بزرگ جو دکان کے مالک ہی تھے قرآن پاک کی تلاوت سے فارغ ہوں تو وہ ان کے پاس جاکر مدد کی درخواست کرے...... بازار میں کافی رش تھا...... آٹو رکشا بھی آجا رہے تھے...... دکان کے مالک بزرگوار قرآن پاک کی تلاوت سے فارغ ہوئے...... انہوں نے قرآن پاک کو بند کر کے بوسہ دیا اور اسے جزدان میں لپیٹ کر کاؤنٹر کے اوپر سلف پر رکھا اور اندر گاہکوں کی طرف دیکھنے لگے...... عمران دکان میں داخل ہو گیا...... اس نے بزرگ کو اسلام علیکم کہا...... بزرگ نے وعلیکم سلام کہا اور بولے۔

"فرمایئے...... کیا خدمت کر سکتے ہیں آپ کی"۔

عمران نے ان کے قریب ہی پڑے سٹول پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

محترم! مجھے آپ سے ایک بڑی ضروری بات کرنی ہے"۔

"جی! فرمایئے" بزرگ نے کاروباری لہجے میں کہا۔

ان کے لہجے سے عمران کو کچھ نا اُمیدی سی ہوئی...... مگر حرف مدعا بیان کرنا بھی ضروری تھا...... اس نے آہستہ سے کہا۔

"محترم! میں مسلمان ہوں...... پردیسی ہوں...... میرے پاس کچھ رقم تھی مگر وہ کھو گئی ہے...... اگر آپ میرے لئے کچھ کر سکتے ہیں تو صرف اتنا کر دیجئے کہ مجھے سیتاپور سے امرتسر تک ریل کا کرایہ دے دیجئے...... میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا"۔

اس بزرگ پر عمران کی باتوں کا اثر ہوا یا خدا نے اس کے دل میں عمران کی مدد

کرنے کا خیال ڈال دیا...... اس نے آہستہ سے کاؤنٹر کی دراز کو کھولا اور اس میں سے سو روپے کا نوٹ نکال کر بڑی رازداری سے عمران کے ہاتھ میں تھما دیا اور کہا۔

"اسے رکھ لو"۔

عمران نے بزرگ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سو روپے کا نوٹ پتلون کی جیب میں رکھ لیا اور سلام کر کے دکان سے باہر نکل آیا...... چوک میں آکر اس نے ایک آدمی سے ریلوے سٹیشن کا راستہ پوچھا اور پیدل ہی سٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا...... اس وقت تک رات ہو گئی تھی...... سٹیشن پر آکر اس نے بکنگ آفس کا رخ کیا...... بکنگ کلرک نے بتایا کہ پنجاب کو جانے والی گاڑی رات کے دس بجے آئے گی...... عمران نے ٹکٹ لے لیا اور پلیٹ فارم پر ایسی جگہ پر بیٹھ گیا جہاں اس پر لوگوں کی نگاہیں کم پڑتی تھیں...... کافی دیر وہ بیٹھا بہت کچھ سوچتا رہا...... کئی قسم کے خدشات اس کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے...... اس کی منزل کافی دور تھی اور راستے میں خاص طور پر مشرقی پنجاب میں داخل ہونے کے بعد اس کے پکڑے جانے کا بہت خطرہ تھا...... رات کے نو بج رہے تھے...... اس نے ایک سٹال پر کھڑے ہو کر تھوڑا بہت کھانا کھایا اور واپس اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا...... ٹرین کلکتے سے آرہی تھی اور دس بجے کی بجائے ساڑھے دس بجے پلیٹ فارم میں داخل ہوئی...... بھارت کی دوسری میل ٹرینوں کی طرح یہ ٹرین بھی مسافروں سے بھری ہوئی تھی...... ٹرین میں جتنا رش ہوتا تھا عمران کو اتنا ہی اپنے تحفظ کا احساس ہوتا تھا...... وہ ایک ڈبے میں چڑھ کر مسافروں کے درمیان چھپ چھپا کر بیٹھ گیا...... ابھی تک ہر طرح سے خیریت تھی اور وہ کسی کی نگاہوں میں نہیں آیا تھا اور مسافروں میں سے کسی نے اس کی طرف مشکوک نگاہوں سے نہیں دیکھا تھا۔

امرتسر تک بڑا طویل سفر تھا۔

ٹرین چل پڑی...... ساری رات سفر کرتی رہی...... دوسرے دن دوپہر کے وقت سہارنپور آیا...... پھر انبالہ بھی گزر گیا...... اس کے بعد مشرقی پنجاب کا علاقہ شروع

ہو جاتا تھا جو عمران کے واسطے بڑا حساس اور خطرناک علاقہ تھا...... امرتسر تک وہ اپنے ڈبے میں ہی رہا اور ایک منٹ کے لئے بھی کسی سٹیشن پر ڈبے میں سے باہر نہ نکلا...... جالندھر اور کرتارپور کے درمیان ایک جگہ لائن کی مرمت ہو رہی تھی...... وہاں ٹرین ڈیڑھ گھنٹہ کھڑی رہی...... اس کے بعد امرتسر کا سٹیشن آتا تھا...... امرتسر میں اس وقت رات ہو چکی تھی...... اس کا خیال تھا کہ شاید پٹھانکوٹ کی طرف جانے والی کوئی ٹرین مل جائے اور وہ پٹھانکوٹ کے راستے سے جموں پہنچ جائے، لیکن اسے معلوم ہوا کہ پٹھانکوٹ صبح کے وقت گاڑی جائے گی...... اب رات گزارنے کا مسئلہ تھا...... اس کا حلیہ ایسا نہیں تھا کہ وہ کسی اچھے ہوٹل میں جا کر ٹھہرے...... اس کو تجربوں نے بتایا تھا کہ خاص طور پر مشرقی پنجاب کے بڑے ہوٹلوں میں عام طور پر کوئی نہ کوئی خفیہ پولیس والا ضرور موجود ہوتا ہے جو ہوٹل میں آنے جانے والوں پر نظر رکھتا ہے...... میلے اور پرانے لباس میں اگر وہ اچھے ہوٹل میں جائے گا تو اس پر ضرور شک کیا جائے گا کہ یہ مزدور ٹائپ کا آدمی یہاں کیسے کمرہ کرائے پر لے رہا ہے...... اس کے علاوہ یہ بات تھی کہ اس کے پاس زیادہ رقم بھی نہیں بچی تھی...... ریلوے سٹیشن پر رات کو پولیس اور سی آئی ڈی والے گشت لگاتے رہتے تھے...... وہ پلیٹ فارم پر بھی نہیں رہنا چاہتا تھا۔

اچانک اس کے دماغ میں امرتسر کی ایک مسجد کا خیال آ گیا...... اس مسجد کو ان کشمیری مسلمانوں نے اپنی تحویل میں لے لیا ہوا تھا جو کشمیر سے پنجاب میں محنت مزدوری کرنے آتے تھے...... عمران نے یہ مسجد دیکھی ہوئی تھی...... وہ مسجد کے کسی حجرے میں بڑی آسانی سے رات بسر کر سکتا تھا...... وہ کشمیری زبان بھی بول لیتا تھا...... عمران سٹیشن سے نکل کر اس محلے کی طرف چل پڑا جہاں مسجد تھی...... مسجد کے صحن میں ایک بلب جل رہا تھا...... صحن خالی پڑا تھا...... مسجد کی ڈیوڑھی کا دروازہ آدھا کھلا تھا...... عمران ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا...... ڈیوڑھی کی بائیں جانب حجرہ تھا جس کا دروازہ بند تھا...... اندر دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی...... وہ کشمیری

زبان میں بول رہے تھے عمران نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی...... دوسری بار دستک دینے پر دروازہ کھول کر ایک بوڑھے کشمیری نے پوچھا۔

"کیا بات ہے بھائی"۔

عمران نے کشمیری زبان میں کہا کہ وہ پردیسی ہے...... صرف ایک رات بسر کرنے کے لئے اسے کوئی ٹھکانہ چاہئے...... بوڑھے نے پوچھا۔

"تم مسلمان ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"ہاں...... میں مسلمان ہوں"۔

بوڑھے نے کہا۔

"تم پنجابیوں کی طرح کشمیری بولتے ہو...... کہاں کے رہنے والے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں مالیر کوٹلے کا پنجابی مسلمان ہوں...... اس وقت مالیر کوٹلہ کو کوئی گاڑی نہیں جاتی...... یہاں رات بسر کرنے کو ٹھکانہ مل جائے تو مہربانی ہو گی...... میں سرینگر میں چھ سات سال رہا ہوں"۔

حجرے میں دوسرے آدمی نے آواز دے کر کہا۔

"کاکا! کون ہے یہ...... اسے اندر آنے دو"۔

بوڑھے نے عمران سے کہا۔

"اندر آ جاؤ"۔

عمران کوٹھڑی میں داخل ہو گیا...... اندر بلب روشن تھا...... اس کی روشنی میں عمران نے ایک صحت مند خوش شکل کشمیری نوجوان کو دیکھا تو اسے ایک دم خیال آ گیا کہ اس نوجوان کو اس نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے...... خوش شکل کشمیری نوجوان بھی عمران کو دیکھ کر ٹھٹھک سا گیا تھا...... پھر وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

"اگر میری نظریں دھوکہ نہیں کھا رہیں تو تمہارا نام عمران ہی ہے نا؟"۔

عمران نے فوراً کہا۔

"نہیں دوست...... میرا نام عمران نہیں سلیمان ہے...... میں مالیر کوٹلہ کا رہنے والا ہوں"۔

خوش شکل کشمیری نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عمران بھائی! مجھ سے کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں ہے...... میرا نام فیروز بٹ ہے...... میں کشمیری مجاہد ہوں اور آج سے دو سال پہلے میں بھی دوسرے مجاہدوں کے ساتھ تمہاری کمانڈ میں بھارتی فوجی کیمپوں پر شب خون مارتا رہا ہوں...... تم نے مجھے نہیں پہچانا، مگر میں نے تمہیں پہچان لیا ہے"۔

اس کے بعد مجاہد فیروز بٹ نے عمران کو ایسی نشانی بتائی کہ عمران نے اسے پہچان لیا...... وہ خفیہ نشانی ہم یہاں بیان نہیں کر سکتے...... عمران نے فیروز بٹ کو گلے لگا لیا...... بوڑھے کشمیری نے دروازہ بند کر دیا اور ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا...... اس نے عمران سے پوچھا۔

"کیا کسی خاص مشن پر آئے ہو بیٹا؟"۔

عمران نے کہا۔

"ایک خاص مشن کامیابی سے پورا کر کے اب واپس کشمیر کے محاذ پر جا رہا ہوں"۔

بوڑھے کشمیری نے پوچھا۔

"کیا پولیس تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"نہیں...... مجھے یقین ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔

فیروز بٹ کہنے لگا۔

"تم فکر نہ کرو...... یہاں تم پر کوئی شک نہیں کرے گا...... اس مسجد میں کشمیر سے

ت کش کشمیری آتے جاتے رہتے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"میں صرف آج کی رات یہاں ٹھہرنا چاہتا ہوں...... صبح پٹھانکوٹ جانے والی پہلی لاری پکڑ کر یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا...... پٹھانکوٹ سے مجھے جموں کی لاری مل جائے گی"۔

بوڑھے کشمیری نے کہا۔

"کوئی بات نہیں...... تم اسی کوٹھڑی میں رات بسر کرنا...... فیروز بٹ تمہارے ساتھ ہوگا"۔

رات کو ان سب نے وہیں کھانا کھایا...... عمران کے کپڑے بہت میلے ہو گئے تھے...... فیروز بٹ نے اسے اپنا دھلا ہوا پاجامہ کرتا اور واسکٹ پہننے کو دی...... رات کے بارہ بجے بوڑھا کشمیری چلا گیا...... فیروز بٹ اور عمران وہیں پرانے قالین پر ہو گئے...... عمران پچھلی رات بھی ٹرین میں سو نہیں سکا تھا...... آنکھیں بند کرتے ہی اسے نیند آ گئی...... رات کا ایک بج رہا تھا کہ بوڑھا کشمیری گھبرایا ہوا کوٹھڑی میں داخل ہوا...... اس نے عمران اور فیروز بٹ کو جگاتے ہوئے کہا۔

"کسی نے عمران کی مخبری کر دی ہے...... پولیس دوسرے ڈیرے کی تلاشی لے رہی ہے...... ہو سکتا ہے وہ ادھر بھی آ جائے"۔

عمران نے کہا۔

"فکر نہ کریں...... میں ابھی یہاں سے نکل جاتا ہوں"۔

فیروز بٹ بولا۔

"لالہ! اس وقت تم کہاں جاؤ گے"۔

بوڑھے نے کہا۔

"میرا خیال ہے اسے مسجد خیر الدین میں جا کر چھپ جانا چاہئے...... وہاں ہمارے

آدمی موجود ہیں"۔

وہ ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ بازار میں ہلکا شور سا اٹھا...... بوڑھا بولا۔

"پولیس آگئی ہے"۔

عمران جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا...... بوڑھے کشمیری نے کوٹھڑی کا ایک پٹ کھول کر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"سیڑھیاں چڑھ کر مسجد کی چھت پر چلے جاؤ...... مسجد کے پیچھے لکڑیوں کے ٹال کا احاطہ ہے...... وہاں سے نکل جانا...... جلدی کرو"۔

عمران فوراً کوٹھڑی میں سے نکل کر مسجد کے صحن میں آگیا...... دیوار کے ساتھ ایک زینہ اوپر مسجد کی چھت پر جاتا تھا...... وہ دوڑتا ہوا زینے پر چڑھ گیا...... مسجد کی چھت کی دوسری جانب نیچے لکڑیوں کے ٹال کا چھوٹا سا احاطہ تھا...... وہ احاطے میں اتر گیا...... اس وقت پولیس مسجد کی ڈیوڑھی میں آگئی تھی اور آدمیوں کے اونچی آواز میں بولنے کی آوازیں آرہی تھیں...... عمران رات کی خاموشی اور اندھیرے میں ٹال کے احاطے سے نکلا...... سامنے ایک سنسان گلی تھی...... وہ گلی میں سے دوڑتے ہوئے دوسری اور پھر تیسری گلی میں سے ہوتا ہوا بازار میں آگیا...... خطرہ تھا کہ پولیس نے اس طرف بھی ناکہ بندی نہ کی ہوئی ہو، مگر بازار خالی تھا...... یہ ہال بازار تھا...... جیسے ہی وہ بازار میں آیا دور سے ایک پولیس کے سپاہی نے اسے دیکھ کر سیٹی بجائی اور اس کی طرف دوڑا...... عمران نے سپاہی کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا...... وہ سامنے والی گلی میں گھس گیا...... آگے گلیاں ہی گلیاں تھیں...... ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا...... وہ پہلے تو دو تین گلیوں میں دوڑتا چلا گیا...... پھر تیز تیز چلنے لگا...... اسے ایک ہی ڈر تھا کہ وہ کسی ایسی گلی میں نہ آجائے جو آگے جا کر بند ہو گئی ہو۔

امرتسر شہر سے وہ واقف تھا، مگر ان گلیوں میں وہ پہلے کبھی نہیں آیا تھا...... اتنا اسے اندازہ تھا کہ اگر کوئی گلی آگے جا کر بند نہیں ہو جاتی تو وہ ہاتھی دروازے کی طرف

نکل آئے گا...... اس نے سوچ لیا تھا کہ ہاتھی دروازے سے وہ ریلوے پل کو عبور کر کے دوسری طرف کھیتوں میں جا کر چھپ جائے گا یا پھر وہاں سے بھی آگے کسی ویران علاقے میں نکل جائے گا...... وہ گلیوں گلیوں ہوتا ایک ایسی گلی میں آگیا جس کے آگے ایک میدان تھا...... میدان کے ساتھ ایک سڑک دور تک چلی گئی تھی...... عمران نے اس سڑک کو پہچان لیا...... یہ سڑک ریلوے پل کو جاتی تھی جسے ریگو برج کہا جاتا تھا...... وہ خاموشی سے چلتا ہوا سڑک پر آگیا...... چند قدموں کے فاصلے پر اس کی بائیں جانب ایک بڑا سا مندر تھا جس میں بڑی رونق تھی...... ڈھولک اور گھنٹیاں بج رہی تھیں اور بہت سے لوگ مندر میں پوجا کے واسطے جا رہے تھے...... شاید یہ کوئی تہوار منایا جا رہا تھا...... خوب روشنیاں ہو رہی تھیں...... عمران روشنیوں سے دور رہ کر مندر کے آگے سے گزر گیا...... ذرا دور گیا تھا کہ سڑک پر کچھ فاصلے پر بجلی کے کھمبوں کی روشنی میں اسے تین پولیس کے سپاہی نظر آئے جو ہاتھوں میں لاٹھیاں لئے مندر کی طرف آرہے تھے۔

عمران وہیں سے پیچھے پلٹ گیا۔

اس کے سامنے مندر کا دروازہ ہی تھا جہاں پوجا پاٹ کرنے والے مندر میں جا رہے تھے...... عمران کو ہر حالت میں ان پولیس والوں سے بچنا تھا...... دوسرے پجاریوں کے ساتھ وہ بھی مندر میں داخل ہو گیا...... وہاں سب ہندو ہی ہندو تھے...... مندر کی ڈیوڑھی میں زنجیروں کے ساتھ گھنٹیاں لٹک رہی تھیں...... ہر آدمی وہاں سے گزرتے ہوئے گھنٹی کو ہاتھ مار کر اسے ضرور بجاتا تھا...... عمران نے بھی ایسا ہی کیا اور ہاتھ اٹھا کر ایک گھنٹی بجائی...... ڈیوڑھی کے آگے ایک چھوٹا صحن تھا جہاں شامیانہ لگا تھا...... دریاں بچھی ہوئی تھیں...... کافی لوگ دریوں پر بیٹھے ہاتھ باندھے جھوم جھوم کر بھجن گا رہے تھے...... عمران نے اپنی بائیں جانب دیکھا...... ادھر چبوترے پر ہنومان کی مورتی رکھی ہوئی تھی جس پر سرخ سیندور ملا ہوا تھا...... مرد عورتیں مورتی کے

پاس جا کر پوجا کرنے اور مورتی کے پاؤں کا سیندور ماتھے پر لگا کر آگے چلے جاتے تھے۔

عمران کو فوراً خیال آیا کہ سیندور کے بغیر وہ ہندو نہیں معلوم ہو گا...... وہ بھی آگے بڑھ کر مورتی کے پاس گیا اور مورتی کے پاؤں پر انگلی لگا کر تھوڑا سا سیندور لیا اور اپنے ماتھے پر لگانے کے بعد بھجن گانے والے آدمیوں کے پاس ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا...... اس کی نگاہیں مندر کی ڈیوڑھی کے دروازے پر بار بار جاتیں...... یہ دیکھنے کے لئے کہ اندر کوئی پولیس کا سپاہی تو نہیں آرہا...... عمران کے ساتھ ہی ایک موٹا سا ہندو لالہ بیٹھا تھا...... اس کی کلائی پر گھڑی بندھی ہوئی تھی...... عمران نے اسے غور سے دیکھا...... رات کے سوا دو بج رہے تھے۔

وہ سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے...... دن نکل آیا تو اس کے لئے شہر سے فرار ہونا مشکل ہو جائے گا...... اگر پولیس اس کی تلاش میں مسجد میں آگئی تھی تو اس کا مطلب تھا کہ پولیس کو اس کے بارے میں اطلاع مل چکی ہے کہ گنتور دھماکہ کیس کا بڑا ملزم جو طیارے سے چھلانگ لگا کر فرار ہو گیا تھا زندہ بچ گیا ہے اور امرتسر میں ہے......

وہ رات کے اندھیرے میں ہی شہر سے دور کسی گاؤں کی طرف نکل جانا چاہتا تھا...... سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مسلمانوں کے ہجرت کر جانے کے بعد ان شہروں میں ہر طرف ہندو اور سکھ ہی آباد تھے...... مسلمان کہیں نہیں تھے...... امرتسر شہر میں صرف دو مسجدیں ایک مسجد بوہڑ والی اور دوسری مسجد خیر الدین ہی تھی جو کشمیری مسلمانوں نے اپنی تحویل میں لے رکھی تھی...... اس کے سوا وہاں مسلمان ایک بھی نہیں تھا...... وہ سوچ بھی رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ مندر کے ڈیوڑھی والے دروازے کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔

اچانک ڈیوڑھی کے دروازے پر پولیس کے دو سپاہی نمودار ہوئے اور ایک طرف کھڑے ہوئے بھجن گانے والوں کو غور سے دیکھنے لگے...... عمران نے سوچا کہ بہتر ہے کہ وہ ان لوگوں کے درمیان ہی بیٹھا رہے...... اگر اٹھ کر اس نے کسی طرف

نکلنے کی کوشش کی تو پولیس کو ضرور شک پڑ جائے گا اور سپاہی اس کے پیچھے ضرور آئیں گے وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بھجن گانے والی منڈلی بھجن گاتے گاتے اٹھ کھڑی ہوئی اور لوگوں نے ایک جلوس کی شکل میں صحن کے دوسرے بڑے دروازے کی طرف چلنا شروع کر دیا...... عمران بھی ان کے ساتھ بھجن گاتا...... سر کو دائیں بائیں ہلاتا چل پڑا...... لوگوں کے ساتھ بڑے دروازے میں سے گزرتے ہوئے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا...... اب وہاں دو اور سپاہی آگئے تھے اور چاروں سپاہی جلوس کے پیچھے پیچھے آرہے تھے...... عمران بھجن گاتے گاتے آگے کو ہوتا ہوا لوگوں کے درمیان میں آگیا...... یہ چھوٹا سا جلوس بھجن گاتا ایک بازار میں آکر ایک طرف چل پڑا...... عمران بھی جلوس کے ساتھ ہی چلنے لگا...... آگے جا کر بازار ایک طرف مڑ گیا...... وہاں ایک بار پھر عمران نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا...... چاروں سپاہی جلوس کے ساتھ چلے آرہے تھے۔

یہ بات عمران کے لئے تشویش کا باعث تھی۔

رات کی خاموشی میں جلوس خالی بازاروں میں سے گزرتا چلا جارہا تھا...... بازار تنگ تھے...... کھمبوں پر بتیاں جل رہی تھیں...... پولیس کے سپاہی اب جلوس کے قریب آکر اس میں شامل ہو گئے تھے...... وہ بھجن تو نہیں گا رہے تھے مگر جلوس میں شامل لوگوں کا جائزہ ضرور لے رہے تھے...... عمران جلوس میں سب سے اگلی قطار کے پیچھے تھا...... لگتا تھا کہ پولیس کسی بھی جگہ جلوس کو روک کر یہ چیک کرنے کی کوشش کرے گی کہ ان میں گنتور کا مفرور پاکستانی کمانڈو تو نہیں ہے...... ایک طرح سے پولیس کے سپاہیوں نے جلوس کو اپنے حصار میں لے لیا تھا...... جلوس کتنے ہی بازاروں میں سے گزر گیا تھا...... پھر ایک چھوٹا سا چوک آگیا...... عمران نے اس چوک کو پہچان لیا...... یہ امرتسر میں سکھوں کے مشہور تاریخی گوردوارے دربار صاحب کا چوک تھا...... یہ دیکھ کر عمران کے دل کی دھڑکن ایک بار تو تیز ہو گئی کہ چوک میں سامنے کی طرف پولیس کے چھ سات سپاہی کھڑے تھے...... اب عمران کے لئے بچنے کا کوئی راستہ

نہیں تھا...... اچانک اس کو دربار صاحب کا خیال آگیا...... دربار صاحب یعنی گولڈن ٹمپل کا دروازہ دائیں جانب چھ سات قدموں کے فاصلے پر تھا...... سکھ شردھالو گولڈن ٹمپل میں پاؤں دھو کر داخل ہو رہے تھے۔

عمران آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا جلوس کے درمیان میں آگیا...... پھر کھسکتا ہوا دائیں جانب ہو گیا...... دائیں جانب ہوتے ہی وہ خاموشی سے سر جھکائے جلوس میں سے نکل کر دربار صاحب کے دروازے کی طرف بڑھا...... چوبچے کے پاس بیٹھ کر اس نے اپنے جوتے اتارے...... پاؤں پانی میں دھوئے اور سر جھکائے دربار صاحب کے بڑے گیٹ میں داخل ہو گیا...... اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی...... کسی بھی وقت پیچھے سے کوئی پولیس کا سپاہی اچانک اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتا ہے۔

"کون ہو بھئی تم؟"۔

گیٹ کے آگے چند ایک سیڑھیاں اترتی تھیں...... عمران جلدی جلدی سیڑھیاں اتر گیا...... گولڈن ٹمپل یعنی دربار صاحب میں چوبیس گھنٹے سکھ اور ہندو عقیدت مندوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا اور شبد کیرتن اور گرنتھ صاحب کا پاٹھ ہوتا رہتا تھا...... دربار صاحب میں آنے کے بعد عمران بہت حد تک اپنے آپ کو محفوظ سمجھ رہا تھا...... یہاں عام طور پر پولیس داخل نہیں ہوتی تھی، لیکن ہنگامی حالات میں پولیس آ بھی سکتی تھی۔

اس نے دربار صاحب کے مقدس تالاب کے کنارے کنارے آگے کی طرف جاتے ہوئے بڑی ترکیب کے ساتھ پیچھے گردن موڑ کر دیکھا کہ سپاہی اس کے پیچھے تو نہیں آرہے...... اسے کوئی پولیس والا نظر نہ آیا...... بہت حد تک مطمئن ہو کر وہ دوسرے عقیدت مندوں کے ساتھ سنگ مرمر کی ٹائلوں والے فرش پر آہستہ آہستہ چلتا رہا...... وہ جانتا تھا کہ دربار صاحب کا ایک عقبی دروازہ گورو رام داس کی سرائے میں سے گزر کر امرتسر کے کٹڑہ کرم سنگھ کی طرف نکل جاتا ہے، مگر دربار

صاحب سے نکلنے کا مطلب تھا کہ وہ پولیس کے قابو میں آجائے گا...... رات کے تین بجے شہر کی سڑکوں پر پھرتے ہوئے پولیس اسے آسانی سے پکڑ سکتی تھی...... اسے کیا کرنا چاہئے؟ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا...... اس نے یہی بہتر سمجھا کہ وہ جتنی دیر تک دربار صاحب کے اندر رہ سکتا ہے اسے وہیں رہنا چاہئے...... وہاں وہ ایک دن تو کیا دو تین دن بھی رہ سکتا تھا...... وہاں ہر وقت لنگر جاری رہتا تھا...... لنگر سے اسے دال روٹی ہر وقت مل سکتی تھی...... رات کو وہ دربار صاحب کے اندر ہی گورو رام داس کی سرائے میں باہر سے آئے ہوئے عقیدت مندوں کے ہمراہ سو بھی سکتا تھا...... اگرچہ اس کا اتنا لمبا پروگرام نہیں تھا...... اسے زیادہ سے زیادہ ایک دن کے بعد وہاں سے کسی طرف فرار ہونے کی ترکیب پر ہر حالت میں عمل کرنا ہی تھا...... دربار صاحب میں اسے سوچنے کے لئے وقت مل گیا تھا۔

چلتے چلتے وہ دربار صاحب کے پہلو میں اس کے احاطے کے اندر ہی واقع گورو رام داس کی سرائے میں آکر ایک ستون کے پاس بیٹھ گیا...... اس کے ماتھے پر سیندور کا ٹیکا لگا ہوا تھا اور شکل سے وہ ہندو ہی معلوم ہو رہا تھا...... دربار صاحب کے تالاب کے وسط میں جو گرنتھ صاحب کا استھان تھا وہاں شبد کیرتن ہو رہا تھا...... ہر طرف روشنیاں ہی روشنیاں تھیں...... ان کا عکس دربار صاحب کے پوتر تالاب میں جھلملا رہا تھا...... وہاں عقیدت مندوں کا اس قدر تانتا بندھا ہوا تھا کہ کسی کو عمران کی طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہیں تھی...... عمران یہی چاہتا تھا، کچھ دیر تک وہ ستون کے پاس ہی بیٹھا رہا...... پھر اٹھ کر سرائے کے بڑے ہال کمرے میں آگیا...... یہاں بڑی رونق تھی...... سکھ شردھالو اپنا اپنا بستر لگائے ہوئے تھے...... کوئی گٹکا پڑھ رہا تھا...... کوئی سو رہا تھا...... عمران بھی ایک طرف ہو کر دری پر چپکے سے لیٹ گیا...... کچھ دیر کے بعد اسے نیند آگئی اور وہ سو گیا...... جب اس کی آنکھ کھلی تو دن چڑھ چکا تھا...... باہر دھوپ نکلی ہوئی تھی...... وہ ہال سے نکل کر باہر آیا تو دیکھا کہ ایک طرف لنگر تقسیم ہو رہا تھا...... وہ بھی

ادھر آ گیا...... دوسرے عقیدت مندوں کے ساتھ وہ بھی دری پر ایک قطار میں بیٹھ گیا...... سکھ سیوادار ہر آدمی کے آگے تھالی اور کٹورہ رکھتے جاتے تھے...... دوسرا سیوادار دو دو روٹیاں اور دال تقسیم کرتا جاتا تھا۔

عمران نے بڑے اطمینان سے دال روٹی کھائی اور سرائے کے اندر بڑے ہال کمرے کے کونے میں آکر بیٹھ گیا...... سارا دن گزر گیا...... رات کو اس نے لنگر میں بیٹھ کر دال روٹی کھائی اور واپس ہال میں آکر دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا...... کسی وقت اسے لگتا کہ شاید اب وہاں سے وہ کبھی باہر نہیں نکل سکے گا...... شری دربار صاحب سے باہر نکلنے کے دو تین راستے تھے، مگر عمران کسی راستے سے بھی باہر نہیں نکل سکتا تھا...... اسے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے باہر نکلنے والے ہر راستے کے باہر پولیس اس کا انتظار کر رہی ہے...... دوسرا دن بھی آ گیا...... وہ صرف ایک دو بار ہی سرائے کے ہال سے باہر نکلا تھا...... اسے اندیشہ تھا کہ کہیں پولیس سفید کپڑوں میں اس کی تلاش میں دربار صاحب میں نہ آ گئی ہو...... دوسرے دن تیسرے پہر وہ تھوڑی دیر ٹہلنے کی خاطر باہر نکلا تو اسے ایک پولیس کا سپاہی نظر آ گیا...... ہو سکتا ہے کہ وہ شری دربار صاحب ماتھا ٹیکنے کے لئے آیا ہو، لیکن عمران کو یہی لگا کہ وہ اسے تلاش کرتا پھرتا ہے...... وہ جلدی سے سرائے کے ہال میں آکر دوسرے سکھ یاتریوں کی اوٹ میں ایک طرف ہو کر لیٹ گیا...... پھر اسے خیال آیا کہ اگر یہ سپاہی اسے پکڑنے آ رہا ہوتا تو سفید کپڑوں میں آتا...... وردی میں نہ آتا...... اس کے باوجود عمران چپ چاپ لیٹا رہا۔

عمران کو شری دربار صاحب کے احاطے کے اندر رہتے ہوئے تین دن گزر گئے...... اس دوران وہ پولیس کی حراست سے تو ضرور محفوظ رہا لیکن اس کا مقصد وہاں پڑے رہنا نہیں تھا...... اب اس نے وہاں سے نکل کر کشمیر کی طرف فرار ہونے کی ترکیبوں پر غور شروع کر دیا...... امرتسر شہر میں رات کے وقت پولیس گشت کرتی رہتی تھی...... رات کے وقت دربار صاحب سے نکلنا خطرناک تھا...... ویسے بھی رات کو

جموں پٹھانکوٹ کی طرف کوئی لاری نہیں چلتی تھی...... امرتسر سے رات کے ساڑھے دس بجے پٹھانکوٹ کو ایک آخری پسنجر ٹرین ضرور جاتی تھی لیکن ریلوے سٹیشن پر بھی اس کے پکڑے جانے کا خطرہ تھا...... دن کے وقت وہ لوگوں کے ہجوم میں چھپ چھپا کر کسی طرف نکل سکتا تھا، لیکن دن کے وقت بھی لاری اڈے یا سٹیشن پر وہ پولیس یا انٹیلی جنس والوں کی نظروں میں آ سکتا تھا...... بہت سوچ بچار کے بعد آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ دن کے وقت ہی دربار صاحب سے نکلے گا، لیکن امرتسر سے کسی لاری یا ٹرین میں سوار نہیں ہو گا، بلکہ ریلوے لائن کے کے ساتھ ساتھ بٹالے کی طرف نکلنے کی کوشش کرے گا اور بٹالے سٹیشن سے ہوشیار پور پٹھانکوٹ جانے والی کوئی ٹرین یا لاری پکڑ لے گا...... اس نے اپنی جیب میں جو رقم بچی تھی اس کا جائزہ لیا...... دربار صاحب میں تو اس کا ایک پیسہ خرچ نہیں ہوتا تھا...... لنگر سے دونوں وقت کھانے کو اسے مل جاتا تھا۔

اس نے دیکھا کہ اس کے پاس پینتیس روپے باقی رہ گئے ہیں...... یہ رقم جموں تک پہنچنے کے لئے کافی تھی...... اس کے آگے وہ پہاڑیوں میں پیدل سفر کر کے بھی کشمیر کی وادی میں پہنچ سکتا تھا...... وہ دو بار جموں سے پیدل پہاڑیوں میں تین چار دن تک سفر کرتا کشمیر جا چکا تھا...... وہ رات اس نے دربار صاحب میں ہی گزاری اور اللہ کا نام لے کر منہ اندھیرے دربار صاحب کے دوسرے دروازے کی طرف سے باہر نکل گیا...... ان راستوں...... ان بازاروں اور گلیوں کو وہ جانتا تھا...... ابھی رات کا اندھیرا تھا...... دکانیں بند تھیں...... ساری رات پہرہ دینے والے چوکیدار اور رات کو گشت کرنے والی پولیس کی پارٹیاں بھی واپس اپنے اپنے تھانوں کو جا چکی تھیں...... ان کی ڈیوٹی پچھلے پہر کے چار بجے تک ہوئی تھی...... بازاروں میں جہاں کہیں کوئی مندر تھا وہاں سے گھنٹیاں بجنے اور بھجن کیرتن کی آواز آ جاتی تھی...... عمران خالی خالی بازاروں کے درمیان میں چلنے کی بجائے دکانوں کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا...... بازاروں میں خاکروب جھاڑو وغیرہ

دے رہے تھے...... کبھی اس وقت امر تسر شہر کی مسجدوں سے اذان کی روح پرور آوازیں سنائی دیا کرتی تھیں......اب مندروں کی گھنٹیوں کی آوازیں آرہی تھیں...... یہ زمانے کے انقلابات تھے...... یہ انقلابات عمران کی سمجھ سے باہر تھے۔

کسی بازار میں اسے ہندو مرد اور عورتیں مندروں کی طرف جاتی ہری کرشن ہری راما کے اشلوک پڑھتی مل جاتی تھیں...... وہ بھی ان کے قریب سے گزرتے ہوئے یہ اشلوک اونچی آواز میں پڑھنے لگتا تھا......جب وہ ان ہندو عورتوں اور مردوں سے آگے نکل آتا تھا تو لاحول ولا قوۃ پڑھ کر دل ہی دل میں کلمہ پاک کا ورد کرنے لگتا تھا......اس نے اپنے دل میں جو روٹ سوچ رکھا تھا وہ یہ تھا کہ وہ ہاتھی گیٹ سے نکل کر سیدھا ریلوے برج کی طرف جائے گا جو گول باغ کے عقب میں تھا اور ریلوے پل پر جانے کی بجائے پل کے نیچے ریلوے لائن پر آجائے گا اور ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ جالندھر کی طرف چلنا شروع کر دے گا اور شریف پورے سے ذرا آگے امرود کے باغوں کے قریب جب ریل کی ایک پٹڑی بائیں جانب بٹالہ گورداسپور کی طرف مڑ جاتی ہے تو وہ بھی جالندھر والی مین لائن چھوڑ کر بٹالے گورداسپور والی برانچ لائن پر آجائے گا۔

رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ چھٹ رہا تھا اور آسمان پر صبح کا اُجالا نمودار ہونا شروع ہو گیا تھا...... عمران ریلوے لائن سے کافی پرے ہٹ کر ریلوے یارڈ کے احاطے کی دیوار کے ساتھ چل رہا تھا...... چلتے چلتے وہ امر تسر کے ریلوے سٹیشن سے بھی آگے نکل گیا......ایک انجن شنٹ کرتا شور مچاتا اس کے قریب سے گزر گیا، جس وقت وہ امرود کے باغوں والا موڑ مڑ کر بٹالہ گورداسپور کی برانچ لائن پر آیا تو سورج طلوع ہو رہا تھا اور چاروں طرف دن کی روشنی پھیل چکی تھی......اب اسے بڑی احتیاط کی ضرورت تھی......اس نے ماتھے پر جو سیندور کا ٹیکہ لگایا تھا اب اس کا پھیکا سا نشان ہی باقی تھا...... ریلوے لائن کی دونوں جانب کھیت تھے...... کہیں کہیں سکھ کسان کھیتوں میں ہل چلا

رہے تھے......ایک کھیت میں ٹریکٹر چل رہا تھا...... عمران ریلوے لائن کے ساتھ ہی چلتا رہا......کھیتوں میں چلنے سے خواہ مخواہ کسی کسان وغیرہ سے آمنا سامنا ہو سکتا تھا اور وہ لوگوں کی نظروں سے دور رہنا چاہتا تھا...... پیدل چلنے کی مشقت کا وہ عادی تھا...... وہ اس خیال سے مطمئن تھا کہ وہ سب سے خطرناک علاقے یعنی امر تسر سے نکل آیا تھا جہاں پولیس اور انٹیلی جنس باقاعدہ اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی...... موسم کی صورت حال یہ تھی کہ پنجاب میں برسات کا موسم گزر چکا تھا...... ستمبر کا مہینہ شروع ہو گیا تھا لیکن دربار صاحب میں اس نے چمبہ کانگڑہ سے آتے ہوئے سکھ یاتریوں کی زبانی سنا تھا کہ اوپر پہاڑوں میں بڑی بارشیں ہو رہی ہیں اور دریاؤں میں سیلاب آیا ہوا ہے...... پنجاب میں رات کو ہلکی ہلکی ٹھنڈ پڑنے لگی تھی۔

امر تسر سے بٹالے کا فاصلہ اڑتالیس میل ہے...... عمران کسی نہ کسی طرح بٹالے پہنچنا چاہتا تھا...... بٹالے سے اسے جموں جانے والی کوئی ٹرین بھی مل سکتی تھی اور لاری بھی مل سکتی تھی...... وہ منہ اندھیرے امر تسر سے چلا تھا...... دوپہر تک وہ ایک خاص رفتار سے آہستہ آہستہ چلتے کافی فاصلہ طے کر چکا تھا...... راستے میں ایک چھوٹا سا گاؤں آگیا...... یہ سکھوں کا گاؤں تھا...... کھیتوں میں سکھ کام کرتے نظر آرہے تھے...... گاؤں کے باہر ایک جگہ ایک عورت دانے بھون رہی تھی...... عمران نے دو روپے دے کر مکئی کے بھنے ہوئے دانے لئے اور ریلوے لائن کی اوٹ میں ایک کھیت میں بیٹھ کر کھانے لگا......اس کے بعد اس نے ایک کنوئیں پر جا کر پانی پیا جہاں عورتیں پانی بھر رہی تھیں......نہ اس نے کسی عورت سے زیادہ بات کی نہ عورتوں میں سے کسی نے اس سے فالتو بات کی......وہ کھیتوں کے درمیان آگے چل پڑا......اسے تھکاوٹ محسوس ہونے لگی تھی...... وہ کماد کے ایک کھیت کے پاس آڑ میں بیٹھ گیا...... ایک گنا توڑا اور اسے چوسنے لگا......جب اس کی تھکان دور ہو گئی تو اٹھا اور بٹالے کی طرف جاتی ریلوے لائن کے ساتھ چلنے لگا...... چھ سات میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ پھر ایک جگہ کھیتوں

میں آرام کرنے کے لئے بیٹھ گیا...... کچھ دیر آرام کرنے کے بعد دوبارہ چلنے لگا...... اسی طرح وہ شام ہونے سے ذرا پہلے بٹالے پہنچ گیا...... کبھی یہ چھوٹا سا شہر ہوتا ہے جس کی چار دیواری اور دروازے بھی تھے...... اب یہ کافی بڑا شہر بن چکا تھا اور چار دیواری کے باہر دور دور تک آبادی پھیل گئی تھی...... بٹالے کو اللہ تعالیٰ نے بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا اور قیام پاکستان سے پہلے اس شہر نے زندگی کے ہر میدان میں بڑی نامور مسلمان شخصیتیں پیدا کی تھیں جن میں شاعر...... ادیب...... دانشور...... عالم دین...... حکیم اور انجینئر شامل تھے۔

عمران شہر کے دروازے سے کچھ فاصلے پر ایک درخت کے نیچے مٹی کے چبوترے پر بیٹھ گیا اور تیز نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لینے لگا...... پولیس کا کوئی سپاہی تو اسے نظر نہیں آرہا تھا، لیکن وہ اپنی طرف سے بے حد احتیاط کر رہا تھا...... اسے یہ نہیں پتہ تھا کہ لاریوں کا اڈہ کہاں ہے جہاں سے پٹھانکوٹ جموں کو لاریاں چلتی تھیں...... ایک بوڑھا سکھ اس کے قریب سے گزرا تو عمران نے واہگورو جی کا خالصہ کہا اور پوچھا کہ پٹھانکوٹ کا لاری اڈہ کس طرف ہے...... بوڑھے سکھ نے ایک طرف اشارہ کیا اور کہا۔

"کاکا! اس طرف چلے جا...... آگے لاری اڈہ ہے"۔

عمران خاموشی سے جس طرف بوڑھے سکھ نے اشارہ کیا تھا چل پڑا...... پہلے بٹالے کے بازار شہر کی چار دیواری کے اندر ہی ہوا کرتے تھے...... باہر چاروں طرف کھیت ہی کھیت ہوتے تھے، لیکن آبادی کے بے تحاشا پھیل جانے سے اب کھیت غائب ہو گئے تھے...... ان کی جگہ دکانیں اور مکان اور بازار بن گئے تھے...... لاریوں کا اڈہ شہر کے ایک پرانے شکستہ دروازے کے باہر فصیل شہر کے پہلو میں تھا...... کچھ لاریاں کھڑی تھیں...... سکھ مسافر لاریوں میں چڑھتے اترتے دکھائی دے رہے تھے...... اچانک عمران نے دیکھا کہ پولیس کے چار پانچ سپاہی ایک لاری کے قریب آئے...... اس لاری میں کچھ مسافر سوار ہو چکے تھے...... کچھ سوار ہو رہے تھے...... پولیس نے

ی کے اندر بیٹھے مسافروں کو بھی باہر نکلوالیا اور ان کی چیکنگ شروع کر دی...... ہی ہر مسافر سے کچھ نہ کچھ پوچھ رہے تھے...... یہ عمران کے لئے خطرے کا سگنل ...... وہ وہیں سے واپس مڑا اور ادھر ادھر جانے کی بجائے شہر کے دروازے میں خل ہو کر بازار میں آگیا...... بازار میں لوگ آجا رہے تھے...... ان میں ہندو بھی تھے سکھ بھی تھے...... عورتیں بھی نظر آرہی تھیں...... تنگ سا پرانا بازار تھا...... دکانیں تھیں اور ان میں ہر قسم کا سامان پڑا تھا...... سامنے سے پولیس کا ایک سنتری ہاتھ ں ڈنڈا پکڑے آرہا تھا...... یہ سکھ سنتری تھا...... عمران جلدی سے ایک دکان میں گھس یا...... یہ کپڑے کی دکان تھی...... ایک سکھ نوجوان نے آگے بڑھ کر عمران سے پوچھا۔

"حکم مہاراج! کیا چاہئے آپ کو؟"۔

عمران لکڑی کے خانوں میں لگے ہوئے کپڑے کے تھانوں کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھنے گا...... پھر اس نے پوچھا۔

"مہاراج! آپ کے پاس دیسی کھادی ہوگی میرا مطلب ہے بے شک چرخے پر بنی ہوئی نہ ہو...... کھڈی پر بنی ہوئی ہو"۔

سکھ نوجوان نے جو دکاندار تھا کہا۔

"مہاراج! اس وقت کھڈی کی کھادی کا ایک بھی تھان نہیں ہے...... کل شام تک نیا مال آجائے گا"۔

عمران نے آنکھوں کے کونے سے دیکھ لیا تھا کہ سکھ سنتری بازار میں سے آگے گزر گیا تھا...... اس نے سکھ دکاندار سے کہا۔

"کوئی بات نہیں مہاراج! میں کل آجاؤں گا"۔

اور وہ دکان سے اتر کر بازار میں آگیا اور سامنے کی طرف چل پڑا...... اب وہ تیز تیز چل رہا تھا...... بازار ختم ہو گیا...... شہر کی فصیل کا ایک دروازہ سامنے آگیا...... اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا...... وہی سپاہی اس کے پیچھا لگا تھا اور اب وہ بھی تیز تیز چل رہا

تھا...... جیسے ہی عمران نے اسے دیکھا سکھ سنتری نے اسے دور سے آواز دی۔

"ٹھہر جاوئے"۔

عمران نے دوڑ لگادی اور شہر کے دروازے میں سے نکل کر بائیں جانب ایک کچی سڑک پر آگیا...... اس کی دونوں جانب چھوٹی چھوٹی کوٹھیاں تھیں...... وہ بے دھڑک ایک کوٹھی میں داخل ہو گیا...... اس کا خیال تھا کہ کوٹھی کی دوسری طرف کوئی دروازہ ضرور ہوگا...... وہ اس میں سے دوسری طرف نکل جائے گا، لیکن کوٹھی کی دوسری طرف کوئی دروازہ نہیں تھا...... اسے دیکھ کر ایک کتا بھونکتا ہوا اس کی جانب لپکا...... عمران دوڑ کر کوٹھی کے برآمدے میں آگیا اور کتے سے بچنے کی کوشش کرنے لگا...... کتے کے بھونکنے کی آواز سن کر ایک ساڑھی والی عورت باہر آگئی...... اس نے آتے ہی کتے کو جھڑک کر کہا۔

"موتی! خبر دار...... واپس جاؤ...... چلو"۔

کتا مالکن کو دیکھ کر چیوں چیوں کرتا واپس چلا گیا...... عمران ساڑھی والی عورت کی طرف اور ساڑھی والی عورت عمران کی طرف دیکھنے لگی...... عورت نے کہا۔

"تم گنگا دین ہو؟"۔

عمران نے یونہی کہہ دیا۔

"جی ہاں"۔

عورت نے کہا۔

"اندر آجاؤ"۔

عورت عمران کو اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لے گئی...... عمران کھڑکی کے شیشے میں سے بار بار باہر کوٹھی کے گیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عورت نے کہا۔

"تمہیں امرتسر سے بجلی پہلوان نے بھیجا ہے؟"۔

عمران نے دیکھ لیا تھا کہ وہی سکھ سنتری کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہو چکا تھا...... اس نے عورت سے کہہ دیا۔

"جی ہاں مجھے امرتسر سے بجلی پہلوان نے بھیجا ہے"۔

عمران سمجھ گیا تھا کہ یہ عورت امرتسر سے کسی بجلی پہلوان کے بھیجے ہوئے گنگا دین نامی آدمی کا انتظار کر رہی ہے اور اسے اس عورت نے گنگا دین سمجھ لیا ہے...... اب اگر پولیس والے نے اس سے عمران کے بارے میں پوچھا بھی تو یہ کہہ دے گی کہ یہ اپنا آدمی ہے...... عورت نے صوفے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہاں بیٹھ جاؤ...... میں تمہارے لئے چائے بنواتی ہوں"۔

اتنے میں دروازے کی گھنٹی بجی...... عورت ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر باہر چلی گئی...... عمران کھڑکی کے قریب آکر اوٹ میں ہو کر کھڑکی کے شیشے میں سے باہر دیکھنے لگا...... ساڑھی والی عورت سکھ سنتری سے باتیں کر رہی تھی...... تھوڑی ہی دیر بعد سکھ سنتری واپس چلا گیا...... عمران جلدی سے صوفے پر بیٹھ گیا...... عورت دروازہ بند کر کے اس کے پاس آکر کسی قدر تلخ لہجے میں بولی۔

"گنگا دین! تم عجیب بے وقوف آدمی ہو...... بجلی پہلوان کے آدمی ہو کر ایسی بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو...... تمہیں معلوم نہیں تمہارے پہلوان کے آدمی اکثر وارداتیں کرتے رہتے ہیں اور پولیس ان کے پیچھے لگی رہتی ہے...... تمہیں چاہئے تھا کہ رات کے وقت بٹالے آتے"۔

عمران نے کہا۔

"بی بی جی غلطی ہو گئی...... بس خیال نہیں رہا"۔

عورت عمران کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی...... کہنے لگی۔

"سکھ سپاہی تمہیں پکڑ کر تھانے لے جانا چاہتا تھا...... میں نے اسے کہا کہ تم میرے اپنے آدمی ہو...... ایسی کوئی بات نہیں ہے اور وہ چلا گیا...... ویسے بھی یہاں کی

پولیس مجھے جانتی ہے اور میں نے تمہارے بجلی پہلوان کی طرح ان کا ماہواری بھتہ لگا رکھا ہے۔

عورت نے نوکر کو آواز دی...... ایک پہلوان قسم کا نوکر اندر آگیا...... عورت نے کہا۔

"بنسی! چائے لاؤ"۔

نوکر چلا گیا...... عورت کی عمر زیادہ نہیں تھی...... تیس اور پینتیس کے درمیان ہوگی...... رنگ گورا تھا...... بال بڑی خوبصورتی سے بنائے ہوئے تھے...... خود بھی اچھے نین نقش والی تھی...... آنکھوں کے گرد حلقے تھے جنہیں چھپانے کے لئے اس نے بڑا گہرا میک اپ کر رکھا تھا...... عمران فوراً سمجھ گیا تھا کہ یہاں غلط قسم کے کام ہوتے ہیں، لیکن وہاں وہ محفوظ ضرور ہو گیا تھا...... شام کا اندھیرا چھا گیا تھا...... اس وقت عمران کو پٹھانکوٹ جموں والی کوئی لاری بھی نہیں مل سکتی تھی...... یہ عورت اسے گنگادین سمجھ بیٹھی تھی اور اس کا انتظار بھی کر رہی تھی...... ظاہر ہے گنگادین کے ساتھ اسے کوئی بڑا اہم کام ہوگا اور عمران گنگادین کے روپ میں اس کے ہاں ایک رات ضرور بسر کر سکتا تھا...... دل میں عمران خدا کی قدرت پر حیران ہو رہا تھا کہ اگر وہ چاہے تو اپنے بندے کو بچانے کے لئے غیب سے کیسے کیسے اسباب پیدا کر دیتا ہے...... عورت بجلی پہلوان کے بارے میں باتیں کرتی رہی...... پھر اس نے مسکراتے ہوئے عمران سے پوچھا۔

"پہلوان جی کی کملا بائی کا کیا حال ہے...... اب بھی ان کے پاس ہی ہے کہ چلی گئی ہے؟"۔

عمران نے یونہی کہہ دیا۔

"نہیں جی! کملا بائی پہلوان جی کے پاس ہی ہے"۔

عورت نے پرس میں سے سگریٹ نکال کر سلگا لیا...... نوکر ٹرے میں چائے کی دو پیالیاں رکھ کر چلا گیا...... عورت نے عمران سے کہا۔

"چائے پیو"۔

وہ خود بھی چائے پینے لگی، پھر اس نے عمران کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"گنگادین! بجلی پہلوان نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہوگا...... تمہارے کام کے بیس ہزار روپے طے ہوئے ہیں...... دس ہزار روپے میں نے بجلی پہلوان کو پہنچا دیئے تھے...... انہوں نے تمہیں دے دیئے ہوں گے"۔

عمران نے کہہ دیا۔

"جی ہاں بی بی جی...... مجھے مل گئے ہیں"۔

اب وہ وہاں اپنے آپ کو پکا گنگادین ہی ظاہر کرنا چاہتا تھا...... صرف اسی صورت میں وہ وہاں رات بسر کر سکتا تھا...... عورت نے کہا۔

"دس ہزار روپے تمہیں کام ختم ہونے کے بعد میرا ڈرائیور اسی وقت دے دے گا...... سمجھ گئے ہو؟"۔

"جی ہاں! سمجھ گیا ہوں"۔

عمران سوچ رہا تھا کہ ایسا کون سا کام گنگادین نے کرنا تھا جس کا معاوضہ بیس ہزار روپے طے ہوا ہے...... بجلی پہلوان بھی کوئی امرتسر کا مشہور جرائم پیشہ بدمعاش ہوگا اور یہ عورت بھی اسی ٹائپ کی لگتی تھی...... عورت نے سگریٹ کا کش لگا کر کہا۔

"میرا ڈرائیور صبح صبح تمہیں گاڑی میں بٹھا کر پٹھانکوٹ لے جائے گا...... وہ تمہیں سیٹھ ملکھا رام کی کوٹھی دکھا دے گا...... میرا ڈرائیور تمہیں ایک بھری ہوئی کلاشن کوف بھی دے دے گا جسے تم نے اپنی قمیض کے اندر چھپایا ہوا ہوگا...... تم سیٹھ ملکھا رام کی کوٹھی کے گیٹ سے ذرا آگے کسی جگہ چھپ کر گھات لگا کر بیٹھ جاؤ گے...... ملکھا رام دن کے دس اور ساڑھے دس بجے کے درمیان کار میں سوار ہو کر اپنی فیکٹری کی طرف جاتا ہے...... جیسے ہی اس کی گاڑی کوٹھی سے نکل کر تمہارے قریب پہنچے گی...... تم سامنے آ کر اس پر اندھا دھند گولیاں برسانی شروع کر دو گے...... یاد رکھنا

سیٹھ کو قتل کرنا ضروری ہے...... اگر وہ قتل نہ ہوا تو تمہیں دی ہوئی ساری رقم ہم واپس لے لیں گے...... کیا تم ایسا کر سکو گے ؟"۔

عمران اب سب کچھ سمجھ گیا تھا اور اس نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ پٹھانکوٹ پہنچ کر اسے کیا کرنا ہو گا...... وہ دل میں خدا کی قدرت پر حیران تھا کہ اس نے اسے پٹھان کوٹ پہنچانے کا کیسا انتظام کیا ہے۔

عمران نے کہا۔

"آپ فکر ہی نہ کریں جی...... یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے اور میرا نشانہ بڑا ٹھیک ہے"۔

عورت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بجلی پہلوان نے بھی مجھے تمہارے بارے میں یہی کہا تھا کہ گنگا دین سات قتل کر چکا ہے...... اب تم کھانا کھالو...... پھر سو جانا...... صبح تمہیں بہت جلدی اٹھنا ہو گا...... میرا ڈرائیور تمہیں جگا دے گا"۔

اس کے بعد وہ عورت چلی گئی...... عمران نے ڈرائنگ روم کا جائزہ لیا...... خوب سجا ہوا کمرہ تھا...... دیواروں پر نیم عریاں عورتوں کی تصویریں بھی لگی تھیں اور کارنس کے اوپر کرشن کی مورتی بھی رکھی ہوئی تھی...... نوکر بنسی کھانا لے آیا...... عمران کو خوب بھوک لگ رہی تھی...... اس نے کھانا کھایا...... نوکر بنسی نے کہا۔

"میرے ساتھ آجاؤ"۔

وہ اسے کوٹھی کے ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گیا جہاں پلنگ پر ایک بستر لگا تھا...... نوکر بنسی چلا گیا...... عمران جوتے اتار کر بستر پر لیٹ گیا...... چھت کا پنکھا اس نے نہیں چلایا تھا، کیونکہ راتیں خنک ہو گئی تھیں...... امرتسر سے بٹالے تک پیدل چل کر آیا تھا...... لیٹنے کے تھوڑی دیر بعد ہی وہ گہری نیند سو گیا۔

سورج نکلنے سے پہلے پہلے نوکر بنسی نے آکر عمران کو جگا دیا، بولا۔

"تیار ہو جاؤ...... ڈرائیور تمہیں لینے آگیا ہے"۔

عمران جلدی سے اٹھا...... غسل خانے میں جا کر اس نے منہ ہاتھ دھویا...... باہر نکلا تو بنسی چائے کی پیالی میز پر رکھ گیا تھا...... عمران نے جلدی جلدی چائے پی اور ڈرائنگ روم میں آگیا...... وہاں ایک بڑی بڑی مونچھوں والا بھاری بھر کم آدمی کھیس کی بکل مارے بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا...... اس نے عمران کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تمہارا نام ؟"۔

عمران نے کہا۔

"گنگا دین"۔

ڈرائیور نے کہا۔

"میں رام سنگھ ڈرائیور ہوں...... میرے ساتھ آجاؤ"۔

عمران اس کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکل کر کوٹھی کے چھوٹے سے صحن میں آگیا...... وہاں گہرے رنگ کی ماروتی کار کھڑی تھی...... ڈرائیور نے عمران کو اپنی ساتھ والی سیٹ پر بٹھا لیا اور گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

"راستے میں ایک جگہ سڑک خراب ہے، مگر فکر نہ کرو...... ہم وقت پر پٹھانکوٹ پہنچ جائیں گے"۔

اور گاڑی کوٹھی کے صحن سے نکل کر پچھلے پہر کے ملگجے اندھیرے میں سڑک پر آکر ایک طرف روانہ ہو گئی...... عمران کو اس بات کی خوشی ہو رہی تھی کہ وہ پولیس کی نگاہوں سے بچ کر پٹھانکوٹ پہنچ جائے گا...... پٹھانکوٹ پہنچنے کے بعد اس نے جو کچھ کرنا تھا وہ عمران نے پہلے سے سوچ رکھا تھا...... کار بٹالے سے چلی تھی تو پچھلے پہر کا وقت تھا...... راستے میں دن نکل آیا...... رام سنگھ بڑا تجربے کار ڈرائیور تھا...... ابھی میدانی علاقہ تھا...... سڑک پر صبح کے وقت رش بھی نہیں تھا...... وہ کافی تیز گاڑی لے جا رہا تھا...... گورداسپور آیا اور گزر گیا...... اس کے بعد نیم پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا...... پھر

سجان پور آ گیا...... رام سنگھ نے کہا۔

"یہاں ہم ناشتہ کریں گے"۔

گھڑی دیکھ کر کہنے لگا۔

"ہم پٹھان کوٹ ٹھیک وقت پر پہنچ جائیں گے"۔

سجان پور میں چائے کی دکانوں کے پاس اس نے گاڑی کھڑی کر دی...... وہاں انہوں نے ناشتہ کیا اور آگے روانہ ہو گئے...... اب نیم پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا تھا...... جس وقت دور سے پٹھانکوٹ شہر کے مکان نظر آنے لگے تو رام سنگھ نے اپنی گھڑی پر وقت دیکھا اور بولا۔

"گنگا دین...... دیکھ لو...... ہم رائٹ ٹائم پر پہنچے ہیں...... دس بج رہے ہیں...... تمہارے شکار کے اپنی کوٹھی سے نکلنے میں آدھ گھنٹہ باقی ہے...... وہ ٹھیک وقت پر روزانہ فیکٹری جاتا ہے"۔

عمران نے یونہی پوچھ لیا۔

"اس آدمی سے بی بی جی کی کوئی پرانی دشمنی لگتی ہے"۔

رام سنگھ ڈرائیور نے گاڑی کو شہر کی ایک سڑک پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"تم یہ مت پوچھو...... بس جا کر اپنا کام کرو اور میرے پاس واپس آ جاؤ"۔

عمران خاموش رہا...... گاڑی پٹھان کوٹ کی ایک بارونق سڑک پر سے گزرتی ہوئی ایک نئی کالونی والے علاقے میں داخل ہو گئی جہاں بڑی خوبصورت کوٹھیاں اور بنگلے بنے ہوئے تھے...... گاڑی آگے بڑھتی چلی گئی...... ایک جگہ پہنچ کر رام سنگھ ڈرائیور نے گاڑی کی سپیڈ کم کر دی اور اسے بائیں جانب موڑ دیا...... یہاں بنگلوں کی ایک قطار کچھ دور تک چلی گئی تھی...... رام سنگھ نے کچھ فاصلے پر گاڑی کھڑی کر دی اور عمران سے کہا۔

"گنگا دین! تم گاڑی میں ہی بیٹھے رہو"۔

عمران گاڑی کے اندر ہی بیٹھا رہا...... رام سنگھ گاڑی سے اتر کر گاڑی کے بونٹ کے پاس گیا...... اس نے بونٹ کھول دیا اور انجن کو چیک کرنے لگا...... پھر بونٹ کو اسی طرح کھلا چھوڑ کر عمران کے پاس آ کر بیٹھ گیا...... اس نے ایک بنگلے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"وہ کالے گیٹ والا دروازہ ملکھا رام کی کوٹھی کا ہے...... ٹھیک ساڑھے دس بجے کوٹھی کے اندر سے اس کی گاڑی نکلے گی جسے ڈرائیور چلا رہا ہو گا...... سیٹھ ملکھا رام پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہو گا...... تم سامنے والے درختوں کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھو گے...... جیسے ہی سیٹھ کی گاڑی باہر آئے گی تم سامنے آ کر اس پر کلاشن کوف کا فائر کھول دو گے...... جب تمہیں یقین ہو جائے کہ سیٹھ مر چکا ہے تو دوسری کوٹھی کے پیچھے سے دوڑ کر وہ سامنے والے درخت کے پاس آ جانا میں گاڑی سٹارٹ کئے وہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں گا"۔

رام سنگھ ڈرائیور نے عمران کو وہ درخت بھی دکھا دیا جس کے پاس وہ گاڑی سٹارٹ کئے عمران کا انتظار کر رہا ہو گا...... اس کے بعد سیٹ کے نیچے سے رام سنگھ ڈرائیور نے کپڑے میں لپٹی ہوئی کلاشن کوف نکال کر عمران کو دکھائی اور کہا۔

"یہ فل لوڈڈ ہے...... تم اسے چلانا جانتے ہو ناں گنگا دین؟"۔

عمران نے کہا۔

"بالکل جانتا ہوں مہاراج! آپ فکر ہی نہ کریں...... سمجھ لو ملکھا رام کی زندگی کے بس یہی تھوڑے سے منٹ رہ گئے ہیں"۔

رام سنگھ ڈرائیور مسکرانے لگا...... اس نے کلاشن کوف اسی طرح کپڑے میں لپیٹ کر عمران کو دی اور بولا۔

"پورا میگزین سیٹھ اور اس کے ڈرائیور پر ختم کر دینا...... فکر نہ کرنا...... یہاں سب دولت مند بزدل لوگ رہتے ہیں...... فائرنگ کی آواز سن کر کوئی بنگلے سے باہر

نہیں نکلے گا اور پولیس کا تھانہ یہاں سے کافی دور ہے...... جاؤ...... میں سامنے درخت کے نیچے تمہارا انتظار کروں گا...... رام بھلی کرے گا“۔

عمران نے کپڑے میں لپٹی ہوئی کلاشن کوف بغل میں دبائی اور گاڑی سے نکل کر سیٹھ ملکھارام کی کوٹھی کی طرف چل پڑا...... کوٹھیوں کی قطار جہاں سے شروع ہوتی تھی عمران اس جانب مڑ گیا...... وہاں سے تیسری کوٹھی اس ملکھارام سیٹھ کی تھی جس کو قتل کرنے کے لئے عمران کو گنگادین سمجھ کر بھیجا گیا تھا، مگر اب وہ گنگادین نہیں تھا...... کمانڈو عمران تھا جس نے گنگادین کے بھیس میں صرف پٹھانکوٹ تک پہنچنا تھا جہاں اسے کٹھوعہ جموں توی والی لاری پکڑ کر کشمیر کے محاذ کی طرف فرار ہونا تھا اور وہ پٹھانکوٹ پہنچ چکا تھا...... عمران نے نگاہ سیٹھ ملکھارام کی کوٹھی کی طرف ڈالی...... کوٹھی کا کالا گیٹ بند تھا...... باہر نیم پلیٹ پر سیٹھ کا نام ہندی اور انگریزی دونوں زبانوں میں لکھا ہوا تھا...... عمران آگے نکل گیا...... اس کی بائیں جانب وہ درخت تھا جس کی اوٹ میں گنگادین کو گھات لگا کر بیٹھنا اور سیٹھ کی گاڑی کے باہر نکلنے کا انتظار کرنا تھا۔

یہ درخت کوٹھیوں کے درمیان چھوٹی سی گلی کے کونے پر واقع تھا...... عمران درخت کی طرف مڑ گیا...... درخت کے قریب آ کر اس نے پیچھے دیکھا...... اسے رام سنگھ ڈرائیور کی گاڑی دکھائی نہیں دے رہی تھی...... وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا...... عمران نے درخت کے پیچھے جا کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کپڑے میں لپٹی ہوئی کلاشن کوف وہاں پھینک دی اور کوٹھیوں کے درمیان جو گلی نما تنگ سا راستہ بنا ہوا تھا اس پر مخالف سمت کو تیز تیز چلنے لگا...... اس کے پاس دس پندرہ منٹ تھے...... ان دس پندرہ منٹوں کے دوران رام سنگھ ڈرائیور اس کی تلاش میں اس کے پیچھے نہیں آ سکتا تھا...... وہ گاڑی آگے بڑھا کر دوسرے درخت کے نیچے اس کے انتظار میں ہوگا...... وہ یہی سمجھ رہا ہوگا کہ عمران یعنی گنگادین اسلحہ لئے درخت کی اوٹ میں گھات لگائے سیٹھ کی گاڑی کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا ہے...... دس پندرہ منٹ کے بعد سیٹھ

نے کوٹھی سے باہر نمودار ہونا تھا اور گنگادین نے اس پر فائر کھول دینا تھا...... فائر کے دھماکوں کی آواز سن کر رام سنگھ نے گاڑی کا انجن سٹارٹ کر دینا تھا تا کہ گنگادین دوڑتا ہوا آئے اور وہ اسے گاڑی میں بٹھا کر وہاں سے فرار ہو جائے، لیکن وہاں کچھ اور ہی ڈرامہ ہو رہا تھا۔

دس پندرہ منٹ کے اندر اندر عمران سیٹھ ملکھارام کی کوٹھی سے بہت دور نکل گیا تھا...... پٹھانکوٹ عمران کے لئے ایک اجنبی شہر تھا...... وہ اندھادھند چلا جا رہا تھا...... ایک جگہ ڈھلان کے نیچے اسے شہر کی آبادی دکھائی دی...... ادھر سے لاریوں کے ہارن کی آواز بھی کبھی کبھی سنائی دے جاتی تھی...... عمران جتنی تیز چل سکتا تھا چلتے ہوئے ڈھلان اتر کر سڑک پر آ گیا...... سڑک پر تھوڑی بہت ٹریفک جاری تھی...... عمران آبادی کی طرف جلدی جلدی چلنے لگا...... یہ پٹھانکوٹ شہر کی کوئی پرانی بستی تھی...... اس نے ایک آدمی سے پوچھا کہ یہاں سے جموں کی طرف لاریاں کہاں سے جاتی ہیں...... اس آدمی نے بتایا کہ سامنے والے بازار کی دوسری جانب لاریوں کا اڈہ ہے...... اس آدمی نے کلائی پر گھڑی باندھی ہوئی تھی...... عمران نے وقت پوچھا...... معلوم ہوا کہ ساڑھے دس بجنے میں صرف دو منٹ رہتے ہیں۔

عمران سامنے والے بازار میں سے ہوتا ہوا دوسری جانب نکلا تو وہاں ایک جگہ لاریوں کا اڈہ تھا جہاں کئی لاریاں کھڑی تھیں...... پٹھانکوٹ کافی بڑا اور اہم شہر بن گیا تھا اور وہاں انڈین ایئر فورس کا ہوائی اڈہ بھی تھا...... وہاں سے جموں کی طرف لاریاں آتی جاتی رہتی تھیں...... جموں جانے والی ایک لاری میں مسافر بیٹھنا شروع ہو گئے تھے...... عمران نے جموں کا ٹکٹ خریدا اور لاری میں دوسرے مسافروں کے ساتھ بیٹھ گیا...... اس وقت پونے گیارہ بج رہے تھے...... رام سنگھ ڈرائیور درخت کے نیچے گاڑی میں بیٹھا کیا کر رہا ہوگا اور کیا سوچ رہا ہوگا اس سے اب عمران کو کوئی دلچسپی نہیں تھی...... رام سنگھ ڈرائیور کے لاریوں کے اڈے کی جانب آنے کا کوئی امکان نہیں تھا،

کیونکہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گنگا دین کلاشن کوف پھینک کر جموں کی طرف فرار ہونے کے لئے لاری میں بیٹھا ہوگا...... اب تو عمران کو اگر کوئی تشویش تھی تو صرف یہ تھی کہ لاری میں کوئی خفیہ پولیس والا تو نہیں بیٹھا ہوا اس نے بڑے طریقے سے ایک ایک مسافر کا جائزہ لیا...... ان مسافروں میں عمران کو کوئی خفیہ پولیس کا آدمی نظر نہ آیا...... اگر خفیہ پولیس والے عمران کو پہچان لیتے تھے تو عمران بھی خفیہ پولیس والوں کو کافی حد تک پہچان لیتا تھا...... کچھ ہی دیر کے بعد لاری جموں کی طرف روانہ ہوگئی۔

کٹھوعہ کے قریب پہنچ کر پہاڑی علاقہ شروع ہوگیا تھا...... جیسے جیسے لاری آگے بڑھ رہی تھی آسمان پر بادل جمع ہونے لگے تھے...... مسافروں میں سے کسی نے کہا کہ اوپر بڑی بارشیں ہوئی ہیں...... توی کی ندی چڑھی ہوئی ہے...... توی دریا ہے جو جموں شہر میں سے گزرتا ہے...... ہم لوگ اسے دریا کہتے ہیں مگر وہاں کے لوگ اسے ندی یا نہر کہتے ہیں...... لاری کٹھوعہ کے لاری اڈے پر رکی تو آسمان بادلوں میں چھپ گیا تھا اور بارش شروع ہوگئی تھی...... عمران چاہتا تھا کہ جموں تک خوب بارش ہو تاکہ راستے میں پولیس یا فوج کی چیکنگ کا امکان نہ رہے...... کٹھوعہ کچھ مسافر اتر گئے...... کچھ چڑھے اور لاری آگے چل پڑی...... لاری پہاڑی راستوں میں سے گزر رہی تھی...... بارش کی وجہ سے اس کی رفتار آہستہ ہوگئی تھی...... راستے میں دو تین برساتی نالے آئے جو بڑے زور شور سے بہہ رہے تھے۔

کٹھوعہ سے چھ سات میل آگے جانے کے بعد بارش رک گئی...... لاری ایک پہاڑی موڑ کاٹ کر سیدھی سڑک پر آئی تو کچھ فاصلے پر عمران کو سڑک کے درمیان دو تین فوجی کھڑے دکھائی دیئے...... انہیں دیکھ کر وہ قدرتی طور پر کچھ پریشان ہوگیا...... وہ لاری سے اتر نہیں سکتا تھا...... پھر عمران نے سوچا کہ معمول کی چیکنگ ہوگی...... پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے...... فوج نے سڑک میں رکاوٹ کھڑی کر رکھی تھی...... ایک طرف بارک تھی جس کے برآمدے میں دو مسلح فوجی اٹن شن ہو کر

کھڑے تھے...... لاری رکاوٹوں کے قریب جا کر سڑک کے کنارے ایک طرف کھڑی ہوگئی...... ڈرائیور نے گردن موڑ کر مسافروں سے کہا۔

"اپنے اپنے کارڈ نکال کر رکھ لو"۔

عمران سمجھ نہ سکا کہ کارڈ سے ڈرائیور کا کیا مطلب تھا...... اس نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے مسافر سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ڈرائیور کا مطلب شناختی کارڈ سے تھا...... عمران نے اسے کہا کہ بھیا میں تو پردیس گیا ہوا تھا، دو مہینے بعد واپس آیا ہوں...... میرا کارڈ تو جموں میرے گھر پر ہی ہے...... مسافر نے کہا۔

"مہاراج پھر سمجھو کہ تم پھنس گئے...... فوجی تمہیں پکڑ کر چھاؤنی لے جائیں گے"۔

اس مسافر کی زبانی عمران کو معلوم ہوا کہ پچھلے ایک ماہ سے بڑی سختی ہو رہی ہے اور جموں آنے والے مسافروں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنا شناختی کارڈ ساتھ رکھ کر سفر کریں، جس مسافر کے پاس شناختی کارڈ نہیں ہوتا اسے فوج پکڑ کر بٹھا لیتی ہے اور اسے پوچھ گچھ کے لئے چھاؤنی لے جاتی ہے۔

اب تو عمران واقعی پریشان ہوگیا، لیکن اس نے چہرے سے اپنی پریشانی کو ظاہر نہ ہونے دیا...... لاری میں تیس پینتیس کے قریب مسافر سوار تھے...... ان میں سکھ بھی تھے...... ہندو بھی تھے اور ہو سکتا تھا کہ مسلمان بھی ہوں...... چار فوجی لاری کے پاس آگئے...... انہوں نے سب مسافروں کو نیچے اتار لیا...... سب نے اپنے اپنے ہاتھوں میں شناختی کارڈ پکڑ رکھے تھے...... چیکنگ شروع ہوگئی...... دو فوجی سپاہی ہر ایک مسافر کا شناختی کارڈ دیکھتے...... اسے چیک کرتے...... اس سے دو ایک سوال کرتے اور اسے کہتے کہ لاری میں بیٹھ جاؤ...... عمران بھی مسافروں کے درمیان میں ہی کھڑا تھا...... اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ شناختی کارڈ کے نہ ہونے کا کیا جواز پیش کرے گا...... اس کی بھی باری آگئی...... فوجی سپاہی نے عمران سے شناختی کارڈ دکھانے کو کہا تو اس نے کہا۔

"سر! میں دو مہینے پہلے اپنے رشتے داروں کے ہاں دلی گیا ہوا تھا...... بعد میں یہاں ختی کارڈ کی پابندی ہو گئی...... مجھے معلوم ہوتا تو میں شناختی کارڈ ساتھ ہی لے جاتا"۔

دونوں فوجی جوان ڈوگرہ رجمنٹ کے تھے...... ایک حوالدار اور دوسرا لانس نائیک

...... حوالدار نے پوچھا۔

"تم مسلمان ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"ہاں جی...... میں مسلمان ہوں"۔

کہاں رہتے ہو جموں میں؟" لانس نائیک نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"جناب بڑے مندر والے بازار میں ہماری سٹیشنری کی دکان ہے...... میرا نام بدالرشید ڈار ہے"۔

"تم کشمیری ہو؟" دوسرے نے سوال کیا۔

عمران بولا۔

"جناب میں مالیر کوٹلے کا پنجابی کشمیری ہوں...... والد صاحب ایک عرصے سے موں آکر آباد ہو گئے تھے...... میں سٹیشنری کی دکان پر والد صاحب کے ساتھ ہی کام رتا ہوں"۔

حوالدار نے پوچھا۔

"تم بڑے مندر والے بازار میں رہتے ہو...... اس مندر کا نام کیا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"نام اس وقت یاد نہیں آرہا"۔

حوالدار نے لانس نائیک سے کہا۔

"اس کو لے جا کر برآمدے میں بٹھاؤ...... اسے کیمپ میں سی او صاحب کے آگے

پیش کیا جائے گا"۔

اس سے پہلے کہ عمران کچھ کہتا ڈوگرہ لانس نائیک اسے بازو سے پکڑ کر سڑک کے کنارے چیک پوسٹ کی بارک کے برآمدے کی طرف لے گیا...... برآمدے میں اس نے عمران کو ستون کے پاس بٹھا دیا اور ایک فوجی سے کہا۔

"اس کو قابو میں رکھو"۔

یہ کہہ کر لانس نائیک لاری کی طرف چلا گیا...... دو ڈوگرہ فوجی سپاہی جن کے پاس رائفلیں تھیں عمران کے دائیں بائیں آکر کھڑے ہو گئے...... خطرے کا الارم بج چکا تھا...... ڈوگرہ فوجی عمران کو کیمپ میں لے جا کر اپنے کمانڈنگ آفیسر کے سامنے پیش کرنے والے تھے...... اس کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ عمران پکڑا گیا تھا...... اس نے فرار کی ترکیبیں سوچنی شروع کر دیں...... لاری کے دس گیارہ مسافر ہی چیک ہونے والے رہ گئے تھے...... اس کے بعد عمران کو کسی فوجی گاڑی میں بٹھا کر فوجی کیمپ میں لے جایا جانا تھا...... عمران کے پاس صرف چھ سات منٹ ہی تھے...... اس کو جو کچھ کرنا تھا ان چھ سات منٹوں میں ہی کرنا تھا...... اگر وہ اس دوران فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوتا تو پھر ٹارچر سیل تھے...... وحشیانہ تشدد تھا اور ایک اذیت ناک موت تھی۔

عمران نے اردگرد ایک نگاہ ڈالی...... وہ بارک کے برآمدے میں جہاں بیٹھا ہوا تھا وہاں اس کے پیچھے پہاڑی ڈھلان تھی جو دور نیچے تک چلی گئی تھی...... نیچے گہری کھائی تھی جہاں ایک تیز رفتار برساتی نالہ بہہ رہا تھا...... پہاڑ کی ڈھلان نیچے برساتی نالے تک چلی گئی تھی...... ڈھلان پر کوئی جھاڑیاں وغیرہ بھی نہیں تھیں...... سوکھی گھاس ہی گھاس تھی...... عمران نے لاری کی طرف دیکھا...... چیک ہونے والے صرف تین مسافر رہ گئے تھے...... عمران نے اپنے دائیں بائیں کھڑے ڈوگرہ فوجیوں کو دیکھا...... دونوں اٹن شن ہو کر کھڑے تھے...... رائفلیں انہوں نے کندھوں کے ساتھ لگا رکھی

تھیں...... عمران نے سر کھجانے کے بہانے ایک بار پھر نیچے ڈھلان کی طرف دیکھا...... دور نیچے برساتی نالہ زور شور سے موجیں اوپر کو اچھالتا بہہ رہا تھا...... کاؤنٹ ڈاؤن ختم ہونے والا تھا...... اذیت ناک موت کا ہاتھ عمران کی طرف بڑھ رہا تھا...... جہاں وہ بیٹھا تھا وہاں موت یقینی تھی...... نیچے بھی اگرچہ موت تھی، لیکن زندگی کی امید بھی تھیں...... ڈوگرہ حوالدار اور لانس نائیک نے لاری کے مسافروں کی چیکنگ ختم کر لی تھی اور اب وہ بارک کے برآمدے کی طرف آرہے تھے...... جیسے ہی انہوں نے فوجی انداز میں چلتے ہوئے برآمدے کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھے عمران نے اپنے آپ کو نیچے ڈھلان پر گرادیا...... ڈھلان پر گرتے ہی وہ فٹ بال کی طرح گھومتا قلا بازیاں کھاتا نیچے ہی نیچے جانے لگا...... اسے تھری ناٹ تھری رائفل کے فائر کے دھماکے سنائی دینے لگے...... اوپر سے فوجیوں نے اس پر فائرنگ شروع کر دی تھی...... گولیاں کہاں جارہی تھیں؟ اس کی عمران کو کچھ خبر نہیں تھی...... اسے صرف اتنا احساس تھا کہ ابھی تک کوئی گولی اسے نہیں لگی تھی...... وہ فٹ بال کی طرح اچھل اچھل کر ڈھلان پر ادھر سے ادھر لڑھکتا ہی چلا جارہا تھا اور پھر برساتی نالے کے ٹھنڈے پانی میں گر پڑا...... طوفانی نالے کی تیز رفتار موجیں اسے ادھر ادھر گھماتی اوپر نیچے کرتی ہوئی آگے ہی آگے لے جانے لگیں...... اس کا سر کبھی موجوں میں ڈوب جاتا...... کبھی موجوں سے باہر نکل آتا...... ایک بار اس کا سر پانی سے باہر نکلا تو اسے فائرنگ کے دھماکوں میں گاڑی کے انجن کے سٹارٹ ہونے کی آواز بھی سنائی دی...... وہ سمجھ گیا کہ فوج نے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا ہے۔

ابھی تک وہ زندہ تھا...... ابھی تک اسے کوئی گولی نہیں لگی تھی...... برساتی نالے کی موجیں اس قدر تیز رفتار تھیں کہ عمران کے پاؤں کسی جگہ نہیں ٹکتے تھے...... تیز رفتار موجیں اسے ہاتھ پیر مارنے کی بھی مہلت نہیں دے رہی تھیں...... اس پر اوپر سے مسلسل فائر آرہا تھا...... یہ فائرنگ اس فوجی جیپ سے ہو رہی تھی جس میں چار

ڈوگرہ فوجی سوار برساتی نالے کے ساتھ ساتھ عمران کا تعاقب کر رہے تھے، لیکن نالہ کافی نیچے گہرائی میں تھا اور عمران اوپر والے فوجیوں کو اب نظر بھی نہیں آرہا تھا...... وہ اندازے سے نالے پر فائرنگ کرتے جارہے تھے...... عمران کو یہی ڈر تھا کہ اگر برساتی نالے کے اوپر ساتھ ساتھ جانے والی پہاڑی سڑک کسی جگہ نالے کے برابر آگئی تو وہ پانی میں دیکھ لیا جائے گا اور اندھادھند فائرنگ کی زد میں آجائے گا، لیکن ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی...... نالہ اور ڈھلان کی طرف جارہا تھا جس کی وجہ سے موجوں کی رفتار میں اضافہ ہو گیا تھا اور وہ عمران کو مزید تیزی سے آگے ہی آگے بہائے لئے جارہی تھیں، عمران زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو پانی کے اندر رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ایک سیکنڈ کے لئے اس کا سر پانی سے باہر آتا تو وہ اپنی دونوں جانب پہاڑ کی ڈھلان دیکھتا جو دور اوپر تک چلی گئی تھی...... اوپر سے فائرنگ اب وقفے وقفے سے ہونے لگی تھی...... شاید اس لئے جیپ میں نالے کے ساتھ ساتھ اس کا تعاقب کرتے ڈوگرہ فوجیوں کی نظروں سے عمران اوجھل ہو گیا تھا...... ایک بار عمران کا سر تیز رفتار موجوں سے پھر اُبھرا تو اس کو سامنے ایک تاریک سرنگ کا دہانہ دکھائی دیا اور دوسرے لمحے برساتی نالہ شور مچاتا موجوں کو اچھالتا سرنگ میں داخل ہو گیا...... سرنگ میں سوائے اندھیرے اور موجوں کے گونجتے ہوئے شور کے اور کچھ نہیں تھا، لیکن عمران نے خدا کا شکر ادا کیا...... وہ ڈوگرہ فوجیوں کی فائرنگ سے بچ گیا تھا...... عمران نے محسوس کر لیا تھا کہ طوفانی نالہ زیادہ گہرا نہیں ہے، مگر اس کے پاؤں ابھی تک نالے کی تہہ پر نہیں ٹکے تھے...... وہ پاؤں جمانے کی کوشش کرتا تو تیز رفتار پانی کی موجیں اس کے پاؤں اکھاڑ دیتی تھیں...... وہ سرنگ کے اندر بہتا چلا گیا...... سرنگ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی...... ایک جگہ عمران نے محسوس کیا کہ اندھیرے میں سرنگ ایک طرف کو مڑ گئی ہے...... یہاں پانی کا بہاؤ اور زیادہ تیز ہو گیا تھا...... سرنگ میں ہلکی ہلکی سفیدی جھلکنے لگی...... پھر ایک دم سے روشنی ہو گئی...... طوفانی نالہ سرنگ سے باہر آگیا تھا اور باہر دن

کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

سرنگ سے باہر نکلتے ہی پانی کا بہاؤ سست پڑ گیا...... عمران نے تیرنا شروع کر دیا، کیونکہ وہاں پانی گہرا تھا...... اس نے دیکھا کہ برساتی نالہ دو اونچے پہاڑوں کے درمیان ایک دریا میں آکر شامل ہو گیا ہے جس کا پاٹ کافی چوڑا تھا...... عمران تیرتا چلا جا رہا تھا...... اسے معلوم تھا کہ یہ دریا آگے جا کر اس سے بھی بڑے دریا میں اتر جائے گا...... اسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ دریا پاکستان کی طرف نہیں جا رہا، بلکہ اس کے دشمن ملک سے گزرتا ہوا سمندر میں جا گرے گا...... وہ ابھی پاکستان جانا بھی نہیں چاہتا تھا...... ابھی کشمیر پر غاصب بھارتی فوجوں کا قبضہ تھا...... ابھی اپنی آزادی کا حق مانگنے والے کشمیری مسلمانوں کو بھارتی فوجی وحشیانہ ظلم و تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے...... ابھی کشمیر کے درودیوار جل رہے تھے...... ابھی کشمیر کے چناروں سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے...... ابھی وہ کیسے پاکستان جا سکتا تھا...... وہ میدان جنگ میں تھا...... وہ میدان جہاد میں تھا...... وہ میدان کربلا میں تھا اور میدان کربلا میں دشمن سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو جانے کی سعادت سے محروم ہونے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا...... ابھی وہ شہید نہیں ہوا تھا...... ابھی کشمیر آزاد نہیں ہوا تھا...... وہ اللہ کا شیر تھا...... اسلام کا سپاہی تھا...... اسے ایک نئی آن...... ایک نئی شان اور پہلے سے زیادہ غضبناک جذبے کے ساتھ قہر کی بجلیاں بن کر دشمن پر جھپٹنا تھا...... عمران نے تیرتے تیرتے اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ مارا اور کنارے کی طرف بڑھنے لگا۔

دشمن کی طرف بڑھنے لگا۔



اے حمید!